تاریخ اہلِ حدیث کی حقانیت اور علمائے اہلِ حدیث کی گرانقدر خدمات پر مشتمل
ایک اہم علمی و تاریخی دستاویز

سالنامہ

شمارہ-1

تاریخِ اہلِ حدیث

2016

اعداد و ترتیب

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

باہتمام و تعاون

محسن جماعت عبدالشکور چودھری حفظہ اللہ

چیرمین المنار ہائی اسکول، پوار بستی، پونہ

ناشر

مرکز تاریخ اہلِ حدیث ممبئی

برانچ آفس: بس اسٹاپ برگھی بازار، سدھارتھ نگر، یوپی

سالنامہ تاریخ اہلِ حدیث 2016

1

اعداد و ترتیب عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

مرکز تاریخ اہلِ حدیث ممبئی

بسلسلۂ اشاعت اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا

تاریخ اہل حدیث کی حقانیت اور علمائے اہل حدیث کی
گرانقدر خدمات پر مشتمل ایک اہم علمی و تاریخی دستاویز

سالنامہ
تاریخِ اہل حدیث

شمارہ ۱ ۲۰۱۶ء

اعداد و ترتیب
عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

اہتمام و تعاون
محسنِ جماعت عبدالشکور چودھری حفظہ اللہ
(چیئرمین المنار ہائی اسکول، پوار بستی، پونہ)

ناشر
مرکز تاریخِ اہل حدیث ممبئی
برانچ آفس: بس اسٹاپ، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، (یوپی)

©جملہ حقوق بحق مرتب وناشر محفوظ

سلسلہ مطبوعات مرکز ❷

سالنامہ تاریخ اہل حدیث

۲۰۱۶ء۔۳۷-۱۴۳۶ھ

شمارہ نمبر:۱

مرتب

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

سن طباعت: فروری 2018ء

صفحات: 376

ناشر

مرکز تاریخِ اہل حدیث ممبئی

برانچ آفس: بس اسٹاپ، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، (یوپی)

موبائل:9869395881

محتویات

نمبر شمار	عناوین	اصحاب نگارشات	صفحہ نمبر
۱	فہرست	مرتب	4
۲	کلمات تشکر وامتنان	مرتب	8
۳	انتساب	مرتب	9
۴	رشحات قلم	مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ	10
۵	اداریہ	مرتب	11
۶	افتتاحیہ	ڈاکٹر بہاء الدین	13
	باب أول: تاثرات وانطباعات		
۷	پیغام مسرت	مولانا عاشق علی اثری	19
۸	کلمۂ تبریک	مولانا محمد رحمانی	20
۹	رشحات تصدیق	مولانا عبدالرؤف ندوی	21
۱۰	پیغام مبارکبادی	مولانا عبدالسلام سلفی	23
۱۱	تاثرات واحساسات	مولانا عبدالمنان سلفی	24
	باب دوم: بحوث ومقالات		
۱۲	حدیث اور اہل حدیث	مولانا عبدالخالق صادق	29
۱۳	اہل حدیث اور ان کا شرف وامتیاز	حافظ صلاح الدین یوسف	33
۱۴	اہل الحدیث کا اعتقادی وفقہی منہج	مولانا ابوالعاص وحیدی	45
۱۵	سنت صحیحہ کے خلاف عالمی سازش	مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ	53
۱۶	اہل حدیث اور ان کا عقیدہ	مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ	64
۱۷	ائمہ اربعہ کے سلسلے میں علمائے اہل حدیث کا موقف	طارق اسعد بن اسعد اعظمی	72
۱۸	تحریک اہل حدیث ہند مختصر تعارف اور ملکی وعلاقائی تاریخ	مولانا ابوالعاص وحیدی	81

۱۹	ضلع بستی، سدھارتھ نگر، گونڈہ میں دعوت اہل حدیث کی ابتداء	مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ	94
۲۰	سرزمین بستی وگونڈہ میں توحید وسنت کی پہلی تحریک اور اس کا سلسلہ مبارک	مولانا عبدالوہاب حجازی	97
۲۱	مختصر تاریخ اہل حدیث بستی وگونڈہ	مولانا ابوالعاص وحیدی	101
۲۲	شجرہ طوبیٰ مئوی تلامذہ شیخ الکل میاں صاحب	مفتی عبدالعزیز عمریؒ	105
۲۳	شہر بنارس میں سلفیت کی اشاعت	مولانا ابوالقاسم فاروقی	108
۲۴	جامعہ سلفیہ بنارس اور اشاعت سنت نبویہ	مولانا عبدالوہاب حجازی	111
۲۵	تاریخ جامعہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈیہار، گونڈہ	مولانا احسان اللہ سلفی	122
۲۶	تصویبات واستدراکات کتاب تراجم علمائے حدیث ہند	مولانا اسعد اعظمی	130

باب سوم: یادرفتگاں

۲۷	علاقہ کچھ کا ایک مرد مجاہد مولانا عبدالرحیم پچھمی	امیر الحسن ندوی	135
۲۸	علامہ عبدالجلیل سامرودی علیہ الرحمہ	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	142
۲۹	علامہ حافظ عبدالعزیز کرنولی	مولانا یوسف جمیل جامعی	148
۳۰	ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری	ادارہ	158
۳۱	باچشم نم (شیخ ابوالمکرم سلفی حیات وخدمات)	مولانا محمد مستقیم سلفی	161
۳۲	شیخ ابوالمکرم عبدالجلیل سلفی	مولانا مطیع اللہ حقیق اللہ مدنی	168
۳۳	مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی	عبدالمعید مدنی علی گڑھ	174
۳۴	شیخ الحدیث مولانا عبدالغنی سیفی عمری	مولانا محمد انور قاسم سلفی	179
۳۵	مولانا عبدالمتین میمن جونا گڈھی حیات وخدمات	مولانا ضیاء الحسن سلفی مئو	189
۳۶	آہ رئیس المصنفین ندرہا (مولانا محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کی یاد میں)	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	192
۳۷	علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ تدریسی خصوصیات وکمالات	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	203
۳۸	شیخ الحدیث مفتی مولانا عابد حسن رحمانی رحمہ اللہ	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	208
۳۹	آہ! نشان فکر وفن اور رونق بزم چمن ندرہا (ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہریؒ کی یاد میں)	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	213
۴۰	مولانا عطاء اللہ خاں امینی جماعت کا بے باک سپاہی	مولانا عبدالمعید مدنی علی گڑھ	220
۴۱	بھیونڈی جماعت اہل حدیث کا میر کارواں مولانا عطاء اللہ خان امینیؒ	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	225

۴۲	مختصر سوانح حیات شیخ عبدالمتین سلفی کشن گنج	مولانا مطیع الرحمن مدنی	229
۴۳	ڈاکٹر جاوید اعظم بنارسیؒ	مولانا محمد یونس مدنی	234
۴۴	علامہ عبدالحمید رحمانیؒ چند نمایاں خصوصیات وخوبیاں	عبدالحکیم عبدالمبود المدنی	239

باب چہارم: مرحومین علمائے اہل حدیث ۲۰۱۶ء

۴۵	مولانا عبدالقیوم مکی بنارس	مولانا محمد یونس مدنی	255
۴۶	مولانا عبدالعلیم ماہر بستوی	مولانا عاشق علی اثری	257
۴۷	خودنوشت سوانح مولانا عبدالعلیم ماہرؔ	تعلیق وتکمیل عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	268
۴۸	مولانا عبدالعلیم ماہر بستوی	مولانا عبدالمنان سلفی	274
۴۹	مولانا عبدالحمید شفیقی	مولانا عبدالمنان سلفی	275
۵۰	مولانا عبدالرحیم امجد نیپالی: حیات وخدمات	عبدالحمید بن القاسم	277
۵۱	مولانا عبدالرحیم امجد نیپالی	مولانا عبدالمنان سلفی رو عزیز عمر سلفی	280
۵۲	مولانا عبدالقادر انور بستوی	مولانا عبدالجبار انعام اللہ سلفی	283
۵۳	مولانا اُسید رحمانی حیات وخدمات دربھنگہ بہار	مولانا افضل حسین ندوی	285
۵۴	مولانا محمد یاسین عادل ریاضی جھارکھنڈ	مولانا عبدالستار سلفی	287
۵۵	ڈاکٹر عبدالعلیم بن عبدالعظیمؒ	مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ	287
۵۶	عم محترم ڈاکٹر عبدالعلیم بستوی	مولانا سعید اختر مدنی	295
۵۷	عالم عرب وعجم کی عظیم المرتبت شخصیت	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	302
۵۸	مولانا انعام اللہ فاروقی، ناگپور	ڈاکٹر انعام اللہ فاروقی	313
۵۹	بزرگ عالم مولانا انعام اللہ فاروقی چل بسے	مولانا ابوالقاسم فاروقی	317
۶۰	ارض سنابل کے ایک درویش صفت مربی	مولانا نثار احمد سنابلی	318
۶۱	مولانا خلیل الرحمن رحمانی جوار رحمت میں	مولانا عبدالحق عمری/مولانا عبدالودود مدنی	323

باب پنجم: مرحومین اعیان جماعت وہمدردان جمعیت ۲۰۱۶ء

۶۲	بزرگ ہستی حاجی عباس صاحب پونہ	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	325
۶۳	میرے نانا مرحوم حاجی عباس صاحب	عبدالخالق خاں	327

۶۴	محسن جماعت الحاج عبدالقیوم کوڈیا جوار رحمت میں	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	328
۶۵	آہ! محسن جماعت اسماعیل لکڑاوالا اب نہ رہے	مقصود علاء الدین سین	330
۶۶	والد مرحوم کی یاد میں	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	324
۶۷	استاذ گرامی ماسٹر ابوذر صاحب رحمہ اللہ	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	328

باب ششم: علمائے موجودین ۲۰۱۶ء

۶۸	ڈاکٹر بہاء الدین محمد سلیمان برطانیہ	مولانا شیر خاں جمیل احمد عمری	341
۶۹	مولانا محمد اعظمی	شیخ اسعد اعظمی	349
۷۰	مولانا محفوظ الرحمن فیضی	خودنوشت	355
۷۱	مولانا عبدالسلام مدنی	خودنوشت	360
۷۲	مولانا محمد مستقیم سلفی	خودنوشت	362

باب ہفتم: مناظرات ومتفرقات

۷۳	روداد مناظرہ بڑھنی سدھارتھ نگر ۱۹۱۸ء	مولانا یوسف شمس فیض آبادی	367
۷۴	تعارف اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا	ادارہ	370
۷۵	فارم اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا	ادارہ	373
۷۶	تعارف سالنامہ تاریخ اہل حدیث	ادارہ	375

□□□

کلمات تشکر وامتنان

سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۶ آپ کے ہاتھوں میں ہے اس سلسلہ مبارکہ کی اشاعت پر میں خلوص دل سے رب العالمین کے حضور دست بدعا ہوں کہ بارالہا اس کی اشاعت خاص میں مادی معنوی اور علمی تعاون اور نیک مشورے دینے والے تمام علماء اور احباب جماعت کو دنیا وآخرت کی رحمات وبرکات سے مالا مال فرما اور ہمیں آئندہ اس بات کی سعادت مندی نصیب فرما کہ ہم عزم وحوصلے کے ساتھ اس سلسلے کو آگے بڑھانے اور منزل مقصود تک لے جانے میں کامیاب وکامران ہوجائیں۔

بالخصوص اس شمارہ کی اشاعت میں خصوصی تعاون پیش کرنے والے جماعت کے محسن مکرم ومحترم جناب بابو عبدالشکور چودھری رحفظہ اللہ رئیس پونہ وچیئرمین المنار ہائی اسکول پواربستی کا میں تہہ دل سے مشکور وممنون ہوں جنہوں نے اہم تاریخی وجماعتی مشن کی تکمیل میں اپنا پیش قیمت تعاون پیش فرمایا۔

اللہ انہیں شرف قبولیت بخش دے اور ان کے تعاون کا انہیں دنیا وآخرت میں بھرپور بدلہ عطا فرما۔ اور ایسے زندہ دلوں کو ہماری جماعت میں اس طرح کے کارناموں کی تکمیل کے لئے توفیق ارزانی عطا فرما۔ آمین تقبل یا رب العالمین اللھم بارك واجزی عنا جمیع المتعاونین والمحسنین۔

□□□

انتساب

میری یہ حقیر علمی کاوش

تاریخ اہل حدیث کے رمز شناس، فخر سلفیت استاذی المکرم مولانا عبدالحمید رحمانی (تغمدہ اللہ بواسع رحمتہ)
بانی ومؤسس مرکز ابوالکلام آزاد وجامعہ اسلامیہ سنابل اور اس کے دیگر ادارے۔

کے نام

جن کی سلفیت اور تاریخ اہل حدیث سے متعلق عالمی پیمانے پر دلنشین علمی وتاریخی خطابات ومحاضرات اور منہجی تقریروں اور تحریروں نے مجھے یہ حوصلہ دیا کہ میں تاریخ اہل حدیث اور اس کے متعلق انسائیکلو پیڈیا پر کام کرسکوں۔

برصغیر میں تاریخ اہل حدیث پر سنجیدہ اور معلوماتی قلمکار استاذ مکرم مولانا محمد مستقیم سلفی، استاذ الجامعۃ السلفیہ بنارس

کے نام

جنہوں نے علمائے اہل حدیث کی تصنیفی صحافتی دیگر خدمات پر اپنے گہربار قلم سے کئی کتابیں لکھ ہمیں اس سلسلے کو آگے بڑھانے کا حوصلہ دیا۔

بنارسی علماء کی تاریخ اور تراجم پر برسوں کی جہد مسلسل کے بعد ایک عظیم تاریخی وسوانحی شاہکار کے مرتب ومصنف استاذی الجلیل شیخ محمد یونس مدنی شیخ الجامعۃ السلفیہ بنارس۔

کے نام

جنہوں نے ایک عظیم تاریخی خلا کو پر کرکے جماعت پر احسان عظیم کیا ہے۔
رب العالمین مرحومین کی مغفرت فرما! اور موجودین کو صحت وعافیت کے ساتھ اس کاز کو آگے بڑھانے کا حوصلہ عطا فرما! آمین۔

اور مجھ خاکسار کو اس سلسلہ تاریخ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی سعادت مرحمت فرما! بارالہا تمام کی کاوشوں کو قبول فرما!
اور اس علمی وتاریخی میراث جماعت کو ہمیں نسل نو اور متلاشیان حق کے لئے مرتب ومحفوظ کرنے کی سعادت عطا فرما!

آمین تقبل یا الٰہ العالمین

رشحات قلم

ترجمان سلفیت، استاذی المکرم علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ

''جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں جماعت کے جمود ورکود کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ اہل حدیث کا مشن برپا کرنے والے جوافاضل، اربابِ علم وفکر اوراصحاب دعوت وعزیمت سرزمین ہند میں گزرے ہیں ان کے آثاروخدمات کے احیاء کی کوششیں نہیں کی گئیں اوران کی مجاہدانہ زندگیوں کا کوئی مفصل ومرکز خاکہ ہماری نوجوان نسل کے سامنے نہیں آسکا۔ اسلاف کے سوانح حیات اوران کی اصلاحی وتجدیدی کارنامے اخلاف کے حوصلوں اورعزائم فکروعمل کے لئے مہمیز کا کام کرتے ہیں مگر یہ کتنا بڑا حادثہ ہے کہ اس سب سے بڑی اصلاحی تجدیدی تحریک کی نشاۃ ثانیہ کے حاملین وزعماء (جن میں کاایک فرد پوری قوم وملت پر بھاری تھا) کے سوانح حیات پر جامع کتابیں ہیں نہ مقالات ومضامین''۔

(مجموعہ مقالات ۲/۲۵۸)

دوسری جگہ استاذ مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اگر جماعت اہل حدیث کو اپنا رشتہ اپنے شاندار ماضی سے جوڑے رکھنا ہے اورآنے والی نسل کوتحریک احیاء کتاب وسنت کے تاریخی تسلسل کی سنہری کڑی بنانا ہے توانہیں کم ازکم مذکورہ عباقرہ وائمہ کے سوانح وخدمات کومرتب کرکے موجودہ اورآئندہ نسل کے سامنے رکھ دینا چاہیے ورنہ ''ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں'' کی مثال توہمارے اوپر اپنی وسعتوں اور گہرائیوں کے ساتھ منطبق ہورہی ہے۔''

(ماہنامہ التبیان ماہ اکتوبر ۲۰۱۶ء ص ۱۵۔۱۶)

□□□

اداریہ

شجرۂ طیبہ

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

دین اسلام ایک ہمہ گیر عالمی دین ہے جس کی حقیقی تعبیر اور اساسی مصدر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ انہیں دونوں سرچشموں پر دین اسلام کی پوری عمارت قائم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام نے انہیں دونوں کو دنیوی واُخروی نجات کا ذریعہ بنایا تھا۔ کتاب وسنت کے پیروکاروں کا یہ قافلہ مقدس صحابہ کرام سے لے کر تابعین، تبع تابعین، محدثین، ائمہ مجتہدین سے ہوتے ہوئے کئی صدیوں تک سلسلہ بسلسلہ انہیں دونوں سرچشمہ ہدایت پر حق وصداقت کے ساتھ چلتا رہا، اور ان شاء اللہ العزیز قیامت تک چلتا رہے گا۔ اور انہیں اللہ کی نصرت وتائید حاصل رہے گی، جماعت اہل حدیث دراصل انہیں دونوں چشمہ اسلام اور آئینہ حیات کتاب وسنت کی پیروکار ایک قدیم تاریخی ومنہجی جماعت ہے جس کا سلسلہ عالیہ اور شجرۂ طیبہ اُصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے اور یہ انہیں کے نقش قدم پر اپنی منہجی، علمی اور عملی زندگی گزارنے کو باعث شرف اور قابل سعادت سمجھتے ہیں۔ صحابہ، تابعین اور خیر القرون کے زمانے سے ہی انہیں اہل السنۃ، اہل الأثر اور أہل الحدیث کے نام سے جانا جاتا ہے اور آج بھی دنیا کے مختلف ممالک میں یہ انصار السنہ، اہل اثر، اہل حدیث اور سلفی کے نام سے موجود ہیں۔ بالخصوص برصغیر ہندوپاک میں انہیں جماعت اہل حدیث اور ان کے عقیدہ ومنہج کو مسلک اہل حدیث کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

برصغیر ہندوپاک میں اسلام کی آمد سے لے کر اب تک کسی نہ کسی شکل میں یہ جماعت کم وبیش ہر دور میں موجود رہی ہے۔ بالخصوص عمل بالحدیث اور احیائے سنت کے تئیں اس میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (م 1176ھ) کے عہد سے تحریک پیدا ہوئی، اور خاندان ولی الہیٰ کے مایہ ناز سپوتوں نے اسے بام عروج تک پہنچایا جن میں مولانا شاہ عبدالعزیز (م ۱۲۳۹ھ) شاہ اسماعیل شہید (م ۱۲۴۶ھ) شاہ محمد اسحاق دہلوی (۱۲۶۲ھ) قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح شاہ صاحب کے معاصرین میں مولانا محمد فاخر زائر الہٰ آبادی (م ۱۲۶۴ھ)، مولانا محمد حیات السندی (م ۱۱۶۳ھ) اور مولانا محمد معین تھٹوی (م ۱۱۶۱ھ) وغیرہم نے اپنے اپنے علاقوں میں اشاعت سنت کا بھرپور کام کیا۔ اور مسلک حقہ کی ترویج واشاعت کی۔ ان عباقرہ اور افاضل علماء کے بعد اس قافلہ صداقت کو میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) اور علامہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی (م ۱۳۰۷ھ) جیسی دو عظیم المرتبت شخصیتیں نصیب ہوئیں جنہوں نے اشاعت سنت اور عمل بالحدیث کی تحریک کو رب العالمین کے فضل سے اپنی تدریسی، تصنیفی، اور دعوتی کاوشوں سے ایک انقلابی تحریک کی شکل میں کھڑا کردیا اور بے شمار تلامذہ اور شاگردان عالی وقار کی شکل میں علماء، دعاۃ

اور مدرسین و مصنفین کی ایک بڑی کھیپ تیار ہوگئی، جو نہ صرف یہ کہ ہندوستان اور برصغیر میں پھیلے بلکہ ان کی مساعی جمیلہ کا دائرہ ایشیاء وافریقہ تک دراز رہا ہے۔ میاں صاحب کے شاگردوں کے علاوہ تحریک شہیدین سے وابستہ افراد وعلماء بالخصوص صادقان صادقپور کی ایک ایک سنہری تاریخ ہے۔ ملک کی آزادی کی خاطر قربانی پیش کرنے والے قائدین علماء اہل حدیث کا ایک الگ باب ہے جو تاریخ کے صفحات پر درج ہے۔ تصنیفی خدمات اور اس دور میں قائم ہونے والے مدارس احمدیہ سلفیہ اور دارالہدیٰ یوسف پور سے لے کر دارالحدیث رحمانیہ دہلی آزادی کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس اور دیگر تعلیمی اداروں جامعہ محمدیہ منصورہ، جامعہ سنابل وغیرہ وغیرہ کی الگ الگ تاریخ ہے۔ بے شمار مدرسین مدارس کے چٹائیوں پر بیٹھ کر آج بھی اسلاف کے نقش قدم کو رواں دواں کئے ہوئے ہیں۔ میاں صاحب کے یوپی، بہار، بنگال، مئو، بنارس کے کثیر التعداد تلامذہ کے علاوہ رحمانی علماء اور آزادی کے بعد مختلف تعلیمی اداروں سے فارغ ہوکر اس قافلے کو مہمیز دینے والے بے شمار اساتذہ، قلمکاران، زعمائے جماعت اور بانیان مدارس کی ایک الگ ٹیم ہے اتنی بڑی تعداد پر مشتمل جماعتی علماء، ادارے اور تعلیم گاہوں کی کوئی یکجا تاریخ نہیں ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کا اخبار اہل حدیث اور اس کے علاوہ دیگر صحافتی جرائد ورسائل میں شائع شدہ جماعت اور علمائے جماعت کی سنہری تاریخ پر لکھا ہوا مواد کیسے منظر عام پر لایا جائے اس کی کوئی تدبیر نہیں ہے۔ مگر سوچنے سے اور کوسنے سے کچھ نہیں ہونے والا ہے۔ اس لئے خاکسار نے تاریخ اہل حدیث کے احیاء اور اس کی جمع وتدوین اور اشاعت کے لئے یہ محسوس کیا کہ کچھ شروع کیا جائے چنانچہ کئی سالوں کی محنت سے ایک ضخیم علمی مواد جمع ہوتا چلا گیا۔ احباب جماعت، اساتذہ اور علماء کے مشوروں سے میں نے اسے سمیٹنے اور یکجا کر کے افادۂ عام کی خاطر منظر عام پر لانے کے لئے ایک سالنامے کی اشاعت مناسب سمجھی جو ''سالنامہ تاریخ اہل حدیث'' کے نام سے موسوم ہے جسمیں سال مذکورہ کے مرحومین علماء اور بعض معاصرین اساتذہ ومشائخ کے خصوصی تذکرے کے ساتھ بکھرے ہوئے اوراق تاریخ اہل حدیث کو بھی رفتہ رفتہ شامل اشاعت کیا جائے۔ اس سلسلے کی یہ پہلی کڑی قارئین کی خدمت میں ''سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۶ء'' کی شکل میں پیش خدمت ہے۔ میں کتنا کامیاب ہوں یہ فیصلہ قارئین اور احباب جماعت پر ہے۔

رب العالمین سے دعا ہے کہ ہمیں اس سلسلۂ تاریخ کو آگے بھی جاری رکھنے کی ہمت دے۔ مواد ۲۰۱۷۔۲۰۱۸ اور بعد کے لئے بھی جمع ہیں، ان شاء اللہ رفتہ رفتہ وسائل کی فراہمی کے ساتھ انہیں منظر عام پر لانے کی سعی کی جاتی رہے گی۔

رب العالمین میری اس خدمت کو قبول فرمائے اور اسے میرے لئے، میرے اساتذہ ومشائخ اور والدین کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

تقبل یارب العالمین

□□□

افتتاحیہ

تاریخ اہل حدیث کی تدوین۔ وقت کی اہم ضرورت

□ ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ
□ مولانا عبدالجبار انعام اللہ سلفی

مورخ جماعت ڈاکٹر بہاؤالدین حفظہ اللہ وتولاہ نے آج سے تقریباً ۴۱ سال قبل ۱۸/جون ۱۹۷۶ء کو ایک مضمون بعنوان ''تاریخ اہل حدیث کی تدوین۔ وقت کی اہم ضرورت'' تحریر کر کے ''مجلہ الاسلام لاہور'' میں شائع کیا تھا۔ اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے پہلے بڑے ایجاز واختصار کے ساتھ برصغیر ہندوپاک میں عوام الناس کی جہالت اور کتاب وسنت سے ان کی دوری کا تذکرہ کیا ہے اس کے بعد علماء اہل حدیث کی کاوشوں محنتوں اوران کے ذریعہ ہندوبیرون ہند اور عالم اسلام میں قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت پر روشنی ڈالی ہے اور پھر تاریخ اہل حدیث کی تدوین کرنے، پہلے سے موجود کتب کی خامیاں دور کر کے انہیں از سرنو مرتب کر کے دوبارہ منظر عام پر لانے نیز ان اکابر علماء کی سوانح عمریاں مرتب کرنے جن پر اس سے پہلے مستقل طور پر کچھ نہیں لکھا جاسکا ہے کہ جانب علماء، اعیان جماعت اور اصحاب ثروت کی توجہ مبذول فرمائی ہے۔ اور اسے وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ترغیب دی ہے۔

الحمدللہ ڈاکٹر صاحب کی یہ آواز لوگوں کے کانوں تک پہنچی اور جماعت کے غیور اور باشعور علماء کرام نے اس کی جانب توجہ دی اور اپنے اپنے اعتبار سے اس پر کام کرنا شروع کر دیا۔

ڈاکٹر صاحب نے بذات خود آگے بڑھ کر اس عمل کو انجام دینے کی کوشش کی اور اس کے لئے بھرپور محنتیں کیں۔ رات ودن ایک کر دیا اور تنِ تنہا ایک اکیڈمی ثابت ہوئے۔ آپ کی کاوشوں کے نتیجہ میں اب تک تاریخ اہل حدیث کی ۱۵/جلدیں۔ اور تحریک ختم نبوت کی ۷۵/جلدیں مرتب ہوچکی ہیں جن میں سے تاریخ اہل حدیث کی ۷/جلدیں اور تحریک ختم نبوت کی ۳۸/جلدیں منظر عام پر آکر قبولیت عامہ حاصل کر چکی ہیں۔ مزید کا کام چل رہا ہے۔ اس پیرانہ سالی میں بھی ڈاکٹر صاحب جو تاریخ اہل حدیث کی تدوین کا کام کر رہے ہیں وہ قابل ستائش اور باعث عبرت بھی ہے۔ اللہ موصوف کو صحت وتندرستی عطا کرے اور انہیں اپنے مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔

ذھبی دوراں مولانا محمد اسحاق بھٹی نے قافلۂ حدیث، گلستانِ حدیث، دبستانِ حدیث، کاروان حدیث، برصغیر میں اہل حدیث

کی سرگزشت، چمنستان حدیث، برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، روپڑی علماء اہل حدیث، ہفت اقلیم، بزم ارجمنداں، نقوش عظمت رفتہ نامی کتابیں تحریر کر کے کسی حد تک اس خلاء کو پر کرنے کی کوشش کی ہے۔

اہل حدیث اور سیاست:

مولانا نذیر احمد رحمانیؒ، تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں: قاضی محمد اسلم سیف، تاریخ اہل حدیث: مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، محمد بن عبدالوہابؒ کی دعوت اور علماء اہل حدیث کی مساعی: مولانا ابوالمکرم عبدالجلیل مدنیؒ، کاروانِ سلف، اور علماء اہل حدیث کی خدمات: عبدالرشید عراقی، جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات: مولانا محمد مستقیم سلفی، شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی مجددانہ کارنامے اور قائدانہ کردار: صلاح الدین مقبول احمد مدنی، تراجم علمائے اہل حدیث: خالد حنیف صدیقی، علمائے اہل حدیث گونڈہ، بستی: بدالرزماں نیپالی، تراجم علمائے اہل حدیث بنارس: مولانا محمد یونس مدنی، تاریخ مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس: مولانا مطیع اللہ سلفی، تذکرہ علمائے سلف بستی، گونڈہ، سدھارتھ نگر: مولانا عبدالحفیظ ندوی، اور مشرقی ہندوستان کے علماء وداعیان کے ذکر جمیل پر مشتمل ایک عظیم سلسلہ جو ابھی بھی جاری ہے اور کئی سو صفحات پر مشتمل ہے۔ کاروان سلف: تین جلدیں: مولانا عبدالرؤف ندوی حفظہ اللہ وغیرھم کی تحریر کردہ کتابیں بھی اسی سے تعلق رکھتی ہیں۔

اور ابھی بھی یہ سلسلہ جاری ہے، علماء کرام اپنی بساط کے مطابق اس امر کو انجام دینے میں لگے ہوئے ہیں، نوسو باون صفحات پر مشتمل ''علامہ داؤد رازؒ: حیات وخدمات'' نامی کتاب مسجد اہل حدیث مومن پورہ بائیکلہ ممبئی سے، اور ''اضلاع بستی وگونڈہ میں میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ کے دعوتی واصلاحی اثرات'': مرتب مولانا عبدالمنان سلفی، مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی کی جانب سے چھپ کر منصۂ شہود پر آگئی ہیں۔

رفیق خاص اور مرکز تاریخ اہل حدیث کے فاؤنڈر مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی رحفظہ اللہ نے بھی تاریخ اہل حدیث کی تدوین اور مرحومین وموجودین علماء اہل حدیث کی خدمات ومساعی کو مرتب کر کے کتابی شکل میں لانے کا ایک بڑا منصوبہ بنایا ہے، اس منصوبے کے تحت اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب وتدوین کا کام جاری ہے جس میں برصغیر میں اسلام کی آمد سے لے کر تا حال قافلۂ حدیث سے جڑے تمام علماء، مدرسین ومصنفین اور اعیان جماعت کا علمی تعارف اور ان کی خدمات وانجازات کو قلمبند کیا جارہا ہے، خاص طور پر سال بسال وفات پانے والے علماء ومدرسین نیز تمام معاصرین وموجودین کی شخصیات وخدمات کو ایک دستاویزی شکل دی جارہی ہے۔ اس کام کو منظم کرنے کی خاطر ایک سالانہ میگزین بنام سالنامہ تاریخ اہل حدیث شائع کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے سالانہ میگزین ۲۰۱۶ء کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس کے اندر کیا خوبیاں اور کیا خامیاں ہیں اس کی نشاندہی آپ کی ذمہ داری ہے، تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔

اصحاب قلم اور علماءِ عظام سے گذارش ہے کہ جماعت اہل حدیث اور علماء اہل حدیث سے متعلق اپنے قیمتی مقالات اور علمی

تحریریں بھیج کر اس اہم کام میں مولانا کا تعاون کرنے کی کوشش کریں تا کہ یہ سلسلہ پایۂ تکمیل کو پہنچ سکے۔ اور دعا کریں کہ اللہ ان کے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور انہیں ان کے مقاصد میں کامیاب کرے۔ آمین۔ (عبدالجبار انعام اللہ سلفی)

□□□

محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ کی معروف تصنیف ''تاریخ فرشتہ'' میں ایک مناظرے کی روئداد منقول ہے جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور قاضی رکن الدین کے مابین مسئلہ سماع پر غیاث الدین سلطان دہلی کے دربار میں منعقد ہوا تھا۔ خواجہ صاحب جواز سماع کے قائل تھے۔ قاضی صاحب نے دلیل طلب کی تو انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''السماع لاجلہ'' قاضی صاحب نے جواب دیا خواجہ صاحب آپ بھی حنفی مقلد ہیں اور میں بھی۔ اس لئے قائل کرنے کے لئے قول امام پیش کیجئے خواجہ صاحب نے غصہ میں آکر فرمایا میں تو صحیح حدیث رسول ﷺ کو بیان کر رہا ہوں اور تو مجھ سے قولِ امام طلب کرتا ہے؟

ہمیں اس بات سے بحث نہیں ہے کہ اس مناظرہ میں کون حق بجانب تھا۔ ہمارا مقصد تو اس دور کے ہند میں علوم اسلامیہ کی بیچارگی پر مظاہرہ کرنا ہے کہ اپنے دور کا سب سے بڑا فقیہہ اور سب سے بڑا صوفی دونوں علم حدیث سے کس قدر بے بہرہ ہیں۔ خواجہ صاحب نے امام غزالی کا ایک فقرہ بطور حدیث بیان فرمادیا اور قاضی صاحب کی بے خبری کا یہ عالم ہے کہ انہیں بھی صحیح صورتِ حال کا علم نہیں ہے وہ اس فقرے پر کسی فنی اعتراض کے بجائے قول امام طلب فرماتے ہیں۔

یہ صورت حال اکبر کے دور تک چلی آتی ہے۔ نہ یہاں قرآن باترجمہ پڑھنے کا رواج تھا نہ تفاسیر یہاں موجود تھیں اور شروح حدیث یہاں کے علماء اور کتب خانوں میں بھی دیکھنے میں نہ آتی تھیں، حتیٰ کہ کتب صحاح بھی اکناف ہند میں کسی جگہ موجود نہ تھیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حرمین تشریف لے گئے۔ وہاں محدثین سے کسب واستفادہ کے بعد ان کی آنکھیں کھلیں تو معلوم ہوا کہ کنز ہی علوم اسلامیہ کی کل کائنات نہیں ہے بلکہ فقہ اسلامی کے اصل مآخذ تو اور ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے ترویج حدیث کے لئے ابتدائی قدم اٹھائے اور مشکوۃ کا ترجمہ فرمایا، وہ خود تو تقلید جامد کے حصار سے نہ نکل سکے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جمود، رفض اور بدعت کے خلاف بھرپور آواز اٹھانے والے حضرت شیخ مجدد سرہندی کے خلاف بھی محاذ قائم کیا تھا، تاہم وہ مبارکباد کے مستحق ضرور ہیں کہ ان کی کوشش سے ہندوستان کا صدیوں سے رائج درسی نصاب کچھ نہ کچھ حد تک متاثر ہوا۔

ان کے بعد مجدد صاحب اور پھر شاہ ولی اللہ کی بھرپور کوششوں سے فقہ کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت کی جانب امت کی توجہ مبذول ہوئی بعد ازاں شاہ محمد اسماعیل، شاہ محمد فاخر زائر، سید محمد نذیر حسین، نواب صدیق حسن خاں وغیرہم کی مساعی جمیلہ سے ماحول اس حد تک متاثر ہوا کہ علامہ رشید رضا جیسے بالغ نظر محقق کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ علماء ہند کی کاوشوں سے سارے عالم اسلام میں از سرِ نو حدیث رسول کا غلغلہ بلند ہوا ہے۔

اور آج برصغیر کا قریہ قریہ قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں سے گونج رہا ہے۔ برصغیر کی اکثر زبانوں میں علوم اسلامیہ کا

وافر ذخیرہ موجود ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا جب قرآن مجید جیسی اہم ترین کتاب یہاں کے عوام کے لئے لاطینی زبان کی انجیل بن چکی تھی جسے لوگ تبرکاً پڑھتے تو تھے لیکن اس کے منشاء ومفہوم سے یکسر غافل تھے۔ عوام کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر فقیہانِ حرم اپنی اغراض مشئومہ کے تحت اس کے مطالب میں ردوبدل کیا کرتے تھے۔ حدیث کو یہاں شجر ممنوعہ قرار دیا جاچکا تھا کیونکہ اس کی اشاعت بوالہوس علماء اور مطلق العنان حکمرانوں کے لئے پیغام مرگ کی حیثیت رکھتی تھی لیکن تاریکی ہمیشہ کے لئے روشنی کو دبا نہیں سکتی، اندھیرے کو بالآخر کافور ہونا ہی پڑتا ہے۔ ہند میں بھی یہی ہوا، یہ کارعظیم کن لوگوں نے انجام دیا؟ وہ کون تھے جنہوں نے زمانے بھر کی تیز وتند مخالفانہ ہواؤں کو اپنے سینے پر روکا اور انہیں رخ پھیرنے پر مجبور کیا؟ وہ کون باغبان تھے جو گلشنِ توحید اور ریاضِ رسول ﷺ کی آبیاری جیسی عظیم سعادت سے سرفراز ہوئے؟ تاریخ ہند کا یہ ایک ایسا باب ہے جس پر بہت کم لکھا گیا ہے جو کچھ موجود ہے وہ دودھ پینے والے کو خون دینے والے کی حیثیت سے پیش کرتا ہے اور جن عظیم القدر افراد نے سردار نعرہ ہائے حق بلند کئے، انہیں عمداً طاق نسیاں کی زینت بنادیا گیا ہے۔

اس میں کسی دوسرے کا قصور نہیں ہے، اس لئے کسی سے شکوہ بھی بے جا ہے، یہ ہمارا اپنا قصور اور ہمتوں کی پستی ہے، ہم نے تقدیر میں اپنے علماء کی خدمات کو سراہا ہے لیکن انہیں حیطۂ کتاب میں نہ لاسکے، ہم نے پدرم سلطان بود کے نعرے تو بہت لگائے لیکن کسی اہل علم کے نام سے اکیڈمی قائم کرکے اس کی خدمات وتعلیمات عوام کے سامنے تحریراً پیش نہ کرسکے۔ ہم نے متنازعہ مسائل پر تو بہت کچھ لکھا لیکن اپنی تاریخ محفوظ نہ کرسکے اور جو لوگ اپنی تاریخ کتب کے سینے میں بطور امانت نہیں رکھواتے کچھ عرصہ بعد ان کا نام ونشان تک مٹ جاتا ہے۔

مولانا ابوبکی امام خان نوشہروی مرحوم نے کیا جو کچھ کیا لیکن وہ دیوانہ اکیلا کیا کرسکتا تھا، رنگون سے لے کر خیبر تک جابجا پڑے ہوئے نقوش قدم کی تلاش ایک فرد کا نہیں ایک ادارے کا کام ہے، میں خود گزشتہ ڈیڑھ سال کی دشت نوردی کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کیوں کہ ایک مکمل ومستند سرگزشت مہیا کرنا ایک بستی کا کام ہے جہاں سبھی منصور رہتے ہوں۔

ہمارے اکابر اس معاملہ میں ہماری رہنمائی تو کرسکتے ہیں لیکن ضعیف العمری میں ان سے جانفشانی کی توقع رکھنا سوء ادب بھی ہے اور خلاف مصلحت بھی۔ موضوع اس قدر بسیط ہے کہ اگرچہ خود میرے پاس ہزاروں صفحات کا مواد جمع ہوگیا ہے تاہم اسے سمندر میں ایک قطرے کی مثال سے تعبیر کرتا ہوا کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔ ضرورت ہے اس امر کی کہ چند باہمت اور باذوق نوجوان سر جوڑ کر بیٹھیں۔ مستند علماء ان کی سرپرستی فرمائیں اور اصحابِ ثروت ان سے مالی تعاون کی صورت نکالیں۔ ان تینوں طبقات کے اشتراک سے ایک ادارہ متشکل ہو جو نہ صرف تاریخ اہل حدیث مرتب کرے بلکہ پہلے سے موجود کتب کی خامیاں دور کرکے انہیں از سرِ نو مرتب کرکے دوبارہ منظرِ عام پر لائے۔ ہم جانتے ہیں کہ شاہ اسماعیل شہید کی سوانح حیات حیاۃ طیبہ از مرزا حیرت دہلوی میں کیا نقائص ہیں جن کے باعث مہر مرحوم نے اسے افسانہ قرار دے دیا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ سوانح احمدی میں کون کون سی باتیں توجہ کی مستحق ہیں

اور کون کون سے خطوط کی عبارات تحریف شدہ ہیں جنہیں اصل مخطوطات سے مقابلہ کرانا ضروری ہے ہم جانتے ہیں کہ شیخ الکل کی سوانح حیات ''الحیاۃ بعد الممات'' میں فضل حسین بہاری مرحوم نے غلط طور پر میاں صاحب کو انگریزوں کا وفادار ثابت کر دکھایا ہے اس لئے اس کی ترتیب جدید میں میاں صاحب کی سیاسی زندگی پر روشنی ڈالنی ضروری ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ نواب سید صدیق حسن خان مرحوم کی سوانح حیات مآثر صدیقی کسی بھی طرح ان کے شایان شان نہیں ہے اور مولانا ابوبکر امام نوشہروی مرحوم نے تو شاہ اسماعیل کے والد شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالغنی مجددی کو ایک ہی شخصیت بنا دیا ہے۔

ان اصلاحات کے ساتھ ایک نہایت ضروری امر یہ ہے کہ ان اکابر علماء کی سوانح عمریاں بھی مرتب کی جائیں جن پر اس سے پہلے مستقل طور پر کچھ نہیں لکھا جا سکا۔ مثلاً مولانا محمد ابراہیم آروی، بانی مدرسہ احمدیہ آرہ۔ حافظ عبداللہ غازی پوری۔ امام عبدالجبار غزنوی۔ حافظ محمد لکھوی، علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی، ڈپٹی سید احمد حسن، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، علامہ شمس الحق ڈیانوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، حافظ محمد عبداللہ روپڑی وغیرہم رحمہم اللہ اجمعین۔

یہ کام کئی افراد کئی سال اور بافراط مالی وسائل سے ہو سکتا ہے ہم جماعت اہل حدیث کے باب پر دستک دیتے ہیں کہ فرض کفایہ کے طور پر چند حضرات آگے آئیں جن کے دل میں کام کرنے کی تڑپ، ہمت اور اہلیت ہو ہم سے رابطہ کریں، تجاویز اور مشورے ارسال فرمائیں تا کہ ان کی روشنی میں کوئی قابل عمل منصوبہ روبہ عمل آ سکے۔

ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ

□□□

باب اوّل

تاثرات وانطباعات

پیغام مسرت وتہنیت

استاذ گرامی حضرت مولانا عاشق علی اثری رحفظہ اللہ ورعاہ

جنرل سکریٹری مرکز ابوالکلام آزاد للتوعیۃ الاسلامیہ نئی دہلی

عزیز گرامی قدر مولانا عبدالحکیم مدنی صاحب

سلمہ اللہ تعالیٰ وفقنی وایاہ لکل ما یحبہ ویرضاہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے تاریخ اہل حدیث کی ترتیب وتنظیم اوراس کی اشاعت کا جو پروگرام بنایا تھا اوراس پر کام بھی شروع کردیا تھا اس کی پہلی کڑی تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۶ کا اعلان باصرہ نواز ہوا۔ اس خبر کو پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آسانیاں پیدا کرے کہ یہ جلد سے جلد منظر عام پر آسکے۔ اور رفتہ رفتہ اس کی بقیہ جلدیں بھی شائع ہوتی رہیں۔ اور ہماری تاریخ کے منتشر اوراق یکجا ہوکر ضائع ہونے سے محفوظ ہوجائیں اور نسل نو کے لئے استفادہ کی راہ آسان ہوجائے۔ کیونکہ جو قوم اپنی تاریخ فراموش کردیتی ہے وہ گمراہی کے عمیق غار میں پہنچ جاتی ہے۔

اس اہم جماعتی کام پر آپ اور مرکز تاریخ اہل حدیث سے منسلک تمام احباب مبارکباد کے مستحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ آسانیاں پیدا فرمائے اور اسے شرف قبولیت سے نوازے۔

جزاکم اللہ واحسن الجزاء

عاشق علی اثری

نئی دہلی

۱۷/۱۲/۲۰۱۷

کلمۂ تبریک

مولانا محمد رحمانی مدنی (صدر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی)

ممبئی مہاراشٹر کی سرزمین پر دینی خدمات انجام دینے والے فاضل نوجوان اور جماعت اہل حدیث کے کامیاب داعی وخطیب اور کہنہ مشق مدرس برادر گرامی شیخ عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی حفظہ اللہ نے جماعت اہل حدیث کی تاریخ مرتب کرنے کا جو جامع منصوبہ ''اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا'' کے نام سے تیار کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے، اس پر وہ قابل مبارک باد ہیں۔

اس سلسلہ میں ماضی قریب کے امام المحدثین اور سلفیت کے رمز امام علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کے نام سے منسوب ''علامہ البانی ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ'' دھانو باغ نالاسوپارہ، ممبئی اور اس کی برانچ واقع بڑھنی بازار، سدھارتھ نگر، یوپی کے تحت باقاعدہ ''اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا'' کے علاوہ سالانہ میگزین ''مجلہ تاریخ اہل حدیث'' اور تاریخ اہل حدیث کانفرنس وسیمینار'' کا منصوبہ بھی جماعت اہل حدیث کی خدمات سے ملت اسلامیہ کو روشناس کرانے کے لیے اہم قدم ہے۔

شیخ عبدالحکیم مدنی اس سلسلہ میں اس وجہ سے بھی قابل مبارک باد ہیں کہ وہ اپنی اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دینے کے لیے بڑی مستعدی سے اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کے یہاں علاقائیت اور ذات وبرادری کے امتیاز کی عصبیت اور بعض افراد پر کام کرنے اور بعض کو نظر انداز کرنے کا عنصر بالکل نہیں ہے، اس وجہ سے ان کی کاوش کے جامع اور وسیع ہونے کی اُمید ہے، ان شاء اللہ۔ انہوں نے بذات خود یہ اہم ذمہ داری جو اپنے کندھوں پر اُٹھائی ہے یقیناً یہ وقت کا تقاضہ تھا اور جماعت اہل حدیث کی خدمات کے لیے اس طرح کے کام کی کمی ایک عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی۔

میں جماعت کے ذمہ داران، علماء کرام اور اصحاب خیر حضرات سے اس اہم کام دامے درمے قدمے سخنے تعاون کرنے اور اسے آگے بڑھانے کے وسائل پیدا کرنے کی اپیل کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ یہ کاز ایک کامیاب مشن کی شکل میں آگے بڑھے گا اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان گرامی "لا تزال طائفة من امتی ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم" صادق آئے گا۔

اللہ رب العالمین برادر گرامی کو اس مشن پر ثابت قدم رکھے اور اسے آگے بڑھانے اور ترقی دینے میں تعاون کرنے والوں کو ثواب دارین سے نوازے اور انہیں دنیا وآخرت میں سربلندی عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام

محمد رحمانی مدنی

(صدر) ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی

رشحاتِ تصدیق

عالمی شہرت یافتہ صاحب قلم اور تاریخ نویس

حضرت مولانا عبدالروف ندوی رحفظہ اللہ وتولاہ

مصنف ''کاروان سلف'' ومدیر مجلس التحقیق الاسلامی تلسی پور، بلرام پور، یوپی

زندہ قومیں اپنے اسلاف کی قربانیوں کو یاد رکھتی اوران سے رہنمائی حاصل کرتی ہیں۔ جولوگ انہیں بھول جاتے ہیں تاریخ ایسے لوگوں کو کبھی معاف نہیں کرتی ہے۔ اپنے اسلام اوران کی خدمات اور کارناموں کو بھلا دینا احسان فراموشی ہے، اسلاف کی پاکیزہ خدمات اور کارناموں کو یاد رکھ کراوران کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل طے کرنا بڑی سعادت اور خوش بختی کی بات ہے۔

یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ جماعت کے تساہل اور غفلت کی وجہ سے سینکڑوں رجال اہل حدیث کی حیات وخدمات پر اتنا دبیز پردہ پڑا ہوا ہے کہ نئی نسل ان کے کارنامے وخدمات تو کجا ان کے نام سے ناواقف ہے۔ ہمارے یہاں سوانح نگاری کا جذبہ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ میرے خیال میں ابھی صرف ۵ فیصد کام ہو پایا ہوگا، ہمارا ماضی جتنا تابناک تھا ان کے تذکروں کے حوالے سے ہمارا رویہ بڑی حد تک مایوس کن ہے۔ دوسری جماعتوں نے اپنے اکابر وشیوخ اور اپنے حاشیہ نشینوں کی بھی تاریخ لکھ ڈالی ہے۔

غیر تو غیر ہمارے بہت سے اہل حدیث اوران کی نئی نسل اس تاریخی حقیقت سے کہاں تک واقف ہیں؟ کہ برصغیر میں سب سے پہلے انگریزی استعمار کے خلاف مسلح جہاد اہل حدیثوں نے کیا جس کا آغاز انہوں نے ۱۸۲۶ء میں کیا اور ۱۹۴۷ء تک ان کی یہ سرفروشانہ تحریک کسی نہ کسی شکل میں جاری رہی۔

کیا ہم اس تاریخی حقیقت سے واقف ہیں کہ سوا سو سال پہلے شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید نے انگریزوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ انڈمان کے جیل میں مجاہد کبیر مولانا محمد یحییٰ علی صادقپوری رحمہ اللہ نے ۱۸۸۴ء کے وہابی مقدمات میں سزایاب ہوکر کالے پانی بھیجے گئے۔ اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔ علمائے صادقپور اوران کے بال بچوں پر لرزہ خیز مظالم ڈھائے گئے۔ اسی طرح ہمارے بہت سے علمائے اہل حدیث کی قربانیوں وخدمات پر دبیز پردہ پڑا ہے، وقت کا تقاضہ ہے کہ ان کو اجاگر کیا جائے تاکہ موجودہ اور نئی نسل اپنی تابناک تاریخ سے واقف ہوسکے۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں سرگرم شخصیات کی حیات اور حالات زندگی پر ہماری نظر ہونی چاہیے تاکہ ان کی خدمات اور کارناموں کو قلمبند کیا جاسکے اور نئی نسل کو ان سے سیکھنے اوران کی زندگی سے عبرت حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا جاسکے۔ اگر ہمارے رفقاء جماعت اس اہم کام کی طرف توجہ فرمائیں تو یہ عظیم ملی اور جماعتی خدمت مکمل ہوسکے گی۔

راقم نے رجال اہل حدیث کی تذکرہ نویسی وقت کی اہم ضرورت سمجھتے ہوئے اللہ کا نام لے کر کاروان سلف کے نام سے شروع کر دیا ہے۔ الحمدللہ تین جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں چوتھی جلد بھی عنقریب طبع ہو کر آرہی ہے۔ یہ چاروں جلدیں دو ہزار صفحات کو محیط ہیں اس میں اپنی بساط بھر رجال اہل حدیث کی دعوت وعزیمت، تعلیم وتربیت، تصنیف وتالیف، درس وتدریس، امامت وخطابت اور ادبی، صحافی وسیاسی جدوجہد کو تفصیل سے اجاگر کیا ہے۔

ہمیں بڑی مسرت وشادمانی ہے کہ ہمارے عزیز فضیلۃ الشیخ عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی ممبئی رحفظہ اللہ تعالی نے اس کام کی اہمیت کے مدنظر موجودہ اور گذشتہ دور کے علمائے اہل حدیث اور ان کے تذکروں کو قلمبند کرنے اور ان کی خدمات وقربانیوں کو اجاگر کرنے کا عزم کیا ہے۔ اور ان کے مطمح نظر سالنامہ تاریخ اہل حدیث میگزین، تاریخ اہل حدیث انسائیکلو پیڈیا اور اس طرح کے اہم جماعتی وتاریخی موضوعات ہیں جن پر وہ مسلسل کئی سالوں سے کام کر رہے ہیں۔ اور اس کے لئے باضابطہ ایک ادارہ مرکز تاریخ اہل حدیث کے نام سے قائم کیا ہے جو ایک اکیڈمی کی شکل میں جماعتی تاریخ کی منظم ترتیب واشاعت پر اپنی بساط بھر سرگرم عمل ہے میں شیخ موصوف کو دلی مبارکباد دیتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس عظیم مقصد میں کامیابی عطا فرمائے اور ان کی یہ کوشش ہم سب کے لئے باعث استفادہ ہو۔ آمین۔

والسلام

طالب دعا

عبدالرؤف خاں ندوی

۲۰ رجنوری ۲۰۱۸ء

پیغام مبارکبادی

فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالسلام سلفی رحفظہ اللہ (امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

علمائے اہل حدیث کے حالات زندگی ان کی دعوتی واصلاحی اور ہمہ جہت خدمات کو ملت اسلامیہ کے سامنے پیش کرنے کی فکر اور کوششیں اعمال مبارک وسعادتمندی کے لائق اور قابل قدر وستائش ہیں۔ یہ ہر علاقے ووطن کے بنیادی تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضہ ہے جس کا ثبوت بشکل قوم سنت الٰہی سے ہمیں ملتا ہے۔ اس کا تسلسل سے جاری رہنا بھی یقینی ہے، کیونکہ اللہ کی سنتیں اٹل ہیں، (ولن تجد لسنة الله تبديلا) اس لئے اپنے رہنماؤں، علمائے حق جو وارثین انبیاء ہیں ان سے ہر قوم کو آشنا رہنا بھی ہر دور میں ضروری ہے۔ کیونکہ ان کی بصیرت، صبر وعزیمت، حلم وبردباری اور کلمہ حق کی سربلندی کے لئے ہر میدان میں ان کی غیر معمولی قربانیاں ہی مشعل راہ ہیں، بلکہ کاروان دعوت واصلاح اور قائدین ملت کے لئے نوجوان کے تذکروں کو زندہ رکھنا اور ان کی نمونہ جاتی زندگی کو سامنے رکھنا بے حد ضروری ہے تاکہ تداد وتسلسل بنا رہے۔ (لاتزال طائفة من امتي ظاهرين على الحق منصورة لايضرهم من خالفهم حتىٰ يأتي امر الله)۔

اللہ کے فضل وتوفیق سے مختلف ادارے اور اہل علم اس طلب اور تقاضے پر کام کر رہے ہیں، اللہ تعالی تمام جہود کو مفید بنائے اور شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

اس عظیم مشن کے لئے جماعت کے غیور اور ممتاز عالم دین شیخ عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی حفظہ اللہ نے مرکز تاریخ اہل حدیث انڈیا کے نام سے ایک مستقل ادارہ قائم کیا ہے جس کے تحت تاریخ اہل حدیث ہند کو بڑی تیزی اور قوت سے جمع کیا جا رہا ہے۔

یہ ادارہ عنقریب اس پر تاریخی انسائیکلو پیڈیا جماعت وملت کے سامنے پیش کریگا۔ اس کی پہلی کڑی سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۶ء کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے۔ اس آغاز پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ یارب تو اسے مفید بنا اور قبولت عام عطا فرما اور اس مشن میں ہمیں ہر ممکن معاونت کی توفیق دے۔ آمین۔ وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم۔

عبدالسلام سلفی
۲۸ر فروری ۲۰۱۸ء ممبئی

تاثرات و احساسات

حامداً و مصلیاً أما بعد!

اس بات میں ادنیٰ بھی شک کی گنجائش نہیں کہ برصغیر میں طائفہ منصورہ جماعت اہل حدیث کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی غیر منقسم ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جماعت اہل حدیث کی خدمات کا دائرہ بھی بڑا ہمہ گیر، وسیع اور متنوع ہے، جماعت اہل حدیث کی طویل ترین تاریخ میں کتاب وسنت کے حاملین نے اپنے اپنے طور پر نہایت موثر انداز میں دعوت وتعلیم کے فروغ اور لوگوں کے عقیدہ وعمل کی اصلاح کے ساتھ مختلف دینی علوم وفنون میں بیش بہا کتابیں تصنیف کیں، تعلیم کے مراکز قائم کئے، اسلام خالص کی دعوت کو عام کیا اور کتاب وسنت کی روشنی میں تبلیغ وتزکیہ اور اصلاح وتربیت کا بنیادی کام کیا جس کے نقوش مرور زمانہ کے باوجود آج بھی نہ کہ بہت تابناک ہیں بلکہ ان کے اثرات پورے برصغیر میں واضح طور پر محسوس بھی کئے جارہے ہیں۔

مگر اسے اس طائفۂ منصورہ حقہ کی حرماں نصیبی ہی کہا جائے گا کہ جماعت اہل حدیث کی اس روشن، تابناک اور شاندار تاریخ کی ترتیب وتدوین کا کام منصوبہ بند طریقہ پر اب تک نہ ہوسکا، ماضی قریب کے بعض مخلص علماء کرام نے اپنے اپنے طور پر اس جانب توجہ ضرور مبذول کی اور کچھ حضرات نے بعض رجال حدیث کے سوانحی خاکے مرتب کئے اور بعض نے تاریخ اہل حدیث کے کچھ اہم گوشوں کو اجاگر کیا، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات قبول فرمائے، آمین، ان علماء کرام میں نواب محمد صدیق حسن خاں بھوپالی رحمہ اللہ کا نام نامی سرفہرست ہے، ان کے بعد کے افاضل علماء میں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا ابویحیٰی خاں امام نوشہروی، مولانا نذیر احمد املوی، مولانا احمد بن محمد دہلوی، مولانا محمد اسلم سیف فیروز پوری، مورخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، مولانا عبدالحمید رحمانی، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری اور مولانا ابوالمکرم سلفی رحمہم اللہ جیسی نابغہ روزگار شخصیات قابل ذکر ہیں، جنھوں نے تاریخ اہل حدیث کی ترتیب یا تحریک کے حوالے سے قابل قدر علمی خدمات انجام دی ہیں اور جماعت کی تاریخ کے مختلف گوشوں کی تدوین وترتیب میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔

اسی طرح اس تعلق سے علماء موجودین میں مولانا ارشاد الحق اثری اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن پریوائی کا نام بھی اہم ہے جنھوں نے علماء اہل حدیث ہند کی تفسیری اور حدیثی خدمات پر کتابیں تحریر فرما کر تاریخ اہل حدیث ہند کے ایک گوشہ کو اجاگر کیا، ان کے علاوہ متعدد علماء کرام نے سیر وسوانح اور جماعت اہل حدیث کی تعلیمی ودعوتی خدمات پر گراں قدر مواد جمع کر کے انھیں شائع کیا، ان علماء میں میری اپنی معلومات کے مطابق مولانا محمد مستقیم سلفی، مولانا اسعد اعظمی، مولانا عزیز الرحمٰن سلفی، مولانا بدرالزماں نیپالی، مولانا عبدالرؤف ندوی، مولانا خالد صدیقی اور مولانا محمد یونس مدنی بنارسی وغیرہم کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔ (اوپر ذکر گئے اسماء گرامی بہ طور مثال ہیں حصر کے لئے نہیں کہ یہ فہرست طویل ہے)

جماعت کے تعلیمی اداروں میں مادر علمی جامعہ سلفیہ بنارس کو یہ شرف حاصل ہے کہ ۱۹۸۰ء میں ''مؤتمر الدعوۃ والتعلیم'' کے انعقاد کی مناسبت سے استاذ محترم ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ کی تخطیط کے مطابق آپ کی رہنمائی میں جامعہ سلفیہ کے بعض مؤقر اساتذۂ کرام کی محنتوں سے جماعت اہل حدیث کی تصنیفی اور تدریسی خدمات کے تعلق سے قابل قدر کام ہوا، تدریسی خدمات کا مجموعہ استاذ محترم مولانا عابد حسن رحمانی رحمہ اللہ اور استاذ مکرم مولانا عزیز الرحمٰن سلفی

حفظہ اللہ کی نگرانی میں ترتیب دیا گیا ہے جب کہ تصنیفی خدمات کا ضخیم اور وقیع مجموعہ استاد مکرم مولانا محمد مستقیم سلفی حفظہ اللہ کی شب و روز کی کاوشوں کا رہین منت ہے، تصنیفی خدمات کے اس مجموعہ کی اشاعت اول کے بعد استاد محترم ڈاکٹر ازہری رحمہ اللہ کی ہدایت کے مطابق مرتب مجموعہ مولانا محمد مستقیم سلفی رحفظہ اللہ مسلسل اس سلسلہ میں اضافہ کرتے رہے ہیں، تاریخ اہل حدیث کے تعلق سے یہ نہایت اہم کام انجام پذیر ہوا ہے۔

اسی طرح اس کانفرنس کے موقعہ پر استاد مکرم مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے تاریخ اہل حدیث اور علماء اہل حدیث کی خدمات کے حوالہ سے ایک نمائش کا بھی اہتمام کیا تھا، جس کی تفصیلات قدرے اختصار کے ساتھ مجلة الجامعة السلفية اور ماہنامہ محدث میں عربی اور اردو میں دونوں مجلّات کی خصوصی اشاعتوں ''مؤتمر الدعوة والتعليم نمبر'' میں شائع ہوئی تھیں، یہ بھی اس تعلق سے نہایت وقیع اور گراں قدر خدمت ہے۔

ادھر گذشتہ پندرہ بیس برسوں سے برمنگھم برطانیہ میں مقیم ایک محترم بزرگ اور تاریخ اہل حدیث سے جنون کی حد تک محبت کرنے والے، دھن کے پکے فاضل اور جماعت کے قلم کار عالی جناب ڈاکٹر بہاء الدین صاحب رحفظہ اللہ نے تاریخ ختم نبوت کے عنوان سے تاریخ اہل حدیث کی ترتیب و تدوین کا کام شروع کیا اور اللہ کے خصوصی فضل و کرم اور مولانا شیر خاں جمیل احمد عمری حفظہ اللہ جیسے مخلص معاونین کے تعاون سے دس ہزار سے زائد صفحات پر تاریخ اہل حدیث کی تدوین کا کام انجام دے ڈالا، ڈاکٹر بہاء الدین کا یہ گراں قدر کام بلاشبہ کسی کرامت سے کم نہیں کہ برصغیر سے دور دیار غیر میں بیٹھ کر انھوں نے کس طرح تاریخ اہل حدیث کے بکھرے اور منتشر اوراق کو یکجا فرمایا اور انھیں نہایت سلیقہ سے سجا کر کے ان کی اشاعت کا اہتمام کیا، ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کا یہ کارنامہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، میرے اپنے علم کی حد تک یہ تاریخ اہل حدیث پر اب تک کا سب سے منظم اور مفصل کام ہے، اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو صحت و عافیت کے ساتھ اس عظیم خدمت کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ان سب کے باوجود ابھی تاریخ اہل حدیث کے مختلف گوشوں پر کام کرنے کی ضرورت باقی ہے، بالخصوص گمنام علماء کرام کے حالات اور ان کی خدمات، جماعت کی تاریخی بستیوں اور مراکز تعلیم و دعوت کی خاموش خدمات کو اجاگر کرنے اور انھیں اگلی نسلوں کے لئے محفوظ کرنے کی شدید ضرورت ہے جن پر اب تک پردہ پڑا ہوا ہے اور لوگ ان سے کماحقہ واقف نہیں ہیں، اسی طرح موجودہ وقت کے علماء، دعاۃ، مدرسین، مصنفین، مناظرین اور جماعت کے پروفیسر، ڈاکٹر، انجینئر اور حکومت ہند کے مختلف اداروں اور شعبوں میں مخلصانہ خدمات انجام دینے والے ایسے آفیسرز اور مخیّر حضرات جو کسی نہ کسی طور پر جماعت سے بھی جڑے ہیں اور اپنے مخصوص انداز میں توحید اور اتباع سنت کی دعوت عام کرنے میں اپنا کردار نبھا رہے ہیں' ان کا تذکرہ بھی محفوظ ہونا ضروری ہے، کہ ان کے گراں قدر مادی، علمی اور اخلاقی تعاون اور سرپرستی کا جماعتی خدمات میں اہم رول ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ میرے تلمیذ رشید اور فاضل عزیز شیخ رعبدالحکیم عبدالمعبود مدنی حفظہ اللہ استاد حدیث جامعہ رحمانیہ کاندے ولی ممبئی کو اللہ تعالیٰ نے تاریخ اہل حدیث ہند کی ترتیب کی توفیق بخشی، اور انھوں نے اتنے بڑے عظیم الشان علمی کام کا بیڑہ تنہا اپنے کندھوں پر اٹھا کر اپنے عزم راسخ کا ثبوت دیا، پورے ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کی تاریخ کی ترتیب اور جماعت کی متنوع خدمات کا تذکرہ آسان اور تنہا کسی ایک شخص کا کام نہیں، اس عظیم اور ہمہ جہت علمی کام کے تصور ہی سے عام شخص گھبرا اٹھتا ہے، لیکن قربان جایئے مولانا عبدالحکیم مدنی کے عزم راسخ پر کہ موصوف نے اللہ پر بھروسہ کرنے کے بعد اپنے اساتذہ، احباب اور ملک کے دیگر افاضل علماء کرام اور اپنے تلامذہ کے تعاون پر اعتماد کرتے ہوئے اس کام کی باقاعدہ تخطیط کی اور **''مرکز تاریخ اہل حدیث''** قائم کر کے عملی اقدام کیا، اور اپنی تدریسی اور دعوتی مصروفیات کے باوجود مختلف علاقوں میں خود جا کر اور جہاں خود نہ پہونچ سکے وہاں کے اہل علم سے رابطہ کر کے اس کام کو آگے بڑھایا، اور معلومات کی فراہمی کے لئے کچھ فارم تیار کر کے اسے سوشل میڈیا کے ذریعہ عام کیا، اور اس طرح تاریخ اہل حدیث ہند کے تعلق سے بہت قیمتی اور نادر معلومات جمع کرنے میں وہ کامیاب بھی ہو گئے، اور آگے منصوبہ بند طور پر کام جاری ہے، **''مرکز تاریخ اہل حدیث''** کا صدر دفتر ممبئی ہے جہاں مولانا عبدالحکیم کا قیام ہے جب کہ اس کی برانچ آفس انھوں نے اپنے آبائی وطن ملگھیا سے متصل بڑھنی بازار ضلع سدھارتھ نگر (یوپی) میں قائم کر رکھا ہے تاکہ کام تسلسل اور تیزی کے ساتھ جاری رہے۔

تاریخ اہل حدیث پر مرتب زیر نظر سالنامہ دراصل مجوزہ تاریخ اہل حدیث کا پہلا حصہ ہے جو سات ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب کے تحت فاضل مرتب نے اپنا اداریہ، مرکز تاریخ اہل حدیث کا جامع تعارف اور کچھ علماء کرام کے تاثراتی پیغامات کو شامل اشاعت کیا ہے، دوسرے باب کے تحت اہل حدیث، تاریخ اہل حدیث اور جماعت کے بعض تعلیمی ودعوتی مراکز کے تعارف وغیرہ پر مشتمل مستند اہل علم کی تحریریں جمع کی گئی ہیں، باب سوم میں بعنوان: ''یادرفتگاں'' ۱۹۱۵ء تک وفات پاچکے سترہ (۱۷) علماء کرام کی سوانح حیات اور ان کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے، باب چہارم ۲۰۱۶ء میں وفات پانے والے علماء کرام کے ذکر جمیل کے لئے مختص ہے اور اس کے تحت سولہ (۱۶) علماء کرام کی سوانح حیات اور ان کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے، باب پنجم میں ۲۰۱۶ء میں وفات پانے والے بعض ایسے اعیان جماعت کی وفات پر لکھی گئی تعزیتی تحریریں شامل ہیں جو باضابطہ عالم تو نہ تھے مگر جمعیت و جماعت اور اس کے کاز سے گہری دلچسپی اور اور وابستگی کے سبب انھوں نے اپنے طور قابل قدر خدمات انجام دیں، باب ششم میں پانچ (۵) اکابر علماء موجودین حفظہم اللہ کی خودنوشت سوانح حیات شامل ہے جو اپنی جگہ نہایت اہمیت کی حامل ہے، جب کہ آخری اور ساتویں باب میں متفرقات کے عنوان سے فاضل مرتب نے تین گراں قدر مضامین تاریخ اہل حدیث کے تعلق سے شامل کئے ہیں۔

اس طرح مرکز تاریخ اہل حدیث کا یہ پہلا سالنامہ اپنے موضوع کے مختلف گوشوں کو سمیٹے ہوئے ایک علمی مرقع اور حسین گلدستہ کی شکل میں منظر عام پر آرہا ہے، میں اس عظیم الشان خدمت پر اپنے تلمیذ رشید شیخ عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انھیں مزید علمی، تدریسی، دعوتی، تحقیقی اور جماعتی خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے اور انھوں نے تاریخ اہل حدیث کی ترتیب وتدوین کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسے پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وصلی اللہ علی نبینا محمد وبارک وسلم.

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عبدالمنان عبدالحنان سلفی

ناظم اعلیٰ ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر

ونائب ناظم صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی

{مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾}

مومنوں میں (ایسے) لوگ بھی ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کیا تھا اسے سچا کر دکھایا، بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض موقعہ کے منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ (الاحزاب: ۲۳)

باب دوم

بحوث ومقالات

حدیث اور اہل حدیث

مولانا عبدالخالق محمد صادق (کویت)

علم حدیث وہ مبارک ومہتم بالشان اور رفیع القدر علم ہے جو کہ فجر اسلام ہی سے حاملین کتاب وسنت اور ورثائے علوم نبوت کی خصوصی توجہ اور عنایت کا مرکز رہا ہے۔ اس لئے یہ دین اسلام کا بنیادی ماخذ اور سرچشمۂ وحی الٰہی ہے اور اس کا اطلاق قرآن اور حدیث دونوں پر ہوتا ہے کیوں کہ دونوں من جانب اللہ اور باہم لازم وملزوم ہیں، اور ان کی حجیت یکساں طور پر مسلمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل جہاں کی رشد وہدایت کے لئے جس طرح ایک جامع، عالمگیر اور کامل واکمل دستور حیات (قرآن کریم) نازل کیا ہے، اسی طرح اس کی تفسیر وبیان کو بھی ''حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' کی صورت میں نازل فرمایا ہے۔ ارشاد باری ہے:

{إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ} (القیامة: ۱۷-۱۹)

"ثم ان علینا بیانه" (پھر اس کا بیان وتفسیر بھی ہمارے ذمے ہے) سے اظہر من الشمس ہے کہ قرآن کا بیان اس کے علاوہ ہے اور دونوں ہی من جانب اللہ ہیں۔ اور سورۂ ہود میں ارشاد ہے:

{الٓرٰ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ} (هود: ۱)

(یہ کتاب جس کی آیات محکم بنائی گئی ہیں اور پھر حکیم وخبیر (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"الا انی اوتیت الکتاب ومثله معه" (ابوداؤد حدیث نمبر: ۴۶۰۴)

(خبردار! مجھے قرآنِ کریم کے ساتھ اس کی مثل (حدیث) بھی عطا کی گئی ہے۔)

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاداتِ نبویہ اور احکام واعمال مصطفویہ کو واجب القبول اور واجب الاتباع قرار دیا اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اطاعت گردانا ہے۔ ارشاد باری ہے:

{مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ} (النساء: ۸۰)

(اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے والا گویا کہ اللہ کا مطیع ہے۔)

چنانچہ علامہ شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فکانت السنة بمنزلة التفسیر والشرح لمعانی احکام الکتاب" (الموافقات: ۱۰۵)

(یعنی حدیث پاک قرآنی احکام کی شرح وتفسیر ہے۔)

علامہ سمعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اعلم وفقك الله! ان علم الحديث أشرف العلوم بعد العلم بكتاب الله سبحانه وتعالى. اذالاحكام مبنية عليهما ومستنبطة منهما. والله سبحانه وتعالىٰ شرّف نبينا (صلى الله عليه وسلم) حيث قال {وما ينطِقُ عَنِ الهَوٰى. ان هُوَ الا وحى يوحٰى}" (الانتصار لأهل الحديث، ص:٥٦)

یعنی کتاب اللہ کے بعد اشرف ترین علم اس کی تفسیر و بیان ''حدیث'' کا علم ہے۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جاں مسلم داشتن

وحی الٰہی کی بکمالہ حفاظت وصیانت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ} (الحجر:۹)

(بلاشبہ، ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

آیت کریمہ میں لفظ ''الذکر'' سے قرآنِ کریم اور حدیث مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) دونوں مراد ہیں۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ مبنی برحق ہے۔ لہٰذا وحی الٰہی بکمالہ محفوظ و مامون ہے، جس طرح قرآنِ کریم محفوظ ہے، اسی طرح اس کی تفسیر و بیان (حدیث) بھی محفوظ ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت چوں کہ قیامت تک آنے والوں کے لئے ہے جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ دین اسلام قیامت تک محفوظ ہو۔ لہٰذا یہ ہر دور میں اپنی اصلی و حقیقی شکل میں محفوظ رہا ہے اور محفوظ رہے گا۔ ان شاء اللہ

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ہر دور میں بعض نظریات اور مقاصد کی حامل تحریکات کی طرف سے دین اسلام کی اصلی و حقیقی صورت کو مسخ کرنے اور اسکے حسن کو گہنانے اور اسلامی تعلیمات کا حلیہ بگاڑنے اور اپنے مذموم مقاصد اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے تاویلاتِ باطلہ کے ذریعہ سے اس کی غلط تشریح کرنے اور من گھڑت اور موضوع روایات کے ذریعہ احادیث صحیحہ سے لوگوں کو دور رکھنے کی سازشیں ہوتی رہی ہیں لیکن تمام تر سازشیں اور کوششیں آفتاب پر تھوکنے کے مترادف ثابت ہوئیں۔ ایسے عناصر ہر دور میں رسوا ہوئے اس لئے کہ ؎

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اور چشم کائنات نے دیکھا کہ نور اسلام کو بجھانے اور دین حق کو دبانے کے لئے جس قدر سازشیں ہوئیں یہ اسی قدر نکھرا، چمکا اور ابھرا۔ کیوں کہ اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک رکھی ہے کہ یہ اتنا ہی زیادہ ابھرے گا جتنا کہ اسے دبایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت اور انبیاء کی میراث کے تحفظ کے لئے جن خدام کتاب وسنت کا انتخاب فرمایا انہوں نے اس منصب جلیل کو اپنی سعادت مندی اور بلندی اقبالی خیال کرتے ہوئے اس کارِ خیر کے لئے اپنا قیمتی سرمایۂ حیات وفورِ شوق سے لٹایا

اور علوم نبوت کی خدمت کو اپنے لئے ایک اعزاز اور قابل صد افتخار اور باعثِ عزت وشرف گردانا۔ اس طائفہ مبارکہ کو ''اہل حدیث''، ''محدثین'' اور ''طائفہ منصورہ'' جیسے مبارک القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور دربارِ رسالت مآب سے انہی شیدایان قرآن وحدیث کو ''ورثۃ الانبیاء'' کا قابل فخر لقب عطا ہوا ہے، اور یہی وہ قابل رشک لوگ ہیں جنہیں زبان نبوت سے یہ دعا ملی ہے:

"نضّر الله امرأ سمع مِناّ حديثاً فبلغه فرُبَّ مُبلَّغ أحفظ من سامِع" (ابن ماجہ:۱/۸۵)

(اللہ تعالی اس کے چہرے کو پر رونق اور شاداب کرے جو ہماری حدیث کو سن کر اسے آگے پہنچاتا ہے۔ بعض اوقات کسی سے سننے والا سنانے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

علامہ نسوی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

أهل الحديث هم أهل النبي وان
لم يصحَبُوا نفسه انفا سه صحبوا

(اہل حدیث نبی اکرم ﷺ کے ساتھی ہیں، (ان میں سے) جن کی زندگی میں آپ ﷺ کی صحبت میسر نہ آسکی تو اسے آپ کی مبارک سانسوں (حدیث پاک) سے تو شرف صحبت حاصل ہے۔)

ہمہ وقت قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند کرنا اور ہر حدیث کی روایت اور تعلیم وتدریس کے دوران بکثرت درود شریف پڑھنا انہی کے حصے میں آیا۔ عبدالسلام بن یزید الاشبیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وَكُل حديثي تأزَّرَ بالتُقى
فذاكَ امرؤٌ عندَ الله سعيد
ولو لَمْ يقم اهلُ الحديثِ بديننا
فمن كان يروى عِلمه ويُفيد؟
هُم وَرِثُوا علم النبوةِ و احقووا
من الفضلِ ما عنه الأنامُ رُقُود
وهم كمصابيح الدُجى يُهتدىٰ بهم
وما لهم بعدَ المماتِ خُمود

اہل حدیث یا محدثین:

محدثین کرام کے نزدیک حدیث اور سنت دو مترادف اصطلاحات ہیں اور اس سے مراد ہے۔

"ما اضیف الی النبی ﷺ من قول او فعل او تقریر او وصف خلقی اور خُلقی"

یعنی "حدیث یا سنت سے مراد وہ قول یا فعل یا تقریر یا جسمانی سراپا یا عادات واخلاق ہیں جن کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف ہو"۔

اور اہل حدیث اور محدثین سے مراد وہ سعادت مند گروہ ہے جو عملاً ونقلاً حدیث مصطفی ﷺ کی حفاظت کرتے ہیں۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"ونحن لا نعني بأهل الحديث المقتصرين على سماعه أو كتابته أو روايته، بل نعني بهم كل من كان احق بحفظه ومعرفته وفهمه ظاهراً وباطناً واتباعه باطناً وظاهراً۔" (مجموع فتاوی: ۹۵/۴)

(ہم اہل حدیث سے مراد صرف وہ لوگ ہی نہیں لیتے جو احادیث کا سماع کرتے، اسے لکھتے اور روایت کرتے ہیں بلکہ ہمارے نزدیک وہ تمام لوگ اہل حدیث ہیں جو احادیث کو یاد کرتے، ان کے معانی ومطالب سیکھتے اور ان پر عمل کرتے ہیں۔)

علامہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" وأهل الحديث: هم الذين التمسوا الحق من وجهته وتتّبعوه من مظانه، وتقربوا من الله تعالىٰ باتباعهم سنن رسول الله صلى الله عليه وسلم وطلبهم لآثاره براً وبحراً وشرقاً وغرباً"۔ (تأويل مختلف الحديث، ص:۸۰)

(اہل حدیث وہ لوگ ہیں جو حق کو اس کے اصل مصدر سے تلاش کرتے اور رسول اکرم ﷺ کی احادیث اور آپ ﷺ کی سنن کو اپنا کر اور بحر وبر اور مشرق ومغرب سے آپ کی سنت اور حدیث کو تلاش کرنے کی جدوجہد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔

عقیدہ اصفہانیہ میں ہے:

"وأهل الحديث هم المتبعون لصحابة رسول الله صلى الله عليه وسلم فهم أهل الآثار النبوية وهم أهل الحديث والسنة العاملون بطريقهم (الصحابة رضي الله عنهم) وهم اهل العلم بالكتاب والسنة في كل عصر ومصر وهم افضل الخلق من الاولين والآخرين" (العقيدة الاصفهانيه: ۱/۱۵۶)

(اہل حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے والے اور نبی اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ کی حفاظت کرنے والے، اور ہر دور میں اور ہر مقام پر کتاب وسنت کا علم رکھنے والے ہیں۔ یہ کائنات کے بہترین لوگ ہیں۔)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"وأهل الحديث هم الفرقة الناجية فمن لم ينج باتباع الحديث فبما ينجو؟ احق الناس بأن تكون هي الفرقة الناجية اهل الحديث والسنة الذين ليس لهم متبوع يتعصبون له الا رسول الله صلى الله عليه وسلم" (مجموع الفتاوی: ۳/۳۴۷)

(اہل حدیث ہی فرقہ ناجیہ ہیں، کیوں کہ اگر کوئی حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہو کر نجات حاصل نہیں کر سکتا تو پھر کس چیز کے ذریعہ سے نجات حاصل کرے گا؟ لہٰذا فرقہ ناجیہ ہونے کے سب سے زیادہ حق دار اہل حدیث ہیں کہ جن کے امام ومطاع، جن کی اتباع پر وہ مر مٹنے کے لئے تیار ہوتے ہیں وہ صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔)

مذکورہ اقوال کی روشنی میں بالکل واضح ہے کہ ہر دور میں علمائے امت کے نزدیک ''اہل حدیث'' یا ''محدثین'' ان لوگوں کو کہا جاتا رہا ہے جو کہ حدیث مصطفی کو پڑھتے، پڑھاتے، روایت کرتے، ان کی تحقیق کر کے صحیح وضعیف کو الگ الگ کرتے اور احادیث صحیحہ کے مطابق عمل کرتے ہیں، اور ہر دور میں "اطیعو اللہ واطیعوا الرسول" ان کا شعار اور طرۂ امتیاز رہا ہے۔

کسی کا ہو رہے کوئی
نبی ﷺ کے ہو رہیں گے ہم

اہل حدیث کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ حدیث پاک کی ہے۔ مدرسہ نبویہ (اصحابہ صفہ رضی اللہ عنہم) سے لے کر ہر دور میں خدام قرآن وحدیث موجود رہے ہیں کیوں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

"یحمل ھٰذا العلم من کل خلفٍ عدولہ۔" (السلسلۃ الصحیحۃ: ۱/ ۵۴۵)

(یعنی قابل اعتماد اور ثقہ لوگ اس عمل کو پڑھتے اور پڑھاتے اور آگے پہنچاتے رہیں گے۔)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا تزال طائفۃ من أمتی علی الحق ظاھرین لا یضرھم من یخذلھم حتی یأتی امر اللہ۔"

(ترمذی حدیث نمبر۔ ۲۱۵۵)

(میری امت میں سے ایک گروہ قیامت تک حق پر قائم رہے گا، ان کو پریشان کرنے والے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ علی ابن مدینی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ھم أھل الحدیث'' یہ گروہ (اہل حدیث کا ہے۔)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''اہل حدیث ہی طائفہ منصورہ ہے۔ اگر حدیث پر عمل کرنے والے طائفہ منصورہ نہیں تو اور کون ہوں گے؟ اور پھر امام احمد رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے طائفہ منصورہ کے بارے میں فرمایا:

"ان لم یکن ھم اصحاب الحدیث فما أدری من ھم؟" (فتح الباری: ۱/ ۸۵)

(اگر یہ لوگ اہل حدیث نہیں تو پھر مجھے نہیں معلوم اہل حدیث کون ہیں؟)

علوم نبوت کے وارث محدثین حضرات نے چمنستانِ حدیث کی رونق بحال رکھنے اور علم حدیث کی شمع کو فروزاں کرنے کے لئے اس دور میں جب وسائل کی کمی تھی اور سہولیات ناپید تھیں علم دین کے حصول کے لئے ہزاروں میل کی مسافتیں طے کیں، انہوں نے لق ودق صحرا، خاردار جنگل اور فلک بوس پہاڑوں کی چوٹیوں کو سر کیا۔ اگر ان کو معلوم ہوا کہ سمندر پار کسی کے پاس رسول اکرم ﷺ کا فرمان موجود ہے تو وہ سمندر کا سینہ چیر کر وہاں تک جا پہنچے اور سند عالی کے حصول کے لئے لمبی لمبی مسافتیں طے کیں، کتب سیر ورجال ان قابل

رشک لوگوں کے تذکار جمیل اور حسین کارناموں سے بھری ہوئی ہیں۔ ان کا امت مسلمہ پر عظیم احسان ہے کہ انہوں نے صحیح دین امت تک پہنچانے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کردیں اور دنیا کے عیش وآرام کو تج کر جہاں ہزاروں لوگوں کے لئے صراطِ مستقیم کو واضح کیا اور دنیا میں نسبت حدیث کے شرف عالی سے متعارف ہوئے وہاں اُخروی سعادتوں سے بھی بہرہ ور ہوئے۔ ہم تحدیث نعمت کے طور پر کہتے ہیں کہ ہمیں ان کی طرف نسبت پر فخر ہے ؎

اولئك آبائي فجئني بمثلهم

اذا جمعتنا يا جرير المجامع

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے اس امت کو ''سند'' جیسی امتیازی خوبی سے نوازا ہے تاکہ صدق وکذب اور حق وباطل میں تمیز ہوسکے۔ ''سند'' متن کو بیان کرنے والے سلسلۂ رجال کو کہا جاتا ہے۔ محدثین کرامؒ نے قرآنی اصول کو مدنظر رکھا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ (الحجرات:٦)

(اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی مجہول العدالت شخص خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو۔)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چوں کہ بالاتفاق عدول وثقات ہیں اور وحی الٰہی کے اولین شاہد اور روایت حدیث میں حد درجہ محتاط تھے اس لئے ان سے بلا تردد روایات لی جاتی تھیں کیوں کہ انہوں نے براہ راست وہ روایات رسولِ اکرم ﷺ سے سنیں اور باہتمام ان کو حفظ کیا اور کمال احتیاط اور دیانت وامانت سے آگے پہنچایا۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم تقریباً ساٹھ آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے اور آپ ﷺ ہمیں احادیث سکھاتے، پھر جب آپ تشریف لے جایا کرتے تو ہم آپس میں مذاکرہ کیا کرتے تھے اور جب ہم فارغ ہوتے تو وہ احادیث مبارکہ ہمارے دلوں پر نقش ہوچکی ہوتی تھیں۔'' (الفقیہ المتفقہ)

جب سلسلۂ روایت حدیث صحابہ کرامؓ سے آگے بڑھا تو ساتھ ہی روایت حدیث کے بارے میں تحقیق اور چھان بین شروع ہوگئی: چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"انا كنا مرة اذا سمعنا رجلا يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أبتدرته أبصارنا، وأصغينا اليه بآذاننا، فلما ركب الناس الصعب والذلول لم نأخذ من الناس الا ما نعرف۔"

(مقدمہ صحیح مسلم)

(امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ (م ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

"الاسناد من الدين ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔"

(اسناد دین کا حصہ ہے اور اگر سند کا اہتمام نہ ہو تو جس کے جی میں جو آتا کہتا پھرتا۔)

تحقیق سند اور صحت روایت کا اہتمام کرنے کی غرض سے محدثین کرام نے جس قدر محنت اور کاوش کی آج اسماء الرجال اور جرح

وتعدیل کی کتابیں اس کی شاہد عدل ہیں۔اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر اسپرنگر لکھتا ہے:۔

''صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات وواقعات جمع اور فراہم کرنے کے لئے مسلمان مصنفین اور محققین نے پانچ لاکھ آدمیوں کے سوانحی حالات وواقعات مرتب اور مدوّن کئے۔'' (اسلامی انسائیکلوپیڈیا،ص:۲۱۱)

اسی لئے جب حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے موضوع روایات کے خطرات اور اثرات بد کے خدشات کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا تھا"تعیش لها الجهابذة" کہ ماہرین علوم حدیث اس کا سدباب کرلیں گے۔

یہ خدمت علوم نبوت کے سلسلے میں وہ سعی مشکور اور عظیم کاوش ہے جس کے بارے میں امام حاکم فرماتے ہیں:

"لولا الاسناد وطلب هذه الطائفة (اهل حديث) له وكثرة مواظبتهم على حفظه لدرس منار الاسلام۔" (معرفة علوم الحديث،ص:٦) (اگر سند نہ ہوتی اور اہل حدیث اس کا خصوصی اور باقاعدہ اہتمام نہ کرتے تو آج دین اسلام کا حلیہ بگڑ چکا ہوتا۔)

اور بقول مولانا الطاف حسین حالیؒ۔

گروہ ایک جو یا تھا علم نبی کا
لگایا پتا جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا
کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کیے جرح وتعدیل کے وضع قانون
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسون

اگر صحیح حدیث کی تعریف پر ہی غور کرلیا جائے تو ان نابغۂ روزگار اور عبقری شخصیات کے ذہن رسا اور بالغ نظری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے صدیوں پہلے صحتِ روایات کے لئے جو معیار مقرر کیا تھا آج تک کوئی شخص کسی بات کو پرکھنے کے لئے اس سے بہتر معیار اور پیمانہ پیش نہیں کرسکا۔انہوں نے صحیح حدیث کے لئے پانچ شرطیں مقرر کیں کہ صحیح حدیث وہ ہے:

"ما اتصل سنده بنقل العدل الضابط عن مثله الى منتهاه غير معلل ولا شاذ"

یعنی''(۱) اتصال سند (۲) عدالت (۳) ضبط تام (۴) عدم علت (۵) عدم شذوذ۔''

اس سے بڑھ کر سخت اور کڑا معیار کیا ہوسکتا ہے؟ اس لئے جہاں وہ روایت حدیث کی برکات اور اجر وثواب کو جانتے تھے وہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "من كذب على متعمدا فليتبوا مقعده من النار" بھی ان کے پیش نگاہ تھا۔اس لئے انہوں نے حدیث پاک کے تحمل وادا میں انتہائی احتیاط سے کام کیا اور اس ذمہ داری کو بڑی جاں فشانی سے نبھایا۔

آج ہمارے پاس تلقی بالقبول کا شرف حاصل کرنے اور علمائے امت سے أصح الكتب بعد كتاب الله کا خطاب پانے

والی صحیح بخاری، اور امام مسلم کی صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح موجود ہیں۔ یہ انہی نفوسِ قدسیہ کی محنت وکاوش کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں۔ جزاھم اللہ عنا وعن الاسلام خیر الجزاء۔

علمائے برصغیر پاک وہند کی خدمات حدیث:

برصغیر پاک وہند کے علمائے اہل حدیث نے علوم نبوت کی ترویج واشاعت اور حفظ وصیانت کے لئے جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔ باوجود حجاز مقدس سے علاقائی بعد اور لسانی تفاوت کے اور باوجود نامساعد حالات اور تقلید جامد میں جکڑے ہوئے ماحول کے انہوں نے دیار ہند میں علومِ نبوت کی شمع کو فروزاں کرنے کے لئے تن، من، دھن قربان کردیا اور مسند علم وفضل اور دعوت وعزیمت کے مقام پر آفتاب بن کر چمکے جس کی ضیاباری سے ایک عالم مستفیض ومستفید ہوا۔ اس حقیقت کا اعتراف عرب علمانے بھی کھلے دل سے کیا۔ چناں چہ علامہ رشید رضا مصری لکھتے ہیں:

"ولولا عناية اخواننا علماء الهند بعلوم الحديث فى هذا العصر لقضى عليها بالزوال من امصار الشرق فقد ضعفت فى مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للهجرة حتى بلغت منتهى الضعف فى أوائل هذا القرن الرابع عشر۔" (مقدمه مفتاح كنوز السنة)

(اگر ہمارے برادران علماء اہل حدیث ہند کی توجہ علومِ حدیث کی جانب نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے علم حدیث اٹھ چکا ہوتا جیسا کہ دسویں صدی ہجری ہی سے ملک مصر، شام، عراق اور حجاز سے علوم حدیث کا سلسلہ کمزور پڑنا شروع ہوا، یہاں تک کہ چودھویں صدی میں اس کی کمزوری انتہا کو پہنچ گئی۔)

علامہ عبدالعزیز خولی فرماتے ہی: ''عصر حاضر میں ہمارے برادر ہندوستانی علمائے حدیث نے جس قدر علوم حدیث کا اہتمام کیا ہے باقی اسلامی ممالک میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان میں حفاظ حدیث بھی ہیں اور اس کی تدریس کا وہی طرز موجود ہے جو تیسری صدی میں اسلاف کا طرز تدریس تھا یعنی آزادیٔ فکر، تحقیق سند کا اہتمام اور اسی طرح عمدہ وقیمتی کتب کی طباعت وغیرہ۔''

(مقدمہ مرعاۃ المفاتیح، ص: ۴)

آج بھی طرزِ سلف صالحین پر قائم اہل حدیث مدارس اور ان میں محدثانہ طرز پر علوم نبوت کی تعلیم وتدریس اہل حدیث کے اہتمام میں علوم الوحی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ (ماخوذ از مقدمہ دبستان حدیث، ص ۹ محمد اسحاق بھٹی)

□□□

اہل حدیث اوران کا شرف وامتیاز

حافظ صلاح الدین یوسف

برصغیر پاک وہند میں تحریک عمل بالحدیث کا آغاز کب اور کس طرح ہوا؟ یہ تو خاصا لمبا موضوع ہے۔ تاہم اسے زیادہ فروغ تیرہویں صدی ہجری کے اوائل میں ملا، جس میں امیر الملک نواب صدیق حسن خاں، شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا محمد حسین بٹالوی، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری وغیرہم کی مساعی حسنہ کا حصہ بہت زیادہ ہے۔ نواب صاحب نے عربی، اردو اور فارسی تینوں زبانوں میں تقریباً ہر موضوع پر کتابیں تحریر فرمائیں اور متعدد اہم کتابیں (فتح الباری وغیرہ) اپنے خرچ پر طبع کرا کے تقسیم بھی کیں، یوں وہ مجدّد العلوم کے مصداق ٹھہرے۔ میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی نے نصف صدی سے زیادہ عرصے تک مسند حدیث بچھائے رکھی جس سے عرب وعجم کے ہزاروں افراد نے کسب فیض کیا اور پھر انہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں قرآن وحدیث کا چشمہ صافی جاری کیا۔ یوں حضرت ممدوح کی تدریس حدیث اوران کے فیض یافتگان کی مساعی سے تقلید وجمود کے بندھن ٹوٹے اور رسم ورواج کی زنجیریں ڈھیلی ہوئیں۔ مولانا بٹالویؒ نے ''اشاعۃ السنۃ'' کے ذریعے سے اہل حدیث صحافت کا آغاز کیا۔ ان کے خاراشگاف قلم نے ایک طرف نیچریت اور مرزائیت پر خوب خوب ضربیں لگائیں تو دوسری طرف مقلدین جامدین سے بھرپور ٹکر لی۔ اس سے بھی سلفی تحریک کو بڑی تقویت ملی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے بہ یک وقت کئی محاذوں پر چومکھی جنگ لڑی۔ وعظ وتبلیغ، تصنیف وتالیف، ہفتہ واری صحافت اور مناظرہ ومباحثہ ہر ہر میدان میں خوب خوب کام کیا۔ یوں فرق ضالہ کے خلاف سرگرم عمل رہے۔ ان سب حضرات کی مختلف النوع خدمات اور سرگرمیوں سے سلفی فکر کو فروغ ملا۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ

اوران سے پہلے شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ کی تحریک جہاد نے بھی اس میدان میں خوب کام کیا، جس سے بدعات کا زور ٹوٹا، بہت سی رسوم کا خاتمہ ہوا اور عمل بالحدیث کا جذبہ لوگوں میں عام ہوا۔ اور جہاد کا وہ سبق بھی امت نے دوبارہ پڑھا جسے اسی طرح فراموش کر دیا گیا تھا، جیسے فقہ کے مقابلے میں حدیث کو متروکات سخن میں شمار کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ وقت کے ایک عظیم محقق اور مشہور سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندویؒ اس سلفی تحریک اوراس کے اثرات ونتائج کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''اس تحریک کے جو اثرات پیدا ہوئے اوراس زمانے سے آج تک ہمارے دوراد بار کی ساکن سطح میں اس سے جو جنبش ہوئی، وہ بھی ہمارے لئے بجائے خود مفید اور لائق شکریہ ہے۔ بہت سی بدعتوں کا استیصال ہوا، توحید کی حقیقت نکھاری گئی، قرآن پاک کی تعلیم وتفہیم کا آغاز ہوا، قرآن پاک سے براہ راست ہمارا رشتہ دوبارہ جوڑا گیا، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتدریس اور تالیف واشاعت کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ساری دنیائے اسلام میں ہندوستان ہی کو صرف اس تحریک کی بدولت یہ

دولت نصیب ہوئی۔ نیز فقہ کے بہت سے مسئلوں کی چھان بین ہوئی (یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگوں سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں) لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلوں سے اتباع نبوی کا جو جذبہ کم ہو گیا تھا وہ سالہا سال تک کے لئے دوبارہ پیدا ہو گیا۔ مگر افسوس ہے کہ اب وہ بھی جا رہا ہے۔ اس تحریک کی ہمہ گیر تاثیر یہ بھی تھی کہ وہ ''جہاد'' جس کی آگ اسلام کے مجمر میں ٹھنڈی پڑ گئی تھی وہ پھر بھڑک اٹھی، یہاں تک کہ ایک زمانہ گزرا کہ وہابی اور باغی مترادف لفظ سمجھے گئے اور کتنوں کے سر قلم ہو گئے، کتنوں کو سولیوں پر لٹکنا پڑا اور کتنے یا بجولاں دریائے شور عبور کر دیے گئے یا ننگ کوٹھریوں میں انہیں بند ہونا پڑا۔

اس تحریک کی بنیاد تین چیزوں پر تھی: (۱) نصب امارت۔ (۲) زکوٰۃ کی مرکزیت۔

(۳) اسلام سے تمام بیرونی اثرات کو مٹا کر اس کو پھر اپنی اصلی حالت پر لوٹانا۔

علمائے اہل حدیث کی تدریسی و تصنیفی خدمت بھی قدر کے قابل ہے۔ پچھلے عہد میں نواب صدیق حسن خان مرحوم کے قلم اور مولانا سید محمد نذیر حسین دہلویؒ کی تدریس سے بڑا فیض پہنچا۔ بھوپال ایک زمانے تک علمائے حدیث کا مرکز رہا۔ قنوج، سہسوان اور اعظم گڑھ کے بہت سے نامور اہل قلم اس ادارے میں کام کر رہے تھے، شیخ حسین عرب یمنی ان سب کے سرخیل تھے اور دہلی میں مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب کی مسند درس بچھی تھی اور جوق در جوق طالبین حدیث مشرق و مغرب سے ان کی درس گاہ کا رخ کر رہے تھے۔ ان کی درس گاہ سے جو نامور اٹھے ان میں سے ایک مولانا ابراہیم صاحب آروی تھے جنہوں نے سب سے پہلے عربی تعلیم اور عربی مدارس میں اصلاح کا خیال قائم کیا اور مدرسہ احمدیہ کی بنیاد ڈالی۔ اس درس گاہ کے دوسرے نامور مولانا شمس الحق صاحب مرحوم (صاحب عون المعبود) ہیں جنہوں نے کتب حدیث کی جمع و اشاعت کو اپنی دولت اور زندگی کا مقصد قرار دیا اور اس میں وہ کامیاب ہوئے۔ اس درس گاہ کے ایک اور نامور تربیت یافتہ ہمارے ضلع (اعظم گڑھ) میں مولانا عبدالرحمن صاحب مبارک پوری تھے جنہوں نے تدریس و تحدیث کے ساتھ ساتھ جامع ترمذی کی شرح ''تحفۃ الاحوذی'' (عربی) لکھی۔

اس تحریک کا ایک اور فائدہ یہ ہوا کہ مدت کا زنگ طبیعتوں سے دور ہوا اور یہ جو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اب تحقیق کا دروازہ بند اور نئے اجتہاد کا راستہ مسدود ہو چکا ہے، رفع ہو گیا اور لوگ از سر نو تحقیق و کاوش کے عادی ہونے لگے، قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے دلائل کی خو پیدا ہوئی اور قیل و قال کے مکدر گڑھوں کی بجائے حدیث کے اصلی چشمۂ مصفی کی طرف واپسی ہوئی''۔ (مقدمہ ''تراجم علمائے حدیث ہند'' مولفہ امام خاں نوشہروی مرحوم، ص: ۳۱۔ ۳۳)

مولانا مناظر احسن گیلانی، جو ایک متصلب حنفی عالم اور مصنف تھے، انہوں نے بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی کی مفصل سوانح۔ سوانح قاسمی۔ بھی لکھی ہے، وہ بھی تحریک اہل حدیث کی بابت یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے۔

''اس کو تسلیم کرنا چاہیے کہ اپنے دین کے اساسی سرچشموں (قرآن و حدیث) کی طرف توجہ ہندوستان (متحدہ) کے حنفی مسلمانوں کی جو پلٹی، اس میں اہل حدیث اور غیر مقلدیت کی اس تحریک کو بھی دخل ہے۔ عمومیت غیر مقلد تو نہیں ہوئی لیکن تقلید جامد اور کورانہ اعتماد کا طلسم ضرور ٹوٹا''۔ (ماہنامہ ''برہان'' دہلی اگست ۱۹۵۸ء)

ایک اور مضمون نگار مولانا سید رشید احمد ارشد استاذ عربی جامعہ کراچی ہیں انہوں نے ''ہندو پاکستان میں علم حدیث'' کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا ہے۔اس میں وہ تحریر کرتے ہیں۔

''آخری زمانے میں حدیث کی تدریس واشاعت سے ہندوستان میں اہل حدیث کا ایک فرقہ پیدا ہوگیا تھا جوائمہ کی تقلید کی مخالفت کرتا تھا' اس کی وجہ سے حنفی علماء میں بھی کتب حدیث کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا اور وہ فقہی مسائل کو احادیث کی روشنی میں ثابت کرنے پر متوجہ ہوئے۔اس طرح اس فرقے کا وجود علم حدیث کی ترقی کا باعث بنا''۔(ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی، ترجمان دارالعلوم کراچی۔ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ، جلد اول شمارہ ۱۲، ص:۲۵)

مذکورہ اقتباسات سے واضح ہے کہ

☆ عمل بالحدیث کی تحریک سے متحدہ ہندوستان میں تقلید وجمود کے بندھن ڈھیلے ہوئے اور کورانہ اعتماد کا طلسم ٹوٹا۔

☆ تحقیق واجتہاد کا دروازہ کھلا اور فقہی مسائل کی چھان بین کا شوق پیدا ہوا۔

☆ بہت سی بدعات کا خاتمہ ہوا اور رسوم ورواج کے بت ٹوٹے۔

☆ تحریک کی ہمہ گیریت اور غلغلے نے اپنوں اور بیگانوں سب کو متاثر کیا۔

☆ حدیث کی خدمت اور اس کی نشر واشاعت کا ذوق عام ہوا۔

☆ فقہی اقوال وآرا کو قرآن وحدیث کے دلائل سے مزین اور محقق کرنے کا احساس پیدا ہوا۔

برصغیر پاک وہند میں مذکورہ ثمرات، اس جماعت کی ہمہ جہتی مساعی کے نتیجے میں حاصل ہوئے جو فکر ومسلک محدثین کی حامل اور ان کے علم کی وراث تھی۔اس جماعت نے محدثین ہی کی طرح کسی لگاؤ اور فقہی وحزبی تعصب کے بغیر حدیث پر عمل کرنے کے جذبے کا احیا کیا۔مخالفین اور معاندین نے اس جماعت حقہ اور طائفہ منصورہ کو ایک نئے فرقے سے تعبیر کیا اور اس کے جذبۂ عمل بالحدیث کو (نعوذ باللہ) فتنہ انگیزی ٹھہرایا، حالاں کہ یہ کوئی نیا فرقہ نہیں تھا بلکہ اس فکر وعمل کا ایک تسلسل تھا جو تقلیدی فرقوں کے ظہور سے پہلے عہد صحابہ سے چلا آرہا تھا۔ہندوستان میں بے عمل مسلمان بادشاہوں اور مذہب کے نام پر صوفیا اور جامد فقہا نے اصل دین سے عوام کو دور رکھا ہوا تھا، اس لئے جب سلفی تحریک کے ذریعے سے اصل دین اجاگر ہوا، سنتوں کا احیا عمل میں آیا اور توحید کی ضیا پاشیوں نے دلوں کو منور کیا تو انہوں نے ان عاملان دین متین اور وارثان رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم سے عوام کو بدظن کرنے اور اپنے حلقہ ارادت کے لوگوں کو ان سے دور رکھنے کے لئے اس جماعت کو ایک نیا فرقہ باور کرانے کی مذموم سعی کی جو یکسر خلاف واقعہ بات تھی۔

حقیقت میں یہ جماعت اس نبوی پیش گوئی کی مصداق ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لا تزال من امتی امة قائمة بأمر الله لا یضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتیٰ یأتی امر الله وهم علی ذلك،(صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ۲۸، حدیث ۳۶۴۱۔صحیح مسلم، الامارۃ، باب ۵۳۔حدیث ۱۹۲۰)

''میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم (صحیح دین) پر قائم رہے گا، اس کو چھوڑنے والا اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا، نہ اس

کی مخالفت کرنے والا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا۔ (یعنی قیامت برپا ہوجائے گی) اور وہ اسی (صحیح دین) پر ہوگا''۔

یہ امت قائمہ، پہلے پہلے صحابہ کرام کی شکل میں تھی پھر تابعین اور تبع تابعین اس کا مصداق بنے، ان کے بعد وہ محدثین جنہوں نے جمع وتدوین حدیث کا نہایت عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا، اس معیار پر قائم رہے۔ ان کے بعد آج تک یہ گروہ کسی نہ کسی انداز میں قائم چلا آرہا ہے، جس نے ہر دور میں اتباع سنت کی وہ مشعل فروزاں رکھی جس کے اولین علم بردار صحابہ کرام تھے۔ متحدہ ہندوستان میں یہ سعادت اہل حدیث کے حصے میں آئی کہ وہ اس مسلک ومنہج کو زندہ رکھیں جو صحابہ وتابعین کا تھا۔ اس دور میں تقلید کا نام ونشان نہ تھا، اس لئے تقلید سے وابستگی کو لازمی قرار دینے والے اور ائمہ کے اقوال وآراء کو نصوص کے مقابلے میں ترجیح دینے والے اس امت قائمہ کے مصداق نہیں ہوسکتے۔ اس کے صحیح اور اصل مصداق صرف وہی لوگ ہوں گے جن کی عقیدت ومحبت کا مرکز اور اطاعت واتباع کا محور صرف اور اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور تقریرات ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو آج اصحاب الحدیث، اہل الحدیث اور السلفیون وغیرہ ناموں سے عالم اسلام میں متعارف اور موجود ہیں۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا، باقی سب جہنمی اور اس جنتی فرقے کی نشانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے جو ما انا علیہ واصحابی۔ ''میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقے پر چلنے والا ہوگا''۔ (سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ، رقم ۴۵۹۶۔ سنن الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء افتراق ہذہ الامۃ وقد حسنہ الترمذی فی بعض النسخ واقرہ الالبانی فی شرح عقیدہ الطحاویۃ، رقم الحدیث ۲۶۳)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اہل حدیث کی امتیازی خصوصیت کا ذکر کس خوبی کے ساتھ فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

(۱) "فهم أعلم الامة بحديث الرسول وسيرته ومقاصده واحواله ونحن لا نعني بأهل الحديث المقتصرين على سماعه او كتابته اوروايته بل نعني بهم كل من كان احق بحفظه ومعرفته وفهمه ظاهراً وباطناً واتباعه باطنا وظاهراً و كذالك اهل القرآن.

وادنى خصلة في هؤلاء: محبة القرآن والحديث والبحث عنهما وعن معانيهما والعمل بما علموه من موجبهما، ففقهاء الحديث اخبر بالرسول من فقهاء غيرهم، وصوفيتهم اتبع للرسول من صوفية غير هم وامراء هم احق بالسياسة النبوية من غيرهم وعامتهم احق بموالاة الرسول من غيرهم۔"

(مفصل الاعتقاد، مجموع فتاوى شيخ الاسلام ابن تيمية، ج۴، ص:۹۵)

پس اہل حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث آپ کی سیرت اور آپ کے مقاصد واحوال کو سب فرقوں سے زیادہ جانتے ہیں اور ہمارے نزدیک اہل حدیث سے مراد صرف وہی لوگ نہیں ہیں جو حدیث کی سماعت یا اس کی تحریر وکتابت یا اس کی روایت کے لئے وقف رہے، بلکہ اس لقب اہل حدیث کا مستحق ہر وہ شخص ہے جو حدیث کی حفاظت ومعرفت اور اس کے ظاہر وباطن کے فہم اور اس کے اتباع میں نمایاں اور ممتاز ہو۔ اسی طرح اہل قرآن کا انطباق بھی ان پر صحیح ہے۔

ان لوگوں کی خصلت یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے محبت رکھتے ہیں اوران کے معنی ومفاہیم پر بحث وگفتگو کرتے ہیں اوران سے جن واجبات کا انہیں علم ہوتا ہے ان پر عمل کرتے ہیں۔اسی لئے فقہائے حدیث (محدثین کرام) رسول اللہ ﷺ سے دوسرے فقہاء کی بہ نسبت زیادہ باخبر ہیں اوران کے صوفیا بہ نسبت دوسرے صوفیا کے رسول اللہ ﷺ کے زیادہ پیروکار ہیں اوران کے امرائے اورعوام الناس حکومت نبوی اورسیاست کو بہ نسبت دوسروں کے زیادہ سمجھنے والے اوراس کے مطابق رویہ اختیار کرنے والے ہیں''۔

اسی کتاب میں ایک اور مقام پر اہل حدیث کی بابت تحریر فرماتے ہیں:

من المعلوم ان اهل الحديث يشاركون كل طائفة فيما يتحلون به من صفات الكمال ويمتازون عنهم بماليس عندهم فان المنازع لهم لا بدان يذكر فيما يخالفهم فيه طريقا اخرى، مثل المعقول والقياس والراى والكلام والنظر والاستدلال والمحاجة والمجادلة والمكاشفة والمخاطبة والوجد والذوق ونحوذلك، وكل هذه الطرق لاهل الحديث صفوتها وخلاصتها، فهم اكمل الناس عقلا واعدلهم قياساً واصوبهم رايا واسدهم كلاما واصحهم نظرا واهداهم استدلالا واقومهم جدلا واتمهم فراسة واصدقهم الهاما واحدهم بصرا ومكاشفة واصوبهم سمعا ومخاطبة واعظمهم واحسنهم وجدا وذوقاً ..... (حوالہ مذکورہ، ص ۹۔۱۰)

یہ بات واضح ہے کہ اہل حدیث ان صفات کمال میں دوسرے تمام گروہوں کے ساتھ برابر کے شریک ہیں جن سے دوسرے لوگ آراستہ ہیں اور بہت سی صفات میں ان سے ممتاز ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں۔اس لئے اہل حدیث سے بحث ومجادلہ کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کی مخالفت میں کوئی اور طریقہ اختیار کرے جیسے معقول، قیاس، رائے، کلام، نظر واستدلال، محاجہ، مجادلہ، مکاشفہ ومخاطبہ اور وجدان وذوق اوراس طرح کی دوسری چیزیں۔یہ تمام طریقے اہل حدیث کی شان اوران کا امتیاز ہیں۔پس وہ عقل میں سب لوگوں سے زیادہ کامل اور قیاس میں سب سے زیادہ انصاف سے کام لینے والے، رائے میں سب سے زیادہ درست، کلام میں سب سے زیادہ درست، نظر وفکر میں سب سے زیادہ صحیح، استدلال میں سب سے زیادہ راہ راست کو پانے والے اور بحث وحجت میں سب سے زیادہ موزوں، فہم وفراست میں سب سے زیادہ کامل، الہام (القائے ربانی) میں سب سے زیادہ سچے، بصر ونظر اور مکاشفے میں سب سے زیادہ تیز، سماعت اور مخاطبے میں سب سے زیادہ درست اور وجدان وذوق میں سب سے زیادہ عظیم اوراحسن ہیں''۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

واذا كانت سعادة الدنيا والآخرة هي باتباع المرسلين فمن المعلوم ان احق الناس بذلك، هم اعلمهم بآثار المرسلين واتبعهم لذلك، فالعالمون باقوالهم وافعالهم المتبعون لها هم اهل السعادة في كل زمان ومكان، وهم الطائفة الناجية من اهل كل ملة، وهم اهل السنة والحديث من هذه الامة، فانهم يشاركون سائر الامه فيما عندهم من امور الرسالة ويمتازون عنهم بما اختصوا به

من العلم الموروث عن الرسول مما یجهله غیرهم اویکذب به۔(حوالہ مذکورہ،ص:۲۶)

''جب دنیا وآخرت کی سعادت پیغمبروں کے اتباع میں ہے تو یہ واضح ہی ہے کہ اس کے سب سے زیادہ حق دار وہ لوگ ہیں جو پیغمبروں کے آثار (اقوال واعمال) کو زیادہ جاننے اوران کی زیادہ پیروی کرنے والے ہیں۔ پس ان کے اقوال وافعال کو جاننے والے اوران کی پیروی کرنے والے ہی ہر زمانے اور ہر جگہ میں اہل سعادت ہیں اور یہی گروہ ہر ملت میں نجات پانے والا ہے اوراس امت (محمدیہ) میں یہی حیثیت اہل سنت وحدیث کو حاصل ہے، اس لئے کہ وہ ساری امت کے ساتھ ان چیزوں میں ان کے شریک ہیں جو ان کے پاس رسالت کے امور میں سے ہیں اوراس علم میں ان سے ممتاز ہیں جس میں انہیں درجہ اختصاص حاصل ہے اور جو رسول اللہ ﷺ کی وراثت ہے جس سے دوسرے لوگ نا آشنا ہیں یا اس کو جھٹلانے والے ہیں''۔

اہل حدیث کی تعریف کرتے ہوئے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں اور کیا خوب لکھتے ہیں:۔

"فهذه الطبقة كان لها قوة الحفظ والفهم والفقه فی الدین والبصر والتاویل، ففجرت من النصوص انهار العلوم، واستنبطت منها كنوزها ورزقت فیها فهما خاصا، كما قال امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی الله عنه وقد سئل "هل خصكم رسول الله صلی الله علیه وسلم بشیء دون الناس؟ فقال لا والذی فلق الحبة وبرأ النسمة الا فهما یوتیه الله عبدا فی كتابه فهذا الفهم هو بمنزلة الكلاء والعشب الذی انبتته الارض الطیبة وهو الذی تمیزت به هذه الطبقة عن الطبقة الثانیة وهی التی حفظت النصوص فكان همها حفظها وضبطها۔فوردها الناس وتلقوها بالقبول واستنبطوا منها واستخرجوا كنوزها واتجروا فیها وبذروها فی الارض قابلة للزرع والنبات ورووها كل بحسبه (قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُناس مَشْرَبَهُمْ)۔ وهولاء الذین قال فیهم النبی صلی الله علیه وسلم "نظر الله امرء أسمع مقالتی فوعاها ثم اداها كما سمعها فرب حامل فقه ولیس بفقیه ورب حامل فقه الی من هو افقه منه" (حوالہ مذکورہ،ص:۹۳)

''پس یہی طبقہ اہل حدیث وہ ہے جسے قوت حفظ، فہم وفقاہت دین اور بصر وتاویل کی صلاحیت حاصل ہے۔ پس اس نے نصوص سے علوم کی نہریں جاری کیں، ان نصوص سے ان کے خزانے نکالے اوران میں خصوصی فہم عطا کیا گیا، جیسے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے کسی چیز کی بابت کوئی خصوصی علم بھی دیا ہے، جو آپ نے دوسروں کو نہیں بتایا؟ تو حضرت علی نے فرمایا۔''نہیں! اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور مخلوق کو پیدا کیا، ہاں فہم کی بات اور ہے جو اللہ اپنے بندوں کو اپنی کتاب کی بابت عطا کرتا ہے''۔

پس یہی فہم کتاب اس گھاس چارے کی مثل ہے جسے پاکیزہ زمین اگاتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے یہ طبقہ اہل حدیث دوسرے طبقے سے ممتاز ہے' اور یہی طبقہ ہے جس نے نصوص کی حفاظت کی۔ پس اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ان نصوص کا حفظ وضبط ہی ہے۔ پس اس کے پاس لوگ آئے اوراس سے قبولیت کا یقین حاصل کیا۔ ان نصوص سے مسائل کا استخراج کیا۔ اس کے

خزانے نکالے، اس میں تجارت کی اور ایسی زمین میں اس کی کاشت کی جو روئیدگی اور پیداوار کے قابل تھی، اور ہر ایک نے اسے اپنی طاقت کے مطابق سیراب کیا (تمام لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ جان لیا)

اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے جس نے میرا فرمان سنا اور اسے یاد کیا، پھر اسے اسی طرح آگے پہنچایا جیسے اس نے سنا، اس لئے کہ بہت سے حامل فقہ (دین کی بات سننے والے) فقیہ (سنی ہوئی بات سے استنباط کرنے والے) نہیں ہوتے، اور بہت سے حامل فقہ (جن کو دین کی بات پہنچائی جاتی ہے) وہ پہنچانے والے سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں''۔

اسی طرح امام لالکائی اہل حدیث کی تعریف اور اس نام کی نسبت تحریر فرماتے ہیں:

ثم كل من اعتقد مذهبا فالى صاحب مقالته التى أحدثها ينتسب، والى رايه يستند الا أصحاب الحديث فان صاحب مقالتهم رسول الله ﷺ فهم اليه ينتسبون والى علمه يستندون وبه يستدلون واليه يفزعون وبرايه يقتدون وبذالك يفتخرون وعلى اعداء سنته بقربهم من يصولون فمن يوازيهم فى شرف الذكر؟ ويباهيهم فى ساحة الفخر وعلو الاسم؟ اذاسمهم ماخوذ من معانى الكتاب والسنة يشتمل عليهما لتحققهم بهما اولا ختصاصهم باخذهما. فهم مترددون فى انتسابهم الى الحديث بين ما ذكر الله سبحانه وتعالى فى كتابه، فقال تعالىٰ ذكره، الله نزل احسن الحديث (الزمر ۲۳) فهو القرآن فهم حملة القرآن واهله وقرائه وحفظته وبين ان ينتموا الى حديث رسول الله ﷺ فهم نقلته وحملته فلا شك انهم يستحقون هذا الاسم موجود المعنيين فيهم لمشاهدتنا ان اقتباس الناس الكتاب والسنة منهم واعتماد البرية فى تصحيحهما عليهم لانا ما سمعنا عن القرون التى قبلنا ولا راينا نحن فى زماننا مبتدعا راسا فى اقراء القرآن واخذ الناس عنه فى زمن من الازمان الا ارتفعت لاحدمنهم رأية فى رواية حديث رسول الله ﷺ فيما خلت من الايام ولا اقتدى بهم احد فى دين ولا شريعة من شرائع الاسلام۔

والحمد الله الذى كمل لهذه الطائفة سهام الاسلام وشرفهم بجوامع الاقسام وميزهم من جميع الانام حيث اعزهم الله بدينه ورفعهم بكتابه واعلىٰ ذكرهم بسنّة وهداهم الى طريقته وطريقة رسوله فهى الطائفة المنصورة والفرقة الناجية والعصبة الهادية والجماعة العادلة المتمسك بالسنة التى لا تريد برسول الله بديلا ولا عن قوله تبديلا ولا عن سنتة تحويلا ولا يشنيهم عنها تقلب الاعصار ولا يلويهم عن سمتها تغير الحدثان ولا يصرفهم عن سمتها ابتداع من كاد الاسلام ليصد عن سبيل الله ويبغيها عوجا ويصرف عن طرقها جدلا ولجاجا ظنا منه كاذبا وتخمينا باطلا انه يطفئ نور الله والله متم نوره ولو كره الكافرون''۔ (شرح اصول اعتقاد اهل السنة الجماعة، ج۱ ص:۲۳۔۲۵، بہ تحقیق احمد سعد حمدان)

''ہر وہ شخص جو کسی مذہب (مسلک) سے وابستگی رکھتا ہے، تو وہ اسی صاحب مذہب کی طرف، جو اس کا بانی ہوتا ہے، اپنا انتساب کرتا اور اسی کی رائے سے استناد کرتا ہے۔ سوائے اہل حدیث کے، اس لئے کہ ان کے صاحب مذہب خود رسول اللہ ﷺ ہیں۔ پس وہ انہیں کی طرف اپنی نسبت کرتے اور انہی کے علم سے استنباط کرتے ہیں اور دشمنان سنت پر سنت کے ہتھیار ہی سے حملہ کرتے ہیں، پس کون ہے جو اس شرف ذکر میں اہل حدیث کا مقابلہ کر سکے اور فخر کے میدان اور نام کی بلندی میں ان پر برتری جتا سکے؟ اس لئے کہ ان کا (اہل حدیث) نام معانی کتاب وسنت سے ماخوذ ہے۔ وہ ان دونوں پر مشتمل ہے، کیوں کہ وہ ان دونوں کے ساتھ ہی تحقق کرتے یا ان دونوں سے ہی بطور خاص دلیل پکڑتے ہیں۔ پس ان کا انتساب حدیث کے ساتھ قرآن کی طرف بھی ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو بھی اپنی کتاب میں حدیث کیا ہے جیسے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے بہترین حدیث نازل فرمائی ہے''۔

پس یہ حدیث قرآن ہے اور اہل حدیث قرآن کے حامل، اس کے ماننے والے، اس کے قاری اور اس کے حافظ ہیں۔ اور فرامین رسول بھی حدیث ہیں۔ اور اہل حدیث اس حدیث کے بھی ناقل اور اس کے حامل ہیں۔ (پس اہل حدیث کا تردد اس لئے ہے کہ وہ اہل حدیث اس معنی میں ہیں کہ وہ قرآن کے ماننے والے ہیں یا اس معنیٰ میں کہ وہ حدیث کے ماننے والے ہیں)۔ بلاشبہ وہ اس نام کے مستحق ہیں، کیوں کہ دونوں ہی معنی ان کے اندر موجود ہیں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ لوگ انہی سے کتاب وسنت (کا علم) حاصل کرتے ہیں اور مخلوق قرآن وحدیث کی تصحیح میں انہی پر اعتماد کرتی ہے۔ علاوہ ازیں ہم نے اپنے سے پہلے زمانے میں نہ سنا اور نہ اپنے زمانے میں دیکھا کہ کسی بدعتی نے قرآن کے پڑھانے میں حصہ لیا ہو اور کسی زمانے میں لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا ہو، اسی طرح ماضی میں کبھی ان میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی روایت کا جھنڈا بلند کیا، نہ کسی نے دین وشریعت کے معاملے میں ان میں سے کسی کی اقتدا کی۔

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اس اہل حدیث گروہ کے لئے اسلام کے حصے کو مکمل کر دیا اور تمام اقسام کے ساتھ اس کو مشرف کیا اور تمام مخلوق میں اسے اس اعتبار سے ممتاز کیا کہ اسے اپنے دین کے ساتھ عزت بخشی اور اپنی کتاب کے ساتھ اسے بلندی عطا کی اور اپنی سنت کے ساتھ اس کا ذکر بلند کیا اور اپنے اور اپنے رسول (ﷺ) کے طریقے کی طرف رہنمائی کی۔ پس یہی طائفہ منصورہ، فرقہ ناجیہ، حق کا علم بردار اور جماعت عادلہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کو تھامنے والی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور کو نہیں چاہتی۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں کسی تبدیلی کی روادار ہے اور نہ آپ کی سنت سے انحراف اسے گوارہ ہے۔ نہ اسے انقلابات زمانہ اس سنت نبوی سے پھیرتے ہیں، نہ تغیر حوادث اس کو اس سمت سے موڑنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور نہ اس شخص کی بدعت سازی ہی اس سے اس کا رخ بدلتی ہے جو اسلام کے خلاف سازش کرتا ہے تاکہ وہ اللہ کے راستے سے روکے، اور اس دین میں وہ کجی تلاش کرتا ہے اور وہ اس راستے سے لوگوں کو جدل وتکرار کے ذریعے سے پھیرتا ہے۔ یہ جھوٹا گمان اور باطل تخمینہ ہے کہ وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دے گا جب کہ اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے چاہے کافروں کو ناگوار ہی گزرے۔

(برصغیر میں اہل حدیث کی آمد ص ۴۲۔۵۵، اسحاق بھٹی)

❑❑❑

اہل الحدیث کا اعتقادی وفقہی منہج

مولانا ابوالعاص وحیدی، ڈومریا گنج

اسلام کتاب وسنت کی واضح تعلیمات کا نام ہے قرون اولیٰ میں اس کی تعبیر وتشریح میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں تھا، مگر بعد میں مذہب اسلام کی بہت سی تعبیرات وتشریحات وجود میں آگئیں اسلام مختلف فکری خانوں میں بٹ گیا اور امت مسلمہ متعدد اعتقادی وفقہی فرقوں میں تقسیم ہوگئی۔

مسلک اہل الحدیث اسلام کی صحیح ترین تعبیر وتشریح کا نام ہے جو عقائد واعمال، اخلاق ومعاشرت اور تمدن وسیاست میں عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین کے فکری منہج کا حامل ہے اور جس کا علمبردار محدثین کا مقدس گروہ رہا ہے اسی بنا پر اہل الحدیث کو سلفی بھی کہا جاتا ہے یعنی اسلاف کے طریقۂ فکر وعمل پر چلنے والا، اسلاف سے مراد صحابہ کرام وتابعین وغیرہ ہیں جو عقائد وفقہیات میں دین فطرت اور کتاب وسنت کی سادگی کے حامل تھے، جن کا دینی ذہن مخصوص فلسفیانہ عجمی وفنی اصطلاحات وتاویلات کی بندشوں سے آزاد تھا، اور جو عقائد میں ہر طرح کے انحراف اور فقہیات میں تقلید کی تباہ کن بدعتوں سے محفوظ تھے۔ ذیل میں عقائد وفقہیات کے سلسلے میں بہت اختصار کے ساتھ اہل الحدیث کے تصور ومزاج کی وضاحت کی جارہی ہے:

اہل الحدیث کا اعتقادی منہج

عقائد کے باب میں جماعت اہل حدیث کتاب وسنت کے اسلوب کو ترجیح دیتی ہے، عقائد میں سب سے زیادہ اہم معاملہ اللہ کی ذات وصفات کا ہے، اللہ کے تعارف کے سلسلے میں قرآن وحدیث کا اسلوب بہت ہی واضح ہے، کتاب وسنت میں اللہ کے بارے میں نفی مجمل اور اثبات مفصل کا انداز اختیار کیا گیا ہے، مثلاً کہا گیا: "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ..." (الشوریٰ:۱۱) (اللہ کی طرح کوئی چیز نہیں) یہ ہے نفی مجمل، اسی طرح سات آٹھ آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی منفی صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ قرآن وحدیث میں اللہ کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ مثبت انداز میں کہا گیا ہے اور اس پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے علم وحکمت، مغفرت ورحمت، سمع وبصر، مودّت ومحبت، کراہت وغضب، رضا ومقت، ارادہ ومشیت، عرش والا ہونا، اول وآخر، ظاہر وباطن، خلق وتکوین، استواء علی العرش، علمی معیت، وحی وکلام، اور نداء وقول وغیرہ صفات کا اثبات کیا ہے، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی بالکل یہی انداز اختیار کیا گیا ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو! العقیدۃ الواسطیۃ ودیگر کتب عقائد)

کتاب وسنت کے اس اسلوب سے اللہ کی ہستی کا واقعی وجود سامنے آتا ہے، اسی سادہ اسلوب کو من وعن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم،

تابعین عظام رضی اللہ عنہم، اور ائمہ ومحدثین بغیر کسی تاویل کے مانتے چلے آئے ہیں، جماعت اہل حدیث بھی اسی طرزِ فکر پر قائم ہے مگر فلاسفہ اور ان کے متبعین (معتزلہ ومتکلمین) نے اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں تاویل بعید کا راستہ اختیار کیا ہے، اس کی نمایاں مثال شرحِ عقائد نسفی ہے، جو ہندوستان کے بہت سے مدارس وجامعات میں داخلِ نصاب ہے۔

اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں قرآن اور فلسفہ کا بنیادی واصولی فرق کیا ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ''قرآن مجید جہاں صفات الٰہی کا اثبات کرتا ہے وہاں تفصیل سے کام لیتا ہے اور صرف تمثیل کی نفی پر اقتصار کرتا ہے، (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ) اور یہی انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا طریقہ ہے کہ ان کے یہاں اثبات مفصل اور نفی مجمل ہے، اس کے برخلاف ان کے حریفوں اور مخالفین (فلاسفۂ یونان) کے یہاں سارا زور نفی پر ہوتا ہے۔'' (کتاب الرد علی المنطقیین ر ۳۲۱ ط: حیدرآباد، انڈیا)

دراصل اللہ کی ذات وصفات کے سلسلہ میں علماء اسلام کے مختلف نظریات ہیں، تشبیہ وتجسیم اور تاویل وتحریف وغیرہ، فرقہ مجسمہ صفات الٰہی کے بارے میں تجسیم وتشبیہ کا قائل ہے، یعنی صفات الٰہی کو انسانی صفات کے مانند قرار دیتا ہے، اور فلاسفہ اور ان کے متبعین (معتزلہ ومتکلمین) صفاتِ الٰہی میں تاویل کا راستہ اختیار کرتے ہیں، اسی تاویل کا راستہ جو تعطیل صفات کو مستلزم ہے، اور سلف ایسی راہ اپناتے ہیں جو تجسیم وتاویل کے درمیان ہے، سلف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ عربی زبان وادب کے اعتبار سے صفات الٰہی کی تفہیم وتشریح کی جائے، ان کی کیفیت اللہ تعالیٰ کے حوالہ کردی جائے، ان پر ایمان لایا جائے، اور ان کے بارے میں کھود کرید نہ کی جائے، امام مالک رحمہ اللہ نے اہل سنت کے منہج فکر کی نمائندگی کرتے ہوئے فرمایا: "**الاستواء معلوم والكيف مجهول والسوال عنه بدعة**" (شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ ۳/ ۴۴۱ لالکائی، الأسماء الصفات للبیہقی ر ۴۰۸، اسے ذہبی، ابن تیمیہ اور ابن حجر وغیرہ نے صحیح کہا ہے، دیکھیں مختصر العلو ر ۱۴۱، مجموع الفتاویٰ ۵/ ۳۶۵، فتح الباری ۱۳/ ۵۰۱)

(استوا کا معنی معلوم ہے، اور اس کی کیفیت مجہول ہے اور اس کے بارے میں کھود کرید کرنا بدعت ہے)

صفتِ استوا کے تعلق سے امام مالک نے جو بات کہی ہے وہی بات تمام صفاتِ الٰہی کے بارے میں کہی جائے گی کہ ان کے معانی معلوم ہیں، ان کی کیفیت مجہول ہے اور ان کے بارے میں بحث وسوال بدعت ہے۔ علماء سلف کا یہی منہج فکر ہے جو کتاب وسنت کے اسلوب کی موافقت کرتا ہے اس سلسلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

''سلف کا مذہب تعطیل (صفات الٰہی کا انکار) اور تمثیل (مخلوق کے مثل صفات کا اثبات) کے درمیان ہے، وہ اللہ کی صفات کو صفاتِ مخلوق سے مماثل نہیں قرار دیتے ہیں جس طرح ذاتِ الٰہی کو ذاتِ مخلوق سے مشابہ نہیں مانتے اور نہ ان صفات کی نفی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بیان فرمائی ہیں۔ یا اللہ کے رسول ﷺ نے جن کا ذکر فرمایا ہے۔ (العقیدۃ الحمویۃ الکبریٰ ر ۴۲۸)

صفات الٰہی میں ایک اہم صفت کلام بھی ہے جس کے بارے میں متکلمین نے منہج فلاسفہ پر گامزن ہوکر عجیب وغریب گل افشانی

کی ہے، اس سلسلہ میں ماہر علوم قرآن متاع قطان مصری نے بڑی نفیس بحث کی ہے اور اہل سنت کے موقف کی وضاحت کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''متکلمین نے کلام اللہ کے بارے میں منہج فلاسفہ کے مطابق بحث کی ہے اور لوگوں کو بھول بھلیوں میں ڈال کر سیدھی راہ سے دور کر دیا ہے، چنانچہ انہوں نے کلام اللہ کی دو قسمیں کی ہیں اول: کلام نفسی قدیم، جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس میں نہ حرف ہے نہ آواز نہ کوئی ترتیب ہے اور نہ کوئی زبان، دوم: کلام لفظی، جو انبیاء کرام پر نازل کیا گیا ہے، اسی سلسلہ کی چاروں آسمانی کتابیں (زبور، توراۃ، انجیل، قرآن) ہیں۔

متکلمین نے کلامی و مبتدعانہ مباحث میں انتہائی غلو و افراط کرتے ہوئے یہ بحث کی ہے کہ قرآن اس معنی دوم کے اعتبار سے مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ پھر اس بات کو ترجیح دی ہے کہ قرآن مخلوق ہے، اس طرح وہ سلف صالحین کے منہج سے الگ ہو گئے جس کے بارے میں کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں ہے، اور انہوں نے صفاتِ الٰہی کے بارے میں فلسفیانہ تجزیہ اختیار کیا جو عقیدۂ توحید میں تشکیک تک لے جاتا ہے۔

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے جن اسماء و صفات کا ذکر کیا ہے یا جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں انہیں مانا جائے اور اس بات پر ایمان لایا جائے کہ کلام صفاتِ الٰہی میں سے ایک صفت ہے اللہ نے فرمایا: {وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا} (النساء: ۱۶۴)

لہٰذا قرآن کریم جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے وہ اللہ کا کلام ہے جو غیر مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: {وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ} (التوبة: ۶)

اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اسے پناہ دے دیں، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے)''

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفتِ کلام کو ثابت کرنا جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے یا احادیث صحیحہ میں جن کا ذکر آیا ہے وہ کمالِ الٰہی کے منافی نہیں اگرچہ بندے بھی ان اوصاف سے متصف ہوتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے نقائص سے پاک ہے لہٰذا بندوں سے اللہ کی مماثلت لازم نہیں آتی۔'' (مباحث فی علوم القرآن ر ۷۴ ط: دہلی'')

درحقیقت اسلافِ کرام ہی کا طریقۂ فکر کتاب و سنت کے صاف و شفاف عقائد و افکار کا محافظ ہے، ورنہ اللہ کی ذات و صفات میں تاویل و تعطیل کا انداز اختیار کرنے سے الحاد و دہریت کا راستہ ہموار ہوتا ہے، اس لئے کہ فلاسفہ اور ان سے متاثر متکلمین نے نفی مفصل و اثبات مجمل کا جو اسلوب اختیار کیا ہے اس سے اللہ کی ہستی کا فقط ذہنی وجود ثابت ہوتا ہے جیسا کہ کمیونسٹوں کے یہاں کائنات میں ایک مجہول اور ذہنی قوت کارفرما ہے، جسے وہ اپنی جہالت یا عناد کی وجہ سے اللہ نہیں کہتے، ہاں فلاسفہ و متکلمین اسی مجہول طاقت

کو اللہ کہتے ہیں، اس حقیقت پر بڑی وضاحت وصراحت کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے عظیم مفکر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''انہوں نے اللہ کے وجود کو محض ایک ذہنی تصور اور ایک مفلوج، مجہول اور مجبور ہستی بنا کر رکھ دیا ہے، لیکن اللہ کیا ہے؟ اور کیسا ہے؟ اس بارے میں ان کے یہاں چند لفظوں اور فلسفیانہ اصطلاحات سے زیادہ کچھ نہیں ملتا، اس کا نتیجہ ہے کہ یونان کے اندر اور ان تمام حلقوں میں جو یونان کے زیر اثر رہے ہیں اللہ سے کوئی حقیقی، زندہ اور عملی تعلق نہیں رہا ہے'' (تاریخ دعوت وعزیمت ۲/ ۲۶۵ ط: لکھنو)

فلاسفہ اور ان سے متاثر متکلمین نے صفاتِ الٰہی کے بارے میں نفی مفصل واثبات مجمل کا جو اسلوب اختیار کیا ہے، اس کے بارے میں علامہ ابن ابی العز الحنفی نے ایک دلچسپ علمی انداز میں یہ بحث بھی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ یا کسی انسان کے بارے میں اس اسلوب میں گفتگو بجائے مدح کے بے ادبی وگستاخی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"وهذا النفي المجرد مع كونه لا مدح فيه اسائة أدب فانك لو قلت للسلطان أنت لست بزبال ولا كساح ولا حجام ولا حائك لأدبك على هذا الوصف وان كنت صادقاً وانما تكون مادحاً اذا اجملت النفي فقلتَ أنت لست مثل أحد من رعيتك أنت أعلى منهم وأشرف وأجل فاذا اجملت في النفي أجملت في الأدب"

(شرح العقیدۃ الطحاویۃ/ ۱۰۷ ط: نہم بیروت)

(یہ نفی مجرد اس میں مدح نہ ہونے کے ساتھ بڑی بے ادبی ہے چنانچہ اگر تم کسی بادشاہ سے کہو: تم پستہ قد نہیں، تم لنگڑے نہیں، تم حجام نہیں، تم کپڑا بننے والے نہیں، تو اس بات پر وہ تمہاری سرزنش کرے گا، اگرچہ تم سچے ہو، تم اس کی تعریف کرنے والے اس وقت ہوتے جب نفی میں اجمال اختیار کرتے اور یہ کہتے کہ تم اپنی رعیت میں سے کسی کے مانند نہیں ہو، تم ان سے اعلی، اشرف، اور اعظم ہو، اس طرح جب تم نفی میں اجمال کرتے تو حسنِ ادب اختیار کرتے)

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ کی ذات وصفات کے سلسلہ میں اسلاف کرام ہی کا منہج فکر پختہ ایمان ویقین کا ضامن ہے اسی لئے جماعت اہل الحدیث اسلاف عظام ہی کی روش پر گامزن ہے۔

اہل الحدیث کا فقہی منہج:

جماعت اہل الحدیث عقائد کی طرح فقہیات کے باب میں بھی کتاب وسنت کو مقدم سمجھتی ہے، نیز عہد صحابہ اور عہد تابعین وتبع تابعین کے دینی مزاج کو رہنما تصور کرتی ہے، اس لئے کہ یہی تینوں زمانے دین ومذہب، تہذیب وتمدن اور اخلاق ومعاشرت وغیرہ ہر اعتبار سے خیر القرون تھے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "خير امتي قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين

یلونھم" (بخاری، ۲۶۵۲ رمسلم، ۶۴۷۵) سب سے بہتر ہمارے زمانہ کے لوگ ہیں، اس کے بعد وہ لوگ جو ان سے قریب ہیں، پھر وہ لوگ جو ان سے قریب ہیں۔

جب یہ تینوں زمانے ہر اعتبار سے بہتر ہیں تو ان ادوار کا اعتقادی وفقہی تصور بھی اسلامی تاریخ کے تمام ادوار کے طریقۂ عقیدہ وفقہ سے بہتر ثابت ہوا، ان تینوں زمانوں کی ایک نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی کہ ان ادوار کے مسلمان صرف دلیل شرعی کی پیروی کرتے تھے، رجال وشخصیات کی نہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ مبارک زمانے تقلید کی لعنت سے محفوظ تھے، اس سلسلہ کی ایک نمایاں مثال ملاحظہ ہو!

''جامع ترمذی میں ذکر ہے کہ شامیوں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حج تمتع کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اس کے درست ہونے کا فتویٰ دیا، تو شامیوں نے کہا کہ آپ کے والد صاحب تمتع بالحج سے منع کرتے تھے، تو عبداللہؓ نے بڑی جرأت سے فرمایا:

"أمر أبي يتبع أم أمر رسول الله ﷺ" (جامع الترمذی ابواب الحج باب ماجاء فی التمتع)

(میرے والد صاحب کا اتباع واجب ہے یا نبی ﷺ کے حکم کا)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اندر کورانہ تقلید کی ذہنیت نہیں تھی، یہی مزاج تابعین وتبع تابعین کا بھی تھا، ائمہ اربعہ رحمہم اللہ جن کی جانب تقلیدی مذاہب منسوب ہیں، انہوں نے بھی اپنے شاگردوں میں یہی مزاج پیدا کیا تھا، چنانچہ تمام ائمہ اسلام سے یہ بات منقول ہے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں کو ہدایت کی تھی کہ اگر ان کی کوئی بات دین کے بنیادی سرچشموں (کتاب وسنت) کے خلاف پائیں تو اسے بلا جھجک رد کردیں! اس سلسلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ کے چند اقوال ملاحظہ ہوں:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جب کوئی فتویٰ دیتے تو فرماتے:

"هذا رأي نعمان بن ثابت وهو أحسن ما قدرت عليه فمن جاء بأحسن منه فهو اولى بالصواب"

(اعلام الموقعین ۱/۷۵، حجۃ اللہ البالغہ ۱/۵۷)

یہ نعمان بن ثابت یعنی میری رائے ہے اور وہ میری قدرت واستطاعت کے مطابق سب سے اچھی رائے ہے، مگر جس کی رائے اس سے زیادہ اچھی ہو تو وہی درست ہوگی۔

امام ابوحنیفہ، امام یوسف اور امام زفر رحمہم اللہ کہا کرتے تھے:

"لا يحل لاحد أن يقول بقولنا حتى يعلم من أين قلناه" (اعلام الموقعین ۲/۲۰۱، حجۃ اللہ البالغ ۱/۱۵۸)

کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ہماری بات اپنائے جب تک کہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے کہاں سے کہا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ کہا کرتے تھے:

"ما من أحد الا يوخذ من قوله ويترك الا صاحب هذا القبر۔ وأشار الى قبر النبي ﷺ"

(حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۱۵۷)

ہر شخص کی بات اختیار بھی کی جاسکتی ہے اور چھوڑی بھی جاسکتی ہے سوائے اس قبر والے کے۔ اور وہ نبی ﷺ کی قبر کی طرف اشارہ کرتے۔)

امام شافعی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:

"كل ماقلت، وكان قول رسول الله ﷺ خلاف قولي مما يصح فحديث النبي ﷺ اولى، ولا تقلدوني" (حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۱۷۵)

میری جو بات بھی صحیح حدیث رسول ﷺ کے خلاف ہو تو نبی ﷺ کی حدیث ہی قابلِ اتباع ہے، اور تم لوگ میری تقلید مت کرنا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہا کرتے تھے:

"لا تكتبوا عني شيئا ولا تقلدوني ولا تقلدوا فلانا وفلانا وفي رواية: مالكا والشافعي والاوزاعي ولا الثوري وخذوا من حيث أخذوا" (اعلام الموقعین ۲/۲۰۱)

میری کوئی بات مت لکھو، نہ میری تقلید کرو، اور نہ فلاں فلاں کی تقلید کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ: مالک، شافعی، اوزاعی، اور ثوری میں سے کسی کی تقلید نہ کرو جہاں سے ان لوگوں نے لیا ہے وہیں سے لو!۔

انہیں حقائق کے پیش نظر اہل الحدیث فقہا وائمہ کے بنائے ہوئے اصول ومبادی اور رجال وشخصیات کے افکار وخیالات سے بلند ہوکر سوچتے ہیں اور آیاتِ قرآنی واحادیث نبوی کو حاکم وقاضی مانتے ہیں، اہل الحدیث نے کبھی بھی تاویل کے ذریعے آیات واحادیث کو اپنے کسی عالم کے قول کے مطابق کرنے کا ارتکاب نہیں کیا اور نہ ان کا یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی آیت یا حدیث ہمارے کسی عالم کے قول کے مخالف ہو تو وہ لازمی طور پر مؤول ہے یا منسوخ، اس سلسلہ میں فقہائے احناف کی روش انتہائی غیر معتدل ہے، اسلامی تاریخ میں چوتھی صدی ہجری کا آغاز تقلید جامد کا پیغام لے کر آیا، اس کے بعد عام طور پر طریقہ یہ ہوگیا کہ کسی متعین امام سے احکام اس طرح لئے جانے لگے جیسے وہ بالکل نصوص کتاب وسنت کی طرح ہوں، اس دور میں تقلید کی روح اس حد تک سرایت کرگئی کہ فقہا وائمہ کے اقوال وآراء کی پیروی میں قرآن وحدیث کی دوراز کار تاویل کرنے کا نامناسب ذہن پیدا ہوگیا، اس دور کے مشہور حنفی امام ابوالحسن عبیداللہ کرخی (۲۶۰ھ۔۳۴۰ھ) کی ذہنیت ملاحظہ ہو وہ کس جرأت سے کہتے ہیں:

"كل آية تخالف ما عليه أصحابنا فهي مؤولة أومنسوخة وكل حديث كذالك فهو مؤول أومنسوخ" (تاریخ التشریع الاسلامی/۲۷۹، الطبعۃ الثامنۃ)

جو بھی آیت ہمارے اصحاب یعنی علما وائمہ کے مخالف ہو وہ منسوخ ہے یا مؤول، اسی طرح جو حدیث ہو وہ بھی منسوخ ہے یا مؤول۔

علامہ محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ نے ''جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث'' میں لکھا ہے کہ نصوص کتاب وسنت میں تاویل کا یہ ذہن معتزلہ کا دیا ہوا ہے متقدمین احناف میں یہ ذہن مقبول نہیں تھا مگر متاخرین احناف میں کتاب وسنت کی دوراز کار تاویلات کا بازار ایسا

گرم ہوا کہ بعض اوقات اس ذہن نے بہت سی نامناسب اور گھناؤنے انداز کا مظاہرہ کیا ہے، اس سلسلہ کی ایک مثال ملاحظہ ہو! حلالہ کے بارے میں حدیث صحیح میں آیا ہے!

"لعن رسول الله ﷺ المحلل و المحلل له" (جامع الترمذی کتاب النکاح باب ماجاء فی المحلل والمحلل له)

رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو جو حلالہ کرے یا جس کے لئے حلالہ کیا جائے ملعون قرار دیا ہے۔

علامہ عینیؒ اس حدیث کی تاویل میں اس طرح فرماتے ہیں "لعله أراد باللعنة الرحمة" (عینی برحاشیہ کنز الدقائق کشوری بحوالہ "جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث" ر ۹۴) (یعنی رسول اللہ ﷺ نے لعنت سے شاید رحمت مراد لی ہو)

مشکوٰۃ المصابیح میں جہاں یہ حدیث آئی ہے وہاں اس کے حنفی محشی نے اس ملعون فعل کے مرتکب کو مستحق اجر قرار دیا ہے۔ حاشیہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں!

"بل قد قيل انه مأجور بنيته الاصلاح" (مشکوٰۃ المصابیح ۲۸۴ حاشیہ ۱۳، طبع دھلی)

بلکہ کہا گیا ہے کہ اصلاح کی نیت سے فعل حلالہ کا مرتکب عنداللہ مستحق اجر ہوگا۔

اس طرز فکر و عمل پر یہ شعر کتنا منطبق ہے ؎

رات کو جام پیا صبح کو توبہ کرلی
رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

مقلدین کی اس گھناؤنی روش کو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مخالفت حدیث قرار دیتے ہیں اور زبردست تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شاہ صاحب کے الفاظ اور ان کا تیور ملاحظہ ہو!

"فحينئذ لا سبب لمخالفة حديث النبي ﷺ الا نفاق خفي أو حمق جلي" (حجۃ اللہ البالغۃ ۱/ ۱۵۵)

تو ایسی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی مخالفت کا محرک پوشیدہ نفاق ہے یا واضح حماقت۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مقلدین کی ان بے اعتدالیوں پر ساتویں صدی ہجری کے مشہور عالم شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلامؒ کی حیرت واستعجاب کا تذکرہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے ارشاد کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بعض فقہائے مقلدین کو اپنے امام کی دلیل کے ایسے ضعف کا علم ہوجاتا ہے جس کا کوئی جواب نہیں اور وہ اس کے باوجود ان کی تقلید کرتے ہیں اور ان کا مذہب چھوڑ دیتے ہیں جن کی تائید میں کتاب وسنت اور صحیح قیاسات ہیں، محض اس لئے کہ ان کو امام کی تقلید سے انحراف گوارا نہیں، بلکہ کتاب وسنت کے واضح مطلب کو دفع کرنے کے لئے وہ ہزار تدبیریں کرتے ہیں اور اپنے امام کی مدافعت میں ہر طرح کی بعید اور بے بنیاد تاویلوں سے ان کو احتراز نہیں ہوتا" (حجۃ اللہ البالغۃ ۱/ ۱۵۵)

بیسویں صدی کے عظیم مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی جو خود حنفی تھے اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مرید خاص تھے مگر انہوں نے بھی بہ توفیق الٰہی امام رازی کے حوالہ سے غالی مقلدین کی روش پر سخت تنقید کی ہے چنانچہ وہ { اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ...} (التوبۃ:۳۱) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''آیت میں مسلمانوں کے لئے بھی بڑی عبرت ہے، انہوں نے بھی مختلف اماموں اور مشائخ کو مستقل مطاع قرار دے کر عملاً انہیں معصومیت اور بلکہ خدائی کے مرتبہ پر پہنچا دیا ہے، قرآن کی صریح آیت کو، اپنے ضمیر کی شہادت کو کھلے ہوئے مشاہدہ کو، سب کو چھوڑ دیں گے، لیکن اپنے شیخ کے قول کو نہ چھوڑیں گے، امام رازی نے اس موقع پر اپنے استاد کا قول نقل کیا ہے: وہ کہتے ہیں کہ میری نظر سے ایسے مقلدین گزرے ہیں کہ جن کے سامنے ان کے مسلک کے خلاف میں نے قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں انہوں نے آیات کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا، ان کی طرف التفات نہ کیا، الٹے حیرت سے میری طرف دیکھتے رہے کہ ان کے اسلاف کے مسلک کے خلاف یہ آیات قرآنی ہو کیوں کر سکتی ہیں اور تاویل بجائے ان کے اقوال میں کرنے کے، خود ان آیات میں کرنے لگے''۔ (تفسیر ماجد ۲/ط:لکھنو)

اوپر جس دینی وفقہی مزاج کی تصویر کشی کی گئی ہے اہل حدیث اسے انتہائی خطرناک تصور کرتے ہیں اس لئے یہ شخصیت پرستی اور تقلید جیسی گھناؤنی بدعت سے محفوظ ہیں فالحمد للہ علی ہذا۔

یوں تو ہر دور میں انسان کی صحیح وسلیم فطرت نے تقلید یعنی بے دلیل کسی کی بات مان لینے کو سخت ناپسند کیا ہے مگر عصرِ حاضر کا مزاج خاص طور پر اس مقلدانہ ذہنیت کا سخت مخالف ہے، اس لئے اس دور میں ہمہ گیر پیمانہ پر مسلک اہل الحدیث کی اشاعت کے امکانات زیادہ روشن ہیں اور بحمد اللہ بڑی کثرت سے لوگ بہ توفیق الٰہی اہل الحدیث کے اعتقادی وفقہی منہج کو اختیار کر رہے ہیں۔

(مجلہ الاستدراک: نومبر و دسمبر ۲۰۱۵)

❑❑❑

سنت صحیحہ کے خلاف عالمی سازش

مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ۔ دہلی

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره نعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له وأشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله۔ أما بعد!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا} (الحشر:۷)

''رسول جو تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے تمہیں روکے اس سے باز رہو''

اور اللہ کے رسول ﷺ سے صحیح حدیث میں منقول ہے:

تركت فيكم شيئين لن تضلوا بعدهما: كتاب الله وسنتي، ولن يتفرقا حتى يردا علي الحوض،

(مستدرک حاکم بروایت أبی ہریرۃ رقم ۳۱۹، صحیح الجامع: رقم ۲۹۳۷)

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، تم ان دونوں (کو مضبوطی سے پکڑنے) کے بعد گمراہ نہ ہوگے، ان میں ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری سنت ہے۔ یہ دونوں ساتھ ساتھ ہوں گی یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوض کوثر پر آئیں گی''۔

یہیں سے شریعت اسلامیہ کے دو سرچشمے ہو گئے ہیں۔ ان دونوں سرچشموں سے مل کر وہ آب حیات ابلتا ہے جس سے بندۂ مسلم کو وہ پاکیزہ زندگی ملتی ہے جو اللہ کو محبوب و پسندیدہ ہے، اس کے برعکس ایسی زندگی جس میں کتاب اللہ اور سنت رسول کی حکمرانی نہ ہو وہ خیر و سعادت سے محروم و تہی مایہ ہوتی ہے۔ اسی سبب سے اسلامی شریعت، جو ایک ابدی اور دائمی شریعت ہے، کے ان دونوں مصادر کے تحفظ کی ذمہ داری اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ ارشاد باری ہے: {إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ} (الحجر:۹)

''بیشک یہ ذکر (قرآن) ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''

یہ آیت جس طرح من جانب اللہ قرآن کی حفاظت کئے جانے کی تصریح کر رہی ہے اسی طرح سنت نبویہ کے اللہ کی حفاظت میں ہونے کی بھی ضمانت لے رہی ہے، کیونکہ فرمان باری ہے:

{وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ} (النحل:۴۴)

''اور ہم نے تم پر ذکر (کتاب) نازل کی تاکہ تم واضح کر دو لوگوں پر وہ جو ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ غور کریں''۔

اس آیت میں اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو تبیین قرآن کا حکم دیا ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ تشریحات و توضیحات

محفوظ نہ رہیں تو قرآن کے ساتھ تمسک اور اس کے احکام واوامر کی تعمیل وبجا آوری ہی ممکن نہ ہوگی۔ ارشاد باری ہے:

{وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى} (النجم: ۳۔۴)

''اور نہ وہ خواہش نفس سے بولتے ہیں۔ یہ تو اللہ کی وحی ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے''

نیز دوسری جگہ ارشاد ہے: {إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ} (الانعام: ۵۰)

''میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔''

اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام فرامین جن کا تعلق دین سے ہے سب وحی اور ذکر ہیں اور چونکہ وہ اللہ کی زیر حفاظت ہیں اس لئے سب کے سب محفوظ ہیں۔ فرق یہ ہے کہ قرآن کل کا کل محفوظ اور تواتر کے ساتھ منقول ہے اور سنت جو قرآن کے اجمال کی شرح وتفصیل ہے، اس کے عموم کی مخصص اور اس کے مطلق کی مقید ہے، کی حفاظت اللہ نے ہر دور اور ہر شہر کے محدثین کے ایک بڑے طبقہ کو اس کی نشر واشاعت، اس کی تدوین اور اس سے باطل کو دفع کرنے کی توفیق بخش دی ہے۔ ان ائمہ ومحدثین نے سنت کی جو مثالی خدمات انجام دی ہیں ان کی تاریخ عالم میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس میں شک نہیں کہ کتاب اللہ کی مکمل حفاظت اسی وقت ہوسکتی ہے جب سنت نبویہ محفوظ رہے، کیونکہ قرآن کے معانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات میں ڈھل کر ممثل ومجسم ہوگئے ہیں اس لئے اس کی کسی بھی ثابت شدہ سنت کا انکار اور اس سے اہمال اور روگردانی یا اس کی تحریف یا ایسی تفسیر وتاویل جو اس کے منشا ومقصود کے خلاف ہو یا اس کو کسی ایسی چیز پر محمول کرنا جس کی کوئی شرعی دلیل نہ ہو خود قرآن کا ترک اور اس سے روگردانی ہے۔ قرآن کریم نے متعدد آیات میں سنت کی تحکیم اور اس کی بالادستی کی تصریح کی ہے۔ اس سلسلہ کی چند آیات ملاحظہ ہوں:

(۱) {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ} (النساء: ۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو اور جو تم میں صاحب امر ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات پر تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر تمہارا ایمان ہے تو اس میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو''

(۲) {وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا} (الحشر: ۷)

''جو چیز پیغمبر تم کو دیں وہ لے لو اور جس سے وہ روکیں اس سے باز رہو۔''

(۳) {إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ} (النور: ۵۱)

''مومنوں کی تو یہ بات ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو کہیں کہ ہم نے حکم سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''

(۴) {وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا} (الاحزاب:۳۶)

''اور کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کوئی فیصلہ کر دیں تو وہ اس میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہو گیا''۔

(۵) {قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ} (آل عمران:۳۲)

''کہہ دو کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اگر وہ اعراض کریں تو اللہ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا''۔

(۶) {مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ} (النساء:۸۰)

''جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی''۔

(۷) {وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ} (آل عمران:۱۳۲)

''اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے''۔

(۸) {فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا} (النساء:۶۵)

''تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں فیصل نہ بنالیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس پر ملول خاطر ہونے کے بجائے اسے خوشی خوشی مان نہ لیں وہ مومن نہیں ہوں گے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنت کی اہمیت اور اس کے مقام و مرتبہ کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كل أمتي يدخلون الجنة الا من أبى،قالوا: ومن يأبى؟قال: من اطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد أبى۔ (صحیح بخاری بروایت أبی ہریرۃ، رقم ۵۸۵۱)

''میری امت کے تمام لوگ جنت میں داخل ہوں گے سوائے اس شخص کے جس نے انکار کیا۔ لوگوں نے کہا: کون انکار کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی سو اس نے انکار کیا''

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تركت فيكم شيئين لن تضلوا بعدهما: كتاب الله وسنتي، ولن يتفرقا حتى يردا علي الحوض،

(مستدرك حاكم بروايت أبي هريرة رقم ۳۱۹، صحيح الجامع: ۲۹۳۷)

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں ان دونوں (کو مضبوطی سے تھامنے) کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے: ان میں ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری سنت، یہ دونوں جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ دونوں ساتھ ساتھ حوض کوثر پر آئیں گی''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، ان کے بعد ان کے تابعین اور اس امت کے محدثین، مفسرین اور فقہاء بلکہ پوری ملت

اسلامیہ نے سنت کی حاکمیت کو تسلیم کیا ہے اور سب نے اسے اپنے مقدمات کا فیصل اور حکم بنایا ہے۔ حفظ وضبط، دراسہ وتحقیق اور استنباط وتمسک کی رو سے سنت کی جو بھی خدمات ان کے لئے ممکن تھیں ان حضرات نے ان میں ذرا بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جس چیز سے اپنے فرمان:

ألا انی أوتیت القرآن مثله معه الا یوشك رجل شبعان علی أریکته یقول: علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فأحلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرّموه. ألالا یحّل لکم الحمار الاهلی وکل ذی ناب من السباع ولا لقطة معاهد الا أن یستغنی عنها صاحبها ومن نزل بقوم فعلیهم ان یقروه فان لم یقروه فله أن یعقبهم بمثل قراه۔ (احمد، ابوداؤد بروایت مقدام بن معدیکرب، صحیح الجامع: ۲۶۴۳)

''سنو! میں قرآن اور اس کے ساتھ اسی کے مثل اور بھی (حدیث) دیا گیا ہوں۔ سنو! قریب ہے کہ ایک آسودہ آدمی اپنے مسند پر بیٹھا کہے گا کہ تم بس اسی قرآن کو لازم پکڑو اس میں جو حلال ہو اس کو حلال جو حرام ہو اس کو حرام جانو، خبردار تمہارے لئے پالتو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ کوئی دانت والا درندہ اور نہ کسی ذمی کی گری پڑی چیز مگر یہ کہ اس کا مالک اس سے بے نیاز ہو۔ اور جو کسی قوم پر اترے تو اس قوم پر لازم ہے کہ وہ اس کی مہمان نوازی کرے، اگر وہ قوم اس کی مہمان نوازی نہیں کرتی ہے تو اس کو حق ہے کہ وہ اس سے مہمان نوازی کے بقدر زبردستی وصول کرلے''۔

میں ڈرایا اور خبردار کیا ہے وہ امر منکر بالآخر واقع ہو کر رہا۔ تخریب پسند عناصر نے سنت کو کتاب اللہ سے علیحدہ کرنے اور آراء وخواہشات کو نصوصِ شریعت پر مقدم کرنے کی کوششیں کیں اور تاریخ کے مختلف ادوار میں روافض، معتزلہ، جہمیہ، اصحاب الرائے اور فلاسفہ ومتکلمین نے سنت کو معطون کرنے اور اس میں شکوک وشبہات پیدا کرکے اس کی حجیت کو مخدوش کرنے اور ان روایتوں کو مسترد کرنے کی ناروا جسارتیں کیں جو ان کی بیمار عقلوں کے فریم میں فٹ نہیں آرہی تھیں خواہ وہ صحیح، متصل اور غیر منقطع ہی کیوں نہ ہوں اور علل وشذوذ سے پاک ہی کیوں نہ ہوں، لیکن مولائے حکیم وکارساز (جس نے انبیاء ورسل بھیجے، کتابیں نازل کیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وفرامین کو اپنانے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت فرمائی) نے فرمان نبوی:

(۱) **لا تزال طائفة من أمتی قائمة بأمر الله لا یضرهم من خذلهم أوخالفهم حتی یأتی أمر الله وهم ظاهرون علی الناس.** (صحیح بخاری رقم ۶۴۸۱، ۳۴۴۱، صحیح مسلم رقم ۵۰۶۴)

''برابر میری امت کا ایک گروہ اللہ کے دین پر قائم رہے گا جو لوگ ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے وہ انہیں کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور وہ لوگوں پر غالب اور سربلند رہیں گے''۔

(۲) **یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتأویل الجاهلین:** (بیہقی، امام احمد کہتے ہیں: حدیث صحیح ہے۔ تعلیق المشکوٰۃ للالبانی رقم ۲۴۸)

''اس علم (علم کتاب وسنت) کی امانت بعد میں آنے والی پیڑھی کے ثقہ لوگ اپنے کندھوں پر اٹھائیں گے اور اس سے غلو کرنے

والوں کی تحریف اور باطل پرستوں کی زیادتیاں اور جاہلوں کی تاویلات دور کریں گی۔"

کے بمصداق ہر دور اور ہر شہر کے اپنے کچھ مخلص و مومن بندوں کو توفیق بخشی جنہوں نے ان مرجفین کے پھیلائے ہوئے فتنوں اور ان کے شبہات کی تردید و تغلیط کی اور ان کی سازشوں کو ناکام کیا۔

ائمہ متقدمین میں امام محمد بن ادریس شافعی، ان کے تلمیذ رشید امام سنت احمد بن حنبل اور ان کے شاگرد امیر المومنین فی الحدیث سید الفقہاء امام محمد بن اسماعیل بخاری، امام ابن حبان بستی، امام ابن قتیبہ دینوری، امام ابو محمد علی بن حزم ظاہری، امام عز بن عبدالسلام، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے تلامذہ ابن قیم، ابن کثیر اور ذہبی جیسے اساطین حدیث نے اور متاخرین میں محمد بن ابراہیم وزیر اور فلانی وغیرہم رحمہم اللہ نے سنت کی خدمت، اس کے دفاع اور معترضین و متشککین کے اعتراضات و شبہات کے ازالہ اور اس کی تردید میں جو انتھک کوششیں کی ہیں وہ لائق تشکر و ستائش ہیں۔

اور جب عصر حاضر کے نئے جہمیوں اور معتزلیوں نے ان پرانے دفن شدہ فتنوں کو پھر سے ابھارنے کی کوشش کی اور سنت صحیحہ بالخصوص بخاری و مسلم کی احادیث کو اپنے تیروں کا نشانہ بنانا شروع کیا اور اس امت کے سلف صالحین نے رواۃ کی عدالت و ثقاہت کو جاننے اور احادیث و اخبار اور استنباطات و اجتہادات کو جانچنے و پرکھنے کے لئے علمی اصولوں کی شکل میں جو قصر رفیع تعمیر کیا تھا، نسلی اور جغرافیائی کینوں کی آگ بھڑکا کر اس کو ڈھانے کی فکر میں لگ گئے تو اس کے مقابلہ کے لئے برصغیر ہندو پاک میں: ابوسعید محمد حسین بٹالوی (م ۱۳۳۸ھ)، عبدالعزیز رحیم آبادی (م ۱۳۳۶ھ) عبدالسلام مبارکپوری (م ۱۳۴۲ھ)، ابوالقاسم بنارسی (م ۱۳۶۹ھ)، محمد اسماعیل سلفی (م ۱۳۸۷ھ) وغیرہم اور عالم عرب میں: علامہ محمد عبدالرزاق حمزہ (۱۳۱۱۔ ۱۳۹۲ھ)، امام عبدالرحمن بن یحیی معلمی یمانی (م ۱۳۸۶ھ)، علامۂ شام محمد بہجہ بیطار (م ۱۹۷۸ء)، محدث کبیر شیخ احمد محمد شاکر (م ۱۳۷۷ھ) اور علامہ محمد ناصر الدین البانی (م ۱۴۲۰ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ اور ڈاکٹر ربیع ہادی حفظہ اللہ وتولاہ جیسے افاضل اور اساطین علم و فضل نے ان روشن خیالوں اور علم و معرفت کے دعویداروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور سنت اور اہل سنت کے خلاف اس کھلی دشمنی اور خبیث سازش کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے کے لئے جو ذرائع اور تدابیر ممکن تھیں انہیں اختیار کیا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

اسلام بالخصوص احادیث نبویہ کے خلاف رچی گئی سازشوں پر جن لوگوں کی گہری نظر ہے ان سے یہ بات مخفی نہیں کہ عالم اسلام میں بھی بعض شخصیات ایسی ہیں جنہوں نے سنت کے مطالعہ اور بحث و تحقیق کے تئیں کلیۃً وہی انداز فکر اپنا رکھا ہے جو ان مستشرقین ملاحدہ کا ہے جو یہودی ہیں یا نصرانی، ان شخصیات میں برصغیر ہندو پاک میں سید احمد خاں، چراغ علی، امیر علی، عبداللہ چکڑالوی، اسلم جیراجپوری، غلام احمد پرویز، خلیفہ عبدالحکیم اور آصف فیضی وغیرہم اور عالم عرب میں محمد عبدہ، قاسم امین، علی عبدالرزاق، محمود ابوریہ، احمد امین، حسین ہیکل، محمد خضری، حسن ترابی، محمد غزالی وغیرہم کے نام اہم ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ ٹٹ پونجیے قسم کے معاصر انشاء پرداز بھی ہیں جن کی حیثیت ان لوگوں کے طفیلیوں اور حاشیہ برداروں کی ہے جو ان کے انحرافات اور گمراہ کن افکار و خیالات کے پیچھے سرپٹ دوڑتے ہیں اور انہیں نہایت وقیع اور قابل قدر بنا کر پیش کرتے ہیں اور سادہ لوح طالب علموں کو

اپنے ناموں اور القاب کی چمک دمک سے دھوکے میں مبتلا کر دیتے ہیں ان میں چند کے نام یہ ہیں:

فہمی ہویدی، محمد فتحی عثمان، محمود شرقاوی، محسن عبدالحمید، جمال الدین عطیہ، عبداللہ علایلی، احمد ابوالمجد، محمد عوا، محمود نویہی، سہیر لطفی، نوال سعداوی، حسین احمد امین، حسن حنفی، خالد محمد خالد، محمد خلف اللہ، زکی نجیب محمود، محمد احمد غرب، عبدالقادر جغلول، محمد ارکون، محمد عابد جابری، عبداللہ عروی اور احمد خالد وغیرہم۔

یہ اور اس طرح کے کچھ اور چھٹ بھیئے ہیں جو رفض سنت کی اپنی ان کوششوں کے سبب جانے جاتے ہیں جنہیں وہ مختلف انداز اور مختلف پیرائے میں اپنی جہالت ولا پروائی اور فریب خوردگی کے سبب اور اپنے ترقی پسند، روشن خیال متجدد، تعلیم یافتہ اور متمدن ہونے کے زعم میں کرتے رہتے ہیں، ان حضرات کے خلاف علماء سنت کی ان قابل قدر خدمات اور مساعی کو جن کی جانب ہم نے اشارہ کیا ہے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ **فجزاھم اللہ عن الاسلام والمسلمین احسن الجزاء۔**

یہاں عالم اسلام کی بعض ان ممتاز اسلامی شخصیات کے ذکر سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا جو دعوت وثقافت اور عصری تقاضوں کی روشنی میں نوخیز نسلوں کی اسلام کی جانب رہنمائی کے میدان میں اپنی خدمات کے سبب معروف ہیں لیکن صحیحین میں وارد بعض صحیح حدیثوں کے انکار اور خام اور ناپختہ ذہنوں میں ان باریک علمی اصولوں کے متعلق جنہیں نقد حدیث کے لئے اس امت کے سلف صالحین نے وضع کیا تھا اور امت نے جس کے ساتھ تلقی بالقبول کیا تھا شکوک وشبہات پیدا کرنے اور بعض ان راویوں کو جن کی ثقاہت پر ائمہ جرح وتعدیل کا اتفاق ہے بغیر کسی دلیل کے سوائے اس کے کہ ان کی روایتیں ان کی خواہشات اور عقلوں کی میزان پر پوری نہیں اترتی ہیں مجروح قرار دینے کے سبب ان کے قلم سے بھی بعض ایسی چیزیں صادر ہوئی ہیں جو سنت کے لئے انتہائی مضرت رساں رہی ہیں۔ اس فہرست میں انکار وتشکیک، تجریح واستہانتِ سنت اور رواۃ حدیث پر بے جا تنقید میں فرق مراتب کے ساتھ برصغیر ہندوپاک میں عمر کریم پٹنوی، شبلی نعمانی، مشہور شاعر محمد اقبال، حمید الدین فراہی، ابوالاعلیٰ مودودی، ظفر احمد تھانوی، احمد رضا بجنوری وغیرہم اور عالم عرب میں محمد زاہد کوثری اور ان کے تلامذہ جن میں سرفہرست عبدالفتاح ابوغدہ ہیں اور سعید رمضان بوطی، محمد غزالی اور یوسف قرضاوی وغیرہ کے نام آتے ہیں۔

یہ کتاب جسے ہم ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں سنت کے دفاع، اعداء سنت کی سازشوں اور چالوں سے واقفیت وآگاہی اور سنت سے متعلق مختلف طبقوں اور گروہوں کے نظریات وخیالات پر نقد وتبصرہ کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ کتاب کے شرف واعزاز کے لئے بس یہی بات کافی ہے۔

میری نظر میں کتاب اپنے موضوع پر ایک کامیاب کوشش ہے اور موضوع کے اکثر گوشوں کو خاص کر سنت کے ان معاندین ومنکرین کی تاریخ کو محیط اور جامع ہے جنہوں نے عقیدہ وعمل میں سنت کی حجیت کے انکار، اس کی تطبیق میں اہمال، اس کے الفاظ ومعانی میں تحریف، اس کے ثبوت میں تشکیک، اس کی من مانی تاویل اور اسے اس کے محمل کے علاوہ پر محمول کرنے کی جسارتیں کی ہیں جو سلف صالحین کی روش اور ان کے مسلک کے خلاف ہے۔

مؤلف کتاب برادرم صلاح الدین مقبول احمد نے ان فکری رجحانات اور لہروں کی بعض مثالیں بھی دی ہیں جو مختلف انداز سے متعدد شہروں اور مختلف ادوار میں کتاب وسنت کے علوم اور سلف صالحین کے منہج اور طرز فکر سے ناواقف مسلمانوں کی گمراہی وکجروی کا سبب بنتی رہی ہیں۔

مؤلف نے مخالفین سنت کی آراء وخواہشات کا تجزیہ کیا ہے اور ان کی تردید کی ہے اور تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں کو ان کے افکار ونظریات کی خطرناکی سے آگاہ وخبردار کیا ہے اور یہ سب پسندیدہ اور عالمانہ اسلوب میں ہے۔

سنت کے خلاف بعض جماعتوں، اداروں اور بعض شخصیات کا کردار انتہائی گھناؤنا رہا ہے۔ وہ ایک طرف سنت مطہرہ ثابتہ کے انکار اور اس میں تشکیک کے درپے رہی ہیں اور دوسری جانب اس میں ایسی چیزیں داخل کرنے کے لئے کوشاں رہی ہیں جو اس میں سے نہیں ہیں، اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ ان تحریکات وشخصیات کو بے نقاب کیا جائے اور ان کی ان دوہری چالوں سے پردہ اٹھایا جائے جن کے سبب سنت خود اسلام کے داعیوں، اس کے نمائندوں اور اس کے حامیوں اور مددگاروں کے بیچ اجنبی ہوتی جارہی تھی اور اپنی قوم کو اپنی اعانت وفریادرسی کے لئے آواز دینے لگی تھی، چنانچہ اس کے اس آواز پر عرب وعجم اور مشرق ومغرب ہر جگہ سنت کے علم برداران انفرادی واجتماعی دونوں سطحوں پر اٹھ کھڑے ہوئے اور مخالفین سنت کی سازشوں کے تاروپود کو بکھیرنے کی کامیاب کوششیں کیں۔

چونکہ یہ کتاب وسنت کے دشمنوں اور اس کے ناسمجھ دوستوں کی قدیم وجدید تمام حرکات اور سرگرمیوں اور سنت کے دفاع کی تمام کیفیات کو محیط اور جامع ہے اس لئے اس لائق تھی کہ اہل علم اس کے مشمولات ومحتویات سے واقف وآگاہ ہوں، چنانچہ اسلامک سائنٹفک ریسرچ اکیڈمی، جو ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر کا ایک ماتحت اور ذیلی ادارہ ہے، نے اپنی ابتدائے قیام ہی میں اس کتاب کو شائع کرنے اور اسے لوگوں میں عام کرنے کے لئے پسند کرلیا تھا۔ کتاب کی کمپوزنگ تین سال پیشتر مکمل ہوچکی تھی، اس کے باوجود کتاب کے لئے جو وقت مقدر تھا اس سے پہلے اکیڈمی اس کی طباعت پر قادر نہ ہوسکی، اس سلسلے میں ہم سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ **قدر اللہ وما شاء فعل**۔

یہاں ایک اور بات پیش نظر رہے کہ اس کتاب کی تالیف چونکہ چار سال پیشتر مکمل ہوچکی تھی اس لئے مؤلف، استاذ محمد غزالی کی کتاب "**السنة النبوية بين أهل الفقه وأهل الحديث**" (جو ایک نئے قسم کے اعتزال اور ان علمی اصولوں اور حدیثی قواعد جنہیں ائمہ حدیث نے کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کی روشنی میں وضع کیا ہے اور امت نے اسے تلقی بالقبول کا درجہ دیا ہے، کے انہدام کی ایک منصوبہ بند سازش تصور کی جاتی ہے) پر تفصیلی نقد ومحاکمہ نہیں کرسکے ہیں لیکن دوسرے کئی سنت کے شیدائیوں اور عقیدہ ودین کے تئیں علم نبوی کے غیور طالب علموں کے قلم سے اس کتاب کے ردود منظر عام پر آچکے ہیں جن میں ڈاکٹر ربیع بن ہادی مدخلی، استاذ جمال سلطان اور شیخ صالح بن عبدالعزیز بن ابراہیم آل الشیخ حفظہم اللہ وتولاہم کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

لیکن یہ مسئلہ محض کسی کتاب یا رسالہ کے لکھ دینے سے ختم نہیں ہوجاتا بلکہ یہ ایک نہایت باریک اور گھناؤنی عالمی سازش

ہے جو بین الاقوامی سطح پر رچی گئی ہے اور جس کی ڈور ایسی مختلف تنظیمات وتحریکات اور شخصیات ہلا رہی ہیں جن کی حیثیات اور جن کے مقاصد واضح نہیں ہیں جن میں "المعهد العالمي للفكر الاسلامي" (واشنگٹن امریکہ)، فہمی ہویدی اور محمد عمارہ وغیرہم کے گروپ (مصر) اور ہفت روزہ مجلہ "المسلمون"، جریدہ "الشرق الاوسط"، مجلہ "سیدتی"، مجلہ "المسلم المعاصر"، مجلہ "العربی" اور مجلہ "كل الناس" کے ایڈیٹران اور کارپردازان شامل ہیں۔ ان ایڈیٹران میں فیلیب جلاب اور لوئس جریس جیسے آوارہ مزاج نصرانی بھی ہیں جو کسی سیلاب کے آگے نہیں ٹکتے، ہر بہاؤ میں بہنے لگتے ہیں۔ تعجب ہے کہ استاذ محمد غزالی بھی ان میں سے بعض کے شریک کار رہے ہیں۔ ہندوستان، پاکستان، ملیشیا، مغرب اور دیگر ممالک میں بھی ان کے طفیلیوں اور حاشیہ برداروں کا گروہ موجود ہے، ان کے مادی وسائل وامکانیات کا حال یہ ہے کہ کئی کئی حکومتوں کے بجٹ مل کر بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، ان وسائل سے وہ ضمیروں کو خریدتے اور قلموں کا سودا کرتے ہیں اور ایسے باریک اور پیچیدہ انداز میں کام کرتے ہیں کہ بیچارے سادہ لوح مسلمان جن کے اندر علم وفکر کی پختگی نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اپنی پشت پر عقیدۂ سلف اور سنت صحیحہ کا کوئی مضبوط بیک گراؤنڈ رکھتے ہیں ان کے دامِ فریب میں آجاتے ہیں۔ یہ حقائق کو معکوس انداز میں پیش کرتے اور خود کو دانشور اور روشن ضمیر کہلواتے ہیں۔ مسئلہ جتنا ہم اور ہماری طرح دوسرے لوگ جوان جماعتوں، اداروں اور کلبوں کی سرگرمیوں پر گہری نظر نہیں رکھتے تصور کر سکتے ہیں، اس سے کہیں پیچیدہ، اہم اور نازک ہے، لہٰذا برادرم صلاح الدین سے ہم توقع کرتے ہیں کہ وہ کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں ان امور کا اضافہ کر کے ان سازشوں سے بھی پردہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔

اس جگہ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ مسلمان نوجوانوں کو جو حقیقت پسند اور حق کے متلاشی ہیں اور حق ہی کے ساتھ رہتے ہیں، سنت کی اہمیت اور سلف صالح کے انداز فکر کو سمجھنے کے لئے علماء محدثین اور ائمہ سنت کی کتابوں کے مطالعہ کی جانب رہنمائی کروں، ان کتابوں میں خصوصی اہمیت کی حامل بعض کتابیں میرے نزدیک یہ ہیں:

● الرسالة للشافعي مع تقديم وتعليقات أحمد محمد شاكر ● مقدمه فتح الباري (حافظ ابن حجر) ● مقدمه صحيح مسلم ● صحيح ابن حبان ● نقض الدارمي على بشر المريسي ● تأويل مختلف الحديث (ابن قتيبة دينوري) ● السنّة (مروزي) ● الاحكام في أصول الأحكام (ابن حزم) ● الرد على المنطقيين، نقض المنطق، منهاج السنة النبوية اور اقتضاء الصراط المستقيم (شيخ الاسلام ابن تيمية) ● مفتاح دار السعادة، اعلام الموقعين اور زاد المعاد (ابن قيم الجوزيه) ● دراسات اللبيب (محمد معين الدين سندي) ● ايقاظ همم أولي الأبصار (فلاّني) ● الروض الباسم في الذب عن سنة أبي القاسم (ابن الوزير) ● مؤلفات امام شوكاني ● معيار الحق (شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی) ● الروضة الندية (سید صدیق حسن خاں) ● حسن البيان فيما في سيرة النعمان (امام ومجاہد علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی)

• مقدمة غاية المقصود وجملہ مؤلفات علامہ شمس الحق عظیم آبادی۔ • سيرة البخاري (علامہ عبدالسلام مبارک پوری) •حل مشكلات البخاري اور الأمر المبرم (مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی) •صيانة الانسان (مولانا محمد بشیر سہسوانی) مؤلفات وتعلیقات مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور علامہ نذیر احمد رحمانی۔

• جامع ترمذی اور اختصار علوم الحديث لابن كثير پر احمد محمد شاکر کے مقدمے وتعلیقات بنام 'الباعث الحثيث' •ظلمات أبي رية (محمد عبدالرزاق حمزة) •الأنوار الكاشفة اور التنكيل بما في تأنيب الكوثري من الأباطيل (شیخ عبدالرحمن معلمی یمانی) •حول ترحيب الكوثري (علامہ شام محمد بجہ بیطار) •اور جملہ مؤلفات محدث عصر شیخ محمد ناصر الدین البانی۔ • دوام الحديث (امام حافظ محمد گوندلوی) • جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث (مولانا اسماعیل سلفی گوجرانوالہ)۔ •انوار المصابيح (علامہ نذیر احمد رحمانی) •لمحات (مولانا محمد رئیس ندوی)

اسی طرح میں نوجوانوں کو سنت سے متعلق بعض معاصر علماء، جن کا ذکر ابھی تک نہیں آیا ہے، کی تحریروں کی جانب خصوصی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، ان حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

محدث برصغیر ہندو پاک علامہ شیخ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، شیخ بدیع الدین شاہ راشدی، شیخ مقبل بن ہادی وادعی، علامہ شیخ عبدالمحسن حمد العباد۔

موجودہ صدی کے ثقہ اور معتبر علماء میں کچھ نام اور بھی ہیں جن میں سے کچھ تو اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں اور کچھ باحیات ہیں جنہوں نے اپنی نگارشات کا اصل الاصول وحی معصوم اور خالص اسلامی ثقافت کو قرار دیا ہے، میں ان حضرات کی تصنیفات وتالیفات، مقالات ومضامین اور جملہ تحریروں سے اپنے نوجوانوں کو استفادہ کا مشورہ دیتا ہوں، ان علماء میں سے چند اہم نام یہ ہیں:

•علامۂ قصیم شیخ عبدالرحمن سعدی۔ •علامۂ جنوب مملکت سعودی عرب شیخ حافظ حکمی۔ •علامۂ نجد شیخ سعد بن عتیق۔ •امام شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ اور ان کے شاگرد امام ومجاہد شیخ عبداللہ بن حمید۔ •علامۂ مغرب عالمی داعی ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی۔ •علامۂ عراق شیخ محمد شکری آلوسی۔

•امام سید رشید رضا کے مقالات ومضامین جنہیں اپنے استاد محمد عبدہ کی وفات کے بعد انہوں نے تحریر کیا ہے۔ •جملہ مؤلفات ومقالات وتراجم مؤسس جمعية الشبان المسلمين وایڈیٹر مجلہ 'الفتح' اور مجلہ 'الزهراء' استاذ کبیر محب الدین خطیب۔ •ڈاکٹر احمد محمد مغراوی۔ •ڈاکٹر امین مصری۔ •علامہ شیخ عبدالعزیز بن راشد نجدی۔ •مؤسس أنصار السنة المحمدية شیخ محمد حامد فقی۔ • شیخ عبدالرحمن وکیل۔ •ڈاکٹر خلیل ہراس۔ •مالک مکتبہ ابن تیمیہ ڈاکٹر رشاد سالم • مؤلفات امام عبدالحمید بادیس۔ •استاذ مالک بن نبی رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (صرف پختہ فکر طلباء کے لئے جو عقیدہ ومنہج سلف سے دلچسپی رکھتے ہیں) •مؤلفات امام عصر شیخ عبدالعزیز عبداللہ بن باز۔ •مؤلفات مربی کبیر علامۂ قصیم محمد صالح العثیمین۔ •ڈاکٹر بکر بن عبداللہ ابوزید۔ •ڈاکٹر صالح فوزان۔ • شیخ عبداللہ بن جبرین۔ •استاذ الادباء محمود بن محمد شاکر۔ •ڈاکٹر ناصر الدین اسد۔ •استاذ انور جندی۔ •استاذ ابوتراب ظاہری۔

●ابوعبدالرحمن بن عقیل (ان کے بعض تفردات کو مستثنیٰ کر کے)۔

باطنی فرقوں کے احوال اور سلف صالح کے عقیدے کی تائید وحمایت نیز سنت کے دفاع اور نوجوانوں کی تربیت سے متعلق مقالات ومؤلفات۔

استاذ محمد سرور نائف زین العابدین۔

علمانیہ، اشتراکیہ اور شیوعیہ وغیرہ گمراہ کن قدیم وجدید افکار ومذاہب کے تنقیدی جائزے پر مشتمل تصنیفات شیخ سفر حوالی۔

سلفی عقیدہ کی تائید وحمایت اور موجودہ مسائل ومشکلات سے متعلق مقالات ومضامین استاد محمود مہدی استانبولی۔ استاد عید عباسی وغیرہم۔

اور برصغیر ہندو پاک کے علماء میں:

●امام قاضی محمد سلیمان منصور پوری۔ ●شیخ الاسلام ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری۔ ●ابوالکلام آزاد۔ ●محمد علی قصوری۔ ●محمد حنیف ندوی (بعض شذوذ اور تفردات کے استثناء کے ساتھ)۔ ●غلام رسول مہر۔ ●ڈاکٹر رفیع الدین۔ ●امام عبدالعزیز میمنی وغیرہم۔

یہاں میں خالص اسلامی ثقافت کے موضوع پر لکھی گئی بعض قیمتی مؤلفات کا ذکر کروں گا تاکہ طلبائے علومِ اسلامیہ ان سے استفادہ کر سکیں۔ ان میں میرے نزدیک چند اہم اور قابل ذکر تالیفات یہ ہیں:

- 'الاتجاهات الوطنية في الأدب المعاصر'، اور 'حصوننا مهددة من داخلها'، از استاذ محمد محمد حسین۔
- 'دواء الشاكين وقامع المشككين'، 'الدعوة الى الله' اور 'تقويم اللسانين'، از ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی۔
- 'تحف راية القرآن'، 'وحي القلم'، از استاذ مصطفیٰ صادق رافعی۔
- 'مع الرعيل الأوّل'، 'مجلة الفتح'، 'مجلة الزهراء'، از علامہ محب الدین خطیب، نیز ابن عربی کی 'العواصم من القواصم'، اور ذہبی کی 'منهاج الاعتدال'، اور شاہ عبدالعزیز دہلوی کی 'مختصر تحفة اثنا عشرية'، پر ان کے مقدمے اور ان کی تعلیقات۔
- 'الظاهرة القرآنية'، از استاذ مالک بن نبی (احمد محمد شاکر کے مقدمہ کے ساتھ)۔
- 'خصائص التصور الاسلامي'، اور اس کے مقدمے از سید قطب۔
- 'واقعنا المعاصر'، از محمد قطب
- 'مقارنة بين الغزالي وابن تيمية'، اور 'الثقافة الاسلاميه'، از ڈاکٹر محمد رشاد سالم۔
- 'أباطيل وأسمار'، 'المتنبي'، اور 'هذه ثقافتنا'، از استاذ محمود محمد شاکر۔
- 'مصادر الشعر الجاهلي'، از ناصر الدین اسد۔

مفہوم تجدید الدین، از استاذ بسطامی محمد سعید۔

جہالت وغلط فہمی، ہٹ دھرمی اور انکار حق اور بندگانِ الٰہی کی تحقیر وتذلیل کے جس ماحول میں آج ہم سانس لے رہے ہیں اسے دیکھتے ہوئے یہاں میں دو باتوں کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں:

اوّل یہ کہ موضوع کے اس سرسری جائزہ سے میرا مقصد ومنشا سنت نبویہ کا دفاع اور مسلک محدثین کی تائید وحمایت ہے۔ مقدمہ یا کتاب میں جن شخصیات کا ذکر آیا ہے ان کو نشانہ بنانا قطعاً نہیں، مزید برآں جن اشخاص کی جانب مقدمہ میں ان کے حدیثی موقف کی وضاحت کے وقت اشارہ کیا گیا ہے وہ کسی ایسے منہج اور اصول کے پابند نہیں جن پر سب کا اتفاق ہو، سنت کے رفض وانکار کے تئیں ان کے درجات ومعیار میں فرق واختلاف موجود ہے، لیکن اس اختلاف کے باوجود سنت اور سنت پر عمل کا استخفاف اور اس کی تحقیر سب کے یہاں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔ بنابریں شعوری یا غیر شعوری طور پر اسلام کو نقصان پہنچانے میں سبھی شریک ہیں۔

دوم یہ کہ شخصیات اوج وکمال کی کتنی ہی بلندی پر کیوں نہ پہنچ جائیں اور بے پناہ عوامی شہرت ومقبولیت کی مالک کیوں نہ بن جائیں، لیکن وہ حق کی میزان پر بہر صورت تولی جائیں گی کیونکہ حق کا اظہار اور حق کا دفاع سب سے اہم اور سب سے قیمتی شے ہے، حق شخصیات سے نہیں پرکھا جاتا بلکہ شخصیات حق کی کسوٹی پر پرکھی جاتی ہیں، اس لئے حق کی معرفت ضروری ہے۔ اگر حق واضح ہوجائے تو پھر اس آئینہ میں شخصیات کے چہرہ کا حسن وقبح بآسانی دیکھا جاسکتا ہے۔

اخیر میں مؤلف کتاب عزیزی صلاح الدین مقبول احمد کی صحیح سمت میں اس مناسب کاوش اور دفاع سنت کے سلسلہ میں ان کے اس صریح جرأت مندانہ موقف پر ہم ان کے انتہائی شکر گزار ہیں اور بارگاہِ رب العزت میں دعا گو ہیں کہ وہ ان کے اس عمل کو قیامت کے دن ان کی نیکیوں کے پلڑے میں جگہ دے اور ہم سب کو ان تمام وسائل وامکانیات کے ساتھ جن سے اس نے ہم کو نوازا ہے، اپنے راستے میں جہاد کی توفیق ارزانی فرمائے اور حق کو فتح یاب اور باطل کو شکست وہزیمت سے دوچار کرے اور ہمیں حق کو حق دکھائے اور اس کے اتباع کی اور باطل کو باطل دکھائے اور اس سے اجتناب کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہمارے انجام کار کو بہتر بنائے۔

انہ سمیع قریب مجیب۔

{رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ}(الحشر:۱۰)

سبحانك اللهم وبحمدك، أشهد أن لا اله الا أنت أستغفرك وأتوب اليك۔

(مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی، جلد سوم، ص ۱۵۶)

(مأخوذ از مقدمہ روابع فی وجہ السنہ عربی/اردو ترجمہ: رفیق احمد سلفی)

□□□

اہل حدیث اوران کا عقیدہ

مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ

علامہ ابوالحسن اشعری چوتھی صدی ہجری کی ایک جلیل القدر شخصیت ہیں، جن کا سلسلہ نسب نو واسطوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ وہ ۲۶۰ھ (۸۷۴ء) کو بصرہ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۵ھ (۹۳۷ء) کے پس وپیش بغداد میں وفات پائی۔ ان کی بہت سی تصنیفات میں سے ایک نہایت اہم تصنیف ''مقالات الاسلامیین'' ہے جو دوجلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی جلد اوّل میں انہوں نے اہل حدیث اوران کے افکار وعقائد کا تذکرہ انتہائی جامعیت کے ساتھ کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ''اہل سنت'' کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔ وہ لکھتے ہیں کہ اہل حدیث یا اہل سنت جن چیزوں کو افکار ونظریات کا بنیادی نقطہ قرار دیتے ہیں اور جس محور کے گرد ان کے عقائد ومسلمات گھومتے ہیں، وہ درج ذیل ہیں۔

☆ اللہ کا اقرار کرنا، اس کی نازل کی ہوئی کتابوں کو صحیح قرار دینا، اس کے رسولوں کو ماننا، جو احکام اللہ کی طرف سے نازل ہوئے اور احادیث کا جو ذخیرہ ثقہ راویوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا اور پھر اسے امت تک پہنچایا، اس کی حقانیت کا اقرار کرنا اوران میں سے کسی چیز کی بھی تردید نہ کرنا۔

☆ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ ایک ہے اور بے نیاز ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نہ اس کا کوئی بیٹا ہے، نہ بیوی۔ قرآن کہتا ہے۔

{قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ} (الاخلاص)

اے پیغمبر! کہہ دو، اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، وہ نہ کسی کا باپ ہے، نہ بیٹا اور کوئی اس کا ہم سر نہیں۔)

☆ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول اور اسکے بندے ہیں۔ جنت برحق ہے، جہنم بھی برحق ہے۔ قیامت ضرور آئے گی، اس کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو قبروں سے اٹھا کھڑا کرے گا۔

ارشاد خداوندی ہے: {وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ} (الحج:۷)

(بلاشبہ قیامت آنے والی ہے اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ اللہ ان سب کو جو قبروں میں مدفون ہیں، اٹھائے گا)

☆ اللہ کے بارے میں اہل حدیث کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ عرش پر ہے۔ یہ عقیدہ قرآن کی اس آیت پر مبنی ہے۔

{الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ} (طٰہٰ:۵) (رحمان جس نے عرش پر قرار پکڑا)۔

☆ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے دو ہاتھ ہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ:

وہ کس طرح کے ہیں۔ دو ہاتھ کے بارے میں وہ قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

{خَلَقْتُ بِيَدَيَّ} (ص:۷۵) (جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔)

☆ ان کے عقیدے کے مطابق اللہ کے ہاتھوں میں بے حد کشادگی پائی جاتی ہے جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے۔

{بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ} (المائدہ:۶۴) (بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔)

☆ اللہ کی دو آنکھیں بھی ہیں، لیکن ان آنکھوں کی کیفیت کا کسی کو علم نہیں۔ آنکھوں کا ذکر قرآن میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے سلسلے میں کیا گیا ہے۔ {تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا} (القمر:۱۴) (وہ کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے رواں تھی۔)

☆ آنکھوں کے علاوہ اہل حدیث کے نقطہ نظر کے مطابق اللہ تعالیٰ کا چہرہ بھی ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

{وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ} (رحمن:۲۷) (اے پیغمبر! تیرے رب کا چہرہ باقی رہے گا جو کہ عظمت واکرام والا ہے۔)

☆ ان کا کہنا ہے کہ اللہ کی ذات اعلیٰ وارفع میں علم کی صفت پائی جاتی ہے، جس کا ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے۔

{لَّكِنِ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنزَلَ إِلَيْكَ أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ} (النساء:۱۶۶)

(اے پیغمبر! اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ اس نے جو کتاب تم پر نازل کی ہے اسے اپنے علمی کمال کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے: {وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ} (فاطر:۱۱) (کسی عورت کا حاملہ ہونا اور جننا سب اللہ کے علم میں ہے۔)

☆ ان کے عقائد میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ میں سمع وبصر کی صفات بھی پائی جاتی ہیں اور وہ سمیع وبصیر ہے۔

{إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ} (بنی اسرائیل:۱) (بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

☆ وہ طاقت وقوت کا بھی مالک ہے جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے۔

{أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً} (حم السجدہ:۱۵) (کیا انہیں یہ نظر نہ آیا کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا، وہ قوت میں ان سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔

☆ وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ زمین میں خیر وشر وغیرہ جو کچھ بھی ظہور پذیر ہوتا ہے اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے اور تمام امور اللہ کی مشیت کے تابع ہیں۔ انسان وہی کچھ کرتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ قرآن اس کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے۔

{وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ} (تکویر:۲۹) (اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے، مگر وہی جو اللہ چاہے۔)

چنانچہ یہی اہل حدیث کہتے ہیں۔

مَا شَاءَ اللهُ كَانَ وَمَا لَا يَشَاءُ لَا يَكُونُ.

(جو اللہ چاہتا ہے، وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا، نہیں ہوسکتا)۔

☆ اللہ کے سوا یہ لوگ کسی کو خالق نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک ہر شے کا خالق اور ہر چیز کو پیدا کرنے والا صرف اللہ ہے۔

☆ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اپنی اطاعت اور فرماں برداری کی توفیق سے نوازا ہے۔ اس نے کافروں کو ذلت سے دوچار کیا ہے اور مسلمانوں کو اپنے لطف وکرم کا مستحق گردانا اور انہیں نیکی کی استعداد بخشی، ان کی اصلاح فرمائی اور ہر معاملے میں ان کو ہدایت اور رہنمائی کی نعمت سے نوازا ہے۔

☆ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ خیر وشر کے تمام معاملات اللہ کی قضا وقدر کے تابع ہیں۔ قضا وقدر پر یہ پورا ایمان رکھتے ہیں، اس کا تعلق خیر سے ہو یا شر سے۔ خوش کن واقعات سے ہو یا ناخوشگوار امور سے، یہ بہر حال اسے دل وجان سے مانتے اور اس پر یقین رکھتے ہیں۔

☆ یہ اس حقیقت کو پوری طرح تسلیم کرتے ہیں کہ انہیں اپنے نفع ونقصان پر قدرت حاصل نہیں۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ نفع ونقصان کا سلسلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تمام امور میں یہ لوگ اللہ پر توکل رکھتے ہیں اور ہر وقت اور ہر معاملے میں اسی کی طرف رجوع کرتے اور اسی کے محتاج ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔

☆ قرآن کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ غیر مخلوق ہے۔

☆ یہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ کا دیدار ہوگا اور اسی طرح ہوگا جس طرح کہ ہم چودھویں رات کا چاند دیکھتے ہیں۔ لیکن اس دیدار کا شرف صرف ایمان داروں کو حاصل ہوگا، کافروں کو نہیں ہوگا۔ کافر اس کے دیدار سے محروم رہیں گے' جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

{كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ} (تطفیف:۱۵) (ہرگز نہیں، ان (کافروں) کو اس دن پروردگار کے دیدار سے روک دیا جائے گا)

☆ ایمان کے معنی ان کے نزدیک یہ ہیں کہ اللہ کو مانا جائے، اس کے فرشتوں اور اس کی طرف سے نازل شدہ کتابوں کو تسلیم کیا جائے۔ تقدیر پر ایمان لایا جائے، اس کا تعلق خیر سے ہو یا شر سے' خوش کن واقعات سے ہو یا تلخ حقائق سے۔ تقدیر پر ایمان لانے کا انداز اس طرح کا ہونا چاہیے کہ جو مصیبت ٹل گئی' وہ کبھی پیش آنے والی نہ تھی اور جو پیش آ گئی' وہ ٹل نہیں سکتی تھی۔

☆ ایمان کے متعلق ان کا کہنا ہے کہ توحید کو مانا جائے یعنی اس بات کی شہادت دی جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

☆ یہ لوگ اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مقلب القلوب (یعنی دلوں کو پھیر دینے والا) ہے۔

☆ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا اقرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شفاعت کے مستحق وہ لوگ بھی ہوں گے، جو کبائر کے مرتکب ہوئے ہیں۔

☆ ان کے نزدیک عذاب برحق ہے، حوض کوثر برحق ہے، پل صراط برحق ہے، موت کے بعد زندہ ہونا برحق ہے اور اللہ کی بارگاہ میں حساب ہونا برحق ہے۔ قیامت کے روز اللہ کے حضور کھڑا ہونا برحق ہے۔

☆ ان کا عقیدہ ہے کہ ایمان انسان کے قول وعمل سے عبارت ہے اور ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

☆ کبائر کے مرتکب لوگوں کے لئے یہ جہنمی ہونے کی گواہی نہیں دیتے اور نہ یہ موحدین میں سے کسی کے لئے جنت کو حتمی قرار دیتے ہیں۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ تمام معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ وہ کسی کو جہاں چاہے رکھے۔ چاہے تو عذاب میں مبتلا کردے اور چاہے تو معاف فرمادے۔

☆ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موحدین میں سے بہت لوگوں کو جہنم سے نجات دلادے گا، جیسا کہ متعدد احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مروی ہیں۔

☆ دینی امور ومعاملات سے متعلق یہ لوگ مجادلت ومنازعت سے انکار کرتے ہیں۔

☆ جبر وقدر کے مسائل سے متعلق بحث وتمحیص سے یہ لوگ ہمیشہ اپنے آپ کو بچا کر رکھتے ہیں۔

☆ یہ لوگ ہر اس بات کو الگ کریں مبنی برصحت قرار دیتے ہیں جو صحیح احادیث سے مروی ہے یا جس بات کا ثبوت ان آثار سے ملتا ہے جو ثقہ راویوں کے ذریعے سے ہم تک پہنچے ہیں، جن کا ہر راوی عادل ہے اور عادل ہی سے اس نے یہ آثار نقل کیے ہیں اور پھر یہ سلسلہ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک منتہی ہوا۔

☆ یہ لوگ دینی مسائل میں یہ کہنے کے عادی نہیں ہیں کہ یہ کیوں ہوا اور کیوں کر ہوا۔ یعنی دین میں یہ ''کم'' اور ''کیف'' کو صحیح نہیں قرار دیتے۔

☆ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے انسان کو شر کے ارتکاب کا حکم نہیں دیا بلکہ شر سے روکا ہے۔ اس نے ہر معاملے میں خیر کو اپنانے کا حکم دیا ہے۔ تاہم ان کے نزدیک خیر وشر اللہ کے ارادہ تکوینی میں ضرور داخل ہے۔

☆ یہ لوگ صحابہ کرام کے فضائل تو بیان کرتے ہیں، لیکن ان کے باہمی مشاجرات کے بیان سے دامن کشاں رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک صحابہ اور خلفائے راشدین میں اولین مقام حضرت ابوبکر کا ہے۔ پھر حضرت عمر کا، ان کے بعد حضرت عثمان کا اور پھر حضرت علی کا ہے۔ رضی اللہ عنہم۔

☆ یہ لوگ اس بات کو صحیح قرار دیتے ہیں جو احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت کا طالب ہو۔

☆ کتاب وسنت کو یہ لوگ حجت تسلیم کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن میں ارشاد فرمایا گیا ہے: {فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ} (النساء:۵۹)

(کسی معاملے میں تم اختلاف کرنے لگو تو اسے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کردیا کرو)۔

☆ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے حی (زندہ) قرار دیتے ہیں۔ اسے عالم' قادر' سمیع (سننے والا) بصیر (دیکھنے والا) عزیز، عظیم، جلیل، کبیر، کریم مرید (ارادہ کرنے والا) اور جواد (فیاض) مانتے ہیں۔

☆ علم، قدرت، حیات، سمیع، بصیر، عظمت، جلال، کبریا، ان کے نقطہ نظر کے مطابق سب صفات باری تعالیٰ کی ہیں۔

☆ ان کے نزدیک صحابہ کرام کو برسرحق ماننا ضروری ہے۔

☆ ان کا کہنا ہے کہ دینی امور میں بدعات سے دامن کشاں رہا جائے اور صرف انہی باتوں کو لائق اتباع قرار دیا جائے جن کے اتباع کا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔

☆ ان کے نزدیک مشرکین کے مقابلے میں فریضہ جہاد ادا کرنا چاہیے۔ یہ جہاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے شروع ہوا ہے جو خروج دجال اور اس کے بعد تک جاری رہے گا۔

☆ یہ لوگ منکر نکیر، معراج نبوی اور رویا کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ فوت شدہ مسلمانوں کے لئے اگر دعا کی جائے یا صدقہ دیا جائے تو اس کا انہیں ثواب پہنچتا ہے۔

☆ جنت اور دوزخ ان کے نزدیک مخلوق ہے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ کوئی شخص طبعی موت مرے یا مارا جائے اور قتل کیا جائے، وہ سب اس ''اجل'' اور وقت مقررہ کے تحت ہوتا ہے جو پہلے سے اس کے لئے متعین ہے۔

☆ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ہر قسم کا رزق ہر جان دار کو اللہ کی طرف سے ملتا ہے اور یہ کہ انسان کے دل میں شیطان وسوسے ڈالتا، اسے شکوک میں مبتلا کرتا اور صراط مستقیم سے دور ہٹانے اور صحیح معاملات سے بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔

☆ ان کے نزدیک، چھوٹے بچے مرجائیں تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ وہ چاہے تو انہیں عذاب میں مبتلا کرے اور چاہے تو ان کے ساتھ کوئی اور معاملہ روا رکھے۔

☆ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کو ان سب چیزوں کا علم ہے جن سے انسان اپنی زندگی میں دوچار ہونے والا ہے۔ جو کچھ ظہور میں آنے والا ہے، وہ پہلے سے اللہ کے نزدیک لکھا ہوا ہے اور تمام امور اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

☆ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بندے اللہ کے فیصلوں پر صبر کریں، اس کے احکام مانیں، جن باتوں سے اس نے روکا ہے، ان سے رکیں اور جن پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے ان پر خلوص قلب سے عمل کریں، تمام مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں، اللہ کی عبادت کو اپنا شعار بنائیں، کبائر سے مجتنب رہیں، زنا، چوری اور کذب بیانی وغیرہ کبیرہ گناہوں سے دامن بچا کر رکھیں۔ عصبیت، فخر وغرور، کبر وعونت، خود پسندی اور دوسروں کی تحقیر سے بچیں۔

☆ اہل بدعت سے کنارہ کش رہیں۔ زیادہ تر وقت تلاوت قرآن اور آثار وسنن کے مطالعہ وتحریر میں صرف کریں۔ آیات الٰہی کو مرکز غور وفکر ٹھہرائیں۔ تواضع، فروتنی، حسن اخلاق، اعمال خیر اور خدمت خلق کو لازمہ حیات قرار دیں۔ کسی کو ایذا نہ پہنچائیں، غیبت نہ کریں، کھانے پینے میں احتیاط برتیں اور حلال وطیب چیزوں کی جستجو میں رہیں۔

یہ ہیں وہ چیزیں جن پر اہل حدیث خود بھی عمل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی ان پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یہی ان کا عقیدہ ہے، یہی ان کی رائے ہے اور یہی ان کا نقطہ نظر ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ پورا اسلام اس میں آ گیا ہے اور مسلک اہل حدیث پورے اسلام سے تعبیر ہے۔ یہ کسی خاص فرقے، خاص جماعت اور حزب کا نام نہیں ہے۔ کامل اسلام اور مکمل دین کا نام ہے۔ اس میں کوئی جھول، کوئی الجھاؤ اور کوئی الجھن نہیں ہے۔ کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ ہر بات سیدھی اور ہر معاملہ صاف ہے۔ ہر حکم واضح ہے اور ہر مسئلہ نہایت آسانی سے سمجھ میں آ جاتا ہے اور ذہن میں اتر جاتا ہے۔ اسلام چوں کہ دین آسان ہے، لہٰذا ان چیزوں کو حیطۂ فہم میں لانا بھی نہایت آسان ہے۔ الدین یسر۔

اہل حدیث کوئی فرقہ نہیں، اصل اسلام ہے

چوتھی صدی ہجری اور دسویں صدی عیسوی کے ایک ممتاز محقق محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق نے ''الفہرست'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ہے جو مختلف علوم وفنون پر مشتمل ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ کون سا علم کب عالم وجود میں آیا اور کن کن اصحاب علم نے اس کی ترویج واشاعت میں کیا خدمات سرانجام دیں۔ بہ اختلاف روایات ابن ندیم وارق نے ۳۹۰ھ (۱۰۰۰ء) کے لگ بھگ وفات پائی۔

علوم وفنون اور رجال کے سلسلے میں ''الفہرست'' کا شمار کتب حوالہ میں کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کے چھٹے مقالے کا چھٹا فن ''فقہائے محدثین اور اہل حدیث'' پر محتوی ہے۔ اس مقالے میں پہلی، دوسری اور تیسری صدی ہجری کے محدثین اور اصحاب حدیث کا تذکرہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان میں سے کس بزرگ نے کون سی کتابیں تصنیف کیں۔

یہ کتاب اس حقیقت کی وضاحت کرتی ہے کہ ''اہل حدیث'' کوئی نیا مذہب یا نیا فرقہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ابتدائے اسلام سے ہے اور یہی درحقیقت اصل اسلام ہے، جس کی نسبت کتاب وسنت کی طرف ہے۔ باقی تمام مذاہب ومسالک افراد وائمہ کی طرف منسوب ہیں اور ان کے فقہی رجحانات وآراء کے آئینہ دار.....!

اہل حدیث اور اہل سنت

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام احمد اور لقب تقی الدین ہے۔ ان کی کنیت ابوالعباس ہے۔ وہ ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ (۲۱ جنوری ۱۲۶۳ء) کو حران کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ وہ بہت سی کتابوں کے مصنف اور علم وتحقیق میں یگانۂ روزگار تھے۔ انہوں نے ۲۸ ذیقعدہ ۷۲۸ھ (۱۴ اکتوبر ۱۳۲۸ء) کو وفات پائی۔

امام ابن تیمیہ کی ایک مشہور تصنیف ''منہاج السنہ'' ہے اس کتاب میں وہ اہل حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

ان اهل الحديث من اعظم الناس بحثا عن اقوال النبي صلى الله عليه وسلم وطلبا لعلمها وارغب الناس في اتباعها وابعد الناس عن اتباع هو يخالفها.

(منهاج السنة جلد۲، ص۱۷۹)

(اہل حدیث کی یہ خصوصیت ہے کہ نبی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے سب سے زیادہ متلاشی رہتے ہیں اور آپؐ کے فرامین کی اتباع ان کے نزدیک انتہائی مرغوب ومحبوب ہے اور جو چیز اس کے خلاف ہو اس سے دور بھاگتے ہیں۔)

اسی کتاب میں دوسری جگہ وہ اہل حدیث اور اہل سنت کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں:

وأما اهل الحديث والسنة والجماعة فقد اختصوا باتباع الكتاب والسنة الثابتة عن نبيهم صلى الله عليه وسلم فى الأصول والفروع وما كان عليه أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (ایضاً صفحہ ۱۰۳)

(اہل حدیث اور اہل سنت والجماعت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ اصول وفروع میں قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مرکز اتباع ٹھہراتے ہیں اور ان امور کی پیروی کرتے ہیں، جن پر صحابہ کرام عامل تھے۔

ائمہ اربعہ سے پہلے کا مذہب

امام ابن تیمیہ صاف الفاظ میں رقم فرماتے ہیں کہ اہل حدیث کوئی نیا مذہب نہیں ہے بلکہ یہ ائمہ اربعہ سے پہلے کا مذہب ہے اور صحابہ کرام اسی کے مطابق عمل کرتے تھے اور درحقیقت یہی لوگ اہل سنت ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وارشادات پر عمل پیرا ہیں۔ امام صاحب اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

ومن اهل السنة مذهب معروف قبل ان يخلق الله أبا حنيفة ومالكا والشافعى واحمد فانه مذهب الصحابة تلقوه عن نبيهم ومن خالف ذالك كان مبتدعا عند أهل السنة والجماعة۔ (منهاج السنة مطبوعه المكتبة السلفيه۔ لاهور ۱۳۹۶۔۱۹۷۶ء)

(اہل سنت کا یہ معروف مذہب ہے جو امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کی پیدائش سے بہت پہلے کا ہے اور یہی مذہب صحابہ رضوان اللہ علیہم کا ہے، جس کی تعلیم انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی، جو لوگ اس کے خلاف دوسری راہ اپنائیں گے ان کا شمار اہل بدعت میں ہوگا)

کتاب وسنت کے اصل متبعین

اہل حدیث کے اوصاف بیان کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

فهم يومنون بكل رسول وبكل كتاب لا يفرقون بين احد من رسل الله ولم يكونوا من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيئاً۔ (نقض المنطق ص ۳۳)

(یہ لوگ ہر رسول اور اللہ کی ہر کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، نہ یہ اللہ کے پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان فرق کرتے ہیں اور نہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو دین میں تفرقہ ڈالتے ہیں۔)

امام ابن تیمیہ ''نقض المنطق'' میں اہل حدیث کے بارے میں امام اسماعیل بن عبدالرحمن صابونی (متوفی ۴۴۹ھ/۱۰۰۸ء) کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

ان اصحاب الحديث المتمسكين بالكتاب والسنة يعرفون ربهم تبارك وتعالىٰ بصفاته التي نطق بها كتابه وتنزيله وشهدله بها رسوله على ماوردت به الأخبار الصحيحة ونقله العدول الثقات ولا يعتقدون تشبيها لصفاته بصفات خلقه ولا يكيفونها تكييف المشبه ولا يحرفون الكلم عن مواضعه تحريف المعتزلة والجهمية۔

(اہل حدیث کا شیوہ یہ ہے کہ وہ کتاب وسنت سے تمسک کرتے ہیں۔ اللہ کی وہی صفات بیان کرتے ہیں جو اس نے خود اپنی کتاب (قرآن مجید) میں بیان فرمائی ہے اور جن کا ذکر اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان صحیح احادیث میں کیا ہے جو عادل وثقہ راویوں سے مروی ہیں۔ وہ اس کی صفات کو اس کی مخلوق کی صفات سے تشبیہ نہیں دیتے۔ نہ ان کی کیفیات بیان کرتے ہیں اور نہ معتزلہ وجہمیہ کی طرح کلام میں تحریف کرتے ہیں۔

(بحوالہ برصغیر میں اہل حدیث کی آمد ص ۱۴۹۔۱۶۰)

□□□

ائمہ اربعہ کے سلسلے میں علمائے اہل حدیث کا موقف

طارق اسعد بن اسعد اعظمی

اسلامی تاریخ اپنے دامن میں ایسے سینکڑوں نفوس کو سمیٹے ہوئے ہے جنہوں نے دین کی راہ میں بیش بہا علمی خدمات انجام دیں اور پوری زندگی علم وتعلیم اور خدمت کتاب وسنت میں صرف کر کے وابستہ دامن رسول رہے۔ یہ علمائے مجتہدین وائمہ عظام بمصداق قول نبوی "العلماء ورثة الأنبياء"(۱) نہایت ہی عزت واحترام اور تعظیم وتکریم کے مستحق ہیں۔

انہیں حاملین کتاب وسنت میں ائمہ اربعہ کی شخصیات بھی ہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کی مساعی جمیلہ کو امت نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور منجملہ ائمہ دین میں بلند مقام دیا ہے۔ چنانچہ ان حضرات کی سیرت کے مطالعہ سے ان کے علم وفضل، فقیہانہ بصیرت، زہد وتقویٰ اور جہود عظیمہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ''یہ چاروں مجتہد امام زمانہ خیر کے لوگوں میں سے ہیں۔ یہ سب بہت سے فضائل ومناقب سے متصف تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنے وقت میں علم وعمل اور فضل وکمال میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا، یہاں تک کہ ان کے مقلدین وتابعین نے ان کے محامد ومکارم میں بہت سی کتابیں بنائی سنواری ہیں''۔(۲)

چوتھی صدی ہجری کے بعد جب تقلید شخصی کا دور دورہ ہوا اور ائمہ اربعہ کی فقہ کی طرف لوگوں کا رجحان بڑھا تو جہاں ایک طرف مقلدین نے اپنے اپنے ائمہ کے فضائل ومناقب بیان کرنے شروع کئے اور ان کی مدح وتعریف میں مبالغہ آرائی سے کام لیا تو دوسری طرف مخالفین تقلید نے مقلدین کی گرفت کرنے کے ساتھ بسا اوقات ان کے ائمہ کو بھی ہدف ملامت بنایا۔ حالانکہ ائمہ اربعہ کے خلاف حدیث میں اقوال منقول ہیں اولاً تو متحقق طور پر ان کی نسبت ان ائمہ عظام کی جانب مشکوک ہے۔ ثانیاً یہ کہ یہ ائمہ مجتہدین اس حدیث کے مصداق ہیں کہ۔ اذا اجتهد الحاكم فأصاب فله أجران، واذا اجتهد ثم أخطأ فله أجر"(۳) چنانچہ اس خطا کو بنیاد بنا کر ان کو مطعون کرنا کسی طور پر بھی درست نہیں۔

ائمہ اربعہ پر طعن وتشنیع کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے یا تو کم علمی وجہالت پوشیدہ ہے یا مسلکی تعصب کارفرما ہے۔ کیوں کہ ان ائمہ کے حالات وکوائف سے معمولی شُد بدر کھنے والا شخص بھی ان کے مقام ومرتبہ اور غزارت علمی سے بخوبی واقف ہے۔ البتہ مسلکی عناد اور فریق مخالف پر برتری ثابت کرنے کے جوش میں اکثر ان ائمہ عظام کی ردائے عظمت کو تار تار کیا جاتا ہے۔

ائمہ اربعہ کے سلسلے میں اہل حدیث کا عقیدہ:

جماعت اہل حدیث کی امتیازی شان رہی ہے کہ ائمہ اربعہ کے تئیں حسن ظن رکھتی ہے اور کتاب وسنت کے موافق ان کے اقوال

کو تسلیم کرتی ہے۔ ان کے زلات کو خطا پر محمول کرتے ہوئے ان کا دفاع کرتی ہے اور ان کے سوئے ادب سے ذکر یا تنقیص وتوہین کو کسی طور پر روا نہیں سمجھتی ؎

ما اہل حدیثم دغا رانہ شناسیم
صد شکر کہ در مذہب ما حیلہ وفن نیست

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ ائمہ اربعہ کے سلسلے میں اہل حدیث کے عقیدہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ائمہ اربعہ اور دیگر مجتہدین کے تئیں ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ اس امت کے مجتہدین ومجددین ہیں۔ اہل علم کا ان کے علم وفضل، تقوی وخشیت، اسلام کے متعلق زہد واخلاص اور ترک بدعات ومحدثات پر اتفاق ہے۔ یہ حضرات اس امت کے باعزت ترین لوگ، متاخرین کے اسلاف اور دین کے قدوہ ونمونہ ہیں۔ یہ لوگ کتاب وسنت کی اتباع کو لازم پکڑے رہے اور محدثات کو ترک کر کے صراط مستقیم پر گامزن رہے۔ انہوں نے اہل زمانہ اور شاگردوں کو خود اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع کیا اور کتاب وسنت کو لازم پکڑنے کی دعوت دی جیسا کہ ان کے مقلدین وغیر مقلدین کی کتابوں میں مذکور ہے۔ چنانچہ ائمہ اسلام کی ہر زمانے میں یہ شان رہی ہے۔

جس شخص نے بھی ان کی شان میں گستاخی کی اور ایسی بات کہی جو ان کے شایان شان نہیں تو وہ اسلام اور انصاف سے بہت دور ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس پر صادق آتا ہے "من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب" اگر یہ (ائمہ) اولیاء اللہ نہیں تو جان لو کہ اور کوئی دوسرا بھی ولی اللہ نہیں ہوسکتا۔

ائمہ اربعہ پر علمائے اہل حدیث کی تصنیفات:

ائمہ اربعہ کے جہود ومساعی کو تسلیم کرنے میں علمائے اہل حدیث نے کبھی بخل یا تعصب سے کام نہیں لیا۔ مسلکی اختلاف اور فکری تضاد کے باوجود وقتاً فوقتاً ان کی خدمات کے اعتراف میں کتب ورسائل لکھے گئے اور ان کی کاوشوں کو اجاگر کیا گیا۔ یہ ائمہ اربعہ کے تئیں علمائے اہل حدیث کے حسن ظن اور نیک نیتی کا مظہر ہے۔

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے "جلب المنفعة فی الذب عن الأئمة المجتهدين الأربعة" (فارسی) تحریر فرما کر جہاں ان ائمہ عظام کو خراج عقیدت پیش کیا اور ان کے بے لوث مساعی کا اعتراف کیا، وہیں ان کے دفاع میں یہ بات بھی ذکر کی کہ حاشا وکلا ان ائمہ کا کبھی یہ مقصد نہ تھا کہ وہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کریں۔ بعد ازاں نواب صاحب نے ائمہ اربعہ کے ترک حدیث کے دس اسباب گنائے ہیں۔ علاوہ ازیں نواب صاحب کی دیگر تحریروں میں بھی جا بجا یہ چیز نظر آتی ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ نے ''بائیس نامور فقہا محدثین'' لکھی جن میں مولانا نے ائمہ اربعہ کو سب سے پہلے ذکر کیا

نیز ان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو سرفہرست رکھا۔ مذکورہ کتاب میں ائمہ اربعہ کے حالات زندگی، شمائل وخصائل اور خدمات وجہود کو مختصراً مگر تسلی بخش انداز میں پیش کیا ہے۔

علامہ محمد حیات سندھی نے "الایقاف علی سبیل الاختلاف" تحریر کی جس میں ائمہ اربعہ کے اختلاف حدیث کی نشاندہی کی گئی ہے اور ان کا دفاع کیا گیا ہے۔

معروف مصری عالم شیخ ابوزہرہ نے امام ابوحنیفہ اور امام احمد حنبل پر دو مفصل کتابیں لکھیں۔ ان دونوں کتابوں کا ترجمہ اہل حدیث عالم مولانا غلام احمد حریری اور مولانا رئیس احمد جعفری نے اردو میں کیا نیز ان پر جماعت کے مشہور عالم مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے تعلیقات وحواشی لگائے۔

مذکورہ بالا کتب کے علاوہ مولانا عبدالمجید سوہدروی کی "سیرت الأئمة" اور "سیرت امام ابوحنیفه" مولانا ابوالکلام آزاد کی "سیرت امام احمد بن حنبل" مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی کی "اجتلاب المنفعة لمن يطالع أحوال الأئمة الأربعة" مولانا الٰہی بخش کی "سوط الرحمن علی حاسد النعمان" وغیرہ کتب ان ائمہ عظام کے تئیں اہل حدیث کے موقف کی غماز ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اور کئی کتابیں ہیں جنہیں ہم بخوف طوالت نظر انداز کر رہے ہیں۔

اہل حدیث۔ متقدمین ومتاخرین۔ علماء کی تحریروں میں ائمہ اربعہ کی تعریف وتوصیف، ان کے محاسن ومحامد اور ان کے دفاع کا جابجا تذکرہ ملتا ہے۔ ائمہ اربعہ کے سلسلے میں علمائے اہل حدیث کا کیا موقف ہے ہم ذیل میں ان علماء کی تحریروں کی روشنی میں باعتبار سنین وفات درج کر رہے ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ: (۶۶۱۔۷۲۸ھ)

علامہ احمد بن تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ائمہ کرام کے دفاع میں "رفع العلام عن الأئمة الأعلام" تحریر فرمائی جس میں ائمہ اربعہ کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا صحیح موقف پیش کیا۔ مذکورہ کتاب میں ائمہ کے ترک حدیث کے متعدد اسباب گنائے ہیں، امام صاحب لکھتے ہیں:

> ''ان میں شبہ نہیں کہ ہم ائمہ کرام کی عصمت کے قائل نہیں۔ بخلاف ازیں ہمارے نزدیک ان سے گناہوں کا صدور ممکن ہے، مگر اس کے باوصف ہمارے نزدیک ان کا مرتبہ ومقام بہت بلند ہے۔ اس لئے کہ وہ اعمال صالحہ اور اپنے خاص حالات کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے مقربین کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ کسی گناہ پر اصرار نہ تھا۔ مگر اس کے علی الرغم ان کا درجہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بلند تر نہ تھا اور صحابہ کے بارے میں بھی یہی فیصلہ ہے کہ ان سے بنا بر اجتہاد جو فتویٰ یا قضا یا صادر ہوئے اور ان کے مابین جو خونریزیاں بھی ہوئیں ان میں خطا وصواب دونوں کا یکساں احتمال پایا جاتا ہے'' (۵)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (۱۷۰۳۔۱۷۶۲ء)

برصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تجدیدی مساعی محتاج بیان نہیں ہیں۔ تقلید و جمود کو فرو کرنے میں آں مرحوم کی خدمات لائق تحسین ہیں۔ ائمہ اربعہ کے تعلق سے شاہ صاحب کے افکار کے تئیں مولانا قاضی محمد اسلم سیف ''تحریک اہل حدیث'' میں لکھتے ہیں:

''۔۔۔۔۔۔۔وہ (شاہ صاحب) امام ابوحنیفہ کی یہ کہہ کر تعریف کرتے ہیں: كان عظيم الشان في التخريج على مذهب ابراهيم وأقرانه دقيق النظر في وجوه التخريجات مقبلا على الفروع أتم اقبال. امام ابوحنیفہ کا مرتبہ ابراہیم نخعی اور ان کے ہم مرتبہ علماء کے مذہب پر اجتہاد و استنباط کے سلسلے میں بہت بلند تھا۔ ان تخریجات کے وجوہ و اشکال میں وہ بڑی دقت نظر رکھتے تھے۔ مسائل جزئیہ اور ان کے فروع کے استخراج میں ان کا انہماک بہت بڑھا ہوا تھا۔

امام احمد بن حنبل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"كان أعظم شأنا وأوسع رواية وأعرفهم للحديث مرتبة وأعمقهم فقها أحمد بن حنبل ثم اسحاق بن راهويه" (۶)

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ (۱۸۳۲۔۱۸۹۰ء)

ائمہ اربعہ کے سلسلے میں نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے ایک پوری کتاب بزبان فارسی تحریر فرمائی جس کا نام یہ ہے "جلب المنفعة في الذب عن الأئمة المجتهدين۔۔۔۔" اس کے علاوہ متفرق طور پر بھی اس تعلق سے اپنی کتابوں میں بہت کچھ تحریر فرمایا ہے نیز ان کی شخصیات کے بہت سارے مخفی پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا ہے۔ نواب صاحب لکھتے ہیں:

''امامان دین جیسے چاروں ائمہ مجتہدین اور دوسرے بلند پایہ علمائے حدیث جن کی مقبولیت کے آگے امت سرنگوں رہتی ہے ان میں ایسا کوئی نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث اور سنت کی مخالفت کا اعتقاد رکھتا رہا ہو۔ چاہے معمولی سنت ہو یا بڑی، اور چاہے حدیث قلیل ہو یا کثیر۔ سب ہی ائمہ اور محدثین اتباع رسول کے وجوب پر اور اس بات پر متفق رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر شخص کی شخصیت ایسی ہے کہ اس کی بات قبول کی جاسکتی ہے اور ترک بھی کی جاسکتی ہے''۔ (۷)

آں مرحوم مزید لکھتے ہیں:

''جماعت اہل حدیث پر جو یہ الزام و گمان عائد کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ ائمہ اربعہ مجتہدین اور دوسرے علمائے دین، متقدمین سلف صالحین، یا متاخرین متبعین کے حق میں بے ادبی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ مخلص

مومنوں پر محض افترا اور بدگمانی ہے ورنہ ائمہ وغیرہم کی قدر و منزلت جس قدر جماعت موحدین کی نظر میں ہے، اس کا دسواں حصہ بھی فرقہ مقلدین میں ثابت نہیں ہوتا ہے۔ یہ کس قسم کی بات ہوسکتی ہے کہ جو شخص سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا انکار کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں گستاخی کرتا ہے اور آپ کی سنت صحیحہ پر عمل کرنے کو مجتہدین مجادلین کے قیل وقال کے مقابلہ میں پسند نہیں کرتا ہے اس سے ائمہ دین کی تعظیم وتکریم کی توقع کہاں ہوسکتی ہے''۔(۸)

میاں سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ (۱۸۰۵۔۱۹۰۲ء)

شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ پر توہین امام اعظم کا الزام لگایا گیا جس پر آپ کے شاگرد رشید مولانا محمد حسین بٹالوی نے آپ کا دفاع کیا۔ مولانا بٹالوی لکھتے ہیں:

''ہم معیار الحق (تصنیف میاں صاحب) میں جابجا امام صاحب کی تعریف وتنزیہ پاتے ہیں۔ توہین وتحقیر کا تو کوئی لفظ نہ اس کتاب میں ہے نہ مولانا نذیر حسین کی کسی اور تالیف میں۔ معیار الحق کے خطبہ ہی میں امام صاحب کو معہ بقیہ تینوں اماموں کے دین اسلام کے عناصر قرار دیا ہے اور صاف کہا ہے کہ یہ چاروں امام قوام دین اسلام کے لئے بمنزلہ عناصر اربعہ ہیں۔ ان کے معاون دین ہونے سے بجز معاند کوئی منکر نہیں۔ ہر چند فضائل امام صاحب کے ہم کو عین عزت اور فخر ہے اس لئے کہ وہ ہمارے پیشوا ہیں اور ہم ان کے امر حق میں پیرو ہیں لیکن ان فضائل سے جو فی الواقع بھی ہوں اور ساتھ ساتھ اسناد صحیح کے ثابت ہوں''۔(۹)

علامہ محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ (۱۸۹۰۔۱۹۴۵ء)

خطیب الہند جناب مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ نے رد تقلید میں بہت ساری کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ آپ کی تالیف میں ''محمدیات'' کو ایک خاص مقام حاصل ہے جن کی تعداد ۸۲ تک پہنچتی ہے۔ ائمہ اربعہ کے سلسلے میں اپنا موقف واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''موجودہ زمانے کی روش تو دیکھو کہ اہل حدیثوں سے ان تقلیدیوں کو کس قدر عداوت ہے۔ کہیں انہیں دشمنان امام کعبہ کہہ کر لوگوں کو بھڑکاتے ہیں، کبھی منکرین رسول بتا کر لوگوں کو ہٹاتے ہیں۔

اہل حدیث نہ کسی امام کے دشمن ہیں نہ نبی کے منکر، ہاں اگر ان کا قصور ہے تو یہ کہ نبوت کی کرسی پر کسی امام کو نہیں بٹھاتے۔ عرش خداوندی کسی نبی ولی کے لئے خالی نہیں کراتے۔ مانتے سب کو ہیں لیکن امر مراتب کے مطابق، فللہ الحمد''۔(۱۰)

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ (۱۲۹۵ھ۔۱۹۵۶ء)

مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ اپنی تصنیف "احکام المرام باحیاء مآثر علماء الاسلام" میں ائمہ اربعہ کے

تعارف کے بعد فرماتے ہیں:

''ائمہ اربعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کے لئے بہت تاکید کی ہے جیسا کہ ان کے حالات میں گذر چکا ہے اور اس سے زیادہ خود ان کی عملی زندگی اس کی شہادت دے رہی ہے۔ بے شک ان بزرگوں نے اجتہاد کیا اور دین میں بہت کوشش کی، مگر چوں کہ جو امر انسانی رائے کے متعلق ہو اس میں غلطی اور خطا کا ہو جانا مسلم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جو وحی ربانی ہے خطا سے پاک ہے۔ اس لئے کسی امام کو یہ جرأت ہرگز نہیں ہوئی اور نہ انہوں نے اس امر کی کبھی اجازت ہی دی کہ ہمارے اجتہاد اور رائے وقیاس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر ترجیح دی جائے''(۱۱)

مولانا محمد اسماعیل گجرانوالہ رحمہ اللہ (۱۸۹۵۔۱۹۶۸ء)

شیخ الحدیث علامہ محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

''ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ ائمہ اربعہ حدیث کو حجت مانتے ہیں، اسے دین کا مآخذ سمجھتے ہیں اور اس تعریف سے حجت سمجھتے ہیں جو ائمہ سنت اور عامۃ المسلمین میں مسلم ہے اور ایک دوسرے کو مسلمان سمجھنے کے باوجود اہل حدیث کو احناف، شوافع، موالک اور حنابلہ کی فقہیات سے اختلاف ہے، وہ ان سکول ہائے فکر میں حدیث اور سنت کی تقدیس کو اس قدر محترم اور محفوظ نہیں سمجھتے جس قدر اہل حدیث اور سلفی سکول فکر میں اسے محترم اور محفوظ پاتے ہیں''۔(۱۲)

مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ (۱۲۶۸ھ۔۱۳۳۱ء)

مولانا قاضی محمد اسلم سیف ''تحریک اہل حدیث'' میں مولانا عبدالجبار غزنوی کے متعلق لکھتے ہیں:

''میں نے انہیں سلف صالحین اور علمائے ربانین کے عقیدے پر پایا۔ وہ فتوی دیتے وقت مذہب معین کے قائل نہ تھے بلکہ جس امام کا قول کتاب وسنت کے قریب ہوتا وہ اس سے ضرور استفادہ کرتے۔ ائمہ مجتہدین سے ہمیشہ حسن ظن رکھتے اور ائمہ کا بڑے احترام سے ذکر کرتے۔ ویسے غزنوی علماء شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، امام اہل سنت احمد بن حنبل سے زیادہ متاثر تھے۔''(۱۳)

مولانا محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ (م ۱۹۶۸ء)

آپ اپنی تصنیف ''سبیل الرسول'' میں رقمطراز ہیں:

''۔۔۔۔۔۔۔لیکن اہل حدیث چاروں اماموں کو مانتے ہیں اور حد درجہ ان کا ادب واحترام کرتے ہیں

بلکہ امت کے تمام ائمہ فقہاء، مجتہدین اور اولیاء اللہ کو مانتے ہیں اس طرح کہ جو باتیں ان کی کتاب وسنت کے مطابق ہوتی ہیں وہ سر آنکھوں پر رکھتے ہیں اور جو مطابق نہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں۔ پس اس طرح تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کسی ایک معین مذہب کی تقلید نہ کریں بلکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں دین پر چلیں''۔(۱۴)

مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ (۱۹۰۸۔۱۹۸۷ء)

مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ جماعت اہل حدیث کے جلیل القدر عالم اور بہت بڑے مصنف تھے۔ ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں ''اہل حدیث کا تصور دینی'' کے موضوع پر مقالہ لکھا۔ مذکورہ مقالے سے ایک اقتباس جو ہمارے موضوع سے متعلق ہے یہاں درج کیا جارہا ہے۔ مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

''یہاں اس بات کو اچھی طرح سے ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ہم کسی بھی تاریخ ارتقا کے منکر نہیں اور زمانے کے ناگزیر تقاضوں کے تحت فقہ وکلام کے سلسلے میں ہمارے ہاں جلیل القدر علما اور ائمہ نے جو گراں قدر خدمات انجام دیں ہیں ان سے ذرہ برابر صرف نظر کو ہم جائز تصور نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فکری وآئینی کاوشیں، امام شافعی کے اصول فقہ وحدیث کے معرکے، امام مالک کا اصحاب مدینہ کے تعامل کو دست برد زمانہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لینا اور امام احمد بن حنبل کی وسیع تر کوششیں ہماری تہذیبی انفرادیت کا زندہ ثبوت ہیں اور یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن پر ہم جس قدر بھی فخر وناز کریں کم ہے''۔(۱۵)

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (۱۹۱۴۔۱۹۹۹ء)

محدث عصر اور فقید المثال عالم جناب محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ ائمہ اربعہ کے تعلق سے اپنا نظریہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ائمہ اربعہ اور ان کے معاصرین، ان کے پہلے کے لوگ یا ان کے بعد والے سب کے سب ہمارے نزدیک ائمہ سلف میں سے ہیں۔ اس لئے یہ غیر ممکن ہے کہ ایک ایسا شخص جو اپنے ملک اور مشرب میں سلفی ہے وہ کسی امام پر طعن کرے گا یا ان کی مذمت کرے گا۔''(۱۶)

''واضح رہے کہ ہم لوگ ائمہ کرام رحمہم اللہ کو واسطہ اور ذریعہ مانتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہم تک پہنچاتے ہیں اور انہیں کے ذریعہ کتاب وسنت کی تعلیمات ہم تک پہنچتی ہیں اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ محض ان کی اتباع یا پیروی ہمارا مقصد نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصد وحید یہ ہے کہ ہم اس راستے کو پہچانیں، جس پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم تھے''۔(۱۷)

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ (۱۹۳۶۔۲۰۰۹ء)

جماعت اہل حدیث کی معروف شخصیت جناب ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ مسلک اہل حدیث کے دفاع میں فرماتے ہیں:

''جماعت اہل حدیث پر دوسرا الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ یہ جماعت ائمہ اربعہ کی مخالف اور بزرگان دین کی دشمن ہے اور ان کے مرتبہ کا احترام نہیں کرتی۔ جن لوگوں نے اس الزام کو پھیلایا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جماعت اہلحدیث نہ تو ائمہ اربعہ کی علمی عظمت وجلالت کی منکر ہے نہ ان کے تقوی اور بزرگی میں اسے کوئی شبہ ہے اور نہ ہی اولیاء وصلحاء کے احترام میں کسی طرح کی تقصیر کو وہ جائز تصور کرتی ہے لیکن عوام کے دلوں میں نفرت کا بیج بونے اور لوگوں کو کتاب وسنت کی تعلیمات سے دورہ کر اپنا مقصد حاصل کرنے اور جماعت کے واضح نصب العین سے طالبان حق کو دور کرنے کے لئے اس طرح کی الزام تراشی کا سہارا لیا جاتا ہے اور جماعت کو بدنام کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔''(۱۸)

ایک لطیفہ:

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا اہل حدیث امام ابوحنیفہ کو نہیں مانتے ہیں؟ آں مرحوم اس جواب کے بارے میں فرماتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ بن ثابت بن زوطی کو ماننے اور نہ ماننے کا کیا مطلب ہے؟ اگر ماننے سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک عالم تھے جو دوسری صدی ہجری میں فوت ہوئے تو عرض ہے کہ تمام اہل حدیث اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے وجود کا ثبوت تواتر سے ثابت ہے۔ مثلاً دیکھئے "التاریخ الکبیر للبخاری" "کتاب الکنی للامام مسلم" وغیرہ۔(۱۹)

حرف آخر

مذکورہ بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ علمائے اہل حدیث ائمہ اربعہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ان کے موافق کتاب وسنت امور کو ترک کر کے احادیث صحیحہ پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ ان ائمہ نے وصیتیں فرمائی ہیں۔ علمائے اہل حدیث ان کے تعلق سے کسی بھی طرح کی بدگمانی، طعن وتشنیع اور لوم وملامت کو سختی سے مسترد کرتے ہیں اور ایسا کرنے والوں سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ آیئے ان چنندہ ہستیوں کے بارے میں یہ قرآنی دعا کریں:

"ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان، ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا، ربنا انك رؤف رحیم" ایں دعا از من واز جملہ جہاں ''آمین'' باد۔

حواشی:

۱) ابن ماجہ، کتاب الایمان، باب فضل العلماء، ح: ۲۲۳۔ صحیح الالبانی

۲) جلب المنفعة فی الذب عن الائمة المجتهدین الاربعة. از نواب صدیق حسن خان، اردو ترجمہ مولانا محمد اعظمی۔ ص:۹۹

۳) بخاری، :۷۳۵۲

۴) الدین الخالص، از نواب صدیق حسن خان۔ ص:۳۲

۵) ائمہ سلف اور اتباع سنت از امام ابن تیمیہ اردو ترجمہ مولانا غلام حریری، ص:۷۲

۶) تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں از مولانا محمد اسلم سیف فیروز پوری۔ ص:۲۰۶

۷) جلب المنفعة، ص:۱۸

۸) ایضاً ص:۱۵۷

۹) تاریخ اہل حدیث از ڈاکٹر محمد بہاؤالدین بحوالہ معیار الحق، ج:۳، ص:۵۴۸

۱۰) طریق محمدی از مولانا محمد جونا گڑھی۔ ص:۴۱

۱۱) بائیس نامور فقہا محدثین۔ ص:۵۳۔ ۵۴

۱۲) حجیت حدیث از علامہ محمد اسماعیل گجرانوالہ، ص:۱۴۸

۱۳) تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں، ص:۳۳۹

۱۴) سبیل الرسول از مولانا محمد صادق سیالکوٹی، ص:۲۰۵

۱۵) برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص:۲۹۵

۱۶) سلفیت: تعارف اور حقیقت از علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ، ص:۱۴۵

۱۷) ایضاً، ص:۱۵۹

۱۸) مقدمہ کتاب ''اتباع سنت یا تقلید'' از علامہ البانی، ص:۱۰

۱۹) فتاویٰ علمیہ از حافظ زبیر علی زئی، ج:۱، ص:۶۷۴

□□□

تحریک اہل حدیث ہند: مختصر تعارف اور ملکی وعلاقائی تاریخ

ابوالعاص وحیدی۔ ڈومریا گنج

اس مقالہ کا پس منظر یہ ہے کہ جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کے زیر اہتمام بتاریخ ۷، ۸ مئی ۲۰۰۳ء مطابق ۴، ۵ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ بمقام ماگھ میلہ میدان قصبہ بانسی دو روزہ عظیم ضلعی اہل حدیث کانفرنس منعقد ہوئی تھی، میں اس وقت ضلعی جمعیت سدھارتھ نگر ناظم تھا، کانفرنس کی پہلی شب میں راقم الحروف نے ایک مفصل خطبۂ استقبالیہ پیش کیا تھا، یہ مقالہ وہی خطبۂ استقبالیہ ہے، جس کے عارضی ووقتی اجزاء کو حذف کر دیا گیا ہے، اب اسے بعض مفید اضافوں کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے علماء وطلبہ کے لئے مفید بنائے۔ آمین (مقالہ نگار)

ہندوستان میں اسلام کی طرف منسوب مختلف مذاہب ومسالک پائے جاتے ہیں، ان سب میں تحریک اہل حدیث ہی اسلام کی صحیح ترین تعبیر وتشریح ہے، اس مقالہ میں بڑے اختصار سے تحریک اہل حدیث کا تعارف پیش کیا جارہا ہے، اور اس کی ملکی وعلاقائی تاریخ اور اس کی خوشگوار اثرات پر روشنی ڈالی جارہی ہے، مقالہ کے مشتملات درج ذیل ہیں:

اول: تحریک اہل حدیث کے عقائد وافکار۔

دوم: تحریک اہل حدیث کی ملکی وعلاقائی تاریخ۔

سوم: ہندوستان پر تحریک اہل حدیث کے اثرات۔

ا۔ تحریک اہل حدیث کے عقائد وافکار:

تحریک اہل حدیث اس مسلک ومنہج کا نام ہے جو مسلک عقائد واعمال، اخلاق ومعاشرت اور اجتماع وسیاست میں عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین کا تھا، اور جس مسلک کا علمبردار محدثین کا مقدس گروہ رہا ہے، اور اسی مناسبت سے اہل حدیث کو سلفی بھی کہا جاتا ہے، یعنی اسلاف کے طریقۂ فکر وعمل پر چلنے والا، اسلاف سے مراد صحابۂ کرام اور تابعین عظام وغیرہ ہیں جو عقائد وفقہیات میں دین فطرت اور کتاب وسنت کی سادگی کے حامل تھے، مخصوص عجمی وفنی اصطلاحات وتاویلات کی بندشوں سے جن کا اسلامی ذہن آزاد تھا اور جو عقائد وفقہیات میں تقلید جیسی تباہ کن بدعت سے محفوظ تھے۔ بطور خلاصہ ہم بڑے اعتماد سے کہہ سکتے ہیں کہ تحریک اہل حدیث اسلام کی صحیح ترین تعبیر وتشریح کا نام ہے۔

محترم قارئین! تحریک اہل حدیث اسلام کی صحیح ترین تعبیر وتشریح کس طرح ہے، میں اشاراتی انداز میں اس کی وضاحت کررہا ہوں، جس سے اندازہ ہوجائے گا کہ توحید ورسالت، حدیث وسنت اور رجال وشخصیات وغیرہ کے بارے میں تحریک اہل حدیث کا موقف کس طرح معتدل اور کتاب وسنت کے مطابق ہے۔

عقیدۂ توحید: اسلام کا بنیادی کلمہ ہے: "لا اله الا الله محمد رسول الله" اس کلمہ کے پہلے اجزاء میں توحید کا اقرار ہے اور دوسرے جزء میں رسالت محمدی کا اقرار ہے۔ مشتملات ومفاہیم کے اعتبار سے توحید کی تین قسمیں ہیں۔

اوّل: ۔توحید ربوبیت وملکیت۔ اس کا مطلب ہے یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا رب، مالک، خالق اور رازق ہے، وہی زندگی اور موت دینے والا ہے، وہی نفع ونقصان دینے والا اور اضطرار کے وقت دعا قبول کرنے والا ہے، اسی کو ہر چیز کا اختیار ہے، اسی کے ہاتھ میں ہر طرح کا خیر ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ان تمام چیزوں میں کوئی بھی اللہ کا شریک نہیں، نیز توحید ربوبیت میں تقدیر پر ایمان لانا بھی شامل ہے۔

دوم: ۔توحید اسماء وصفات۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے اوصاف عالیہ اور اسماء حسنیٰ کا جو ذکر فرمایا ہے اور احادیث صحیحہ سے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے بارے میں جو ثابت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے جلال وعظمت اور کبریائی کے عین لائق وزیب ہے، لہٰذا ان تمام اسماء وصفات پر بلا تمثیل اور بلا تاویل وتعطیل ایمان لانا ضروری ہے۔

سوم: توحید الوہیت وعبادت۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرلیا جائے، عبادت میں بہت سی چیزیں داخل ہیں جیسے محبت، توکل، خوف، امید، نماز، رکوع، سجود، دعا، ذبح، نذر، طواف، حج، توبہ، استغاثہ اور ان کے علاوہ عبادت کی وہ تمام انواع شامل ہیں جو قرآن وحدیث میں مشروع ہیں۔ [1]

(توحید سے متعلق دلائل وغیرہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو! "تیسیر العزیز الحمید شرح کتاب التوحید" کے ابتدائی مباحث)

توحید کی ان تمام تفصیلات کے بارے میں نصوص کتاب وسنت ناطق ہیں، جن سے اہل علم اچھی طرح واقف ہیں، تحریک اہل حدیث مذکورہ تمام تفصیلات کے ساتھ توحید کا اقرار کرتی ہے اور اس سلسلہ میں قرون اولیٰ کا مزاج رکھتی ہے، جب کہ دوسری دینی تحریکات اور جماعتیں عقیدۂ توحید کے بارے میں ضرور کہیں نہ کہیں کتاب وسنت سے منحرف ہیں۔

عقیدۂ رسالت: اسلام کی دوسری اہم بنیاد عقیدۂ رسالت ہے، صحیح عقیدۂ رسالت کا مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور سب سے افضل انسان مانا جائے، انہیں اللہ تعالیٰ کا آخری رسول تسلیم کیا جائے، ان سے محبت رکھی جائے، ان کی باتوں کی تصدیق کی جائے اور ان کے نقش قدم کی پیروی کی جائے، نیز بدعات اور من مانی باتوں سے بچتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔

اسی طرح عقیدۂ رسالت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کسی عالم، کسی امام، یا کسی بزرگ کی پیروی نہ کی جائے۔ بحمد اللہ تحریک اہل حدیث یہی معتدل عقیدۂ رسالت رکھتی ہے اور اس سلسلہ میں کسی چیز کی پروا نہیں کرتی۔

عقیدۂ سنت وحدیث: حدیث وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اوران واقعات کا نام ہے جن پر آپ نے خاموشی اختیار کی ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید کے ساتھ سنت بھی عطا کی ہے، اس فرق کے ساتھ کہ قرآن مجید وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے۔

حدیث وسنت کے بارے میں تحریک اہل حدیث کے عقائد وافکار اس طرح ہیں۔

☆ دین کا ماخذ ومصدر ہونے میں قرآن وحدیث برابر ہیں، ان دونوں میں کوئی تقدیم وتاخیر نہیں۔

☆ احادیث چاہے اخبار آحاد ہوں یا اخبار متواترہ عقائد واحکام دونوں میں تمام احادیث حجت ہیں۔

☆ جس طرح انکار قرآن موجب کفر ہے اسی طرح کسی حدیث صحیح کا انکار بھی موجب کفر ہے۔

اگر احادیث صحیحہ رائے وقیاس اور عقل ودانش کے خلاف ہوں تو احادیث پر عمل کیا جائے گا اور رائے وقیاس وغیرہ کو چھوڑ دیا جائے گا۔

رجال وشخصیات کی حیثیت: قوموں اور ملتوں کی زندگی میں رجال وشخصیات کو بڑا اہم مقام حاصل ہے، مذہب اسلام میں بھی ائمہ، فقہاء، محدثین اور دوسرے علماء کی بڑی اہمیت ہے، اس لئے انہیں کے ذریعہ امت مسلمہ کو قرآن وسنت اور تمام دینی علوم ملے ہیں۔

رجال وشخصیات کے بارے میں تحریک اہل حدیث کا موقف یہ ہے کہ تمام ائمہ وفقہاء اور مفسرین ومحدثین کا احترام کیا جائے، ان کی علمی ودینی خدمات کی قدر کی جائے، ان کے خلاف زبان طعن ہرگز دراز نہ کی جائے ان کے جو افکار وآراء نصوصِ کتاب وسنت کے خلاف ہوں ادب واحترام کے ساتھ ان سے اختلاف کیا جائے اور آنکھیں بند کر کے جذبۂ شخصیت پرستی کے ساتھ ان کی پیروی ہرگز نہ کی جائے۔

رجال وشخصیات کے بارے میں یہی موقف معتدل ہے اور یہی قرون اولیٰ کا دینی وفقہی مزاج رہا ہے، تحریک اہل حدیث اسی موقف کا نتیجہ ہے کہ وہ جس طرح فقہاء عراق سے اختلاف کرتی ہے اسی طرح سے وہ بہت سے مسائل میں فقہاء حجاز سے بھی اختلاف کرتی ہے، دراصل تحریک اہل حدیث راہ اعتدال پر گامزن ہے، وہ اپنے عقیدۂ وفکر میں کسی خاص علاقہ ومقام، کسی متعین مکتبۂ فکر اور کسی مخصوص امام وشخصیت کی پابند نہیں ہے۔

(اس کی تفصیل کے لئے اہل علم ملاحظہ کریں: ''القواعد الفقهية النورانية'' لشیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ)

بدعات وخرافات سے اجتناب: تحریک اہل حدیث بدعات وخرافات اور محدثات سے اجتناب کرتی ہے، اس لئے کہ بدعات وخرافات نے ہر دور میں اسلامی عقائد واحکام کو مسخ کرنے کی پوری کوشش کی ہے، مگر کتاب وسنت کی واضح تعلیمات باقی ہیں اور قیامت تک باقی رہیں گی ان شاء اللہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احادیث میں بدعات وخرافات اور محدثات سے بچنے کی تلقین کی ہے، اسی لئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو کتاب وسنت کے شیدائی اور داعی تھے، وہ بدعات وخرافات سے بہت اجتناب کرتے تھے۔

تحریک اہل حدیث جو کتاب وسنت کی داعی اور عہد صحابہ وتابعین کے اعتقادی وفقہی ذوق کی تجدید کرنے والی ہے، اس تحریک نے ہمیشہ ہر دور میں علی الاعلان بدعات وخرافات کی تردید کی ہے، مثلاً تقلید، جاہلی تصوف اور عبادت کے مسنون طریقوں میں مقداری ونوعی اضافہ وغیرہ۔

اسی طرح تحریک اہل حدیث تیجہ، چہلم، تعزیہ داری، جشن عید میلاد النبیؐ، عید ملن تقریبات اور چودھویں یا پندرہویں صدی وغیرہ کی تقریبات نیز تمام محدثات وبدعات کو مزاج اسلامی کے خلاف سمجھتی ہے بلکہ تحریک اہل حدیث ہر اس چیز کو غلط سمجھتی ہے جس کے لئے کتاب وسنت سے دلیل نہ ہو، جیسا کہ برصغیر ہندوپاک کے عظیم شاعر حضرت فضا ابن فیضی نے کہا ہے۔

یہ فلسفۂ رومی بھی غلط وہ حکمت یونانی بھی غلط
یہ دانش برہانی بھی غلط وہ بینش روحانی بھی غلط
صوفی کی ریاضت بھی دھوکہ واعظ کی ہمہ دانی بھی غلط
جب تک نہ دلیلِ راہ بنیں یہ سنت وقرآں اے لوگو

۲:۔تحریک اہل حدیث کی مختصر تاریخ:

تحریک اہل حدیث کے عقائد وافکار کے اجمالی تذکرہ کے بعد اب اسی کی مختصر تاریخ پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔اس بحث کے دو حصے ہیں، پہلا حصہ: ہندوستان میں تحریک اہل حدیث، دوسرا حصہ: اضلاع سدھارتھ نگر وبلرام پور میں تحریک اہل حدیث، پہلا حصہ میں اہل حدیث کی ملکی تاریخ ہے اور دوسرا حصہ میں تحریک اہل حدیث کی علاقائی تاریخ ہے۔

ہندوستان میں تحریک اہل حدیث: ہندوستان میں تحریک اہل حدیث سب سے قدیم اور معمر تحریک ہے، اس لئے کہ ہندوستان میں جس وقت اسلام آیا اسی وقت اہل حدیث طرز فکر کے داعی بھی آئے، اس سلسلہ میں حضرۃ العلام مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ اپنے ایک خطبۂ صدارت میں لکھتے ہیں:

''عہد فاروقی ۱۵ھ میں عثمان بن ابوالعاص ثقفی والی بحرین وعمان نے اپنے ایک بھائی مغیرہ کو سندھ کے شہر دیبل پر اور دوسرے بھائی حکم کو گجرات کے شہر بھڑوچ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا، چنانچہ یہ دونوں مقام اسلام کے زیر نگیں آگئے تھے (فتوح البلدان، بلاذری، ص ۴۳۸) دراصل اسی زمانہ سے ہندوستان میں اشاعت حدیث کی داغ بیل پڑ گئی تھی اور اسی کے ساتھ عمل بالکتاب والسنۃ کا آغاز ہوگیا تھا۔

عہد عباسی میں عمل بالکتاب والسنۃ کے عظیم مبلغ اور مشہور تابعی حضرت ربیع بن صبیح سعدی بصری ہندوستان تشریف لائے، ان کے علاوہ حضرت حباب بن فضالہ اور حضرت اسرائیل بن موسیٰ بھی ہندوستان تشریف لائے یہ دونوں حضرات بھی تابعی تھے (میزان الاعتدال ج ۱ ص: ۲۰۸، تہذیب التہذیب، ج ۱ ص: ۴۶۱)

اسرائیل بن موسیٰ حضرت حسن بصریؒ کے شاگرد ہیں اور جامع صحیح بخاری میں ان سے روایت موجود ہے یہ ہندوستان میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے جس کی وجہ سے انہیں نزیل الہند کہا جاتا ہے۔

۹۳۔۹۴ھ میں محمد بن قاسم نے ایک خاص پس منظر میں ہندوستان پر حملہ کیا اور بہت سے شہر فتح کئے، انہوں نے پنجاب میں موسیٰ بن یعقوب ثقفی کو درس حدیث پر متعین کیا تھا جیسا کہ چچ نامہ اور فتوح البلدان وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح ابو محمد رجاء بن حیوہ سندی اور ابو معشر نجیح بن عبدالرحمن سندی (متوفی ۱۷۰ھ) سندھ میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے چونکہ ان پاک زمانوں میں مروجہ تقلیدی مذاہب کا نام ونشان بھی نہ تھا لہٰذا یہ سب بزرگ صرف کتاب وسنت کے داعی تھی۔ (ماخوذ از خطبۂ صدارت مولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ جو بعد میں بنام ''سواء الطریق'' شائع ہوا۔)

بلکہ وہ ائمہ اسلام جن کی تقلید لوگ کرتے ہیں ان میں بعض پہلی صدی ہجری میں بچے تھے اور بعض پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، اس کا اندازہ ان کی تاریخ ولادت ووفات سے ہوتا ہے۔

●امام ابوحنیفہؒ تاریخ ولادت ۸۰ھ، تاریخ وفات ۱۵۰ھ، ●امام مالکؒ تاریخ ولادت ۹۳ھ، تاریخ وفات ۱۷۹ھ، ●امام شافعیؒ تاریخ ولادت ۱۵۰ھ، تاریخ وفات ۲۰۴ھ، ●امام احمد بن حنبلؒ تاریخ ولادت ۱۶۸ھ، تاریخ وفات ۲۴۱ھ۔ (بحوالہ تاریخ اہل حدیث، تالیف ابو محمد ابراہیم آروی طبع دہلی)

معلوم ہوا کہ چاروں امام یکے بعد دیگرے پہلی صدی ہجری کے اواخر میں یا اس کے بعد پیدا ہوئے اس لئے پہلی صدی ہجری میں ان کی تقلید کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اور اسلامی تاریخ کی یہ بھی ایک سچی حقیقت ہے جیسا کہ علامہ ابن قیم الجوزیہؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ چاروں اماموں کی تقلید کا رواج چوتھی صدی میں ہوا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، اعلام الموقعین اور حجۃ اللہ البالغۃ جلد اول)

بہر حال پہلی صدی ہجری سے رواج تقلید کی صدی تک ہندوستان میں غیر تقلیدی اسلام تھا اور ان صدیوں کے مسلمان اہل حدیث طرز فکر کے مطابق عامل بالکتاب والسنۃ تھے، اور ہندوستان کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اس میں ہر صدی میں خالص کتاب وسنت پر عمل کا رواج رہا جس کا بڑا تفصیلی تذکرہ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ نے اپنے خطبۂ صدارت میں کیا ہے، اہل علم ضرور اس کا مراجعہ کریں!

تاریخ اہل حدیث ہند کے سلسلہ کی ایک کڑی یہ ہے کہ ساتویں صدی ہجری میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے علمی فیوض اور سلفی اثرات بھی ہندوستان پہنچے، مولانا مسعود عالم ندویؒ، مکاتیب سلیمان میں لکھتے ہیں کہ:

> ''خود ابن تیمیہؒ کے زمانہ میں ان کے شاگرد یہاں پہنچ گئے تھے جن سے حضرت نظام الدین اولیا، اور محمد تغلق دونوں متاثر ہوئے، اس طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے بعض شاگردوں سے ہندوستان میں جو دینی لہر آئی وہ لہر وقتاً فوقتاً اٹھتی رہی یہ اور بات ہے کہ اس لہر نے پوری ایک موج اور پورے ایک دھارے کی شکل بعد میں

اختیار کی، تاریخ ہند جس کی شہادت دے رہی ہے"۔

(ملاحظہ ہو! "موتمر الدعوۃ والتعلیم" نمبر ص ۱۶۵، جامعہ سلفیہ بنارس از خطاب مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔)

اس کے بعد بارہویں صدی ہجری میں جب مغل حکومت روبتنزل تھی اور مسلمانوں کا مستقبل تاریک، ایسی حالت میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ پیدا ہوئے، جنہوں نے دعوت وتجدید کا علم بلند کیا اور کتاب وسنت پر عمل کی تلقین کی جس سے مسلک اہل حدیث کے رواج وترقی کے راستے ہموار ہوگئے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بعد ان کے مشن کی تکمیل میں ان کے لائق صاحبزادگان حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت شاہ عبدالقادرؒ، حضرت شاہ عبدالغنیؒ اور حضرت شاہ رفیع الدینؒ مصروف ہوگئے، ان لوگوں کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے نامور پوتے حضرت شاہ اسماعیلؒ نے دعوت وتجدید کا فرض انجام دیا، جو حضرت شاہ عبدالغنی کے خلف الرشید تھے، یقیناً شاہ اسماعیلؒ کے عدیم المثال دعوتی وتجدیدی کارناموں نے خیر القرون کی یاد تازہ کردی۔

حضرت شاہ اسماعیلؒ کے بعد خاندان ولی اللہی کی مسند پر حضرت شاہ محمد اسحاق رحمہ اللہ تلمیذ رشید حضرت شاہ عبدالعزیز رونق افروز ہوئے جب حضرت شاہ محمد اسحاقؒ حجاز ہجرت کر گئے تو ان کے جانشین ان کے تلمیذ ارشد حضرت مولانا سید میاں نذیر حسین دہلوی ہوئے جو شیخ الکل فی الکل کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں، پھر سید میاں نذیر حسینؒ کے ہزارہا تلامذہ کی مساعی سے اطراف وجوانب ہند میں عمل بالحدیث کا غلغلہ بلند ہوگیا۔

ہندوستان میں جن خوش نصیبوں کو حضرت میاں نذیر حسینؒ نے شرف تلمذ حاصل ہوا ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، ان میں بعض علماء افاضل کے اسماء گرامی یہ ہیں: سید مولانا عبداللہ غزنویؒ، استاذ الاساتذہ حافظ عبداللہ غازی پوریؒ، مولانا ابومحمد ابراہیم آرویؒ، مولانا شمس الحق ڈیانویؒ صاحب عون المعبود شرح سنن ابوداؤد، مولانا عبدالجبار غزنویؒ، مولانا محمد حسین بٹالویؒ، مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی، مولانا شاہ عین الحق پھلواریؒ، مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ مولف سیرۃ البخاری، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا بشیر احمد سہسوانیؒ وغیرہ۔

اس سلسلہ کی ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں عمل بالکتاب والسنۃ اور سلفی دعوت کی ایک موج یمن سے بھی آئی، جس سے بہت سے مسلمانوں نے سیرابی حاصل کی، تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں یا چودہویں صدی کے بالکل اوائل میں شیخ حسین بن محمد محسن انصاری خزرجی یمانیؒ نواب سکندر بیگم کے عہد حکومت میں بھوپال تشریف لائے، بے شمار لوگوں نے ان سے استفادہ کیا، پھر وہ وطن واپس چلے گئے، اس کے بعد جب حکومت سکندر بیگم کی بیٹی شاہجہاں بیگم کو ملی اور انہوں نے علامہ صدیق حسن خان قنوجی سے شادی کرلی تو شیخ یمانی کو دوبارہ بلایا، شیخ یمانی بھوپال آئے اور اسی کو اپنا وطن بنالیا، اور ۱۳۲۷ھ میں بھوپال ہی میں وفات پائی، شیخ یمانی سے علامہ نواب صدیق حسن خان قنوجی اور شیخ الکل فی الکل کے تلامذہ میں سے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا، اس طرح اس یمنی سلفی شیخ کے ذریعہ بھی ہندوستان میں مسلک اہل حدیث پھیلا اور سلفی دعوت عام ہوئی۔ (ملاحظہ ہو! "مقدمہ تحفۃ الاحوذی" طبع

قدیم ص ۲۸)

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے مسجد قرطبہ پر ایک نظم لکھی ہے، اس کا درج شعر تاریخ ہند پر منطبق ہوسکتا ہے۔

بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

اضلاع سدھارتھ نگر و بلرام پور وغیرہ میں تاریخ اہل حدیث:

اب تک ہم تاریخ اہل حدیث کی ملکی تاریخ پر روشنی ڈال رہے تھے، اب بہت اختصار کے ساتھ تحریک اہل حدیث کی علاقائی تاریخ کا جائزہ لے رہے ہیں، علاقائی تاریخ سے مراد اضلاع سدھارتھ نگر و بلرام پور وغیرہ میں تاریخ اہل حدیث کا ذکر ہے۔

اضلاع سدھارتھ نگر و بلرام پور وغیرہ میں سلفی دعوت کو عام کرنے والے سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ، تحریک شہیدین کے بچے افراد اور دوسرے بعض علماء افاضل ہیں، حضرۃ العلام خطیب الاسلام جناب مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگریؒ نے ۱۹۶۱ء میں نوگڑھ کی آل انڈیا کانفرنس میں جو خطبۂ استقبالیہ پیش کیا تھا اس میں انہوں نے اس کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے، ہم اسی خطبۂ استقبالیہ، مقدمہ تحفۃ الأحوذی اور بعض دوسرے مصادر و مراجع کی روشنی میں تحریک اہل حدیث کی علاقائی تاریخ بیان کر رہے ہیں اسی طرح ان اضلاع کے بعض تاریخی قصبات کی تاریخ اہل حدیث کا تذکرہ علاقائی معلومات کی روشنی میں الگ ذیلی سرخیوں کے ساتھ کریں گے، ان شاء اللہ۔

☆ **ضلع بستی میں ایک آبادی مجھوا میر کے نام سے ہے** اس میں سید جعفر علی نقویؒ ایک بڑے پایہ کے بزرگ گذرے ہیں، آپ واقعہ بالاکوٹ تک تحریک شہیدین کے میر منشی تھے، منشی کے عہدہ پر رہنے کے ساتھ جہاد کا کام بھی انجام دیتے تھے اور شہیدین کے احکام پر جاں نثاری کے ساتھ عمل کرتے تھے۔

واقعہ بالاکوٹ کے بعد انہوں نے دینی تعلیم پر توجہ دی، چنانچہ انہی کی تحریک پر بدست مولانا عباداللہ بستوی ۱۸۵۴ء میں جامعہ دارالہدی یوسف پور کا قیام عمل میں آیا اور جامعہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں کا قیام بھی انہیں کی تحریک پر ہوا ہے۔ اس کا سال تاسیس ۱۸۶۲ء ہے اور اس کی نشاۃ ثانیہ مولانا عبدالقدوس ٹکریاوی کے ہاتھوں ۱۹۵۱ء میں ہوئی جو تاحیات اس کے ذمہ دار رہے۔

☆ **ضلع بلرام پور میں ایک موضع بجوا ہے** جہاں سید نذیر حسین کے تلامذہ میں سے مولانا محمد سعید بنارسیؒ، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ مولانا بشیر احمد سہوانیؒ وغیرہ تشریف لا چکے ہیں، اور مولانا ثناء اللہ امرتسری و مولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ تو اس علاقہ میں بارہا اصلاح و تبلیغ کے لئے تشریف لایا کرتے تھے، اس علاقہ میں ان حضرات کی کوششوں سے دینداری خوب پھیلی، کتاب و سنت کی تعلیمات عام ہوئیں، اور بدعات و خرافات کا خاتمہ ہوا۔

☆ **ضلع سدھارتھ نگر کا ایک مشہور مقام بسکوہر ہے**، یہاں ایک ولی کامل عارف باللہ مولانا اللہ بخش بسکوہری گذرے ہیں،

آپ ضلع انبالہ پنجاب کے رہنے والے تھے، ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے وہ علاقہ رسوم وبدعات سے تائب ہوا، اور قرآن وحدیث پر عمل کا خوگر ہوا، ان علاقوں میں مولانا اظہر بہاریؒ بھی تبلیغ واصلاح کی غرض سے جایا کرتے تھے۔

(ماخوذ از خطبہ استقبالیہ نوگڑھ کانفرنس ۱۹۶۱ء از ص ۶ تا ۱۱ ربحذف واختصار۔)

☆ **ضلع بلرام پور میں تلسی پور کے علاقہ** میں بھی علامہ اظہر بہاری اور علامہ بشیر احمد سہسوانی جایا کرتے تھے، بلکہ علامہ بہاری نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں اودئی پور اور گلرہا کے علاقہ کو اپنی جولانگاہ بنالیا، چنانچہ ان کی وفات اودئی پور میں ہوئی اور وہ اسی گاؤں کے قبرستان میں مدفون ہیں، واقعہ یہ ہے کہ تلسی پور کے علاقہ میں سلفیت کے جو آثار ونقوش اور دینی تعلیمی ادارے ہیں، جیسے جامعہ عربیہ قاسم العلوم گلرہا اور انجمن محمدیہ دار القرآن والحدیث تلسی پور وغیرہ وہ انہی کی دعوتی مساعی جمیلہ کے خوشگوار نتائج ہیں۔

ضلع بلرام پور میں ایک مشہور علاقہ کنڈؤ بونڈیہار کا ہے، علامہ اظہر بہاری اور علامہ اللہ بخش بسکوہری اس علاقہ میں بغرض اصلاح وتبلیغ جایا کرتے تھے، انہیں کی کوششوں سے وہ علاقہ بھی بدعات وخرافات سے تائب ہوکر اہل حدیث نگر بنا، ان حضرات کے بعد اس علاقہ میں سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد رشید علامہ عبدالرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ الأحوذی نے تعلیمی ودعوتی فرائض انجام دیئے، چنانچہ ۱۹۰۵ء میں وہ اترولہ کے قریب اللہ نگر مشمولہ چھتر پارہ آئے اور وہاں بنام ''فیض العلوم'' ایک مدرسہ قائم کیا جواب بھی چل رہا ہے، پھر ۱۹۰۷ء میں کنڈؤ بونڈیہار کے ذمہ دار لوگوں نے علامہ مبارکپوری کو بلایا اور ان کے ہاتھوں جامعہ سراج العلوم کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ کنڈؤ بونڈیہار کے درمیان ساحل راپتی پر قائم کیا، جو مختلف مراحل سے گذرتا ہوا اب صوبہ یوپی میں بنین وبنات کا ایک عظیم تعلیمی وتربیتی ادارہ ہے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ''تاریخ جامعہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈیہار''۔)

تاریخ اہل حدیث قصبہ اترولہ:

ضلع بلرام پور کا ایک قدیم تاریخی قصبہ اترولہ ہے، جس کی تاریخ اہل حدیث کا بڑا گہرا تعلق خاندان کنڈؤ بونڈیہار سے ہے، اس کا مختصر پس منظر وپیش منظر یہ ہے کہ قصبہ اترولہ کے پرانے باشندے زیادہ تر شیعہ وبریلوی اور کچھ دیوبندی ہیں، بیسویں صدی کے نصف اول میں چند اہل حدیث افراد باہر سے آکر قصبہ اترولہ میں آباد ہوئے، جیسے جناب عبدالغفار صدیقی، مولانا عبدالشکور رحمانی، مولانا حبیب اللہ شہیم صدیقی اور ماسٹر مجیب الحسن خان وغیرہ، اس طرح ان حضرات کے ذریعہ قصبہ اترولہ میں تاریخ اہل حدیث کا آغاز ہوا، اس وقت وہاں کوئی اہل حدیث مسجد یا مدرسہ نہیں تھا، عبدالغفار صدیقی کی زوجہ محترمہ رضیہ خاتون کے نام ان کے مکان کے قریب پٹہ کی ایک زمین تھی، جسے انہوں نے ۱۹۷۰ء میں وقف کردیا، اسی پر چھپر کی ایک اہل حدیث مسجد بنائی گئی، تقریبا چودہ سال تک وہ مسجد چھپر ہی کی تھی، اس مدت میں مولانا حبیب اللہ شہیم صدیقی، مولانا عبدالشکور رحمانی اور بعض دوسرے اہل حدیث علماء مختلف اوقات میں خطبۂ جمعہ دیتے رہے، ۱۹۸۴ء میں مولانا محمد اقبال رحمانی کی تحریک وتائید سے الحاج محمد

نعیم کے فرزند ارجمند مولانا احسان اللہ، اصحاب اللہ، تبارک اللہ اور انوار اللہ نے مسجد کی پختہ تعمیر کی اور اس کی توسیع بھی کی، اور ۱۹۸۶ء میں مسجد کے سامنے خالی جگہ پر بنام انوار العلوم مدرسہ کی تعمیر کی، جس میں معیاری انداز میں درجہ پنجم تک کی تعلیم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے مسجد ومدرسے کے تمام اخراجات الحاج محمد نعیم کے گھر والے ہی پورے کرتے ہیں۔ **فجزاھم اللہ احسن الجزاء** (ماخوذ از خطبۂ استقبالیہ مولانا شوکت علی قاسمی، بموقع اجلاس عام ۲۰۱۶ء)

تاریخ اہل حدیث اترولہ کی ایک اہم قابل ذکر بات یہ ہے کہ ۱۹۸۴ء میں مولانا شوکت علی قاسمی اترولہ میں امام وخطیب اور مدرس کی حیثیت سے آئے، ان کی تعلیمی وتبلیغی مساعی سے اترولہ ومضافات میں تحریک اہل حدیث کو بڑا فروغ حاصل ہوا، کئی خاندان اہل حدیث ہوئے، متعدد مواضعات میں مکاتب قائم ہوئے اور مساجد کی تعمیر ہوئی جن کے ذریعہ سے دعوت کتاب وسنت عام ہوئی اور بدعات وخرافات کا استیصال ہوا۔ **تقبل اللہ جھودہ وبارك فی حیاتہ**۔

تاریخ اہل حدیث قصبہ بانسی:

بانسی جو ضلع سدھارتھ نگر کا ایک مشہور تاریخی قصبہ ہے وہاں انیسویں صدی کے اواخر میں سلفیت کا آغاز ہو چکا تھا، مگر وسیع انداز میں اس کا فروغ وارتقاء بعد میں ہوا، جس کی مختصر داستان یہ ہے کہ قصبہ بانسی میں بیسویں صدی کے اوائل میں سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے ایک شاگرد رشید شاہ عین الحق پھلواروی تشریف لائے، ان کے ساتھ مولانا عبدالرحمن آگروی بھی تھے، انہوں نے جامع مسجد بانسی کے قریب مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی، اور علاقہ میں دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے، ایک مدت کے بعد مولانا عبدالوہاب بانسوی نے کچہری وارڈ بانسی میں باقاعدہ ایک مدرسہ کی تعمیر کی، پھر ان کے لڑکے قاری عبدالحق صاحب نے مدرسہ کو وسیع کیا، اس وقت مدرسہ کے ناظم مولانا عبدالقدوس بانسوی تھے، ان کی وفات کے بعد قاری صاحب ہی مدرسہ کے ذمہ دار ہوئے، اور انہوں نے اس کا نام ''جامعۃ الحق السلفیہ'' رکھا جو اس وقت اسی نام سے چل رہا ہے۔ (ماخوذ از رجسٹر کارروائی مجلس عاملہ جامعۃ الحق السلفیہ)

میاں صاحب کے تلمیذ رشید شاہ عین الحق پھلواروی جب بانسی میں تھے تو ان کے دعوتی وتبلیغی اور علمی وعملی اثرات اس علاقہ کے دور ونزدیک مواضعات پر بھی پڑے جیسے ملولی، کولہوئی، اور اکبر پور جمنی وغیرہ، اسی طرح بعد میں اس علاقہ میں فکری اصلاح، عملی تربیت اور سلفیت کی ترویج واشاعت میں مولانا ممتاز علی کرتھی ڈیہہ اور مولانا محمد رئیس ندویؒ وغیرہ کا بھی بڑا دخل ہے۔ **سقی اللہ ثراھم وجعل الجنۃ مثواھم**۔

تاریخ اہل حدیث ڈومریا گنج:

ڈومریا گنج ضلع سدھارتھ نگر کا مشہور تاریخی قصبہ ہے، پہلے یہاں ڈوم کٹار خاندان کے راجہ حکومت کرتے تھے اس لئے اس کا

نام ڈومریا گنج پڑا، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں یہاں کے لوگوں نے ممبئی آرمی کے دو انگریز افسروں کو مار ڈالا تھا جن کی قبریں آج بھی قصبہ کے مغربی حصہ میں موجود ہیں (جغرافیہ ضلع سدھارتھ نگر طبع جدید ص ۵۰)

تحصیل ڈومریا گنج کے بہت سے مواضعات میں اہل حدیث افراد بیسویں صدی سے پہلے موجود ہیں، لیکن خاص قصبہ ڈومریا گنج میں سلفیت کا آغاز ۱۹۶۰ء میں ہوا ہے، اس کا نقطۂ آغاز ڈاکٹر عبدالباری خان صاحب ہیں، ڈاکٹر صاحب کے بیان کے مطابق وہ اپنے آبائی گاؤں کنڈوَ سے ڈومریا گنج ۱۹۶۰ء کے آخر میں آئے، اس وقت ڈومریا گنج میں دیوبندی و بریلوی مسلمان آباد تھے، وہاں کوئی اہل حدیث مسجد یا مدرسہ نہیں تھا، مولانا عبدالقدوس صاحب ٹکریاوی جو ڈاکٹر صاحب کے مشیر و معاون تھے ان کی تحریک وتائید سے ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۶۶ء میں سلفی تحریک کے نام سے ایک زمین خریدی اور چھپر کی مسجد تعمیر کی، اور ۱۹۶۸ء میں مسجد کی پختہ تعمیر کی اور بنام مدرسہ دینیہ سلفیہ ایک پرائمری تعلیمی ادارہ قائم کیا، قصبہ ڈومریا گنج میں یہ پہلی اہل حدیث مسجد اور پہلا سلفی مدرسہ تھا، اس جامع مسجد کے خطیب جمعہ مولانا عبدالقدوس صاحب ہی تھے، جنہوں نے سرد و گرم موسم اور بارش کے ایام میں پابندی کے ساتھ تقریباً ۱۵ رسال جمعہ کی امامت وخطابت کی ذمہ داری بلا معاوضہ انجام دی ہے، ان کا خطبہ قرآن کی روشنی میں بڑا مؤثر ہوتا تھا، جسے سننے کے لئے مختلف مسالک کے لوگ ڈومریا گنج ومضافات سے آتے تھے، اور ان کے خطبوں سے مستفید ہوتے تھے، اس طرح ڈومریا گنج میں تحریک اہل حدیث کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ سقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

مدرسہ دینیہ سلفیہ ڈومریا گنج نے ۱۹۷۹ء میں جامعہ اسلامیہ خیر العلوم کی شکل اختیار کی اور تدریجی طور پر اس کے تحت قسم البنین اعدادیہ تا فضیلت، کلیۃ الطیبات، دارالایتام، شعبہ حفظ قرآن، خیر ٹیکنیکل اور دوسرے عصری شعبے قائم کئے گئے، اس کی بعض دینی وعصری شاخیں ہاشم پارہ اور نوگڑھ وغیرہ میں ہیں اور اس کے تحت ضلع و بیرون ضلع میں بہت سی مساجد تعمیر کی گئی ہیں، ملحوظ رہے کہ جامعہ خیر العلوم کو مختلف مراحل میں جو ترقیات حاصل ہوئی ہیں ان میں بالترتیب الحاج خیر اللہ اہراڈیہہ، سیٹھ شہادت حسین پرساعماد، مولانا معین الدین صاحب، اور ڈاکٹر محفوظ الرحمن سلفی وغیرہم کے ایثار وتعاون کا بڑا دخل ہے۔ تقبل اللہ جہودہم۔

قصبہ ڈومریا گنج میں صحیح اسلامی فکر کی اشاعت اور سلفی تحریک کے فروغ وارتقاء میں ایک دوسرے تعلیمی محاذ کا بھی اہم رول ہے وہ ہے صفا تعلیمی سوسائٹی، جس کے بانی وذمہ دار تعلیمی ذوق کے حامل برادر محترم مولانا عبدالواحد مدنی ہیں۔ اس کا مختصر تعارف یہ ہے کہ ۱۹۸۵ء (یہ تاریخ محل نظر ہے۔ غالباً ۱۹۹۰ء کے آس پاس جسوقت موصوف جامعہ اسلامیہ خیر العلوم کے صدر مدرس تھے اور جامعہ کے کام سے باہر کے سفر پر تھے، اپنے ساتھ جامعہ کے ایک اور مدرس کو ساتھ لے گئے تھے، اسی موقع پر مرکز کا قیام کیا تھا، اور چند دنوں بعد مذکورہ ادارہ کی بنیاد رکھی اور پھر مستقل اسی کی خدمت میں لگ گئے۔ (ادارہ مجلہ الفرقان) میں مولانا نے ایک تعلیمی ودعوتی ادارہ المرکز الاسلامی (اسلامک سینٹر) قائم کیا اس ادارہ کے قیام میں راقم الحروف کی بھی تحریک وتائید شامل رہی ہے پھر مولانا نے اس ادارہ کو ترقی سے ہمکنار کرتے ہوئے ۱۹۹۲ء میں ایک تعلیمی ورفاہی سوسائٹی قائم کی جس کا نام ہے۔ "جمعیۃ الصفا التعلیمیۃ الصناعیۃ الخیریۃ" (صفا ایجوکیشنل اینڈ ٹیکنیکل ویلفیئر سوسائٹی) اس سوسائٹی کے تحت مختلف دینی وعصری شعبے چل رہے ہیں جیسے،

القسم الابتدائی، کلیۃ الصفا للبنین فضیلت تک، قسم البنات، قسم تحفیظ القرآن، دارالایتام اور بعض عصری شعبے، اس کی بعض شاخیں جگجیواں، کسہڑا اور لکھنؤ میں قائم ہیں اور اس کے تحت بھی ضلع و بیرون ضلع میں بہت سی مساجد تعمیر ہوئی ہیں۔

قصبہ ڈومریا گنج میں جامعہ خیر العلوم اور صفا سوسائٹی کے ثمرات ونتائج میں یہ بات انتہائی قابل ذکر ہے کہ اس وقت بیدولہ ڈومریا گنج میں دس اہل حدیث مساجد ہیں ان میں پانچ مساجد میں نماز جمعہ ہوتی ہے ان اہل حدیث جامع مساجد میں ڈومریا گنج ومضافات کے مسلمان بلاتفریق مذہب ومسلک حاضر ہوتے ہیں۔ جن میں بہت سے سامعین کو جادۂ کتاب وسنت پر گامزن ہونے کی توفیق مل جاتی ہے۔ واللہ الموفق وھو المعین۔

تحریک اہل حدیث کے دینی وسیاسی اثرات:

ہندوستان میں تحریک اہل حدیث کے اثرات دو طرح کے ہیں: اول: دینی اثرات، دوم: سیاسی اثرات، ہم بہت اختصار سے ان دونوں اثرات پر روشنی ڈال رہے ہیں۔

تحریک اہل حدیث کے دینی اثرات:

اوپر کی تفصیلات سے ہندوستان پر تحریک اہل حدیث کے دینی اثرات کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے، علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے مقدمہ تراجم علماء اہل حدیث ہند میں ان اثرات کا بڑا تفصیلی تذکرہ اپنے خاص اسلوب میں کیا ہے، میں یہاں اس کا ایک اقتباس نقل کررہا ہوں علامہ ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’بہت سی بدعتوں کا استیصال ہوا، توحید کی حقیقت نکھاری گئی، قرآن کی تعلیم وتفہیم کا آغاز ہوا، قرآن سے براہ راست ہمارا رشتہ دوبارہ جوڑا گیا، حدیث نبوی کی تعلیم وتدریس اور تالیف واشاعت کی کوشش کامیاب ہوئی، نیز فقہ کے مسائل کی چھان بین ہوئی، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلوں سے اتباع نبوی کا جذبہ جو گم ہوگیا تھا وہ دوبارہ پیدا ہوگیا۔

(ماخوذ از مقدمہ: ’’تراجم علماء اہل حدیث ہند‘‘ تالیف مولانا ابوسعید امام خان نوشہرویؒ)

ہندوستان میں تحریک اہل حدیث اور سلفی دعوت کے ناقابل انکار اثرات کا اعتراف علامہ مناظر احسن گیلانیؒ نے بھی کیا ہے جو ہندوستان میں عظیم المرتبت محقق حنفی عالم گذرے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

’’بجائے خود یہ تحریک جو کچھ بھی ہو لیکن اس کو تسلیم کرنا چاہیے کہ اپنے دین کے اساسی سرچشموں (قرآن وحدیث) کی طرف توجہ ہندوستان کے حنفی مسلمانوں کی جو پلٹی اس میں اہل حدیثیت اور غیر مقلدیت کی اس تحریک کو بھی دخل ہے عمومیت غیر مقلد تو نہیں ہوئی لیکن تقلید جامد اور کورانہ اعتماد کا طلسم ضرور ٹوٹا۔ (ماہنامہ برہان دہلی، اگست ۱۹۵۸ء مرتب مولانا سعید احمد اکبرآبادی)۔

تحریک اہل حدیث کے سیاسی اثرات:

۱۸۵۷ء تک ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت رہی، اس وقت تک ہندوستان کی پوری اسلامی تاریخ میں مختلف مواقع پر علماء اہلحدیث کے سیاسی اثرات دیکھے جاسکتے ہیں، اگرچہ مسلم دور حکومت میں علماء دین کی اکثریت میدان سیاست سے کنارہ کش رہی، ان کی پوری توجہ اصلاح وارشاد اور دینی تعلیم وتربیت کی طرف رہی۔

انیسویں صدی کے نصف اول میں جب برطانوی سامراجیت کے قدم ہندوستان میں جم رہے تھے اسوقت اس کے خلاف جو تحریک جہاد حضرت سید احمد رحمہ اللہ کی قیادت میں شروع ہوئی اس میں علماء احناف اور علماء اہل حدیث دونوں شریک رہے، مگر واقعہ بالاکوٹ کے بعد علماء صادق پور نے پورے اخلاص اور عزم واستقامت کے ساتھ اس تحریک کی قیادت کی اور تقریباً پوری صدی اس راہ میں بے مثال قربانیاں پیش کیں جو نہ صرف برصغیر ہندوپاک کی تحریک جہاد بلکہ تاریخ اسلام کا ایک روشن باب ہے، اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ علماء صادق پور خالص اہل حدیث اور عامل بالکتاب والسنہ تھے۔

البتہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں آزادی وطن کی جو تحریکیں قائم ہوئیں ان میں افراد اہل حدیث کے ساتھ افراد احناف بھی شریک رہے، لیکن ان تحریکوں میں حنفی بھائیوں کی شمولیت مولانا محمود حسنؒ کی مالٹا سے رہائی کے بعد ثابت ہے، اور یہ وہ وقت تھا جب یہ تحریکیں عام ہوگئی تھیں اور ان میں بلاتفریق مذہب ومسلک ملک کا ہر طبقہ شریک تھا۔

دراصل جب ہندوستان میں برطانوی سامراجیت کے اثرات بڑھ رہے تھے تو اس وقت برطانوی سامراج پورے ایشیا میں اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتا تھا، اس حقیقت کو بڑی شدت سے ہندوستان میں اور اس سے باہر افراد اہل حدیث نے محسوس کیا، چنانچہ سعودی عرب میں محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے متبعین اور ہندوستان میں طبقۂ اہل حدیث نے انگریزوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کے قدم اکھاڑ دیئے۔ اسی لئے انگریزوں نے اپنے مخالفین کو وہابی کا لقب دیا، جسے وہ لوگ باغی معنی میں لیتے تھے، چنانچہ انگریز مبصرین اور غیر جانب دار مؤرخین نے جو صراحتیں کی ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں ہندوستان کا جو گروہ سب سے زیادہ سرگرم رہا ہے وہ اہل حدیث یعنی وہابی تھا، جسے انگریز باغی کا مترادف سمجھتے تھے۔

تاریخ ہند کی یہ سچی حقیقت ہے کہ انگریزوں کے خلاف تحریک جہاد اور جنگ آزادی میں جماعت اہل حدیث نے من حیث الجماعت حصہ لیا، البتہ بعض افراد اس سے کنارہ کش رہے، جیسے مولانا محمد حسین بٹالویؒ اور نواب صدیق حسن خانؒ، اگرچہ نواب صدیق حسن خانؒ کے بارے میں ایسی شہادتیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اندر اندر وہابی تحریک کی مدد کرتے تھے، اسی لئے ایک موقع ایسا بھی آیا کہ برطانوی حکومت نے ان کا نوابی کا خطاب واپس لے لیا اور انہیں کچھ عرصہ تک قید رکھا۔

جماعت اہل حدیث کے برعکس طبقہ احناف اور اہل دیوبند من حیث الجماعت تحریک آزادی میں شریک نہیں رہے، البتہ انفرادی طور پر کچھ احناف تحریک جہاد وغیرہ میں ضرور شریک رہے، جیسے مولانا محمود حسنؒ مولانا حسین احمد مدنی، اور مولانا حفظ الرحمن

سیوہاروی وغیرہ، رہا واقعہ شاملی اور تحریک ریشمی رومال تو ان کی جو تفصیلات اور مقاصد دیوبندی اہل قلم ظاہر کر رہے ہیں صحیح واقعات وحقائق ان کی تائید نہیں کرتے۔

اہل دیوبند من حیث الجماعت تحریک آزادی میں شریک نہیں ہوئے اس کے دو اسباب ہیں، اول یہ کہ مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادیؒ نے ایک موقع پر اپنے مریدوں سے بیان کیا کہ میں نے حضرت خضر علیہ السلام کو انگریزوں کو فوج میں سائیس کا کام کرتے ہوئے دیکھا ہے، لہٰذا وہ مؤید من اللہ ہیں (سوانح قاسمی، جلد دوم ص: ۱۰۳)

دوم یہ کہ بتاریخ ۶ نومبر ۱۹۱۷ء اساتذہ دارالعلوم دیوبند نے برطانوی حکومت کی خدمت میں ایک عرض داشت پیش کر کے اپنی وفاداری کا اظہار کیا تھا، وہ عرض داشت کئی اوراق پر مشتمل ہے، ظاہر ہے کہ ان دونوں واقعات کے زبردست اثرات علماء دیوبند پر پڑے۔ (اس سلسلہ میں تفصیل کے لئے اہل علم درج ذیل کتابوں کا مطالعہ کریں! اول: ''اہل حدیث اور سیاست'' تالیف علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ۔ دوم: ''تحریک جہاد جماعت اہل حدیث اور علمائے احناف'' تالیف حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ ناشر دارالکتب الاسلامیہ دہلی۔)

حرف آخر:

بڑے اختصار کے ساتھ مقالہ اختتام پذیر ہوا، جس کے مشتملات سے معلوم ہوا کہ تحریک اہل حدیث اسلام کی صحیح ترین تعبیر وتشریح کا نام ہے، جس سے لوگوں کے عقائد واعمال کی اصلاح ہوئی، جس کی روشن ملکی وعلاقائی تاریخ ہے اور آزادی وطن میں جس کا قائدانہ کردار رہا ہے، اس تحریک کے تعلق سے علماء وطلبہ اور سلفیان ہند کی درج ذیل ذمہ داریاں ہیں۔

☆ تحریک اہل حدیث ایک فکری وعملی تحریک ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم فکری اصلاح کے ساتھ عمل وکردار کی اصلاح پر توجہ دیں۔

☆ تحریک اہل حدیث نے ہر دور میں ظلم وتعدی اور دہشت گردی کا مقابلہ کیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم دہشت گردی کا قلع قمع کریں اور ملک میں امن وسلامتی کا ماحول بنائیں۔ اعدائے اسلام اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ سلفی فکر اسلام کی صحیح تعبیر وتشریح ہے، اسی لئے اس کے خلاف عالمی وملکی سطح پر سازشیں ہو رہی ہیں، ایسے حالات میں ہمیں بڑے صبر وضبط اور حکمت عملی کے ساتھ صحیح اسلام کی اشاعت پر توجہ دینا چاہیے، آزادی وطن کے تعلق سے جماعت اہل حدیث کی جو نمایاں خدمات ہیں ان کے بارے میں ہمیں پروگرام کرنا چاہیے اور ہندی انگریزی وغیرہ زبانوں میں کتابیں، رسالے اور پمفلٹ شائع کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان واخلاص کے ساتھ جادۂ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور تحریک اہل حدیث کے تعلق سے جو فکری وعملی اور ملکی وسیاسی ذمہ داریاں ہیں انہیں انجام دینے کا عزم وحوصلہ بخشے۔ آمین۔

(ماخوذ از مجلہ الفرقان مئی جون ۲۰۱۷ء ڈومریا گنج)

□□□

ضلع بستی، سدھارتھ نگر، گونڈہ میں دعوت اہل حدیث کی ابتداء

از افادات مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ

یوپی کے وہ خوش قسمت مقامات جنہوں نے اس تحریک (یعنی تحریک شہیدین) کے اثرات پوری قوت کے ساتھ اپنے اندر جذب کئے ان میں بستی، گونڈہ بشمول شمالی مغربی نیپال ومغربی وشمالی گورکھپور کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ ان مقامات نے نہ صرف یہ کہ اس دعوت حق کو پوری قوت کے ساتھ لبیک کہا بلکہ اس کی قوت وشمول میں اب تک بحمد اللہ بڑی تازگی پائی جاتی ہے۔

بستی کے حلقہ ہائے نوگڑھ، شہرت گڑھ، بڑھنی، اٹوا، ڈومریا گنج، بانسی اور بھنان اور گونڈہ کے حلقہ ہائے بانبھر و بونڈیہار وغیرہ تو توحید وسنت کے قلعے مانے جاتے ہیں۔ ان مقامات واضلاع میں تحریک اہل حدیث کی ابتدا سید احمد رائے بریلوی اور شاہ محمد اسماعیل دہلوی رحمہما اللہ کے خلیفہ وشاگرد مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ کے ذریعہ ہوئی اور اس کی آبیاری مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ کے داماد مولانا شریف حسن اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا لطیف حسن اور ان کے صاحبزادے مولانا احسان احمد نیز محدث جلیل مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری، مولانا عباداللہ بستوی، مولانا لیاقت حسین خاں، مولانا مظہر بسکوہری، مولانا عبدالرحمن خاں ڈوکی رائے بریلوی، مولانا عبدالوہاب بانسوی، کھدیرو بابا، حاجی نعمت اللہ، مولانا سید ممتاز علی وغیرہم رحمہم اللہ نے کی۔

تھوڑی سی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ شاہ محمد اسماعیل اور سید احمد کی تحریک اتباع سنت وجہاد پر جن چند اہم خاندانوں نے لبیک کہا ان میں ایک مولانا سید قطب علی بستوی (المتوفی ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۳ء) کا خاندان بھی تھا۔ خود مولانا سید قطب علی بستوی اور ان کے چھوٹے صاحبزادے مولانا حسین علی رحمہما اللہ رائے بریلی تشریف لے جاکر سید احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو چکے تھے۔ اس وقت مولانا سید جعفر علی نقوی لکھنؤ میں حصول علم میں مصروف تھے۔ بعد میں یہ بھی دعوت واصلاح کے اس سلسلہ سے بندھ گئے اور جہاد بالاکوٹ وغیرہ میں عملی شرکت فرمائی۔ عملی جہاد میں شرکت ہی کے دور میں ان پر اتباع سنت کا گہرا اثر پڑا۔ جب یہ جہاد کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو راستہ میں حافظ بارک اللہ لکھوی رحمہ اللہ سے بھی ان کی ملاقات ہوئی۔ دوسری جانب میدان ہائے جہاد اور اثناء جہاد میں ان کو زیادہ تر شاہ محمد اسماعیل دہلوی رحمہ اللہ کی رفاقت میسر رہی۔ ان تمام چیزوں نے انہیں اتباع سنت میں کافی غیور بنادیا تھا۔ دوسری جانب مولانا مظہر علی صادق پوری برادر مولانا ولایت علی صادقپوری اپنی غیرت وحمیت کی وجہ سے تعزیہ شکنی کرکے ضمانت پر گرفتاری سے بچ کر کچھ دنوں کے لئے (بستی) مجھوامیر آگئے تھے۔ ان کی غیرت اور جذبۂ اتباع سنت کا بھی مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ پر گہرا اثر پڑا اور یہ عملی طور پر کھل کر اہل حدیث ہوگئے۔ تیسری جانب مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ کی دوسری اہلیہ فاطمہ بی بی جو سید احمد علی صاحب رامپوری ثم ٹونکی رحمہ اللہ

کی بیٹی اور مولانا حیدر علی رامپوری رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء) مؤلف رسالہ اثبات رفع الیدین فی المواضع الاربعة وصیانة الأناس وسوسة الخناس، وسید محمد علی رامپوری (المتوفی ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء) کی سگی چچازاد بہن تھیں، خالص موحد اور متبع سنت خاتون تھیں۔

ان سب باتوں کا یہ گہرا اثر اپڑا کہ مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ کھلے طور پر اصول وفروع میں عامل بالحدیث ہو گئے۔

مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ ان کے صرف ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام سیدہ زینت تھا۔ مولانا نقوی رحمہ اللہ نے اپنی اہلیہ سیدہ فاطمہ کے اصرار پر ان کے بھانجے سید شریف حسن بن سید مہدی حسن بن سید احمد علی رامپوری کو ٹونک سے میر جھوا بلا کر ان سے اپنی اکلوتی بیٹی سیدہ زینت کا نکاح کر دیا۔ مولانا شریف حسن رحمہ اللہ بہت ہی پختہ قسم کے متبع سنت اور اہل حدیث عالم تھے۔ مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ نے انہیں کو اپنا خلیفہ بھی مقرر فرمایا۔

مولانا شریف حسن رحمہ اللہ بستی و گونڈہ اور شمالی ومغربی نیپال کے اکثر علاقوں کا دورہ کر کے توحید واتباع سنت کی روح پھونکتے رہے۔ آپ لاولد تھے۔ اپنی اہلیہ سیدہ زینت کی وراثت کی جائیداد آپ نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا لطیف حسن رحمہ اللہ کو ہبہ کر دی اور اپنا خلیفہ بھی انہیں کو مقرر فرمایا جنہوں نے پورے اخلاص وایثار کے ساتھ دعوتِ توحید واتباع سنت کی پوری عمر آبیاری کی۔

آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے محترم مولانا احسان احمد رحمہ اللہ نے ۱۹۴۸ء تک اس دینی وتبلیغی وراثت کو زندہ رکھا تا آنکہ آپ کے بعد یہ سلسلہ تقریباً بند ہو گیا۔ آپ کی اولاد میں سید عبدالمنان پاکستان میں ہیں، سید عرفان احمد دہلی میں ہندوستان آرمی میں ملازم ہیں اور سید ریاض میر جھوا میں رہتے ہیں، لیکن کچھوچھے میں شادی کر لی ہے اور شادی کے بعد اپنے خاندان کی شاہراہ کو چھوڑ کر ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں۔

مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام سید محمد زکریا تھا۔ ان کی تعلیم وتربیت مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ ہی نے کی تھی۔ مولانا زکریا رحمہ اللہ کے چھ صاحبزادے تھے۔ محمد یوسف، محمد عمر، محمد یونس، محمد صالح، محمد مصطفی، محمد احمد، ان میں محمد عمر ومحمد یونس صاحبان لاولد تھے۔ بقیہ صاحب اولاد تھے اور سب کی اولاد کا سلسلہ موجود ہے اور بحمد اللہ دین سے تعلق رکھتی ہے۔ خصوصیت سے ذکر کے قابل محمد مصطفی صاحب کی اولاد ہے یہ چار بھائی ہیں۔ محمد ادریس، محمد مرتضیٰ، عبداللہ، محمد اجتبا، مولانا سید محمد مرتضیٰ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی لائبریری کے لائبریرین ہیں اور مولانا سید محمد اجتبا صاحب ندوی جامعہ ملیہ اسلامیہ میں شعبۂ عربی کے لکچرر ہیں اور نواب سید صدیق حسن خاں رحمہ اللہ کی زندگی پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کر رہے ہیں اور بہت باذوق اور مخلص عالم ہیں۔ موحد اور باغیرت مسلمان مولانا سید زکریا بن مولانا حسین علی کے خاندان میں بحمد اللہ علم اور جذبۂ توحید اور بدعات وخرافات سے نفرت کے جذبات اب تک موجود ہیں۔

سلفیت، اہلحدیثیت اور اتباع سنت کی اس اہم تحریک کی دعوت وتبلیغ کا ایک سلسلہ تو یہ تھا کہ جس کا ذکر اوپر کیا گیا۔ یعنی مولانا

سید جعفر علی نقوی، مولانا شریف حسن، مولانا لطیف حسن، مولانا احسان احمد رحمہم اللہ اور توحید کی حمیت اور بدعات وخرافات کی مخالفت کی حد تک مولانا سید زکریا رحمہ اللہ کے اولاد واحفاد۔

دوسرا اہم سلسلۂ دعوت وتبلیغ وہ ہے کہ جو شیخ الاسلام میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ (۱۲۲۰ھ۔۱۳۲۰ھ) اور آپ کے براہ راست اور بالواسطہ تلامذہ رحمہم اللہ کا ہے۔ ان میں نوگڑھ کے علاقہ میں مولانا عباد اللہ بستوی رحمہ اللہ، بسکوہر اور بھانبھر کے علاقہ میں مولانا مظہر، بانسی کے علاقہ میں مولانا عبدالوہاب، اٹوا، ڈومکم اور بڑھنی کے علاقوں میں مولانا عبدالرحمن خاں ڈومکی رائے بریلوی اور مولانا لیاقت حسین خاں رحمہم اللہ اور ڈومریا گنج کے حلقہ میں مولانا سید ممتاز علی رحمہ اللہ وغیرہم اور شنکر نگر، بونڈھیار وغیرہ کے حلقوں میں محدث عظیم مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی رحمہ اللہ۔

تاریخ اہل حدیث سے متعلق جملہ معترضہ کے طور پر جو بات شروع کی گئی تھی وہ کافی طویل ہوگئی پھر بھی رہ گئی نامکمل ہی۔ اللہ نے توفیق دی تو کسی موقع پر تفصیل کے ساتھ اس پر تحقیقی اور علمی روشنی ڈالی جائے گی ان شاء اللہ۔

توحید، اتباع سنت، جہاد اور نتھری سلفیت کے ان دونوں سلسلوں کے جامع عالم وداعی مولانا لیاقت حسین خاں رحمہ اللہ بھی تھی۔ وہ ایک طرف تو مولانا شریف حسن رحمہ اللہ سے بیعت تھے اور دوسری جانب شیخ الاسلام میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلویؒ کے سلسلۂ تلمذ سے بھی منسلک تھے۔ بڑے ہی باغیرت سلفی اور صاحب ورع وتقویٰ عالم تھے۔ مسلک حق کی دعوت کے لئے بے چین رہا کرتے تھے۔

ایثار کا یہ عالم کہ دہلی سے طالب علمی کے ایک رفیق مولوی جعفر علی ٹونکی کو اپنے ساتھ اپنے مرزبوم مرغھوا لے آئے۔ ان کے پورے مصارف بھی دورِ طالب علمی میں برداشت کرتے رہے اور فراغت کے بعد اپنی آدھی جائیداد (مکان، باغ اور کھیتی) ان کو ہبہ کردی۔ مولوی جعفر علی سے پوری زندگی سخت اذیتیں اٹھائیں، لیکن صبر وتحمل اور ایثار کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

(ماخوذ از۔ مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانیؒ۔ جلد دوم ص ۱۱۰۔ ۱۱۲)

□□□

سرزمین بستی و گونڈہ میں توحید وسنت کی پہلی تحریک اور اس کا سلسلۂ مبارکہ

از افادات: مولانا عبدالوہاب حجازی ڈومریا گنج

شہیدین کی تحریک جہاد واصلاح نہایت عظیم الشان اصلاحی تحریک تھی، دعوت کتاب وسنت احیاء توحید وسنن، اور ردّ شرک وبدعات اور آزادی وطن کے لئے یہ تحریک بے مثال اور ہمیشہ یاد رکھے جانے کے قابل ہے۔

اسی تحریک جہاد واصلاح کے ایک عظیم مجاہد، ہمارے مولانا سید جعفر علی نقوی میر مجھوا بستی بھی تھے جو تحریک شہیدین کے میر منشی اور علامہ شاہ اسماعیل شہید کے کاتب خاص تھے، سرزمین بستی وگونڈہ میں توحید وسنت کی پیروی اور شرک وبدعات سے دور رہنے کی سب سے پہلی تحریک مولانا سید جعفر علی نقوی (۱۲۱۸ھ۔۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء) نے بہت بڑے پیمانہ پر نہایت جوش وخروش سے چلائی تھی، میر مجھوا بستی سے پہلے مولانا کا خاندان سید واڑہ اجودھیا میں آباد تھا، مولانا جعفر علی نقوی کو مولانا محمد اسماعیل شہید سے خصوصی تعلق تھا، علامہ شہید سے آپ نے حدیث کی مشہور کتاب مشکاۃ شریف کا درس لیا تھا، اور مولانا شہید آپ کو استفادہ کا کافی موقع دیتے تھے، شہیدین کی بالاکوٹ میں شہادت کے بعد مولانا جعفر علی ۱۸۳۱ء کو سرحد سے وطن لوٹ آئے، اور بہت بڑے پیمانہ پر کتاب وسنت کی ترویج وتبلیغ، ردشرک وبدعت اور مدارس ومکاتب کے قیام کی تحریک شروع کی، گونڈہ، بستی، گورکھپور، ترائی نیپال اور بہار کے مغربی اضلاع میں آپ کے مجاہدات اور قیام مدارس کے اعمال نمایاں ہوئے، ان کے قائم کردہ مدارس میں سے کچھ آج تک باقی ہیں جیسے ہمارے اس علاقہ میں موضع اوسان کوئیاں کا مدرسہ مظہر العلوم (سن قیام ۱۸۶۲ء) مدرسہ ہدایۃ المسلمین کرہی، مٹکا علاقہ میں مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور (سن قیام ۱۸۵۴ء) مغربی بہار میں مدرسہ عربیہ سمرا ضلع چمپارن، مدرسہ عربیہ سمرا ضلع سیوان اور مدرسہ عربیہ مادھوپور ضلع سیوان، یہ مدارس مولانا جعفر علی کی یادگار کے بطور آج بھی باقی ہیں اور چل رہے ہیں، مولانا جعفر علی نقوی کے دست مبارک پر بے شمار لوگ مسلمان ہوئے، ۱۸۵۷ء میں آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، کتاب وسنت کی اتباع اور ردشرک وبدعت پر مبنی مولانا کی اس تحریک کا دائرہ سیکڑوں میل تک پھیلا ہوا تھا، آپ صاحب قلم بھی تھے، یعنی تلوار، زبان اور قلم سب کے دھنی تھے، آپ کی تحریر کردہ کتابوں میں سے ''وصایا'' اور تحریک جہاد شہیدین پر مستند اور مبسوط کتاب ''منظور السعداء'' آج بھی موجود ہیں، ''منظور السعداء'' کو ''تاریخ احمدیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت مولانا سید جعفر علی نقوی کے دور میں ہمارے اس علاقہ میں موضع اوسان کوئیاں کو مرکزی مقام حاصل تھا، قریب کے موضع

چوکنیاں کے ''میاں الہٰی بخش'' اور موضع تلانگ کے ''میاں عباداللہ'' مولانا جعفر علی نقوی کے معتمد ساتھی اور اعمال دعوت واصلاح میں پیش پیش رہنے والے تھے، میرے ماموں محترم مولانا شکراللہ فیضی کی روایت ہے کہ ہمارے دادا محمد فاضل مولانا جعفر علی نقوی کے کاروان اصلاح کے ایک رکن تھے اور ''مثنوی مولانا روم'' پڑھ کر لوگوں کو جوش دینی وغیرت ایمانی پر ابھارا کرتے تھے۔اس دور سے لے کر بعد میں عرصہ تک مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں نے دعوت کتاب وسنت اور ردشرک وبدعت اور علماء دین کی تیاری کے کام میں نہایت اہم رول ادا کیا، یہاں کے استاذ، جید عالم دین مولانا احمد علی اوبری ڈیہہ، گونڈہ نے تاعمر اس مدرسہ میں تعلیم دی اور بستی وگونڈہ کے سارے علاقوں میں دعوت واصلاح کا کام کرتے رہے، مولانا جعفر علی نقوی کے زمانہ تحریک میں قصبہ بانسی کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، اسی دور میں بانسی میں مولانا محمد اسحاق محدث جیسا عظیم داعی کتاب وسنت پیدا ہوا، جو یہاں کی جامع مسجد کے پہلے اہل حدیث امام وخطیب تھے، ان کے مشہور شاگردوں میں مولانا عباداللہ یوسف پوری تلمیذ سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا احمد علی اوبری ڈیہہ استاد مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں، حافظ لعل محمد بانسوی اور مولانا عظیم اللہ نیپالی ہیں، قصبہ بانسی کے حاملین کتاب وسنت علماء میں چند معروف نام یہ ہیں: مولانا عبدالستار (متوفی ۱۹۴۶ء) مولانا محمد یٰسین (متوفی ۱۹۴۶ء) حافظ محمد سلیم (متوفی ۱۹۶۱ء) مولانا عبدالقدوس نواسہ علامہ محدث محمد اسحاق بانسوی، مولانا عبدالوہاب (متوفی ۱۹۲۴ء) موسس مدرسہ اسلامیہ بانسی ،قاری عبدالحق بانسوی (۱۹۱۶ء۔۱۹۷۶) قاری صاحب مرحوم سے راقم سطور کی بھی کچھ خوشگوار یادیں وابستہ ہیں، موصوف تلشی پور صوبائی کانفرنس ۱۹۶۸ء میں جو جامعہ سلفیہ بنارس میں میری طالب علمی کا دور تھا میرا خطاب سن کر نہایت خوش ہوئے تھے، اور فرط مسرت میں مجھے مٹھائی کھلانا اور انعام دینا چاہتے تھے، لیکن میں وہاں سے گھر آچکا تھا، بعد میں میرے ماموں مولانا شکراللہ فیضی صاحب انعام کی رقم لے کر آئے، اور مجھے قاری صاحب کی جانب سے عنایت فرمایا اور قاری صاحب کے بے حد مسرور ہونے کا بھی ذکر فرمایا۔

غرض ہمارے اس کثیر مسلم آبادی والے علاقہ میں علامہ جعفر علی نقوی کے دور میں اوسان کوئیاں اور اس کے مدرسہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، یہاں کے بڑے بڑے اساتذہ میں مولانا احمد علی کے علاوہ، مولانا دین محمد محدث پنجابی، مولانا اللہ بخش بسکوہری تلمیذ علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا محمد یونس بونڈیہار (متوفی ۱۹۶۶ء) مولانا عابد علی انتری بازار تلمیذ مولانا حفیظ اللہ بندوی تلمیذ سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا شکراللہ فیضی ٹکریا (۱۹۲۱ء، ۲۰۰۵ء) تلمیذ مولانا ممتاز علی، ومولانا عبداللہ شائق مئوی اور مولانا عبدالقدوس ٹکریا (۱۹۲۰ء۔۱۹۷۶ء) تلمیذ مولانا اقبال حسین، ومولانا عبدالسلام بستوی، اول الذکر تین اساتذہ کبار سے فیض اٹھانے والے علماء جو خاص اوسان کوئیاں کے باشندے ہیں مولانا ''مولا بخش''، مولانا شکراللہ، مولانا عبدالجلیل معروف ہیں، موضع سمرا کے زبردست داعی اور مجاہد عالم دین مولانا عبدالرزاق (۱۸۵۷ء، ۱۹۵۴ء) نے علامہ محدث دین محمد پنجابی سے مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں میں چار سال تک رہ کر فیض حاصل کیا تھا۔

حضرت العلامہ مولانا سید جعفر علی نقوی کے بعد اس علاقہ میں دعوت کتاب وسنت کے آثار کو پھر سے تابندہ اور نمایاں کرنے کے لئے اللہ تعالی نے حضرت العلامہ مولانا سید ممتاز علی (۱۸۸۸ء۔ ۱۹۷۳) کو پیدا فرمایا، مولانا کے پردادا محمد پناہ، گنج مرادآباد سے

ترک وطن کر کے بہرائچ کے موضع ''بکوئی'' میں کچھ عرصہ رہ کر جنوبی بستی کے موضع ''برہپور'' میں سکونت پذیر ہوئے تھے، اس کے بعد ہمارے اس موضع ''کسمہی'' کو وطن بنایا، مولانا کے والد حسن علی کی شادی پڑوس کے معروف گاؤں ٹکریا میں ہوئی تھی، مولانا کا پورا خاندان شیعہ تھا، فاتحہ، نوحہ وماتم، تعزیہ، منت، چڑھاوا بجاواسب پر باقاعدہ عمل جاری تھا، مولانا نے ''جموتیا'' گاؤں کے مکتب میں درجہ چہارم تک تعلیم حاصل کی تھی اور اسی اثناء میں مسلک کتاب وسنت سے آشنا ہو کر تمام شرک وبدعات اور رسوم ورواج سے تائب ہو گئے، گھر والوں نے اس پر آپ کو سخت اذیت دی، لیکن مولانا کے استقلال اور پھر مخلصانہ دعوت اور تفہیم سے پورا گھر اہل حدیث ہو گیا، اس کے بعد دروازے پر موجود تعزیہ کا چوک مولانا نے کھود کر پھینک دیا اور تعزیہ داری اور اس سے متعلق سارے شرک وبدعات اور رسوم ورواج کو اپنے گھرانے میں ختم کر دیا، اس عرصہ میں مولانا کی شادی ہو چکی تھی، ایک بچی کے باپ بھی بن چکے تھے، لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا، آپ سے بڑا کام لینا تھا، آپ کو اعلیٰ تعلیم کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ اس کے لئے پہلے مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار، پھر مدرسہ عربیہ عالیہ مئو میں تعلیم حاصل کی، پھر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا اور یہیں سے فراغت حاصل کی، آپ کے مشہور اساتذہ میں مولانا محمد سلیمان مئوی اور مولانا حفیظ اللہ بندوی اعظمی (۱۲۶۴ھ۔ ۱۳۶۲ھ) تلمیذ سید نذیر حسین محدث دہلوی ہیں، اس سے ہمارے مولانا ممتاز علی صاحب کا سلسلۂ سند ولی اللہی خانوادہ علم وفضل سے جڑ جاتا ہے، حضرت مولانا ممتاز علی صاحب ایک عالم باعمل، اخلاص وللّٰہیت کا نمونہ اور نہایت بے باک مجاہد تھے، اپنی دینی ومسلکی خدمات کو انہوں نے کبھی دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا، اللہ کے بندوں میں آج تک ان کی مقبولیت کا یہی بڑا سبب ہے، انہوں نے اس علاقہ میں چھپن تعزیوں کے چبوترے کھدوا کر پھنکوائے، خوبی قسمت دیکھئے، اللہ جسے آخرت کے لئے چن لے، ان چبوتروں کی کھدائی کا عمل ''حبیب اللہ'' نام کا مولانا کا ایک عقیدت مند زیادہ تر اپنی جرأت موحدانہ سے انجام دیتا تھا، اللہ اس کی قبر کو منور فرمائے، پھر مولانا نے ان گاؤں میں مسجدیں تعمیر کروائیں اور مکاتب جاری کئے، علاقہ بلرام پور کے معروف، بے باک، مجاہد اور داعی کتاب وسنت حضرت العلامہ مولانا سید اظہر بہاری (متوفی ۱۹۲۵ء) تلمیذ علامہ عبدالحق محدث بنارسی (۱۷۹۱ء۔ ۱۸۷۹ء) تلمیذ امام شوکانی سے مولانا ممتاز علی کے والہانہ روابط تھے، علامہ اظہر ہمارے اس علاقہ میں آتے جاتے تھے، ہماری والدہ ''بشیرہ'' رحمہا اللہ کی روایت ہے کہ بابو یعنی مولانا شکر اللہ فیضی کی کردھن (جو پہلے بچوں کو کمر میں پہنائی جاتی تھی) مولانا اظہر بہاری نے اپنے دست مبارک سے کاٹی تھی، حضرت العلامہ مولانا ممتاز علی اپنے دور کے عظیم داعی کتاب وسنت ہونے کے ساتھ علاقہ کے مسلمانوں کے باہمی نزاعات کے تصفیے بھی کیا کرتے تھے، اور زور آور، ستم کوش دشمنوں سے ان کی عزت وآبرو کی حفاظت پوری قوت کے ساتھ کرتے آپ کے برادر خرد مولانا اقبال حسین (۱۸۹۶ء۔ ۱۹۸۶ء) تلمیذ مولانا عبیداللہ اٹاوی تلمیذ سید نذیر حسین محدث دہلوی، اعمال ومجاہدات دعوت میں برادر کبیر کے معاون تھے، دونوں بھائیوں نے بڑی حکمت سے اپنی عظیم دعوت کتاب وسنت ورد شرک وبدعت کا مرکز اس طرح قائم کیا تھا کہ ''کسمہی''، ''کرتھی ڈیہہ'' اور ''ریواں'' بستیوں کا ایک مثلث قائم کر کے اسے ایک مرکز کی شکل دیا تھا، ''کرتھی ڈیہہ'' کو بڑے مولانا نے خود اپنی سکونت سے سرفراز کیا تھا، ''ریواں'' میں چھوٹے بھائی مولانا اقبال حسین کو بسایا تھا، اور کسمہی میں اپنے بہنوئی مولانا سلامت اللہ کو جو عالم ہونے کے ساتھ بڑے

زور آور پہلوان بھی تھے بسایا تھا، مولانا ممتاز علی صاحب کے بعد مولانا سلامت اللہ صاحب نے ''کسمی'' میں دعوتی عمل اور بچوں کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ سنبھالا، اس وقت مکتب بعض گھروں میں چلتا تھا، اب اس کے لئے زمین وقف کر کے اس پر مدرسہ ''معہد التعلیم الاسلامی'' تعمیر کیا جا چکا ہے اور سینکڑوں بچے قریب کی بستیوں کے بھی اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ دعوت کتاب وسنت کے زبردست مجاہدات میں مذکورہ بالا تینوں پڑوسی بستیوں میں توافق تھا، اور ان شاء اللہ مستقبل میں بھی رہے گا، مولانا جعفر علی کے دور کا مرکزی گاؤں ''اوسان کوئیاں'' پڑوس ہی میں واقع ہے، قرب وجوار کے درجنوں بڑے بڑے مسلم مواضعات حضرت العلام مجاہد وقت مولانا ممتاز علی نور اللہ مرقدہ کے زبردست حلقہ اثر میں مربوط تھے، دعوت وتبلیغ کے انبیائی مشن کو ترجیح دینے کے ساتھ مولانا نے ''ریواں'' میں قائم کردہ ''مدرسہ قاسم العلوم'' میں کچھ عرصہ درس حدیث دے کر طلبہ کو فیض پہنچایا تھا، آج الحمد للہ اس علاقہ میں بڑے چھوٹے مدارس ومکاتب اسلامیہ سلفیہ کا جال بچھا ہوا ہے، دینی تعلیم کے حامل علماء کی بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے، یہ سب انہیں بزرگوں کے مجاہدات، کتاب وسنت کی اشاعت کی راہ میں پوری قوت کے ساتھ ان کی فنائیت اور ان کی دعاء نیم شبی کی برکات واثرات ہیں۔

آج جب کہ اس عظیم الشان کانفرنس کی تقریب میں ہم سب یہاں جمع ہیں دل چاہتا ہے کہ کچھ حال دل بھی سنایا جائے۔

امیر جمع ہیں احباب حال دل کہہ لے
پھر التفات دلِ دوستاں رہے نہ رہے

اب یہ بزرگ ہستیاں ہمارے درمیان نہیں رہیں، لیکن ذمہ داریوں کا بار گراں اپنی جگہ قائم ہے، اگرچہ حالات بہت بدل چکے ہیں۔ سیاست، معاشرت، معیشت ہر پہلو سے کچھ کا کچھ ہو گیا ہے، تعصب اور تنگ نظری کا دور دورہ ہے، لیکن جس قدر بھی پیچیدہ حالات ہوں ہم مسلکی ومذہبی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہو سکتے، جب تک اس بوجھ کو اٹھا کر اور کچھ قدم چل کر قدرت الٰہی کے سامنے اپنا امتحان نہ دے لیں، آنے والی نسلوں کی دینی ومسلکی تربیت سے صرف نظر کریں گے تو قدرت الٰہی اور ہماری نسلیں دونوں ہمیں معاف نہ کریں گی۔ ہماری خوش قسمتی ہے اور ہمیں دلی مسرت ہے کہ ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کے اہتمام اور عزیز گرامی سیٹھ شکر اللہ بن عبد البصیر کی سرپرستی اور انفاق کثیر جسے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور بعد کے لوگوں کے لئے نمونہ بنائے اور موضع کسمی اور پاس پڑوس کی بستیوں کے مخیر احباب اور نوجوان اخوان کی ہمت مردانہ سے یہ عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ ہمیں قوی امید ہے کہ کانفرنس کے پیغام، علماء کرام کے خطابات اور قال اللہ وقال الرسول کی دل نواز صداؤں کو دل سے سنا جائے گا، اور مستقبل میں اپنی زندگی کی روشن شاہراہ پر بصیرت کے ساتھ چلا جائے گا، اندھیروں سے ہاتھ ملانا ہمارا کام نہیں، ہم تو روشنی کے سوداگر اور جالوں کے مینار قائم کرنے والے ہیں۔

عزیز بھائیو! بستی وگونڈہ کا یہ عظیم الشان خطۂ اراضی علماء کی کثرت کے لئے ضرب المثل ہے، دین کی نعمت اللہ کی سب سے عظیم نعمت ہے، ہماری دعا ہے کہ ہر نعمت کی طرح اس سب سے عظیم نعمت کے امتحان الٰہی میں ہم ہمیشہ کامیاب وکامران رہیں۔

(ماخوذ از خطبۂ استقبالیہ 'فلاح انسانیت کانفرنس' کسمی ڈومریا گنج سدھارتھ نگر ۱۹۔۲۰ مئی ۲۰۱۲ء)

❑❑❑

مختصر تاریخ اہل حدیث بستی و گونڈہ

مولانا ابوالعاص وحیدی ڈومریا گنج

بارہویں صدیق ہجری میں جب کہ مغل حکومت زوال وانحطاط سے دوچار تھی اور ہندوستانی مسلمانوں کا مستقبل تاریک نظر آرہا تھا ایسے نازک حالات میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ پیدا ہوئے جنہوں نے تجدید واجتہاد اور دعوت کتاب وسنت کا علم بلند کیا، اور مسلمانان ہند کو قرآن وحدیث پر عمل کرنے کی تلقین کی جس سے مسلک اہل حدیث کے عروج وارتقاء کی راہ ہموار ہوئی، شاہ صاحب کے بعد ان کے نصب العین اور مشن کی تکمیل میں ان کے صاحبزادگان حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب، حضرت شاہ عبدالغنی صاحب اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمہم اللہ مصروف ہوگئے ان لوگوں کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے نامور پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے دعوت وتجدید کا فرض انجام دیا جو حضرت شاہ عبدالغنیؒ کے خلف الرشید تھے، انہوں نے دہلی کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر دعوت واصلاح کا بلا مچادیا، واقعہ یہ ہے کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ کے عدیم المثال دعوتی وتجدیدی کارناموں نے خیر القرون کی یاد تازہ کردی، اس مرحلہ کو اسلامی ہند کی تاریخ میں تنظیم وتحریک اہل حدیث کا تمہیدی مرحلہ کہا جاسکتا ہے۔

سید نذیر حسین دہلویؒ اور ان کے تلامذہ:

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے بعد خاندان ولی اللہی کی تعلیمی ودعوتی مسند پر حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ تلمیذ رشید شاہ عبدالعزیز دہلویؒ رونق افروز ہوئے اور جب حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ حجاز کی طرف ہجرت کرگئے تو ان کے جانشین ان کے تلمیذ ارشد حضرت مولانا سید میاں نذیر حسین دہلویؒ ہوئے جو شیخ الکل فی الکل کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں، پھر سید میاں نذیر حسین دہلویؒ کے ہزارہا تلامذہ کی دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں، تعلیمی وتدریسی کارناموں اور اصلاحی وتجدیدی مساعی سے ہندوستان کے اطراف وجوانب میں تقلید وشخصیت پرستی کا طلسم ٹوٹا اور وسیع پیمانہ پر عمل بالحدیث کا غلغلہ بلند ہوگیا۔

سرزمین ہند میں جن خوش نصیبوں کو حضرت سید میاں نذیر حسین دہلویؒ سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا اور جنہوں نے مختلف اضلاع وصوبہ جات میں سلفیت اور دعوت کتاب وسنت عام کی ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے جن میں بعض علماء افاضل کے اسماء گرامی ہیں۔

سید مولانا عبداللہ غزنوی، استاذ الاساتذہ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا محمد ابوالقاسم سیف بنارسی، قاضی محمد سلیمان منصور پوری مؤلف ''رحمۃ للعالمین''، مولانا محمد ابراہیم آروی، مولانا شمس الحق ڈیانوی مولف عون المعبود وغایۃ المقصود، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی صاحب، ''حسن البیان'' مولانا محمد سعید بنارسی، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا ابوالعلیٰ عبدالرحمن مبارکپوری مولف ''تحفۃ الاحوذی'' مولانا شاہ عین الحق پھلواروی، مولانا عبدالسلام مبارکپوری مولف ''سیرۃ البخاری'' مولانا عبدالجبار غزنوی،

مولانا محمد سلیمان مئوی، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، نواب وحید الزماں حیدرآبادی، مولانا عباداللہ بستوی، اور مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی وغیرہم رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ۔

انیسویں صدی کے وسط تک گونڈہ وبستی کی سرزمین مکمل طور پر تقلید وشخصیت پرستی جاہلی رسوم وخرافات اور بدعات ومنکرات میں ڈوبی ہوئی تھی، اس سرزمین میں خالص اسلام کی تبلیغ کرنے والے صاف وشفاف توحید وسنت کی اشاعت کرنے والے اور سلفی دعوت کو عام کرنے والے سید میاں نذیر حسین دہلویؒ کے بہت سے تلامذہ تحریک شہیدین کے بعض بچے کھچے افراد اور دوسرے علماء گرامی ہیں، ان حضرات کی کوششوں سے گونڈہ وبستی کے حالات یہاں تک بدلے کہ علامہ تقی الدین حفظہ اللہ مراکش سے چل کر دہلی ہوتے ہوئے جب مبارکپور پہونچے اور محدث کبیر مولانا عبدالرحمان مبارکپوریؒ کی شاگردی اختیار کی تو خود ان کا بیان ہے کہ استاذ محترم مبارکپوریؒ کہا کرتے تھے کہ چلو تمہیں گونڈہ وبستی میں ایسی ۸۰ بستیاں دکھاؤں جن میں ایک شخص بھی صحابہ کرامؓ کے اسوہ کے خلاف چلنے والا نہیں ملے گا۔(ماخوذ از تقریر مولانا عبدالحمید رحمانی حفظہ اللہ)

حضرت العلام خطیب الاسلام جناب مولانا عبدالرؤف رحمانی نے نوگڑھ کانفرنس ۱۹۶۱ء میں جو خطبہ استقبالیہ پیش کیا تھا ہم اس کی روشنی میں اور بعض دوسرے مصادر وماخذ کی روشنی میں مختصر طور پر گونڈہ وبستی کی تاریخ اہل حدیث پیش کر رہا ہیں۔

تاریخ اہل حدیث بستی:

ضلع بستی میں ایک آبادی مجھوامیر کے نام سے ہے، اس میں سید جعفر علی میر نقوی ایک بڑے پایہ کے عالم وبزرگ گذرے ہیں، آپ حضرات سید احمد شہیدؒ ومولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کے قافلہ جہاد کے میر منشی تھے، ان بزرگوں کی مقبولیت اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کے باعث مجھوامیر بستی کی سرزمین ہمارے لئے باعث فخر ہے۔

جس زمانہ میں شہیدین کا قافلہ جہاد کے لئے روانہ ہوگیا تو علامہ جعفر علی نقویؒ اور ان کے چھوٹے بھائی میں اس قافلہ جہاد میں شرکت کے لئے بڑی کشاکش پیدا ہوئی، آخر کار چھوٹے بھائی کو سید جعفر علیؒ نے خدمت والدین کے لئے ٹھہرے رہنے پر راضی کرلیا، سید صاحب براہ کانپور، قنوج دہلی آئے، راستہ میں جابجا جہاد کے لئے رضا کار ملتے گئے، پانی پت انبالہ ہوتے ہوئے پٹیالہ آئے، پھر وہاں سے جنگل، پہاڑ، دشوار گزار راستوں، پرخطر مقامات اور ہولناک دریاؤں کو عبور کرنے میں ہر طرح کی پریشانی وزحمت کا خیر مقدم کیا۔

بہرحال سید جعفر علی نقویؒ نے یہ طویل وعریض سفر چند افراد قافلہ کے ساتھ پیدل طے کیا اور منزل مقصود تک پہنچ گئے، حضرت احمد شہید رحمہ اللہ کو ان کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی، دو مرتبہ استقبال کی غرض سے باہر آکر واپس چلے گئے تھے، سہ بارہ اطلاع پاکر سید صاحب پچاس سواروں کے ساتھ ان کے استقبال کے لئے نکلے اور باقاعدہ صف بندی کرانے کے بعد بندوقوں کے سر کرنے کا حکم دیا۔

الغرض سید جعفر علی نقویؒ واقعہ بالاکوٹ تک منشی کے عہدہ پر رہنے کے ساتھ ساتھ فرائض جہاد بھی انجام دیتے رہے، حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ وسید احمد شہیدؒ کے احکام پر جاں نثاری کیساتھ تیار رہتے تھے۔ آپ سید احمد شہیدؒ کے مرید اور مولانا اسماعیل شہیدؒ

کے شاگرد بھی تھے۔

سید جعفر علی نے اپنی دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں اور تعلیمی وتدریسی مساعی سے ضلع بستی کے مختلف اطراف وجوانب میں خوب خوب دعوت کتاب وسنت پھیلائی، اور لوگوں کو بدعات وخرافات کے دلدل سے نکالا، مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں، بستی اور بعض دوسرے مدارس آپ ہی کے قائم کئے ہوئے ہیں کہ جن کے ذریعہ اطراف واکناف بستی میں توحید وسنت کی روشنی خوب پھیلی۔

ضلع بستی کا ایک مشہور مقام بسکوہر ہے یہاں ایک جلیل القدر عالم، ولی کامل مولانا اللہ بخشؒ گذرے ہیں اور وہیں آپ مدفون بھی ہیں آپ ضلع انبالہ کے تھے۔ ان کی تبلیغی سرگرمیوں کے سبب یہ علاقہ جاہلی رسوم وخرافات اور منکرات وبدعات سے تائب ہوکر عامل بالحدیث ہوا، ان علاقوں میں حضرت مولانا اظہر حسین بہاریؒ بھی دعوت وتبلیغ اور اصلاح وتذکیر کے لئے آیا کرتے تھے، ان دونوں بزرگوں کی دعوتی وتبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بستی وگونڈہ کے قصبات ودیہات انوارِ توحید وسنت سے جگمگانے لگے۔

مولانا اللہ بخش بسکوہریؒ کا علمی مقام بھی بہت بلند تھا، ان کی قلمی تصنیفات اور ان کے کتب خانہ کی دوسری گرانقدر کتابیں محدث کبیر علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ کی کرم فرمائی وعنایت سے جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں منتقل ہوچکی ہیں۔

شمالی بستی میں نوگڑھ کے علاقہ میں مدرسہ دارالہدی یوسف پور ہے جس کے بانی حضرت مولانا عباداللہ بستویؒ ہیں جو مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ کے تلمیذ خاص تھے۔ اس وقت وہاں مسلم آبادی بہت کم تھی، علاوہ ازیں وہ علاقہ شرک وجہالت، رسوم وخرافات اور منکرات وبدعات میں گرفتار تھا، آپ نے اپنے مواعظ وتقاریر سے ان کی قبر پرستی، تعزیہ داری اور پیر پرستی وغیرہ کا استیصال کیا اور ماحول کو سازگار بنا کر درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ اور اب تو اس علاقہ میں سلفیت خوب ترقی کررہی ہے۔

ضلع بستی کا ایک مشہور قصبہ بانسی ہے جہاں مولانا شاہ عین الحق پھلواریؒ تلمیذ رشید مولانا سید میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ تشریف لاکر دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دیئے، لوگوں کی اصلاح کی اور ماحول سازگار کرکے انہوں نے جامع مسجد اہل حدیث کے قریب مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا، چونکہ یہ مدرسہ کرایہ کے مکان میں چل رہا تھا اس لئے کئی جگہ منتقل ہوا، ان مواقع پر مولانا عبدالرحمن آگرویؒ بھی مدرسہ کی خدمت اور اصلاح وتبلیغ میں شریک رہے، پھر ایک مدت کے بعد مولانا عبدالوہاب بانسویؒ نے کچہری وارڈ میں باقاعدہ مدرسہ کی بنیاد ڈالی پھر ان کے صاحبزادے جناب قاری عبدالحق صاحب نے مدرسہ کو وسیع کیا اور اب اس ادارہ کا نام جامعۃ الحق السلفیہ ہے۔

بہر حال سلفی علماء ہی نے قصبہ بانسی کو پروان چڑھایا، یہاں کے لوگوں میں توحید وسنت کی روح پھونکی اور دعوت کتاب وسنت کو عام کیا، مگر افسوس اب بعض دوسری معاصر جماعتیں اس کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش کررہی ہیں۔

تحصیل ڈومریا گنج، بستی میں ایک موضع ہے کرتھی ڈیہہ یہاں ایک عظیم مجاہد عالم باعمل جناب مولانا سید ممتاز علی رحمہ اللہ گذرے ہیں جو جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کے ممتاز مستفیدین میں ہیں، جنہوں نے بڑے مجاہدانہ جوش وخروش اور ایمانی جرأت وشجاعت کے ساتھ بدعات وخرافات کا مقابلہ کیا اور لوگوں کو توحید وسنت کی شاہرہ اعتدال پر گامزن کیا۔

تاریخ اہل حدیث گونڈہ:

ضلع گونڈہ میں برھنی وجھنڈانگر سے چار میل کے فاصلہ پر ایک موضع بجوا ہے جہاں حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے تلامذہ مولانا محمد سعید بنارسی ومولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا بشیر احمد سہسوانی رحمہم اللہ تشریف لا چکے ہیں اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ ومولانا محمد ابوالقاسم سیف بنارسیؒ تو بارہا اس علاقہ میں اصلاح وتبلیغ کے لئے تشریف لایا کرتے تھے، اور بھی دوسرے علمائے کرام اس علاقہ میں دین خالص کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ ان بزرگوں کی جان توڑ دعوتی وتبلیغی کوششوں کی وجہ سے خوب ـــــ پھیلی اور کتاب وسنت کی تعلیمات عام ہوئیں، یہ انہیں اصحاب فضل وکمال وارباب اخلاص وتقویٰ کی مساعی جمیلہ کا ثمر ہے کہ بجوا وغیرہ کا مسلم علاقہ بدعات وخرافات سے تائب ہوکر مسلک اہل حدیث کا پابند اور کتاب وسنت کا پیروکار بنا۔

اہل حدیثیت وسلفیت کے اعتبار سے ضلع گونڈہ کا سب سے مشہور ومعروف علاقہ کنڈؤ بونڈیہار اور طیب پور وغیرہ کا ہے، یہ علاقہ بھی بہت پہلے بدعت، تعزیہ داری اور دوسری جاہلی رسوم وخرات کی طوفانی موجوں میں پھنسا ہوا تھا، اس علاقہ میں علامہ اللہ بخشؒ بسکوہری اور مولانا اظہر حسین بہاریؒ تبلیغ ودعوت اور اصلاح وتذکیر کے لئے آیا کرتے تھے، انہیں بزرگوں کی مساعی جمیلہ کے ذریعہ یہ علاقہ بدعات وخرافات کے طوفان سے نکل کر ہمکنار ساحل ہوا۔

اور پھر محدث کبیر علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ بانی جامعہ سراج العوم کنڈو بونڈیہار، مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ، مولانا محمد سلیمان مئویؒ تلامذہ سید نذیر حسین دہلوی کی دعوتی کوششوں اور تعلیمی وتدریسی سرگرمیوں کے نتیجے میں اس علاقہ کی سلفیت میں جلا پیدا ہوگئی اور یہاں سے مکمل طور پر شرک وبدعت کا جنازہ نکل گیا۔

نیز اس علاقہ میں جامعہ سراج العلوم کنڈؤ، بونڈیہار کے زیر اہتمام مختلف دعوتی وتبلیغی کانفرنس منعقد ہوتی رہیں جن میں مناظر اسلام جناب مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ، مولانا محمد جونا گڈھیؒ، مولانا عبدالتواب علی گڑھیؒ، مولانا محمد یوسف فیض آبادیؒ، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ، مولانا عبدالحنانؒ، مولانا حاکم رحمانی پنجابی، مولانا ندیر احمد رحمانیؒ، مولانا عبدالغفور بسکوہریؒ، اور مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری وغیرہ افاضل شریک ہوئے۔ ان کے موثر مواعظ سے اس پورے علاقہ میں اس طرح سلفی دعوت پھیلی کہ توحید وسنت کی خوشگوار بہار آگئی۔

اور سرپرست ونگراں جامعہ سراج العلوم بونڈیہار فضیلۃ الشیخ مولانا عبیداللہ رحمانی کے ارشادات وتوجیہات کا بھی اس علاقہ کی اہل حدیث وسلفیت میں بڑا دخل ہے جو وقتاً فوقتاً یہاں تشریف لاتے رہتے ہیں۔

علامہ اظہر حسین بہاریؒ تلسی پور کے علاقہ میں اودئی پور، گلہریا اور دوسرے مواضعات میں بھی جایا کرتے تھے، اس علاقہ میں جو سلفیت کے آثار ونقوش پائے جاتے ہیں اور مختلف دینی مدارس واسلامی ادارے جیسے مدرسہ قاسم العلوم گلہریا وغیرہ دین خالص کی خدمت کررہے ہیں علامہ بہاریؒ کی دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں کے نتیجہ میں وجود میں آئے ہیں۔ اخیر عمر میں علامہ اظہر حسین بہاریؒ موضع اودئی پور میں قیام پذیر ہوگئے تھے، چنانچہ وہیں ان کا انتقال ہوا اور وہیں مدفون بھی ہوئے۔ موضع اودئی پور میں بیادگار علامہ بہاریؒ ایک مدرسہ بھی قائم ہے جس کا نام "مدرسہ اظہر العلوم" ہے جو ابتدائی انداز میں چل رہا ہے۔ (یادگار مجلہ جامعہ سراج العلوم کنڈو بونڈیہار۔ ۱۹۸۶ء) □□

شجرۂ طوبیٰ: مئوی تلامذہ شیخ الکل میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب مولانا مفتی عبدالعزیز عمریؒ

مولانا مفتی عبدالعزیز عمری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۰۰۵ء/۱۴۲۶ھ) کی علمائے اہل حدیث ہند بالخصوص علمائے اہل حدیث مئوناتھ بھنجن کے بارے میں معلومات نہایت وسیع اور دقیق تھی، آپ نے ۱۹۹۵ء میں کل ہند اجلاس عام آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس، مئو کے لئے تلامذہ شیخ الکل میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلویؒ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک فہرست ''شجرۂ طوبیٰ'' کے نام سے مرتب فرمائی تھی، جو جمعیت اہل حدیث مئو کی طرف سے کانفرنس کے موقع پر ایک ورقہ پمفلٹ کی شکل میں شائع ہوئی تھی، اس شجرہ وفہرست میں مفتی صاحب موصوف نے مئوی تلامذۂ میاں صاحب کی تعداد اکیس (۲۱) لکھی ہے، ہر ایک کا نام ولدیت، محلہ، اور تاریخ وفات بھی لکھنے کا اہتمام کیا ہے، الا ماشاء اللہ۔

فاضل گرامی مولانا عبدالمعید صاحب مدنی حفظہ اللہ نے مولانا عبدالرزاق سلفی کی کتاب ''مرکزی دارالعلوم۔۔۔۔'' کے مقدمہ میں یہ لکھا ہے کہ:

''مئو میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے چھپن (۵۶) شاگردوں کا مرزبوم ہے''۔ (مرکزی دارالعلوم۔۔۔۔۔۔ص ۲۱)

لیکن مولانا موصوف نے اس تعداد کے لئے کسی ماخذ ومصدر کا حوالہ نہیں دیا ہے، بہرحال مفتی مولانا عبدالعزیز صاحب کا مرتبہ شجرہ افادۂ عام کے مقصد سے ''جریدہ ترجمان'' میں اشاعت کے لئے بھیجا جارہا ہے، امید ہے کہ کسی قریبی شمارہ میں شائع کیا جائے گا، شکریہ! محفوظ الرحمن فیضی مئو۔

شجرۂ طوبیٰ

حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ متوفی ۱۱۷۶ھ

سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ متوفی ۱۲۳۹ھ

الصدر الحمید شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ متوفی ۱۲۶۳ھ

شیخ الکل سید محمد نذیر حسین محدث دہلویؒ متوفی ۱۳۲۰ھ

سرزمین علم وفن مئوناتھ بھنجن میں شیخ الکل میاں صاحب سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اکیس (۲۱) تلامذہ ہیں، شیخ الکل میاں صاحب کا انتقال ۱۳۲۰ھ میں ہوا ہے، ظاہر ہے کہ اب سے ایک صدی سوا صدی پہلے مئو معمولی سا قصبہ رہا ہوگا، اس

میں میاں صاحب کے اکیس تلامذہ کا ہونا مئو کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے، ''تراجم علمائے حدیث ہند'' نیز میاں صاحب کی سوانح عمری ''الحیات بعد الممات'' میں کسی ایک قریہ یا قصبہ میں میاں صاحب کے تلامذہ کی اتنی بڑی تعداد مذکور نہیں ہے۔

(مولانا مطیع اللہ سلفی حفظہ اللہ نے کتاب مستطاب ''مولانا عبدالجلیل رحمانی حیات وخدمات'' (ص ۴۰۹) میں لکھا ہے کہ بستی وسدھارتھ نگر وگونڈہ میں صرف ''مولانا عباداللہ صاحب'' یوسف پوری (نیز عبدالرحمن ڈوکمی) تھے جنہوں نے میاں صاحب سے کسب فیض کیا تھا۔ (حالانکہ یہ تعداد اس سے زیادہ ہے، جیسا کہ شیخ عبدالمنان نے تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے بستی وگونڈہ میں میاں صاحب کے تلامذہ) عبدالحکیم المدنی۔ جب کہ مئو کے صرف ایک محلہ ڈومن پورہ میں میاں صاحب کے تلامذہ کی تعداد آٹھ ہے، اور ان سب کا ''تراجم علمائے حدیث ہند'' میں امام خاں نوشہروی رحمہ اللہ نے ترجمہ وتذکرہ بھی لکھا ہے۔ (فیضی)

نمبر شمار	اسمائے گرامی مئوی تلامذہ میاں صاحب	محلہ	تاریخ وفات
۱۔	مولانا خلیل الرحمن بن حافظ عبداللہ، برادر عم زاد مولانا ابوالمعالی	ڈومن پورہ	۱۳۱۴ھ
۲۔	مولانا عبدالرحمن بن حکیم باب اللہ، بانی جامع مسجد اورنگ آباد	اورنگ آباد	۱۳۱۵ھ
۳۔	مولانا سعداللہ واعظ بن حکیم رکن الدین برادر عم زاد مولانا ابوالمکارم	ڈومن پورہ	۱۳۲۱ھ
۴۔	مولانا سلیم اللہ مصحح اعلیٰ مطبع نول کشور، لکھنؤ	الہ داد پورہ	۱۴۲۴ھ
۵۔	مولانا محمد سعید بن حاجی محمود عالم	اورنگ آباد	۱۳۲۸ھ
۶۔	مولانا محمد ابراہیم، والد قاری خلیل الرحمن	مرزاہادی پور	۱۳۲۸ھ
۷۔	مولانا عبدالشکور بن حاجی صدیق بن حاجی نور محمد	باغیچہ	۱۳۲۹ھ
۸۔	مولانا ابوالفیاض عبدالقادر بن شیخ عبداللہ (والد مولانا محمد نذیر، قدرتی تیل	ڈومن پورہ	۱۳۳۱ھ
۹۔	مولانا حامد بن حاجی عبدالرحمن شہید (جد امجد ڈاکٹر حافظ عبدالعلی ازہری)	ڈومن پورہ	۱۳۳۱ھ
۱۰۔	مولانا عبدالعزیز، ۱۱۔ مولانا محمد عیسیٰ یہ دونوں	پٹھان ٹولہ	
	مولانا عبدالاحد الہ آبادی کے شاگرد تھے، جو تفسیر فیض غیب (تفسیر۔۔۔) کے	الہ داد پورہ	
	مصنف ہیں اس کتاب پر ان دونوں کی تقریظ عربی میں موجود ہے۔		
۱۲۔	مولانا قائم علی عباسی (مئو میں خانوادہ عباسیہ کے چشم وچراغ تھے)	قاضی ٹولہ	۱۳۴۰ھ
۱۳۔	مولانا محمد اسحاق (مرشد آباد میں معلم تھے)	مرزاہادی پورہ	
۱۴۔	مولانا ابوالمکارم محمد علی بن مولانا فیض اللہ (کارخانہ روغن احمر)	ڈومن پورہ	۱۳۵۲ھ
۱۵۔	مولانا ابوالمعالی محمد علی فیضی بن میاں حسام الدین	ڈومن پورہ	۱۳۵۳ھ
۱۶۔	مولانا ابوالنعمان عبدالرحمن آزاد بن حافظ عبدالرزاق	ڈومن پورہ	۱۳۵۷ھ

۱۷۔ مولانا نور محمد بن محمد بن اسماعیل کوٹھا (مصنف مثنوی فریاد مظلوم) قاسم پورہ ۱۳۵۷ھ

۱۸۔ مولانا محمد احمد (معروف ''بڑے مولوی صاحب'') ابن مولانا ملا حسام الدین
جد امجد مفتی مولانا حبیب الرحمن فیضی و مولانا مفتی فیض الرحمن فیضی)

۱۹۔ مولانا نعمان بن حاجی عبدالرحمن شہید (والد مولانا عبدالسبحان، اعظمی عمر آباد) ڈومن پورہ ۱۳۷۱ھ

۲۰۔ مولانا عبداللطیف، والد مولانا عبدالرحمن نحوی (جد امجد مولانا عبدالغنی فیضی) باغیچہ ۱۳۷۳ھ

۲۱۔ مولانا سلیمان بن داؤد (والد مولانا حکیم فضل الرحمن و حافظ عبدالہادی) مرزا ہادی پورہ ۱۳۷۸ھ

۲۲۔ (اس شجرہ طوبی میں استاذ الاساتذہ علامہ حافظ عبداللہ غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۸ء کا اسم گرامی بھی شامل ہونا چاہیے کیونکہ آپ کا آبائی وطن اور آپ کا مولد مئو ہی ہے، آپ مئو کے مشرقی محلہ نوا پورہ ۱۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے بارہ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرلیا، بعد ازاں فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم بھی مئو میں ہی ہوئی۔ فارسی و عربی کی کتابیں مولانا قائم علی مئوی سے پڑھیں، آپ پندرہ سولہ برس کے یا اس سے کچھ زیادہ عمر کے رہے ہوں گے کہ آپکے والد محترم ۱۸۵۷ھ کے ہنگامہ کے بعد ترک وطن کر کے مع اہل وعیال غازی پور آباد ہوئے، اس طرح حافظ صاحب اولاً مئوی ثم غازی پوری ہیں۔

۲۳۔ ''الحیاۃ بعد المماۃ'' میں ضلع اعظم گڑھ کے تلامذۂ میاں صاحب میں ص ۶۹۴، شمارہ نمبر (۳۹۵) پر ایک نام یہ لکھا ہے۔
مولوی عبداللہ احسن مرحوم، مئو۔ آپ کے بارے میں مزید معلومات والدیت، محلہ وغیرہ کچھ دستیاب نہیں ہوسکا رحمہم اللہ اجمعین ورفع درجاتہم فی جنت النعیم، آمین ثم آمین۔ شیخ عبدالمعید مدنی حفظہ اللہ نے جو مئوی تلامذہ شیخ الکل کی تعداد چھپن (۵۶) لکھی ہے تو امید ہے کہ مزید تینتیس (۳۳) ناموں کی نشاندہی کرنے کی زحمت فرمائیں گے۔ واللہ ہوالموفق۔ فیضی۔

(جریدہ ترجمان ۱۶۔ ۳۱ دسمبر ۲۰۱۶ء)

□□□

نوٹ: اس موضوع پر جماعت کے مشہور مصنف مولانا محفوظ الرحمن فیضی کی کتاب ''شیخ الکل میاں صاب کے مئوی تلامذہ'' کا مطالعہ مفید ہوگا۔ (عبدالحکیم مدنی)

شہر بنارس میں سلفیت کی اشاعت

از افادات: شیخ محمد ابوالقاسم فاروقی، بنارس

دسویں صدی عیسوی سے بنارس میں مسلمانوں کی آمد شروع ہوئی، کفر وشرک کا یہ ظلمت کدہ دعوت وتبلیغ کے لئے بہترین مقام تھا، دور دراز ممالک سے آنے والے لوگوں میں مبلغین اور دعاۃ کی ایک بڑی تعداد بھی تھی، جن کے نام اور کارنامے اگرچہ وقت اور زمانے کے دھندلکوں میں کھو چکے ہیں، مگر ان کے آثار، اثرات، قدیم اور تاریخی مساجد اور مسلم معاشرے میں اسلام کی جڑیں ہمیں ان کی داستان سنا رہی ہیں۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری تک مسلمانوں نے تاریخ نویسی اور تذکرہ نگاری میں حیرت انگیز ترقی کر لی تھی۔ علوم حدیث نے اس فن کو فروغ دینے میں سب سے اہم کردار ادا کیا۔ محدثین نے دو لاکھ سے زائد افراد کے حالات زندگی کا پورا ریکارڈ محفوظ کر دیا مگر افسوس کہ اس کا فیضان ہندوستان کے کچھ علاقوں تک محدود رہا۔ بنارس اور اس کے نواح میں تذکرہ نگاری کی کوئی کرن نہ پہنچ سکی، اگر ہندوستان کے متاخرین علماء میں سے کچھ لوگ اس کی طرف دھیان نہ دیتے تو بنارس کی دینی اور علمی تاریخ مکمل طور سے تاریکی میں ہوتی، تاہم علماء اور صوفیا نے دین کی اشاعت ضرور کی، متقدمین میں خواجہ مبارک اعظم (م ۸۶۹ھ۔ ۱۴۶۴ء)، مولانا موسیٰ بنارسی (م ۸۶۹ھ۔ ۱۴۶۴ء) شیخ الاسلام حضرت شیخ وجیہ الدین المعروف بہ حاجی بندگی، مولانا شاہ طیب فاروقی بنارس (م ۱۰۴۲ھ۔ ۱۶۳۲ء) خواجہ مبارک محدث فاروقی بنارسی (م ۹۸۰ھ۔ ۱۵۷۲ء) وغیرہم کا ذکر خیر تذکروں اور سیر کی کتابوں میں محفوظ ہے۔

بنارس میں مسلمانوں کی آمد سے تحریک شہیدین تک ان کی مذہبی حالت ہندوستان کے دیگر علاقوں سے مختلف نہیں تھی، وہ اسلام جو صرف کتاب وسنت پر مشتمل تھا صرف سندھ اور ملتان تک محدود رہ گیا۔ ہندوستان میں اسلام ترکوں، ایرانیوں، مغل اور افغانیوں کے ذریعہ چوتھی صدی ہجری کے بعد پہنچا، فاتحین تقلید اور تصوف کے سلاسل ساتھ لائے، صرف کتاب وسنت کے پیروی کرنے والے خال خال تھے، فقہی موشگافیوں اور طریقت کے سلسلوں نے اشاعت حدیث کی راہوں کو مسدود کر دیا، تقلید میں تشدد اس قدر تھا کہ حدیث کا نام لینا بھی گوارہ نہ تھا، بنارس بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھا، یہاں بھی خانقاہیت، تصوف کے سلسلے، مزاروں پر عرس، قوالیاں، سماع، وجد، حال اور اس طرح کی نہ جانے کتنی خرافات اور بدعات دین کا حصہ بن چکی تھیں، پھر بھی ایسی شخصیتیں ضرور ملتی ہیں جنہوں نے علم حدیث کی اشاعت کی داغ بیل ڈالی، ان کی طبائع شرک وبدعات سے متنفر تھیں، انہوں نے باقاعدہ اسے ختم کرنے کی جدوجہد کی، انہیں میں ایک نام خواجہ مبارک محدث فاروقی بنارسی (۹۸۰ھ۔ ۱۵۷۲ء) کا ہے، آپ نے علامہ صغانی لاہوری (پ ۵۷۷ھ، م ۶۵۰ھ) کی مشہور زمانہ حدیث کی کتاب ''مشارق الانوار'' کی احادیث کو ''مشکوۃ شریف'' کی ترتیب

پر از سر نو جمع کیا۔ واضح رہے کہ علامہ صغانی نے مشارق الانوار کو حروف تہجی کے مطابق ترتیب دیا تھا۔ اس کتاب کی دس سے زائد شروح لکھی جا چکی ہیں، حضرت مولانا محمد وارث رسول نما بنارسی (م ۱۱۶۶ھ = ۱۷۵۲ء) زبردست عالم اور شریعت محمدیہ کے مطابق زندگی بھر عامل رہے، تیسرا نام مولانا رحمت اللہ دہلوی بنارسی کا ملتا ہے، آپ شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۳۹ھ = ۱۸۲۳ء) کے ارشد تلامذہ میں تھے، حدیث پر گہری نگاہ تھی، آپ کی ذات سے بنارس میں علم حدیث کا چرچا عام ہوا، قال اللہ وقال الرسول سے فضا نغمہ بار ہوگئی، آپ کو محدث بنارسی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ منشی نبی احمد نے مرقع بنارس میں آپ کا تعارف تفصیل سے پیش کیا ہے، مگر پیدائش اور وفات کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوسکا، آپ کا دوسرا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ بنارس کی بہت سی مسجدیں ویران اور غیر آباد تھیں اور مسلسل ان کی بے حرمتی ہو رہی تھی، عوام وخواص میں ان کی آباد کرنے کی کسی کی جرأت نہ ہوسکی تھی، مولانا نے باقاعدہ مشن چلایا اور ان مسجدوں کو آباد کیا، ان میں موذن اور امام متعین کیا، خاص طور سے دھرہرہ مسجد، جامع مسجد گیان واپی، لاٹ کی مسجد اور راجہ دروازہ کی مسجدوں کو آباد کیا، گیان واپی مسجد میں تعزیہ بھی رکھا جاتا تھا، اس کے علاوہ مساجد میں بہت سی خرافات رائج تھیں، مولانا نے مسجدوں کو ان تمام شرک وبدعات سے پاک کیا۔

بنارس کی مذہبی حالت زار کا اندازہ لگانے کے لئے مولانا علی میاں ندوی کی کتاب سیرت سید احمد شہید سے ایک اقتباس نقل کردینا کافی ہوگا: ''اللہ رکھو نے عرض کیا کہ حضرت بیعت تو ہم سب نے کرلی مگر کئی باتیں ہمارے یہاں ہیں جب وہ دور ہوں، تب ہم لوگ پورے مسلمان ہوں'' آپ نے (سید احمد صاحب) فرمایا کہ ''وہ کیا باتیں ہیں'' کہا 'ایک تو ہم لوگ اپنے گھرانے میں بیاہ شادی نہیں کرتے، ہندوؤں کی طرح عیب جانتے ہیں، دوسرے عورتیں پردہ نہیں کرتیں، تیسرے ہمارے شہر میں نوچندی جمعرات کا میلہ ہوتا ہے، تمام مرد، ہندو، مسلمان ہزاروں جمع ہوتے ہیں اور خوشی کرتے ہیں، اس نوچندی میں لباس وپوشاک کا ایسا اہتمام ہوتا ہے کہ عیدین میں اس کا چوتھائی حصہ بھی نہیں ہوتا'' (سیرت سید احمد شہید ج ۱ ص ۲۹۸) غرضیکہ بنارس کے مسلمان شرک اور غیر اللہ کی عبادت میں کسی طرح ہندوؤں سے پیچھے نہیں تھے، توحید کی جو مشعل لے کر آئے تھے، اس کی روشنی کو برقرار نہ رکھ سکے، اس کے برعکس خود ہندو معاشرت میں اس طرح ضم ہوئے کہ من وتو کا فرق مٹ گیا۔

بالآخر رحمت الٰہی کو جوش آیا، شہیدین کے قافلے کا ۱۸۲۱ء میں بنارس سے گذر ہوا، بارش کی وجہ سے ایک ماہ بنارس میں قیام رہا، تبلیغ کا کام خوب ہوا، شرک وبدعات کی گھٹائیں چھٹنی شروع ہوگئیں، تعزیے اس قدر توڑے گئے کہ ان سے کھانا پکانے کے لئے ایندھن کا کام لیا گیا، اسی کے ساتھ بنارس میں دین کی نشاۃ ثانیہ شروع ہوئی، بنارس کو مولانا عبدالحق محدث بنارسی جیسا سلفی عالم ملا، جس نے کتاب وسنت کی درس گاہ قائم کی اور اہل حدیثوں کی ایک جماعت قائم کرنے میں کامیاب ہوا، جعفری خاندان مکمل طور سے متبع سنت بن گیا اور شیخ عبدالحق کی ہجرت کے بعد سلفیت کی اشاعت کا علم اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ۱۸۸۲ء میں مولانا محمد سعید صاحب محدث بنارسی کی بنارس تشریف آوری نے اہل حدیثیت سے مکمل طور سے بنارس کے عوام کو روشناس کرایا، مناظروں کا بازار گرم ہوا، ہندوستان بھر کے اہل حدیث علماء کی بنارس میں آمد شروع ہوگئی، بنارس کے شمال سے جنوب تک ہر محلہ اہل حدیثوں سے پر رونق

ہوگیا، بنارس میں سلفیت کے فروغ کا سہرا مولانا محمد سعید صاحب محدث بنارسی (م ۱۹۰۴ء)، مولانا محمد ابوالقاسم سیف بنارسی (م ۱۹۴۹ء) اور مولانا محمد منیر خاں بنارسی (م ۱۹۴۵ء) کے سر ہے، جن کی پرخلوص جدوجہد اور اشاعت حدیث کی بدولت آج بنارس اہل حدیث کے چند اہم مراکز میں شمار کیا جاتا ہے۔

الحمدللہ بنارس میں اہل حدیث علماء اور مصنفین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے، علمائے اسلاف کے حالات اور ان کے کارناموں پر دبیز پردے پڑتے جارہے تھے، مگر ان کے تذکروں کو مرتب کرنے کا خیال کسی کے دل میں نہیں آیا، بنارس کے علمائے اہل حدیث کے تذکروں کا ایک اہم ماخذ مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی کی کتاب تراجم علمائے حدیث ہے۔ اللہ رب العالمین مولانا سیف بنارسی کو جنت الفردوس میں جگہ دے جنہوں نے بہت سے بنارسی علما کے حالات مولانا نوشہروی کو فراہم کرایا، اس کتاب کی تالیف کو بھی نصف صدی سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے، دوسری کتاب مولانا وسیم احمد قاسمی کی تذکرہ علمائے بنارس ہے، آپ کی رسائی جہاں تک ہوسکی ہے اہل حدیث علماء کے حالات کو بھی تحریر کیا، لیکن کوئی ایسی کتاب نہیں مرتب کی گئی تھی جس میں تفصیل سے ہمارے بنارسی علماء اہل حدیث کے حالات اور کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہو۔

رفیق محترم مولانا محمد یونس صاحب فاضل مدینہ یونیورسٹی، نائب شیخ الجامعہ السّلفیہ نے اس اہم کام کو کرنے کا بیڑہ ۱۹۹۴ء میں اٹھایا۔ خود نوشتے، بیاض، روایات، خطوط، اخبارات، ومجلّات کو انہوں نے کھنگالا اور ایک ایک کر کے علماء اہل حدیث بنارس کے حالات کو قلم بند کرتے گئے، جو قسط وار ماہنامہ محدث جامعہ سلفیہ وارانسی کی زینت بن چکے ہیں۔ اب علمائے اہل حدیث بنارس کے تمام حالات کو مولانا محترم کتابی شکل میں آپ کے سامنے لارہے ہیں۔ (الحمدللہ یہ کتاب تراجم علمائے اہل حدیث بنارس کے نام سے چھپ چکی ہے۔) یہ کتاب بنارس کی تاریخ ہے۔ اہم علمی دستاویز ہے اور شخصیات پر کام کرنے والوں کے لئے ایک گراں مایہ ہدیہ ہے۔ تذکرہ وتاریخ سے فطری لگاؤ ہونے کی وجہ سے میں نے مولانا کی تمام تحریروں کو بالاستیعاب پڑھا ہے۔ اللہ رب العالمین مولانا کی اس خدمت کو ذخیرۂ آخرت بنائے اور ان کے تحریری ذوق کو زندہ رکھے۔ قارئین سے امید ہے کہ مرتب کتاب کے ساتھ راقم السطور کو بھی دعاؤں میں شامل رکھیں گے۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین۔

(ماخوذ از مقدمہ تراجم علمائے اہل حدیث بنارس/محمد یونس مدنی ص ۲۵ تا ۳۰)

□□□

جامعہ سلفیہ بنارس اور اشاعت سنت نبویہ

مولانا عبدالوہاب حجازی

سرزمین ہندوستان پر جس روز اسلام کا آفتاب طلوع ہوا اسی روز سنت نبویہ کی شعائیں بھی یہاں ضیاء پاش ہوئی ہیں، سندھ، کی سرزمین چار صدیوں تک صرف "ما أنا علیه وأصحابي" کے صراط مستقیم پر گامزن رہی ہے، وقت جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا، برصغیر میں اشاعت سنت کے بڑے بڑے مراکز قائم ہوتے گئے، سندھ کے علاوہ، گجرات، دکن، امرتسر، وزیر آباد، بھوپال، عظیم آباد، آرہ اور بنارس علوم حدیث اور اشاعت سنت کے تاریخی عظمت کے حامل مقامات ہیں۔

بنارس میں اشاعت سنت کے چار روشن ادوار ہیں:

۱۔ امام عبدالحق محدث بنارسی ۱۲۰۶ھ، ۱۲۸۶ھ/۱۷۹۱ء، ۱۸۷۹ء تلمیذ شاہ عبدالقادر دہلوی متوفی ۱۲۳۰ھ وتلمیذ قاضی محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، محدث بنارسی تحریک شہیدین سے بھی وابستہ تھے، موصوف کے تلامذہ سید جلال الدین بنارسی متوفی ۱۲۷۹ھ اور ان کے تین صاحب زادے سید سعید الدین احمد جعفری متوفی ۱۲۹۳ھ، سید حمید الدین احمد جعفری متوفی ۱۳۰۸ھ، سید شہید الدین احمد جعفری متوفی ۱۳۳۷ھ ہیں، یہ حضرات اس دور کے اشاعت سنت اور منہج سلف صالحین کے علم بردار اور اساطین ہیں۔

۲۔ امام سید نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ، یعنی امام محمد سعید محدث بنارسی ۱۲۷۰ھ، ۱۳۲۲ھ/ ۱۸۵۳ء، ۱۹۰۴ء، سید نذیر الدین احمد جعفری متوفی ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۴ء، مولانا حیات محمد متوفی ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء، مولانا عبدالمجید عبدالقادر متوفی ۱۳۵۶ھ مولانا محمد منیر خاں ۱۲۹۰ھ، ۱۳۶۴ھ/ ۱۸۷۳ء، ۱۹۴۵ء، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی ۱۳۰۷ھ، ۱۳۶۹ھ/ ۱۸۹۰ء، ۱۹۶۴ء، ان ائمہ سنت کی اشاعت سنت کی مساعی آنے والے دور کے لئے مضبوط اساس کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۳۔ شیخ الکل کے تلامذہ کے تلامذہ: قاری احمد سعید بنارسی متوفی ۱۹۶۴ء، مولانا عبدالمتین بنارسی ۱۸۹۸ء۔ ۱۹۶۴ء، مولانا نذیر احمد رحمانی متوفی ۱۳۸۵ھ، مولانا عبدالمجید الحریری ۱۸۹۴ء۔ ۱۹۷۲ء مولانا عبدالوحید سلفی ۱۹۲۴ء۔ ۱۹۸۹ء وغیرہم، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند و داعیان جماعت ہند کی سرپرستی میں انہیں شخصیات نے جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس کی تاسیس کی، ان میں مولانا عبدالوحید سلفی تاحیات جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ کے فرائض بحسن تدبیر انجام دیتے رہے، جس سے اشاعت سنت نبویہ بنارس میں نئے دور میں داخل ہوئی اور جس کے اثرات ملک اور بیرون ملک میں نہایت نمایاں ہیں۔

جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس کا سنگ بنیاد ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء میں نہایت تزک واحتشام کے ساتھ رکھا گیا، اس وقت کے قائد جماعت علامہ عبدالوہاب آروی کی درخواست کے جواب میں جلالۃ الملک سعود بن عبدالعزیزؒ نے ہندوستان میں

سعودی سفیر عزت مآب عبداللہ بن یوسف الفوزان کو حکم فرمایا کہ: الشیخ عبدالوھاب الآروی یدعوك فاجبه، اس طرح پورے ملک کے علماء وداعیان جماعت کے ہزاروں کے مجمع میں، "اللہ اکبر" "ربنا تقبل منا" کی صداؤں کے ساتھ سفیر محترم نے سنگ بنیاد رکھا، اس تاسیس کی تقریب کے موقع پر سفیر محترم نے جلالۃ الملک کے تاثرات اور پیغام پیش فرمائے اور خود اپنا پیغام بھی مؤسسین اور جماعت کو نہایت برادرانہ جذبات کے ساتھ پیش کیا، محترم سفیر نے فرمایا کہ: جلالۃ الملک اس جامعہ کی تاسیس پر دلی مبارکباد دیتے ہیں، بہت خوش ہیں کہ یہاں ایک جامعہ کھل رہا ہے جو ایک چراغ ہوگا توحید کا، اس کی روشنی فقط اس شہر ہی میں نہیں بلکہ اس ملک اور اس کے پڑوس کے ملکوں میں پھیلے گی، میرا دل اور دعائیں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے کہ سلف صالحین کی سنت کو ہمیشہ قائم اور توحید کا علم بلند رکھیں۔

اس کے بعد سفیر محترم نے ایک خاص بات یہ فرمائی کہ میں یہاں سے جانے کے بعد آپ کے تقدم اور ترقی کی طرف ہمیشہ دیکھتا رہوں گا، میں تو سنگ بنیاد کے موقع پر آیا ہوں، لیکن امید کرتا ہوں کہ دوبارہ جب میں آؤں گا تو اس جگہ اساتذہ، طلباء، لائبریریاں اور کئی چیزیں ہوں گی، اور یہ جگہ بالکل تنگ ہوجائے گی، آس پاس کے لوگ کہیں گے کہ صاحب ذرا آگے بڑھئے، یہ بھی آپ کے لئے ہے، وہ بھی آپ کے لئے ہے۔ (ترجمان دہلی تاسیس نمبر)

علامہ عبدالمجید الحریری نے اس موقع کی مناسبت سے کہا: میں سب سے زیادہ معاملہ کے جس پہلو پر دوں گا، وہ یہ ہے کہ آپ صورت کی تزیین وآرائش سے کہیں زیادہ روح ومعنی کی زندگی اور بقا کو دیں، اور مولانا عبدالمتین بنارسی نے تاسیسی خطاب میں فرمایا: جس کے چند حصوں کا اختصار انہیں کے الفاظ میں یہ ہیں: آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نے تجویز پاس کی کہ ملک میں ایک مرکزی تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے، یہ منصوبہ تھا کوئی ایسی درسگاہ ہو جہاں قرآن وحدیث کی اعلیٰ ترین تعلیم کے ساتھ زبان عربی اور ادب عربی کی بھی اعلیٰ ترین تعلیم ہو، جہاں تصنیف وتالیف کا بھی ایک شعبہ ہو، جہاں سے حدیثوں کی کتابوں کی نشر واشاعت اور اس کی طبع کا بھی انتظام ہو، اور جس سے ملک کے مختلف مدارس اور مکاتب ایک رشتے میں جڑے ہوئے ہوں، ایک نقطۂ اجتماع ہو جہاں ملک کے دوسرے مدارس کے مہتممین جمع ہوکر، تعلیم، نصاب تعلیم اور تعلیم کے نصب العین سے متعلق مشورہ کریں، اور ایک نصاب عمل بنائیں، جس کے ماتحت تمام مدارس میں تعلیم کی یکسانیت پیدا ہو، ہم نے شہر بنارس کی اس زمین کو موزوں ترین تصور کیا، اور اہل حدیث کانفرنس کو لکھا کہ زمین حاضر ہے، اگر آپ مرکزی دارالعلوم بنوانا چاہیں تو قدم اٹھایئے، انتظار کے بعد جب کوئی عملی قدم اٹھتا نظر نہیں آیا، تو ہمارے نوجوانوں نے کہا کہ: کانفرنس ہمیں اجازت دے ہم خود جدوجہد کریں، اہل حدیث کانفرنس ہمیں اپنے نام کی سرپرستی عطا کرے تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ ادارہ اہل حدیث کانفرنس کی اسی تجویز کی تعمیل میں قائم ہو رہا ہے۔۔۔۔ ہمارے اس دارالعلوم میں جو تعلیم ہوگی اس کا اصول یہی ہوگا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول کی تعلیم مقدم ہوگی۔ (ترجمان دہلی تاسیس نمبر)

جامعہ سلفیہ کا تعلیمی افتتاح ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء کو ہوا، جلالۃ الملک فیصل کے حکم سے سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی نیابت کرتے ہوئے فضیلۃ الشیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد پروفیسر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ نے تعلیم کا افتتاح فرمایا، سماحۃ

الشیخ علامہ ابن باز وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی نے یہ مسرت انگیز خبر بھی دی کہ جلالۃ الملک نے جامعہ سلفیہ کے لئے دو استاد دینا بھی منظور کیا ہے، فضیلۃ الشیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد نے طلباء کو صحیح بخاری کی پہلی حدیث "انما الأعمال بالنیات" الخ کا بہترین علمی، دینی وتربیتی درس دے کر جامعہ سلفیہ کا تعلیمی افتتاح فرمایا۔ (ترجمان دہلی افتتاح نمبر)

جامعہ سلفیہ کی انتظامیہ نے علوم حدیث کی تدریس اور اشاعت سنت کے اپنے تاسیسی مقصد کے حصول کے لئے اس کے اعمال کو مختلف شعبہ جات میں تقسیم کر کے مسلسل جدوجہد کی ہے، تدریس کے اصل شعبہ کے علاوہ ''ادارۃ البحوث الاسلامیہ والدعوۃ والافتاء'' کا مہتم بالشان ادارہ قائم کر کے اس کے ذیل میں شعبۂ تحقیق، ترجمہ وتصنیف وتالیف، اور شعبۂ دعوت وتبلیغ اور شعبۂ افتاء جیسے اہم شعبہ جات الگ الگ قائم کئے، صحافت کا شعبہ بھی مستقل طور پر قائم ہے، ان تمام شعبہ جات کے لئے موزوں اور باصلاحیت افراد کی تعیین ہمیشہ کی جاتی رہی ہے، اور یہ کوشش رہی ہے کہ تصنیف وترجمہ وتالیف وتحقیق، دعوت وتبلیغ اور افتاء کے اعمال کی عالمانہ وسلفیانہ شان اور ثقاہت قائم رہے اور سارے اعمال نہایت تیز رفتاری سے رواں دواں ہوں۔

ا۔ شعبۂ تدریس

یہ شعبہ جامعہ سلفیہ کے قیام کی اصل ہے، تدریس حدیث واشاعت سنت کے اساسی مقصد کے حصول کے لئے رئیس الجامعۃ شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری کی نگرانی میں وقت کے ماہرین علوم وفنون علماء کے مشورہ سے جامع نصاب تعلیم مدون کیا گیا جس میں بلوغ المرام اور مشکوۃ المصابیح سے لے کر صحاح ستہ مع موطا امام مالک مختلف مراحل تعلیم میں آغاز سے لے کر آج تک شامل نصاب رکھی گئی ہیں اور مقصد اصلی کے طور پر ان کی تدریس کے لئے باذوق اساتذہ کرام کو مامور کیا گیا ہے، چونکہ جامعہ سلفیہ میں عموماً منتخب طلباء کو داخل کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس لئے علوم الحدیث کا ذوق وشوق ان کے یہاں سب سے زیادہ نمایاں بلکہ فائق ہوتا ہے، نصاب تعلیم میں اصلاحات کی بنیاد پر اب عالم عرب کے طرز پر علوم الحدیث کی مفصل کتابیں اور تخریج حدیث کے جدید مادے بھی تدریس حدیث کے نصاب میں شامل کئے گئے ہیں جو طلبا کے لئے بڑے مفید ثابت ہو رہے ہیں، حدیث کی کتابیں رواجی طریقہ تدریس کے مطابق پوری ختم کرائی جاتی ہے جس سے زیادہ محنتی طلباء بھرپور نفع اٹھاتے ہیں، اور مرور کا طریقہ تدریس ان کے لئے موسم بہار کی بارش کی طرح پھل دے جاتا ہے، سعودیہ عربیہ کے جامعات کی طرح تدریس حدیث کا انتہائی نفع بخش طریقہ ابھی تک جاری نہیں کیا جاسکا ہے، منتظمین جامعہ نے کوشش کی تھی کہ امام العصر فی الحدیث وعلومہ امام ناصر الدین البانی کو حدیث اور اس کے علوم کو سعودیہ عربیہ کے جدید طریقۂ تدریس کے مطابق تعلیم وتدریس کے لئے جامعہ سلفیہ بنارس میں لایا جائے لیکن مختلف اسباب واعذار کی بنا پر اس میں کامیابی نہیں ہوسکی، شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی اور علامہ نذیر احمد رحمانی شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ بنارس سے بھی گذارش کی گئی تھی لیکن ان حضرات کے بھی اپنے اعذار تھے جو اس سے مانع رہے، لیکن الحمدللہ سعودیہ عربیہ کے مفتی اعظم علامہ ابن باز کے خصوصی لگاؤ اور جدوجہد سے جلالۃ الملک کے حکم سے آدھے درجن سے زائد فاضل عرب اساتذہ وقتاً فوقتاً جامعہ سلفیہ میں تدریس کے لئے تشریف لاتے رہے ہیں جن میں فضیلۃ الشیخ صالح

العراقی، فضیلۃ الدکتور ربیع ہادی المدخلی، فضیلۃ الشیخ مقبل بن ہادی الیمانی، فضیلۃ الشیخ عبداللہ غنیمان، فضیلۃ الشیخ علی مشرف اور فضیلۃ الشیخ عبداللہ المحسن شامل ہیں، ان کے علاوہ ملک کے علم حدیث میں فائق اور ممتاز اساتذہ کو جامعہ میں درس حدیث کے لئے مقرر کرنے کا رجحان منتظمین جامعہ کے یہاں غالب تھا، ذیل میں خاصۃ صحیحین کا درس آغاز سے اب تک جن فائق اساتذہ نے دیا ہے ان کے اسمائے گرامی کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ حضرت مولانا احمد اللہ رحمانی، مرشد آباد بنگال

۲۔ حضرت مولانا شمس الحق سلفی ۱۳۳۳ھ، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۱۵ء، ۱۹۸۶ء، تلمیذ مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی تلمیذ سید نذیر حسین محدث دہلوی۔

۳۔ حضرت مولانا عظیم اللہ مئوی ۱۳۳۱ھ، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء، تلمیذ مولانا احمد مئوی، تلمیذ سید نذیر حسین محدث دہلوی۔

۴۔ شیخ صالح العراقی (عرب استاد)

۵۔ شیخ عبداللہ غنیمان (عرب استاد)

۶۔ مولانا عابد حسن رحمانی (۱۹۲۴ء۔۲۰۰۹ء) تلمیذ مولانا نذیر احمد املوی

۷۔ مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی (۱۹۱۶ء۔۱۹۷۸ء) تلمیذ شیخ عبید اللہ رحمانی

۸۔ مولانا صفی الرحمن مبارک پوری ۱۹۴۲ء۔۲۰۰۶ء صاحب الرحیق المختوم، تلمیذ مولانا شمس الحق سلفی۔

۹۔ مولانا محمد رئیس ندوی ۱۹۳۸ء۔۲۰۰۹ء، صاحب اللمحات، تلمیذ مولانا ابوالحسن ندوی۔

۱۰۔ مولانا انیس الرحمن اعظمی مدنی ولادت ۱۹۴۱ء۔

۱۱۔ مولانا عبدالسلام مدنی، ولادت ۱۹۴۴ء، تلمیذ مولانا نذیر احمد رحمانی۔

۱۲۔ مولانا عبدالوہاب حجازی ولادت ۱۹۴۶ء، تلمیذ مولانا شمس الحق سلفی، مولانا عظیم اللہ مئوی، شیخ صالح العراقی۔

۱۳۔ مولانا عزیز الرحمن سلفی ولادت ۱۹۴۹ء، تلمیذ مولانا شمس الحق سلفی، مولانا عظیم اللہ مئوی، شیخ صالح العراقی۔

۱۴۔ ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری (۱۹۵۳ء۔۲۰۰۳) تلمیذ مولانا شمس الحق سلفی۔

۱۵۔ مولانا محمد حنیف فیضی مدنی ۱۳۵۸ھ۔۱۴۳۳ھ/ ۱۹۵۱ء۔۲۰۱۲ء، تلمیذ مولانا مفتی حبیب الرحمن مئوی۔

۱۶۔ مولانا علی حسین سلفی، ولادت ۱۹۵۵ء، تلمیذ مولانا صفی الرحمن مبارکپوری۔

۱۷۔ مولانا عبید اللہ طیب مکی ولادت ۱۹۵۳، تلمیذ مولانا شمس الحق سلفی۔

۱۸۔ مولانا نعیم الدین مدنی ولادت ۱۹۵۴ء، تلمیذ مولانا شمس الحق سلفی۔

جامعہ سلفیہ میں حدیث وعلوم حدیث کا فیض حاصل کرنے والے طلباء کی تعداد ہزاروں میں ہے، اور ان میں سے تقریباً ڈیڑھ سو اعلیٰ تعلیم کے لئے سعودیہ عربیہ کے جامعات میں داخل ہوئے جن میں سے درجنوں نے ایم، اے اور ڈاکٹریٹ تک کی ڈگریاں حاصل کیں اور ان میں سے زیادہ تر کے اختصاصی موضوعات حدیث، علوم حدیث اور عقیدہ وفقہ ہیں، کئی ایک سعودی

جامعات اور دیگر بلاد عرب میں پروفیسر مقرر ہوئے، بہت سوں نے بحث وتحقیق اور دعوت وتبلیغ کا میدان عمل اختیار کیا، جامعہ سلفیہ کے فارغین اور فضلاء ملک کے اندر بھی ممتاز مانے جاتے ہیں۔ امامت، خطابت، بحث وتحقیق، تدریس ہر شعبہ میں ان کا ایک مقام ہے، اور معاشرہ میں ان کو عزت ووقار کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

۲۔ شعبۂ تحقیق وتصنیف وتالیف

بحث وتحقیق اور صحافت کے شعبہ جامعہ سلفیہ میں عرصہ سے قائم ہے، اس شعبہ کو فعال بنانے کے لئے سلفیہ پریس لیتھو وبرقی کا انتظام کیا گیا، اس شعبہ کی طرف سے اب تک تین سو سے زیادہ مطبوعات شائع ہو کر مقبول عام ہو چکی ہیں، جو اردو، عربی، انگریزی اور ہندی متعدد زبانوں میں ہیں، یہ مطبوعات عقیدہ، تفسیر وعلوم تفسیر، حدیث وشروح حدیث اور علوم حدیث، سنت وسلفیت کے دفاع، سیرت نبوی، ہندوستان میں سلفی فکر کی تاریخ، اسلامی تربیت وثقافت، فرق ومذاہب، ادب عربی، قواعد وبلاغت عربی، اردو ادب، عروض اور منطق وفلسفہ جیسے موضوعات پر مشتمل ہیں، اس شعبہ کے روح رواں ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری تھے جو خود بڑے صاحب قلم وادیب، جامعہ سلفیہ کے ماہر استاد وکیل الجامعہ اور پھر رئیس الجامعہ تھے۔ یہ شعبہ تدریس کی طرح اصلاً اشاعت سنت ہی کیلئے قائم ہوا ہے اس لئے حدیث وتفسیر کے ساتھ دیگر معاون علوم وفنون کی کتابیں بھی سلفیہ پریس اور ادارۃ البحوث سے شائع ہوئیں، ہم یہاں حدیث وشروح حدیث اور علوم حدیث کے موضوع پر طبع شدہ کتابوں کا نہایت اجمالی تذکرہ کر رہے ہیں، جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جامعہ سلفیہ نے تصنیف وتالیف کے ذریعہ بھی اپنے مقصد اصلی اشاعت سنت کو زندہ رکھا اور پروان چڑھایا ہے۔

۱۔ مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح للشیخ العلامۃ عبید اللہ الرحمانی المبارکفوری، یہ شرح ۹ رجلدوں میں طبع ہوئی ہے، اور مشکوۃ کی بے نظیر شرح ہے۔

۲۔ کتاب الاباطیل والمناکیر والصحاح المشاہیر للجوزقانی: تحقیق ڈاکٹر عبدالرحمن فریوائی، دو جلدوں میں۔

۳۔ بین الامامین مسلم والدارقطنی: تصنیف ڈاکٹر ربیع ہادی مدخلی۔

۴۔ اتحاف الکرام بشرح بلوغ المرام: تالیف علامہ صفی الرحمن مبارکپوری۔

۵۔ انعام المنعم الباری بشرح ثلاثیات البخاری: تالیف مولانا عبدا لصبور بن عبدالتواب ملتانی

۶۔ زھد الثمانیۃ من التابعین روایۃ ابن أبی حاتم الرازی: تحقیق ڈاکٹر عبدالرحمن فریوائی۔

۷۔ التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی: تالیف العلامہ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی۔

۸۔ جائزۃ الأحوذی فی التعلیقات علی سنن الترمذی: تالیف الشیخ ثناء اللہ خان المدنی، بتصحیح الشیخ عبدالوہاب الحجازی والشیخ علی حسین السّلفی۔

ان کے علاوہ علوم حدیث، دفاع سنت وسلفیت، سیرت نبوی، فقہ الحدیث وفتاویٰ اور سیر وتراجم پر متعدد زبانوں میں سو سے

زیادہ کتابیں طبع ہوکر اہل علم کے یہاں مقبول ہوچکی ہیں، خدمت سنت واشاعت حدیث کے موضوع پر یہ جامعہ سلفیہ کی مطبوعات ہیں۔ان کے علاوہ جامعہ سلفیہ کے جن فضلاء کو بلاد عرب کے تعلیمی وتحقیقی مراکز علمیہ میں تصنیف وتحقیق کے مواقع حاصل ہوئے، ان کی تصنیفات وتحقیقات سیکڑوں میں ہیں، اوراپنے معیاری علمی اعمال کی وجہ سے عالم اسلام میں معروف ومقبول ہیں، ساری کتابوں کا تذکرہ اس مختصر مقالے میں امر دشوار ہے، البتہ چند کا ذکر بطور مثال کیا جاتا ہے۔

۱۔ الضعفاء والمتروکون ومروياتهم فی سنن النسائی: تالیف وتحقیق ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس فاضل جامعہ سلفیہ، پروفیسر ام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ۔

۲۔ الأحاديث الواردة فی المهدی: تالیف وتحقیق ڈاکٹر عبدالعلیم بستوی کارکن رابطہ عالم اسلامی مکہ۔

۳۔ مجمع البحرين فی زوائد المعجمين للهيثمی: تحقیق فضیلۃ الشیخ عبدالقدوس محمد نذیر باحث عدالت علیاء ریاض۔

۴۔ مسند البزار: تحقیق ڈاکٹر محفوظ الرحمن بن زین اللہ سلفی داعی متحدہ عرب امارات۔

۵۔ مسائل الامام احمد براوية ابنه صالح: تحقیق ڈاکٹر فضل الرحمن دین محمد شیخ الجامعہ جامعہ محمدیہ مالیگاؤں۔

۶۔ بعض أجزاء مشكل الآثار للطحاوی: تحقیق ڈاکٹر جاوید اعظم عبدالعظیم بنارسی سابق رئیس جامعہ سلفیہ، بنارس۔

۷۔ شيخ الاسلام ابن تيمية وافاداته فی علوم الحديث: تالیف ڈاکٹر عبدالرحمن فریوائی، پروفیسر جامعۃ الامام محمد، ریاض، موصوف علوم حدیث کی درجنوں کتابوں کے محقق ومولف ہیں۔

۸۔ كتاب الفتن لأبی عمرو الدانی المقری: تحقیق ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری سابق شیخ الجامعہ، جامعہ سلفیہ، بنارس۔

۹۔ مرويات ام سلمة من مسند الامام احمد: تحقیق شیخ عبیداللہ طیب بنارسی استاذ جامعہ سلفیہ بنارس۔

۱۰۔ اللآلی المنثورة فی الأحاديث المشهورة للزركشی: تحقیق ڈاکٹر عزیر شمس موصوف حدیث اور علوم حدیث کی درجنوں کتابوں کے محقق ہیں۔

۱۱۔ زوابع فی وجه السنة قديما وحديثاً: تالیف شیخ صلاح الدین مقبول، داعی کویت۔

۱۲۔ الارشاد الی علم الحديث للنووی: تحقیق ڈاکٹر عبدالباری فتح اللہ پروفیسر جامعۃ الامام محمد، ریاض۔

۱۳۔ البدر المنير لابن الملقن: تحقیق مشترک ڈاکٹر محمد اقبال محمد اسحاق بسکوہری رئیس قسم الحدیث جامعہ محمدیہ مالیگاؤں وبعض اصحابہ۔

۱۴۔ غاية المقصود فی شرح سنن ابی داؤد: تحقیق مشترک شیخ ابوالقاسم عبدالعظیم ودکتور محمد عزیر شمس۔

۱۵۔ مرويات سمرة بن جندب فی مسند الامام احمد: تحقیق ڈاکٹر عبدالعزیز بن عبیداللہ رحمانی مبارکپوری۔

۱۶۔ الذخيرة فی الاحاديث الضعيفه والموضوعة لابن طاهر المقدسی: تحقیق مشترک شیخ احمد مجتبیٰ نذیر عالم وڈاکٹر عبدالرحمن فریوائی (جهود مخلصة فی خدمة السنة المطهرة للفريوائی)

۳۔شعبۂ صحافت:

جامعہ سلفیہ کی صحافتی خدمات اوران کے ذریعہ اشاعت سنت وترویج منہج سلف بھی کافی اہمیت کی حامل ہیں، جامعہ نے اردواور عربی دوزبانوں میں اپنے مجلات مسلسل تقریباً آغاز ہی سے شائع کئے ہیں، شروع میں اردوسہ ماہی مجلہ صوت الجامعہ کے نام سے شائع ہوا تھا، جس کے مدیر مولانا محمد ادریس آزادرحمانی تھے، یہ ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۶ء شائع ہوکر علمی حلقوں میں مقبول ہوا تھا، پھر ۱۹۸۲ء تا ۱۹۸۸ء ماہنامہ محدث کے نام سے شائع ہونا شروع ہوا جس کے مدیر مولانا صفی الرحمن مبارکپوری تھے، موصوف کے مدینہ منورہ بغرض ملازمت چلے جانے کے بعد سے تاحال اس کے مدیر مولانا عبدالوہاب حجازی ہیں، اس مجلہ نے ہندوستان میں اشاعت سنت اور سلفی منہج کی خدمت میں شاندار کردار ادا کیا ہے، اس کے معروف اہل قلم مولانا محمد ادریس آزادرحمانی، مولانا ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، مولانا عبدالوہاب حجازی، مولانا رئیس ندوی، صوفی نذیر احمد کاشمیری، مولانا اصغر علی امام مہدی، ڈاکٹر عبدالرحمن فریوائی، مولانا اسعد اعظمی وغیرہم ہیں۔ مجلہ محدث کے چند مخصوص دستاویزی شمارے ہیں جو وقت کے اہم دعوتی، تعلیمی اور مسلم مسائل اور تراجم پر مشتمل ہیں، ان میں بعض کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔	شاہ فیصل نمبر صوت الجامعہ	۱۹۷۵ء			
۲۔	موتمر الدعوۃ والتعلیم نمبر	۱۹۸۱ء	مرتبہ مولانا عبدالوہاب حجازی		
۳۔	موسم ثقافی نمبر	۱۹۸۱ء	//	//	//
۴۔	خلیجی بحران نمبر محدث	۱۹۹۱ء	//	//	//
۵۔	مولانا عبدالوحید سلفی نمبر محدث	۱۹۹۱ء	//	//	//
۶۔	بابری مسجد نمبر	۱۹۹۳ء	//	//	//
۷۔	صحافت کانفرنس نمبر	۱۹۹۳ء	//	//	//
۸۔	شیخ الحدیث نمبر	۱۹۹۷ء	//	//	//
۹۔	دکتور رضاء اللہ نمبر	۲۰۰۳ء	//	//	//
۱۰	شیخ محمد بن عبدالوہاب نمبر	۲۰۱۰ء	//	//	//

عربی مجلہ نومبر ۱۹۶۹ء میں صوت الجامعہ کے نام سے شروع ہوا، ۱۹۷۶ء میں مجلۃ الجامعۃ السلفیہ نام پڑا، ۱۹۸۶ء میں نشرۃ الجامعۃ السلفیۃ کے نام سے شائع ہوا، اور ۱۹۸۸ء سے تاحال صوت الامۃ کے نام سے شائع ہورہا ہے، اس کے مدیر مسئول تقریباً آغاز سے ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری رہے ہیں، ان کے انتقال کے بعد سے یہ ذمہ داری مولانا حافظ اسعد اعظمی نبھارہے ہیں، اس مجلہ نے ہندوستان اور بلاد عرب میں سلفی پہچان بنائی ہے اور اشاعت کتاب وسنت میں اہم رول ادا کیا ہے، اس کے اہم اصحاب قلم یہ حضرات ہیں، سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز، ڈاکٹر محمد بن سعد الشویعر، فضیلۃ الدکتور مقتدی حسن ازہری، دکتور تقی الدین ہلالی، فضیلۃ الشیخ ربیع بن ہادی المدخلی، معالی

الدکتور صالح بن عبداللہ حمید، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن العباد، معالی الدکتور صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ، فضیلۃ الدکتور عبدالعلیم عبدالعظیم البستوی اور فضیلۃ الدکتور عزیر شمس وغیرہم۔

اس کے چند خصوصی شمارے درج ذیل ہیں:

۱۔ موتمر رسالة المسجد المنعقد بمكة المكرمة	نومبر ۱۹۷۵ء
۲۔ الموتمر العالمی لتوجیه الدعوة واعداد الدعاة. المنعقد بالجامعة الاسلامیة بالمدینة المنورة	اپریل ۱۹۷۷ء
۳۔ موتمر الدعوة والتعلیم المنعقد بالجامعة السلفیه، بنارس	فروری، مئی ۱۹۸۰ء
۴۔ الموسم الثقافی فی الجامعة السلفیه، بنارس	فروری، مارچ ۱۹۸۱ء
۵۔ حفل توزیع الشهادات بالجامعة السفلیه ، بنارس تحت رئاسة الدکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی	جولائی ۱۹۸۶ء
۶۔ الندوة العلمیة حول حیاة شیخ الاسلام ابن تیمیة واعماله الخالدة بالجامعة السلفیة، بنارس	اکتوبر، دسمبر ۱۹۸۷ء
۷۔ قدسیة الحرمین الشریفین وموقف السنة والشیعة منها	جنوری، فروری ۱۹۸۸ء
۸۔ الموتمر العالمی عن السیرة النبویة العطرة المنعقد بالجامعة السلفیة، بنارس	جنوری، فروری ۱۹۹۲ء
۹۔ الملتقی الاول للدعاة بالهند	نومبر، دسمبر ۱۹۹۸ء
۱۰۔ موتمر المملکة العربیة السعودیة فی مائة عام	اپریل، مئی ۱۹۹۹ء
۱۱۔ فقید الامة وامام العصر الشیخ ابن باز رحمه اللہ	جون، جولائی ۱۹۹۹ء
۱۲۔ الندوة العالمیة عن جهود خادم الحرمین الشریفین الملك فهد بن عبدالعزیز آل سعود فی خدمتة الاسلام والمسلمین۔	مئی ۲۰۰۲ء
۱۳۔ الموتمر الاسلامی العالمی الرابع: الامة الاسلامیة والعولمة، عقدته رابطة العالم الاسلامی بمكة المكرمة	جون ۲۰۰۲ء
۱۴۔ موتمر اهل الحدیث العالمی فی باکورجارخند	جون، جولائی ۲۰۰۴ء

۴۔ شعبۂ افتاء:

جامعہ سلفیہ کے تعلیمی افتتاح کے ساتھ ہی شعبۂ افتاء کا قیام عمل میں آیا ہے، اور ہمیشہ مفتی جامعہ کے فتاوے اکناف واطراف

ہندوستان میں حسب استفتاء پہونچتے رہے ہیں، یہ سوالات اعتقادات، عبادات جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوۃ، معاملات، نکاح، طلاق، رضاعت، وراثت بیع وشراء وغیرہ مختلف امور سے متعلق ہوا کرتے ہیں، سوالات کے جوابات بروقت دینے کی سعی کی جاتی ہے اور جوابات کتاب وسنت آثار واقوال سلف وائمہ صالحین کے مطابق دینے کی پابندی کی جاتی ہے، سالانہ اس طرح کے سوالات سیکڑوں کی تعداد میں موصول ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جامعہ کے فتاویٰ کی نقول ہزاروں صفحات پر مشتمل چالیس رجسٹروں میں درج ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی طباعت کی راہ آسان فرمائے۔

آغاز سے جن علماء کرام نے فتاوی کے اعمال انجام دیئے ہیں ان میں سے کچھ اہم شخصیات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی
۲۔ حضرت مولانا شمس الحق سلفی
۳۔ حضرت مولانا ابوالوفاء محمد عظیم اللہ مئوی
۴۔ مولانا محمد رئیس ندوی
۵۔ مولانا صفی الرحمن مبارکپوری
۶۔ مولانا محمد حنیف مدنی
۷۔ مولانا احمد مجتبیٰ سلفی
۸۔ مولانا نعیم الدین مدنی
۹۔ مولانا علی حسین سلفی
۱۰۔ مولوی نورالہدی سلفی

۵۔ شعبۂ دعوت وتبلیغ:

ادارۃ البحوث الاسلامیہ کا یہ ذیلی شعبہ آغاز ہی سے نہایت مستعد رہا ہے، اور دعوت کے فریضہ کا شرعی تقاضا بھی یہی ہے کہ اس میں سستی اور غفلت روا نہ رکھی جائے، جہاں تک شہر اور آس پاس کی مساجد میں خطبات جمعہ کی بات ہے تو منتخب اساتذہ کرام ہمیشہ اس فریضہ کو ادا کرتے رہے ہیں، الحمدللہ علماء سابقین کی طرح بروقت شہری علماء کی بھی ایک مستعد ومنتخب جماعت اس کے لئے تیار رہتی ہے، متعدد سلفی مقامی تنظیموں کی طرف سے اجلاس اور مساجد میں دروس کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں جامعہ کے اساتذہ کی شرکت ہوتی ہے، یہ خطبات اور تقاریر خالص سلفی منہج کے مطابق کتاب وسنت اور آثار سلف کی روشنی میں ہوا کرتی ہیں، مقامی اجلاسوں کے علاوہ ملک کے گوشے گوشے سے بڑی بڑی کانفرنسوں، اجتماعات اوعلمی سیمیناروں میں جامعہ کی خصوصی نمائندگی کے لئے عموما دعوت نامے موصول ہوتے ہیں، جن میں شرکت کے لئے منتخب اساتذہ کرام کو جامعہ کے صرفہ پر بھیجا جاتا رہا ہے، اندرون ملک کی ان کانفرنسوں

اور سیمیناروں میں دعوت وتبلیغ یا مقالات کی خواندگی کے لئے جن اساتذہ کرام کی خدمات وسیع ہیں اور انہیں شہرت وپذیرائی حاصل رہی ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا شمس الحق سلفی

۲۔ مولانا صفی الرحمن مبارکپوری

۳۔ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری

۴۔ مولانا عبدالوہاب حجازی

۵۔ مولانا عبدالسلام مدنی، ملک کے باہر کے کانفرنسوں میں عموماً ڈاکٹر ازہری صاحب اور کبھی مولانا صفی الرحمن صاحب نے شرکت کی ہے۔

جامعہ سلفیہ کے تبلیغی نشاطات ومساعی میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہاں کہ منتظمین نے اجلاس تاسیس اور اجلاس افتتاح تعلیم کے تاریخ ساز اجتماعات کے بعد مختلف مواقع اور تقریب سے متعدد عالمی اور ملکی پیمانہ کی موتمرات اور سیمینار منعقد کئے جو اپنے اثرات اور فوائد کے اعتبار سے نہایت کامیاب ثابت ہوئے، جن سے جامعہ سلفیہ کو کافی قوت حاصل ہوئی اور مسلک اور کتاب وسنت کی اشاعت میں بڑی مدد ملی، ذیل میں کچھ موتمرات، اجتماعات اور سیمیناروں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱۔ تقسیم اسناد کا پہلا اجلاس، شعبان ۱۳۸۹ھ/اکتوبر، نومبر ۱۹۶۹ء۔

۲۔ موتمر الدعوۃ والتعلیم العالی، ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ/فروری ۱۹۸۰ء۔

۳۔ موسم ثقافی اول، ۲۰ تا ۲۹ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ/ ۲۶ فروری تا ۷ مارچ ۱۹۸۱ء۔

۴۔ کانفرنس بعنوان: اسلامی علوم وفنون میں ہندستانی مسلمانوں کا کردار، رجب ۱۴۰۶ھ/اپریل ۱۹۸۶ء۔

۵۔ اجلاس تقسیم اسناد، رجب ۱۴۰۶ھ/اپریل ۱۹۸۶ء۔

۶۔ الندوۃ العالمیۃ عن حیاۃ شیخ الاسلام ابن تیمیۃ واعمالہ الخالدۃ، ۲۹ ربیع الاول، ۱، ۲ ربیع الآخر ۱۴۰۸ھ/ ۲۲، ۲۴ نومبر ۱۹۸۷ء

۷۔ موتمر السیرۃ النبویۃ العطرۃ، ۱۸، ۱۹ ربیع الآخر ۱۴۱۲ھ/ ۲۷، ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۱ء۔

۸۔ اسلامی صحافت کانفرنس ۶، ۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ/ ۲، ۳ نومبر ۱۹۹۲ء۔

۹۔ الندوۃ العالمیۃ عن حیاۃ العلامۃ النواب صدیق حسن خان واعمالہ الخالدۃ ۳۰ ربیع الاول، ۱/ ربیع الآخر ۱۴۲۷ھ/ ۲۹، ۳۰ اپریل ۲۰۰۶ء

۱۰۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب پر سیمینار، ۲۰۱۰ء۔

۱۱۔ موتمر السنۃ النبویۃ والسلام العالمی (سنت نبوی اور امن عالم) ۳، ۴ جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ/ ۱۶، ۱۷ مارچ ۲۰۱۳ء۔

دعوت وتبلیغ کے تعلق سے یہ بات بھی جامعہ سلفیہ کے خصائص میں سے ہے کہ اس کے بعض منتظمین نیز اس کے متعدد باصلاحیت اساتذہ وفضلا ہندوستانی جماعت اہل حدیث کے سب سے بڑے دعوتی وتبلیغی ادارہ ''مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند'' کے اہم ترین

مناصب پر بھی فائز ہوئے، اوراس عظیم الشان جماعتی سلفی پلیٹ فارم سے دعوت کتاب وسنت کی خدمات وفرائض حسب امکان ادا کئے، ذیل میں ان شخصیتوں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱۔ حضرت مولانا عبدالوحید عبدالحق سلفی ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ، بنارس ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۹ء تا وفات مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے امیر رہے، اس عرصہ میں آپ کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ مرکزی جمعیۃ کو ''اہل حدیث منزل'' کے نام سے ایک بلڈنگ عطا کی، جو جامع مسجد دلی کے مخصوص علاقہ میں واقع ہے۔

۲۔ حضرت مولانا عبدالحمید رحمانی استاد جامعہ سلفیہ بنارس ولادت ۱۹۴۳ء تلمیذ مولانا نذیر احمد رحمانی، آپ ۱۹۷۱۔ ۱۹۷۴ء تک مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کے ناظم اعلیٰ رہے، آپ کے دور میں دعوت وتبلیغ کے عمل پر کافی زور دیا گیا تھا۔

۳۔ حضرت مولانا انیس الرحمن اعظمی مدنی ولادت ۱۹۴۱ء استاد جامعہ سلفیہ بنارس، مارچ ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۵ء تک مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے ناظم اعلی رہے۔

۴۔ حضرت مولانا صفی الرحمن مبارکپوری جولائی ۱۹۹۸ء سے اگست ۲۰۰۰ء تک مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے امیر رہے۔

۵۔ حضرت مولانا رضاء اللہ مبارکپوری استاد وشیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ، بنارس (۱۹۵۳ء۔ ۲۰۰۳ء) موصوف انتقال کے وقت مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے نائب امیر تھے۔

۶۔ حضرت مولانا اصغر علی امام مہدی ولادت ۱۹۶۳ء آپ ۲۰۰۱ سے تا حال مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم اعلی ہیں، آپ کے دور میں مرکزی جمعیت کے اوکھلا مرکز میں "المعهد العالی للتخصص فی الحدیث" کا افتتاح ہوا جو مسلسل جاری ہے۔ نیز اردو ہندی، انگریزی اور عربی میں الگ الگ ناموں سے مختلف جرائد ومجلات جاری کئے گئے جو مسلسل نکل رہے ہیں، نیز بڑی تعداد میں کئی زبانوں میں مختلف دینی موضوعات پر منہج کتاب وسنت پر مبنی کتابیں طبع ہوکر ملک میں پہنچیں، نیز بڑی بڑی آل انڈیا کانفرنسیں اصحاب رسول ﷺ وغیرہ موضوعات پر نہایت کامیابی کے ساتھ منعقد ہوئیں۔

۷۔ حضرت مولانا رضاء اللہ بدایونی ولادت ۱۹۵۷ء پاکوڑ کانفرنس کے پس وپیش نائب ناظم مرکزی جمعیت رہے۔

اشاعت سنت نبویہ سے متعلق جامعہ سلفیہ کی خدمات کے موضوع پر اس مقالے میں باختصار روشنی ڈالی گئی ہے، تقریباً نصف صدی کے تفصیلی اعمال کے جائزہ کے لئے مفصل کتاب کی ضرورت ہے، اس عرصہ میں جامعہ کے متعدد فضلاء نے بلاد عرب سے لوٹنے کے بعد اپنے اپنے علاقوں میں متعدد جامعات کی تاسیس کی ہے، جن کی تدریسی اور دعوتی خدمات ہیں، ان کے جائزے کا یہ موقع نہیں ہے، البتہ تعلیمی، دعوتی اور اشاعتی خدمات میں جامعہ سلفیہ کو نقطۂ اجتماع کا مقام ابھی حاصل نہیں ہوا ہے، جیسا کہ ہمارے بزرگوں نے اس کا تصور قائم کیا تھا، ممکن ہے آئندہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے بھی کوئی سبیل پیدا فرمادے۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔

(ماہنامہ محدث بنارس اپریل تا ستمبر ۲۰۱۳ء)

❑❑❑

تاریخ جامعہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈیہار و جماعت اہل حدیث گونڈہ

(خطبۂ استقبالیہ اجلاس عام جامعہ ہذا، ۳۱/اکتوبر و یکم نومبر ۱۹۸۶ء)

مولانا احسان اللہ صاحب

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی خاتم المرسلین وعلیٰ آلہٖ وصحبہ اجمعین: اما بعد!

میں مجلسِ منتظمہ جامعہ سراج العلوم بونڈھیار اور مجلس استقبالیہ اجلاس عام کی جانب سے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے آپ تمام حضرات کا خیر مقدم کرتا ہوں اور آپ حضرات کا بے انتہا شکر گزار ہوں کہ ہماری دعوت پر آپ لوگوں نے لبیک کہا اور اپنی تشریف آوری سے جامعہ کو نوازا۔

ہم خدام جامعہ بے حد خوش ہیں اور ہماری رگ و ریشے میں مسرت و شادمانی خون بن کر دوڑ رہی ہے کہ کہاں ہمارا یہ بیک ورڈ علاقہ جو شہری تہذیب و تمدن سے خالی، جدید ترقیات سے تہی دامن اور نئے اسباب و وسائل سے محروم ایک دیہات ہے اور کہاں آپ حضرات جیسی عظیم شخصیتیں، ارباب علم و دانش، اصحاب فکر و رائے اور مختلف اداروں کے نمائندے تشریف فرما ہیں، اس وقت اس سے زیادہ ہم لوگ کیا کہہ سکتے ہیں۔

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

آپ حضرات کو یقینا یہاں آنے میں بڑی دشواریاں برداشت کرنی پڑی ہوں گی، اگر ہم لوگ شایان شان آپ حضرات کی خاطر مدارات نہ کر سکیں تو اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔

محترم حضرات! اس مبارک اجتماع کے موقع پر میں چاہتا ہوں کہ مختصر طور پر ضلع گونڈہ کی تاریخ اہل حدیث نیز اس علاقہ اور جامعہ سراج العلوم کے حالات آپ کے سامنے رکھوں اس لئے کہ ؎

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفاتِ دل دوستاں رہے نہ رہے

ضلع گونڈہ کی تاریخ اہل حدیث:

ضلع گونڈہ اور کنڈؤ، بونڈیہار کا یہ علاقہ جو ان دنوں اہل حدیثیت اور سلفیت کا زندہ و تابندہ نشان ہے اور جس کی فضا قال اللہ و قال الرسول کی صدائے دلنواز سے معمور ہے آج سے سوا سو سال پہلے بدعت تعزیہ داری اور دوسری جاہلی رسوم و خرافات میں گھرا ہوا تھا، اللہ

رب العالمین کے فضل وکرم سے یہاں علامہ ازہر بہاری اور مولانا اللہ بخش بسکوہری جن کا تحریک شہیدین سے بہت گہرا تعلق تھا، دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں وقتاً فوقتاً آتے رہے، ان دونوں نابغۂ روزگار اور دعوت وکتاب وسنت کی علمبردار شخصیتوں نے اس ضلع کے بہت سے مواضعات کو اور اس علاقہ کو قرآن وحدیث کی تعلیمات سے روشناس کرایا، اور شرک وبدعت کے طوفان سے نکال کر ہمکنار ساحل کیا۔

اس طرح سے ان دونوں عظیم رہنما شخصیتوں کے ہاتھوں یہ بدعت نگر اہل حدیث نگر بنا اور اس کے بعد محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ، مولانا عبدالسلام مبارکپوری رحمہ اللہ کی آمد ورفت اور فضیلۃ الشیخ مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ کے ارشادات وتوجیہات اور جامعہ سراج العلوم کے دعوتی وتعلیمی اثرات کی وجہ سے اس علاقہ کی اہل حدیثیت میں اتنی جلا پیدا ہوگئی کہ یہاں کے مسلمان پکے سچے اہل حدیث بھی ہیں اور اہل حدیث گر بھی، سچ ہے

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

جامعہ سراج العلوم کی تاسیس اور اس کا پس منظر:

جب اس علاقہ سے بدعت کا جنازہ نکل رہا تھا اور جاہلی رسوم وخرافات دم توڑ رہی تھیں اس زمانہ میں بھی اور اس سے پہلے بھی یہاں علم دین کی شمع روشن تھی چنانچہ تقریباً ۱۸۸۰ء میں میاں سعید احمد لٹیاوی بونڈیہار آئے اور چار سال تک یہاں کے بچوں کو دین کی تعلیم دیتے رہے، ان کے بعد ۱۸۸۵ء میں میاں اکبر علی ساکن موضع اہرولی سعداللہ نگر تھانہ ضلع گونڈہ یہاں تشریف لائے اور یہاں کے بچوں کو دو سال تک قرآن اور ابتدائی اردو کتابیں پڑھاتے رہے، انہوں نے اپنے بعد اپنے صاحبزادے حافظ علی صاحب عرف پڑھاؤ میاں کو یہاں متعین کردیا جو مدتوں یہاں ابتدائی دینی تعلیم کے فرائض انجام دیتے رہے۔

بہرحال ایک طرف یہ ابتدائی دینی شُدبد اور اسلامی بیداری تھی اور دوسری طرف جب اس علاقہ کے مسلمان اہل حدیثیت کی شاہراہِ اعتدال پر گامزن ہوگئے تو ان کے اندر ایمان ویقین کی روح پیدا ہوگئی اور ان کی نگاہیں ذوق منزل کے ساتھ تلاشِ منزل میں لگ گئیں چنانچہ ۱۹۰۷ء میں کنڈو بونڈیہار کے سربرآوردہ اور مخلص لوگوں نے مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ کو بلایا، مولانا تشریف لائے اور ان کے ساتھ عالمیت وفضیلت کے طلبہ بھی آگئے۔ آنے کے بعد مولانا نے جناب منصب دار خاں کنڈو رحمہ اللہ کے مکان پر تعلیم وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، اس کے تھوڑے دنوں کے بعد مولانا نے اپنے ہاتھوں کنڈو بونڈیہار کے درمیان دریائے راپتی کے کنارے جامعہ سراج العلوم کی بنیاد ڈالی، اب کیا تھا چند ہی دنوں میں کھپریل کی لمبی چوڑی عمارت تیار ہوگئی اور مولانا مدرسہ ہی میں طلبہ کے ساتھ منتقل ہوگئے، اسی وقت سے دین کی یہ شمع روشن ہوئی اور علم کا یہ چراغ جلا۔

ملحوظ رہے کہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ نے ضلع گونڈہ میں سب سے پہلے قصبہ بلرام پور میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ پھر ۱۹۰۴ء میں اللہ نگر (مشمولہ چھتر پارہ) میں بنام ''فیض العلوم'' ایک مدرسہ قائم کیا یہ مدرسہ اب بھی چل رہا ہے یہیں سے مولانا کنڈو بونڈیہار تشریف لائے اور جامعہ سراج العلوم کی بنیاد ڈالی۔

مولانا مبارکپوری کو لانے اور جامعہ سراج العلوم قائم کرنے کے سلسلہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے جناب منصب دار خاں کنڈؤ، جناب محمد خاں مہوا، جناب حاجی سعادت خاں سکھوئیاں، جناب نمبردار خاں عرف گھراؤ بونڈیہار، جناب ہدایت اللہ خاں بونڈیہار، جناب حیدر خاں بونڈیہار اور جناب صاحبزادخاں بونڈیہار وغیرہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام مخلصین کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کی اولاد واحفاد کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

جامعہ کی مختصر تاریخ:

جامعہ سراج العلوم کی تاسیس کے بعد جناب مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ نے بحیثیت مدرس وسرپرست اس علاقہ میں تین سال کی مدت گذاری، اور ۱۹۱۰ء میں جناب مولانا عبداللہ غازی پوریؒ کی استدعا پر کلکتہ تشریف لے گئے۔

۱۹۱۰ء میں جناب مولانا شاہ محمد مبارکپوریؒ تشریف لائے اور ۱۹۱۴ء تک جامعہ میں تعلیم دیتے رہے ان کے چلے جانے کے بعد جناب مولانا سلیمان مئوی تشریف لائے اور ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۶ء تک مدرس ومربی کی حیثیت سے تعلیم کی ذمہ داری انجام دیتے رہے۔

مولانا شاہ محمد صاحب اور مولانا محمد سلیمان مئوی کے زمانہ میں تعلیمی معیار بلوغ المرام وکافیہ وغیرہ تک محدود رہا۔

۱۹۱۷ء میں جناب مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ مؤلف ''سیرۃ البخاری'' تشریف لائے اور ۱۹۲۳ء تک جامعہ میں تعلیم دیتے رہے، مولانا موصوف کے آنے کے بعد علمی انحطاط کا دور جاتا رہا اور پھر تفسیر وحدیث اور فقہ وغیرہ کی بڑی بڑی کتابوں کی تعلیم ہونے لگی، اسی دور میں جناب فضیلۃ الشیخ مولانا عبیداللہ مبارکپوری حفظہ اللہ اپنے والد گرامی جناب مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ کی سرپرستی وتربیت میں جامعہ کے طالب علم تھے۔

۱۹۲۴ء میں مولانا سلیمان مئوی صاحب دوبارہ تشریف لائے اور ۱۹۳۰ء تک جامعہ میں منصب تعلیم وتربیت پر فائز رہے، پھر تعلیمی معیار بلوغ المرام وکافیہ تک محدود ہوکر رہ گیا۔

۱۹۳۱ء میں حکیم مولانا محمد یٰسین صاحب رحمہ اللہ ساکن بونڈیہار نے جامعہ کا منصب تعلیم وتنظیم سنبھالا اور بڑی سرگرمی وتندہی سے ۱۹۳۹ء تک اس منصب پر فائز رہے۔

اس دور میں تعلیم کا معیار بڑھا، مشکوٰۃ وغیرہ تک تعلیم ہونے لگی، نیز باقاعدہ مرتب نصاب اور جماعت بندی کے ساتھ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا، جب کہ اب تک بغیر مرتب نصاب کے تعلیم ہوتی رہی، اس دور میں کچھ تعمیری ترقی بھی ہوئی۔

جامعہ سراج العلوم کا مثالی دور:

حکیم مولانا محمد یٰسین صاحب کے بعد ۱۹۴۰ء سے ۱۹۸۲ء تک جناب مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ جامعہ کے معلم ومربی اور بعد کے ادوار میں منتظم ومنصرم بھی رہے، مولانا موصوف کا بیالیس سالہ دور تعلیم وتربیت، اصلاح وتنظیم اور دعوت وتبلیغ ہر میدان میں عروج وارتقاء ہی کی طرف گامزن رہا بلکہ اگر کہا جائے کہ یہ دور تاریخ جامعہ کا مثالی دور تھا تو بے جا نہ ہوگا۔

مولانا مرحوم نے اکیس سال کی عمر میں ادارہ کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری سنبھالی، جامعہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیا، اپنی طویل عمر، گھر بار اور اہل وعیال سب کچھ تج دیا حتیٰ کہ ۱۹۸۲ء میں دوسری بار حج کے لئے حجاز تشریف لے گئے عمرہ کی تکمیل کرسکے تھے کہ سخت بیمار ہوئے مکہ کے مستشفی الزاہر میں داخل کئے گئے، آخر کار ۳۱ اگست ۱۹۸۲ء مطابق ۱۱ رذیقعدہ ۱۴۰۳ھ کو جان جان آفریں کے حوالہ کردی اور جنت المعلیٰ میں دفن کئے گئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے　　سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مولانا موصوف کے دور میں جامعہ نے ہر میدان میں خوب خوب ترقی کی، ۱۹۵۳ء اور ۱۹۶۴ء کے درمیان جماعت سادسہ تک تعلیم ہونے لگی، بعض سالوں میں فضیلت تک تعلیم ہوئی۔ ۱۹۷۶ء کے بعد درجات فضیلت قائم کئے گئے، اس وقت سے اب تک اس جامعہ سے ہر سال اوسطاً دس طلبہ سند فضیلت حاصل کرتے ہیں۔ مولانا کے دور میں شعبۂ حفظ وتجوید بھی قائم ہوا جس کا تعلیمی سلسلہ دور آخر میں زوروں پر رہا، اور اب تک برابر وہ سلسلہ جاری ہے۔

اس دور کے تعلیمی وتعمیری عروج وارتقاء کے سلسلہ میں بطور تحدیثِ نعمت میں یہ بات ذکر کررہا ہوں کہ مولانا محمد اقبال رحمانیؒ کے دور آخر میں اللہ تعالیٰ نے میری مالی واقتصادی حالت میں ترقی عطا فرمائی اور چونکہ میں بھی اس ادارے سے متعلق خاندان ہی کا ایک فرد ہوں اس لئے میں نے حسب استطاعت اس ادارہ کی کفالت میں حصہ لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو اور والد محترم جناب حاجی محمد نعیم صاحب کو بڑا حوصلہ دیا چنانچہ ۱۹۷۱ء سے ہم نے اس ادارہ کے بعض اہم مصارف اپنے ذمہ لے لئے اور اس وقت سے اب تک اللہ رب العالمین کی توفیق ومہربانی سے ہم وہ ذمہ داری پوری کررہے ہیں۔

اس طرح سے اللہ رب العالمین کے فضل وکرم سے جامعہ کے لئے تعمیری وتعلیمی عروج وارتقاء کی راہ ہموار ہوئی اور درجات عالمیت وفضیلت کا قیام عمل میں آیا، یہاں تک کہ ۱۹۷۹ء میں جامعہ سراج العلوم کا جامعہ اسلامیہ مدینہ سے معادلہ ہوا۔ مولانا محمد اقبال رحمانیؒ کے زمانہ میں عربی وار دو انجمن اور دعوتی وتبلیغی سرگرمیاں تیز سے تیز تر رہیں۔

اس دور میں تعمیری اعتبار سے بھی بڑی ترقیات ہوئیں، جامعہ کی اکثر عمارتیں اسی دور کی تعمیر کردہ ہیں جن میں جناب حاجی سعادت خانؒ، جناب ملک محمد اسماعیلؒ، جناب حاجی محمد نعیم صاحب اہل خاندان اور دوسرے معاونین جامعہ کا بھرپور تعاون شامل رہا۔ نیز رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے بھی ۱۹۸۱ء میں بسلسلہ تعمیر کچھ تعاون کیا ہے۔

اسی دور میں ۱۹۵۵ء میں جناب شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ مبارکپوری حفظہ اللہ کی سرپرستی میں جامعہ کی ایک باقاعدہ مجلس عاملہ بنائی گئی اور جامعہ کا دستور العمل طے کیا گیا۔

واضح رہے کہ آغاز جامعہ سے ۱۹۶۰ء تک اس ادارہ کے ناظم جناب حاجی سعادت خانصاحب سکھوئیاں رہے جو اس علاقہ کی ایک عظیم موثر اور باکمال شخصیت تھے اور صدر حکیم مولانا محمد یٰسین صاحبؒ تھے، ان کے انتقال کے بعد ۱۹۷۵ء تک جامعہ کے ناظم جناب عبدالمعبود خانصاحب رہے، اس وقت کے اوائل میں صدر حکیم مولانا محمد یٰسین صاحب تھے اور ان کے بعد حاجی محمد نعیم صاحب صدر بنائے گئے۔

جناب عبدالمعبود خانصاحب کے انتقال کے بعد جامعہ کی نظامت کی ذمہ داری مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کے سپرد کردی گئی اور تاحیات آپ جامعہ کے ناظم رہے۔ اس دور میں بھی صدر جامعہ حاجی محمد نعیم صاحب تھے۔ مولانا محمد اقبال رحمانیؒ کے انتقال کے بعد نومبر ۱۹۸۲ء میں مجلس منتظمہ نے جامعہ کے منصب نظامت پر جناب حاجی محمد نعیم صاحب کو فائز کیا۔ جناب صلاح الدین خانصاحب کو جو لمبی مدت تک اس ادارہ کے نگراں تھے مجلس انتظامی کا صدر منتخب کیا گیا اور جناب مولانا ابوالعرفان محمد عمر گونڈوی حفظہ اللہ کو مہتمم و مدیر بنایا گیا جو مدتوں سے جامعہ کے صدر مدرس ہیں اور تعلیم و تربیت، علاقائی و جماعتی اصلاح و تنظیم اور زہد و تقویٰ کے اعتبار سے اونچا مقام رکھتے ہیں۔

جامعہ کی چند نمایاں خصوصیات:

جامعہ سراج العلوم کو چند ایسی نمایاں خصوصیات حاصل ہیں جن پر جامعہ ہمیشہ فخر کرتا رہے گا:

پہلی خصوصیت تو یہ کہ جامعہ کو اپنی پوری تاریخ میں اکابر علماء امت اور بڑے بڑے مشائخ علم وفن کی سرپرستی حاصل رہی ہے۔

دوسری خصوصیت یہ کہ جامعہ ایک ہی خاندان کے بھرپور اتفاق واتحاد اور تعاون سے چل رہا ہے اس خاندان کے لوگ کنڈؤ، وبونڈ یہار، سکھوئیاں، مہوا علی گنج، ڈونڑھیا اور شمالی بستی میں سکریٰ بشنپور پٹنہ، کانبھاری، سینگ ناتھ، اور بھنڈر یہ وغیرہ میں آباد ہیں۔

تیسری خصوصیت یہ کہ جامعہ ہی کی زندگی میں مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ نے تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی کی تالیف کا آغاز کیا اور بعد میں اس کی تکمیل کی، جس کی اہمیت عرب وعجم میں مسلّم ہے۔

اور چوتھی خصوصیت یہ کہ جب محدث شہیر علامہ عبیداللہ مبارکپوری حفظہ اللہ کی تالیف انیق مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح کی جلد اول پاکستان میں چھپی اور وہاں سے اس کا سلسلہ منقطع ہوگیا تو اس کی جلد ثانی وثالث کی طباعت واشاعت کی تکمیل مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کی جدوجہد سے ہوئی اور تقریباً اسی خاندان کے افراد کے بھرپور تعاون سے وہ دونوں جلدیں طبع ہوکر شائع ہوئیں، یقیناً یہ جامعہ کا بڑا ہی علمی کارنامہ ہے، جس سے ہند وبیرون ہند کے علماء وفضلاء فیض حاصل کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ مصنف وناشر اور اس علاقہ کے تمام معاونین کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین)

جامعہ کے موجودہ تعلیمی مراحل:

مولانا محمد اقبال رحمانیؒ کے زمانے سے اب تک جامعہ کی تعلیم مختلف ادوار ومراحل میں منقسم ہے، ابتدائیہ (پرائمری درجات) ثانویہ (مولوی کا کورس) عالمیت، فضیلت اور شعبہ حفظ وتجوید۔

ابتدائیہ، درجہ طفلاں سے درجہ پنجم تک، تین سو بچے اور بچیاں زیر تعلیم ہیں۔

ثانویہ کا کورس پنج سالہ ہے، پہلا سال جسے درجہ ادنیٰ کہا جاتا ہے، اس میں فارسی ادب اور ابتدائی عربی قواعد کی تعلیم ہوتی ہے، اور بعد کے چار سالوں میں تجوید عربی لغت وقواعد، حدیث وقرآن اور انگلش وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہے، ثانویہ میں ایک سو بیس طلبہ زیر تعلیم ہیں۔

عالمیت دوسال کا کورس ہے جس میں عربی ادب وانشاء، تجوید، توحید، تفسیر، اصول تفسیر، حدیث واصول حدیث، فقہ واصول فقہ، فلسفہ ومنطق، تاریخ اسلام وتاریخ ادیان ومذاہب وغیرہ اور انگلش موضوعات شامل ہیں۔

فضیلت بھی دوسال کا کورس ہے جس میں توحید، تفسیر واصول تفسیر، حدیث وفن اسماء الرجال، تقابلی فقہ واصول فقہ، فن اسرار شریعت اور انگلش وغیرہ موضوعات شامل ہیں، عالمیت وفضیلت میں اس سال چالیس طلبہ ہیں۔

شعبۂ حفظ وتجوید میں حفظ قرآن کے ساتھ قرأت حفص کے مطابق فن تجوید بھی سکھایا جاتا ہے، جیسا کہ معلوم ہوا کہ ثانویہ اور عالمیت کے طلبہ بھی فن تجوید سیکھتے ہیں، اس وقت شعبۂ حفظ میں ۲۳ طلبہ ہیں۔

اساتذہ جامعہ کی کل تعداد بائیس (۲۲) ہے، جن میں تین اساتذہ سعودیہ عربیہ کے بعض اداروں کی طرف سے مبعوث ہیں، اور گیارہ ملازمین ہیں، بحمد للہ اساتذہ کا اسٹاف انتہائی لائق وفائق، باصلاحیت ومحنتی، اور اہل حدیث جامعات ومدارس کے لئے قابل رشک ہے۔

طلبہ کی مجموعی تعداد چارسو ساٹھ ہے جن میں سے سواسو طلبہ (۱۲۵) طلبہ غیر مقامی ہیں جن کے قیام وطعام، علاج اور دوسری ضروریات کا کفیل جامعہ ہے۔

لائبریریاں اور انجمنیں:

تعلیم اور کتاب میں چولی دامن کا رشتہ ہے، مدارس وجامعات کا تعلیمی ارتقا کتابوں کا منت کش ہوتا ہے، چنانچہ جامعہ سراج العلوم کی بھی ایک لائبریری ہے جس میں مختلف اسلامی علوم وفنون پر مشتمل تقریباً چھ ہزار کتابیں ہیں، ہر سال لائبریری کی توسیع اور مزید فراہمی کتب کی کوشش کی جاتی ہے۔

عربی واردو زبان میں طلبہ کے اندر خطابت وصحافت کا ذوق پیدا کرنے کے لئے دو انجمنیں ہیں، عربی انجمن جس کا نام النادی العربی ہے اور اردو انجمن جس کا نام اصلاح الکلام ہے، ان دونوں انجمنوں کا پروگرام پندرہ روزہ ہوتا ہے۔

ایک لائبریری اردو انجمن کی ہے جس میں جدید وقدیم مصنفین کی تقریباً چھ سو کتابیں ہیں اور ہر سال مزید کتابوں کی فراہمی کی کوشش کی جاتی ہے۔ عربی انجمن کی بھی ایک لائبریری ہے جس میں ابھی بہت معمولی کتابیں ہیں، نیز عربی واردو انجمن کے لئے دینی مضامین اور عصری معلومات پر مشتمل مختلف عربی، اردو، ہفت روزہ، پندرہ روزہ اور ماہانہ مجلات وجرائد منگائے جاتے ہیں۔

جامعہ کی دعوتی وتبلیغی سرگرمیاں:

جامعہ کے اغراض ومقاصد میں ایک عظیم مقصد دعوت وتبلیغ اور عام مسلمانوں کی ذہنی وفکری اصلاح بھی ہے اس سلسلہ میں جامعہ نے ایک طرف باقاعدہ قسم الدعوۃ والارشاد قائم کیا ہے جس کے تحت طلبہ واساتذہ علاقہ اور ضلع کے دور دراز مواضعات میں تبلیغی پروگرام کرتے ہیں اور مسلمانوں کے اندر دینی بیداری لانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دوسری طرف جامعہ نے اپنی پوری تاریخ میں مختلف مواقع پر بڑی بڑی دعوتی وتبلیغی کانفرنسیں منعقد کی ہیں، جنہوں نے اسلامی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے، جامعہ کی تاریخ میں چار عظیم کانفرنسوں کا پتہ چلتا ہے۔

پہلا عظیم الشان سہ روزہ اجلاس جناب مولانا محمد سلیمان مئویؒ کے دور میں فروری ۱۹۲۸ء میں منعقد ہوا، جس میں اس دور کے وہ تمام ہی اکابر جماعت شریک ہوئے جنہوں نے تحریک اہل حدیث کی تجدید واصلاح کا جدید لائحہ عمل بنا کر دعوت وتبلیغ کا کام بڑے وسیع پیمانہ پر شروع کیا، مثلاً مناظر اسلام جناب مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ، مولانا محمد جونا گڑھیؒ، مولانا عبدالتواب علی گڑھیؒ اور مولانا محمد یوسف فیض آبادیؒ وغیرہ۔

اور آخری تین اجلاس جناب مولانا محمد اقبال رحمانیؒ کے دورِ سعید میں منعقد ہوئے، چنانچہ تاریخ جامعہ میں دوسری عظیم سہ روزہ دعوتی وتبلیغی کانفرنس ۱۹۴۵ء میں منعقد ہوئی جس میں مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ، مولانا عبدالحنان رحمہ اللہ ایڈیٹر اہل حدیث گزٹ، مولانا حاکم علی رحمانی پنجابیؒ مولانا عبدالخالق رحمانی کھنڈیلوی مقیم حال پاکستان اور دوسرے مشاہیر ہند شریک ہوئے۔

تیسرا دوروزہ دعوتی وتبلیغی اجلاس ۱۹۶۰ء میں منعقد ہوا جس میں جامع معقولات ومنقولات مولانا نذیر احمد رحمانیؒ، شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری حفظہ اللہ، فاضل وادیب مولانا عبدالغفور بسکوہریؒ، خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری حفظہ اللہ اور دوسرے ممتاز علماء کرام وشعراء عظام شریک ہوئے۔

اور چوتھا عظیم الشان دعوتی وتبلیغی اجلاس ۱۹۷۶ء میں ہوا جس میں کشمیر، دہلی، بنارس، اعظم گڑھ، گونڈہ بستی وغیرہ اضلاع کے ممتاز ومشہور مفکرین اور مایہ ناز خطباء وشعراء نے شرکت کی۔

ان عظیم کانفرنسوں کے علاوہ جامعہ کی تاریخ میں اور بھی مختلف چھوٹے چھوٹے جلسے بہت سے مواقع پر منعقد ہوتے رہے جنہیں شمار کرنا مشکل ہے۔

ان دعوتی وتبلیغی کانفرنسوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سرزمین کنڈو بونڈیہار میں جماعت اہل حدیث کی اکثر عظیم شخصیتیں تشریف لاچکی ہیں جن کے نقوشِ قدم کی حکایتیں اس علاقہ کے ذرہ ذرہ سے سنائی دیتی ہے۔

یہ عظیم دعوتی وتعلیمی کانفرنس:

یہ عظیم تبلیغی اجلاس اور تعلیمی کانفرنس جامعہ کی تاریخ کی پانچویں یادگار عظیم الشان کانفرنس ہے جس میں آپ حضرات تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اس اجلاس کا سب سے اہم مقصد مسلمانانِ ہند اور خصوصاً گونڈہ وبستی کے مسلمانوں کے اندر مسلکی وجماعتی روح بیدار کرنا، انہیں جادۂ سلف اور شاہراہ کتاب وسنت پر گامزن بنانا اور بدعات ومنکرات، تقلید وشیعیت اور دوسری تحریکات کی پیدا کردہ ذہنی وفکری گمراہیوں کا سدباب کرنا ہے۔

نیز ضمناً اس اجلاس کا ایک مقصد ادارہ اصلاح المساجد کے تحت تعمیر شدہ اس عظیم پرشکوہ جامع مسجد کا افتتاح اور اس پورے علاقہ

کے لئے اسے مرکز دعوت اور چشمۂ رشد وہدایت بنانا ہے۔

اس جامع مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں ہم ادارہ اصلاح المساجد ممبئی اور خصوصاً فضیلۃ الشیخ جناب مولانا مختار احمد ندوی حفظہ اللہ کے شکر گزار ہیں جن کی مسلسل جدوجہد سے یہ جامع مسجد تعمیر ہوئی اور جن کی سعی پیہم سے پورے ہندوستان میں دعاۃ ومبلغین کی تربیت اور اصلاح مساجد کی تحریک چل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کوششوں کو بارآور کرے اور انہیں اجر عظیم سے نوازے۔ (آمین)

یہ تعلیمی کانفرنس جس کا عنوان ہے ''مدارسِ اسلامیہ میں سلفی منہج کا احیاء'' بڑے غور وفکر کے بعد منعقد کی گئی ہے۔ جس کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم وتربیت میں سلفی مزاج پیدا کیا جائے اور نصاب میں ایسی کتابیں رکھی جائیں جن سے عقائد، فقہیات اور تاریخ وغیرہ کے بارے میں عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین وتبع تابعین کا پاکیزہ ذوق پیدا ہو، اس سلسلہ میں مدارس وجامعات سے آئے ہوئے مندوبین سے ہماری گذارش ہے کہ ہم لوگ اکٹھا ہوکر مدارس اسلامیہ میں سلفی منہج کے احیاء وتجدید کی بھرپور کوشش کریں اور ہندوستان گیر پیمانہ پر اس طرح کی ایک تحریک چلائیں تاکہ ہمارے مدارس کے فضلاء دین خالص کے باصلاحیت اور غیر مند علمبردار بنیں اور شاہراہ کتاب وسنت سے منحرف جماعتوں اور تحریکوں کی زہر افشانیوں سے امت کو محفوظ رکھیں۔

میرے ساتھیو آگے بڑھو، قدم بڑھاؤ، زمانہ آپ کو آواز دے رہا ہے، دنیا کتاب وسنت کی تعلیمات کے لئے بیقرار ہے اور دور حاضر سلفی دعوت قبول کرنے کے لئے تیار ہے، اگر ہم نے غفلت سے کام لیا تو پوری انسانیت کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا جس کے مجرم ہم ہوں گے اور دنیا وآخرت میں عظیم خسارہ سے دوچار ہوں گے۔

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے　　مشرق ومغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

جامعہ کے عزائم ومنصوبے:

اب آیئے ہم جامعہ کے عزائم ومنصوبوں کا تذکرہ کریں، تو لیجئے مستقبل میں جامعہ کے عزائم یہ ہیں:

۱۔ دعوت وتبلیغ اور وعظ وارشاد کا عظیم مرکز قائم کرنا۔

۲۔ مختلف علوم وفنون میں تخصص کے شعبے قائم کرنا۔

۳۔ ایک جنرل لائبریری اور عظیم دار المطالعہ قائم کرنا۔

۴۔ ایک معیاری مسلم نسواں ادارہ قائم کرنا۔

۵۔ شعبۂ تصنیف وتالیف قائم کرنا اور ایک علمی ومسلکی مجلہ کا اجراء۔

۶۔ درسگاہوں کی توسیع اور اس کے لئے مستقل عمارت بنانا اور ایک عظیم دار الحدیث اور لیکچر ہال بنانا۔

۷۔ اساتذہ واسٹاف کے لئے فیملی کوارٹر بنانا۔

(یادگار مجلہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار ۱۹۸۶ء/ مولانا ابوالعاص وحیدی)

❑❑❑

تصویبات واستدراکات

کتاب تراجم علمائے حدیث ہند

شیخ اسعد اعظمی بنارس

تراجم علمائے حدیث ہند مصنفہ مولانا ابو یحیٰ امام خاں نوشہروی (متوفی ۱۳۸۵ھ۔۱۹۶۶ء) مشہور زمانہ کتاب ہے جو ۲۰۰/اہل حدیث علماء ومصنفین کی حیات وخدمات کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ کتاب پہلی بار جید برقی پریس دہلی میں ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۷ء میں منظر عام پر آئی جو چھوٹی سائز کے تقریباً پونے چھ سو صفحے پر مشتمل تھی۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں کتاب کے طبع اول کا جو نسخہ موجود ہے اس پر مختلف حضرات کی جابجا تصحیحات واستدراکات موجود ہیں، جن میں بعض مقامات پر محشی ومصحح کے نام کی صراحت ہے تو کہیں صرف نسبت یا شہریت لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے، بیشتر مقامات محشی ومصحح کے تذکرے سے خالی ہیں جیسا کہ قارئین سطور ذیل میں مشاہدہ کریں گے۔ ان تصویبات میں سے اکثر فنی وتاریخی اعتبار سے اہمیت کی حامل ہیں اس لئے ان کو یکجا کر کے شائع کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ اس جمع وترتیب کا محرک یہ بنا کہ خبر ملی کہ محسن جماعت مولانا عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ کتاب کی از سر نو اشاعت کا پروگرام بنا رہے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ حتی الامکان اغلاط سے پاک ایڈیشن منظر عام پر لایا جائے۔ چونکہ کتاب کے مراجعے کی مجھے وقتاً فوقتاً ضرورت پڑتی رہتی ہے اس لئے مجھے اس میں مندرج حواشی وتصحیحات سے بھی مستفید ہونے کا موقع ملتا ہے۔ لہٰذا جب محمدی صاحب کے پروگرام کا علم ہوا تو میں نے ان ساری معلومات کو یکجا کر دیا تا کہ آنے والے ایڈیشن کی تصحیح میں ان معلومات سے استفادہ کیا جا سکے۔

واضح رہے کہ یہ محض جمع وترتیب کا عمل ہے جو ان معلومات کی صحت کی ضمانت اور ان کی تصویب کو مستلزم نہیں، اگر چہ تنقید واستدراک کی غرض سے درج کی گئی ان معلومات کا درست ہونا ہی اصل ہے، پھر بھی سہو ونسیان سے برأت کا دعوی کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کتاب کی اشاعت سے پہلے ان معلومات کی صحت کا جائزہ لینا مناسب ہے۔ امید کہ ناشر کتاب اس پر توجہ دیں گے۔ ظن غالب ہے کہ محترم محمدی صاحب کو کچھ اور علم دوست حضرات کی طرف سے بھی اس نوعیت کا کچھ مواد موصول ہوا ہوگا اور کتاب کی تصحیح میں ان تمام سے استفادہ کر کے صحیح ترین نسخہ منظر عام پر لانے کی سعادت ان کو حاصل ہوگی۔ واللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

_____ اسعد اعظمی

تصویبات واستدراکات

۱۔ ص ۶۴ شاہ عبدالقادر محدث: سنہ وفات ۱۲۴۲ھ غلط ہے، صحیح ۱۲۳۰ھ ہے

۲۔ ص ۶۵ شاہ رفیع الدین محدث: سنہ وفات ۱۲۴۹ھ غلط ہے، صحیح ۱۲۳۳ھ ہے۔

۳۔ ص ۱۶۶ حافظ عبدالجبار عمرپوری: ''نیز رسالہ ضیاء السنۃ کلکتہ کے بھی آپ ہی ایڈیٹر رہے''

تعلیق: ضیاء السنۃ کے ایڈیٹر مولانا ضیاء الرحمن عمرپوری تھے (۱)، مولانا عبدالجبار عمرپوری نے ''تبلیغ'' جبل پور کی ادارت کی ہے۔

(۱) اس کی تصدیق خود مولانا نوشہروی کے کلام سے ہوتی ہے کیوں کہ آگے ص ۲۰۰ پر مولانا ضیاء الرحمن عمرپوری کے حالات میں نوشہروی صاحب لکھتے ہیں: ''برسوں رسالہ ضیاء السنۃ (ماہانہ) نکالا''۔ اعظمی)

۴۔ ص ۱۷۴ مولانا احمد اللہ شیخ الحدیث: متوفی ۱۳۶۳ھ

۵۔ ص ۲۰۱ ضیاء الرحمن بن بدرالدین عمرپوری: برسوں رسالہ ضیاء السنۃ (ماہانہ نکالا)

تعلیق ۱: ذی قعدہ ۱۳۱۹ھ سے۔

تعلیق ۲: اچھے شاعر تھے، ضیاء السنۃ کے شروع میں کئی کئی صفحہ مختلف عناوین پر اشعار کہہ ڈالتے تھے۔

۶۔ ص ۲۵۶ ابوالبشار امیر احمد بن عزیز احمد قریشی، (سنہ وفات سے متعلق تعلیق: مگر میں نے ان کی تحریر دیکھی ہے جس سے اس کے کافی بعد تک زندہ رہنا ثابت ہے، انہوں نے ۱۹۴۵ء میں اپنی کتاب غیر مطبوع توضیح لغات القرآن پر نظر ثانی کی ہے، یہ میاں صاحب کے شاگرد تھے، میں نے سند دیکھی ہے۔ ۱۳۱۸ھ میں سند لی ہے۔ نیپالی)

۷۔ ص ۲۷۰ السید النواب اولاد حسن۔۔۔۔

صفحہ مذکورہ پر دوسرے پیراگراف میں ہے ''اور طلب علم میں آخری سفر ۱۲۱۳ھ میں دہلی کا کیا''۔

تعلیق: ۱۲۳۳ھ صحیح ہے، دیکھئے ابجد العلوم: ج ۳، ص ۹۳۵۔

۸۔ ص ۲۹۸ مصنفات والا جاہ میں نیل المرام عربی میں ہے نہ کہ فارسی میں (۲)

(۲) (اسی کے معابعد ''تفسیر الکل بتفسیر الفاتحۃ والکل'' نامی کتاب درج ہے اور اس کی زبان فارسی بتلائی گئی ہے، یہاں دو ملاحظے ہیں:

۱۔ کتاب کا صحیح نام: ''تذکیر الکل بتفسیر الفاتحۃ واربع قل'' ہے۔

۲۔ یہ کتاب اردو میں ہے نہ کہ فارسی میں۔ (اعظمی)

۹۔ ص ۲۹۹ مصنفات والا جاہ میں مثیر ساکن الغرام الی روضہ دارالسلام صحیح 'روضات''

۱۰۔ ص ۳۰۰ مصنفات والا جاہ میں یقظۃ اولی الاعتبار فیما ورد من ذکر اہل النار۔ صحیح۔۔۔۔۔ فیما ورد من ذکر النار واہل النار۔

۱۱۔ ص ۳۰۰ مصنفات والا جاہ میں منہج الوصول الی اصطلاح حدیث الرسول فارسی نہ کہ عربی

۱۲۔ ص ۳۰۲ مصنفات والا جاہ میں دلیل الطالب الی ارجح المطالب فارسی نہ کہ اردو

۱۳۔ ص ۳۰۴ مصنفات والا جاہ میں بلوغ السؤل من اقضیۃ الرسول عربی نہ کہ فارسی

۱۴۔ ص ۳۰۴ مصنفات والا جاہ میں الطریق المثلی ۔۔۔۔۔۔واتباع ماہوالہوی۔۔۔۔۔واتباع ماہوالہدی

۱۵۔ ص ۳۰۵ مصنفات والا جاہ میں رحلۃ الصدیق الی البیت العتیق عربی نہ کہ اردو

۱۶۔ ص ۳۰۵ مصنفات والا جاہ میں لقطۃ العجلان۔۔۔۔عربی نہ کہ فارسی

۱۷۔ ص ۳۰۷ مصنفات والا جاہ میں صافیہ شرح کافیہ شرح شافیہ

۱۸۔ ص ۳۰۷ مصنفات والا جاہ میں السحاب المرکوم۔۔۔۔۔(ابجد العلوم کا دوسرا حصہ)

۱۹۔ ص ۳۰۷ مصنفات والا جاہ میں نشوۃ السکران۔۔۔۔۔۔عربی نہ کہ فارسی

۲۰۔ ص ۳۰۸ مصنفات والا جاہ میں الوشی المرقوم۔۔۔۔۔۔(ابجد العلوم کا پہلا حصہ)

۲۱۔ ص ۳۰۹ مصنفات والا جاہ میں ضالۃ الناشد الغریب من بشری الکلیب (المسمی بتانیس الغریب)

۲۲۔ ص ۳۱۱ مصنفات والا جاہ میں اضافہ: فن: تاریخ، زبان: فارسی تاریخ قنوج (قلمی)

۲۳۔ ص ۳۲۹ بشیر الدین محدث: متوفی ۱۲۷۳ھ تعلیق: ۱۲۹۶ھ

۲۴۔ ص ۳۳۴ شاہ محمد فاخر زائر: وفات ۱۱۶۴ھ، اس پر سوالیہ نشان لگا ہے۔

۲۵۔ ص ۳۵۱ سید نذیر الدین احمد جعفری ہاشمی ''درسیات کا اکثر حصہ شیخ عبدالحق ممدوح۔۔۔۔۔''۔

تعلیق: ناظرین غور فرمالیں کہ شیخ عبدالحق کی وفات کا سن ۱۲۸۶ھ ہے اور صاحب ترجمہ کی ولادت ۱۲۸۴ھ میں ہوئی، کیا کوئی شخص دو سال کی عمر میں کسی کا شاگرد اور وہ بھی درسیات کا اکثر حصہ کسی کے ہاں پڑھ سکتا ہے، نہیں ہرگز نہیں۔ عالیاوی

۲۶۔ ص ۳۵۵ محمد سعید

تصانیف میں اضافہ: دیگر تصانیف کے نام یہ ہیں: الجرح علی ابی حنیفہ، جواب الکلام المبین، جواب جامع الشواہد، جواب اوثق العری۔

۲۷۔ ص ۴۰۰ عبدالسلام مبارکپوری: آخری پیراگراف بہ سلسلہ اولاد۔ تعلیق: بڑے لڑکے مولانا حافظ عبدالعزیز تھے۔

۲۸۔ ص ۴۱۰ حکیم محمد بشیر بن عبدالمجید: وفات یکم صفر ۱۳۸۸ھ = ۳۰ مئی ۱۹۶۸ء

۲۹۔ ص ۴۱۴ مئو مولانا فیض اللہ علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۶ھ)

تعلیق: یہ تاریخ وفات بالکل غلط ہے۔ صحیح ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ ہے جیسا کہ موصوف کے شاگرد رشید جناب مولانا ابوالمعالی محمد علی فیضی صاحب نے اپنی قلمی بیاض میں جو بیاض فیضی کے نام سے مشہور ہے نقل کیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو معارف اکتوبر ۱۹۷۸ء ص ۳۰۷۔ بیاض میں ایک مصرعہ کے اندر مادہ تاریخ وفات ہے۔ ''محدث متقی صدیق'' ۱۳۰۶ھ عقل احمد اعظمی

۳۰۔ ص ۴۱۷ محمد فیض اللہ

تعلیق: صحیح تاریخ وفات ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ ہے۔ بیاض فیضی قلمی و معارف اکتوبر ۱۹۷۸ء نیز سفرنامہ حج ملاحظہ کیجئے۔

''محدث متقی صدیق'' ۱۳۰۶ھ یہ مادہ تاریخ وفات ہے جس کے عدد ۱۳۰۶ھ ہوتے ہیں۔ عقیل احمد اعظمی۔

۳۱۔ ص ۴۲۰ سلیم اللہ متوفی ۱۹۰۶ء تعلیق: ۱۹۱۶ء

۳۲۔ ص ۴۲۹ احمد بن ملا حسام الدین ص ۴۲۹ آخری سطر میں ''میاں عطاء الرحمن ابھی کم سن ہیں''۔

تعلیق: میاں عطاء الرحمن کی جگہ عزیز الرحمن درج ہے۔

۳۳۔ ص ۴۳۰ سلیمان بن داؤد مدرسہ بونڈیہار، ضلع بستی۔ تعلیق: ضلع گونڈہ

۳۴۔ ص ۴۳۰ ابوالفیاض نور محمد بن محمد بن اسماعیل۔ سن ولادت (تقریباً ۱۳۷۳ھ) تعلیق: ۱۲۷۳ھ۔

۳۵۔ ص ۴۳۲ عبداللہ (شائق)۔۔۔۔ یہ فراغ کلی ۱۳۳۱ھ میں ہوا۔ اس پر سوالیہ نشان لگا ہے۔

۳۶۔ ص ۴۳۵ ابوالنعمان عبدالرحمن آزاد متوفی محرم ۱۳۵۷ھ

۳۷۔ ص ۴۳۸ عبدالجبار بن حاجی سعید الدین ولادت ۱۳۲۹ھ

۳۸۔ ص ۴۳۹ محمد بن عبدالرحیم۔۔۔۔ ولادت ۱۳۱۱ھ

۳۹۔ ص ۴۴۲ محمد نعمت اللہ بن حافظ نور محمد ولادت ۱۳۱۷ھ

۴۰۔ ص ۴۵۲ حافظ عبدالرحمن بقا۔ تعلیق: بقا نہیں بلکہ وفا صحیح ہے۔

۴۱۔ ص ۴۶۷ عبدالغفور متوفی ۱۵ رمئی ۱۹۷۹ء

۴۲۔ ص ۴۶۸ عبدالصمد بن سلطان متوفی ۱۹۳۸ء

۴۳۔ ص ۴۶۸ عبدالرحیم بن کرم اللہ سکونت و مولد موضع گلریہہ ہے۔ تعلیق: دوسرا نام حسن پور

۴۴۔ ص ۴۷۰ عبدالسلام (بن یاد علی) ۶ رفروری ۱۹۷۴ء

۴۵۔ ص ۴۷۱ حکیم عبدالحق بن عبدالوہاب ولادت ۱۹۱۶ء، وفات ۱۴ راکتوبر ۱۹۷۶ء

۴۶۔ ص ۴۸۱ محمد یوسف شمس وفات ۱۳۵۷ھ

۴۷۔ ص ۴۸۷ علمائے رام پور (مرحومین) اضافہ: حاجی محمد سعید تلمیذ شاہ ولی اللہ

۴۸۔ ص ۵۰۱ ملا نواب ص ۵۰۱ کے آخری پیراگراف کا حوالہ، تذکرہ کاملان رام پور، ص: ۴۲۲۔ ۴۲۴۔

۴۹۔ ص ۵۰۲ سید مفتی بشیر الدین شافعی مذہب تھے۔ تذکرہ کاملان رام پور ص ۸۳

۵۰۔ ص ۵۰۳ جعفر علی خاں ابن مولوی اکبر علی خاں مولوی اکبر علی عامل بالحدیث تھے۔ ٹانڈہ میں ان کی وجہ سے اہل حدیث اور نمازی پیدا ہوئے۔ لوگ ان کو وہابی کہتے تھے۔ تفصیل دیکھئے: تذکرہ کاملان رام پور، ص ۴۹ تا ۵۱۔ نیپالی۔

(محدث بنارس جولائی ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

باب سوم

یادرفتگاں

علاقہ کچھ کا ایک مرد مجاہد۔ مولانا عبدالرحیم پچھمیؒ

متوا امیر خاں پیر خاں (امیر الحسن ندوی) بھج کچھ

قبل اس کے کہ کچھ کے مرد مجاہد حضرت مولانا عبدالرحیم پچھمی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کچھ عرض کروں۔ ضلع کچھ (گجرات) کا مختصر تعارف کرادوں۔

علاقہ کچھ ہندوستان کا ایک سرحدی علاقہ ہے۔ جس کے مغربی کنارے پر بحیرہ عرب موجیں مار رہا ہے۔ اور شمال میں رن آف کچھ ایک دلدلی لق ودق میدان ہے جو ہندو پاک کے درمیان حد فاصل ہے۔ بقیہ مشرقی وجنوبی اطراف میں گجرات ہے۔ گجرات کے اس علاقہ کچھ میں دو علاقہ ہیں جو بنی اور پچھم کہلاتے ہیں۔ یہاں نوے فیصد مسلمان آباد ہیں۔ ان دونوں علاقوں کا تہذیبی اور لسانی تعلق (عرب وسندھ) سے ہے۔ یہاں کی مادری زبان سندھی ہے۔ رسم ورواج سندھی وعربی بدویانہ ہیں اور یہاں جو قبائل وبرادریاں آباد ہیں وہ بھی مختلف نوع کی ہیں۔ ان میں سے کچھ برادریاں توان خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں جنہوں نے عرصہ دراز تک (سندھ) پر حکمرانی کی ہے۔ جیسے سومرا، سمان، نمٹرے (ارباب) اور عرب برادریاں وغیرہ اور کچھ خاندان ان عربی وایرانی وافغانی مسلم قبائل کی باقیات ہیں۔ جو سندھ وہند پر حملہ آور ہوئے۔ یا اپنے دوسرے حملہ آور ساتھیوں کے ہمراہ یہاں آئے۔ اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ جیسے سید، قریشی، فاروقی، شیخ، پٹھان، مغل، متوا، ..... بلوچ وغیرہ ان کے علاوہ کثیر تعداد میں اور قومیں بھی ہیں۔ جو بہ تحقیق مصنف (پریچنگ آف اسلام) سب نومسلم خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔

یہ مختصر تعارف ہے اس علاقہ کا جہاں آج کثیر تعداد میں موحد کفر وشرک سے پاک مسلم آبادی موجود ہے۔ یہ دینی دعوتی فیض وبرکت حضرت مولانا عبدالرحیم پچھمی رحمہ اللہ علیہ کی وجہ سے ہے۔

مولانا کی پیدائش اور آپ کا خاندان: مولانا ۱۳۰۷ھ میں بمقام لڑیا، متصل کھاوڑ نوئرے (ارباب) برادری میں پیدا ہوئے۔ ماہ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام مولوی عبدالعزیز تھا۔ موصوف علوم اسلامیہ عربی فارسی کے بہت بڑے عالم اور قاضی وقت اور اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ مولانا کے دادا مولوی عبداللطیف عربی فارسی کے جید عالم اور نہایت متقی اور پرہیزگار اور سخاوت وخیر خیرات میں حاتم وقت تھے۔ موصوف ایک ذاتی یتیم خانہ چلاتے تھے۔ جس میں نادار اور لاوارث بچوں کے لئے تعلیم وتعلم کا انتظام ودیگر ضروریات زندگی کی سہولیات تھیں۔ تدریسی خدمت مولانا بذات خود انجام دیتے تھے۔ اور دارالیتامیٰ کے قیام وطعام کا خرچ اپنی ذاتی جائداد سے پورا فرماتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالرحیم علم نواز، اہل خیر اور معزز ترین خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ اس خاندانی اثر کی بدولت مولانا نے مستقبل میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو تاریخ کچھ وسندھ کے لئے سرمایہ افتخار ہیں۔

تحصیل علم: مولانا کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے شہر جام نگر میں ایک پٹھان مولانا عبدالہادی نامی بزرگ کے یہاں گئے اور کچھ عرصہ وہاں پڑھتے رہے۔ پھر وہاں سے طلب علم کی خاطر ہندوستان کے بڑے بڑے مدارس اسلامیہ کی تلاش میں نکل پڑے۔ پہلے ممبئی پہنچے وہاں مولانا کو ان کے ایک پڑوسی سومرہ درس میاں محمد بن عبدالستار ملے۔ انہوں نے مولانا کو گھر لوٹنے کے لئے کہا۔ مگر مولانا گھر لوٹنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ میاں محمد صاحب نے مولانا کو خالی ہاتھ دیکھا تو چھ روپئے دے کر رخصت کیا۔ اس وقت مولانا کی عمر ۱۳ برس کی تھی۔ مگر اس کم عمری میں بھی مولانا کو تحصیل علم کی اتنی تشنگی تھی یہ بغیر کسی تیاری وزادراہ کے وہی چھ روپئے لے کر سفر میں نکل پڑے۔ مولانا ممبئی سے مصائب سفر برداشت کرتے ہوئے کانپور پہنچے اور مدرسہ فیض عام میں داخلہ لیا۔ اس زمانہ میں مدرسہ فیض عام کے صدر مدرس مولانا احمد حسن کانپوریؒ تھے۔ جو بہت ہی مشہور ومعروف باصلاحیت بزرگ تھے۔ موصوف کی تربیت میں رہ کر مولانا نے پورے مدرسہ فیض عام میں اپنی صلاحیت کا سکہ جمادیا۔ مولانا کی ذہانت وذکاوت سے اراکین مدرسہ وطلباء بہت زیادہ متاثر تھے۔ اور سب لوگ مولانا کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے مدرسہ فیض عام کے بعد مولانا بہار گئے اور وہاں شہر گیا کے ایک مدرسہ میں داخلہ لے لیا۔ اس مدرسہ کے اور حالات نہیں معلوم ہوسکے۔ البتہ ایک واقعہ مولانا کی زبانی سننے میں آیا تھا کہ اس مدرسہ کے طلباء اور اساتذہ نے ایک موضوع منتخب کرکے اس پر ایک سینئر طالب علم کو تیاری کے لئے کہا، پھر مولانا کو بغیر کسی تیاری کے بحث کرنے کے لئے کہا۔ مولانا نے مباحثہ میں حصہ لیا۔ ان لوگوں نے سوچا کہ مولانا کی ہار ہوگی مگر اللہ کے فضل سے مولانا کی جیت ہوئی جسے دیکھ کر تمام اہل مدرسہ وطلباء انگشت بدنداں رہ گئے اور ہمیشہ کے لئے مولانا کا لوہا مان لیا۔ شہر گیا کے مدرسہ سے مولانا نے سات سالہ نصاب مکمل کرکے گھر لوٹنے کا ارادہ کیا تو والدین کو خط لکھا کہ میں گھر آرہا ہوں مگر قبل اس کے کہ میں سفر شروع کروں۔ میرے پاس ایک جوڑا کپڑا اور پاپوش بھجوادیں۔ کیونکہ مولانا تحصیل علم کے لئے وطن سے بے سروسامانی کی حالت میں نکل پڑے تھے۔ وطن لوٹتے وقت سوچا کہ ایک رئیس خاندان کا فرزند ہونے کی وجہ سے کسمپرسی اور غربت کی حالت میں وطن جانا ٹھیک نہیں ہے۔ خط ملتے ہی مولانا کے گھر والوں نے حسب فرمائش چیزیں ارسال کردیں۔ مگر قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ تمام چیزیں واپس گھر آگئیں اور پارسل مولانا کو نہیں ملا۔ پارسل واپس آنے پر مولانا کے گھر والوں کو سخت پریشانی ہوئی اور ادھر ادھر تگ ودو کی مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ مولانا نے چندروز انتظار کے بعد وطن کی طرف سفر شروع کردیا۔ راستہ بھر بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر اس مرد مجاہد نے ہمت نہیں ہاری۔ فرماتے ہیں کہ گجرات میں ایک مرتبہ ریل کا ٹکٹ حاصل کررہا تھا کہ ٹکٹ بابو نے میرا ایک روپیہ جعلی قرار دے دیا۔ میرے پاس اور رقم تھی ہی نہیں جو ٹکٹ کے لئے دے سکوں۔ میں مایوس وپریشانی کے عالم میں ریلوے اسٹیشن پر ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ریباری (خانہ بدوش) نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیوں صاحبزادے کیا بات ہے ایسے پریشان کیوں بیٹھے ہو۔ جب میں نے اس کو پوری حقیقت سنائی تو اس ریباری نے کہا کہ اچھا تم اس پچھم کے ہو جس کے جام جی ہیں۔ میں نے کہا ہاں! میں اسی علاقہ کا ہوں تب ریباری نے کہا کہ میں اس علاقہ میں گیا ہوں۔ اور جام جی کو جانتا ہوں۔ تو یہ صحیح نوٹ لو جو تمہارا جعلی نوٹ ہے وہ مجھے دے دو۔ مولانا اس ریباری کا ہمیشہ ذکر فرماتے تھے کہ اس بیچارے نے غیر مسلم ہوکر بھی میرے اوپر احسان کیا اور مصیبت میں کام آیا

جس کو میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔

قریب دس سال کے بعد مولانا فراغت حاصل کر کے وطن واپس آئے تھے۔ جس کے سبب مولانا کو پہلی ملاقات میں والدین بھی بمشکل پہچان سکے۔ مولانا اس وقت بے ساختہ اردو بولتے تھے اور مادری زبان بولنے میں انہیں اس وقت مشکل پیش آتی تھی۔

تھوڑا عرصہ مولانا نے اپنے وطن کچھ میں گزارا۔ اسی دوران والدین نے مولانا کی شادی مولانا ہی کے خاندان میں کردی مولانا کی علمی تشنگی اب بھی بجھی نہ تھی۔ جس کے سبب مولانا چندروز گھر پر رہ کر پھر دارالعلوم دیوبند روانہ ہوگئے۔ اور وہاں جا کر داخلہ لے لیا۔ اس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرسین حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی تھے مولانا نے وہاں درس حدیث لیا اور مخصوص طور پر ان کی خدمت میں رہے۔ اور نو مہینہ تک اکتساب فیض کیا پھر کچھ گھریلو مجبوریوں کی بنا پر وہ کچھ واپس لوٹ آئے۔ دیوبند سے لوٹ آنے کے بعد مولانا کا طالب علمی کا دور ختم ہوگیا۔ پھر مولانا مستقل گھر پر رہنے لگے۔ اور کتب اسلامیہ کے گہرے مطالعہ میں مشغول ہوگئے۔

مولانا کو صدمہ: مولانا کو اللہ نے پہلی اولاد عطا فرمائی وہ نرینہ تھی مولانا کو اپنے اس فرزند سے بے حد محبت وانس تھا۔ قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک سال سات مہینہ میں اس بچہ کا انتقال ہوگیا۔ مولانا کو اس بچہ کی مفارقت کا بے حد صدمہ ہوا۔ غم غلط کرنے کے لئے کچھ کھجوریں اور پانی لے کر آپ پہاڑی کھنڈرات اور جنگلات کی طرف چل دیئے۔ وہاں پہاڑ پر ایک سمری نام کی جگہ ہے جہاں چھوٹا سا پانی کا چشمہ بھی ہے۔ وہاں جا کر ریاضت الٰہی اور مطالعہ کلام الٰہی میں مشغول ہوگئے تین روز تک صرف کھجور اور پانی پر روزہ رکھتے اور افطار کرتے رہے۔ تلاوت کے لئے کتاب اللہ ساتھ تھی۔ اس کی عمیق گہرائیوں میں اس پہاڑ کی تنہائی میں غوطہ زن رہے بتایا جاتا ہے کہ اس تین روزہ ریاض کے دوران اللہ تعالیٰ نے مولانا کو شرح صدر فرمایا مولانا پر قرآن کے رموز واسرار واضح ہوگئے۔ مولانا کے سامنے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی۔ ہمارا علاقہ اور پورا قبیلہ جو اس پیری مریدی کے چکر میں پھنسا ہوا ہے یہ سراسر شریعت محمدی اور قرآنی تعلیمات کے منافی ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ مولانا اس پہاڑی کی بلندی سے نیچے آئے۔ اور بستی کی طرف چلے دیئے۔ درمیان میں شہر کھاوڑہ پڑتا ہے وہاں کھتری میاں احمد کی دکان پر آئے۔ دکان پر کتاب ''تقویۃ الایمان'' مولانا کی نظر سے گزری۔ مولانا نے کتاب تقویۃ الایمان کی ورق گردانی کرتے ہی فرمایا الحمدللہ ایک تو گواہ مل گیا۔ مولانا نے گھر پہنچتے ہی اپنے بزرگوار سے کہا کہ ابا جان یہ جو ہم نے پیری مریدی کا جال بچھا رکھا ہے اور عبد ومعبود کے درمیان جو فاصلہ کھڑا کر رکھا ہے یہ کتاب اور سنت رسول اللہ کی رو سے کہاں تک درست ہے۔ دیکھئے قرآن شریف کیا کہتا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں اور یہ کتاب شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تقویۃ الایمان میں کیا لکھا ہے۔ مولانا کی تقریر ان کے والد بزرگوار بہت دیر تک سنتے رہے اور دیر تک مولانا کا چہرہ تکتے رہے۔ پھر کہا کہ بیٹے یہ سب کچھ اپنی جگہ پر ٹھیک ہے مگر تم اس چکر میں نہ پڑو۔ ورنہ دکھی ہوجاؤ گے۔ والد بزرگوار کے اس جواب پر مولانا بہت ہی پرجوش اور جذباتی آواز میں بولے۔ ابا جان سن لیجئے میں حق بات کہہ کر رہوں گا۔ چاہے مجھے عظیم سے عظیم تر قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔

میں ان پیروں اور مرشدوں کے خلاف علم بغاوت بلند کروں گا۔ چاہے مجھے وطن مالوف کیوں نہ چھوڑنا پڑے مولانا کے خیالات گھر سے قبیلہ اور قبیلہ سے پورے علاقہ میں جب پھیل گئے تو مولانا کی سخت مخالفتیں شروع ہوگئیں۔ اور پورا قبیلہ وعلاقہ مولانا کا دشمن

ہوگیا۔مگر یہ مرد مجاہد تن تنہا شرک وبدعت کے خلاف جہاد کے لئے کھڑا ہوگیا۔اور ہر جگہ کفر وشرک کے موضوع پر مباحثے ومناظرے شروع ہوگئے۔

پہلا مناظرہ: مولانا نے ہر جگہ کتاب وسنت کی دعوت بہت ہی جوش وولولہ کے ساتھ شروع کیا۔شرک وبدعت کے بادل دھیرے دھیرے چھٹنے لگے اور مولانا کی دعوت حق کو لوگوں نے رفتہ رفتہ قبول کرنا شروع کیا مگر طاغوتی طاقتیں اور حق وصداقت کے مخالفین بھی چپ رہنے والے نہ تھے وہ پیر ومرشد جنہوں نے عوام الناس کی بدعات وخرافات میں غرق کر رکھا تھا۔اور پوری طرح اپنے پنجہ میں کس رکھا تھا اور ہر طرف ان ہی کا سکہ چل رہا تھا وہ اتنی آسانی سے سپر انداز نہیں ہوسکتے تھے۔مولانا کی کتاب وسنت کی گونج سے سرحد کچھ وسندھ کے پیروں مرشدوں کی نیند حرام ہوچکی تھی۔سندھ میں تو ایک شور برپا ہوچکا تھا کہ کچھ میں ایک وہابی پیدا ہوا ہے جو ہمارے مریدوں کو گمراہ کر رہا ہے یہ سب حالات جب پیدا ہوئے تب سندھ (پاکستان) کے پیر علی اکبر لونی اپنے جملہ جاہ وجلال کے ساتھ اپنے مریدوں اور رفیقوں کا ایک جتھا لے کر کچھ کی طرف نکل پڑے اور ہر جگہ یہ اعلان کروادیا کہ آج میں کچھ جارہا ہوں۔ اور فلاں تاریخ کو شہر کھاوڑا کچھ میں مناظرہ ہوگا۔تمام مریدین شہر کھاوڑا میں آئیں۔تاکہ وہ تماشہ دیکھ سکیں کہ میں کس طرح اس وہابی کا ہمیشہ کے لئے ناطقہ بند کرتا ہوں۔لوگ جوق در جوق شہرہ کھاوڑا میں مقررہ تاریخ پر جمع ہوگئے۔پیر صاحب کے مریدوں کے جم غفیر کے ساتھ اطراف کے علماء وفقہاء بھی جمع ہوگئے تھے۔ان علماء نے فریقین کے مشورے سے ایک تحریر تیار کی جس میں بحث کا موضوع علم غیب متعین کیا اور تحریر میں لکھا کہ فریقین میں سے جس فریق کے کتاب وسنت کی رو سے دلائل بھاری اور قوی ہوں گے اس فریق کی جیت اور ہارنے والے کو اس تحریر پر لکھنا ہوگا کہ ہم ہار گئے۔ہمارے دلائل کمزور ہیں اور ہم یہ دستخط کئے دیتے ہیں۔

ان تحریری شکنجوں اور علماء وامراء کی نگرانی میں کھلے عام مناظرہ شروع ہوا۔اولاً پیر صاحب نے گفتگو شروع کی۔پیر صاحب نے بس وہی منطقی صغریٰ وکبریٰ کا سلسلہ شروع کردیا۔جب پیر صاحب خاموش ہوئے اس کے بعد مولانا گرجتی ہوئی آواز میں پہلے سامعین سے مخاطب ہوئے اور فرمایا پیر صاحب نے جو کچھ فرمایا کیا آپ لوگوں کو اس سے کچھ پلے پڑا (مجمع میں بالکل سکوت وسناٹا) پھر فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ عوام الناس کو تو کچھ بھی پلے نہیں پڑا ہے اور علماء وفضلاء مزید تذبذب میں پڑ گئے ہیں۔پھر مولانا تھوڑی دیر خاموش کھڑے رہے اور پورے مجمع کا جائزہ لیا۔اور لہن داؤدی میں سورہ انعام کی یہ آیت تلاوت فرمائی {وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لاَ يَعْلَمُهَا إِلاَّ هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلاَّ يَعْلَمُهَا وَلاَ حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الأَرْضِ وَلاَ رَطْبٍ وَلاَ يَابِسٍ إِلاَّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ} (سورہ انعام،۵۹) بس پورے مجمع پر ایک سناٹا چھا گیا اور ہر شخص غیر شعوری طور پر جھوم رہا تھا کیونکہ مولانا بہت خوش گلو تھے۔جب تلاوت فرماتے تو مجمع پر ایک خاص کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔مولانا نے اس آیت شریفہ کا مطلب بیان کیا۔علماء فقہاء نے اس سے بڑھ کر اور کسی دلیل کی ضرورت محسوس ہی نہیں کی اور عوام الناس کو قرآن شریف کی آیات شریفہ کے سیدھے سادھے ترجمہ ومطلب نے اتنا سمجھا دیا کہ ان کو بالکل یقین ہوگیا کہ علم غیب کی تمام کنجیاں اللہ ہی کے ہاتھوں میں ہیں، یہ سچی حقیقت کھل کر ان کے سامنے آگئی۔پھر پیر صاحب کھڑے ہوگئے۔تو مجمع میں ایک شور وغوغا سا پیدا ہوگیا۔پیر صاحب نے

بہت کوشش کی مگر مجمع پر وہ کنٹرول نہ کر سکے۔ آخر میں پیر صاحب سے تحریر پر دستخط کرا لئے۔ اس وقت تو اتنی نازک صورت پیدا ہوگئی کہ اندیشہ تھا کہیں فساد نہ ہو جائے۔ مگر شہر کے امراء اور پولیس نے حالات پر قابو پالیا اور بمشکل پیر صاحب کو اپنے وطن سندھ روانہ کیا۔

دوسرا مناظرہ: ملتان پنجاب کے مخدوم عارف شاہ نام کے ایک پیر صاحب تھے جو اپنے مریدوں کے علاقوں کا دورہ کرتے ہوئے سندھ تا تھر پار ہوتے ہوئے کچھ میں بمقام ڈموڈا بنی اپنے مریدوں کے یہاں آئے۔ انہوں نے بھی مریدوں کی خواہش پر مولانا سے مناظرہ غیر اللہ کے نام پر ذبیحہ کے موضوع پر کیا مگر پیر صاحب کو شکست ہوئی اور پیر صاحب نے آئندہ کبھی کچھ کی طرف رخ نہیں کیا۔

تیسرا مناظرہ: یہ مناظرہ کچھ میں بمقام ستھری دیوبندی اور بریلوی حضرات کے درمیان علم غیب کے موضوع پر ہوا تھا۔ بریلوی نے اپنی اعانت کے لئے مولوی عبدالکریم کو بلایا اور دیوبندیوں نے کھاوڑا سے مولانا کو بلایا فریقین کے درمیان جج کی حیثیت سے خان بہادر عبدالرشید خاں سابق پولیس کمشنر اسٹیٹ کچھ بھوج کو رکھا گیا تھا۔ ستھری میں بھی مولانا نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ایسے دلائل وبراہین پیش کئے کہ مخالف فریق کی زبان گنگ ہوگئی۔ مولانا کی اس سچائی وصداقت کو دیکھ کر خان بہادر جو درمیان میں جج تھے مولانا سے اتنے متاثر ہوئے کہ ہمیشہ کے لئے مولانا کے معتقد ومحب بن گئے اور تادم زندگی ساتھ دیتے رہے۔

چوتھا مناظرہ: یہ مناظرہ سندھ میں بمقام گوپانگ ۱۹۸۸ء میں غلام علی گوپانگ اور ان کے رفقاء سے ہوا تھا۔ اس موقع پر سندھ پاکستان کے رئیس الجبریہ اور ان کے قبیلہ نے مولانا کے لئے جانی ومالی بہت تعاون کیا۔ اور قدم بقدم مولانا کا ساتھ دیتے رہے کیونکہ مقامی لوگوں کے کچھ ارادے بدلے ہوئے تھے ان لوگوں نے سوچ رکھا تھا کہ کسی طرح فساد کر کے مولانا کی بے عزتی کروائی جائے مولانا نے جب یہ خراب پوزیشن دیکھی تب قصبہ پیر جھنڈا ضلع نواب شاہ اپنے رفیق پیر احسان اللہ شاہ کے یہاں چلدیئے وہاں جا کر پیر صاحب سے مشورہ کیا اور طے فرمایا کہ پہلے تو مولوی محمد اسماعیل پتانی کو دفتر جمعیۃ اہل حدیث بھیجا جائے تا کہ وہ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ سے پورے حالات ذکر کریں مولوی صاحب دفتر جمعیۃ اہل حدیث گئے اور پورے احوال شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری سے ذکر کئے۔ شیخ الاسلام نے پوری حقیقت سن کر اور زیر بحث مسائل پر غور کر کے فرمایا کہ میرے چلنے کی تو ضرورت نہیں بقیہ ان مسائل کے لئے جمعیۃ اہل حدیث کے مبلغ سید عبدالرحیم شاہ کافی ہیں۔ وہ آپ کے ساتھ چلیں گے شیخ الاسلام نے شاہ صاحب کے لئے حکم فرمایا۔ شاہ صاحب مولوی صاحب کے ساتھ تیار ہو گئے اور مناظرہ میں شرکت فرمائی مناظرہ کا نتیجہ وہی نکلا کہ مولانا کی جیت ہوئی اور مخالف فریق میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شیخ الاسلام امرتسریؒ سے متاثر تھے۔ اس طرح مولانا نے کئی مناظرے ومباحثے شرک وبدعت کے خلاف فرمائے۔ مگر ان سب مناظروں ومباحثوں میں مصنوعی حج لونہاری کے خلاف ستیہ گرہ اور ڈونج کا مناظرہ دو واقعوں کو مولانا اور مولانا کے رفقاء کی تاریخ میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے:

(۱) ۱۹۳۸ء میں سندھ میں بمقام لونہاری ایک پیر صاحب نے مصنوعی حج کا اعلان کر دیا تھا جس کے سبب پورے سندھ وسرحد کچھ میں ایک ہلچل مچ گئی تھی مولوی خیر محمد نظامانی اور حاجی محمد ملاح نے اس مصنوعی حج کے خلاف ایک ستیہ گرہ کی تجویز پاس کی۔ تعاون

کے لئے مولانا کو اطلاع دی۔ مولانا اپنے ساٹھ رفقاء کے ہمراہ سندھ آپہنچے۔ اور مصنوعی حج کے خلاف ولولہ انگیز تقریریں شروع کردیں۔ یہ وہ ولولہ انگیز بیانات تھے کہ تھوڑی دیر میں رضا کاروں کے پہرے لگ گئے اور چند ہی دنوں میں مجاہدین ملت ونوجوانان اسلام سے صوبہ سندھ کی جیل کی کوٹھریاں بھر گئیں۔ بلکہ مکان تک ٹھس گئے اور چہار سو اللہ اکبر کے نعرے گونجنے لگے۔ آخر اسٹیٹ گورنمنٹ سندھ کو مجبوراً اس نزاع میں مداخلت کرنی پڑی اور بہت جلد ہی اس مصنوعی حج کو غیر قانونی اور ناجائز ٹھہرا کر بند کروادیا اس عدالتی مقدمہ کی پوری کتاب مصنوعی حج لونہاری میں ہے جو سندھی زبان میں ہے۔ اس کتاب کے ضمیمہ کے مطالعہ سے (جو سندھی اور انگریزی دونوں زبانوں میں ہے) پوری تفصیل معلوم ہوسکتی ہے۔ اس مقدمہ میں ممبر اسمبلی سر غلام حسین نے بہت اہم رول ادا کیا تھا۔ آپ ہی نے فتح لونہاری کی خبر فوراً تار کے ذریعے ولی حجاج شاہ ابن سعود کو دی۔ شاہ اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور شاہی خزانہ سے بانی ستیہ گرہ لونہاری کو ایک مخصوص شاہی جبہ سے نوازا۔ جو حضرت مولانا عبدالرحیم مرحوم پچھیمیؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ وہ شاہی جبہ آج بھی حضرت مولانا کے نواسے مولانا ابوبکر شکراوی کے یہاں موجود ہے۔

(۲) ڈونجھ کا مناظرہ تعلقہ مٹھی ضلع تھرپا کر مولوی محمد علی جونیجو کے خلاف ہوا تھا۔ فریقین میں کش مکش کے بعد طے پایا کہ دونوں فریقین اپنے اپنے علماء کو بلائیں اہل حدیثوں نے مولانا عبدالرحیمؒ مولوی محمد عمر جونیجو ڈیپلائی، عبدالعزیز عرب صاحب کو بلایا اور مخالف گروپ نے پیر غلام مجدد شکارپوری مولوی ملا کاتیار اسٹیٹ مولوی عبدالغفور کزی کو بلایا۔ اور مناظرہ کی تاریخیں ۱۴، ۱۵، ۱۶/ ۱۹۴۳ء قرار پائیں۔ اور تین عنوان بحث کے لئے متعین ہوئے۔ (۱) حیات النبی (۲) تقلید (۳) استعانت۔ اس مناظرے نے پورے سندھ کی کایا پلٹ کر رکھ دی اس کے بعد پھر کسی مخالف نے سر تک نہیں اٹھایا۔ اس مباحثے کا پورا حال سندھی زبان میں ایک رسالہ کی شکل بنام ''اظہار الحق'' شائع ہو چکا ہے۔ جو پڑھنے والوں کو آج بھی نور ہدایت سے منور کرتا ہے۔

حضرت مولانا کے رفقاء وشاگرد: مولانا کو درس وتدریس کا بہت کم وقت ملا فراغت کے بعد عمر کا بیشتر حصہ دعوت وتبلیغ کی راہ میں گزارا، سرحد کچھ وسندھ کے مختلف علاقوں میں جاجا کر شرک وبدعت کے قلعوں اور کمین گاہوں کی بیخ کنی فرمائی مولانا کی اس دینی مخلصانہ پیغمبرانہ جدوجہد سے اللہ تعالی نے مولانا کی معاونت کے لئے کچھ وسندھ میں ایک ایسا پاکیزہ ومخلص گروہ پیدا کردیا جس نے ہر دم ہر حیثیت سے مولانا کا تعاون کیا۔ اور اپنی پوری توانائیوں کو مولانا کے اس دینی مشن کے لئے وقف کردیا سندھ پاکستان میں مولوی خیر محمد نظامانی نے اپنا ماہانہ رسالہ مولانا کی تقاریر وروئداد شائع کرنے کے لئے وقف کردیا جو مستقل مولانا ہی کے دعوتی مشن کو شائع کرتا رہا۔ اسی طرح سندھ پاکستان میں مولانا کے رفیق خاص، عزیز دوست مولانا حاجی احمد ملاح مرحوم نے اپنے ولولہ انگیز پر جوش موحدانہ سندھی شاعری سے سندھ وسرحد وکچھ میں کتاب وسنت کا صور پھونک دیا تھا۔ ہر بچے بوڑھے جوان مرد وعورت کی زبان سے سندھی شاعری میں کتاب وسنت کے ترانے گونجنے لگے۔ ملاح کی کتابیں ہکڑائی حق، گلشن احمد، گلزار احمد، غزلیات احمد، فتح حج لونہاری وغیرہ یہ وہ روشن مینار اور کتاب وسنت کے جیتے جاگتے چراغ ہیں جن کو آج تک سرحد کچھ وسندھ میں بڑی عقیدت وچاہ سے پڑھا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہزار ہا لوگوں نے ملاح کی اس موحدانہ وپر جلال خطیبانہ شاعری ہی سے راہ مستقیم کو پایا ملاح کی شاعری کی یہ خاص

خوبی ہے کہ وہ وعظ ونصیحت کرتے ہوئے مخاطب کی کمزوری پر طنزیہ انداز میں ایسے تیر ونشتر برساتے ہیں کہ مخالف کو اپنی غلطی کا شدید احساس ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی غلطی سے نادم ہوکر راہ مستقیم کا متلاشی ہوجاتا ہے اس کے علاوہ ملاح کا عظیم کارنامہ سندھی زبان کے لئے کتاب اللہ کا منظوم سندھی زبان میں ترجمہ ہے ملاح نے سندھی زبان پر وہ جلیل ومؤقر احسان کیا ہے، جس کو سندھ کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی اور ملاح کی یہ عظمت تاریخ سندھ میں ہمیشہ امر رہے گی۔

اس طرح ہندوستان میں کھاوڑا پچھم خطہ میں صاحب سمان سلیمان سمان منٹھار میگھراج نوہڑے حاجی سلیمان نوہڑے کھتری مولوی محمد طیب وغیرہ جیسے رئیس القوم مولانا کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے جنہوں نے تبلیغ کے میدان سے لے کر عدالت وکچہریوں تک مولانا کا ساتھ دیا۔ مذکورہ شخصیتوں میں سے مولوی محمد طیب صاحب کی شخصیت جو مولانا کے خاص شاگرد رشید تھے۔ بہت بلند تھی۔ حضرت مولانا کے انتقال کے بعد کھتری صاحب اپنے علاقہ پچھم کھاوڑا کے امام وقاضی تھے۔ سیاست وقانون میں آپ کا شمار اہل الرائے میں ہوتا تھا۔ تقوی وپرہیزگاری میں اپنے وقت کے ولی اور خدارسیدہ بزرگ تھے۔ آپ کے سلسلہ میں ایک واقعہ مشہور ہے کہ شہر کھاوڑا کی کچھ غیر مسلم دوشیزائیں شام جنگل کی طرف رفع حاجت کے لئے نکلی ہوئی تھیں چلتے چلتے اس جھرمٹ میں سے کسی نے کہا کہ ارے کوئی آدمی آرہا ہے۔ یہ سنتے ہی سب سہم گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد انہیں میں سے کسی نے بہت ہی بھولے اور معصوم انداز میں کہا، اری وہ تو مولوی محمد طیب کھتری ہیں یعنی ان کو آپ کا تقویٰ وپرہیزگاری کا اتنا بھروسہ ویقین تھا کہ اپنے بھولے پن وسادگی سے غیر شعوری طور پر مولوی صاحب کو اس موجودہ دور کی درندہ صفت انسانیت سے خارج کردیا۔ یہ مولوی صاحب کے تقویٰ وپرہیزگاری کا معمولی سا کردار تھا۔ جس نے غیر مسلموں کے دل میں بھی اتنا اونچا مقام پیدا کردیا تھا۔ بنی علاقہ میں متوا حافظ مصری راقم الحروف کے نانا تھے۔ جو مرد مجاہد مولانا کی آواز پر لبیک کہہ کر کھڑے ہوگئے تھے حافظ صاحب اپنے علاقہ کے رئیس اور بااثر انسان تھے جن کا تقویٰ وپرہیزگاری مثالی تھی۔ علمی اعتبار سے اپنی قوم متوا کے قاضی ومفتی تھے۔ حافظ تو اتنا بلا کا پایا تھا کہ جب بھی کسی موضوع پر گفتگو فرماتے تو معلوم ہوتا کہ تاریخ سیاسیات ودینی مسائل کا چشمہ بہہ رہا ہے۔ یہ مضمون جو لکھا گیا ہے یہ بھی حافظ صاحب کی دین ہے کہ انہوں نے سندھی زبان میں کچھ مواد مرتب کر رکھا تھا جس کی روشنی میں یہ پورا مضمون مرتب ہوا ہے۔ اس وقت بھی کئی ایسے لوگ حیات ہیں جنہوں نے مولانا سے اکتساب فیض کیا تھا۔ جو قوم وملت کے لئے ایک روشن بنیاد وقندیل کا کام دے رہے ہیں۔ مثلاً سوئیلہ پچھم میں امیر جماعت اہل حدیث مولوی عبداللہ نوہڑے دنّارا پچھم میں محترمہ ادب خاتون کریمہ بہن گھوریوالی بنی میں متوا حاجی دلیل خاں، اور متوا حافظ مولوی محمد قاسم صاحب شہر بھوج میں سیٹھ بچو مہر واور مولانا یوسف مہتہ وغیرہ یہ وہ ارکان وستون ہیں جن کو علاقہ کچھ میں جماعت اہل حدیث کے لئے محوری ومرکزی حیثیت حاصل ہے۔ بلکہ علاقہ کچھ میں جتنے سماجی سیاسی اور دینی کام چل رہے ہیں یہ سب ان بزرگوں ک مرہون منت ہیں اللہ ان بزرگوں کا سایہ ہماری قوم کے لئے دراز فرمائے۔ آمین۔

آئین جواں مرداں حق گوئی وبے باکی　　اللہ کے شیروں کو آئی نہیں روباہی

(مجلہ اہل حدیث ہریانہ، اپریل ۲۰۱۷ء)　　□□□

شیر گجرات محدث ہند علامہ عبدالجلیل سامرودی علیہ الرحمہ

مختصر داستان علم وعمل

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی (استاد جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی)

زیر نظر مضمون بتاریخ ۹ نومبر ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ سامرودی علیہ الرحمہ کی آبائی بستی سامرود میں ایک روزہ دعوتی دورے کے موقع پر علامہ کے فاضل اور بزرگ پوتے مولانا ابوعمر علی احمد سراجی سے حاصل کردہ معلومات اور آپ کے شاگرد رشید مولانا شہاب الدین مجاہد سے کئے گئے بعض استفسارات نیز اپنی ذاتی کاوش کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔

نام ونسب: ابوعبدالکبیر محمد عبدالجلیل بن ابوالسعادات علی احمد علامہ مولانا محمد بن حافظ شیخ ہاشم بن شیخ محمد بن شیخ علی بن احمد بن علی السامرودی۔

آپ کا پیدائشی نام محمد علی تھا جسے آپ کے استاد مولانا عبدالوہاب صدری ملتانی نے تبدیل کر کے عبدالجلیل رکھ دیا اور بچپن سے آپ نے اسے اختیار کرلیا اور یہی نام آپ کا مشہور ومعروف ہوا۔ آپ کے دادا علامہ محمد بن ہاشم سامرودی شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔

تاریخ پیدائش: آپ کی پیدائش ۱۸۹۰ء کو آپ کے آبائی وطن ''سامرود'' نامی ایک بستی میں ہوئی جو ہندوستان کے صوبہ گجرات کے مشہور صنعتی شہر سورت سے تقریباً ۲۵ کلومیٹر دوری پر واقع ہے اسی گاؤں میں آپ پیدا ہوئے اور تعلیم کے بعد یہیں پر آپ نے مسجد قائم کی اور طلباء اور شائقین کو فیض پہنچایا، یہ بستی آپ کے علم اور عمل کی وجہ سے پوری دنیا میں اہل علم علماء اور طلبہ کی توجہ کا مرکز بن گئی، الحمدللہ شیخ کی میراث علم وعمل آج بھی آپ کے وارثین اور یہاں کے ساکنین اہل جماعت میں دیکھنے کو ملتی ہے۔

ابتدائی تعلیم اور اساتذہ وشیوخ: (۱) آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم شیخ ابوالسعادات علی احمد سے گھر پر ہی حاصل کی اور انتہائی کم عمری میں۔ (۲) جب دہلی کے مسند پر میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کا غلغلہ حدیث سنا تو آپ کی خدمت میں حصول علم حدیث کے لئے ۱۹۰۱ء یعنی گیارہ سال کی عمر میں روانہ ہوگئے، آپ کی کم عمری اور صغرسنی کی وجہ سے میاں صاحب نے پہلے تو انکار شدید کیا لیکن جب آپ کے چہرے پر رنج وغم اور افسردگی کے آثار نمایاں دیکھے اور گجرات کے دور دراز علاقے سے آپ کا تعلق دیکھا تو آپ کو آپ کے ماموں ادیب الہند مولانا السورتی (جو اس وقت شیخ الکل کے یہاں زیر تعلیم تھے) کے ساتھ اپنے شاگرد خاص

مولانا عبدالوہاب صدری ملتانی کے پاس روانہ کردیا چنانچہ یہیں پر آپ نے داخلہ لیا اور پھر شیخ کے علمی فیوض وبرکات سے اپنے دل ودماغ کو منور کیا اور مسلسل دس سالوں تک شیخ کی خدمت میں رہ کر اپنا دامن مراد بھر لیا اور پھر وطن سامرود واپس لوٹ آئے۔

مولانا صدری کے پاس ابتدائی ایام تعلیم میں آپ کو بڑی دقتیں پیش آئیں سامرودی صاحب نے اپنی کتاب ازہرۃ ریاض الابرار کے مقدمہ میں تحریر کیا ہے کہ جب میں اپنے استاد صدری صاحب کے پاس تعلیم حاصل کررہا تھا آپ مجھے پڑھاتے اور کہتے عبدالجلیل پڑھ تو میں بھی وہی الفاظ دہراتا اور کہتا کہ عبدالجلیل پڑھ جو میرے استاد کہتے میں بھی وہی کہتا ایک دن تنگ آکر میرے استاد صدری صاحب نے خفا ہوکر کہا کہ عبدالجلیل تو صرف کھاپی کر یہاں موٹا بننے کے لئے آیا ہے استاد کی یہ بات مجھے اس وقت دل کو لگ گئی اور پھر اسی دن سے میں نے پڑھنے کا مکمل ارادہ کرلیا چنانچہ رب العالمین کی توفیق شامل حال رہی اور مسلسل دس سالوں تک آپ نے شیخ صدری کے پاس زانوئے تلمذ تہ کیا اور پھر ایک جلیل القدر عالم محدث اور فاضل بن کر فارغ ہوئے۔

☆ **دہلی سے وطن واپسی اور حلقۂ درس وتدریس کا قیام:** ۱۹۱۰ء میں مولانا عبدالوہاب صدری سے میاں صاحب کے علوم وفنون میں مہارت حاصل کرکے جب وطن آئے تو وہیں درس وتدریس اور دعوت کا سلسلہ شروع کردیا آپ کے والد محترم مولانا علی احمد اور دادا مولانا محمد بن ہاشم سامرودی جو کہ میاں صاحب کے شاگردوں میں سے ہیں۔ سامرود میں ایک مکتبہ قائم کیا تھا آپ بھی اسی مکتبہ سے منسلک ہوگئے اور آباد واجداد کی علمی میراث کو زندہ کرتے ہوئے درس وتدریس سے منسلک ہوگئے چنانچہ آپ کے درس کی شہرت ہندو بیرون ہند تک پہونچ گئی اور طلباء اور شائقین علوم نبوت کا قافلہ یہاں علمی تشنگی بجھانے کے لئے وارد ہونے لگا رفتہ رفتہ آپ نے ۱۹۲۵ء میں یہاں ایک مسجد بھی قائم کردی اس مسجد کے پاس ایک کنواں تھا اسی کے قریب بیٹھ کر آپ فجر کی نماز کے بعد درس شروع کرتے درمیان میں ناشتہ کا وقفہ ہوتا اور پھر مسلسل ساڑھے گیارہ بجے تک پڑھاتے تھے اور پھر ظہر کی نماز ہوتی کھانا وغیرہ کھا کر قیلولہ کرتے عصر کی نماز کے بعد واپس درس شروع کرتے تھے رات کے اوقات میں لالٹین کی روشنی میں ہی درس دیا کرتے تھے دوران تدریس آپ اکثر اوقات اپنے مکتبہ ہی میں گزارتے تھے جس کا نام آپ نے مکتبہ محمدیہ جلیلیہ رکھا تھا، صرف کھانا کھانے کے لئے گھر میں جایا کرتے تھے طلبہ اور شاگردوں کا بیان ہے کہ آپ کے پاس رات کے اوقات میں اللہ کی دوسری مخلوق جن بھی پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے اس سلسلے کے کئی واقعات بھی روایت کئے جاتے ہیں، مولانا کے شاگرد خاص شیخ شہاب الدین مجاہد کا بیان ہے کہ مولانا سب سے پہلے فجر کی نماز کے بعد قرآن مجید اور اس کی تفسیر پھر اس کے بعد عقیدہ کی کتابیں جن میں الابانہ فی اصول الدیانہ، کتاب العلوم کتاب التوحید وغیرہ کتابیں تھیں پڑھاتے پھر اس کے بعد حدیث کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے صفات باری تعالی کے سلسلے میں تاویل اور تعطیل وغیرہ کا جو عقیدہ ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا اس کی تردید میں مولانا کی کاوشوں کا بڑا عمل دخل ہے خصوصاً صفات کے سلسلے میں علمائے سلف کے عقیدے کی نشر واشاعت میں آپ نے بڑی محنتیں کیں اپنے شاگردوں کو تیار کیا آپ نے جو سند اجازۃ حدیث اپنے شاگردوں کو دیا ہے اس کے الفاظ اور عبارت سے بھی یہ بات بالکل واضح معلوم ہوتی ہے۔

عربی زبان پر تو آپ کو بے حد عبور حاصل تھا ایک عربی نے سن کر بڑا تعجب کیا اور پوچھا اتنی شائستہ اور شگفتہ عربی آپ نے کہاں

سے سیکھی تو شیخ نے فرمایا کہ: **تعلمت من الکتاب والسنۃ** کہ میں نے قرآن وحدیث سے عربی سیکھی ہے لوگوں سے استفسار اور گفتگو کے دوران اکثر وبیشتر قرآنی زبان کا استعمال کرتے اگر کسی کو زجر وتوبیخ کی ضرورت پیش آتی تو **الیس منکم رجل رشید** جیسے قرآنی جملے سے اس کی تعبیر کرتے تھے۔

☆ سامرودی صاحب کا کتب خانہ اور اس میں موجود مطبوعات ومخطوطات:

مولانا عبدالجلیل سامرودیؒ ایک محقق، ناقد اور بحث ومناظرہ کے شائق اور اس پر قدرت رکھنے والے صاحب بصیرت عالم دین تھے اور اس کے لئے سب سے پہلے جن چیزوں کی ضرورت ایک باحث اور مناظر کو پیش آتی ہے وہ اعلیٰ قسم کے مراجع ومصادر ہیں اور علمائے اسلاف کا ذخیرہ علوم وفنون اور اس سے منسلک قدیم علمی اور جامع کتابیں ہیں چنانچہ آپ نے اس کے لئے اس مکتبہ کی تجدید کی جسے دراصل آپ کے والد بالخصوص دادا مرحوم علامہ محمد بن ہاشم سامرودی (تلمیذ شیخ الکل میاں صاحب) نے قائم کیا تھا، اسے عمدہ اور نایاب کتابوں سے دادا اور والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ نے بھر دیا اور عقیدہ، تفسیر، حدیث، فقہ، اور دیگر علوم وفنون کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابیں جمع کیں، جو کتابیں نایاب تھیں ان کے قلمی نسخے تیار کئے یا منگوا کر جمع کرائے آپ کے پوتے مولانا علی احمد سراجی اور جامع مسجد سامرود کی نوازشیں اور عنایات ہیں کہ مجھے علامہ سامرودی کے کتب خانہ کی زیارت کا موقع ملا، کچھ قدیم مطبوعہ کتابیں بالخصوص قلمی نسخے بھی دیکھنے کا موقع ملا، کتابوں کی ورق گردانی کرنے سے محسوس ہوا کہ سامرودیؒ مطالعہ کے بے حد شوقین تھے اور بڑی بصیرت اور باریک نگاہی سے تمام کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، جگہ جگہ کتابوں پر کنارے یا نیچے آپ کے ہاتھ کی عمدہ تحریر اور خوش خطی سے حاشیہ اور نوٹ لگے ہوئے دکھائی دیتے ہیں مکتبہ کے ذمہ داران اور آپ کے وارثین نے مجھے بتایا کہ تقریبا سات سو سے لے کر آٹھ سو تک مطبوعہ کتابیں اور کم وبیش دو سو کی تعداد میں بعض قدیم ونایاب کتابوں کے قلمی نسخے مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں سامرودیؒ کی مسجد کی تعمیر جدید ۲۰۰۵ء میں نئے انداز سے کی گئی اور بڑی عالیشان عمارت الحمدللہ آپ کی یادگار کے طور پر رب العالمین نے فضل وتوفیق سے تیار ہوگئی اس میں ایک عربی مدرسہ اور شعبہ تحفیظ نیز سامرودی صاحب کا کتب خانہ مکتبہ محمدیہ جلیلیہ کے نام سے موجود ہے کتابوں کی جلد سازی کروادی گئی ہے اور مخطوطات وقلمی نسخوں کی حفاظت کے لئے بھی کاوشیں جاری وساری ہیں، اللہ تعالیٰ مزید توفیق عطا فرمائے۔

سند اجازۂ حدیث اور اس کی کاپی: مولانا سامرودیؒ نے چونکہ کم سنی میں شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی المتوفی ۱۹۰۲ء سے ملاقات کی تھی اسلئے شیخ الکلؒ سے تعلیم اور اجازۂ حدیث کا مباشرۃ موقع نہ مل سکا البتہ شیخ الکل کے مشہور تلمیذ علامہ عبد الوہاب صدری ملتانی سے آپ نے مسلسل کئی سالوں تک کسب فیض کیا صدری صاحب کے واسطے سے آپ نے میاں نذیر حسین محدث دہلوی اور پھر اس کے آگے بسلسلہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے اجازہ حدیث حاصل کیا یہ وہی مشہور سند اجازہ حدیث ہے جو ہندوستان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے واسطے سے ہوتے ہوئی کئی سلسلوں کے بعد ائمہ حدیث تک پہنچتی ہے۔

میرے پاس سند اجازہ کی وہ کاپی جسے آپ نے اپنے ایک انڈونیشیائی شاگرد کو تحریر کر کے دیا تھا بڑی عمدہ تحریر اور خوش خطی میں موجود ہے جسے میں نے سامرودی کے مکتبہ محمدیہ جلیلیہ سے وہاں کے ایک روزہ دعوتی دورہ بتاریخ ۰۹۔۱۱۔۲۰۱۳ء کو حاصل کیا تھا، اس میں آپ نے اپنے استاد مولانا صدری کا پورا نام ابومحمد عبدالوہاب بن الشیخ محمد الملتانی الجھنکوی الپنجابی المتوفی ۱۳۵۱ھ تحریر کیا ہے، یہ سند اجازہ آپ نے انڈونیشیا سے آئے ہوئے اپنے ایک شاگرد ابوعبداللہ محمد دمیری السماتری کو دیا تھا آپ کے پاس کئی سالوں رہ کر مختلف علوم وفنون بالخصوص علم حدیث حاصل کیا تھا اور سامرودی صاحب نے انہیں مذکورہ سلسلہ اسناد سے روایت حدیث کی اجازت دی تھی جسے سند اجازہ حدیث کہا جاتا ہے۔ اسی طرح آپ نے صحیحین کی اجازت روایت حدیث مولانا عبدالوہاب صدری کے علاوہ دمشق کے مشہور محدث علامہ محمد بدرالدین الدمشقی المتوفی ۱۳۵۲ھ سے بھی حاصل کیا ہے جس میں انہوں نے میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی اور اپنے دیگر مشائخ حدیث کے واسطے سے آپ کو روایت حدیث کی اجازت دی ہے یہ سند حدیث ہندوستان کے مشہور علم حدیث کے مقابلے میں عالی اسناد ہے۔

تلامذہ: مولانا عبدالجلیل صاحب سامرودی رحمۃ اللہ نے تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے وطن سامرود میں ایک ادارہ بنام ''مدرسہ اسلامیہ عربیہ دارالکتاب والسنۃ'' قائم کیا جس میں ابتدائی تعلیم کا نظم کیا گیا اور دیگر اساتذہ سے اس سلسلہ میں خدمات لی گئیں الحمدللہ یہ سلسلہ آج بھی آپ کی مسجد میں جاری وساری ہے البتہ مولانا خود اپنے شاگردوں کو مسجد اور کتب خانے میں تعلیم دیا کرتے تھے، حدیث، تفسیر، فقہ، اور عقیدہ کی اہم ترین کتابیں ہندو بیرون ہند سے آنے والے شائقین طلباء کو پڑھاتے تھے آپ کے شاگردوں میں ہندوستان کے علاوہ بلقان سماترا، جاوا اور انڈونیشیا کے بھی بعض طلبہ شامل تھے، آخری درس وتدریس میں جو شاگردان وتلامذہ موجود تھے مولانا کے پوتے شیخ ابوعمر علی احمد سامرودی کے بقول وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) مولانا شہاب الدین مجاہد، (۲) مولانا عظمت اللہ شنکرنگری (۳) حافظ جمال احمد بلرام پوری (۴) مولانا حافظ یامین پرتا پگڑھی (مقیم حال شارجہ) (۵) حافظ حمید اللہ میرٹھی (۶) مولانا عبدالمتین بنگالی (۷) مولانا کتاب اللہ ہرھٹوی (۸) مولانا باب اللہ کنڈو بونڈیہار (۹) مولانا عبدالغنی مالیگاؤں۔ (۱۰) مولانا ابوالقاسم مرادآبادی (۱۱) مولانا عبدالمتین بہاری (۱۲) مولانا اسماعیل بنگالی اور اسی طرح قدیم شاگردوں میں مولانا محمد اسحاق فیض آبادی، مولانا احمد الدہلوی (مولف تاریخ اہل حدیث) وغیرہم آپ کے شاگردوں میں آپ کے تین صاحبزادوں میں مولانا عبدالبر اور مولانا عبدالرحمن بھی ہیں۔

تلامذہ کا بیان: مولانا کے شاگردوں کا بیان ہے کہ علماء سلف میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ علامہ ابن القیم اور اسی طرح تحریک شہیدین سے علامہ سامرودی رحمۃ اللہ علیہ کو بے حد لگاؤ تھا اور انہیں علماء اور ان کی زندگی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ نے اپنی زندگی کو علم کے ساتھ ساتھ عمل کے سانچے میں ڈھالا تھا چنانچہ شب بیداری کرتے، قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور رات میں ہی کثرت سے مطالعہ بھی کرتے تھے، میں نے کتب خانہ جلیلیہ میں آپ کی جمع کردہ کئی کتابوں کی ورق گردانی کی تو اکثر وبیشتر صفحات کے کنارے بڑی عمدہ اور خوش خط تحریر میں آپ کے نوٹ اور وضاحتی تحریریں دیکھیں خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را۔

علمی زندگی اور دینی غیرت وحمیت: یوں تو مولانا سامرودیؒ کے شاگردوں اور آپ کے اہل قریہ اور بستی والوں سے معلومات حاصل کرنے کے بعد یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ آپ ایک شب بیدار، تہجد گزار، زندہ دل، باغیرت اور باحمیت عالم دین تھے، اور نیکی کے راستے میں کبھی مداہنت گوارہ نہیں کرتے تھے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی، اور عملی طور پر اس کی بجا آوری اور پوری دلجمعی اور خشوع قلب ونظر سے تلاوت قرآن اور دیگر عبادات کا اہتمام آپ کی زندگی کا خاصہ تھی حق بات کے مقابلے میں کسی کی سننے اور اس سے آگے بڑھنے کی جرأت وجسارت نہ کرتے اور نہ ہی یہ آپ کو گوارہ ہوتا آپ کے پوتے مولانا علی احمد نے بیان کیا ہے کہ فقر وفاقہ اور دکھ وتکلیف بھری زندگی گزارنا آپ کا مقدر تھی ایک پھوس کے جھونپڑے میں مسجد کے سامنے قیام کرتے تھے وہی آپ کی کل دنیاوی کائنات اور مسکن تھی افریقہ یا بعض بیرونی ممالک سے کسی شاگرد نے آپ کو ہدیہ ایک بڑی رقم اپنے گھر کی تعمیر کے لئے خصوصی طور پر دیا تھا اور یہ کہہ کر رخصت ہوا کہ آپ جیسے عالم دین کے لئے آج کی ترقی یافتہ دنیا میں اس طرح کا گھر اور اس میں سکونت زیب نہیں دیتا ہے، یہ میری ذاتی تحفہ ہے جب میں واپس آؤں تو آپ ایک آرام دہ مکان میں سکون پذیر ہوں اور تعلیم ودعوت کا کام انجام دیں یہ میری خواہش ہے چنانچہ وہ صاحب خیر کچھ مہینوں کے بعد واپس آیا بڑا حیران تھا، کہ شیخ نے نیا مکان نہیں بنوایا ویسے کے ویسے پڑا ہوا ہے دریافت کیا کہ گھر نہیں بنوایا کہنے لگے کہ بنوایا ہے مگر اپنے لئے اور تیرے لئے دونوں کے لئے بنوایا ہے کہنے لگا یہ کہاں ہے جوابدیا دیکھو سامنے اللہ کا گھر مسجد ہے اس پیسے سے اپنا گھر نہیں اللہ کا گھر مسجد بنوایا ہے جو تیرے اور میرے دونوں کے لئے آخرت میں کام آئے گا۔ سبحان اللہ اتنی عالی دماغ اور بلند ہمتی اور فکر فردا اللہ قبول فرمائے اور ہمیں بھی اس کی توفیق دے۔ عملی زندگی اور غیرت کی ایک اور مثال ملاحظہ کرتے جائیں اپنے بیٹے عبدالصمد کو صرف بیڑی سگریٹ پینے کی وجہ سے گھر سے نکال دیا تھا اسی طرح مولانا شہاب الدین مجاہد کا بیان ہے کہ آپ نے اپنے ایک خاص چچا کو جن کا گاؤں میں بہت رعب ودبدبہ تھا انہیں بھی بیڑی سگریٹ کی وجہ سے بائیکاٹ کردیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے توبہ کرلی۔

الغرض بڑے غیرتی اور رعب ودبدبہ کے مالک تھے قطعی طور پر مداہنت گوارا نہ کرتے چاہے اپنا ہو یا پرایا دین کی بات ہوتی تو فوراً زبان حق گویا ہوجاتی اور سنت کی عملی تصویر بن جاتے اور یہی درحقیقت ایک عالم دین اور شیدائی سنت کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے۔

مشہور کتابیں: عربی اور اردو زبان میں آپ کی تیس سے زائد مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابیں ہیں جن کی تفصیل مجموعہ رسائل علامہ سامرودی مطبوعہ الکتاب انٹرنیشنل کے جلد اول میں دیکھی جاسکتی ہے۔ خود یہ کتاب علامہ سامرودیؒ کی چھوٹی بڑی تصنیفات کا مجموعہ ہے جسے ابوعبدالوہاب محمود بن عبدالوہاب سامرودی نے ترتیب دے کر زیور طبع سے آراستہ کیا ہے، پہلی جلد میں دس کتابیں اور دوسری جلد میں دس کتابیں شامل ہیں۔ مولانا کی مشہور کتابوں میں سے زہرۃ ریاض الابرار بھی ہے جس کے مقدمہ میں آپ کی خودنوشت سوانح بھی موجود ہے۔

اخبار اہل حدیث میں ۱۹۵۶ء سے لے کر ۱۹۶۶ء تک تقریباً ۸۹ مضامین آپ کے شائع ہوئے ہیں اور ۱۹۷۱ء تک ترجمان میں

بھی آپ کے کافی مضامین ومقالات طبع ہو چکے ہیں۔

اولاد واحفاد: مولانا کا نکاح ۱۹۱۰ء میں اپنے خاندان میں چچا کی ایک لڑکی کے ساتھ ہوا جس کا نام فاطمہ تھا جن کے بطن سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا۔ لڑکوں کے نام:

(۱) مولانا عبدالبر

(۲) عبدالصمد جو تھوڑے بہت پڑھے لکھے تھے

(۳) مولانا عبدالرحمن اور لڑکیوں کے نام (۱) میمونہ (۲) زینب ہے۔

مولانا عبداللہ کے کل آٹھ اولادیں تھیں جن میں دو لڑکے اور دو لڑکیاں باحیات ہیں لڑکوں میں عبدالغنی اور لڑکے مولانا ابوعمر علی احمد سراجی ہیں جنہوں نے جامعہ رحمانیہ جامعہ سلفیہ سے تعلیم حاصل کی اور فراغت کی تکمیل جامعہ سراج العلوم بونڈیہار سے کی۔ الحمدللہ مولانا کے وارثین میں آپ کا سامرود اور سورت کے علاقے میں جماعتی دعوت اور پلیٹ فارم سے کافی رابطہ ہے اور علم دین اور دعوت کی اور اس سلسلے میں خدمات انجام دینے کا آپ کو ایک بڑا تجربہ اور حسین ومستحکم جذبہ بھی حاصل ہے عبدالصمد اور مولانا عبدالرحمن ہر ایک کی کل نو نو اولاد تھیں اور فی الحال سب کے سب بیرون ہند افریقہ، لندن، اور امریکہ میں مقیم ہیں، مولانا عبدالرحمن کے دوسرے نمبر کے صاحبزادے قاری عبدالحنان ہیں جو فی الوقت پاکستان کے شہر کراچی میں مشہور ادارہ جامعہ ستاریہ میں شیخ الحدیث اور مفتی ہیں۔

وفات: ۱۶ ستمبر بروز ہفتہ نماز ظہر سے قبل ۱۹۷۲ء میں علم وعمل کا یہ گل سرسبد اس دار فانی سے کوچ کر گیا اور اہالیان گجرات واہل حدیثان ہند کو چھوڑ کر مولائے حقیقی سے جاملا اور یہی ہر ذی نفس کا حال ہے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

نور اللہ مرقدہ وجعل الفردوس مثواہ۔ آمین۔

(ماخوذ از ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی، ستمبر ۲۰۱۴)

□□□

علامہ حافظ عبدالعزیز کرنولی رحمہ اللہ

مولانا یوسف جمیل جامعی

دنیا میں بہت سے لوگ پیدا ہوئے اور گذر گئے مگر دنیا نے بہت کم لوگوں کو یاد رکھا، اور جن کو یاد رکھا ان کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے، گو کہ یہ چند گنی چنی ہستیاں تھیں مگر انہوں نے ایک دنیا کو متاثر کیا اور اپنے پیچھے ایسے گہرے نقوش چھوڑے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے، ان کے نقوش دھندلے ہونے کے بجائے اور بھی گہرے ہوتے جاتے ہیں، بلکہ مرور زمانہ کے ساتھ ان میں اور رنگ اور نکھار آتا جاتا ہے۔

حضرات انبیاءؑ کا طبقہ ساری انسانیت میں سب سے اعلیٰ وارفع اور ممتاز ترین طبقہ ہے، ان کے تذکرہ کو نہ صرف یہ کہ انسانی تاریخ نے بلکہ قرآن نے زندہ و پائندہ رکھا۔ ان کے بعد انہیں کے وارثین علماء جن میں حضرات صحابہ کرامؓ سے لے کر تابعین و تبع تابعینؒ تک جو خیر القرون کے تابندہ و درخشندہ ستارے کہلاتے ہیں۔ ان کے ذکر کو زندہ رکھا۔ پھر ان کے بعد مفسرین و محدثین وائمہ مجتہدین وارثین انبیاء کا یہی گروہ ہر دور میں ممتاز اور مرجع انام بنا رہا، ان کے دم سے یہ الم آباد دنیا، شاد کام و فائز المرام نظر آتی ہے۔ ورنہ ان نفوس قدسیہ کے بغیر دنیا میں رکھا ہی کیا ہے۔ انہوں نے اپنے اپنے دور میں علم، ایمان اور عمل صالح کی شمع جلائے رکھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے۔ (آمین)

یہ حقیقت ہے کہ کوئی دور علماء اور صلحاء سے خالی نہیں رہا اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر دور میں علماء کے دو گروہ رہے، علماء حق اور علماء سو۔ علماء حق نے ایک طرف جہل کا مقابلہ کیا تو دوسری طرف علماء سو کا مقابلہ بھی اور یہ سلسلہ آج تک برابر جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ انہیں علماء حق میں ہمارے علامہ حافظ عبدالعزیز رحمانیؒ بھی تھے۔

میانہ قد، گول چہرہ، روشن آنکھیں، جن پر محدب چشمہ چڑھا ہوا، چھریری ڈاڑھی، سر پر سفید عمامہ، سفید پٹھانی پائجامہ اور قمیص زیب تن، رفتار و گفتار میں متانت، کم سخن، سنجیدہ، متواضع اور قدرے بذلہ سنج یہ تھے ہمارے مولانا اپنے اسلاف کی بالکل سچی اور عملی تصویر۔

کرنول: تنگ بھدرا ندی کے کنارے سرکار نظام کی سرحد سے پہلے قریب ایک پرفضا مقام ہے۔ یہاں آخری نواب غلام رسول خاں بہادر شہید کی حکومت تھی، جو بعد میں تحریک شہیدین سے وابستہ ہوئے، جنہیں غداروں نے ترچناپلی لے جا کر دھوکے سے شہید کر دیا۔ یہ ریاست آندھرا پردیش کا پہلا صدر مقام تھا۔ کچھ مدت بعد حیدر آباد کو مستقل صدر مقام کی حیثیت دی گئی۔ یہاں سلفی حضرات کی کافی تعداد ہے۔ تقریباً بیس مساجد ہیں بنین و بنات کے مدارس بھی ہیں۔ ۱۹۱۸ء میں مولانا عبدالعظیم صاحبؒ نے مدرسہ شمسیہ کی بنیاد رکھی تھی۔ اس مدرسے نے قلیل عرصے میں کافی ترقی کی۔ علامہ کی ابتدائی تعلیم اسی مدرسے میں ہوئی۔ مولانا عبداللہ مدنی

بھی مدرسہ شمسیہ کے خوشہ چینوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔

ہمارے علامہ کرنول کی اسی خاک کے خمیر سے اٹھے۔ ۷ نومبر ۱۹۰۷ء آپ کا سن پیدائش ہے۔ والد بزرگ عبدالقادر بڑے پرہیزگار تقویٰ شعار اور دیندار تھے۔ چمڑے کے اچھے تاجر اور متمول تھے۔ اسلاف کے طرز پر اپنے نونہال کی تربیت کی انہیں فکر لاحق تھی۔ ان دنوں مدرسہ شمسیہ کرنول کا شہرہ تھا۔ اس لئے مولانا کی ابتدائی تعلیم یہیں ہوئی۔ مگر حفظ آپ نے اپنے ذاتی ذوق وشوق سے اپنے گھر کیا۔ خود فرمایا کرتے تھے ''میں نے حفظ اپنے مکان پر کیا ہے'' ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد والد محترم کو خیال ہوا کہ اپنے لخت جگر کو عالم دین بنانا چاہیے اس کے لئے ان کی نظر انتخاب جامعہ رحمانیہ دارالحدیث دہلی پر پڑی جس کا چہار دانگ عالم میں شہرہ تھا۔ جہاں ہندوپاک کے مایہ ناز اساطین علم وفن اپنے علم وعمل کے موتی بکھیر رہے تھے۔ ان میں مولانا نذیر احمد رحمانی املویؒ اور شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوریؒ جیسی نابغہ روزگار ہستیاں بھی تھیں۔ آپ کا سن فراغت ۱۹۴۰ء ہے چونکہ اس زمانہ میں درس نظامیہ کا نصاب بارہ پندرہ سال کا ہوا کرتا تھا۔ اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ مولانا کا داخلہ غالباً ۱۹۳۵ء کے آس پاس ہوا ہوگا۔ فراغت کے وقت اپنے شیوخ کے ہاتھوں نہ صرف آپ کی دستار بندی ہوئی بلکہ اونٹ کے اون کی ایک قیمتی خلعت بھی عطا کی گئی، جو آپ کے امتیاز پر دلالت کرتی تھی۔ اس خلعت کو آپ عیدین اور جماعت کے اہم جلسوں کے موقع پر پہنا کرتے تھے۔ آپ کے معاصرین میں مولانا عبدالرزاق صاحب رحمانی جھنڈانگری، مولانا محمد یوسف صاحب رحمانی میسوری، مولانا صدیق حسن خاں رحمانی وشاکھاپٹنم، مولانا حافظ عبدالواجد رحمانی شیخ الحدیث جامعہ دارلسلام عمرآبادؒ وغیرہ تھے۔

فراغت کے بعد اجازتِ حدیث آپ نے محدثِ عصر علامہ عبیداللہ صاحب رحمانی مبارکپوریؒ سے حاصل کی۔ غالباً اسی کا اثر تھا کہ آپ نے سلسلہ حدیث کی خدمت کے لئے ۱۹۶۴ء میں کرنول میں ''دارالحدیث عزیزیہ'' قائم کیا جس سے تشنگانِ علومِ نبوت سیراب ہوا کرتے تھے۔ گوکہ باقاعدہ اس میں درسِ نظامیہ کے طرز پر درسِ حدیث کا اہتمام نہ تھا، تاہم یہ ادارہ دینی دعوتی وتعلیمی ،مسلکی اشاعت کی پہچان تھا۔

فراغت کے بعد آپ کا مستقل مشن دعوت رہا۔ قریہ قریہ بستی بستی آپ نے پیدل دورہ کیا کیونکہ ان دنوں زیادہ تر سواریوں کا انتظام نہ تھا۔ اس لئے علامہ اکثر پیدل سفر کیا کرتے تھے، کبھی کبھار بیل گاڑی سے بھی پہنچ جاتے تھے، ان دنوں آپ نے جو دعوت توحید دی، آج بھی لوگوں کے اندر راسخ دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ آپ ہی کی محنتوں کا نتیجہ تھا کہ کرنول اور اطراف واکناف بنگلور اور اس کے گردونواح اور ساحلی اضلاع کے بیشتر مقامات پر جمعیت قائم ہوئی اور مسلک حقہ کا بول بالا ہوا۔

مسجد اہل حدیث چارمینار بنگلور کے منبر ومحراب آج بھی علامہ رحمانیؒ کی پندرہ سالہ خطیبانہ خدمات کی گواہی دیتے ہیں۔ غالباً ۱۹۴۵ء تا ۱۹۶۰ء یہاں آپ نے خدمت کی۔ یہ اہل بنگلور کی مولانا کے ساتھ والہانہ عقیدت وشیفتگی ہی تھی کہ اس قدر طویل مدت تک انہوں نے علامہ کو باندھ رکھا مگر خاکِ وطن کی کشش آخر انہیں وطن کھینچ لائی۔ جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ سے حضرت مولانا سید اسماعیل صاحبؒ کے شدید طلب ہوئی آپ ''نہ'' نہ کرسکے۔ یہاں تعمیل حکم کے طور پر ایک قلیل عرصہ تدریس کی خدمات پر مامور رہے۔ ایک بار

پھر وطن کی خاک نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اشاعت دین کے لئے ''مسجد قمر'' کو اپنا مرکز بنایا' ۱۵ رسال تک یہاں آپ نے خدمت انجام دی، مسجد جہاں سے اسلامی لشکر بھیجے جاتے تھے۔ جہاں سے وفود کی آمد ہوا کرتی تھی اور یہیں سماجی وسیاسی واقتصادی، معاشرتی ومعاشی مسائل کا حل ڈھونڈا جاتا تھا۔ ہمارے علامہ نے بھی اپنے اسلاف کے طرز پر دین کی نشر واشاعت کے لئے مسجد ہی کو اپنا مرکز قرار دیا۔ اور یہیں سے آپ نے اپنی تحریری وتقریری کاوشوں کا آغاز کیا ''مسجد قمر'' اس زمانہ میں بالکل چھوٹی اور بوسیدہ تھی۔ آبادی زیادہ نہ تھی اس لئے یہاں سکون کا اک ماحول تھا، علامہ اسی سکون کے متلاشی تھے۔ یہاں رہ کر علامہ نے مدرسہ عزیزیہ کے ذریعہ درس وتدریس کا آغاز فرمایا اور یہیں سے آپ نے اپنے شہرہ آفاق پرچہ ''العزیز'' کا اجراء بھی کیا۔ پرچہ کی ترتیب، تدوین وتزئین سب کچھ آپ ہی کیا کرتے تھے۔ ان علمی مشاغل کی وجہ سے آپ کا زیادہ تر وقت اللہ کے گھر میں گزرتا تھا۔ درس وتدریس کے علاوہ آپ کا ہر عشاء اور فجر کے بعد درسِ قرآن ودرسِ حدیث اور جمعہ کے خطبات ہوتے تھے، علاوہ ازیں آس پاس کے مقامات کے پیدل دعوتی دورے بھی ہوتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں ہزاروں لوگ اپنے آبائی تقلیدی مذہب کو چھوڑ کر اہل حدیث ہوئے۔

جمعیت سے وابستگی:

یوں تو مولانا جماعتی زندگی سے وابستہ تھے ہی مگر چونکہ علامہ اپنی علمی وقلمی کاوشوں کی وجہ سے سارے ہندوستان کے جماعتی حلقوں میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، اسلئے جب حضرت مولانا ابوتمیم محمدیؒ کا انتقال ہوا، جو صوبائی جمعیت کے صدر تھے تو آپ کی جگہ پر شوریٰ نے باتفاقِ رائے ۲۸ راپریل ۱۹۷۵ء کو صوبائی جمعیت کا صدر نامزد کردیا۔ ۱۹۷۵ء تا ۱۹۸۰ء پانچ سالہ میعاد کی تکمیل کے بعد شوریٰ نے مزید آپ کی صدارت میں توسیع کی توثیق کردی، اس طرح آپ کی صدارت دس سالہ ہے، حالانکہ آپ ناسازی طبع کے تئیں عذر ومعذرت کرتے رہے، مگر شوریٰ کے اصرار پر چاروناچار سکوت فرمالیا۔ تادمِ واپسیں شوریٰ کے اجلاس میں برابر شریک ہوتے اور مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔ آپ نے اپنے دورِ صدارت میں جمعیت کو کارگزار وفعال بنادیا۔

آپ ہی کے دورِ صدارت میں ۱۹۷۹ء میں پرانی حویلی حیدرآباد میں ایک سہ روزہ دینی وتبلیغی اجتماع منعقد ہوا، جس میں ہندوستان کے سرکردہ علماء شریک رہے۔ اس تاریخی اجلاس کو لوگ آج بھی یاد کرتے ہیں۔ باوجود اپنی پیرانہ سالی کے نظم جماعت کیلئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ اس کاز کے لئے سید سراج الدین صاحب ناظمِ اعلیٰ کے ساتھ آپ نے اضلاع کے کئی دورے کئے۔ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا ابوتمیم محمدیؒ کے بعد آپ کا دورِ صدارت نہایت کامیاب دور تھا۔

سیرت:

آپ شخصی اعتبار سے پروقار تو تھے ہی، قسام ازل نے آپ کو نہایت باسیرت بھی بنادیا تھا گو کہ نہایت سنجیدہ تھے مگر بڑے بذلہ سنج بھی تھے۔ جب کھلتے تو کھل اٹھتے تھے، بچوں کے ساتھ بچے ہوجاتے نوجوانوں کا بہت بڑا حلقہ آپ سے متاثر تھا۔ ان سے دوستانہ

رسم وراہ تھی۔ مالی اعتبار سے کمزور نہ تھے مگر عیش وعشرت کی زندگی سے کوسوں دور تھے۔ ایک معمولی بستر جس میں ایک شطرنجی اور ایک تکیہ اور ایک شولا پوری شال ہوتی تھی، جو مسجد کے کسی محراب میں رکھا ہوتا تھا۔ جب میل ملاقات، درس وتدریس، وعظ ونصیحت، عبادت وتلاوت سے فارغ ہوتے تو اس بستر پر فروکش ہوتے اور مسجد ہی آپ کی آرام گاہ ہوتی۔ باہر کے لوگوں نے آپ کے تعلق سے یہ بے پر کی خبر اڑا رکھی تھی کہ علامہ ترش مزاج ہیں، کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتے علمی غرور اور انانیت ان میں ہے۔ میں نو وارد یہ سب سن کر سہم سا گیا تھا ان سے ملنے سے کتراتا تھا، البتہ آپ کے خطبات سننے کے لئے خطبہ شروع ہونے کے بعد چپکے سے کسی کونے میں جا دبکتا تھا۔ علامہ خطبہ سے فارغ ہو کر پوچھتے کہ کوئی مولوی آیا ہے؟ کہا جاتا کہ یوسف جمیل آئے ہوئے ہیں۔ علامہ کہتے کہ کہو نماز پڑھائیں میں چاروناچار لرزاں وترساں آگے بڑھتا نماز پڑھاتا دورانِ نماز یہی اندیشہ لاحق رہتا کہ کہیں بھول چوک نہ ہو جائے تو علامہ اب میری خوب خبر لیں گے، مسجد قمر کے بعد آپکی زیادہ تر وابستگی مسجد قباء سے رہی' یہاں نوجوانوں کے مشورے سے میں ایک پروگرام بنایا کہ جماعت کے جو علماء ہیں ان کو مدعو کیا جائے اور دعوت کے ضمن میں ان کے خیالات معلوم کئے جائیں۔ مجھے نوجوانوں کے اصرار پر یہ دعوت قبول کرنی پڑی۔ میں نے اپنی تقریر میں ناقدانہ انداز اختیار کیا تھا، صدارتی خطاب علامہ کا تھا ادھر میرے پسینے چھوٹ رہے تھے کہ علامہ خطبۂ صدارت میں میری خوب خبر لیں گے، مگر علامہ نے اس نقد وتبصرہ کا خیر مقدم کیا اور خندہ پیشانی کے ساتھ حوصلہ افزائی فرمائی۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ علامہ اعلیٰ ظرف واقع ہوئے تھے۔ آپ کو دیکھ کر اہل اللہ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

تقریر:

تحریر کے ساتھ آپ تقریر کے دھنی تھے۔ یہ دولت انہیں اپنے اساتذہ فن سے ورثہ میں ملی تھی، جب بولنے لگتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ معلومات کا سمندر موجزن ہے تقریر گو کہ مختصر ہوتی تھی مگر بڑی جامع ہوتی تھی واعظانِ پرگو کی طرح آپ طویل تقریروں کے قائل نہ تھے، بات جامع کہتے تھے مگر مختصر کہتے تھے۔ آپ کی تقریر عموماً آدھا گھنٹہ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ہوتی تھی۔ وقت پر اپنا مضمون ختم کرتے تھے پھر بصد اصرار بھی اپنی تقریر جاری نہ رکھتے۔ لوگ آپ کی تقریروں کو ٹیپ کرنا چاہتے مگر آپ منع فرماتے کہ تقریر میں اگر کہیں تسامح ہوگا تو دلیل بن جائے گا۔ آپ کی تقریر کے اپنے تو اپنے دیگر مسلک کے لوگ بھی شیدائی وفدائی تھے۔ آپ کا کٹر مخالف بھی آپ کی تقریر سننے چلا آتا تھا اور جب اٹھتا تو آپ کی علمیت کا اور آپ کے دلائل کا قائل ہو کر اٹھتا تھا، تقریر میں کوئی پرکاری نہیں ہوتی، بالکل سیدھی سادھی زبان ہوتی تھی۔ معمولی پڑھا لکھا بھی سمجھ جاتا تھا بعض بعض دفعہ علمی نکات اور منطقی طرزِ استدلال بھی ہوتا تھا جو صرف پڑھے لکھے لوگوں کے لئے ہوتا تھا۔ اندازِ تقریر درس کا یا گفتگو کا سا ہوتا تھا، مرد حضرات کے ساتھ خواتین کی بڑی تعداد آپ کے حلقہ درس وبیانات میں شریک ہوتی تھی۔ آپ کے خطبات جمعہ وہفتہ واری خطابات، درس قرآن اور درسِ حدیث سبھی اسی نوعیت کے ہوتے تھے پھر سوال وجواب کی نشست بھی ہوتی تھی تو آپ نہایت مقعول مدلل اور مسکت ومختصر جواب دیتے کہ سائل کو تشنگی کا احساس نہ ہوتا، عوام وخواص اور اکابر علماء بھی آپ کی تقریروں کا لوہا مانتے تھے۔

تحریر:

آپ کو تحریر میں بھی غیر معمولی ملکہ حاصل تھا، آپ کی تقریر کی طرح تحریر بھی سادگی کا نمونہ تھی۔ العزیز اس کی مثال ہے، جو آپ کی ادارت میں عرصۂ دراز تک شائع ہوتا رہا۔ جس کے مدیر و ناشر سب کچھ آپ ہی تھے۔ جماعت اور بیرون جماعت کے علمی حلقوں میں اس پرچے کی کافی مانگ تھی۔ العزیز کے پرچے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عامر عثمانی ایڈیٹر ''تجلی'' دیوبند کی اور مولانا کی مسائل کے سلسلہ میں خوب ٹھنی رہتی تھی۔ مولانا بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتے تھے۔ ردِ شرکیات و بدعات 'اطیعو اللہ واطیعو الرسول' اثباتِ توحید و رسالت فقہ و حدیث کا تقابلی جائزہ ''العزیز'' رسالہ کا خاصہ تھا۔ زبان و بیان کے لحاظ سے بھی ایک ادیبانہ شان آپ کے اندر موجود تھی۔ ذیل میں آپ کی تحریروں کے کچھ نمونے دئے جاتے ہیں تا کہ اندازہ ہو سکے کہ آپ کا طرزِ نگارش کیا ہے۔

''انسان ضعیف و ناتواں ہے، دنیا کی ہر چیز اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کو حیران و پریشان کر سکتا ہے۔ ایک دن کا زکام انسان کو ناکارہ اور بے بس بنا دیتا ہے۔ اور ایک دن کا خفیف بخار ہفتوں تک صاحب فراش کر دیتا ہے۔ اس میں ہاتھی کی قوت اور شیر کی جرأت نہیں، زمین کا ادنیٰ کیڑا بھی اپنی نیش زنی سے اس کو موت کے گھاٹ اتارتا اور پیوندِ خاک بناتا ہے' مگر رحمتِ الٰہی نے اسی کا انتخاب کیا۔ خلافتِ الٰہیہ کا تاج اس کے سر پر چمکا'' (الاعجاز: ص ۲)

''زمانۂ حاضرہ پر نگاہ ڈالو شام، دمشق، فلسطین، مصر میں لاکھوں عیسائی اور یہودی موجود ہیں، جن کی مادری زبان عربی ہے، جو عربی زبان میں نثر و نظم لکھنے پر قادر ہیں، جن کی ادارت میں اخبار و رسائل و جرائد اشاعت پذیر ہیں۔ آج وہ اس دعویٰ قرآنی کے مقابل کیونکہ کھڑے نہیں ہوتے ان میں تو ایسے ایسے ادیب ماہر زبان بھی موجود ہیں جنہوں نے لغاتِ عربیہ پر ''المحیط اقرب الموارد'' اور ''نجوم القرآن'' جیسی کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ اور قرآن جیسے کتاب لکھنے کی کوشش نہیں کرتے وہ کیوں دس سورتوں کے برابر بھی نہیں لکھتے، وہ کیوں ایک ہی سورت کے برابر لکھنے کی جرأت نہیں کرتے''۔ (الاعجاز: ص ۹)

علامہ کی تحریر کا ایک خاص انداز یہ ہے کہ وہ دل و دماغ کو اپیل کرتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب صاحبِ قلم میں تاثیر پذیری در آئے۔ مولانا کی تحریر کی دوسری خصوصیت ان کا وہ مناظرانہ انداز ہے، جس سے پوری قوت اور اعتماد اور ٹھوس علمی اور منطقی دلائل کے ساتھ معترض کو ساکت کر دیتا ہے مگر کہیں بھی ان کی متانت کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا دکھائی نہیں دیتا۔

علمی کارنامے:

آپ کے علمی کارناموں میں (۱) العزیز پندرہ روزہ کرنول (۲) حیات مسیح ابن مریم (۳) صحیح اسلام بجواب دو اسلام (۴) کتاب التوحید، (۵) الاعجاز، (۶) دلہن کنیز ہے یا بیوی (ایک چھوٹا سا اصلاحی رسالہ) (۷) مطریق الحدید علی رد التقلید ہے۔ (۸) شہادت امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان ذوالنورین اور شہادت امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت علی رضی اللہ عنہما۔

ذیل میں ان کی کتابوں کا مختصراً تعارف ملاحظہ کریں:

۱۔ **العزیز:** یہ پرچہ جماعت کا گویا آرگن تھا۔ سیرت رسول' اتباع رسول' حمایت سنت وحفاظت سنت نبوی، حدیث وفقہ حنبلی کا تقابلی جائزہ ائمہ اربعہ اوران کے مسلک کے مقلدین کے اعتراض کا جواب، جماعت اہل حدیث کا موقف ومنہج اس پرچہ کے خاص مضامین تھے، یہی وجہ تھی کہ ارباب تقلید اس پرچہ کو مستحسن نظروں سے نہیں دیکھتے تھے۔ آخر انہیں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے یہ پرچہ بند کردیا گیا مگر آج تک اس کی علمیت کا شہرہ ہے۔

۲۔ **حیات مسیح ابن مریم:** چونکہ قادیانیت کی اساس ہی اسی مسئلہ پر تھی اس لئے علامہ نے کتاب وسنت اور عقلی منطقی دلائل کی روشنی میں حیات مسیح ابن مریم کو ثابت کیا ہے۔ یہ کتاب اب آپ کے ہاتھوں میں ہے اگر آپ غور سے اس کا مطالعہ فرمائیں گے تو اس موضوع پر اسے مدلل پائیں گے۔

۳۔ **صحیح اسلام بجواب دواسلام:** مولانا مرحوم کا ایک علمی کارنامہ یہ بھی ہے کہ مولانا کی یہ کتاب ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب ''دواسلام'' کے جواب میں ہے۔ دواسلام میں ڈاکٹر برق نے مذہب اسلام خصوصاً محدثین کرام پر زبردست تنقید کی ہے اور روایت حدیث کے فن ''فن رجال'' کو پامال اور بے اعتبار کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہوئے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ کتب حدیث میں جو کچھ احادیث کے ذخیرہ میں جمع کیا گیا ہے اس کی حیثیت اقوال الرجال، فنون عالیہ، شخصی اوہام وخیالات کے سوا کچھ نہیں، اور اگر کسی ناحیہ سے کوئی حدیث صحیح بھی ہو تو اسے شرعی حیثیت دینا اور وحی ربانی سمجھنا غلط ہے، مولانا نے علمی، عقلی ومنطقی دلائل سے ڈاکٹر برق جیلانی کی ان فکری گمراہیوں کے تار وپود بکھیر دیئے، کیونکہ برق کے اعتراضات مولانا کی نظر میں تار عنکبوت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ جس پر مدیر ''غزل'' بنگلور جناب شہاب یزدانی نے یہ قطعہ کہا تھا:

زندہ وپائندہ باد عبدالعزیز
ترجمان ہے تو ''صحیح اسلام'' کا
ہے تیرا ہر لفظ گویا کشفِ حق
ہر ورق ہے آئینہ الہام کا

۴۔ **کتاب التوحید:** اثبات توحید ورد شرک جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے اس کتاب کا خاصہ ہے۔ عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں بڑے پیارے اور دل نشین انداز میں علامہ نے توحید کی تفہیم پیش کی ہے۔ قاری اس کتاب کے لب ولہجے کی واقعیت کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور یہ کتاب بھی مستقبل قریب میں منظر عام پر آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

۵۔ **مطریق الحدید علی رد تقلید:** یقین ہے کہ یہ کتاب بھی جیسا کہ ظاہر ہے کہ رد تقلید پر ایک فولادی ہتھوڑا ہوگی۔ افسوس کہ مجھے یہ کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

۶۔ **دلہن کنیز ہے یا بیوی:** گھوڑے جوڑے کی رسم کی مذمت اور بیوی کی شرعی حیثیت پر یہ نہایت مختصر اور مدلل رسالہ ہے۔

۷۔ **الاعجاز:** قرآن کریم کے اعجاز وعظمت کو اجاگر کرنے کے لئے مولانا نے یہ کتاب لکھی جیسا کہ خود اس کے مقدمہ میں آپ نے لکھا ہے: ''قرآن مجید سے مسلمانوں کی بے رغبتی اور بدذوقی سے متاثر ہوکر میں اس کتاب اعجاز قرآن کی تصنیف شروع کی اس میں ان دلائل کو بیان کروں گا، جس سے قاری کے دل میں قرآن مجید کا اعجاز، عظمت وبزرگی، قرآن مجید سے محبت، الفت اور دل بستگی پیدا ہو، اس کی حقانیت اور منزل من اللہ ہونے کا یقین قلب میں موجزن ہو اور ذہن میں ایمان کی روشنی جگہ پائے'' یہ کتاب اپنے موضوع اسلوب اور مواد کے لحاظ سے بڑی ہی جامع ہے۔

۸۔ **شہادت امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان ذوالنورین اور شہادت امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت علیؓ** یہ دونوں رسالے پندرہ پندرہ صفحات پر مشتمل ہیں، جو مستقبل قریب میں منظر عام پر آئیں گے۔ ان شاء اللہ۔

زیارتِ حرمین شریفین:

آپ کے فرزند عزیز اللہ بھائی کے بقول ۱۱ر نومبر ۱۹۷۷ء میں آپ کو زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل ہوئی۔ خادم الحرمین شریفین شاہ فیصل علیہ الرحمہ نے آپ کی علمی صلاحیتوں کے پیش نظر سعودیہ میں قیام کی دعوت بھی دی تھی۔ مگر آپ نے اپنے وطن میں خدمت دین کو ترجیح دی عند الرخصت شاہ فیصل نے انہیں ''مفتی'' کے لقب سے نوازا۔ یہ اعزاز آپ کے علمی وقار کے لئے سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

اس واقعہ کو لکھتے ہوئے قدرے تردد ہوا تو میں نے اپنے رفیق عزیز بشیر احمد سلفی سے اس کا تذکرہ کیا جو مولانا کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، انہوں نے تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ مولانا نے خود مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا تھا۔

مناظرے:

ایک دور علمی مناظروں اور مباحثوں کا گزرا ہے۔ آج کل لفظ مناظرہ سے اچھے اچھوں کے پسینے چھوٹنے لگتے ہیں، مولانا ایک بہترین حاضر دماغ، ذی علم وسنجیدہ مناظر تھے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی معیت میں بھی کئی مناظروں میں حصہ لینے کا موقع ملا تھا۔ جو دہلی کے قرب وجوار میں ہوا کرتے تھے۔ غالباً جامعہ رحمانیہ سے فراغت کے دنوں کی بات ہے۔ ادھر جنوب میں مدراس، راجمندری، حیدرآباد وغیرہ مقامات پر آپ نے مناظرے کئے اور اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ دیئے، عموماً مولانا کے جن مسائل پر مناظرے ہوا کرتے وہ یہ تھے۔ مسئلہ قادیانیت، تصوف، تقلید جامد، مسئلہ وحدۃ الوجود، ردِ شرک واثباتِ توحید۔

یہ مناظرہ نوجوانان مسلم راجمندری کے خواہش پر جمعیت قریش کے زیر اہتمام بتاریخ ۲۸ ستمبر ۱۹۷۶ء بعد نماز عشاء سے لے کر رات ساڑھے گیارہ بجے رات تک جاری رہا، جس میں مقامی وغیر مقامی لوگوں کی ایک کثیر تعداد شریک تھی۔

اس مناظرے میں مولوی ولی الدین کاتب حیدرآبادی قادیانی مناظر تھے اور ان کی تائید میں جناب محمد یوسف صاحب راجمندری قادیانی تھے۔ جب کہ اہل حدیث کے مناظر علامہ عبدالعزیز رحمانیؒ تھے۔ راجمندری کے قادیانی رکن رکین جناب محمد یوسف صاحب نے حاضری دی اور حسبِ عادت حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بحث شروع کی اور کہا کہ آپ مناظرہ کریں گے اور قرآن مجید سے ثابت کریں گے۔ عیسیٰؑ زندہ بجسد عنصری آسمان پر اٹھالئے گئے؟ حضرت مولانا عبدالعزیز کرنولی رحمانیؒ نے فرمایا میں مناظرہ کروں گا اور صرف قرآن مجید ہی سے اس عنوان کو ثابت کروں گا۔ لیکن میرے مقابل آپ ہوں گے یا اور کوئی دوسرا؟ محمد یوسف نے کہا کہ میں نہیں بلکہ ابھی حیدرآباد کے امیر جماعت قادیان آپ کے مقابل ہوں گے۔

چنانچہ محمد یوسف صاحب راجمندری سے حیدرآباد گئے اور عید کے دوسرے دن بروز دوشنبہ کی درمیانی شب بمقام جامع مسجد اہل حدیث جام پیٹ آزاد چوک راجمندری ٹھیک بعد نماز عشاء ۹ بجے مناظرہ شروع ہوا۔

اہل حدیث کی طرف سے مولوی عبدالشکور صاحب اور قادیانیوں کی طرف سے محمد یوسف صاحب ثالث مقرر ہوئے، اہل حدیث کی طرف سے مدعی جناب حضرت العلام مولوی عبدالعزیز صاحب رحمانیؒ اور قادیانیوں کی طرف سے سائل مولوی ولی الدین صاحب تھے۔

آپ نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں آیت کریمہ {وما قتلوہ یقینا ۔بل رفعه الله الیه} پیش کیا اور یہ ترکیب بیان کی کہ ان دو جملوں میں دو ضمیریں مفعول بہ ہیں اور ان دونوں ضمیروں کا مرجع حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ پہلی ضمیر مفعول ''قتلوہ'' میں ہے۔ اس کا معنی ہے زندہ عیسیٰؑ کو یہودیوں نے قتل نہیں کیا۔ اس ضمیر کا معنی زندہ عیسیٰؑ ہے تو یقینا دوسری ضمیر کا معنی بھی زندہ عیسیٰؑ ہی ہوگا۔ اللہ نے اپنے قریب یعنی آسمان پر حضرت عیسیٰؑ کو زندہ اٹھالیا۔

نیز فرمایا کہ ''رفعہ'' کی ضمیر زندہ حضرت عیسیٰ کی روح اور بدن دونوں پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا جسد کا ثبوت ہوگیا اور لفظ ''الیہ'' سے ثابت ہوا کہ وہ اللہ کی طرف اٹھالیا گیا۔ چونکہ اللہ آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے، لہٰذا آسمانوں پر اٹھالیا گیا۔

سائل نے کہا: آپ نے اللہ کو عرش پر بیٹھا کر محدود کردیا اللہ تو دنیا میں ہر جگہ ہے۔ اس کا کوئی مکان نہیں لہٰذا عیسیٰؑ یہیں دنیا میں رہے البتہ ان کی روح پرواز کرگئی۔

مدعی نے: دنیا خود محدود یہاں کہ ہر چیز محدود ہے اگر اللہ بھی ہر جگہ قرار دیا جائے تو اللہ بھی محدود ہوگا کیونکہ ظروف محدود ہے تو یقینا مظروف بھی محدود ہوگا۔ دنیا کی ساری حقیقت بیضہ مور ہے اور ماوراء الدنیا غیر محدود ہے، اللہ تعالیٰ آسمانوں پر عرض پر غیر محدود وسعت میں ہے۔ الحاصل فلک الافلاک کے بیچ جو ہوگا محدود ہوگا اور جو ماوراء ہوگا وہ غیر محدود ہوگا۔

سائل نے کہا: رفع سے پہلے اللہ نے آپ کی وفات کو ذکر کیا ہے۔ {انی متوفیك ورافعك الی} یعنی میں نے پہلے عیسیٰؑ کو

موت دی بعدہ روح کو اٹھالیا۔

مدعی: اللہ نے اگر پہلے وفات دی ہے تو اللہ تعالیٰ ''بل رفعہ اللہ'' میں قرینہ صارفہ ذکر کرتا ہے۔ اگر پہلے ''اماتہ اللہ'' یا پھر ''قبضہ اللہ'' فرماتا تو اس صورت میں رفع کا معنی روح کو اٹھانا ہوتا۔ رفع کے معنی روح اٹھانا بالکل غلط ہے، بلکہ جہاں بدن کے ساتھ اٹھانا ہوتا ہے رفع لفظ استعمال ہوتا ہے۔ کما قال اللہ {رفع ابویہ علی العرش} یوسفؑ نے اپنے ماں باپ کو بدن سمیت تخت پر اٹھالیا۔ کیا آپ مجھے موت وحیاتِ مسیح کے مسئلہ میں الجھانا چاہتے ہیں۔ یہ میرے مبحث کے خلاف ہے لہٰذا میں اس وقت موت وحیات پر بحث نہیں کروں گا بلکہ دوسرا مناظرہ رکھو اس میں آیت {انی متوفیك} کا معنی بتاؤں گا۔ کہ اس کے معنی موت کے نہیں ہیں۔ سائل نے اپنی یاوہ گوئی اور لفاظی میں ڈھائی گھنٹے گزار دیا۔ لیکن مدعی کی دلیل کا رد نہ کر سکا تو چڑ چڑا گیا اور کہا۔

سائل: یہ کیا آپ نے ضمیر کی رٹ لگا رکھی ہے کیا اس مضمون کی اور اور آیات قرآن مجید میں نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو آپ انہیں بیان کیجئے۔

مدعی: رفعِ عیسیٰؑ پر مختلف آیات ہیں لیکن جب تلک آپ اس دلیل کی تردید نہ کریں گے، دوسری آیات ہرگز پیش نہ ہوں گی، بلکہ اسی ایک دلیل میں مناظرہ ختم ہوگا۔

سائل: سائل نے مچل کر کہا اس آیت کو تسلیم کر لیا جائے گا۔ آپ اس آیت کی صداقت اور حقانیت پر مزید دو آیات بطور گواہ پیش کیجئے، ورنہ یہ آیت نا قابل اعتبار ہوگی۔

مدعی: قرآن مجید اپنی صداقت وحقانیت میں گواہ کا محتاج نہیں ہزاروں مسائل صرف اور صرف ایک ہی آیت میں بیان کئے گئے ہیں۔ جو ایمان کے قابل اور لائق ہیں وہ گواہی کے محتاج نہیں۔ بلکہ جو لوگ قرآن پر گواہ طلب کرتے ہیں کافر ہیں۔

سائل کی یاوہ گوئی اور قرآن مجید کی غلط ترجمانی سے مجمع کی کیفیت بدل رہی تھی اگر حضرت العلام مولانا عبدالعزیز صاحب رحمانیؒ متانت اور سنجیدگی کی تاکید نہ فرماتے تو پتہ نہیں کیا انجام ہوتا۔ ہر ایک یہی کہہ رہا تھا کہ مولانا نے اپنی پند ونصائح سے ہمارے پاؤں جکڑ دیئے تھے۔

لیکن جوں ہی انہوں نے سنا کہ قرآن کی آیت اپنی صداقت میں مزید دو آیت کی محتاج ہے تو سارا مجمع بے قابو ہو گیا اور انتشار عام ہو گیا۔ یہ دیکھ کر قادیانی مناظرہ فوراً یہاں سے چلدیا۔

اس کے بعد ثالثین نے فیصلہ سنایا کہ حضرت العلام مولانا عبدالعزیز صاحب رحمانیؒ کی دلیل نہایت ٹھوس اور مستحکم رہی خصم نے اس کی تردید بلکہ تردید کی طرف توجہ بھی نہ کی بلکہ ڈھائی گھنٹہ یاوہ گوئی اور خرافات میں گزارا اور نامراد واپس ہو گیا۔ فللہ الحمد۔

اور اللہ کا کرم ہوا کہ آگے چل کر ولی الدین احمد صاحب قادیانیت سے نہ صرف یہ کہ تائب ہوئے بلکہ ساری زندگی ردِ قادیانیت میں انہوں نے گزار دی۔ اور متعدد کتابوں سے قادیانیت پر پڑے سربستہ رازوں سے پردے اٹھائے اور اسی راہ میں جاں بحق ہوئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

آخری وقت: آخر وہ گھڑی آ ہی گئی جو سبھی کے لئے آتی ہے یہ ۱۷ر نومبر ۱۹۸۰ء پیر کا دن تھا اپنی زندگی کے آخری ماہ وسال

آپ نے مسجد قمر سے ہٹ کر مسجد قبا میں گزارے یہیں فروکش رہتے تھے۔ یہیں پر آپ کی دعوتی ودرسی سرگرمیاں رہا کرتی تھیں۔ بعد نماز فجر اپنے بھانجہ داماد قاضی عبدالحکیم صاحب مرحوم کے مکان پر تشریف لے گئے ظہر تک یہیں رہے نماز ظہر قبا میں ادا کی طعام سے فارغ ہوئے، کسی لڑکے سے چائے لانے کو کہا چائے آنے سے پہلے آپ کی چاہ نے رب کی ''چاہ'' کو پالیا۔ غالباً آپ کے قلب پر حملہ ہوا تھا۔ آپ کی روحِ پرفتوح جسد عنصری سے پرواز کر چکی تھی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ عرصے سے ذیابطیس اور بلڈ پریشر کے مریض تھے مگر اپنی علمی، دینی ودعوتی سرگرمیاں برابر جاری رکھے ہوئے تھے۔ اسی دن بعد نماز مغرب آپ کا ''شہادت حسینؓ'' کے عنوان پر خطابِ عام بھی تھا۔ وفات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر، صوبے بلکہ ہندوستان کے جماعتی حلقوں میں پھیل گئی کہ علم وعمل کا آفتاب اب غروب ہوگیا۔ اس طرح ۷۳ سال آپ نے عمر پائی۔

جنازہ اور تدفین: سارے صوبے سے بلکہ کرناٹک سے بھی لوگ ایک بڑی تعداد میں مولانا کے آخری دیدار کے لئے آنے لگے۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے شاگرد قاضی ماجد الرحیم نے نماز جنازہ پڑھائی اور وصیت ہی کہ مطابق قبل از جنازہ آپ کی رویت کرائی گئی۔ ۱۸ر نومبر کو بعد نماز ظہر عام قبرستان میں آپ کو سپرد لحد کر دیا گیا۔ ڈاکٹر عبدالصمد صمدانی صاحب نے تدفین کے بعد رقت انگیز دعا کی۔ نوجوانوں کی ایک کثیر تعداد تھی کہ آپ کی جدائی کے صدمے سے نمناک تھی کہ آج ان کا مہربان وروحانی باپ اب نہیں رہا۔ سچ تو یہ ہے کہ کرنول کے احباب جماعت آج تک آپ کا تذکرہ بڑے دل سوز انداز میں کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی جدائی کا گھاؤ آج بھی تازہ ہے۔

پسماندگان: اہلیہ کریم بی تو زندگی ہی میں داغِ مفارقت دے گئی تھیں۔ جن سے مولانا کی ۱۹۴۰ء میں شادی ہوئی تھی۔ اولاد میں عزیز اللہ (تاجر آہن) اور تاج النساء ہیں۔ عزیز اللہ بھائی کی چار نرینہ اولاد اور دو لڑکیاں ہیں، مگر ان میں سے کسی کو بھی دادا کی شاہراہ علمی پر نہیں لایا گیا۔ کاش خاندانِ عبدالعزیز سے کوئی ان کا حقیقی وارث پیدا ہوتا۔

علامہ ہم میں نہیں رہے اور انہیں ہم سے جدا ہوئے تقریباً پینتیس سال کا عرصہ ہو رہا ہے، مگر آج تک بھی یہ خلا پر نہ ہوسکا، ''موت العالم موت العالم'' کسی نے سچ کہا ہے ''پچھلے تین دہوں میں کرنول کی جن دو مایہ ناز شخصیتوں نے اپنے پیچھے گہرے نقوش چھوڑے ان میں بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق صاحب مرحوم اور مولانا عبدالعزیز رحمانیؒ تھے۔ میرا یہ حسنِ ظن ہے کہ کرنول کو انہیں دو شخصیتوں کی وجہ سے سارے ہندوستان میں شناخت ملی۔ اللھم اغفر لھم وارحمھم۔ یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ مولانا کی ولادت ۷ نومبر کو زیارتِ حرمین شریفین ۱ر نومبر کو اور وفات ۱۷ نومبر کو ہوئی اگرچہ کہ ان کے سال الگ الگ ہیں۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(ماخوذ از حیات مسیح ابن مریم۔ ص ۱۶ تا ۳۵)

❑❑❑

ڈاکٹر رضاء اللہ سلفی مدنی

(۱۹۵۲ء۔۲۰۰۳ء)

بمبئی کو لے گئی تجھ کو بنارس سے قضا فوز یہ سے جا کے تو فردوس میں فائز ہوا

ڈاکٹر رضاء اللہؒ حاجی محمد ادریس جراح کے چوتھے صاحبزادے، حکیم محمد شفیع اور علامہ محدث مبارکپوری کے پوتے تھے، جامعہ کے کاغذات میں آپ کی تاریخ پیدائش ۳۰ر دسمبر ۱۹۵۴ء مرقوم ہے۔ مگر حقیقتاً یہ عمر کم از کم دو سال کم لکھائی گئی تھی، گھریلو معلومات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا سن پیدائش لگ بھگ ۱۹۵۲ء ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے گھر اور مدرسہ عربیہ دار التعلیم مبارکپور میں حاصل کی، آپ کے گھر کے مخصوص مربی حاجی حکیم عبد السمیع صاحب تھے، پرائمری پاس کرنے کے بعد جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لیا، اور یہاں مولوی کے شعبہ میں چار سال تعلیم حاصل کی، جامعہ رحمانیہ میں آپ کے اساتذہ مولانا عزیز احمد ندوی، مولانا عبد السلام گونڈوی، مولانا قرۃ العین، مولانا عبد السلام طیبی، ماسٹر عبد الحمید اور ماسٹر فیروز الدین وغیرہ تھے۔

۱۹۷۰ء میں جامعہ سلفیہ کے شعبۂ عالمیت میں داخل ہوئے اور ۱۹۷۴ء میں عالمیت کی سند حاصل کی، اور بفضلہ تعالی ابتداء ہی سے اپنے درجہ کے ممتاز طلبہ میں شمار ہوتے تھے، جامعہ سلفیہ کے موجودہ ناظم جناب مولانا عبد اللہ سعود سلفی صاحب آپ کے ہم سبق تھے، اور یہ ہم درسی مسلسل آٹھ سال تک رہی، یعنی عربی کی پہلی جماعت سے لے کر آٹھویں جماعت یا عالمیت سال چہارم تک، جامعہ سلفیہ میں آپ کے بعض اساتذہ کے اسماء درج ذیل ہیں۔

مولانا عبد المعید بنارسی، مولانا عبد الوحید رحمانی، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا محمد عابد رحمانی، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا عبد السلام مدنی، ماسٹر شمس الدین وغیرہم۔

جامعہ سلفیہ کے فضیلت کے کورس میں آپ ابھی داخل ہی ہوئے تھے کہ علامہ زماں ادیب عصر ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی (م ۱۴۰۷ھ۔۱۹۸۷ء) کی آمد ہوئی، دکتور ہلالی علامہ عبد الرحمن مبارکپوری محدث کے شاگرد رشید تھے، اور ان کے اخلاق وعلم سے بہت زیادہ متاثر تھے، دکتور ہلالی نے ڈاکٹر رضاء اللہ سلفی کو اپنے یہاں مغرب (مراکش) بلالیا، دکتور رضاء اللہ سلفی کا مغرب میں قیام کم وبیش دو سال رہا، سفر وحضر میں دکتور ہلالی کے ساتھ رہے، اس لئے استفادہ کا کافی موقع ملا، دکتو ہلالی سے انہوں نے عربی زبانی وادب کے نکات سمجھے، زبان پر عبور حاصل ہوا، قلم سیال ہوا، عقیدہ وعمل بالکتاب والسنۃ میں پختگی آئی۔

پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں آپ کا داخلہ ہوگیا، یہاں آکر آپ کو اپنے جوہر کے نکھارنے کا خوب خوب موقع ملا،

۱۴۰۰ھ۔۱۳۹۹ھ۔۸۰۔۱۹۷۹ء میں آپ نے کلیۃ الحدیث سے ڈگری لیسانس (بی اے) کی ڈگری ممتاز پوزیشن میں حاصل کی۔

پھر ۱۴۰۵ھ۔۱۹۸۵ء میں ماجیستر (ایم اے) ممتاز پوزیشن سے پاس کیا۔اور ۱۴۱۰ھ۔۱۹۸۹ء میں پی ایچ ڈی (دکتورہ) کی ڈگری اعلیٰ پوزیشن سے حاصل کی۔

وہاں سے یہ اسناد عالیہ حاصل کرنے کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس میں بہ حیثیت استاد آپ کا تقرر ہوا، آپ کی صلاحیت اور صالحیت کے ناطے تھوڑے ہی دنوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی مقبولیت میں چار چاند لگائے، اور اسی دس بارہ سال کے اندر آپ کو طرح طرح کے مناصب ملے:

۱۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے نمائندہ فارغین کے پروگرام میں آپ نے نیپال وہند کے فضلاء کی نمائندگی کرتے ہوئے شرکت کی، اور مقالے پیش کئے، جس کا جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ذمہ داروں اور حکومت سعودیہ عربیہ پر بڑا اچھا اثر پڑا۔

۲۔ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی تنظیم مجمع الفقہ الاسلامی کے رکن بنائے گئے، اور اس کے اجلاس وکانفرنس میں شرکت کر کے مقالے اور اپنی آراء پیش کیں۔

۳۔ سفارت خانہ مملکت سعودیہ عربیہ دہلی نے نیپال اور ہندوستان کے اندر سعودی جامعات سے فارغین کی ایک جمعیت بنائی، جس کا صدر آپ کو بنایا گیا، کئی جگہ اس کے پروگرام منعقد ہوئے جس میں آپ نے بہ حیثیت صدر شرکت فرمائی۔

۴۔ جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت کے آپ معتمد خاص تھے، رمضان کی تعطیل میں وہاں کے دروس اور پروگراموں میں شرکت کرتے، اس تنظیم کی جانب سے امریکہ میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں آپ نے شرکت کی، اور مقالے ومحاضرات پیش کئے۔

۵۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے آپ نائب امیر تھے۔

۶۔ جامعہ سلفیہ بنارس (ہند) کے آپ شیخ الجامعہ بنائے گئے۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تعلیم کے زمانہ اور فراغت کے بعد جامعہ سلفیہ میں تدریس کے زمانہ میں جو تحریری وتصنیفی خدمات انجام دیں، ان میں بعض مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تحقیق وتعلیق علی کتاب الرد علی من یقول القرآن مخلوق لابی بکر النجاد (عربی، مکمل) مطبوع کویت۔ (۲) تحقیق وتعلیق کتاب العظمۃ لابی الشیخ الصفھانی (ت ۳۷۴ھ) ۵ جلدیں (عربی) مطبوع ریاض۔ (۳) تحقیق وتعلیق علی السنن الواردۃ فی الفتن واشراط الساعۃ لابی عمر والدانی (ت ۴۴۴ھ) ۳ جلدیں، مطبوع ریاض۔ (۴) تحقیق وتعلیق کتاب الاھوال لابن ابی الدنیا۔ مطبوع ممبئی۔ (۵) ایمان بالیوم الآخر (اردو) مطبوع دہلی)۔ (۶) مذکرۃ فی الحدیث النبوی مع ترجمہ اردو (مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند) مطبوع۔ (۷) سلفیت کا تعارف (اردو) مطبوع۔ (۸) بئس ما فعل اخوالعشیرۃ (عربی)۔ (۹) موجودہ حکومتوں کے پارلیمانی انتخاب میں حصہ (ترجمہ اردو)۔ (۱۰) خواتین کے مخصوص مسائل (ترجمہ اردو)۔ (۱۱) کتاب الجنائز از صاحب تحفہ مبارکپوری (عربی ترجمہ)

ان تحریروں کے علاوہ آپ کے بیش بہا مقالے ومضامین اردو رسالوں مثلاً ترجمان دہلی، اشاعۃ السنۃ دہلی، محدث بنارس اور عربی میں صوت الامۃ میں مسلسل اور قسط وار شائع ہوتے رہتے تھے۔ یہاں احصاء مقصود نہیں۔ ابھی حال ہی میں صوت الامۃ میں ایک مقالہ بالاقساط شائع ہو رہا تھا۔ جس میں آپ نے یہ دکھایا تھا کہ سعودی جامعات کے فارغین برصغیر ہند و نیپال میں کتنی نمایاں اور ہمہ جہتی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر رضاء اللہ صاحب عقیدہ وحدیث کے متخصص تھے۔ عقیدہ ومسلک بڑا ٹھوس اور پختہ تھا۔ جب بھی کسی طرف سے مسلک سلف پر کوئی وار کرتا تو ان کی رگ حمیت وغیرت پھڑک اٹھتی اور ان کا قلم متحرک ہو جاتا۔ مسلک کے خلاف جو عمل بھی ہوتا اس کی فی الفور معلومات حاصل کیا کرتے۔ اور پتہ لگایا کرتے۔ تحفظ سنت کانفرنس جو دیوبندی مسلک اور اسعد مدنی کے تحفظ کے لئے بڑے جاہ وجلال سے منعقد ہوئی تھی اور جس میں مسلک سلف پر بے تحاشہ رکیک ناجائز حملے کئے گئے تھے۔ اس کے جواب کے سلسلے میں انہوں نے بڑی تگ ودو کی۔ خود بھی لکھا اور دوسروں سے بھی لکھایا۔ مجھے بھی ایک رسالہ دعا کے موضوع پر عنایت کیا تھا۔

دیوبند میں مسلک سلف اور اہل حدیث کا رد برابر کیا جاتا ہے۔ اور وہاں باقاعدہ یہ چیز نصاب تعلیم میں داخل ہے۔ انہوں نے یہ پورا مذکرۂ نصاب حاصل کر لیا تھا اور پاکستان سے بھی اگر مسلک سلف کے خلاف کوئی کتاب شائع ہوتی تو پہلے آپ ہی کے ہاتھ میں نظر آتی۔ کئی کتابیں اسی طرح مطالعہ کے لئے حاصل ہوئیں۔

الغرض آپ ہمہ جہت خوبیوں کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ساری خوبیوں اور کمالات کے باوجود آپ کی طبیعت میں حد درجہ تواضع وانکساری رکھ دی تھی۔ جس کی وجہ سے بڑے سادہ سے انسان لگتے تھے۔ نرم خو تھے اور دوسروں کے درد وغم کو سمجھتے تھے۔

۳۰ر مارچ ۲۰۰۳ کو ممبئی کی رحمت کانفرنس میں قضا وقدر کے موضوع پر تقریر کرنے کے تھوڑی دیر کے بعد فوزیہ ہاسپٹل ممبئی میں انتقال ہوا۔ دوسرے دن بذریعہ طیارہ جنازہ مبارکپور لایا گیا۔ اور ۳۱ مارچ ۲۰۰۳ء کو بعد نماز مغرب نماز جنازہ وتدفین عمل میں آئی، مقبولیت کا یہ عالم کہ دور دور سے علماء وعوام جنازہ میں شرکت کے لئے اپنے اپنے وسائل سے پہنچے۔ بیسیوں ہزار کا مجمع تھا۔ اور ممبئی میں کانفرنس کے اندر ایک بار جنازہ کی نماز پڑھائی گئی تھی۔ جس میں پچاس ہزار سے زائد افراد نے شرکت کی، ممبئی میں نماز جنازہ دکتور فضل الرحمن سلفی مدنی نے پڑھائی، اور مبارکپور میں آپ کے ہم سبق ساتھی مولانا عبداللہ سعود سلفی ناظم جامعہ بنارس کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر رضاء اللہ پر رحم وکرم فرمائے۔ آپ کی لغزشوں سے درگزر فرما کر آپ کی نیکیوں کا ثواب عطا فرمائے۔ اور جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

آپ کے پسماندگان میں آپ کی اہلیہ، ایک بہن، چار بھائی، اور بھتیجے بھتیجیاں ہیں۔ مولانا محدث مبارکپوری کی طرح آپ کے بھی کوئی اولاد نہیں۔ حالانکہ تین شادیاں کیں۔ اور تیسری آپ کے بعد موجود ہیں اللہ تعالیٰ سب کو صبر جمیل کی توفیق عنایت کرے۔ آمین۔

(ماخوذ از: کتاب سلفیت کا تعارف: ص ۳۹۲ تا ۳۹۶) ❑❑❑

باچشم نم (شیخ ابوالمکرم السّلفی کی حیات وخدمات)

مولانا محمد مستقیم سلفی (سابق شیخ الجامعہ، جامعہ سلفیہ، بنارس)

۲۱ رجنوری ۲۰۰۵ء مطابق ۱۰ رذی الحجہ ایک بجے شب بذریعہ فون یہ جان کاہ خبر بجلی بن کر گری۔ کہ ہر دلعزیز اخلاص ومحبت کا پیکر فاضل جامعہ سلفیہ بنارس مولانا ابوالمکرم سلفی اپنے تمام اعزہ واساتذہ کرام کو سوگوار چھوڑ کر عالم جاودانی کی جانب منتقل ہوگئے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون"

یہ دنیائے فانی دارالعمل ہے اور دارالامتحان بھی، یہاں اسی شخص کو مسرت وکامیابی اور عزت ونامی حاصل ہوسکتی ہے جو اعمال صالحہ کے ذریعہ سفر آخرت کے لئے تیار رہے جہاں ہمیشہ ہمیش رہنا ہے۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس عظیم مقصد زیست کو مدنظر رکھتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور دین حق کی سربلندی کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیتے ہیں، انہیں خوش نصیب لوگوں میں سے میرے عزیز مولانا ابوالمکرم بن عبدالجلیل سلفی تھے جنہیں آج ہم باچشم نم "رحمہ اللہ" لکھنے پر مجبور ہیں۔

ولادت: آپ ضلع سنت کبیر نگر اتر پردیش کے ایک چھوٹا سا قصبہ "سانتھا بازار" ۲۱ رمارچ ۱۹۶۳ء کو پیدا ہوئے، آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے ابوالمکرم بن عبدالجلیل بن نامدار بن محکم بن رحمت اللہ انصاری۔

تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والدین سے حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ مدینۃ العلوم لوہرن بازار ضلع سنت کبیر نگر میں جاکر داخلہ لیا جہاں پر ائمری درجات سے لے کر عربی جماعت تک کی تعلیم حاصل کی، آپ نے وہاں پر جن اہم اساتذہ سے کسب فیض کیا ان میں مولانا محمد امین صاحب ریاضی، مولانا ابوالوفا صاحب زاہد سلفی، ماسٹر شریف الحسن صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ ۱۹۷۷ء میں مدرسہ مدینۃ العلوم لوہرن بازار سے جماعت اولیٰ پڑھنے کے بعد اپنے خالو حامد الانصاری صاحب انجم کے ساتھ مدرسہ شمس العلوم ہرنامپور (نیپال) چلے گئے اور وہاں پر جماعت ثانیہ کی تعلیم مکمل کی، پھر انہیں کے مشورے پر ۱۹۷۸ء میں مدرسہ مفتاح العلوم بھٹ پرا (سدھارتھ نگر) میں جاکر داخلہ لیا اور بابائے قوم مولانا خلیل الرحمن صاحب صدیقی رحمہ اللہ وغیرہ سے عربی کی جماعت ثالثہ کی کتابیں پڑھیں۔

چونکہ اس وقت اس مدرسہ میں جماعت ثالثہ سے اونچی جماعتوں کی تعلیم کا انتظام نہیں تھا اس لئے وہاں سے گھر چلے آئے اور شوال ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں جامعہ سلفیہ بنارس کا رخ کیا اور یہاں آکر عالمیت کے پہلے سال میں داخلہ لیا اور چھ سال یہاں رہ کر اپنی تعلیم مکمل کی اور ۱۹۸۲ء میں عالمیت اور ۱۹۸۴ء میں فضیلت کی ڈگری حاصل کی، ساتھ ہی دوران تعلیم جامعہ سلفیہ بنارس ۔الہ آباد بورڈ سے مولوی، منشی اور عالم کے امتحانات بھی پاس کیا۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں جن اساتذہ سے آپ نے استفادہ کیا ان میں شیخ الحدیث مولانا شمس الحق صاحب سلفی، مولانا عبدالمعید صاحب بنارسی، شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی رحمہم اللہ کے علاوہ مولانا محمد عابد صاحب رحمانی، ڈاکٹر مقتدی حسن صاحب ازہری، مولانا محمد رئیس صاحب ندوی مولانا صفی الرحمن مبارک پوری، مولانا عبدالسلام صاحب مدنی، مولانا عزیز الرحمن صاحب سلفی، مولانا نعیم الدین صاحب مدنی، مولانا جمیل احمد صاحب مدنی، مولانا احسن جمیل صاحب مدنی (بنارسی) اور راقم محمد مستقیم سلفی وغیرہم ہیں۔

تدریس: فراغت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک جامعہ سلفیہ بنارس کے شعبۂ ادارۃ البحوث الاسلامیہ میں آپ نے کام کیا، پھر کچھ مجبوریوں کی بنا پر اکتوبر ۱۹۸۵ء کے اواخر سے لے کر اپریل ۱۹۸۶ء تک ممبئی کے ایک اسکول ''انجمن اخوۃ الاسلام'' میں بحیثیت مدرس کام کرتے رہے، اس کے بعد جون ۱۹۸۶ء تا جون ۱۹۸۷ء ''مرکز ابوالکلام آزاد للتوعیۃ الاسلامیہ'' نئی دہلی کے شعبۂ تدریس ''معہد التعلیم الاسلامی'' اور شعبہ تحقیق ''مجمع البحوث الاسلامیہ'' میں کام کیا، پھر جولائی ۱۹۸۸ء سے دہلی کے قدیم ترین سلفی ادارہ ''مدرسہ ریاض العلوم'' دہلی میں بحیثیت مدرس کام کرنے لگے اور ۱۹۹۰ تک اس مدرسہ میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ جامعہ سلفیہ بنارس سے فارغ ہونے کے بعد تعلیمی سلسلہ مزید جاری رکھنا چاہتے تھے اس لئے سعودیہ عربیہ کی سب سے بڑی یونیورسٹی ''جامعۃ الملک سعود'' (ریاض) میں داخلہ کے لئے درخواست دے رکھی تھی اور ۱۹۹۰ء میں آپ کے پاس داخلہ کی منظوری بھی آگئی جس کی بنا پر آپ نے سعودیہ عربیہ کے لئے رخت سفر باندھا اور روانہ ہوگئے، وہاں پہنچ کر آپ نے تدریب المعلمین میں داخلہ لیا اور چار ماہ کا یہ کورس مکمل کر کے اسی جامعہ کے کلیۃ التربیہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۹۶ء مطابق ۱۴۱۶ھ میں لیسانس کی ڈگری حاصل کی۔

آپ نے کلیۃ التربیہ مکمل کرنے کے بعد ریاض ہی میں "وکالۃ المطبوعات والنشر بوزارۃ الشئون الاسلامیہ والاوقاف والدعوۃ والارشاد" میں بحیثیت مترجم ملازمت اختیار کرلی اور تاحیات اسی شعبہ سے منسلک رہے۔

علمی خدمات: "وکالۃ المطبوعات والنشر" میں آپ نے لگ بھگ ۹ سال کام کیا ہے اور اس قلیل مدت میں ۵۴ کتابوں کی تصنیف وترجمے کئے جن کی تفصیلی فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) دعوۃ الامام محمد بن عبدالوھاب بین مؤیدیھا ومعارضیھا فی شبہ القارۃ الھندیۃ (تالیف ،عربی) طبع اول ۱۴۱۳ھ، ناشر: مکتبہ دار السلام بالریاض۔

(۲) علماء اھل الحدیث فی الھند وموقفھم من دعوۃ الامام محمد بن عبدالوھاب والدولۃ السعودیۃ (تالیف، اردو) طبع اول ۱۴۲۲ھ ناشر: الجامعۃ السفلیہ بنارس بالھند۔

(۳) اطلالۃ علی جمعیۃ الخلافۃ وموقفھا من مؤتمر الحجاز (رد علی جمعیۃ الخلافۃ وموقفھا الحاقد من الدولۃ السعودیۃ) تالیف، اردو) طبع اول ۱۴۰۷ھ ناشر: جمعیۃ اھل الحدیث المرکزیۃ بالھند۔

(۴) ماساۃ الحرم المکی الشریف، مؤامرۃ قذرۃ قدیمۃ (تالیف، اردو) طبع اول ۱۴۰۴ھ۔

(۵) کشف الشبھات للامام محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ (ترجمہ: اردو) طبع اول ۱۴۱۷ھ

ناشر: مکتبۃ دار السلام بالریاض۔
(۶) لمعۃ الاعتقاد للامام ابن قدامۃ المقدسی رحمہ اللہ (ترجمہ، اردو)۔
(۷) مجمل اعتقاد ائمۃ السلف للدکتور عبداللہ الترکی (ترجمہ اردو غیر مطبوع)
(۸) الادلۃ الشرعیۃ فی حقوق الراعی والرعیۃ للشیخ محمد بن عبداللہ السبیل (ترجمہ، اردو غیر مطبوع)
(۹) التحذیر من وسائل التنصیر للجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔
(۱۰) ھذہ نصیحتی لکل شیعی للشیخ ابی بکر الجزائری (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔
(۱۱) الامر بالمعروف والنھی عن المنکر للامام ابن تیمیہ (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔
(۱۲) تحفۃ الاخوان بأجوبۃ تتعلق بأرکان الاسلام للشیخ ابن باز (ترجمہ، اردو) طبع ۱۴۱۸ھ ناشر: مکتب الدعوۃ بسلطانۃ۔
(۱۳) تحفۃ الاخیار فی الادعیۃ والاذکار للشیخ ابن باز (ترجمہ، اردو) ناشر: مکتب الدعوۃ بسلطانۃ۔
(۱۴) خلاصۃ الکلام فی احکام الصیام للشیخ الجار اللہ (ترجمہ، اردو) ناشر: مکتب الدعوۃ بسلطانۃ۔
(۱۵) العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام ابن تیمیۃ رحمہ اللہ (ترجمہ، اردو) ناشر: مکتب الدعوۃ بسلطانۃ۔
(۱۶) فضل الاسلام للامام محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۰ھ ناشر: مکتب الدعوۃ بسلطانۃ۔
(۱۷) زاد المسلم الیومی للشیخ عبداللہ الجار اللہ رحمہ اللہ (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۱۵ھ ناشر: مکتب الدعوۃ بسلطانۃ۔
(۱۸) ثلاث شعائر للدکتور سلیمان الأشقر (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴ ناشر: الدار العلمیۃ بدلھی۔
(۱۹) البدعۃ واثرھا السئی فی الامۃ للاستاد سلیم الھلالی (اردو) طبع اول ۱۴ ناشر: الدار العلمیۃ بدلھی۔
(۲۰) من منبر المسجد الحرام للشیخ محمد بن عبداللہ السبیل (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۱ھ ناشر: الجامعۃ السفلیہ بنارس، الھند۔
(۲۱) کتاب الکبائر للامام محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔
(۲۲) لماذا صلاۃ الفجر للاستاذ عدنان الطرشہ (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔

(۲۳) اللحیة لماذا الاستاذ محمد احمد اسماعیل (ترجمة، اردو) غیر مطبوع۔
(۲۴) قبل ان تصلی للاستاذ انس بن عبدالحمید القوز (ترجمہ ،اردو) طبع اول ۱۴ ناشر: مکتبة دار السلام بالریاض۔
(۲۵) هکذا حج الرسول ﷺ للشیخ ابن باز (ترجمہ اردو) طبع اول ۱۴ ناشر: مکتبة دار السلام بالریاض۔
(۲۶) آداب المشئی الی الصلوة للامام محمد بن عبدالوهاب (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔
(۲۷) التحذیر من البدع لسماحة الشیخ ابن باز (ترجمہ، اردو) غیر طبع۔
(۲۸) ثلاث رسائل لسماحة الشیخ ابن باز (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔
(۲۹) من اخطاء الحج والعمرة للشیخ سالم بن محمد الجهنی (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔
(۳۰) ستون سوالاعن احکام الحیض للشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمه الله (ترجمہ : اردو) طبع اول ۱۴۲۰ھ ناشر: مرکز الدعوة بالدرعیة۔
(۳۱) رسالة الامام عبدالعزیز الشانی اوحقیقة دعوة الشیخ محمد بن عبدالوهاب للشیخ محمد بن عبداللطیف آل الشیخ (ترجمہ: اردو) طبع اول ۱۴، ناشر: مکتب الدعوة بغرب الدیرہ۔
(۳۲) اعانة المحتاج من کتاب المنهاج للامام ابن تیمیة تالیف الشیخ شریف بن علی الراجی (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۰ھ، ناشر: مکتب الدعوة بغرب الدیرہ۔
(۳۳) التوحید اهمیته وفضله للشیخ عمر بن سعود العید (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔
(۳۴) الفرقان بین اولیاء الرحمن واولیاء الشیطان لابن تیمیة (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۲ھ ناشر: مکتب الدعوة بسلطانة۔
(۳۵) الاسرة المسلمة للدکتور محمد بن لطفی الصباغ (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔
(۳۶) دور المرأة فی اصلاح المجتمع للشیخ العثیمین رحمه الله (ترجمہ ،اردو) طبع اول ۱۴۲۲ھ ناشر: مکتب الدعوة بسلطانة۔
(۳۷) فتاوی مهمة تتعلق بالزکوة لسماحة الشیخ ابن باز رحمه الله (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔
(۳۸) التفسیر الیسیر لسورة الفاتحة وجزء عم للشیخ یوسف العوید (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔
(۳۹) ابواب الجنة (اردو) غیر مطبوع۔
(۴۰) الاسرة المسلمة لفضیلة الشیخ صالح بن فوزان (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔
(۴۲) یااخا الاسلام (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع)

(۴۳) من فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیة للشیخ عبداللہ الجار اللہ رحمہ اللہ (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۴ھ، ناشر: مکتب الدعوۃ بسلطانۃ۔

(۴۴) الولاء والبراء فی الاسلام لفضیلۃ الشیخ صالح الوزان (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۴ھ، ناشر: مکتب الدعوۃ بغرب الدیرہ۔

(۴۵) زیارۃ القبور والاستنجاد بالمقبور للشیخ السلام ابن تیمیة (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔

(۴۶) الارشاد الی صحیح الاعتقاد لفضیلۃ الشیخ صالح الفوزان (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔

(۴۷) شرح اصول الایمان للشیخ محمد العثیمین رحمہ اللہ (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔

(۴۸) نواقض الاسلام للامام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۴ھ ناشر: مکتب الدعوۃ بسلطانۃ۔

(۴۹) التحذر من الرویا المکذوبۃ علی المصطفی ﷺ للشیخ محمد السبیل (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۴ھ ناشر: مکتب الدعوۃ بسلطانۃ۔

(۵۰) حقوق دعت الیہا الفطرۃ للشیخ محمد العثیمین رحمہ اللہ (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۴ھ ناشر: مکتب الدعوۃ بسلطانۃ۔

(۵۱) المعتقد الصحیح للدکتور عبدالسلام بن برجس (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔

(۵۲) الخلاف بین العلماء: اسبابہ وموقفنا منہ للشیخ محمد العثیمین رحمہ اللہ (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔

(۵۳) الدعاء من الکتاب والسنۃ والعلاج بالرقی من الکتاب والسنۃ للشیخ سعید القحطانی (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۵ھ، ناشر: موسسۃ الجریسی للتوزیع۔

(۵۴) بیان عقیدۃ اہل السنۃ والجماعۃ ولزوم اتباعہا للشیخ سعید القحطانی (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۵ھ ناشر: موسسۃ الجریسی للتوزیع۔

(۵۵) الطرق الحسان فی علاج امراض الجان للاستاد خلیل ابراہیم امین ابو المنذر (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔

مذکورہ کتابوں کے علاوہ آپ کے مضامین مختلف اخبارات ورسائل میں بھی شائع ہوتے رہے تھے، بطور مثال چند اخبارات ورسائل کے اسماء مع عناوین درج ذیل ہے:

(۱) "مکتبۃ رضا برامفور، نشاتہا وتطوراتہا" یہ مضمون کتاب اردو "تاریخ رامپور رضا لائبریری رامپور" (مطبوع)

مصنفہ محمد حسین خاں شفاؔ کا عربی ترجمہ ہے جو حکومت ہند کی جانب سے نکلنے والے سہ ماہی عربی مجلہ "ثقافة الهند" میں کئی قسطوں میں شائع ہو چکا ہے۔

(۲) "ٹیلویژن اور شریعت اسلامیہ" یہ مضمون شیخ عبداللہ بن حمید سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ آف سعودی عرب کے عربی رسالہ "التلفزيون وحكمه في الشريعة" کا اردو ترجمہ ہے۔ جو ماہنامہ "التوعية" نئی دہلی اکتوبر و نومبر ۱۹۸۸ء وغیرہ کے شماروں میں قسط وار شائع ہوا ہے۔

(۳) "اسلام اور تربیت اولاد" یہ مضمون چار قسطوں میں ماہنامہ "التوعیۃ" نئی دہلی ۸۶، ۱۹۸۷ء کے شماروں میں شائع ہو چکا ہے۔

(۴) اردو رسالہ "مظلوم ابن سعود اور خلافت کمیٹی" کا عربی ترجمہ قدرے حذف و اضافہ کے ساتھ "صوت الامۃ" بنارس اکتوبر دسمبر ۱۹۸۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔

(۵) "حرمت کعبہ کی پامالی ایک قدیم سازش" یہ مضمون پندرہ روزہ ترجمان دہلی کے ۱۹۸۷ء کے شماروں میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔

(۶) "تاریخ کا یہ حیرت انگیز انقلاب" یہ مضمون ترجمان دہلی کے ۱۶ر مارچ اور یکم اپریل ۱۹۸۸ء کے شماروں میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔

اس مضمون کے لکھنے کا پس منظر یہ ہے کہ نومبر ۱۹۸۷ء میں ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن الترکی اور ڈاکٹر عبدالحلیم عویس حفظہم اللہ کی ہندوستان تشریف آوری کے موقع پر دارالعلوم دیوبند میں ان مہمانوں کو جو استقبالیہ پیش کیا گیا تھا اس میں صراحت سے یہ بھی کہا گیا "وقد تسمى الديوبندية بالوهابية نسبة الى الشيخ محمد بن عبد الوهاب النجدي" اس مضمون میں یہ جائزہ لیا گیا ہے کہ "آپ دیوبندی حضرات کا شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی سے اتنا گہرا تعلق و ربط کب سے ہوا؟ کیا آپ کے اپنے اکابرین کی دل آزار تحریریں آپ کو یاد نہیں رہیں؟

(۷) "سوال ملت کا ہے" یہ مضمون دراصل ۱۹۸۷ء میں بموقع حج پیش آنے والے "حادثہ حرم" کے تعلق سے ایک اداریہ ہے جو ماہنامہ "نوائے اسلام" دہلی کے دسمبر ۱۹۸۷ء کے شمارہ میں شائع ہو چکا ہے، اس میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ "حرمین شریفین" کی حرمت و تقدس کی حفاظت کے سلسلہ میں جماعت اہل حدیث کا موقف کوئی نیا نہیں ہے، بلکہ یہ جماعت تاریخ کے نازک ترین دور میں بھی اپنے موقف پر سختی سے کاربند رہی ہے۔

(۸) "تعلیم نسواں افکار و نظریات" یہ مضمون علامہ ڈاکٹر تقی الدین ہلالی رحمہ اللہ کے عربی مضمون "تعليم الاناث وتربيتهن" (شائع شدہ مجلہ الجامعۃ السلفیۃ۔ بنارس) کا اردو ترجمہ ہے، ماہنامہ 'الاسلام' دہلی کے ۱۹۸۷ء کے شماروں میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔

بیماری اور وفات: زمانہ طالب علمی ہی سے آپ مجھ سے تعلق زیادہ رکھتے تھے، جب سعودیہ عربیہ جا کر ریاض میں آپ نے پڑھنے کے بعد ملازمت اختیار کر لی تو اکثر و بیشتر بذریعہ فون یا موبائل مجھ سے باتیں کیا کرتے تھے اور بعض کاموں کے سلسلہ میں مشورہ بھی لیتے

تھے، اس سال شروع رمضان (۱۴۲۵ھ) میں دو مرتبہ موبائل پر رابطہ قائم کیا اور دیر تک گفتگو کرتے رہے، میں نے کہا فون بند کر دیجئے خرچ بہت آئے گا، جواب دیا کہ زندگی کا کیا ٹھکانہ معلوم نہیں کہ آئندہ گفتگو کرنے کا موقع ملے یا نہ ملے، میں خاموش ہو گیا انہوں نے مختلف موضوع پر گفتگو کرنے کے بعد فون بند کر دیا اس کے بعد سے گفتگو کا موقع نہیں ملا۔

جامعہ کھلنے کے بعد شوال میں بنارس پہنچا تو ان کے چھوٹے بھائی مولانا خورشید احمد سلفی سے فون پر گفتگو ہوئی، میں نے ان سے پوچھا کہ مولانا ابوالمکرم کا کیا حال ہے؟ زیادہ دن ہو گیا کوئی فون نہیں آیا، تو کہنے لگے کہ گھر فون آیا ہے طبیعت کچھ خراب چل رہی ہے، میں نے پوچھا کہ کیا بخار ہے؟ کہا نہیں پیٹ میں برابر درد رہتا ہے دعا کیجئے۔

شروع ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ کو یہ دل دوز اور جگر سوز خبر ملی کہ آپ کی آنت میں کینسر ہو گیا ہے اور ریاض کے ''شمیسی'' اسپتال میں آپ داخل ہیں اور علاج باقاعدہ شروع ہو گیا ہے، پھر کچھ دنوں کے بعد خبر ملی کہ مرض بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے آخر ڈاکٹروں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ اپنے وطن چلے جائیں یہی آپ کے لئے بہتر ہے۔

ڈاکٹروں کا یہ مشورہ سن کر آپ مکمل طور پر اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے اور فوراً گھر آنے کے لئے آمادہ ہو گئے اور گھر والوں کو بذریعہ فون خبر دیا کہ میں مع اہل وعیال بذریعہ طیارہ ۱۳/جنوری ۲۰۰۵ء مطابق ۲/ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ کو دہلی پہنچ رہا ہوں، چنانچہ آپ اپنے وقت موعود پر دہلی پہنچ گئے، آپ کے گھر والے پہلے سے ہوائی اڈہ پر موجود تھے مولانا کے اہل وعیال کو قیام کے لئے ''دارالدعوۃ'' میں بھیج دیا اور مولانا کو دہلی کے ایک بڑے اسپتال ''بترا'' میں لے جا کر داخل کر دیا، یہاں کے ڈاکٹروں نے نئے سرے سے آپ کے مرض کی تشخیص کی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب آپ کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے، ان لوگوں نے آپ کے گھر والوں سے کہا کہ جتنا جلدی ممکن ہو انہیں گھر پہنچا دیں۔

چنانچہ ۱۹/جنوری ۲۰۰۵ء مطابق ۸/ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ کو آپ کے گھر والے آپ اور آپ کے بچوں کو لے کر بذریعہ ٹرین گھر کے لئے روانہ ہو گئے اور ۲۰/جنوری ۲۰۰۵ء بمطابق ۹/ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ کو دس بجے دن گھر پہنچ گئے اور ۲۱/جنوری ۲۰۰۵ء مطابق ۱۰/ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ کو ساڑھے ۱۲ بجے شب آپ کا انتقال ہو گیا، اور اسی روز ۲ بجے دن میں اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے، جنازہ کی نماز آپ کے والد محترم نے پڑھائی۔

شادی واولاد: آپ کی شادی ۱۹۹۱ء میں موضع ککرا پوکھر میں مولانا عزیز الحق صاحب کی صاحبزادی شہناز خاتون سے ہوئی جن کے بطن سے کل چھ اولاد ہوئیں اور سب بحمد اللہ زندہ وسلامت ہیں، ان کے اسماء ترتیب وار درج ذیل ہیں:

(۱) احسان (۲) بشریٰ (۳) سلوی (۴) ذکریٰ (۵) سارہ (۶) سلمان، سلمان کی عمر اس وقت کل ۱۳ ماہ ہے۔

آخر میں ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا کے بشری فروگذاشتوں کو معاف کرے اور آپ کی نیکیوں اور جملہ دینی خدمات کو قبول فرما کر انہیں آپ کی مغفرت ونجات کا ذریعہ بنائے اور آپ کے جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ (آمین)

(ماہنامہ السراج، جھنڈانگر۔ فروری تا اپریل ۲۰۰۵) ❑❑❑

خوش درخشید ولے شعلہ مستعجل بود

شیخ ابوالمکرم عبدالجلیل سلفی

مولانا مطیع اللہ حقیق اللہ مدنی، مدیر ماہنامہ نور توحید جھنڈانگر نیپال

۱۴۲۵ھ کی عیدالاضحیٰ کی خوشیوں اور شادمانیوں کا بھرپور لطف اٹھاتے ہوئے ہم یہ اسلامی تیوہار منارہے تھے کہ فون پر ایک ایسی جانکاہ اطلاع ملی جس نے ہماری خوشیوں پر اوس ڈال دیا، فون پر عزیز بھائی مولوی خورشید احمد سلمہ نے غم آلود آواز میں یہ خبر دی کہ ''شیخ ابوالمکرم صاحب سلفی کی وفات ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ للہ ما اعطی ولہ ما اخذ۔

ایک خاندان پر شب عیدالاضحیٰ میں کیا گذری ہوگی جس کا جواں سال، لائق وفائق اور ہونہار عالم فرزند ان سے جدا ہوگیا اور مست وشادمانی کے موقع پر ان کو سوگوار چھوڑ گیا وللہ فی خلقہ شئون۔

مجھے شیخ ابوالمکرم سلفی کی بیماری اور ریاض سے ہندوستان آمد کی اطلاع نہ تھی، ۱۴ر دسمبر ۲۰۰۴ء کو ٹیلیفون پر میری ان سے گفتگو ہوئی تھی وہ اس وقت صحتمند تھے، چند ماہ پیشتر ہی وطن سے مع اہل وعیال ریاض گئے تھے۔

اول وہلہ میں میں نے یہی سمجھا کہ یہ حادثہ ریاض میں ہی پیش آیا ہے، پھر ایک دوسرے فون سے یہ واضح ہوا کہ انتقال گھر پر ہوا ہے۔

کافی دیر ہوچکی تھی، بڑی برق رفتاری سے سفر شروع کیا، منزل مقصود پر پہنچا کہ صلاۃ جنازہ ختم ہوگئی دو چار منٹ بھی مہلت ملی ہوتی تو صلاۃ جنازہ جماعت کے ساتھ پاجاتا "وما تشائون الا ان یشاء اللہ" تدفین اور دعاء للمیت حول القبر میں شامل رہا۔

شیخ موصوف کے والد محترم الحاج عبدالجلیل صاحب اور برادر صغیر خورشید احمد سے تعزیت کیا اور انہیں صبر وضبط کے چند کلمات پیش کرنے کے بعد واپس گھر روانہ ہوا۔

ذیل کی سطور میں شیخ ابوالمکرم صاحب سلفی کی مختصر سوانح حیات اور تاثراتی کلمات پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے شیخ ابوالمکرم سلفیؒ ضلع سنت کبیر نگر اتر پردیش کے ایک چھوٹے سے قصبہ ''سانتھا بازار'' میں ۱۹۶۲ء میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم موضع لوہرن بازار میں حاصل کرنا شروع کیا، لوہرن بازار کی ایک معروف شخصیت ڈاکٹر عبدالحمید حامد الانصاری انجم صاحب حفظہ اللہ کی ہے، انجم صاحب نیپال کے ایک گاؤں ہرنام پور ضلع روپندیہی میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دے چکے ہیں، آپ کے ساتھ ابوالمکرم صاحب ہرنام پور آئے اور وہاں پر انجم صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، اس کے بعد مدرسہ مفتاح العلوم بھٹ پرا میں تعلیم حاصل کیا، موصوف ایک ذہین وفطین طالب علم تھے، ہمیشہ امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کرتے تھے، اعلیٰ

تعلیم کے لئے ۱۹۷۸ء میں جامعہ سلفیہ بنارس کا رخ کیا، عالمیت اور فضیلت کا کورس نمایاں کامیابی کے ساتھ مکمل کیا، جامعہ سلفیہ کے نامور اساتذہ فن سے خوب خوب کسب فیض کیا۔

جامعہ سلفیہ بنارس اس وقت اپنے تعلیمی وتربیتی معیار کے لحاظ سے اعلیٰ مقام پر تھا اور متخرجین جامعہ کا ''جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ'' میں کثیر تعداد میں داخلہ ہوتا تھا۔

طلبہ میں تسابق وتنافس کا ایک خاص ماحول تھا، اسی شاندار ماحول میں شیخ ابوالمکرم سلفی نے تعلیم پائی اور دیگر محنتی اور ذہین طلبہ کی طرح اپنے اندر عمدہ لیاقت واستعداد پیدا کی، چنانچہ بعد کی عملی زندگی میں ان کا شمار بہترین علماء وفضلاء میں ہونے لگا۔

مملکت سعودی عرب کی یونیورسٹی میں داخلہ اور اعلیٰ تعلیم کا حصول ہر لائق وہونہار طالب کی دلی آرزو اور خواہش ہوتی ہے، موصوف کی بھی یہ دلی تمنا تھی چنانچہ ان کی یہ آرزو برآئی، غالباً ۱۹۸۶ء کی بات ہے آپ کا داخلہ جامعۃ الملک سعود ریاض میں ہوگیا، وہاں پر معہد اللغۃ العربیۃ۔تدریب المعلمین کا کورس مکمل کیا، اس کے بعد کلیۃ التربیہ کے قسم الدراسات الاسلامیہ سے ''لیسانس'' کی ڈگری حاصل کی، جامعۃ الملک سعود میں الدبلوم العالی لاعداد المعلمین کا کورس پورا کیا، غرضیکہ ریاض میں تعلیمی زندگی کا ایک طویل زمانہ گذارا اور اپنی علمی پیاس کو خوب بجھایا، قیام ریاض کے زمانہ میں جامعہ کی منہجی تعلیم کے علاوہ وہاں کے مشہور علماء ومشائخ سے استفادہ کا سلسلہ جاری رکھ کر اپنی علمی صلاحیت کو خوب پروان چڑھایا اور اس میں خوب جلا اور نکھار پیدا کیا۔

شیخ ابوالمکرم سلفی میدان عمل میں:

موصوف ۱۹۸۴ء میں جامعہ سلفیہ بنارس سے فارغ التحصیل ہوئے، آپ نے کچھ ایام جامعہ سلفیہ میں گذارا، وہاں پر مختلف علمی وتحقیقی فرائض وخدمات انجام دیتے رہے پھر آپ نے تدریسی مشغلہ جاری رکھتے ہوئے مختلف میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دیا۔

میدان تدریس: سب سے پہلے آپ نے معہد التعلیم الاسلامی نئی دہلی میں تدریسی فریضہ انجام دینا شروع کیا، وہاں پر آپ پڑھاتے تھے ساتھ ہی مطالعہ وکتب بینی کیلئے جامعہ ہمدرد کی لائبریری میں جاکر اپنی علمی تشنگی بجھاتے اور معلومات میں اضافہ کرتے رہے، اس سلسلہ میں ادارہ معہد آپ کا تعاون کرتا تھا، معہد میں غالباً ایک ہی سال گذارا، اس کے بعد آپ جامعہ ریاض العلوم دہلی میں مدرس مقرر ہوئے، آپ ایک کامیاب مدرس تھے اس کی گواہی وہ ضرور دیں گے جنہیں آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے، وہاں پر ایک سال سے کچھ زائد عرصہ گذارا تھا کہ آپ کو جامعۃ الملک سعود ریاض میں اعلیٰ تعلیم کا سنہری موقعہ ملا اور پھر جامعہ ریاض العلوم سے شہر ریاض چلے گئے۔

میدان خطابت: کم عمری سے ہی خطابت سے آپ کو دلچسپی تھی، اس میں بحمد للہ جناب انجم جمال اثری صاحب کی تعلیم وتربیت اور آپ کی صحبت کا بھی کافی اثر تھا، جامعہ سلفیہ میں اس صلاحیت کو مزید نکھارنے کا موقعہ ملا، بالآخر فن خطابت میں کمال پیدا ہوگیا، اکثر آپ اپنے ہم سبق زملاء اور ہم عصر اقران واصحاب پر میدان خطابت میں غالب رہتے اور تقریری مسابقات میں نمایاں پوزیشن

حاصل کر کے بازی مار لیتے تھے۔

۱۹۸۴ء میں ریاستی جمعیۃ اہل حدیث مشرقی یوپی کے زیر اہتمام شہر بھدوہی میں صوبائی کانفرنس کا انعقاد ہوا، اس کانفرنس میں ایک پروگرام طلبہ مدارس اہل حدیث کے مابین تقریری مقابلہ کا تھا، تقریر کا موضوع تھا ''اسلام میں نوجوانوں کا کردار'' اس انعامی تقریری مسابقہ میں متعدد جماعتی مدارس کے منتہی درجات کے طلبہ شریک تھے۔

جامعہ سلفیہ بنارس کی نمائندگی شیخ ابوالمکرم صاحب کر رہے تھے جو اس وقت فضیلت سال آخر کے طالب علم تھے، تقاریر کا سلسلہ ختم ہوا نتائج کا اعلان ہوا، موصوف اول پوزیشن حاصل کر کے انعام اول کے مستحق قرار پائے، بعد کی عملی زندگی میں موصوف ایک بہترین خطیب ثابت ہوئے، آپ کا خطاب مدلل انداز بیاں سلجھا، زبان صاف اور اسلوب عمدہ ہوتا تھا ساتھ ہی تقریر میں متانت وسنجیدگی برقرار رہتی ؎

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

میدان تالیف وترجمہ: شیخ ابوالمکرم مضمون نویسی اور مقالہ نگاری میں دلچسپی لیتے تھے، ترجمہ وتالیف کا اچھا ذوق رکھتے تھے، جامعہ سلفیہ بنارس اور دہلی وریاض کے زمانہ قیام میں اس طرف کافی توجہ مبذول کی، آپ نے بعض اہم کتابیں تالیف کرنے کے ساتھ کچھ اہم دعوتی کتابوں کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا اور اہل علم سے خراج تحسین حاصل کیا۔

تالیفات وتراجم میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

۱۔ "**علماء اهل حديث فى الهند وموقفهم من دعوة الامام محمد بن عبدالوهاب والدولة السعودية**" یہ کتاب عربی زبان میں ہے، موضوع نام سے ہی ظاہر ہے، اس کتاب کی اہمیت کو شیخ عبدالرحمن بن عبداللطیف بن محمد آل الشیخ رحفظہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے: "**وقد وجدت هذا الكتاب مهما فى موضوعه اضافة الى تميزه بدقة المعلومات وتوثيقها بالوثائق التاريخية**" میرے نزدیک یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت اہم ہے ساتھ دقت معلومات میں ممتاز نیز تاریخی دستاویزوں سے مدلل ہے۔

اس کتاب کے ذریعہ مؤلف موصوف کا علمی حلقوں میں تعارف ہوا۔

۲۔ ''امام محمد بن عبدالوہاب کی دعوت اور علمائے اہل حدیث کی مساعی'' یہ کتاب مذکورہ بالا عربی کتاب کا اردو ایڈیشن ہے، مؤلف موصوف نے اس موضوع پر دونوں زبانوں میں مستقل کام کیا، اس کتاب کو ادارۃ البحوث الاسلامیہ بنارس نے زیور طبع سے آراستہ کروایا، اس پر ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری حفظہ اللہ کا قیمتی مقدمہ ہے۔

ڈاکٹر ازہری صاحب نے اپنے مقدمہ میں اس کتاب کی اہمیت اور مؤلف کی کاوش کو خوب اجاگر کیا ہے، ایک مختصر اقتباس ملاحظہ کیجئے ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں ''اس موضوع پر ان (ابوالمکرم) کا مطالعہ وسیع وعمیق ہے انہوں نے مآخذ کو کھنگالا تھا، افراد وجماعت کے مزاج سے واقف تھے، مواقف میں تبدیلیوں کے اسباب پر ان کی نظر تھی اس لئے انہوں نے شیخ محمد بن

عبدالوہاب کی دعوت، سعودی حکومت کے کارناموں اور جماعت اہل حدیث کے موقف پر عربی واردو دونوں زبانوں میں اوراس موضوع پر استنادی حیثیت حاصل کرلی''

۳۔ مظلوم ابن سعود اور خلافت کمیٹی: (اردو) ناشر: مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند: ۱۹۸۷ء

۴۔ دلائل النبوۃ: تحقیق ودراسۃ (عربی)

۵۔ روزہ کے مسائل: تالیف عبداللہ جاراللہ ابراہیم

۶۔ خطبات حرم: (اردو ترجمہ)

یہ امام حرم فضیلۃ الشیخ محمد عبداللہ السبیل رحفظہ اللہ کے مسجد حرام کے خطبات جمعہ کے مجموعہ کا اردو ترجمہ ہے، آپ نے امام موصوف سے ترجمانی کی اجازت لینے کے بعد کام شروع کیا اور پایۂ تکمیل کو پہنچایا، جامعہ سلفیہ بنارس نے زیور طباعت سے آراستہ کرکے اسے شائع کیا۔

الفرقان بین اولیاء الرحمن واولیاء الشیطان (تالیف: شیخ الاسلام ابن تیمیہ) اردو ترجمہ، ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔

میدان دعوت وارشاد: جن عناصر سے شیخ ابوالمکرم سلفی کی شخصیت کی تشکیل ہوئی وہ ایک داعیہ کے لئے اس کی دعوتی زندگی میں ممد ومعاون ثابت ہوسکتے ہیں، آپ کا مزاج دعوتی تھا۔

ہندوستان میں ریاض جانے سے قبل دہلی میں خطبات جمعہ اوراپنی دینی تحریروں کے ذریعہ دعوت وارشاد کا فریضہ انجام دیتے تھے اوراپنے علاقہ میں وعظ ونصیحت عام کرنا اپنی اولین ذمہ داری سمجھتے تھے۔ قیام ریاض کے زمانہ میں وہاں دعوتی کام کرنے والی تنظیم "المکتب التعاونی للدعوۃ والارشاد لتوعیۃ الجالیات" سے وابستہ ہوکر دعوت وارشاد کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

آپ کی اردو میں ترجمہ کردہ بہت سی کتابوں کی نشر واشاعت ''المکاتب التعاونیۃ'' نے کی ہے۔ طالب علمی کے زمانہ میں آپ سلطانہ ریاض کی جالیات سے وابستہ تھے، اردو طبقہ میں آپ کا محاضرہ ہوتا اور خوب شوق کے ساتھ سنا جاتا، توحید وعقیدہ کا درس باضابطہ طور پر دیتے تھے۔

جامعۃ الملک سعود سے فراغت کے بعد آپ نے جالیات کے زیر اشراف دعوت وارشاد کا فریضہ انجام دینا شروع کیا پھر بعد میں وزارۃ الشئون الاسلامیہ والاوقاف والدعوۃ والارشاد'' میں باحث ومترجم کی حیثیت سے مامور ہوئے، وہاں آپ کی ذمہ داری بحوث ومقالات کی تیاری وتکمیل، مفید دعوتی کتابچوں کا ترجمہ، دوسرے اہل علم کی ترجمہ کردہ کتابوں پر نظر ثانی اور وکالۃ المطبوعات والنشر کے زیر نگرانی طبع ہونے والی اردو کتابوں کی نگرانی وغیرہ کرنا تھا ساتھ ساتھ دروس ومحاضرات کے ذریعہ دعوت وارشاد کا فریضہ انجام دینا تھا۔

آپ اس منصب پر فائز تھے کہ بیماری نے حملہ کیا آپ وطن لوٹ آئے اور دہلی میں علاج ومعالجہ کی انسانی کوشش ناکام ہونے کے بعد گھر آئے اور وہیں پر آپ کا انتقال ہوا۔

مدرسہ زید بن ثابت کی تاسیس: آپ نے دعوت حق کی نشر واشاعت اور دینی واسلامی تعلیم کے فروغ کے لئے موضع سانتھا بازار میں ایک مدرسہ کی داغ بیل ڈالی اس کا نام ''مدرسہ زید بن ثابت'' رکھا وہاں پر ابتدائی تعلیم کے ساتھ شعبۂ حفظ وعربی درجات کی تعلیم کا بندوبست ہے، اس ادارہ سے علاقہ وجوار میں سلفیت کے فروغ کو بڑی مدد ملنے کی توقع تھی اور ہے لیکن آپ کے سانحہ وفات سے جہاں بہت سا علمی خسارہ ہوا وہیں پر مدرسہ زید بن ثابت کی تعمیر وترقی کی راہ میں مشکلات پیدا ہوگئی ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس ادارہ کو اسلام کا قلعہ بنائے، اسے موصوف کے لئے صدقہ جاریہ بنائے اور انہیں اجر وثواب سے برابر نوازتا رہے۔ آمین

بیماری اور وفات: آپ کو دسمبر ۲۰۰۴ کے اواخر میں ''شمیسی'' اسپتال ریاض میں علاج کے لئے داخل کردیا گیا، آپ کے دونوں گردے متاثر تھے اور کام نہیں کررہے تھے جگر بھی متاثر تھا۔ ریاض میں ۲۰ روز تک علاج کے بعد بھی آپ روبصحت نہ ہوئے بالآخر وطن لوٹنے کا بندوبست ہوا، اہل خانہ دہلی پہنچے، وہیں ایک ہفتہ تک دوا کا سلسلہ جاری رہا، اس کے بعد آپ بذریعہ ٹرین گھر پہنچے، جنوری ۲۰۰۵ء کی بیس اور ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ کی نو تاریخ تھی، گھر پر گورکھپور کے ایک حکیم کی دوا استعمال کی گئی، قدرے افاقہ کا احساس ہوا، ڈاکٹر نے لوگوں کو ملاقات اور بات سے منع کر رکھا تھا، مگر آپ ملنے والوں سے گفتگو کرتے تھے، آخری وقت تک ہوش وحواس بھی درست تھا، اشاروں سے نمازیں ادا کرتے، عشاء کی صلاۃ بھی ادا کی پھر وقت موعود اور اجل محتوم آپہنچا آپ ۱۰ ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰ جنوری ۲۰۰۵ء جمعہ کی رات میں گیارہ بجے انتقال کرگئے، **''فانا للہ وانا الیہ راجعون''**

جنازہ وتدفین: مدرسہ زید بن ثابت سانتھا بازار ضلع سنت کبیر نگر کے احاطہ میں آپکی صلاۃ جنازہ آپ کے والد محترم جناب الحاج عبدالجلیل صاحب نے پڑھائی، جنازہ میں یوم الاضحیٰ کے باوجود کافی لوگ شریک تھے، لوہرن بازار اور قرب وجوار کے بہت سارے لوگ اور علاقہ کے تقریباً تمام علماء موجود تھے۔

آپ کو مدرسہ کے قریب غالباً آپ کے قطعہ اراضی کے ایک گوشہ میں دفن کیا گیا **''اللھم اغفرلہ وارحمہ وافسح لہ فی قبرہ ونور لہ فیہ''**

ذات وصفات: جسم لاغر ونحیف، قد وقامت چھوٹا، رنگ سفید، پیشانی روشن وکشادہ، آنکھیں چمکدار، چہرہ شرافت کا آئینہ دار، چہرہ پر لمبی سیاہ داڑھی، کرتا وپاجامہ کے ساتھ شیروانی زیب بدن اور عمدہ اونچی دیوار کی ٹوپی زیب سر ہوتی اور دیار سعودیہ میں مروج عربی لباس میں ملبوس ہوتے۔ یہ تھا شیخ ابوالمکرم کا سراپا۔

مختصر قد وقامت اور پتلی کلائیوں اور کمزور ونحیف پنڈلیوں والے اس شخص کو دیکھ کر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق قول رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ یاد آتا تھا۔

''کنیف ملئی علما وفقھا'' یہ چھوٹا سا بکس علم وفقہ سے معمور ہے۔

بلاشبہ شیخ ابوالمکرم صاحب کی شخصیت علم وفقہ کی آئینہ دار تھی، اخلاق عالیہ وخصائل حمیدہ میں آپ ایک خاص مقام رکھتے تھے، سب سے خندہ پیشانی سے ملتے، تبسم ریزی آپ کی علامت بن چکی تھی، بڑوں کی توقیر اور چھوٹوں پر رحمت وشفقت آپ کا نمایاں

وصف تھا، خوردوں کے کام آنا اوران کو اجتہاد فی العلم والدراسہ کی رغبت دلانا اور باصلاحیت افراد سے کام لینا اوران کی مدد کرنا ساتھ ہی ان میں سلفی غیرت وحمیت کی آبیاری کرنا ان کا شیوہ تھا۔

آپ ایک علم دوست انسان تھے، اہل علم وفضل سے گہری محبت رکھتے تھے، مشائخ کبار وعلماء عظام سے ان کے مراسم وروابط تھے، اہل علم کی صحبت میں حاضری دیتے تھے، ان کے علم وفقہ سے خوب خوب کسب فیض کرتے تھے، علم وادب میں خوب ادراک رکھتے تھے، انہیں عربی زبان کی اچھی لیاقت کے ساتھ اردو زبان وبیان پر کافی دسترس حاصل تھا۔

ابوالمکرم صاحب میں سلفی غیرت کوٹ کوٹ کر بھری تھی، علمی زندگی اس غیرت وحمیت کی عکاس تھی، سنت نبوی کے مطابق ان کے چہرہ پر لمبی داڑھی دیکھ کر اس کا احساس ہوتا تھا کہ اتباع سنت آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔

آپ کی کتاب: "امام محمد بن عبدالوہاب کی دعوت اور علماء اہل حدیث کی مساعی" سے عقیدہ توحید، عقیدہ سلفیت اور دعوت حق کی تئیں آپ کی سچی حمیت کا واقعی اظہار ہوتا ہے، یہ کتاب بہت اہم ہے اہل علم اور طلبہ کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

شیخ ابوالمکرم سلفی کے مثل ہماری جماعت میں ہزاروں اہل علم ہیں، جو علمی گہرائی وگیرائی ضرور رکھتے ہیں لیکن اپنے عمل اور حرکت ونشاط اور دعوتی ذہن اور علمی انتاجات کے اعتبار سے وہ مقام حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے جو موصوف نے حاصل کیا ؎

این سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد الہ بخشندہ

شیخ ابوالمکرم صاحب سلفی کو جامعہ سلفیہ بنارس اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اوران کے اعمال وخدمات اور متنوع سرگرمیوں سے بڑی دلچسپی تھی ساتھ ساتھ دیگر سلفی اداروں اور سلفی علماء سے بھی محبت وعقیدت رکھتے تھے۔

آپ کی وفات صرف آپ کے خاندان کا خسارہ نہیں ہے بلکہ جماعت وجمعیت کا ایک بہت بڑا علمی خسارہ ہوا ہے، آپ کی وفات سے ایک علمی خلا پیدا ہوا ہے۔

شیخ ابوالمکرم سلفی ایک متواضع، ملنسار، خلیق اور مہمان نواز انسان تھے، اس کے شاہد وہ طلبہ وغیرہ ہیں جو ریاض میں آپ سے شرف لقاء حاصل کرچکے ہیں، بہت سی خوبیوں کے مالک انسان میں بھی خامیوں کا وجود یقینی ہے، آپ میں خامیاں رہی ہوں گی، نیکیوں کے ساتھ خطائیں بھی انسان سے سرزد ہوتی ہیں۔ اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ ان کی نیکیوں کو قبول کرے اور خطاؤں سے درگذر فرمائے۔ (آمین)

تقریباً عمر عزیز کی تینتالیس بہاریں دیکھ کر دسویں ذی الحجہ کا سورج بھی نہیں طلوع ہوا تھا کہ علم وفضل کا یہ روشن ستارہ شب کی تاریکیوں میں غروب ہوگیا ؎

خوش درخشید ولے شعلہ مستعجل بو

"اللهم أغفرله وارحمه ورافع درجته فی المهديين وادخله برحمتك جنات النعيم"

(ماہنامہ السراج فروری تا اپریل ۲۰۰۵ء)

❑❑❑

مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ

مولانا عبدالمعید مدنی علی گڑھ

۱۹۶۷ء یا ۱۹۶۸ء میں تلشی پور، ضلع گونڈہ اب بلرام پور میں صوبائی کانفرنس کا انعقاد ہوا تھا۔ نہایت شاندار۔ اس وقت عمر ہی کیا تھی۔ دیہات سے قصبہ میں گئے ہر طرف اجالا ہی اجالا تھا اور بہار ہی بہار۔ بڑا اچھا لگا تھا۔ اس وقت تمام سہولتیں میسر ہیں لیکن نہ تواضع ہے نہ علمی اخلاص وبصیرت۔ نہ باہمی تعاون کا بھرپور جذبہ۔ اسٹیج پر تقریروں کی مقابلہ آرائی، وقت کے لئے جھگڑا گانے کے لئے فرمائش، کھانے کے لئے جھگڑا اور مطالبات، تقریریں بیچنے کی ہوڑ بازی اور ان کا نرخ، دلالی، سواری کے لئے جھگڑا، حق امتیاز اور حیثیت کی چھوٹائی بڑائی کیلئے ناراضگیاں، سامعین کا شوق غناء اور سنانے والوں کی سطحیت پستی اور علم کی توہین اور اسے ارزاں کرنے کی آمادگی۔ جلسوں کے لئے کئے گئے عوامی چندوں میں گھپلا اور خرد برد۔ جلسہ ہے کہ فتنوں کا مظاہرہ اور پھکڑوں سر پھروں کا پریڈ، علم ودولت کا ہراج (نیلا گاہ) جاہل بدکردار گویوں کی تعظیم کا دلدوز منظر۔

بہر حال یاد نہیں کانفرنس کا واقعہ ۶۷ کا ہے یا ۶۸ کا۔ اس میں بزرگوں کے ساتھ شریک ہوا۔ اپنا علاقہ، سارے رشتہ دار موجود، بس عید کا منظر تھا۔ ہر شے بڑی منظم اور مرتب نظم وضبط ڈسپلن، وہیں پہلے مرکزی دارالعلوم (جامعہ سلفیہ) کی انجمن ندوۃ الطلبہ کا اسٹال اور المنار کا جلوہ دیکھا اور ابناء قدیم اور طلباء جامعہ کا خوش رنگ دیکھا۔ اس کے دو ایک سال بعد ۱۹۶۹ء کے اخیر میں جامعہ رحمانیہ میں عربی سوم میں داخلہ ملا۔

سارے جلوے دیکھے، باری آئی تقریروں کے سننے کی، سنجیدگی ذمہ داری اور دلچسپی اور وقار کا ماحول، خاموشی اور توجہ۔ بعض معزز علماء کی آن بان اور ان کی تقریر کی شان کا دھندلا عکس اب تک ذہن میں موجود ہے۔ مولانا محمد زماں رحمانی کا موثر وعظ، مولانا عبدالقیوم رحمانی کی تقریر، تاریخی تقریر جس کے بعد ان کی زندگی کا دھارا بدل گیا۔ اس کے بعد ہی وہ سیاست کی خارزار وادی سے نکل کر ایک صالح بے نفس قادر الکلام ملک گیر داعی بن گئے۔ پہلی بار میں نے انہیں دیکھا خطابت کے اسٹیج پر تقریر کرتے ہوئے۔ موچھیں بڑھی ہوئی۔ لب ولہجہ باوقار، آواز میں زور اور کھنک کیا موضوع تھا اس وقت اس سے ہمیں سروکار کیا تھا؟ پھر جو وہاں سے شروع ہوئے اور دعوتی سفر جاری کیا تو اس وقت تھمے جب سانسوں کا قافلہ رک گیا۔

میں پہلے ان کا تماشائی تھا پھر شناسائی بنا۔ دور ونزدیک سے ہمارے گھرانے کی ان کے خاندان سے کئی رشتہ داریاں تھیں۔ اس لئے دوری بھی نہیں تھی لیکن میری طبعی کم آمیزی نے دوری بنائے رکھی۔ ہماری ان کی شناسائی اس وقت ہوئی جب میں ۱۹۸۲ء میں جامعہ سلفیہ میں مدرس کی حیثیت سے کام کرنے گیا۔ ایک بار وہ بنارس جامعہ سلفیہ تشریف لائے اور مجلہ الجامعۃ السلفیہ کے میرے ایک

عربی مضمون "السیاسة العرجاء" کے حوالے سے پوچھتے آئے "عبدالمعید کون ہے میں اسے سو روپیہ انعام دوں گا" جب انہیں میرے متعلق آگاہ کیا گیا تو فرمایا تو میرا رشتہ دار ہے۔ پھر اس کے بعد بارہا ملاقات ہوئی اور بسا اوقات عربی میں گفتگو کرتے۔ تفسیری نکات بیان کرتے، مشورے دیتے، حکم دیتے، میں پاس ادب میں سراپا نیاز بنا ان کی باتیں سنتا رہتا۔

مولانا سے آخری ملاقات اپریل کے آخری ہفتے میں جھارکھنڈ مولانا عبدالستار سلفی کی حویلی میں ہوئی۔ مولانا مدھوپور اور جامتاڑا ضلعوں کی اہل حدیث بستیوں میں کئی دہے سے تشریف لے جاتے رہے۔ اس بار دوروزہ تعلیمی کانفرنس میں تشریف لے گئے تھے، مسجد میں سلام وکلام ہوا۔ اصغر صاحب (ناظم جمعیت) میرا تعارف کرانے لگے۔ مولانا نے فرمایا: یہ ہمارے رشتہ دار ہیں۔ دوسرے روز "الاستقامہ" کے ایک مضمون کے متعلق ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہا اس میں شیعہ شعراء کے اشعار آگئے ہیں۔ میں نے لاعلمی ظاہر کی۔ فوراً "الاستقامہ" کا وہ شمارہ منگایا اور دکھلایا اور سرزنش بھی کی کہ ایڈیٹر ہونے کے ناطے اس کی خوبی خرابی کے ذمہ دار آپ ہیں۔ یہ میری آخری ملاقات ہے۔ اس کے بعد سنا دو ایک جلسوں میں تشریف لے گئے اور پھر آخرت سدھار گئے۔

ان کی پہچان نہ خاندان سے ہے، نہ حسب ونسب سے ہے، ان کی پہچان ان کی ذہانت، علم، قرآن سے شغف، دین کی اشاعت اور دعوتی وتبلیغی جدوجہد سے اور اس کا بھی اعتراف ہوا کہ انہوں نے جنگ آزادی میں عملی طور پر حصہ لیا اور اس کی خاطر جیل بھی گئے اور آزادی کے بعد مجاہد آزادی کی حیثیت سے انہیں خراج تحسین بھی ملا اور عوام وحکومت نے ان کی آزادی کی جدوجہد کو خوب سراہا اور قدردانی وہمت افزائی بھی ہوئی۔

جنگ آزادی کے آخری دنوں میں بلاتفریق مذہب وملت بہتوں نے حصہ لیا جن کی تعداد حدشمار سے باہر ہے البتہ ان میں قائدانہ رول انہیں لوگوں نے ادا کیا جو نظریاتی طور پر قیادت کر سکتے تھے۔ مولانا نے قائدین کا درجہ حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مفسر قرآن کو جو استعداد عطا کی تھی اس کے سبب وہ جہاں رہے ممتاز اور نمایاں رہے۔ ان کے اندر نہ زمینداری کا غرور تھا، نہ علم کی تعلّی، نہ سیاست کا مکروفریب، نہ تقریر کا پندار، فروتنی، تواضع سادگی اور بے نفسی ان کی پہچان تھی۔ اور کبھی بھی وہ اپنے کسی بھی کام اور محنت کے صلے کے طلبگار بھی نہ بنے۔

کسی فرد کا کردار تشکیل پاتا ہے بے نفسی، تواضع اور جان نثاری سے۔ اگر یہ عناصر موجود نہ ہوں تو کردار تشکیل نہیں پاتا بے نفسی سے انسان دوسری کی منت کشی سے نجات پا جاتا ہے۔ تواضع سے معرفت ذات اور معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے اور انسان فتنہ وفساد سے بچ جاتا ہے، جاں نثاری سے دین اور انسانیت کی خدمت کا جذبہ فراواں پیدا ہوتا ہے۔ جس کردار میں جس قدر ان عناصر کی بھرپور شمولیت ہوتی ہے اسی کے بقدر انسان کامل اور اچھے کردار کا بنتا ہے۔ روزمرہ کے تصرفات نشاطات اور سرگرمیوں کے مشاہدہ سے پتہ چلتا ہے کہ مفسر قرآن کو ان عناصر کی بے بہا دولت ملی ہوئی تھی۔ باکردار انسان محبوب خلائق بن جاتا ہے اور بہادر بھی ہوتا ہے اس کا ضمیر ہلکا اور زندہ، اسکا دل غنی اور اس کا ذہن صاف ہوتا ہے۔ مولانا کو محبوبیت بھی حاصل تھی اور باہمت بھی تھے۔ کب کسی کے رعب میں آئے یا کسی سے دبے۔

ان کی محبوبیت کا منظر میں نے دیکھا بھی ہے اور سنا بھی ہے۔ کسی بھی محفل میں جاتے مستفیدین ان کے ساتھ ہوتے۔ اور ان کو سننے کے شائق رہتے۔ علماء کی محفلوں میں قرآنی نکات بتاتے۔ دو سال قبل اہل حدیث کمپلیکس میں منعقد سیمینار کی آخری نشست میں تقریر کی۔ تقریر میں علماء کے اوپر محویت طاری تھی۔ اختتام نشست کے بعد سبزہ زار پر ایک محفل جمی۔ سوالات اور گفتگو کا دور شروع ہوا۔ ایک گھنٹہ کی محفل میں ہر سوال کا جواب نکات قرآنی کی شکل میں دیا۔ وہ لطف آیا کہ قرآنی معارف الہیہ لوگوں کی نگاہوں میں پھر گئیں۔

محبوبیت کا منظر ڈابھا کیند جھارکھنڈ میں دیکھا۔ ایک خلقت امنڈ پڑی تھی۔ انہیں دیکھنے کے لئے ان کا وہاں کی عوام سے شاید تیس سال سے تعلق تھا۔ اس خطہ میں ۸۰ گاؤں میں اہل حدیث آبادی پھیلی ہوئی ہے گاؤں گاؤں مولانا کا دیکھا بھالا تھا جب طاقت تھی پیدل اور سواریوں کے ذریعہ قریہ قریہ پہنچ کر مولانا نے لوگوں کو اپنے وعظ ونصیحت سے نوازا۔ دیکھا کہ بوڑھے جوان مولانا کی خدمت کررہے ہیں کوئی سر دبارہا ہے کوئی پیر دبارہا ہے کوئی جسم دبارہا ہے۔ ایسا مولانا زکریا سہارنپوری کے متعلق سنا تھا۔ اور پھر ڈابھا کیند میں اس منظر کا مشاہدہ ہوا۔ رسول گرامی نے محبوبیت کا نسخہ بتلایا۔ لوگوں سے غرض نہ وابستہ رکھو قناعت اور غناء نفس حاصل ہوگی۔ قناعت اور غناء نفس سے مفسر قرآن سرفراز تھے۔

کردار انسان کو عظمت ورفعت عطا کرتا ہے اور قدم قدم پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ اگر انسان کردار سے خالی ہو اور پڑھا لکھا ہو تو قرآن کی اصطلاح میں اسے گدھے کے مماثل قرار دیا گیا۔ آج سماج میں ایسے گدھوں کی کثرت ہے۔

رحمانی علماء اخلاق کردار، دین داری اور علم میں گہرائی سے عموماً متصف ہوتے ہیں۔ مفسر قرآن کی زندگی کے تین حصے ہیں:

(۱) ۱۹۴۰ء تک تعلیم، تعلم، (۲) ۱۹۶۷ء تک سیاست، (۳) ۱۹۶۷ء سے ۲۰۰۸ء تک دعوت۔

مفسر قرآن ۲۰ رجنوری ۱۹۲۰ء میں موضع دودھونیاں ضلع سدھارتھ نگر یوپی میں ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی۔ فارسی کی تعلیم جھنڈانگر میں ہوئی۔ مدرسہ فیض عام مئو میں عربی کی ابتدائی درجات کو پورا کیا۔ پھر دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۰ء میں وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اہم اساتذہ میں مولانا احمد اللہ پرتاپگڑھی جن کا نام کثرت سے مفسر قرآن لیا کرتے تھے، مولانا عبیداللہ مبارکپوری، علامہ نذیر احمد املوی، مولانا سکندر علی ہزاروی، مولانا عبدالغفور بسکوہری ہیں۔

رحمانیہ میں آپ کی تعلیمی کارکردگی مثالی تھی تقریر، حدیث، عربی بول چال میں امتیازی نمبرات سے سرفراز ہوتے اور امتحان میں بھی امتیازی مقام حاصل کرتے۔ اور ہر سال کئی انعام کے مستحق قرار پاتے۔ رحمانیہ میں امتیاز قائم کرنا معمولی بات نہ تھی۔ وہاں امتیاز قائم کرنا دینی علوم میں پورے ملک میں امتیازی حیثیت قائم کرنے کے مترادف تھا۔

مولانا نے پنجاب بورڈ سے مولوی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔ اور وقت کے دیگر مشاہیر سے بھی استفادہ کیا جیسے مولانا سعید احمد اکبرآبادی وغیرہ۔

دہلی میں مولانا کا تعلیمی دورانیہ سیاسی سرگرمیوں کا تھا۔ آزادی کی آمد آمد تھی، استعمار درماندہ ہو چکا تھا اور اپنا آخری کروفر دکھلا رہا تھا۔ حالات سے مولانا بھی متاثر ہوئے اور سیاست کی وادی پر خار میں قدم رکھ دیا استعمار کی نگاہ میں آ گئے اور بستی، نینی (الہ آباد) اور گورکھپور میں قید کی مشقتیں برداشت کیں لکھنؤ میں دو ایک بار جیل میں قید کئے گئے سیاست میں آپ کو صف اول کے قائدین کی رفاقت ملی۔ سیاسی میدان میں آنے اور آزادی کی جنگ لڑنے کے سبب مفسر قرآن کا سیاسی وزن تھا یہ وزن دور دور تک محسوس کیا گیا اور اپنے علاقے کے اضلاع کو پرامن بنائے رکھنے میں یہ بہت کام آیا۔ ساتھ ہی بہت سے لوگوں کے حوائج پورے ہوئے اور مشکلات دور ہوئیں۔ اس سیاسی اثر ورسوخ کو انہوں نے اپنی ذاتی غرض کے لئے استعمال نہیں کیا۔ گاؤں کے متفق علیہ پردھان ضرور رہے شاید لوگوں کے کہنے سننے سے دو ایک بار صوبائی اسمبلی کا الیکشن بھی لڑے لیکن کامیابی نہیں ملی، طبیعت میں استغنا اور الیکشن دونوں متضاد چیزیں ہیں۔ علاقے میں ان کے سیاسی ساتھیوں میں مشہور سیاسی و تعلیمی رہنما قاضی عدیل عباسی اور قاضی جلیل عباسی اور دیگر لوگ تھے۔

سیاست کی دنیا میں رہتے ہوئے انہوں نے چند عصری و دینی تعلیمی ادارے بھی قائم کئے۔ ۱۹۴۸ء میں انہوں نے بڑھنی بازار سدھارتھ نگر میں ایک ہائی اسکول کی بنیاد رکھی جو اب انٹر کالج بن چکا ہے۔ موضع مہدیا ضلع سدھارتھ نگر میں ''مسلم ہائر سکنڈری اسکول'' قائم کیا وہ ایک تسلیم شدہ کامیاب ادارہ ہے۔

موضع اکرہرا (سدھارتھ نگر) میں ''مدرسہ اسلامیہ'' کی تاسیس کی جو کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کے پچیس سال تک صدر رہے۔ مولانا کی سب سے کامیاب کوشش ان کی دعوت وتبلیغ ہے۔ ان کی دعوت وتبلیغ کی کئی خوبیاں تھیں:

☆ انہوں نے جلسہ جاتی فاؤل تقریروں کے درمیان قرآنی آہنگ کو پروان چڑھایا اور ان کا یہ خاص رنگ اتنا کامیاب ہوا کہ چالیس سال تک اس آہنگ میں فتور نہیں آیا۔ یکساں ڈمانڈ قائم رہا۔

☆ قرآن کے معانی عوام تک پہنچانے اور آسان تر بنا دینے کا ایک نمایاں کام کیا۔

☆ قرآنی تعلیمات اور معانی ومفاہیم کو اپنے عام فہم اسلوب میں عوام کے لئے نہایت پرکشش بنا دیا۔ بہت سے مقدس علماء کرام ان کے طرز تفسیر وطرز بیان کو علمی معیار پر ناپ کر سوالیہ نشانات کھڑا کرتے تھے۔ جب کہ مفسر قرآن اس کے برعکس معانی قرآن کو عام فہم اسلوب میں عوام کے لئے آسان انداز میں پیش کرتے تھے۔ اور ان کی کامیابی کا راز یہی تھا جس کو نافہم نہیں سمجھتے تھے۔

☆ ان کا قرآنی استحضار حیرت انگیز تھا۔ ان کا استحضار اتنا حیرتناک تھا کہ اچھے اچھے حفاظ کرام ان کی مانند موقع بہ موقع آیتیں سنا نہیں سکتے۔ اپنی ایک تقریر میں کئی درجن آیتیں اور بسا اوقات سو سے زیادہ آیتیں حسب موضوع سنا دیتے تھے اور ان کی عام فہم تشریح کر دیتے تھے۔

☆ ان کی تقریر کی جاذبیت کا سبب ان کا اخلاص تھا۔ کبھی انہوں نے اپنی دعوت وتبلیغ کو کمائی کا ذریعہ نہ بنایا۔ نہ لوگوں کا دل لبھانے کے لئے غیر سنجیدہ وسطحی وسیلہ اپنایا۔ نہ آؤ بھاؤ دکھلایا۔ نہ کبھی پیری مریدی کا سر مالگایا نہ گانا گایا۔ جس نے پکارا پہونچے پیدل بھی

پہنچے، سواری سے پہنچے۔ نہ کوئی شرط نہ اجرت کی طلب۔ نہ کسی شے کی فرمائش۔ کتنے صبر و آزمائش کی بات تھی کہ ایک شخص چالیس سالوں تک شہرت اور طلب کی سواری پر سوار تھا اور طلب و شہرت میں کمی نہیں آئی۔ پھر بھی اپنی ذات کو پورے عمل سے باہر رکھا۔ بے نفسی کا وہی عالم جو پہلے تھا وہی آخر میں تھا۔ لوگوں کے ہاتھ میں کیا ہے اس کی طرف نگاہ نہ ڈالی اپنی دنیا کا بادشاہ الغنی غنی النفس، اگر کسی دوسرے کی اتنی مانگ ہوتی جو نفس ناطقہ کا شکار ہوتو پتہ نہیں کیا کیا فتنے جگاتا اور کتنا عوام کی جیب تراشی کرتا اور جنت کا ٹھیکیدار بنا رہتا۔

دعوت و تبلیغ میں اتنا انہماک کہ بسا اوقات ہر روز تقریر اور کئی تقریر۔ ہندوستان کے وہ تمام خطے جہاں اردو بولی جاتی ہے مفسر قرآن کی تقریر کی آواز وہاں ضرور گونجی۔ لوگوں نے انہیں سنا اور سر دھنا اور کمال یہ کہ ان سے جب بھی مانگ ہوئی تقریر کے لئے تیار اور جتنا وقت دیا گیا منظور۔ کوئی رد و قد نہیں۔ دین کا تابعدار سپاہی آگے لگا دو خوش پیچھے لگا دو تیار، بٹھا دو اعتراض نہیں حدیث میں اسے مرد مومن کی نشانی قرار دیا گیا۔

ان کی خطابت کی راہ اتنی مشکل تھی اور خود ان کی اپنی ایجاد کردہ کہ دوسرے اس پر چل نہ سکے۔ دراصل اس کے لئے قرآن کریم میں انہماک اول و آخر شرط ہے اور بصیرت و شجاعت ضروری ہے۔ اگر یہ سب چیزیں نہ ہوں تو اس راہ پر نہیں چلا جاسکتا۔ مولانا نے جس دعوتی اور علمی ماحول میں اپنے دعوتی عمل کو جاری رکھا وہ اخلاقی فساد، انتشار و افتراق خیانتوں اور بدعہدیوں کا ماحول تھا، مادہ پرستی، دولت کے لئے دین و ایمان تیاگ دینے کا ماحول تھا۔ اس پر خطر ماحول میں وہ اپنے بادشاہ آپ، اپنے مشن سے کام، کسی خرشے سے نہ الجھاؤ نہ زر و مال منصب کرسی کے لئے جھگڑا۔ نہ لوگوں کے جھمیلوں سے لینا دینا۔ بس قرآن کریم میں انہماک، آیات الٰہی کا ورد۔ اللہ تعالی نے کلام پاک سے لگاؤ کے سبب ان کو پاک نفسی عطا کی تھی۔ آیات الٰہی نے ان کی روح و قلب کی تطہیر کردی تھی۔ اس لئے مادی زندگی کی بھرپور چمک دمک کے بیچ رہتے ہوئے بھی کبھی ان کی آنکھ چکا چوند نہیں ہوئی۔

۲۰ رجنوری ۱۹۲۰ء میں جس کی سانسوں کا قافلہ شروع ہوا ۲۸ رمئی ۲۰۰۸ء کو ۱۱ بجے دن میں وہ قافلہ رک گیا۔ نماز جنازہ گاؤں میں پڑھی گئی اور گاؤں کے قبرستان میں تدفین ہوئی۔ مفسر قرآن نے اپنے پیچھے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کی اولاد و احفاد میں ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین۔

اللہ کی رحمتیں صبح و شام نازل ہوں مفسر قرآن پر۔ اور ان کے درجات بلند ہوں اور ورثاء کو صبر کی توفیق ملے۔ آمین۔

(جریدہ ترجمان دہلی جلد: ۲۸، شمارہ ۱۲، ۳۰۔۱۶ جون ۲۰۰۸ء)

❑❑❑

نذرانہ اُشک بروفات

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالغنی سیفی عمری رحمہ اللہ

مولانا محمد انور محمد قاسم سلفی

شخصیات کی قدر واہمیت:

ایک مرتبہ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کسی ایک بڑے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، لوگ اس گھر کی وسعت، خوبصورتی، حسن وجمال اور کیت وکیفیت کی تعریف کررہے تھے، آپ نے صحابہ کرامؓ سے کہا: ''اس گھر کے متعلق تم اپنے جذبات، خیالات اور احساسات کا اظہار کرو، ایک صحابیؓ نے کہا: کاش! یہ گھر میرا ہوتا اور سونے سے بھرا ہوتا، تو میں گھر سمیت سارا سونا اللہ کی راہ میں اسے فی سبیل اللہ خیرات کردیتا۔ سیدنا عمر بن خطابؓ نے فرمایا: ''میری تمنا ہے کہ کاش یہ گھر معاذ بن جبل، ابوعبیدہ بن جراح، سالم مولیٰ ابوحذیفہ اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم جیسی شخصیات سے بھرا ہوتا تو میں انہیں اللہ کی راہ میں استعمال کرتا'' (مستدرک حاکم، ۲۵۲/۳)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیان کی ہوئی اس حقیقت میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں کہ ایمان اور عمل صالح کے بعد اس کائنات کا سب سے قیمتی سرمایہ وہ قابل شخصیات ہیں جن سے امت مستفید ہو، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مبارک عہد، خیر القرون سے متعلق تھا، جس میں آسمان ہدایت کے بے شمار چاند ستارے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی شکل میں موجود تھے، لیکن پھر بھی جو مذکورہ شخصیات دنیا سے چلی گئیں، ان کا کوئی جواب نہ تھا۔ بقول شاد عظیم آبادی:

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں، ملنے کو نہیں نایاب ہیں ہم
جو یاد نہ آئے بھول کے پھر، اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

اس سے میری مراد برصغیر کے مشہور عالم دین، معروف خطیب، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، حامی کتاب وسنت، قامع شرک وبدعت، خادم دین مبین، محب العلم والعلماء اور مشہور اسلامی درسگاہ جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالغنی صاحب سیفی عمری، رحمۃ اللہ واسعہ سے ہے، جن کی وفات کی خبر گذشتہ دنوں ساری دنیا کے علمی اور دینی حلقوں میں نہایت رنج وغم سے سنی گئی، اور جو تقریباً ۸۷ سال کی عمر میں بروز سنیچر مورخہ ۱۴ رفروری ۲۰۰۹ء کو صبح کے وقت انتقال فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ

راجعون. اللھم اغفرلہ وارحمہ واسکنہ فسیح جناتہ، آمین یارب العالمین۔

مولانا مرحوم بھی انہیں مقدس ومبارک لوگوں میں سے ایک تھے جن کی کوئی قدر اس فانی دنیا میں نہیں ہوئی، نہ جماعت نے اور نہ ہی جمعیتوں نے ان کی زندگی میں کبھی ان کی ہمہ گیر اور ہمہ جہات خدمات کا اعتراف کر کے ان کی عزت افزائی کی اور نہ ہی کسی گوشے سے اس کے متعلق کوئی صدا بلند ہوئی اور نہ ہی جماعت یا جمعیت کے کسی فرد کو اس کا احساس تک ہی ہوا۔ افسوس کہ:

وائے ناکامی ! متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

شاید اللہ رب العالمین کو یہی منظور تھا کہ اس کا یہ بندہ تمام دنیوی اعزازات سے مستغنی ہو کر صرف اپنے رب غنی وقدیر کے اخروی اعزازات سے متمتع ہو۔ وماذالک علی اللہ بعزیز۔

جس ماحول میں آپ کی پرورش ہوئی:

جس دور میں آپ نے آنکھیں کھولیں، اس وقت رائیدرگ اور اس کے اکناف میں اصلاح عقائد کی تحریک زوروں پر تھی، اور اس تحریک کے بانی مبانی ضیغم ملت وجماعت حضرت مولانا سید محمد اسماعیل صاحب غزنوی رائیدرگی رحمہ اللہ کے والد گرامی قدر حضرت سید عبداللہ صاحب (سید سرمست حسین) رائیدرگی رحمہ اللہ تھے، جو کہ اپنے نوخیزی کے ایام میں اردو ٹیچر کا امتحان لکھنے کے لئے مدراس تشریف لے گئے تھے۔ وہاں ان کی ملاقات حضرت مولانا سید قادر باشاہ صاحب رحمہ اللہ سے ہوئی، جو داعی الی اللہ حضرت مولانا سید محمد علی رام پوری رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے اور جنہیں مجاہد فی سبیل اللہ حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید اور سید احمد شہید رحمہما اللہ رحمۃ واسعہ نے اصلاح عقائد کے لئے سرزمین دکن کی طرف روانہ کیا تھا۔

زباں پہ بار الہا ! یہ کس کا نام آیا
کہ بڑھ کے نطق نے بوسے میری زبان کے لئے

حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے حضرت سید احمد بریلویؒ کے ساتھ مل کر اصلاح عقائد کی جو تحریک شروع کی دنیا اسے تحریک شہیدین کے نام سے جانتی ہے، یہ ایک مقدس تحریک تھی جو سرزمین ہند پر ایمان کا شعلہ جوالہ بن کر ابھری، اور جس نے کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک مسلمانوں میں حرارت ایمانی کا صور پھونک دیا، ایمان وعمل صالح کی کھیتی پھر سے لہلہا اٹھی، کل تک جو رہزن تھے آج وہ رہرو ہی نہیں، بلکہ بہترین رہبر بن گئے، کل تک جن کی زندگیاں فسق وفجور میں ڈوبی ہوئی تھیں، آج وہ صداقت وپاکیزگی کے اس بلند اور مقدس مقام پر فائز ہو گئے کہ خود صداقت وپاکیزگی کو ان کے انتساب سے شرف حاصل ہو گیا، وہ ایک پکار تھی جس پر لبیک کہتے ہوئے علماء نے اپنی مسندیں چھوڑ دیں، طلبا نے مدرسے، کسانوں نے اپنے ہل، تاجروں نے اپنی تجارت، مشائخ نے اپنی خانقاہیں اور امراء نے اپنی کوٹھیاں وعیش کدے خیر باد کہہ دیئے اور تمام کے تمام جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر سر سے کفن باندھ کر نکل

پڑے، بقول علامہ حالی ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ھادی
زمیں 'ہند' کی جس نے ساری ہلادی
نئی اک لگن سب کے دل میں لگادی
ایک آواز میں سوتی بستی جگا دی
پڑا ہر طرف غل یہ نعرۂ حق سے
کہ گونج اٹھے دشت وجبل نام حق سے

حضرت مولانا سید محمد علی رام پوری رحمہ اللہ کا بیان کیا تھا؟

''گویا سمندر کی روانی تھا، جس نے بھی سنا وہ ان کا ہوگیا، حیدرآباد پہنچے تو نوابوں کے عشرت کدے مسجد بن گئے، نواب مبارز الدولہ جیسے کئی نوابوں نے اپنی دنیا تج کر آخرت کی زندگی سنوار لیا اور جب آپ حیدرآباد سے نکلے تو کرنول، کڑپہ، اور رینی گنٹہ میں قیام کرتے ہوئے مدراس پہنچے، مولانا جس مقام پر قدم رنجہ ہوئے وہاں اہل حق کی ایک جماعت پیدا ہوگئی۔ اگرچہ کہ وہ تعداد میں وقلیل من عبادی الشکور'' کی طرح تھوڑی، لیکن توحید واتباع سنت میں ثابت قدم تھی، اور وہاں انہوں نے اپنی اسی غربت تامہ میں مسجد کی بنیاد ڈالی، جو رینی گنٹہ میں اب بھی وہی مسجد جوں کی توں برقرار ہے۔ جب کہ کرنول میں اس مسجد کی برکت سے دسیوں مساجد اور بن گئی ہیں اور جب کہ کڑپہ میں ۱۹۹۰ء میں اس بوسیدہ مسجد کی جگہ اصلاح المساجد ممبئی کے زیر اشراف نئی مسجد بنائی گئی، گویا آپ جس جگہ سے گزرے، وہاں مسجد کی شکل میں اپنی یادگار اور نقش چھوڑتے ہوئے گذر گئے۔ گویا بقول شاعر:

بتادیتی ہے شوخی نقش پا کی
ابھی اس راہ سے گذرا ہے کوئی

یا بقول عربی شاعر:

الا ان وادالجزع اضحی ترابه
من المسك كافورا واعواده رندا
وماذاك الا ان هندا عشية
تمشت وجرت بين جانبيه بردا

ترجمہ: ''مقام جزع کی وادی کی مٹی مشک وکافور ہوگئی، اور اس کی لکڑیاں ترنم ریز ہوگئیں، وہ اس لئے کہ سنہری شام کے وقت ''ہندہ'' جب اس وادی سے گذری تھی تو اس کی چادر کو اس مقام کی زمین نے چھولیا تھا''۔

مدراس میں آپ کی رسائی نواب آف آرکاٹ محمد علی کے محل میں ہوئی، آپ کے وعظ وارشاد کی مجلسوں سے کئی نواب زادوں اور نواب زادیوں کی دل کی دنیا بدل گئی، دنیا پرست علمائے سوئے بھلا کب خاموش بیٹھتے؟ انہوں نے جب دیکھا کہ اگر اس داعی الی اللہ کا قیام کچھ ماہ اور مدراس میں رہا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری روٹی کے لالے پڑ جائیں، اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی سازشیں تیز کر دیں، اور نواب آف آرکاٹ کو سید صاحب سے بدظن کر دیا، جس کی وجہ سے سید صاحب کو مجبوراً مدراس چھوڑنا پڑا، اس کی تفصیل بڑی لمبی ہے، مولانا محمد یوسف کوکن عمریؒ نے اپنی شاہکار تصنیف ''خانوادۂ قاضی بدرالدولہ'' میں اس ساری تفصیل کو بڑی ہی خوش اسلوبی سے جمع فرمایا ہے۔

غرضیکہ حضرت مولانا سید قادر باشاہ صاحب رحمہ اللہ، انہی حضرت مولانا سید محمد علی رام پوری رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے، مولانا سید قادر باشاہ صاحب نے بھی دعوت الی اللہ میں اپنے استاذ محترم کی ہی طرح بے شمار صعوبتیں اور مصائب برداشت کیں، بلکہ اللہ کے لئے ذلیل بھی کئے گئے، لیکن انہوں نے ایک لمحے کے لئے بھی دعوت الی اللہ کے اپنے مقصد کو فراموش نہیں کیا، بلکہ مخالفتوں کی تیز وتند آندھیوں میں اپنے خون دل سے توحید کا چراغ جلاتے رہے، یہاں تک کہ ان کو سید عبداللہ (سید سرمست حسین) رائیدرگیؒ کی شکل میں ایک گوہر آبدار مل گیا، جنہوں نے اپنے استاذ محترم کے توحیدی مشن کی اپنے شہر رائیدرگ کی سنگلاخ چٹانوں میں اپنے خون جگر سے آبیاری کی، اللہ تعالیٰ نے سید عبداللہ (سید سرمست حسین) رائیدرگی کو تین فرزند عطا کئے تھے، جن میں سے بڑے فرزند کا نام حضرت مولانا محمد اسماعیل رائیدرگیؒ تھا، موصوف نے اپنے اس فرزند کو عالم دین بنانے کی ٹھانی، اور انہیں پہلے شمس العلماء حضرت مولانا محمد عمر صاحب کرنولیؒ (والد گرامی قدر بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق صاحب مرحوم) کی خدمت عالیہ میں مدرسہ شمسیہ کرنول بھیجا، پھر استاذ العلماء حضرت مولانا فقیر اللہ پنجابی ثم مدراسی (تلمیذ رشید حضرت شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین محدث دہلویؒ) کی خدمت اقدس میں ''پرنام بٹ'' روانہ کیا اور پھر وہاں سے خاندان غزنویہ کا فیض حاصل کرنے کے لئے ''مدرسہ غزنویہ امرتسر'' روانہ کیا، جہاں سے آپ ۱۹۲۳ء میں سند فراغت حاصل کر کے اپنے وطن لوٹے، اور توحید کے پرچار میں اپنے والد گرامی کے دست وبازو بن گئے۔

قارئین معاف فرمائی، بات ذرا دور چلی گئی، لیکن بے مقصد نہیں، کیوں کہ ہمارے ممدوح حضرت مولانا عبدالغنی صاحب سیفی عمریؒ کی زندگی کی ساری کڑیاں اسی تحریک سے ہی جڑی ہوئی ہیں، داستان کچھ طویل اس لئے ہوگئی کہ ''اہل دل'' کا تذکرہ بھی دل کو سکون پہنچاتا ہے۔ لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم''

پیدائش اور تعلیم وتربیت:

حضرت مولانا سید محمد اسماعیل رائیدرگیؒ کی تحریک اصلاح عقائد کے جو لوگ سب سے پہلے دست وبازو بنے، ان میں سے ایک نام حضرت مولانا عبدالغنی صاحب سیفی عمریؒ کے والد گرامی قدر جناب فخرالدین صاحب مرحوم ومغفور کا بھی ہے، لیکن افسوس کہ عمر نے ان سے وفا نہیں کیا اور اس طرح وہ ایام جوانی میں ہی اپنے پیچھے بیوہ (زینب بی بی) اور تین بیٹوں اور ایک بیٹی کو چھوڑ کر رب غفور الرحیم کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے راہی ملک عدم ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کی ولادت، مشہور علمی مقام رائیدرگ میں ۱۹۲۴ء کو ہوئی، آپ سے ایک بھائی بڑے اور دوسرے آپ سے چھوٹے تھے۔ والدہ ماجدہ زینب بی بی ایک باہمت وحوصلہ مند خاتون تھیں، انہوں نے اپنے اس یتیم بچے کو عالم دین بنانے کی ٹھانی اور اس کے لئے انہوں نے اپنے بیٹے کو حضرت مولانا سید محمد اسماعیل صاحب غزنوی، رائیدرگی رحمہ اللہ کے مدرسہ محمدیہ میں داخل کرایا، جو اس وقت ابھی صرف مدرسہ محمدیہ کے نام سے ہی تھا۔ جامعہ نہیں بنا تھا، جہاں آپ نے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا حافظ عبدالرزاق صاحب رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، حضرت مولانا سید محمد اسماعیل صاحب غزنوی، رائیدرگیؒ نے اس یتیم بچے کی تعلیم وتربیت میں خصوصی دلچسپی لی اور انہیں اپنے فرزند ارجمند حضرت مولانا سید عباس حامی عمری رحمہ اللہ کے ساتھ غالباً ۱۹۳۷ء میں جامعہ دارالسلام عمرآباد روانہ کیا، جہاں اس زمانے میں، وقت کے کبار علمائے اہل حدیث مسند درس وارشاد پر فائز تھے، اور آپ وہاں پر درس نظامیہ کی تکمیل کر کے ۱۹۴۵ء میں اپنے مسقط رأس رائیدرگ تشریف لے آئے، جہاں بانی جامعہ محمدیہ رائیدرگ حضرت مولانا سید اسماعیل صاحب رائیدرگی رحمہ اللہ نے آپ کو اپنے مدرسہ جامعہ محمدیہ میں بحیثیت مدرس، ملازم رکھ لیا، اس دن سے لے کر تاحین حیات آپ جامعہ محمدیہ سے وابستہ رہے، بلکہ اپنی اولاد کو بھی جامعہ کی خدمت میں لگا دیا۔

اساتذہ وشیوخ:

جس دور میں آپ نے آنکھیں کھولیں، وہ دور جماعت اہل حدیث کا سنہری دور تھا، ابھی ملک کی تقسیم کا سانحہ پیش نہیں آیا تھا، جماعت اہل حدیث نے ایک طرف قادیانیت کو شکست فاش دے کر اسے پسپائی پر مجبور کر کے اس کے اثرات کو قادیان اور ربوہ کے علاقوں میں ہی محدود کر دیا تھا، تو دوسری طرف آریہ سماج جیسی متطرف اور انتہا پسند ہندو تنظیموں اور عیسائی مشنریوں کو مناظروں کے میدان میں لگاتار شکست فاش دے کر چاروں شانے چت کر دیا تھا، اور ساتھ ہر میدان میں جماعت اہل حدیث کی علمی برتری کا جھنڈا گاڑ دیا، اس وقت شیر پنجاب، فاتح قادیان شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء امرتسری، حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی، حضرت مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی، حضرت مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، صاحب تحفہ علامہ عبدالرحمن صاحب مبارکپوری، صاحب عون المعبود علامہ شمس الحق عظیم آبادی، امام الہند ابوالکلام آزاد اور حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمہم اللہ جیسے سینکڑوں اصحاب علم وعمل، اپنی اپنی اصلاح وتربیت کی کرنوں سے سرزمین ہند کو بقعۂ نور بنائے ہوئے تھے۔ اور ان میں سے اکثر علماء واساطین جماعت، گاہے بگاہے سرزمین رائیدرگ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف کرتے رہتے تھے، یہ کیسے ہوسکتا کہ ان بزرگوں کا دیدار، ان کا بیان اور ان کی دعائیں، مولانا مرحوم کے دل ودماغ پر خوشگوار اثرات نہ چھوڑے، اسی کا اثر تھا کہ غربت اور یتیمی کے باوجود مولانا نے جامعہ دارالسلام عمرآباد میں داخلہ لیا۔

مولانا نے دوران تعلیم جن اساتذہ وشیوخ سے استفادہ کیا، اگرچہ ان کی فہرست بڑی طویل ہے لیکن کچھ اساتذہ کرام کے اسمائے گرامی یہ ہیں: (۱) حضرت مولانا سید محمد اسماعیل صاحب غزنوی، رائیدرگی رحمہ اللہ، بانی جامعہ محمدیہ رائیدرگ (۲) حضرت

مولانا حافظ عبدالرزاق صاحب رحمہ اللہ، سفیر جامعہ محمدیہ رائیدرگ (۳) حضرت مولانا محمد نعمان صاحب مئوی شیخ الحدیث جامعہ دارالسلام عمرآباد (وشاگرد شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ) (۴) شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمد گوندلویؒ (سابق استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ وخسر علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ) (۵) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسماعیل پیارم پٹیؒ (نسبتی برادر حضرت مولانا فقیر اللہ پنجابی شاگرد شیخ الکل فی الکل) (۶) علامہ غضنفر حسین شاکر النائطی صاحب ''الانابۃ الی شعر الصحابہ'' (۷) حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب سلفیؒ (صاحبزادہ حضرت مولانا فقیر اللہ پنجابیؒ) (۸) حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب اعظمی عمریؒ (۹) حضرت مولانا عبداللہ عقیل صاحب اعظمی عمریؒ (۱۰) حضرت مولانا عبدالسبحان صاحب اعظمی عمریؒ وغیرہ۔

ان اساتذہ کرام کے علاوہ سینکڑوں ایسے علمائے کرام تھے، جن سے مولانا مرحوم نے استفادہ کیا، بالخصوص حضرت مولانا کی زبان سے راقم الحروف نے بارہا محسن ملت، ساہوکار حضرت کاکا محمد اسماعیل رحمہ اللہ مہتمم جامعہ دارالسلام عمرآباد، خلف الرشید محسن جماعت ساہوکار حضرت محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ دارالسلام عمرآباد کا تذکرہ نہایت ہی شاندار الفاظ میں سنا ہے۔ آپ ان کے ان تمام احسانات کا برملا اظہار فرمایا کرتے تھے جو حضرت کاکا محمد اسماعیل رحمہ اللہ، اپنے دور اہتمام میں ہمارے ان موصوف مرحوم پر کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام پاک طینتوں کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

لائق مدرس اور بہترین مربی:

مولانا نے اپنی ساری عمر پڑھنے پڑھانے، علم واہل علم کی چاکری اور کتاب وسنت کی خدمت میں گزار دی، تقریباً پچپن سال جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ میں خدمت تدریس اور دعوت وارشاد پر فائز رہے، اور چالیس سال تک شیخ الحدیث کے عہدۂ جلیلہ اور تقریباً پندرہ سال تک جامعہ کے پرنسپل کے عہدۂ عالیہ پر فائز رہنے کے بعد ۱۹۸۶ء میں ریٹائرڈ ہو گئے، لیکن ارباب جامعہ کی درخواست پر تقریباً ۲۰۰۵ء تک حدیث شریف بالخصوص صحیح بخاری شریف کا درس دیتے رہے اور تدریس کے ان تمام ادوار میں اپنی ہر ذمہ داری کو نہایت ہی تندہی، اخلاص اور لگن کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچایا، مولانا نے ہر فن کی چھوٹی کتاب سے لے کر صحیح بخاری تک پڑھایا۔ جامعہ میں راقم الحروف کا دور تعلیم ۱۹۷۳ء کے اواخر میں ۱۹۸۱ء کے وسط تک محیط ہے۔ اس دوران راقم نے مولانا مرحوم سے شرح مأۃ عامل سے لے کر صحیح بخاری تک، ہمہ فن کی کتابیں پڑھی ہیں، آج کل عربی مدارس میں یہ مرض لاحق ہو چکا ہے کہ بڑے اور سینئر اساتذہ چھوٹی جماعتوں کو پڑھانا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں، جس کی وجہ سے ابتدائی کلاسوں کی بنیادی کتابیں نوعمر اساتذہ کو سونپ دی جاتی ہیں، جن میں صبر وشکیب کی قلت، اور علم وحلم کا قحط ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اپنے جیسے چھوکرے اساتذہ کی طلبہ قدر نہیں کرتے، اور نہ ہی ان کے درس کو یاد کرنے کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں، جس کی وجہ سے طلباء کی علمی بنیاد کمزور رہتی ہے، اور پھر اس کا نتیجہ بھی:

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

معمار کی اس پہلی ٹیڑھی اینٹ کی طرح ہی رہتا ہے، جس کے نتیجے میں ٹیڑھی دیوار ہی بنتی ہے۔ جب کہ اس کے برعکس سرکاری اسکولوں کا طریقہ تدریس ہے کہ ہیڈ ماسٹر عموماً پہلی یا دوسری کلاس کی کتابیں لیتے ہیں اور جونیئر اساتذہ کی بڑی کلاسوں کی کتابیں دیتے ہیں کہ وہ پڑھانے میں محنت اور تندہی سے کام لیں۔ امید کہ ارباب مدارس ان گذارشات پر ہمدردی سے غور فرمائیں گے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا تربیت کے معاملے میں بڑے سخت تھے، طلباء سے فلم بینی، سگریٹ نوشی اور اس طرح کی دیگر شرارتوں کی سخت سزا دیتے تھے، جس کی وجہ سے طلباء پر مولانا کی ہر وقت ہیبت طاری رہتی، اگر مولانا جامعہ کے گول پر بیٹھے رہتے تو طلباء میں ہمت نہیں ہوتی کہ وہ آپ کے آگے سے گذر جائیں لیکن ہم جیسے کچھ لڑکے اس کی ہمت کر جاتے تھے۔

مولانا ہمیشہ اپنا سر منڈوائے رکھتے تھے، جہاں تک آپ کا بس چلا لڑکوں کو بھی اسی شکل میں دیکھنا چاہتے تھے، بالخصوص جب سالانہ چھٹی قریب آتی تو یہ نوٹس لگ جاتی کہ تمام طلباء اپنے سر منڈوالیں۔

طلباء میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہوتا جو اپنا سر چمکاتا ہوا گھر جانا پسند کرتا، لیکن ایمرجنسی ایسی لگی ہوتی کہ چارناچار ہر ایک کو اس ''پل صراط'' سے گذرنا ہی پڑتا۔ کچھ طلباء چالاکی دکھانے کی ناکام کوشش کرتے ایک مرتبہ ایسی ہی چالاکی مولوی عبدالغنی جامعی سلفی، پرنسپل اردو ہائی اسکول تالیکوٹ نے بھی دکھائی کہ درمیان میں بال رکھ لئے، اور حجام سے کہہ کر اطراف سے منڈوالیا، اور ٹوپی دبا کر سر پر بٹھالی، جس سے ایسا معلوم ہو کہ سر منڈا ہوا ہے، جونہی جامعہ میں داخل ہوئے تو سامنے ہی مولانا پڑ گئے، پوچھا کہ کیا تم نے سر منڈوالیا؟ انہوں نے اپنے سر کے منڈھے ہوئے حصے کی طرف اشارے کر کے کہا ''منڈوالیا'' مولانا نے قریب بلایا، ٹوپی اتاری تو بال تھے، پہلے تو اچھی خاصی مرمت کی، پھر قینچی منگوا کر مختلف جگہ سے بال مفت میں کاٹ دیئے، پھر بچے کچھ بال انہیں پیسے دے کر منڈوانے پڑے۔

میں بھی ایک زمانے تک مولانا موصوف کے اس عمل کو تشدد ہی قرار دیتا تھا، لیکن یہاں کویت آ کر دل ہی دل میں مولانا کا ممنون و مشکور ہوں اور سر منڈوانے کی افادیت کا قائل ہو چکا ہوں، اس لئے کہ کویت کے پانی سے بال یا تو جھڑ جاتے ہیں یا پھر سفید ہو جاتے ہیں، لیکن رائیدرگ میں بارہا سر منڈوانے کی برکت سمجھئے کہ بال صحرا کی گرم آب و ہوا کا پامردی سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ الحمدللہ بال جھڑنے کا عمل کافی سست ہے، اور سر میں سفیدی بھی کچھ کچھ دکھائی دے رہی ہے، اس میں کچھ قصور تو یہاں کے پانی کا ہے اور باقی بڑھتی عمر اور ڈھلتی جوانی کا۔ مولانا موصوف کردار کے دھنی تھے، اس آسمان کے نیچے کوئی شخص یہ گواہی نہیں دے سکتا کہ مولانا میں اس نے کوئی اخلاقی خرابی دیکھی ہے۔ مولانا خود بھی نمازوں کے سخت پابند تھے، سردی ہو کہ گرمی، گھر سے تہجد پڑھ کر نکلتے، وقت ملتا تو جامعہ تشریف لاتے اور ہر بچے کے بستر کے پاس عصا سے ''ٹک ٹک'' کی آواز کرتے ہوئے نہایت شفقت سے ''اے بچہ! او بابو! نماز کے لئے اٹھو'' کی صدا لگاتے، جس سے طلباء فوراً جاگ جاتے اور سو کر اٹھنے کی دعا پڑھتے ہوئے مسجد کی جانب روانہ ہو جاتے۔

آپ حضر میں رہتے تو نماز صبح کی امامت خود فرماتے، ہر جمعہ کے دن پہلی رکعت میں سورہ سجدہ اور دوسری میں سورہ دہر پڑھتے،

راقم کو مولانا کی اقتدا میں نماز پڑھتے پڑھتے یہ سورتیں حفظ ہوگئی تھیں اور موصوف نماز کے بعد یومیہ درس قرآن کریم ارشاد فرماتے اور آپ کی یہ روٹین چالیس سال سے زیادہ عرصے تک قائم رہی، اس طرح آپ نے سارے قرآن مجید کی تفسیر کا دورہ دو مرتبہ مسجد جامع محمدیہ میں کیا، تیسرا دور بھی شروع کیا اور آدھے سے زیادہ قرآن مجید کی تفسیر بھی کی تھی، لیکن نقاہت و کمزوری کی وجہ سے روٹین باقی نہیں رہ سکی اور اس طرح یہ تیسرا دورۂ پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میری طالب علمی کے زمانے میں مولانا موصوف نے دورۂ تفسیر کے اختتام پر اپنے کاشانے پر علماء وطلباء اور مصلیان مسجد کی ضیافت فرمائی اور اس طرح حافظ ابن حجر عسقلانی اور خطیب بغدادی رحمہم اللہ جیسے دیگر علمائے حق کی سنت کو زندہ کیا۔

خطابت اور مناظرہ:

مولانا موصوف میں دعوت وتبلیغ کا بے پناہ فطری جذبہ موجود تھا، ساتھ ہی خالق حقیقی نے گھن اور گرج دار آواز عطا فرمائی تھی، جس کا بھرپور استعمال موصوف نے زندگی کی آخری سانس تک کیا، آپ میں جماعتی غیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، سرزمین رائیدرگ کے قرب وجوار میں جب کسی نے جماعت اہل حدیث کو للکارا، مولانا سب سے پہلے اس کے مقابلے میں خم ٹھونک کر کھڑے ہوگئے اور دلائل سے اسے شکست فاش دے دی، رائیدرگ میں بھی کچھ خوش عقیدہ لوگ رہتے ہیں، گاہے بگاہے وہ بطور شرارت اپنے کسی باہر سے آئے ہوئے مولوی کی تقریر رائیدرگ کے کسی محلے میں کرواتے رہتے تھے، اگر اس مولوی کی زبان سے جماعت اہل حدیث کے خلاف کوئی بات نکل جاتی تو مولانا دوسرے دن اسی مقام پر اپنا جلسہ کرتے اور شیر کی آواز میں گرجتے ہوئے اس بدعتی کو للکارتے اور اسے سامنے آکر مناظرہ کرنے کا چیلنج دیتے، لیکن عموماً وہ مولوی دم دبا کر بھاگنے میں ہی اپنی عافیت محسوس کرتا۔ رائیدرگ سے تقریباً نوے کلومیٹر کے فاصلے پر ''چتر درگہ'' نامی ایک شہر واقع ہے، جب اس شہر میں کچھ نوجوانوں نے مسلک حق قبول کیا تو مولانا نے نہ صرف دامے درمے قدمے سخنے ان کی مدد فرمائی بلکہ بارہا وہاں بدعتی مولویوں سے مناظرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے، ان پروگراموں میں راقم بھی آپ کے ساتھ ہی رہتا، بلکہ ایک مرتبہ رمضان مبارک کے موقع پر جب رائیدرگ میں مولانا اور دیگر علماء موجود نہیں تھے احباب ''چتر درگہ'' نے راقم کو ''ہندوپور'' اطلاع دی، جہاں کہ ان مبارک ایام میں راقم دروس قرآن وحدیث کے لئے آیا ہوا تھا تو راقم ہندوپور سے ایک بڑی جماعت لے کر ''چتر درگہ'' روانہ ہوا، لیکن اللہ کا کرم ہوا کہ کسی بدعتی مولوی کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوسکی اور اللہ تعالی نے ''نصرت بالرعب'' سے ہی کام چلادیا۔ بالخصوص آندھرا پردیش اور کرناٹک میں کوئی بھی اجتماع آپ کے بغیر ادھورا تصور کیا جاتا، قرب وجوار میں آپ کی تبلیغی کاوشوں سے توحید وسنت کا بول بالا ہوا، ان دونوں ریاستوں میں جماعت کو کوئی بھی مشکل دیوبندی یا بریلوی بھائیوں سے آن پڑتی تو احباب جماعت علمی تعاون کے لئے آپ سے رجوع کرتے، ایک مرتبہ ہمارے ضلع

کڑپہ کے ایک مقام ''سمہادری پورم'' میں دیوبندی بھائیوں کی جانب سے ایک ایسی ہی مصیبت پیش آئی، انہوں نے اس مقام پر جماعت کی قلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے افراد اور سیاسی قوت کے بل بوتے پر وہاں کی مسجد اہل حدیث پر قبضہ کرنا چاہا، احباب جماعت پلی ویندلہ نے مجھے شہر پر دوٹو رخبر بھجوائی، میں نے رائیدرگ میں مولانا کو خبر بھجوائی، مولانا علماء کی ایک جماعت، کتب کثیر اور جم غفیر کے ساتھ ''سمہادری پورم'' تشریف لائے ہر پن ہلی سے حضرت مولانا عبدالوہاب جامعی اور بنگلور سے مولانا احمد اللہ قریشی، کرنول سے مولانا یوسف جمیل اور اطراف واکناف کی ایک بڑی جماعت جمع ہوگئی، ان علماء ومشائخ اور کتب حدیث کو دیکھ کر دیوبندی علماء مبہوت رہ گئے، اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم مناظرہ یا بحث ومباحثہ کے لئے نہیں آئے ہیں۔ پھر کچھ غیر مسلم سیاسی لیڈروں سے بات آگے بڑھی اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ بلکہ رائیدرگ سے ہزاروں میل کے فاصلے پر ریاست راجستھان میں اجمیر کے قریب ''وجے نگر'' نامی بستی میں ایک بدعتی حافظ سے ۱۹۶۲ء میں ''محفل میلاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے اور اس پر کھڑے ہونے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے یا نہ ہونے ۔استمداد بغیر اللہ۔ بشریت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر مناظرہ کیا: آخر بدعتی حافظ نے یہ کہتے ہوئے ہتھیار ڈال دیئے کہ ''آپ کے دلائل مضبوط ہیں لیکن میں اپنے بزرگوں کا مسلک نہیں چھوڑ سکتا'' اس مناظرہ کی تفصیل مولانا محمد مقتدیٰ اثری عمری نے اپنی بیش بہا کتاب ''تذکرۃ المناظرین'' کی جلد دوم صفحہ ۷۵ تا ۷۹ ۳ میں ذکر کی ہے۔

مسجد جامع محمدیہ کی خدمت:

جامعہ محمدیہ کی سرکاری ملازمت سے سبکدوشی کے بعد احباب جماعت نے آپ کی خدمت میں مسجد جامع محمدیہ کی تولیت کا عہدہ پیش کیا، جسے آپ نے اللہ کی رضا کے لئے قبول کرلیا اور اپنے دور تولیت میں ماشاء اللہ مسجد کی اس قدر خدمت کی کہ کسی بھی دور میں اس کی مثال نہیں ملتی، مسجد جامع محمدیہ، جامعہ محمدیہ سے ملحق ہے۔ میرے زمانہ طالب علمی میں اس کا صرف مغربی دروازہ تھا، جب کہ مشرق میں کچھ اجڑے ہوئے گھر تھے جس کے مالکان سخت قسم کے مرہٹے قصاب تھے، مولانا سید محمد اسماعیل رائیدرگیؒ نے اپنے دور حیات میں بڑی کوشش فرمائی کہ یہ زمین ہاتھ لگے، بلکہ آپ نے جماعت کے ایک نہایت مخلص ساتھی محترم خلیفہ حسین پیراں صاحب مرحوم ومغفور کو اسی کام پر لگادیا تھا، اس بندۂ مومن نے اپنے دور میں بڑی کوشش کرڈالی لیکن یہ کام نہ ہوسکا، جس کی حسرت لے کر محترم خلیفہ صاحب بھی مرحوم ہوگئے۔ جب یہ بار امانت آپ کے سر پر ڈالا گیا تو موصوف نے زمین کے مالکان سے بات چیت کی انہوں نے مارکیٹ کے ریٹ سے کئی گنا اس زمین کی قیمت بتلائی، مولانا نے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرکے ہمت کرلی اور بیعانہ میں ایک لاکھ روپیہ دیا اور باقی کے لئے آپ نے ادھر ادھر خطوط لکھے، اس خدمت میں حصہ ڈالنے کے لئے مولانا نے مجھے بھی ایک خط تحریر فرمایا۔ یہ ۱۹۹۷ء کے اواخر کا کوئی مہینہ تھا۔ مولانا نے بڑی ہی دردمندی سے مجھے خط لکھا، جس میں جماعت کی غربت کے تذکرہ کے بعد مجھ سے گذارش کی تھی کہ کم از کم ایک لاکھ روپیہ اس مد میں روانہ

کروں۔ مولانا کی یہ گذارش میرے لئے حکم کا درجہ رکھتی تھی، چونکہ کویت میں ابھی میری نئی نئی آمد ہوئی تھی، کسی سے اس قدر جان پہچان بھی نہیں تھی، ایک دولوگوں کو جنہیں میں یہ سمجھتا تھا کہ اللہ ان کے ذریعے سے یہ کام بنادے گا، گذارش کی، لیکن وہ ٹکا سا جواب دے کر خاموش ہوگئے، میں نے اللہ سے دعائیں مانگیں کہ وہ استاذ محترم کے اس حکم کی تعمیل کا کوئی بندوبست فرمائے۔ الحمدللہ وہ گھڑی آہی گئی، کہ دوایسے احباب جو میرے درس میں بیٹھتے تھے، میرے پاس ایک قضیہ لے کر آئے، جس میں ایک بھائی نے دوسرے سے ۶۵۰ کویتی دینار مانگے تھے، اس نے اسے یہ نیت کر کے دے دیئے کہ اس سے واپس نہیں لینے ہیں، جب دوسرے بھائی کی ضرورت پوری ہوگئی اور اس کے پاس مذکورہ رقم جمع ہوگئی تو اس نے وہ رقم واپس کردی، لیکن پہلے والے نے یہ کہتے ہوئے واپس لینے سے انکار کردیا کہ یہ میں نے واپس لینے کے لئے نہیں دیا تھا۔ لیکن دوسرے نے یہ کہتے ہوئے اصرار کیا کہ یہ میں نے بطور قرض لیا تھا، جب یہ دونوں میرے پاس آئے تو میں نے انہیں مولانا کا لکھا ہوا خط دکھادیا، وہ دونوں اس بات پر راضی ہوگئے کہ یہ رقم اس مسجد کے لئے دے دیں، اس میں میں نے ۷۰ دینار ڈالے اور اس طرح ایک لاکھ کا ڈرافٹ بنا کر مولانا کے نام روانہ کیا۔ مولانا بڑے خوش ہوئے، خوب دعائیں دیں اور اس بھائی کو بھی شکریہ کا خط لکھا، جب راقم ۱۹۹۸ء میں بچوں کے ساتھ رائے درگ گیا تو مولانا نے اپنے دولت کدے پر دعوت پر بلایا، مسجد میں جب گیا تو ان روپیوں کا حساب پیش کرنا چاہا میں نے نہایت ہی ادب کے ساتھ مولانا سے گذارش کی کہ آپ مجھے شرمندہ نہ کریں، اس کے بعد پھر اس جگہ کو خرید کر مسجد کا مشرقی دروازہ اور مسجد کی آمدنی کے لئے کچھ دکانیں وغیرہ بنوائیں اور اس طرح اپنے دور تولیت میں مولانا سید محمد اسماعیل رائیدرگی کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا اور مسجد جامع محمدیہ کو اس قدر وسیع وعریض کردیا کہ تنگ دامنی کا گلہ شکوہ جاتا رہا، مولانا نے اپنی زندگی میں جماعت کے لئے جو بیش بہات خدمات انجام دیں، اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید قوی ہے کہ وہ آپ کی مغفرت کا سامان بنیں گی۔ بقول عرفی

امید ہست کہ بیگانگی عرفی را
بدوستی سخنہائے اوآں آشنا بخشد

آئندہ نسلوں کے لئے بھی ہم جیسے مولانا مرحوم کے نام لیوا، مولانا کی دینی جماعتی، ملی اور قومی خدمات پر فخر سے نہیں، بطور شکر ضرور کہہ سکتے ہیں۔

مانا کہ اس زمین کو نہ ہم گلزار کرسکے
کچھ خار کم تو کرگئے گذرے جدھر سے ہم

(نوائے اسلام دہلی جولائی اگست ستمبر ۲۰۰۹)

□□□

حافظ مولانا عبدالمتین میمن جونا گڑھی حیات وخدمات

مولانا ضیاء الحسن سلفی مئو

خانوادہ میمن سرزمین جونا گڈھ گجرات کا ایک دینی وعلمی خانوادہ ہے جس سے بہت سے علمی دنیا کے درخشاں ماہتاب وآفتاب گذرے ہیں ان ہی میں سے ایک بڑی پروقار عبقری اور دینی وعلمی شخصیت حافظ مولانا عبدالمتین میمن جونا گڈھی کی بھی ہے آپ اپنے وقت کے حافظ، مفتی، نامور خطیب وداعی اور مشہور مولف تھے۔ آپ کی شخصیت گوناگوں مناقب وکمالات کی جامع تھی۔ ان کی زندگی کے بعض تابناک نقوش ہدیۂ قارئین ہیں۔

مولد ومنشا: آپ کا نام مولانا حافظ عبدالمتین میمن جونا گڈھی ہے آپ کے والد کا نام مولانا عبداللطیف میمن جونا گڈھی ہے آپ کی ولادت ۱۶ر نومبر ۱۹۳۸ء مطابق ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ میں بروز اتوار صبح ۱۰ بجے اٹاوہ کی سرزمین میں ہوئی آپ کا بچپن وہیں پر گذرا پھر آپ اپنے آبائی وطن جونا گڈھ ضلع کاٹھیاواڑ گجرات تشریف لائے۔

تعلیم وتربیت: مولانا عبدالمتین صاحب نے ایک خالص دینی وعلمی ماحول وخانوادہ میں پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم، حفظ قرآن مجید اور عربی وفارسی کی بنیادی تعلیم اپنے والد محترم مولانا عبداللطیف میمن جونا گڈھی سے حاصل کی جو اپنے وقت کے جید اور ممتاز عالم دین اور حافظ حدیث تھے فن حدیث میں اس وقت ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ حافظ عبدالمتین صاحب شروع سے ہی بہت ذہین وفطین تھے آپ نے اپنے والد محترم کی سرپرستی میں ۷ سال کی مختصر عمر میں حفظ قرآن مجید کرلیا اور اس کی تکمیل صرف ۶ ماہ کے مختصر وقت میں کیا اور دس سال کی عمر میں باقاعدہ نماز تراویح پڑھانی شروع کردی۔ اسی طرح آپ نے اپنے والد ماجد سے درس حدیث لینا شروع کیا ابتداء میں بلوغ المرام اور پھر مشکوۃ المصابیح پڑھی اور آپ کے والد نے اپنے فرزند پر اپنی گہری چھاپ اس طرح چھوڑی کی انہوں نے مشکوۃ المصابیح کے باب اول کی تمام احادیث کو حفظ کرلیا۔ اور اس کے علاوہ مشکوۃ المصابیح کی اکثر احادیث ضبط کرلیں۔ علم حدیث اور دیگر فنون میں اپنے والد سے فیضیاب ہونے کے بعد شکراوہ تشریف لے گئے اور وہاں شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار شکراوی سے کسب فیض کیا، پھر مولانا عبدالرشید لداخی سے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ سنن اربعہ اور دیگر فنون کی کتب کا درس شکراوہ میں لے کر یہیں سے فراغت حاصل کی پھر دہلی تشریف لے گئے اور مشہور عالم دین مولانا عبدالسلام بستویؒ سے علم حدیث اور دیگر فنون کی تعلیم حاصل کی اور مولانا عبدالسلام بستوی کے قائم کردہ مدرسہ ریاض العلوم سے ۱۹۵۸ء میں سند فراغت حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۵۸ء میں سند عالمیت اور ۱۹۵۹ء میں سند فضیلت حاصل کی پھر اپنے آبائی وطن واپس آکر درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ میں مشغول ہوگئے۔

تدریس ودعوتی خدمات: ۱۹۷۱ء میں پہلی بار ماہ رمضان میں تراویح پڑھانے اور درس حدیث دینے کی غرض سے بنگلور تشریف لے گئے وہاں کے لوگ آپ کے علمی تبحر اور فن خطابت میں سحر بیانی سے کافی متاثر ہوئے اور آپ کے گرویدہ ہوگئے، اہل بنگلور کے کافی اصرار پر آپ یہیں بطور امام وخطیب رہنے پر مجبور ہوگئے اور لوگوں کی بے پناہ محبت واحترام نے زندگی کے بقیہ ایام گذارنے پر آمادہ کردیا یہاں تک کہ اپنی عمر عزیز کے ۳۸ سال کی طویل مدت اسی سرزمین سے وابستہ رہ کر کتاب وسنت کی نشر واشاعت میں مصروف رہ کر اسی سرزمین بنگلور میں سپرد خاک ہونا پسند کیا بنگلور قیام کے دوران یہاں کی مرکزی جامع مسجد چار مینار میں درس احادیث اور امامت وخطابت اور جلسوں میں مواعظ کے علاوہ ۱۹۹۵ء میں آپ کے زیر سرپرستی شعبۂ حفظ کا قیام عمل میں آیا، اس طرح جامع مسجد چار مینار کے زیر اہتمام چلنے والے مدرسۃ البنات میں آپ بحیثیت استاد ونگراں برائے تعلیمی امور خدمات انجام دیتے رہے اور اپنے طول تعلیمی تجربات اور انتظامی صلاحیت کو بروئے کار لاکر اس کے تعلیمی معیار کو بلند کیا اور یہاں کی مقامی جمعیت کے شعبۂ دارالافتاء کے باقاعدہ مفتی رہ کر پوری زندگی اس کام کو بحسن وخوبی انجام دیا آپ کے تبحر علمی اور قوم وملت کی بے لوث خدمات سے متاثر ہوکر آپ کو صوبائی جمعیت اہل حدیث کرناٹک وگوا کا مسلسل تین بار امیر مقرر کیا گیا جب کہ اس سے پہلے اس عہدہ جلیلہ کو قبول کرنے سے چھ بار آپ نے معذرت کردی تھی بالآخر جمعیت کی خواہش کے مطابق آپ نے ۱۹۷۴ء سے ۱۹۹۶ء تک مسلسل ۱۲ رسال صوبائی جمعیت کے امیر رہ کر جماعت وجمعیت کی عظیم خدمات انجام دیں۔ مرکزی جمعیت اہل ہند کی مجلس عاملہ کے رکن بھی رہے۔

آپ نے طویل عرصہ میں بحیثیت امام وخطیب، استاذ، مفتی، امیر، نگران اعلی اور داعی اسلام گویا مختلف انداز سے جماعت وملت کی خدمت کی اور کتاب وسنت کی نشر واشاعت کی آپ کی دعوتی مساعی جمیلہ کا خوشگوار نتیجہ یہ تھا کہ آپ کی مخلصانہ دعوت سے علاقہ کے تقریباً دس ہزار افراد کتاب وسنت کی روشن شاہراہ پر گامزن ہوگئے۔

قناعت واستغناء: خلوص، قناعت واستغناء کے جذبۂ صادق سے آپ کی پوری زندگی معمور تھی ابتداء میں بنگلور کی مرکزی جامع مسجد چار مینار میں جب آپ بحیثیت امام وخطیب مقرر ہوئے تو اس وقت آپ کی تنخواہ ۱۵۰ روپئے تھی جو کہ آپ کی علمی صلاحیت واستعداد کے اعتبار سے بہت کم تھی لیکن جب آپ کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی کہ بورڈ سے آپ کی تنخواہ میں اضافہ کے لئے سفارش کی جائے تو آپ نے اس سے صاف انکار کردیا اور کہا کہ یہ میرے والد کی اس نصیحت کے برخلاف ہے کہ دینی کام میں تنخواہ کے پیچھے نہ جانا اور ہدیہ وتحفہ کے علاوہ کوئی بھی چیز ہرگز قبول نہ کرنا۔ اسی طرح بعض علماء کی کوشش سے سعودی عرب کے شعبۂ دعوت وتبلیغ سے آپ کی تنخواہ جاری کروادی گئی لیکن آپ کی غیرت، استغناء اور قناعت پسند طبیعت نے اسے قبول کرنے نہ دیا اور اسی کی دوسروں کو بھی تلقین کیا کرتے تھے۔ آپ نے اپنی عظمت ورفعت اور شہرت کا راز قناعت واستغناء کو قرار دیا۔ آپ شہرت وجاہ پسندی سے کافی دور تھے، انکساری وتواضع آپ کی زندگی کا نمایاں وصف تھا۔

خطابت کے میدان میں: اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطابت کا ملکہ اور زور بیان اپنے والد سے وراثت میں عطا کیا تھا جو ناگڈھ، بنگلور

کے علاوہ بیرون ملک دبئی میں آپ کے خطاب ودورس ومواعظ سے کافی لوگ متاثر تھے اللہ نے آپ کی زبان میں بڑی شیرینی عطا کی تھی اپنے خطبوں میں آپ قرآنی آیات بکثرت تلاوت کرتے اور مشکوۃ المصابیح کی اکثر احادیث حفظ ہونے کی وجہ سے دوران خطبہ لمبی لمبی حدیثیں بطور استشہاد پیش کرتے چلے جاتے تھے اور جب کوئی واقعہ بیان کرتے تو صحابہ کرام کے ناموں کی ایک طویل فہرست گن کر رکھ دیتے حاضرین آپ کی ذہانت وفطانت پر ششدر رہ جاتے۔

تصنیف وتالیف: فن خطابت ودروس میں زور بیانی کا جادو جگانے کے ساتھ ہی زور قلم بھی حاصل تھا جب بھی دین حق کی تائید اور شرک وبدعات کی بیخ کنی کے لئے قلم کی ضرورت پڑی تو آپ نے اس کا استعمال اس انداز سے کیا کہ اس کا حق ادا کر دیتے اور آپ کی شگفتہ تحریر سے مسئلہ حق بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

آپ کی تصانیف کی تعداد کل آٹھ ہے جن میں سے حدیث نماز، حدیث رمضان، حدیث اعتقاد، حدیث قبور اور حدیث خیر وشر مطبوع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکی ہیں ان میں حدیث خیر وشر گل سرسبد کی حیثیت رکھتی ہے یہ کتاب مشہور حنفی عالم پالن حقانی کی کتاب شریعت یا جہالت کا دندان شکن جواب ہے یہ کتاب نایاب تھی مکتبہ نعیمیہ کے ذمہ داران نے اس کو جدید ترتیب، مزید تصحیح وتنقیح اور مؤلف کے سوانح حیات کے ساتھ خوبصورت ٹائٹل کے ہمراہ شائع کر کے اس کو منصۂ شہود پر لانے کی سعادت حاصل کی ہے امید کہ اس کے بعد اس کا حلقۂ قارئین اور وسیع ہوگا اور عام لوگ اس سے مزید مستفیض ہوں گے۔ اور بقیہ تین کتابیں حدیث وفن حدیث جبرئیل اور حدیث رد وقبول منظر عام پر نہ آسکیں اور ان کے مخطوطے آج بھی محفوظ ہیں۔

وفات وتدفین: آپ ۸/اپریل ۲۰۰۹ء مطابق ۱۱/ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ بروز بدھ بعد نماز عشاء اہل خانہ کے ساتھ انتہائی خوش اسلوبی وخوش مزاجی کیساتھ محو گفتگو تھے کہ اچانک صرف ۵ منٹ کے عرصہ میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ ان للہ وانا الیہ راجعون۔ تقریباً ۷۱ سال کی عمر پائی۔

آپ کو اپنے گھر میں غسل دینے کے بعد آپ کی نعش کو سوگواروں کے دیدار کے لئے جامع مسجد چار مینار میں رکھ دی گئی اور ۹/اپریل ۲۰۰۹ء مطابق ۱۲/ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ بروز جمعرات بعد نماز ظہر چار مینار مسجد میں آپ کی نماز جنازہ آپ کے فرزند حافظ عبدالسلام صاحب نے پڑھائی اور بلا تفریق مسلک وملت ہزاروں سوگواروں نے باچشم نم اس ولی صفت شخصیت کو شہر کی نیا نری روڈ قبرستان میں سپرد خاک کیا۔

پسماندگان: آپ کے پسماندگان میں آپ کی بیوہ، نو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں اللہ تعالی مولانا موصوف کی دینی وعلمی ودعوتی جملہ خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور اعلی علیین میں جگہ دے اور جملہ پسماندگان اہل خانہ وجمعیت وجماعت کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ (آمین)

(ماخوذ از: حدیث خیر وشر۔ ص ۱۷۷ تا ۱۸۰)

❑❑❑

آہ! رئیس المصنّفین نہ رہا

(مولانا محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کی یاد میں)

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی رکاندیولی ممبئی

سرزمین ہند اپنی علمی ودینی خدمات بالخصوص حدیث رسول کی نشرواشاعت ،درس وتدریس، شرح وتعلیق میں بیش بہا کاوشوں کے لئے مشہور ومعروف ہے۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے لے کے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، علامہ عبدالرحمن مبارکپوری، شمس الحق عظیم آبادی، مولانا محمد جونا گڈھی، ثناء اللہ امرتسری، داؤد راز، وحید الزماں کیرانوی اور دیگر اساطین علماء اسلام کو کون نہیں جانتا۔الغرض حدیثی خدمات کا ایک طویل اور لامتناہی سلسلہ تاریخ ہے جو آج تک جاری وساری ہے۔سلسلہ تاریخ خدمات حدیث کی ایک سنہری کڑی دنیائے تصنیف وتالیف اور انکار شرک وبدعت ورد اباطیل اور اساطیر میں مشہور ومعروف ایک عظیم علمی وتصنیفی شخصیت حضرت مولانا محمد رئیس ندوی المعروف رئیس الاحرار کی ہے، جنہیں مرحوم کہتے ہوئے قلم میں لغزش سی طاری ہوجاتی ہے۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فراغت کے بعد ۱۹۶۰ء کے دہائی سے لے کر ۲۰۰۹ء تک تقریبا نصف صدی کی ایک طویل اور مسلسل سفر آپ نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں طے کیا ہے۔اپنے اعلانِ اہل حدیثیت سے لے کر اواخرِ حیات تک توحید وسنت کے خلاف تحریر کی جانے والی بے بنیادی تحریروں کا آپ نے دندان شکن جواب دے کر نہ صرف یہ کہ اپنی ایک شناخت بنالی بلکہ فرق باطلہ اور مبتدعہ کے خلاف ایک مضبوط چٹان بن گئے ترجمہ قرآن مجید سے لے کر فن حدیث، رجال، سیرت وتاریخ پر اپنی گہری دسترس کی وجہ سے بزم صحافت میں چھاتے چلے گئے اور ہزاروں نہیں لاکھوں صفحات اپنے قلم سے سیاہ کر کے سانس کے آخری لمحے تک دین متین کی خدمت اور چمن اسلام کی آبیاری کرتے رہے۔بالآخر قضاء وقدر آپہنچی اور ۹ رمئی ۲۰۰۹ء بروز سنیچر بوقت رات گیارہ بجے اس دار فانی سے دار البقا کی طرف کوچ کر گئے۔خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔مرحوم کو اگر رئیس الاحرار کے ساتھ رئیس المصنفین کہا جائے تو شاید کہ مبالغہ نہ ہوگا۔مجھ ناچیز کو بھی آپ کی شاگردی کا غیر معمولی شرف حاصل ہے۔اسی بنیاد پر ذیل میں چند سطور حوالۂ قرطاس ہیں۔

نام ونسب: مولانا محمد رئیس بن سخاوت علی بن باقر حسین بن جہانگیر۔

مقام وتاریخ ولادت: آپ کی ولادت سرکاری دستاویز اور تعلیمی سندوں کے اعتبار سے ۱۷ رجولائی ۱۹۳۸ء مطابق ۷ رجمادی الاولی ۱۳۵۷ھ بروز جمعرات ضلع بستی (موجودہ سدھارتھ نگر) کے ایک مشہور ومعروف علاقہ تحصیل بانسی سے جنوب مشرق

کی جانب دس کلومیٹر کی دوری پر واقع بھٹیا گاؤں میں ہوئی۔ یہ گاؤں فی الوقت ضلع بستی سے کٹ کر نئے ضلع سدھارتھ نگر میں شامل ہے۔ آپ کے خاندان کا عمومی پیشہ پارچہ بافی (کپڑے بننا) تھا اور یہی پورے خاندان کا ذریعہ معاش تھا گویا کہ ہندوستان کے خاندانی نسبت کے اعتبار سے آپ انصاری تھے لیکن اپنے خاندانی پیشہ سے ہٹ کر علم کی دنیا میں وہ سنہرے اور زریں نقوش چھوڑے جو رہتی دنیا تک اہل علم وفن کے لئے ایک نمونہ رہے گا۔

لیس الجمال باثواب تزیننا
ان الجمال جمال العلم والادب

آپ کے والدین علم سے کوسوں دور اور بالکل ان پڑھ اور جاہل تھے اور اپنے خاندانی پیشہ میں مشغول رہ کر اس سے روزی روٹی حاصل کرتے تھے لیکن اپنے بیٹے محمد رئیس کو تعلیم دینے کا شوق وجذبہ تھا چنانچہ ابتداء سے ہی آپ کو علم وتعلیم کی راہ پر لگا دیا اور اس طرح مختلف جگہوں پر علم حاصل کر کے آپ نہ صرف ایک عظیم مدرس بلکہ جامع علوم وفنون ہو گئے کہ اگر آپ کو رئیس المصنفین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

تعلیم وفراغت:

آپ نے ابتدائی اور بنیادی تعلیم گاؤں کے دینی مکتب میں برادر منشی عبدالمجید، منشی عبدالحمید (چھتیونی سدھارتھ نگر) اور منشی معین الحق صاحبان سے حاصل کی، گاؤں کا یہ مکتب آج مدرسہ معین العلوم کے نام سے مشہور ہے جب شعور کی منزل کو پہنچے تو ۱۹۴۶ء میں اپنے گاؤں سے قریب پوسٹ مروٹیا بازار میں واقع پرائمری اور مڈل اسکول میں داخلہ لیا اور تقریباً آٹھ سالوں تک پنڈت شہرت اور پنڈت گوپل سے تعلیم حاصل کی۔ پرائمری اور مڈل کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد دینی تعلیم کا جذبہ بیدار ہوا اور قدرت نے آپ کے شعور کو روحانی تعلیم حاصل کرنے کی طرف رغبت عطا کی۔

چنانچہ ۱۹۵۳ء میں اپنے آبائی وطن اور خاندانی گاؤں کو خیر باد کہہ کر اس زمانہ میں تعلیم کے لئے مشہور ضلع بستی کے صدر مقام شہر بستی کے لئے روانہ ہو گئے اور وہاں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی شاخ مدرسہ عالیہ عربیہ واقع پکا بازار بستی میں داخلہ لیا اور اس طرح ۱۹۵۳ء سے لے کر ۱۹۵۷ء یعنی کل چار سالوں تک مذکورہ مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں یہاں مولانا سید عبدالغفار ندوی (بھرول بارہ بنکی) مولانا محمود الحسن بستوی (ناظم انجمن تعلیمات دین بستی جو کہ قاضی عدیل عباسی کے رشتہ دار تھے) اور حافظ مرغوب الرحمن صاحب (تپا اجیار والے ضلع بستی) اور مولانا اسحاق وغیرہم تھے جن سے آپ نے چار سالوں تک دینی وعلمی فیض اٹھایا اور اس طرح عربی اور دینی علوم کے ایک لائق طالب علم بن گئے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ:

علمی انہماک اور تعلیمی دلچسپی کسی بھی انسان کی ترقی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ مولانا محمد رئیس صاحب نے ابتدائی اور عربی درجات کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد علم کی اعلیٰ منزلیں سر کرنے کے لئے دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے مرحوم ہونے کے بعد ملک ہندوستان کی سب

سے عظیم درسگاہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کا رخ کیا چونکہ شہر بستی کا مدرسہ عالیہ ندوۃ کی ایک شاخ تھا اس لئے آسانی سے آپ کو داخلہ مل گیا۔ چنانچہ ۱۹۵۷ء میں عالمیت سال آخر یعنی ساتویں جماعت میں داخل ہوئے اور یہاں پر رہ کر آپ نے عالمیت اور فضیلت کی تعلیم کو تین سالوں میں مکمل کرلیا اور ۱۹۶۰ء میں آپ فارغ التحصیل ہوکر وطن واپس لوٹ آئے۔

دوران تعلیم آپ کے ہم سبق دس طلبہ تھے جن میں ضیاء الحسن لکھنوی، منظور الحسن بنگال اور الطاف حسین خاں میرٹھی صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام قابل ذکر ہیں۔

مشہور اساتذہ: آپ نے ابتدائی تعلیم سے لے کر آخر تک مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی جن میں چند کا نام پہلے گزر چکا ہے اور مزید قابل ذکر اساتذہ کا نام درج ذیل ہے: (۱) مولانا ابوالحسن علی ندویؒ (۲) مولانا سید عبدالغفار ندویؒ نگرامی (۳) مولانا محمود الحسن صاحب بستوی (۴) مولانا محمد ادریس ندوی نگرامی (۵) مولانا محمد رابع ندوی (۶) مولانا محمد اسحاق ندوی سندیلوی (۷) مولانا ابوالعرفان ندوی جونپوری (۸) مولانا ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی (صاحب مصباح اللغات) (۹) مولانا اسباط صاحب (۱۰) مولانا مفتی ظہور احمد صاحب۔

اعلان اہل حدیثیت:

آپ کا خاندان اور گھرانہ ابتداء سے ہی حنفی المسلک تھا چنانچہ آپ بھی اسی پر قائم رہے۔ ندورۃ العلماء میں داخلہ کے بعد فضیلت کی تعلیم میں جب آپ نے صحیحین اور دیگر کتب احادیث کا مطالعہ کیا تو توحید وسنت کی روشنی سے آپ کے دل کی دنیا بدلتی چلی گئی۔ اور رفتہ رفتہ آپ نے مسلک اہل حدیث کو قبول کر کے اسے اپنی نجات کا واحد ذریعہ سمجھ لیا اور اس طرح بانگ دھل آپ اپنی سلفیت اور اہل حدیثیت کا اعلان کر کے کتاب وسنت کے شیدائی وفدائی بن گئے۔

مدرسہ عالیہ بستی اور ندوۃ العلماء میں تدریس وتعلیم:

دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد آپ کی علمی مہارت اور تدریسی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے ندوۃ کی شاخ مدرسہ عالیہ عربیہ پکا بازار شہر بستی میں تدریس کی خدمت پر مامور کردیا چنانچہ آپ اپنے مادر علمی مدرسہ عالیہ بستی جہاں پر چار سالوں تک تعلیم حاصل کی تھی، تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ دوران تدریس بیمار پڑنے کی وجہ سے تقریباً چھ ماہ کے بعد لکھنؤ علاج کے لئے جانے پر مجبور ہوگئے۔ لکھنؤ میں آپ ڈاکٹر فریدی کے زیر علاج رہے، مولانا علی میاں ندوی نے علاج کا پورا خرچ بھی برداشت کیا اور آپ کی صلاحیتوں سے ابنائے ندوۃ کو فیض پہنچانے کے لئے آپ کو ندوہ ہی میں ابتدائی درجات کی تدریس پر مامور کردیا چنانچہ اس طرح تقریباً ایک سال تک ندوہ میں اپنا علمی فیض پہنچاتے رہے۔

جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال میں بحیثیت مدرس:

ماحول کی تبدیلی اور ناسازی طبع کی وجہ سے ۱۹۶۱ء میں لکھنؤ سے جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال حسب حکم علی میاں ندوی منتقل ہوگئے اور ۵۰ روپئے ماہانہ ماہوار مشاہرہ پر تدریسی خدمات انجام دینے لگے انتہائی انہماک اور محنت ولگن سے

تدریسی فریضہ کے ساتھ ساتھ تقریباً دو سالوں تک آپ نے علاقہ میں دعوتی کام بھی کیا۔

غالباً مولانا ابوالعرفان محمد عمر سلفی، شیخ الجامعہ بونڈھیار (جو اس وقت آپ کے رفیق تدریس تھے) کے ساتھ علاقے میں دعوتی آمد و رفت بکثرت ہوا کرتی تھی بعد میں مشاہرہ کی قلت کی وجہ سے آپ نے جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر سے استعفیٰ دے دیا۔

تدریسی مشاغل کے سلسلے میں مولانا کا خود بیان:

ندوہ سے فراغت کے بعد حضرت مولانا (جھنڈانگری) نے مجھے اپنے زیر انتظام چلنے والے مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں مدرس ہونے کی پیش کش کی اس سال میں پکا بازار بستی کے مدرسہ میں درس و تدریس کا وعدہ کر چکا تھا اس لئے سال بھر کی مہلت حضرت خطیب الاسلام سے مانگی۔ میں پکا بازار مدرسہ میں صرف چھ ماہ رہ سکا علالت کے باعث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مقیم رہ کر ڈاکٹر فریدی کے زیر علاج حضرت الاستاذ العلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے حسب ارشاد رہا اور ندوہ کی ابتدائی درجات کے بعض اسباق پڑھاتا رہا..... آگے لکھتے ہیں کہ اور رمضان بعد میں ۱۹۶۱ء میں حضرت الاستاذ نا العلام سید ابوالحسن علی میاں ندوی کے حسب مشورہ مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر درس و تدریس کے لئے آ گیا۔ (السراج خطیب الاسلام نمبر: ص، ۴۷۷، مئی۔ اکتوبر ۲۰۰۰ء)

احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کا سفر:

جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں دو سال تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۳۰ روپئے ماہوار مشاہرہ پر دار العلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ، بہار چلے گئے اور ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی کی نگرانی میں تقریباً چھ سالوں تک ۱۹۶۴ء سے لے کر ۱۹۶۹ء تک درس و تدریس میں منسلک رہے۔ ساتھ ساتھ دعوتی خدمات انجام دینے کے علاوہ پندرہ روزہ الہدیٰ دربھنگہ میں اپنے اشہب قلم سے قلم و فن کی نورانیت بکھیرتے رہے۔

احمدیہ سلفیہ دربھنگہ اور وہاں کے ذمہ داران بالخصوص ڈاکٹر عبدالحفیظ سلفی سے گہرے روابط تھے۔ احمدیہ سلفیہ چھوڑنے کے بعد بھی یہ روابط برقرار رہے اور ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی برابر مولانا ندوی کے ساتھ انسانیت بھرا سلوک کرتے رہے۔ مولانا رقم طراز ہیں: ”میں جامعہ سراج العلوم کے بعد دار العلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں آ گیا تھا جہاں چھ سال تدریسی خدمت کے زمانہ میں تین بار حضرت خطیب الاسلام جلسہ مذاکرہ علمیہ میں تشریف لائے“ (السراج خطیب الاسلام نمبر، ص: ۴۷۸)

رئیس الاحرار ندویؒ جامعہ سلفیہ بنارس میں قدم رنجہ:

احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں چھ سالوں تک تدریسی و تعلیمی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۶۹ء میں جماعت کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس چلے گئے اور مختلف النوع مضامین بالخصوص کتب احادیث اور بالاخص صحیحین کا درس دینے لگے۔ آپ کے درس کی شہرت طلباء و اساتذہ کے مابین عام تھی جس موضوع پر زبان محو گفتگو ہوتی اس پر سیر حاصل بحث کرتے اور اس پر اپنی معلومات کے موتی بکھیرتے ۱۹۶۹ء سے لے کر ۱۹۹۸ء تک تقریباً انتیس سالوں تک مسلسل تدریس سے جڑے رہے۔ طبیعت کی خرابی اور دل کا دورہ پڑنے کی وجہ سے تصنیفی کام اور فتویٰ نویسی میں زیادہ منہمک ہو گئے اور تادمِ حیات جامعہ سلفیہ بنارس میں طلباء، علما، اساتذہ اور شیوخ

سبھی کو فیض پہنچاتے رہے۔ تقریباً چالیس برس کی طویل خدمات پر آپ کی زندگی محیط ہے۔ علمی، دعوتی، تبلیغی اور تصنیفی امور میں آپ کی مشغولیت اور مختلف النوع جہود واعمال اتنے متنوع اور کثیر الفوائد ہیں کہ ان سے اہل علم ودانش کو فائدہ اٹھانا چاہیے، اور جامعہ سلفیہ کے ذمہ داران اور اساتذہ کو آپ کی طویل مدتی خدمات کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرنی چاہیے۔ آپ کے شاگردان رشید کو بھی چاہیے کہ اپنی اپنی معلومات کی حد تک مولانا کے زریں حیات کے مختلف گوشوں پر اپنے قلم سے روشنی ڈالتے رہیں۔

قابل ذکر تلامذہ:

ہند ونیپال کی تین عظیم سلفی درسگاہوں میں تعلیم وتدریس کی ذمہ داری آپ نے کم وبیش نصف صدی تک انجام دی ظاہر ہے کہ ان عظیم درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے ملک کے گوشے گوشے سے آنے والے طلباء کی ایک جم غفیر رہا کرتی تھی اس لئے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ کے طلباء اور شاگردان کی تعداد بے شمار ہے۔ فی الوقت ملک کی درسگاہوں میں جامعہ سلفیہ بنارس کے جتنے بھی فارغین ہیں سب آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں اور جتنے بھی چنندہ چنندہ علماء موجودہ وقت میں اپنی علم وتحقیق کی وجہ سے مقبول خاص وعام ہیں تقریباً سب کے سب آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

ذیل میں صرف چند اہم تلامذہ اور شاگردان کا ذکر کیا جارہا ہے: (۱) ڈاکٹر عبدالرحمن پریوائی (ریاض) (۲) ڈاکٹر اختر جمال محمد لقمان (مکہ مکرمہ) (۳) ڈاکٹر عبدالباری فتح اللہ مدنی (ابوظہبی) (۴) شیخ صلاح الدین مقبول (کویت) (۵) دیگر سلفی علماء جو جالیات اور شعبہ دعوت وارشاد میں لگے ہیں تقریباً سب کے سب آپ کے شاگرد ہیں۔ (۶) دکتور رضاء اللہ ادریس مبارکپوری (مرحوم) (۷) مولانا شاہد جنید نائب صدر جامعہ سلفیہ بنارس (۸) مولانا عبداللہ سعود ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ بنارس (۹) ڈاکٹر عبدالعزیز بن شیخ الحدیث مبارکپوری (۱۰) ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی (مالیگاؤں) (۱۱) مولانا اصغر علی سلفی دہلی (۱۲) شیخ رضاء اللہ عبدالکریم مدنی (دہلی) (۱۳) د۔ اقبال بسکوہری (مالیگاؤں) (۱۴) مولانا عبدالمنان سلفی جھنڈانگر نیپال وغیرہ، ودیگر ملک ہندوستان ونیپال کے اساتذہ مدارس وجامعات، دعاۃ ومبلغین اور طلباء وعلماء کی ایک لمبی فہرست ہے جو ہزاروں سے متجاوز ہوسکتی ہے۔

تصنیفی خدمات:

تصنیف وتالیف اور تحریر وتقریر کا ذوق طالب علم کے اندر اگر ابتداء ہی سے پیدا ہوجائے تو بعد میں چل کر میدان تعلیم وتدریس میں اسے علمی جلاء مل جاتی ہے اور پھر ایک محرر اور مصنف کی حیثیت سے ابھر کر انسان سامنے آتا ہے۔ یہی حال ابتداء اور زمانہ طالب علمی سے مولانا رئیس الاحرار ندوی مرحوم کے اندر بھی قدرت نے ودیعت فرمادیا تھا اور اس کا سب سے بین ثبوت یہ ہے کہ آپ نے زمانہ طالب علمی کے اواخر ۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۱ء ہی میں دارالعلوم ندوۃ العلماء اور اس کے روح رواں مولانا علی میاں ندوی کے حسب ارشاد ومشورہ تاریخ یہود کی تصنیف ایک کتابچہ کی شکل میں نہیں بلکہ پانچ ضخیم جلدوں میں تیار کی تھی اور اس کے بعض حصے ماہنامہ الفرقان لکھنؤ میں شائع بھی ہوئے تھے۔ علماء اور اصحاب قلم نے خوب پذیرائی بھی کی تھی مگر افسوس کہ اس کا مسودہ مشیت الٰہی کے مطابق بعد میں کہیں ضائع ہوگیا اور ایک عظیم علمی سرمایہ فقدان وگمنامی کا شکار ہوگیا۔ مولانا مرحوم ایک سلسلے میں خود رقمطراز ہیں ’’کہ اگرچہ اس

کے پہلے زمانہ طالب علمی میں ۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۱ء میں تاریخ یہود کی تصنیف پانچ ضخیم جلدوں میں کر چکا تھا جس کے بعض مطبوع حصوں کو ماہنامہ الفرقان لکھنؤ میں دیکھ کر خطیب الاسلام موصوف (جھنڈانگر) نے نہایت تعریف کی اور میری حوصلہ افزائی بھی۔ افسوس یہ کتاب شائع ہوئے بغیر ضائع ہوگئی۔ اس کی تصنیف میں حضرت استاذنا العلام ابوالحسن علی ندویؒ کی بھی کافی معاونت وہدایات ومشورے شامل رہے۔'' (السراج خطیب الاسلام نمبر: ص، ۴۷۸)

الغرض حضرت رئیس الاحرار مرحوم کے اندر قلمی صلاحیت ابتداء سے ہی قدرت نے ودیعت کر دیا تھا اور اپنی انہیں صلاحیتوں کو آپ نے بعد میں ایک مستقل اور ٹھوس منصوبے کے تحت ان گنت تصنیفات وتالیفات میں اجاگر کیا۔ آپ کے مضامین بالخصوص تاریخ یہود کے بعض حصے ہفت روزہ الہدیٰ دربھنگہ میں بھی شائع ہوئے بلکہ ندوہ سے ابتدائی تدریسی زمانہ میں واپسی کے بعد مستقلاً جب جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر آئے تو صرف دوسالوں کے اندر ہی جھنڈانگری مرحوم نے آپ کی قلمی صلاحیتوں کو پرکھ لیا اور آپ کے ذمہ اپنی مایہ ناز کتاب ''تردید حاضر وناظر'' کے جواب میں ایک بریلوی عالم مفتی عبدالمنان کی طرف سے شائع ''الشاہد'' نامی کتاب کا دندان شکن جواب دینے کے لئے حضرت مولانا رئیس ندوی کو مامور کیا۔ چنانچہ آپ نے اس کا جواب لکھا اور جھنڈانگری مرحوم نے اسے ''تصحیح العقائد بابطال شواہد الشاہد'' کے نام سے چھپوایا اور یہ مولانا کی طبع ہونے والی سب سے پہلی کتاب تھی۔ مولانا ندوی مرحوم لکھتے ہیں ''میں مدرسہ سراج العلوم میں صرف دوسال رہ سکا اس دوران انہوں نے (جھنڈانگری نے) مجھ پر ایک کرم فرمائی کی کہ ان کی بدعت شکن کتاب ''تردید حاضر وناظر'' کا نہایت اذیت رساں جواب کے نام پر فرقہ بریلویہ کی طرف سے ''الشاہد'' از بریلوی بحر العلوم مفتی عبدالمنان شائع ہوئی۔ اس کے جواب کا مکلف خطیب الاسلام نے مجھے بنایا اور میں نے اس کا جواب لکھا بھی جسے خطیب الاسلام نے ''تصحیح العقائد بابطال شواہد الشاہد'' کے نام سے چھپوایا یہ میری طبع ہونے والی سب سے پہلی کتاب ہے۔ (السراج: خطیب الاسلام نمبر: ص، ۴۷۷، ۴۷۸)

مولانا رئیس ندوی مرحوم کی علمی وقلمی صلاحیتوں کا بین ثبوت خطیب الاسلام جھنڈانگری مرحوم سے آپ کے وہ علمی روابط بھی ہیں جنہیں حضرت مولانا رئیس ندوی نے خود رقم کیا ہے ایک طرف جہاں آپ نے جھنڈانگری کی تحریروں اور تقریروں سے استفادہ کیا وہیں جھنڈانگری مرحوم نے آپ کی علمی وتحریری صلاحیتوں کو دیکھ کر اپنی بعض تصانیف نظر ثانی اور اصلاح کے لئے بھی دیں۔ مولانا رقمطراز ہیں: ''میں نے خطیب الاسلام کی تصنیفی وتحریری عبارتوں کا بالاستقصاء مطالعہ کیا اور مکرر سہ کرر مجھے ان کی تحریری عبارتوں کی بدولت تحقیقی ذوق اور اردو عبارت نویسی میں سلاست پیدا کرنے کی صلاحیت آئی۔ ان کی تقریروں اور خطبات سے تقریر وخطبات کی زیادہ سے زیادہ آرائش وزیبائش کا سلیقہ آیا اور میں نے ان کے علوم سے کافی انتفاع کیا، اپنی بعض تصانیف مجھے نظر ثانی واصلاح کے لئے دیں میں نظر ثانی واصلاح کیا کرتا اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے قبل ازیں اپنے علوم میں اضافہ کرتا رہا اور ان کی کتابوں کو دیکھ کر تصنیف وتالیف کا داعیہ میرے اندر پیدا ہوتا رہا'' (السراج خطیب الاسلام نمبر: ص، ۴۷۸)

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں دوران تدریس آپ نے اپنا علمی وتحریری ذوق برقرار رکھا اور بدعات کا پوسٹ مارٹم کرنے کے لئے اپنے قلم کو رواں دواں رکھا چنانچہ کتاب ''خلافت معاویہ ویزید وتحقیق مزید'' نامی محمود عباس کی تصنیف کا رد بھی تحریر کیا جس پر اہل علم

اور اصحاب فکر ونظر نے آپ کی حوصلہ افزائی وستائش کی۔ آپ رقمطراز ہیں: ''میری تیسری تصنیف محمود عباس کی کتاب خلافت معاویہ ویزید وتحقیق مزید کے رد پر بنام ''قول سدید بجواب محبان یزید'' کی اقساط مطبوع پندرہ روزہ الہدی دربھنگہ میں دیکھ کر حضرت خطیب الاسلام نے مجھے اپنی حوصلہ افزا باتوں سے نوازا'' (السراج خطیب الاسلام نمبر: ص ۴۷۸)

تصانیف وتالیفات:

آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد بالضبط ابھی معلوم نہ ہوسکی ہیں کیونکہ کئی کتابیں ابھی زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکی ہیں اور کچھ کتابیں زیر تالیف بھی تھیں۔ ذیل میں چند کتابوں کے نام دیئے جارہے ہیں جو مطبوع یا مشہور قلمی ہیں:

(۱) ترجمہ قرآن مکمل (اردو) (۲) اللمحات الی مافی انوار الباری من الظلمات (۵ جلدوں میں) (۳) تنویر الآفاق فی مسئلۃ الطلاق (۴) نفقۂ مطلقہ (۵) تصحیح العقائد بابطال شواہد الشاہد (۶) غایۃ التحقیق فی تفصیۃ ایام التشریق (۷) اسلام میں نماز جمعہ کا حکم (۸) بدعات اوران کا شرعی پوسٹ مارٹم (۹) رسول اکرم کا صحیح طریقۂ نماز (۱۰) تاریخ یہود (۴ جلدوں میں) قلمی (۱۱) معاشرہ کی مہلک بیماریاں (۱۲) تحویل قبلہ نبی آخر الزماں فی رد مصنف تفسیر مفتاح القرآن (اردو) (۱۳) سیرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ (۱۴) سیرت آدم علیہ السلام (۱۵) اولاد حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ (۱۶) سیرت علامہ نذیر احمد املوی رحمانی (۱۷) قصہ ایام قربانی کا (۱۸) رکعات تراویح (۱۹) علوی مالکی سے دو باتیں (۲۰) دیوبندی سنت تحفظ کانفرنس پر سلفی تحقیقی جائزہ (۲۱) مفقود الخبر شوہر کا شرعی حکم (۲۲) صحت نکاح کے لئے ولی اور کفو کی شرط (۲۳) تاریخ اہل حدیث قلمی (پہلی جلد ایک ہزار صفحات سے زیادہ) (۲۴) کتاب العقیقہ (۲۵) خطبات نغمہ حدیث جامعہ محمدیہ مالیگاؤں (۲۶) قول سدید بجواب محبان یزید قلمی (صفحات ۷۰۰) (۲۷) سیرت ابن حزم۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں دوران طالب علمی رئیس الاحرار سے ایک اہم ملاقات:

غالباً ۱۹۸۸ء کا زمانہ تھا میں معہد التعلیم الاسلامی دہلی سے متوسطہ درجات پاس کرنے کے بعد اپنی علمی پیاس کو بجھانے کے لئے جامعہ سلفیہ بنارس آگیا۔ الحمدللہ جامعہ کے سخت ترین امتحان داخلہ میں میرا نام میرٹ لسٹ میں آگیا اور میرا داخلہ بآسانی منظور ہوگیا۔ رحمانیہ میں تعلیم کے بعد جب جامعہ سلفیہ بنارس میں داخل ہوا تو وہاں رئیس الاحرار ندوی سے ملاقات اور شاگردی نیز فیض یابی کا موقع ملتا نظر آیا۔ مختلف کتابوں کی تدریس کے دوران آپ کے علمی وقلمی صلاحیتوں کے بحر ذخار سے استفادہ کا بھی موقع ملا میری قسمت نے وفا نہ کی اور عالمیت سال آخر ہی میں جامعہ اسلامیہ مدینہ سے منظوری کا شرف حاصل ہوگیا۔ بہر صورت ندوی صاحب مرحوم سے ایک بار اتفاقاً گھر واپس آنے کے بعد اپنے والد بزرگوار کے تذکرہ کرنے کی وجہ سے ایک اہم ملاقات کا موقع ہاتھ آگیا۔ قصہ یوں کہ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۳ء میں جب مولانا مرحوم جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے اور مولانا ابوالعرفان محمد عمر سلفی (سابق شیخ الجامعہ بونڈیہار) بھی آپ کے رفیق کار تھے۔ یہ دونوں بزرگان دین برابر میرے والد محترم سے گھرے مراسم کی وجہ سے ہمارے گھر اکثر وبیشتر قدم رنجہ ہوتے۔ والد محترم بھرپور خدمت کا شرف لیتے اور دعاؤں کی درخواست

کرتے۔ایک بار چائے نوشی کے دوران غالباً چائے کا گرم برتن کسی وجہ سے مولانا مرحوم کے ہاتھوں پر اچانک گر گیا جس کی وجہ سے آپ کو کافی دنوں تک تکلیف لاحق تھی اور یہ واقعہ ایک یادگاری واقعہ بن گیا۔میرے والد محترم نے جب کسی شناسا سے سنا کہ مولانا محمد رئیس ندوی اب جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں تو آپ نے مجھ ناچیز کے واسطے پیغام سلام بھیجا اور ہنس کر کہا کہ اگر نہیں پہچانیں گے تو چائے کا واقعہ ذکر کرنا شاید کہ پہچان لیں گے۔میں والد محترم کا سلام کہنے مولانا مرحوم کے قیام گاہ پہنچا اجازت طلب کی اور آپ سے خیریت دریافت کرنے کے بعد اپنے گاؤں اور والد صاحب کا تعارف کروایا۔صرف ایک معمولی ذکر پر آپ اپنی قوت حافظہ سے ساری قدیم یادیں دھرانے لگے اور چائے کا واقعہ خود بیان کرنے لگے۔اور پھر جامعہ سراالعلوم جھنڈانگر نیپال میں اپنی تدریسی خدمات،مرحوم جھنڈانگری کی کرم فرمائیاں اور میرے والد محترم سے مخلصانہ روابط اور گہرے مراسم کا ذکر کرتے کرتے کافی وقت نکل گیا۔ مجھے بھی نصیحت کی،عزم وہمت اختیار کرنے کی ترغیب دی اور صرف تعلیم میں انہماک اور خارجی مطالعہ میں مشغولیت پر زور دیا اور ڈھیر ساری دعائیں عطا کیں۔دوران ملاقات میں اپنی نگاہیں مرحوم کے تحقیقی کار اور جذبہ مطالعہ ومذاکرہ پر دوڑاتا رہا مولانا بات کرتے رہے اور کتابوں کے ورق بھی الٹتے رہے۔

بعض کتابیں مجھ سے بھی اٹھانے کے لئے کہا۔چاروں طرف کتابوں کے جھرمٹ میں بیٹھے اپنے کام میں مشغول دنیا ومافیہا سے بے رغبت ہو کر تحقیق،وتدقیق،تدوین وتالیف میں منہمک کبھی بخاری ومسلم کی ورق گردانی تو کبھی صحاح ستہ کے مختلف سنن اور جوامع کی طرف رجوع کبھی شروحات حدیث کو کھولنے اور مطالعہ کرنے کا منظر تو کبھی فقہی کتابوں سے استئناس ومراجعہ،ایسا محسوس ہوا جیسے کہ مولانا مرحوم کوئی موبائل لائبریری ہیں حوالہ جات صفحہ نمبر کے ساتھ یادداشت میں محفوظ صفحات در صفحات لکھے جارہے ہیں۔سیاہی پر سیاہی ختم ہورہی ہے۔میں یہ منظر دیکھتا رہا اور حیرانی وتعجب سے اپنے استاد محترم مرحوم ندوی کو سوچتا رہا اور آج بھی یہ منظر سوچ کر وہی کیفیت جسم وقلب پر طاری ہے۔

خدا رحمت کند اپنی عاشقان پاک طینت را

دعوتی جمود کی ایک جھلک: علم دین سے وابستہ طلباء وعلماء کا سب سے اہم مشن دعوت دین ہے اور یہی وہ بنیادی نقطہ ہے جو ایک انسان کی زندگی میں تبدیلی لانے،بگڑے ہوئے سماج ومعاشرہ کو سدھارنے اور بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے جانے کا ذریعہ اور راستہ بنتا ہے۔دعوت الی اللہ ایک انبیائی مشن ہے اور علماء وارثین انبیاء ورسل ہیں چنانچہ اپنی بھرپور علمی صلاحیتوں سے دعوت دین کا کام کرنے اور انبیائی مشن کو زندہ رکھنے کے لئے مولانا رئیس مرحوم نے بھی اپنی توانائیاں صرف کیں۔خطبات جمعہ سے لے کر وعظ ونصیحت اور دروس وغیرہ کے پروگرام جاری وساری رہے،اگرچہ آپ کسی اسٹیج اور جلسے وجلوس کے عادی نہ تھے لیکن قدرت نے آپ کی زبان وقلم سے بیشتر کو فائدہ پہنچایا۔ابتدائے زمانہ تدریس سے ہی آپ کو دعوتی لگاؤ تھا اور اصلاح وارشاد کے لئے جھنڈانگر نیپال میں تدریس کے وقت گاؤں اور چھوٹی چھوٹی بستیوں میں خطبہ جمعہ کیلئے جایا کرتے تھے۔مولانا مرحوم نے جھنڈانگری کی یادداشت میں اس سلسلے میں خود تحریر فرمایا ہے لکھتے ہیں کہ ”درسی کتابوں کے علاوہ خطیب الاسلامؒ نے مجھے بعد نماز فجر مدرسہ سراج العلوم کی جامع مسجد

میں درس قرآن دینے نیز کبھی کبھار خطبہ جمعہ دینے کا بھی حکم فرمایا۔ میرے درس قرآن میں حضرت خطیب الاسلام بالالتزام موجود رہتے اور ازراہ ذرہ نوازی حوصلہ افزائی والے الفاظ اپنے بعض خطبات جمعہ تک میں کرتے''۔(السراج خطیب الاسلام نمبر،ص ۴۷۷)

دوران طالب علمی جامعہ سلفیہ بنارس کی عظیم الشان جامع مسجد میں میں نے خود مولانا کے متعدد خطبات جمعہ کو سنا اور یاد کیا ہے جس موضوع پر لب کشا ہوتے اس کے مالہ وماعلیہ اور استدلال واستشہاد، اعتراضات وجوابات کا سمندر بن جاتے اور یہی علماء سلف کی شان اور اہل علم کی پہچان رہی ہے۔

خطیب الاسلام جھنڈانگری سے دیرینہ روابط: خطیب الاسلام جھنڈانگری مرحوم کی شخصیت بے مثال سے کون واقف نہیں مخلصانہ جذبات، ہمدردانہ رویہ، انسانیت نوازی کا شوق، علماء وطلبا اور اہل خرد کا ہمدرد وبہی خواہ ہمیشہ دینی لگن، سراج العلوم کی ترقی کا جذبہ اور بالکل مشینی زندگی کے ہمراہی ایک بے لوث خادم ملک وملت، جب ۱۹۶۲ء میں مولانا رئیس ندوی مرحوم سراج العلوم جھنڈا نگر میں بحیثیت مدرس مقرر ہوئے تو جھنڈانگری مرحوم سے اپنی علمی دوستی اور قدردانی کا بے حد ثبوت دیا نہ صرف یہ کہ جھنڈانگر کے زمانہ تدریس میں اس علم دوستی کو نبھاتے رہے بلکہ تادم زیست مولانا رئیس ندوی مرحوم کے ساتھ آپ کا مشفقانہ اور مخلصانہ کردار قائم رہا جب آپ جھنڈانگر سے دربھنگہ احمدیہ سلفیہ چلے گئے اور وہاں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے تو جھنڈانگری مرحوم سے بار بار ملاقات اور علمی تبادلہ اور اپنی تصنیفی کاوشوں پر حوصلہ افزا کلمات سنتے رہے۔ جامعہ سلفیہ بنارس میں دوران تدریس بھی جھنڈانگری سے دیرینہ روابط برقرار رہے۔ بلکہ یوں کہہ لیجئے کہ جھنڈانگری مرحوم قلمکار جماعت رئیس ندوی مرحوم کے لئے مسیحا کا کام کیا کرتے تھے۔ دامے، درمے، سخنے ہر طرح سے معاونت جاری رہتی، نقد امداد کی بھی ضرورت پیش آتی تو بصد خلوص عطا کرتے قرضہ جات کی حاجت آپڑتی تو پیشانی پر سلوٹیں نہ پڑتیں۔ جھنڈانگری مرحوم سے اتنے دیرینہ روابط کے سلسلے میں خود ندوی مرحوم رقمطراز ہیں: ''جب میرے پہلے نرینہ لڑکے کا انتقال صرف دوڈھائی سالہ عمر میں ہوگیا تو حضرت خطیب الاسلام دس بارہ افراد کے ساتھ دشوار گزار راستہ طے کرکے میرے غریب خانہ پر تشریف لائے مجھے بھی تسلی دی، اظہار ہمدردی وغم گساری کیا اور میرے سوگوار والدین واہلیہ کے لئے کلمات خیر کہے اور میرے لئے نعم البدل ملنے کی دعائیں کیں۔ مجھے جہاں خطیب الاسلام کی اس جم غفیر سے اپنے غریب خانہ پر قدوم میمنت لزوم سے غیر معمولی خوشی وفرحت ہوئی وہاں دوسری طرف حیرت بے انتہاء بھی ہوئی کیونکہ میں نے کسی مدرسہ کے ناظم اعلیٰ اور اتنے بڑے علوم کے بحر ناپیدا کنار اور دنیاوی مال ومنال وریاست وسیادت والے ناظم اعلیٰ کیا معنی؟ کسی رکن کو بھی اس طرح کی خبر گیری کرنے والا آج تک نہیں دیکھا۔ میری تدریسی وتصنیفی خدمات کا زمانہ چالیس سال کی طویل مدت پر پھیلا ہوا ہے مگر کسی ذمہ دار ادارہ تعلیمی نے مجھ پر ایسی شفقت ومہربانی واشک سوئی وہمدردی وغم گساری کرنے کو گوارہ نہیں کیا۔ اپنی ناگفتہ بہ ہارٹ کی حالت میں کسمپرسی وبے کسی وبے سروسامانی میں حضرت خطیب الاسلام بہت یاد آیا کرتے ہیں''(السراج خطیب الاسلام نمبر،ص:۴۸۰)

الغرض جھنڈانگری مرحوم سے مولانا کے روابط بے حد خوشگوار اور عمدہ تھے اور جھنڈانگری مرحوم ہمیشہ مولانا کے ساتھ ہمدردانہ رویہ قائم رکھتے، پریشانی اور مالی مصیبت میں آپ کی اعانت قرضہ اور ہدیہ کی شکل میں جاری رہتی۔ مولانا ندوی مرحوم رقمطراز ہیں ''میری

نہایت کھٹن گھڑیوں خصوصاً مالی پریشانی کی حالت میں جب ہر طرف سے راستے مسدود نظر آتے تو بھاری بھاری قرضے پچاس ہزار وچالیس ہزار روپیوں سے طویل المیعاد ادائیگی والے دیتے رہے اور ادائیگی کے موقع پر اچھی خاصی رقوم مجھے یہ کہہ کر واپس کر دیا کرتے تھے کہ تم میری بعض کتابوں کی طرف سے بریلویہ کا رد لکھ کر میرا دفاع کرتے رہے ہو میں تمہارے ان کاموں کی قدر کرتے ہوئے یہ رقوم تمہیں بطور عطیہ وھبہ وبطور تشجیع دے رہا ہوں۔ بالکل اواخر زندگی میں موصوف خطیب الاسلام نے میری مطبوع کتاب تصحیح العقائد باضافات جدیدۃ کثیرۃ کی طباعت واشاعت میں بھاری تعاون کیا'' (السراج خطیب الاسلام نمبر:۴۷۹)

رئیس الاحرار کا حقیقت پسندانہ کرب والم کا اظہار:

انسان جس ماحول میں زندگی گزارتا ہے اسے وہاں کے نشیب وفراز اور زیر وبم سے اچھی طرح واقفیت ہوتی ہے۔ایک بے کس وبے سہارا کے لئے تنکے کا سہارا کافی ہوتا ہے اور ایک پریشان حال کے لئے اشک سوئی وغم گساری کے چند الفاظ ہی کافی ہیں۔آج کی دنیا اتنی بے مروت اور بے درد ہو چکی ہے کہ بے سہاروں کو کوئی سہارا دینے پر آمادہ نہیں، خیر یہ تو عام بات ہے ارباب مدارس وذمہ داران ادارہ جات تعلیمی بھی اس سلسلہ میں اکثر وبیشتر کسی طرح سے کھرے نہیں ثابت ہوتے۔علماء کی قدردانی اہل علم کی حوصلہ افزائی اور علم دوستوں کی تشجیع اور اعانت سے آج ہمارے تعلیمی ادارے، مدارس اور جامعات بھی کوسوں دور ہوتے جارہے ہیں۔اسی طرح کے کچھ احساسات کا اظہار مرحوم ندویؒ نے انتہائی کرب والم اور رنج وغم سے کیا ہے۔لکھتے ہیں ''میں نے کسی مدرسہ کے ناظم اعلیٰ کیا کسی رکن کو بھی اس طرح کی خبر گیری کرنے والا آج تک نہیں دیکھا، میری تدریس وتصنیفی خدمات کا زمانہ چالیس سال کی مدت تک پھیلا ہوا ہے مگر کسی ذمہ دار ادارہ تعلیمی نے مجھ پر ایسی شفقت واشک سوئی وہمدردی وغم گساری کو گوارہ نہیں کیا۔اپنی ناگفتہ بہ ہارٹ اٹیک کی حالت میں کسمپرسی وبے کسی وبے سروسامانی میں حضرت خطیب الاسلامؒ (جھنڈانگری) بہت یاد آیا کرتے تھے، افسوس کہ میں گوشہ خمول میں تنہائی اور بے اعتنائی کا شکار رہ کر انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزار رہا ہوں، اس دنیا سے رفتہ رفتہ دردمند دل رکھنے والوں اور پریشان حالوں کی اشک سوئی کرنے والوں اور تسکین دینے والوں کا دار فانی سے دار جاودانی میں انتقال ہوتا جارہا ہے اب تو ضرورت شدیدہ پر دو چار اور پانچ ہزار روپیوں کا قرض مانگنے پر بلند اقبال دولت مندوں اور اونچے مناصب پر فائز لوگوں کے ماتھوں یا یوں کہہ لیجئے کہ جبین نازنین پر عجیب قسم کی سلوٹیں نظر آنے لگتی ہیں جن کے وجہ سے دل کی بات زبان پر پوری طرح لانے کی ہمت نہیں ہوتی۔بڑے لوگ پریشان حال لوگوں کے ساتھ بے حد بے اعتنائی، بے التفاتی میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔ان سوگواروں پر نظر رحمت ڈالنی اپنی شان بلند کے لئے نامناسب جانتے ہیں، معلوم نہیں کہ یہ کس قسم کے بڑے لوگ اور اونچے مناصب والے لوگ ہیں جو غریبوں سے بات بھی کرنے کے روادار نہیں۔دنیا کی یہ رفتار، یہ رنگت اور یہ حالت دیکھ کر بڑی شدت سے احساس ہوتا ہے کہ قیامت قریب سے قریب تر ہوتی جارہی ہے اور قیامت کو قریب سے قریب ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی لوگوں میں کسی قسم کا خوشگوار اثر نہیں ظاہر ہوتا، لوگ مسلمانوں کی بدحالی کا رونا بہت روتے ہیں مگر اپنی بدحالی وبداخلاقی وغلط روی وبیجا پالیسی پر ذرہ برابر بھی نظر ڈالنے کے روادار نہیں ہوتے کیا نظام عالم میں اس طرح کے کردار اور اطوار ورہن سہن سے کوئی اچھی صورت ظاہر ہو سکتی ہے؟''

اولاد واحفاد: مولانا مرحوم کی ازدواجی زندگی کے متعلق زیادہ معلومات نہیں ہیں البتہ یہ بات معلوم ہے کہ آپ نے انتہائی خوشگوار زندگی گزاری ہے اور پیش آمدہ مصائب ومحن کا ڈٹ کر صبر واستقامت اور استقلال وشکیبائی سے مقابلہ کیا ہے۔ اور ہر طرح کی مشکل گھڑیوں میں رضا بالقدر کو اپنی حرز جاں بنایا ہے اور یہی علماء اور داعیان حق کی شان وپہچان ہے۔ آپ کی دو شادیاں ہوئیں پہلی بیوی سے صرف ایک بچی ہے جو فضیلۃ الشیخ محمد اسماعیل مدنی کے زیر نکاح ہے جن کے سات لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ دوسری بیوی سے پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے، جس کا نام عبدالحق ہے۔ (محمد مستقیم سلفی، نوائے اسلام دہلی جون ۲۰۰۹ء ص: ۴۴)

وفات: عرصہ دراز سے مولانا کی طبیعت ناساز تھی اور تقریباً دو ڈھائی سال سے مرض کی شدت اور بڑھاپے کی ضعف ونقاہت کی وجہ سے صاحب فراش بھی ہو گئے تھے اس پیرانہ سالی اور بیماری کے عالم میں بھی آپ نے اپنا تصنیفی وتالیفی سفر جاری رکھا اور کچھ کام اللہ تعالیٰ کی توفیق ومدد سے کر گئے جو ابھی قلمی نسخوں کی شکل میں موجود ہے۔

اچانک ایک دن بیماری بڑھتی گئی اور ۸ر مئی ۲۰۰۹ء کو تنفس کا شدید عارضہ لاحق ہوا، دوا علاج کے لئے ہاسپٹل میں داخل کئے گئے مگر قدرت ومشیت الٰہی کو کچھ اور ہی منظور تھا بالکل افاقہ نہ ہوا اور ۹ر مئی ۲۰۰۹ء کو دن بھر تنفس کی اذیتوں کو برداشت کرتے کرتے بالآخر رات گیارہ بجے لگ بھگ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

وفات کی تاریخ: ۹ر مئی ۲۰۰۹ء، ۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ بروز سنیچر بوقت شام رات گیارہ بجے۔

تدفین وتعزیت: مذکورہ تاریخ میں آپ کا انتقال رات گیارہ بجے بنارس میں ہوا جہاں سے کچھ ہی لمحوں میں تقریباً ڈھائی بجے آپ کے جنازہ کو بذریعہ ایمبولینس آپ کے آبائی وطن بھٹیا بانسی سدھارتھ نگر لایا گیا۔ علماء کے ایک پر ہجوم تعداد کی سوگواری وتعزیت میں جامعہ سلفیہ کے ایک بزرگ استاد مولانا محمد مستقیم سلفی سابق شیخ الجامعہ بنارس نے نماز جنازہ پڑھائی اور پرنم آنکھوں سے متعدد کتابوں کے مصنف رئیس المصنفین ورئیس الاحرار کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مراجع ومصادر:

(۱) تراجم علمائے حدیث/خالد حنیف صدیقی: ۱/۳۹۶، ۳۹۸)
(۲) ماہنامہ نوائے اسلام/جون ۲۰۰۹ء مولانا محمد مستقیم سلفی: ص، ۴۲، ۴۴)
(۳) ماہنامہ السراج خطیب الاسلام نمبر، مئی تا اکتوبر ۲۰۰۰ء ص: ۴۷۶۔۴۸۱)
(۴) جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات، محمد مستقیم سلفی استاد جامعہ سلفیہ بنارس۔

□□□

علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ: تدریسی خصوصیات وکمالات

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

یہ بات ماہرین فن تعلیم وتربیت، منتظمین مدارس وجامعات اور علم نفسیات سے شغف رکھنے والوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ تدریس کا فن ایک امانت ہے اور تمام علوم وفنون میں یہ انتہائی پیچیدہ، پرخطر اور وسیع وعریض فن ہے۔ فن تدریس دراصل مطلوبہ فن کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرنے اور متعلمین ودارسین کے ذہن ودماغ میں اسے راسخ کرنے کا نام ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ ایک مدرس اور معلم سے اس میدان میں خون جگر بہانے کا مطالبہ کرتی ہے تو جائز ہوگا۔ فن تدریس سرچشمۂ علم وعرفان کا وہ فیض بے بہا ہے جو دل ودماغ کی گہرائیوں میں جاکر اپنا مسکن بناتا ہے اور علم ومطالعہ کے موج بیکراں اور تلاطم خیز سمندر سے بیش بہا موتیوں کو نکال کر طلباء ودارسین کے فکر وشعور کے خانوں میں سجاتا ہے اور سنوارتا ہے۔

ایک معلم ومدرس جب تک متعلم وطالب علم کے ذہن وفکر میں انقلاب نہ پیدا کردے اور اپنے معلومات کے بیش بہا خزانے سے خالی جگہوں کو نہ بھردے اس وقت تک معلم کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ غزارت علم وسعت مطالعہ اور متعلقہ فنون پر دسترس وکمال، مالہ وماعلیہ کی گہری معلومات، متعارض نظریات اور ان کے دلائل ومسائل کا بھرپور علم۔ اعتراضات وشکوک وشبہات کے جملہ پہلوؤں پر نگاہ، فن کی باریکیوں سے واقفیت، دقت نظر وسعت علم اور تیز دماغ، بیدار مغز اور قلب سلیم ایک معلم کہ وہ اوصاف ہیں جو اگر کسی معلم میں بدرجہ اتم پائے جائیں تو اسے معلم حقیقی کا خطاب دیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ اوصاف وخصوصیات کے پیش نظر جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام اوصاف وخصوصیات استاذ الاساتذہ، فخر جماعت، نازش ملت رئیس المصنفین ورئیس المدرسین علامہ محمد رئیس ندویؒ کی شخصیت میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔

جامعہ سلفیہ بنارس کے فیض یافتہ طلباء واساتذہ، علماء واساطین علم فن سبھی اس بات کے شاہد وگواہ ہیں کہ علامہ محمد رئیس ندویؒ کی شخصیت تدریسی وتعلیمی اعتبار سے جامع الصفات تھی۔ علوم دینیہ کے مختلف گوشوں سے لے کر علوم عقلیہ، تاریخ وسیرت، فن اسماء الرجال اور علم جرح وتعدیل پر ید طولیٰ کے مالک تھے۔ فقہی مذاہب ومسالک کا میدان وسیع ہو یا اصول وفقہ وتاریخ تشریع اسلامی کی خاردار وادیاں، فن عقیدہ کے پر پیچ مباحث ہوں یا الہیات وصفات کے پرخطر علمی ابواب، جدول ومناظرہ ہو یا بحث ومباحثہ، فن حدیث اور مصادر سنت رسول اکرم ﷺ کا چمنستان خوش رنگ ہو یا جرح وتعدیل، تاریخ اسماء الرجال والرواۃ کا وسیع علمی ذخیرہ، تفسیر واصول تفسیر ہو یا علم بلاغت اور علوم نحویہ اور قواعد عربیہ کا بحر بیکراں ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے کہ ہر فن میں توفیق الٰہی آپ کی مکمل حلیف اور معاون رہی ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ علامہ محمد رئیس ندویؒ فن تدریس کے اعلیٰ مقام پر فائز رہنے کے ساتھ

ایک مثالی مدرس اور جامع الصفات معلم تھے۔

ذیل میں معلم ومدرس کے ان خصوصیات وکمالات کی روشنی میں ہم جائزہ لیں گے کہ یہ تمام خصوصیات ندوی مرحوم کی شخصیت میں بدرجہ اتم موجود تھیں یا نہیں؟

۱۔غزارت علم اور وسعت مطالعہ:

کسی بھی مدرس اور معلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے زیر تدریس فن اور اس سے متعلق دیگر علوم پر کامل دسترس رکھے، مطلوبہ فن کی باریکیاں، اس کے پیچیدہ مسائل اور دلائل پر اس کی گہری نگاہ ہو۔ اس فن پر لکھی گئی علمی وتحقیقی قدیم وجدید کتابوں نیز شروحات وحواشی پر اس کا مطالعہ بے حد وسیع ہوتا کہ وہ اپنے طلباء کو مکمل طور پر مطمئن کر سکے اور ان کے ذہن ودماغ میں مدروسہ فن کی باریکیوں کو راسخ کر سکے۔

علامہ محمد رئیس ندویؒ کی تدریسی صلاحیتوں کا جب ہم مذکورہ پہلوؤں سے جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے تدریس فن پر بالکل عبور حاصل تھا۔ مالہ وماعلیہ اور جملہ اعتراضات، شکوک وشبہات پر گہری نظر ہوتی تھی اور کبھی کبھی تو آپ اس فن کی گہرائیوں میں ڈوب کر علم وعرفان کے دریا بہاتے تھے۔ بسا اوقات طلباء جان بوجھ کر جب کسی مختلف فیہ مسئلہ میں مخالفین کے بعض مسائل اور ان کے دلائل کے قوی ہونے کا اندیشہ ظاہر کرتے۔ پھر تو ندوی مرحوم کا بحر علم وعرفان موجزن ہو جاتا اور پورے وثوق اور فنی کمال کے ساتھ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث میں ڈوب جاتے۔ مخالفین کے دلائل اور ان کے مسائل کا یکے بعد دیگرے علمی وتحقیقی انداز میں رد کرتے اور صحیح وراجح قول کو دلائل صحیحہ اور احادیث وآثار سے ثابت کرتے۔ اگر حدیث کی بات ہوتی تو من حیث القبول والرد، حدیث کی اسنادی حیثیت، سلسلہ رجال سند اور ان کے اوصاف قبول وعدم قبول کو بھی بحث میں شامل کرتے اور اگر معاملہ تفسیر کا ہوتا تو علماء مفسرین بالخصوص صحابہ وتابعین کے حوالوں سے آیت کی تشریح کرتے اور ناقدین اور معترضین ومخالفین کا لغوی وصرفی بحث ومباحثہ کے ذریعہ مکمل طور پر قلع قمع کر دیتے۔ غرضیکہ بنیادی طور پر ایک معلم کے لئے تدریس وتعلیم کی خاطر جس علمی گہرائی، وسعت معلومات اور غزارت علم کی ضرورت ہوتی ہے ندویؒ اس کے پورے پورے مصداق تھے اور مذکورہ بنیادی خصوصیت کے مکمل طور پر مالک تھے۔

۲۔زبان وبیان کی شیفتگی وعمدگی:

ایک معلم کے لئے زبان تدریس میں مہارت، من حیث اللغۃ ان کی نزاکتوں، فصاحتوں اور بلاغتوں پر عبور، الفاظ وتراکیب کے مختلف استعمالات سے واقفیت بے حد ضروری ہے۔ فنی اعتبار سے زبان دانی کے لئے اس کے قواعد واصول، سلیقۂ ادب، اسلوب کلام، طرز ادائیگی اور زبان وبیان کی عمدگی وشیفتگی کے علاوہ فصاحت وبلاغت اور واضح گفتگو کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ علامہ ندویؒ کی گوناگوں خصوصیات کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عربی، اردو، فارسی ہر زبان پر آپ کو

قدرت اور دسترس حاصل تھی۔ اردو زبان میں تو آپ کی فصاحتوں کے چرچے طلباء کی زبان پر رہا کرتے اور بسا اوقات بعض نادر الاستعمال کلمات وتراکیب بطور نمونہ اپنے ذہن ودماغ میں محفوظ رکھتے اور اس کے چرچے اور تذکرے ہوا کرتے تھے۔ زبان میں عمدگی اور شیفتگی، بولنے میں فصاحت وبلاغت آواز میں گھن گرج، طرز تکلم اور اسلوب کلام میں بالکل جدت اور ندرت پائی جاتی تھی۔ آپ کی اپنی ایک مخصوص اسٹائل ہوتی تھی اور ایک علیحدہ طرز واسلوب بیان کہ بسا اوقات طلباء کے چہرہ پر مسکراہٹ کی لکیریں نمودار ہوجاتیں اور کبھی کبھار تو محفل قہقہہ زار ہوجاتی۔ متن قرآن وحدیث کے مناسب ترجمے سے لے کر اس کی تشریح وتوضیح تک انتہائی آسان اور سلیس زبان میں ہوتی، مسائل پر گفتگو، شکوک وشبہات کا ازالہ، فن کی باریکیوں کے متعلق معلومات فراہمی پر اگر غور کیا جائے تو ہر ایک معاملہ میں ندوی مرحوم صاحبؒ ایک سلیقہ مند زبان وبیان، عمدہ گفتگو، جامع تبصرہ، واضح اسلوب، سمجھ میں آنے والی طرز وادا کے مالک تھے۔ اور یہ معلم کی وہ بنیادی خصوصیت ہے جو اسے میدان تدریس میں اپنے جوہر دکھانے کے لئے ایک ضروری اور اہم سبب ہے۔ کتنے ایسے مدرسین ہیں جو علم ووسعت مطالعہ کے باوجود طلباء اور شاگردوں کے ذہنوں کو زبان وبیان اور اسلوب ادا میں نقص وکمی کی خاطر مطمئن کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ نہ تو معلومات کی ترتیب ہے اور نہ ہی زبان وبیان کی قدرت وسلاست کہ اپنے مافی الضمیر کو طلباء کے سامنے وضاحت وفصاحت کے ساتھ پیش کرسکیں۔ یہ ہنر اور سلیقہ ہے جو فطری طور پر ہر کسی کو نہیں ملتا۔ علامہ ندوی رحمہ اللہ پر اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان تھا کہ ان میں یہ خوبی بدرجہ اکمل پائی جاتی تھی اور فطری طور پر زبان وبیان کی قدرت آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل تھی۔ ندوہ کے ایک سفر میں بعض ندوی رفقاء اور احباب نے جب علامہ رئیس ندوی مرحوم سے لسانی طور پر کچھ چھیڑ چھاڑ کی تو آپ نے ایسے مسکت اور فصیح جوابات دیئے کہ پھر کسی کو آپ سے دوبارہ اس طرح گفتگو کی ہمت نہ ہوئی۔ الغرض زبان میں مہارت، طرز ادائیگی اور عمدگی وشیفتگی فطرتاً علامہ رئیس ندوی مرحوم میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے تدریس وتعلیم کے میدان میں آپ کو ایک عظیم مقام ومنصب حاصل ہوا اور تادم حیات یہ شرف وفضل آپ کی زندگی کا ساتھ دیتی رہی۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔

۳۔ حاضر جوابی واستحضار معلومات:

ایک معلم کی بنیادی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ وہ حاضر جواب ہو، طلباء ومتعلمین کی طرف سے آنے والے اعتراضات وشکوک وشبہات، دوران تدریس کسی طرح کی کوئی غلط فہمی اشکال واعلال پیش ہو تو فوراً مسئلہ کی نزاکت سمجھے اور اپنی قوت فیصلہ اور استحضار معلومات کو کام میں لائے اور فی الفور اس کا معقول ومسکت جواب دے تاکہ شکوک وشبہات کے تمام چور دروازے بند ہوجائیں اور ذہنوں میں معلومات راسخ ہوجائیں اور ہر طرح کے اشکال واعلال کا ازالہ ہوجائے۔

بحمد اللہ یہ خوبی علامہ محمد رئیس ندویؒ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ نہ صرف یہ کہ وسعت مطالعہ، غزارت علم اور

زبان وبیان کی فصاحتوں کے دھنی تھے بلکہ ہر وقت سامعین وطلباء کی طرف سے آنے والے شکوک وشبہات اور اعتراضات واشکالات کا فوراً جواب دیتے اور نہ صرف یہ کہ جواب میں معقولیت ہوتی بلکہ علمی بنیادوں پر آپ کے یہ جوابات مدلل اور مبرھن ہوا کرتے تھے۔ اور طلباء کے ذہنوں میں ہجوم کرنے والے شکوک وشبہات کے تمام چور دروازے بند ہوجاتے۔ آپ نے تو اپنی حاضر جوابی سے لکھنؤ اور بنارس کے بڑے بڑے دعویداران علم کو چاروں خانے چت کردیئے ہیں اور اپنی حاضر جوابی، فی البدیہہ گفتگو اور استحضار معلومات کا لوہا اپنوں اور غیروں سب سے منوالیا ہے۔ آپ کے حلقہ درس میں شامل رہنے والے طلباء اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کی علمی وتحقیقی تصنیفات سے بھی یہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ علامہ ندوی رحمہ اللہ مذکورہ خوبی کے پوری طرح مالک تھے۔

۴۔ مطالعہ ومذاکرہ:

ایک کامیاب مدرس کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ مطالعہ کا عادی اور شوقین ہو، زیر تدریس فن کو اس کی علمی وفنی باریکیوں کو پڑھے بغیر نہ پڑھائے۔ مالہ وماعلیہ کا مطالعہ کرے، مسند تدریس کی ایک عمدہ امتیازی صفت یہ بھی ہے کہ استاد ہر درس سے پہلے اس کا مطالعہ کرے، عبارت خوانی سے لے کر الفاظ کے معانی ومفاہیم، شروح وحواشی کے مطالعہ کے ساتھ مسائل کا مکمل ادراک اور درس کے تمام متعلقات کے سلسلے میں پوری جانکاری اور معرفت حاصل کرے تاکہ طلباء پر تعلیمی اعتبار سے مکمل کنٹرول ہو۔ ندوی مرحوم رحمہ اللہ کے مطالعہ کی کیفیتوں کو جن طلباء نے اپنی دیدۂ بینا سے کبھی آپ کے گھر میں دیکھا ہے تو انہیں یہ یاد ہوگا۔ ایک مرتبہ مجھے بھی آپ کے گھر پر مطالعہ کے اوقات میں ملاقات کا موقع حاصل ہوا۔ دوران ملاقات میں اپنی نگاہیں مرحوم کے تحقیق کار اور جذبہ مطالعہ ومذاکرہ پر دوڑاتا رہا۔ علامہ ندویؒ بات کرتے رہے اور کتابوں کی ورق گردانی بھی جاری رہی۔ بعض کتابیں مجھے بھی اٹھانے کے لئے کہا، چاروں طرف کتابوں کے جھرمٹ میں بیٹھے اپنے کام میں مشغول دنیا ومافیہا سے بے رغبت ہوکر تحقیق وتدقیق، تدوین وتالیف میں منہمک رہتے۔ کبھی بخاری ومسلم کی ورق گردانی تو کبھی صحاح ستہ کے مختلف سنن وجوامع کی طرف رجوع، کبھی شروحات حدیث کو کھولنے اور مطالعہ کرنے کا منظر تو کبھی فقہی کتابوں سے استیناس ومراجعہ، ایسا محسوس ہوا جیسے کہ مولانا مرحوم کوئی موبائل لائبریری ہیں۔ حوالہ جات صفحہ نمبر کیساتھ یادداشت میں محفوظ، صفحات در صفحات لکھے جارہے ہیں، سیاہی پر سیاہی ختم ہورہی ہے۔ میں یہ منظر دیکھتا رہا اور حیرانی وتعجب سے اپنے استاد محترم ندوی کو سوچتا رہا۔ اور آج بھی وہ منظر سوچ کر وہی کیفیت جسم وقلب پر طاری ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

۵۔ پابندیٔ وقت اور حضور درس:

باکمال مدرس کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ میدان تدریس میں جہاں بہت خوبیوں کا مالک ہو وہیں پر وقت کی پابندی،

درس میں حاضری اور استمرار بھی بے حد اہم اور ضروری ہے۔ کیونکہ طلباء اس طرح رفتہ رفتہ علم وفن کی ٹھوس بنیادوں پر آہستہ آہستہ ترقی کے منازل طے کر لیتے ہیں اور بالتدریج معلومات ان کے ذہنوں میں راسخ ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور ان کی تعلیم تکمیل کے مرحلے تک بآسانی پہنچ جاتی ہے۔ وقت کی پابندی، اسباق میں بالاستمرار حاضری، بلا کسی عذر کے درس میں مستقل اور یکسو ہو کر طلباء کے گیسوؤں کو سنوارنا ایک کامیاب معلم کی حقیقی پہچان ہے۔ ندوی مرحوم کی زندگی یوں تو گوناگوں مصروفیات کی حامل تھی بلکہ استفتاء اور افتاء جیسے اہم اور دقت طلب ذمہ داریوں سے لے کر تصنیف وتالیف وعظ ونصیحت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اگر کبھی کبھار غیر حاضر بھی رہتے تو آپ کے لئے عذر ہوتا مگر جہاں تک مجھے یاد ہے کہ الا ماشاء اللہ، ہمیشہ آپ نے وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھا ہے اور درس میں حاضری واستمرار کا اہتمام کیا ہے۔ یہ آپ کی وہ عمدہ خصوصیت ہے جو عموماً مدرس کی زندگیوں سے آج کل مفقود ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ علامہ ندوی رحمہ اللہ ہزاروں مصروفیتوں اور اشغال وانہماک کے باوجود وقت کی پابندی، درس میں حاضری اور پوری ایمانداری سے طلباء کی تدریس اور ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے عادی تھے۔

خلاصۂ کلام:

یہ تھیں وہ خصوصیات جو علامہ محمد رئیس ندویؒ کی شخصیت میں بحیثیت ایک کامل مدرس اور کامیاب معلم کے بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ دراصل علامہ رئیس ندوی رحمہ اللہ علم کے ایک بحر بیکراں اور موج نا آشنا تھے۔ قدرت نے آپ کو سیال علم وقلم عطا کیا تھا۔ زبان وتدریس پر آپ کو ملکہ تام حاصل تھا۔ استدلال کی باریکیوں اور فن کی موشگافیوں سے واقف تھے۔ استحضار معلومات اور حاضر جوابی تو آپ کی فطرت اور سرشت میں داخل تھی۔ زبان وبیان کی قدرت اور مطالعہ ومذاکرہ کی عادت، وقت کی پابندی اور درس میں حاضری اور استمرار جیسی عمدہ خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ جو آپ کو اپنے معاصر علماء اور مدرسین سے ممتاز کر دیتی ہیں۔ اور آپ کی تدریسی خصوصیات وکمالات کی واضح وبین ثبوت ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں آپ کے لئے وسیلۂ نجات اور ذخیرۂ آخرت کرے اور آپ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ **وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیرا۔**

❑❑❑

(یہ مقالہ ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کی جانب سے منعقدہ سیمینار ''علامہ محمد رئیس ندوی حیات وخدمات'' منعقدہ ۲۰۔۲۱/اپریل ۲۰۱۱ء بمقام کانفرنس ہال جامعہ خیر العلوم ڈومریا گنج سدھارتھ نگر میں پیش کیا گیا تھا۔)

شیخ الحدیث مفتی مولانا عابد حسن رحمانی رحمہ اللہ
چند یادیں چند باتیں

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی رکاندیولی ممبئی

علم وعمل کا ایک گوہر نایاب اپنی پوری تابانیوں ورعنائیوں کو لے کر عالم عقبیٰ کا راہی بن گیا، آپ کی صورت بھی قابل دید اور کردار وعمل بھی لائق نمونہ، زندگی کی ۸۵ بہاریں دیکھ کر مختلف علمی ودینی درسگاہوں کو فیض پہنچاتے پہنچاتے ہماری نگاہوں سے دور آغوش قبر کے حوالہ ہوگئے۔ میں نے مادر علمی جامعہ سلفیہ بنارس میں آپ کی شاگردی کیساتھ ساتھ آپ کے عملی زندگی، ناصحانہ ومخلصانہ طبیعت ومزاج کو قریب سے دیکھا ہے اور بہتوں نے ہم سے زیادہ بھی دیکھا ہوگا۔ صبح فجر کی نماز میں طلباء کو بیدار کرنا، کمرے کمرے جگانا اور نماز کی ادائیگی کے لئے نصیحت کرنا آج بھی یاد ہے۔ درس گاہ میں حاضر ہوتے تو ہنستے مسکراتے بچوں کو پڑھا کر اور سمجھا کر چلے جاتے اور جب درس نہ پڑھنے کا طلبا کی طرف سے کبھی اصرار ہوتا تو اپنے مخلص اسٹائل 'جون ہے کہ تون' کے تکیہ کلام اور اس کی نغمگی سے چہروں پر مسکراہٹیں بکھیر دیتے اور پھر خلاصہ نہیں خلاصۃ الخلاصہ پیش کر کے اپنی بھرپور صلاحیتوں کا لوہا منوا لیتے، سبق بھی سمجھ میں آجاتا اور پھر خلاصہ لے کر ایک عجیب علمی لذت اور چاشنی محسوس ہوتی۔ یوں تو شرارتی طلباء (جو کہ ان کا مزاج ہوتا ہے) ہمیشہ آپ کی نقالی کرتے اور 'جون ہے کہ تون' کی کاؤنٹنگ کر کے اپنے ہم سبق ساتھیوں کو سناتے مگر اتنا احترام اور ادب اور اتنا پاس ولحاظ کہ معمولی سی گستاخی بھی کوئی روا نہ سمجھتا۔ الغرض آپ کی علمی صلاحیت، ناصحانہ طبیعت اور مخلصانہ قلب ونگاہ، طلباء کی بلندیوں کے متمنی اور قول وعمل میں مطابقت کے داعی ومنادی غرضیکہ ان ساری باتوں کو دیکھ کر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ فی الحقیقت ایک علم دوست، طلباء نواز اور انتہائی مخلص اور ناصح مدرس ومربی تھے۔ فتویٰ نویسی سے لے کر علم میراث، فرائض کی تعلیم وتدریس اور خطبہ جمعہ نیز دیگر دعوتی واصلاحی سرگرمیوں میں آپ نے زندگی کی ۸۵ ربہاریں گذار دیں، مختلف مدارس وجامعات بالخصوص جامعہ سلفیہ بنارس کے در ودیوار آپ کی عظمتوں اور نیکیوں کے گواہ رہیں گے ان شاء اللہ۔ ذیل میں آپ کی حیات وسوانح سے متعلق چند یادیں چند باتیں زیب قرطاس ہیں۔

نام ونسب: عابد حسن بن حبیب اللہ بن جمائی بن کریم بخش خان۔

مقام وتاریخ پیدائش: آپ کی پیدائش ضلع گونڈہ (حال بلرام پور) کے ایک مشہور علمی وزراعتی گاؤں کنڈو بونڈیہار میں ہوئی جہاں پر دریائے راپتی کے کنارے ۱۹۰۷ء میں محدث کبیر علامہ عبدالرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی نے ایک عظیم سلفی درسگاہ جامعہ سراج العلوم کی بنیاد رکھی تھی، جو اک مینارہ علم ونور کی شکل میں اپنی سلفی کرنوں کو آج بھی بکھیرتا ہوا پورے علاقے کی نیک نامی کی ایک علامت ہے۔

یوں تو حتمی طور پر آپ کی تاریخ پیدائش کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہ ہوسکا البتہ ایک اندازے کے مطابق تقریباً ۱۹۲۴ء یعنی آزادی سے ۲۳ سال قبل آپ کی ولادت ہوئی۔ صاحب تراجم علمائے اہل حدیث نے بھی اسی تاریخ کو تحریر کیا ہے۔ (۱/۴۰۰)

خاندانی پس منظر:

بونڈیہار میں آپ کا گھرانہ ایک شریف، متدین اور علمی و دینی گھرانہ مانا جاتا ہے۔ دراصل آپ کے خاندانی مورث اعلیٰ ''جین خان'' اسلامی دور حکومت میں مسلمان ہوئے تھے اور ماقبل اسلام ٹھاکر برادری سے تعلق رکھتے تھے اور اس طرح رفتہ رفتہ قبول اسلام کے بعد زراعت وکاشتکاری میں آپ کا خاندان بے حد مشہور ہوا اور کسانی وزراعتی امور میں آپ کے خاندان کی مہارت آج بھی مسلم ہے جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کے قیام اور محدث عبدالرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی کی گاؤں میں آمد (۱۹۰۷ء) سے علاقہ وجوار اور بالخصوص بونڈیہار میں ایک علمی انقلاب آگیا جس سے مولانا عابد حسن کا گھرانہ بالخصوص آپ اور مولانا عبدالسلام رحمانی اور مولانا عزیز الرحمن خان بہادر ازہری سب سے زیادہ فیض یاب ہوئے۔ مولانا عبدالسلام رحمانی صاحب اپنی سوانح مطبوع تراجم علمائے اہل حدیث میں لکھتے ہیں کہ ''ہمارے مورث اعلیٰ (جین خان) اسلامی دور حکومت میں مسلمان ہوئے جب کہ وہ ٹھاکر برادری سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی کی آمد کی برکت سے گاؤں کے لوگ اہل حدیث مسلک میں داخل ہوئے۔ ہمارے والد ایک ماہر کسان تھے اور انہوں نے مدرسہ سراج العلوم میں گلستاں بوستاں تک تعلیم حاصل کی تھی اور ہمارے چچا مولانا عابد رحمانی عالم دین ہیں، جامعہ رحمانیہ بنارس سے فارغ ہوئے اور ایک زمانہ تک جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریسی ذمہ داری سنبھالی'' (تراجم علمائے اہلحدیث: ۱/۴۱۵۔۴۱۶)

تعلیمی مراحل:

اپنے گاؤں بونڈیہار سے لے کر مختلف مسلکی وغیر مسلکی دینی درسگاہوں میں حصول علم کے لئے آپ کی شرکت قابل قدر ہے۔ آزادیٔ وطن کے پرفتن ماحول میں آپ نے ہندوستان کی مرکزی درسگاہوں میں جس طرح سے پہنچ کر تعلیم حاصل کی ہے وہ آپ کی رغبت، شوق، دلجمعی اور حصول علم کی راہوں میں قربانیوں کی دلیل ہیں جن اداروں میں آپ نے ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک سفر کیا ہے ان کے مختصر کوائف درج ذیل ہیں:

(۱) **جامعہ سراج العلوم بونڈیہار:** ابتدائی تعلیم آپ نے دریائے راپتی کے کنارے واقع بونڈیہار (ضلع گونڈہ) حال بلرام پور کے مشہور ومعروف دینی وتعلیمی ادارہ جامعہ سراج العلوم میں حاصل کی جسے صاحب تحفہ محدث مبارکپوری نے ۱۹۰۷ء میں قائم کیا تھا۔ مولانا نے یہاں گاؤں کے دینی ادارہ میں گلستاں بوستاں، یوسف زلیخا اور اخلاق محسنی تک کی تعلیم جامعہ کے مایہ ناز اساتذہ کرام سے حاصل کی، بالخصوص مولانا عبدالغفور بسکوہریؒ کے زیر تربیت وتعلیم آپ کی تعلیمی زندگی جاری رہی۔ چونکہ اسی دوران مولانا اقبال رحمانیؒ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کے روح رواں اور ۴۳ سالوں تک پوری صلاحیت ودیانت اور نیکوکاری

کے ساتھ خدمت انجام دینے والا نمونہ سلف استاد و مربی بھی اپنی علمی تابانیاں بکھیر رہا تھا چنانچہ مولانا کو آپ سے بھی استفادہ کا بھر پور موقع ملا اور میزان منشعب وغیرہ کی تعلیم آپ یعنی مولانا اقبال رحمانیؒ سے حاصل کیں۔ اور اس طرح جامعہ کے ان بزرگوں کے کردار و عمل کی روشنی میں اپنی زندگی کی پلکیں سنوارنے کی سعی مجہود کرتے رہے۔ اور بالآخر انہیں کا ایک عکس نیک بن کر تادم حیات نیکی، خیر، بھلائی اور پاکیزگی کی تعلیم دیتے رہے۔ اور جو شجر حدیث صاحب تحفہ نے سراج العلوم کے نام سے لگایا تھا اس سے فیض یافتہ ہو کر علم و عمل کی روشنی بکھیرتے رہے۔

(۲) جامع العلوم پٹکا پور کانپور: جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں اساطین علم سے فیض یاب ہو کر کنڈؤ بونڈیہار کے ہی ایک عالم دین مولانا شبیر احمد کنڈؤ کے ہمراہ کانپور چلے گئے اور وہاں جامع العلوم پٹکا پور میں پہلی جماعت میں داخلہ لے لیا اور تقریباً ایک سال تک آپ نے شہر کانپور میں عربی ابتدائی درجات کی تعلیم حاصل کی۔

(۳) دار الحدیث رحمانیہ دہلی: جامعہ العلوم پٹکا پور میں عربی ابتدائی درجات کی تعلیم ایک سال تک حاصل کرنے کے بعد دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لے لیا اور یہاں مشکوٰۃ شرح وقایہ اور شرح جامی وغیرہ کتابیں اساطین جامعہ سے پڑھیں۔ اس وقت آزادی کا آندولن بہت ہی زوروں پر تھا، انگریزو بھارت چھوڑ دو کی تحریک اپنے شباب پر تھی۔ بالآخر ۱۹۴۷ء کو دہلی اور پورے ملک میں فساد پھوٹ پڑا جس کے نتیجے میں دار الحدیث رحمانیہ بھی بند ہو گیا اور مدرسہ کے مہتمم شیخ عبد الوہاب مع اہل خانہ پاکستان ہجرت کر گئے۔ چنانچہ آزادی کے بعد مولانا عبد السلام رحمانی اور ان کے چچا مولانا عابد حسن رحمانی نومبر ۱۹۴۷ء میں وطن واپس لوٹ آئے اور اس کے بعد کا سال جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں ہی گزار دیا۔ غالباً دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں آپ عربی کی چوتھی یا پانچویں جماعت میں تھے۔

(۴) ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دار العلوم دیوبند کا علمی سفر: آزادی کی تحریک اور اس کے پس منظر میں رونما ہونے والے فساد کے نتیجہ میں آپ نے جامعہ رحمانیہ دہلی کو چھوڑ کر وطن کا رخ اختیار کیا اور پھر حالات قابو میں آنے کے بعد عالمیت کی تعلیم مکمل کرنے کے لئے دار العلوم ندوۃ العلماء کا رخ کیا اور یہاں اساطین علم و فن کی نگرانی میں علمی پیاس بجھانے میں لگے رہے۔ ادب کیساتھ ساتھ علوم شرعیہ میں مہارت کا شوق اور دینی علوم کی تحصیل میں آپ کی علمی تشنگی و پیاس بجھتا ہوا نظر نہ آیا تو دار العلوم ندوۃ العلماء کو خیر باد کہہ دیا اور دینی و شرعی علوم میں مہارت حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کی مایہ ناز علمی درسگاہ دار العلوم دیوبند کا رخت سفر باندھا اور مختلف فنون میں ہدایہ، نور الانوار، بیضاوی، عقائد نسفی، سراجی اور شرح چغمینی جیسی بیش بہا کتابوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فقہ و معمولات کی تکمیل کر ڈالی اور اس طرح ایک دینی و علمی پیاس بجھانے کی آرزو مکمل ہوتے ہوئے دکھائی دینے لگی۔ چنانچہ ہر طرح سے بھر پور صلاحیتوں کے مالک بن کر ایک باصلاحیت، ہنر مند عالم دین بننے کی سعادت نصیب ہوئی گویا آپ نے یہاں سے عالمیت کا کورس مکمل کر لیا۔

(۵) جامعہ رحمانیہ بنارس: مسلک سلف کا ترجمان اور دار الحدیث رحمانیہ دہلی کی یادگار جامعہ رحمانیہ بنارس اس وقت اپنے پورے

تعلیمی وتدریسی شباب پر تھا۔ علماء کے قافلے یہاں سے بہرہ اندوز ہوکر پورے ملک میں تشنگان علوم نبویہ کی آسودگی کا سبب بن رہے تھے۔ بالآخر مولانا عابد حسن بھی رحمانیہ دہلی کی باقی ماندہ سیرابی کو مکمل کرنے کے لئے بنارس قدم رنجہ ہوگئے اور اپنی فراغت اور پگڑی کے لئے آپ نے رحمانیہ بنارس کو منتخب کیا اور یہاں داخل ہوکر چند سالوں میں یہاں سے فارغ التحصیل ہوگئے اور ایک عظیم علمی، دعوتی وتدریسی ذمہ داریوں کا احساس لے کر وطن واپس لوٹے۔

مشہور اساتذہ: یوں تو آپ نے ہندوستان کی پانچ عظیم علمی ودینی درسگاہوں میں آزادی سے پہلے اور بعد میں اپنے تعلیمی سفر کو مکمل کیا۔ ظاہری بات ہے کہ بونڈیہار سے لے کر رحمانیہ دہلی اور ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دارالعلوم دیوبند، رحمانیہ بنارس تک اس تعلیمی سفر میں بے شمار اساتذہ، علماء، اصحاب علم وفن سے سابقہ پڑا ہوگا جنہیں حیطۂ تحریر میں لانا ممکن نہیں البتہ چند اساتذہ جن سے آپ نے ابتدائی درجات سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک فیض اٹھایا درج ذیل ہیں:

(۱) مولانا عبدالغفورؒ سکوہری (۲) مولانا محمد اقبال رحمانیؒ (۳) مولانا علی میاں ندویؒ (۴) مولانا محبوب الرحمن ازہریؒ (دیوبندی) (۵) مولانا فخر الحسنؒ (۶) مولانا بشیر احمد سہسوانیؒ (۷) مولانا نذیر احمد املویؒ رحمانیہ بنارس وغیرہم کثیر۔

تدریسی ودعوتی مراحل: آپ کی علمی صلاحیت، منقولات ومعقولات میں آپ کا زبردست عبور، تدریس علوم شرعیہ میں مہارت تامہ کے ساتھ ساتھ افتاء بالخصوص میراث اور فرائض کے مسائل ومعاملات میں گہرائی وگیرائی اور وعظ وارشاد میں مکمل دلچسپی اور انہماک ہر کس وناکس کے یہاں مسلم ہے۔ آپ جہاں ایک طویل عرصہ تک درس وتدریس اور تعلیم وتربیت کے میدان میں وابستہ رہے وہیں جمعہ، جماعت اور مختلف دینی پروگرام میں آپ کے نصیحت آمیز کلمات قابل عمل اور نمونہ ہیں۔ جامعہ سلفیہ بنارس میں درس وتدریس کے ساتھ افتاء وقضاء سے وابستگی ایک لمبے عرصے تک برقرار رہی اور ساتھ ہی ساتھ جامعہ کی وسیع وعریض مسجد میں آپ کے خطبات جمعہ اور قرب وجوار میں آپ کی مختلف دعوتی ودینی پروگراموں میں شرکت آپ کا خاصہ رہی۔ مڈل اسکول اڑیسہ سے لے کر مدرسہ شمس الہدیٰ دلال پور جھارکھنڈ اور اسی طرح بہار وبنگال کے مختلف اداروں میں آپ نے ایک عرصہ تک خدمات انجام دیں ہیں اور بعدہ جامعہ سلفیہ بنارس، سراج العلوم کنڈو بونڈیہار اور جامعہ خیر العلوم ڈومریا گنج نیز ان کے علاوہ دیگر جماعتی اداروں سے وابستہ رہے۔ الغرض درس وتدریس کے مختلف اداروں میں آپ کی موجودگی وہاں کے نیکی اور تدین پرستی کی دلیل ہوا کرتی تھیں۔ ذیل میں مختلف اداروں کے نام درج ہیں جہاں آپ نے تدریسی وتعلیمی خدمات انجام دیں ہیں:

(۱) مڈل اسکول اڑیسہ (۲) مدرسہ شمس الہدی دلال پور جھارکھنڈ (۳) مدرسہ اسلامیہ اصلاح المومنین برھیٹ صاحب گنج جھارکھنڈ (۴) مظہر العلوم بٹنہ مالدہ بنگال (۵) جامعہ رحمانیہ بنارس (۶) جامعہ سراج العلوم کنڈو بونڈیہار (۷) مرکزی دارالعلوم بنارس (۸) مدرسہ انوار العلوم پرساعماد ضلع سدھارتھ نگر (۹) جامعہ فاطمۃ الزہراء مئوناتھ بھنجن (۱۰) مدرسہ کلیۃ الطیبات ڈومریا گنج سدھارتھ نگر (۱۱) مدرسہ دعوۃ الاسلام لال گوپال گنج آلہ آباد (تراجم علمائے اہل حدیث: خالد صدیقی: ۱/ ۴۰۲)

تلامذہ وشاگردان: جامعہ سلفیہ بنارس جیسی عظیم اور بین الاقوامی درسگاہ اور اسی طرح دیگر مشہور اداروں میں ایک زمانہ تک

تدریسی خدمات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آپ کے تلامذہ کا حلقہ بے حد وسیع ہے جو اس وقت ہندوستان کی مشہور درسگاہوں سے لے کر عرب اور دیگر ممالک میں کام کر رہے ہیں۔ چند مشہور تلامذہ درج ذیل ہیں:

(۱) وصی اللہ عباس (مکہ مکرمہ) (۲) د۔فضل الرحمن مالیگاؤں (۳) شیخ عبدالعلیم بستوی (مکہ) (۴) شیخ صلاح الدین مقبول (کویت) (۵) د۔صغیر احمد (امارات) (۶) عبدالرحمن پریوائی (ریاض) (۷) اصغر علی امام مہدی (دہلی) وغیرہم کثیر، ناچیز راقم السطور کو بھی آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔

فقہ وفتاویٰ: درس وتدریس میں مہارت کے ساتھ آپ فقہ وفتاوی کے انتہائی مستند عالم مانے جاتے تھے۔ اور ایک زمانہ تک جامعہ سلفیہ بنارس میں افتاء کی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے ہیں۔ آپ کے مختلف فتاویٰ جسے آپ نے جامعہ سلفیہ میں تحریری شکل میں استفتاء کے جواب میں لکھا تھا جامعہ میں موجود ہیں۔ ارباب جامعہ اگر اس کی ترتیب وطباعت کی طرف توجہ فرمائیں تو یہ کتب فتاویٰ میں ایک عمدہ اضافہ ہوگا۔ بالضبط اس سلسلے میں نہ تو آپ کی کوئی کتاب ہے اور نہ ہی دیگر کوئی تصنیف۔

حج بیت اللہ: جامعہ سلفیہ بنارس کے بعد آپ کلیۃ الطیبات ڈومریا گنج میں تدریسی فرائض انجام دینے لگے مگر پیرانہ سالی اور ضعف وکمزوری کے باعث یہ سلسلہ زیادہ آگے نہ بڑھ سکا اور یہیں دوران تدریس آپ نے حج بیت اللہ کیا اور زیارت حرمین شریفین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوئے۔

آل انڈیا اہل حدیث ایوارڈ: مولانا کی طویل المیعاد تعلیمی وتدریسی اور دعوتی وتبلیغی خدمات کی وجہ سے آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس منعقدہ پاکوڑ جھارکھنڈ میں ایک پرہجوم مجمع میں آپ کو آل انڈیا اہل حدیث ایوارڈ سے نوازا گیا جو آپ کی خدمات کی سراہنا کے ساتھ ساتھ آپ کے علم وعمل کا ایک ایسا حسین اعتراف اور آپ کے زریں خدمات اور جہود واعمال کی ایک حوصلہ افزائی اور تشجیع بھی ہے۔

اولاد واحفاد: آپ کا خاندان ایک وسیع خاندان ہے اور بونڈیہار کے متدین اور بااخلاق لوگوں میں ان کا شمار ہے بالخصوص مولانا کی سادگی، بردباری، بے لوثی اور مہمان نوازی اس کی بین دلیل ہیں۔ خود مولانا بھی ایک کھاتے پیتے باذوق اور خوش ذائقہ طبیعت کے مالک تھے، آپ کے پسماندگان میں چار لڑکے، چھ لڑکیاں قابل ذکر ہیں اور سب کے سب تعلیم یافتہ لائق وفائق مانے جاتے ہیں۔

وفات: بیماری اور ضعیفی کے باعث اواخر عمر میں تدریس وتعلیم سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے بعد مولانا گھر پر ہی سکونت پذیر ہوگئے اور رفتہ رفتہ قضائے الٰہی اور مشیت ربانی کے مطابق ۱۷ر جولائی ۲۰۰۹ء بوقت صبح بروز جمعہ مطابق ۲۳ر رجب ۱۴۳۰ھ جان جان آفریں کے حوالہ کردی۔ اور علم وعمل کا یہ گوہر نایاب اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ راہی اجل ہوگیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

□□□

آہ! نشانِ فکر وفن اور رونقِ بزم چمن نہ رہا

(ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ کی یاد میں)

عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

اعظم گڑھ، بنارس، مئو کا خطہ اہل علم وفن کی تاریخ میں بڑا ہی مردم خیز اور علم خیز علاقہ شمار کیا جاتا ہے۔ اس علاقے کی مٹی میں قدرت نے نہ جانے کیا کچھ پیوست کر دیا ہے کہ ہر زمانے اور دہے میں علم وادب کے بلند وبالا نشان دنیائے صحافت وخطابت کی اعلیٰ پہچان اور دینی علوم میں مہارت وعبور رکھنے والے عظیم وبلیغ انسان کہیں نہ کہیں اس خطے میں ضرور جگمگاتے رہے ہیں، گویا اس علاقے کی مٹی کو ہی قدرت نے علم وادب، ہنرمندی وآگہی، لیاقت وصلاحیت اور فکر وفن کے خمیر سے ایسا مرکب بنا دیا ہے کہ ہر ذرہ آفتاب بن کر چمکنے اور ہر کلی خوشبو بن کر مہکنے اور چمنِ علم وادب میں اپنی رعنائیوں کو بکھیرنے کی منتظر ہے۔ علامہ علی متقی ہندی صاحب کنز العمال جونپوری، سخاوت علی جونپوری، محدث کبیر علامہ عبدالرحمن مبارکپوری، عبدالسلام مبارکپوری، عبیدالرحمن مبارکپوری، صفی الرحمن مبارکپوری، مولانا سیف بنارسی، مولانا حریری، سعید بنارسی، عبدالمعید بنارسی، حافظ عبداللہ محدث غازی پوری، مولانا حبیب الرحمن فیضی مئوی، مولانا فیض اللہ مئوی، ابوالمکارم مئوی، ملا حسام الدین مئوی، مجاز اعظمی، فضا ابن فیضی اور علامہ شبلی نعمانی، عبدالسلام ندوی، ضیاء الدین اصلاحی اور بے شمار علماء ادباء شعراء، مؤلفین ومصنفین جو ہم سے رخصت ہو چکے ہیں اسی خمیر کے پروردہ تھے۔ الغرض یہ خطہ اور علاقہ بڑا ہی زرخیز ہے اور قافلۂ علم وادب اور کاروان فکر وفن کا علمی غلغلہ اور فکری وادبی عظمتوں کا سلسلہ آج بھی جاری وساری ہے۔

سرزمین اعظم گڑھ کے ایک بڑے ہی زرخیز علاقے میں قافلۂ علم وادب اور کاروان فکر وفن کا ایک عمدہ نشان، اعلیٰ پہچان اور عظیم انسان بنارس ومئو کی مشترکہ خمیر اور از ہر مصر واز ہر ہند علی گڑھ کی مشترکہ علمی عظمتوں سے لبریز ہو کر ۱۹۶۸ء میں صبح بنارس کی حسین ودلکش نظاروں کے جھرمٹ میں پڑاؤ ڈال کر مستقل طور پر خیمہ زن ہو جاتا ہے اور پھر اپنی پوری رعنائیوں اور تابانیوں کے ساتھ ساحل گنگا سے کچھ فاصلے پر ریوڑی تالاب کی پر پیچ وادیوں میں قدم رنجہ ہو جاتا ہے۔ یہ یہاں کیا آ گیا گویا صبح بنارس کو ایک نئی کرن اور چمک عطا ہو گئی، بنارس میں علم وادب کا ایک سیلاب اور فکر وفن کا ایک انقلاب آ گیا۔ زبان وادب کے علمی مہ پارے مصر اور از ہر سے چل کر گنگا اور بنارس کی ساحلوں پر لنگر انداز ہو گئے۔ از ہر کی شانِ ادب اور مئو اعظم گڑھ کی عظمتِ فکر وفن گویا صبح بنارس میں نمودار ہو گئی۔

●

جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس سلفیانِ ہند کا مرکزی ادارہ اور منہج سلف کی علمی میراث کا ترجمان ہے، اکابرین جماعت نے آل انڈیا نوگڈھ کانفرس ۱۹۶۲ء میں جامعہ کے قیام کا فیصلہ کیا تھا اور اسے قائم ہوئے تقریباً چھ سال بھی ہو چکے تھے علماء کا ایک قافلہ اور

کارواں بھی یہاں پڑاؤ ڈال چکا تھا، علم وفن کے جلوے بکھیرنے اور قرآن وحدیث کی عظمتوں کو صدور رجال میں اتارنے کے لئے اہل علم وفضل کی ایک ٹیم بھی مہم پر لگ چکی تھی۔ بس اب ضرورت تھی تو کسی میر کارواں اور قافلہ سالار کی جوان عظمتوں کو اپنی مدبرانہ صلاحیتوں سے حسن انتظام اور اہتمام کی حسین لڑیوں میں پروسکے اور جامعہ کی مرکزیت اور منہجیت کو بنارس سے لے کر ہندوستان کے کونے کونے اور بیرون ہند عرب وعجم تک روشناس کراسکے۔ اللہ کی مشیت ومرضی سے اس عظیم خدمت گذاری اور اہم ذمہ داری کے لئے بانیان جامعہ کی نگاہ ایک ایسے ذرہ پر پڑی جسے ذروں کو آفتاب بنانے کی قدرت نے صلاحیت عطا کی تھی۔ اور گہرائیوں میں چھپے ہوئے صدف سے موتی نکالنے کا ہنر معلوم تھا۔ پس کیا تھا حسن انتخاب سے ایک حسین منتظم وباصلاحیت وہنرمند گوہر شناس نصیب ہوگیا۔ اور یہ عظیم شخصیت تھی ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ کی جنہیں ارباب جامعہ سلفیہ، وابستگان، اساتذہ، طلباء، اسٹاف عملہ، زائرین ومتعلقین سبھی لوگ کبھی ڈاکٹر صاحب کبھی ازہری کے نام سے یاد کرتے تھے۔

●

ہر صبح اپنی رہائش گاہ دارالضیافہ سے وکالت الجامعہ کی آفس میں مسلسل حاضری اور امور جامعہ کی انجام دہی میں مصروفیت علماء سے تبادلہ خیال، خطوط ومراسلات کی تحریر وتبییض سے لے کر تدریس وتعلیم اور جامعہ کی ترقی کی فکرمندی ومنصوبہ سازی جیسی تمام ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیتے تھے اور عصر کی نماز کے بعد خصوصی طور پر دوبارہ آفس میں بیٹھ کر ترجمہ وتصنیف کا کام ''صوت الامۃ'' کے ادارتی کلمات کی تحریر، ایڈیٹنگ اور اشراف، تصحیح بحوث ومقالات، عربی فکر وفن کی علمی میراث کو ہندی علماء تک منتقل کرنے اور علماء ہند کے علمی سرمایہ سے اہل عرب کو روشناس کرانے کی تالیفی وتدوینی کاوشیں عمل پیہم کی شکل میں جاری رہتیں۔ اگر کبھی وکالت الجامعہ آفس بند ہوجاتی تو جامعہ کی علمی عظمت ماند پڑتی دکھائی دیتی اور ایک رونق جو آپ کے وجود سے جامعہ اور بزم جامعہ کو ملا کرتی تھی مرجھائی سی لگنے لگتی۔ طلباء باہم تذکرہ چھیڑتے اور نتیجہ نکالتے کہ شاید ازہری صاحب کہیں سفر پر چلے گئے، کسی کانفرنس یا سیمینار کے لئے روانہ ہوگئے یا پھر جامعہ کے کام سے بلاد عرب اور خلیج کے راہی ہوگئے۔ الغرض تمام طرح کے خیالات اور تصورات ہر کوئی ازہری صاحب کی عدم موجودگی کا احساس کرتا اور آپ کے وجود کی رونق کا تذکرہ کرتا اور جیسے ہی واپسی ہوتی وکالت الجامعہ کی آفس کا دروازہ کھلتا وہی علمی رونق، رعنائیاں، رعب ودبدبہ آن بان شان پھر واپس لوٹتی محسوس ہوتی، اور اتنا رعب اور دبدبہ کہ اگر اپنی آفس میں کرسی پر بیٹھ کر ہی طلبہ کو آواز لگاتے کہ منتشر طلباء فوراً مارے خوف سے بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگ کر اپنے ریوڑ خانے میں محبوس ہوجاتے اور آپ کو دیکھتے ہی نہ جانے کتنے لہو ولعب کے متوالے گوشہ نشین ہوجاتے اور ایسا محسوس ہوتا کہ آمدِ ازہری نے انہیں شرافت کا جامہ پہنادیا ہے۔

ہمارے بزرگ استاد مولانا مستقیم صاحب سلفی جو آپ کے شاگرد بھی ہیں اپنے استاذی کے زمانے میں بھی ادب واحترام کا پتلا بن جایا کرتے تھے اور ہمیشہ ڈاکٹر صاحب، ڈاکٹر صاحب، ازہری صاحب نے فرمایا کہ رٹ لگاتے رہتے تھے۔ طلباء کو یہ محسوس ہوتا کہ شاید بے جا شان بڑھا رہے ہیں مگر اب احساس ہوتا ہے کہ فکر وادب کی دنیا کا شہسوار اس سے کہیں زیادہ ہم طلباء واساتذہ علماء

اور ارباب جامعہ و جماعت کے احترام وادب کا مستحق تھا۔

قصہ مختصر یہ کہ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ کی شخصیت جامعہ، جماعت اور اہل علم کے لئے ایک نعمت الٰہی تھی، آپ کے انتقال سے بزم جامعہ مرجھا گئی اور رونق جماعت اور آل انڈیا کانفرنسوں کی عظمتیں ماند پڑ گئیں اور علم وادب کی ایک شان، ایک پہچان ختم ہوگئی فکر وفن کا درخشاں باب بند ہوگیا۔ جامعہ کے در و دیوار حسرت خیزی میں ازہری کی راہ تکتے ہوں گے اور وکالۃ الجامعہ، ادارۃ البحوث الاسلامیہ کی آفس آپ کی آمد کے لئے اب بھی بازوؤں کو کھولے منتظر راہ ہوں گی ان بے جانوں کو کیا معلوم کہ ازہری دنیائے فانی چھوڑ کر راہی ملک عدم ہو چلے اور وہ ذرہ جو آفتاب بن کر افق بنارس پر چمکا تھا اب خاک مئو کے سپرد ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ذیل کے مضمون میں ازہری صاحب کی مختصر سوانح سپرد قرطاس کر رہا ہوں **ان شاء اللہ آئندہ آپ کی زندگی کے بقیہ گوشے بھی اجاگر کئے جائیں گے۔**

نام ونسب: ڈاکٹر حافظ مقتدی حسن فیضی الازہری بن حاجی محمد یاسین بن محمد سعید۔

تاریخ پیدائش: آپ کی پیدائش ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش سے مشہور صنعتی شہر مئو ناتھ بھنجن میں آزادی سے آٹھ سال پہلے ۸/اگست ۱۹۳۹ء کو ہوئی۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی عربی تعلیم جامعہ عالیہ عربیہ مئو ناتھ بھنجن، جامعہ دارالحدیث اثریہ مئو اور اسی طرح جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں مکمل ہوئی اور آخر الذکر جامعہ فیض عام سے ہی ۱۹۶۰ء میں فارغ التحصیل بھی ہوئے، مفتی جامعہ مولانا حبیب الرحمن فیضی، شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفی اور مولانا عبداللہ شائق مئوی وغیرہم سے سند واجازۂ حدیث حاصل کیا اور فراغت کے بعد دو سالوں تک تدریس کا فریضہ بھی یہیں انجام دیا۔ ان دنوں جامعہ ازہر مصر میں تعلیم کا بڑا چرچا تھا اور ہندوستان کے فارغین مدارس کو ان کی لیاقتوں کے اعتبار سے بسا اوقات داخلہ بھی مل جاتا تھا۔ حافظ مقتدی حسن نے بھی اپنی نصیب آزمایا اور اللہ کی توفیق سے ۱۹۶۲ء میں ازہر یونیورسٹی مصر میں داخلہ کی سعادت حاصل ہوگئی۔ آپ نے وہاں رہ کر عربی زبان وادب پر کافی عبور حاصل کیا اور ایم، اے، کی ڈگری سے سرفراز کئے گئے۔ ازہر یونیورسٹی سے فراغت کے بعد آپ نے دو سالوں تک قاہرہ ریڈیو کے شعبۂ اردو میں مترجم اور اناؤنسر کی حیثیت سے خدمات بھی انجادیں۔ اور ۱۹۶۸ء کے اواخر میں ہندوستان واپس آکر ملک کی عظیم سلفی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس سے منسلک ہوگئے۔

جامعہ سلفیہ میں دوران تدریس آپ نے اپنی اعلیٰ علمی تشنگی کو بجھانے اور علم وادب میں مزید ریسرچ اور تحقیق کرنے کے لئے ۱۹۷۰ء میں ہندوستان کی عظیم دانش گاہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ عربی میں ایم، فل کرنے کے لئے داخلہ لیا اور اس طرح ایم، فل کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۹۷۵ء میں پی، ایچ، ڈی اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی حاصل کرلی۔

پی، ایچ، ڈی کی ڈگری کے حصول کے لئے آپ نے علامہ ابن عبدالبر قرطبی کی مایہ ناز کتاب بہجۃ المجالس (جزء ثانی کی احادیث) کی تخریج کی، ستاون ابواب پر مشتمل یہ کتاب زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔ احادیث کی تحقیق میں ڈاکٹر صاحب نے

کافی محنت اور عرق ریزی کی ہے۔ چونکہ اس کتاب کے پہلی جلد کی تحقیق ڈاکٹر ظہور الحق نے کی تھی اس لئے ڈاکٹر ازہری صاحب نے دوسری جلد کی تحقیق کے ساتھ ساتھ پوری کتاب کی علمی فہرست بھی مرتب کی۔

مشہور اساتذہ: آپ کے اساتذہ میں اساطین علماء مئو، علماء ازہر کی ادبی شخصیتیں اور علیگڑھ مسلم یونیورسٹی شعبۂ عربی کے مایہ ناز ماہرین ادب عربی وتاریخ ادب عربی شامل ہیں۔ جن میں مئو کے مشہور علماء فیض عام وغیرہ ہیں۔ (۱) مولانا عبدالمعید بنارسی صاحب کتاب امین النحو وامین الصرف (۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۶ء آپ نے فیض عام میں تدریس کا فریضہ انجام دیا) (۲) مفتی حبیب الرحمن فیضی، ناظم اعلیٰ جامعہ فیض عام مئو (۳) شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفی (۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۷ء مدرس فیض عام رہے) (۴) مولانا ابوالوفاء محمد عظیم اللہ فیضی مئوی (۵) مولانا عبداللہ شائق، بانی جامعہ دارالحدیث اثریہ مئو، اور اسی طرح جامعہ ازہر کی دو عظیم شخصیتیں (۶) ڈاکٹر عبدالواحد وافی (۷) مشہور ادیب ڈاکٹر شوقی ضیف اور ان کے علاوہ دیگر اساطین علم وفن شہر مئو، جامعہ ازہر اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اس فہرست میں شامل کئے جاسکتے ہیں۔

تدریس ودعوتی خدمات: جامعہ ازہر مصر سے واپسی کے بعد ۱۹۶۸ء میں ملک کی عظیم سلفی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس سے بحیثیت مدرس ومنتظم وابستہ ہوگئے، آپ کی علمی، انتظامی اور عربی زبان وقلم کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے ذمہ داران جامعہ نے آپ کے کندھوں پر تدریس وتعلیم کے ساتھ ساتھ وکیل الجامعہ (ریکٹر) کی اہم اور کلیدی ذمہ داری بھی ڈال دی چنانچہ عربی زبان وادب، تاریخ وانشاء اور دیگر علوم کی تدریس کے ساتھ آپ اس اہم انتظامی امر کی ذمہ داری بحسن خوبی انجام دیتے رہے۔ جامعہ سلفیہ کے داخلی وخارجی امور میں آپ کی اصابت رائے اور دوراندیشانہ مشوروں کی ہمیشہ ضرورت محسوس کی جاتی تھی۔ تدریسی وانتظامی امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ ملی وجماعتی تنظیموں سے بھی آپ کی وابستگی بے حد گہری اور مضبوط تھی جس کی وجہ سے ملک کے طول وعرض میں عربی مدارس وجامعات سے لے کر کالج ویونیورسٹیز کی جانب سے منعقد ہونے والی مختلف علمی وادبی، اور اصلاحی کانفرنسوں، سیمیناروں اور سمپوزیموں میں شرکت آپ کی زندگی کا لازمی جزو بن گئی تھی بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ اکثر وبیشتر سلفی وغیر سلفی مدارس وتنظیموں کے یہاں جماعت وجامعہ کی نمائندگی وترجمانی ڈاکٹر ازہری صاحب کے ہی سپرد رہا کرتی تو بے جا نہ ہوگا۔ عمر کے آخری لمحہ تک جامعہ سلفیہ بنارس اور جماعت کی نمائندہ تنظیم جمعیت اہل حدیث سے وابستہ رہے اور اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے انجام دیتے رہے۔ عربی زبان وادب پر عبور حاصل ہونے کی وجہ سے آپ سے بے شمار تشنگان علم وادب نے فیض اٹھایا اور آپ کی زبان وقلم پر دسترس اور ایک طویل تجرباتی زندگی کے نچوڑ کو آپ کے شاگردوں نے آبِ حیات بنالیا اور اس طرح ہزاروں کی تعداد میں فارغ التحصیل ہوکر عرب وعجم میں آپ کے علمی فیض کو تقسیم کرتے رہے۔ آج بھی آپ کے شاگردوں کی ایک معتد بہ تعداد خلیج عرب ممالک، یورپ اور امریکہ اور ہند ونیپال کے بیشتر مدارس، مساجد، علمی ودعوتی مراکز ومعاہد میں موجود ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

عربی ماہنامہ مجلہ صوت الأمۃ کی ادارت اور اشراف: یہ ماہنامہ جامعہ سلفیہ کے شعبۂ تالیف وترجمہ دارالتالیف والترجمہ سے ۴ دہائیوں سے مسلسل شائع ہوتا چلا آرہا ہے۔ ابتداء سے لے کر آج تک تقریباً چالیس سال کے طویل عرصہ سے ڈاکٹر ازہری

صاحب ہی اس کے ایڈیٹر اور مقالات وبحوث کے مشرف ونگراں رہے ہیں۔صوت الامہ میں آپ کے ادارتی کلمات عرب وعجم میں اہل زبان کے یہاں بے حد دلچسپی اور شوق سے پڑھے جاتے تھے۔اداریہ کے علاوہ آپ کے دیگر عربی مضامین عصر حاضر کے سلگتے ہوئے ملی، ملکی، عالم عربی اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی وغیرہ جیسے حساس اور اہم عناوین پر بے حد مفکرانہ ومدبرانہ ہوا کرتے تھے۔اور اہل علم کے یہاں یہ مستند علمی وتحقیقی درجہ رکھتے تھے۔اگر صرف صوت الامہ کے عربی اداریہ کو شمار کرلیا جائے تو کم وبیش چالیس سال کے طویل عرصہ میں لگ بھگ پانچ سو اداریے آپ نے تحریر کئے ہیں جو ایک اندازہ کے مطابق دو ہزار صفحات سے بھی متجاوز ہوں گے۔ اگر انہیں جمع کر کے مرتب کیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں عالم عرب اور مدارس عربیہ واسلامیہ کے لئے بیش قیمت علمی سرمایہ ہوسکتی ہیں۔

عربی زبان وادب میں عبور اور صدر جمہوریہ ایوارڈ: یوں تو ازہری صاحب بیک وقت فارسی، اردو، انگریزی اور عربی زبانوں سے واقفیت رکھتے تھے اور ہر ایک پر آپ کو لکھنے پڑھنے اور بولنے کی قدرت حاصل تھی مگر سب سے زیادہ آپ کو عربی زبان وادب اور اس کی شعری وغیر شعری تاریخ کے متعلق ایک طویل تجربہ حاصل تھا جس کی وجہ سے عربی زبان میں مہارت تامہ اور عبور کامل کے ساتھ ساتھ ایک ادیبانہ ومحررانہ شان کے مالک بن گئے تھے۔زبان وادب، ترجمہ وٹرانسلیشن میں مہارت کے ساتھ ساتھ تاریخ ادب عربی پر آپ کا مطالعہ بے حد وسیع اور گہرا تھا چنانچہ آپ نے اپنے وسعت مطالعہ کو اردو زبان میں ادب عربی کی تاریخ پر ایک عمدہ اور مایہ ناز کتاب کی شکل میں پانچ ضخیم جلدوں میں بکھیر دیا اور بفضلہ سبحانہ وتعالیٰ عربی مدارس، علمی مکتبات وجامعات نیز اہل علم وفضل کے یہاں یہ بے حد مقبول ہوگئی اور رفتہ رفتہ اس نے اپنی قبولیت کے بال وپر عصری یونیورسٹی کے پروفیسران اور سرکاری محکمہ جات سے لے کر ایوان اقتدار تک پھیلا دیئے۔بالآخر آپ کو اس محنت کا ثمرہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نصیب ہوا اور عربی زبان وادب پر حسین وطویل خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت ہند نے صدر جمہوریہ ایوارڈ جیسے عظیم تمغہ سے سرفراز کیا اور اس طرح دنیائے علم وادب کو آپ کی علمی وادبی صلاحیتوں سے آگاہی کے ساتھ ساتھ فیض یابی وبہرہ اندوزی کا حسین موقع عطا ہوا۔اور آج بھی ہزاروں محققین اور ریسرچ اسکالر اس کتاب سے نہ صرف یہ کہ فائدہ اٹھاتے ہیں بلکہ سبھوں کے لئے ایک مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

تالیفی وتصنیفی خدمات: تصنیف وتالیف کا کام علم اور زبان دانی کا متقاضی ہوتا ہے، ڈاکٹر ازہری مرحوم کو قدرت نے علم اور زبان دانی میں مہارت عطا کی تھی جس کی وجہ سے آپ نے اپنے تصنیفی دائرہ کو مختلف زبانوں میں علم وتحقیق کے موتی بکھیرتے ہوئے پھیلا دیا جہاں پر آپ نے خود کئی مستقل کتابیں تصنیف کیں وہیں پر مختلف زبانوں میں نامور علماء ودانشوران کے علمی سرمایہ کو دوسری زبانوں تک منتقل کیا۔تصنیف کے ساتھ عربی علوم کو اردو اور اردو فارسی علوم کو عربی زبان میں منتقل کرنے کی ایک عمدہ مثال آپ نے قائم کی۔جامعہ سلفیہ کے تصنیفی ادارہ دارالتالیف والترجمہ کی ذمہ داری انتہائی منظم ومرتب طریقے سے تاحیات انجام دیتے رہے۔تصنیف وتالیف اور ترجمہ نگاری کے ساتھ ساتھ آپ مختلف علماء ومصنفین کی تحریر کردہ کتابوں اور مقالہ جات کی تصحیح اور مراجعہ کا بھی کام کرتے رہے۔جامعہ سلفیہ سے شائع ہونے والی کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو آپ کے علمی وفکری اور ادبی پیش لفظ، تقدیم یا تقریظ سے خالی ہو اگر صرف ان صفحات کو شمار کرلیا جائے تو ہزاروں سے بھی متجاوز ہوں گے۔ذیل میں آپ کی علمی، ادبی اور فکری تصنیفات وتراجم

کا ایک خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

مترجم کتابیں: (۱) رحمۃ للعالمین قاضی سلیمان منصور پوری (اردو سے عربی ترجمہ/ ۳ جلدیں) (۲) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (فارسی سے عربی ترجمہ) (۳) تحریک آزادی فکر اور حضرت شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی مولانا محمد اسماعیل سلفی گجرانوالہ (اردو سے عربی ترجمہ) (۵) مسئلۃ حیاۃ النبی مولانا محمد اسماعیل گجرانوالہ (اردو سے عربی) (۶) اقتضاء الصراط المستقیم شیخ الاسلام ابن تیمیہ (عربی سے اردو) (۷) مختصر زاد المعاد شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب (عربی سے اردو) (۸) اصلاح المساجد جمال الدین قاسمی (عربی سے اردو) (۹) فی ظلال الرسول ڈاکٹر عبدالحلیم عویس (بنام رسالت کے سائے میں (عربی سے اردو) (۱۰) سقوط ثلاثین دولۃ ڈاکٹر عبدالحلیم (بنام عظمت رفتہ) (عربی سے اردو) (۱۱)۔ (۱۶) مولانا محمد تقی امین کی چھ کتابوں کا اردو سے عربی ترجمہ (الاسلام تشکیل جدید للحضارۃ/ بین الانسان الطبعی والصناعی/ عصر الالحاد خلیفہ تاریخیۃ/ النظام الالٰہی للرقی والانحطاط) (۱۷) قضایا کتابۃ التاریخ الاسلامی/ د۔ محمد یاسین مظہر صدیقی (اردو سے عربی) (۱۸) زیارت قبور/ محمد اسماعیل سلفی گجرانوالہ (زیارۃ القبور (اردو سے عربی) (۱۹) موجودہ عیسائیت/ مصلح الدین اعظمی (النصرانیۃ الحاضرۃ) (اردو سے عربی) (۲۰) کمیونزم اور اسلام/ مصلح الدین اعظمی (الشیوعیۃ والاسلام) (اردو سے عربی)۔

تصنیفات وتحقیقات: (۲۱) تاریخ ادب عربی ۵ جلدیں (اردو) (۲۲) خاتون اسلام (اردو) (۲۳) نظرۃ الی مواقف المسلمین من احداث الخلیج (عربی) (۲۴) منصور الفقیہ حیاتہ وشعرہ (عربی) (۲۵) مشکلۃ المسجد البابری فی ضوء التاریخ والکتابات المعاصرۃ (عربی) (۲۶) الثقافۃ الاسلامیۃ والمسلمون (عربی) (۲۷) فتح المنان بتسہیل الاتقان للسیوطی/ تلخیص (عربی) (۲۸) حصول المامول/ نواب صدیق حسن خاں قنوجی تلخیص (عربی) (۲۹) مسئولیۃ الشباب المسلم فی العصر الحاضر (عربی) (۳۰) تخریج احادیث بہجۃ المجالس لابن عبدالبر القرطبی (الجزء الثانی) (ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی)۔

بحوث ومقالات: آپ کے بے شمار بحوث ومقالات اور اردو عربی تحریریں ماہنامہ صوت الامہ (عربی) بنارس، ماہنامہ محدث (اردو) بنارس اور اس طرح دیگر جماعتی وملی رسائل میں مطبوع ہوچکی ہیں۔ اور آپ کے قلمی رشحات ملک وبیرون ملک میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں بڑے ہی تحقیقی، علمی وفکری ہوا کرتے تھے بالخصوص آپ کی صدارتی کلمات اور خطبات استقبالیہ منظور خاص وعام رہا کرتے تھے اور بڑی دلچسپی اور انہماک سے پڑھے اور سنے جاتے تھے۔ اگر ان منتشر تحریروں کو جمع کرلیا جائے تو ہزاروں صفحات پر مشتمل آپ کے مجموعۂ مقالات کی کئی جلدیں تیار ہوسکتی ہیں۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ، جہاد آزادی وطن کانفرنس شان مکھانند ہال ممبئی اور آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس رام لیلا گراؤنڈ دہلی اور اس طرح کے دیگر بین الاقوامی وملکی کانفرنسیں آپ کے علم وفضل اور صحافتی وتحریری مہارت وقدرت کی شاہد اور گواہ ہیں۔

ملی وجماعتی مناصب وذمہ داریاں: آپ کے علم وفضل اور خبرات وتجارب سے فیض اٹھانے اور اہل علم وعامۃ الناس کو فائدہ

پہنچانے کے لئے مختلف علمی وادبی اور جماعتی تنظیموں نے آپ کو مختلف ذمہ داریاں اور رکنیتیں عطا کیں ذیل میں اہم مناسب اور ذمہ داریوں کو تحریر کیا جارہا ہے، (۱) تاحیات وکیل الجامعہ (ریکٹر) جامعہ سلفیہ بنارس (۲) رکن مجالس عاملہ رابطہ ادب اسلامی ہند (۳) رکن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ (۴) رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ (۵) ایڈیٹر ماہنامہ صوت الامہ (عربی بنارس تقریباً چالیس سال تک) (۶) مشرف دارالتالیف والترجمہ بنارس (۷) رکن مجلس عاملہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند دہلی (۸) رئیس وصدر مجلس شوریٰ جامعہ سلفیہ بنارس (۹) رکن مجلس مشاورت سہ ماہی افکار عالیہ جامعہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن۔ یوپی۔

اولاد واحفاد: اللہ تعالی نے آپ کو کل چھ اولاد عطا کیں تھیں تین بیٹے اور تین بیٹیاں۔ البتہ ایک بیٹے اور ایک بڑی بیٹی بتول کا انتقال ہو چکا ہے اور دو بیٹے اور دو بیٹیاں بقید حیات ہیں: (۱) سلمان احمد جو کہ بڑے ہیں اور خلیج میں کہیں پر برسر روزگار ہیں (۲) ڈاکٹر فوزان احمد جو کہ میرے جامعہ سلفیہ کے ہم سبق اور دیرینہ دوست ہیں اور فی الوقت جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں شعبۂ عربی میں لیکچرر ہیں (۳) ایک بیٹی کا نام عفاف اور (۴) دوسری کا نام نکہت ہے دونوں بقید حیات ہیں۔

وفات: اواخر عمر میں پیرانہ سالی کے باوجود جامعہ وجماعت کی مختلف سرگرمیوں اور نشاطات میں ہمیشہ متحرک وسرگرداں رہا کرتے تھے۔ جماعت اہل حدیث کی پاکوڑ اور دہلی رام لیلا گراؤنڈ وغیرہ پر منعقد ہونے والی آل انڈیا کانفرنس اور اس کے شرکاء اس بات کے گواہ اور شاہد ہیں۔ نظم جماعت سے لے کر مستقبل کی پلاننگ اور منصوبہ بندی، ہنگامی حالات میں آپ کی دوراندیشی ومدبرانہ صلاحیتیں آخری عمر تک عوام وخواص کے لئے جاری وساری رہیں مگر قضائے الٰہی اور مشیت ربانی کے سامنے ہر انسان بے کس وبے بس نظر آتا ہے اور کسی نہ کسی حیلہ سے ہر فرد بشر موت کی آغوش کے قریب پہنچتا دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ مشیت الٰہی کے مطابق وفات سے چند ہفتوں پہلے آپ کی طبیعت بے حد ناساز ہوگئی۔ اخوان جماعت کی اطلاع کے مطابق پیٹ کی تکلیف کا شدید عارضہ لاحق ہوا۔ علاج ومعالجے کے لئے بترا ہاسپٹل میں ایڈمیٹ کردیئے گئے مگر چند دنوں کے بعد ڈاکٹروں نے جواب دیدیا اور گھر لے جانے کا مشورہ دیا چنانچہ ۲۹/اکتوبر ۲۰۰۹ء بروز جمعرات آپ کو بذریعہ ایمبولینس دہلی سے آبائی وطن مئو لایا جارہا تھا کہ اچانک جمعہ کی صبح کانپور کے علاقہ میں ہی داعی اجل آپہنچا اور کانپور پہونچتے پہونچتے آپ نے جان جان آفریں کے حوالہ کردی اور اس طرح ۳۰/اکتوبر ۲۰۰۹ء بروز جمعہ مطابق ۱۰/ذی القعدہ ۱۴۳۰ھ کو آپ کی وفات ہوگئی۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

آپ کی تدفین ۳۰/اکتوبر ۲۰۰۹ء جمعہ کی شام کو آپ کے آبائی وطن مئوناتھ بھنجن میں کی گئی۔ ایک پرہجوم مجمع نے شاہد جنید سلفی نائب صدر جامعہ سلفیہ بنارس کی امامت میں نماز جنازہ ادا کیا اور دس ہزار سے زیادہ شرکاء جنازہ نے پرنم آنکھوں سے ڈاکٹر ازہری کو خاک مئو کے سپرد کردیا۔ اور اس طرح علم وادب کا چمکتا ایک درخشاں باب اور فکر وفن کا ایک چمکتا آفتاب غروب ہوگیا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے　　سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

❑❑❑

مولانا عطاء اللہ خان امینیؔ: جماعت کا بے باک سپاہی

مولانا عبدالمعید مدنی (مدیر ماہنامہ الاحسان۔ دہلی)

ابھی کل کی بات ہے جس پر بھروسہ تھا کہ جب بھی حق کے لئے آواز اٹھے گی وہ ساتھ دے گا۔ آج ہمارے درمیان نہیں رہا۔ گردش لیل ونہار میں روز انگنت انسانوں کی زندگی کے صفحات بند ہوتے ہیں اور ان گنت انسانوں کی زندگی کے صفحات کھلتے ہیں۔ کسے یارا ہے کہ حکم الٰہی کے آگے اپنی چلا سکے۔

کل ہی کی بات تو ہے کہ انسان اچھا خاصا فرائض حیات نبھا رہا تھا۔ تعمیری زندگی کے لئے ہر دم رواں دواں تھا۔ اصلاح فرد واصلاح سماج میں لگا ہوا تھا۔ کسے خبر تھی کہ بے آہٹ پیام اجل آئے گا اور اچانک وہ ہم سے جدا ہو جائے گا اور ایک جم غفیر کو سوگوار چھوڑ جائے گا۔

ہم بھی تھے اس کے قدرداں دلی طور پر، اور وہ بھی تھا مہرباں ہم پر، دل رابدل راہ ست۔ عرصہ ہوا ان سے شناسائی ''نوائے اسلام'' دہلی کے مشہور ماہنامے مجلس الاعوۃ الاسلامیہ کے ترجمان کے حوالے سے ہوئی۔ پہلے پہل انہیں جامعہ سلفیہ میں دیکھا۔ یاد نہیں طالب علمی کا دور تھا یا معلمی کا۔ اور اب بھی وہ منظر نگاہ میں ہے کہ کس طرح جامعہ کے گیٹ سے باہر کچھ طلباء انہیں الوداع کہنے کے لئے کھڑے تھے۔ اس وقت لباس کی جو شکل تھی اور جو ہیئت کذائی تھی ہو بہو آخر تک وہی برقرار تھی۔ ان کی ظاہری ہیئت سے ہی عیاں رہتا تھا کہ ایک ذمہ دار، چاک چوبند، باہمت اور حوصلہ مند فرد ہیں۔ گفتگو اور ہر انداز سے یہ ٹپکتا تھا کہ یہ انسان کچھ ٹھانے ہوئے ہے اور کچھ کرنا چاہتا ہے اور کچھ کر گذرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔

ان کی زندگی کا اگر کوئی عنوان ہو سکتا ہے تو وہ ہے حوصلہ، ہمت اور ولولہ بقیہ زندگی کی کارکردگیاں اس عنوان کے مضامین ہیں۔ جب کسی فرد کی زندگی کا عنوان بن جاتا ہے تو آدمی ہمیشہ اپنی زندگی کو اسی کے تحت مرتب کرتا ہے اور اسی کے لئے موضوعات ومضامین میں تلاش کرتے ہوئے عمر کی بیڑیاں کاٹ دیتا ہے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی بلا عنوان ہوتی ہے۔ کبھی غلط عنوان لگا بیٹھتا ہے اور پھر غلطیاں ہی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اور بسا اوقات غلطیوں کی جھولا ڈال کر جھولتا رہتا ہے، اور خوشی میں گاتا بھی رہتا ہے۔ مولانا امینی نے اپنے عنوان حیات کے تحت جاں کوشی اور جان کاہی کی اور وطن مالوف کو چھوڑ کر مستقلاً بھیونڈی میں آباد ہو گئے۔ دین کی تعلیم حاصل کرنا، پھر اس لائن سے لگے رہنا اور اس کی خاطر وطن چھوڑ دینا بڑی قربانی ہے۔ دنیا کی خاطر، ملذات حیات کے حصول کے لئے انسان ساری کلفتیں برداشت کر سکتا ہے اور کرتا بھی ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے تجارتی مراکز کی طرف

رخ کرتے ہیں تو اپنے علم واخلاق، شخصیت اور مقصدیت کے لئے نفی بن جاتے ہیں اور پرورش لوح وقلم اور علم وہنر کے بجائے پرورش شکم پر قانع ہوکر رہ جاتے ہیں۔ مبارکباد کے مستحق ہیں وہ علماء جو دینی مشن سے جڑے رہ کر سماج میں اذیتیں سہتے، دعوت وتبلیغ کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

مولانا امینیؔ نے اپنے وطن مالوف ضلع مہاراج گنج میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر مئو کے مدارس میں زیر تعلیم رہے، اور مدرسہ امینیہ دہلی سے سند فراغت حاصل کی۔ علماء واساتذہ سے متعلق گفتگو کے دوران وہ اکثر مولانا محمد میاں رحمہ اللہ کا ذکر خیر کیا کرتے تھے۔ ان کی شفقتوں کا اثر وہ آج تک اپنے دل ودماغ پر محسوس کرتے تھے اور نصاب کے لئے اپنی مرتب کردہ سیرت کی کتاب ''الصادق الامین'' کو اپنی ماں کے ساتھ مولانا محمد میاں کے نام منسوب کیا ہے۔

مسلکی تفاوت موجود ہے مولانا محمد میاںؒ پکے جمعیۃ العلماء کانگریسی اور دیوبندی یعنی تین تین بوجھ اور مولانا امینی اہل حدیث لیکن اس کے باوجود استاذی وشاگردی کا رشتہ ایسا مضبوط کہ مرور ایام کے باوجود اس میں خلل نہیں آیا۔ دراصل دونوں کا کمال ہے۔ غالباً مولانا محمد میاں کا انتقال ۱۹۷۴ء میں ہوا تھا۔ میں نے ندوۃ العلماء میں ان کی تعزیت میں منعقد جلسے کو بھی دیکھا ہے۔ مولانا برہان الدین سنبھلی کی صدارت میں جلسہ ہوا تھا ''علماء حق کا شاندار ماضی'' کے حوالہ سے ان کی غلطیاں کتنی بھی بھیانک ہوں لیکن انسانیت شرافت اور ہمدردی کی جو خوبیاں ان کی شخصیت کا حصہ تھیں انہیں کا اثر تھا کہ وہ استاذ کی حیثیت سے اپنے لائق شاگردوں کے لئے ہمدرد اور سراپا خیر تھے۔ اسلامی یا انسانی شخصیت کی ہی کشش اور دل موہ لینے والی خوبی آج مفقود ہے جس کے سبب دل نہیں جڑتے۔ مشینی دور میں الفاظ جملے اور تراکیب کے جڑنے کی بڑی کثرت ہے لیکن دلوں کو جوڑنے کا کام شاید باید کے زمرے میں ہے۔ عجب تضاد ہے اس دور میں۔ انسان مفادات کے جوڑ گھٹاؤ میں ہر ایک سے چپکنے میں منافقت اور روباہی کی ساری سرحدیں پار کردیتا ہے اور توڑنے پر آتا ہے تو ہر ایک سے لڑنے کے لئے کمربستہ رہتا ہے اور ہماری جماعت میں ایسے ماڈل بکثرت پیدا ہورہے ہیں۔ اللہ خیر کرے۔

مولانا کا اپنا جو عنوان حیات طے تھا اس کے طے ہونے میں ان کی فطری صلاحیت، گھریلو ماحول، خدمت دین کے جذبے اور اساتذہ کی تربیت کا خاص دخل ہے، بچپن سے لے کر سن شعور تک انسان کا جو شاکلہ بن جاتا ہے جس کردار کی تشکیل ہوجاتی ہے اور اخلاقی وفکری ڈھانچہ بن جاتا ہے وہ عموماً ٹوٹتا نہیں ہے وہیں عنوان حیات بنتے ہیں اور نقش حیات بھی۔

مولانا نے معاشرے میں قدم رکھا اور بھیونڈی کو اپنی سرگرمیوں کی جولان گاہ بنایا۔ کسی صنعتی شہر میں دعوتی وعملی جولان گاہ بنانے میں بڑی آسانیاں بھی ہوتی ہیں اور مشکلات بھی۔ مادی اسباب کی آسانیاں ضرور ہوتی ہیں لیکن اس کے بعد مشکلات ہی مشکلات ہوتی ہیں۔ سب ان آسانیوں کو دیکھ کر موم بتی بن جاتے ہیں آقا اور سرکار کے الفاظ ان کے ورد زبان ہوجاتے ہیں اور ان کے مفاہیم ان کے دل ودماغ سے ہوتے ہوئے ان کے پورے جسم پر پھیل جاتے ہیں اور بہت سے ان آسانیوں کی زبان سمجھ لیتے ہیں اور جھیلنے کا

یارا نہیں رکھتے ہیں اس لئے میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو سب سمجھتے ہیں اور سمندر بن کر سب کو پی جاتے ہیں۔ حوصلہ مندی کا ثبوت دیتے ہیں اور میدان میں ڈٹے رہتے ہیں۔ مولانا امینی اسی تیسری قسم کے جی داروں اور حوصلہ مندوں میں سے تھے۔

مولانا امینی حوصلہ مند تھے۔ میدان میں ڈٹے رہے۔ کام میں جُٹے رہے۔ انہوں نے کبھی ہمت نہیں ہاری۔ بھیونڈی میں انہوں نے حالات کے تقاضے کے مطابق اپنے علم کی تکمیل کی۔ ایم اے اور بی ایڈ کیا اور علمی و تعلیمی لائن میں لگ گئے۔ وہاں کے کئی اداروں کے قیام کے محرک بنے۔ ان کو سنوارا بنایا اور آگے بڑھنے میں مدد کیا اور روح رواں رہے۔ عالم کا کمال ہی ہوتا ہے کہ وہ نام ونمود کے چکر میں نہیں رہتا اور اپنے فیض کا چشمہ ہر جگہ جاری رہتا ہے۔ بھیونڈی میں انہوں نے مسلسل ۳۴ سال کام کیا۔ اس شہر کی علمی و تعلیمی سرگرمیوں میں ان کی جو حصہ داری ہے ان کے لئے ذخیرۂ آخرت ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ آمین۔ وہ ہمیشہ اسی پیشے سے جڑے رہے اور قائدانہ رول ادا کیا۔ ہوتا یہ ہے کہ خاکہ ونقشہ کوئی دیتا ہے رنگ کوئی بھرتا ہے مادی اسباب کوئی مہیا کرتا ہے اور تکمیل کسی اور کے ہاتھ سے ہوتی ہے، چلاتا کوئی اور ہے پڑھتے پڑھاتے دوسرے ہی ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے مولانا نے ہمیشہ قائدانہ رول ادا کیا ہے۔ تعلیمی کاموں سے دلچسپی کا نتیجہ ہے کہ مولانا نے جونیئر ہائی اسکول تک کے لئے دینی کورس تیار کیا، اسے اسکولوں میں داخل نصاب کیا، ہزاروں بچوں کو دین سے آگاہ کرنے کی کوشش سارے مادی اسباب پر بھاری ہے، لیکن اس کے تولنے کیلئے اب دنیاوی میزان عمل کافی نہیں ہے۔ اس کا صحیح وزن میزان الٰہی سے ہی ہوسکتا ہے۔ اور جہاں دنیاداری کی ہاہا کار مچی ہو اس شور میں مخلصانہ دینی کوششوں کی قدر و قیمت کی آواز کانوں تک کہاں سنائی دے گی۔

مولانا امینی نے بھیونڈی کی جمعیت سے وابستگی اختیار کی ایک مدت تک اس کی قیادت کی، ان کی قیادت میں جمعیت کے خطوط کار متعین ہوئے۔ علمی، تعلیمی، دعوتی اور خدمت خلق کا نقشہ کار بنا۔ ان کی اور ان کے ہمراہیوں اور رفقاء کی جدوجہد کے نتیجے میں بھیونڈی کی جمعیت کو امتیازی شان حاصل ہے۔ شاید ہی کسی سطح کی جمعیت کو ایسی منظم متنوع اور ہمہ گیر کارکردگی ہو، اس وقت جمعیت کے پاس مساجد ہیں، مدرسہ ہے، اس کے کھولے ہوئے اسکول ہیں۔ شاندار لائبریری ہے، خدمت خلق کا شعبہ ہے۔ سب اللہ کے فضل سے کامیابی سے چل رہے ہیں۔ جمعیت کو فعال، مستعد بنانے اور اسے راہ عمل دکھانے میں ان کا قیادی رول تھا اور ساتھ ہی احباب جمعیت کی خوبی ہے کہ سب کی صلاحیتیں مل کر اسے نمایاں بنائے ہوئے ہیں۔

مولانا امینی نے خطابت کو اپنایا اور کبھی خطابت سے دستبردار نہ ہوئے، حتیٰ کہ انتقال سے ایک روز قبل جمعہ کا خطبہ دیا، بیمار تھے لیکن اس حالت میں بھی خطبہ دیا اور یہ اعلان کیا کہ یہ میری زندگی کا آخری خطبہ ہے، شاید انہوں نے اجل کی دھمک کو محسوس کرلیا تھا۔ خطابت میں شان امامت اور قیادت پائی جاتی ہے اور شخصیت زوردار ہو تو خطابت کی بات ہی اور ہوتی ہے۔ خطیب کی اگر اپنی پرسنالٹی ہو تو اس کا ہر جملہ اعتماد اور تاثیر میں ڈوبا ہوتا ہے اور اگر وہ دردمند ملت ہے تو تاثیر دوبالا ہوجاتی ہے۔ ان کی خطابت مناظراتی یا فرقہ

وارانہ نہیں ہوتی تھی وہ پیغام حق خلق الٰہی تک پہنچانے کے لئے تھی، اور خطابت کے زور وشور اور رعب داب کے ساتھ، اور انہیں اس میں کامیابی بھی ملی۔

جس مسجد میں ان کا خطاب ہوتا تھا اور جس کے بنانے سنوارنے اور آباد کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے، بلکہ اگر کہا جائے کہ وہی اس کے محرک تھے تو بے جا نہ ہوگا۔ پہلی بار میں نے اسے دیکھا تو بڑی مسرت ہوئی کہ ایسی بڑی دومنزلہ مسجد میں مولانا خطابت فرماتے تھے اور جب یہ پتہ چلا کہ بلاتفریق اس میں ہر مسلک کے لوگ نماز پڑھتے ہیں تو حیرت انگیز خوشی ہوئی اور یہ سوال بھی سامنے آیا کہ کس ساقی کا غمزۂ خون ریز ہے کہ سب اس کے شہید ہیں بہر حال اس سوال کا جواب ملا اور اس سے خوشی ہوئی۔ اللہ اسے آباد رکھے اور کتاب وسنت کی تعلیمات اس سے عام ہوں۔

میرا بھیونڈی میں بارہا جانا ہوا۔ ان سے ملاقات ہوتی، بڑی مسرت کا اظہار فرماتے اور واقعہ یہ ہے کہ کہیں بھی ملاقات ہوتی حد درجہ خوش ہوتے۔ ۲۰۰۲ء میں ممبئی میں ایک ماہ سے زیادہ رہنا پڑا۔ بھیونڈی سے ملنے آئے اور اپنی مرتب کردہ نصابی کتابوں کا ایک پیکٹ ہدیے میں دیا اور گذارش کی اس پر ایک نظر ڈال لوں۔ ابھی ملاقات کی خوشی اور سرور چھایا ہی ہوا تھا کہ دوستوں کی نظر کرم کا شکار ہوگیا۔ ایک بجلی گری اور آن واحد میں آرزوؤں اور امیدوں کا نشیمن ہی تہ وبالا ہوگیا اور دور بہت دور چلا گیا۔ پھر ان کتابوں کو دیکھ نہ سکا اور ان کتابوں کی ہی بات کیا لکھنؤ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کا فارم بھرا گیا تھا اس تک کا پتہ نہ رہا اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی نہ لے سکا۔

مولانا سے زیادہ تر ملاقات دہلی میں مرکزی جمعیت کی میٹنگوں میں ہوتی تھی۔ پہلی ملاقات شاید ایک شوریٰ میں ہوئی تھی۔ امیر جمعیۃ مولانا مختار احمد ندوی استعفا دے چکے تھے اور استعفا منظور ہو چکا تھا۔ امارت کی جگہ خالی تھی۔ میٹنگ اس لئے بلائی گئی تھی کہ تاکہ اس اہم منصب کی جو جگہ خالی تھی اسے پر کیا جائے۔ ایک صاحب کا نام بڑے اہتمام اور طویل اوصاف کے ساتھ لیا گیا تھا۔ اتفاق سے میں مولانا ابوالعاص وحیدی صاحب اور مولانا امینی پچھلی قطار میں ساتھ بیٹھے ہوئے تھے نام سن کر ایک نے دوسرے کو دیکھا اور مسکرائے، اس مسکراہٹ کا مطلب تینوں نے سمجھ لیا اور ہوا وہی جو سمجھا گیا تھا۔

پھر بار بار اس اسٹیج پر ملاقات ہوئی اور ہر بار جمعیۃ کے سلسلے میں کامل ہم آہنگی کے ساتھ گفتگو ہوئی۔ ان کا درد ہمارا درد ایک تھا۔ جمعیۃ اور جماعت کے متعلق۔ لیکن کون اسے محسوس کرے۔ نہ احساس رہا نہ شعور ہے۔ بس ایک روٹین ہے گاڑی کھسک رہی ہے اور جنہیں ناحق کرسیاں ملتی رہیں وہ جمعیۃ کو ذاتی میراث سمجھتے ہیں اور تمام نالائقیوں کے باوجود سمجھتے ہیں کہ جمعیت ان کے دم سے قائم ہے۔ ایسے بے شرم چند ٹکوں کی خاطر کہیں بھی رکوع وسجود میں گر پڑتے ہیں مگر پھر بھی جمعیۃ کو اپنے آباء واجداد کی جائیداد سمجھتے ہیں۔ تنظیمی کانفرنس کے ایک سیشن کی صدارت کرتے ہوئے ایسے بے شرموں کو مولانا نے للکارا تھا اور ان کی وہ درد بھری آواز اب تک یاد ہے کہ جمعیۃ وجماعت کے افراد کس قدر اپنے مفادات کے پھیرے میں رہتے ہیں مگر کبھی کسی کے دکھ درد میں شریک نہیں ہوتے۔ چند سال

پہلے ان کو دلی عارضے کی شکایت ہوئی تھی لیکن ایک غریب مولوی کو کون لفٹ دینے لگا۔ اس وقت ان کی کسی نے خبر گیری تک نہ کی جبکہ سالہا سال سے وہ جماعت سے وابستہ رہے اور جماعت کی خاطر انتھک کوشش کی اور بہت سے مواقع پر آواز حق بلند کی اور لوگوں کے ضمیر و ایمان کو للکارا اور جمعیت کو بہت سے بحرانوں سے باہر لانے میں بھرپور کام کیا۔

مولانا مجلس الدعوۃ الاسلامیہ دہلی کے احباب کی اس وقت سرپرستی کی جب وہ نئے نئے میدان میں آئے تھے اور ہر طرف ان کے خلاف جماعت و جمعیت کے آقاؤں نے شکوک وشبہات کی گرد اڑا رکھی تھی۔ ہمیں بھی ان احباب سے دلی ہمدردی تھی ہم سے بعض فکری عرج کے شکار پوچھتے تھے کیوں ان کی مدد کرتے ہو؟ میرا جواب ہوتا تھا اس لئے کہ وہ مظلوم ہیں۔ ہم تو باہر نکل گئے اور ساری ہندوستانی سرگرمیوں سے کٹ گئے لیکن مولانا امینی تاحین حیات اس کے سرپرست رہے اور سرپرستی کی ذمہ داری نبھاتے رہے۔

جب ہم اور عزیز عمر سلفی ان کے زیر بالیں کھڑے تھے اور دیدار کے لئے چہرہ کھولا گیا اس وقت زندگی کے واقعات ولمحات سامنے کھڑے تھے۔ یادوں نے دل ودماغ میں ہلچل مچا رکھی۔ عزیز عمر اپنے سرپرست سے محروم ہو چکے تھے۔ ان کے دیرینہ تعلقات انہیں یاد آرہے تھے وہ بھبک اٹھے۔ ڈھارس بندھائی گئی۔ جم غفیر موجود، پورا محلہ بلاتفریق مسلک سوگوار تھا۔ اور سارا کاروبار چھوڑ کر تجہیز وتکفین میں لگا ہوا تھا اور آخری دیدار کرنے اور کندھا دینے کے لئے بے تاب تھا۔ اللہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور پسماندگان کو صبر عطا کرے۔ آمین۔

(نوائے اسلام دہلی نومبر ۲۰۰۹)

□□□

علمائے اہل حدیث کی سوانحی زندگی پر ایک عظیم شاہکار، ضرور مطالعہ کریں

مجاہد آزادی، مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ کی حیات وخدمات

پر ایک تاریخی دستاویز بنام

حیاتِ رحمانی

ترتیب: عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

عبدالجبار انعام اللہ سلفی

پی ڈی ایف فائل کے لئے 9869395881 پر رابطہ کریں

بھیونڈی جماعت اہل حدیث کا میرِ کارواں
مولانا عطاء اللہ خان امینی رحمہ اللہ

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

مشرقی یوپی اور شمالی ہندوستان کے علماء، داعیان اور افراد جماعت کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ جس طرف بھی گئے اور جدھر بھی رہے بسے انہوں نے تجارت، صنعت اور مختلف پیشہ وری اور حصول رزق کے متعدد وسائل قدیمہ وجدیدہ کے ذریعہ جہاں اپنا گھر بسایا، پیسہ کمایا، اور دنیاوی ترقی پر گامزن رہے وہیں انہوں نے علم وعمل کے گلستان کی آبیاری کی، مسجدیں بنائیں، اسلامی ادارے قائم کئے اور اپنے علم اور دولت سے پوری جماعت کو فیض پہنچایا، انہیں معززین اور باوقار علمائے جماعت میں ایک نام مولانا عطاء اللہ خان امینیؒ کو حاصل ہے کہ شمالی ہندوستان کے مہراج گنج اور اس کے قرب وجوار کے خاندان اور اہل علاقہ کو چھوڑ کر جب ممبئی کا رخت سفر باندھا تو بھیونڈی میں مشیت الٰہی سے سکونت پذیری نصیب ہوئی، اور پھر علم وعمل کے ایسے جام لڈھائے کہ وہ تاریخ اہل حدیث کا حصہ بن گئے، نوکری اور پیشہ تدریس سے وابستگی کے ساتھ ساتھ آپ نے نہ صرف یہ کہ بھیونڈی جماعت کی آبیاری کی بلکہ دعوت وتبلیغ، تدریس وتعلیم کے ساتھ ساتھ اسکولوں میں پڑھنے والے طلبہ اور طالبات کے لئے تعلیم قرآن، تعلیم عربی زبان کی خاطر سہل اور دل پسند اسلوب میں ایک مکمل اور جامع نصاب تیار کیا اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور جماعتی دردمندی اور تبلیغی مساعی کی وجہ سے کئی بار بھیونڈی جمعیت کے امیر بھی منتخب کئے گئے بھیونڈی بیت المال کا منظم جماعتی سسٹم آپ کی ہی مرہون منت ہے۔ ۳۵ سال کے طویل عرصہ پر مشتمل آپ کی خدمات وحیات کی ایک حسین اور لمبی داستان ہے جو علم وعمل اور جہد مسلسل، فکرمندی اور جماعتی ترقی کے لئے بیش قیمت قربانیوں سے عبارت ہے، اس لئے آپ کی حیات وخدمات کے مختلف گوشوں کی ایک مختصر جھلک ہدیہ قارئین کی جاری ہے امید کہ مفید وعبرت آموز ہوگا۔

نام ونسب:

مولانا عطاء اللہ امینی بن رسول محمد خان، آپ کے والد امام صاحب کے نام سے اپنے علاقے میں بے حد مشہور تھے چونکہ تاحیات اپنے گاؤں کی مسجد کی امامت کی ذمہ داری نبھائی اس لئے امام صاحب کے نام سے پکارے جانے لگے، اور یہی آپ کی پہچان بن گئی، انتہائی نیک وصالح اور متقی انسان تھے، ایسے صاف ستھرے اور متدین ماحول میں مولانا عطاء اللہ خان امینی پیدا ہوئے اور یہیں آپ کی تعلیم وتربیت اور پرورش وپرداخت ہوئی۔ امینی کی نسبت آپ کی تعلیمی فراغت کے اعتبار سے ہے۔ ہندوستان کی راجدھانی پرانی دہلی میں ایک قدیم ادارہ ہے جو مدرسہ امینیہ کے نام سے جانا جاتا ہے وہیں سے آپ فارغ التحصیل تھے اس لئے برصغیر کے علمی رواج کے اعتبار سے آپ نے امینی کی نسبت اپنے نام کے ساتھ لاحق کردی۔

تاریخ ومقام پیدائش:

گورکھپور سے قریب شمالی ہندوستان کے مشہور علاقہ مہراج گنج کے ایک گاؤں بشن پورہ میں آپ کی پیدائش ہوئی، اور یہی آپ کا آبائی مسکن بھی ہے آپ کی تاریخ ولادت تقریباً ۱۹۵۲ء کے آس پاس ہے یا کچھ اور پہلے کی ہوگی۔

ابتدائی واعلیٰ تعلیم:

(۱) ابتدائی مکتب کی تعلیم گاؤں کے مدرسہ میں ہوئی۔

(۲) فارسی اور عربی کی تعلیم آپ کے گاؤں سے چھ کلومیٹر دور موضع ململیا عرف سرسیا میں ہوئی جو معروف عالم دین مولانا عبداللہ فیضی کا گاؤں ہے۔

(۳) درس نظامی کے لئے جماعت کے مشہور تعلیمی ادارہ جامعہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن گئے اور جماعت خامسہ تک کی تعلیم مکمل کی۔

(۴) مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مولانا عبدالواسع ریاضی کے ساتھ دہلی گئے جو اس وقت مدرسہ ریاض العلوم میں طالب تھے اور وہیں داخلہ لیا اور ایک سال تک حصول تعلیم میں لگے رہے۔

(۵) اس کے بعد اچانک وہاں سے دہلی کے پڑوس میں واقع ہاپوڑ شہر چلے گئے اور ایک عربی ادارہ میں سال بھر تعلیم پائی اور پھر دہلی واپس آگئے۔

(۶) دہلی واپسی کے بعد پرانی دہلی کے مشہور ومعروف عربی دارالعلوم مدرسہ امینیہ میں فراغت میں داخلہ لے لیا اور وہیں سے ۱۹۶۴ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

(۷) بعد میں بھیونڈی آنے کے بعد آپ نے دوران تدریس بی اے، ایم اے اور بی ایڈ کی ڈگری بھی امتیازی نمبرات حاصل کیں۔

اساتذہ:

آپ کے اساتذہ کا تفصیلی ذکر تو نہ مل سکا مگر ہندوستان کے مشہور جامعات جامعہ عالیہ عربیہ اور ریاض العلوم دہلی جیسے ادارہ میں تعلیم حاصل کرنا ہی اس وقت کے بڑے اساطین اہل علم کی شاگردی کا شرف پانے کی ضمانت ہے۔(۱) شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی (۲) اور اسی طرح مدرسہ امینیہ میں مولانا میاں صاحب مصنف ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' کا ذکر خیر بہت ہی کیا کرتے تھے۔

خدمات اور کارنامے:

(۱) فراغت کے بعد ۱۹۶۴ء، ۱۹۶۵ء سے لے کر ۱۹۷۰ء تک ضلع دیوریا کے ایک مشہور گاؤں ''انودھی'' میں درس وتدریس اور امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیتے رہے اور یہیں آپ کی شادی بھی ہوئی۔(۲) انودھی کے کچھ لوگ بھیونڈی کاروبار کرتے تھے اور یہیں سکونت پذیر تھے، انہیں لوگوں کی دعوت پر ۱۹۷۱ء میں آپ بھیونڈی تشریف لائے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔(۳) ۱۹۷۵ء میں بھیونڈی کھاڑی پار کی ایک چھوٹی سی مسجد میں امامت وخطابت شروع کی۔(۴) ۱۹۷۵ء ہی میں رئیس ہائی اسکول میں دینیات کے ایک استاد کی حیثیت سے تقرری ہوئی اور تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ رئیس ہائی اسکول بھیونڈی شہر کا ایک قدیم اور

معتبر تعلیمی ادارہ ہے اور پورے علاقے میں اسے خاصی شہرت حاصل ہے۔ مولانا نے پیشہ تدریس کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور اپنی ڈیوٹی انجام دینے کے ساتھ ساتھ بی۔اے، ایم اے اور بی ایڈ کی اعلیٰ ڈگریاں بھی حاصل کرڈالیں۔ یہ مولانا کی صلاحیت اور ان کی لگن اور محنت کی ایک بڑی دلیل ہے۔ جو ہمیں علمائے اسلاف کی میدان علم میں قربانیوں اور ان کے حوصلوں کی یاد تازہ کرادیتی ہے۔(۵) دس سالوں تک رئیس ہائی اسکول سے منسلک رہے اور اس کے بعد ایک ماہر عربی ٹیچر اور معلم کی حیثیت سے ۱۹۸۵ء میں رفیع الدین فقیہ گرلس ہائی اسکول میں گورنمنٹ کی نوکری پانے میں کامیاب ہوگئے اور تادم آخری اسی تعلیمی ادارہ سے بحیثیت معلم ایک قابل قدر اور بااصول منتظم و معلم وابستہ رہے۔ آپ کے تلامذہ اور طالبات کی تعداد بے شمار ہے اللہ تعالیٰ تمام کو آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

بھیونڈی بیت المال کا قیام اور اس کا ایک مضبوط سسٹم آپ ہی کی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔

تالیفات اور علمی خدمات:

مولانا عطاء اللہ امینی عوام الناس کی دینی رہنمائی کے لئے احکام شریعت نماز، روزہ اور دیگر کئی چیزوں پر چھوٹے چھوٹے رسالے ترتیب دے کر شائع کیا کرتے تھے۔ بالخصوص اسکول کے طلباء وطالبات کے لئے عام فہم زبان میں دینی نصاب کی ترتیب آپ کا سب سے عظیم عمل ہے ذیل میں آپ کی تصنیفات کی فہرست حوالہ قرطاس ہے تاکہ ہمیں معلوم ہوسکے کہ امینی صاحب کس قدر بلند وبالا علمی واکیڈمی سوچ کے حامل تھے۔

(۱) ناظرہ قرآن یعنی قرآن مجید پڑھنے اور تلاوت کرنے اور سیکھنے کے لئے ایک سلسلہ نصاب ''الالف والباء'' برائے ناظرہ قرآن تیار کیا تھا جو پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ روضۃ الاطفال (کے جی کے لئے) دوسرا حصہ روضہ الاطفال (سینئر کے جی کے لئے) تیسرا حصہ الصف الاول ابتدائی کے لئے چوتھا حصہ الصف الثانی الابتدائی کے لئے اور پانچواں حصہ الصف الثالث الابتدائی کیلئے مقرر نصاب تھا۔

(۲) اسلامی تعلیمات پر مشتمل ایک نصابی رسالہ ''المبتدا'' کے نام سے چوتھی کلاس سے لے کر دسویں کلاس تک کے لئے مرتب کیا تھا جو عقائد، عبادات، سیرت اور عربی زبان کے بعض اسباق پر مشتمل ہے۔

(۳) عربی زبان دانی اور اس کی تعلیم کے لئے ایک نصابی سلسلہ ''مصباح العربیۃ'' کے نام سے درجہ چہارم سے دسویں کلاس تک لکھنا شروع کیا تھا۔ دو حصے الجزء الاول والثانی مطبوع ہیں باقی کا علم نہیں ہوسکا۔ مسودہ تیار تھا طبع نہ ہوسکا یا کہ کتاب ہی تیار نہ کرپائے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۴) سیرت نبویہ کی تعلیم وتفہیم کے لئے ۱۵۷/اسباق پر مشتمل ایک ضخیم کتاب اسکولی نصاب کے لئے ''الصادق الامین'' تیار کی تھی جو اسکولوں میں رائج ہے۔

(۵) مسنون نماز (ہندی) (۶) کتاب الصوم (فقہ السنہ سے اردو ترجمہ)

(۷) زکوٰۃ قرآن کے آئینہ میں (۸) رمضان کے فضائل ومسائل

(۹) ماہ ربیع الاول اور حب رسول کے تقاضے (۱۰) ماہ شعبان حدیث کے آئینہ میں

(۱۱) رہزن دین وایمان (مولانا شمیم احمد سلفی قطر کی کتاب تعویذ وگنڈہ اور ڈاکٹر مسعود کی کتاب سے مستفاد ہے، تعویذ وگنڈوں اور سفلی علوم جیسے شرکیہ عقائد کا بہترین رد ہے۔)

اہم عہدے اور مناصب:

(۱) آفس سکریٹری مقامی دفتر جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ، بھیونڈی، بھیونڈی جمعیت کے لئے جب مولانا عبدالصمد کتبی اور مولانا مختار احمد ندوی کے توسط سے دفتر کا قیام عمل میں آیا اور اس کا شاندار افتتاح ہوا تو آپ کو اس کا سب سے پہلا سکریٹری مقرر کیا گیا۔

(۲) تین بار بھیونڈی جمعیت اہل حدیث کے امیر منتخب ہوئے اور بہترین کارکردگی سے جماعت کو بام عروج تک پہنچایا، ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۸ء تک اور اس کے بعد کے ادوار میں آپ نے امارت کی ذمہ داری انجام دیں۔

(۳) کئی بار جمعیت اہل حدیث ہند دہلی کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔

(۴) ۱۹۹۰ء میں جب مولانا مختار احمد ندویؒ کل ہند امیر منتخب ہوئے تو نائب نظماء میں مولانا عبدالباری کلکتہ، ڈاکٹر سید عبدالحلیم دربھنگہ کے علاوہ آپ کو بھی مولانا نے نائب ناظم کے طور پر منتخب کیا تھا۔

(۵) جماعت کے مشہور ماہنامہ نوائے اسلام دہلی کے تاحیات سرپرست رہے۔ اور ہمیشہ اس کی ترقی وتعاون کے لئے کوشاں رہے۔

(۶) ۳۵ سال تک مستقل امامت وخطابت کا فریضہ بھی بھیونڈی کھاڑی پار کی مسجد رسول آباد میں انجام دیتے رہے۔

سعادت زیارت حرمین: ۲۰۰۶ء میں ہندوستانی سفارت خانے کی طرف سے فریضہ حج پر جانے کی آپ کو سعادت ملی۔

بیماری اور وفات: مولانی کی جسمانی صحت فٹ تھی، کوئی خاص بیماری آپ کو لاحق نہ تھی۔ مگر قضاء الٰہی سے کسے چھٹکارا ہے، ۲ راکتوبر کو حسب معمول جمعہ کا خطبہ دیا، دوران خطبہ ہچکیاں آنے لگیں جس کی وجہ سے چند منٹ قبل از وقت ہی خطبہ بند کر دیا، شام تک ایسے ہی معاملہ رہا مگر کوئی تشویشناک صورت حال سمجھ میں نہ آئی رات میں اچانک بے چینی بڑھ گئی، ۴ ربجے رات میں غسل کیا اور پھر آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے مگر نیند نہ آئی فجر کا وقت ہو گیا، تیمم کر کے گھر پر نماز پڑھی جیسے ہی قبلہ رو ہو کر بیٹھے اچانک منہ سے خون آنا شروع ہو گیا اور لڑھک گئے اور ڈاکٹروں کے آنے سے پہلے روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی۔ ۳ راکتوبر ۲۰۰۹ء بروز ہفتہ صبح کی مبارک ساعت تھی۔ ظہر کی نماز کے بعد بھیونڈی میں تدفین عمل میں آئی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ واسکنہ الفردوس الاعلیٰ۔

پسماندگان: پسماندگان میں ایک بیوہ، تین بچے، (ایک لڑکا، دو لڑکیاں) اور بھائیوں میں دو چھوٹے اور ایک بڑے بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ اللہ مرحوم کو غریق رحمت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت کرے۔ آمین۔

(ملخص از نوائے اسلام دہلی۔ نومبر ۲۰۰۹ و ذاتی معلومات)

❑❑❑

مختصر سوانح حیات: شیخ عبدالمتین بن عبدالرحمن السّلفی رحمہ اللہ

مطیع الرحمن بن عبدالمتین السّلفی

نام : عبدالمتین

نسب نامہ : عبدالمتین بن عبدالرحمن بن کلیم الدین بن حفیظ اللہ۔

کنیت : ابو مطیع الرحمن

لقب : السّلفی

تاریخ پیدائش : یکم جنوری ۱۹۵۴ء

جائے پیدائش : موضع: بالا پتھر، ضلع: مالدہ، مغربی بنگال

ابتدائی تعلیم : آپ نے ایک تعلیمی ماحول میں آنکھیں کھولیں۔ آپ کے والد محترم مدرسہ نورالقمر کانتیر پا مغربی بنگالی میں صدر مدرس تھے۔ انہیں کے زیر سایہ آپ کی تعلیم وتربیت ہوئی۔

مولوی کی سند : مشہور ومعروف سرکاری تعلیمی ادارہ سینئر جامعہ مظہر العلوم بٹنہ، ضلع مالدہ سے مولوی کی سند اور ۱۹۷۲ء میں جامعہ سلفیہ بنارس میں داخلہ لیا اور سند فضیلت حاصل کی اور مشاہیر علماء سے کسب فیض حاصل کیا۔

مدینہ منورہ میں آپ کی تعلیم: جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اپنے یوم تاسیس ہی سے عالم اسلام کے لئے دل کی حیثیت رکھتا ہے اور کون ہے جو وہاں کی آرزو نہیں کرتا، اس سلسلہ میں بھی فضیلۃ الشیخ جناب محمد عطاء الرحمن المدنی حفظہ اللہ کی کوششوں کا بہت بڑا دخل ہے، انہوں نے جامعہ کے وائس چانسلر علامہ ابن بازؒ کے پاس ان کے داخلے کے لئے شفارس نامہ ارسال کیا تھا جس سے آپ کے داخلہ میں بڑی آسانی پیدا ہوگئی، آپ نے جامعہ اسلامیہ کے شعبۂ شریعہ سے ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں فراغت حاصل کی۔ اس طرح سے اللہ نے آپ کو علماء عجم کے علاوہ علمائے عرب سے بھی علمی تشنگی بجھانے کا بھرپور موقع دیا۔ فللہ الحمد۔۔۔۔۔

ایم اے : ایم اے کی ڈگری آپ نے ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی سے حاصل کی۔

ہندوستان میں آپ کی تعلیمی اور دعوتی سرگرمیاں:

۱۹۷۱ء میں آپ نے جامعہ مظہر العلوم بٹنہ، شمسی، مالدہ، مغربی بنگال سے ممتاز المحدثین کی سند حاصل کرنے کے بعد مدرسہ فیض العلوم بڑا سوہار، کرن دیکھی، اتر دیناج پور، مغربی بنگال میں درس وتدریس کا کام شروع کیا تھا۔ عجیب حسن اتفاق تھا کہ ان دنوں میں آپ

کے مربی واستاذ خود آپ کے والد ماجد بھی اسی مدرسہ میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے۔یعنی آپ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز بھی اپنے مشفق باپ کی نگرانی میں شروع کیا جیسا کہ تعلیمی سفر کا آغاز بھی انہیں کی نگرانی میں ہوا تھا۔ ۱۹۷۲ء تک آپ نے وہاں تدریسی خدمات انجام دیئے پھر جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس تشریف لے گئے۔

جامعہ سلفیہ سے فراغت کے بعد جب آپ وطن مالوف واپس آئے تو مدرسہ فیض العلوم بڑا سوہار منتقل ہوکر راحت پور، اتر دیناج پور آچکا تھا بنابریں آپ پھر اسی مدرسہ میں مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے۔مگر یہ وقفہ بھی زیادہ طویل نہیں ہوسکا بایں طور پر اسی سال جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے منظوری آنے کے بعد آپ مدینہ منورہ روانہ ہوگئے۔

معہد العلوم الاسلامیہ:

رمضان ۱۴۰۸ھ موافق ۱۹۸۸ء میں ہندوستان کی ممتاز علمی شخصیت جناب شیخ محمد عطاء الرحمن مدنی (جو آپ کے خسر محترم بھی ہیں) اور آپ کے والد محترم جناب شیخ عبدالرحمن مظہری صاحبان نے مل کر علاقہ کے بڑے بڑے علماء ودانشوروں اور نمائندگان کے تعاون سے کشن گنج شہر کے جنوب میں سلفی منہج تعلیم کے لئے ایک ادارہ قائم کیا اور اس کا نام معہد العلوم الاسلامیہ رکھا۔

ایک سال کے بعد ۱۹۸۹ء میں جب شیخ سلفیؒ ہندوستان تشریف لائے تو بانی مدرسہ جناب شیخ محمد عطاء الرحمن مدنی اور آپ کے والد ماجد جناب شیخ عبدالرحمن مظہری صاحبان نے معاونین کے اتفاق رائے سے معہد کی پوری ذمہ داری آپ کو سونپ دی اور آپ نے اپنی آمد کے روز اول سے اس ادارہ کو اپنی اولاد کی طرح دل میں جگہ دی۔ایک اولاد کی طرح اس کو پروان چڑھائے۔اس کی نوک وپلک کو درست کئے اور اس کو بام عروج تک پہنچانے کیلئے ہر ممکن کوشش کرڈالی۔ ۱۹۹۵ء تک چار گھنٹیاں مستقل طور پر آپ پڑھاتے رہے۔

توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ:

توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ دراصل شمال مشرق ہندوستان کی ترقی، تعلیمی بیداری اور مسلمانوں کی اقتصادی بلندی کا دوسرا نام ہے۔ ۱۹۹۰ء میں اس کی بنیاد رکھی گئی اور آپ اس کے صدر منتخب کئے گئے اور آخری وقت تک اس عہدے پر فائز رہے۔اس کے قیام عمل کے بعد معہد العلوم الاسلامیہ کو اس کے تابع کردیا گیا۔آپ کی دن رات کی محنت، ایثار وقربانی، مسلسل جدوجہد اور عمل پیہم نے اس ادارہ کو بام عروج تک پہنچادیا۔ آپ کے جذبہ صادق اور اللہ کی مدد نے اس ٹرسٹ کو اتنی کم مدت میں اتنی ترقی عطا کی کہ یہ ٹرسٹ اس علاقہ کا ایک مثالی ٹرسٹ بن گیا اور چند ہی سالوں میں اس کا دائرہ کار صرف سیمانچل ہی نہیں بلکہ مشرقی بہار، مغربی بنگال، آسام اور جھارکھنڈ تک وسیع ہوگیا۔سینکڑوں مساجد، بے شمار اسکول، مدارس، مکاتب، اور یتیم خانوں کے ذریعہ ملک وقوم کی تعمیر وترقی میں حصہ لیا گیا، ہزاروں ٹیوب ویل، سیلاب زدہ علاقہ میں طرح طرح کی امداد، جاڑے میں غریبوں کے لئے گرم ملبوسات کے ذریعہ اس ٹرسٹ نے جس طرح کی رفاہی وفلاحی خدمات انجام دی ہیں

اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے۔آج اس ٹرسٹ کے چلنے والے صرف تعلیمی اداروں کی تعداد پچاس سے متجاوز ہے، تاہم درج ذیل تین ادارے شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جامعۃ الامام البخاری:

شیخ کی کاوشوں سے معہد العلوم الاسلامیہ بفضلہ تعالی اس بلندی کو چھونے لگا جہاں اس کو معہد سے جامعہ کی شکل دینا ضروری ہوگیا، چانچہ ۱۹۹۴ء میں شیخ نے اس کا نام امام بخاری کی طرف منسوب کرتے ہوئے جامعہ الامام البخاری رکھ دیا اور جامعہ کی وسیع وعریض مسجد میں دوران پروگرام اس کا اعلان کیا نیز یہ بھی فرمایا کہ یہاں کے فارغین کو بخاری کا لقب دیا جائے گا۔

جامعہ الامام البخاری آپ کی کوششوں سے شمال مشرقی ہندوستان کے افق پر نیر تاباں بن کر ابھرا اور طلبہ کے لئے باعث کشش بن گیا دور دراز علاقوں سے وہ کشاں کشاں آنے لگے، آپ نے اس کے لئے اچھے سے اچھے اساتذہ اور جید علماء کرام کا انتخاب کیا عمدہ نظم ونسق کے ساتھ ساتھ معیار تعلیم کو بھی بلند کیا، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے معادلہ کے بعد جامعہ میں اور چار چاند لگ گیا۔آج اس کا نام نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ملک بھی روشن ہے، یہاں کے فارغین جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے علاوہ جامعہ ملیہ اور جے این یو دہلی وغیرہ میں بھی زیر تعلیم ہیں۔اور سینکڑوں فارغین مختلف علاقے میں علم وحکمت کی آبیاری کررہے ہیں۔

آپ نے عرب اور ہندوستان کے بڑے بڑے علماء کرام کے دورے کرائے اور دوبار جامعہ اسلامیہ کے دورۂ تدریبیہ کرانے میں کامیاب ہوئے یقینا یہ کوئی آسان کام نہیں تھا، اس سے جامعہ الامام البخاری کو جو اعزاز ملا وہ واقعی قابل فخر ہے۔

جامعہ عائشہ الاسلامیہ:

آپ نے ۱۹۹۳ء میں توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ کے ماتحت جامعہ عائشہ الاسلامیہ برائے بنات کی بنیاد رکھی اور پہلی بار سیمانچل کے اندر تعلیم نسواں کا قیام عمل میں آیا۔اس کے ذریعہ قوم کی ہزاروں بیٹیاں اس سے بہرہ ور ہوسکیں، اور آج تک اس کا فیض جاری ہے۔یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ آپ اس سلسلے کے مؤسس بانی ہیں سیمانچل کی تاریخ میں ازیں قبل اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے۔

آئی ٹی آئی کا قیام:

آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ قوم وملت کی ترقی ملک کی تعمیر اور بیروزگاری کے حل کے لئے ٹیکنیکل تعلیم کے حصول کا بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔لہٰذا آپ نے توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ کے ماتحت آئی ٹی آئی کالج کی بنیاد رکھ کر بالعموم پورے سیمانچل اور بالخصوص کشن گنج پر ایک بہت بڑا احسان کیا۔آج قوم کے ہزاروں بچے اس سے مستفید ہوکر ملک اور بیرون ملک میں برسر روزگار ہیں اور ملک کی تعمیر وترقی میں حصہ لے رہے ہیں۔اس میں تعلیم پانے والے طلبہ بہار، مغربی بنگال، جھارکھنڈ، آسام اور منی پورہ سے تعلق رکھتے ہیں، یقینا یہ تینوں ادارے غیر

معمولی حیثیت کے حامل ہیں تاریخ ان کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی ہے۔

آپ کے سیاسی روابط:

میدان سیاست سے آپ کو کوئی دلچسپی نہیں تھی، اگر آپ چاہتے تو کسی بھی سطح کا انتخاب بآسانی لڑ سکتے تھے، جس کی کئی بار آپ کو پیش کش بھی کی گئی، آپ نے اس جانب کبھی توجہ نہیں دی، تاہم یہ عجیب اتفاق تھا کہ سیاسی رہنماؤں سے آپ کے تعلقات ہمیشہ بہت زیادہ گہرے رہے، بلکہ اس سلسلہ میں ہندوستان گیر پیانے پر علماء کرام کی صف میں آپ کی شخصیت سب سے زیادہ نمایاں، منفرد اور ممتاز رہی۔ آپ نے جب اور جس کو بھی دعوت دی اس نے لبیک کہا۔ ان حضرات کی فہرست بہت طویل ہے جن میں سے چند اسماء درج ذیل ہیں:

(۱) عالی جناب غلام سرور صاحبؒ (اسپیکر اسمبلی بہار) آئی ٹی آئی اور جامعہ عائشہ للبنات کا سنگ بنیاد آپ ہی کے ہاتھ سے رکھا گیا۔

(۲) عالی جناب اخلاق الرحمن قدوائی صاحب (سابق گورنر بہار) عالی جناب اخلاق الرحمن قدوائی صاحب سے آپ کے تعلقات اس قدر پختہ اور وسیع تھے کہ بذات خود یہ موضوع غیر معمولی صفحات کا محتاج ہے۔ موصوف دامے درمے سخنے قدمے ہر طرح اور ہر موڑ پر آپ کا ساتھ دیتے رہے۔

(۳) عالی جناب لالو پرساد یادو صاحب (سابق وزیر اعلیٰ بہار و سابق مرکزی وزیر ریل) جناب یادو جی نے جب کشن گنج کا دورہ کیا تو اس موقع پر انہوں نے حفاظتی دستہ کو یہ حکم دیا کہ شیخ عبدالمتین سلفی صاحب کے علاوہ کسی کو بھی مالا پہنانے یا پھول پیش کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ یادو صاحب کو آپ نے جب جب دعوت دی بخوشی تشریف لائے، اور ہمیشہ آپ کے کارنامے اور خدمات کو سراہتے رہے اور ہر طرح کے تعاون کا اعلان کیا۔ یہاں تک کہ جامعہ کے روبرو ریل گاڑی رکنے کا حکم صادر کیا، اور اس کی تنفیذ بھی ہو چکی ہے۔

(۴) عالی جناب تسلیم الدین صاحب (سابق وزیر داخلہ) روز اول ہی سے موصوف سے آپ کے مراسم بہت اچھے رہے موصوف ہر موڑ پر آپ کے ساتھ اور مدرسہ کے لئے عظیم قربانیاں دیتے رہے ایک موقع پر آپ نے کہا کہ عبدالمتین سلفی کے خلاف اٹھائے گئے ہر فتنہ کا ہم سر قلم کردیں گے۔

(۵) عالی جناب مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی (ممبر پارلیمینٹ دہلی) آپ دونوں کے تعلقات ہمیشہ بہت اچھے رہے اور ایک دوسرے کو اپنے اپنے پروگراموں میں بلاتے رہے۔ اور دونوں کا مشن ہی علاقہ میں تعلیمی بیداری لانا تھا۔

(۶) عالی جناب پریہ رنجن داس منشی (سابق وزیر) ایک موقع پر آپ نے کہا کہ اگر آپ آسمان سے ستارے توڑنے کا بھی حکم دیں گے تو میں ضرور تیار ہو جاؤں گا چونکہ آپ سے مجھے ہمت ملتی ہے۔

(۷) عالی جناب منصور عالم صاحب (سابق وزیر اطلاعات ونشریات حکومت بہار) آپ سے تو ان کے تعلقات گھریلو جیسے تھے

اور وقتاً فوقتاً آپس میں زیارتیں اور ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔

(۸) عالی جناب سکونی چودھری صاحب (سابق وزیر صحت حکومت بہار) آپ نے شیخ مرحوم کی دعوت پر توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ اور جامعہ کا معائنہ کیا اور وہاں توحید چیریٹیبل ڈسپنسری کی بنیاد رکھی۔ اور شیخ صاحب کی طلب پر ایک ایمبولینس عنایت کی۔

موجودہ حکومت بہار کے سیاسی رہنماؤں سے آپ کے روابط:

(۱) عالی جناب نتیش کمار صاحب (وزیر اعلیٰ بہار) ۲۰۰۸ء میں موصوف شیخ کی دعوت پر جامعہ میں قدم رکھا اور آپ کی گراں بہا خدمات کو بے حد سراہا، شیخ نے موقع کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے جامعہ کو یونیورسٹی کی شکل دینے کی درخواست کی۔ آپ کو بی ایڈ کالج کی اجازت مل گئی، جس کا قانونی عمل جاری ہے۔ نیز اقلیتی گرلس ہاسٹل کے لئے دو کروڑ چونتیس لاکھ روپئے کا پروجیکٹ منظور کیا، جو زیر تعمیر ہے۔

(۲) ڈاکٹر دلیپ کمار جیسوال صاحب (ایم ایل سی و ڈائریکٹر ایم جی ایم میڈیکل کالج کشن گنج) آپ نے مدرسہ کے اندر ایک پختہ سڑک بنوائی اور ہمیشہ شیخ کا دفاع کرتے رہے۔

(۳) عالی جناب اختر الایمان صاحب (ایم، ایل، اے کشن گنج) موصوف نے ہمیشہ آپ کو اپنے سرپرست کا درجہ دیا اور آپ بھی ہمیشہ ان سے فراخ دلی سے ملتے رہے۔ ان کے علاوہ عالی جناب شری کمار مکھرجی صاحب مغربی بنگال، عالی جناب حفیظ عالم شیرانی صاحب کلکتہ، عالی جناب کلیم الدین شمس صاحب اسپیکر مغربی بنگال، عالی جناب مشتاق عالم صاحب کولکاتا، عالی جناب شاہجہان بسواس صاحب کولکاتا سے بھی شیخ کے بہت اچھے اور گہرے تعلقات تھے۔

اسفار:

دعوتی امور میں آپ نے ملک اور بیرون ملک کے بے شمار اسفار کئے جن میں سے چند ممالک درج ذیل ہیں۔ امریکہ، یوروپ، چین، مصر، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، کویت، قطر، بحرین، بنگلہ دیش، نیپال، بھوٹان، سری لنکا، مالدیپ وغیرہ۔

وفات: ۲۹ رمحرم ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۶ جنوری ۲۰۱۰ء بروز سنیچر بوقت ۱۱ بج کر ۴۵ منٹ (پونے بارہ بجے) دوپہر۔

علمی خدمات:

آپ کی تالیف اور ترجمے کی تعداد تقریباً سترہ تک پہونچتی ہے۔ تالیفات مثلاً التوحید جواہر الاسلام (عربی) روزے کے احکام واہمیت (بنگلہ) کلمتان (بنگلہ) وغیرہ۔ ترجمے: مثلاً کشف الشبہات (بنگلہ) اصول الثلاثہ (بنگلہ) الصیام (بنگلہ) دلیل الحج والعمرہ (بنگلہ) ماہنامہ پیام توحید (اردو و بنگلہ) کے موسس اور مدیر مسئول تھے۔

(ماہنامہ نوائے اسلام دہلی فروری ۲۰۱۰ء)

□□□

ڈاکٹر جاوید اعظم بنارسی رحمۃ اللہ علیہ

(ولادت: ۱۳۶۹ھ۔ ۱۹۵۰ء وفات: ۱۴۳۳ھ۔ ۲۰۱۱ء)

مولانا محمد یونس مدنی

نسب نامہ: ڈاکٹر جاوید اعظم بن عبدالعظیم بن عبدالحق بن حافظ عبدالرحمن بن حافظ عبدالرحیم بن اللہ بخش بن نذر محمد بن پیر محمد عرف فرنگی۔

آپ محلہ مدن پورہ شہر بنارس میں ۶/رجب ۱۳۶۹ھ مطابق ۲۵/اپریل ۱۹۵۰ء بروز منگل پیدا ہوئے، آپ کا گھرانہ دین داری، تمول اور سخاوت وفیاضی میں اپنی مثال آپ تھا، آپ کے پردادا حاجی عبدالرحیم (م ۱۹۳۵ء) نہایت متقی، پرہیزگار اور غریب پرور انسان تھے۔ توکل، بے نیازی اور سادگی ان کی فطرت تھی، بنارس کے بڑے تاجروں میں ان کا شمار ہوتا تھا، اپنی صاف گوئی، راست بازی، خوش معاملگی کی بناء پر وہ ''التاجر الصدوق'' کے صحیح مصداق تھے۔ ایسے دین دار گھرانے میں ڈاکٹر جاوید اعظم بنارسیؒ نے آنکھ کھولی اور نشوونما پائی۔

تعلیم وتربیت: ڈاکٹر صاحب موصوف نے ابتدائی اور عربی کی جماعت رابعہ تک کی تعلیم بنارس کے مشہور ادارہ جامعہ رحمانیہ مدنپورہ میں حاصل کی۔ پرائمری درجات میں ماسٹر عبدالحمید صاحب جونپوری، قاری احمد سعید صاحب بنارسی اور مولانا ابوالخیر صاحب فاروقی آپ کے اہم اساتذہ میں تھے، مولوی رابع تک کی تعلیم مولانا عزیز احمد صاحب ندوی، مولانا عبدالسلام رحمانیؒ مولانا قرۃ العین صاحب سے حاصل کی۔

موصوف جس سال جماعت رابعہ میں تعلیم حاصل کررہے تھے اسی سال جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کا افتتاح ہوا۔ (مولوی) سے اوپر کی جماعت (عالمیت، فضیلت) جامعہ سلفیہ منتقل ہوگئی، چنانچہ عالمیت اور فضیلت کی تعلیم جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں ہوئی۔

فراغت کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ گئے اور کلیہ الدعوۃ واصول الدین میں داخلہ لیا اور ویزا کے سلسلے میں آپ کو اردن کا سفر بھی کرنا پڑا۔

۱۳۹۷ھ میں آپ نے کلیۃ الدعوۃ واصول الدین سے ''لیسانس'' کی ڈگری حاصل کی ''لیسانس'' کی سند حاصل کرنے کے بعد دراسات علیا کی تعلیم مکۃ المکرمہ میں ہوئی، ماجستر (ایم اے) میں رسالہ کا موضوع تھا: دراسۃ وتحقیق "**المقنع فی علوم الحدیث لابن الملقن**"

ڈاکٹر صاحب کو اپنے ماجستر کے رسالہ "المقنع" کے لئے مصر کا سفر کرنا پڑا، اس سفر کے دوران وہاں کے علمی اداروں، مکتبات اور اہم شخصیات سے ملنے کا موقع ملا۔

دکتوراہ (پی ایچ ڈی) کے رسالہ کا موضوع تھا: دراسۃ وتحقیق ''الجزء الثامن من کتاب الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان''۔

جامعہ ام القریٰ مکۃ المکرمہ سے ماجستر (ایم اے) اور دکتوراہ (پی ایچ ڈی) کی اعلیٰ سند حاصل کیں، بنارس میں اسلامیات میں ام القریٰ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کرنے والے آپ دوسرے شخص تھے۔

تاریخ اور مقام فراغت:

(۱) عالمیت ۱۳۹۰ھ جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس

(۲) فضیلت ۱۳۹۲ھ جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس

(۳) لیسانس ۱۳۹۷ھ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

(۴) ماجستر ۱۴۰۳ھ جامعہ ام القریٰ مکۃ المکرمہ

(۵) دکتوراہ ۱۴۱۳ھ جامعہ ام القریٰ مکۃ المکرمہ سعودی عرب

سند اجازہ: شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ الرحمانیؒ (م ۱۴۱۴ھ) نے ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب کو اجازت حدیث کی جو سند عطا کی اس کے الفاظ یہ ہیں:

"ان الأخ الشیخ جاوید اعظم بن عبد العظیم من أهالی مدنفورہ بنارس الهند، طلب منی الاجازة بروایة الحدیث ووصل سندہ بسند أئمة الحدیث من أصحاب الصحاح وغیرهم، وقد أسعفته بمطلوبه، تحقیقا لظنه ومرغوبه وان کنت لست أهلا لذالك، ولکن تشبها بالأئمة الأعلام السابقین الکرام، فأقول بالله التوفیق: انی قد أجزت الأخ الشیخ جاوید أعظم بن عبد العظیم المذکور أن یروی عنی جمیع ما تصح لی روایة من کتب الصاح الستة وغیرها من الکتب المؤلفة فی الحدیث وأصوله وأجزته أیضا أن یروی عنی مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح.....الخ. ۲۸/صفر ۱۴۱۱ھ۔ ۱۹ نومبر ۱۹۹۰ء۔

عبید اللہ الرحمانی المبارکپوری کی اس سند اجازہ سے ڈاکٹر صاحب موصوف رحمہ اللہ کو شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ الرحمانی رحمہ اللہ سے نہ صرف یہ کہ شرف تلمذ حاصل ہوا بلکہ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو بزرگ علماء کرام سے کتنی محبت اور لگاؤ تھا اور علوم دینیہ سے کس قدر دلچسپی تھی۔

ہندوستان کے مشہور اساتذہ کرام: ہندوستان کے مشہور اساتذہ کرام: (۱) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانیؒ (م ۱۹۷۸ء) (۲) مولانا شمس الحق سلفیؒ (م ۱۹۸۶ء) (۳) مولانا عبد المعید بنارسیؒ (م ۱۹۸۰ء) (۴) مولانا عبد الوحید رحمانیؒ (م ۱۹۹۷ء) (۵) ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ (م ۲۰۰۹ء) (۶) مولانا محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ (م ۲۰۰۹ء) (۷) مولانا عبد الحمید رحمانیؒ (م ۲۰۱۳ء) (۸) مولانا عابد حسن رحمانی رحمہ اللہ (۲۰۰۹ء)۔

عرب اساتذہ: (۱) شیخ حماد الانصاری (۲) شیخ صالح العراقی (۳) شیخ عبداللہ الغنیمان (۴) ڈاکٹر ربیع ہادی المدخلی (۵) شیخ علی مشرف العمری (۶) شیخ رمضان ابوالعزّ (۷) ڈاکٹر عبدالعظیم الشناوی (۸) شیخ محمود عبدالوہاب فائد (۹) شیخ محمد محمد ابوفرحہ (۱۰) شیخ حسن مقبول (۱۱) شیخ یوسف النجار (۱۲) شیخ عبدالعزیز البہنسی (۱۳) شیخ عبدالکریم المراد (۱۴) شیخ صالح الحسین (۱۵) شیخ محمد المجذوب (۱۶) ڈاکٹر احمد محمود الاحمدی (۱۷) ڈاکٹر محمد ابوزہو (۱۸) ڈاکٹر مصطفی امین الثازی (۱۹) ڈاکٹر احمد نور سیف (۲۰) شیخ سید احمد (۲۱) ڈاکٹر عبدالمہدی عبدالقادر عبدالہادی۔

فراغت کے بعد مشغلہ: ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب متمول گھرانے کے فرد تھے اور خود بھی مالدار تھے، اگر چاہتے تو کاروبار سے لگ جاتے لیکن فراغت کے بعد موصوف نے درس وتدریس کو پسند فرمایا، طلبہ، اساتذہ اور علماء سے اپنا ربط برقرار رکھا اور زندگی کے آخر تک یہ سلسلہ جاری رکھا۔

دکتوراہ (پی ایچ ڈی) کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد سعودی عرب کے شہر دمام میں کلیۃ الادب للبنات، جامعۃ الملک فیصل بن عبدالعزیز میں تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے، آپ نے صحاح ستہ کے منتخبات پڑھائے، تدریس کا یہ سلسلہ ۱۴۱۴ھ سے لے کر ۱۴۳۰ھ تک برقرار رہا۔

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں لگ بھگ ایک سال تک تدریس کا فریضہ انجام دیا اور موطا امام مالک جیسی حدیث کی اہم کتاب اپنے درس میں رکھی۔

جامعہ سے آپ کا گہرا لگاؤ: جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس سے آپ کو بڑی محبت، گہرا لگاؤ اور تعلق تھا، آپ جامعہ کی ترقی اور تعلیمی معیار کو بلند کرنے اور بہتر بنانے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، آپ نے مملکت سعودی عرب میں چھتیس سال کی زندگی میں جامعہ کا تعارف کرانے میں اہم رول ادا کیا، آپ کی گراں قدر خدمات کو ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔

جامعہ کی مادی تعاون کے ساتھ ساتھ معنوی تعاون کا بھی آپ نے خیال رکھا، علماء مشائخ سے بہتر سے بہتر تعلقات بنائے رکھا، جامعہ کی سنٹرل لائبریری کو آپ نے بیش از بیش قیمتی، معیاری اور مراجع کی کتابوں سے مالا مال کیا جو آپ کا ایک عظیم اور تاریخی کارنامہ ہے۔

اکتوبر ۲۰۱۰ء میں جامعہ کی مجلس نے آپ کو جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم بنارس) کا صدر منتخب کیا۔ جنتا سیوا اسپتال کے ذمہ داروں نے بھی آپ کو مئی ۲۰۱۱ء میں باتفاق رائے اسپتال کا صدر منتخب کیا۔

دعوت وتبلیغ اور خطابت: ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی دعوت وتبلیغ اور خطابت کا بھی شوق تھا، آپ مستقل کسی مسجد کے خطیب تو نہیں تھے، لیکن گاہے بگاہے خطبۂ جمعہ دیا کرتے تھے، میں نے آپ کا سب سے پہلا خطبۂ جمعہ زمانہ طالب علمی میں حافظ ظہور کی مسجد میں سنا، ''انفاق فی سبیل اللہ'' کے موضوع پر اچھے انداز میں خطاب فرمارہے تھے، مسجد اہل حدیث للہ پورہ میں بھی آپ نے خطبۂ جمعہ دیا، ادھر چند ماہ پہلے میرے ساتھ بھدوہی کے ایک سفر میں تشریف لے گئے تھے وہاں بھی آپ نے خطبہ جمعہ دیا۔ آپ کو شوق ضرور تھا لیکن جسمانی مجبوری کی وجہ سے بہت کم خطبہ دیا کرتے تھے۔ عیدگاہ فاطمان روڈ للہ پورہ، بنارس میں غالباً ۱۹۷۸ء میں جب جماعت اہل حدیث کا عمل دخل ہوا تو اس کے سب سے پہلے امام عیدین آپ ہی تھے، آپ کے

بعد جناب مولانا عبدالقدوس رحمہ اللہ نے امامت کا فریضہ انجام دیا۔ بعدہ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ امام عیدین ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے بعد ۱۹۸۴ء سے خاکسار کو امام عیدین مقرر کیا گیا۔ ۲۹ رمئی ۲۰۱۱ء کو سعیدیہ لائبریری کے میدان میں تبلیغی اجتماع تھا، جس کی صدارت آپ نے فرمائی اور عوام کو بہترین انداز میں خطاب فرمایا۔

کانفرنس، سیمینار اور اجلاس عام میں شرکت آپ کا معمول تھا، باہمت اس قدر تھے کہ دور دراز علاقوں کا سفر کر لیتے تھے، ادھر ڈاکٹر رحمہ اللہ نے دہلی، مدراس، نیپال وغیرہ کا سفر اسی مقصد کے لئے کیا تھا، مدراس کا سفر دراصل آنکھ چیک کرانے کے لئے کیا تھا آپ کو آرام کی ضرورت تھی پھر بھی الحاج احسان اللہ صاحب (۱) کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے مدراس کی مسجد مبارک میں لوگوں کو بڑا جامع اور پر مغز خطاب فرمایا۔

جامعہ کے قاعۃ المحاضرات میں ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب رحمہ اللہ کا آخری خطاب بروز جمعرات بتاریخ ۲۷/۱۰/۲۰۱۱ء کو ہوا جو کہ ایک خاص پروگرام کے طور پر منعقد کیا گیا تھا جس کی صدارت خود ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمائی تھی۔

آپ نے اپنے اس اجتماع میں طلبہ کو بصیرت افروز خطاب سے نوازا، آپ نے حالات حاضرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے دہشت گردی کے متعلق فرمایا کہ دہشت گرد کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور نہ ہی مسلمان دہشت گرد ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مسلمان ایک ایسے مذہب کا پابند ہے جس کی تعلیمات میں دور دور تک بھی ظلم و بربرت کا نام نہیں ہے۔ نیز جس مذہب کا درس ہی امن و شانتی اور انصاف پسندی کا ہو تو پھر وہ اور اس کے ماننے والے کیسے دہشت گرد ہو سکتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے مزید روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ملک میں کچھ لوگ امن کی فضا کو مکدر کرنے کے درپے ہیں اور اس کے بعد اس کا تعلق اسلام کے ماننے والوں کی طرف منسوب کر کے خاص پروپیگنڈے کے تحت چند ہونہار نوجوان کو گرفتار کر کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا جاتا ہے۔

اخیر میں ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے امت مسلمہ کے حق میں دعا خیر کی اور اس کے ساتھ ہی اپنے خطاب کا بھی اختتام کیا۔

اخلاق وعادات: ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اعلیٰ اخلاق و کردار کے حامل بڑے خوش اخلاق ملنسار اور مرنجان مرنج شخصیت کے مالک تھے، بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے، ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۳ء تک مدینہ میں قیام کے دوران کئی بار مکہ جانے کا اتفاق ہوا قیام وطعام کا انتظام آپ ہی کرتے تھے۔ آپ کے یہاں مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری اور کئی دیگر علمائے کرام بھی مہمان ہوتے جب ڈاکٹر صاحب بنارس تشریف لاتے تو جامعہ سلفیہ کے مخصوص و بزرگ علمائے کرام کو کبھی عصرانہ اور کبھی عشائیہ پر بلاتے اور بڑی پر تکلف دعوت کرتے، صاحب زادے عبدالمحسن کی شادی میں بنارس کے ہر علاقہ کے لوگوں کو دعوت دی تھی، بنارس اور مضافات کے لوگوں نے بڑی تعداد میں ولیمہ میں شرکت کی تھی، جزاہ اللہ خیرا۔

بیماری اور وفات: ڈاکٹر صاحب موصوف رحمہ اللہ بیمار تو رہا کرتے تھے، آپ کو شوگر کا مرض تھا، علاج بھی برابر جاری تھا، معمول کے مطابق روزانہ جامعہ تشریف لاتے اور مختلف جگہوں میں ہونے والے امتحان کا جائزہ لیتے لیکن ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ آپ آناً فاناً اس دار فانی سے رخصت ہو جائیں گے۔

۲۶ رمحرم الحرام ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۲ ردسمبر ۲۰۱۱ء بروز جمعرات حسب معمول جامعہ تشریف لائے اور مسجد کے تہ خانہ میں جہاں طلبہ کا امتحان ہو رہا تھا کافی دیر تک بیٹھے رہے، جب امتحان ختم ہوا تو دھوپ میں بیٹھ کر اساتذہ کے ساتھ محو گفتگو تھے، ظہر کی نماز جامعہ میں ادا کی، اس کے بعد گھر تشریف لے گئے، سب کچھ ٹھیک تھا، رات کو سینے میں تکلیف اٹھی اور دھیرے دھیرے بڑھتی گئی، نماز فجر کے وقت ایمبولینس آئی تاکہ اسپتال لے جایا جائے لیکن اس کی نوبت نہ آئی اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس طرح آپ ۲۷ رمحرم الحرام ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۳ ردسمبر ۲۰۱۱ء بوقت ۶ بجے صبح جان جان آفریں کے حوالہ کر دی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی روز بعد نماز مغرب مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ ناظم اعلیٰ جامعہ بنارس نے مدن پورہ روڈ پر آپ کی نماز جنازہ بڑھائی، جنازہ میں شرکت کے لئے دہلی سے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم عمومی مولانا اصغر علی سلفی حفظہ اللہ، مئو، مبارکپور کے مدارس کے علماء کرام جامعہ کے طلبہ واساتذہ کرام بنارس ومضافات بنارس سے کافی تعداد میں لوگ جنازہ میں شریک تھے۔ ۷ بجے شام اپنے آبائی قبرستان سکراباغ میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ ووسع مدخلہ۔

ملک کے مختلف حصے میں آپ کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے پسماندگان میں بیوی ایک لڑکا اور چھ لڑکیاں ہیں ماشاء اللہ آپ نے بھرا پڑا خاندان چھوڑا ہے۔ آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالمحسن حفظہ اللہ لیسانس کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد دمام میں اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

(۱) آپ مدراس کے معزز اور مالدار گھرانے کے ایک فرد ہیں، بڑے شفیق ومہربان، سخی وفیاض اور با اخلاق وملنسار ہیں علماء کے بڑے قدرداں اور مہمان نواز ہیں، ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو جب مدراس کا سفر کرنا تھا تو سفر سے پہلے الحاج احسان اللہ صاحب کو اطلاع کر دی گئی تھی کہ جامعہ سلفیہ بنارس کے صدر محترم مدراس تشریف لے جا رہے ہیں، موصوف نے ڈاکٹر صاحب کے مدراس پہنچنے پر ان کا ان کے شایان شان استقبال کیا اور بڑی پر تکلف ضیافت فرمائی اور بڑے احترام واکرام کے ساتھ پیش آئے۔ یہی حال الحاج شیخ احسان اللہ صاحب کے بھائی الحاج شیخ عبداللہ رحمہ اللہ کا تھا۔ بڑے خلیق، ملنسار، سلفیت کے حامی اور علماء کے قدرداں تھے، نوّر اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

دراصل یہ لوگ بزرگ باپ کے پروردہ ہیں، شیخ احسان اللہ صاحب کے دادا الحاج شیخ اسماعیل رحمہ اللہ انتہائی خلیق، ملنسار اور سخاوت وفیاضی میں اپنی مثال آپ تھے اور شیخ احسان اللہ صاحب کے والد محترم حاجی عبدالعزیز رحمہ للہ شرافت ومروت وفیاضی میں یکتا تھے، ان کا پورا گھرانہ ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا صحیح مصداق ہے۔

مجھے چند سالوں سے جامعہ سلفیہ کی طرف سے سفارت پر مدراس جانا ہوتا ہے، الحاج احسان اللہ صاحب جو کمپنی کے ذمہ دار ہیں، بڑی محبت سے پیش آتے ہیں، جامعہ سلفیہ کے تعاون کا خاص اہتمام کرتے ہیں، مدراس میں مسجد مبارک کا پورا انتظام وانصرام یہی خاندان کرتا ہے۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

نوٹ: ڈاکٹر صاحب سے متعلق بعض اہم معلومات آپ کے صاحبزادے عبدالمحسن صاحب نے فراہم کیں۔

(تراجم علمائے اہل حدیث بنارس از مولانا محمد یونس مدنی۔ ص ۶۲۔۷۰) ❑❑❑

فخر جماعت علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ
چند نمایاں خصوصیات وخوبیاں

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

نام: عبدالحمید رحمانی بن عبدالجبار رحمانی

ولادت: کاغذات میں ۲۱/اپریل ۱۹۴۳ء اور حقیقت میں ۱۹۴۰ء بمقام تندوا، ضلع سدھارتھ نگر (سابق ضلع بستی)، یوپی۔

تاریخ وفات: ۲۰/اگست ۲۰۱۳ء ۱۲/شوال ۱۴۳۴ھ بروز منگل ۶:۳۰ صبح۔

تعلیمی صلاحیت: ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے اسکول سے، عربی واسلامی تعلیم مدرسہ شمس العلوم سمرا، بحر العلوم انتری بازار، جامعہ سراج العلوم بونڈیہار، فیض عام مئو، عربی وفارسی بورڈ الہ آباد اور جامعہ رحمانیہ بنارس سے اور اعلیٰ تعلیم جامعہ اسلامیہ مدینہ نبویہ میں اور ۱۹۷۰ میں وہاں سے فراغت۔

تدریسی تجربات: جامعہ رحمانیہ بنارس، جامعہ سلفیہ بنارس اور مرکز کے تعلیمی اداروں میں تقریباً سات سال۔

ریسرچ اور بحث وتحقیق کے تجربات: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے شعبۂ تالیف وتحقیق میں تین سال تک ''ہندوستان میں خدمات حدیث'' پر مقالات کی نگرانی اور رہنمائی، ''فتنہ انکار حجیت حدیث'' کے موضوع پر تحقیقی مقالات کی تیاری اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ''نصاب تعلیم'' کی نگرانی۔

صحافتی تجربات: ایڈیٹر، پندرہ روزہ 'ترجمان' (اردو) دہلی، معاون ایڈیٹر سہ ماہی 'صوت الجامعۃ' (عربی) جامعہ سلفیہ بنارس، ممبر مجلس ادارت، ماہنامہ 'اوقاف'، سرپرست ماہنامہ 'التوعیۃ' اور ماہنامہ 'التبیان' (اردو)، نئی دہلی۔ اور اہم اور حساس موضوعات پر خصوصی نمبرات اور متعدد علمی اور بین الاقوامی شخصیات پر وقیع مقالات۔

انٹرویوز: ڈاکٹر محمد عدشویعر، جریدہ 'عقیدتی' قاہرہ کے ایڈیٹر، انٹرنیشنل ہفتہ واری جریدہ ''المسلمون' کے نمائندہ روزنامہ 'الشرق الاوسط' کے نمائندہ، مجلہ 'التوحید' قاہرہ کے ایڈیٹر اور مجلہ ''اقتصاد اسلامی' امارت کی جانب سے لئے گئے اہم انٹرویوز۔

عالمی کانفرنسوں میں شرکت اور اہم خطبات ولیکچر: سعودی عرب، مصر، ترکی، اردن، برطانیہ، امریکہ، ملیشیا، سنگاپور، سری لنکا، بنگلہ دیش، اور ہندونیپال کی مختلف کانفرنسوں کے علاوہ دسیوں کانفرنسوں، سیمیناروں میں شرکت اور ان کی نظامت، ہندوستان کے مختلف صوبوں اور نیپال کے مختلف علاقوں کی اہم کانفرنسوں میں حساس موضوعات پر خطاب، دروس خطبات جمعہ۔

علمی، دینی اور سماجی تنظیموں کی رکنیت اور عہدے:

جنرل سکریٹری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، بانی وصدر جمعیۃ الشبان المسلمین بنارس، معاون سکریٹری مسلم مجلس مشاورت ہند، رکن کل ہند مسلم پرسنل لا بورڈ، رکن کل ہند علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ایکشن کمیٹی، رکن دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش، رکن مجلس الثقافہ والتربیہ الاسلامیہ، جامعہ نگر، نئی دہلی، رکن مجلس عاملہ ایجوکیشنل ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن نئی دہلی، جنرل ایڈوائزر جامعہ دارالسلام عمرآباد، تاملناڈو، رکن مرکزی ایڈوائزری حج کمیٹی حکومت ہند، رکن مائنارٹی کمیٹی حکومت ہند، صدر عمومی ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی، صدر جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دہلی، صدر مجمع البحوث العلمیہ الاسلامیہ نئی دہلی، سرپرست مجلس الفقہ الاسلامی نئی دہلی، رکن اساسی ورلڈ اسلامک کونسل، لندن، رکن مجلس تاسیسی اسلامک کونسل برائے مسلمانان جنوبی ایشیاء، سری لنکا۔ (ماخوذ از مجموعہ مقالات)۔

● ● ●

فطری طور پر ہر انسان کو قدرت کچھ نہ کچھ خوبیاں دے کر عالم وجود میں بھیجتی ہے رحمانی صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ نے بے پناہ خوبیاں عطا کیں تھیں، ایک عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک بہترین مدبر اور منتظم کار بھی تھے۔ دینی اور مسلکی پہچان کے پہلو بہ پہلو سماجی اور سیاسی اعتبار سے بھی آپ کا رتبہ بے حد بلند تھا، جہاں آپ نے پوری دنیا میں جماعت اہل حدیث کی نمائندگی کا بھرپور حق ادا کیا ہے وہیں آپ نے عالم اسلام کو پیش آنے والے مسائل ومعاملات میں ملت کی بھرپور ترجمانی ونمائندگی کی ہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث کی نظامت علیا اور امانت عامہ کی اہم ترین ذمہ داریوں سے لے کر درجنوں جماعتی وملی تنظیموں کی رکنیت اور ذمہ داری بالخصوص اپنے قائم کردہ مرکز ابوالکلام اور اس کے ماتحت درجنوں سے زیادہ اداروں کی تنظیم، صدارت اور ان کی تعلیمی اور مالی نگرانی وسرپرستی تک ہر جگہ کامیابیوں نے آپ کی قدم بوسی کی ہے علمی اعتبار سے تحریر وتقریر کی صلاحیتوں سے آپ جہاں مالا مال تھے وہیں پر زبان وبیان کی قدرت، تدریس وتعلیم میں مہارت، تحقیق وریسرچ میں بے پناہ ادارک وبصیرت بھی رکھتے تھے، خطابت کے ساتھ ساتھ آپ کی صحافت قلمی شاہ کار کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ مذکورہ خوبیاں رحمانی صاحب میں بھرپور موجود تھیں لیکن ان صفات عالیہ کے پہلو بہ پہلو جو خوبیاں آپ کی شخصیت میں نکھار اور عالمی شہرت کا سبب بنیں وہ میرے اپنے تجربہ کے اعتبار سے تین اہم خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے رحمانی صاحب ایک مثالی اور عالمی شخصیت بن کر افق پر نمودار ہوئے اور آخری وقت تک چمکتے دمکتے رہے۔

(۱) منہجی غیرت اور مسلکی بے باکی، برجستگی اور جرأت۔ (۲) تاریخ اہل حدیث میں مہارت اور گہری واقفیت۔

(۳) اردو عربی زبان وادب میں قدرت روانی اور طلاقت۔

(۱) منہجی غیرت اور مسلکی جرأت:

کوئی قوم، عقیدہ، جماعت، منہج، مسلک اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتا جب تک کہ اس کے ماننے والے اس کے حمایتی پرچارک اور اسے پھیلانے کے لئے دردمند نہ ہوں۔ اور یہ جذبہ اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جب اس قوم اور جماعت کے اندر اس عقیدہ یا منہج کے

لئے غیرت موجود ہو جہاں اس کے خلاف کوئی بات اٹھے اس کی تردید اور منہجی طریقہ سے اسے کاٹنے کے لئے بے تاب ہو اور اس کی حمایت کے لئے ٹھوس دلائل، انسانی جذبہ اور جرأت رندانہ پیدا کرے اور اسے بچانے کے لئے خود اٹھ کھڑا ہو۔ دوسروں کو تیار کرے، لوگوں کو آمادہ کرے، ہمنوا بنائے اور اس راستے میں کسی طرح کی مصالحت، جھکاؤ یا سودے بازی اور دباؤ قبول کرنے کا معاملہ نہ ہو بلکہ ضرورت پیش آئے تو جان مال وقت اور دیگر وسائل وذرائع کو اختیار کرتے ہوئے اس کے لئے قربانی پیش کرے مداہنت بازی یا بے جا رواداری سے کوسوں دور ہو۔ اور یہ خوبی بدرجہ اتم رحمانی صاحب میں پوری آب وتاب کے ساتھ موجود تھی مسلک اہل حدیث کی حمایت۔ عقیدۂ توحید اور جماعت حقہ کی حفاظت وصیانت کے لئے آپ نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جہاں بھی رہے پوری منہجی غیرت اور مسلکی جرأت کے ساتھ حق کی اور اسی راہ میں لگے رہے۔

مرکزی جماعت کی نظامت علیا کے دور میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا معاملہ ہو یا مرکز ابوالکلام آزاد جوگائی بائی کے قیام سے لے کر تاحیات اوکھلا دہلی میں منہج وعقیدہ کی بات ہو ہر وقت ہر جگہ آپ جماعت اور عقیدہ ومنہج پر پوری جرأت مندی سے قائم رہے آپ کا ادارہ مرکز ابوالکلام آزاد جوگابائی ابتدائی ادوار سے ہی غیر جماعتی اہل بدعت کی آنکھوں میں کھٹکتا رہا ہمیشہ سازشیں کی گئیں، رحمانی صاحب کو جھکانے دبانے اور آپ کے ادارہ کو بند کرنے کی کاوشیں ہوئیں، مگر پوری جرأتمندی اور منہجی غیرت کے ساتھ آپ نے تمام اہل باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا کورٹ کچہری تک مقدمات ہوئے رب العالمین نے وہاں بھی فتح وکامیابی سے ہمکنار فرمایا غرضیکہ دہلی میں جماعت اہل حدیث کو اگر کہیں سے استحکام ملا اور اہل حدیثوں میں مضبوطی آئی ہے تو اس میں ایک بڑا حصہ رحمانی صاحب اور آپ کی منہجی غیرت مندی اور جرأت کا بھی ہے۔

☆ ترجمان سلف علامہ شیخ محمد بن ربیع ہادی المدخلی کی مخلصانہ نصیحت:

اس وقت مجھے عالم اسلام کی ایک معتمد منہجی غیرتمندی میں بے مثال اور مستند شخصیت، مدینہ یونیورسٹی کے مایہ ناز محدث شیخ ربیع بن ہادی مدخلی کی وہی نصیحت یاد آرہی ہے جب اپنے گھر کی ایک نجی مجلس میں آپ نے سلفیان برصغیر اور اہل حدیثان ہند کو یہ مشورہ دیا تھا کہ آج کے پرفتن دور میں مسلک اہل حدیث اور منہج سلف کی حفاظت کے لئے ایسے علماء کی ضرورت ہے جو ہندوستانی عالم دین شیخ عبدالحمید عبدالجبار یعنی رحمانی صاحب کی طرح پوری بے باکی، اور غیرتمندی سے ہر جگہ مسلک اور منہج کی سچی اور کھری ترجمانی کریں، مداہنت پرستی، مسلکی رواداری اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی لوچ پوچ کا شکار نہ بنیں بالخصوص فتنہ انکار سنت اور اس کے چور دروازوں کو بند کرنے کے لئے طلباء اور علماء کو ہندی عالم دین رحمانی صاحب کو اپنا آئیڈیل ماننا چاہیے اور آپ کے تجربات، برجستگی، علم اور منہجی غیرت کو مثال بنانا چاہیے، علامہ مدخلی کی اسی نصیحت کے پیش نظر میں نے ہمیشہ رحمانی صاحب کو اپنا منہجی آئیڈیل تسلیم کیا۔

☆ ممبئی میں صوبائی جمعیت اہل حدیث نے ۲۰۰۳ء میں جب دین رحمت کانفرنس کا انعقاد باندرہ کرلا کمپلیکس میں کیا تو اس میں مختلف علماء اور اسکالروں کے ساتھ ڈاکٹر ذاکر نائک کو بھی مدعو کیا۔ نائک صاحب کی شخصیت بڑی عالمی اور مشہور ہے صوبائی جمعیت اہل حدیث کے اسٹیج سے نائک صاحب نے جماعت اہل حدیث کے خلاف ایک سوال کے جواب میں بڑی اوچھی باتیں کہیں، جو عوام

وخواص، علماء اور جہلا سب کے لئے فکر مندی کا باعث تھیں فوری طور پر نائک صاحب کی ان اوچھی حرکتوں کا جواب دینا بے حد ضروری تھا مگر یہاں بھی غیرت جرأت اور علم وزبان کی ضرورت تھی چنانچہ جماعت کے ذمہ داروں نے اس کے لئے رحمانی صاحب کا انتخاب کیا اور بروقت انتخاب کیا مناسب انتخاب کیا حق بحق دار رسید کی مصداق تھا یہ انتخاب، اور پھر رحمانی صاحب نے پوری جماعت، منہج، اہل توحید اور تاریخ اہل حدیث کا وہ عظیم الشان قرض اور اس کا بوجھ اپنے سر سے اتار دیا جو آپ کے اوپر عائد تھا اسٹیج پر تشریف فرما تھے مائک پر جلوہ گر ہوئے اور پھر نائک صاحب کی ان اوچھی حرکتوں کا اتنا مدلل اور مسکت جواب دیا کہ آج تک اہل علم اسے سراہتے ہیں اور یہ جماعت کی تاریخ کا ایک باب بن گیا۔ اور صرف یہی نہیں ہند اور بیرون ہند ہر جگہ آپ نے اسی طرح کی نمائندگی کی ہے اہل عرب ہوں یا عجم دانشوران ہوں یا مفکرین، جہاں بھی موقع ملا آپ نے منہج حقہ کی بروقت مدلل اور مناسب ترجمانی کی اور تاریخ کے حوالوں سے جماعتی قربانیاں، علماء اہل حدیث کی جہود ومساعی کو اجاگر فرمایا، اور یہ بات مشہور ہے، عرب میں رہنے والے بھی جانتے ہیں کہ کویت، سعودی عرب اور خلیج میں بھی آپ نے اپنی اس جرأت اور شجاعت اور منہجی غیرت کا لوہا منوایا ہے۔ ائمہ حرمین سے لے کر شاہی خاندان اور وہاں کے علماء اور علم وتحقیق سے وابستگی وشغف رکھنے والے دردمند حضرات سبھی کو آپ نے اپنی منہجی غیرت کا ثبوت دیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہاں علمی مجلسوں میں آپ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور آپ کی قربانیوں کو سراہا جاتا تھا اور اسی وجہ سے شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے لیکر ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف اور امام حرم شیخ سبیل رحمہ اللہ جیسے عبقری شخصیتیں آپ پر بڑا اعتماد اور اعتبار رکھتی تھیں اور سلفیان ہند کا آپ کو نمائندہ تصور کرتی تھیں صلاح الدین مقبول کی زوابع فی وجہ السنۃ اور دعوۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ پر آپ کے تمہیدی کلمات وتقریظات اس بات کے شاہد ہیں کہ رحمانی صاحب نے مداہنت اور بے جا رواداری کا چور دروازہ اپنی دعوتی زندگی میں جماعتی اور منہجی غیرت کی وجہ سے بالکل ہی بند کر رکھا تھا۔

☆ ہندوستان کے مشہور مفکر عالم عرب وعجم میں اپنی ادبی اور علمی تحریر سے پہچانی جانے والی معروف ندوی اور دیوبندی شخصیت مولانا علی میاں ندوی ہوں یا پھر فتنہ انکار سنت کے حوالہ سے ریشہ دوانیاں اور بچکانہ تحقیق کے دعویداران برصغیر ہندوپاک کے قدیم علماء ہوں یا یونیورسٹی میں سرکاری روٹی کھانے والے پروفیسران ہوں یا پھر عمرآباد کے خاندان اہل حدیث کے وارثین ہوں یا جماعت اہل حدیث کا کوئی ادارہ یا شخصیت ہو جہاں بھی آپ نے کوئی بھی لوچ پوچ دیکھا، انکار سنت کی بو محسوس کی، تصوف کا رنگ چڑھتے ہوئے نظر آیا، یا پھر منہجی غیرت کو ذرہ برابر آنچ آئی تو رحمانی صاحب تڑپ اٹھے، سنت کی حفاظت اور جماعت حقہ کی حمایت میں پھر آپ سے رہا نہ گیا، زبان گویا ہوگئی، قلم چلنے لگا، حق کی آواز غیرتمندی کے ساتھ آپ نے بلند کردی، اسٹیج پر برس پڑے یا اخباروں میں تڑپ اٹھے اور یہی جرم تھا رحمانی صاحب کا جس کی وجہ سے اپنوں اور غیروں کے آنکھوں میں تنکا بنے ہوئے تھے مگر سچ ہے کہ حق وصداقت کا گھونٹ بڑا کڑوا ہوتا ہے۔

منہجی غیرت اور اس میدان میں صراحت اور حق گوئی کی ایک ادنیٰ مثال آپ کی وہ تحریر ہے جو علی میاں ندوی کے سلسلے میں آپ نے لکھا ہے، لکھتے ہیں کہ: هذا هو دين الاستاذ الندوي فانه في كتبه يلاقي العربي بوجه يوافق ذوقه السني السليم و يلاقي العجمي بآخر يوافق ذوقه الصوفي السقيم، ويشاركه في هذا السلوب كبار جماعة

التبلیغ وجماعة الاستاذ المودودی أیضاً.

ترجمہ: کہ یہی استاد علی میاں ندوی کا شیوہ ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں اہل عرب سے اس طرح خطاب کرتے ہیں جو ٹھیک ان کے سنی مزاج کے موافق ہو اور غیر عرب (اردو داں) سے ان کے صوفی مزاج کے مطابق گفتگو کرتے ہیں اور اس اسلوب میں تبلیغی جماعت کے بڑے علماء اور جماعت مودودی کے اساطین بھی یکساں ہیں (مقدمہ دعوۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ صلاح الدین مقبول احمد ص ۴۶)

☆ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر اپنی اردو کتابوں میں صوفی رنگ چڑھانے کی جو کاوشیں علی میاں ندوی نے کیں ہیں ان کا قلع قمع کرتے ہوئے بڑی صراحت اور جرأت کے ساتھ رحمانی صاحب رقمطراز ہیں:

ولاأدری ماذا یرید الاستاذ الندوی بالذکر والمراقبة والنسبة والروحانیة والباطنیة؟ أما یکفیه الاحسان الذی عبربه النبی ﷺ عن کمال الایمان واعلیٰ درجاته؟ وهل یحتاج المؤمن زیادة الی اسوة الرسول ﷺ الی ریاضیات شاقة وتربیة صوفیة؟ وهل کان اصحاب الرسول وتابعوهم باحسان لم یبلغوا تلك الدرجة التی بلغها ابن الرومی والسهروردی والسمنانی والبدوی والتیجانی وغیرهم؟ وهل الرجل لا یتمکن من بلوغ درجات الکمال التی یریدها الاستاذ الابالمراقبة عند القبور التی یقوم بها امثاله فی التکایا والزوایا وصدق الرسول ﷺ حیث قال: "بدأ الاسلام غریباً سیعود کما بدأ فطوبیٰ للغرباء"

ترجمہ: اور مجھے معلوم نہیں کہ ندوی صاحب (علی میاںؒ) کا ذکر، مراقبہ اور ریاضت ونسبت کے تذکرہ سے کیا مقصد ہے؟ کیا، احسان کا وہ درجہ جو کمال ایمان اور اس کے اعلیٰ درجات کی زبان نبوی سے تعبیر ہے اس کے لئے کافی نہیں ہے اور کیا کسی مومن کو نبی ﷺ کے اسوہ کے سوا کسی بدنی ریاضت اور صوفیانہ تربیت کی ضرورت ہے؟

اور کیا اس درجہ کو صحابہ کرام اور تابعین عظام نہیں تھے جس درجہ تک ابن الرومی سہروردی سمنانی، بدوی اور تیجانی وغیرہ پہنچے تھے؟ اور کیا کوئی آدمی کمال کے درجات تک جس کا تذکرہ ندوی صاحب نے کیا ہے بلا قبروں کے پاس مراقبہ کے نہیں پہنچ سکتا ہے جیسا کہ آپ جیسے بہت سارے لوگ گوشوں میں بیٹھ کر کیا کرتے ہیں۔ سچ فرمایا نبی محترم ﷺ نے کہ: اسلام غربت واجنبیت کے عالم میں شروع ہوا ہے اور اسی حالت میں عنقریب لوٹ جائے گا تو ایسے غربت زدہ لوگوں کے لئے بشارت ہو۔

(دعوۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ صلاح الدین مقبول ص ۴۷)

علی میاں ندویؒ کی ایک تاریخی غلطی کی نشاندہی اور اس سلسلے میں صراحت گوئی:

دعوۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے مقدمہ میں رحمانی صاحب نے ہندوستان میں ابن تیمیہ کے بعض شاگردوں کی آمد اور شاہ محمد تغلق

سے گفتگو اور بدعات کے خاتمہ کے لئے ان کی کاوشوں کے ضمن میں تحریر کیا ہے کہ اس سلسلے میں علی میاں ندوی نے تعصب اور اغماض سے کام لیا ہے اور اپنی کتاب تاریخ دعوت وعزیمت میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے لئے مختص (۲ جلد) میں ان کے شاگردوں کے تعلق سے کسی بات کا تذکرہ نہیں کیا ہے، لکھتے ہیں:

وان تعجب فتعجب من الشيخ ابو الحسن على الندوى الكاتب المعروف الذى لايذكر شيئاً من هذه الحقائق حتى فى كتبه التى تختص بتاريخ المسلمين فى الهند وبسيرة شيخ الاسلام ابن تيميه رحمه الله ايضاً. ولا يمكن تلمس العذر له فى هذا الشان بعدم الاطلاع على هذه الحقيقة التاريخية النيرة لانه مجبول على الكتابة فى التاريخ الاسلامى وان وجد ذكر الملك محمد تغلق فى بعض المواضع من مولفاته فبروايات أعدائه من المتصوفة الضالين الذين قضى عليهم وعلى خز عبلاتهم وانحرافاتهم فى عصره الزاهر تأثرا بتلاميذة شيخ الاسلام ابن تيميه رحمه الله ولعل الشيخ الندوى حفظه الله لا جل نزعته الصوفية وولائه العميق للمتصوفة لم يجد دافعاً لذكرهم بل وصل الأمر عنده الى حد التغاضى عنهم والله اعلم بالصواب۔

ترجمہ: اگر کوئی تعجب خیز امر ہے تو مولانا علی میاں ندوی جیسے مشہور ومعروف کاتب کے سلسلے میں ہے جنہوں نے مذکورہ تعلق سے حقائق کو اپنی ان کتابوں میں کہیں نہیں ذکر کیا ہے جو ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ اور ابن تیمیہ کی سیرت سے متعلق ہیں۔ اور اس سلسلے میں ان کے لئے اس تاریخی حقیقت سے نا آشنائی کا کوئی عذر اور بہانہ بھی نہیں ڈھونڈا جاسکتا ہے کیونکہ تاریخ اسلامی اور اس کے سلسلے میں لکھنے کے وہ عادی ہیں، اور اگر شاہ محمد تغلق کا ذکر آپ کی کتابوں میں کہیں موجود بھی ہے تو یہ ان کے صوفیہ حاقدین اور دشمنوں کی وہ روایات ہیں جن کے خاتمہ کے لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے متاثر ہو کر شاہ تغلق نے اپنے زمانہ میں انجام دیا تھا اور شاید کی ندوی رحمہ اللہ اپنے صوفیانہ مزاج اور ان سے گہری عقیدت کی وجہ سے ان کے تذکرہ سے باز رہے بلکہ معاملہ تو جان بوجھ کر پہلو تہی اختیار کرنے اور نظر انداز کرنے جیسا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (دعوۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ص ۲۱)

☆دارالعلوم ندوۃ العلماء علوم کتاب وسنت کے بجائے تصوف اور ایک خاص مسلک کی ترجمانی کی راہ پر:

ندوۃ العلماء کے قیام کا مقصد ملت اسلامیہ میں علوم کتاب وسنت کا فروغ اور اس کی نشر واشاعت تھا ندوہ کے قیام اور اس کے استحکام میں مولانا ابراہیم آروی، محمد حسین بٹالوی، اور ثناء اللہ امرتسری جیسے اساطین علماء اہل حدیث کی مساعی کا بہت بڑا عمل دخل رہا ہے۔ ندوہ کے ساتھ ہمیشہ علمائے اہل حدیث نے علمی فکری اور ہمہ جہتی تعاون پیش کیا ہے، مگر ندوہ اب اپنے قیام کے مقاصد سے ہٹ چکا ہے اور تاریکی کی راہ پر چل پڑا ہے یہ درد اور کرب مولانا عبدالحمید رحمانی صاحب نے تاریخی حقائق کی روشنی میں بڑے دکھ کے ساتھ تحریر کیا ہے اس میں صراحت حق گوئی اور غیرت بھی ہے اور ملت اسلامیہ کے اتحاد اور اس کے نجات وبچاؤ کا جذبہ بھی، لکھتے ہیں:

مولانا عبدالباری ندوی کی یہ تحریر تیس سال سے زیادہ پرانی ہے اس وقت تو مولانا علی میاں کی شخصیت اتنی تقدس مآب نہیں مانی جاتی

تھی، لیکن ماضی کی تیس سال کی مدت میں تو ان کے گرد جی حضوریوں تصوف، تقلید جامد اور اصحاب وجد وحال اور قصیدہ پڑھنے والوں کا ایک انبوہ جمع ہوگیا ہے اور ان کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ان کے حواریوں کے اندر رسہ کشی کی عجیب سی فضا پیدا ہوگئی ہے اور ندوہ مکمل طور پر ان کے ذاتی خیالات، رجحانات اور ان کے اپنے خاص ''مسلک'' کا ترجمان بن کر رہ گیا ہے۔ ان کا مسلک اہل حدیثوں کی مجلسوں میں نجد کے مشائخ کے سامنے، سلفیت ہے اور کوثری صاحب اور ان کے شاگردوں عبدالفتاح ابوغدہ وغیرہ کے سامنے کوثریت ہے اور احمد غراب وغیرہ کے سامنے اپنی عربیت اور وحدت الوجودیت و وحدت الشہودیت وغیرہ ہے۔ ۱۹۱۰ء میں جو کشمکش شروع ہوئی تھی وہ حقیقت میں ندوہ کے اصلی مقاصد کے خلاف تصوف، تقلید جامد اور اعتقادی وفکری اور عملی بدعات اور اقتدار وقت کے سامنے تملق کا ردعمل تھا سید احمد رائے بریلوی، شاہ اسماعیل، میاں نذیر حسین محدث دہلوی، نواب صدیق حسن اور شیخ حسین بن محسن انصاری وغیرہم کی مساعی سے توحید خالص اور اتباع سنت کی جو روح سرزمین ہند میں پیدا ہوئی تھی اور جس نے وحدت الوجود، وحدت الشہود اور تصوف کی ضلالتوں، تقلید شخصی کی ظلمتوں اور بدعات وخرافات کی غلاظتوں کے پردے چاک کردیئے تھے۔ اور جس کے اثرات علامہ شبلی رحمہ اللہ پر ان کے آخری دور میں اور سید سلیمان ندوی پر ان کے ابتدائی دور میں پڑے تھے اور ابراہیم آروی، محمد حسین بٹالوی، محمد بشیر سہسوانی، عبداللہ غازی پوری عبدالعزیز رحیم آبادی، عبدالمنان وزیرآبادی، عبدالجبار غزنوی، سلیمان منصور پوری، عین الحق پھلواری، شمس الحق عظیم آبادی، ثناء اللہ امرتسری، ابوالکلام آزاد، سید علی حسن وغیرہم کی کوششوں نے جسے جلا بخشا تھا، اسے تصوف اور تقلید جامد کے دوکاندار برداشت نہ کرسکے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کو پھر اسی تاریکی کی راہ پر لے گئے جس سے ملت کو بچانے کے لئے اس کا قیام عمل میں آیا تھا اور ابراہیم آروی، محمد حسین بٹالوی اور ثناء اللہ امرتسری وغیرھم کی شب وروز کی مساعی صدیق حسن خاں کے خاندان کی علمی مساعی اور روحانی قربانیاں، صدیق حسن خاں کا کتب خانہ، یونس دتاؤلی کی دولت عبدالعزیز میمن کا ترکہ، حفیظ اللہ خاں بندوی اور علی حسن خاں کے اہتمام وانتظام کے تجربے، تقی الدین ہلالی، خلیل عرب، امیر علی محدث، حفیظ اللہ اعظمی، حلیم عطاء اور محمد العرب وغیرہ کی تدریسی جدوجہد اور عربی زبان وادب کی تعلیم میں ان کی مجتہدانہ صلاحتیں تقریباً سب کی سب بیکار ہوگئیں اور اب ندوہ کے نمائندے کانفرنسوں اور سیمیناروں میں ایک طرف تقلید شخصی کے وجود اور دوسری جانب تصوف کی ضلالتوں اور تیسری جانب قرآنی آیات ونصوص کی بعید از کار تاویل بلکہ تحریف تک کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کیا عقیدہ ومنہج سلف کے مدعی سلفی حضرات اپنے اسلاف کی ان قربانیوں کے ضیاع اور اس کے اسباب پر غور کرنے اور اس سے عبرت حاصل کرنے کی زحمت گوارا کریں گے۔ (التبیان ص ۲۵۔۲۶/ اکتوبر ۲۰۱۱ء حیات ثنائی کے چند اہم گوشے قسط (۲)

(۲) تاریخ اہل حدیث میں مہارت اور گہری واقفیت:

رحمانی صاحب کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ تعلیم وتدریس، صحافت وخطابت اور دیگر میدان عمل کے شہسوار ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخ اسلام، تاریخ عرب بالخصوص، برصغیر ہندوپاک اور پورے عالم عرب وعجم میں سلفی تحریک وہابی مومنٹ اور مسلک

اہل حدیث کی تاریخ میں گہری واقفیت رکھتے تھے۔ ہندوستان میں آزادی سے پہلے علماء صادقپور ہوں یا دیگر علمائے اہل حدیث کی قربانیاں، میاں صاحب کے حوالے سے ہندوستان میں علم حدیث کی نشر واشاعت ہو یا آپ کے شاگردان باوقار کا سلسلہ طویل، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اوران کی خدمات جلیلہ ہوں یا اس طرح ہندوستان میں اہل حدیثوں کا علمی وقاران کی پہچان جامعہ رحمانیہ دہلی اوراس سے متعلق جماعتی اور دعوتی تاریخ، مولانا ابوالکلام آزاد کی سیاسی بصیرت اورآزادی وطن کے تعلق سے ان کا گہرا شعور ہو یا انکی پوری تحریر کردہ کتابوں کے حوالہ سے ان کی جماعتی فکراور منہجی سوچ ہو یا تحریک شہدین اورشیخ محمد بن عبدالوہاب وآل سعود کی عظیم تاریخی اورسلفی خدمات ہوں جس کی وجہ سے آج پوری دنیا میں توحید کا غلغلہ ہے یا پوری دنیا میں سلفیت سے وابستہ جماعتیں، شخصیات، علماء واکابرین سب کی خدمات، قربانیاں، جہود، کارنامے اورنشیب وفراز سے وابستہ داستانیں، اقبال وادبار کے اسباب وعلل اوران سب کی دعوتی، مسلکی، سلفی، تاریخ کے سلسلے میں مہارت اور گہری واقفیت رکھتے تھے تاریخ اہل حدیث اورعلماء اہل حدیث کے تعلق سے سلسلہ انساب، تاریخ وفیات اورمختلف سنین کے اعتبار سے علاقے کی تواریخ تو آپ کو ایسے ازبر تھیں جیسے کہ کوئی مشین ہم کلام ہو۔ قدرت نے آپ کو تاریخ اہل حدیث پر مکمل کمانڈ عطا کیا تھا اور یہ اللہ کا آپ پر فضل تھا ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء اورصرف تاریخ اہل حدیث ہی نہیں بلکہ برصغیر ہندوپاک میں مسلکی تعصب، تقلید جامد بزرگان دین سے اندھی عقیدت کے نتیجے میں اہل حدیثان ہندوپاک پر جہاں بھی ستم ڈھایا گیا، اورہماری صاف ستھری تاریخ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ یا کتر بیونت کیا گیا، خرد برد کی کوششیں ہوئیں اورجن جماعتوں اوران کے ملی سربراہان نے علماء اہل حدیث کے خلاف گہری اورخفیہ سازشیں کیں اورکرتے رہے رحمانی صاحب اس طرح کی داستانوں سے بھی گہری واقفیت رکھتے تھے۔ اور جب بھی کہیں موقع ملتا تو ان مسائل کو بھی آپ اپنی علم اور گہرے بصیرت کی بنیاد پر برملا اجاگر کرتے تھے اور بلاخوف لومۃ لائم ان سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے تارو پود بکھیرتے تھے، جو ماضی بعید اور قریب میں ہمارے اسلاف اور ہماری جماعتی تاریخ کے ساتھ کیا گیا۔

حق تو یہ تھا کہ اس میدان میں رحمانی صاحب کو قائد اور رہبر تسلیم کیا جاتا اور آپ کی منہجی غیرت اور تاریخ سے گہری واقفیت کو بنیاد بنا کر ہندوستان میں دعوتی کام کو انجام دینے کی تدبیریں ہوئیں اور جماعت اہل حدیث کے تمام ادارے انجمنیں مراکز اور جمعیات رحمانی صاحب کے اس عظیم عمل اور کاوش کو اپنے لئے مشعل راہ بناتے تو آج ہمارا معاملہ کردار اور ہماری پہچان کچھ اور ہی ہوتی۔

برصغیر ہندوپاک میں انکار سنت کے حوالہ سے کتنے چور دروازے کھولے گئے اور سنت کے رخ زیبا کو داغ دار کرنے کی کتنی سازشیں ہوئیں، کہاں کہاں سے منکرین سنت اوران کے فتنے اٹھے، ان کا حسب ونسب کیا تھا، ان کے رہنما اور رہبر کون تھے شازشیں کہاں سے ہوئیں تھیں ان کا علمی رتبہ کیا تھا، ان کی تحقیقات اور دعوؤں کی حقیقت کیا تھی۔ عظمت سنت میں سرشار رحمانی صاحب کو یہ سب کچھ پتہ تھا اور قدرت نے آپ کو اتنا بیدار مغز پختہ ذہن اور فکر ثاقب دیا تھا کہ منٹوں میں آپ ان کی پوری تاریخ اوران کا پورا شجرہ، حلیہ اور گھناؤنا چہرہ کھول کر لوگوں کے سامنے رکھ دیتے تھے۔ سننے والے آپ کی زبان سے تاریخی حوالوں پر مشتمل برجستہ جب آپ کے تبصرے سنتے تو عش عش کر اٹھتے اور یہی علم اور بصیرت آپ کی محبوبیت اور لوگوں کے دلوں میں بے پناہ اپنائیت اور عقیدت کا

بھی سبب تھی۔ معہد التعلیم الاسلامی جوگا بائی میں دوران تعلیم بعض عجم اور عرب مشائخ کی آمد اور اس سلسلے میں منعقد تعارفی پروگرام میں مجھے رحمانی صاحب کی تاریخی برجستگی اور اس سلسلے میں گہری مہارت یاد ہے۔ ایک عرب مہمان کی آمد پر آپ نے شاہ فیصل مرحوم اور آل سعود کی جو تاریخ اور قربانی کی داستانیں عربی زبان میں ذکر کیں کہ وہ عرب مہمان بھی کہنے پر مجبور ہو گیا کہ مجھے اپنے آباء واجداد اور بزرگوں کے بارے میں اتنا پتہ نہیں جتنا کہ رحمانی صاحب کو علم ہے بے ساختہ وہ رحمانی صاحب کی پیشانی پر بوسے دیکر آپ کی علمی عظمت اور تاریخ عرب بالخصوص شیخ محمد بن عبدالوہاب اور آل سعود شاہ فیصل کے سلسلے میں گہری واقفیت کی گواہی دینے لگا۔

آپ کی تاریخی مہارت تو اس وقت دیکھنے اور سننے میں آتی تھی جب آپ رو میں آجاتے ایک ایک حادثہ اس کی تاریخ، دن پتہ ایسے بتاتے اور ذکر فرماتے جیسے کہ آپ وہاں خود حاضر رہے ہوں بیسوی صدی کے اواخر میں میری نگاہوں نے تاریخ اہل حدیث کا اتنا بڑا حافظ اور ناقد، واقف اور ماہر اب تک نہ دیکھا ہے، ہوسکتا ہے تاریخ سے شغف رکھنے والے دیگر اہل علم بھی ہماری جماعت میں موجود ہوں لیکن جو برجستگی حاضر دماغی اور بروقت تاریخ کے سلسلے میں ٹھوس صلاحیت ومعرفت رحمانی صاحب کو قدرت نے عطا کی تھی اور جو کمانڈ اور استحکام آپ کے خاصہ میں تھی وہ کہیں دیکھنے کو نہ ملی اسے کاش کہ آپ کی تقریریں، تحریریں جو جماعتی تاریخ کے سلسلے میں آپ کے اولاد یا دیگر احباب جماعت کے پاس کہیں بھی موجود ہوں ریکارڈ میں آجائیں، زیب قرطاس بن جائیں اور طباعتی زیور سے آراستہ ہوجائیں تو جماعت کی تاریخ کا ایک عظیم اور سنہرا باب رقم ہوجاتا اور اہل علم کے لئے ایک نایاب تحفہ ہوتا۔

مجلہ التوعیہ اور مجلہ التبیان کے مختلف شماروں میں آپ کے قلم سے اس بابت بکثرت تحریریں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ خصوصاً التبیان کے ادھر دو تین سال کے شمارے میں جس میں برادر گرامی محمد رحمانی صاحب اور ان کے رفقاء نے (حجاز ونجد سے متعلق رحمانی صاحب کی یادداشتیں) کے عنوان سے ایک اچھا کالم شروع کیا تھا جو تقریباً ۱۴ قسطوں پر مشتمل ہے جس میں رحمانی صاحب کے علمی مشائخ اور بعض عرب وعجم کی مشہور شخصیات کے سلسلے میں اپنی یادداشت کے حوالے سے بڑی انوکھی اور تاریخی باتیں تحریر کی ہیں بالخصوص محدث مدینہ، شیخ عبدالمحسن بدرالعباد، شیخ حمادالانصاری، علامہ ناصرالدین البانی، عالمی ادیب ڈاکٹر تقی الدین ہلالی، شیخ الحدیث احمد اللہ پرتاب گڑھی اور ان کے علاوہ دیگر اساتذہ اور شخصیات پر آپ کی یہ تحریر تاریخی، تحقیقی، علمی، ادبی، اور سماجی ہر اعتبار سے شاہکار اور یادگار کا درجہ رکھتی ہے۔

تاریخ اہل حدیث اور علمائے اہل حدیث کے سلسلے میں رحمانی صاحب کی گہری مہارت اور واقفیت کی مثال:

علامہ ابومحمد ابراہیم آروی کے تذکرہ میں رحمانی صاحب کا جس طرح قلم جنبش میں آیا وہ آپ کی تاریخی مہارت وواقفیت کی بین دلیل ہے۔ لکھتے ہیں: امام علامہ ابومحمد ابراہیم آروی (المتوفی ۱۳۱۹ھ) کی شخصیت انیسویں صدی کے نصف اخیر کی ان نادرۂ روزگار شخصیات میں سے ہے جن کی اصلاحی اور تجدیدی اثرات برصغیر ہندوپاک سے متجاوز ہوکر جزیرۂ عرب تک اور ایک صدی کی مدت سے گزر کر دوسری صدی تک آپہنچے ہیں۔ والحمدللہ علی ذالک۔ امام المجدد المصلح شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ (۱۲۲۰ھ ۱۳۲۰ھ) کے سیکڑوں تلامذہ میں دو درجن سے زائد شخصیتیں تو ایسی عظیم ہوئی ہیں جن میں سے ہر ایک کی حیثیت مستقل امام، مصلح اور داعی اور مجتہد کی تھی، ۔ علامہ ابومحمد ابراہیم آروی، علامہ ابوسعید محمد حسین بٹالوی، علامہ محمد بشیر شہسوانی، امام عبداللہ غزنوی

استاذ الاساتذہ امام عبداللہ غازی پوری، امام المجاہدین، رئیس المناظرین علامہ عبدالعزیز رحیم آباد، علامہ شمس الحق محدث عظیم آبادی، شاہ عین الحق پھلواری، علامہ حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی، امام سعد بن عتیق، امام اسحٰق بن عبدالرحیم آل الشیخ، شیخ علی بن وادی، مولانا غلام رسول قلعہ میاں سنگھ، مولانا سید احمد حسن صاحب مؤلف احسن التفاسیر، مولانا عبداللہ صاحب تحفۃ الہند۔ علامہ عبدالرحمن مبارکپوری، مولانا سلامت اللہ جیراجپوری، مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا محمد سعید محدث بنارسی، مولانا عبدالسلام محدث مبارکپوری مولانا حفیظ اللہ اعظمی، شیخ الاسلام علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالجبار عمرپوری، حجۃ الاسلام مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا عبدالوہاب صدری دہلی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، اور میاں صاحبؒ کے تلامذہ کے حلقہ سے باہر مجدد عصر نواب صدیق حسن خاں، مولانا محمد بشیر الدین قنوجی، نواب وحید الزماں، علامہ قاضی سلیمان منصور پوری، مولانا ابوالمکارم محمد علی رحمہم اللہ وغیرہم کی شخصیات اپنی جامعیت علم وعمل اور مرتبۂ اجتہاد واستنباط میں بے نظیر حیثیت کی حامل تھیں۔ بالخصوص نواب سید صدیق حسن خاں رحمہ اللہ اپنی عظیم الشان اصلاحی تجدیدی، تصنیفی اور اشاعتی خدمات کے لحاظ سے حضرت الامام نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بعد صدی کی سب سے اہم شخصیت رہے ہیں، اگر جماعت اہل حدیث کو اپنا رشتہ اپنے شاندار ماضی سے جوڑے رکھنا ہے اور آنے والی نسل کو تحریک احیاء کتاب وسنت کے تاریخی تسلسل کی سنہری کڑی بنانا ہے تو انہیں کم از کم بالاعباقرہ وائمہ کے سوانح وخدمات کو مرتب کر کے موجودہ اور آئندہ نسل کے سامنے رکھ دینا چاہیے ورنہ ہماری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں کی مثال تو ہمارے اوپر اپنی تمام وسعتوں اور گہرائیوں کے ساتھ منطبق ہو رہی ہے۔'' (التبیان: ص ۱۵۔۱۶۔ ماہ اکتوبر ۲۰۱۱ء حیات ثنائی کے چند اہم گوشے قسط ۲)

☆ عالم عرب وعجم میں دعوت اہل حدیث کے اثرات کے تعلق سے رحمانی صاحب کی معلومات بے حد گہری اور وسیع ہیں

اور آپ کی تحقیق کے مطابق تو اس کا ایک سرا چودھویں صدی ہجری کے مجدد شیخ محمد نذیر حسین دہلوی (۱۲۲۰۔۱۳۲۰ھ) سے جڑا ہوا نظر آتا ہے تو دوسرا سرا آپ کے شاگردان باوقار سے مربوط دکھائی دیتا ہے۔ ایشیاء، افریقہ یورپ سبھی ممالک تک میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگردوں کا ایک جال پھیلا ہوا تھا اور ہر طرف ان کی دعوتی مساعی اور جہود کے اثرات دکھائی دے رہے تھے رحمانی صاحب رقمطراز ہیں کہ۔

''چودھویں صدی ہجری کے مجدد شیخ محمد نذیر حسین محدث دہلوی (۱۲۲۰۔۱۳۲۰ھ) کے اپنے ساٹھ سالہ دور تدریس وتحدیث میں چار پشتوں کو اپنے تجدیدی واصلاحی اثرات سے متاثر کیا۔ اور ان کے تجدیدی اثرات تقریباً تمام ایشین وافریقن ممالک اور بعض یوروپین ممالک تک پہونچے اگر ایک طرف ان کے تلامذہ سعد بن عتیق، اسحاق بن عبدالرحمن آل الشیخ علی بن وادی نے جزیرۂ عربی کو بھر پور انداز میں متاثر کیا، اور علی بن وادی کے ذریعہ عبدالرحمن سعدی اور ان کے شاگرد رشید محمد صالح العثیمین اور سعد بن عتیق اور اسحاق بن عبدالرحمن کے ذریعہ محمد بن ابراہیم اور عبدالعزیز بن باز اور ان کے تلامذہ کو بالواسطہ متاثر کیا تو دوسری جانب میاں صاحب کے تلامذہ ابومحمد ابراہیم آروی اور عبدالحق بہاول پوری وغیرہم نے حرمین کے علماء کو مستفید کر کے یہ تجدیدی اثرات حجاز میں پھیلائے، تیسری جانب آپ کے شاگردان عبدالسلام مبارکپوری اور عبدالرحمن محدث مبارکپوری کے ذریعہ عبدالعزیز بن راشد نجدی اور عبداللہ بن یابس

ابھرے جنہوں نے مصر کی سرزمین پر پہنچ کر اپنے اثرات وہاں سے افریقہ تک پھیلائے شیخ الاسلام مجدد قرن رابع عشر میاں سید محمد نذیر حسین محدث رحمہ اللہ کے تلامذہ کے پہلے اور سب سے اونچے طبقہ کے علماء ابومحمد ابراہیم آروی، عبداللہ غزنوی غلام رسول قلعہ میاں سنگھ، علامہ غلام حسن سیالکوٹی، سید احمد حسن دہلوی عبدالمنان وزیر آبادی، عبداللہ غازی پوری، محمد حسین بٹالوی، عبدالعزیز رحیم آبادی، شمس الحق ڈیانوی، عین الحق پھلواری وغیرہم نے تو برصغیر ہند موجودہ پاکستان وبنگلہ دیش اور ماوراء النہر اور برما وغیرہم بشمول نیپال کو میاں صاحب کے تجدیدی اثرات سے بہرہ ور رکھا، اور میاں صاحب کے تلامذہ کے دوسرے طبقہ کے ایک ممتاز عالم ومردم گر مربی احمد اللہ خاں پرتاب گڑھی نے دارالحدیث رحمانہ دہلی میں بیٹھ کر برصغیر ہندو پاک کے لئے نذیر احمد رحمانی اور عبید اللہ رحمانی جیسے عباقرہ علم وفن دیئے اور عبداللہ محمد قرعاوی جیسے امام تدریس وتعلیم اور مصلح ومجدد کو جنوب سعودی عرب تہامہ ویمن کے لئے تیار کیا۔

مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی کے خاص شاگرد شیخ عبداللہ بن محمد بن احمد القرعاوی نے دو مرتبہ سفر کر کے دارالحدیث رحمانیہ کے سارے اساتذہ بالخصوص مولانا احمد اللہ بن امیر خاں پرتاب گڑھی سے سارے علوم وفنون میں مستفید ہو کر اور سند اجازہ لے کر سعودی عرب کے اس علاقہ میں جو تہامہ کے نام سے مشہور ہے اور جو سعودی عرب کے جنوب میں یمن کے حدود پر واقع ہے جہاں کفر والحاد، شرک وبددینی، جہالت وباطنیت اور مکرمیوں کا اڈہ تھا۔ پہنچ کر شب وروز محنت کر کے تقریباً پچاس سال کی مدت میں اپنے صالح شاگردوں کی ایک ٹیم تیار کی جس سے آنے والی نسلوں کو ان تجدیدی اثرات سے مستفیض کیا، اور سینکڑوں مدارس، ومکاتب اور مساجد قائم کر کے علم کی روشنی پھیلائی جو آج بھی اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں لگے ہوئے ہیں اسی سرزمین سے عبداللہ قرعاوی کے شاگردوں کا وہ طبقہ نمودار ہوا جس میں حافظ حکمی، موسی بن حاسر سہلی، عمر جردی مدخلی، محدث وناقد دوران ربیع بن ہادی مدخلی، علی بن ناصر فقیہی، ہادی مدخلی وغیرہ ابھرے۔ (التبیان۔ مئی ۲۰۱۰ء، ص:۹۔۱۰ حجاز ونجد قسط نمبر ۱۰)

☆ عالم عرب میں سلفیت اور اس کی تبلیغ واشاعت نیز یورپ وامریکہ میں سلفیت کے فروغ کے سلسلے میں اپنے استاد علامہ ڈاکٹر تقی الدین ہلالی کی خدمات کو سراہتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: ''جامعہ (مدینہ یونیورسٹی) کے ذمہ داران شیخ ابن باز، شیخ محمد ناصر العبودی اور شیخ عمر فلاتہ کی طرف سے ان کا احترام اور ان کی طرف سے حق گوئی اور توحید وسنت کی نشر واشاعت میں غیرت وجراءت کا کوئی جواب نہیں تھا استاد محترم شیخ حماد انصاری رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ ڈاکٹر ہلالی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ صحیح حدیث سے ثابت ہو جاتا ہے خواہ وہ ان کے اساتذہ کی رائے کے خلاف ہو وہ فوراً حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کسی لیت ولعل اور تاویل کو وہ درانداز نہیں ہونے دیتے ان کی اس حق گوئی، جرأت اور سلفیت کے لئے غیرت کا یہ بہترین نتیجہ تھا کہ مصر، عراق ہندوستان، مغرب الجزائر، تونس، موریتانیا، اور جرمنی وغیرہ میں کافی بڑی تعداد سلفی بزرگوں اور جوانوں کی ہے ان کی غیرت اور جدوجہد اور امام محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی تصنیفات اور دعوت وتبلیغ نے امریکہ اور یورپ کے مسلمانوں کی کایہ پلٹ کر رکھ دی اور آج یورپ اور امریکہ میں سب سے زیادہ پرجوش باعمل اور متحرک سلفی حضرات ہی ہیں، کثر اللہ سوادھم۔

(التبیان: ص ۸ جنوری ۲۰۱۰ء حجاز ونجد سے متعلق یادداشتیں قسط ۷)

فتاوی شیخ الحدیث جلد اول کے مقدمہ پر رحمانی صاحب کی ایک بلیغ تنبیہ اور نشاندہی:

شیخ الحدیث احمد اللہ پرتاب گڑھی کا شمار شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی مبارکپوری کے بڑے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ اور یہ ایک تاریخی حقیقت بھی ہے۔ مگر ہماری بدقسمتی کہئے یا اپنی تاریخ سے ناوابستگی اور عدم واقفیت کہئے فتاوی شیخ الحدیث مطبوعہ مکتبہ ترجمان دہلی کی جلد اول کے مقدمہ میں جہاں شیخ الحدیث عبید اللہ صاحب کے اساتذہ کا تذکرہ ہے وہاں ان کے بڑے استاد شیخ احمد اللہ پرتاب گڑھی کا نام موجود نہیں ہے، اس عظیم بھول پر افسوس کرتے ہوئے اور نوٹس لیتے ہوئے رحمانی صاحب نے لکھا ہے کہ ''اس موقع پر شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ مبارکپوریؒ کے فتاوی کی جلد اول کے مقدمہ میں شیخ الحدیث احمد اللہ کے اساتذہ کا تذکرہ پڑھتے ہوئے انتہائی دکھ ہوا کہ اس میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے سب سے بڑے استاد شیخ الحدیث علامہ احمد اللہ خان پرتاب گڑھی رحمہ اللہ علیہ جن کا تذکرہ استاد محترم مولانا عبدالرحمن رحمانی مبارکپوری نے مقدمہ مرعاۃ المفاتیح میں کیا ہے ان کا تذکرہ شیخ الحدیث صاحب کے فتاوی کی اشاعت میں نہ تو مرتب فتاویٰ نے کیا نہ مقدمہ نگار نے کیا اور نہ نظر ثانی کے وقت عزیزم ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب زادہ گرامی شیخ الحدیث ہی نے کیا کاش فتاویٰ کی ان دونوں جلدوں پر نظر ثانی استاد محترم مولانا عبدالرحمن رحمانی مدنی مبارکپوری خلف کبیر اور نائب شیخ الحدیث نے کرلیا ہوتا تو ان شاء اللہ اتنی بڑی کوتاہی نہ رہ جاتی۔ (التبیان: ص ۱۲ دسمبر ۲۰۱۰ء حجاز ونجد سے متعلق یادداشتیں قسط ۱۲) یہ تنبیہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ رحمانی صاحب کی نظر معاصرین علماء اہل حدیث اور ان کی تاریخ وسیرت اور سوانح پر کتنی گہری اور دقیق تھی۔ (والفضل من اللہ)

(۳) اردو عربی زبان وادب میں بیک وقت مہارت روانی اور طلاقت:

رب العالمین نے رحمانی صاحب کو اردو عربی زبان وادب پر بیک وقت قدرت طلاقت اور روانی کی بھرپور صلاحیت عطا کی تھی۔ آپ کی تحریریں آپ کی تقریریں اور علم واہل علم کی مجلسوں میں آپ کی گفتگو بڑی عالمانہ اور دلبرانہ ہوتی تھی۔ جب الفاظ کے معانی اور اس کی گہرائی میں اترتے تو اس لفظ کی حقیقت، اشتقاق، وزن، اس کے استعمالات اور مختلف اعتبارات سے اس کی زبانی ولسانی حیثیت سے مکمل پردہ اٹھادیتے تھے۔ طالب علمی کے زمانہ میں حسن اتفاق سے ہمیں بھی آپ کی شاگردی کا موقع نصیب ہوا معلم الانشاء کی گھنٹی میں آپ سے عربی زبان وادب اور انشاء پردازی کا ہنر سیکھنے کو ملا کاش کہ یہ عرصہ دراز ہوتا ایک بار حیث کی بحث چھڑ گئی مسلسل تین یا چار دنوں تک رحمانی صاحب لفظ حیث کی لغوی وصرفی تحقیق اور اس کے استعمالات پر گفتگو کرتے رہے اور پوری گھنٹی کی پوری مسلسل تین دنوں تک ایسا لگا کہ لمحے میں گزر گئی، اردو زبان وادب پر قدرت کی وجہ سے برصغیر ہندو پاک ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں آپ کی بے حد پذیرائی تھی، عالم عرب سے لے کر یورپ اور امریکہ تک چوٹی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں آپ صف اول کے مقررین اور قلمکاران کی فہرست میں شمار کئے جاتے تھے اور آپ کی باتیں آپ کے افکار، آپ کے منہج اور قوت استدلال سے علماء طلباء اور عوام سبھی فیضیاب ہوتے تھے زبان وادب پر قدرت اور مطالعہ کی وسعت

اور بحث وتحقیق میں اجتہادی صلاحیت کی وجہ سے آپ نے مختلف سلگتے ہوئے مسائل کو اپنا موضوع بنایا بالخصوص تاریخ اسلام، تاریخ اہل حدیث، حجیت حدیث وفتنہ انکار حدیث اور اس کی تاریخ پر تو آپ کا کوئی ثانی اور مقابل نہ تھا نواب صدیق حسن خاں کی خدمات پر آپ کا عربی مقالہ بے حد علمی اور وقیع ہے۔ زوابع فی وجہ السنہ کا مقدمہ، ہندوستان میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی دعوت کے اثرات بزبان عربی پر آپ کی تقریظ علمی تاریخی ہونے کے ساتھ ایک ادبی شاہکار ہے جریدہ ترجمان دہلی سے لے کر صوت الجامعہ بنارس تک اور التوعیہ دہلی سے لے کر التبیان کے صفحات پر آپ کی تحریریں مجمع البحوث الاسلامیہ دہلی سے شائع شدہ عربی اردو کتابوں پر آپ کے مقدمے اس کی بہترین مثال ہیں۔

ہندوستان اور بیرون ہند آپ کے علمی محاضرات اور مختلف موضوعات پر دروس وخطابات اور عالمی کانفرنسوں میں آپ کی تقریروں کو دیکھا اور سنا جائے تو یہ حقیقت اور بھی آشکار ہو جائے گی، ذیل میں کچھ اہم خطبات، محاضرات اور لیکچرز کی فہرست دی جارہی ہے جس سے قارئین کو یہ فیصلہ لینے میں آسانی ہوگی کہ رحمانی صاحب کی علمی وادبی شخصیت صرف ہندوستان پر ہی مسلم نہیں تھی بلکہ بیرون ہند اس سے کہیں زیادہ آپ کی سراہنا کی جارہی تھی اور آپ کے محاضرات اور خطابات کو علم وادب اور تحقیق وتدقیق کا ایک شاہکار مانا جاتا تھا۔ آپ نے جن عناوین پر خطاب ومحاضرات دیئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) اسلام میں تعلیم نسواں۔ بمقام ایس آئی ای کالج مدراس یونیورسٹی چنئی

(۲) رسول اللہ کی مدنی زندگی۔ نیو کالج مدراس یونیورسٹی چنئی۔

(۳) عصری تعلیم اور اسلام۔ اسلامک کالج سرینگر کشمیر۔

(۴) سائنس اور اسلام۔ سائن کالج سری نگر کشمیر

(۵) اسلام میں نظام تعلیم وتربیت۔ ٹیچرز ٹریننگ کالج

(۶) سیرت نبوی ﷺ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

(۷) اسلام میں اور دیگر مذاہب کا تقابلی مطالعہ

(۸) اسلام میں سیرت کی حیثیت

(۹) امت مسلمہ کی حیثیت اور دیگر امتوں کے تئیں اس کی ذمہ داریاں۔ جو سعودی عرب، کویت، قطر، بحرین، مصر، امریکہ، برطانیہ، ترکی، ملیشیا، سنگاپور، بنگلہ دیش، نیپال

(۱۰) ملک عبدالعزیز آل سعود رحمہ اللہ کی زندگی۔ ریاض ۱۹۸۵ء عالمی کانفرنس

(۱۱) حرمین شریفین کی عظمت۔ استانبول ترکی ۱۹۸۸ء بین الاقوامی کانفرنس

(۱۲) اسلامی مقدسات پر بین الاقوامی کانفرنس لندن ۱۹۸۸ء

(۱۳) خلیجی بحران رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ ۱۹۹۰ء

(۱۴) دعوۃ الکتاب والسنۃ کانفرنس مشن گن سٹی امریکہ ۱۹۹۰ء

(۱۵) جنوبی ایشیاء کے مسلمان، سیلون سری لنکا اگست ۱۹۹۳ء

(۱۶) یورپی مسلمانوں کے مسائل لندن ستمبر ۱۹۹۳ء

(۱۷) وسط ایشیاء کے مسلمان قاہرہ مصر ستمبر ۱۹۹۳ء

(۱۸) اسی طرح رابطہ الجامعات الاسلامیہ کی چھٹی کانفرنس اردن نومبر ۱۹۹۹ء اور اجتماع برائے فارغین سعودی جامعات جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ مئی ۱۹۹۹ء، جمعیت اہل حدیث ڈھاکہ بنگلہ دیش کی ساتویں عالمی کانفرنس ۱۹۹۹ء موسسۃ الملک فیصل الخیریۃ ریاض کا بیس سالہ جشن مئی ۱۹۹۶ء اور اس کے علاوہ ہندو بیرون کی بیشتر کانفرنسوں اور سیمیناروں کو آپ نے زینت بخشی اور اپنی زبان وادب کے جوہر دکھائے۔

بین الاقوامی سطح پر آپ کی شخصیت ایک علمی وادبی شخصیت مانی جاتی تھی اور عقیدہ سلف کی بے باک اور صاف وشائستہ ترجمانی میں آپ کے بے پناہ صلاحیتوں سے قدرت نے نوازا تھا، اہل عرب آپ کی علمی اور تاریخی تحقیقات اور معرفتوں سے فیضیاب ہونے کے لئے بے تاب رہا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ عرب کے مشہور ومعروف اور کثیر الاشاعت اخبارات کے مدیران ایڈیٹرس ومسئولین نے آپ سے عربی زبان میں متعدد بار انٹرویوز لئے اور اس کی تفصیل اپنے روزناموں اور جرائد میں شائع کئے ۱۴۰۳ھ روزنامہ الجزیرہ کے دوشماروں میں آپ کا وہ انٹرویوز جو ڈاکٹر محمد سعد الشویعر نے آپ سے ریاض میں لیا تھا بڑی آب وتاب کے ساتھ شائع ہوا اور اپنی افادیت کے پیش نظر منظور خاص وعام ہوا۔

جریدہ عقیدتی کے مدیر نے قاہرہ میں آپ سے گفتگو کی اور انٹرویو کی شکل میں آپ سے کچھ سوالات پوچھے اور اسے بڑے پیمانے پر اپنے جریدہ کے صفحات کی زینت بنایا انٹرنیشنل جریدہ المسلمون کے ایڈیٹر کا لیا ہوا انٹرویو بے حد عمدہ اور قابل مطالعہ تھا اور روزنامہ الشرق الاوسط میں آپ کا انٹرویو ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا۔ مصر کے مشہور سلفی جریدہ مجلہ التوحید کے صفحات میں آپ کے خیالات اور منہجی وعقدی افکار وآراء اس کے شمارنمبر ۷۔۸ میں ۱۴۱۴ھ میں بڑی آن بان سے شائع کئے گئے۔ ۱۹۹۴ء میں امارات عرب سے شائع ہونے والے مجلہ الاقتصاد الاسلامی نے آپ سے انٹرویو لیا اور فروری مارچ کے شماروں میں اسے شائع کر کے عوام اور خواص کی پذیرائی لوٹی اور یہ طلاقت روانی بلاغت، شگفتگی الفاظ اور شوکت کلام آپ کی زبان وتحریر میں کیوں نہ پائی جائے جب کہ ہندوستان کے ابن تیمیہ مولانا آزاد علیہ الرحمہ کی تحریریں، مقالات اور کتابیں آپ کا اوڑھنا بچھونا تھیں اور مولانا نذیر احمد رحمانی، مولانا شمس الحق سلفی اور عبد المعید بنارسی جیسے اساطین علم وفن سے آپ کی شخصیت نے فیض پایا تھا۔ اسی طرح عربی زبان وادب کے مشہور ومعروف ناقد، صاحب طرز انشاء وادیب علامہ ڈاکٹر تقی الدین ہلالی کی شاگردی اور آپ کی رفاقت، سفر وحضر میں علمی صحبت کا فیضان ملا تھا۔

☆ **اردو زبان ادب میں رحمانی صاحب کی طلاقت وروانی کی ایک مثال:** مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ پر ایک مفصل

مضمون بعنوان ''حیات ثنائی کے چند اہم گوشے'' میں رحمانی صاحب کا قلم جس طرح موتیاں بکھیرتے اور ایک لمبی تاریخ اور طویل داستان کوکوزہ میں بند کرتے ہوئے نظر آتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے شیر پنجاب فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری کے سلسلے میں آپ بایں الفاظ رقم طراز ہیں: شیخ الاسلام ابوالوفاء امرتسری رحمہ اللہ ہندوستان میں اسلام کا ایک عظیم معجزہ تھے اس مرد مجاہد نے الحاد واباحیت، شرک وکفر، بدعات وخرافات، آریت وسناتن دھرم، شدھی سنگٹھن عیسائیت، قادیانیت، بہائیت، بابیت تشیع ورفض خاکسار، اسماعیلیہ، بوہرہ، قبوری شریعت، تصوف وجوگ، انکار سنت اور چکڑالویت وغیرہ سیکڑوں فتنوں کا مقابلہ تن تنہا کیا، سن شعور سے لے کر اپنی زندگی کے آخری سانس تک یہ عظیم مجاہد اسلام اور اس کی تعلیمات کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ سے نبرد آزما ہوتا رہا اور اسی راہ میں پوری مجاہدانہ شان سے اس نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی''۔

(التبیان: ص ۸ ستمبر ۲۰۱۱ء رحیات ثنائی کے چند اہم گوشے قسط ۱)

☆ **علامہ اقبال کے سلسلے میں رحمانی صاحب کا حقیقت پسندانہ تبصرہ:** شاعر مشرق علامہ اقبال کی تربیت وتعلیم جس ماحول میں ہوئی اس کی وجہ سے وہ سنت کے چشمۂ صافی سے دور ہوتے چلے گئے اور شاعری میں عظمتوں کی چوٹی تک پہنچنے کے باوجود بھی بھٹکنے اور ٹھوکر کھانے سے نہیں بچ سکے اس سلسلے میں رحمانی صاحب کی برجستہ صراحت اور جچے تلے الفاظ میں شائستہ تنقید اور تجزیہ ملاحظہ کریں لکھتے ہیں۔ ''ڈاکٹر اقبال رحمہ اللہ کا واقعہ بھی کچھ اسی سے ملتا جلتا ہے انہیں مولانا غلام حسن سیالکوٹی جیسے مخلص سلفی موحد اور متبع سنت امام کی بارگاہ میں بھیجا گیا لیکن وہ سید میر حسن کی غزل گاہ کا شکار ہوگئے اور سنت صحیحہ توحید خالص اور اتباع سنت کے چشمہ صافی سے محرومی انکا مقدر بن گئی مابعد الطبعی مسائل اور مسئلہ اقتصاد کے حل کے سلسلے میں انہیں جو ٹھوکریں لگیں اور سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے، جیسے گستاخانہ اور نظام الدین اولیاء کی بابت ''موسی وخضر سے اونچا ہے مقام تیرا'' جیسے اہانت انبیاء اور نظام الدین اولیاء سے استغاثہ وغیرہ تک پر مشتمل اشعار اور جرمنی کی ان کی غیر اسلامی اور رنگین زندگی، شراب نوشی تک کی جرأتیں نہ ہوتیں اگر وہ مولانا غلام حسن سیالکوٹی رحمہ اللہ کی تربیت گاہ کے فیوض سے اپنی زندگی کے ابتدائی مرحلہ میں مشرف رہے ہوتے لیکن اس کے سوا ہم کیا کہیں کہ: ماشاء اللہ کان ومالم یشاء لم یکن (التبیان: ص ۱۷ ستمبر ۲۰۱۱ء حیات ثنائی)

☆ فضا بن فیضی کا مجموعہ کلام 'سبزہ معنیٰ بے گانہ' کا مقدمہ رحمانی صاحب کی اردو زبان وادب پر تاریخی اور ادبی دسترس کی ایک بے مثال اور لاجواب تحریر ہے پورا مقدمہ از ابتداء تا آخر پڑھنے کے قابل ہے۔ لکھتے ہیں کہ: ''فضا کی شاعری میں ابتذال نہیں ہے ان کی شاعری علو تخیل، شوکت الفاظ، شگفتگی بیان، پاکیزگی فکر اور کمال فن سے عبارت ہے فضا کی فکر اور اسلوب پر عربی اور فارسی ادب عالیہ کی گہری چھاپ ہے، اور اسی سے انکا اپنا اسلوب بھی اعلیٰ اور کلاسیکی ہے جس کی وجہ سے کچھ لوگ ان پر مشکل پسندی کا الزام عائد کرتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ (التبیان ستمبر ۲۰۱۱ء ص ۲۳، بعنوان لہو کی شاخ پہ ہنستا گلاب)

❑❑❑

باب چہارم

مرحومین علمائے اہل حدیث ۲۰۱۶ء

مولانا عبدالقیوم مکی رحمہ اللہ بنارس

(ولادت: ۱۳۹۵ھ=۱۹۷۴ء، وفات: ۱۴۳۷ھ=۲۰۱۶ء)

مولانا محمد یونس مدنی

حسب ونسب: آپ کا نام عبدالقیوم اور کنیت ابوحمدان ہے۔ آپ کا نسب نامہ ذیل میں درج ہے:

مولانا عبدالقیوم بن عبدالرحمن بن عبدالجبار بن منشی اسحاق بن وزیر۔

آپ بجرڈیہہ بنارس کے محلہ نئی بستی میں ایک متوسط گھرانہ میں پیدا ہوئے اور یہیں نشوونما پائی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم مدرسہ احیاء السنۃ بجرڈیہہ میں ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) میں داخلہ لیا اور ثانویہ ثانیہ کا چار سالہ کورس ۱۴۰۸ھ میں مکمل کرنے کے بعد مزید تعلیم کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے آپ نے مرحلہ عالمیت کی تکمیل کی اور ۱۴۱۲ھ میں عالمیت کی سند حاصل کی۔ (ریکارڈ جامعہ سلفیہ)

فراغت کے بعد مشغلہ: مولانا عبدالقیوم بنارسی رحمہ اللہ کا آبائی پیشہ بنارسی ساڑی کا تھا، لیکن فراغت کے بعد درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ سے وابستہ ہوگئے اور یکم اپریل ۱۹۹۴ء سے مدرسہ احیاء السنۃ بجرڈیہہ میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے، تقریباً تین سال تک تدریسی فریضہ انجام دیا، دریں اثناء مکہ مکرمہ جامعہ ام القری میں آپ کا داخلہ ہوگیا اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ۱۰ جنوری ۱۹۹۷ء سے ۳۰ رجون ۲۰۰۳ء تک مدرسہ سے رخصت حاصل کی، اور اس دوران اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھتے ہوئے ''لیسانس'' کی ڈگری حاصل کرلی، بعدہ اپنے وطن مالوف بنارس واپس آگئے اور یکم جولائی ۲۰۰۳ء سے دوبارہ مدرسہ احیاء السنۃ بجرڈیہہ بنارس میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے، چونکہ حدیث سے آپ کو شغف تھا اس لئے مدرسہ احیاء السنۃ میں دوسرے علوم وفنون کے ساتھ حدیث کا بھی درس دیتے تھے، مدرسہ احیاء السنۃ کے ریکارڈ کے مطابق آپ نے ۶ جنوری ۲۰۱۶ء تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

دعوت وتبلیغ سے دلچسپی: مولانا موصوف رحمہ اللہ کو درس وتدریس کے ساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ سے بھی دلچسپی تھی، خطبہ جمعہ بڑے اہتمام سے دیا کرتے تھے، کسی نہ کسی مسجد میں نماز کے بعد آپ کا درس بھی ہوا کرتا تھا۔ مسجد اہل حدیث نئی بستی میں آپ بعد نماز عصر برابر درس دیا کرتے تھے، جب بھی مجھے وہاں عصر کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا تو میں نے آپ کو درس دیتے ہوئے پایا، آج مدارس کے اساتذہ کرام میں یہ کمی ہے کہ جمعہ وجماعت پڑھانے سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں جب کہ ان کا دینی اور اخلاقی فرض ہے کہ درس قرآن وحدیث اور خطبہ جمعہ دیا کریں اور اہتمام کے ساتھ فریضہ کی انجام دہی کی کوشش کریں تاکہ لوگوں کو فائدہ پہنچے اور اپنے اوپر عائد ذمہ داری پوری کرسکیں، وفق اللہ الجمیع۔

دعوت وتبلیغ سے شغف: آپ اہل حدیث نوجوانان بنارس کی دعوتی واصلاحی تنظیم جمعیۃ الشبان المسلمین کے ریکٹر تھے، اس کے اصلاحی پروگراموں کو ترتیب دیتے اور جمعیت کے دعوتی کاز کو آگے بڑھانے میں بڑی دلچسپی لیتے تھے، مختلف مقامات میں آپ وعظ وارشاد کے لئے بھی جاتے، کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ بجرڈیہہ میں منعقد ہونے والے اجلاس میں مولانا کے ساتھ میری بھی تقریر ہوئی ،مولانا باآواز بلند تقریر کرتے اور عقیدہ کے معاملہ میں بڑے سخت تھے، اس کا اظہار آپ کی تقریروں میں بھی ہوتا تھا۔

مولانا عبدالقیومؒ رفاہی کاموں میں بھی دلچسپی لیتے، لوگوں کے کام آتے اور غریبوں اور محتاجوں کا تعاون بھی کرتے تھے۔ لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا اور مہمانوں کی ضیافت کرنا آپ کی زندگی کا معمول تھا۔ **تقبل اللہ حسناتہ وغفرلہ۔**

مرض: مولانا عبدالقیوم رحمہ اللہ تقریباً تین ماہ سے صاحب فراش تھے، علاج ومعالجہ جاری تھا مگر کوئی خاص افاقہ نہیں ہوا، میں ایک دن بعد نماز عشاء ان کی عیادت کے لئے گیا، ان سے حال پوچھا تو بتلایا کہ آرام ہے لیکن بظاہر مرض میں کوئی خاص کمی محسوس نہیں ہورہی تھی، کچھ دیر بیٹھا، ان کے لئے صحت وعافیت کی دعا کی، آنے لگا تو فرمایا رک جاؤ اتنے میں ان کے صاحبزادے ضیافت کرنے لگے اور ضیافت میں بڑا اہتمام کیا، **جزاھم اللہ خیرا۔**

کینسر جیسے مہلک مرض کے باوجود شکر وسپاس کے کلمات زبان پر تھے، بالآخر مالک ارض وسماء نے آپ کو اپنے پاس بلالیا، ۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۷ھ مطابق ۷ رجنوری ۲۰۱۶ء بروز جمعرات صبح ۶ بجے اپنی جان، جان آفریں کے حوالہ کردی، **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

آپ کی نماز جنازہ بعد نماز ظہر ڈھائی بجے جمعیت الشبان المسلمین کے ڈائرکٹر مولانا محمد جنید مکی حفظہ اللہ نے پڑھائی، جنازہ میں کافی لوگ تھے، بنارس کے علاوہ آس پاس کے افراد بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔

مولانا عبدالقیوم رحمہ اللہ کو ان کے آبائی قبرستان بجرڈیہہ واقع جکھا پر سپرد خاک کردیا گیا۔

آپ نے پسماندگان میں اپنی اہلیہ، دو بیٹے، تین بیٹیاں، اور والد محترم کو چھوڑا۔ آپ کا بڑا لڑکا حمدان عدیل جامعہ سلفیہ کے ثانویہ ثانیہ میں زیر تعلیم ہے، اللہ کرے یہ عالم دین بنے اور اپنی والد کا صحیح اور سچا جانشین ثابت ہو۔

مراجع

(۱) ریکارڈ جامعہ سلفیہ بنارس،

(۲) ریکارڈ احیاء السنۃ بنارس

(۳) ''التبیان'' دہلی مجریہ جنوری ۲۰۱۶ء

(۴) انقلاب روزنامہ بنارس

(ماخوذ از تراجم علمائے اہل حدیث بنارس از مولانا محمد یونس مدنی ص ۱۸۷۔۱۹۰)

❑❑❑

مولانا عبدالعلیم ماہر بستوی رحمہ اللہ

مولانا عاشق علی اثری، دہلی

مورخہ ۲۹ جنوری ۲۰۱۶ء بروز جمعہ صبح ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوکر خاندان صادق پور کے گل سرسبد مولانا سید عبدالسمیع جعفری مدنی صادقپوری (م ۱۴ اکتوبر ۲۰۱۵ء) رحمہ اللہ ابن مولانا حکیم عبدالخبیر صادقپوری (م ۱۹۷۳ء) رحمہ کے حالات زندگی پر مضمون کی تسوید میں مشغول تھا، اہل خانہ اور بچے بھی ناشتہ سے فارغ ہوکر میرے پاس بیٹھ گئے، دوران گفتگو تقریباً ۱۱:۳۰ بجے دن اہلیہ محترمہ سلھما اللہ تعالیٰ وشفاھا شفاء کاملاً وعاجلاً نے رات میں اپنے ایک خواب دیکھنے کا ذکر کیا کہ سب لوگ میرے چچازاد بھائی کے گھر (میرے وطن موضع حلسوڑی) شادی کی ایک تقریب میں گئے ہوئے ہیں (شادی کی یہ تقریب ان شاء اللہ تعالیٰ مئی ۲۰۱۶ء میں منعقد ہوگی) اور اس موقع پر بھیانک آگ لگ گئی اور بڑی مشکل سے اس پر کنٹرول ہوا۔

اتفاق سے اسی رات میں نے بھی ایک خواب دیکھا تھا کہ میرے گھر میری بڑی پھوپھی (جن کی وفات بہت پہلے ہوچکی ہے) رحمہا اللہ وغفرلہا تشریف لائی ہیں، ان کے ساتھ دیر تک گفتگو ہوئی ہے اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ اہلیہ کے خواب کا ذکر کرنے پر مجھے بھی اپنا یہ خواب یاد آگیا اور سب کے سامنے میں نے اس کا ذکر کرکے کہا کہ میرے تجربہ کی روشنی میں ایسے خواب کسی عزیز اور محبوب شخصیت کی وفات کی علامت ہوتے ہیں۔ اس گفتگو کے بعد میں حسب سابق اپنا مقالہ لکھنے میں لگ گیا۔ اس کے تھوڑی دیر کے بعد عزیز گرامی جناب مولانا عبدالبر سنابلی، مدنی سلمہ اللہ تعالیٰ ووفقنی وایاہ لکل ما یحبہ ویرضاہ۔ کے موبائل سے میرے موبائل پر فون آیا۔ اس وقت فون غیر متوقع تھا۔ فون اٹھاتے ہی مولانا نے میرے مشفق استاذ، کامیاب مدرس وداعی، شاعر وادیب مولانا عبدالعلیم ماہر بستوی کی وفات حسرت آیات کی اندوہناک خبر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تعلیمی سال ۶۶۔۱۹۶۵ء میں راقم سطور اپنی مادر علمی مدرسہ شمس الہدیٰ، مہدیوا ضلع سدھارتھ نگر (سابق ضلع بستی) سے درجہ پنجم امتیازی نمبرات سے پاس کرکے استاذ گرامی مناظر اسلام، مؤلف ''پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم'' مولانا عبدالمبین منظر (م ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۹ء) رحمہ اللہ کے تعلیمی وتربیتی ادارہ جامعہ شمس العلوم سمرا، ضلع سدھارتھ نگر (سابق ضلع بستی) یوپی، میں عربی واسلامی تعلیم کے لئے گیا۔ اس وقت وہاں جماعت رابعہ تک بڑی ٹھوس تعلیم ہورہی تھی اور عربی درجات میں صرف دو مدرسین تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ ایک استاذ گرامی جناب مولانا عبدالمبین منظر رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے استاذ مشفق ومکرم جناب مولانا عبدالعلیم ماہر بستوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

جامعہ شمس العلوم سمرا میں استاذ گرامی نے چار سال تک (تعلیمی سال ۶۶۔۱۹۶۵ء سے ۶۹۔۱۹۶۸ء) تدریسی فریضہ انجام

دیا۔اور راقم سطور نے مذکورہ بالا دونوں مشفق اساتذہ گرامی کے زیر سایہ شفقت پہلی جماعت سے چوتھی جماعت تک کی تعلیم حاصل کی۔الحمدللہ شمس العلوم سمرا سے نکلنے کے بعد سے حصول تعلیم کے دوران اور جامعہ اثریہ دارالحدیث سے ستمبر ۱۹۷۲ء میں فراغت کے بعد سے تاحیات استاذ گرامی سے برابر خط وکتابت اور فون کے ذریعہ روابط برقرار رہے۔ابھی آپ کی وفات سے تقریباً ہفتہ عشرہ پہلے میں نے مولانا کے موبائل پر فون کیا، مولانا نے فوراً فون اٹھایا۔سلام ودعا کے بعد مولانا نے بتایا کہ اس وقت میں ممبئی میں ہوں۔ ٹھنڈی سے بچنے کے لئے بیٹیوں نے مجھے ممبئی بلالیا تھا۔وطن واپسی کا ٹکٹ ۴ فروری ۲۰۱۶ء کا بنا ہوا ہے۔ان شاء اللہ ۴ فروری کو ممبئی سے وطن کے لئے روانہ ہوجاؤں گا، مگر کسی کو کیا معلوم تھا کہ ۴ فروری آنے سے پہلے ہی استاذ گرامی کا اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف سفر کا ریزرو ہوچکا ہے۔سچ فرمایا رب کائنات نے: {فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ} (النحل:۱۶:۶۱) ”جب ان کی موت کا وقت آجائے گا تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔“ اور شاعر نے کہا ہے ؎

سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

{إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ} (لقمان: ۳۱:۳۴)

”بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے وہی بارش نازل فرماتا ہے اور ماں کے پیٹ میں جو کچھ ہے اسے جانتا ہے۔کوئی (بھی) نہیں جانتا کہ کل کیا (کچھ) کرے گا؟ نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ کس زمین میں مرے گا؟ (یادرکھو!) اللہ تعالیٰ ہی پورے علم والا اور صحیح خبروں والا ہے“۔

راقم سطور کو یہ شرف حاصل رہا ہے کہ شمس العلوم سمرا میں چار سالہ حصول تعلیم کے زمانہ میں استاذ گرامی کے کپڑے میں خود دھوتا۔ اس دور میں کپڑوں پر پریس (آئرن) کرنے کا رواج نہیں تھا تو اپنے اور استاذ گرامی کے کپڑے دھوکر اور تہہ کرکے اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لیتا اور وہی اس وقت کا پریس مانا جاتا۔استاذ گرامی کو جب کپڑا پہننا ہوتا تو مدرسہ پر تشریف لاتے اور پوچھتے کہ عاشق علی کیا کوئی کپڑا صاف ہے؟ فوراً تکیہ کے نیچے رکھ کر پریس کیا ہوا کپڑا حاضر خدمت کردیتا۔استاذ محترم مولانا منظر صاحب رحمہ اللہ تو کبھی کبھار اس خدمت کا شرف حاصل کرنے کا موقع دیتے لیکن مولانا ماہر صاحب رحمہ اللہ نے تو شمس العلوم سمرا کے پورے دور طالب علمی میں اس خدمت کا موقع عطا فرمایا۔فللہ الحمد۔

استاذ گرامی مولانا ماہر صاحب رحمہ اللہ کی بعض اہم اور قیمتی نصیحتیں دوران طالب علمی اور زمانہ تدریس میں بھی میرے شامل حال رہیں جو اب تک یاد ہیں اور وہ مجھ طالب علم کے لئے مشعل راہ ہیں، جن کا ذکر کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔شاید کہ وہ دوسرے علماء، طلبہ اور میدان دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس میں جادہ پیمائی کرنے والوں کے لئے بھی مفید وکارآمد ہوں:

☆ جامعہ شمس العلوم سمرا میں پڑھنے کے زمانہ میں ایک روز سخت گرمی کے موسم میں صلاۃ عشاء میں ہم سب طلبہ لنگی اور بنیان میں صلاۃ پڑھنے گئے، اس وقت وہاں کوئی مدرس نہیں تھا۔ اتفاق سے استاذ محترم جناب مولانا ماہر صاحب تشریف لے آئے تو سب کو اس کیفیت میں دیکھ کر سخت برہم ہوئے اور صلاۃ کی اہمیت وغیرہ سمجھا کر مجھ سے خصوصی طور پر فرمایا کہ عاشق علی تم سے ایسی امید نہیں تھی۔ بحمد اللہ مولانا کی اس بات کا اتنا اثر ہوا کہ اس کے بعد کبھی اس طرح صلاۃ نہیں پڑھی۔

☆ سمرا سے جماعت رابعہ کی تعلیم مکمل کر کے جماعت خامسہ کیلئے جامعہ انوار العلوم پرساعماد میں داخلہ لیا وہاں ایک سال مکمل کر کے دوسرے سال جماعت سادسہ میں پڑھ رہا تھا، نصف سال گزر چکا تھا، ششماہی امتحان کے بعد والے فترہ میں باورچی نے ذمہ داران کی کسی بات پر ناراض ہو کر کام کرنا بند کر دیا۔ ذمہ داران نے اس پر طلبہ کو موردالزام ٹھہرایا جب کہ طلبہ کا اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس پر بڑے طلبہ نے کلاس جانا بند کر دیا اور ایک اسٹرائک کی کیفیت پیدا کر دی۔ اتفاق سے اسی روز استاذ گرامی جناب مولانا ماہر صاحب جامعہ انوار العلوم تشریف لے آئے۔ رات وہاں گزارنے کے بعد دوسرے روز صبح مولانا ریواں جانے لگے۔ اسی روز طلبہ نے مدرسہ سے نکلنے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ والد رحمہ اللہ اس معاملہ میں اتنے سخت تھے کہ جب میں چھٹیوں میں گھر جاتا تو ملاقات ہوتے ہی فوراً سوال کرتے کہ بھاگ کر تو نہیں آیا ہے؟ جب میں نفی میں جواب دیتا تو ان کو اطمینان ہوتا پھر اتنا ضرور فرماتے کہ خبردار! کبھی لڑائی جھگڑا کر کے یا بھاگ کر نہیں آنا۔ بنابریں میں استاذ محترم کا بیگ لے کر ان کے ہمراہ ریواں چلا گیا۔ راستہ میں میں نے طلبہ کی ہنگامہ آرائی اور ان کے پلان سے استاذ محترم کو آگاہ کیا تو موصوف نے اس قسم کے ہنگاموں سے دور رہنے کی نصیحت فرمائی۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ میں خود ان باتوں سے نفرت کرتا ہوں اسی وجہ سے میں آپ کے ساتھ چلا آیا ہوں۔ ریواں سے ہم لوگوں کی واپسی شام کو ہوئی۔ میں سوچ رہا تھا کہ طلبہ برادری کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا ہوگا اور معاملہ رفع دفع ہو کر معمول پر آ چکا ہوگا۔ استاذ محترم سے الگ ہو کر جیسے ہی میں اپنے کمرہ میں داخل ہوا تو طلبہ بھائیوں نے مجھے گھیر لیا اور لعن طعن کرنے لگے۔ اس وقت تو میں نے خاموشی اختیار کی اور استاذ گرامی کی رہنمائی کے لئے ریواں جانے کا عذر کیا اور کہا کہ کل چلیں گے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ میں کسی قیمت پر جانا نہیں چاہتا تھا اور یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ طلبہ برادری اسٹرائک کر کے ادارہ چھوڑے۔ اس لئے رات میں میں نے اپنے رفقاء درس کے ساتھ دیگر کلاس کے سنجیدہ بھائیوں کو اس اسٹرائک اور یونین بازی سے الگ رہنے پر ابھارا۔ بحمد للہ محنت رنگ لائی اور طلبہ کی اکثریت نے اس غلط حرکت سے الگ تھلگ اور دور رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ جس کی وجہ سے بعض طلبہ جو اس میں پیش پیش اور نمایاں تھے انہوں نے بھی سپر ڈال دیا۔ اس طرح اس موقع پر استاذ گرامی کی تشریف آوری اور ان کی گرانقدر نصیحت کی روشنی میں احقر کی حقیر کوشش سے یہ بلا ٹلی اور دوسرے دن سے تعلیم و تعلم کا سلسلہ باضابطہ شروع ہو گیا۔ فللہ الحمد والشکر۔

☆ استاذ محترم جب دلی تشریف لاتے اور ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کے بانی وصدر محترم جناب مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ موجود ہوتے تو ان سے ملاقات کرنے اور اس خادم کو مستفید فرمانے کے لئے سنٹر میں کبھی احقر کے غریب خانہ پر تشریف لاتے۔

ایک مرتبہ اپنی دہلی آمد پر مرکز میں تشریف لائے، اس وقت مرکز چار کمروں سے بڑھ کر آٹھ کمروں پر پھیل چکا تھا۔ کیونکہ پرانی بلڈنگ کے بغل میں چار کمروں پر مشتمل ایک دوسری بلڈنگ بھی خریدی جا چکی تھی اور میری رہائش ان میں سے ایک کمرہ میں تھی۔ اس وقت کمروں کی کمی کی وجہ سے کوئی مہمان خانہ نہیں تھا اس لئے میں نے استاذ گرامی کو اپنے کمرہ میں مہمان رکھا۔ رات کو صلاۃ عشاء اور کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد بانی مرکز مولانا رحمانی رحمہ اللہ اور مرکز کے پہلے تعلیمی وتربیتی ادارہ ''معہد التعلیم الاسلامی'' کا ذکر ہوا تو استاذ محترم نے فرمایا کہ بہ فضل الٰہی یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ آپ مولانا رحمانی کی سرپرستی میں ان کے معروف ادارے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان دنوں میرے ناتواں کندھوں پر اصولاً معہد کے نائب مہتمم اور عملاً مہتمم کا بارگراں ڈالا جا چکا تھا کیوں مہتمم صاحب یہاں سے مستعفی ہو چکے تھے اور میں اپنے سابق عہدہ 'نائب مہتمم' پر کام کر رہا تھا۔ جس کی وجہ سے درس وتدریس سے زیادہ انتظام وانصرام میں سر کھپانا اور مغز ماری کرنا پڑ رہا تھا۔ میں نے استاذ محترم کے جواب میں عرض کیا کہ میں تو یہاں اس مقصد کے تحت آیا تھا کہ دلی میں بڑی بڑی لائبریریاں ہیں ان سے استفادہ کر کے معہد میں پڑھنے اور لکھنے کے مواقع زیادہ ملیں گے مگر یہاں تو انتظام وانصرام کے جھمیلوں میں پھنس کر رہ گیا ہوں۔ پڑھنے لکھنے کے لئے بہت مشکل سے وقت نکلتا ہے۔ اس پر استاذ گرامی نے فرمایا کہ یہاں پورے ملک بلکہ نیپال تک کے طلبہ زیر تعلیم رہتے ہیں جن میں بہت سے عقائد فاسدہ اور خیالات باطلہ اور دیگر بدعات وخرافات کے حامل ہوتے ہیں، آپ لوگوں کی محنت اور کوشش سے ان کے عقائد کی اصلاح ہوگی اور آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کے مستحق ہوں گے جو آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو دی تھی۔ **یا علی! واللہ لأن یھدی اللہ بك رجلا واحدا خیر لك من حمر النعم (صحیح مسلم: فضائل الصحابة، باب من فضائل علی بن ابی طالب رقم ۲۴۰۶)۔**

''اللہ کی قسم اے علی! اگر اللہ تعالیٰ تمہاری ذات سے کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے''

استاذ گرامی کی اس گرانقدر نصیحت سے میرے دل کو بڑا سکون ملا اور بے اطمینانی کی کیفیت دور ہوگئی اور آج بھی یہ میرے لئے مشعل راہ ہے۔ **فللہ الحمد والمنة وبنعمته تتم الصالحات۔**

استاذ محترم کی بیماری:

یوں تو استاذ محترم مولانا ماہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں آخری دور کی تدریس کے زمانہ ہی سے بیمار چل رہے تھے لیکن علاج ومعالجہ کے بعد بحمد اللہ طبیعت اطمینان بخش ہوگئی تھی اور آپ دوبارہ تعلیم وتربیت سے جڑ گئے اور کلیہ عائشہ للبنات پرامرغہوا، متصل اٹوا بازار، ضلع سدھارتھ نگر میں بنات حوا کو زیور علم دین سے آراستہ وپیراستہ کرنے میں مشغول ہو گئے مگر صحت کی ناہمواری اور اس کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے زیادہ دن تک یہ خدمت انجام نہیں دے سکے، بالآخر مجبور ہو کر آپ وہاں سے چھوڑ کر گھر رہنے لگے مگر بحمد اللہ صاحب فراش نہیں ہوئے بلکہ چلتے پھرتے رہے۔

موجودہ موسم سرما میں جب دیہات کی سردی نے لوگوں کو ستانا شروع کیا تو آپ کی بیٹیوں نے آپ کو ممبئی بلالیا کیوں کہ وہاں کی آب وہوا معتدل رہتی ہے۔ ماشاءاللہ مولانا کی پانچ بیٹیاں اپنے شوہروں اور بچوں کے ساتھ ممبئی میں رہتی ہیں۔

آپ کے بھتیجہ اور داماد برادر عزیز جناب نثار احمد بن عبدالرب صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مرض الموت کی کچھ تفصیل یوں بتائی کہ مولانا کی طبیعت ٹھیک تھی، کھانا پینا، چلنا پھرنا حسب معمول تھا۔ ۲۸ رجنوری ۲۰۱۶ء بروز جمعرات رات کو تقریباً گیارہ بجے مولانا کے پیٹ میں درد شروع ہوا اور دھیرے دھیرے درد میں اضافہ ہونے لگا اس پر مولانا نے فرمایا کہ سب اعزہ واقرباء کو جمع کرو، جب تک لوگ جمع ہوں جسم سوجنے لگا اس لئے فوراً اسپتال لے گئے اور کلوا علاقہ کے سرکاری اسپتال میں داخل کیا۔ چیک آپ وغیرہ سے پتہ چلا کہ جسم میں خون کی کافی کمی ہے، کسی صورت سے رات گزری۔ دن میں مولانا نے اسپتال سے نکال کر گھر لے جانے کے لئے اصرار کیا، وقت گزرنے کے ساتھ آپ کا اصرار بڑھتا گیا بالآخر مجبور ہو کر تقریباً گیارہ بجے دن آپ کو اسپتال سے ڈس چارج کرایا گیا۔

وفات: بتاریخ ۲۸ جنوری ۲۰۱۶ء بروز جمعہ اسپتال سے ڈس چارج ہونے کے بعد آپ کے اعزہ اسپتال سے باہر مین گیٹ پر لائے اور گھر لے جانے کیلئے رکشہ پر بٹھایا تو اچانک مولانا کا جسم ڈھیلا ہونے لگا اور ۱۱:۱۵ بجے قبل صلاۃ جمعہ ۷۲ سال کی عمر میں روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون، قدر اللہ وما شاء فعل، ولا نقول الا ما یرضی ربنا۔**

صلاۃ جنازہ اور تجہیز وتکفین:

استاذ گرامی کی صلاۃ جنازہ اسی روز صلاۃ عشاء کے بعد مولانا کے بھتیجے برادر عزیز مولانا سرفراز احمد فیضی سلمہ اللہ نے پڑھائی اور اعزہ اقرباء کے علاوہ علماء، فضلاء، صلحا، طلبہ اور عام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے مولانا کی صلاۃ جنازہ میں شرکت کی۔ مرکز کی مساجد میں بھی مولانا کیلئے دعاء مغفرت کی گئی۔ مولانا کو ممبئی کے باندرہ علاقہ کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

پسماندگان: استاذ محترم کے پسماندگان میں آپ کی اہلیہ کے علاوہ ایک بھائی، برادرم عبدالرب، ایک بیٹا مبشر کریم اور ایک درجن بیٹیاں، ایک پوتی اور اڑتالیس (۴۸) نواسے اور نواسیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا کی تمام اولاد احفاد کو مولانا کے نقش قدم پر چل کر دین وملت کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی بیوہ **حفظھا اللہ ورعاھا** کو صحت وعافیت سے نوازتے ہوئے مولانا رحمہ اللہ کی اولاد واحفاد کی سرپرستی کی توفیق دے۔ آمین۔

استاذ محترم کے سلسلہ میں کوئی تفصیلی مقالہ لکھنا مقصود نہیں ہے۔ موصوف کی خودنوشت سوانح حیات جو مولانا کے بھتیجوں نے مرکز میں بھیجی تھی اس کو ماہنامہ التبیان، نئی دہلی کے مدیر مولانا شکیل احمد صاحب سنابلی نے التبیان میں شائع کرنے کیلئے احقر کو نوٹ لگانے کیلئے دیا تو کچھ باتیں نوک قلم پر آگئیں اور وہ حوالہ قرطاس کردیں۔ شاید کہ کسی کو ان باتوں سے فائدہ پہنچ جائے۔ وباللہ التوفیق۔

مولانا نے یہ خودنوشت سوانح اپنے ایک شاگرد مولانا شمشیر احمد سراجی مدنی کو ۲۰۰۴ میں املا کرایا تھا جو اس وقت جامعہ سراج

العلوم بونڈیہار میں زیر تعلیم تھے اور مولانا وہاں پر تدریسی فریضہ انجام دے رہے تھے۔ انہیں کی خوشخط تحریر مولانا کے عزیزوں نے بھیجی تھی وہ افادہ عام کے لئے ماہنامہ التبیان میں شائع کی جارہی ہے۔ اس میں مولانا کے حالات زندگی سے جو پندرہ روزہ ترجمان ،دہلی ۱ تا ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئے تھے کچھ اضافہ کردیا گیا ہے جسے اس ☆ نشان سے ممتاز کردیا گیا ہے اور بعض مقامات پر راقم سطور کی طرف سے نوٹ لگایا گیا ہے اسے بھی * سے نمایاں کیا گیا ہے اور آخر میں ''اثری'' لکھ دیا گیا ہے۔

اخیر میں ہم دست بدعا ہیں کہ رب قدیر استاذ گرامی کی بشری لغزشوں کو معاف فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور انکے تمام پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔ **اللھم اغفرلہ وارحمہ واعف عنہ واکرم نزلہ ۔آمین یارب العالمین۔** (عاشق علی اثری)

□□

نام ونسب: والدین نے میرا نام عبدالعلیم رکھا اور ماہر میرا تخلص ہے، تاریخ نام تفضل احمد ہے اور کنیت ابوسلیم ہے، میرے والد صاحب کا نام حافظ کتاب اللہ ولد محمد اقبال ولد محمد امیر ہے۔

خاندانی پس منظر:

☆ میرے آباء واجداد گینسڑی بازار ضلع بلرام پور کے باشندہ تھے لیکن میرے والد صاحب بچپن ہی میں سمرا سے متصل ایک گاؤں بشنپور کلاں لائے گئے، ان کے رشتہ کی ایک دادی نے ان کی پرورش کی اور ان کی تعلیم کا انتظام کیا، اور وہ یہیں رہ گئے۔ اور لکھنو مدرسہ فرقانیہ میں حفظ قرآن کی تکمیل کی پھر دہلی میں مسجد اہل حدیث، کشن گنج میں حفظ کا دور کیا۔

آباء واجداد حنفی مسلک سے وابستہ تھے لیکن میرے والد صاحب نے اپنے علم ومطالعہ سے مسلک اہل حدیث اختیار کرلیا اور تاحیات نہ صرف اسی مسلک حقہ سے وابستگی باقی رکھی بلکہ اپنے والد اور دیگر متعلقین کو بھی اسی مسلک پر لگادیا۔ میرے ایک اخیافی بڑے بھائی مولانا عبدالحلیم صاحب ہیں جو محترم مولانا عبدالمبین صاحب منظر کے سگے بھتیجہ ہیں۔ اس اعتبار سے مولانا منظر صاحب رحمہ اللہ میرے بھی چچا ہوتے ہیں۔ اور انہیں کے زیر سایہ اور حسب مشورہ میری ابتدائی تعلیم شروع ہوئی، گویا اس علمی خاندان سے میرا گہرا رشتہ ہے۔

***مولانا عبدالحلیم صاحب کئی سال پہلے انتقال فرماگئے۔ رحمہ اللہ وغفرلہ (اثری)**

تاریخ پیدائش: اسی سمرا میں ۲۵ رمحرم الحرام ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۲ رجنوری ۱۹۴۴ء بروز شنبہ میری ولادت ہوئی۔

مستقل پتہ: موضع سمرا، پوسٹ خانکوٹ، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی۔

حصول علم کے مراحل: میرے والد صاحب سمرا ہی سے متصل موضع کمہریا میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے، غالباً ۱۹۴۸ء میں میں نے ان کے پاس قاعدہ بغدادی سے تعلیم شروع کی اور ۱۹۵۴ء تک انہیں کے پاس رہ کر قرآن مجید ناظرہ اور کچھ اردو اور ابتدائی فارسی کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ۱۹۵۴ء میں مشہور ومعروف مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں مزید تعلیم کیلئے حاضر ہوا، یہاں میں نے

گلستان، بوستان اور میزان ومنشعب وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد دوسال میں نے سراج العلوم جھنڈانگر، نیپال میں گزارے اور اساتذہ سے نحو وصرف، ترجمہ قرآن، اور حدیث وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، یہ ۵۶۔۱۹۵۵ء اور ۵۷۔۱۹۵۶ء کا تعلیمی سال تھا، اس دور میں مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈانگری نظامت سے الگ تھے، پہلے سال جناب عبدالمنان خاں صاحب ناظم تھے اور دوسرے سال جناب نصر اللہ خاں صاحب ملگھیا ناظم تھے، اس کے بعد میں مظاہر العلوم سہارنپور حصول تعلیم کے لئے گیا، وہاں میں نے ہدایۃ النحو، کافیہ اور شرح جامی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، یہاں بھی میں نے دوسال گزارے، اس کے بعد میں دارالعلوم دیوبند گیا، وہاں عالمیت اور فضیلت کی تعلیم حاصل کی اور شعبان ۱۳۸۲ھ مطابق جنوری ۱۹۶۳ء میں فراغت حاصل کی، دیوبند سے فراغت کے بعد چند دنوں کے لئے جامعہ رحمانیہ بنارس حاضر ہوا لیکن بہت جلدی واپس چلا آیا۔

☆ علاوہ ازیں استاذ محترم نے ۱۹۷۰ء میں الہ آباد بورڈ عربی وفارسی سے عالم کا امتحان دیا اور سیکنڈ ڈویزن سے پاس ہوئے۔ پھر ۱۹۷۸ء میں فاضل ادب کا امتحان اسی بورڈ سے سیکنڈ ڈویزن سے پاس کیا۔ پھر ۱۹۸۴ء میں فاضل دینیات کا امتحان اسی بورڈ سے پاس کیا۔

☆ **اساتذۂ کرام:**

میرے کل اساتذہ کی تعداد تقریباً بیالیس (۴۲) ہے لیکن ان میں سے کچھ خاص اساتذہ کے نام یہ ہیں:

والد صاحب حافظ کتاب اللہ، مولانا محمد خلیل رحمانی، مولانا اقبال رحمانی، مولانا محمد یامین صاحب سہارنپوری، مولانا محمد صدیق صاحب کشمیری، مولانا اسد اللہ صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور، مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی دیوبند، مولانا معراج الحق صاحب دیوبند، مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی بنارس، مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی پاکستان۔

*استاذ محترم رحمہ اللہ نے بھوجیانی رحمہ اللہ سے کہاں اور کب تعلیم حاصل کی اس کی وضاحت نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ استاذ گرامی نے موصوف سے باضابطہ تعلیم حاصل کرنے کے بجائے ان سے استفادہ کیا ہوگا کیونکہ اپریل ۱۹۸۱ء مطابق جمادی الآخرہ ۱۴۰۱ھ میں علامہ بھوجیانی رحمہ اللہ پاکستان سے دلی تشریف لائے تھے۔ اس وقت راقم سطور معہد التعلیم الاسلامی، نئی دہلی میں ایک ادنی مدرس تھا اور استاذ گرامی مدرسہ ریاض العلوم، دہلی میں تدریسی فریضہ انجام دے رہے تھے۔ اس موقع پر راقم سطور کو بھی علامہ بھوجیانی رحمہ اللہ سے استفادہ کا موقع ملا تھا۔ اس موقع پر میں نے اپنی پہلی حقیر تالیف ''حقوق والدین قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں'' موصوف کو پیش کر کے اس کے مطالعہ کرنے اور اس پر تاثرات لکھنے کی درخواست کی تھی۔ موصوف نے ذرہ نوازی کرتے ہوئے جستہ جستہ کتاب کا مطالعہ کر کے اپنے قیمتی تاثرات تحریر فرمائے تھے اور اپنے دستخط کے نیچے ۹/جمادی الاخری ۱۴۰۱ھ کی تاریخ درج کی تھی، یہ تاثرات مذکورہ کتاب کے صفحہ ۱۲ و ۱۳ طبع دوم میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ (اثری)

قابل ذکر تلامذہ: پینتالیس (۴۵) سالہ دور تدریس میں شاگردوں کی تعداد تقریباً دو ہزار ہے لیکن ان میں کچھ مشہور اور قابل ذکر تلامذہ یہ ہیں: ڈاکٹر ابواللیث صدیقی بیت ناری الہ آباد، مولانا رفیق احمد سلفی المعہد العالی دہلی، مولانا عبدالرشید مدنی سراج العلوم جھنڈانگر،

مولانا عاشق علی اثری جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی، مولانا صلاح الدین مقبول احمد مدنی کویت، مولانا ابوطلحہ سلفی ناظم دارالتوحید مینا عیدگاہ، مولانا محمد شبیر مدنی ندوۃ السنہ اٹوابازار، مولانا محمد ابراہیم مدنی ندوۃ السنہ اٹوابازار، مولانا محمد سرور مدنی شارجہ، مولانا محمد علی سلفی لہرن بازار، مولانا عبدالاحد مدنی ریاض العلوم دہلی، مولانا عبدالرحمن مدنی سراج العلوم بونڈیہار، مولانا رفیق رئیس سلفی علی گڑھ، مولانا محمد شعیب میمن جوناگڑھی، مولانا خالد جمیل مکی جامعہ اسلامیہ ممبرا، مولانا محمد شمیم مدنی سراج العلوم بونڈیہار، سرفراز فیضی اسلامک انفارمیشن سنٹر اندھیری ممبئی، مولانا شمشیر احمد سراجی، مولانا علی اختر ندوی ریاض العلوم دہلی۔

تدریسی خدمات:

۱۹۶۳ء میں میں سب سے پہلے دارالعلوم یوسفیہ ناگپور بلایا گیا اور وہیں سے تدریس کے دور کا آغاز ہوا، اس کے بعد ۶۵۔۱۹۶۴ء میں سراج العلوم جھنڈانگر میں تدریس کا کام کیا، اب مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈانگری اپنے عہدۂ نظامت پر واپس آچکے تھے۔ ۱۹۶۶ء-۱۹۶۹ء تک شمس العلوم سمرا میں تدریسی فریضہ انجام دیا۔ ۷۱۔۱۹۷۰ء میں دارالتوحید مینا عیدگاہ میں رہا پھر ۱۹۷۲ء کے آخر سے ۱۹۷۶ء تک سراج العلوم بونڈیہار میں تدریسی فریضہ انجام دیا پھر ۱۹۷۸ء میں دوبارہ سراج العلوم جھنڈانگر میں تدریسی خدمت انجام دی پھر میں نے دارالعلوم محمدیہ سورت، گجرات میں امامت وخطابت کے ساتھ تدریسی فریضہ انجام دیا، ۱۹۸۱ء میں ریاض العلوم دہلی میں تدریسی مشغلہ اختیار کیا اس کے بعد ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۴ء تک پھر دوبارہ شمس العلوم سمرا میں رہا، ۱۹۸۵ء میں تدریس کے ساتھ امامت وخطابت کا فریضہ شولاپور مہاراشٹر میں انجام دیا، اس کے بعد ۸۶۔۱۹۹۰ء تک پھر دوبارہ دارالتوحید مینا عیدگاہ میں رہا، ۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۱ء تک تدریس کے ساتھ ساتھ شمس العلوم سمرا کی نظامت بھی سنبھالی پھر ۲۰۰۲ء سے اس وقت تک دوبارہ سراج العلوم بونڈیہار میں تدریسی فریضہ انجام دے رہا ہوں۔

*استاذ گرامی کی یہ خودنوشت سوانح ۲۰۰۴ء کی ہے۔ بونڈیہار کے زمانہ تدریس میں آپ سخت بیمار ہوگئے تھے اور کافی دنوں کے علاج کے بعد طبیعت بحال ہوئی تو غالباً ۱۴۔۲۰۱۳ء میں آپ نے کلیہ عائشہ للبنات پیرامرغھوا میں تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دیا۔ (اثری)

نیپال میں دعوتی وتدریسی خدمات:

سراج العلوم جھنڈانگر نیپال میں میری دعوتی وتدریسی خدمات ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۵ء میں ہوئی اس کے بعد ۱۹۷۸ء میں دوبارہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں، تدریس کی کل مدت تقریباً چالیس سال ہے اس چالیس سالہ دور تدریس میں جو اہم کتابیں زیر تدریس رہیں وہ درج ذیل ہیں:

زیر تدریس کتابیں:

(۱) ترجمۂ معانی قرآن، سورۂ کہف سے سورہ ناس تک، تفسیر فتح القدیر للشوکانی (۲) صحیح مسلم، جلد ۱۔۲ بلوغ المرام، مشکوۃ المصابیح، جلد ۱۔۲، السنن لابی داؤد، جامع الترمذی (۳) المختصر للقدوری، شرح وقایہ جلد ۱۔۲، (۴) تقویۃ الایمان، اصلاح عقیدہ،

شرح العقیدۃ الواسطیہ (۵) تیسیر المنطق، مرقات (۶) شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ (۷) علم الصیغہ، فصول اکبری (۸) القراءۃ الرشیدۃ، معلم الانشاء (۹) تعلیم الفرائض (۱۰) اصول الشاشی، نور الانوار، (۱۱) دروس البلاغۃ، تلخیص المفتاح۔

دعوتی خدمات: میری دعوتی خدمات دو طرح کی ہیں: (۱) ایک وہ ہیں جو جمعیت اہل حدیث سے متعلق رہ کر میں نے کی ہیں (۲) دوسری وہ ہیں جو جمعیت سے متعلق رہے بغیر انفرادی طور پر انجام دی ہیں

پہلی قسم کی تفصیل اس طرح ہے:

میں ۱۹۷۰ء میں جمعیت اہل حدیث ضلع بستی میں بحیثیت رکن شامل ہوا اور ۱۹۹۵ء تک جمعیت سے متعلق رہا، اسی سال میں نے ضلع کے پانچ حلقوں میں سے ایک حلقہ میں جمعیت اہل حدیث حلقہ اٹوا کی بنیاد ڈالی اور علاقہ کے تقریباً بیس پچیس علمائے کرام کو شامل کر کے تقریباً پچاس مقامات کا تبلیغی دورہ کیا، یہ سلسلہ لگ بھگ دو سال تک جاری رہا پھر ۱۹۷۱ء میں مجھے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نائب ناظم کے طور پر منتخب کیا گیا جس سے میں ایک سال تک جمعیت سے متعلق رہا اور اس دوران راجستھان اور مہاراشٹر کے علاقوں کا تبلیغی دورہ کیا، جس میں جے پور، کوٹہ، بیگود، سرواڑ، کیکڑی، سوائی مادھوپور اور جودھ پور وغیرہ مقامات خاص طور پر شامل ہیں اور مہاراشٹر میں مالیگاؤں، احمد نگر، اورنگ آباد اور ممبئی وغیرہ مقامات شامل ہیں، اس کے بعد ۱۹۷۳ء میں ضلعی جمعیت اہل حدیث بستی کا نائب صدر منتخب کیا گیا اور اس دوران ضلع کے مختلف مقامات کے دورے کئے۔ ۱۹۷۷ء میں پھر دوبارہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا نائب ناظم منتخب کیا گیا نیز پندرہ روزہ ترجمان کا نائب مدیر مقرر کیا گیا، اس دوران صحافتی ذمہ داریوں کے ساتھ تبلیغی اور تنظیمی دورے ہوئے خاص طور پر صوبہ گجرات کا مکمل تنظیمی دورہ ہوا، تقریباً ایک ماہ تک مسلسل پورے صوبہ میں قابل ذکر جماعتی مقامات کا تبلیغی و تنظیمی دورہ کیا، ان میں سے درج ذیل مقامات قابل ذکر ہیں:

احمد آباد، راجکوٹ، جوناگڈھ، بھوج، سمی، نڑیاد، بھڑوچ، سورت، جمبوسر اور سامرود وغیرہ، ان سب مقامات کے نمائندگان کو احمد آباد میں اکٹھا کیا اور صوبائی جمعیت اہل حدیث گجرات کی تشکیل عمل میں آئی، یہ بات قابل ذکر ہے کہ گجرات میں پہلی دفعہ اس طرح سے جماعت کے لوگ اکٹھا ہوئے اور باہم جماعتی رشتے مضبوط ہوئے، اس کے بعد سے اب تک ماشاء اللہ گجرات کی جمعیت سرگرم عمل ہے۔ ۱۹۸۳ء میں جمعیت اہل حدیث حلقہ اٹوا کا امیر منتخب کیا گیا اور اس عہدہ پر ۱۹۹۵ء تک قائم رہا اور علاقہ کے مختلف مواضعات کا تبلیغی و تنظیمی دورہ ہوا پھر ۱۹۹۰ء میں ریاستی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی کا نائب امیر اور ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کا امیر منتخب ہوا اور اس حیثیت سے بھی صوبہ کے مختلف مقامات کے دورے ہوئے، یہ سلسلہ بھی ۱۹۹۵ء تک جاری رہا، اس کے بعد جمعیت سے میرا تعلق نہیں رہ سکا۔

دوسری قسم کی دعوتی خدمات کی تفصیل یہ ہے:

مذکورہ بالا مقامات کے علاوہ مختلف مقامات پر جمعہ کے خطبے دیئے، اہم مواضعات کے نام یہ ہیں:

سمرا، بشنپور کلاں، کمہریا، جھکھیاں، پہاڑہ پور، دوپھڑیا، فریندہ، ریواں، بونڈیہار، اونرہوا، اوسانکوئیاں، ششہنیاں، اٹوا۔

مختلف شہروں میں بھی خطبہ دینے کا موقع ملا ہے۔ ان کے نام یہ ہیں: (یوپی میں) سکندر آباد، علی گڑھ، قنوج، بھدوہی، بنارس۔

(گجرات) میں سورت کے علاوہ احمد آباد، سمی، سامرود، بھڑوچ، واپی، (راجستھان میں) کھنڈیلہ، بیگود، جودھ پور۔ (مہاراشٹر میں) ناگپور، شولاپور، تھانہ۔ (مدھیہ پردیش میں) بھوپال۔ (آندھرا پردیش میں) وشاکھاپٹنم، وزیانگرم اور وجے پاڑہ۔ (کرناٹک میں) گلبرگہ، سگرا اور ممبئی اور دہلی کی مختلف مساجد میں۔

مختلف اجتماعات اور جلسوں میں بھی وعظ وتقریر کا موقع ملا۔ ان کے نام یہ ہیں: کمہریا، جھکھیاں، پہاڑہ پور، دوپھڑیا، پرسا، بشنپور، بیراڈیہہ، مرغھوا، سمی، نڑیاد، شولاپور، ممبئی، برگدوا، جموہنا، پرسپور، پٹنہ۔

تصنیفی خدمات:

۱۔ تصنیفی میدان میں میں نے ایک کتاب مرتب کی ہے جس کا نام ہے ''تذکرۃ المشاہیر'' اس میں جماعت اہل حدیث کے پچیس اخص الخواص علماء کرام کی سوانح حیات ہیں۔ ان میں خاص طور پر میاں نذیر حسین صاحب، نواب صدیق حسن خاں صاحب، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا سلیمان منصور پوری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی اور مولانا شمس الحق ڈیانوی وغیرہم کے تذکرے ہیں۔

۲۔ ایک کتاب میں نے شعروادب کے موضوع پر ترتیب دی ہے جس کا نام ہے ''گلہائے رنگ رنگ'' اس میں میں نے تقریباً دوسو قدیم وجدید شعراء کے منتخب اشعار حروف تہجی کی ترتیب پر جمع کئے ہیں۔ ہر شعر کے ساتھ شاعر کا نام مذکورہ اور ہر شاعر کا اجمالی تذکرہ اس طرح سے ہے کہ جس میں شاعر کا اصلی نام، سال ولادت، سال وفات اور اگر اس کا کوئی استاذ ہے تو استاذ کا بھی ذکر کیا ہے، اسی طرح سے شعراء کے دو شجرے بھی مرتب کئے ہیں۔ ایک کا تعلق دہلی سے ہے اور دوسرے کا تعلق لکھنؤ سے ہے، یہ دونوں کتابیں غیر مطبوع ہیں۔

* کاش کہ صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی یا مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اس قسم کے اساطین اہل حدیث کی گرانقدر تصنیفات وتالیفات کو چھپوا کر ان کو محفوظ کرنے کی کوشش کرے اور اگر مولانا کے بھتیجے اور ان کے داماد باہمی تعاون سے مولانا کی علمی وراثت کی حفاظت کا بندوبست کرسکیں تو اور بہتر ہے۔ وباللہ التوفیق (اثری)

۳۔ سنہ ۲۰۰۲ء میں جمعیت احیاء التراث الاسلامی کویت کی طرف سے نواب صدیق حسن خاں کی ایک کتاب ''دعوۃ الحق'' اس مقصد کے لئے میرے پاس بھیجی گئی تھی کہ یہ کتاب سوسال پہلے کی ہے جو موجودہ دور کی زبان کے مناسب نہیں ہے لہٰذا اس کو جدید زبان میں منتقل کردیا جائے علاوہ ازیں اس میں جو آیات اور احادیث ہیں ان کے ترجمہ وتشریح کے ساتھ ان کی تخریج بھی کی جائے، یہ کتاب لگ بھگ ایک سو صفحات پر مشتمل ہے۔ میں نے اس پر مذکورہ کام کئے ہیں اور کتاب مرتب کرکے جمعیت مذکورہ کے پاس بھیج دی ہے۔

۴۔ میری ایک کتاب جو اسلامی نظموں پر مشتمل ہے، پانچ دفعہ شائع ہوچکی ہے جس کا نام ''نغمات اسلام'' ہے۔ ان کے علاوہ کچھ ناقص مسودات ہیں جو پورے نہیں ہوئے ہیں اس لئے ذکر نہیں کررہا ہوں۔

مقالہ نگاری: مختلف کانفرنسوں اور سیمیناروں کے موقع پر مقالہ لکھنے کی بھی نوبت آئی ہے۔ مثال کے طور پر جامعہ سلفیہ میں تین

مرتبہ مقالہ پیش کیا ہے جس میں خاص طور پر ایک مقالہ علامہ ابن تیمیہ کی شخصیت پر تھا، اسی طرح سراج العلوم بونڈیہار، دارالہدیٰ یوسف پور، انجمن محمدیہ تلسی پور، جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی، ضلعی جمعیت اہل حدیث علی گڑھ، دارالدعوۃ لال گوپال گنج، ضلع پرتاپ گڑھ، ضلعی جمعیت اہل حدیث بستی اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی طرف سے منعقد ہونے والی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں بھی مختلف موضوعات پر مقالے پیش کئے ہیں۔

۲۸* فروری ویکم مارچ ۲۰۱۴ء میں جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی میں ''مولانا عبدالحمید رحمانی۔ رحمہ اللہ کی حیات وخدمات اور برصغیر میں اسلامی دعوت کی تاریخ'' پر عالمی سیمینار میں استاذ محترم نے ''مولانا عبدالحمید رحمانی۔ کچھ یادیں اور کچھ باتیں'' کے موضوع پر اپنا تفصیلی مقالہ پیش فرمایا تھا اور کانفرنس میں شرکت فرما کر اسے خود پڑھا تھا۔ (اثری)

رفاہی خدمات: مسجد کی تعمیر:

تین نئی مساجد کی میں نے بنیاد رکھی ہے:

۱۔ رسول پور۔ ۲۔ ڈیبیہ پور۔

۳۔ پٹنہ اور شمس العلوم سمرا کے زمانہ نظامت میں وہاں کی مسجد کی از سر نو تعمیر کرائی ہے۔

دیگر خدمات: فسادات یا سماوی آفات کے موقع پر میں نے مختلف مقامات پر ریلیف کی تقسیم میں حصہ لیا۔ مثلاً ضلع گونڈہ کے کرنیل گنج میں جب فرقہ وارانہ فسادات ہوئے اور لوگ اس سے متاثر ہوئے تو ریاستی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی کی طرف سے ناظم جمعیت مولانا انور اور مولانا ابوالعاص صاحب کے ساتھ میں نے کئی بار اس علاقہ کا دورہ کیا اور متاثرین کو نقد، کپڑے اور برتن تقسیم کرائے، اس کے علاوہ ضلع سدھارتھ نگر میں غالباً ۱۹۹۳ء میں بہت زبردست سیلاب آیا تھا جس میں ضلع کے مختلف علاقوں کے لوگ بہت زیادہ تکلیفوں میں مبتلا تھے تو اس موقع پر بھی پہلے حلقہ اٹوا کی جمعیت کی طرف سے کٹھیلا کے علاقہ میں غلے اور نقد روپے مختلف مواضعات میں تقسیم کرائے اس کے بعد ریاستی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی کی طرف سے شہرت گڑھ اور بانسی کے علاقوں میں نقد روپے تقسیم کرائے۔

☆ اللہ تعالیٰ استاذ گرامی کی ان گرانقدر علمی، دعوتی، تصنیفی، تدریسی اور رفاہی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور استاد محترم کو درج ذیل حدیث کا مصداق ومستحق بنائے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة: الا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، اوولد صالح يدعوله.** (صحیح مسلم: الوصیۃ ۲۵، باب ۳ رقم ۱۶۳۱)

''جب انسان انتقال کرجاتا ہے تو اس سے اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، مگر تین چیزوں کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ (۱) صدقۂ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے (۳) صالح اولاد جو والدین کے لئے دعا کرتی رہے'' (اثری)

(ماہنامہ التبیان دہلی فروری ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

خودنوشت سوانح حیات: (مولانا) عبدالعلیم ماہر رحمہ اللہ

تعلیق وتکمیل: مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

۲۹ رجنوری ۲۰۱۶ء کا مبارک دن تھا، دن کے ساڑھے گیارہ بج چکے تھے، میں خطبہ جمعہ دینے کاندیولی سے کرلا کالینہ کی مسجد اہل حدیث (مسجد التوحید) کے دروازے پر پہنچا تھا اچانک موبائل کی گھنٹی بجی اور کاندیولی سے ہمارے ایک عزیز مولانا منصور احمد سمراوی نے فون پر اطلاع دی کہ ماہر صاحب کا انتقال ہو چکا ہے، بڑا عجیب جھٹکا لگا، میں مسجد میں بیٹھ گیا تفصیل دریافت کی تو معلوم ہوا کہ چند دنوں پہلے علاج کے لئے ممبئی آئے تھے، اور یہیں کلوا ممبرا ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھے، قضاء گاؤں سے ممبئی لے آئی اور اللہ کو پیارے ہو گئے، کہتے ہیں کہ حیلے روزی بہانے موت، عمر کی قیمتی بہاریں وطن میں کٹ گئیں اور آخری ٹھکانہ ممبئی کی خاک ٹھہری، سچ فرمایا رب العالمین نے {وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ} (سورہ لقمان: ۳۴) میں احباب کو فون کرنے لگا، واٹس ایپ پر میسیج فائل کیا اور پھر چاروں طرف سے فون آنے لگے نماز جنازہ کا اعلان بعد نماز عشاء باندرہ نو پاڑہ قبرستان کے لئے ہوا، الحمد للہ جامعہ رحمانیہ کاندیولی کا بھی ایک وفد خاکسار کے ساتھ شیخ عبدالجبار سلفی، شیخ عبدالستار سراجی، شیخ ضمیر احمد مدنی، مولانا محمود الحسن فیضی پر مشتمل باندرہ روانہ ہوا، عشاء کی نماز کے بعد آپ کی تدفین ہوئی، نماز جنازہ آپ کے بھتیجے اور داماد مولانا سرفراز فیضی نے پڑھائی، اور ہزاروں سوگواروں کی پرنم آنکھوں کے ساتھ علم وادب کا یہ آفتاب غروب ہو گیا، ماہر صاحب دراصل ایک کہنہ مشق مدرس، مربی اور معلم تھے پایہ کے ادیب اور شاعر تھے اور میدان صحافت کے عظیم شہسوار تھے آپ کی وفات فی الحقیقت صرف جماعت وجمعیت اور مراکز علم وادب ہی نہیں بلکہ ملک وملت کے لئے عظیم خسارہ کا باعث ہے اللہ اس خلاء کو پر فرمائے آمین۔

ذیل کا مضمون دراصل آپ کی خودنوشت سوانح ہے، جو بعض احباب کے واسطے سے دستیاب ہوئی ہے جسے آپ نے اپنے ایک شاگرد مولانا شمشیر عالم مدنی کو املا کروایا تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لکھنے کے بجائے آپ کی تحریر کردہ اسی خودنوشت سوانح کو شائع کر دیا جائے، لیکن مضمون پڑھنے کے بعد محسوس ہوا کہ اس میں کچھ گوشے تشنہ ہیں، بالخصوص آپ کے اساتذہ اور تلامذہ کا ذکر نہیں، اسی طرح ۲۰۰۲ء کے بعد کے حالات اور خدمات کا تذکرہ نہیں، میں نے کوشش کی ہے کہ ماہر صاحب کی زندگی کے بقیہ گوشے بھی قارئین کے سامنے آجائیں چنانچہ میں نے اپنی معلومات اور آپ کے بعض متعلقین بالخصوص آپ کے بھتیجے اور داماد مولانا سرفراز فیضی کے بعض افادات کی روشنی میں کچھ تعلیق اور حاشیہ نگاری کے ذریعہ اسے مکمل کرنے کی سعادت حاصل کی ہے امید کہ قارئین اور اہل علم کے لئے افادہ کا باعث ہوگی، رب العالمین سے دعا ہے کہ آپ کو مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ الفردوس۔ (عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی)

(۱) نام ونسب: والدین نے میرا نام عبدالعلیم رکھا اور ماہر میرا تخلص ہے تاریخی نام تفضل احمد ہے اور کنیت ابوسلیم ہے، میرے والد صاحب کا نام حافظ کتاب اللہ ولد محمد اقبال ولد محمد امیر ہے، میرے آباء واجداد گینسڑی بازار ضلع بلرام پور کے باشندہ تھے لیکن والد صاحب بچپن ہی میں بشنپور کلاں رمتصل سمرا ضلع سدھارتھ نگر میں منتقل ہو گئے تھے جہاں ان کی رشتے کی دادا نے ان کی پرورش کی اور ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا والد صاحب یہیں پر رہ گئے اور سمرا میں ان کی شادی ہوئی۔

(۲) تاریخ پیدائش: اسی سمرا میں ۲۵ رمحرم الحرام ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۲ رجنوری ۱۹۴۴ء بروز سنیچر میری ولادت ہوئی۔

(۳) مستقل پتہ: موضع سمرا، پوسٹ سمری خانکوٹ، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی پن کوڈ: ۲۷۳۲۹۲۔

(۴) حصول علم کے مراحل: میرے والد صاحب سمرا ہی سے متصل موضع کمہریا میں تدریسی فریضہ انجام دے رہے تھے غالباً ۱۹۴۸ء میں میں نے ان کے پاس قاعدہ بغدادی سے تعلیم شروع کی اور ۱۹۵۴ء تک انہیں کے پاس رہ کر قرآن ناظرہ اور کچھ اردو وابتدائی فارسی کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد ۱۹۵۴ء میں مشہور معروف مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں مزید تعلیم کے لئے حاضر ہوا یہاں میں نے گلستاں، بوستاں اور میزان منشعب وغیرہ کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد دو سال میں نے سراج العلوم جھنڈانگر میں گزارے اور اساتذہ سے نحو وصرف، ترجمہ قرآن اور حدیث وغیرہ کی تعلیم حاصل کی یہ ۵۶۔۱۹۵۵ء اور ۵۷۔۱۹۵۶ء کا تعلیمی سال تھا۔

(اس دور میں مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈانگری نظامت سے الگ تھے پہلے سال جناب عبدالمنان خاں صاحب ناظم تھے اور دوسرے سال جناب نصر اللہ خاں صاحب ملگھیا ناظم تھے۔ عبدالحکیم المدنی)

اس کے بعد میں مظاہر العلوم سہارنپور حصول تعلیم کے لئے گیا وہاں میں نے ہدایۃ النحو، علم الصیغہ قدوری نورالایضاح، مرقات، فصول اکبری، کافیہ اور شرح جامی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی یہاں بھی میں نے دو سال گذارے اس کے بعد میں دارالعلوم دیوبند گیا، وہاں عالمیت اور فضیلت کی تعلیم حاصل کی اور شعبان ۱۳۸۲ھ مطابق جنوری ۱۹۶۳ء میں فراغت حاصل کی دیوبند سے فراغت کے بعد چند دنوں کے لئے جامعہ رحمانیہ بنارس حاضر ہوا لیکن بہت جلد ہی واپس چلا آیا۔

(آپ کے مشہور اساتذہ: ماہر صاحب نے شاید تواضعاً اپنے اساتذہ کا ذکر نہیں کیا ہے جو آپ کی للّٰہیت اور اخلاص کی دلیل ہے لیکن بعض تاریخی حوالوں سے دستیاب معلومات کی بنیاد پر آپ کے متعدد اساتذہ کا نام درج ذیل ہیں: (۱) آپ کے والد حافظ کتاب اللہ (۲) مولانا محمد اقبال رحمانی بونڈیہار (۳) مولانا خلیل رحمانی (۴) مولانا اسد اللہ سہارنپوری (۵) مولانا محمد یامین سہارنپور (۶) مولانا محمد صدیق کشمیری سہارنپور (۷) مولانا معراج الحق دیوبندی (۸) مولانا محمد ابراہیم بلیاوی دیوبندی (۹) مولانا قاری محمد طیب دیوبند (۱۰) مولانا نذیر احمد رحمانی بنارس (۱۱) مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (ماخوذ از: علوم الحدیث مطالعہ وتعارف علی گڑھ ودیگر۔ از عبدالحکیم مدنی)

(۶) تدریسی خدمات: ۱۹۶۳ء میں میں سب سے پہلے دارالعلوم یوسفیہ ناگپور بلایا گیا اور وہیں سے تدریس کے دور کا آغاز ہوا اس کے بعد ۶۵۔۱۹۶۴ء میں سراج العلوم جھنڈانگر میں تدریس کا کام کیا اب مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری اپنے عہدہ نظامت پر

واپس آچکے تھے۔ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۶۹ء تک شمس العلوم سمرا میں تدریسی فریضہ انجام دیا، ۱۹۷۰۔۱۹۷۱ء میں دارالتوحید مینا عیدگاہ میں رہا، پھر ۱۹۷۲ء کے آخر سے ۱۹۷۶ء تک سراج العلوم بونڈیہار میں تدریسی فریضہ انجام دیا پھر ۱۹۷۸ء میں دوبارہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں تدریسی مشغلہ اختیار کیا، اس کے بعد ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۴ء تک پھر دوبارہ شمس العلوم سمرا میں رہا، ۱۹۸۵ء میں تدریس کے ساتھ امامت وخطابت کا فریضہ شولا پور مہاراشٹر میں انجام دیا اس کے بعد ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۰ء تک پھر دوبارہ دارالتوحید مینا عیدگاہ میں رہا ۱۹۹۰ سے ۲۰۰۱ء تک تدریس کے ساتھ ساتھ شمس العلوم سمرا کی نظامت سنبھالی، پھر ۲۰۰۲ء سے اس وقت تک دوبارہ سراج العلوم بونڈیہار میں تدریسی فریضہ انجام دے رہا ہوں۔

(۷) نیپال میں دعوتی وتدریسی خدمات:۔ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال میں میری دعوتی وتدریسی خدمات ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۵ء میں ہوئی ہیں، اس کے بعد ۱۹۷۸ء میں دوبارہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں تدریس کی کل مدت تقریباً چالیس سال ہے۔

(یہ مدت صرف ۲۰۰۲ء تک کے اعتبار سے ہے بعد کی تدریسی خدمات کا حساب لگایا جائے تو کم وبیش پچاس سالہ خدمات پر مشتمل ایک طویل زندگی ہے جو آپ نے دینی تعلیم میں لگادی ہے۔ از عبدالحکیم مدنی)

اس چالیس سالہ دور تدریس میں جو اہم کتابیں زیر تدریس رہی ہیں وہ درج ذیل ہیں: زیر تدریس کتابیں: (۱) ترجمہ قرآن، سورہ کہف سے سورہ ناس تک، تفسیر فتح القدیر للشوکانی (۲) بلوغ المرام، مشکوۃ المصابیح جلد ۱، ۲، السنن لابی داؤد، جامع الترمذی، صحیح مسلم جلد ۱/۲ (۳) قدوری، شرح وقایۃ جلد ۱/۲ (۴) تقویۃ الایمان، اصلاح عقیدہ، شرح العقیدۃ الواسطیۃ (۵) تیسیر المنطق، مرقات، (۶) شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ (۷) علم الصیغہ، فصول اکبری، (۸) القراۃ الرشیدہ، معلم الانشاء (۹) تعلیم الفرائض (۱۰) اصول الشاشی، نورالانوار (۱۱) دروس البلاغہ، تلخیص المفتاح۔

(آپ کے بعض تلامذہ: مختلف جہتوں سے معلومات کی بنیاد پر یہ بات طے ہے کہ کم وبیش پچاس سالہ تدریسی خدمات انجام دینے کی وجہ سے ماہر صاحب کے تلامذہ اور مستفیدین کی ایک بڑی تعداد ہوگی سردست جو نام مل سکے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔ (۱) مولانا عاشق علی اثری دہلی، (۲) شیخ صلاح الدین مقبول (اونرہوا) (۳) عبیدالرحمن محمد حنیف (ممبئی) (۴) مولانا سراج الدین سلفی (ہرہٹہ) مقیم حال بھساول (۵) مولانا سرفراز فیضی (ممبئی) آپ کے بھتیجے اور داماد (۶) مولانا شمشیر عالم مدنی (۷) ڈاکٹر ابواللیث صدیقی بیت نار (۸) مولانا رفیق احمد سلفی، دہلی (۹) مولانا عبدالرشید مدنی جھنڈا نگر (۱۰) مولانا ابوطلحہ سلفی مینا عیدگاہ (۱۱) مولانا شبیر احمد مدنی ندوۃ السنۃ اٹوا بازار (۱۲) مولانا محمد ابراہیم مدنی خیر العلوم ڈومریا گنج (۱۳) مولانا سرور مدنی شارجہ (۱۴) مولانا محمد علی سلفی لہرسن بازار (۱۵) مولانا عبدالاحد مدنی ریاض العلوم دہلی (۱۶) مولانا عبدالرحمن مدنی بونڈیہار (۱۷) مولانا رفیق احمد رئیس سلفی علی گڑھ (۱۸) مولانا محمد شعیب میمن جونا گڑھی (۱۹) مولانا خالد جمیل مکی بھیونڈی (۲۰) مولانا محمد شمیم مدنی سراج العلوم بونڈیہار (۲۱) مولانا علی اختر ندوی ریاض العلوم دہلی۔ عبدالحکیم المدنی)

(۸) دعوتی خدمات: میری دعوتی خدمات دوطرح کی ہیں ایک وہ جو جمعیت سے متعلق رہ کر میں نے کی ہیں، اور دوسرے وہ ہیں جو جمعیت سے متعلق رہے بغیر انفرادی طور پر انجام دی ہیں:

(الف) پہلی قسم کی تفصیل اس طرح ہے کہ میں ۱۹۷۰ء میں جمعیت اہل حدیث ضلع بستی میں بحیثیت رکن شامل ہوا اور ۱۹۹۵ء تک جمعیت سے متعلق رہا اسی سال میں نے ضلع کے پانچ حلقوں میں سے ایک حلقے میں جمعیت اہل حدیث حلقہ اٹوا کی بنیاد ڈالی اور علاقے کے تقریباً ۲۰ر ۲۵ علمائے کرام کو شامل کر کے تقریباً پچاس مقامات کا تبلیغی دورہ کیا یہ سلسلہ لگ بھگ ۲ سال تک جاری رہا پھر ۱۹۷۱ء میں مجھے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نائب ناظم کے طور پر منتخب کیا گیا جس سے میں ایک سال تک جمعیت سے متعلق رہا اور اس دوران راجستھان اور مہاراشٹر کے علاقوں کا تبلیغی دورہ کیا جس میں، جے پور، کوٹہ، بیگود، رواڑ، کیکڑی، سوائی مادھو پور، اور جودھ پور، وغیرہ مقامات خاص طور پر شامل ہیں اور مہاراشٹر میں مالیگاؤں، احمد نگر، اورنگ آباد اور ممبئی وغیرہ مقامات شامل ہیں اس کے بعد ۱۹۷۳ء میں ضلعی جمعیت اہل حدیث بستی کا نائب صدر منتخب کیا گیا اور اس دوران ضلع کے منتخب مقامات کے دورے کئے ۱۹۷۷ء میں پھر دوبارہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا نائب ناظم منتخب کیا گیا نیز پندرہ روزہ اخبار ترجمان کا نائب مدیر مقرر کیا گیا اس دوران صحافتی ذمے داریوں کے ساتھ تبلیغی اور تنظیمی دورے ہوئے خاص طور پر صوبہ گجرات کا مکمل تنظیمی دورہ ہوا تقریباً ایک ماہ تک مسلسل پورے صوبے میں قابل ذکر جماعتی مقامات کا تبلیغی و تنظیمی دورہ کیا خاص طور پر درج ذیل مقامات قابل ذکر ہیں، احمد آباد، راجکوٹ، جونا گڈھ، بھوج، بمی، نڑیاد بھڑوچ، سورت، جموسر اور سامرود، وغیرہ وغیرہ ان سب مقامات کے نمائندگان کو احمد آباد میں اکٹھا کیا اور صوبائی جمعیت گجرات کی تشکیل عمل میں آئی یہ بات قابل ذکر ہے کہ گجرات میں پہلی دفعہ اس طرح سے جماعت کے لوگ اکٹھا ہوئے باہم جماعتی رشتے مضبوط ہوئے اس کے بعد سے اب تک ماشاء اللہ گجرات کی جمعیت سرگرم عمل ہے، ۱۹۸۳ء میں جمعیت اہل حدیث حلقہ اٹوا کا امیر منتخب کیا گیا اور اس عہدے پر ۱۹۹۵ء تک قائم رہا اور علاقے کے منتخب مواضعات کا تبلیغی و تنظیمی دورہ ہوا پھر ۱۹۹۰ء میں ریاستی جمعیت اہلحدیث مشرقی یوپی کا نائب امیر اور ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کا امیر منتخب ہوا اور اس حیثیت سے بھی صوبہ کے مختلف مقامات کے دورے ہوئے یہ سلسلہ بھی ۱۹۹۵ء تک جاری رہا اس کے بعد جمعیت سے میرا تعلق نہیں رہ سکا۔

(ب) دوسری قسم کی دعوتی خدمات کی تفصیل یہ ہے: مذکورہ مقامات کے علاوہ مختلف مقامات پر جمعہ کا خطبہ دیا ہے اہم مواضعات کے نام یہ ہیں سمرا، بشنپور کلاں، کمہریا، جھکھیاں، پہاڑہ پور، دوپھڑیا، فریندہ، ریواں، بونڈیہار، اونرہوا، اوسان کوئیاں، ششہنیاں اور مختلف شہروں میں بھی خطبہ دینے کا موقع ملا ہے ان کے نام یہ ہیں (یوپی میں) سکندر آباد، علی گڑھ، قنوج، بھدوہی، بنارس (گجرات میں) سورت کے علاوہ احمد آباد، بمی سامرود، بھڑوچ، واپی، (راجستھان میں) کھنڈیلہ، بیگود، جودھ پور، (مہاراشٹر میں) ناگپور، شولا پور، تھانہ (مدھیہ پردیش میں) بھوپال (آندھرا پردیش میں) وشاکھاپٹنم، وزیانگرم، اور وجے واڑہ (کرناٹک میں) گلبرگہ، سگر اور بمبئی اور دہلی کی مختلف مساجد میں۔

مختلف اجتماعات اور جلسوں میں بھی وعظ وتقریر کا موقع ملا ہے ان کے نام یہ ہیں، کمہر یا، جھکھیاں، پہاڑہ پور، پرسا، بشنپور رمہدانی، چندن جوت، حسین نگر، برم پورہ، راماپور، بشنپور ربیراڈیہہ اور مرغہوا، سمی، نڑیاد، شولاپور، ممبئی، برگدوا، جمہونا، پرسپور، پٹنہ۔

(۹) تصنیفی خدمات:

(۱) تصنیفی میدان میں میں نے ایک کتاب مرتب کی ہے جس کا نام ''تذکرۃ المشاہیر'' اس میں جماعت اہل حدیث کے پچیس اخص الخواص علماء کی سوانح حیات ہے ان میں خاص طور پر حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب، نواب صدیق حسن صاحب، مولانا محمد حسین بٹالویؒ، مولانا سلیمان منصور پوری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی اور مولانا شمس الحق ڈیانویؒ وغیرہم کے تذکرے ہیں۔

(۲) ایک کتاب میں نے شعروادب کے موضوع پر ترتیب دی ہے جس کا نام ہے ''گلہائے رنگ رنگ'' اس میں میں نے تقریباً دوسو قدیم وجدید شعراء کے منتخب اشعار حروف تہجی کی ترتیب پر جمع کی ہے، ہر شعر کے ساتھ شاعر کا نام مذکور ہے اور ہر شاعر کا اجمالی تذکرہ اس طرح سے ہے کہ جس میں شاعر کا اصلی نام، سال ولادت، سال وفات اور اگر اس کا کوئی استاذ ہے تو استاذ کا بھی ذکر کیا ہے اسی طرح سے شعراء کا دوشجرہ بھی مرتب کیا ہے، ایک کا تعلق دہلی سے ہے اور دوسرے کا تعلق لکھنؤ سے ہے یہ دونوں کتابیں غیر مطبوع ہیں۔

(۳) ۲۰۰۲ء جمعیت احیاء التراث الاسلامی کویت کی طرف سے نواب صدیق حسن کی ایک کتاب ''دعوۃ الحق'' اس مقصد کے لئے بھیجی گئی کہ یہ کتاب سوسال پہلے کی ہے جو موجودہ دور کی زبان سے مناسب نہیں ہے لہٰذا اس کو جدید زبان میں منتقل کردیا جائے علاوہ ازیں اس میں جو آیات اور احادیث ہیں ان کے ترجمہ وتشریح کے ساتھ ان کی تخریج بھی کی جائے یہ کتاب لگ بھگ سوصفحہ پر مشتمل ہے میں نے اس پر مذکورہ کام کیا ہے اور کتاب مرتب کرکے جمعیت مذکورہ کے پاس بھیج دی ہے۔

(۴) میری ایک کتاب جو اسلامی نظموں پر مشتمل ہے پانچ دفعہ شائع ہوچکی ہے جس کا نام ''نغمات اسلام'' ہے، ان کے علاوہ چھ ناقص مسودات ہیں، پورے نہیں ہوئے ہیں اس لئے ذکر نہیں کررہا ہوں۔

مقالہ نگاری: مختلف کانفرنسوں اور سیمیناروں کے موقع پر مقالہ لکھنے کی نوبت آئی ہے مثال کے طور پر جامعہ سلفیہ میں تین مرتبہ مقالہ پیش کیا ہے جس میں خاص طور پر ایک مقالہ علامہ ابن تیمیہ کی شخصیت پر تھا اسی طرح سراج العلوم بونڈیہار، دارالہدیٰ یوسف پور، انجمن محمدیہ تلسی پور، جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی، ضلعی جمعیت اہل حدیث علی گڑھ، دارالدعوۃ لال گوپال گنج ضلع پرتاپ گڈھ، ضلعی جمعیت اہل حدیث بستی، اور مرکزی جمعیت اہل حدیث دہلی کی طرف سے منعقد ہونے والی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں بھی مختلف موضوعات پر مقالے پیش کئے ہیں۔

(آپ کے مقالات ومضامین بے حد عمدہ، وقیع اور مدلل ہوا کرتے تھے سردست میرے سامنے آپ کے کئی مضامین ہیں جو درج ذیل ہیں: (۱) مرعاۃ المفاتیح اور اس کے مؤلف، یہ مقالہ آپ نے علی گڑھ میں منعقدہ علمی سیمینار میں پڑھا تھا جو بعد میں علوم الحدیث مطالعہ وتعارف

نامی کتاب میں شامل اشاعت ہوا شیخ عبدالمعید مدنی اور رفیق رئیس سلفی علی گڑھ کی نگرانی اور ترتیب میں۔(۲) تقریظ بر کتاب مسدس شاہراہ دعوت شیخ صلاح الدین مقبول کی، ماہر صاحب نے جس میں بڑا عمدہ مقدمہ لکھا ہے جو پڑھنے کے لائق ہے۔(۳) فتنہ انکار حدیث کی سرکوبی میں علماء اہل حدیث کی مساعی جمیلہ مجلہ اہل السنۃ ممبئی میں اس کی پہلی قسط ماہ جنوری ۲۰۱۶ء میں شامل اشاعت ہے۔(۴) عالمی سیمینار بعنوان علامہ عبدالحمید رحمانی حیات وخدمات منعقدہ ۲۸ فروری ۲۰۱۴ء میں ایک گرانقدر مقالہ بعنوان ''مولانا عبدالحمید رحمانی کچھ یادیں کچھ باتیں'' کے موضوع پر پیش کیا تھا۔(۵) قدامت اہل حدیث کا تاریخی تسلسل کے عنوان پر آپ کا قسط وار مضمون مجلہ اہل السنہ ممبئی میں نگاہوں سے گزرا جو بے حد علمی اور تاریخی ہے۔از عبدالحکیم المدنی۔)

رفاہی خدمات:

(۱) مسجد کی تعمیر: تین نئی مساجد کی میں نے بنیاد رکھی ہے (۱) رسول پور (۲) ڈیبیہ پور (۳) شمس العلوم سمرا کے زمانہ نظامت میں وہاں کی مسجد کی از سر نو تعمیر کرائی ہے۔

(۲) دیگر خدمات: فسادات یا سماوی آفات کے موقع پر میں نے مختلف ریلیف کی تقسیم میں حصہ لیا ہے، مثلاً گونڈہ کے کرنیل گنج میں جب فرقہ وارانہ فسادات ہوئے اور لوگ اس سے متاثر ہوئے تو ریاسی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی کی طرف سے ناظم جمعیت مولانا انور اور مولانا ابوالعاص صاحب کے ساتھ میں نے کئی بار اس علاقے کا دورہ کیا اور متاثرین کو نقد، کپڑے اور برتن تقسیم کرائے اس کے علاوہ ضلع سدھارتھ نگر میں غالباً ۱۹۹۳ء میں بہت زبردست سیلاب آیا تھا جس میں ضلع کے مختلف علاقے کے لوگ بہت زیادہ تکلیفوں میں مبتلا تھے تو اس موقع پر بھی پہلے حلقہ اٹوا کی جمعیت کی طرف سے کٹھیلا کے علاقے میں غلے اور نقد پیسے مختلف مواضعات میں تقسیم کرائے اس کے بعد ریاستی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی کی طرف سے شہرت گڑھ اور بانسی کے علاقوں میں نقد پیسے تقسیم کرائے۔

بیماری اور وفات: ماہر صاحب ذیابطیس کے مریض تھے ادھر کئی سالوں سے شدید بیمار رہا کرتے تھے ۲ سال قبل ممبئی میں ایک عرصہ تک علاج ہوا تھا الحمدللہ افاقہ ہو گیا تھا اس کے بعد کئی جلسوں میں ملاقات رہی بالآخر جنوری ۲۰۱۶ء کے آخری حصہ میں قضاء پھر ایک بار آپ کو ممبئی کھینچ لائی علاج ومعالجہ جاری تھا کلوامبرا ہاسپٹل میں ایڈمیٹ تھے ۲۹ جنوری ۲۰۱۶، بروز جمعۃ المبارک صبح ۱۱:۳۰ بجے مالک حقیقی کا بلاوا آ گیا اور یہیں جان جان آفریں کے حوالہ کر دی، ان للہ وانا الیہ راجعون، اور اس شام کو باندرہ نو پاڑہ قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

اولاد واحفاد: ماہر صاحب کثیر العیال عالم دین تھے آپ نے اپنے پیچھے ایک بیوہ، ایک لڑکا اور ۱۲ لڑکیاں ایک پوتی اور اڑتالیس نواسے اور نواسیاں چھوڑی ہیں اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین۔

(ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی مارچ ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

مولانا عبدالعلیم ماہر بستوی رحمہ اللہ

عبدالمنان سلفی جھنڈانگر

جماعت کے معروف عالم دین کہنہ مشق مدرس، مشفق مربی، منجھے ہوئے صحافی وانشاء پرداز اور قادرالکلام اسلامی شاعر مولانا عبدالعلیم ماہر بستوی بھی قدرے طویل علالت کے بعد اپنے وطن سے دور عروس البلاد ممبئی میں ۲۹ رجنوری ۲۰۱۶ء کو انتقال کر گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ماہر صاحب کی شخصیت بڑی ہمہ گیر اور گوناگوں خوبیوں اور صلاحیتوں کا مجموعہ تھی، وہ ایک غیور سلفی عالم دین ہونے کے ساتھ نہایت کہنہ مشق مدرس اور مشفق مربی تھے، ان کی زندگی کا بیشتر حصہ جماعت کے بڑے بڑے مدارس وجامعات میں اونچے درجات کے طلبہ کو پڑھاتے ہوئے گذرا، موصوف نے دو مرحلوں میں کئی برسوں تک جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے علاوہ جامعہ سراج العلوم کنڈو بونڈیہار، مدرسہ دارالتوحید مناعیدگاہ، مدرسہ شمس العلوم سمرا جامعہ ریاض العلوم دہلی، اور جامعہ سلفیہ ناگپور سمیت متعدد علمی اداروں کے مسند تدریس کو رونق بخشا، ان کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ملک وبیرون ملک کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں۔

عملی میدان میں قدم رکھنے کے بعد بحث وتحقیق اور قلم وقرطاس سے بھی ان کا رشتہ مضبوطی سے قائم رہا، مجلّات وجرائد میں ان کے قیمتی مقالات اور گراں قدر مضامین شائع ہوتے رہے، ماہنامہ ''السراج'' میں بھی ان کے متعدد گراں قدر علمی مقالات قسط وار شائع ہوکر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں، اہم علمی سیمیناروں میں وہ اپنے مقالات پڑھتے بھی تھے، ان ایام میں جب مولانا ماہر بستوی رحمہ اللہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نائب ناظم کے باوقار منصب پر فائز تھے تو انتظامی امور کی نگرانی کے ساتھ موصوف جمعیت کے پندرہ روزہ ''ترجمان'' کی کامیاب ادارت بھی فرماتے تھے۔

جمعیت وجماعت سے بھی طویل مدت تک وابستگی رہی، مقامی سطح سے مرکزی سطح تک انہیں جماعت کی تنظیمی خدمت کی سعادت بھی حاصل ہوئی، ان تمام خوبیوں کے ساتھ ماہر صاحب خوش فکر اور اسلامی ادب کا نمائندہ قادرالکلام شاعر بھی تھے، ''نغمات اسلام'' ان کے اسلامی اشعار کا مجموعہ تقریباً ۴۵ برس پہلے سے شائع ہوتا رہا ہے، ''تذکرۃ المشاہیر'' اور گلہائے رنگارنگ'' ان کے علمی باقیات ہیں، ''گلہائے رنگارنگ'' میں دبستانِ دلی اور دبستان لکھنو کے منتخب شعراء کے اشعار کا انتخاب ان کے مختصر تعارف کے ساتھ ہے، جو مولانا کے ادبی ذوق کا غماز ہے، ماہر صاحب کے رخصت ہوجانے سے علم وادب، تحقیق وتدریس اور تصنیف وصحافت کی مجلسیں سونی ہوگئیں اور ان کے اٹھ جانے سے ملت وجماعت کو ناقابل تلافی خسارہ سے دوچار ہونا پڑا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور خدمات قبول کرے۔ آمین۔ (ماہنامہ السراج فروری مارچ ۲۰۱۶ء) □□

مولانا عبدالحمید شفیقی رحمہ اللہ

وفات: ۱۴ فروری ۲۰۱۶ء

عبدالمنان سلفی جھنڈانگر

میرے محسن استاد اور مشفق مربی مولانا عبدالحمید شفیقی رحمہ اللہ بھی علم وعمل سے بھرپور تقریباً ۷۶ برس کی طویل اور قابل رشک زندگی گزار کر ۱۴ فروری ۲۰۱۶ء کو رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شفیقی صاحب باعمل، خوددار اور باوقار عالم دین تھے، موصوف کا تعلق میرے گاؤں انتری بازار سے تھا اسلئے انہیں بچپن سے دیکھا اور متاثر ہوا۔ مجھے ان کے ہر عمل میں بانکپن دکھائی دیا، خوبیاں تو بہت تھیں مگر جس وصف نے انہیں ممتاز بنایا وہ ان کا طریقہ تدریس اور انداز تربیت تھا، استاذ محترم کی پوری زندگی پڑھتے پڑھاتے گذری، آبائی گاؤں کے مدرسہ بحر العلوم سے تعلیمی سفر کا آغاز کیا اور مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر، دار العلوم ششہنیاں، جامعہ دار الہدیٰ یوسف پور ہوتے ہوئے کنز العلوم ٹانڈہ تک کا سفر طے کر کے درس نظامیہ کی اکثر کتابیں پڑھ لیں، مگر بدقسمتی سے اپنی گھریلو مجبوریوں کے سبب انہیں تعلیمی سفر کی تکمیل سے کچھ ہی پہلے عملی زندگی میں داخل ہونا پڑا، جہاں سے تعلیمی سفر شروع کیا تھا تدریسی اور عملی سفر کا آغاز بھی اسی بحر العلوم سے ہوا، جھنڈانگر بھی تشریف لائے اور انتظام وانصرام کی کچھ ذمہ داریوں کے ساتھ تدریسی فریضہ انجام دیا، پھر ۱۹۶۰ء سے ۱۰۸۹ء تک ۳۲ رسال کا طویل عرصہ المعہد الاسلامی اکرہرا، سدھارتھنگر کی خدمت کی نذر کر دیا، موصوف ایک زمانہ تک اس درسگاہ کے صدر مدرس رہے، آپ کا ..... درس گاہ کی تاریخ کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں اکرہرا کی تعلیم وتربیت کا چرچا دور دور تک تھا، ..... ۱۹۷۲ء کے تعلیمی سال میں راقم نے بھی ایک سال مادر علمی میں گذارے ہیں اور استاذ محترم سے ترجمہ قرآن اور ہدایۃ النحو پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

اکرہرا چھوڑنے کے بعد المعہد الاسلامی دہلی، جامعۃ التوحید بجوا، نیپال، کلیۃ البنات المسلمات انتری بازار میں بھی آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں، مگر اکرہرا کا دور آپ کی زندگی کا یادگار دور رہا ہے۔ استاذ محترم کو اللہ تعالیٰ نے تدریس کی بھرپور صلاحیتوں سے نوازا تھا، بڑی مہارت سے مضامین کو ذہن میں اتارنے کا ہنر نہیں خوب آتا تھا، تدریسی خوبی کے ساتھ تربیت کا انداز بھی نرالا تھا، شفیقی نسبت کا پورا اثر ان کی شخصیت میں تھا، بڑی شفقت سے وہ تربیت کا فریضہ انجام دیتے تھے۔

آواز بھی اچھی تھی اس لئے وعظ بھی بڑا دلنشیں ہوتا تھا، ہمارے گاوں میں میرے دادا مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ کے بعد کافی دنوں تک وہ عیدین کا خطبہ ارشاد فرماتے رہے، جمعیت وجماعت کی سرگرمیوں میں بھی وہ شریک رہتے تھے، ضلعی جمعیت اہل حدیث بستی کے وہ نائب ناظم اور ناظم بھی رہ چکے تھے، ان کے انتقال سے تدریس ودعوت کے میدان میں بڑا خلا پیدا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ السراج فروری، مارچ ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

مولانا عبدالحمید شفیقی جوار رحمت میں

ضلع سدھارتھ نگر کے ایک مشفق اور مربی عالم دین مولانا عبدالحمید شفیقی تقریبا ۸ دہائیاں گذار کر ۱۳ر فروری کو رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم اسلاف کے طرز زندگی کے اچھے نمونہ تھے۔ ان کی اصلاحی خدمات ان کی تدریسی خدمات کے دوش بدوش رہیں۔ وہ ایک عمدہ مربی اور طلباء میں نہایت مقبول شفیق استاذ تھے۔ مرحوم کی وفات حسرت آیات سے علاقہ ایک بڑے ملنسار اور غمگسار شخصیت سے محروم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی لغزشوں کو معاف کر کے انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

(ادارہ نوائے اسلام)

❑❑❑

مولانا عبدالرحیم امجد نیپالی رحمہ اللہ: حیات وخدمات

عبدالحمید بن القاسم (جامعہ سراج العلوم بونڈیہار)

قارئین کرام! اس دنیائے فانی کے اندر جب جب برائیاں عام ہوئیں، کفر وشرک کا زور ہوا، ظلم وجور کی آندھی چلی تب تب اللہ رب العالمین نے اس دنیا کے اندر انبیاء ورسل کی شکل میں مصلحین اور داعی مبعوث فرمایا، جنہوں نے ان برائیوں سے لوہا لیا اور اللہ رب العالمین کے پیغام کو اللہ کے بندوں تک من وعن پہنچایا، جب اللہ رب العالمین نے سلسلہ رسالت ونبوت کو سید المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کردیا تو اللہ کے پیغام کو عام کرنے اور دعوتی کاز کو آگے بڑھانے کی ذمہ داری علماء دین کے ناتواں کندھوں پر ڈال دی گئی، چنانچہ ہر زمانے کے علماء کو اللہ رب العزت نے توفیق بخشی کہ انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھا اور نبیوں کے مشن کو اپنے اپنے بساط اور صلاحیتوں کے مطابق مزید آگے بڑھایا اور اپنا تن من دھن سب کچھ داؤں پر لگا کر بھی اللہ کے بندوں کو دین کی جانب بلاتے رہے انہیں دعاۃ ومبلغین میں سے اس صدی کے ایک عظیم داعی ومبلغ شیخ عبدالرحیم امجد نیپالی رحمہ اللہ بھی تھے۔ جنہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ دین اسلام کی نشر واشاعت میں صرف کردیا۔ ذیل میں ان کی زندگی کے بعض پہلوؤں کو ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نام ونسب: آپ کا اسم گرامی عبدالرحیم امجد بن واجد علی بن تفضل بن باقر حسین۔

یوں تو آپ کے آباء واجداد موضع: جموتیا، حلقہ ڈومریا گنج کے باشندے تھے لیکن انگریزوں کے ظلم وجبر سے پریشان ہوکر موضع ''جموتیا'' کو خیر آباد کہہ کر ملک نیپال کے موضع مگلہاں میں آکر آباد ہوگئے کچھ دنوں تک وہاں قیام پذیر رہے پھر آپ کے دادا محترم میاں تفضل حسین رحمہ اللہ موضع: مگلہاں سے موضع: پڑریا منتقل ہوگئے اور یہیں گاؤں آپ کا مسکن تھا۔

ولادت باسعادت: آپ کی پیدائش ستمبر ۱۹۳۴ء بروز ہفتہ، موضع، پڑریا، ضلع روپندیہی، نیپال میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ نے ابتدائی تعلیم گاؤں کے ہی مکتب میں عبداللہ اور میاں یوسف رحمہما اللہ سے حاصل کی، آپ ابھی اپنے گاؤں میں ہی زیر تعلیم تھے کہ خطیب الہند علامہ عبدالرؤف رحمانی رحمۃ اللہ چندے کی غرض سے وہاں تشریف لے گئے آپ کی تشریف آوری پر ایک دینی مجلس منعقد کی گئی، شیخ موصوف کا کہنا تھا کہ میں نے اس مجلس میں ایک ''نظم'' پیش کی جس سے رحمانی رحمہ اللہ بہت متاثر ہوئے، والد سے کہا کہ بچہ بڑا ہونہار ہے اس کا داخلہ ہمارے یہاں ''جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال'' میں کرادیجئے، شیخ کا بیان تھا کہ میرا داخلہ اگلے سال ۱۹۵۱ء میں جامعہ سراج العلوم السلفیہ میں ہوگیا، جہاں میں نے جماعت اولی وثانیہ کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد آپ حصول علم کی غرض سے ایک اور معروف دینی داراہ ''دارالہدیٰ یوسف پور'' تشریف لے گئے اور آپ نے وہاں جماعت ثالثہ، رابعہ وخامسہ تک کی تعلیم مکمل کی، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ۱۹۵۷ء میں دہلی کا رخ کیا اور ''جامعہ ریاض العلوم'' میں داخلہ لے کر ۷ فروری ۱۹۶۰ء

میں سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ: یوں تو آپ نے بہت سے ممتاز و معروف علماء و مشائخ سے کسب فیض کیا مگر ان میں مشہور اساتذہ کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں: شیخ محمد زماں صاحب رحمہ اللہ، شیخ عبدالغفور صاحب بسکوہری رحمہ اللہ، شیخ محبت اللہ صاحب دودھونیاں، شیخ عبدالرحیم رحمانی گلہریا، شیخ عبدالسلام صاحب بستوی، شیخ تقریظ احمد شہسوانی، شیخ محمد ابراہیم میواتی، شیخ محمد اسحاق میواتی۔

شادی واولاد: فراغت سے ایک سال پہلے مارچ ۱۹۵۹ء میں آپ کا نکاح حکیم سید لیاقت حسین کی دختر نیک اختر ام ہانی خاتون سے ہوا، اس کے بطن سے اللہ رب العالمین نے آپ کو تین بیٹے اور تین بیٹیوں سے نوازا، بیٹے: محمد شمیم، محمد کلیم، محمد نسیم، بیٹیاں: ام سلمیٰ، زاہدہ،، خالدہ'' ان کے وارث ہیں۔

تدریسی ودعوتی خدمات: آپ ۷ رفروری ۱۹۶۰ء میں فراغت کے بعد ضلع کپل وستو کے موضع بھرولیا، میں تین سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ساتھ ہی دعوت وتبلیغ بھی کرتے رہے، آپ کے اندر ایک ماہر اور کامیاب خطیب کی تمام صفات بدرجہ اتم موجود تھیں اور آپ کا انداز اتنا نرالا اور آسان فہم تھا کہ بہت جلد ہی آپ عوام وخواص میں مقبول ہوگئے، پھر آپ کو تمام دینی واصلاحی کانفرنسوں اور جلسوں میں شرکت کی دعوت دی جانے لگی اور تمام جلسوں میں آپ کی شرکت ہونے لگی، آپ جلسوں میں شرکت کرتے اور ساتھ ہی ساتھ تدریسی خدمات بھی انجام دیتے رہے، پھر آپ کو محسوس ہوا کہ دعوت اور تدریس دونوں الگ الگ ذمہ داریاں ہیں جن کی ادائیگی بیک وقت صحیح انداز میں نہیں کی جاسکتی ہے لہٰذا آپ نے تدریسی میدان کو خیرآباد کہہ دیا اور پھر کبھی کسی مدرسے کا رخ تدریس کی غرض سے نہیں کیا اور دعوت وتبلیغ سے اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے منسلک کرلیا، اپنی پوری زندگی دعوت وتبلیغ کے لئے وقف کردی تھی، آپ نے دل میں دعوت دین کے حوالے سے اتنی جوش تھا کہ تمام تر معاشی ومادی مشکلات کے باوجود آپ اس عظیم مشن سے وابستہ رہے اور ہندونیپال کے گوشے گوشے میں پہنچ کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو خالص کتاب اللہ وسنت رسول کی روشنی میں پہنچاتے رہے اور بدعات وخرافات کا قلع قمع کرتے رہے، آپ کا بیان تھا کہ ایک ہی رات میں کئی کئی جلسوں اور دینی مجلسوں میں شریک ہوکر خطاب فرمایا، آپ کی سادہ لوحی، خودداری عدیم المثال تھی، آپ نے معاشی مشکلات ومسائل کے حل کے لئے کوئی خاص وسیلہ وذریعہ تلاش نہ کیا، کثیر العیال اور ضرورت مند ہونے کے باوجود کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کیا، نہایت ہی صبر وضبط سے کام لیتے رہے، قناعت پسندی کا دامن ہاتھ سے تھامے رکھا اور ہر حال میں رب ذوالجلال کا شکریہ ادا کرتے ہوئے نہایت صبر وضبط کے ساتھ زندگی گزارتے رہے۔

حج: ۱۹۹۳ء میں حج کا فریضہ انجام دیا تھا، سفر حج سے واپسی کے بعد اللہ رب العالمین نے آپ کے حالت زار پر رحم فرمایا اور شیخ عبداللہ مدنی رحمہ اللہ اور شیخ عبدالمنان سلفی کی کوشش سے مالی مشکلات کا معاملہ آسان ہوا چنانچہ اخیر عمر تک آپ جمعیت وجماعت سے جڑے رہے اور دعوت وتبلیغ کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔

تصنیف وتالیف: شیخ موصوف کے بقول آپ نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں بہت سے علمی مقالے، مضامین تحریر کئے تھے جو اس وقت کے معروف اخبار ورسائل اور جرائد مثلاً اخبار اہلحدیث دہلی، ترجمان دہلی، زعیم دہلی، الہدی پاکستان، الاسلام دہلی

وغیرہ میں شائع ہوئے تھے۔ ۱۹۹۳ء میں فریضۂ حج کی ادائیگی کے درمیان ہی ''تحفۃ الحرمین'' کے نام سے ایک کتاب تحریر کی تھی جس میں انہوں نے اپنے سفر کے احوال اور حج کے اہم مسائل کو نہایت ہی مدلل اور عام فہم انداز میں بیان کیا تھا، لیکن افسوس کی یہ کتاب ابھی تک معاشی و مادی تنگی کے سبب منظر عام پر نہیں آسکی۔

اخلاق وعادات: آپ نیک اور خاکسار تھے، نرمی کے ساتھ گفتگو کرتے تھے، لوگوں کے ساتھ آپ کا اٹھنا بیٹھنا نہایت بہتر تھا، غیروں سے بھی اچھے لہجے میں بات کرتے تھے، چھوٹے بڑے سب سے ملتے تھے، آپ کا طرز تکلم بڑا نرالا تھا، جب آپ گفتگو کرتے تو سننے والا بہت خوش ہوتا تھا، جب آپ کسی بھی مجلس میں قرآن وحدیث کی روشنی ڈالتے تھے تو عوام کو آپ کی بات بہت جلد ذہن نشین ہوجاتی تھی، آپ اخلاق وکردار کا اعلیٰ نمونہ تھے، چھوٹوں کے ساتھ شفقت اور بڑوں کے ساتھ توقیر سے پیش آتے تھے، معاملات میں سلجھا ہوا انداز اختیار کرتے تھے۔

بلبل نیپال کا خطاب کیوں اور کیسے ملا؟ علی گڑھوا کے قریب موضع پپر ہواں میں الیکشن کا اعلان ہوا جس میں ''پپر اہواں'' کے سعید پردھان اور ''گورا'' کے جاگیشور پانڈے'' دونوں اپنی کوشش کے مطابق لوگوں کو اپنی طرف مائل کیا جب ''ووٹ'' کو تقسیم کیا گیا تو پتہ چلا کہ فتح جاگیشور پانڈے کی ہوئی ہے، اسی جیت کی خوشی میں جاگشیور پانڈے نے ایک دینی اجلاس منعقد کیا جس میں مشہور مشہور خطباء و شعراء کو دعوت دی انہیں خطباء میں سے ایک خطیب شیخ عبدالرحیم امجد نیپالی بھی تھے، شیخ کا بیان ہے کہ جب آئے ہوئے خطیب اپنی اپنی باتیں لوگوں کے سامنے پیش کرچکے تو میری باری آئی اور میں نے بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنی بات لوگوں کے سامنے پیش کی دوران خطابت ایک شعر پڑھا جو لوگوں کو بہت اچھا لگا شیخ کہتے تھے کہ لوگوں نے اس شعر کو مجھ سے کئی بار پڑھایا وہ شعر یہ ہے:

ایمان جو ہے تو سب کچھ ہے ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
اصحاب نبی پہ مٹنے کا ارمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

(ماہر القادری)

شیخ کا بیان تھا کہ یہ مجلس ''مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم، ماہنامہ ترجمان کے ایڈیٹر شیخ عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ کے زیر سرپرستی منعقد ہوئی تھی'' جلسہ ختم ہونے کے بعد ''ترجمان'' میں کچھ دنوں بعد رحمانی صاحب نے بلبل نیپال کے خطاب سے نوازا۔

وفات: علم وعمل کا یہ آفتاب ۱۶ر فروری ۲۰۱۶ء بروز منگلوار صبح صادق قبل صلوۃ فجر، ہمیشہ ہمیش کے لئے غروب ہوگیا (انا للہ انا الیہ راجعون)

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی اک شخص سارے شہر کو ویران کرگیا

تجہیز وتکفین: شیخ عبدالمنان سلفی حفظہ اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی، مشارکین کی تعداد کم وبیش پانچ ہزار تھی، آپ موضع: ''پڑریا'' ہی کی سرزمین میں دفنائے گئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور انہیں دنیا وآخرت میں اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے آمین۔ ❑❑

بلبل نیپال مولانا عبدالرحیم امجد نیپالی رحمہ اللہ

عبدالمنان سلفی جھنڈانگر

جماعت کے قابل احترام اور بزرگ عالم دین، شہرہ آفاق خطیب اور بے لوث داعی بلبل نیپال مولانا عبدالرحیم امجد نیپالی بھی عمر طبعی کو پہنچ کر مختصر ترین علالت کے بعد ۱۶ر فروری ۲۰۱۶ء کو قبیل فجر داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پچاس سال سے زائد عرصہ تک خطابت کے افق پر چھائے رہنے والے اس داعی، مبلغ اور مصلح کی وفات کا صدمہ عوام وخواص سبھی کو ہوا، راقم نے جب سے ہوش سنبھالا بلبل نیپال کو ہمہ وقت نغمہ سرا دیکھا، اس درویش خدامست نے اپنی راتوں کی نیند اور دن کا آرام تج کر کے دعوت کا فریضہ انجام دیا، ہفتوں اور مہینوں دعوتی اسفار میں گذر جاتے، دن بھر سائیکل، ٹرین، بس اور جیپ کا سفر کرتے، رات میں دو دو تین تین گھنٹے وعظ فرماتے، سدھارتھ نگر، بستی، مہراج گنج، بلرام پور، روپندیہی اور کپل وستو وغیرہ کے دعوتی جلسوں میں بالعموم کچھ دنوں پہلے تک وہ سائیکل سے جاتے، جوانی میں سائیکل خود چلاتے اور بعد میں اپنے لڑکوں میں سے کسی کے ردیف ہوتے، گھنٹوں کا سفر وہ بے آرامی کے ساتھ کرتے، مگر قربان جایئے اخلاص پر ماتھے پر بل نہ آتا، ہمیشہ تر وتازہ دکھائی دیتے، میرے عملی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد جب ان سے راہ ورسم بڑھی اور بعد میں یہ قربت وعقیدت میں تبدیل ہوگئی تو میں انہیں از راہ احترام ''بابا'' سے مخاطب کرتا تھا، کبھی پوچھتا ''بابا'' ہم لوگ اگر کسی جلسہ میں ایک رات جاگ لیتے ہیں تو اگلے کئی دن اور راتیں متاثر ہوجاتی ہیں، آپ روزانہ رات رات بھر کیسے جاگتے ہیں اور دن بھر سفر بھی کرتے ہیں؟ فرماتے کہ بابو عادت بن گئی ہے، ٹرین یا بس کی سواری میں بیٹھ کر آنکھ جھپک جاتی ہے تو کام چل جاتا ہے۔ مولانا امجد نیپالی اپنوں اور غیروں سب میں قابل احترام تھے، دیوبندی حضرات تو انہیں اپنے جلسوں میں بلاتے ہی تھے، بریلوی لوگ بھی ان کے شیدائی تھے اور بسا اوقات ان کی دلپذیر تقریر سننے کے لئے اپنے جلسوں میں مدعو کرتے تھے، مولانا کی خطابت کا ایک خاص انداز تھا، وہ اپنی تقریر میں بکثرت قرآن کریم کی آیتیں مخصوص انداز میں پڑھتے کہ سننے والوں پر سماں بندھ جاتا تھا، ان کو قرآنی آیتیں ایسی ازبر تھیں کہ کبھی نہ اٹکتے نہ اشتباہ ہوتا اور ایک موضوع پر دسیوں آیتیں پڑھ جاتے، کسی جلسہ میں ان کی شرکت یا اشتہار میں ان کا نام ہی جلسہ کی کامیابی کی ضمانت ہوتا تھا، ضلع روپندیہی اور کپل وستو کے علاوہ بھارت کے اضلاع سدھارتھ نگر، بستی، مہراج گنج، گورکھپور، دیوریا، بلرام پور، گونڈہ، بہرائچ، مئو، پرتاپ گڑھ، الہ آباد وغیرہ کا شاید ہی کوئی ایسا دعوتی پروگرام ہوتا جس میں آپ کا نام نامی زینت اشتہار نہ ہوتا، مہاراشٹر، گجرات، بہار، جھارکھنڈ اور بنگال تک آپ کی دعوتی سرگرمیوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا، آپ کی دعوتی خدمات کے لئے یہ چند جملے ناکافی ہیں، سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے۔

بہر حال اپنی جماعت کا یہ بے لوث داعی اپنی زندگی دعوت کتاب وسنت کی نذر کر کے رخصت ہوگیا، ان کے گاؤں پڑریا ضلع روپندیہی میں بعد نماز عصر کھلے میدان میں نماز جنازہ ادا کی گئی، وصیت کے مطابق راقم آثم نے امامت کا فریضہ انجام دیا، ہزاروں علماء، فضلاء حفاظ، قراء، طلبہ اور عامۃ المسلمین نے شرکت کی، اور باچشم نم اپنے محبوب خطیب اور داعی کو سپرد خاک کیا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کی خدمات کو رفع درجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ (ماہنامہ السراج فروری مارچ ۲۰۱۶ء)□□

مولانا عبدالرحیم امجد نیپالی جوار رحمت میں

مولانا عزیز عمر سلفی

ہندو نیپال کے معروف اور مقبول عام داعی خطیب مولانا عبدالرحیم امجد نیپالی کا ۱۶ رفروری ۲۰۱۶ء کو طلوع فجر سے قبل انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا ۸۵ سال کی عمر میں پورے طور پر صحت مند تھے۔ سینے میں ہلکا سا درد اٹھا اور اسی حالت میں وہ مالک حقیقی سے جا ملے۔

مولانا عبدالرحیم امجد رحمہ اللہ شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی دہلی کے تربیت کردہ تھے اور ان کی خوابوں کی تعبیر تھے۔ وہ خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی اور مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی، مناظر اہل حدیث مولانا عبدالمبین منظر بستوی، حسان الہند مولانا ڈاکٹر حامد الانصاری انجم رحمہم اللہ جیسے کاروان دعوت وعظیمت کے رکن رکین تھے۔

ان کا مترنم خطاب جہاں دلوں کو گدگداتا تھا وہیں وہ روحوں کو بھی تڑپاتا تھا۔ ان کے خطاب میں جذب سوز دروں اس قدر تھا کہ سامعین ہچکیاں لے کر روتے تھے۔ ان کا خطاب ایک فریاد ہوتا تھا۔ وہ عموماً خطبہ مسنونہ کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

انداز بیاں گرچہ میرا شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

اور اسی طرح یہ شعر بھی دوہراتے تھے:

اثر کرے نہ کرے سن تو لے میری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندہ آزاد

امجد صاحب جیسی شخصیت آج چراغ رخ زیبا لے کر ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی۔ وہ جس قدر سادہ تھے وہ اسی قدر پرکشش تھے۔ ہزاروں لوگ ان کے کردار کے قائل تھے اور بے شمار لوگ ان کے اوصاف کو دیکھ کر ہدایت یاب ہوئے۔ وہ لاکھوں لوگوں کے دلوں میں عزت واحترام کے ساتھ گھر بنائے ہوئے تھے۔ تشکر وامتنان ان کی گھٹی میں تھی۔ وہ ایک اچھے مناظر توحید تھے۔ ان کے مناظرے بھی زلف عارض کی طرح ہوتے تھے۔ بدعتی اور جہال بھی ان سے محبت کرنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ ان کے کشکول میں صرف محبت ہی محبت تھی۔ دعوتی پروگراموں میں شرکت کے لئے عموماً وہ سائیکل استعمال کرتے تھے۔ دور دراز کا سفر کرکے بھی نہیں تھکتے تھے۔ ان کے دو دو تین تین گھنٹے خطاب سے کبھی سامعین نہیں گھبراتے تھے۔

امجد صاحب عام فہم انداز میں سامعین کو سمجھانے میں مہارت رکھتے تھے۔ وہ مقامی زبان کی رائج اصطلاحات اور امثال کو

اپنے خطاب میں برابر استعمال کرتے تھے۔اس کی وجہ سے ان کے خطاب کا مقصد اور اس کا کوئی بھی حصہ ضائع نہیں ہوتا تھا۔

امجد صاحب خوددار عالم تھے۔انہوں نے کبھی اپنی حاجت روائی کسی سے نہیں چاہی۔اسی وجہ سے ان کا شعری مجموعہ تاہنوز زیر طبع سے آراستہ نہیں ہوسکا۔وہ دنیاوی حرص وہوس سے بہت پاک تھے۔ان کا دل بہت غنی تھا۔ہدایا وتحائف جس قدر ملتے وہ اس پر بہت خوش ہوتے اور بہت دعائیں دیتے۔

آج کے دور میں علماء کو عوام نے کافی حد تک نظر انداز کردیا ہے۔اس کے اسباب جگ ظاہر ہیں۔ہمیں اپنے بزرگوں کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے اپنے علم وعمل کے ذریعہ شائستہ ماحول دیا جس میں دعوت وعمل کے کاز کو آگے بڑھانے کی بہر نوع آسانیاں فراہم ہوگئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی حسنات کو شرف قبولیت بخشے۔ان کی لغزشوں کو معاف فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین) ادارہ مرحوم کے تمام پسماندگان اور ان کے تمام محبین سے اظہار تعزیت کرتا ہے اور ان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

(نوائے اسلام دہلی مارچ ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

تاریخ اہل حدیث کے ایک اہم عنوان پر تازہ ترین پیش کش

اضلاع بستی وگونڈہ میں

میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ

کے تلامذہ کے دعوتی، اصلاحی، تعلیمی اثرات

ترتیب: عبدالمنان عبدالحنان سلفی جھنڈانگر

(مع ضمیمہ)

آئینہ حیات: میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ

اعداد: عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

ناشر: مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی

مولانا عبدالقادر انور بستوی جوار رحمت میں

عبدالجبار انعام اللہ سلفی

دوروزہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (منعقدہ ۱۲/ ۱۳/ مارچ ۲۰۱۶ء بروز سنیچر، اتوار رام لیلا میدان دہلی) کی دوسری صبح تھی، نماز فجر کی ادائیگی کے بعد ہوٹل الحرم سے نکل کر اخبار لینے کی غرض سے جامع مسجد دہلی گیٹ نمبر ایک کے سامنے گیا ہوا تھا۔ روزنامہ انقلاب خرید ہی رہا تھا کہ جماعت کی عظیم شخصیتوں (شیخ عبدالوہاب حجازی، شیخ محمد ابراہیم مدنی، ڈاکٹر لیث محمد مکی، مولانا عبدالمنان مفتاحی، ودیگر علماء حفظہم اللہ) پر مشتمل ایک وفد بھی آپہنچا، سلام ودعاء کے بعد چائے نوشی کی غرض سے ایک ہوٹل میں گئے ابھی بیٹھے ہی تھے کہ شیخ محمد ابراہیم مدنی رحفظہ اللہ ناظم ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کے فون کی گھنٹی بجی، گفتگو کرنے کے بعد بڑے ہی درد بھرے انداز میں اہل مجلس کو خبر دیتے ہوئے بولے کہ جماعت کی ایک ہستی کی وفات ہوگئی ہے، اور وہ ہستی تھی مولانا عبدالقادر انور بستوی کی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

سننے کے بعد یقین ہی نہیں ہو رہا تھا کہ ایسا ہوا ہے لیکن اجل آپہنچی تھی یقین کرنا ہی تھا۔ کانفرنس کے دوران زیادہ کچھ سوچنے کا موقع تو نہ ملا لیکن واپس ہونے کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ مولانا کے بارے میں کچھ باتیں تحریر کی جائیں۔

مولانا رحمہ اللہ سمرا کمہریا کے باشندہ تھے، نام عبدالقادر اور انور تخلص تھا، ابتدائی تعلیم گاؤں ہی کے مدرسہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد مزید حصول علم کی خاطر جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال تشریف لے گئے، اور وہیں سے عالمیت کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد میدان عمل میں قدم رکھا۔ سب سے پہلے اپنے گاؤں کے قریب ایک بستی کمہریا میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، وہاں تقریباً ۴ سال رہے، اس کے بعد راقم کے گاؤں سمرا مڑلا بحیثیت معلم تقرر ہوا، اور یہاں پر تقریباً ۲۲ رسال تک درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے، ہمارے گاؤں میں ان کی بڑی عزت تھی، طلبہ کو پڑھانا اور ان کی تربیت کرنا مولانا کے معمول میں داخل تھا۔ نماز پنجگانہ باجماعت گاؤں کی مسجد میں ادا کرتے تھے، خصوصاً نماز فجر میں ضرور حاضر ہوتے، مدرسہ گاؤں کے پچھم طرف ہے وہاں سے نکلتے تو بڑے بوڑھوں کا نام لے کر نماز کے لئے آنے کی تلقین کرتے اور لوگ ان کی آواز پر لبیک بھی کہتے تھے۔ طلبہ اور طالبات کے دلوں میں ان کا اتنا وقار تھا کہ اگر سنتے مولانا آرہے ہیں تو ہر طرح کا کھیل بند کر کے یا تو چھپ جاتے یا نہایت سادگی سے کھڑے ہوجاتے اور مولانا مسکرا کر آگے نکل جاتے، مولانا کے زمانہ تدریس میں ملک میں شائع ہونے والے اکثر مجلات مدرسہ پر آتے تھے۔ خصوصاً مرکزی جمعیت اہل حدیث دہلی کا آرگن پندرہ روزہ

جریدہ ترجمان بڑی پابندی کے ساتھ آتا تھا۔ راقم کو بھی ان کی فائلوں سے عالمیت کا مقالہ لکھتے وقت فائدہ اٹھانے کا موقع ملا ہے۔ لیکن وہ سب فائلیں اب کہاں چلی گئیں کچھ بھی خبر نہیں ہے، ہمارے گاؤں سے مستعفی ہونے کے بعد جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی سے جڑ گئے، اس وقت مولانا منظر رحمہ اللہ مشرقی یوپی کے ناظم عمومی تھے، آپ کو نائب ناظم متعین کیا گیا، اور ۴ سال تک اس عہدہ پر برقرار رہے، مولانا منظر رحمہ اللہ کی وفات کے بعد نظامت علیا کی ذمہ داری آپ کے ناتواں کندھوں پر ڈال دی گئی۔ اور ۳۷ سال تک اس عہدے پر فائز رہے، اپنے دور نظامت میں انہوں نے صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی کو بڑی مضبوطی عطا کی۔ وہ انتہائی سرگرمی سے جماعت کے لئے کام کرتے تھے، نظامت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد متعدد مواضعات خصوصاً بنارس اور اس کے اطراف کے گاؤں کا دورہ کر کے جماعت کے افراد کو منظم کرنے کی بڑی سعی کی اور ایک حد تک اس میں کامیاب رہے، ستر سالہ زندگی درس وتدریس اور جمعیت و جماعت کی خدمت میں گذار دی، جماعت کے لئے انہوں نے کافی محنت وجانفشانی کی مشرقی یوپی کا دفتر پہلے دال منڈی بنارس کی ایک بلڈنگ میں تھا، بڑی تگ ودو اور محنت کے بعد لکھنؤ کے اندر زمین خریدی، اور بلڈنگ کی تعمیر کروائی۔ مولانا کی محنت ہی کی بنیاد پر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے انہیں ایوارڈ سے بھی نوازا تھا۔ وہ جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس عاملہ وشوریٰ کے رکن بھی تھے۔ ہر کانفرنس واجلاس میں شریک ہونے کی کوشش کرتے، مولانا شاعر بھی تھے، ہر اجلاس جہاں ان کی موجودگی ہوتی ضرور ان سے نظم خوانی کا مطالبہ کیا جاتا اور مولانا بڑے اچھے انداز میں سناتے اور داد تحسین حاصل کرتے۔

مولانا مرحوم راجدھانی دہلی ۱۲۔ ۱۳ مارچ ۲۰۱۶ء کو ہونے والی دو روزہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرس میں شرکت کرنے والے تھے، لیکن اس دوران پھسل کر گرنے کی وجہ سے سر میں شدید چوٹ آگئی، علاج کی غرض سے یوپی کی راجدھانی لکھنؤ لے جایا جارہا تھا، زخموں کی وجہ سے جانبر نہ ہوسکے اور راستے میں ہی ۱۳ مارچ ۲۰۱۶ء ۲ بجے شب مالک حقیقی سے جا ملے۔ اور اسی دن بعد نماز عصر نماز جنازہ ادا کی گئی اور آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ پسماندگان میں اہلیہ سمیت ایک بیٹا محبوب عالم اور چار بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔ مولانا کی لغزشوں کو درگذر فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

(ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی اپریل ۲۰۱۶ء)

□□□

مولانا اُسید رحمانی رحمہ اللہ: حیات وخدمات

مولانا افضل حسین ندوی

مولانا اُسید رحمانی رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات سے دینی وعلمی حلقوں میں غم وافسردگی ہے۔ان کی وفات ۲۶/اپریل ۲۰۱۶ء کوان کے آبائی گاؤں خرماں دربھنگہ بہار میں ہوئی اور تدفین اسی روز بعد نماز عصر ہوئی۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم کی ولادت دربھنگہ ضلع کے ایک مردم خیز وخوشحال گاؤں خرماں میں جناب محمد یٰسین مرحوم کے گھر ۱۹۰۸ء کو ہوئی تھی۔ گاؤں میں ہی ابتدائی تعلیم حاصل کی اس کے بعد دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں داخل ہوئے جہاں جماعت رابعہ تک کی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد جامعہ رحمانیہ بنارس تشریف لے گئے جہاں شیخ الکل فی الکل سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے متعدد فاضل شاگردوں سے استفادہ کیا۔خاص کر مولانا سعید بنارسی رحمہ اللہ سے صحیح بخاری ومسلم پڑھی۔مولانا مرحوم کے اہم اساتذہ کرام کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی (۲) مولانا عبدالمعید بنارسی

(۳) مولانا ابوالقاسم مدنپورہ (۴) مولانا عبدالمجید حریری

(۵) مولانا شمس الحق (۶) مولانا منیر خانصاحب

(۷) مولانا عفان صاحب بنگالی (۸) مولانا عثمان

(۹) مولانا عبدالحکیم پنجابی (۱۰) مولانا عین الحق سلفی رحمہم اللہ تعالیٰ

جیسے اساطین علم وفن سے فیض حاصل کیا اور ۱۹۳۴ء میں سند فراغت حاصل کی ان کے اہم ساتھیوں میں مولانا عبدالوحید بنارسی اور مولانا عبدالمبین منظر یوپی رحمہا اللہ تعالیٰ خاص ہیں۔

مولانا مرحوم تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے آبائی گاؤں خرماں میں ہی دوسال تک درس وتدریس اور دعوت وارشاد میں مشغول رہے، پھر اُس کے بعد ہندونیپال کے شمال مشرق میں آباد مسلم بستیوں میں دعوت دین کا فریضہ انجام دینے لگے اور اس کے لئے نیپال میں واقع ضلع سرہا، رمول نیپال کے مقام پر ایک مدرسہ مخزن العلوم کی بنیاد ڈالی اور وہاں ۲۷ سال تک حدیث کی مشہور کتاب مشکوۃ المصابیح اور فن نحو میں شذور الذہب اور ادب میں دیوان المتنبی اور فقہ میں شرح وقایہ پڑھاتے رہے، جس سے طلبہ کی ایک بڑی تعداد آپ سے مستفید ہوئی۔آپ کے دعوتی کام کا اثر دربھنگہ اور اس کے قرب وجوار میں واقع متعدد مقامات پر اظہر من الشمس ہے۔اسی

طرح رمول سرہا کے علاقہ میں شرک وبدعت میں لت پت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد آپ کے ہاتھ پر تائب ہوئی اور کتاب وسنت کی تعلیم سے آگاہ ہوئی۔

راقم السطور کو اس محترم ترین علمی وروحانی شخصیت کا دوبار زیارت کا شرف حاصل رہا ہے۔ پہلی بار ۱۴ دسمبر ۲۰۱۵ء کو برادر مکرم بدر عالم سلفی کے ہمراہ ان کے دولت خانہ پر ملاقات ہوئی۔ ہم شکر گزار ہیں کہ انہوں نے مولانا مرحوم سے ملاقات کے لئے ہر طرح کی سہولت فراہم کی۔ جزاہ اللہ خیرا۔ اسی طرح مولانا مرحوم کے پوتے جناب حافظ محمد شاہد صاحب (یہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہمہ وقت ان کی خدمت میں دل وجان سے لگے رہتے تھے اور آنے جانے والے مہمانوں کی ضیافت کی ذمہ داری بھی بحسن وخوبی انجام دیتے) نہایت ہی ملنسار اور کم گو انسان ہیں۔ تواضع وخاکساری کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ زاد اللہ شرفہ۔

دوسری بار رواں سال ماہ جنوری ۲۰۱۶ء کی ۹/۱۰ تاریخ کو سند اجازت کے لئے سعودی عرب سے تشریف لائے ہوئے جید عالم دین ومحقق ڈاکٹر عبداللہ صالح العبید حفظہ اللہ کی معیت میں دو روز تک ایک ہوٹل میں قیام کے دوران ملاقات رہی اور کچھ خدمت کرنے کا موقع بھی میسر ہوا۔ مولانا مرحوم کی سند حدیث بہت عالی تھی۔ میاں صاحب رحمہ اللہ اور ان کے درمیان صرف ایک واسطہ تھا۔ مولانا مرحوم نے زندگی کی ایک سو آٹھ بہاریں دیکھیں۔ آخری دنوں میں کمزوری بڑھ گئی تھی۔ اٹھنا، بیٹھنا مشکل ہوتا تھا۔ اس کے باوجود آنے والے سے خوش اخلاقی سے ملتے تھے۔ سند اجازت کے لئے آنے والے ملک اور بیرون ملک کے علماء وطلباء کی خندہ پیشانی سے استقبال کرتے اور متواتر گھنٹوں سماع حدیث کرتے۔ مزید امریکہ، افریقہ، سعودی عرب اور کویت کے طالبان علوم نبویہ کی سیرابی ٹیلیفون پر سماعت کر کے کرتے۔ اس لمبی عمر میں بھی ضعف اور کمزوری کے باوجود آواز میں گھن گرج باقی تھی۔ احادیث نبویہ کی شرح کرتے ہوئے آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔

مولانا متوسط قد وقامت کے آدمی تھے۔ بارعب چہرہ تھا۔ عابد وزاہد تھے۔ ان کی زندگی تقویٰ وپرہیزگاری کی صفات عالیہ سے عبارت تھی۔ مولانا کی پوری زندگی قال اللہ وقال الرسول کی عطر بیزی سے لبریز تھی اور اس کی خوشبوؤں سے ایک بہت بڑی تعداد مسحور ہوئی اور راہ یاب بھی ہوئی۔

(ماہنامہ نوائے اسلام دہلی، مئی ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

آہ! مولانا محمد یاسین عادل ریاضی رحمہ اللہ

ولادت: ۱۹۳۰ء۔ وفات: ۲۰۱۶ء

مولانا عبدالستار سلفی

صوبہ جھارکھنڈ ضلع جامتاڑا کے ایک مؤقر عالم دین مولانا محمد یاسین عادل ریاضی مورخہ ۱۸ رمئی بروز بدھ ساڑھے پانچ بجے شام انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کی پیدائش موضع جامتاڑا، جھارکھنڈ (سابق بہار) میں ۱۹۳۰ء میں ہوئی تعلیم کا آغاز مدرسہ دارالفلاح ٹوپانانٹر سے ۱۹۴۰ء میں کیا۔ آپ کے مؤقر اساتذہ حافظ ابوالفلاح عابد حسین گنگوہی اور مولانا یوسف شمسی و مولانا عبدالحکیم صاحب لجھوڈیہہ تھے ابتدائی تعلیم آپ نے اردو ناظرہ قرآن پاک وغیرہ مدرسہ دارالفلاح ٹوپانانٹر میں حاصل کی اس کے بعد آسنسول (مغربی بنگال) میں قائم مدرسہ مصباح السلام میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۷ء تک دوسال تعلیم حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ شمس الہدیٰ السلفیہ، دلال پور جھارکھنڈ سابق بہار میں ۱۹۴۸ء میں داخلہ لیا اور ایک سال یہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دوبارہ آسنسول آگئے اور ۱۹۵۰ء میں آپ نے جامعہ فیض عام مئوناتھ بھنجن میں پہلی جماعت میں داخلہ لیا اور دوسال تک یہاں کسب فیض کرنے کے بعد ۱۹۵۳ء میں دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ بہار میں داخلہ لیا مگر طبیعت کی ناسازگی کی بنیاد پر آپ دوبارہ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو چلے آئے اور ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۵ء تک دوسال تعلیم حاصل کی اور ۱۹۵۶ء میں آپ نے ملک کے دارالسلطنت دہلی کا رخ کیا اور جامعہ ریاض العلوم میں داخلہ لیا اور یہیں سے ۱۹۵۸ء میں فراغت اور سند فضیلت حاصل کی (مدارس اہل حدیث دہلی ایک تاریخی دستاویز صفحہ ۲۹) فراغت کے بعد مختلف جگہوں میں دینی ودعوتی اور تعلیمی خدمات سرانجام دیں، جب ہم لوگ بہت چھوٹے تھے اور مکتب میں تعلیم حاصل کررہے تھے اس وقت مولانا محمد یاسین عادل ریاضی مدرسہ ندوۃ الاصلاح عبداللہ نگر پھکبندی میں پڑھا رہے تھے یہ مدرسہ بھی اہل حدیثوں نے قائم کیا تھا حضرت مولانا خطیب الاسلام عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگریؒ اس کے بانیان میں سے تھے مگر بعد میں چل کر اس مدرسہ پر دیوبندی قابض ہوگئے، مولانا محمد یاسین عادل ریاضیؒ بہت عرصہ تک یہاں پڑھاتے رہے اس وقت وہ تھوڑی توجہ دیئے ہوتے تو وہ پورا علاقہ اہل حدیث ہوتا، اس علاقے میں جو بھی اجلاس یا کانفرنس ہوا کرتی تھی جناب محمد یاسین عادل ریاضیؒ ہی اجلاس کے الاؤنسر (ناظم اجلاس) ہوا کرتے تھے چاہے جماعت کا اجلاس ہو یا غیر کا (احناف کا) ہمارے علاقے میں مونگیا مارل اجلاس کے بعد جس میں خطیب الاسلام حضرت علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری تشریف لائے تھے، میرے گاؤں اولدھا میں اجلاس عام تھا ہم لوگ چھوٹے چھوٹے بچے تھے مولانا محمد یٰسین عادل ریاضی کی سربراہی میں یہ اجلاس عام منعقد ہوا تھا اس

میں خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری تشریف لائے تھے اس وقت مدھوپور سے دیہات میں آنے کے لئے بس، یا گاڑی وغیرہ کا انتظام نہیں تھا لوگ بیل گاڑیوں میں معزز مہمانوں کو لایا کرتے تھے مدھوپور میرے گاؤں اولدھا تک آنے میں چار چھوٹی چھوٹی پہاڑی ندیاں پڑتی تھیں جس میں پل وغیرہ تعمیر نہیں ہوا تھا۔ حضرت علامہ عبدالرؤف رحمانیؒ کو بھی مدھوپور سے بیل گاڑی میں ہی بٹھا کر لائے تھے مولانا محمد یٰسین عادل کی قیادت میں ہم لوگ استقبال کے لئے گاؤں کے بہت سارے بچے جھنڈا لئے ہوئے رام پور تک گئے تھے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت علامہ عبدالرؤف رحمانیؒ نے فرمایا تھا کہ بیل گاڑی کے سفر نے تھکا تو دیا ہے لیکن اولدھا کے بچوں نے جس شان سے استقبال کیا ہے ساری تھکاوٹ دور ہوگئی ہے ہم لوگ نعرہ لگا رہے تھے نعرہ تکبیر اللہ اکبر، خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری زندہ باد زندہ باد نعرہ سن کر پڑوس کے بستی والے اکٹھا ہو رہے تھے، اور بھیڑ میں شامل ہوتے جاتے اور اولدھا پہنچتے پہنچتے ایک اچھی خاصی بھیڑ جمع ہوگئی تھی۔ حضرت مولانا محمد یاسین عادل ریاضی بچوں کی نمائندگی کر رہے تھے، مولانا ایک عرصہ تک مدرسہ ندوۃ الاصلاح پھکبندی میں استاذ کی حیثیت سے رہے اس وقت بائیس کھمار (بائیس گاؤں والے) سب متحد اس بائیس کھمار میں اہل حدیث ہی غالب تھے ویسے بائیس کھمار میں حنفی، اہل حدیث، بریلوی تینوں ہی تھے اور ہیں، اس وقت عید اور بقرعید کی نمازیں بائیس کھمار والے ایک ہی جگہ عبداللہ نگر پھکبندی میں پڑھا کرتے اور عیدین کے امام مولانا محمد ہاشم صاحب کرواوالے تھے ان کے بعد ان کا لڑکا عم محترم جناب مولانا محمد ادریس صاحب شمسی امام عیدین تھے، اور دوران طالب علمی ناچیز نے بھی خطبہ دیا ہے لیکن بعد میں کچھ حنفی مسلک کے لڑکے مظاہر العلوم سہارنپور اور دیوبند وغیرہ سے پڑھ کر آئے تو تکبیرات عیدین کے سلسلہ میں اختلاف شروع کر دیا، اس اختلاف کی وجہ سے اہل حدیثوں نے اپنے اپنے گاؤں میں عیدگاہ بنالیا اور اس کے بعد مولانا محمد یاسین عادل ریاضی بھی مدرسہ ندوۃ الاصلاح پھکبندی چھوڑ کر چلے گئے۔ دوسری جگہ وہ کام کرتے رہے، مولانا کو عالم اسلام اور حالات حاضرہ پر گہری نظر ہوا کرتی تھی مولانا اقبالیات کے بھی ماہر تھے چلتے پھرتے اقبال کے اشعار برمحل پڑھا کرتے تھے دہلی قیام کے دوران انہوں نے مولانا ابوالکلام آزادؒ کے جنازہ اور تدفین میں شرکت فرمائی تھی، مولانا کے گھریلو حالات پہلے بہت اچھے نہیں تھے پریشان حال رہا کرتے تھے لیکن بعد میں ان کے لڑکے عزیزم سلطان احمد سلمہٗ پڑھ کر فارغ ہوئے اور سعودی عرب کے جالیات میں منسلک ہوگئے تو الحمدللہ گھر کے حالات سدھر گئے اور گذشتہ سال انہوں نے اپنے والد محترم کو سعودی عرب بلا کر عمرہ ادا کروایا تھا، فللہ الحمد اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی بشری لغزشوں کو معاف فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین) اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے (ثم آمین) مولانا کے جنازہ میں جماعتی اور غیر جماعتی افراد کثیر تعداد میں شریک تھے۔ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔ عبدالستار سلفی مدھوپور جھارکھنڈ)

(جریدہ ترجمان دہلی ۱۵۔ ۱ جولائی ۲۰۱۶)

□□□

ڈاکٹر عبدالعلیم بن عبدالعظیم بستوی رحمہ اللہ

مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ

ڈاکٹر عبدالعلیم بستوی رحمہ اللہ کی ہمہ گیر شخصیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ''التبیان'' کے سابقہ شمارہ کے اداریہ میں ایک مختصر شذرہ شامل کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے بڑے بھائی مولانا عبدالنور صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادہ اور جامعہ اسلامیہ سنابل کی شاخ معہد علی بن ابی طالب، لکھنو کے سینئر استاذ مولانا ذکی احمد حفظہ اللہ سے میری کئی بار گفتگو ہوئی کہ وہ اپنے چچا رحمہ اللہ پر جامع مقالہ مجلہ ''التبیان'' کو ارسال کریں لیکن وہ اپنی مصروفیت کی بنا پر فی الحال ایسا نہ کر سکے۔

''التبیان'' کے حالیہ شمارہ میں ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ پر ان کے دوسرے بھائی مولانا عبدالصبور رحمانی رحمہ اللہ کے بیٹے مولانا سعید اختر مدنی حفظہ اللہ کا ایک مقالہ شائع کیا جا رہا ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی ہمہ گیر شخصیت اور ان کے علمی کارناموں کو مزید اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی کے پیش نظر والد گرامی علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کا ایک ادارتی نوٹ ماہنامہ ''التوعیہ'' نومبر ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا تھا جسے انہوں نے ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب کے مضمون ''امام ابوداؤد سجستانی۔ حیات اور علمی درجہ ومقام'' پر تحریر فرمایا تھا، اسے بھی شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

اس نوٹ میں ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت پر بھی جامع تبصرہ موجود ہے، اس مختصر نوٹ کو جب والد رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا تھا تو اس میں مذکورہ بہت سی شخصیات باحیات تھیں لیکن اب تو دنیا ہی بدل گئی، ستائس (۲۷) برس پہلے لکھے گئے اس نوٹ سے جماعت اہل حدیث سے متعلق والد رحمہ اللہ کی مسلکی حمیت وغیرت اور موجودہ حالات میں بھی اس حمیت کی ضرورت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس نوٹ کی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں جماعت اہل حدیث کے پایہ کے علمائے کرام سے والد گرامی رحمہ اللہ نے اپنی امیدیں وابستہ رکھی ہیں۔ موجودہ نازک حالات اور آپسی انتشار کی نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے یقیناً اس بات کی ضرورت محسوس کی جانی چاہیے کہ ہمارے بزرگ اور جماعت کے بڑے علمائے کرام سامنے آئیں اور جماعت کی پالیسی اور اس سے متعلق مضبوط لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے قربانی پیش کریں۔ اللہ رب العالمین ہمیں اس کی توفیق سے نوازے۔

والد رحمہ اللہ کا یہ جامع ادارتی نوٹ من وعن ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے، یہ ستائس برس پہلے والد رحمہ اللہ کے ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب سے متعلق تاثرات تھے، یقیناً اس کے بعد انہوں نے مزید کارنامے انجام دیئے ہیں اور اپنی پوری زندگی علمی کاموں کے لئے وقف کر دی ہے۔ اللہ رب العالمین ان دونوں شخصیات کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

(محمد رحمانی)

ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم شمالی مشرقی یوپی کے ایک مشہور ضلع بستی کے رہنے والے ہیں، نیپال کی سرحد سے صرف پانچ کلومیٹر اندر ایک گاؤں اکرہرا میں ان کی ولادت ہوئی، ان کے والد مولانا عبدالعظیم ایک بااثر زمیندار گھرانے کے باغیرت اہل حدیث عالم تھے۔ علم، تقویٰ، حق گوئی، توحید خالص اور سنت صحیحہ کی اشاعت اور بدعات وخرافات کے خلاف جہاد میں ان کا ایک نمایاں مقام تھا، رحمہ اللہ وغفر لہ۔

ان کے چار بیٹوں میں دوسرے بیٹے مولانا عبدالصبور رحمانی دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے ممتاز، نمایاں اور ذہین طلباء میں سے تھے۔ علمی گہرائی، تحریر وتقریر پر یکساں قدرت اور نظم ونثر میں اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں میں وہ اپنے تمام معاصرین میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ آج بھی معاملہ فہمی، بصیرت، دوراندیشی اور فکر ونظر کی گہرائی میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، افسوس کہ جماعت اہل حدیث کی ناقدری کا وہ شکار ہوگئے اور علمی زندگی کے بجائے انہیں تجارت کی راہ اپنانی پڑی ورنہ وہ اس وقت برصغیر ہندوپاک کے ایک جامع عالم اور اچھے مفکر ہوتے۔

بڑے صاحبزادہ مولوی عبدالودود بھی پڑھے لکھے آدمی ہیں اور جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ تیسرے صاحب زادہ مولانا عبدالنور صاحب میرے فارسی اور ابتدائی عربی درجات کے ساتھیوں میں سے ہیں، بعد میں انہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم کی تکمیل کی، کچھ دن دارالعلوم احمدیہ سلفیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء منتقل ہوگئے، وہیں سے انہیں جامعہ ازہر مصر میں ایم اے کرنے کا چانس ملا۔ ایم اے کرنے کے بعد پھر وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء واپس آگئے جہاں ادب عربی کی اونچی کتابوں کی تدریس کے ساتھ مولانا علی میاں ندوی کی قائم کردہ 'مجلس رابطۂ ادب اسلامی' کی نظامت کا فرض انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ 'البعث'، الرائد، تعمیر حیات، اور ندائے ملت، کے ذریعہ نام ونمود کی پرواہ کئے بغیر مولانا علی میاں اور ان کے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مسلک ومشرب کے مطابق ملت اسلامیہ کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اپنی ذہانت، اعلیٰ صلاحیت، ملکۂ تحریر وتقریر، ذوقِ نقد وتحقیق نیز ترجمہ وانشاء اور اردو عربی پر یکساں قدرت کے اعتبار سے وہ ایک نمایاں حیثیت کے حامل عالم ہیں۔ اللہ کرے کہ ان کی خدمات اسلام کی صادق ترین تعبیر تحریک اہل حدیث اور اس کے بنیادی مشن توحید خالص اور اتباع سنت کے کام آسکیں۔

مقالۂ درج ذیل کے کاتب ہمارے عزیز دوست ڈاکٹر عبدالعلیم مولانا عبدالعظیم صاحب رحمہ اللہ کے سب سے چھوٹے لیکن سب سے لائق وفائق خلف ہیں، ان کی تعلیم کا بیشتر وقت بھی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں گزرا، علم حدیث کی تکمیل کے لئے وہ اخیر میں جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لائے اور یہاں سے انہیں جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ جس جگہ بھی رہے ان کی ذہانت، ان کی بھرپور جدوجہد اور مفوضہ ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں ان کی امانت ودیانت کی روح نے انہیں نمایاں اور ممتاز مقام بخشا۔ طالبعلمی کے دور میں تقریباً تمام متداول علوم وفنون میں انہیں اپنے معاصر ساتھیوں پر سبقت حاصل رہی۔ ندوہ، جامعہ

سلفیہ، جامعہ اسلامیہ، جامعہ ام القریٰ، جامعہ از ہر ہر جگہ علمی نتائج اور دینی واخلاقی معیار الغرض ہر میدان میں یہ ممتاز اور نمایاں رہے۔

ان کی سنجیدگی، اپنے مقصد سے ان کا گہرا لگاؤ اور اپنے موضوع سے ان کی گہری دلچسپی کا یہ نتیجہ رہا کہ ان کے قلم اور زبان سے کوئی غیر معیاری اور سطحی بات نہیں نکلی، جو کچھ بھی انہوں نے اپنے قلم سے لکھا یا اپنی زبان سے کہا عقیدہ وفکر اور مسلک ومنہج سلف کی معیاری ترجمانی اس کا طغرائے امتیاز رہا۔ عربی اور اردو زبانوں میں یکساں قدرت اور انگریزی سے حسب ضرورت واقفیت نے ان کے سامنے علمی اور تحقیقی کاموں کے دروازے کھول دیئے۔ ڈاکٹر عبدالعلیم ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جنہیں اپنے دور کے عظیم لغوی، سامی زبانوں کے ماہر، انگریزی، فرنچ، جرمنی، اردو اور فارسی زبانوں کے عالم، عربی ادب وبلاغت اور نظم ونثر کے امام ومرجع، توحید وسنت کے داعی، علوم حدیث کے شیدائی علامہ محمد تقی الدین ہلالی کی خصوصی عنایات اور تربیت سے بہرہ ور ہونے کے قیمتی مواقع ملے۔ ڈاکٹر ہلالی رحمہ اللہ کے آخری دور میں ان سے جن چند خوش نصیب طالب علموں کو استفادہ اور ان کی خصوصی توجہات سے فیض یاب ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ان میں ڈاکٹر عبدالعلیم، ڈاکٹر وصی اللہ عباس تھے اور ان دونوں حضرات سے کچھ دن قبل تقریباً دو سال کی مدت تک اس سیہ کار کو بھی یہ نعمت حاصل رہی۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں کلیۃ الدعوۃ واصول الدین سے ممتاز نمبرات سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد انہوں نے ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ (اس وقت کی **كلية الشريعة وقسم الدراسات الاسلاميه جامعة الملك عبدالعزيز الاهلية جدة**) سے ۱۳۹۸ھ میں ایم اے کیا۔ ایم اے کا موضوع '**الاحاديث الواردة فى المهدى فى ميزان الجرح والتعديل**' تھا۔

مکہ مکرمہ میں آپ کو ڈاکٹر محمد امین مصری جیسے محقق، سلفی محدث ومورخ اور ڈاکٹر محمد ابوشہبہ اور ڈاکٹر سید صقر جیسے اساتذہ سے استفادہ کا موقع ملا۔ آپ نے جب اپنا مندرجہ بالا مقالہ پیش کیا تو آپ کی تحقیق اور تتبع اور آپ کے نقد ونظر اور آپ کی اصابت رائے نے سارے ممتحنین کو حیرت زدہ کر دیا۔ اس مقالہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ امام العلماء شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ باز اور استاذ محترم شیخ عبدالمحسن حمد العباد سابق وائس چانسلر جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ نے اسے اپنے موضوع پر غیر مسبوق کارنامہ قرار دیا اور یہ رسالہ اس وقت سے آج تک پوری دنیا میں اپنے موضوع پر سب سے اہم مرجع قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے امام عجلی کی کتاب ''الثقات'' اپنی تحقیق وتخریج کے ساتھ شائع کی اور اس باب میں آپ کا دوسرا اہم شاہکار "**الامام الجوزجانى ومنهجه فى الجرح والتعديل مع تحقيق كتابيه: احوال الرجال وامارات النبوة**" ہے جو علم جرح وتعدیل اور **احوال الرجال** پر **محراب فى الباب** کی حیثیت رکھتا ہے اور آپ کی تحقیق وتخریج نے اس کتاب کو مرجعیت کا مقام دلا دیا ہے۔

یہ دونوں کتابیں زیر طباعت ہیں، ان دونوں کتابوں کے علاوہ آپ نے امیر المومنین فی الحدیث، سید الفقہاء امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات پر مشہور محقق، ناقد اور مصنف، محدث العصر مولانا عبیداللہ رحمانی حفظہ اللہ صاحب

مرعاۃ المفاتیح کے والد محترم مولانا محمد عبدالسلام محدث مبارکپوری رحمہ (۱۲۸۹۔۱۳۴۲ھ) کی مشہور تصنیف ''سیرۃ البخاری'' کا بہترین ترجمہ عربی میں کیا ہے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ اس اہم کتاب کا وہ ترجمہ بھی کرتے اور نئے سرے سے ترجمہ کو ایڈٹ کرتے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی صحیح بخاری کی شان میں گزشتہ سو سال سے جو گستاخیاں کی گئی ہیں ان کا بھرپور تجزیہ کرتے اور ہندوستان میں عمر کریم پٹنوی، علامہ شبلی نعمانی، مولانا حمید الدین فراہی سے لے کر مولانا مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا ظفر احمد تھانوی اور مولانا محمد یوسف بنوری تک اور عرب دنیا میں محمود ابوریہ سے لے کر زاہد کوثری اور ان کے شاگرد عبدالفتاح ابوغدہ تک نے محدثین کرام بالخصوص امام بخاری اور صحیح سند سے ثابت شدہ اخبار آحاد بالخصوص احادیث صحیحین کی توہین کی جو ناروا کوششیں کی ہیں ان کا پوسٹ مارٹم اور اس سلسلہ میں امام عبدالعزیز رحیم آبادی (متوفی ۱۹۱۸) کی ''حسن البیان'' علامہ احمد محمد شاکر (المتوفی ۱۹۵۸ء) علامہ عبدالرحمن یحییٰ معلمی یمانی رحمہ اللہ صاحب "التنکیل بما فی تأنیب الکوثری من الاباطیل" مولانا محمد اسماعیل سلفی (المتوفی ۱۹۶۸ء) رحمہم اللہ اور علامہ ناصر الدین البانی حفظہ اللہ کی دفاع سنت کے سلسلہ میں ہمہ گیر خدمات سے استفادہ کرتے ہوئے ملت اسلامیہ کو ایک شاہکار تصنیف سے نوازتے، لیکن عدیم الفرصتی کے باعث ایسا نہ کر سکے۔ سیرۃ البخاری کے ترجمہ کے علاوہ آپ نے برصغیر ہندو پاک کے عربی و اردو کے مشہور انشاء پرداز، محقق، مورخ اور مصنف عالم مولانا مسعود عالم ندوی رحمہ اللہ کی مشہور تصنیف ''محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم و بدنام مصلح'' کا بہترین ترجمہ کیا اور برصغیر ہندو پاک میں عربی زبان و ادب کے مجدد، مسعود عالم ندوی رحمہ اللہ نیز مولانا عبدالعلیم اور میرے استاذ گرامی قدر اور مصلح و موحد، امام و داعی علامہ ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی رحمہ اللہ نے اس ترجمہ پر نظر ثانی فرمائی اور اس پر ایک قیمتی مقدمہ بھی رقم فرمایا اور ترجمہ کی صحت کی داد دی۔

مولانا مسعود عالم ندوی ایک نیم سیاسی مسلم تنظیم سے وابستہ تھے، اس کے نتیجہ میں برصغیر ہندو پاک کی جماعت اہل حدیث، اس کے علماء خاص طور پر نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ اور مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ علیہ کی بابت بہت سی غلط فہمیاں ان کے ذہن میں پیدا ہو گئی تھیں جن کا اظہار کہیں صراحتاً اور کہیں کنایتاً اپنی تحریروں میں کرتے رہتے تھے اور اس بات میں ان کا تحقیقی ذوق بالکل کند ہو جاتا تھا۔ ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب نے اس کتاب کے ترجمہ کے ضمن میں جہاں تک ان کی رسائی مختلف مراجع تک ہو سکی مولانا ندوی کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کا ازالہ بھی مدلل انداز میں کر دیا ہے۔

یوں تو ان کے اور بہت سے تحقیقی اور علمی شاہکار ہیں، لیکن ان کا آخری شاہکار ''سنن ابی داؤد'' کی چوتھی جلد کی تخریج و تحقیق اور تعلیق ہے جس پر انہیں ازہر یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی اور انہوں نے ممتاز ترین پوزیشن حاصل کی۔ میں نے ان سے درخواست کی ہے کہ وہ کسی صورت سے وقت نکال کر مکمل سنن ابی داؤد کی تخریج، تعلیق اور تحقیق کر دیں تو یہ علم حدیث کے طلباء پر ان کا بڑا احسان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت و عافیت اور فراوانی وقت کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ یہ کام انجام دے سکیں۔

پی ایچ ڈی کے لئے سنن ابی داؤد جلد رابع کی تخریج وتحقیق اور تعلیق کرتے ہوئے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی، ان کے علمی مقام اوران کی کتاب 'سنن ابی داؤد' کے مقام ومرتبہ پر مشتمل انہوں نے ایک شاندار مقدمہ لکھا ہے، میری درخواست پر موصوف نے یہ مقدمہ 'التوعیۃ' میں اشاعت کے لئے مرحمت فرمایا ہے جس کی ترجمانی برادر عزیز مولانا رفیق احمد سلفی ایڈیٹر 'التوعیۃ' نے کی ہے اور حق یہ ہے کہ انہوں نے ترجمانی کا پورا حق ادا کیا ہے۔ مؤلف ومترجم کی خواہش پر میں نے بھی اس ترجمہ پر ایک نظر ڈال لی ہے۔

اس موقع پر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ 'التوعیۃ' کے باشعور قارئین کی توجہ سعودی عرب کی موحد حکومت کے ایک عظیم کارنامہ کی طرف مبذول کراؤں جس کے نتیجہ میں انہیں اس مقالہ سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے بانی شاہ سعود بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اوران کے اخلاف شاہ فیصل، شاہ خالد رحمہما اللہ اور شاہ فہد اوران کے ولی عہد واخوان حفظہم اللہ تعالیٰ کو اللہ جزائے خیر دے کہ ان لوگوں کی جدوجہد سے اس اسلامی ادارہ سے پوری دنیا کے ذہین طلباء مستفید ہوئے اوران کے ذریعہ توحید خالص اور سنت صحیحہ کا مشن چاردانگ عالم میں عام ہوا۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کو شروع ہی میں شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز حفظہ اللہ جیسے مرجع خلائق، مخلص سلفی، موحد اور متبع سنت عالم وامام کی قیادت مل گئی اوراس کے ابتدائی دور میں حدیث کے مدرس کی حیثیت سے مصلح وقت، امام العصر، مجدد علوم سنت وعقیدۂ سلف علامہ ناصرالدین البانی حفظہ اللہ کی شخصیت میسر آگئی، جس نے اپنے مختصر ترین دور تدریس حدیث میں حدیث کے اتنے چراغ روشن کردیئے جن کے سامنے سلف صالح کے دشمنوں، جہمیت اور اعتزال کے علم برداروں، حدیث وسنت کے منکروں اور سنت کی غلط تاویل کرنے والوں کے چراغ بجھنے لگے۔ اگر حسد، بغض اور دشمنان اسلام کی سازشیں آڑے نہ آجاتیں تو امام اہل سنت علامہ عبدالعزیز بن باز اور مجدد توحید وسنت، امام المحدثین علامہ ناصرالدین البانی کے باہمی تعاون سے حق کوشوں، توحید وسنت کے فدائیوں اور اصلاح وتجدید کے شہ بازوں کا ایک ایسا عظیم قافلہ وجود میں آجاتا جو مدینہ نبوی سے عقیدہ وسنت نبوی کی روشنی لے کر اللہ کی نصرت وتوفیق سے پوری دنیا کی ظلمت دور کردیتا، لیکن ماشاء اللہ کان ومالم یشالم یکن۔

جامعہ اسلامیہ میں میرے استاذ شیخ عبدالمحسن بن حمد بن العباد کی سراپا زہد واخلاص، موحد ومتبع سنت شخصیت نے اپنی ادارت کے دور میں پھر علامہ ناصرالدین البانی کو جامعہ کی گورنگ باڈی میں لاکر ان کا فیض عام کرنے کی کوشش کی لیکن اسلامی انقلاب کے خوشنما الفاظ کے پردے میں چھپے ہوئے عرب دنیا کے مختلف گوشوں سے سعودی عرب میں پناہ لینے والے جہمیت پسند، کوثریت زدہ، توحید خالص اور سنت صحیحہ کے دشمنوں کی سازش مزید تیز ہوگئی اور پھر شاہراہ کتاب وسنت کے اس امام کے فیوض سے طالبان علوم محروم کردیئے گئے "الحق یعلو ولا یعلیٰ"، "الحق ابلج" کے دائمی ضابطے کے تحت رب العالمین نے ایک نیا راستہ اس امام وقت کے لئے بمصداق "ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب" کھول دیا اوراس کی نادر تصنیفات اور تحقیقات وتعلیقات، صحیح نسائی، صحیح ابن ماجہ، صحیح ترمذی، اور ضعیف ترمذی، ضعیف نسائی اور ضعیف

ابن ماجہ کے نام سے (مکتب التربیة العربی لدولی الخلیج ریاض سے) شائع ہونے لگی ہیں۔ اگر چہ سنت کے دشمنوں نے ایک نیا فتنہ علامہ البانی حفظہ اللہ کی کتابوں اور تحقیقات وتعلیقات کے سب سے بڑے ناشر، دمشق وبیروت کے ایک اخوانی کتب فروش کو (جو تقریباً ایک چوتھائی صدی سے پوری چالاکی کے ساتھ اپنے ذاتی مفادات کے لئے علامہ البانی کے علم اوران کی شہرت ومقبولیت کو استعمال کرتا آرہا تھا) علامہ البانی کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کے لئے استعمال کرنا شروع کردیا ہے، پھر بھی اس ناشر سمیت سارے اعداء سنت کو جن سے اہل سنت والجماعت اچھی طرح واقف ہیں یاد رکھنا چاہیے کہ رب العالمین کا ارشاد ہے: یمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔

بات لمبی ہوگئی، عرض یہ کررہا تھا کہ جامعہ اسلامیہ کے فیوض سے پوری دنیا بالخصوص برصغیر ہندوپاک وبنگلہ دیش کے ذہین اور باصلاحیت طلباء بے انتہاء مستفید ہوئے اور تقسیم ملک کے حادثہ میں تصنیف وتالیف ونقد وتحقیق بالخصوص خدمت سنت کی حرکت میں جو جمود آگیا تھا وہ جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ اوراس کے زیر اثر سعودی عرب وغیرہ کی دوسری جامعات میں تعلیم اور علامہ البانی، علامہ عبدالعزیز بن باز اوران کے پیش رو علامہ احمد محمد شاکر اور دیگر دعاۃ توحید وسنت سے احتکاک اوران کی تصنیفات سے استفادہ کے نتیجہ میں ایک کھیپ ابھر کر سامنے آئی جس نے توحید وسنت اور علوم سلف کا تسلسل باقی رکھنے میں بڑا اہم رول ادا کیا۔ ہمارے دوست ڈاکٹر عبدالعلیم، اسی طرح مولانا عبدالرحمن مبارکپوری، ڈاکٹر وصی اللہ، مولانا عبدالقدوس محمد نذیر، ڈاکٹر محمد لقمان، مولانا عبدالسلام کیلانی، حافظ ثناء اللہ، صہیب حسن، حفیظ الرحمن عمری مدنی، ڈاکٹر اختر جمال، صلاح الدین مقبول احمد، شمیم احمد سلفی، بدرالزماں، عزیر شمس، ڈاکٹر فضل الرحمن، اقبال سلفی، ڈاکٹر محفوظ الرحمن، ڈاکٹر صغیر، ڈاکٹر عبدالرحمن پریوائی، عبدالحکیم عبدالسلام، شیخ عبدالمعید، عبدالقیوم محمد شفیع اور عبدالباری فتح اللہ وغیرہم اسی فیض کا نتیجہ ہیں۔ کیا میں ان بھائیوں اور عزیزوں سے توقع رکھوں کہ وہ اپنے اس غریب مجلہ ''التوعیہ'' اور اپنے غریب ادارہ ''مجمع البحوث الاسلامیہ'' اور 'مرکز ابوالکلام آزاد للتوعیۃ الاسلامیہ' کو بھی اپنے فیوض، اپنی مولفات، اپنی تحقیقات اور مقالات سے نوازنے کی زحمت فرماتے رہیں گے۔ ہم غریبوں کے پاس ان کے لئے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ہم اپنی سیہ کاریوں کے باوجود اپنے اوران کے لئے یہ دعا کریں۔:

زادنا اللہ وایاکم علماً نافعاً وعملاً متقبلاً ووفقنا وایاکم لخدمة الدین الحنیف ونصرة الحق ونشر علوم الکتاب والسنة الصحیحة وزودنا وایاکم بالاخلاص وصالح الاعمال ویحسن لنا ولهم الخاتمة. انه سمیع قریب.

(ماہنامہ التبیان دہلی ستمبر ۲۰۱۶)

□□□

عم محترم علامہ ڈاکٹر عبدالعلیم بن عبدالعظیم بستوی مدنی رحمہ اللہ

مولانا سعید اختر مدنی، ممبئی

حامداً ومصلیاً اما بعد!

موت برحق ہے، یہ اللہ تعالی کی سنت ہے، اسی سنت کے مطابق عم محترم بھی اپنے طبعی انجام کو پہنچے، ان تمام حقیقتوں کو تسلیم کرنے کے باوجود آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں، دل غمگین ہوتے ہیں، ہم لوگوں کے بھی دل غمگین ہیں لیکن ایسے موقع پر بھی ہم وہی الفاظ وکلمات کہتے ہیں جو ہمارے خالق کو راضی کریں: للہ ما اعطی ولہ ما أخذ وکل شئ عندہ بمقدار ولنصبر ونحتسب وانا للہ وانا الیہ راجعون۔ لیکن یہ صرف ہمارے خاندان کا غم اور خسارہ نہیں ہے، یہ تو اپنی جماعت کا بہت بڑا خسارہ اور پیروان کتاب وسنت کا مشترکہ غم ہے۔

عم محترم۔ رحمہ اللہ۔ چار بھائی تھے اور ان کی چار بہنیں تھیں، سب سے بڑے مولانا عبدالودود صاحب، دوسرے نمبر پر میرے والد ماجد مولانا عبدالصبور صاحب رحمانی، تیسرے مولانا عبدالنور صاحب ندوی ازہری المعروف بہ نور عظیم ندوی اور سب سے چھوٹے صاحب تذکرہ تھے، عم محترم اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے تھے اور بھائیوں میں ان کا انتقال بھی سب سے آخر میں ہوا، ابھی ان کی ایک ہمشیرہ باحیات ہیں جو اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹی ہیں۔ عم محترم کے والد محترم یعنی میرے دادا مولانا عبدالعظیم ۔رحمہ اللہ۔ ایک بلند پایہ عالم دین تھے، جماعت کے مایہ ناز عالم جلیل، مترجم قرآن، سلسلۂ محمدیات کے مولف علامہ محمد جونا گڈھی۔ رحمہ اللہ۔ کے ہم سبق تھے، اٹوا قصبہ کے قریب موضع پپری کے رہائشی تھے جو کہ شرک وبدعات کا گڑھ ہے، اس لئے دادا کو وہ جگہ راس نہ آئی اور آپ اپنے ننہال اکرہرا چلے آئے اور یہاں دعوت وتبلیغ اور علم کتاب وسنت اور عقیدۂ صحیحہ کی ترویج واشاعت میں لگ گئے، اس سلسلہ میں دادا کا کام صرف زبانی دعوت وتبلیغ تک محدود نہیں تھا بلکہ اکرہرا میں محرم کے جتنے تھان وغیرہ تھے ان سب کو اپنے ہاتھوں سے نیست ونابود کیا اور انہیں بیخ وبن سے اکھاڑ دیا۔ ۱۹۷۱ء میں مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ۔ بستی میں دینی تعلیمی کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے آئے تھے تو میرے گاؤں اکرہرا میرے گھر پر بھی تشریف لائے تھے، واپسی میں اپنا تاثر اپنی ہینڈ رائٹنگ میں لکھا تھا جس میں لکھا تھا کہ میں مولانا عبدالعظیم صاحب سے ملنے کے لئے آیا تھا، آج بھی علی میاں۔ رحمہ اللہ کا یہ خط میرے پاس محفوظ ہے۔ جب میں مدینہ میں زیر تعلیم تھا تو اس وقت مولانا علی میاں صاحب مدینہ تشریف لائے تھے کہ آپ مدینہ یونیورسٹی کے تاسیسی رکن تھے، مولانا مدینہ میں بشتان نورولی میں قیام پذیر تھے، دیگر طلبہ کے ساتھ میں بھی ملاقات کے لئے حاضر ہوا، تعارف ہوا تو مولانا نے فرمایا: میں تمہارے گھر پر گیا تھا تمہیں یاد ہے؟ میں نے عرض کیا: اچھی طرح یاد ہے۔

عم محترم کی تعلیم ان کے والد گرامی کے بدست اکرہرا گاؤں کے مکتب سے شروع ہوئی، اللہ تعالی کی طرف سے آپ کو عطا کی گئی

ذہانت وفطانت شروع ہی سے عیاں تھی، مکتب ہی کے تعلیمی ایام میں قاضی عدیل عباسی۔ رحمہ اللہ کی طرف سے بستی شہر میں منعقدہ مسابقہ علمیہ میں شریک ہوئے اور تیس (۳۰) سوالوں کے مکمل اور صحیح جواب دے کر اولین انعامات سے سرفراز ہوئے، پھر تو ان کی علمی فتوحات اور حصولیابیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ جامعہ سلفیہ سے فضیلت کی سند حاصل کرنے کے بعد کچھ مدت کے لئے جونپور کے مدرسہ چشمۂ رحمت میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور اس کے بعد آپ کا جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ (مدینہ یونیورسٹی) میں داخلہ ہوا۔

مدینہ یونیورسٹی میں ان کے جوہر کھلے اور یہاں سے علمی ترقی کے مدارج طے کرتے گئے، مدینہ یونیورسٹی سے ۱۹۷۳ء میں آپ نے گریجویشن (B.A.) کیا اور پوری یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کی، یہ بات ذہن میں رہے کہ اس وقت مدینہ یونیورسٹی میں اسی (۸۰) ممالک کے طلباء زیر تعلیم تھے (ہم لوگ جب ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۵ء تک مدینہ یونیورسٹی میں تھے تو یونیورسٹی میں ۱۰۹ ممالک کے طلبہ زیر تعلیم تھے۔ اللھم زدفزد) عم محترم کی یہ بہت بڑی کامیابی اور حصولیابی تھی، یہ کامیابی ذاتی طور پر ان کے لئے، ان کے خاندان اور گاؤں کے لئے بلکہ وطن عزیز ہندوستان کے لئے بھی باعث صد افتخار تھی، اس وقت سعودیہ کے وزیر تعلیم ہندوستان دورہ پر آئے تھے اور کسی پروگرام میں بڑی خوشی سے اعلان کیا کہ آپ کے ہندوستان کے ایک سپوت عبدالعلیم بن عبدالعظیم بستوی نے پوری دنیا میں ہندوستان کا نام روشن کیا ہے کہ پوری مدینہ یونیورسٹی ٹاپ کر کے پہلی پوزیشن حاصل کی اور ۹۹ فیصد اور کچھ پوائنٹ نمبر حاصل کئے ہیں اور یوں اکر ہرا گاؤں کا یہ ستارہ مطلع طیبہ پہ درخشندہ آفتاب بن کر چمکا اور بفضلہ تعالی نصف صدی تک عرب وعجم میں اپنی کرنیں بکھیرتے ہوئے اسی مقدس خاک میں غروب ہوگیا (بالکل اسی طرح عم محترم کے بڑے بھائی مولانا عبدالنور ندوی المعروف بہ نور عظیم ندوی۔ رحمہ اللہ نے بھی جامعہ ازہر میں ایم اے کی سند بدرجہ ممتاز مع شرف اولی حاصل کر کے ہندوستان کا نام روشن کیا تھا، ان کے مناقشہ کے بعد ان کی کامیابی کی خبر مصری اخبارات میں جلی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی (عالم ھندی یفوز بدرج ممتاز) ان کے ایم اے کے مناقشہ بورڈ کے ممتحنین نے اعتراف کیا کہ اس طالب علم کی تحقیق سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوا ہے، حالانکہ وہ ممتحنین اور اساتذہ اپنے فن میں ماہر سمجھے جاتے تھے)۔

پھر آپ نے مکہ مکرمہ کی ام القریٰ یونیورسٹی سے ایم اے کیا جو اس وقت تک کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیہ سے موسوم تھی، ایم اے میں آپ کے تحقیقی رسالہ (تھیسس) کا عنوان تھا "المھدی المنتظر فی ضوء الاحادیث والآثار الصحیحۃ واقوال اھل العلم وآراء الفرق المختلفۃ" یعنی امام مہدی کے تعلق سے وارد احادیث کی تحقیق اور اس تعلق سے اہل علم کے اقوال اور مختلف فقہی مکاتب فکر کی آراء۔

الحمدللہ یہ رسالہ کتابی شکل میں شائع ہوا اور آج علماء اور ریسرچ کے طلباء کے لئے حوالہ اور مصدر وماخذ بن چکا ہے۔ ایم اے کے بعد وہیں مکہ ہی میں رابطہ عالم اسلامی (ورلڈ مسلم لیگ) میں آپ کو کام کرنے کا موقع ملا، رابطہ میں آپ نے مختلف دعوتی اور علمی شعبہ جات میں قابل قدر خدمات انجام دیں، اپنی صلاحیت اور اخلاص کی بدولت کئی شعبوں کی سربراہی آپ کو ملی، تعلیمی امور کے شعبہ کے بھی آپ نگراں رہے، سکریٹری جنرل محمد علی حرکان، ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف اور موجودہ سکریٹری بھی آپ کی صلاحیتوں اور علمی گہرائیوں کی

وجہ سے آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور اپنے مشیر کار کے طور پر سفر وحضر میں آپ کو اپنے ساتھ بھی رکھتے تھے اور بیرون ملک کانفرنسوں میں اپنا نمائندہ بنا کر بھی بھیجتے تھے۔ آپکے تواضع اور علمی حیثیت کی وجہ سے رابطہ کے اکثر مہمان آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور آپ کے ساتھ وقت گذارتے تھے، ذاتی طور پر میں شارجہ کے عالم الشیخ عبداللہ علی المحمود۔ رحمہ اللہ۔ کو جانتا ہوں جن سے عم محترم کے بہت قریبی تعلقات قائم ہو گئے تھے۔ رابطہ کی مدت ملازمت میں آپ نے رابطہ کے پلیٹ فارم سے دینی مدارس اور اداروں کو سرکاری سطح پر کافی تعاون بہم پہنچایا جو ان شاء اللہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔ عم محترم کے مادر علمی اکرہر امدرسہ کی نئی عمارت آپ کے اسی صدقۂ جاریہ کا ایک نمونہ ہے جو رابطہ کے فنڈ سے سعودی سفارت خانہ کے توسط سے تعمیر ہوئی۔ رابطہ کی مدت ملازمت کے دوران ہی آپ نے سنن ابی داؤد کے بعض اجزاء کی چار جلدوں میں تحقیق کی اور اس پر جامعہ ازہر سے بدرجہ ممتاز ڈاکٹریٹ (PHD) کی ڈگری لی۔ ایک طرف ملازمت کی ذمہ داریاں اور اس سلسلے میں سعودیہ کے باہر کے اسفار، اعزہ واقرباء کے ساتھ صلہ رحمی کے تقاضے، ہندوستان سے آنے والے حجاج کی میزبانی تھی، گھریلو ذمہ داریاں تھیں پھر بھی مشق سخن جاری تھی جس کا ثبوت اتنا بڑا علمی ورثہ ہے جو علمی مقالات اور کتابوں کی شکل میں آپ چھوڑ کر گئے ہیں۔

تصنیف وتالیف اور مقالات: جامعہ سلفیہ کے دور طالب علمی ہی سے آپ نے مقالہ نگاری شروع کردی تھی، اس زمانے کی بعض تحریریں مجلات کی زینت بنیں اور تالیف کے ساتھ ساتھ مضامین ومقالات کا سلسلہ تادم آخر جاری رہا، تین سال قبل میں سفر عمرہ کے دوران عم محترم کے شرائع والے گھر میں مقیم تھا، اس وقت آپ ایک عراقی کے ان اعتراضات کا جواب لکھ رہے تھے جو انہوں نے امام مہدی کے تعلق سے آپ کی بعض تحقیقات پر کیا تھا، اس سلسلے کی بعض اقساط شاید جامعہ سلفیہ کے عربی مجلہ ''صوت الامة'' بنارس میں شائع ہوئی تھیں، بیماری کی وجہ سے درمیان میں یہ سلسلہ رک گیا تھا، اسی بیماری کی حالت میں ہندوستان آئے تھے، واپسی کے بعد چچی محترمہ نے بتایا کہ پھر لائبریری میں بیٹھ کر اسی علمی رد کو مکمل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اس کارد مکمل ہوا یا نہیں؟ یکم رمضان کو حسب معمول مجھ سے، میرے بچوں سے فرداً فرداً، گاؤں میں میرے چھوٹے بھائی مسعود سے بات کی، ہماری چھوٹی پھوپھی یعنی اپنی ہمشیرہ سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ وہ بھی اپنے علاج کے سلسلہ میں گھر سے باہر تھیں اس لئے ان سے گفتگو حسرت ہی رہ گئی۔ اسی طرح سے صوت الامة ہی میں اشراط الساعة کے باب میں وارد حدیث (وان تلد الامة ربها اوربتها) پر نہایت ہی مدلل اور جامع تحقیقی مقالہ کئی قسطوں میں لکھا تھا جو اہل علم میں کافی مقبول ہوا تھا۔

تراجم: (۱) **محمد بن عبدالوهاب مصلح مظلوم ومفترى عليه:** اپنی تمام دفتری ذمہ داریوں، بیرونی دعوتی وتعلیمی اسفار، گھریلو ذمہ داریوں کے باوجود آپ کا تصنیف وتالیف کا مشغلہ ایک طے شدہ پروگرام کے تحت تادم واپسیں جاری رہا، آپ نے اردو کی دو بڑی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا اور ترجمہ کا حق ادا کردیا، سب سے پہلے مولانا مسعود عالم ندوی۔ رحمہ اللہ کی مشہور تالیف ''محمد بن عبدالوہاب۔ ایک مظلوم اور بدنام مصلح'' کو عربی قالب میں ڈھالا، اللہ تعالیٰ نے اس ترجمہ کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی، اس میں

صرف ترجمہ ہی کا کمال نہیں تھا، وہ تو تھا ہی، مجدد دوداعی اکبر محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور انکے توحیدی مشن کے ساتھ عم محترم کی ہم آہنگی اور ذوق کا بھی بڑا دخل تھا کہ کتاب اتنی اچھی شکل میں سامنے آئی، اس ترجمہ کے کئی ایڈیشن اب تک سعودیہ میں سرکاری وغیر سرکاری اداروں سے شائع ہو چکے ہیں، اس کا دوسرا اور تیسرا ایڈیشن جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض سے شائع ہوا اس کے بعد کا ایڈیشن سعودی عرب کی وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ کی طرف سے شائع ہوا، اس کتاب کے لئے عم محترم کے شفیق استاذ علامہ ہلالی رحمہ اللہ نے بڑا وقیع علمی مقدمہ تحریر فرمایا تھا جس میں موضوع کی اہمیت کے ساتھ ساتھ مترجم کی شخصیت، ان کی عربی دانی اور دیگر امور کی بہت تعریف کی تھی، جس سے کتاب کی وقعت اور بڑھ گئی تھی، علامہ ہلالی خود بھی کئی زبانوں کے ماہر تھے اور ترجمہ کی فنی نزاکتوں اور باریکیوں سے واقف تھے (کسی وجہ سے بعد کے سرکاری ایڈیشن میں علامہ ہلالی کے یہ تعریفی کلمات نکال دئے گئے) اس ترجمہ میں عم محترم نے مناسب مقامات پر مفید اور ضروری تعلیق اور حواشی بھی لگائے ہیں جن سے کتاب کی معنویت میں اضافہ ہوا ہے۔

(۲) **سیرۃ البخاری:** اس کتاب کے مصنف مولانا عبدالسلام مبارک پوری رحمہ اللہ ہیں، عم محترم نے اس کا ترجمہ عربی میں دو حصوں میں کیا ہے، یہ ترجمہ بھی نہایت عمدہ ہے اور مترجم کی دونوں زبانوں پر یکساں قدرت کو ظاہر کرتا ہے، اس ترجمہ نے بھی اہل علم کی نظر میں اپنا مقام بنایا اور اسے بھی ایک حوالہ اور مرجع کی حیثیت حاصل ہے۔

تالیفات: آپ کی جملہ تالیفات کی تعداد گیارہ سے زیادہ ہے اور اکثر محدثین اور علماء قدیم کی کتابوں کی تحقیق ہیں، امام مہدی سے متعلق کتاب آپ کے ایم اے کی تھیسس ہے جو مہدی سے متعلق احادیث کے جمع وتحقیق سے عبارت ہے، اسی طرح سنن ابی داؤد کے بعض اجزاء کی تحقیق بھی آپ کے پی ایچ ڈی کی تھیسس ہے جو آپ نے ازہر سے کی تھی، دیگر کتابیں بھی علم حدیث ورجال کی تحقیق ہیں، جیسے: امام عجلی کی **معرفة الثقات دراسة وتحقيق**، دو جلدوں میں ساتھ ہی امام عجلی اور فن حدیث وعلم رجال میں ان کے منہج کے متعلق بھی تفصیلی تحقیق ترتیب دی تھی، **الشجرة فی احوال الرجال، للامام الجوزجانی دراسة وتحقيق، المهدی المنتظر فی الاحاديث والآثار الصحيحة واقوال اهل العلم وآراء الفرق المختلفة، الموسوعة فی احاديث المهدی الضعيفة والموضوعة، سوالات الآجری ابا داؤد السجستانی فی الجرح والتعديل، دراسة وتحقيق حافظ ابن حجر العسقلانی** کی، **اتحاف المهرة** کی گیارہویں جلد کی تحقیق اور **لسان المیزان** کی الگ الگ جلدوں کی تحقیق کا کام مرکز **خدمة السنة النبوية مدينه طيبه** کی طرف سے مدینہ یونیورسٹی کے بعض فارغین کو دیا گیا تھا جو تحقیق کے کام میں لگے ہوئے تھے) حافظ ابن حجر کی **لسان المیزان** کی چھٹی جلد کی تحقیق اور "**فوائد فی علوم الحديث و كتبه**" یہ اردو میں **تحفة الاحوذی** کے دوسرے جزو کی تحقیق ہے، یہ کتاب بھی ان کی تحقیقی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے، اس کتاب کی علمی حیثیت ومقام کی وجہ سے سعودی وزارت تعلیم نے اس کو ایم اے کے نصاب میں شامل کیا ہے، اس کتاب پر شیخ اسعد اعظمی حفظہ اللہ، ممبر علماء کمیٹی رابطہ عالم اسلامی، نے تین چار سال پہلے **صوت الامة**

میں اداریہ بھی لکھا تھا اور عم محترم کے تعلق سے بھی لکھا تھا، موصوف اسی سال اپنے سفر مکہ کے دوران عم محترم سے ان کے گھر پر ملاقات کر کے آئے تھے۔ ان تالیفات کے جمع وتحقیق کے دوران کبھی کبھی مجھے بھی حاضری کا موقع ملتا تھا، جب میں چھٹیوں میں مدینہ سے مکہ آتا تھا، خاص طور سے معرفۃ الثقات کی پروف ریڈنگ اور مقابلہ کا مجھے شرف حاصل ہے، اس زمانہ میں عم محترم کے گھر پہ فضیلۃ الشیخ وصی اللہ عباس حفظہ اللہ اور ڈاکٹر عبدالوہاب وغیرہ آیا کرتے تھے اور رجال اور رواۃ پر گفتگو اور مناقشہ کا دور چلتا تھا۔

کانفرنسوں میں شرکت: رابطہ کے وفد کی شکل میں رکن، مترجم، یا صدر مجلس کی حیثیت سے مختلف ممالک کی کانفرنسوں مثلا (پاکستان، مکہ مکرمہ، ملیشیا، مدینہ طیبہ، تھائی لینڈ، بنگلہ دیش، اور ہندوستان وغیرہ) میں شریک رہے۔

اساتذہ کرام: ہندوستان میں ندوہ میں دوران تعلیم بڑے بڑے علماء سے استفادہ کیا، پھر جامعہ سلفیہ میں اس وقت کے چوٹی کے علماء سے کسب فیض کیا جس سے آپ کی صلاحیتوں کو جلا ملتی رہی، جامعہ سلفیہ میں عرب شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کا موقع ملا، اس موقع کا آپ نے بھرپور فائدہ اٹھایا، عرب شیوخ اور اساتذہ سے آپ کا یہ ربط وتعلق تاحیات برقرار رہا، جن میں بطور خاص علامہ ربیع المدخلی، علامہ عبدالمحسن العباد، محدث افریقہ ومدینہ شیخ حماد الانصاری وغیرہ نمایاں تھے، شیخ حماد الانصاری آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے، کئی بار مجھے بھی آپ کے ہمراہ شیخ حماد کے گھر پر جانے کا موقع نصیب ہوا، ان کی مجلس میں صرف حدیث اور رجال حدیث پر گفتگو ہوتی تھی، شیخ حماد کہتے تھے: عبدالعلیم تم نے فلاں فلاں کتاب خریدی؟ اور ان تمام ہستیوں میں نمایاں مقام علامہ تقی الدین ہلالی کو حاصل تھا جن سے آپ نے ندوہ کی ایام تعلیم میں استفادہ کیا تھا، پھر مراقش علامہ کے گھر پر مقیم رہ کر ان کے علم کی خوشہ چینی کی تھی، علامہ بھی اپنے اس شاگرد کے اندر موجود جوہر کو پہنچانتے تھے کہ ''قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری''۔ علامہ ہلالی نے اپنے اس لائق شاگرد کی ہمیشہ تعریف اور ہمت افزائی کی، محمد بن عبدالوہاب، ایک مظلوم اور بدنام مصلح کے عربی ترجمہ پر بہت شاندار مقدمہ لکھا جس سے کتاب کی علمی قیمت دوچند ہوگئی اور مترجم یعنی اپنے شاگرد کی بھی بہت تعریف کی۔ ۱۹۸۰ء جامعہ سلفیہ میں مؤتمر الدعوۃ والتعلیم میں شرکت کے لئے علامہ تقی الدین ہلالی بھی اپنی کبرسنی کے باوجود تشریف لائے تھے، اس وقت علامہ کی بینائی بھی جا چکی تھی، میں اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ جامعہ کے مہمان خانہ میں ملاقات کی غرض سے علامہ ہلالی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ٹوٹی پھوٹی عربی میں اپنا تعارف کرایا کہ میں الشیخ عبدالعلیم کا بھتیجہ ہوں، تو علامہ بہت خوش ہوئے اور چچا کے تعلق سے یہ جملہ ارشاد فرمایا ''ہو من افضل تلامذتی'' اسی طرح سے سعودیہ کے مفتی اعظم عالم ربانی علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے بھی عم محترم کے خصوصی تعلقات تھے، شیخ کی مجلس میں برابر شریک ہوتے تھے، ایام حج میں شیخ کے توعیہ کے دفتر میں کام بھی کرتے تھے، شیخ ابن باز رحمہ اللہ آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے، سعودیہ کے دیگر علماء اور ائمہ حرمین سے بھی آپ کا رابطہ تھا، ان تعلقات کو آپ نے کیش نہیں کرایا، ہاں بعض دوسروں کو ان علماء ومشائخ سے ملایا لیکن اپنا صرف اور صرف علمی اور دینی رابطہ ہی برقرار رکھا۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے اسی تعلق خاطر کی وجہ سے جب میرے والد صاحب مولانا عبدالصبور رحمانی۔ رحمہ اللہ پہلی بار ۱۹۷۳ء میں حج کے لئے گئے تو آپ والد صاحب کو شیخ ابن باز

کے پاس لے گئے اور شیخ نے والد صاحب کو دارالافتاء کی طرف سے کافی مقدار میں عربی کی امہات الکتب جیسے فتح الباری وغیرہ ہدیہ کیں، آج بھی دارالافتاء کی مہر لگی یہ کتابیں گاؤں میں ہماری لائبریری کی زینت ہیں۔

کتابوں کا ذخیرہ: کتابیں ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا تھیں، دیگر اخوان کی طرح آپ کی لائبریری بھی بہت بڑی تھی بلکہ زیادہ ہی بڑی تھی، زیادہ تر حدیث، تاریخ اور رجال وادیان وفرق کی کتابیں تھیں، علامہ البانی رحمہ اللہ کی جملہ کتب مسلسل آپ کے مطالعہ میں رہتی تھیں، کیونکہ آپ بھی زیادہ کام رجال ہی پر کرتے تھے اور اسی کا نتیجہ اور آپ کی رجال کی مہارت ہی تھی کہ ایک راوی کے بارے میں علامہ البانی کو وہم ہو گیا تو آپ نے بذریعہ خط علامہ کو یاددہانی کرائی اور علامہ کا بڑا پن کہ علامہ نے نہ صرف یہ کہ اس راوی کے تعلق سے اپنے وہم کا اعتراف کیا، نظر ثانی کی بلکہ عم محترم کا وہ خط صحیحہ کی ساتویں جلد میں نام کے ساتھ شامل بھی کیا، انتقال کے بعد ان کی بیٹی کا واٹس اپ پر میسج آیا کہ کئی سالوں سے والد محترم کی زندگی اسی لائبریری تک محدود تھی اور انتقال کے بعد میں ان کی لائبریری میں گئی تو علامہ البانی کی "احکام الجنائز وبدعھا" میز پر کھلی پڑی تھی۔

زبانیں: عم محترم اپنی مادری زبانوں اردو اور ہندی کے بعد فارسی، عربی اور انگریزی پر بحمد اللہ مکمل عبور اور دسترس رکھتے تھے، آپ اپنی اردو اور عربی کی تحریروں میں ادب عالیہ کا استعمال کرتے تھے، آپ عربی کے شہسوار تو تھے ہی، انگریزی زبان آپ نے پروفیشنل انداز کی سیکھی تھی، اس کے لئے آپ نے لندن کا سفر کیا تھا اور صرف کتابی انگریزی نہیں بلکہ اہل زبان کا لہجہ سیکھنے اور بول چال میں مہارت کے لئے لندن میں ایک انگریز خاندان کے مہمان تھے جس کو اصطلاح میں (Paing Guest) کہا جاتا ہے یعنی ایسا مہمان جو اپنے قیام وطعام کا خرچ خود پرداشت کر کے یا ادا کر کے کسی کے یہاں ٹھہرے اور اسی انگریزی دانی اور اردو وفارسی وعربی دانی کی وجہ سے بھی رابطہ کی طرف سے بیرون سعودیہ کانفرنسوں وغیرہ کے لئے رابطہ کے وفود میں شریک ہوتے تھے، تحریری ترجمہ یا کتابوں کے ترجمہ کے علاوہ فوری ترجمہ بھی نہایت سلیس کرتے تھے، اس طرح کی بڑی صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی تھیں۔

اخلاق وعادات: عم محترم کی زندگی اصول پسندی اور انضباط کا ایک نمونہ تھی، اپنے کام سے کام رکھتے تھے، ان کی شروع کی زندگی کا بہت ہلکا سا عکس میرے قرطاس ذہن پر مرتعش ہے کہ میں اس وقت بہت چھوٹا تھا، اتنا یاد آتا ہے کہ بنارس اور لکھنؤ سے دونوں بھائی (صاحب تذکرہ اور ان کے بڑے بھائی نور عظیم ندوی رحمہما اللہ) چھٹیوں میں آتے تو کبھی مچھلی کے شکار (کنٹیا لگانے) میں ہم بچے لوگ بھی شریک رہتے یا کبھی قریب کے بڑھنی قصبہ میں سودا سلف کی خریداری میں ساتھ رہتے اور پیدل بازار جاتے تو عام طور سے راستے میں دونوں بھائی سیاسی امور پر یا دینی تحریکوں پر گفتگو کرتے، عم محترم نور عظیم ندوی ایک ماہر سیاسی تجزیہ نگار، سیاسی قلم کار اور سیاسی اداریے لکھنے والے صحافی تھے، آپ کی کئی سیاسی پیش گوئیاں درست بھی ثابت ہوتی تھیں، دینی تحریکوں اور دینی مدارس واداروں کی تمام باریکیوں، حقائق اور نشیب وفراز سے واقف تھے لیکن تبصروں میں نہیں الجھتے تھے، صرف ایک بار اپنے بڑے بھائی نور عظیم ندوی کے انتقال پر مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی رحمہ اللہ کے مجلہ "التوعیہ" میں مضمون لکھا تھا، اس مضمون میں جہاں اپنا خاندانی بائیوڈاٹا تحریر کیا تھا وہیں اپنے مدارس واداروں پر نہایت جامع اور مبنی بر حقیقت چند باتیں حوالہ قلم کی تھیں (جس کی وجہ سے

بعض لوگوں کی پیشانیوں پر شکنیں بھی پڑی تھیں لیکن رحمانی صاحب نے پورے کا پورا مضمون بغیر ایڈٹ کئے شائع کیا تھا) کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اشخاص کی غیبت وچغلی کا ان کے پاس نہ وقت تھا نہ ان کی عادت تھی، ان کی زندگی بہت منظم، ان کی گفتگو نہایت نپی تلی تھی، رابطہ سے تین بجے یا اس سے دیر میں واپس آتے، کھانا کھانے کے بعد ذرا دیر آرام کرتے کہ عصر کی اذان ہوجاتی، صلاۃ کے فوراً بعد اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو تحفیظ القرآن کے مدرسہ میں پہنچاتے، واپس آکر اپنا تالیف وتحقیق کا کام شروع کردیتے اور پھر عشاء کے وقت بچوں کو واپس لانے کیلئے جاتے، ان کے پاس بہت زیادہ لوگوں کے پاس آنے جانے کا وقت ہی نہیں تھا، جس کی وجہ سے خود بھی بہت سی خرافات سے بچے ہوئے تھے۔ خود اپنے وطن ہندوستان آنے کا بھی انہیں کم ہی اتفاق ہوتا تھا، لیکن اقرباء نوازی، صلہ رحمی اور حقوق کی ادائیگی کا پورا خیال رکھتے تھے، اپنی مادر علمی کا اور بعض اداروں کا بہت خیال رکھتے تھے اور بہت بڑا تعاون دیتے تھے، چار سال قبل ان کا ہندوستان کا آخری سفر ہوا تھا، سوئے اتفاق گاؤں پہنچے تو طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی جس کی وجہ سے گھر ہی میں محدود ہوکر رہ گئے، گاؤں کے مدرسہ کے طلباء واساتذہ کے لئے شیرینی منگوائی، وہ تقسیم کی گئی لیکن خود مدرسہ پر نہ جاسکے، اس وقت میرے ہی گھر پر قیام پذیر تھے، گاؤں کا چھوٹا بڑا، امیر غریب، مسلم غیر مسلم ہر فرد، جملہ رشتے دار، علاقہ کے علماء وعمائدین سے میرا گھر بھرا ہوا تھا، پردیس میں رہنے کے باوجود ایسی ہر دلعزیزی ان کو اللہ کی طرف سے ملی ہوئی تھی جو کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اس موقع پر فضیلۃ الشیخ عبداللہ عبدالتواب المدنی رحمہ اللہ نے علماء کے جلو میں عم محترم سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ ہم لوگوں کو کچھ وصیت ونصیحت کیجئے؟ عم محترم نے نہایت جامع مانع مختصر الفاظ میں ایسی نصیحت ووصیت کی کہ سب کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں، آپ نے فرمایا تھا' کتاب وسنت کو لازم پکڑیئے منہج سلف کی آبیاری کرتے رہیئے'۔

مہمان نوازی: مکہ، مدینہ، ریاض میں پڑھنے والے رشتہ داروں کا تو ہر سفر عمرہ وحج یا دیگر اسفار مکہ میں ان کے گھر قیام وطعام کا معقول انتظام رہتا ہی تھا، وطن سے آنے والے حجاج کی ضیافت بھی آپ ضرور کرتے تھے، پہلے خود اپنی گاڑی سے لے کر آتے تھے بعد میں دوسرے ذرائع سے حجاج ضرور آپ کے گھر پہنچتے تھے اور ان کی ضیافت ہوتی تھی، آپ کی زندگی جہد مسلسل اور عمل پیہم سے عبارت تھی، طالبان علوم نبوت کے لئے بطور خاص ان کی زندگی نمونہ ہے، مقصد کی لگن اور اس پر ترکیز، غیر ضروری امور سے اجتناب آپ کی زندگی کا عنوان تھا، اپنی کتابوں اور اپنے اعمال اور اپنے انفاق کی بدولت ہزاروں دلوں میں زندہ ہیں، آپ کی کتابوں سے طلباء ومحققین آج استفادہ کررہے ہیں، اور ان شاء اللہ یہ صدقہ جاریہ ہوگا، یہی تو حدیث میں ہے "**او علم ینتفع به**" عم محترم کے ساتھ یادوں کی اور بھی تہیں آہستہ آہستہ کھلتی جارہی ہیں لیکن مجلہ کے صفحات کا دامن تنگ ہوتا ہے ورنہ اور بھی پہلو لائق تحریر ہیں، خاص طور سے ان کا منہج تحقیق خصوصی مقالے کا متقاضی ہے تاکہ ان کا منہج بھی ریسرچ اسکالرس کے لئے مشعل راہ بنے۔

آخر میں رب کریم سے دعا گو ہوں کہ عم محترم کی مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو روضۃ من ریاض الجنۃ بنائے، ان کے علمی ورثہ کو ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ملت وجماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین (ماہنامہ التبیان دہلی ستمبر ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

عالم عرب وعجم کی عظیم المرتبت شخصیت

ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم بستوی رحمہ اللہ: حیات وخدمات

جنوری ۱۹۴۸ء۔۔جون ۲۰۱۶ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

نام ونسب: عبدالعلیم بن عبدالعظیم بستوی اکرہروی۔

تاریخ ومقام پیدائش: آپ کی پیدائش آپ کے آبائی گاؤں اکرہرا میں یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو ہوئی جیسا کہ مرحوم نے خود تحریر کیا ہے (ماہنامہ التوعیہ: اپریل ۱۹۹۳، ص:۱۵)

آبائی وطن اور محل وقوع:

آپ کا آبائی وطن موضع اکرہرا، بڑھنی بازار، ضلع بستی (حال ضلع سدھارتھ نگر) ہے۔ جو ہند و نیپال کی سرحد بڑھنی اور جماعت کے مشہور ادارہ جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر نیپال سے سات آٹھ کلومیٹر جنوب کی طرف بڑھنی۔ اٹوا روڈ پر واقع ہے۔ قدیم زمانے سے اس گاؤں کو علم وثقافت، علاقائی سیاست اور زمینداری میں شہرت حاصل ہے۔ اس گاؤں کے ایک علمی اور متدین گھرانے میں آپ نے آنکھیں کھولیں۔ آپ کے والد صاحب کے ساتھ ساتھ آپ کے سارے بھائی علم اور میدان تعلیم ودعوت سے جڑے ہوئے تھے۔

خاندانی پس منظر:

آپ کے والد مولانا عبدالعظیم رحمہ (۱۹۰۰ء۔۱۹۷۷ء) ایک مصلح اور جید عالم دین تھے۔ ویسے تو آپ کا اصلی وطن اٹوا کے قریب ایک موضع بھاؤپور پپری ہے جو کہ شرک وبدعت اور ہر قسم کی خرافات اور توحید وسنت کے بجائے بے جا رسوم ورواج میں شہرت کا حامل گاؤں ہے، یہاں کے مشرکانہ ماحول اور غیر شرعی اطوار وعادات میں آپ پروان چڑھے مگر آپ کی طبیعت اس ماحول سے اچاٹ ہوگئی اور صاف وشفاف ماحول کی تلاش میں آپ نے یہاں سے ہجرت کر کے اپنے ننہالی گاؤں اکرہرا میں آکر سکونت اختیار کرلی اور توحید وسنت کی تلاش اور اس کی جستجو میں سرگرداں رہے۔ اللہ نے آپ کی مدد کی اور دہلی میں متشدد اہل حدیث عالم مولانا عبدالوہاب صدری کی بارگاہ میں پہونچ گئے اور وہیں آپ کی خدمت میں رہ کر دینی علوم سے فیض یاب ہوئے۔ یہاں آپ کے

ساتھیوں میں مولانا محمد جونا گڈھی جیسے جید عالم اور عظیم المرتبت مصلح اور داعی بھی تھے جن کی رفاقت نے آپ کے عقیدہ وعمل کو تازگی اور توحید وسنت کی دعوت اور اس کی اشاعت کا مزید حوصلہ عطا کیا۔

تعلیم کے بعد آپ نے آبائی وطن اور علاقے کو ہی اپنی دعوت واصلاح کا مرکز بنایا اور معاشرہ میں پھیلی ہوئی شرک وبدعات کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔ یوں تو فراغت کے بعد آپ نے مولانا محمد جونا گڈھی کے ساتھ رہ کر دعوت وتبلیغ کا منصوبہ بنایا تھا لیکن اللہ کی مشیت سے وطن لوٹ آئے اور اپنی سرگرمیوں کا آغاز دعوت وتبلیغ کے ساتھ اپنے گاؤں میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو بلا معاوضہ تعلیم وتدریس سے کیا آپ مطالعہ کے بے حد شوقین تھے علامہ ابن القیمؒ اور ابن تیمیہؒ کی کتابیں اور تصنیفات ہمیشہ زیر مطالعہ رہتی تھیں اور انہیں کے علوم سے فیضیاب ہو کر میدان عمل میں لوگوں کو اصلاح اور رہنمائی کا کام کیا کرتے تھے۔

ایک مدت تک آپ آل انڈیا کانفرنس کے مبلغ اور واعظ وداعی بھی رہے۔ آپ کے علم وتقویٰ اور زمینداری کی وجہ سے علاقے میں بڑا اثر ورسوخ تھا اور بڑی شہرت اور طاقت کے مالک تھے۔ آپ کا شمار علاقے کے باغیرت اور صاحب شوکت علماء وداعیان میں کیا جاتا تھا۔ مورخ جماعت ہمارے استاذ گرامی مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ اس سلسلے میں رقمطراز ہیں کہ: ''آپ کے والد مولانا عبدالعظیم ایک بااثر زمیندار گھرانے کے باغیرت اہل حدیث عالم تھے۔ علم، تقویٰ، حق گوئی، توحید خالص اور سنت صحیحہ کی اشاعت اور بدعات وخرافات کے خلاف جہاد میں ان کا نمایاں مقام تھا رحمہ اللہ وغفرلہ (مجموعہ مقالات: ۴/ ۲۵۳)

محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ اور جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کے بانی الحاج نعمت اللہ خان (والد بزرگوار خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری رحمہ) اور اسی طرح مولانا عبدالغفور بسکوہری وغیرہ علاقے میں منعقد ہونے والے تبلیغی جلسوں اور دعوتی دوروں میں ہمیشہ آپ کو ساتھ ساتھ لے کر چلتے تھے اور اس ان بزرگوں کی مشترکہ کاوشوں سے پورے علاقے میں دعوت وتبلیغ اور اصلاح معاشرہ کا کام اور توحید وسنت کی نشر واشاعت اور اصلاح معاشرہ کا کام اور توحید وسنت کی نشر واشاعت کا عمل بڑی تیزی اور ذمہ داری سے انجام پذیر ہوا کرتا تھا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: تراجم علمائے اہلحدیث: ۱/ ۲۶، مجموعہ مقالات/رحمانی صاحب: ۲/ ۳۵۸) آپ کے بھائیوں میں مولانا عبدالودود صاحب (جھنڈانگر) مولانا عبدالصبور رحمانی اور مولانا نور عظیم ندوی ازہری تھے اور سب کے سب جید اور ممتاز علماء میں سے تھے۔

ذہین گھرانے کا ایک ذہین اور ہونہار فرد:

آپ کا گھرانہ دینداری، تقویٰ شعاری اور طہارت وایمانداری کے ساتھ ذہانت وفطانت میں بھی ضرب المثل تھا۔ آپ کے بڑے بھائی مولانا عبدالصبور رحمانی اور تیسرے بھائی مولانا عبدالنور ازہری اپنے زمانے کے بلا کے ذہین طلباء اور علماء میں شمار کئے جاتے تھے، ڈاکٹر عبدالعلیم رحمہ اللہ بھی بچپن سے فطری طور پر رب العالمین کی اس نعمت سے مالا مال تھے مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ اس بابت تحریر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: ''ان کے تینوں چھوٹے صاحبزادگان ذہانت وفطانت میں اپنے معاصرین میں ضرب

المثل تھے۔ مولانا عبدالصبور رحمانی دارالحدیث رحمانیہ کے فارغ التحصیل ہیں، دور طالب علمی میں مضمون نگاری، تقریر وتحریر، نقد وتحقیق میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اور آج بھی معاملہ فہمی، دور اندیشی اور متانت وسنجیدگی میں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ تیسرے صاحبزادے زیر تذکرہ مولانا عبدالنور صاحب تھے اور سب سے چھوٹے صاحبزادے ہمارے دوست ڈاکٹر عبدالعلیم ہیں جو رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے شعبہ نصاب تعلیم کے ایک اہم منصب پر فائز ہیں اور طالب علمی کے دور سے اب تک اپنی ذہانت وفطانت، اپنے تعمیری ذہن، اپنی تحقیقات وتصنیفات اور قلم کی روانی اور افکار کی ندرت، عربی اردو، دونوں زبانوں میں تصنیف وتالیف وتحقیق وخطابت وتکلم پر بھرپور قدرت اور انگریزی سمجھنے، لکھنے اور بولنے کی واجبی صلاحیت کے اعتبار سے ایک خاص مقام رکھتے ہیں'' (مجموعہ مقالات: ۲/۳۶۸)

آپ کی ذہانت وفطانت کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کے بھتیجے شیخ سعید اختر مدنی رقمطراز ہیں: ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عطا کی گئی ذہانت وفطانت شروع ہی سے عیاں تھی، مکتب ہی کے تعلیمی ایام میں قاضی عدیل عباسی رحمہ کی طرف سے بستی شہر میں منعقدہ مسابقہ علمیہ میں عم محترم شریک ہوئے اور تیس سوالوں کے مکمل اور صحیح جواب دے کر اولین انعامات سے سرفراز ہوئے۔ پھر تو ان کی علمی فتوحات اور حصولیابیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔'' آگے لکھتے ہیں کہ ۱۹۷۳ء میں آپ نے مدینہ یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن سے بی اے گریجویشن کی ڈگری حاصل کی۔ اس وقت مدینہ یونیورسٹی میں ۸۰/ممالک کے طلباء زیر تعلیم تھے۔ عم محترم کی یہ بڑی کامیابی تھی، یہ کامیابی ذاتی طور پر ان کے لئے، ان کے خاندان اور گاؤں کے لئے بلکہ وطن عزیز ہندوستان کے لئے بھی باعث صد افتخار تھی۔ اس وقت سعودی عرب کے وزیر تعلیم ہندوستان دورہ پر آئے تھے اور کسی پروگرام میں بڑی خوشی سے یہ اعلان کیا کہ آپ کے ہندوستان کے ایک سپوت عبدالعلیم بن عبدالعظیم بستوی نے پوری دنیا میں ہندوستان کا نام روشن کیا ہے اور پوری یونیورسٹی میں ٹاپ کر کے پہلی پوزیشن حاصل کی ہے اور ۹۹ فی صد کچھ پوائنٹ نمبر حاصل کیا ہے۔ (مجلہ التبیان ستمبر ۲۰۱۶)

آپ کے والد مولانا عبدالعظیم رحمہ اللہ کی منہجی غیرت اور مسلکی حمیت:

آپ کے والد بزرگوار مولانا عبدالعظیم رحمہ اللہ چونکہ اساطین حدیث مولانا عبدالوہاب صدری دہلی اور اپنے ساتھی مولانا محمد جونا گڈھی وغیرہ جیسے علماء سے فیض یافتہ تھے اسی لئے اپنے بیٹے عبدالنور (ازہری) کے بعد جب عبدالعلیم کو ندوہ تعلیم کے لئے بھیجا تو انہیں وہاں کے تعصب زدہ ماحول اور متصوفانہ نظریات اور اس کے غلط اثرات کو اپنے چھوٹے بیٹے پر بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا جس کے نتیجہ میں آپ کی غیرت نے وہاں عالمیت کر لینے کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس مولانا نذیر احمد املوی جیسی عبقری شخصیت اور وہاں کے صاف ستھرے سلفی ماحول میں روانہ کیا۔ اور وہیں سے آپ نے سند فضیلت لی اور پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ کے شرف سے بہرہ ور ہوئے، استاذ گرامی مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کی دردمندانہ تحریر اس سلسلے میں لائق مطالعہ ہے، آپ لکھتے ہیں کہ: ''مولانا عبدالنور کے ندوہ میں موجود ہونے کے باعث ان کے چھوٹے بھائی عبدالعلیم صاحب بھی ابتدائی تعلیم کے معاً بعد دارالعلوم

ندوۃ العلماء چلے گئے اور وہیں تعلیم حاصل کی لیکن مولانا عبدالعظیم رحمہ اللہ نے ندوہ کے ماحول کے اثرات بڑی شدت سے محسوس کئے اور ندوہ کے مقلدانہ جمود اس کی متصوفانہ گمراہی اور مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کے مخصوص مزاج وتصور کے اثرات کے نتیجہ میں مولانا عبدالنور ندوی کے اندر سلفیت کی غیرت وحمیت جس طرح کمزور پڑی اور ندوہ اور اس کے ماحول اور مولانا علی میاں ندوی اور ان کے خاندان کے ساتھ غیر مشروط وفاداری کے باوجود اہلحدیث خاندان کا فرد ہونے کی وجہ سے ان کے اوپر علمی ترقی کے دروازے جس طرح بند کئے گئے اور علم وفضل میں ان سے کمتر لوگوں کو جس طرح ان پر ترجیح دی گئی ان سب کو دیکھتے ہوئے مولانا عبدالعظیم رحمہ کے اپنے چھوٹے صاحبزادہ مولانا عبدالعلیم کو اس گھٹن، تعصب، تقلید وجمود اور متصوفانہ خرافات کو برداشت کرنے کی فضا سے نکالنے کے لئے عالمیت کے بعد جامعہ رحمانیہ بھیج دیا تاکہ وہاں علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ جیسے غیور امام اور مولانا عبدالمتین رحمہ اللہ جیسے مجتہد اور شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کے معارف کے واقف کار کی بنائی ہوئی فضا میں رہ کر وہ ندوہ کے غلط اثرات سے نجات حاصل کر کے غیرت حق اور حمیت توحید وسنت کا نمونہ بن سکیں۔ بحمد اللہ مولانا عبدالعظیم کی کوششیں ڈاکٹر عبدالعلیم کے سلسلے میں سو فیصد کامیاب ہوئیں اور وہ جامعہ رحمانیہ سے نکل کر مدینہ منورہ پہنچے جہاں علامہ عبدالعزیز ابن باز، ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی، شیخ عبدالمحسن حمد العباد اور ڈاکٹر امین مصری کے فیوض اور علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی تحقیقات وتصنیفات اور مجالس نے انہیں کندن بنا دیا۔ (مجموعہ مقالات: رحمانی صاحب: ۲/۳۵۹)

ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم مختلف تعلیمی ڈگریاں اور اسناد:

☆ آبائی گاؤں اکرہرا میں:

ابتدائی تعلیم، قرآن مجید اور دیگر علوم وفنون اپنے والد ماجد مولانا عبدالعظیم رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۷۷ء) سے حاصل کی جو کہ ایک متدین اور باصلاحیت ممتاز عالم دین اور ماہر مربی تھے۔

۱۹۵۴ء میں جب آپ کے گاؤں اکرہرا میں اسلامی اور عربی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ کا عمل قیام میں آیا (جو مدرسہ اسلامیہ اور المعہد الاسلامی اکرہرا کے نام سے آج بھی شہرت یافتہ ہے) تو آپ کو عربی اور دینی تعلیم کے لئے گاؤں کی ایک درسگاہ میں داخل کرا دیا گیا۔ (۱۹۶۰ء۔۱۹۵۹) تک آپ نے یہاں تعلیم حاصل کی اور اس کے علمی فیض سے سیراب ہوئے۔

☆ **لکھنؤ کا سفر:** عربی ادب اور دیگر علوم فنون میں اعلیٰ تعلیم کی غرض سے ۱۹۶۱ء میں آپ نے ہندوستان کی مشہور ومعروف درسگاہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کا سفر کیا جہاں پہلے سے آپ کے بھائی (مولانا عبدالنور ازہری) تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اور عربی سوم میں داخلہ لے لیا۔ آپ نے اپنے بھائی کی نگرانی میں ندوہ کے اساتذہ سے عربی ادب اور دیگر فنون میں بھرپور استفادہ کیا اور پانچ سال مسلسل علم کی راہ میں لگے رہے اور ۱۹۶۶ء میں سند عالمیت لے کر ندوہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔

☆ **جامعہ سلفیہ بنارس سے سند فضیلت:** ۱۹۶۶ء کو ندوہ سے سند عالمیت لینے کے بعد علم وعقیدہ میں نکھار اور اہل حدیث

اساطین علم وفن سے خوشہ چینی کے لئے مرکزی سلفی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس میں فضیلت کے لئے داخل ہوگئے اور وہاں مولانا نذیر احمد املوی، مولانا عبدالمتین اور دیگر ماہرین حدیث وتفسیر سے دوسالوں تک علمی تشنگی اور پیاس بجھاتے رہے اور بفضل الٰہی امتیازی پوزیشن سے کامیاب ہوکر سند فضیلت سے سرفراز کئے گئے۔

☆ **عالمی یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ اور تعلیم:** موصوف بڑے ذہین اور ہونہار تھے، ہمیشہ امتیازی نمبرات کے مستحق ٹھہرائے جاتے اور ممتاز پوزیشن پاتے تھے آپ کا نام ان چند خوش نصیبوں میں نکلا جنہیں عالم اسلام کی مشہور یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ مل گیا۔ ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں اس سعادتمندی اور شادکامی سے سرفراز ہونے کیلئے سوئے طیبہ روانہ ہوئے اور وہاں داخلہ لے کر جامعہ کی علمی فضاؤں میں مختلف اساطین علم وفن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اور اتنا نکھرے کہ عالم عرب اور اسلام میں بعد میں چل کر اپنی ایک منفرد علمی، وتحقیقی شناخت بنالی۔

چار سالوں تک کلیۃ الدعوۃ واصول الدین سے منسلک رہے اور ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء میں لیسانس 'بی اے' کی ڈگری امتیازی نمبرات سے ہی نہیں بلکہ ٹاپ پوزیشن سے حاصل کی۔ آپ کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے ۹۹ پوائنٹ کچھ فیصد حاصل کرکے پوری یونیورسٹی ٹاپ کی اور سعودی عرب میں صرف اپنا اور اپنے خاندان اور ادارہ کا ہی نہیں بلکہ ہندوستان کا بھی نام روشن کیا۔

☆ **ماجستر (M.A.) کا رسالہ اور اس کی علمی شان:** جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی علمی فضاؤں میں رہتے ہوئے آپ ایک علمی اور تحقیقی ذوق کے باکمال ریسرچ اسکالر کی حیثیت پاچکے تھے اور یہ ذوق آپ کے معروف ادیب ڈاکٹر تقی الدین ہلالی اور علامہ ابن باز جیسے عالمی رہنماؤں سے ورثہ میں ملا تھا۔ چنانچہ مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد اپنے اس تحقیقی ذوق کی تکمیل اور علمی ورثہ کے احیاء کے لئے جدہ کی مشہور یونیورسٹی جامعۃ الملک عبدالعزیز میں کلیۃ الشریعہ والدراسات الاسلامیۃ میں داخلہ لے لیا (یہ یونیورسٹی فی الوقت ام القریٰ یونیورسٹی کے نام سے مشہور ومعروف ہے) ماجستر میں آپ کے رسالہ کا عنوان تھا "**الاحادیث الواردہ فی المھدی المنتظر فی میزان الجرح والتعدیل**" بڑی محنت اور جدوجہد سے آپ نے اپنا یہ علمی رسالہ مکمل کیا اور اپنی علمی صلاحیتوں کے جوہر ایسے بکھیرے کہ ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء میں آپ کو نہ صرف یہ کہ امتیازی پوزیشن سے ڈگری تفویض کی گئی بلکہ علم وتحقیق کی دنیا میں آپ کا یہ رسالہ اپنے عنوان پر ایک مستند علمی مرجع شمار کیا جانے لگا۔ یہ رسالہ بعد میں "**المھدی المنتظر فی ضوء الاحادیث والآثار الصحیحہ واقوال اھل العلم وآراء الفرق المختلفۃ**" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا اور آج بھی مرجع کے طور پر علماء وطلباء کی لائبریریوں کی زینت ہے۔ مؤرخ جماعت مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ اس رسالے کے بارے میں رقمطراز ہیں: جب آپ نے اپنا مندرجہ بالا مقالہ پیش کیا تو آپ کی تحقیق اور تتبع اور آپ کے نقطۂ نظر اور آپ کی اصابت رائے نے سارے ممتحنین کو حیرت زدہ کردیا۔ اس مقالہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ امام العلماء شیخ بن باز اور استاد محترم شیخ عبدالمحسن حمد العباد سابق وائس چانسلر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ نے اسے اپنے موضوع پر غیر مسبوق قرار دیا اور یہ رسالہ اس وقت سے آج تک پوری دنیا میں اپنے موضوع پر سب سے اہم

مرجع قرار دیا گیا۔(مجموعہ مقالات: ۴/ ۲۵۵)

☆ **جامعہ ازہر مصر سے دکتوراہ (P.H.D.) کی تکمیل:** ماجستر کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ نے یوں تو باضابطہ رابطہ العالم الاسلامی میں ملازمت اختیار کرلی مگر ابھی بھی آپ کا شوق طلب فرو نہیں ہوا تھا چنانچہ دکتورہ کی تکمیل کے لئے دوران ملازمت ہی جامعہ ازہر مصر میں داخلہ کے لئے کوششیں شروع کردیں اور بالآخر اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے پی ایچ ڈی کیلئے منتخب کرلئے گئے اور سنن ابی داؤد کی چوتھی جلد کی تخریج، تحقیق اور تعلیق وحاشیہ کے عنوان پر رسالے کا کام شروع کردیا اور رفتہ رفتہ ایک عظیم علمی شاہکار تیار کرکے جامعہ ازہر میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ۱۴۰۹ھ۔۱۹۸۹ء میں مناقشہ ہوا اور مناقشین کی اعلیٰ علمی کمیٹی نے آپ کو اس رسالے پر ممتاز پوزیشن سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی۔ آپ کا یہ رسالہ بھی علمی دنیا میں ابوداؤد کے بعض حصوں کی تحقیق پر ایک مستند اور لاجواب شاہکار ہے۔ بعض احباب نے آپ سے اس منہج پر مکمل ابوداؤد کی تخریج وتحقیق کی خواہش ظاہر کی تھی مگر اپنی مصروفیتوں اور رابطہ کی ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ اس پر مزید کام نہ کرسکے۔

امام ابوداؤد پر ایک علمی مقدمہ:

سنن ابی داؤد کی تخریج وتحقیق کے ضمن میں پی ایچ ڈی کے اس رسالے پر آپ نے امام ابوداؤد کی سوانح اور علمی مقام ومرتبہ پر ایک شاندار اور وقیع مقدمہ تحریر کیا ہے جس کا ترجمہ مولانا رفیق احمد سلفی سابق ایڈیٹر التوعیہ نے (التوعیہ نئی دہلی نومبر ۱۹۸۹ء میں) شائع کیا تھا اور سرخیل جماعت مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کا اس پر ایک گرانقدر ادارتی نوٹ بھی شائع ہوا تھا جو ڈاکٹر عبدالعلیم بستوی اور ان کے اس مقالے اور اس کی خصوصیات واعلیٰ مقام ومرتبہ کے سلسلے میں ایک جامع اور قابل مطالعہ تحریر ہے۔

(مجموعہ مقالات: ۴/ ۲۵۳۔۲۵۷)

رابطہ عالم اسلامی میں ملازمت اور ذمہ داریاں:

جامعۃ الملک عبدالعزیز (حال جامعہ ام القریٰ) سے ماجستر کی ڈگری حاصل کرلینے کے بعد ۱۳۹۸ء مطابق ۱۹۷۸ء میں آپ نے رابطہ عالم اسلامی (مسلم ورلڈ لیگ) میں بحیثیت ریسرچ اسکالر اور مترجم ملازمت اختیار کرلی اور ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء یعنی مسلسل ۳۵ سالوں تک اس سے وابستہ رہے کبھی مترجم کے طور پر کبھی ریسرچ اسکالر اور باحث کے طور پر تو کبھی مختلف شعبوں کی سربراہی اور نگرانی کے طور پر، کبھی جنرل سکریٹری کے مشیر خاص کے طور پر مختلف مناصب اور عہدوں پر فائز رہے رابطہ عالم اسلامی کے ذمہ داران اور منتظمین کا آپ پر بھرپور اعتماد اور بھروسہ تھا جس کی وجہ سے عالم عرب وعجم میں منعقد ہونے والی عالمی کانفرنسوں میں آپ رابطہ کی نمائندگی بھی کرتے رہے اور اپنے علمی وتحقیقی صلاحیتوں سے پوری دنیا کو فیض پہنچاتے رہے۔ تھائی لینڈ، صومالیہ، بنگلہ دیش، اور دیگر ممالک کے دورے اور وہاں کی کانفرنسوں میں شرکت اور مقالے کی خواندگی اور رابطہ کی نمائندگی اس کی روشن مثالیں ہیں بالخصوص رابطہ کے جنرل

سکریٹری عبداللہ عبدالمحسن الترکی آپ کی علمی صلاحیتوں کی وجہ سے آپ کو بے حد عزیز رکھتے تھے اور سفر وحضر میں ساتھ رکھنے کے علاوہ بیرون ملک کانفرنسوں میں آپ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھی بھیجتے تھے۔ اور یہ سب کچھ آپ کی علمی صلاحیت اور اخلاص وامانت کی وجہ سے ممکن ہوسکا تھا۔ آپ اپنے ذاتی اثر ورسوخ کی وجہ سے ہندوستان کے بے شمار اداروں کو مدد پہنچانے میں ہمیشہ تعاون اور رہنمائی کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی نیکیوں کو آپ کیلئے صدقہ جاریہ بنائے آمین۔

آپ کے مشہور اساتذہ:

ہندوستان کی دو عظیم درسگاہوں ندوۃ العلماء لکھنؤ اور جامعہ سلفیہ بنارس اور اسی طرح عالم اسلام کی مشہور یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ مدینہ میں تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے آپ کے اساتذہ کی ایک طویل فہرست ہے جن میں سے چنندہ نام درج ذیل ہیں: (۱) مشہور ادیب اور کئی زبانوں کے ماہر ڈاکٹر تقی الدین ہلالی (۲) محدث مدینہ شیخ عبدالمحسن حمد العباد (۳) شامی ادیب شیخ محمد المجذوب (۴) علامہ محمد امین الشنقیطی (۵) ڈاکٹر محمد امین المصری (۶) شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی (۷) مولانا نذیر احمد املوی (۸) ڈاکٹر ابوشھبہ (مکہ مکرمہ) (۹) ڈاکٹر سید صقر (مکہ) (۱۰) شیخ ربیع ہادی مدخلی، ☆ اس کے علاوہ شیخ ابن باز اور علامہ ناصر الدین البانی اور شیخ حماد انصاری جیسے اساطین علم کے دروس اور ملاقاتوں سے استفادہ اور علمی سیرابی بھی حاصل کی تھی۔

☆ **سند اجازہ:** آپ نے (۱) محدث مدینہ شیخ حماد بن محمد انصاری اور (۲) شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ سے سند اجازہ حاصل کیا تھا۔

تصنیفات وتحقیقات:

آپ کے رشحات قلم نے تالیف وترجمہ اور تحقیق وتعلیق کے میدان میں بہترین اور قابل قدر جوہر دکھائے ہیں جس سے عالم عرب وعجم کو ایک نئی راہ اور منزل ملی ہے۔ ذیل میں آپ کی تالیف کردہ کتابیں تحقیقات وتعلیقات اور اسی طرح مختلف اردو کتابوں کے عربی ترجمے ہدیہ ناظرین ہیں:

(۱) **محمد بن عبدالوهاب مصلح مظلوم ومفترى عليه:** مولانا مسعود عالم ندوی کی معرکۃ الآراء کتاب محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح کا بہترین اور مستند عربی ترجمہ اور اس پر تعلیق وحاشیہ جو اپنی افادیت اور مرجعیت کی وجہ سے عالم عرب میں بے حد مقبول ہے اور متعدد ایڈیشن سرکاری وغیر سرکاری اداروں سے شائع پذیر ہوکر داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

(۲) **تحقيق ودراسة معرفة الثقات للامام العجلى**

(۳) **تحقيق ودراسة الشجرة فى احوال الرجال للامام الجوزجانى**

(۴) **تحقيق ودراسة امارات النبوة**

(۵) **تحقيق ودراسة سوالات الاجرى ابا داؤد السجستانى فى الجرح والتعديل** (دوجلد)

(۶) تحقیق ودراسة الجزء الحادی العشر من کتاب اتحاف المهرة لابن حجر (اتحاف المهرة کی گیارہویں جلد کی تحقیق وتخریج مرکز خدمۃ السنۃ مدینہ کی فرمائش پر)

(۷) تحقیق ودراسة الجزء السادس من کتاب لسان المیزان لابن حجر (مرکز خدمۃ السنہ کی فرمائش پر)

(۸) تحقیق ودراسة فوائد فی علوم الحدیث واهله و کتبه للمبارکفوری صاحب تحفة الاحوذی (یہ کتاب مرجع کی حیثیت سے سعودی عرب میں نصاب میں داخل ہے)

(۹) المهدی المنتظر فی ضوء الاحادیث والآثار الصحیحه واقوال اهل العلم وآراء الفرق المختلفة (یہ آپ کے ماجستر کا رسالہ ہے جو عالم عرب وعجم میں اپنے موضوع پر بطور مرجع تسلیم کیا جاتا ہے)

(۱۰) الموسوعة فی احادیث المهدی الضعیفة والموضوعة (تالیف)

(۱۱) سیرة الامام البخاری: مولانا عبدالسلام مبارکپوری کی مایہ ناز اردو کتاب سیرة البخاری کا عربی ترجمہ (دو جلدوں میں مقبول خاص وعام ہے)

(۱۲) رسالة الدکتوراة: تحقیق و تخریج القسم الرابع من سنن ابی داؤد (اور اس پر ایک وقیع علمی مقدمہ جو امام ابوداؤد کی سوانح پر مشتمل ہے)

محاضرات وکانفرنسیں:

اپنی علمی وتحقیقی صلاحیتوں کی وجہ سے عالم اسلام اور پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں بھی آپ مدعو کئے جاتے تھے اور بسا اوقات رابطہ کمیٹی کی نمائندگی بھی کیا کرتے تھے۔ ذیل میں ان کانفرنسوں کا ذکر ہے کہ جس میں آپ نے شرکت کی اور اپنے علمی مقالات اور نمائندگی سے اہل اسلام کو بھرپور فائدہ پہنچایا۔ فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔

(۱) ۱۳۹۸ھ المؤتمر الاسلامی الآسیوی الاول کراچی (وزارة الاوقاف والشئون الاسلامیة کی طرف سے)

(۲) ۱۳۹۹ھ وزارة الاوقاف والشئون الاسلامیه کی پہلی کانفرنس مکہ مکرمہ میں۔

(۳) ۱۴۰۰ھ وزارة الاوقاف والشئون الاسلامیه کی دوسری کانفرنس مکہ مکرمہ میں۔

(۴) ۱۴۰۱ھ وزارة الاوقاف والشئون الاسلامیه کی تیسری کانفرنس مکہ مکرمہ میں۔

(۵) ۱۴۰۰ھ دورات تدریب الائمة والدعاة مقدیشو صومال میں (محاضرات پیش کئے)۔

(۶) ۱۴۰۲ھ المؤتمر الاقلیمی لمنظمة الدعوة الاسلامیة لجنوب شرق آسیا (ملیشیا میں)

(۷) ۱۴۰۳ھ دورات تدریب الائمة والدعاة (بانکوک تھائی لینڈ)

(۸) ۱۴۰۴ھ المؤتمر العالمی الثانی لتوجیه الدعوة واعداد الدعاة (مدینہ منورہ)

(۹) ۱۴۰۵ھ دورات تدریب الائمۃ والدعاۃ (کوکس بازار، بنگلہ دیش)

(۱۰) ۱۴۰۸ھ المؤتمر الاسلامی العام الثالث (مکہ مکرمہ)

(۱۱) ۱۴۰۸ھ الندوۃ العالمیۃ عن حیاۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (بنارس) (یہ ہماری طالب علمی کا دور تھا اور ہم طلباء اس میں بطور رضا کاران اسٹیج ومہمانان علماء کی خدمت پر مأمور تھے)

(۱۲) المؤتمر الاسلامی العالمی لمناقشۃ الاوضاع الحاضرۃ فی الخلیج (مکہ مکرمہ)

مقالات:

ڈاکٹر عبدالعلیم ایک علمی وتحقیقی شخصیت کے مالک تھے، مختلف کتابوں کی تحقیق اور تصنیف کے ساتھ ساتھ آپ نے بے شمار مقالات تحریر کئے جو ملک وبیرون ملک بالخصوص رابطہ کے مجلّات اور ہندوستان میں صوت الامۃ یا دیگر اردو جرائد محدث اور التوعیہ وغیرہ میں شائع ہوتے رہے، زیر تذکرہ کچھ مقالات جو دستیاب ہوسکے ہیں ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تاکہ اہل علم کے لئے استفادہ ممکن ہوسکے:

(۱) اقرأ باسمك مجلۃ رابطہ العالم الاسلامی عدد: ۳۳۱/صفر ۱۴۱۳ھ

(۲) فی الوقت الضائع مجلۃ رابطہ العالم الاسلامی عدد: ۳۳۳/ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ

(۳) لاتکن بخیلاً مجلۃ رابطہ العالم الاسلامی عدد: ۱۳۰۵/ ۲۲ رمضان ۱۴۱۳ھ

(۴) صلوا والناس نیام مجلۃ رابطہ العالم الاسلامی عدد: ۹/ ۹/ ۱۴۱۳ھ

(۵) من اوغال الحضارۃ: مجلۃ رابطہ العالم الاسلامی عدد ۱۴۲۹ھ

(۶) الی الجنۃ بالسلاسل مجلۃ رابطہ العالم الاسلامی عدد: ۱۸۹۴ھ ۱۳ جمادی الآخرۃ ۱۴۲۶ھ

(۷) ایک عظیم مفکر ایک عظیم داعی محب الدین خطیب / مقالہ نگار علامہ ممدوح فخری / مترجم عبدالعلیم بستوی۔ (ماہنامہ التوعیہ نئی دہلی: اپریل مئی / ۱۹۸۸ء)

(۸) استاد محترم علامہ ہلالی کے ساتھ یادوں کا ایک سفر (ماہنامہ التوعیہ نئی دہلی اکتوبر / ۱۹۹۳ء)

(۹) میرے مشفق بھائی اور مربی مولانا عبدالنور ندوی رحمہ اللہ (ماہنامہ التوعیہ نئی دہلی اپریل ۱۹۹۳ء)

اور اس کے علاوہ دیگر علمی وتحقیقی مضامین ہیں جو ملکی اور عالمی مجلّات: صوت الامۃ، محدث بنارس اور دیگر مجلّات میں شائع ہوئے ہیں، یہ تو بطور نمونہ پیش خدمت تھے۔

☆ **معروف سلفی ادیب اور مورخ ڈاکٹر تقی الدین ہلالی رحمہ اللہ کے توصیفی کلمات:** ڈاکٹر تقی الدین ہلالی رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد عبدالعلیم بستوی کی کتاب "محمد بن عبدالوھاب مصلح مظلوم ومفتریٰ علیہ" کے

مقدمے میں آپ کی علمی خدمت اور تحقیقی صلاحیتوں کے سلسلے میں رقمطراز ہیں کہ ''اگر اس عظیم الشان کام کو اردو زبان میں انجام دینے میں میرے ایک شاگرد استاذ مسعود عالم ندوی کی کاوشوں کا عمل دخل ہے تو عربی قالب میں ڈھالنے اور اس کا سلیس اور عمدہ عربی ترجمہ میرے دوسرے شاگرد عبدالعلیم بن عبدالعظیم کی محنتوں کا نتیجہ ہے جو جامعہ اسلامیہ مدینہ سے فارغ التحصیل اور فی الوقت مکہ میں ماجستر (ایم اے) کر رہے ہیں۔ آگے لکھتے ہیں کہ مترجم کتاب نے بے حد عمدہ ترجمانی کی ہے اور شروع سے اخیر تک مجھے پڑھ کر سنایا ہے، میں نے انہیں کچھ مشورے بھی دیئے ہیں، پھر آگے لکھتے ہیں: ''فجاء هذا الكتاب جوهرة نفيسة وتحفة لا تقدر بثمن خصوصاً وقد زيّنه المترجم بحواشي عديدة تكملة لبحث ناقص وايضاً حلّ شيء غامض وانا اقترح على سماحة رئيسنا الجليل الاستاذ عبدالعزيز بن باز اطال الله بقائه ـ ان يقرا هذا الكتاب وان يامر بطبعه ونشره لتعم فائدته لجميع طلاب العلم من المسلمين وغيرهم'' چنانچہ یہ کتاب ایک عمدہ جوہر اور بیش بہا تحفہ ہے جس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا خاص طور سے مترجم کتاب نے مختلف جگہوں پر اپنی علمی اور وضاحتی حاشیہ آرائی سے اسے چار چاند لگا دیا ہے اس لئے میں اپنے محترم رئیس اور استاذ شیخ ابن باز (اللہ آپ کی عمر دراز کرے اور ترقی کے اعلیٰ منازل تک پہنچائے) کو مشورہ دینا چاہوں گا کہ اس کتاب کو پڑھیں اور اس کی طباعت واشاعت کا انتظام کریں تاکہ اس کا فائدہ تمام طلباء اور اہل علم تک عام ہوسکے۔ (مقدمہ: ہلالی علی کتاب محمد بن عبدالوہاب مصلح مظلوم ومفتریٰ علیہ: ص: ۱۲)

مورخ جماعت استاذنا الجلیل علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کا وقیع علمی وتاریخی تبصرہ:

ڈاکٹر عبدالعلیم کے گرانقدر مضمون ''امام ابوداؤد سجستانی حیات اور علمی درجہ مقام'' کے اردو ترجمہ پر اپنے ادارتی نوٹ میں ان کی علمی شان اور قدر ومنزلت میں ایک وقیع علمی اور تاریخی تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ''مقالہ درج ذیل کے کاتب ہمارے عزیز دوست ڈاکٹر عبدالعلیم مولانا عبدالعظیم صاحب رحمہما اللہ کے سب سے چھوٹے لیکن سب سے لائق وفائق خلف ہیں۔ ان کی تعلیم کا بیشتر وقت بھی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں گزرا، علم حدیث کی تکمیل کے لئے وہ اخیر میں جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لائے اور یہیں سے انہیں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ جانے کی سعادت نصیب ہوئی، یہ جس جگہ بھی رہے انکی ذہانت، ان کی بھرپور جدوجہد اور مفوضہ ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں ان کی امانت ودیانت کی روح نے انہیں نمایاں اور ممتاز مقام بخشا طالب علمی کے دور میں تقریباً تمام متداول علوم وفنون میں انہیں اپنے ساتھیوں پر سبقت حاصل رہی، ندوہ، جامعہ سلفیہ، جامعہ اسلامیہ، جامعہ ام القریٰ، جامعہ ازہر ہر جگہ علمی نتائج اور دینی واخلاقی معیار الغرض ہر میدان میں ان کا گہرا لگاؤ اور اپنے موضوع سے ان کی گہری دلچسپی کا یہ نتیجہ رہا کہ ان کے قلم اور زبان سے کوئی غیر معیاری اور سطحی بات نہیں نکلی جو کچھ بھی انہوں نے اپنے قلم سے لکھا اپنی زبان سے کہا عقیدہ وفکر اور مسلک ومنہج کی معیاری ترجمانی اس کا طغرائے امتیاز رہا۔

عربی اور اردو زبانوں میں یکساں قدرت اور انگریزی سے حسب ضرورت واقفیت نے ان کے سامنے علمی اور تحقیقی کاموں کے دروازے کھول دیئے۔

ڈاکٹر عبدالعلیم ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جنہیں اپنے دور کے عظیم لغوی، سامی زبانوں کے ماہر، انگریزی، فرنچ، جرمنی اردو اور فارسی زبانوں کے عالم، عربی ادب وبلاغت اور نظم ونثر کے امام ومرجع توحید وسنت کے داعی، علوم حدیث کے شیدائی، علامہ محمد تقی الدین ہلالی کی خصوصی عنایات اور تربیت سے بہرہ ور ہونے کے قیمتی مواقع ملے۔ (مجموعہ مقالات: رحمانی صاحب ر ۴/ ۲۵۴)

اور ایک اور جگہ رقمطراز ہیں کہ: ''تیسرے صاحبزادے زیر تذکرہ مولانا عبدالنور صاحب تھے اور چوتھے اور سب سے چھوٹے صاحبزادے ہمارے دوست ڈاکٹر عبدالعلیم ہیں جو رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے شعبہ نصاب تعلیم کے ایک اہم منصب پر فائز ہیں اور طالب علمی کے دور سے اب تک اپنی ذہانت وفطانت، اپنے تعمیری ذہن، اپنی تحقیقات تصنیفات اور زبان کی روانی اور افکار کی ندرت، عربی اردو دونوں زبانوں میں تصنیف وتالیف وتحقیق اور خطابت وتکلم پر بھرپور قدرت اور انگریزی سمجھنے، لکھنے اور بولنے کی واجبی صلاحیت کے اعتبار سے ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ کتاب وسنت اور صحیح منہج سلف کی فکری وعملی تعبیر اور عالمی انداز میں اسکو برپا کرنے کے سلسلے میں اپنے تعمیری افکار اور موجودہ دور کی شخصیات کے مراتب کی تعیین میں انہیں خاص ملکہ حاصل ہے۔ تخریج وتحقیق حدیث اور علم اسماء الرجال میں فاضلانہ حیثیت کے حامل ہیں۔ (مجموعہ مقالات ر رحمانی صاحب ر ۳/ ۳۵۸)

پسماندگان اور اہل خانہ: آپ کے چار بھائی تھے اور چار ہی بہنیں تھیں، بھائیوں میں سب سے بڑے (۱) مولانا عبدالودود سلفی مرحوم مدرس جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر (۲) اس کے بعد مولانا عبدالصبور رحمانی مرحوم (والد مولانا سعید اختر مدنی اور مسعود عالم عرف مسو بھائی (اکرہرا) (۳) تیسرا نمبر پر مشہور اسکالر مولانا عبدالنور ازہری معروف بہ نور عظیم ندوی (مرحوم) اور چوتھے خود آپ تھے۔ آپ نے اپنے پیچھے ایک بیوی اور دو لڑکے اور چھ لڑکیاں اور اس کے علاوہ پوتوں اور نواسوں کی ایک بڑی تعداد چھوڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ سبھی کو صبر جمیل اور ایمان پر سلامتی عطا فرمائے۔ آمین۔

وفات: کئی سالوں سے آپ ذیابطیس کے مہلک مرض میں مبتلا تھے جس کی وجہ سے گردے کی تکلیف رہا کرتی تھی۔ قضاء الٰہی آپہنچی اور ۱۲ رمضان ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۸ رجون ۲۰۱۶ء بروز سنیچر بوقت ظہر مکہ مکرمہ میں عمر کی ۶۷ بہاریں دیکھ کر اللہ کو پیارے ہوئے (انا للہ وانا الیہ راجعون) اہل خانہ کا بیان ہے کہ آخری وقت میں جو کتاب آپ کے زیر مطالعہ آپ کے پرسنل لائبریری میں میز پر ملی وہ شیخ البانی رحمہ اللہ کی ''احکام الجنائز'' تھی جو کھلی ہوئی میز پر سامنے موجود تھی۔ آپ کی نماز جنازہ بعد نماز مغرب حرم مکی میں لاکھوں مقتدیوں کے ہجوم میں پڑھی گئی اور مکہ کے قدیم قبرستان شرائع میں تدفین ہوئی۔ خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را

"اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واللھم ذویہ الصبر والسلوان واسکنہ فسیح الجنان، آمین، تقبل یارب العالمین" (ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی، اکتوبر ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

حضرت مولانا انعام اللہ فاروقی رحمہ اللہ

(بانی دارالعلوم سلفیہ احباب کالونی ناگپور)

ڈاکٹر افہام اللہ فاروقی

موضوع پریوا نارائن پور نزد لال گوپال گنج ضلع الہ آباد یوپی اپنی مردم خیزی، شادابی، دینی اور علمی خدمات کے لئے معروف ہے۔ اس بستی نے علمی وتمدنی جلوے بکھیرے ہیں۔ اس بستی سے حضرت مولانا ابوالخیر فاروقی صاحب، مولانا اسماعیل خاں صاحب، مولانا عبدالستار صاحب، مولانا شیث فاروقی صاحب، مولانا حکیم محمد اکبر فاروقی جیسے عمائدین سلفیت کا تعلق رہا ہے۔ آج بھی آس پاس کے علاقوں میں جو بھی اہل حدیث اجتماعات منعقد ہوتے ہیں ان میں پریوا کا کردار نمایاں رہتا ہے۔ آج بھی یہ بستی حضرت مولانا عبدالرحمن پریوائی (استاذ جامعہ امام سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض) مولانا محمد حسان خاں (ناظم اعلیٰ جامعہ ابوہریرہ لال گوپال گنج) حضرت مولانا ابوالقاسم فاروقی (استاذ جامعہ سلفیہ بنارس) مولانا شفاء اللہ فاروقی (سابق صدر مدرس جامعہ رحمانیہ بنارس) مولانا راحت اللہ فاروقی مدنی (استاذ جامعہ محمدیہ مالیگاؤں) مولانا ڈاکٹر وحید اللہ فاروقی (پرنسپل طبیہ کالج مالیگاؤں) مولانا محمد فرقان فاروقی مدنی وغیرہم کی علمی، دعوتی اور سماجی خدمات سے معمور ہے۔ انہی سنہری کڑیوں میں سے ایک کڑی مشہور عالم دین باوقار مدرس بے باک خطیب استاذ الاساتذہ حضرت مولانا انعام اللہ فاروقی صاحب تھے آپ کی جماعتی اور علمی ودعوتی خدمات بہت زیادہ طویل اور گراں قدر ہیں۔

نام ونسب:

انعام اللہ ابن ہدایت اللہ ابن احسان اللہ ابن الٰہی بخش۔

خاندانی پس منظر:

آپ کے والد معمولی پڑھے لکھے زمین دار حوصلہ مند اور غیور انسان تھے۔ مولانا انعام اللہ فاروقی کے والد محترم پانچ بھائی تھے۔(۱) محمد ابراہیم فاروقی (۲) محمد الیاس فاروقی (۳) محمد زکریا فاروقی (۴) ہدایت اللہ فاروقی (۵) محمد عثمان غنی فاروقی آپ کے دادا احسان اللہ فاروقی میں اہل حدیثیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کے بڑے تایا زاد بھائی مولانا حکیم محمد اکبر فاروقی صاحب اور مولانا ابوالخیر فاروقی صاحب دارالحدیث رحمانیہ کے ممتاز فارغین میں سے تھے۔

ولادت: ۱۹۳۲ء میں بمقام پریوا۔

تعلیم وتربیت:

آپ کی ابتدائی پرائمری چہارم تک کی تعلیم گاؤں کے سرکاری اسکول میں مکمل ہوئی پھر اسلامی فنون کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے اس زمانہ کے مشہور مدرسہ رحمانیہ مدن پورہ بنارس میں ۱۹۴۸ء میں داخلہ لیا۔ یہاں رہ کر آپ نے مولوی، عالم، فاضل کے امتحانات عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے اول درجات میں پاس کئے اور آپ نے مدرسہ رحمانیہ سے فراغت ۱۹۵۸ء میں حاصل کی۔ رفقائے درس واحباب میں مولانا عبدالحمید رحمانی مرحوم، مولانا عبدالسلام رحمانی مرحوم (بونڈیہار) مولانا عبدالصبور رحمانی (مالیگاؤں) مولانا حکیم جلال الدین رحمانی (بستی) مولانا حکیم الدین (بونڈیہار) مولانا عبدالصمد مظفر پور، مولانا محمد زکریا بنارس، مولانا محمد ہاشم ابن حافظ عباس بنارسی وغیرہم تھے۔

مشفق اساتذہ:

ابتدائی دینی تعلیم محمد یوسف خاں اور عبدالخالق صاحب سے حاصل کی، جامعہ رحمانیہ میں جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ان کے نام حسب ذیل ہیں (۱) مولانا عبیداللہ رحمانی پیغمبر پوری (۲) مولانا عبدالعزیز عمری مئوناتھ بھنجن (۳) مولانا فضل الرحمن عمری (۴) مولانا نذیر احمد رحمانی (۵) مولانا عبدالوحید رحمانی (سابق شیخ الجامعہ۔ جامعہ سلفیہ بنارس) مولانا عبدالجبار صاحب (بہار)۔

تدریسی خدمات:

فراغت کے بعد ۱۹۵۸ء میں ناگپور میں اہل حدیث ادارہ دارالعلوم یوسفیہ میں درس وتدریس کے فرائض کی انجام دہی کے لئے مدرسہ کے صدر حاجی اسحاق صاحب کی درخواست پر تشریف لائے اس وقت بانیان ادارہ میں سے حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کھاروی (سیونی) بحیثیت صدر مدرس خدمات انجام دے رہے تھے۔ مولانا فاروقی صاحب نے آپ کی قیادت میں بحیثیت مدرس کام کرتے رہے۔ اس دوران مولانا ابراہیم خاں صاحب اپنے وطن کھاری تشریف لے گئے اور وہاں مختصر علالت میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ پھر مجلس انتظامیہ نے مولانا فاروقی صاحب کو مدرسہ کا صدر مدرس منتخب کیا، مولانا انعام اللہ فاروقی صاحب نے محترم مولانا عبدالرشید علیگ (صدر) اوملاجی محمد یوسف صاحب (متولی) محترم ماسٹر عبدالعزیز قریشی (ناظم) کے ساتھ وہاں مسجد مدرسہ تعمیر کروایا اور وہاں ۳۰ سال سے زائد عرصہ تعلیم اور تدریس اور دعوت کی راہ میں لگا دیا۔ منہج سلف کی نشر واشاعت میں آپ کی کوششیں گراں قدر ہیں۔ حضرت مولانا فاروقی صاحب کے دوران صدر مدرسی مولانا صفی الرحمن مبارکپوری اور مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی، عبدالغفار مدنی، ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی صاحب نے تدریسی خدمات انجام دی تھی۔ آپ نے یہاں ۱۹۸۸ء تک سرگرم عمل رہ کر تعمیر مدرسہ اور تعمیر مسجد میں اہم کردار ادا کیا پھر یہاں حالات کچھ اس طرح پیش آئے کہ دل برداشتہ ہوکر آپ نے علیحدگی اختیار کرلی اور ملازمت کرنے کا خیال دل سے نکال دیا۔ ۲ سال بعد جماعتی درد اور کسک نے اور پرانے رفقاء کاروں خصوصاً حاجی عبدالسلام

اور محمد ایوب صاحب، عمر دراز خاں صاحب، عبدالرفیق صاحب کے مسلسل اصرار اور مولانا نذیر احمد ازہری صاحب (ممبئی) مرحوم امان اللہ چوگلے اور احمد اللہ صاحب (باؤنا بیڑی مدراس) اور ان کے خاندان کی عملی تعاون پر آپ نے شہر ناگپور کے نئے علاقہ احباب کالونی میں ۱۹۹۰ء میں دارالعلوم سلفیہ کا قیام کیا اس ادارہ کی تقریب سنگ بنیاد میں حضرت مولانا عبداللہ مدنی نیپال، حضرت مولانا عبدالرشید خاں جہاں پوری، مولانا ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی مالیگاؤں بحیثیت مقرر خصوصی شرکت کی اور سنگ بنیاد مولانا عبدالوہاب خلجی، مولانا ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی، مولانا عبداللہ مدنی، جسٹس قاضی محب الدین، ڈاکٹر اسحاق جمخانہ والا، پروفیسر رفیع الدین، مولانا عبدالرشید علیگ (سیونی) ملاجی محمد یوسف صاحب، حاجی عبدالسلام صاحب اور دیگر عمائدین جماعت اور شہر کے ہاتھوں رکھی گئی۔ جو آج بھی رواں دواں اپنے مقاصد میں کامیاب ہے اور حلقہ ودربھ اور آس پاس کے صوبوں میں اپنی دینی اور تبلیغی کوششوں کے سبب مشہور و معروف ہے۔ گاہے بگاہے ملک کے مختلف علماء وخطباء بھی دعوتی کام اور ملت کی بیداری واصلاح کے لئے بلائے جاتے ہیں۔ آپ کی تدریسی ودعوتی کوششوں سے شہر ناگپور میں منہج سلف کو بڑا استحکام حاصل ہوا۔ مولانا بڑے زندہ دل، ملنسار اور مسلک کے تئیں بے حد فکر مند انسان تھے۔ صاحب فراش ہونے کے باوجود ہمیشہ علماء سے ملاقات اور دعوت وتبلیغ کے لئے فکر مند رہا کرتے تھے۔

تلامذہ اور مستفیدین:

مختلف اوقات میں آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد طویل ہے جو ملک اور بیرون ملک اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان میں مولانا سراج احمد گیتے (قطر) مولانا ہارون مدنی (سعودی عرب) مولانا عبدالودود مدنی صدر مدرس فیض العلوم (سیونی) مولانا حبیب الرحمن خاں صدر مدرس سمیہ (بوری سیونی) مولانا ہارون خاں (نرکھیڑ) مولانا محمد عابد جناردیو، مولانا عبدالجبار سلفی (ناگپور) مولانا عبدالقدوس عمری۔ مولانا صادق الرحمن (کانیوواڑہ) مولانا محمد جمیل (سیندر جناگھاٹ) مولانا عبدالجلیل (آٹھنیر) معروف ہیں۔ ان کے علاوہ محمد امین صاحب (بیتول) محمد رفیق صاحب جناردیو، مولانا صالح مہگاؤں، مولانا محمد ابراہیم بیرول بازار، مولانا محمد مبین، مولانا محمد فاروق (آشنہ سیونی) مولانا ثناء اللہ الرحمن کھیری، مولانا عتیق الرحمن ناگپور، مولانا عبدالشکور مہسلہ رائے گڑھ، مولانا محمد اسلم قادری مہسلہ، مولانا عبدالحمید قاضی پابرہ رائے گڑھ، مولانا محمد اسماعیل ہرزک، مولانا محمد اقبال قاضی رائے گڑھ، مولانا سیف الحق مہسلہ رائے گڑھ، مولانا عبدالجبار مواڑ، مولانا عتیق الرحمن ناگپور، مولانا محمد یحیٰ کھاری سیونی، مرحوم مولانا اسماعیل جناردیو، مولانا محمد عثمان (ممبئی سیونی) مولانا محمد جابر (سیندر جناگھاٹ) یہ تمام حضرات آپ کے شاگرد تھے۔ اس کے علاوہ شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے جو ہندوستان کے مختلف مقامات پر خدمت انجام دے رہے ہیں۔

قلمی خدمات:

زمانہ طالب علمی میں بھی آپ نے بیشتر مضامین لکھے ہیں جو طلباء انجمن میں تقریر کے لئے شاید آپ نے لکھا تھا یہ کاپی آج بھی موجود

ہے۔فراغت کے بعد آپ اس زمانہ میں شائع ہونے والے اہل حدیث جرائد میں مضامین لکھا کرتے تھے۔آپ نے کئی کتابچے تحریر کئے ہیں جسے دارالعلوم کی شعبہ دعوت وتبلیغ کی جانب سے شائع کر کے مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔

عہدہ ومناصب:

جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کی ترویج وترقی کے لئے آپ نے مولانا مختار احمد ندوی صاحب، مولانا امین ریاضی، مولانا عبدالحق قاسمی، عبدالعزیز انصاری وغیرہم کے ساتھ کام کیا اور بعد میں صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کا صوبائی دفتر مالیگاؤں میں قائم ہونے پر سیٹھ محمد خلیل فیضی مرحوم اور عبدالقیوم فیضی صاحب (ناظم اعلیٰ) کے ہمراہ صوبائی جمعیت کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔آپ محمد خلیل فیضی مرحوم صاحب اور عبداللطیف فیضی مرحوم کے دوران صدارت جمعیت کے نائب صدر رہے۔مولانا عبدالوحید صاحب کے دور صدارت میں آپ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس شوری کے رکن تھے۔مرکزی جمعیت اہل حدیث کے پروگراموں میں آپ شرکت کرتے تھے۔

دعوتی وتبلیغی خدمات:

آپ مرحوم حاجی محمد اسحاق خاں صاحب، ملاجی محمد یوسف صاحب، حاجی عبدالسلام صاحب، مولانا عبدالرشید علیگ کے ہمراہ ضلع سیونی کے اکثر وبیشتر علاقوں میں دعوتی خدمات کے لئے تشریف لے جاتے۔کانیواڑہ دوروں کا مرکز رہا کرتا تھا اور اس علاقے کے زمیندار عبدالرحمن خاں پٹیل کا گھر علماء کا مرکز ہوا کرتا تھا۔موضع جام ضلع بالاگھاٹ میں عبدالقدوس خاں صاحب کی دعوت پر اکثر خطاب فرماتے تھے، ناگپور کے آس پاس کے علاقوں مثلاً دیولی اور وردھا، سیندر جنا گھاٹ، بیتول، آٹھنیر، آکولہ، آکوٹ، جناردیو، جبل پور، بھلائی، بلاس پور، ممبئی، بھیونڈی، احمد نگر، مالیگاؤں، شولاپور، میں اکثر آپ کے خطابات منعقد ہوا کرتے تھے۔اس کے علاوہ گجرات میں سورت، سامرود، نڑیاد، راج کوٹ اور مدراس (تامل ناڈ) کے اکثر وبیشتر علاقے ہنسور، ترچناپلی، پرنام بٹ، گڑیاتم، سرسی، ہیگڑے گھٹ، رانی بنور، ہری ہرگریاتم، ہیرور، داونگیرہ، یوپی کے قنوج، گنج ڈونڈواڑہ، کانپور، آگرہ، اس کے علاوہ بھوپال، اندور، مہو کے بیشتر علاقوں میں آپ تشریف لے جاتے اور خطابات فرماتے اور جب تک آپ صحت یاب رہے آپ ہر سال عیدالفطر کا خطبہ مدراس میں ادا فرماتے تھے۔

۱۹ جون ۲۰۱۶ء بروز اتوار بموجب ۱۳/رمضان ۱۴۳۷ھ تقریباً رات گیارہ بجے اللہ کو پیارے ہوگئے۔نماز جنازہ دوسرے دن بعد نماز ظہر عیدگاہ گراؤنڈ جعفر نگر میں مولانا رحمت اللہ فاروقی نے ادا کرائی۔بلالحاظ مسلک کثیر تعداد میں لوگوں نے نماز جنازہ ادا کی اور تدفین جری ٹیکا قبرستان میں ہوئی۔

(جریدہ ترجمان دہلی۔۱۶۔۳۱/اگست ۲۰۱۶ء)

□□□

بزرگ عالم مولانا انعام اللہ فاروقی بھی چل بسے

مولانا ابوالقاسم فاروقی

بتاریخ ۱۹؍جون ۲۰۱۶ء گیارہ بجے شب جماعت اہل حدیث کے نامور مقرر مولانا انعام اللہ فاروقی دار فانی سے دار البقا سدھار گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میرے خاندان کے بزرگوں میں وہی باقی رہ گئے تھے، کافی دنوں سے صاحب فراش تھے، بہترین مقرر اور جماعت کے سرگرم رکن تھے۔ جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کے رکن رکین اور دار العلوم سلفیہ، ناگپور کے موسس اور بانی تھے، اکیلے دم پر پورا مدرسہ چلاتے تھے۔

آپ ۱۹۳۶ء میں پرتاپ گڑھ کی مشہور اہل حدیث بستی پریوا نرائن پور میں پیدا ہوئے، ۱۹۴۶ء یا ۱۹۴۷ء میں والد محترم مولانا ابوالخیر صاحب فاروقی (م ۱۹۸۰ء) نے جامعہ رحمانیہ مدن پورہ، بنارس میں داخل کرایا، از ابتدا تا انتہا تعلیم مدرسہ مذکورہ میں حاصل کی، جب بھی آپ وطن آتے بشرط صحت بنارس ضرور تشریف لاتے۔ مولانا عبدالسلام صاحب رحمانی گونڈوی (فیجی والے) آپ کے ہم سبق تھے، رحمانیہ میں ممتاز اور ذہین طالب علموں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ عربی و فارسی بورڈ سے مولوی، عالم اور فاضل کا امتحان فرسٹ ڈویزن میں پاس کیا، آپ کے اساتذہ میں مولانا نذیر احمد صاحب املوی، مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی، مولانا فضل الرحمن صاحب مئوی اور مولانا عبدالعزیز صاحب مئوی کا نام اہم ہے۔ فراغت کے بعد دار العلوم تلسی باغ، ناگپور میں درس و تدریس کا فریضہ انجام دینے لگے اور ناگپور کو وطن ثانی بنالیا، مدتوں آپ نے بخاری و مسلم کا درس دیا، بعد میں آپ نے احباب کالونی، ناگپور میں دار العلوم سلفیہ کے نام سے اپنا مدرسہ قائم کرلیا۔

نہایت خوش اخلاق اور شعلہ بار مقرر تھے، جلسوں میں کثرت سے آپ کو بلایا جاتا، غیرت مند اور پرجوش داعی تھے، اپنے خاندان سے ہمیشہ رابطہ رکھتے اور ان کی ضروریات پوری کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے، ۸۲ سال کی عمر پائی، پس ماندگان میں اہلیہ، دو بیٹے، اور بیٹیاں ہیں۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ عنہ واسکنہ فسیح جناتہ۔

(محدث بنارس، ۲۰۱۶)

❑❑❑

ارض سنابل کے ایک درویش صفت مربی

مولانا محمد سعود سلفی رحمہ اللہ

مولانا نثار احمد سنابلی (عمید جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی)

قحط الرجال کے اس نازک دور میں جب کہ ہر سو مادیت کا غلبہ ہے۔ ہندوستان کے طول وعرض سے عصری اداروں کے بمقابل طلبہ کی ایک محدود تعداد مدارس اسلامیہ کی جانب علمی تشنگی بجھانے کا قصد کرتی ہے اور ایک زمانہ تک ان کے علمی وروحانی ماحول میں قال اللہ اور قال الرسول کی صدائے دلنواز سے مشام جاں کو معطر کرتی ہے اور غیر معمولی اہمیت کے حامل مہ وسال گزار کر علم وہنر اور ادب وشائستگی کے نایاب موتیوں سے اپنے دامن مراد کو بھر کر عملی میدان میں قدم رنجہ ہوتی ہے۔ ان میں کچھ تو مادیت زدہ معاشرہ کی نذر ہوجاتے ہیں، کچھ عصری یونیورسٹیوں کے مغربیت زدہ ماحول سے متاثر ہوکر اپنی شناخت ہی نہیں بلکہ بعض تو فرائض اسلام ہی سے غافل ہوجاتے ہیں اور کچھ عرب ممالک کا رخ کرکے وہاں علمی، عملی اور دعوتی امور کے لئے اپنے کو وقف کرکے صرف نسبت اور زیارت کی حد تک ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں، ایسے میں مساجد، مدارس اور دعوتی مراکز کو لازم پکڑ کر ہندوستانی سماج ومعاشرہ میں دین کی شمع روشن کرنا انتہائی قابل تحسین اقدام اور قابل ستائش عمل ہے۔

ان معدودے چند افراد میں جو حلم وبردباری، تقوی وپرہیزگاری، تواضع وخاکساری، سادگی وقناعت، صبر ورضا، زہد وورع، اخلاص وللّٰہیت، ایمانداری وتوکل کے خوگر، صلاحیت وصالحیت کے پیکر، احساس ذمہ داری کے جذبہ سے سرشار اور اصول پسندی کی دولت سے مالا مال ہوں، خال خال نظر آتے ہیں۔ جو بیک وقت کامیاب مدرس، شعلہ بار واعظ وخطیب، درشتی وتلخی سے دور انتہائی نرم، مشفق اور رقیق القلب مربی، طلبہ کی اصلاح وتربیت کی سچی تڑپ رکھنے والے، شب زندہ دار ہوں، ان اوصاف کے حامل ہمارے ممدوح شیخ محمد سعود سلفی۔ رحمہ اللہ تھے، جس کا اعتراف ارض سنابل کا چپہ چپہ ہی نہیں بلکہ جن جن دانشگاہوں میں آپ کا فیض ہوا ہے وہاں کا ذرہ ذرہ اس پر شاہد ہے۔

یہ دنیا دار فانی ہے، ہزاروں روزانہ آتے ہیں اور اپنی حیات مستعار کے ماہ وایام گزار کر دار بقا کی جانب رخصت ہوجاتے ہیں، ان میں بیشتر اپنی گمنامی اور ناقابل ذکر کارناموں کے سبب جلد ہی طاق نسیاں کی نذر ہوجاتے ہیں، جب کہ اپنے علمی کارناموں ،مخلصانہ جہود اور اپنے خوشہ چیں طلبہ کے یہاں ہردلعزیزی کے سبب ان میں سے بعض کے نقوش ذہن ودماغ پر تادیر ثبت رہتے ہیں، شیخ رحمہ اللہ ان ہی ہستیوں میں سے ایک تھے، جنہوں نے خلاق ارض وسماء کی جانب سے مختصر سی مدت پائی تھی، زندگی کی چار دہائیوں کو

عبور کیا تھا کہ تقدیر حائل ہوگئی اور اپنے معصوم بچوں، ہندو بیرون ہند دعوتی، تدریسی اور رفاہی وغیرہ مختلف میدانہائے عمل میں مشغول اپنے فیض یافتگان کو سسکتا بلکتا چھوڑ کر اچانک داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

جس طرح معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ۳۶ سال میں، ابراہیم تیمی ۳۸ سال میں، عمر بن عبدالعزیز ۴۰ سال میں، بدیع الزاں ہمدانی ۴۰ سال میں، امام حازمی ۳۶ سال میں، صاحب المحرر فی الحدیث امام ابن عبدالہادی ۴۰ سال میں، ابوالفتح السبکی ۳۹ سال میں، صاحب معارج القبول حافظ الحکمی ۳۶ سال میں، سلیمان بن عبداللہ بن شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب ۳۴ سال کی مختصر مدت میں رہتی دنیا تک یاد رکھے جانے والے کارناموں کو انجام دے کر آخرت کی جانب روانہ ہوگئے، اسی طرح ہمارے استاذ مکرم شیخ سعود رحمہ اللہ ۴۵ سال اس دنیا میں گزار کر رب کی ندا پر لبیک کہتے ہوئے اس دنیا سے چل بسے۔

آیئے آں محترم کی زندگی کے چند اہم گوشوں سے پردہ اٹھانے کی ایک معمولی کوشش ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

□□

نام: محمد سعود بن عبداللطیف بن عبدالعزیز

تاریخ ومقام ولادت: ۱۵/۵/۱۹۷۰ء بمقام آبائی وطن برہیٹ، ضلع صاحب گنج، جھارکھنڈ۔

تعلیم وتعلم: ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ اس کے بعد وطن مالوف ہی میں واقع مدرسہ اصلاح المومنین عالیہ میں مکتب کی تعلیم مکمل کر کے مدرسہ شمس الہدیٰ دلال پور میں عربی کے چند درجات تک کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دہلی جو اس وقت معہد التعلیم الاسلامی کے نام سے مشہور تھا، میں ۱۹۸۵ء میں ثالثہ متوسطہ میں داخل ہوئے اور یہاں تین سال تک علمی تشنگی بجھاتے رہے بالآخر ۱۹۸۷ء میں ثانیہ ثانویہ کی تعلیم مکمل کر کے جامعہ سلفیہ بنارس روانہ ہوگئے جہاں آپ نے فضیلت تک تعلیم مکمل کی، اس کے بعد جامعہ اسلامیہ مفتاح العلوم مئوناتھ بھنجن سے بھی سند فراغت حاصل کی اور دہلی میں قیام کے درمیان جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی سے عربی میں ڈپلومہ بھی کیا۔

ممتاز اساتذہ وشیوخ: آپ رحمہ اللہ نے کئی اہم اساطین علم وفن سے کسب فیض کیا۔ ان میں سے چند کے اسماء یہ ہیں: علامہ عبدالحمید رحمانی، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری، مولانا رئیس الاحرار ندوی رحمہم اللہ، ڈاکٹر خلیل الرحمن مدنی، مولانا عاشق علی اثری، مولانا عزیز الرحمن سلفی، مولانا عبدالحلیم اور مولانا محمد ابراہیم حفظہم اللہ۔

درس وتدریس: فراغت کے بعد آپ سب سے پہلے دارالکتاب والسنۃ پان منڈی، صدر بازار دہلی میں مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس کے بعد جامعہ ریاض العلوم دہلی میں کچھ دنوں تدریسی خدمات انجام دیں۔ وہاں سے منتقل ہو کر ایک سالہ آپ کا تدریسی دور جامعہ ریاض العلوم میساڈوری، بیربھوم بنگال میں گزرا، پھر وہاں سے آپ اپنی مادر علمی جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی میں تدریس کا فریضہ انجام دینے کے لئے تشریف لائے اور یہاں پر آپ نے مسلسل آٹھ سال تک پوری محنت وجانفشانی سے دیگر اضافی ذمہ داریوں کے ساتھ تدریس کا فریضہ انجام دیا، والدہ کی علالت کے سبب ان کی خدمت کی غرض سے وطن سے قریب رہنے کو ترجیح دی

اور بادل نخواستہ یہاں سے مستعفی ہونے پر مجبور ہوئے اور اپنے علاقہ کے گومانی سریکنڈ کے کلیہ ابوبکر صدیق اور کلیہ عائشہ میں پانچ سالوں تک تدریسی خدمات انجام دے کر والدین کی اجازت سے دوبارہ اپنی مادر علمی جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی کو زینت بخشی اور یہاں تقریباً تین سالہ مدت گزار کر والد کے حکم پر دوبارہ یہاں سے رحلت پر مجبور ہوئے اور ایک مدت تک کلیہ ابوبکر صدیق اور کلیہ عائشہ میں تدریسی سلسلہ کو بحال رکھا۔ وفات سے قبل مغربی چمپارن کے ایک مدرسہ منظر العلوم پرسا مرجدوا سے وابستہ ہوئے۔ رمضان میں آپ رحمہ اللہ مدرسہ کے تعاون کی خاطر دہلی تشریف لاتے تھے اور استاذ گرامی سے ملاقات کا حسین موقع دستیاب ہوتا رہتا تھا۔

شیخ رحمہ اللہ کا علمی مقام ومرتبہ: استاذ محترم بچپن ہی سے انتہائی محنتی طالب علم تھے، آپ کے ہم سبق ساتھی شیخ وسیم احمد سنابلی مدنی حفظہ اللہ جامعہ اسلامیہ سنابل میں آپ کے زمانہ طالب علمی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ہم طلبہ میں اپنی محنت، علم اور تواضع وخاکساری میں ممتاز تھے۔ ہمارے مابین نحو وصرف اور قواعد وغیرہ علوم میں مرجع سمجھے جاتے تھے، ساتھیوں کا مذاکرہ کرانا اور اسباق کے تعلق سے طلبہ کا آپ کی جانب رجوع کرنا آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ آپ کی محنت کا تذکرہ کرتے ہوئے استاذ الاساتذہ محترم ماسٹر محمد ثروت صاحب حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ لوگ کاغذات سے پھول بنانے کا ہنر سکھلانے کی غرض سے سنابل کے کیمپس میں آئے۔ وقفہ کی گھنٹی میں تمام اساتذہ وطلبہ میدان میں یکجا ہوئے اور ان کے جوہر دیکھ رہے تھے کہ کسی کلاس سے ایک طالب علم کے کچھ یاد کرنے کی آواز سنائی دی تو میں کلاس کی جانب گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ تمام طلبہ کو چھوڑ کر صرف مولانا سعود صاحب کلاس روم میں اسباق یاد کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ دریافت کرنے پر آپ نے جواب دیا کہ کچھ سبق یاد کرنے سے باقی تھا اسے پورا کرنے کی وجہ سے باہر نہیں نکل سکا۔ گویا امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد رشید یحییٰ بن یحییٰ الاندلسی کے قول کی روشنی میں کہ اندلس سے مدینہ اتنی دور کی مسافت طے کر کے ہاتھی دیکھنے نہیں آیا ہوں، آپ نے کہا کہ میرے والدین نے اتنی دور سے پھول پتی بنانے کے لئے نہیں بلکہ آپ ماہرین علم وفن سے کسب فیض کے لئے بھیجا ہے۔

زمانہ تدریس میں آپ کی ہمت اور بلند حوصلگی کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ ذمہ داران کی جانب سے تفویض کردہ ہر فن سے متعلق مطول ومختصر کتابوں مثلاً عقیدہ، نحو، صرف، حدیث، تفسیر، بلاغت اور منطق وفلسفہ بلا چوں چرا کے قبول فرماتے اور پورے مطالعہ کے بعد ہی کلاس میں تشریف لاتے تھے۔ بسا اوقات آپ کی مفوضہ کسی نئی کتاب کے تئیں طلبہ آپ سے تبدیلی کا مطالبہ کرتے تو آپ انہیں جواب دیتے کہ اگر میں قبول کرنے سے انکار کردوں تو لوگ کہیں گے کہ سعود محنت سے جی چراتا ہے۔ آپ کے تعلق سے انگریزی کے استاذ محترم ماسٹر رخسار عالم صاحب کا وہ جملہ آج بھی یاد ہے، آپ فرماتے تھے کہ شیخ سعود صاحب اتنے سادہ لوح ہیں کہ انگریزی جس میں آپ کی دلچسپی بالکل نہیں ہے اگر اس کی تدریس کا آپ کو مکلف بنادیا جائے تو تھوڑی دیر تامل کے بعد اس کی تدریس کے لئے تیار ہوں جائیں گے۔ آپ سخت سردی وگرمی میں لائٹ ہو یا نہ ہو عصر بعد مکتبہ جامعہ یا اسٹاف روم میں اپنے کمرہ میں مغرب بعد اور عشاء بعد کچھ دیر تک اور فجر سے کافی پہلے اٹھ کر پوری عرق ریزی اور دماغ سوزی کے ساتھ محو مطالعہ نظر آتے تھے، جو اس دور کے طلبہ کے لئے مقام عبرت تھا۔ آپ کا معمول تھا کہ صحیح مسلم جیسی کتاب کا طویل نصاب ہو یا کوئی اور کتاب، اوقات دوام میں ان کی

تدریس کا معاملہ ہو یا اضافی اوقات میں، آپ پوری سنجیدگی اور ہر ہر لفظ اور مسئلہ کی بابت بالاستیعاب گفتگو فرماتے۔ آپ کا درس انتہائی معلوماتی اور ہر گوشہ کو محیط ہوا کرتا تھا، ہر ہر سوال کا تشفی بخش جواب دیتے اور خارجی سوال سے متعلق آپ تھوڑی دیر خموشی اور اس کے بعد مختصر تمہید اور مدلل انداز میں پوری حاضر جوابی کے ساتھ جواب دیتے، اسلوب انتہائی نرالا اور اچھوتا ہوا کرتا تھا۔ جو آج بھی آپ کے تلامذہ کے ذہن پر نقش ہے۔ بعض دفعہ کچھ شوخ اور ظریف الطبع طلبہ آپ سے مسجع و مقفع جملے اور مشکل اردو کے الفاظ و محاورات سننے کی غرض سے آپ کو کلاس میں غصہ دلانے کی کوشش کرتے، پھر کیا تھا؟ بہت سارے کاپی قلم لے کر اور بعض ویسے ہی ان دلچسپ باتوں کو نوٹ کرتے تھے۔ گویا آپ کو عربوں کی صحبت میں رہ کر عربی بول چال کا ماحول نہیں مل سکا لیکن نادی الطبہ کی ہفتہ واری انجمن میں اشراف کے وقت جس طرح روانی اور طلاقت لسانی سے آپ طلبہ کی تقاریر اور تحریروں پر تبصرہ کرتے اور مفید و گرانقدر مناہج بحث سے طلبہ کو روشناس کراتے وہ آج بھی ذہن میں تازہ ہے۔

اخلاق و کردار: مولانا رحمہ اللہ انتہائی متواضع اور خاکسار انسان تھے، سادگی و سادہ لوحی آپ کی شخصیت کا جزء لاینفک تھا، طلبہ کی اصلاح و تربیت کے تئیں آپ انتہائی سخت تھے لیکن حد درجہ شفیق اور نرم دل بھی تھے۔ طلبہ کی غلطیوں پر زجر و توبیخ اور بعد میں اپنے کمرہ میں بلا کر مخلصانہ انداز میں پند و نصیحت کرنا آپ کا معمول تھا۔ آپ طلبہ کی تعلیم و تربیت اور ان کے مستقبل کے تئیں اس قدر فکر مند رہا کرتے تھے کہ بسا اوقات جب کچھ طلبہ کی شرارتوں سے آپ بہت پریشان ہو جاتے تو عمید جامعہ سے ان کی شکایت پر مجبور ہو جایا کرتے تھے۔ عمید جامعہ آپ سے مطالبہ کرتے کہ آپ ان تمام کے نام دے دیں تا کہ ان کے خلاف کارروائی کی جا سکے تو اس پر آپ خاموش ہو جاتے کہ کہیں ان بچوں کا اخراج نہ ہو جائے اور میں ان کی تعلیم کے ترک کرنے اور ان کے مستقبل کو تاریک کرنے کا سبب بنوں۔ آپ کے حسن خلق اور تواضع کا اعلیٰ نمونہ آپ کی وفات سے ایک دو دن پہلے آپ کی بیماری کے عام ہونے کے بعد کا ہے کہ علاقہ کے بچے، بوڑھے، مرد و عورت، ہندو مسلم سبھی لوگ امنڈ پڑے اور ہر کوئی آپ کی بیماری کو لے کر پریشان نظر آ رہا تھا بلکہ ایک غیر مسلم یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ مولانا کے علاج پر جو بھی خرچ آئے گا اس کی ذمہ داری میں قبول کرتا ہوں، آپ لوگ ان کا اچھی طرح علاج کرائیں۔

شیخ رحمہ اللہ کی دینداری: آپ ایک انتہائی نیک طبیعت کے انسان تھے، والدین کے حد درجہ مطیع و فرمانبردار کہ ان کی اطاعت اور خدمت کی خاطر دو دفعہ آپ جامعہ اسلامیہ سنابل جیسے ادارہ میں اپنے من پسند علمی ماحول کو ترک کرنے پر مجبور ہو گئے۔ زمانہ تدریس میں کئی دفعہ کھانے کی میز پر اساتذہ و طلبہ کے عام کھانے میں اگر کبھی اساتذہ کے لئے کوئی خاص چیز دیکھتے تو ملازم پر ناراض ہوتے اور واپس کرا دیتے اور کہتے کہ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرو کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہیے۔ آپ کی ایمانداری کا یہ عالم تھا کہ بازار یا کہیں اور سودا کے لئے جاتے تو حسب معمول واپس ہونے پر پورے خرچ کا جائزہ لیتے تھے۔ آپ کے برادر نسبتی مولانا ضیاء الحق فیضی صاحب لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میں قیام کے درمیان دریا گنج جرمن میڈیکل اسٹور سے دوا لینے کی غرض سے آپ کا جانا ہوا واپسی پر جب آپ نے حساب کا جائزہ لیا تو پچاس روپے زائد برآمد ہوئے تو آپ پریشان ہو گئے اور میڈیکل اسٹور پر موجود خاتون کو فون کر کے حقیقت حال

سے آگاہی چاہی۔ جب اس نے اپنے پورے دن کی آمدنی کا جائزہ لیا تو پچاس روپے کم ہوئے تو آپ نے اپنے برادر نسبتی کو کہا کہ آپ یہ رقم کل لے جا کر میڈیکل اسٹور کے حوالہ کردیں۔ آپ کی دینداری کا یہ عالم تھا کہ بچوں کی تعلیم کی بابت دینی تعلیم کے علاوہ کسی قسم کی تعلیم کے روادار نہ تھے۔ استاذ محترم ماسٹر محمد ثروت صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے موبائل فون سے بات کرتے تو کال طویل ہوتی یا قلیل ایک ایک پیسہ ادا کئے بغیر نہ رہتے اور یہی حال آپ کے دوسرے معاملات میں بھی تھا ؎

ایسے کہاں ملیں گے تمہیں نیک طبع لوگ
افسوس تم کو میرے سے صحبت نہیں رہی

مختصر یہ کہ آپ انتہائی بااصول، پابند صلاۃ، ہر وقت مطالعہ میں مشغول رہنے والے، طلبہ، اساتذہ اور عوام وخواص میں مقبول اور ہر دلعزیز تھے جس کی زندہ مثال آپ کی بیماری میں لوگوں کی امنڈنے والی بھیڑ اور پانچ ہزار سے زائد علماء، طلبہ اور عوام کا آپ کے جنازہ میں شرکت تھی۔ نیز کسی اہم عہدہ ومنصب، چھوٹی یا بڑی جمعیت یا بڑے مدرسہ سے عدم وابستگی کے باوجود تمام لوگوں کے یہاں عموماً اور آپ کے سنابلی خوشہ چیں طلبہ کے یہاں خصوصاً بلا رسمی اطلاع کے اچانک آپ کی وفات کی خبر جنگل میں آگ کی مانند پھیل گئی اور ہر خاص وعام آپ کی خوبیوں کے گن گانے لگا اور آپ کے حق میں دعاء ومغفرت کی صدائیں بلند ہوئیں۔

بیماری اور وفات حسرت آیات: آپ کے قریبی لوگوں کی جانب سے موصول اطلاع کے مطابق استاذ محترم رحمہ اللہ کے پیٹ میں ۴ مارچ بروز ہفتہ اچانک درد اٹھا (غالباً یہ درد اپنڈکس کا تھا) اور معمولی علاج کے بعد افاقہ ہوگیا لیکن چند ساعتوں کے بعد پھر سے دوبارہ درد شروع ہوگیا اور آپ کو ضلع مغربی چمپارن، کے ایک اسپتال میں علاج کے لئے لے جایا گیا، وہاں آپ کا الٹرا ساؤنڈ ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کی ایک آنت پھٹ گئی ہے، اس کے بعد ڈاکٹروں نے آپ کو پٹنہ ریفر کردیا، وہاں ڈاکٹروں نے سرجری کا فیصلہ کیا لیکن آپریشن تھیٹر (O.T.) میں داخل کرنے کے بعد چیک اپ سے معلوم ہوا کہ دل نے حرکت کرنا بند کردیا ہے۔ اس حالت میں سرجری کرنا ممکن نہیں ہے۔ ادھر چیک اپ ہو رہا تھا، سرجری کے ڈاکٹروں کی ٹیم موجود تھی مگر رب کو کچھ اور ہی منظور تھا، قضا حائل ہوتی گئی اور اپنے ہزاروں طلبہ، مستفیدین، ساتھیوں اور اعزاء واقرباء کو سوگوار چھوڑ کر ۸ مارچ ۲۰۱۶ء بروز منگل صبح ۶ بجے P.H.C. ہاسپٹل، پٹنہ میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پسماندگان: آپ رحمہ اللہ نے اپنے پیچھے اپنی بیوہ کے علاوہ پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا چھوڑا ہے جن میں ابھی صرف بڑی بچی کو رشتۂ ازدواج سے منسلک کرا سکے تھے بقیہ سب بچے چھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے، ان کے اہل خانہ کی کفالت فرمائے اور شیخ کی لغزشوں کو درگزر فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کے طلبہ کو آپ کے حق میں صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین۔

(ماہنامہ التبیان نئی دہلی، اپریل ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

مولانا خلیل الرحمن رحمانی جوار رحمت میں

مولانا عبدالحق عمری/مولانا عبدالودود مدنی

جمعیت اہل حدیث مدھیہ پردیش کے نامور عالم دین معروف شخصیت مولانا خلیل الرحمن رحمانی بتاریخ ۲۳ جولائی بروز سنیچر مختصر علالت کے بعد حرکت قلب بند ہونے سے ۸۶ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا عبدالودود مدنی حفظہ اللہ نے آپ کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ آپ فکری وتعمیری کارناموں کے لئے معروف تھے، جماعت وجمعیت اور منہج وعقیدہ ملت وانسانیت کے مخلص وہمدرد تھے، اصابت رائے ودور اندیشی کے لئے مشہور تھے سنجیدگی ومتانت وسادگی کے پیکر تھے۔

آپ کے دادا مولانا احمد اللہ صاحب پرتاپ گڈھی کے مشورہ پر آپ کو ہندوستان کی مشہور درسگاہ دارالحدیث رحمانیہ میں داخل کیا گیا لیکن مدرسہ بند ہوجانے کی وجہ سے سند فراغت حاصل نہ کرسکے اور مدرسہ بھوپال میں تعلیم مکمل کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد بلا اجرت ۴۰ سال اپنی بستی کی مرکزی مسجد میں امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ مدھیہ پردیش کے واحد اقامتی ادارہ مدرسہ فیض العلوم سیونی کے تادم حیات سرپرست رہے۔

ضلع جمعیت اہل حدیث سیونی کے دس سال امیر بھی رہے۔ صوبائی جمعیت مدھیہ پردیش کے امیر مولانا عبدالقدوس عمری وناظم عبدالصمد سوز وجملہ ذمہ داران واراکین صوبائی جمعیت نے نیز ذمہ داران مدرسہ فیض العلوم نے سخت رنج وغم کا اظہار کیا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ اور پسماندگان، اعزہ واقارب کو صبر جمیل بخشے۔ آمین۔ (عبدالحق عمری نائب ناظم صوبائی جمعیت ایم پی)

(جریدۃ ترجمان ۱۵۔ استمبر ۲۰۱۶)

جماعت کے بزرگ علماء کی قریب المنتہی کڑی مولانا خلیل الرحمن سیونی کا ۸۶ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ مولانا مرحوم دارالحدیث رحمانیہ کی یادگار کڑیوں میں سے تھے۔ آپ ۱۹۳۰ء میں موضع اری سیونی ایم پی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا محمد تقی مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی کے بھتیجے تھے۔ مولانا خلیل الرحمن رحمانی نے اپنے بھائی عطاء الرحمن کے ساتھ جامعہ رحمانیہ میں داخلہ لیا۔ ۱۹۴۷ء میں واپس گھر آئے، حالات معمول پر آگئے تو دہلی گئے مگر مدرسہ رحمانیہ ندارد تھا۔ مدرسہ سید نذیر حسین محدث دہلوی میں داخلہ لیا اور آخر میں بھوپال سے تعلیم مکمل کی اور آپ مولانا مختار احمد ندوی کے ہم درس تھے۔ آپ نے تعلیم وتدریس اور دعوت وارشاد کا مرکز سیونی کو ہی بنایا تھا۔ آپ مدرسہ فیض العلوم سیونی کے تاحیات سرپرست رہے۔ آپ کی عزت وتوقیر علاقے میں مسلّم تھی۔ آپ کو مرجع خلائق کا درجہ حاصل تھا۔ کبرسنی میں بھی آپ نشیط تھے۔

عبدالودود مدنی/صدر مدرس مدرسہ فیض العلوم سیونی۔ (نوائے اسلام/اگست ۲۰۱۶)

❑❑❑

باب پنجم

مرحومین اعیان جماعت و ہمدردان جمعیت ۲۰۱۶ء

جماعت کی بزرگ ہستی حاجی عباس صاحب پونہ نہ رہے

محسن جماعت جناب عبدالشکور بھائی رئیس پونہ و برادران کو صدمہ

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

شہر پونہ ہندوستان کا ایک علمی وتمدنی شہر ہے اور پورے ملک میں اپنی تاریخی، تہذیبی اور کاروباری سرگرمیوں کی وجہ سے معروف ومشہور ہے۔ یہاں پر مسلمانوں کی قابل قدر آبادی ہے اور ان کی تعلیم گاہیں ہیں اعظم کیمپس اور دیگر ادارے اس کی عالمی شہرت کا ذریعہ ہیں۔ مگر بدقسمتی کہیئے کہ یہاں توحید وسنت اور خالص اسلام کی نمائندگی اور اس کی نشر واشاعت کی کوئی قابل ذکر تاریخ ہمیں دستیاب نہیں ہے۔ کم وبیش تیس چالیس سال پہلے یہاں توحید وسنت اور اس کی دعوت کا کوئی تذکرہ ڈھونڈنے سے نہیں ملتا حالانکہ اس فترہ میں یہاں مسلمانوں کی قابل قدر آبادی تھی۔ اللہ جزائے خیر دے گونڈہ، بستی، سدھارتھ نگر اور مشرقی ہندوستان کے ان اہل حدیث جیالوں کو جنہوں نے تین چار دھوں پہلے یہاں بغرض تجارت سکونت اختیار کی اور اپنی تجارت کے ساتھ ساتھ توحید وسنت کی نشر واشاعت اور اس کی دعوت کو عام کرنے کی فکر مندی بھی کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم یہاں دعوتی گہما گہمی بھی دیکھ رہے ہیں اور جماعت کی مسجدیں بھی بڑی تعداد میں آباد ہیں اور توحید وسنت کی دعوت بھی عام کی جارہی ہے۔ انہیں اہم شخصیات میں سرخیل اور قافلہ سالار کی حیثیت سے محسن جماعت جناب عبدالشکور صاحب رئیس پونہ وچیئرمین المنار اسکول کے والد محترم حاجی عباس صاحب بھی ہیں جنہوں نے اپنے فرزندان باوقار کے ساتھ شہر پونہ ومضافات میں توحید وسنت کی شمع روشن کی اور دھیرے دھیرے یہ شمع ایک عظیم تاریخ میں تبدیل ہوگئی اور اس کی روشنی سے پورا علاقہ منور ہوگیا۔ آپ کی کاوشوں کے نتیجہ میں مسجد اہل حدیث موروا ڑی، جامع مسجد اہل حدیث اور المنار اسکول وشعبہ تحفیظ پوار بستی، مسلم قبرستان اور اس کے بعد کئی مسجدوں کا قیام عمل میں آیا اور آج بڑے پیمانے پر دعوت حق کی آبیاری کا کام چل رہا ہے۔ اور ان شاء اللہ العزیز آپ کی اور آپ کے فرزندان وافراد خانہ بالخصوص محسن جماعت عالی جناب عبدالشکور صاحب، ذکر اللہ بھائی، حبیب بھائی اور دیگر احباب جماعت اور علماء بشمول مولانا سعید احمد سلفی، عبدالخالق بھائی اور پونے کی حالیہ سرگرمیوں کو نئی تحریک دینے والے برادرم ابوزید ضمیر ودیگر رفقاء کی کاوشیں تاریخ کے صفحات پر جلی حروف میں لکھی جائیں گی۔ اللہ قبول فرمائے۔

بڑے افسوس کے ساتھ یہ خبر لکھی جارہی ہے کہ جماعتی استحکام اور عظیم قربانیوں کے سرخیل حاجی عباس صاحب پونہ اب ہمارے

درمیان نہ رہے۔ اور ۵ جولائی ۲۰۰۹ء کو عمر کی ۷۵ بہاریں گزار کر اس دار فانی سے رخصت ہو کر مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم اغفر لہ واسکنہ الفردوس۔ اللہ تعالیٰ فرزندان عالی وقار کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ذیل میں جریدہ ترجمان دہلی میں آپ کی وفات پر شائع شدہ رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:

محترم عبدالشکور صاحب رئیس پونہ کے والد ماجد جناب حاجی عباس کا تقریباً ۷۵ سال کی عمر میں پونا مہاراشٹر میں ۲۹ رمضان مطابق ۵ جولائی ۲۰۱۶ء کو انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے صاحب زادگان میں عبدالشکور، ذکر اللہ اور حبیب صاحب ہیں اور تین بیٹیاں ہیں جن کی شادی ہو چکی ہے۔ تینوں بھائیوں کو اللہ نے دین ودنیا کی نعمتوں سے نوازا ہے اور دل کھول کر اپنی تجارت کے ساتھ نیکی کے کاموں میں مشغول رہتے ہیں جماعتی کاموں میں ان تینوں حضرات کو کافی دلچسپی اور لگاؤ ہے اسی جماعتی لگاؤ کی بنیاد پر آپ تینوں بھائی ہمہ وقت کتاب وسنت کے فروغ کے لئے کوشاں رہتے ہیں، جماعت وجمعیت اور تعلیم وتعلم کے کاموں کو پروان چڑھا کر خوش ہوتے ہیں۔ اپنے والد ماجد کی حسن تربیت، تلقین وترغیب کی وجہ سے اللہ کے راستہ میں دل کھول کر خرچ کرتے ہیں اور ان کی نصیحتوں اور وصیتوں کی وجہ سے ہر طرح کے لایعنی امور سے گریز کرتے ہوئے دعوت وتبلیغ، علم دین اور عصری تعلیم کے نشر واشاعت میں سرگرداں رہتے ہیں، عدیم الفرصتی کے باوجود علماء، مدرسین، خطباء واعظین، فقراء اور مساکین کی دلجوئی اور دادرسی کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں، ان صاحبان کو جذبہ خیر، سخاوت وفیاضی، جماعت کی تعمیر وترقی کی لگن وفکر والد ماجد حاجی عباس صاحب سے ورثہ میں ملی ہے۔ ان کے بیٹوں کے علاوہ تین بیٹیاں ہیں آپ کے مالی صدقہ جاریہ کے علاوہ نیک اولاد بھی صدقہ جاریہ ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، مگر تین چیزوں کی وجہ سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے صدقہ جاریہ، نفع بخش علم اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔ (جریدہ ترجمان ۱۵۔۱/اگست ۲۰۱۶)

□□□

میرے نانا مرحوم: الحاج عباس علی چودھری رحمہ اللہ پونہ

عبدالخالق خان پوار بستی پونہ

یہ خبر انتہائی المناک ہے کہ شہر پونہ کی ایک عظیم شخصیت جناب الحاج عباس علی چودھری (والد بزرگوار عالی جناب عبدالشکور چودھری و برادران) کم وبیش ۷۵ سال کی طویل عمر پا کر بتاریخ ۵ رجولائی بروز منگل اچانک دل کا دورہ پڑنے سے اپنے دولت کدہ پر اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف انتہائی دین پسند اور کتاب وسنت پر سختی سے عمل پیرا رہنے والے اور شعائر اسلام کے پابند تھے یوں تو آپ کی پیدائش ضلع سدھارتھ نگر کے ایک معروف گاؤں اجگرا میں ہوئی اور وہیں پروان چڑھے اور بڑے ہوئے مگر سن شعور کے بعد ہوش سنبھالا تو حالات اور زمانے کی مجبوری کی وجہ سے ممبئی کسب معاش اور روزی کی تلاش میں نکل پڑے۔ ۱۹۵۵ء کے آس پاس آپ ممبئی پارلا پہنچے۔ انتہائی محنتی اور لگن وجذبۂ عمل والے تھے، بڑی دلجمعی سے اپنا کاروبار شروع کردیا اللہ نے راستے کھول دیئے، معاملات ہموار ہوتے گئے، ترقی کی راہیں کھل گئیں۔ روزی کمانے کے ساتھ ساتھ آپ نے بچوں کی تعلیم وتربیت پر کافی دھیان دیا۔ ایک طویل عرصہ یہاں گزارنے کے بعد ۱۹۹۶ء میں آپ پونہ چلے آئے اور یہیں پر تادم حیات زندگی گذاردی۔

پونہ آنے کے بعد آپ نے جماعتی اور دعوتی کاموں کی طرف توجہ دی۔ اور اس میدان میں کئی کارنامے نمایاں انجام دیئے ہیں ،سب سے اہم موروا ڑی کے علاقے میں مسجد عمر بن خطاب کے نام سے ایک عظیم اور شاندار اہل حدیث مسجد ومرکز کا قیام ہے۔ آپ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پوار بستی میں المنار ایجوکیشن سوسائٹی اور مسجد اہل حدیث کی تعمیر اور اس کی تاسیس میں آپ کا بڑا اہم رول ہے۔ قبرستان نہ ہونے کی وجہ سے وہاں لوگوں کو کافی پریشانی تھی، چنانچہ موشی روڈ پر مسلم قبرستان کی خریداری اور تزئین میں آپ پیش پیش رہے۔ آج ایک وسیع وعریض اہل حدیث قبرستان پوری سہولیات کے ساتھ موجود ہے۔

آپ کا تعلق ایک دیندار اور اچھے گھرانے سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وسائل کی فراہمی بھی عطا کر رکھی تھی مگر تواضع اور خاکساری کے ساتھ زندگی گذاردی اور صوم وصلوۃ کے پابند رہے۔ اور نیکی وخیر کے کاموں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ انتہائی خلیق وملنسار اور کھلے دل، مسکراتے چہرے والے ایک دردمند انسان تھے۔ فرائض کے ساتھ نوافل ومستحبات پر عمل پیرا رہا کرتے تھے۔ ایک لمبی عمر پائی اور عمل وکردار بلند رہا گویا کہ حدیث رسول من طال عمرہ وحسن عملہ کی آپ سچی تعبیر تھے، مگر موت سے کس کو رستگاری ہے۔ وقت پورا ہوگیا اور عمر کی ۷۵ بہاریں گزار کر رب العالمین کو پیارے ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین۔

تقبل یارب العالمین۔ □□□

محسن جماعت الحاج عبدالقیوم کوڈیا جوارِ رحمت میں

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی (ممبئی)

جماعت اہل حدیث کے ایک بزرگ محسن مختلف مساجد ومدارس کے ٹرسٹی وبانی، صحاح ستہ ودیگر کتب حدیث پر سلفی تحشیہ کے اعداد وترتیب اوراس عظیم علمی مشن کے سرپرست وروح رواں جناب عبدالقیوم کوڈیا لکڑاوالا ممبئی کا ۵ نومبر ۲۰۱۶ء کو کئی دنوں کی علالت کے بعد صبح ۸ بجے انتقال ہوگیا۔(انا للہ وانا الیہ راجعون)

آپ کی نماز جنازہ امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی مولانا عبدالسلام سلفی کی امامت میں ادا کی گئی اور ہزاروں سوگواروں کے ہجوم میں بعد نماز ظہر بڑا قبرستان مرین لائن ممبئی میں سپرد خاک ہوئے۔ ''خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را''

آپ کا مختصر سوانحی خاکہ افادۂ عام کے لئے ہدیۂ قارئین ہے۔

نام ونسب: عبدالقیوم بن سلیمان کوڈیا (عرف لکڑاوالا)

آبائی وطن: جام نگر گجرات۔

تاریخ ومقام پیدائش: ۱۶/جولائی ۱۹۴۰ء کو گھوگھاری محلہ پائیدھونی میں پیدا ہوئے۔

تربیت ونشوونما: ۱۹۴۱ء میں والد کی وفات ہوگئی، اس لئے نانا، نانی کی پرورش میں پروان چڑھے۔

۱۹۵۵ء میں نانا، نانی کے فوت ہونے کے بعد آپ کے ماموں نے آپ کی کفالت کی۔

۱۹۶۴ء میں ممبئی میں آپ کا نکاح ہوا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ۵ لڑکے اور چار لڑکیوں سے نوازا۔ آپ کے صاحبزادے سلیم بھائی کوڈیا شہر ممبئی کے ایک معروف تاجر اور جماعتی خدمت میں اپنے والد کے نقش قدم پر رواں دواں ہیں۔

تعلیم: (۱) ابتدائی تعلیم درجہ چہارم تک گجراتی میڈیم سے جام نگر گجرات میں حاصل کی۔

(۲) اس کے بعد پانچویں سے بارہویں تک کی تعلیم ممبئی میں مکمل کی، اس وقت کالجز اور اسکولوں میں فارسی کی بھی تعلیم ہوتی تھی۔ آپ نے فارسی بھی ساتھ ساتھ پڑھی۔

علماء کی صحبت اور اہل علم کی مجلسوں کے شائق تھے۔ رب العالمین نے آپ کو مشہور ومعروف محدث مولانا عبدالجلیل سامرودی کی بارگاہ علم میں پہونچنے کا موقع دیا۔ اور پھر اس قدر متاثر ہوئے کہ تقلید کی بندشوں سے نکل کر مسلک حق پر گامزن ہوگئے اور تاحیات اس کی خدمت میں لگے رہے۔

اکابرین علماء جن سے فیض یاب ہوئے: (۱) مولانا عبدالجلیل سامرودی، (۲) مولانا محمد داؤد راز (شارح بخاری)، (۳) مولانا مختار احمد ندوی، (۴) مولانا عبدالحمید رحمانی، (۵) ڈاکٹر عبدالعلی ازہری (لندن)، (۶) شیخ محمد عزیز شمس

(مکہ)، (۷) مولانا عبدالمتین میمن جونا گڈھی (بنگلور)، (۸) مولانا حامد میمن جونا گڈھی، (۹) مولانا یعقوب میمن جونا گڈھی، (۱۰) ڈاکٹر وصی اللہ عباس (مکہ)، (۱۱) ڈاکٹر عبدالرحمن فریوائی، (۱۲) مولانا شیر خان جمیل عمری (لندن)، (۱۳) شیخ احمد (مدینہ) اور اس کے علاوہ دیگر اساطین علم وفن اور آپ سے ملاقات کے لئے آنے والے مہمان علماء وخطباء کی مجلسوں سے بھرپور فائدہ اٹھاتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلکی غیرت اور اس کی نشر واشاعت کا رب العالمین نے آپ کو جذبہ فراواں عطا فرمایا اور اس کے مطابق خدمت دین کی توفیق بھی ملی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین۔

خدمات وذمہ داریاں: (۱) مسجد غرباء اہل حدیث میمن واڑہ کے قیام کے بعد مولانا سامرودی کی ایماء پر آپ کو امیر جماعت منتخب کیا گیا اور کچھ سالوں تک آپ امیر رہے۔ (۲) گجرات کے مشہور شہر سورت میں واقع دارالعلوم محمدیہ عربیہ محلہ لوہار شری سنگرام پور کے صدر نشین رہے۔ (۳) جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں جیسی عظیم الشان دینی درسگاہ کی نظامت علیا کی ذمہ داری بھی کچھ دنوں تک بحسن وخوبی انجام دی۔ (۴) ۲۰۰۳ء میں مرادآباد یوپی میں جماعتی مدرسہ نہ ہونے کی وجہ سے لڑکیوں کا ایک ادارہ بنام ''مدرسہ فاطمۃ الزہراء'' اور دوسرا ادارہ بنام ''ماریہ گرلس انٹر کالج'' قائم کیا اور تاعمر اس کی نگرانی اور تعلیمی ترقی کے لئے وہاں گاہے بگاہے پیرانہ سالی کے باوجود آتے جاتے رہے۔ (۵) آپ کی سب سے عظیم خدمت جو ایک مشن اور تحریک کی شکل میں آپ نے شروع کیا تھا اور صحاح ستہ پر سلفی تحشیہ اور اس کی ترتیب واشاعت کے لئے اہل علم سے علمی خدمات کا حصول ہے جو ابھی تاحیات جاری تھی۔ اللہ کرے کہ آپ کا یہ مشن پایہ تکمیل کو پہنچے اور جماعت اس علمی اور تحقیقی خدمت سے بہرہ اندوز ہو۔

آپ نے ایک اشاعتی علمی مکتبہ دارالسلام کے نام سے قائم کیا تھا جہاں سے مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں: (۱) ضوء المصابیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، (۲) الاتقان فی صحاح جامع شعب الایمان، (۳) مختصر شعب الایمان بنام ایمان محمدی، (۴) مجموعہ صحیح مشکوٰۃ المصابیح، (۵) زہرۃ ریاض الابرار مایغنی الناس عن حمل الاسفار، (۶) بلوغ المرام انگلش، (۷) وظائف محمدی، (۸) طلاق، (۹) نبی کی نماز، (۱۰) قوانین شرح محمدی، (۱۱) اللہم، (۱۲) ۳ زبانوں میں قرآن وحدیث سے مزین اسلامی کیلنڈر، (۱۳) ان کے علاوہ انگریزی زبانوں میں کئی رسالے اور پمفلٹ بھی شائع کئے تھے، (۱۴) علامہ سامرودی کی شرح مشکوٰۃ بھی چھپوائی ہے جو مرکزی جمعیت سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ صحاح ستہ پر تحشیہ کی ذمہ داری بھی ماہرین فن اور اساطین علم کو دی تھی۔

صحیح ڈھنگ اور منظم طریقہ پر جماعتی کام کرنے کا جذبہ رکھتے ہوئے، کئی مرتبہ آپ کی مجلسوں میں بعض جماعتی امور کے متعلق حاضری کا موقع ملا، بے حد فقیہانہ اور حکیمانہ گفتگو کرتے اور طول طویل مختتوں سے بچتے ہوئے مسئلہ کی جڑ تک پہنچنے کی کوشش کرتے۔ ایسے مواقع پر آپ کی جماعتی دردمندی، فکرمندی، اور حق وانصاف پر مبنی گفتگو قابل دید اور مستند تھی۔ جب بھی ملاقات ہوتی بڑی قدردانی، اہل علم کے تذکرے اور جماعتی کام اور اس کی ترقی اور تنظیم کے تئیں بھرپور بحث وگفتگو ہوتی۔ رب العالمین آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین۔

وفات: ۵/نومبر ۲۰۱۶ء صبح ۸/بجے رب العالمین کا بلاوا آگیا اور ہزاروں نیک خدمات سمیٹے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین۔ □□

آہ! محسن جماعت اسماعیل لکڑاوالا اب نہ رہے

مقصود علاء الدین سین

عروس البلاد ممبئی کی مشہور ومعروف شخصیت اسماعیل بھائی لکڑاوالے یوں تو غرباء جماعت سے جڑے تھے اور برسوں تک ممبئی میں اس کے میر کارواں رہے، مگر ہمیشہ بحیثیت ایک توحید پرست جماعت اہل حدیث اور اس کے مساجد واداروں اور دعوتی وتعلیمی کاموں کو پسند کرتے تھے اور کافی تعاون فرماتے تھے اور سب سے بڑی خوبی یہ کہ اپنے پورے خانوادہ کی اسی طرح تربیت کی تھی۔ انور بھائی، ابراہیم بھائی، عثمان بھائی ودیگر اخوان آج بھی اپنے دینی جذبات اور جماعت کے دعوتی واشاعتی مشن سے مضبوط تعلق رکھنے اور ہمہ وقت اس کی مدد کرنے کے لئے مشہور ومعروف ہیں۔ اور جماعتی کاموں اور اس کے استحکام میں کافی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

رب العالمین آپ کے والد ماجد کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب کرے اور تمام بھائیوں کو دنیا وآخرت کی رحمتیں وبھلائیاں عطا فرمائے۔ آمین (مرتب)

❑

۱۲ رنومبر عصر بعد کوکن اسلامک لائبریری کھیڈ، رتنا گیری میں شیخ عبدالواحد انور یوسفی ودیگر ذمہ داران کے ساتھ مرکز الدعوۃ کے مسائل پر تبادلہ خیال کر رہا تھا کہ تقریباً پانچ بجے برادرم ایاز قاضی کا فون آیا اور انہوں نے یہ غمناک خبر سنائی کہ جناب اسماعیل بھائی لکڑا والا کا ابھی تھوڑی دیر پہلے انتقال ہوگیا ہے۔ بے ساختہ زبان سے "انا للہ وانا الیہ راجعون" کے کلمات نکلے۔

تھوڑی دیر بعد پھر ان کے صاحبزادے انور لکڑاوالا صاحب کا فون آیا انہوں نے بھی یہی خبر دی اور کہا مولانا عبدالسلام سلفی صاحب کا فون نہیں لگ رہا ہے تم انہیں خبر دیدو کہ تدفین رات نو (۹) بجے ہوگی۔ میں نے بتایا کہ مولانا عبدالسلام یوپی کے سفر پر ہیں اور میں کوکن میں ہوں، تو وہ بولے کوئی بات نہیں آپ اپنی ترتیب سے آیئے کوئی جلدی مت کیجئے، پھر بھی میں نے فوراً ریلوے اسٹیشن جاکر ٹرین پکڑنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔

اسماعیل بھائی کافی دنوں سے علیل تھے اور بستر پر ہی تھے۔ میری آخری ملاقات ۵ رنومبر کو جناب عبدالقیوم لکڑاوالا کی تدفین کے بعد امیر جمعیت شیخ عبدالسلام سلفی، عبدالحمید خان، شیخ محمد مقیم فیضی، شیخ عنایت اللہ مدنی، شیخ محمد رحمانی، شیخ عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی کے ہمراہ ہوئی تھی جب ہم سب ان کی عیادت کے لئے ان کے گھر گارڈن ہال ناگپاڑہ گئے تھے، اس وقت وہ غنودگی کی حالت میں تھے۔

متوسط قد، چہرے پر سفیدی شرعی داڑھی، سفید قمیص اور پتلون، سر پر ٹوپی، اسلامی وضع قطع کے پابند اور بارعب شخصیت کے

مالک تھے اسماعیل بھائی لکڑاوالا۔

ان کا پورا نام اسماعیل محمد لکڑاوالا ہے، صوبہ گجرات کے ضلع راجکوٹ کے رین گاؤں میں ۱۹۴۰ء کو پیدا ہوئے، اور دس سال تک وہیں رہ کر چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی، اور ۱۹۵۰ء میں اپنے والد کے ساتھ ممبئی آئے ممبئی آنے کے بعد دو تین سال تک تعلیم حاصل کی، غالباً ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ پھر والد صاحب کے ساتھ لوہے کا کاروبار کرنے لگے اور کچھ عرصہ بعد خود اپنا Buliding Demolitaion کا کام شروع کیا، پھر پرانے لکڑے اور پترے وغیرہ کا کام بھی شروع کیا۔ جری مری، کرلا، ممبئی مختلف جگہوں پر دکانیں کھولیں، ایک عرصہ بعد ان کی اولاد موسیٰ، انور، عثمان وغیرہ بھی کاروبار سے جڑ گئے تو کرلا میں فوزیہ ہسپتال قائم کیا، نیز کنسٹرکشن کمپنی قائم کر کے تعمیراتی کام بھی کرنے لگے، ممبئی کے مختلف علاقوں میں کئی ٹاور اور بلڈنگیں تعمیر کی ہیں، ان کی اولاد اب بھی اسی پیشے سے جڑی ہوئی ہے۔

یہ تھی ایک جھلک ان کی شخصیت اور کاروباری زندگی کی، اب دینی خدمات کے حوالے سے کچھ یادیں و باتیں سپرد قلم کرتا ہوں۔

اسماعیل بھائی پہلے حنفی دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتے تھے، ۱۹۷۰ میں ابو بھائی تیلی (یوسف بھائی کے بڑے بھائی) کے ذریعہ اہل حدیث ہوئے، اہل حدیث ہونے کے بعد مولانا عبدالجلیل سامرودی رحمہ اللہ، ان کے بیٹے مولانا عبدالرحمن سلفی و مولانا عبدالواحد صدری دہلوی رحمہ اللہ سے قریبی تعلق رہا اور ان ہی سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اس لئے جماعت غرباء اہل حدیث سے منسلک ہو گئے بلکہ بنیادی ذمہ داران میں سے رہے، اور زندگی بھر جماعت کی خدمت بھی کی، دعوت و تبلیغ اور دین کی نشر و اشاعت کا اچھا جذبہ رکھتے تھے، اسی لئے انہوں نے اپنے چھوٹے بیٹے ابراہیم کو جامعہ محمدیہ منصورہ میں داخل بھی کرایا تھا لیکن وہ وہاں تعلیم مکمل نہیں کر سکا۔ اہل حدیث ہونے کے بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں کے تعاون سے مدرسہ محمدیہ و مسجد اہل حدیث میمن واڑہ، مسجد اہل حدیث کلیان بلڈنگ گرانٹ روڈ، چیتا کیمپ، گولی بار سانتا کروز، جوگیشوری، گوریگاؤں، ملاڈ، ممبرا، انٹاپ ہل وڈالا، نیرول، گھوگھا مسجد (گجرات) وغیرہ قائم کیا اور ان مساجد و مدارس کو تکمیل تک پہنچایا۔ اسی طرح سورت سنگھر امپورہ کے مدرسہ اور احمد آباد کی جماعت کی بھی بنیادی مدد اور رہنمائی کرتے رہے۔ ممبئی میں جماعت اہل حدیث کے شایان شان اپنے خرچ پر ایک بڑا ادارہ قائم تو کر سکتے تھے لیکن اس کو سنبھالنا ایک بڑا کام ہے اس سے بہتر ہے کہ جماعت کے جو ادارے ہیں ان کو مضبوط کیا جائے اور صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی کے دعوتی کام میں تعاون کر کے اسے بڑھایا جائے۔ اس کے علاوہ دینی و فلاحی اور تعلیمی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور حتیٰ المقدور تعاون بھی کرتے تھے۔ ممبئی کے المومنہ گرلز اسکول کے قیام کے ابتدائی دنوں میں بھی اپنا تعاون اور مشورہ ذمہ داران کو دیتے تھے، جس سے ان کے حوصلے بڑھے۔

کوئی ضرورتمند پہنچتا تو اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے تھے کبھی کسی ضرورت مند خصوصاً علماء کے بارے میں ان کو معلوم ہوتا کہ ان کی مالی حالت اچھی نہیں ہے تو ان کو وقتاً فوقتاً مالی مدد ان کے طلب کیے بغیر بھی بھیجتے تھے، جو دور دراز رہتے ان کو بینک سے ٹرانسفر کرواتے، گجرات کے بعض حصوں احمد آباد وغیرہ میں قربانی کا بھی نظم کرتے تھے، اسی طرح کئی غریب طلباء کی کفالت بھی کرتے۔ کبھی اقامتی

مدارس میں کھانا یا اناج بھی بھجواتے۔ کچھ لوگوں کو میرے ذریعہ بھی نقدی وغیرہ بھجواتے تھے، کاش اس کا کوئی ریکارڈ موجود ہوتا تو وہ تاریخ کا حصہ بن جاتا لیکن اللہ کے یہاں سب درج ہے وہ ان کے لئے صدقہ جاریہ ہے ان شاء اللہ۔

ویسے میں پچھلے سولہ (۱۶) سالوں سے حصول معاش کے لئے ان کے صاحبزادے انور لکڑا والا کے ساتھ ان کی کمپنی سے جڑا ہوں، لیکن اسماعیل بھائی سے میرے تعلقات تقریباً ۲۳ رسالوں سے ہیں، اس لئے میں ان کو بہت قریب سے جانتا ہوں، مجھے ان کے ساتھ گجرات، دہلی، یوپی وغیرہ کا سفر بھی کرنے کا موقع ملا ہے۔

ان کی ایک بہت بڑی اور قابل ذکر خوبی یہ بھی تھی کہ جب کبھی ملک کے کسی بھی حصہ سے کوئی نئی مسجد یا مدرسہ کی تعمیر کے سلسلے میں تعاون کے لئے ان کے پاس کوئی آتا تو اس سے ساری تفصیلات لے کر اپنے تئیں تحقیق کرتے اور کام کی تصدیق ہونے پر خود تو بھرپور تعاون کرتے ہی تھے اپنے مخلص ساتھیوں خصوصاً یوسف بھائی تیلی، عبدالقیوم لکڑا والا، اقبال مکوانہ (جواب اس دنیا میں نہ رہے اللہ انہیں غریق رحمت کرے) اور عبدالقیوم گوشت والا وغیرہ سے بھی تعاون دلاتے تھے۔ کبھی فون کر کے پوچھتے اور ان کا تعاون بھی خود ہی ادا کرتے پھر ان سے لے لیتے۔ (جس سے ضرورت مند کا کچھ حد تک کام بھی ہوتا اور کسی کسی کا تو پورا کام ہو جاتا تھا) اور کبھی کبھی ادارہ کے ذمہ داران سے بات کر کے ان ہی کے پاس براہ راست بھیج دیتے۔

آج سے تقریباً بیس سال قبل میں نے بھی مرکز الدعوہ کے لئے سونس کھیڈ میں جگہ لی تھی تو مولانا عبدالحق قاسمی رحمہ اللہ کے کہنے پر ان کے پاس گیا تھا مجھے بھی اسی طرح اپنے ساتھیوں سے لے کر اور خود ملا کر ۲۰۰۰۰ (بیس ہزار) روپئے دیئے تھے اس وقت میرے لئے یہ بہت بڑا کام تھا اور مجھے بھی باقی پچاس ہزار کی رقم جمع کرنے میں حوصلہ ملا۔

ان کی اور ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ وسیع دل و دماغ کے مالک تھے، کئی جگہ کے جھگڑے اور اختلاف ختم کرنے اور صلح کرانے میں بڑا رول ادا کرتے تھے، ان کے وسیع دل و دماغ کا ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کے اور ان کے لڑکے انور لکڑا والا کے عمل اور جماعت کے لوگوں وعلماء سے تعلق و اچھے برتاؤ اور کوششوں سے غرباء اہل حدیث اور جمعیت اہل حدیث کے درمیان بعض مسائل کے اختلاف کی وجہ سے جو دوری تھی وہ بہت حد تک کم ہوئی، اور اب دونوں جماعتوں کے بیچ کافی خوشگوار تعلقات ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کے تیسرے صاحبزادے عثمان لکڑا والا صاحب صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے تین میقات سے خازن ہیں۔

صوبائی جمعیت کے امیر مولانا عبدالسلام سلفی صاحب سے بھی ان کا خصوصی تعلق تھا، بعض معاملات میں وہ مولانا عبدالسلام سلفی سے مشورہ بھی کیا کرتے تھے، اور مرحوم کے مولانا یعقوب جونا گڑھیؒ، مولانا مختار احمد ندویؒ اور مولانا عبدالحمید رحمانیؒ، مولانا عبدالحق قاسمیؒ، مولانا محمد امین ریاضی، قاری نجم الحسن فیضی، مولانا حیدر (گجرات) جیسے جمعیت و جماعت کے متعدد علماء سے ان کے اچھے تعلقات تھے جن کی ایک طویل فہرست ہے۔ مولانا مختار احمد ندوی نے کئی سال پہلے ایک لمبے عرصہ بعد جماعت کا پروگرام کیا تھا اس میں بھی اسماعیل بھائی پیش پیش تھے۔

ویسے عمومی طور پر جماعت کے اجتماعات اور کانفرنسوں میں شرکت کا شوق رکھتے تھے، دور دراز ممبئی کے باہر دہلی، گجرات اور کوکن

وغیرہ کے بھی جلسوں میں جاتے تھے بلکہ اس میں بھرپور تعاون کرتے بھی تھے۔

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی ''دین رحمت کانفرنس'' کے موقع پر جلسہ گاہ میں خود حاضر ہوکر انہوں نے اپنی سائٹ کے مزدوروں کو بلاکر عارضی وضوخانہ استنجاخانہ اور باتھ رومس بنوایا تھا اور عوام کے لئے کھانے کا بھی انتظام کرایا تھا۔

صوبائی جمعیت کا موجودہ آفس بھی انہی سے خریدا گیا تھا جس کا محل وقوع بہت اہم ہے اور وہ ایک قیمتی پراپرٹی تھی لیکن جمعیت کے لئے انہوں نے بہت ہی مناسب اور رعایتی قیمت پر دیدیا۔ اور اس میں اپنی طرف سے بھی گراں قدر تعاون فرمایا۔

بہت سی یادیں اور باتیں قابل ذکر ہیں لیکن یہ یاداشت اتنی مضبوط ہے اور نہ ہی قلم میں بہت زیادہ پختگی ہے کہ بروقت اور بہ عجلت کچھ تفصیلی مضمون لکھ سکوں۔

الغرض اسماعیل بھائی لکڑا والا پوری زندگی کاروبار کے ساتھ جماعت کی خدمت میں مشغول رہے، اپنی زندگی میں صوبائی جماعت غرباء اہل حدیث ممبئی کے دس سال ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۸ء تک امیر رہے اور پھر ایک لمبے عرصہ ۱۹۸۸ء سے ۲۰۱۰ء تک خازن بھی رہے۔

جماعت غرباء اہل حدیث کے علاوہ گجراتیوں کی گھانچی جماعت میں بھی ان کا ایک مقام ومرتبہ تھا، اس جماعت کے بھی پندرہ سے بیس سال صدر رہ کر ۲۰۰۵ء میں مستعفی ہوئے۔

زندگی کے آخری سالوں میں چار سال قبل ۲۰۱۲ء کو دل کا آپریشن ہونے کے بعد ان کی طبیعت پہلے جیسی نہ رہی، دن بدن طبیعت ڈھلتی گئی، آخری چند ماہ بستر علالت پر ہی رہے اور بالآخر قانون الٰہی (**كل نفس ذائقة الموت**) (الانبیاء) کے تحت ۱۲ر نومبر عصر بعد تقریباً (4:40pm) کو داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

موت کے قانون کا پابند قانون حیات
موت کی زد میں بہر لحظہ ہے پوری کائنات

انتقال کے بعد ان کے لڑکوں نے فیصلہ لیا کہ تجہیز وتکفین اور قبر کی تیاری میں جتنا وقت درکار ہے اس کے بعد تدفین کی جائے گی اور عشاء بعد نو (۹) بجے تدفین کے وقت کا اعلان کیا۔ جو عین سنت کے مطابق تھا کہ میت کی تدفین میں تاخیر نہ کی جائے۔ نماز جنازہ حافظ فیاض بصر نے پڑھائی۔

انہوں نے اپنے پیچھے ایک اہلیہ، پانچ لڑکے، (۱) موسیٰ (۲) انور، (۳) عثمان، (۴) محمد، (۵) ابراہیم اور دو لڑکیاں (۱) سلمہ (۲) فاطمہ نیز دو پوتے، گیارہ پوتیاں، دو نواسے اور چار نواسیاں چھوڑی ہیں۔ اللہ سب کو صبر کی توفیق دے۔

تمام لڑکے اللہ کے فضل سے والد محترم کی طرح دین مسلک اور جماعت کی فکر کرنے والے اور معاون ہیں، اللہ سب کو ثابت قدم رکھے اور مرحوم کے درجات کو بلند کرے اور ان کی تمام نیکیوں کو ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین۔

❑❑❑

والد مرحوم کی یاد میں

الحاج عبدالمعبود محمد بشیر خان ملگھیا، سدھارتھ نگر

ولادت: ۱۹۲۰ء وفات: ۸/جولائی ۲۰۱۶ء

نام ونسب: عبدالمعبود بن محمد بشیر بن محمد گلاب (بابا) خان۔

سن ولادت: ۱۹۲۰ء تقریباً

خاندانی پس منظر:

گلاب بابا اوران کے دیگر اخوان کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اہل خاندان کی طرف سے ظلم وجور بڑھتا گیا اوراس طرح یہ لوگ دین وایمان کی حفاظت کے لئے 'گوما' اسٹیٹ اترولہ میں اپنی زمینداری اور بھاری جائیداد چھوڑ کر ہجرت اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے۔ اس میں کچھ اپنے قریبی تعلق کی وجہ سے بڑھنی کے علاقہ میں اس زمانے کے مشہور چودھری بال جی (والد پپو چودھری) کے یہاں نوکری چاکری کرنے لگ گئے اور کچھ لوگ بجوا بیروا اور کچھ اونرھوا ضلع بلرام پور میں جابسے۔ محمد گلاب بابا کل پانچ بھائی تھے:

(۱) میرن بابا، (۲) سلیمان بابا، (۳) لالو بابا، (۴) جانے بابا، (۵) گلاب بابا۔

میرن بابا بجوا بیروا میں آباد ہوئے اور آج ان کا خاندان اوران کی نسل وہاں آباد ہے جو کسی زمانے میں مشہور ماہر فرائض مولانا عبدالرحمان بجوادی کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا اور دیگر تین بھائی سلیمان بابا، لالو بابا اور جانے بابا اونرھوا میں آباد ہوئے جو ضلع بلرام نزد پچپڑوا بازار ایک مشہور ومعروف اہل حدیث گاؤں ہے اور گلاب بابا بال جی چودھری کے مشہور اسٹیٹ واقع بڑھنی کے پاس آباد ہوئے، رفتہ رفتہ وہاں کی غیر آباد زمینوں کو خریدا اور آباد کیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں میں اپنی محنت ومشقت اور ایمانداری کی وجہ سے پورا قبیلہ زمیندار بن گیا۔ علاقے کے غیر مسلم زمینداروں کو یہ چیز راس نہ آئی کئی مرتبہ لڑائی جھگڑے ہوئے، قتل تک کی نوبت آگئی، مقدمات دائر کئے گئے مگر بفضل الٰہی کامیابی گلاب بابا اوران کے ابناء اور اہل قبیلہ کو ملی۔ چنانچہ یہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اپنی استقامت اور ثبات قدمی کی وجہ سے پورے علاقے میں بے حد مقبول ہوئے۔ رفتہ رفتہ اہل علم اور علماء وداعیان جماعت سے وابستگی بڑھی اور علماء کے قافلے یہاں آنے جانے لگے۔ اوراس طرح پورا خاندان صحیح عقیدہ اور سنت رسول کا شیدائی بنا اور مسلک اہل

حدیث کا داعی ومناد ہوا۔ بڑھنی کے علاقے میں چونکہ مولانا اظہر شاہ بہاری متوفی ۱۹۲۵ء کی دعوتی واصلاحی کاوشوں کے حسین تذکرے تاریخ اہل حدیث کے صفحات پر نقش ہیں اور جو کچھ بھی توحید وسنت کی باد بہار چلی ہے سب آپ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے اس کے بعد اس علاقے میں مولانا عبدالرحمان بجوادی (تلمیذ محدث عبدالرحمن مبارکپوری) جو کہ جماعت کے ماہر الفرائض عالم دین مانے جاتے تھے اور آپ کے مولد ومسکن بجوا گاؤں جو بڑھنی جھنڈا نگر سے دس کلومیٹر اور ملگھیا سے چار کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے وہاں میاں سید نذیر حسین کے تلامذہ میں سے مولانا محمد سعید بنارسی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا محمد بشیر سہسوانی تشریف لا چکے تھے اور مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی اور مولانا محمد یوسف شمس فیض آبادی (۱۳۰۰ھ۔ ۱۳۵۷ھ) تو بارہا اس علاقے میں تشریف لایا کرتے تھے۔ ۱۹۱۸ء میں مولانا محمد یوسف شمس فیض آبادی بڑھنی میں بغرض مناظرہ تشریف لائے اور بریلویوں اور احناف کو شکست دی۔ ۱۹۲۷ء میں اجلاس منعقد بڑھنی میں مولانا ثناء اللہ امرتسری، محدث کبیر علامہ محمد عبدالرحمن مبارکپوری، مولانا محمد جونا گڈھی، مولانا ابوالقاسم محمد سیف بنارسی، مولانا عبدالتواب غزنوی جیسی عظیم المرتبت شخصیتوں کی شرکت ہوئی۔

(کاروان سلف جلد اول ص: ۱۷ یادگار مجلہ ص: ۵۵، ۵۶، تذکرۂ نعمت ص: ۹۲)

اسی روح پرور اور ایمان افزاء ماحول میں اس خاندان کی نشوونما ہوئی اور والد صاحب کی پیدائش ہوئی۔ اور توحید خالص اور سنت صحیحہ کی محبت اور اتباع میں پروان چڑھے۔

اہل علم اور جماعتی علماء سے لگاؤ:

۱۹۲۰ء میں آپ کی پیدائش ہوئی اور سن تمیز کے اوائل میں ۱۹۲۷ء کو بڑھنی میں عظیم الشان کانفرنس ہوئی جس میں مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کی آمد کا غلغلہ تھا۔ والد صاحب کا بیان ہے کہ اس اجلاس میں اپنے والد محمد بشیر اور دیگر اہل خاندان کے ساتھ شریک رہے اور ان کے ساتھ مولانا امرتسریؒ کی پالکی دیکھنے کا بھی انہیں موقع ملا مولانا عبدالغفور بسکوہری، مولانا محمد زماں رحمانی، مولانا محمد اسحاق رحمانی، (چیوٹھوا) مولانا محمد حسن رحمانی (اونرھوا) مولانا عبدالجلیل رحمانی (ششہنیاں) مولانا امراللہ عارف سراجی (کونڈرا گرانٹ) مولانا پنجابی، مولانا رامپوری نیز ماہر فرائض مولانا عبدالرحمن بجوادی جیسے اساطین علم وفن کے زیر سایہ ہمیشہ جماعت ومسلک سے وابستگی رہی اور انہیں اکابرین کے نقوش زندگی سے توحید وسنت کی روشنی اخذ کرتے اور فیضیاب ہوتے رہے۔

اللہ کا فضل ہے کہ دینی، جماعتی اور سماجی ماحول میں پرورش وپرداخت کی وجہ سے آپ کو علاقہ میں بڑی عزت وقدردانی ملی، جس کی وجہ سے پورے علاقے میں دور دراز تک اور متعلقین ورشتہ داران میں مناسب پنچایتی فیصلوں کے لئے جانے پہچانے اور بلائے جاتے تھے۔ علاقے کے چھوٹے بڑے سیاست دانوں کے یہاں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اہل علم علماء، دعاۃ سے وابستگی، علماء نوازی، علم دوستی اور جماعت وملت کی بہی خواہی وہمدردی آپ کے رگ وریشے میں کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ستر، اسی، نوے کی دہائیوں میں ہمارا گھر اہل علم کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ڈاکٹر مقتدی حسن ازھری (بنارس) مولانا رئیس الاحرار ندوی (بنارس) مولانا ابوالعرفان محمد

عمر سلفی (بونڈیہار) مولانا عبدالحنان فیضی (جھنڈانگر) مولانا عبدالمبین منظر (سمرا) مولانا محی الدین (تلسی پور) مولانا عبدالحمید رحمانی (دہلی) مولانا عبدالرؤف رحمانی (جھنڈانگری) مولانا عبدالقیوم رحمانی (دودھونیاں) قاری عبدالمنان (شنکرنگر) مولانا ابوالبرکات (جھنڈانگر) اور مولانا عبداللہ مدنی (جھنڈانگر) رحمہ اللہ اجمعین جیسے اساطین علماء اور اس کے علاوہ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کے بیشتر اساتذہ بالخصوص مولانا مختار احمد مدنی، مولانا عبدالرشید سلفی، مولانا فضل حق مدنی، مولانا سلیم الدین مدنی (مرحوم) مولانا عبدالمنان سلفی، مولانا خورشید احمد سلفی، ودیگر علماء کی آمد سے ہمیشہ ہمارے گھر رونق رہا کرتی تھی۔ ایک زمانہ تھا کہ جب آپ کی علم دوستی مولانا منیر احمد خان (ہمارے چچازاد وخالہ زاد بھائی جواب مرحوم ہو چکے ہیں) کے واسطے ڈاکٹر مقتدی حسن ازھری جیسی عظیم المرتبت اور قلیل الاسفار شخصیت کو اپنے گھر کھینچ لائی۔ ۱۹۸۲ء کے آس پاس ڈاکٹر مقتدی حسن ازھری (مرحوم) اپنے بچوں سمیت تقریباً ہفتہ دنوں تک ہمارے گھر پر قیام پذیر رہے اور اپنے علم وعمل سے لوگوں کو فیضیاب کرتے رہے۔

مولانا رئیس الاحرار ندوی، مولانا محمد عمر سلفی (بونڈیہار) سے دوران تدریس جھنڈانگر میں آپ سے بے حد گہرے روابط تھے اور یہ دونوں بزرگان اپنے قدوم میمنت سے ہمارے گھر اور گاؤں کو رونق پہنچاتے رہے، اور اس طرح آپ کی پوری زندگی علماء کی صحبت، قدردانی، علم دوستی اور جماعت وجمعیت سے وابستہ رہی۔ اور ہمیشہ توحید خالص اور سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشر واشاعت اور اس کی خدمت میں لگے رہے۔ اور ملک میں ہونے والی بڑی چھوٹی تمام جماعتی کانفرنسوں میں شریک رہتے۔

گاؤں کے مدرسہ کی تعمیر وترقی اور انجمن تعلیمات دین سے وابستگی:

۱۹۶۲ء میں ہمارے یہاں مکتب کا قیام عمل میں آیا تو اس میں پیش پیش رہے، اور زندگی کے آخری وقت تک (بیماری کے آخری دس سال چھوڑ کر) ہمیشہ اس کی ذمہ داری سنبھالتے رہے گاؤں میں جامع مسجد اہل حدیث کی تعمیر، قبرستان کی زمین اور اس کی نگرانی نیز عیدگاہ کی تعمیر وتوسیع میں آپ نے گاؤں اور اہل خاندان کو ساتھ لے کر ہمیشہ قائدانہ کردار ادا کیا۔ اور تاحیات بچوں کی دینی تعلیم اور مکتب کی تعمیر وترقی میں لگے رہے اور انہیں جذبات کے پیش نظر انجمن تعلیمات دین کے بانی قاضی عدیل عباسی اور انجمن کے دیگر ضلعی اراکین سے ذاتی مراسم تھے ایک عرصہ تک انجمن کے ممبر بھی تھے، میٹنگوں میں جایا کرتے تھے، ہمارے یہاں مکتب کا سالانہ امتحان انجمن ہی کی نگرانی میں ہوا کرتا تھا۔

اسی طرح بڑھنی بازار کے چوراہے پر جب آبادی بڑھی اور وہاں لوگوں کو جمعہ جماعت کے لئے ایک مسجد کی ضرورت پیش آئی تو (بیرہوا) کے مرحوم ماسٹر عبدالمعبود کو ساتھ لے کر مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ سے بتوسط ڈاکٹر عبدالمبین خاں ایک مسجد کی تعمیر کے لئے بجٹ منظور کروانے میں کامیاب ہوئے اور الحمدللہ شاندار مسجد قائم ہوگئی جہاں ایک مدرسہ اصحاب صفہ کے نام سے جاری وساری ہے۔

الغرض دین محمدی اور اسلامی تعلیم کے بے حد دلدادہ تھے اور پورے علاقے میں مکتبی نظام تعلیم کے خواہاں اور اس کی تحریک میں ہمیشہ شریک کار تھے۔ اپنی اولاد، پوتے پوتیوں اور دیگر اہل خانہ کو ہمیشہ عمل صالح کی تلقین کرتے، خلاف شرع کام پر بے حد ناراضگی

بلکہ حد درجہ نفرت کا اظہار کرتے اور انسانیت نوازی کی تعلیم دیتے، آپ کی یہ عادت مبارکہ رہی کہ ہمیشہ دوسروں کے دکھوں کو اپنے سکھوں پر فوقیت دیتے اور بیواؤں، یتیموں کے ساتھ غمگساری کرتے اور طلبہ وعلماء کی بے حد قدردانی کرتے تھے۔ ۱۹۹۶ء میں حج بیت اللہ اور اس کی زیارت سے سرفراز ہوئے اور شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے میرے ساتھ عزیزیہ کی جامع مسجد میں ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اللہ تعالی قبول فرمائے۔

بیماری اور وفات:

کافی عرصے سے پروسٹیٹ یعنی پیشاب میں غدود کی بیماری کا عارضہ تھا۔ اور ہائی بلڈ پریشر کے مریض تھے مگر دوا علاج چلتا رہا اور چلتے پھرتے رہے اور دن کی نمازیں مسجد میں پڑھتے رہے، یہاں تک کہ قضاء آپہنچی، یکم جولائی ۲۰۱۶ء مطابق ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ کو اچانک بیمار پڑے، لکھنؤ لے جایا گیا، وہاں ایڈمٹ تھے صحت یاب ہوگئے اور واپس گھر لائے گئے پھر دو تین دنوں کے بعد ۸ رجولائی ۲۰۱۶ء بروز جمعہ واپس طبیعت بگڑی، لکھنؤ لے جانے کی تیاری تھی مگر اس بار آپ نے خلاف عادت سختی سے منع کردیا۔ بلا آخر شام سورج ڈھلے موت اور اس کی کٹھن گھڑیوں کو جھیلتے ہوئے مسلسل تسبیحات اور توبہ واستغفار کے کلمات ورد کرتے ہوئے اس جہان فانی سے رخصت پذیر ہوگئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

اللہ مغفرت فرمائے اور ہمیں آپ کا سچا جانشین بنائے آمین۔

دوسرے دن ۹ رجولائی بروز سنیچر ۲۰۱۶ء کو تدفین عمل میں آئی اور اپنے گاؤں کی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپ کے پسماندگان میں چھ بیٹے خاکسار عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی، مولانا عبدالرشید سراجی وغیرہم ہیں اور کئی پوتے پوتیاں ہیں جن میں عبدالسلام شکیل سلفی مدنی جو جالیات سعودی عرب میں داعی ہیں اور عزیزم جنید احمد رحمانی جو مدینہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کررہے ہیں، اللہ سبھوں کو نیک توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی۔ ممبئی
۲۰ دسمبر ۲۰۱۷ء

❑❑❑

استاذ گرامی ماسٹر ابوذر رحمہ اللہ نئی دہلی: مختصر سوانحی خاکہ

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

استاذ گرامی علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کے قائم کردہ ادارے معہد التعلیم الاسلامی ومرکز ابوالکلام آزاد کے اوائل مدرسین میں ہمارے استاذ ماسٹر ابوذر رحمہ اللہ بھی تھے۔ جو انگریزی زبان وادب کے ساتھ اردو پر بھی بہترین عبور رکھتے تھے اور مکمل اسلامی وضع قطع کے ساتھ عصری علوم کی تدریس میں رواں دواں رہتے تھے۔ معہد کے ابتدائی قیام کے زمانے میں ۱۹۸۴ سے ۱۹۸۷ء تک خاکسار کو بھی آپ سے خوشہ چینی کا شرف ملا اور جن اساتذہ کرام اور ان کی صلاحیتوں سے میں متاثر رہا ان میں آپ کا نام اور آپ کی صلاحیت بھی میری نگاہوں میں ہمیشہ گردش میں رہا کرتی تھی۔ معہد سے نکلنے کے بعد بھی آپ سے ہمیشہ دہلی آتے جاتے ملاقات رہی۔ وہی رنگ وروپ وہی اسلامی ماڈل اور وہی طرز گفتگو بڑا اچھا محسوس ہوتا اور سکون کا ذریعہ بنتا، ایسی مرنجان مرنج طبیعتیں آج کے زمانے میں عنقا نظر آتی ہیں، رب العالمین سے دعا ہے کہ آپ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ آپ کی مختصر سوانح ہدیہ قارئین ہے، امید کہ باعث استفادہ ہوگا۔

نام ونسب: آپ کا نام آخر الزماں بن انور حسین خاں ہے بعد میں رحمانی رحمہ اللہ نے آپ کا نام بدل کر ابوذر رکھ دیا اور اسی نام سے بعد میں مشہور ہوئے۔

پیدائش وآبائی وطن: ۶ جولائی ۱۹۶۱ء کو اپنے آبائی وطن برگدواسیف، پچپڑوا، ضلع گونڈہ حال بلرامپور میں پیدا ہوئے۔

تعلیم ولیاقت: ۱۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ ۲: ۱۹۷۵ء میں ہائی اسکول، لوک مانیہ تلک انٹر کالج پچپڑا گونڈہ سے پاس کیا۔ ۳: ۱۹۷۷ میں انٹرمیڈیٹ ایم پی بی انٹر کالج بلرام پور سے پاس کیا۔ ۴: بی اے ۱۹۸۲ء میں اودھ یونیورسٹی فیض آباد سے مکمل کیا۔ ۵: بی ایڈ ۱۹۸۸ء میں اتکل یونیورسٹی بھونیشور اڑیسہ سے کیا۔ ۶: آپ اردو ہندی وانگریزی زبانوں پر عبور رکھتے تھے اور بڑی اچھی صلاحیت کے مالک تھے۔ ۸: طریقہ تدریس بڑا نرالا عمدہ اور اچھوتا تھا اور افہام وتفہیم وطلبہ پر کمانڈ کی صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ انتہائی سنجیدہ اور منکسر المزاج اور حساس وذہین انسان تھے۔

خدمات وذمہ داریاں: ۱: ۱۹۷۷ ۔ ۱۹۸۲ء تک جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر نیپال میں مدرس رہے۔ ۲: ۱/اگست ۱۹۸۲ء سے تاحیات معہد التعلیم الاسلامی جوگابائی دہلی، مرکز ابوالکلام آزاد اور اس کے ذیلی اداروں بالخصوص جامعہ اسلامیہ سنابل سے وابستہ رہے اور تدریس وتعلیم کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اور یہیں پر وفات بھی ہوئی۔ ۳: مرکز کے ماتحت ادارہ کے مقدمات اور اس کی قانونی چارہ جوئی بھی آپ کے ذمہ تھی۔ ۴: پراپرٹی وجائداد اور اسکے ساتھ شعبۂ تعمیرات کی نگرانی بھی کرتے تھے۔ ۵: مرکز کے

حساب وکتاب اور واؤچرس کی چیکنگ وتصدیق بھی کیا کرتے تھے۔ ۶: مرکز کے ذیلی ادارہ خدیجۃ الکبریٰ پبلک اسکول کے اسسٹنٹ منیجر بھی تھے۔ ۷: ابوالکلام آزاد بوائز اسکول ابوالفضل انکلیو کے منیجر بھی برسوں رہے۔

وفات: ۱۲؍اگست ۱۹۸۲ء سے لے کر ۲۴ نومبر ۲۰۱۵ء تک آپ مسلسل مرکز اور اس کے اداروں سے وابستہ رہے اور اسکے بعد بیمار ہوگئے، علاج ومعالجہ چلتا رہا بالآخر ۲۰ اگست ۲۰۱۶ء کو ۵۵ سال کی عمر پوری کر کے اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اللہ مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے۔ آپ کی نماز جنازہ جامعہ اسلامیہ سنابل کے وسیع گراؤنڈ میں مولانا محمد رحمانی نے پڑھائی اور بٹلہ ہاؤس قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔ (ماخوذ از ماہنامہ التبیان دہلی ستمبر ۲۰۱۶ء، مجلہ سنابل نئی دہلی ۲۰۱۶۔۲۰۱۷)

❑❑❑

علمائے اہل حدیث کی سوانحی زندگی پر

مرتب کی ایک اہم ترین کتاب

خود پڑھیں اور دوسروں کو بھی تلقین کریں

فخرِ جماعت نازشِ سلفیت

علّامہ عبدالحمید رحمانی

ایک عہد ایک تاریخ

ترتیب

ابوالمظفر عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

باب ششم

علمائے موجودین ۲۰۱۶ء

محسن ملت ڈاکٹر بہاء الدین محمد سلیمان حفظہ اللہ تعالیٰ

مولانا شیر خان جمیل احمد عمری برطانیہ

یہ مضمون مولانا شیر خان جمیل عمری حفظہ اللہ نے ارسال کیا ہے۔ موصوف جماعت کے نامور عالم دین ہیں اور فی الوقت برطانیہ میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کے نائب ناظم ہیں۔ آپ کے قابل قدر کارناموں میں سے ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ کے جماعتی تاریخ اور تحریک ختم نبوت کے موسوعی عمل واشاعت میں معاونت، اشراف اور ہر طرح کی موادفراہمی اور اس عظیم عمل کی تکمیل میں بھرپور حصہ داری ہے۔ آپ کے شکریہ کے ساتھ یہ مضمون سالنامہ ۲۰۱۶ء میں شامل اشاعت ہے۔ (مرتب)

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی خاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔ اما بعد!

معزز قارئین! ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر جن کا قلمی نام ڈاکٹر محمد بہاء الدین ہے، بابائے تبلیغ حضرت مولانا عبداللہ گورداسپوریؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ تقسیم ہند سے کچھ عرصہ قبل دھاریوال ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں وڑائچ میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد آپ اپنے والدین کے ساتھ پاکستان منتقل ہوگئے۔ کچھ عرصہ رائے ونڈ میں رہنے کے بعد مستقل طور پر بورے والا (ضلع ملتان) میں جا بسے۔

آپ نے صرف ونحو اور ابتدائی دینی تعلیم، ترجمہ قرآن پاک، بلوغ المرام اور مشکوٰۃ شریف تک اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اور قاری خدا بخش سہارنپوری سے قرآن کریم ناظرہ پڑھا، ساتھ آپ نے عصری تعلیم بھی جاری رکھی، ۱۹۶۸ء میں بورے والا ڈگری کالج میں اول آنے پر گولڈ میڈل حاصل کیا، پھر پنجاب یونیورسٹی لاہور میں دو سال پڑھ کر علوم اسلامیہ میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور پورے پنجاب کے طلبہ میں امتحان میں اول پوزیشن حاصل کر کے یونیورسٹی گولڈ میڈل کے مستحق ٹھہرے۔ معلوم رہے کہ اس وقت پورے پاکستانی پنجاب میں صرف ایک ہی یونیورسٹی تھی۔ اسی یونیورسٹی میں ایک سال عربی کی مزید تعلیم حاصل کر کے فرسٹ ڈویژن میں ایم اے کر کے ڈبل ایم اے ہوگئے۔

ایم اے عربی کی تعلیم کے دوران ہی آپ کو جامعہ سلفیہ لائل پور (حالیہ فیصل آباد) میں انگریزی کے استاد کی حیثیت سے متعین کیا گیا، ساتھ میں جامعہ سلفیہ لائبریری کے انچارج کے ساتھ ساتھ طبع وتالیف کا بھی ذمہ دار بنا دیا گیا۔ اس موقع کو غنیمت جان کر آپ نے جہاں اس لائبریری میں موجود بیشتر کتب کھنگال ڈالیں، وہیں اس کی ترتیب وتزویید تنظیم اور ترقی میں بہت اہم رول ادا کیا۔

طبع وتالیف کے شعبہ سے آپ نے تھوڑے سے عرصہ میں درجن بھر کتابچے مختلف عنوانات پر شائع کروائے جن میں اسلام کا تصور قانون از مولانا غلام احمد حریری، مروجہ ماتم حسین اور اس کی شرعی حیثیت از مولانا محمد صدیق کرپالوی، برصغیر پاک وہند میں تحریک اہل حدیث اور اس کی خدمات از مولانا محمد اسماعیل سلفی، پروفیسر عبدالقیوم، شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت از پروفیسر محمد سلیمان اظہر، اہل حدیث کی نمایاں شخصیات از منیر احمد ایم اے گوجرانوالہ، اہل حدیث کی نمایاں شخصیات، از پروفیسر محمد سلیمان اظہر، برصغیر میں تعلیم وترویج حدیث از پروفیسر محمد سلیمان اظہر، عیدالاضحیٰ کے احکام ومسائل از مولانا محمد داؤد غزنوی۔ عیدالفطر کے احکام ومسائل از مولانا محمد اسماعیل سلفی وغیرہ شامل ہیں۔

فیصل آباد (لائل پور) قیام کے دوران عمیر اکیڈیمی کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ بنایا جس کے تحت کشف الاسرار بجواب نعیم الابرار، اور ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ شائع کیں۔ بعد میں منہاج السنہ کے نام سے طبع وتالیف کا ایک ادارہ بنایا، اس کے لیٹر پیڈ پر آپ کی ایک قلمی تحریر حال ہی میں ڈاکٹر عبدالرشید اظہر مرحوم کے کاغذات میں سے تلاش کر کے ان کے صاحبزادے حافظ مسعود حفظہ اللہ نے صاحب تحریر کو ارسال فرمایا ہے۔

بعد ازاں ڈاکٹر صاحب نے سیالکوٹ اور لاہور کے مشہور سرکاری کالجز میں بھی تدریسی فرائض انجام دیئے، لاہور کے قیام کے دوران آپ نے کالجوں اور نیورسٹیوں میں زیر تعلیم اہل حدیث طلباء کو منظم کرنے کے لئے کام کیا کیونکہ اہل حدیث جماعت کی کوئی ایسی تنظیم موجود نہ تھی جو عصری تعلیم کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کام کرتی ہو، ڈاکٹر صاحب نے جماعت کے اکابرین کے سامنے اس ضرورت کو اجاگر کیا اور جب وہ ایک ایم اے کرنے کے بعد دوسرے ایم کے طالب علم کی حیثیت سے یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے وولنر ہوسٹل میں مقیم تھے آپ نے مجلس طلباء ملت کے نام سے ایک تنظیم کی داغ بیل ڈالی اور لاہور کے مختلف تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم اہل حدیث طلباء کو اکٹھا کر کے اس کے انتخابات کروائے جس کی خبر ہفت روزہ اہل حدیث لاہور کے اپریل ۱۹۷۱ء کے ایک شمارے میں شائع ہوئی۔ یہی تنظیم بعد ازاں نام کی تبدیلیوں کے متعدد مراحل سے گزر کر اہل حدیث یوتھ فورس کی پیشرو ہے۔

اسی طرح پاکستان میں مدارس سلفیہ کے وفاق کی تجویز بھی آپ ہی نے سب سے پہلے تحریری شکل میں جماعتی قائدین کے سامنے پیش کی جو اخبار اہل حدیث لاہور میں شائع ہوئی۔ چند سال بعد انہی کے مجوزہ خطوط پر وفاق المدارس سلفیہ کا قیام عمل میں آیا جو ایک تن آور درخت بن چکا ہے۔

۱۹۷۶ء میں آپ کی تعیناتی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں ہوگئی جہاں آپ تاریخ اسلام اور تقابل ادیان کے مضامین ایم اے کے طلباء کو پڑھاتے رہے۔ حکومت پاکستان نے ۱۹۷۹ء میں آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے برطانیہ بھیجا اور آپ نے اڈنبرا یونیورسٹی سکاٹ لینڈ میں ۱۹۸۳ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور حسب معاہدہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور پاکستان لوٹ گئے۔ تین سال بعد دوبارہ برطانیہ تشریف لا کر اڈنبرا یونیورسٹی میں پوسٹ ڈاکٹورل فیلو کی حیثیت سے وابستہ ہو کر کئی سال تک ریسرچ کرتے رہے۔ اسی دوران

۱۹۸۷ء میں مولانا محمود احمد میر پوری ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کی دعوت وشدید مطالبہ پر جمعیت کے ساتھ منسلک ہوکر جمعیت کے انگریزی ماہنامہ سٹریٹ پاتھ کی اڈیٹنگ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب پنجاب یونیورسٹی اور پینٹل کالج میں مولانا محمود میر پوری کے نہ صرف معاصر تھے بلکہ بڑے قدرداں تھے اور مولانا میر پوری آپ سے تحقیقی وتصنیفی خدمات لینا چاہتے تھے بالخصوص انڈیا آفس لائبریری میں تحریک آزادی میں اہل حدیث کا جو لٹریچر موجود ہے اس کی تلاش وجستجو کا کام لینا چاہتے تھے لیکن کار حادثے میں ان کی شہادت کے بعد کسی وجہ سے یہ ممکن نہ ہوسکا۔

ڈاکٹر صاحب طالب علمی کے دور ہی سے تقریر وتحریر کے میدان میں ممتاز رہے ہیں۔ ہائی اسکول کی تعلیم کے دوران آپ نے سکول میں بیسٹ اوریٹر کا ایوارڈ حاصل کیا، ڈگری کالج کے میگزین الفرید کے اڈیٹر رہے، اور اس میں آپ کا انگریزی میں Predestination کے زیر عنوان ایک مضمون شائع ہوا۔

ایم اے اسلامک سٹڈیز میں آپ نے کم از کم دو سیمناروں میں مقالات پیش کئے۔ ایک مقالہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے منسوب تدوین فقہ والی کمیٹی کے بارے تھا، اور ایک وہابی تحریک پر تھا، ثانی الذکر مقالہ بعد ازاں ترمیم واضافات کے ساتھ اہل حدیث اور دیگر رسائل وجرائد میں شائع ہوتا رہا اور جامعہ سلفیہ سے بھی بصورت کتابچہ شیخ محمد عبدالوہاب اور ان کی دعوت کے عنوان سے شائع ہوکر مقبول عوام ہوا۔ ایم اے کے دوران ہی آپ کا ایک مقالہ یورپی علم وفن پر مسلم اثرات کے عنوان سے ہفت روزہ اہل حدیث میں شائع ہوا۔

آپ نے مضامین ومقالات بے شمار ہیں جن میں سے چند ایک کے نام یہاں درج کئے جاتے ہیں:

- شیخ محمد بن عبدالوہابؒ اور ان کی دعوت
- تحریک ختم نبوت میں مولانا محمد حسینؒ بٹالوی کی خدمات
- کنعان کنعانیوں کا ہے، فلسطین فلسطینیوں کا ہے،
- تحریک آزادی کی تاریخ مسخ کرنے کی کوشش،
- حضرت عیسیٰؑ تاریخ کے آئینہ میں،
- عبدالمطلب اور بنوخزاعہ کا باہمی معاہدہ اور عہد رسالت میں اسکے اثرات
- مولانا فضل حق خیر آبادی،
- پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی کون؟،
- سیدہ ام کلثومؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
- امام دار الھجرۃ
- حضرت موسیٰ علیہ السلام
- وہابی تحریک، حدیث نجد، شریف مکہ
- سرگزشت یہود، یہود کا مذہبی لٹریچر
- تحریک ختم نبوت، حقائق کے آئینے میں،
- حضرت عیسیٰؑ انجیل کے آئینہ میں،
- عہد رسالت کے قریش کی حربی صلاحیت،
- شاہ احمد رضا خان
- خلیفہ بلافصل سیدنا ابوبکر صدیقؓ کتب شیعہ کی روشنی میں
- انیسویں صدی کی واحد سیاسی جماعت
- علم نحو کا آغاز وارتقاء
- حضرت خضر علیہ السلام
- جنگ بدر میں حضرت عباسؓ کی شرکت کی نوعیت

- قلب بدر مہمات کے شرکاء اور مقاصد،
- سید احمد شہیدؒ کا سر کہاں دفن ہے
- تحریک ختم نبوت کے گم شدہ اوراق
- مہر علی گولڑوی یا محمد حسین بٹالوی
- ۱۹۰۰ء میں لاہور کا جلسہ عام
- تحریک ختم نبوت میں غزنوی علماء کا کردار
- غزنی کا سید
- جامع اموی دمشق
- حیات جاوید سے ایک اقتباس
- سید نذیر حسینؒ دہلوی: برصغیر میں اگر وہابی نہ ہوتے
- یہ الہامات اور پیش گوئیاں
- بنی اسرائیل کا مذہبی لٹریچر
- وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا
- تاریخ اہل حدیث کی تدوین: وقت کی اہم ضرورت
- مقدمۃ اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام
- مولانا محمود حسنؒ اور ان کی ایضاح الادلہ
- عہد رسالت کے مکہ میں قحط
- برطانوی ہند میں تنسیخ جہاد کی بحث
- تحریک ختم نبوت کے ابتدائی دو سال
- تحریک ختم نبوت کا میر کارواں کون؟
- مباحثہ دیوبند
- شیخ الکل کا سفر حج اور مقلدین کا متحدہ محاذ
- بالاکوٹ سے چمرقند
- اصحاب ثلاثہ کا سفر دہلی
- کوفیوں کے خطوط کدھر گئے؟
- محمد حسین بٹالوی اہل حدیث کی ایک ناقابل فراموش شخصیت
- ابلیس کی حقیقت و ماہیت
- آیا تھا جب مزاج ترا امتحان پر
- مدرسہ رحیمیہ دہلی
- اہل حدیث اور اہل الرائے
- آئینہ نبوت پر تبصرہ
- مرزا صاحب دہلی میں یا گیدڑ شہر میں
- کیا حضرت عمرؓ نے سزائے قطع ید منسوخ کر دی تھی؟
- شیخ الاسلام مولانا محمد حسینؒ بٹالوی نے سید نذیر حسینؒ سے مرزا قادیانی کے کفر کا جو فتوی حاصل کر کے اشاعۃ السنہ میں شائع کیا تھا اسے مرتب کیا جو بعد ازاں مکتبہ سلفیہ لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوا۔

ڈاکٹر بہاؤالدین صاحب کا پہلا پروجیکٹ: تحریک ختم نبوت

آج سے تقریباً دو دو ہائیوں قبل کی بات ہے کہ برطانیہ کے ایک اردو اخبار میں تحریک ختم نبوت کے حوالے سے ایک مضمون شائع ہوا جس میں مضمون نگار نے علمی اور تاریخی خیانت کرتے ہوئے تاریخ بیانی کے بجائے تاریخ سازی کی کوشش کی تھی، اس پورے قصے کا خلاصہ یہ تھا کہ صاحب مضمون نے تحریک ختم نبوت کے کام کو نہ صرف ایک مکتب فکر کا کام ٹھہرا دیا تھا بلکہ یہ تاثر دیا تھا کہ کسی دوسرے مسلک کے حامل بزرگوں نے اس ضمن میں کوئی کام کیا ہی نہیں ہے۔ یہ سراسر غلط بیانی تھی تاریخ سازی تھی۔ مورخ اہل حدیث ڈاکٹر محمد بہاؤالدین صاحب اس مضمون کو پڑھ کر کیسے خاموش بیٹھ سکتے تھے جنہوں نے اپنی جوانی اسلامی

تاریخ اور تحریک ختم نبوت کی تاریخ کو پڑھنے میں لگادی تھی جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اپنی جوانی ہی میں تاریخ اہل حدیث اور تحریک ختم نبوت پر بہت کچھ لکھ کر جماعتی وغیر جماعتی اہل علم کو حیران کر دیا تھا۔ بہر حال تاریخ سازی کا یہ مضمون ڈاکٹر صاحب نے کیا پڑھ لیا تھا کہ آپ کا ایمان اور مسلکی غیرت آپ کو جھنجھوڑ رہی تھی کہ اس غلط بیانی کی تصحیح ہو اور تاریخی ریکارڈ، کو درست کیا جائے، اودھر اللہ مسبب الاسباب کی ذات کریمی آپ سے کام لینے کا فیصلہ کر چکی تھی چنانچہ تحریک ختم نبوت کی تاریخ کے ریکارڈ، کو درست کرنے کی خاطر آپ نے قلم تھام لیا اور برطانیہ میں اس موضوع پر آپ کے کام کا یہی نکتہ آغاز بنا لہٰذا اس موضوع پر پہلا جوابی مضمون بصورت پہلی قسط ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم کی زینت بنا اور اس کے بعد یہ سلسلہ مضامین ساٹھ قسطوں میں شائع ہو کر ۶ سال بعد بند ہو گیا لیکن ڈاکٹر صاحب کا ماننا تھا کہ صراط مستقیم میں شائع ہونے والی قسطیں محض سفر کا آغاز تھیں ابھی آپ کو اس سفر کی کئی منزلیں طے کر کے ساحل تک پہنچنا تھا منزل تو بہت دور اور بہت کٹھن تھی لیکن یقین مانئے یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی کام جذبہ واخلاص سے ہو تو اللہ اس میں نہ صرف خیر و برکت نازل کرتا ہے بلکہ اس راہ کی منزلیں آسان فرما دیتا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (العنکبوت:۶۹) اللہ جل شانہ کی نصرت غیبی نے اس دشوار گزار سفر کو آسان کر دیا۔ آج تحریک ختم نبوت کی تقریباً ۷۵ جلدیں تیار ہو چکی ہیں پاکستان سے ۳۸ جلدیں ڈاکٹر صاحب نے اپنے صاحبزادے چوہدری محمد سہیل اظہر کے اہتمام سے شائع کروادی ہیں اور انڈیا میں مرکزی جمعیت اہل حدیث نے ۲۴ جلدیں شائع کر دی ہیں جب کہ ۵۳ جلدیں پہلے ہی ویب سائٹ پر اپ لوڈ ہو چکی ہیں۔

تحریک ختم نبوت میں ماہنامہ اشاعۃ السنہ کی کم وبیش آٹھ جلدیں سما چکی ہیں، مولانا بٹالوی نے ایک مرتبہ لکھا تھا کہ انہوں نے ردقادیانیت میں دو ہزار صفحات لکھے ہیں، یہ عظیم کام اب پھر سے محفوظ ہو چکا ہے۔

اسی طرح شحنہ ہند میرٹھ کے ضمیموں میں تقریباً دو ہزار صفحات پر مشتمل کام ردقادیانیت کے ابتدائی دور کا ہے اس میں کم وبیش ڈیڑھ ہزار صفحہ از سر نو محفوظ ہو چکا ہے، مجلہ ضیاء السنہ کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ اس میں بھی ردقادیانیت پر کافی کام ہے ہمیں ضیاء السنہ تقریباً سارے کا سارا مل گیا ہے لیکن ردقادیانیت پر کام اس میں بہت محدود ہے شائد دس صفحات سے بھی کم ہے، جسے محفوظ کر دیا گیا ہے، ہفت روزہ اخبار اہل حدیث امرتسر میں ردقادیانیت پر بے پناہ کام موجود ہے، اسے کم وبیش سولہ جلدوں میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ امرتسر کے مجلہ مبلغ میں بھی ردقادیانیت پر کام ہے اسے بھی اللہ کی مہربانی سے سلسلہ کتب کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔

یہ کام فی الحال ۱۸۹۱ء سے ۱۹۴۷ء (تقسیم ہند) تک یعنی ستاون برس کی روداد ہے اور تا حال نامکمل ہے۔

ڈاکٹر بہاؤالدین صاحب کا دوسرا پروجیکٹ تاریخ اہل حدیث:

ڈاکٹر بہاؤالدین محمد سلیمان اظہر کا دوسرا پروجیکٹ تاریخ اہل حدیث ہے۔ سب سے پہلے میں بتادوں کہ تاریخ اہل

حدیث دراصل تاریخ اسلام ہے۔آج سے تقریباً دس سال قبل کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ اجتہاد ورائے کے مقابلے میں حدیث پیش کرنے والوں کی زبان کھینچ لی جاتی تھی۔نماز میں رفع سبابہ پر انگلی کاٹی جاتی تھی رفع الدین کرنے والے حدیث پر عمل کرتے ہوئے سینے پر ہاتھ باندھنے والے اور آمین بالجہر کہنے والوں کو زدوکوب کیا جاتا تھا قرآن وحدیث پیش کرنے والوں کو مساجد سے نکالا جاتا تھا،ان کے کتابچوں کو جس پریس نے چھاپا ہے اس کو بھی جلادیا جاتا تھا الغرض یہ بہت تلخ اور طویل داستان ہے ان حالات میں برصغیر میں جن نفوس مقدسہ نے قرآن وحدیث پر عمل کیا اور اس کی دعوت دی یہ دراصل اسلام کی حفاظت کا کام تھا قرآن وحدیث کی اشاعت کا کام تھا۔آج انہی بزرگوں کی کاوشوں اور قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ برصغیر میں قرآن وحدیث کا چلن عام ہوا ہمارے اسلاف نے ماریں کھا کے،تکلیفیں اٹھا کر کتاب وسنت کی بالادستی اور ترویج کے لئے جو کاوشیں اور محنتیں کی ہیں آج اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر طرف قرآن وحدیث کا بول بالا ہے۔

جب تحریک ختم نبوت کی چند جلدیں انڈیا اور پاکستان میں شائع ہوئیں تو دنیا بھر سے مسلک اہل حدیث سے وابستہ اہل علم نے ڈاکٹر صاحب سے مطالبہ کرنا شروع کردیا کہ چلتے قلم کو روکے بغیر تاریخ اہل حدیث مرتب کردیں۔ادھر بہت پہلے مکہ مکرمہ سے میرے مخلص ڈاکٹر عزیر شمس صاحب حفظہ اللہ نے ڈاکٹر صاحب کو خط لکھ کر اس کا مطالبہ کیا تھا آپ کے خط کے مشمولات میں سے چند سطریں پیش کردیتا ہوں آپ لکھتے ہیں: افسوس کہ اب تک جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان سے پوری تصویر سامنے نہیں آتی،عربی انگریزی حتی کہ اردو میں بھی کوئی ایک کتاب ایسی نہیں جس میں اہل حدیث کا مجمل ہی سہی لیکن مکمل خاکہ ہو۔اس وقت میری نظر میں اہل حدیث کی تاریخ لکھنے کا کام آپ سے بہتر اور کوئی نہیں کرسکتا۔

بہر حال مجھ سمیت بہت سارے بزرگوں کے مطالبہ پر ڈاکٹر صاحب نے اللہ کے بھروسے تاریخ اہل حدیث پر کام کرنا شروع کردیا الحمدللہ اب تک تقریباً پندرہ جلدوں یعنی دس بارہ ہزار صفحات پر مشتمل مواد کمپوز ہوچکا ہے ہندوستان میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے اب تک سات جلدیں شائع کردی ہیں جب کہ پاکستان میں مکتبہ اسلامیہ لاہور وفیصل آباد نے چار جلدیں شائع کردی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے تحریک ختم نبوت اور تاریخ اہل حدیث پر اب تک جو کام کیا ہے اس کو بمصداق قول رسول: **یوضع له القبول**، دنیا کھلے الفاظ میں اعتراف کرکے ڈاکٹر صاحب کو خراج تحسین پیش کررہی ہے ہر طرف سے آپ کے حق میں دعائیں کی جارہی ہیں اور کئی اہم شخصیات نے تقریظات تبصرے اور تجزیئے لکھے ہیں۔اس موقع پر صرف ایک بزرگ شخصیت کا لکھا گیا ایک تجزیہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ماہنامہ محدث بنارس کے ایڈیٹر،اور مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی کے خاندان کے چشم وچراغ،استاذالاساتذہ مولانا ابوالقاسم فاروقی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

آزادی کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ تصنیف وتالیف کے میدان میں سب سے بڑا کارنامہ ڈاکٹر بہاؤالدین حفظہ اللہ نے انجام دیا

کہ وہ علمائے اہل حدیث کے تصنیفاتی اور صحافتی سرمایہ کے ایک بڑے حصے کو جمع کر کے شائع کر رہے ہیں، یہ ایک غیر معمولی پروجیکٹ ہے جس کے لئے یورپ اور امریکہ میں بڑی بڑی اکیڈیمیاں قائم ہیں کمال یہ ہے کہ وہ اکیلے ہی اپنے بل بوتے پر یہ جوئے شیر نکال رہے ہیں۔ وہ خود ہی رہبر ہیں اور خود ہی کارواں۔ ان کے اس عظیم کارنامے نے علماء کی بازیافت کا ایک ٹرینڈ اور رجحان پیدا کر دیا ہے ماشاء اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

۱۹۸۰ء سے قبل ہمارے پاس مطبوعہ اور مدون تذکرے چند ہی تھے مولانا ابو یحیٰ امام خان نوشہروی کا تذکرہ علمائے حدیث جو ماضی قریب کے شمالی ہند کے علمائے اہل حدیث کے حالات جاننے کا سب سے اہم ماخذ تھا، تذکرے اور بھی تھے لیکن ان تک رسائی محققین ہی کے بس کی بات تھی حضرت میاں صاحب دہلوی تک کے متعلق معلومات بہت ادھوری تھیں لوگ صرف انہیں علماء کے متعلق جانتے تھے جنہوں نے شروح حدیث لکھیں وہ لوگ جنہوں نے ہزاروں بستیوں میں کتاب وسنت کو روشناس کرایا، جو مخلص داعی اور رجال دین تھے جن لوگوں نے سینکڑوں صفحات سیاہ کئے، اخبارات نکالے مخالفین کی لاٹھیاں کھائیں وہ لوگ کون تھے؟ انہوں نے کیا کارنامے انجام دیئے؟ سب گوشہ خمول میں چلا گیا، اس معاملہ میں دوسرے لوگ اس قدر حساس ہیں کہ اگر کسی کے لکھے ہوئے دو چار صفحات مل گئے تو اسے مصنف بنا دیا، اگر کسی نے دو چار کتابیں لکھ دیں تو اسے تاریخ ساز شخصیت بنا دیا، ایک ہماری جماعت کا حال ہے کہ جو سو کتابوں کے مصنف ہیں ان کا حال معلوم نہیں ہے دو چار کتابوں کا لکھنے والا گم نام ٹھہرا۔ اللہ ڈاکٹر بہاؤ الدین صاحب کو سلامت رکھے، ایک جنون ہے، ایک سوداء ہے، جماعت سے والہانہ لگاؤ ہے، فضل خداوندی ہے، کہ ایک طرف تاریخ اہل حدیث کی جلدوں میں علماء مصنفین کا تعارف کرا رہے ہیں، بوسیدہ، کرم خوردہ، نایاب، کم یاب، لیکن معلومات سے بھرپور قدیم کتابوں کو جن کا ہم نے نام بھی نہیں سنا، اپنی تاریخ کی زینت بنا کر طباعت کے مراحل سے گزار کر شائقین تک پہنچا رہے ہیں۔

دوسری طرف وہ تحریک ختم نبوت جس کی قیادت وسیادت ہمیشہ اہل حدیثوں کے ہاتھ میں رہی، افسوس کہ ہم اس بات کو فراموش کر چکے تھے، آپ اس موضوع پر سارے سرمائے اور لٹریچر کو منظر عام پر لا رہے ہیں، برصغیر میں چند علماء ہی نے ان کی اس مہم میں دلچسپی دکھائی لیکن وہ کام کرتے رہے، آج تحریک ختم نبوت کی ۳۶ جلدیں پاکستان میں اور چوبیس جلدیں ہندوستان میں اشاعت کی منزلیں طے کر چکی ہیں۔ لوگ حیران ہیں کہ اہل حدیثوں کے لٹریچر کا اتنا بڑا خزانہ کہاں مدفون تھا۔ کتنا بڑا المیہ ہے وہ محمد حسین بٹالوی جس نے قادیانیت کی شہ رگ کاٹ دی، اس کی روح نکال دی، آج علمائے اہل حدیث ان کی خدمات کو نہیں جانتے۔ وہ اشاعۃ السنہ جس کی آتش ریز تحریروں سے باطل کے ایوانوں میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا، اس کے نام سے لوگ ناواقف ہیں۔ علمی حلقوں نے انہیں اتنی جلدی بھلا دیا۔ زندہ قومیں ہمیشہ اسلاف کے کارناموں کو زندہ رکھتی ہیں۔ یہی کارنامے آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ بنتے ہیں۔ ایک ہم ہیں اس مشعل ہی کو بجھانے پر تلے ہیں۔ غور فرمائیں وہ نفوس قدسیہ جن کی

وجہ سہ آج ہم کو توحید اور منہج سلف کی بیش قیمت دولت ملی ہے، ہمیں نہ ان کی خبر ہے نہ ان کی دعوتی خدمات کا کچھ پتہ ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی ہستی ہے جو اپنی جوانی کے دنوں سے علماء کی بازیافت میں مشغول ہیں۔ ان کی اس تحریک کی وجہ سے نوجوان علماء کو بھی جوش آیا تذکرے لکھے جانے لگے قدیم کتابوں کی تلاش جاری ہوگئی شحنہ ہند میرٹھ، اشاعۃ السنہ، ضیاء السنہ، آثار السنن، نصرۃ السنہ، اخبار اہل حدیث کی فائلیں تلاش کی جانے لگیں۔ آج تاریخ وتحقیق سے دلچسپی رکھنے والے سینکڑوں لوگ ڈاکٹر کے جمع کئے ہوئے اس عظیم سرمایہ سے فیضیاب ہورہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی کتاب سے پہلے رسالہ نجاتیہ کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی، مساجد کے مقدمات کی فائلیں (مثلیں) نظر سے نہیں گزری تھیں۔ اشاعۃ السنہ کی اہمیت نہیں جانی تھی، کتنے ایسے علماء ہیں جن کا نام اور شہرت تو ہم نے سنی ہے، لیکن ترویج دین میں ان کا کیا حصہ ہے اس سے ہم قطعاً واقف نہیں۔ صرف چند ناموں کا ذکر ہی کافی ہے، نواب صدیق حسن خان تو معروف آدمی تھے لیکن ان کے رفقاء کتنی عظیم شخصیات کے مالک تھے ہمیں اس کی خبر نہیں۔ مولانا محمد بشیر سہسوانی جنہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو دہلی میں دھول چٹائی، قاضی بشیر قنوجی مولانا سلامت اللہ جیراجپوری، ذوالفقار علی خاں، قاضی محمد مچھلی شہری، مولانا عبیداللہ پائلی، مولانا محی الدین لاہوری، مولانا عبدالمجید دہلوی، مولانا عبداللہ جھاؤ میاں، مولانا عبدالحق بنارسی، مولانا الٰہی بخش بڑاکری، مولانا بخش بڑاکڑی، مولانا تلطف حسین دہلوی، حاجی شیخ احمد اللہ رحیم آبادی جنہوں نے دین حق کے لئے اپنی دولت لٹادی۔ سینکڑوں مساجد کے مقدمے لڑے، پریوی کونسل تک گئے کسی سے ایک پیسہ نہ لیا، اس طرح کے سینکڑوں نامعلوم اہل حدیث خانوادے تھے جو کتاب وسنت کی روشنی پھیلا کر اندھیروں میں کھو گئے، ان حضرات کی تلاش وجستجو کسی ایک آدمی کے بس کی بات نہیں تھی لیکن ڈاکٹر بہاؤ الدین صاحب نے یہ محیر العقول کارنامہ کر دکھایا ان کے لئے بس دل سے یہی دعا نکلتی ہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

شیر خان جمیل احمد عمری
سابق شیخ الجامعہ المحمدیہ مالیگاؤں
نائب ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

□□□

مولانا محمد اعظمی: حیات وخدمات

شیخ اسعد اعظمی بنارس

نام ونسب: مولانا محمد اعظمی بن مولانا عبدالعلی بن عبداللہ بن علیم اللہ بن جمال الدین

کنیت: ابواجود انصاری

مولد ومسکن:

آپ ہندوستان کے شمال مشرقی صوبہ اتر پردیش کے ایک مشہور شہر مئوناتھ بھنجن میں ۱۹۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ یہ شہر پہلے ضلع اعظم گڑھ کے تابع تھا، اس لئے اس کے باشندے ''اعظمی'' نسبت استعمال کرتے رہے، ۱۹۸۸ء میں شہر مئو مستقل ضلع بنادیا گیا۔ مئو مسلم اکثریت والا چھوٹا شہر ہے، جہاں متعدد چھوٹے بڑے جامعات، مدارس ومکاتب قائم ہیں، اور پورے ہندوستان سے طلبہ ان اداروں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ یہاں بڑے بڑے علماء، ادباء، شعراء اور فضلاء پیدا ہوئے اور آج بھی یہ شہر علمی وادبی میدان میں اپنی ایک شناخت رکھتا ہے۔

مولانا کے آباء واجداد میں علم وعمل کا سلسلہ برابر قائم رہا، آج بھی آپ کا گھرانہ علمی خدمات کے لئے مشہور ہے۔ آپ کے اجداد میں سے متعدد کو شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ خود مولانا ایک واسطے سے میاں صاحب کے شاگرد ہیں۔

تعلیم:

خاندانی روایت کے مطابق ناظرہ قرآن کی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ اس کے بعد شہر کے قدیم ادارہ جامعہ عالیہ عربیہ مئو میں ابتدائی تعلیم کے لئے داخل ہوئے، وہاں سے ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد ایک سال آپ نے علاقہ کے ''مسلم اسکول'' نامی عصری ادارہ میں تعلیم حاصل کی، لیکن اسکول کی تعلیم کی طرف رغبت نہ ہونے کی وجہ سے وہاں سے منتقل ہوکر دوبارہ جامعہ عالیہ عربیہ میں داخلہ لیا اور عربی تعلیم شروع کی، اس وقت وہاں کے بزرگ اساتذہ میں مولانا محمد سلیمان بن داؤد مئوی تلمیذ رشید سید نذیر حسین دہلوی بھی تھے، مولانا نے ان سے شرح جامی وغیرہ پڑھی، مولانا عبدالصمد مبارکپوری جنہوں نے تحفۃ الاحوذی کی تکمیل میں صاحب تحفہ کا تعاون کیا تھا ان سے عربی وفارسی کی ابتدائی کتابوں کے علاوہ بلوغ المرام کا کچھ حصہ پڑھا۔ ان اساتذہ کے علاوہ مولانا محمد اسحاق کھیدوپوری، مولانا عبدالباقی کھیدوپوری وغیرہ سے بھی بعض کتابوں کے چند اسباق پڑھے۔

جامعہ عالیہ کے بعد چند ماہ شہر کے ایک دوسرے مشہور اہل حدیث ادارہ جامعہ فیض عام میں بھی تعلیم حاصل کی اور یہیں پر تیسری جماعت مکمل کی، یہاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد رشید مولانا محمد احمد صاحب (معروف بہ بڑے مولوی صاحب) مئوی (متوفی ۱۹۸۲ء) سے آپ نے بلوغ المرام کا درس لیا۔ان کے علاوہ مولانا عبداللہ صاحب شائق (متوفی ۱۹۷۴ء) اور مولانا عبدالرحمن نحوی وغیرہ سے بھی کسب فیض کیا۔

اس کے بعد آپ نے جنوبی ہند کی مشہور اسلامی درس گاہ جامعہ دارالسلام عمرآباد میں داخلہ لیا، وہاں بھی خوش قسمتی سے میاں سید نذیر حسین دہلوی کے شاگرد مولانا محمد نعمان صاحب اعظمی منصب شیخ الحدیث پر خدمت تدریس انجام دے رہے تھے، آپ سے مولانا کو مشکوٰۃ المصابیح کا درس لینے کا موقع ملا، جامعہ دارالسلام کے دیگر اساتذہ جن سے آپ نے کسب فیض کیا ان میں مولانا ابوالبیان حماد صاحب، مولانا عبدالسبحان اعظمی صاحب، مولانا حافظ عبدالواجد رحمانی صاحب، مولانا غضنفر شاکر نائطی صاحب، مولانا محمد امین صاحب، مولانا عبدالکبیر صاحب قابل ذکر ہیں۔عمرآباد کی آب وہوا ناموافق رہنے کی وجہ سے ایک سال کے بعد مولانا واپس آگئے۔ یہ ۴۶۔۱۹۴۷ء کی بات ہے۔

اس کے بعد آپ اس وقت کے بے مثال تعلیمی ادارہ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخل ہوئے۔ یہاں جماعت رابعہ میں آپ نے مولانا نذیر احمد املوی سے شرح وقایہ جلد دوم، مولانا محمد عبدہ پنجابی سے مشکوٰۃ جلد دوم، مولانا عبدالمعز سے قطبی اور تلخیص المفتاح پڑھی، مولانا عبدالصمد مبارکپوری سے ترجمہ اور انشاء کی تمرین وتربیت حاصل کی۔اس وقت شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی کے زیر تدریس جماعت رابعہ کی کوئی کتاب نہیں تھی۔اس لئے رسمی طور پر ان سے شاگردی نہیں حاصل ہوسکی۔افسوس کہ ۱۹۴۷ء میں ملک کی آزادی اور تقسیم کے نتیجے میں یہ مدرسہ ہونے والے فتنہ وفساد کی نذر ہوگیا۔اس طرح اس ادارہ میں بھی مولانا کو صرف ایک ہی سال پڑھنے کا موقع ملا۔

دہلی سے واپسی کے بعد آپ نے اپنے شہر میں جامعہ عالیہ عربیہ میں دوبارہ داخلہ لیا۔اور مولانا مفتی عبدالعزیز اعظمی عمری سے جامع ترمذی اور نخبہ پڑھی اور دیگر اساتذہ سے استفادہ کیا۔ایک سال کے بعد جامعہ فیض عام گئے، وہاں مولانا عبدالرحمن صاحب نحوی، مولانا عبداللہ شائق اور دیگر اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، اور الہ آباد بورڈ کا عالم کا امتحان بھی دیا۔مولانا عبداللہ شائق بخاری کا درس دے رہے تھے، مگر ان کے سفر حج پر چلے جانے کی وجہ سے درس موقوف ہوگیا۔جس کی وجہ سے مولانا نے مدرسہ سعیدیہ بنارس کا رخ کیا، وہاں علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی (متوفی ۱۹۴۹ء) کے پاس صحیح بخاری جلد اول، صحیح مسلم جلد اول اور تفسیر القرآن بکلام الرحمن وغیرہ پڑھنا شروع کیا۔دو تین ماہ کے بعد مولانا بنارسی پر فالج کا شدید حملہ ہوا اور ماہ صفر ۱۳۶۹ھ میں آپ وفات پاگئے۔مولانا پھر جامعہ فیض عام واپس آئے، مولانا عبداللہ شائق سفر حج سے واپس آچکے تھے، آپ کے پاس دوبارہ صحیح بخاری اور تفسیر بیضاوی پڑھی، اور صحیح مسلم مولانا عبدالرحمن نحوی کے پاس، سنن ابوداؤد مولانا محمد احمد صاحب (متوفی ۱۹۸۲) کے پاس پڑھی۔یہیں سے آپ کی فراغت ہوئی، یہ ۱۹۴۹ء کی بات ہے۔

درس وتدریس:

تعلیم کی تکمیل کے بعد مولانا نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور درج ذیل اداروں میں مسند درس کو رونق بخشی:

☆ مدرسہ محمدیہ دیوریا، یوپی

☆ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ یوپی

☆ جامعہ فیض عام، مئو، یوپی

☆ مدرسہ فیض العلوم، سیونی مدھیہ پردیش

☆ جامعہ عالیہ عربیہ، مئو یوپی

☆ کلیہ فاطمۃ الزہراللبنات، مئو یوپی

مدرسہ محمدیہ میں ایک ماہ، پھر جامعہ عالیہ میں ۵ رسال، مدرسۃ الاصلاح میں ایک سال، فیض عام میں ایک سال، فیض العلوم میں پانچ سال، دوبارہ جامعہ عالیہ میں ۳۰ سال، اور اسی کے ساتھ کلیہ فاطمہ میں چھ سال درس دیا۔ ان اداروں میں آپ نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ افتاء اور انتظامی امور میں بھی حصہ لیا۔ جامعہ عالیہ میں آپ تقریباً (۲۰) برس تک صدرالمدرسین اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، کلیہ فاطمہ کی تاسیس کے وقت سے آپ اس کے ناظم ومہتمم رہے۔ آپ کی تدریس کا سلسلہ تقریباً نصف صدی تک جاری رہا اور لگ بھگ ربع صدی تک آپ نے صحیح بخاری کا مسلسل درس دیا۔ پیرانہ سالی اور جسمانی کمزوری کی وجہ سے رسمی تدریس ترک کردیا ہے، البتہ شائقین حدیث واسناد کے لئے آپ ہمیشہ اپنا دروازہ کھلا رکھے ہوئے ہیں۔

جامعہ سلفیہ میں تدریس کی دعوت:

ہندوستان میں عظیم سلفی درسگاہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) کا ۱۹۶۳ء میں قیام عمل میں آیا اور ۱۹۶۶ء سے باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا۔ اس ادارہ میں درس وتدریس کی خدمت انجام دینے کے لئے مولانا کو متعدد بار دعوت دی گئی، مگر آپ نے اپنے شہر اور علاقہ کی خدمت کو ترجیح دیا اور ہر بار جامعہ سلفیہ کی ذمہ داران سے معذرت کی۔

تلامذہ:

مذکورہ بالا اداروں میں ہزاروں طلبہ وطالبات نے آپ سے تعلیم حاصل کی ہے۔ چند مشہور تلامذہ کے نام یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:

۱۔ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری رحمہ اللہ سابق صدر جامعہ سلفیہ بنارس

۲۔ مولانا مظہر احسن ازہری نائب صدر جامعہ سلفیہ بنارس

۳۔ ڈاکٹر عبدالعلی ازہری، پرنسپل مسلم کالج لندن

۴۔ ڈاکٹر شفیع الرحمن بہاری سابق صدر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی

۵۔ مولانا محفوظ الرحمن فیضی سابق شیخ الجامعہ فیض عام مئو

۶۔مولانا محمد حنیف مدنی سابق استاذ جامعہ سلفیہ بنارس
۷۔مولانا عبدالکبیر مدنی مبارکپوری استاذ جامعہ سلفیہ بنارس
۸۔مولانا عزیز الحق عمری استاذ جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو
۹۔مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی استاذ جامعہ فیض عام مئو
۱۰۔مولانا محمد مظہر اعظمی استاذ جامعہ عالیہ عربیہ مئو
۱۱۔مولانا راحت اللہ فاروقی استاذ جامعہ محمدیہ مالیگاؤں
۱۲۔اسعد اعظمی، جامعہ سلفیہ، بنارس

تحریری کاوشیں:

درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کے ساتھ مولانا نے اپنا قلمی سفر بھی جاری رکھا اور لگ بھگ دو درجن کتابیں منظر عام پر لائے۔ آپ کی قلمی سرگرمیوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ **تصنیفات:** آپ کی تصنیفات درج ذیل ہیں: • آداب زواج • کائنات کا آغاز وانجام • تذکرۃ البخاری • نواب صدیق حسن خاں اور ان کی وہابیت • نماز نبوی • مستند دعائیں • نقوش رحمانی (مجموعہ مکاتیب شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی) • فضائل اعمال کے دفاع کا علمی وتحقیقی جائزہ • تین طلاقیں علماء احناف کی نظر میں • شرعی منتروں سے علاج • التحلی بالذہب للنساء (عربی) تلخیص فقہ السنۃ • متفقہ فتویٰ۔۔۔۔، مولانا ابوالکلام آزاد مذہبی فکر وعمل کے آئینے میں • لمحات موت • شریعت وعادت۔ • جمع بین الصلاتین پر ایک نظر۔

۲۔ **تراجم:** دین کیا ہے؟ • ترجمہ رسالہ ''الدین وشروط الصلاۃ، للشیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی، • قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کے آداب،: ترجمہ التبیان فی آداب حملۃ القرآن للنووی۔ • تبلیغی جماعت اور الاخوان المسلمون: ترجمہ القطبیۃ ھی الفتنۃ فاعرفوھا، للشیخ ابی ابراہیم بن سلطان۔ • ائمہ اربعہ کا دفاع اور سنت کی اتباع: ترجمہ جلب المنفعۃ فی الذب عن الائمۃ المجتھدین الاربعۃ (فارسی) للنواب صدیق حسن خاں بخاری قنوجی۔

۳۔ **تحقیق وتعلیق:** دعایۃ الایمان الی توحید الرحمن، للنواب صدیق حسن خان قنوجی، تحقیق، تسہیل، ترجمہ نصوص، تخریج وفہارس بقلم مولانا محمد اعظمی۔

۴۔ **مضامین ومقالات:** تصانیف وتراجم کے علاوہ مولانا کے مضامین ومقالات وقتاً فوقتاً ملک اور بیرون ملک کے مجلات وجرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں، زیادہ تر مقالات اردو میں ہوتے ہیں، چند مقالے آپ کے عربی زبان میں بھی ہیں جو مجلۃ الجامعۃ السلفیۃ، بنارس میں شائع ہوئے ہیں یہ مجلہ اب صوت الامۃ کے نام سے نکلتا ہے۔ جن اردو جرائد ومجلات میں آپ کے

مضامین شائع ہوتے ہیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں: (۱) ماہنامہ محدث بنارس، (۲) پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی، (۳) مجلہ اہل حدیث دہلی، (۴) ماہنامہ آثار جدید مئو، (۵) ماہنامہ البلاغ ممبئی، (۶) ماہنامہ السراج، نیپال، (۷) ماہنامہ صراط مستقیم، برمنگھم، (۸) افکار عالیہ، مئو، (۹) التبیان۔ دہلی، (۱۰) احتساب۔ دریاباد، (۱۱) اہل حدیث گزٹ۔ دہلی، (۱۲) الہدیٰ۔ دربھنگہ۔

دعوت وارشاد:

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے علمی ودعوتی پروگراموں، کانفرنسوں اور سیمیناروں میں آپ برابر شرکت کرتے رہتے ہیں اور حالات کے مطابق عوام سے خطابات کرتے ہیں، آپ کوئی پیشہ ور مقرر نہیں، بلکہ ایک داعی ومبلغ ہیں۔ پڑوس کی مسجد کے انتظام وانصرام کے ساتھ کئی دہائیوں سے اس کے امام وخطیب ہیں۔ عیدین کا خطبہ بھی ایک عرصہ تک دیتے رہے، اب بھی کبھی کبھی یہ ذمہ داری نبھاتے ہیں۔ کسی زمانے میں شہری جمعیت اہل حدیث کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد رہی، معاشرہ کی اصلاح کے لئے آپ نے اپنے رفقاء اور علماء کے ساتھ ایک انجمن قائم کی جس کے تحت مفید اصلاحی ودعوتی کام ہوتے رہتے ہیں۔ مساجد میں درس قرآن وحدیث اور تذکیر کا سلسلہ بھی وقتاً فوقتاً جاری رہتا ہے، عوام کے دینی مسائل کا جواب دینا، فتویٰ تحریر کرنا، خاندانی تنازعات میں تصفیہ کرانا یہ سب آپ کے معمولات میں داخل ہے۔

ایوارڈ:

آپ کی طویل دعوتی، تدریسی وتصنیفی خدمات کے اعتراف میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے ۲۰۰۴ میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ کے انعقاد کے موقع پر آپ کو ایوارڈ سے نوازا تھا۔

حدیث کی سند عالی:

سابقہ سطور میں یہ بات گزر چکی ہے کہ مولانا کو علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی کے متعدد شاگردوں سے برہ راست شاگردی کا شرف حاصل ہے، اس طرح صرف ایک واسطے سے آپ کی سند حدیث میاں صاحب تک پہنچتی ہے۔ اس شرف کے حامل اس وقت شاذ ونادر ملیں گے۔ موجودہ وقت میں زیادہ تر دو واسطے سے لوگوں کی سندیں میاں صاحب تک پہنچتی ہیں۔

میاں صاحب کے جن شاگردوں سے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہ کیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد نعمان صاحب اعظمی۔ جامعہ دار السلام عمر آباد (م ۱۳۷۱ھ۔ ۱۹۵۱ء)

۲۔ مولانا محمد احمد بن ملا حسام الدین۔ جامعہ فیض عام مئو (م ۱۳۶۷ھ۔ ۱۹۴۷ء)

۳۔ مولانا سلیمان بن داؤد۔ مئو (م ۱۳۷۸۔ ۱۹۵۹ء)

۴۔ مولانا محمد ابو القاسم سیف بنارسی۔ مدرسہ سعیدیہ، بنارس (م ۱۳۶۹ھ۔ ۱۹۴۹ء)

اس سند عالی کی وجہ سے ملک اور بیرون ملک سے لوگ سند واجازہ کے لئے برابر آپ کی طرف رجوع کرتے رہتے ہیں۔ متعدد لوگوں نے حدیث کی کوئی کتاب مکمل آپ کو سنا کر اجازہ حاصل کی، بیشتر اطراف پڑھ کر سند لیتے ہیں۔

کویت کی وزارۃ الاوقاف وقتاً فوقتاً قرأت وسماع حدیث کا بڑے پیمانے پر پروگرام منعقد کرتی رہتی ہے، کئی بار مولانا اس میں شرکت کے لئے مدعو کئے جا چکے ہیں۔ ان مجلسوں میں مولانا سے اجازہ حاصل کرنے کے لئے حدیث کی درج ذیل کتابوں کی مکمل خواندگی ہو چکی ہے۔ ۱: صحیح مسلم، ۲۔ مشکوۃ المصابیح، ۳۔ صحیح ابن خزیمہ۔

ان مجلسوں میں سے ہر ایک میں (۵۰۰) تا (۶۰۰) سامعین ومستفیدین شریک رہتے ہیں جن میں خواتین بھی ہوتی ہیں۔ شرکاء کا تعلق مختلف ممالک سے ہوتا ہے۔

اسفار:

علمی ودعوتی سلسلے میں آپ نے ملک کے مختلف حصوں کے علاوہ دیگر ممالک کا بھی سفر کیا۔ جن میں نیپال، پاکستان، قطر، امارات، کویت، سعودی عرب شامل ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں آپ نے اپنی اہلیہ کے ہمراہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی، اس کے علاوہ متعدد بار عمرہ کی ادائیگی کا بھی آپ کو شرف حاصل رہا ہے۔

اولاد واحفاد:

آپ کی اہلیہ معروف عالم دین مولانا محمد نعمان صاحب اعظمی تلمیذ رشید میاں سید نذیر حسین دہلوی کی نواسی، اور مشہور علمی شخصیت ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری کی بہن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بطن سے آپ کو بارہ اولادیں عطا کیں جن میں چھ لڑکے اور چھ لڑکیاں ہیں۔ ان میں سے تقریباً ہر ایک کو آپ نے دینی ودنیاوی علوم سے آراستہ کیا، چنانچہ آپ کے اولاد واحفاد میں حفاظ، علماء، ڈاکٹر، انجینئر، مدرس، مؤلف، انشا پرداز سب پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے کئی بیٹے بیٹیاں دینی وشرعی علوم کے درس وتدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ تمام بچے بچیاں شادی شدہ اور اصحاب اولاد ہیں۔

موجودہ مشغلہ:

مولانا عمر کی آٹھویں دہائی مکمل کر رہے ہیں۔ کبر سنی کی وجہ سے جسمانی ضعف کا شکار ہیں، پھر بھی حسب معمول امامت وخطابت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، دینی وعلمی مجالس میں شرکت، لوگوں کے سوالات کا جواب دینا، اختلافات وتنازعات میں ثالثی کرنا، اس کے علاوہ حسب موقع مقالات ومضامین لکھنا، یہ سب آپ کے موجودہ مشاغل ہیں، اور جہاں تک صحت اجازت دیتی ہے ان کاموں کی انجام دہی میں لگے رہتے ہیں۔

اللہ رب العزت آپ کی خدمات علمیہ ودینیہ کو شرف قبول بخشے اور انہیں آپ کے لئے ذریعہ نجات بنادے، آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے اور آپ کو صحت وعافیت سے نوازے آمین۔ ۱۳/۶/۱۴۳۲ھ۔ ۱۷/۵/۲۰۱۱ء (تصحیح: ۱۵/۱۲/۲۰۱۱ء)

❑❑❑

مولانا محفوظ الرحمن فیضی: مختصر سوانحی خاکہ

نام ونسب: محفوظ الرحمن فیضی بن حاجی منظور الحسن بن حاجی حافظ ثناء اللہ انصاری۔

تاریخ ومقام پیدائش: ۱۹۴۶ء محلہ ڈومن پورہ، مئوناتھ بھنجن یوپی، انڈیا۔

مختصر خاندانی تعارف: مولانا موصوف کے جدامجد حاجی حافظ ثناء اللہ محلہ ڈومن پورہ کی بزرگ شخصیت اور اکابر علماء اہل حدیث مئو کے صحبت یافتہ تھے، چالیس سال سے زیادہ محلہ کی جامع مسجد اہل حدیث کے تاحیات امام رہے، نومبر ۱۹۸۲ء میں وفات سے چند برس پہلے تک اس مسجد میں ہمیشہ تراویح بھی پڑھاتے تھے، مولانا کے والد محترم حاجی منظور الحسن اس مسجد کے موذن اور جدامجد کی وفات کے بعد سے ۱۹۹۷ء تک امام رہے، آپ حافظ قرآن تو نہیں تھے، لیکن کثرت تلاوت کی بنا پر قرآن کریم کا زیادہ تر حصہ یاد تھا، مولانا کے دادا اور والد دونوں سحر خیز، حد درجہ محنتی اور جفاکش تھے، والد گرامی حاجی منظور الحسن کا جون ۲۰۰۹ء مطابق ۱۴۳۰ھ میں انتقال ہوا، رحمهم الله رحمة واسعه۔

مولانا محفوظ الرحمن فیضی حفظہ اللہ نے مذکورہ جامع مسجد میں ۱۹۷۳ء سے ۱۹۹۷ء تک کوئی مسلسل تیئیس چوبیس برس تک خطبہ جمعہ دیا ہے، لیکن محلہ ہی کے ایک مولانا کی رشک ورقابت اور ''نظر عنایت'' کی بنا پر آگے یہ سلسلہ فیض اس مسجد میں جاری نہ رہ سکا، تاہم دیگر مساجد میں یہ سلسلہ فترہ ووقفہ کے ساتھ برابر جاری ہے۔

ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم: مولانا کے خاندانی دستور کے مطابق تعلیم کی بسم اللہ گھر سے والدین کے پاس ہوئی، اس کے بعد مدرسہ عالیہ عربیہ (مئو) میں داخل کئے گئے، یہاں ابتدائی درجات اردو، فارسی وغیرہ اور پھر ثانوی درجات یعنی عربی از جماعت اولیٰ تا خامسہ (جلالین، مشکوۃ وغیرہ تک) پڑھا، ۱۹۶۳ء میں جامعہ فیض عام میں داخلہ لیا، اور یہاں عالمیت وفضیلت کی تکمیل کی اور شعبان ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹۶۶ء میں سند تکمیل وفراغت سے سرفراز ہوئے۔ تعلیم کے دوران عربی وفارسی بورڈ یوپی کے امتحانات مولوی، عالم، فاضل دینیات اور فاضل ادب عربی پاس کیا، جامعہ فیض عام میں ہر سال جماعت میں اول پوزیشن لانے پر وظیفہ سے بھی سرفراز ہوتے رہے۔

اساتذۂ کرام: جامعہ عالیہ: مولانا عبدالعلی (متوفی ۱۹۶۷ء جامعہ عالیہ میں فارسی کی تمام اور عربی درجات خامسہ تک کی اکثر کتابیں فصول اکبری، کافیہ، شرح جامی، مشکوۃ، جلالین، قطبی، شرح تہذیب، گلستان، بوستاں، یوسف زلیخا، سکندر نامہ وغیرہ آپ ہی سے پڑھیں) مولانا فضل الرحمن عمریؒ (متوفی ۱۹۹۸ء) حکیم مولانا ابوبکرؒ (متوفی ۲۰۰۳ء) مولانا شیخ محمد اعظمی (حفظہ اللہ)۔

جامعہ فیض عام: مولانا شمس الحق سلفیؒ (متوفی ۱۹۸۶ء) مولانا عبدالمعید بنارسیؒ (متوفی ۱۹۸۰ء) مولانا مفتی حبیب الرحمن فیضیؒ (۱۹۹۶) مولانا محمد عظیم اللہ مئویؒ (متوفی ۱۹۹۳ء) مولانا محمد جمیل مئویؒ (متوفی ۱۹۷۲ء)، صحیحین اولا مولانا شمس الحق سلفی کے پاس پڑھی، مگر ان کے اثنائے تعلیمی سال میں مدرسہ فیض عام سے چلے جانے کے بعد صحیح مسلم مولانا مفتی حبیب الرحمن فیضی سے اور صحیح بخاری مولانا محمد عظیم اللہ صاحبؒ

سے پڑھی۔ مؤطاامام مالک اور جامع ترمذی مفتی صاحب سے، سنن ابوداؤد مولانا محمد جمیل صاحب سے، اور سنن نسائی وسنن ابن ماجہ مولانا شمس الحق صاحب سے، توضیح تلویح اور تفسیر بیضاوی مولانا عبدالمعید صاحب سے پڑھا۔

تدریسی خدمات: مولانا موصوف کے جامعہ فیض عام میں فضیلت کے آخری سال میں زیر تعلیم ہونے کے ساتھ، فصول اکبری جو درس نظامیہ میں علم صرف کی اہم کتاب ہے آپ کو پڑھانے کو ملی تھی، اور شعبان ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۶ء میں فراغت کے بعد شوال ۱۳۸۶ھ ہی میں بطور مدرس درجات عربیہ جامعہ (فیض عام) میں آپ کی تقرری ہوگئی، اس وقت سے جون ۲۰۰۸ میں ریٹائر ہونے تک جامعہ فیض عام میں تدریسی خدمات انجام دی، اس دوران تقریباً ہر فن کی کتابیں پڑھانے کا موقع ملا۔

تفسیر میں جلالین، مدارک، بیضاوی، حدیث میں بلوغ المرام، مشکوٰۃ، جامع ترمذی، موطا، صحیح بخاری، اصول تفسیر وحدیث میں الفوز الکبیر، نزہۃ النظر، فقہ میں قدوری، شرح الوقایہ، بدایۃ المجتہد، اصول فقہ میں اصول الشاشی، ونورالانوار، عقائد میں شرح العقائد النسفیہ، والعقیدۃ السنیہ، ادب عربی میں ازہار العرب، دیوان المتنبی، معلقات سبعہ، دیوان الحماسہ، مقامات حریری، مختارات، بلاغت میں دورس البلاغہ، تلخیص المفتاح، مختصر المعانی، عروض وقوافی میں متن الکافی، معقولات میں شرح تہذیب قطبی، ملاحسن، ہدایۃ الحکمۃ۔

شیخ الحدیث مولانا مفتی حبیب الرحمن فیضی (متوفی نومبر ۱۹۹۶ء) کے وفات سے چند سال پہلے پڑھانے سے معذور ہوجانے کی بنا پر صحیح بخاری کا درس مولانا (محفوظ الرحمن صاحب) کے ذمہ ہوا اور صحیح مسلم کا درس مولانا حافظ نثار احمد صاحب کے سپرد ہوا۔

جامعہ فیض عام کے ناظم مولانا محمد احمد صاحب کی فروری ۱۹۸۲ء میں وفات کے بعد جامعہ کے صدر مدرس مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب جامعہ کے ناظم منتخب ہوئے تو ان کی جگہ مولانا فیضی کو صدر مدرس بنایا گیا اور اسی عہدہ پر رہتے ہوئے جون ۲۰۰۸ء میں جامعہ فیض عام سے ریٹائر ہوئے ہیں، پوری مدت تدریس وصدارت میں ناظم واراکین اساتذہ اور طلبہ کے ساتھ کامل توافق رہا کہیں کوئی ناخوش گوار صورت حال پیش نہیں آئی۔ اس کے بعد جامعہ محمدیہ کھیدوپورہ مئو کے ناظم واراکین کی طلب وخواہش پر بحیثیت شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ سے وابستگی ہوئی اور وہاں صحیح بخاری وتفسیر بیضاوی وغیرہ کی تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ ساتھ ہی دیگر تعلیمی وانتظامی امور میں بھی معاونت فرماتے ہیں۔ یہاں بھی ناظم واراکین، اساتذہ وطلبہ کا کامل اعتماد حاصل ہے۔

جامعہ فیض عام سے مولانا کی وابستگی روز اول ہی سے انتہائی مخلصانہ ووالہانہ نوعیت کی رہی اور جامعہ کی ہمہ جہتی تعلیمی وتعمیری ترقی میں آپ کی جو بیش قدر خدمات اور مساعی جمیلہ ہیں محتاج بیان نہیں۔ وہ سب معلوم خواص وعوام ہیں، اور ناقابل فراموش ہیں، جامعہ فیض عام کی شہادات (عالمیت وفضیلت) کے سعودی جامعات سے معادلہ کا معاملہ ہو یا سعودیہ وکویت وامارات سے حصول مساعدات کا یہ سب آپ ہی کی سعی وتدبیر کے رہین منت ہیں، مولانا ایک کامیاب مدرس بھی ہیں اور منتظم بھی۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

افتاء کی خدمات: مولانا کے تدریسی سلسلہ کے ابتدائی زمانہ ہی سے شیخ الحدیث مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحبؒ جو جامعہ فیض عام میں مفتی بھی تھے۔ نقل فتاوی کے ساتھ بعض استفتاء کے جوابات بھی آپ سے لکھواتے رہے اور یوں مولانا کے فتویٰ نویسی کی تربیت ہوتی رہی، نومبر ۱۹۹۶ء میں مفتی صاحب کی وفات کے بعد دارالافتاء جامعہ فیض عام کی ذمہ داری مولانا موصوف کے کندھے

پر آئی، آپ نے بکثرت فتاوے لکھے، مگر ان سب کی نقول رکھنے کا اہتمام نہیں کیا، تاہم ایک ضخیم رجسٹر کے بقدر ضرور محفوظ ہے، آپ کی فتویٰ نویسی کا انداز علماء اہل حدیث کی فتویٰ نویسی کا ہے آپ کے فتاوے براہ راست قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل اور حسب ضرورت مفصل بھی اور مختصر بھی ہوتے ہیں علماء اہل حدیث اور دیگر علمائے مذاہب کی تحقیقات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بحث وتحقیق کی روایت کو قائم رکھا ہے۔

تعلیمی ایوارڈ: مولانا کی طویل تعلیمی خدمات کے اعتراف میں اپریل ۲۰۱۰ء میں مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند نے ایوارڈ سے نوازا۔ اس کا اعلان تیسویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس بعنوان 'عظمت صحابہ کانفرنس' منعقدہ ۱۰/۱۱/اپریل ۲۰۱۰ء بمقام دہلی میں کیا گیا۔

تصانیف: درس وتدریس کے ساتھ ترجمہ وتصنیف کا سلسلہ بھی جاری ہے، چند تراجم وتصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ثنائیات موطا امام مالک (عربی ۱۵۳، احادیث ثنائیہ کا مجموعہ۔ مطبوع ۲۰۰۱ء۔ طبع جدید: غراس۔ کویت ۲۰۱۲ء/ ۱۴۳۳ھ یہ اپنے موضوع پر اولین اور منفرد کتاب ہے۔

۲۔ زیورات میں زکوٰۃ۔ اس کتاب میں ہر قسم کے مستعمل وغیر مستعمل زیوراتِ زر وسیم میں وجوب زکوٰۃ کو ترجیح دی گئی ہے۔ یہ کتاب دو باب پر منقسم ہے، پہلے باب میں قائلین وجوب کے دلائل کا ذکر ہے اور دوسرے باب میں قائلین عدم وجوب کے دلائل مذکور ہیں۔ دلائل کی تحقیق وتنقیح کے بعد وجوب کو ترجیح دی گئی ہے۔ مطبوعہ ۱۹۸۸ء/ ۲۰۰۱ء

۳۔ تذکرہ مولانا محمد احمد ناظم صاحب جامعہ فیض عام۔ مطبوع ۱۹۸۸ء، ناظم صاحب کے مفصل حالات کے ساتھ ہی مولانا فیض اللہ صاحب اور مولانا محمد احمد وبڑے مولوی صاحب کے حالات بھی تحریر کئے گئے ہیں۔

۴۔ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں دو متضاد نظریئے۔ مطبوع ۱۹۸۶ء و ۲۰۰۱ء۔

یہ کتاب مولانا منظور نعمانیؒ کی ایک کتاب کے رد میں لکھی گئی تھی، ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوریؒ نے اس کتاب کا عربی ترجمہ ''وجہتان متضادتان فی شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب'' کے نام سے کیا تھا جو جامعہ سلفیہ (بنارس) سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔

۵۔ مسئلہ امام مہدی آخر الزماں اور اس کی شرعی حیثیت۔ مطبوع ۲۰۰۴ء

۶۔ دین ومذہب اور کمیونزم (کمیونزم کا رد) مطبوع ۱۹۸۲ء، ۱۹۸۶ء

۷۔ مبادی اصول حدیث۔ مطبوع بار اول ۱۹۷۵ء بعدہ مسلسل

۸۔ مبادی عروض وقوافی مطبوع ۱۹۸۳ء

۹۔ خلیج کی خطرناک صورت حال (جنگ عراق وکویت کے تناظر میں) مطبوع ۱۹۹۱ء۔

۱۰۔ رکوع کے بعد قومہ میں ارسال یدین نہ کہ وضع یدین۔ مطبوع ۲۰۰۴ء

۱۱۔ صف بندی کا مسنون طریقہ وصل نہ کہ فصل۔ مطبوع ۲۰۰۸ء

۱۲۔ آدم وحواء علیہما السلام سے متعلق تین اہم علمی مسائل۔ مطبوع ۲۰۱۰ء

۱۳۔ ہبہ وعطیہ میں اولاد کے درمیان عدل اور چند متعلقہ مسائل۔ مطبوع ۲۰۱۱ء
۱۴۔ یتیم پوتے کی وراثت ومحجوبیت۔ غیر مطبوع (مکتوب ۱۹۹۵ء
۱۵۔ مشروع وممنوع حلالہ۔ مطبوع ۱۹۸۶ء
۱۶۔ تذکرہ خادم الحرمین الشریفین امیر فیصلؒ۔ مطبوع ۱۹۷۵ء
۱۷۔ نماز نبوی۔ مطبوع باراول ۱۹۷۹ء بعدہ مسلسل۔
۱۸۔ قبروں پر مساجد کی تعمیر اور اسلام (ترجمہ تحذیر الساجد۔۔۔۔۔۔ للعلامہ الالبانیؒ) مطبوع ۱۹۸۲ء و ۱۹۸۸ء۔
۱۹۔ اتباع سنت اور تقلید ائمہ اربعہ کی نظر میں (ترجمہ مقدمہ صفۃ صلاۃ النبیؐ البانی) مطبوع باراول ۱۹۸۱ء بعدہ متعدد بار
۲۰۔ اصول دین (ترجمہ ''الاصول الثلاثۃ وادلتہا'' للشیخ محمد بن عبدالوہاب النجدیؒ) مطبوع ۱۹۸۳ء
۲۱۔ سنت فجر کے احکام ومسائل (علامہ شمس الحق محدث عظیم آبادیؒ کی جامع تصنیف۔ 'اعلام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر' کا ترجمہ مطبوع ۲۰۱۱۔
۲۲۔ تشہد میں اشارہ اور اس کی ہیئت وکیفیت۔ مطبوع ۲۰۱۲ء
۲۳۔ سفر وحضر میں جمع بین صلاتین۔ مطبوع ۲۰۱۳ء
۲۴۔ ثم ارجع البصر کرتین فی مسئلۃ الجمع بین الصلاتین، ۲۰۱۴ء
۲۵۔ استدراکات (مجموعہ مضامین) مطبوعہ ۲۰۱۵ء
۲۶۔ تارک الصلوۃ کا حکم، مطبوعہ ۲۰۱۶ء
۲۷۔ نماز میں تشبہ بالحیوان کی ممانعت، مطبوعہ ۲۰۱۶ء
۲۸۔ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا ثبوت ودیگر مسائل متفرقہ جنائز، زیر طبع۔
۲۹۔ شیخ الکل میاں سید نذیر حسین دہلوی کے مئوی تلامذہ۔

ترجمہ وتالیف اور مضامین لکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔ مضامین اکثر ماہنامہ ''نوائے اسلام'' (دہلی) نیز ''ترجمان'' (مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند)، ماہنامہ ''التبیان'' (دہلی)، اور ''معارف'' (دارالمصنفین اعظم گڑھ) وغیرہ میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

جمعیۃ اہل حدیث سے وابستگی: مولانا موصوف جمعیۃ اہل حدیث ہند کے ساتھ ۱۹۷۰ء سے مسلسل وابستہ ہیں۔ شہری وضلعی جمعیۃ اہلحدیث مئو کے کبھی ناظم، کبھی امیر کبھی فقط رکن، صوبائی جمعیۃ اہل حدیث کے کبھی رکن مجلس شوریٰ کبھی نائب امیر، ۱۹۹۰ تا ۲۰۱۰ء مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کی مجلس شوری کے رکن رہے۔ جمعیت اہل حدیث سے اتنی طویل مسلسل وابستگی مئو میں مولانا کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہے۔ مولانا موصوف جمعیۃ کے کاز اور اس کے استحکام کے لئے اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں اور مرکزی جمعیۃ کے لئے بالخصوص مئو میں سرگرم کردار ادا کرتے ہیں۔

حج بیت اللہ: ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۹ء میں مع اہلیہ حج وعمرہ کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔

موجودہ مشغلہ: موصوف جامعہ محمدیہ کھیدوپورہ، مئو میں بحیثیت شیخ الحدیث تدریسی خدمات، صحیح بخاری وتفسیر بیضاوی وغیرہ کے درس کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں، ساتھ ہی فتاویٰ اور مقالات ومضامین لکھنے کی گراں قدر علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(ماہنامہ ''نوائے اسلام'' دہلی شمارہ جون ۲۰۱۰ء میں شائع شدہ سوانحی خاکہ سے ماخوذ مع اضافہ یسیرہ)

تلامذہ: تلامذہ کی تعداد کثیر ہے، معروف تلامذہ میں چند نام یہ ہیں:

مولانا محمد حنیف فیضی چمپارنی، مولانا مفتی عبیدالرحمن مدنی مئو، مولانا قاری نجم الحسن فیضی پرتاب گڑھی، ڈاکٹر شیخ عبدالباری فتح اللہ المدنی، مولانا عبدالکبیر مدنی مبارکپوری، مولانا مشتاق احمد فیضی ریاضی، مولانا قمر ساجدی، مولانا محمد مقیم فیضی، مولانا سمیع اللہ فیضی بستوی، ڈاکٹر عبداللہ جولم عمری مدنی، مولانا عبدالحمید فیضی، مولانا عبدالواجد فیضی، مولانا حماد الرحمن سلفی، مولانا شیخ ظفر الحسن مدنی، مولانا مقصود الحسن فیضی، مولانا محمد جرجیس کریمی فیضی، مولانا اقبال احمد محمدی، مولانا عبدالمبین فیضی، مولانا مظہر علی مدنی، مولانا شمیم احمد عمری، مولانا ڈاکٹر لیث محمد عمری، مولانا محمد ابراہیم مدنی، مولانا حافظ عبداللطیف اثری، مولانا محمد موسیٰ بندوی، مولانا خالد صدیقی، مولانا شہاب الدین مدنی، مولانا مطیع اللہ مدنی بستوی، مولانا ڈاکٹر عبدالمنان مدنی چمپارنی، مولانا عتیق الرحمن مبارکپوری، مولانا عبدالغنی فیضی، مولانا عبدالرحیم امینی، مولانا نسیم احمد فیضی مئو، مولانا حافظ شمیم املوی، مولانا خالد دمکاوی، مولانا قطب الدین دمکاوی، مولانا الطاف حسین فیضی، مولانا محمود احمد فیضی ممبئی، مولانا عبدالجبار فیضی سیونی، مولانا محمد اسماعیل کشمیری، مولانا سرفراز کانپوری، مولانا مصطفیٰ نیپالی، مولانا شہاب الدین نیپالی مدنی، مولانا وحید رضا فیضی، مولانا ذکی انور مدنی، مولانا ابوسعید فیضی، مولوی عزیز الرحمن فیضی ومولوی شفیق الرحمن فیضی (مکتبۃ الفہیم مئو) مولوی سرفراز احمد فیضی، مولانا معین الحق فیضی، مولانا عزیز الرحمن فیضی مالدی، مولانا ڈاکٹر جابر زماں فیضی بن مولانا عبدالغنی فیضی، مولانا ڈاکٹر فاروق عبداللہ فیضی مدنی۔

عرب تلامذہ: متعدد بلاد عربیہ کے شباب اہل علم نے اپنے وطن میں رہتے ہوئے بذریعہ موبائل یا اپنی زیارت ہند کے دوران مولانا فیضی کے پاس آکر روبرو مولانا کے صحاح ستہ کے اطراف سنا کر یا مولانا کی کتاب ''ثنائیات موطا مالک'' سنا کر آپ سے سند اجازہ حاصل کیا ہے۔ ان میں سے چند نام یہ ہیں:

يوسف بن احمد العلاوی(اردن) منصور بن عبدالله الكواری(قطر) عبدالله بن الحسين الفيلكاوی(كويت) دكتور عمر بن جبريل الشواهين (اردن) محمد سعيد هاشم (لبنان) محمد زياد التكلة (رياض) بدر سّوار (رياض) صهيب المرزوقی (مدينه منوره) عمر بن سراج حبيب (جده) قاسم محمد ظاهر (لبنان) احمد بن العربی (مراكش) رشيد مجاهد(مراكش) دسان بن محمد الحجازی (حلب) حمد المری (قطر) سعد بن عبدالعزيز القميش (دمام، سعوديه) ماهر صديقی، الفلسطينی (لبنان) علی محمد سالم حسن المصری، محمد علی عبدالله ابو الروغة الزعابی، نايف يوسف محمد ناصر المنصوری، عبدالقادر محمد نور عجال (كلهم من راس الخيمه، الامارات العربيه المتحده)۔ □□

خودنوشت

استاذ گرامی مولانا عبدالسلام مدنی ٹکریا سدھارتھ نگر

سابق استاد حدیث جامعہ سلفیہ بنارس

مولانا عبدالسلام مدنی حفظہ اللہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے آپ جماعت کے جید اور کہنہ مشق اساتذہ اور صف اول کے خطباء وعلماء میں شمار کئے جاتے ہیں، عمر دراز کا قیمتی حصہ جامعہ سلفیہ بنارس میں کتب حدیث اور اس سے متعلقہ فنون کی تدریس میں لگا چکے ہیں۔ فی الوقت اپنے وطن ٹکریا میں اقامت پذیر رہ کر علمی کاموں کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ استاذ محترم کو صحت وعافیت عطا فرمائے آمین۔

(عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی)

اسم: ابوعبدالحق عبدالسلام بن ابواسلم جمن مدنی،

والدہ: فہیمہ خاتون بنت تعلقدار، ساکن ٹکریا، ڈومریا گنج، سدھارتھنگر، یوپی انڈیا

ولادت: بروز سوموار ۱۲/ ۲/ ۱۴۶۳ھ مطابق ۷/ ۲/ ۱۹۴۴ء موضع ٹکریا، ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر، یوپی، انڈیا۔

تعلیم: تعلیم کا آغاز گاؤں ٹکریا کے مدرسہ ''مفتاح العلوم'' میں ہوئی۔ مکتب درجہ دوم تک یہیں پڑھا، چونکہ ماموں مولانا خلیل صاحب رحمانیؒ (جو جامعہ رحمانیہ دہلی کے آخری فارغین میں سے تھے) جامعہ سراج العلوم، بونڈیہار بلرام پور میں اونچی کلاسوں کے مدرس تھے، والدین رحمہا اللہ نے علم دین کی سچی تڑپ کی وجہ سے مجھے ۷/ ۸ سال کی عمر ہی میں اپنی آنکھوں سے دور ماموں صاحب کے پاس بھیج دیا، وہاں میں نے ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۰ء کل ۹/ تعلیمی سال گزارا اور مکتب کی تعلیم پوری کر کے فارسی کورس کے ۲/ سال، پھر عربی درجات میں ابتداء سے مشکوٰۃ ج ۱، شرح الوقایہ ج ۱، تک پڑھا۔

اور ۱۹۶۰ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس چلا گیا، مشکوٰۃ ج ۱، بخاری ج ۱، ومسلم ج ۱، کی تعلیم حاصل کی، وہاں ۱۹۶۶ء تک ۷ سال گذارا۔ سالانہ امتحان میں مدرسہ میں دوسری پوزیشن رہی تو بروقت جامعہ رحمانیہ بنارس کے ناظم مولانا محمد زبیر صاحب (رحمانیؒ) نے جامعہ سلفیہ کے تعلیمی افتتاح کے لئے تشریف لائے ہوئے شیخ شیبۃ الحمد سے چار بچوں کے لئے مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کی سفارش کی ان میں ایک میں بھی تھا۔

مدینہ منورہ میں ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۰ء تک ۴ سال کلیۃ الدعوۃ میں تعلیم حاصل کی اور ''لیسانس'' کی ڈگری حاصل کی۔ فللہ الحمد والشکر۔

علمی لیاقت: ۱۔ شہادۃ ''مولوی'' ۲۔ ''عالم'' ۳۔ ''فاضل ادب عربی'' یوپی بورڈ، ہر امتحان بتقدیر فرسٹ اور ''شہادۃ اللیسانس'' مدینہ یونیورسٹی بتقدیر جید جدا حاصل کیا۔

اساتذہ کرام: ● شیخ نذیر احمد رحمانی املوی شیخ عبیداللہ رحمانی مبارکپوریؒ (اجازۃ) ● شیخ محمد اقبال رحمانیؒ ● شیخ محمد عابد رحمانیؒ ● شیخ عبدالوحید رحمانیؒ، (بنارس) ● شیخ عبدالغفار حسن رحمانیؒ ● شیخ عبدالمحسن العباد حفظہ اللہ ● دکتور تقی الدین الہلالیؒ ● شیخ محمد امین الشنقیطیؒ ● شیخ ابوبکر جابر جزائریؒ ● شیخ ممدوح فخری شامیؒ، وغیرہم من الفضلاء۔۔۔

شاگردان: ● دکتور رضاء اللہ محمد ادریسؒ ● شیخ صلاح الدین مقبول ● شیخ عبداللہ سعود (بنارس) ● شیخ ڈاکٹر اقبال احمد بسکوہری ● شیخ احسن جمیل سلفی ● شیخ محمد انور سلفی (کویت) ● شیخ نعیم الدین مدنی ● شیخ جمیل احمد مدنی (دہلی) ● شیخ شمیم احمد سلفی (قطر) ● شیخ عبدالسلام سلفی (ممبئی) ● شیخ اصغر علی امام مہدی مدنی ● شیخ ظفر الحسن (شارجہ) ● شیخ کفایت اللہ (کویت) وغیرہم کثیر من الفضلاء۔۔۔۔۔۔

تدریس: میں نے صرف جامعہ سلفیہ بنارس ہی میں تدریس کا فریضہ انجام دیا ہے۔ ۱۰/۱۲/۱۹۷۰ء سے ۳۰/۶/۲۰۱۱ء تک کل ۴۳ر تعلیمی سال گزارا ہے۔ وہاں میرے پاس حدیث کی عام طور پر ۲ کتابیں اور ایک کتاب تو ہر سال رہی ہے۔ مشکوٰۃ ج ۲، ۵ سال، سنن النسائی ج ۲، ۳۴ر سال، صحیح مسلم ج ۱، ۸ سال، صحیح بخاری ج ۱، ۱۱ سال، صحیح بخاری ج ۲، ۱۰ سال، (گویا کل تعلیمی ۶۷ سال) اصول حدیث میں قصب السکر، الباعث الحثیث، نزهة النظر، عقیدہ کی کتابوں میں الواسطیة، الطحاویة۔ ادب عربی میں کلیلة ودمنه، حماسه باب الادب، مختارات ج ۲۔ فقہ میں شرح الوقایہ ج ۱، وج ۲، فلله الحمد والشکر۔

تصنیف: ۱) التعلیق المنتقی علی سنن المجتبی ج ۲ (عربی مطبوع)

۲) التعلیق المليح علی مشکوٰة المصابیح، ج ۲ (عربی مطبوع)

۳) تصحیح وتهذیب الحواشی لکتاب نزهة النظر (عربی مطبوع)

۴) مجموعہ احادیث نبویہ مع ترجمہ اردو (مرکزی جمعیۃ کے لئے مطبوع)

۵۔ دروس حدیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو آپ کے سامنے مطبوع ہے)

اہل خانہ: والدین (رحمہما اللہ) نیک بیوی آمنہ خاتون بنت مولانا محمد خلل رحمانی، شادی ۲۷/۲/۱۹۶۳ء کو ہوئی، اس وقت میری عمر ۲۰ سال کی تھی۔ بحمد للہ ۵ لڑکے اور ۵ بچیاں ہیں: ۱۔ عبدالحق (فاضل بنارس وسرجن) ۲۔ دکتور عبدالنور (حافظ، عالم بنارس) ۳۔ عبدالباسط (عالم، طبیب) ۴۔ عبدالظاہر (عالم، ایم، ایس، ڈبلیو۔ سوشل انٹر پرنیور) ۵۔ عبدالواسع (انٹر بائیولوجی) ۱۔ شمیمہ خانم (درجہ ہشتم) ۲۔ راشدہ خانم (درجہ ہشتم) ۳۔ مرشدہ خانم (عالمہ وفاضلہ) ۴۔ عائشہ خانم (عالمہ وفاضلہ) ۵۔ شیماء خانم (عالمہ اور بی اے کی طالبہ)۔

ربنا هب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرة اعین واجعلنا للمتقین اماماً۔ آمین یا رب العالمین۔

وصلی اللہ علی النبی الکریم وعلی آله واصحابه اجمعین۔

عبدالسلام مدنی (ٹیکریا، ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر، یوپی، الہند)

(ماخوذ از کتاب دروس حدیث نبوی ص: ۵۔۷)

خودنوشت

استاذ گرامی شیخ محمد مستقیم سلفی پھلوریا سدھارتھ نگر

سابق شیخ الجامعہ السّلفیہ بنارس

استاذ گرامی کا شمار جامعہ سلفیہ کے قدیم ومعمر اساتذہ نیز جماعت اور علماء اہل حدیث کی تاریخ وخدمات پر لکھنے والے اہل قلم میں صف اول میں شمار کیا جاتا ہے۔ استاذ گرامی مولانا مستقیم سلفی ایک بابصیرت اور مسئولیت وذمہ داری کے ماہر کہنہ مشق مدرس جانے جاتے ہیں، آپ جامعہ سلفیہ کے ان بزرگ اساتذہ میں ہیں جنہیں جامعہ میں خوشہ چیں کے ساتھ ایک طویل عرصے سے تدریس کا شرف بھی حاصل ہے۔ اور جماعت کے ان بے لوث قلمکاروں میں آپ کا شمار ہے جنہوں نے جماعتی تاریخ اور علماء اہل حدیث کی خدمات کا بیڑا اٹھایا ہے۔ جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات اور اس کے علاوہ بے شمار علمی وتاریخی کتابوں کے مصنف ہیں اور اہل علم وقلم سے داد تحسین پا چکے ہیں۔ انتہائی شریف النفس ،متواضع ،منکسر المزاج اور اپنی ذمہ داریوں کے تئیں سنجیدہ اور فعّال مدرس ہیں۔ ۳ سالوں تک منصب شیخ الجامعہ پر فائز رہ چکے ہیں اور تدریس وتربیت کے ساتھ اپنے علمی کاموں کی تکمیل میں رواں دواں ہیں، اب تک ہزاروں شاگرد جامعہ سلفیہ سے فیض پا کر میدان عمل میں مصروف کار ہیں اور آپ کے لئے صدقہ جاری، ہیں آپ ضلع سدھارتھ نگر کے مشہور ومعروف گاؤں پھلوریا کے رہنے والے اور علاقے میں اچھی شہرت اور علمی مقام کے مالک اور لوگوں کی نگاہ میں خدمت دین اور شرافت ومتانت کے لئے مشہور ومعروف ہیں۔ رب العالمین سے دعا ہے کہ آپ کو عمر دراز صحت وعافیت کے ساتھ عطا فرمائے۔ اور بقیہ علمی کاموں کی تکمیل کی سعادت بخشے آمین۔ شکریہ کے ساتھ افادہ عام کے لئے آپ کی خودنوشت سوانح ھدیۂ قارئین ہے۔

(عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی) ❑

نام ونسب: محمد مستقیم بن سعید بن دولہ بن بندے علی بن گلزار خاں بن جین خان۔

جین خاں اٹوا بازار کے قریب موضع کھونیاؤں کے باشندہ تھے، یہ علاقہ راجا بانسی کا تھا، جین خاں اس وقت کے بہت بڑے ٹھیکیدار تھے اور راجا انہیں بہت مانتا تھا، جین خاں کے کل چار لڑکے تھے، (۱) گلزار خان (۲) اللہ بخش (۳) گلاب بخش (۴) مڑھئی۔ جین خاں کے انتقال کے بعد گلزار خاں (جو اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے) کو راجا ان کے باپ جین خاں کی طرح مانتا تھا، راجا کے یہاں لڑکی کی شادی تھی۔ گلزار خاں کا بلاوا آیا، اتفاق سے یہ گھر نہیں تھے، گھر کے کسی فرد نے یا کارکرتاؤں میں سے کسی نے نامناسب بات کہہ دی، قاصد نے جا کر بڑھا چڑھا کر راجا سے ان کی شکایت کر دی۔ راجا نے بلا تحقیق اپنے حلقہ سے فوراً نکل جانے کا حکم دے دیا، چار وناچار مجبور ہو کر ان لوگوں کو وہاں سے بھاگنا پڑا اور علاقہ الیدہ پور (جو ایک انگریز کی جاگیر تھی) میں آ کر جنگل کاٹ کر ایک جگہ بس گئے آج وہی بستی گلزار خاں کے نام پر موضع پھلوریا سے جانا جاتا ہے۔

گلزار خاں کے کئی لڑکے تھے جن میں سے چار لڑکے بقید حیات رہے ان چاروں کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ (۱) بندے علی

(۲) بیچو (۳) کھدیرو (۴) کلے۔ ان چاروں کی اولاد موضع پھلوریا میں موجود ہیں۔

گلاب بخش کے تین لڑکے بقید حیات رہے (۱) عبدالرحمن (۲) قاسم (۳) محمد حسین، ان تینوں کی اولاد پھلوریا گاؤں سے قریب موضع جھنڈا نگر میں موجود ہیں۔

اللہ بخش کے چار لڑکے بقید حیات رہے (۱) محمد عیسیٰ (۲) جمن (۳) رمضان (۴) اکبر، ان چاروں میں سے دو اول الذکر لاولد تھے اور رمضان خاں کی اولاد موضع مہتھا بازار ضلع سدھارتھ نگر میں آباد ہیں اور اکبر بابا ضلع گیا بہار میں جا کر آباد ہو گئے، معلوم نہیں کہ اس وقت ان کی اولاد ہیں یا نہیں۔

ولادت: میری پیدائش صحیح معلوم نہیں البتہ سند میں لکھی ہوئی پیدائش ۲۵ رمئی ۱۹۴۶ء ہے۔

تعلیم: میں نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے آبائی مدرسہ دارالسلام میں شروع کی اس مدرسہ میں اس وقت ایک ہی مدرس تھے جن کا نام تھا مولانا عبدالشکور گوپال پوری (سدھارتھ نگر)، میں چونکہ یتیم تھا میرے والدین کا سایہ میرے سر سے بچپن میں ہی اٹھ گیا تھا، میری پرورش و پرداخت میری بڑی بہن نے کی، ان کی شادی نہال میں موضع رومندیوی (سدھارتھ نگر) میں ہوئی تھی وہ مجھ کو اپنے ساتھ رکھتی تھیں میرے بہنوئی کی زمینداری رومندیوی سے قریب تقریباً تین میل کے فاصلہ پر موضع ندولیا، امہوا میں تھی، میرے بہنوئی وہیں رہتے تھے، میں قریب آٹھ سال کا ہو گیا تو میری بہن نے مجھے مدرسہ بحرالعلوم انتری بازار (سدھارتھ نگر) جو ندولیا و امہوا سے قریب ہے پڑھنے کے لئے داخل کر دیا۔ میں نے وہاں پر دو سال فارسی پڑھ کر ۱۹۶۱ء کے شروع میں بہن کو خبر دیئے بغیر مولانا عبدالحنان صاحب فیضی حفظہ اللہ کے ساتھ بنارس چلا آیا، مدرسہ بحرالعلوم انتری بازار کے اساتذہ میں سے مولانا عبدالحنان فیضی کے والد محترم مولانا محمد زماں صاحب (مرحوم) اور مولانا عبدالحمید صاحب شفیقی قابل ذکر ہیں، مولانا عبدالحنان صاحب فیضی چونکہ بحیثیت استاذ مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی کے مدرسہ سعیدہ میں آئے ہوئے تھے لہذا میں نے اس مدرسہ میں داخلہ لیا اور تین سال یہاں رہ کر عربی کی ابتدائی کتابیں نحو و صرف اور حدیث کی پہلی کتاب بلوغ المرام اور ترجمہ کلام پاک پڑھا، اس مدرسہ کے اساتذہ میں سے مولانا عبدالآخر بن مولانا محمد سعید محدث بنارسی اور مولانا عبدالحنان صاحب فیضی ہیں۔

اس کے بعد جامعہ رحمانیہ مدنپورہ بنارس میں آ کر عربی کی تیسری جماعت میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۶ء تک اس مدرسہ میں زیر تعلیم رہا، ۲۱ مارچ ۱۹۶۶ء مطابق ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ بروز دوشنبہ کو شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد پروفیسر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ نے جب جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) کا تعلیمی افتتاح کیا، پھر باقاعدہ تعلیم ۲۶ رذی القعدہ ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۸ راپریل ۱۹۶۶ء یوم دوشنبہ سے شروع ہوئی تو جامعہ رحمانیہ کے وہ طلبہ جو عالمیت و فضیلت میں پڑھ رہے تھے اس جامعہ میں منتقل کر دیئے گئے۔ انہیں طلبہ میں ایک میں بھی تھا۔ پھر اس جامعہ سے میں نے ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں فضیلت کی سند حاصل کی، اور دوران طالب علمی ۱۹۶۵ء میں الہ آباد بورڈ سے فرسٹ ڈویژن سے مولوی پاس کیا اور دوران تدریس جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۹۰ء میں فرسٹ ڈویژن سے عالم پاس کیا اور ۱۹۸۷ء میں جامعۃ الملک سعود ریاض (سعودیہ عربیہ) سے تدریب المعلمین کی ڈگری بھی حاصل کی۔

اساتذہ: مدرسہ جامعہ رحمانیہ مدنپورہ بنارس کے اساتذہ میں • مولانا نذیر احمد رحمانی املوی • مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی • مولانا

عبدالوحید رحمانی شیخ الجامعۃ ● مولانا محمد عابد رحمانی ● مولانا محمد یوسف رحمانی بہرائچی، اور جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے اساتذہ میں ● مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی ● مولانا محمد عابد رحمانی ● مولانا عبدالوحید رحمانی (شیخ الجامعۃ) ● ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازھری ● مولانا عبدالمعید بنارسی ● مولانا عظیم اللہ مئوی ● مولانا شمس الحق سلفی ● ماسٹر شمس الدین بنارس ● شیخ صالح عراقی ● شیخ ربیع ہادی مدخلی ● شیخ ہادی بن احمد الطالبی ہیں۔

تدریسی خدمات: فارغ ہونے کے بعد چند مہینے جالوادہ ضلع بیجاپور (میسور) میں عربی کی ابتدائی کتابوں کا درس دیا یہ مدرسہ ابھی نیا قائم ہوا تھا۔ مالی بحران کی بنا پر چل نہ سکا۔ لگ بھگ ۷ ماہ یہ مدرسہ چل کر بند ہوگیا جس کی بنا پر میں گھر چلا آیا اور تقریباً ڈیڑھ ماہ گھر رہ کر وڈھن ضلع سیدھی (مدھیہ پردیش) پڑھانے کے لئے چلا گیا اور ڈیڑھ سال وہاں رہ کر ۱۹۷۲ء میں مستعفی ہوکر گھر چلا آیا اور گھر پر رمضان کا مہینہ گذار کر موضع گلرہا ضلع گونڈہ مدرسہ قاسم العلوم میں آکر مشکوٰۃ ج ۱، اور کلیۃ دمنہ وغیرہ پڑھایا، یہاں کی آب وہوا مجھے راس نہیں آئی، کسی طرح سال مکمل کیا پھر جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال میں آکر درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے لگا یہاں پر میرے زیر تدریس مشکوٰۃ المصابیح ج ۱، ہدایۃ الحکمۃ اور مختارات جیسی اہم کتابیں تھیں۔ ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۶ء اس جامعہ میں تدریسی فرائض انجام دیتا رہا۔ اس کے بعد مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار ضلع گونڈہ چلا آیا اور تدریسی فرائض پر مامور ہوا۔ یہاں پر میرے زیر تدریس مشکوٰۃ المصابیح ج ۱، ہدایۃ الحکمۃ، اصول الشاشی، اور مختارات وانشاء جیسی اہم کتابیں تھیں پھر ۱۹۷۹ء میں بحیثیت مدرس جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس چلا آیا اور تاحال یہیں پر تدریسی خدمات پر مامور ہوں۔

جب میں سراج العلوم جھنڈانگر میں تدریسی فرائض انجام دے رہا تھا تبھی جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے ناظم اعلیٰ مولانا عبدالوحید رحمہ اللہ کا خط میرے پاس آیا کہ بنارس جامعہ سلفیہ میں بحیثیت مدرس آپ آجائیں لیکن اپنی کچھ مجبوریوں کی بنا پر میں نہیں آیا۔ لیکن جب میں جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں پڑھا رہا تھا تو اس وقت میرے بزرگ استاد مولانا عبدالمعید صاحب بنارسی بونڈیہار تشریف لائے اور چند دن ان کا قیام جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں تھا۔ ایک دن مولانا میرے کمرے میں تشریف لائے اور کہنے لگے کہ میں جامعہ سلفیہ بنارس سے تم کو لینے کے لئے یہاں آیا ہوں تم ناظم اعلیٰ صاحب کے بلانے پر بنارس کیوں نہیں آرہے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میں ڈرتا ہوں وہاں پر عالم اول سے پڑھائی ہوتی ہے ایسا نہ ہو کہ میں طلبہ کو مطمئن نہ کرسکوں، مولانا نے فرمایا کہ تم کیوں ڈرتے ہو تمہارے اساتذہ سب موجود ہیں جہاں شبہ ہو ان سے پوچھ لو، ڈرتا وہ ہے جو یتیم ہو، الحمدللہ تمہارے تو بہت سے اساتذہ موجود ہیں، مولانا کی اس ہمت افزائی پر مجھے انتہائی خوشی ہوئی، سال پورا کرکے میں جامعہ سلفیہ بنارس چلا آیا اور تاحال تدریسی فرائض انجام دے رہا ہوں۔

منصب شیخ الجامعہ: ۲۹/ ۳۰ مارچ ۲۰۰۳ء مطابق ۲۴/ ۲۵ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ بروز سنیچر واتوار کو ممبئی میں بمقام باندرہ کرلا کمپلیکس صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی دین رحمت کانفرنس میں شرکت کے لئے ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس شیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لے گئے تھے، اور وہیں ۳۰ مارچ کو حرکت قلب بند ہونے کی بنا پر آپ کی وفات ہوگئی جس کی وجہ سے جامعہ سلفیہ بنارس کا منصب خالی ہوگیا، چند ماہ گذر جانے کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس کی انتظامیہ نے مجھے لاکھ معذرت کے باوجود شیخ الجامعہ بنادیا، مجبوراً تین سال تک میں اس منصب پر فائز رہا، اپنی خرابی صحت کی بنا پر استعفیٰ دے

دیا، بڑی مشکل سے استعفیٰ منظور ہوا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ طلباء جامعہ کی نگرانی کی ذمہ داری آپ ہی کے سر رہے گی۔ میں نے ذمہ داری قبول کر لی اور تا حال جامعہ میں تدریسی فرائض انجام دینے کے ساتھ طلباء جامعہ کی نگرانی بھی کرتا ہوں۔

شاگردان: میرے شاگردوں کی تعداد زیادہ ہے جن کا شمار کرنا مشکل ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔ (۱) مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی (ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند (۲) مولانا محمد ابراہیم حفیظ الرحمن ناظم اعلیٰ ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر (۳) مولانا عبدالمنان ایڈیٹر السراج جھنڈا نگر نیپال (۴) مولانا عبدالمتین مدنی استاد جامعہ سلفیہ بنارس (۵) مولانا نیاز احمد طیب پوری (۶) مولانا ارشد فہیم الدین استاد جامعہ ابن تیمیہ بہار (۷) مولانا ارشد سراج الدین سلفی بارہ غازیپور (۸) مولانا حمید اللہ سلفی ممبئی (۹) مولانا اکرم مختار ازہری جامعہ محمدیہ مالیگاؤں مہاراشٹر (۱۰) مولانا عبدالسلام عبدالسمیع سلفی امیر صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی وغیرہ۔ (مجھ خاکسار عبدالحکیم عبدالمعبود کو بھی آپ نے ۱۹۸۸ء۔۱۹۸۹ء میں خوشہ چینی کا شرف حاصل ہے)

تبلیغی خدمات: میں جہاں کہیں بھی رہا برابر اطراف وجوانب میں تبلیغی خدمات انجام دیتا رہا۔ مساجد میں خطبہ دینا، سیمیناروں اور جلسوں واجتماعات میں شرکت کرنا برابر جاری ہے۔

مضمون نگاری: مختلف موضوع پر مضامین برابر لکھتا رہتا ہوں، دینی واصلاحی مضامین میں زیادہ تر محدث بنارس، السراج جھنڈا نگر نیپال، الفرقان ڈومریا گنج سدھارتھ نگر، جریدہ ترجمان دہلی وغیرہ میں چھپا کرتے ہیں۔

تصنیفی خدمات: تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری ہے، کچھ کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں اور کچھ زیر طبع ہیں۔ اب تک مندرجہ ذیل کتابیں تالیف تصنیف کر چکا ہوں۔

(۱) جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات (۲) گمراہ ومنحرف فرقوں کی تردید میں جماعت اہل حدیث کی خدمات (۳) برہان التفاسیر لاصلاح سلطان التفاسیر (۴) علمائے اہل حدیث ہند اوران کے حیات وخدمات (۵) فارغین جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) اوران کے حیات وخدمات (۶) پردہ کی اہمیت (۷) بشریت مصطفی (بشکل مکالمہ) (۸) الادیان والفرق (۹) رد عیسائیت میں علمائے اسلام کی تصنیفی خدمات (۱۰) حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح ج ۲، (۱۱) حاشیہ سنن ابی داؤد ج ۱، (۱۲) برصغیر ہند میں جماعت اہل حدیث کی صحافتی خدمات (۱۳) علمائے اہل حدیث ہند کی خدمات احادیث۔

شادی واولاد: میری شادی دوران طالب علمی میں ہی ضلع بلرام پور (گونڈہ) کے ایک مشہور گاؤں اونرھوا میں عبدالستار صاحب کی چھوٹی لڑکی عبیدہ خاتون سے ہوگئی جن کے بطن سے کل چھ اولاد ہوئیں پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا۔ سب کے سب بحمد للہ بقید حیات ہیں، ترتیب اولاد اس طرح ہیں۔ (۱) زینت خاتون (۲) امامہ خاتون (۳) سلمہ خاتون (۴) ریحانہ خاتون (۵) رضوانہ خاتون (۶) محمد ابراہیم، بحمد للہ سب کی شادی ہو چکی ہے اور سب صاحب اولاد ہیں سوائے ایک بچی رضوانہ خاتون کے اللہ تعالیٰ اس کو بھی صاحب اولاد کر دے اور سب کو نیک وصالح بنائے آمین۔

محمد مستقیم محمد سعید سلفی

۱۴/۴/۲۰۱۶ء

□□□

باب ہفتم

مناظرات و متفرقات

روداد مناظرہ بڑھنی ۱۹۱۸ء/ ۱۳۳۶ھ اور مولانا محمد یوسف صاب شمس محمدی فیض آبادیؒ

آپ کی ولادت ۱۷/ذی الحجہ ۱۳۰۰ء شیعی گھرانے میں ہوئی اور نوابی خاندان شجاع الدولہ والی اودھ وعامر فیض آباد جن کی سطوت کا ڈنکا انگریزوں کے آنے تک چاردانگ عالم میں بجتا رہا، اساتذہ میں شیعہ عالم رہے حکیم سید مشتاق علی صاحب دیوبندی سے قرآن مجید حفظ کیا، علم تجوید بھی حاصل کیا، اور فن مناظرہ میں مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادیؒ (صاحب حسن البیان) سے استفادہ کیا، آپ کی خدمت میں باریابی سے پہلے اگرچہ آبائی مذہب (شیعہ) سے دست بردار ہو چکے تھے مگر ابھی عمل بالحدیث سے کوسوں دور یعنی بریلوی عقیدہ پر تھے، بتدریج عمل بالحدیث پر پہنچے، اور جماعت اہل حدیث کے سرگرم رکن رہے، ۱۹۰۸ء سے ماہنامہ رسالہ ''اہل الذکر'' جاری کیا۔

مولانا موصوف شعر بھی کہتے تھے، آل انڈیا اہل حدیث اجلاس کے موقع پر نظم سنایا کرتے تھے، جس کو سن کر علامہ امرتسریؒ نے آپ کو ''حسان'' کے خطاب سے سرفراز فرمایا، آپ کی وفات ۲۴/رمضان ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۸/نومبر ۱۹۳۸ء کو ہوئی۔

(تراجم علمائے اہل حدیث ہند۔ص/۴۸۱)

بروایت والد محترم کہ جب مولانا محمد یوسف صاحب شمس محمدی پہلی بار جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو کے سالانہ جلسہ میں تشریف لانے والے تھے، تو جملہ اساتذہ، علماء، وطلبہ ورؤسا وغیرہم استقبال کے لئے ریلوے اسٹیشن گئے چار بجے والی ٹرین اعظم گڑھ سے آئی، پلیٹ فارم پر قدم رکھتے ہی بآواز بلند کہا (یا علی مشکل کشا) اس پر سب لوگ حیران ہو گئے، کسی طالب علم نے کہا مولانا یہ تو شیعوں کا نعرہ ہے، اس پر مولانا نے مسکراتے ہوئے فرمایا کیا ہنستے ہو؟ سنو! قرآن بھی ''علی'' کو خدا کہتا ہے اس پر اور بھی تعجب کرنے لگے مولانا نے فرمایا سنو ''علی'' اللہ تعالی کا ایک صفتی نام ہے میں اہل حدیث نہیں بلکہ اہل حدیث گر ہوں اس لئے میری مراد یہ ہے کہ ''یا علی'' یعنی یا اللہ مشکل کشا اس میں کس کو شک ہے؟

آپ بڑے ظریف الطبع تھے کسی نے پوچھا کہ مولانا اس ''بکس'' میں کیا ہے؟ کہا اس میں ''دیو'' بند ہے پھر پوچھا اس میں کیا ہے تو پھر یہی جواب ملا کہ اس میں ''دیو'' بند ہے پھر ایک شعر سنایا ؎

گل کھلے ہیں بریلی و علمائے دیوبند
پاگل وہاں ہیں بند یہاں دیو بند ہیں

آپ انیس کتابوں کے مصنف ہیں جس میں ''قطع الوتین'' قابل ذکر ہے اور ماہنامہ رسالہ ''اہل الذکر'' جوابات سے پر ہے۔

بعد نماز عشاء جب خطاب عام کے لئے اسٹیج پر تشریف لائے تو فرمایا کہ اس جلسے میں جتنے حافظ ہیں وہ اچھی طرح بیٹھ جائیں اور جن آیتوں میں اسلام، مسلمین و مسلمات ان تین لفظوں میں سے کوئی نہ رہے، تو فوراً ٹوک دیں، پھر خطبہ کے بعد ''ان الدین عنداللہ الاسلام'' کی تلاوت کی اور ڈیڑھ گھنٹہ تک اپنے مواعظ حسنہ سے سامعین کو نوازتے رہے۔ (والد محترم مولانا بشیر اللہ صاحب اعظمی حفظہ اللہ کا یہ پہلا حسن اتفاق تھا کہ اس عظیم الشان اجلاس میں ۱۰ رمنٹ تقریر کرنے کا صدر جلسہ نے موقع دیا، موصوف جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو کے شعبہ عربی کے استاد اور جامع مسجد فیض عام میں بیس سال تک خطیب بھی رہے اس دوران اکثر صوبائی اہل حدیث کانفرنس یوپی اجلاس میں بحیثیت خصوصی مقرر شریک ہوا کرتے تھے، آج بھی جب کہ نوے سال کی عمر ہو چکی ہے الحمد للہ صحیحین (بخاری و مسلم) کا درس دے رہے ہیں۔ (از مرتب)

علامہ عبداللہ صاحب شائق مئوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی شان میں ایک شعر کہا تھا وہ یہ ہے ؎

حضرت یوسف کہ فیض آباد ہے جن کا وطن
شمس کی صورت ہیں جو روشن خیال آنے کو ہیں

جماعت اہل حدیث کی فتح

مناظرہ بڑھنی ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۸ء

ضلع بستی میں جماعت اہل حدیث کی ایک معقول تعداد اور بحمد للہ اچھی حالت میں ہے، پیرزادوں کی خدائی کے دام تزویر سے جہاں آزادی حاصل ہوگئی وہاں حق پھیلے گا۔

خیر صاحب! گورکھپور سے گونڈہ تک بی این ڈبلو آر کا ایک سلسلہ کوہ نیپال کے دامن میں چلا گیا ہے، اس سلسلہ میں جماعت اہل حدیث کی بستیاں بھی ہیں اور بحمد للہ اچھی حالت میں ہیں، ایک حنفی مولوی محمد ادریس صاب جو اپنے کو دہلی کا رہنے والا بتاتے ہیں، ایک سال کے عرصہ سے اس علاقہ میں کچھ اپنا رنگ جمائے ہوئے ہیں، جماعت اہل حدیث کے مقابلہ میں تلے ہوئے ہیں، اپنے لوگوں کو پیر پرستی وغیرہ امور پر قائم رکھنے میں کوشاں ہیں، تاکہ یہ ہاتھ سے نکل نہ جائیں، سنتے رہے کہ مولوی صاحب بڑے علمدار ہیں، مباحثہ میں بہت سے مولویوں مثلاً (مولوی عبدالرحمن گدی وغیرہ) پر غالب آچکے ہیں عام طور سے علمائے اہل حدیث کو چیلنج دے رہے ہیں، یہ ہے وہ ہے، لیجئے وہ دن آگیا کہ اونٹ پہاڑ کے نیچے آجائے۔

اسٹیشن بڑھنی کے سامنے وسیع میدان تماشائیوں کے مجمع سے بھرا نظر آتا ہے، دیہات سے لوگ جوق در جوق چلے آرہے ہیں، مذہبی پہلوانوں کا دنگل ہے، آج ہی ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ تاریخ مناظرہ مقرر ہے، ایک طرف مولوی محمد ادری صاحب، مولوی محمد یوسف صاحب الہ آبادی نظر آتے ہیں تو دوسری جانب محمد جعفر صاحب و مولوی عبدالرزاق صاحب اہل حدیث سے دیگر گاؤں کے

دکھائی دیتے ہیں، مولانا عبدالرزاق صاحب ایک نیک دل خدا پرست دیندار عالم ہیں، انہیں کے اہتمام وادعاء سے یہ خاکسار محمد یوسف (شمس محمدی) بھی آ گیا، مولوی صاحب موصوف کی مہربانی اور تمام علمائے اہل حدیث کے اتفاق سے مناظرہ کے لئے بھی میں ہی منتخب کیا گیا، میرے حاضر ہوتے ہی گفتگو شروع ہوگئی، پہلے صدر جلسہ وثالثہ کا انتخاب ہوا، مولوی محمد ادریس صاحب نے ایک غیر کو ثالث بنانا چاہا مگر خاکسار نے خود حنفیوں ہی میں سے ایک لائق معزز شخص (مسمی شرف الدین صاحب) کو ثالث مان لیا، جماعت اہل حدیث کی اس بلند حوصلگی وہمت پر تعجب ہوا کہ انہیں سے بحث ہوا اور انہیں میں سے ثالث ہو۔

شرائط مباحثہ لکھے گئے جن میں پہلی شرط یہ تھی کہ یہ مباحثہ مابین جماعت اہل حدیث وحنفیہ ہوگا اور یہ کہ ہر فریق اپنے مسلمات سے ملزم ہوگا اور یہ کہ شرائط مسلمہ کی خلاف ورزی کرنے والا مغلوب ہوگا۔

شرائط لکھے جانے کے بعد میں نے کہا ان پر پہلے دستخط کر دیجئے، پھر مسلمات لکھے جائیں گے، مولوی محمد ادریس صاحب دستخط کرنے سے رکے، مگر بالآخر ثالث کے فیصلہ سے دستخط کرنے پر مجبور ہوئے پھر مسلمات لکھے جانے لگے، میں نے قرآن مجید اور حدیث صحیح مرفوع کو حجت مانا، پھر فریق ثانی کی باری آئی، اب لگے سوچنے، قرآن شریف لکھوا کر سوچنے لگے، پھر کہا حدیث صحیحین، میں نے کہا صحیحین میں تو ہزاروں حدیثیں ہیں لہٰذا بصیغہ مفرد غلط، پھر کچھ سوچ کر بولے اچھا لکھو احادیث صحیح مرفوع، میں نے عرض کیا، پھر غلط، کیوں کہ احادیث تو لفظ جمع ہے، اس کی صفت مرفوع بصیغہ مفرد غلط، مگر آپ نے اس اصلاح کو قبول نہ کیا، اس کے بعد خاموش ہوئے، میں نے کہا مولوی صاب یہی دو مسلمات آپ کے ہیں یا اور بھی، میں انہیں دو سے بحث کروں گا، میں نے کہا مباحثہ درمیان اہل حدیث وحنفیہ ہے لہٰذا آپ کو کل مسلمات حنفیہ لکھانے ہوں گے، یا ان کو لکھایئے یا یہ لکھئے کہ میں ان کو نہیں مانتا، اس پر تھوڑی دیر باہم گفتگو ہوئی، بالآخر ثالث نے حنفی مولوی سے کہا یا تو لکھئے کہ میں مانتا ہوں یا یہی لکھ دیجئے کہ میں نہیں جانتا، اس پر سب لوگ بے ساختہ ہنس پڑے اور حنفی مولوی صاحب خفیف ہوئے، تھوڑی دیر اور گفتگو ہونے کے بعد ثالث یا منصف نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا آپ ان کو معاف فرمایئے یہ بحث کے قابل نہیں ہیں، میں نے لائق صدر کی اس بات کو قبول کر کے کہہ دیا کہ جاؤ بھیا میں نے تم کو معاف کیا، یہ جملہ میرے منہ سے نکلا ہی تھا کہ حنفی مولوی محمد ادریس صاحب اس طرح تشریف لے گئے کہ گھبراہٹ میں وہ صرف ایک جوتا پہن سکے اور ایک جلسہ میں چھوڑ گئے، جو بعد میں انہیں بھیج دیا گیا، "ذالك فضل الله يوتيه من يشاء"

پھر اسی مجمع میں وعظ شروع ہوا پہلے ایک دیہاتی مولوی صاحب نے تقریر کی، پھر تمام حاضرین اور ثالث کے اصرار سے یہ خاکسار کھڑا ہوا اور حقانیت مذہب اہل حدیث پر ایک بسیط تقریر کی کہ جس سے اہل جلسہ خصوصاً صدر جلسہ بہت محظوظ ہوئے پھر سب لوٹے اور یہ کہتے جاتے جاتے کہ مولوی ادریس صاحب اوروں پر جادو کیا کرتے تھے، آج تو گویا انہیں پر جادو کر دیا گیا۔

نوٹ: جمعہ فی القریٰ بھی مسئلہ چھڑا تھا، مولوی ادریس صاحب جاتے وقت اپنی جماعت سے یہ کہہ گئے کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنا چاہیے اور جن کو پہلے جمعہ پڑھنے سے روکا تھا ان کو نہ صرف اجازت دی بلکہ تاکید کر دی۔

خاکسار: شمس محمدی فیض آبادی (اہل الذکر ممبئی ۱۹۱۸ء فیض آباد) ❑❑❑

تعارف واپیل: جماعتی تاریخ کی ترتیب وریکارڈ کا ایک جامع منصوبہ

تاریخ اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا

زیر نگرانی: مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی وبڑھنی بازار سدھارتھ نگر یوپی

برصغیر ہندوپاک میں جماعت اہل حدیث اور علماء اہل حدیث کی تاریخ بے حد قدیم ہے اور ہمارے اکابرین علماء، فضلاء، داعیان اور ائمہ وخطباء نے توحید خالص اور سنت صحیحہ کی نشر واشاعت اور ملک کی آزادی اور اس کی تعمیر وترقی میں بے مثال قربانیاں پیش کی ہیں اور یہ سلسلہ خیر الحمدللہ آج بھی جاری وساری ہے۔

علماء کی ایک بڑی تعداد مدارس، جامعات اور مکاتب میں موجود ہے تو دوسری طرف ائمہ، خطباء اور داعیان قوم کی شکل میں ایک قابل قدر جماعت مساجد کے منبر ومحراب کو سجائے ہوئے ہے، دعوت وتعلیم، تصنیف وتالیف اور تاسیس مدارس ومراکز کی ہمہ جہت خدمات انجام دینے والوں کی بھی ایک معتد بہ تعداد ہے، اور اسی کے پہلو بہ پہلو مساجد ومدارس اور دینی اداروں سے جڑے رہنے والے ہزاروں محسنین ومخیرین کی بھی ایک لمبی فہرست ہے جو منہج وجماعت کی خدمت کے لئے اپنے مال وزاور وقت کی قربانی دے رہے ہیں، مگر افسوس کہ مرور ایام کے ساتھ ان تمام علما، وائمہ، خطباء، دعاۃ، مدرسین، ہمدردان جماعت ومحسنین کی جماعتی اور دعوتی خدمات قصہ پارینہ بن جاتی ہیں، نہ تو ان کا کوئی مناسب ومنظم ریکارڈ دستیاب ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی زندگی کے تجربات، خدمات، اور قربانیوں کے مختلف پہلوؤں سے ہمیں آگاہی ہوتی ہے تاکہ جماعت، قوم اور نسل نو ان سے فائدہ اٹھائے، اس لئے خاکسار نے ''اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا'' کے نام سے بلاتفریق تمام اکابرین واصاغرین، علماء، ائمہ، خطباء، مدرسین واعظین، محسنین ومخیرین، ہمدردان جماعت اور ذمہ داران مدارس، مراکز، جامعات اور مساجد کی تاریخ نویسی کا ایک طویل المیعاد جامع منصوبہ بنایا ہے، تاکہ آپ تمامی حضرات کی خدمات اور کاوشوں سے دنیا کو آگاہی ہو اور نسل نو اس سے توحید خالص کی نشر واشاعت اور جماعتی استحکام میں فائدہ اٹھائے، نیز تاریخ کے اوراق میں آپ کی قابل قدر خدمات اور قربانیاں ثبت ہوں، ان شاء اللہ العزیز اسے بعد میں مکمل طور پر کمپیوٹرائز کیا جائے گا، اور اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا کے نام سے شائع کیا جائے گا اور گوگل ودیگر مفید سائٹس پر یہ معلومات ہمہ وقت ایک کلک پر دستیاب ہونگی۔

امید کہ آپ حضرات اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا فارم کی خانہ پری کرکے ہمیں ارسال کریں گے، اور جماعتی خدمات کا موقع دیں گے۔

اللہ تعالیٰ آپ تمام حضرات کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور دنیا وآخرت میں اس کا بہترین صلہ عطا کرے آمین۔

دعا گو: عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی، ممبئی (موبائل نمبر: ۹۸۶۹۳۹۵۸۸۱)

اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا

فارم شخصی معلومات

برائے علماء/دعاۃ/مدرسین/ائمہ وخطباء ودیگر

نام ونسب اور خاندانی پس منظر: .....

.....

.....

آبائی وطن: .....

تاریخ ومقام پیدائش: .....

حالیہ رہائش اور پتہ: .....

.....

موبائل/ٹیلیفون/ای میل آئی ڈی: .....

.....

ابتدائی واعلیٰ تعلیم: .....

.....

جامعہ/مدرسہ جہاں سے فراغت حاصل کی: .....

.....

سن فراغت اور تعلیمی لیاقت: .....

.....

مشہور اساتذہ: .....

.....

مشہور تلامذہ: .....

.....

اہم دعوتی/تدریسی/تصنیفی/صحافتی ودیگر خدمات: .....

.....

.....

.....

تصنیف/تالیف کردہ اہم کتابیں/رسالے/فتاوے/: مطبوع/غیر مطبوع کی تفصیل کے ساتھ: .....

.....

.....

اہم مناصب/عہدے/ذمہ داریاں: .....

.....

.....

اولاد واحفاد: .....

.....

.....

سن وفات (صرف مرحومین کے لئے): .....

علمی ودعوتی اسفار: (دینی کانفرنسوں/دورات اور اجتماعات کے حوالے سے) .....

.....

دعوتی/تدریسی تجربات/تجاویز/مشورے جو جماعت وملت کے لئے مفید ہوسکتے ہیں: .....

.....

.....

نوٹ: (۱) مزید معلومات درج کرنے کے لئے علیحدہ اوراق استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

(۲) فارم کی خانہ پوری کرکے درج ذیل پتہ یا (ای میل آئی ڈی) پر ارسال کریں:

tareekh.ahlehadees@gmail.com, dulhakimmumbai@gmail.com

مراسلت کا پتہ:

Abdul Hakim Madni, Jamia Rahmania Salfi Gali No.3,
Gandhi Nagar Charkop Kandivali (W) Mumbai-400067

منجانب: عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی کاندیولی ممبئی۔ موبائل نمبر: 9869395881

اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا

فارم شخصی معلومات

برائے ذمہ داران/محسنین/رہنمایان جماعت ودیگر

نام ونسب اور خاندانی پس منظر: .....

.....

.....

آبائی وطن: .....

تاریخ ومقام پیدائش: .....

حالیہ رہائش اور پتہ: .....

.....

موبائل/ٹیلیفون/ای میل آئی ڈی: .....

.....

تعلیمی لیاقت: .....

.....

.....

اہم علماء وائمہ جن سے تعلق/استفادہ رہا: .....

.....

.....

.....

اہم مناصب وعہدے: .....

.....

.....

جماعتی خدمات وذمہ داریاں:.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

تجربات/مشورے جو جماعت کے لئے مفید ہوں: .....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

نوٹ: (۱) مزید معلومات درج کرنے کے لئے علیحدہ اوراق استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

(۲) فارم کی خانہ پوری کر کے درج ذیل پتہ یا (ای میل آئی ڈی) پر ارسال کریں:

tareekh.ahlehadees@gmail.com, dulhakimmumbai@gmail.com

مراسلت کا پتہ:

Abdul Hakim Madni, Jamia Rahmania Salfi Gali No.3,
Gandhi Nagar Charkop Kandivali (W) Mumbai-400067

منجانب: عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی کاندیولی ممبئی۔ موبائل نمبر: 9869395881

تعارف

سالنامہ تاریخ اہل حدیث

جماعتی تاریخ کی ترتیب واشاعت کے لئے ایک سالانہ میگزین بنام ''سالنامہ تاریخ اہل حدیث'' کی اشاعت کا کام جاری ہے، ۲۰۱۶ء کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ (اوران شاء اللہ اسے آئندہ ہر سال شائع کیا جائے گا) اس سالنامے میں سال بسال وفات پانے والے علماء ومدرسین اوراعیان جماعت کے خصوصی تذکرے کے ساتھ اہل حدیث مدارس وجامعات کے تمام بڑے چھوٹے اساتذہ اور مدرسین نیز مساجد کے ائمہ وخطباء کی حیات وخدمات اوراسی طرح مسلک اہل حدیث پر مفید مقالات ومضامین اور تاریخ اہل حدیث پر اپنے قدیم وجدید علماء کی تحریریں اشاعت پذیر ہوں گی۔ اوراس کے علاوہ علماء اہل حدیث کی حیات وخدمات سے منسلک بیش قیمت علمی وتاریخی معلومات بھی شامل ہوں گی۔ اصحاب قلم سے گذارش ہے کہ جماعت اور علمائے اہل حدیث سے متعلق اپنے قیمتی مقالات اور علمی تحریریں ہمیں ضرور ارسال کریں تاکہ ماضی کی روشنی میں نسل نو اپنے سنہرے مستقبل کی تعمیر کرسکے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی
مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی
رابطہ نمبر: 9869395881
ای میل: tareekh.ahlehadees@gmail.com

سلسلۂ تاریخ اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا

کی دوسری کڑی (ان شاء اللہ) جلد ہی منظر عام پر

سالنامہ

تاریخِ اہل حدیث

شمارہ ۲ ۲۰۱۷ء

اعداد و ترتیب

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

ناشر

مرکز تاریخِ اہل حدیث ممبئی

برانچ آفس: بس اسٹاپ، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، (یوپی)

مسلک اہل حدیث کی تاریخ اور اس کے علماء کی خدمات کی منظم ترتیب واشاعت کے لئے
ہندوستان کا اولین علمی مرکز

مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی

برصغیر میں جماعت اہل حدیث کی ایک سنہری تاریخ ہے، جو ماضی میں قافلۂ حق وصداقت کے سرفروشانہ جدو جہد، اس کی بے مثال قربانیوں، علماء کی ہمہ جہت دعوتی، تدریسی، اصلاحی اور رفاہی خدمات اور ان کی مثالی زندگیوں کے سنہرے اور تابندہ نقوش سے عبارت ہے، اسی سنہری تاریخ کی منظم ترتیب واشاعت کے لئے مرکز تاریخ اہل حدیث کا قیام عمل میں آیا، تاکہ جماعت کا یہ عظیم الشان علمی وتاریخی سرمایہ محفوظ کیا جاسکے اور ماضی کے سنہرے اوراق کی روشنی میں نسل نو اپنے حسین وتابناک مستقبل کی تعمیر کرسکے۔

بنابریں تمام علماء، دعاۃ، ائمہ، خطباء، اعیان جماعت اور ہمدردان تاریخ سے مخلصانہ اپیل ہے کہ اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا و جماعتی تاریخ کی تدوین واشاعت میں مرکز کا ہر ممکن تعاون فرمائیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

دعاؤں کا طالب

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی

MARKAZ TAREEKH AHLEHADEES, Mumbai

Branch Office: Bus Stop Barhani Bazar, Siddharth Nagar, U.P.
E-mail: tareekh.ahlehadees@gmail.com, abdulhakimmumbai@gmail.com

تاریخ اہلِ حدیث کی حقّانیت اور عُلمائے اہلِ حدیث کی گرانقدر خدمات پر مشتمل
ایک اہم علمی و تاریخی دستاویز

سالنامہ

تاریخِ اہلِ حدیث

2017

جلد دوم

اعداد و ترتیب
عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

ناشر
مرکز تاریخ اہلِ حدیث ممبئی
برانچ آفس: بس اسٹاپ بڑھنی بازار، سدھارتھ نگر، یوپی

بسلسلۂ اشاعت اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا

تاریخ اہل حدیث کی حقانیت اور علمائے اہل حدیث کی
گرانقدر خدمات پر مشتمل ایک اہم علمی و تاریخی دستاویز

سالنامہ
تاریخِ اہل حدیث

۲۰۱۷ء

(جلد دوم)

اعداد و ترتیب
عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

ناشر
مرکز تاریخِ اہل حدیث ممبئی
برانچ آفس: بس اسٹاپ، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، (یوپی)

© جملہ حقوق بحق مرتب وناشر محفوظ

سلسلہ مطبوعات مرکز ❸

سالنامہ تاریخ اہل حدیث

۲۰۱۷ء۔۳۸-۱۴۳۷ھ

جلد دوم

مرتب

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

سن طباعت: دسمبر 2018ء

صفحات: 576

ناشر

مرکز تاریخِ اہل حدیث ممبئی

برانچ آفس: بس اسٹاپ، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، (یوپی)

ای میل: tareekh.ahlehadees@gmail.com

abdulhakimmumbai@gmail.com

موبائل: 9869395881

ملنے کا پتہ: (۱) مرکز تاریخ اہل حدیث بس اسٹاپ، بڑھی بازار سدھارتھ نگر، یوپی۔

(۲) المنار ہائی اسکول پوار بستی، چکلی، پونہ۔

(۳) جامع مسجد اہل حدیث وعلامہ البانی ٹرسٹ دھانو باغ، نالاسوپارہ (E) ممبئی۔

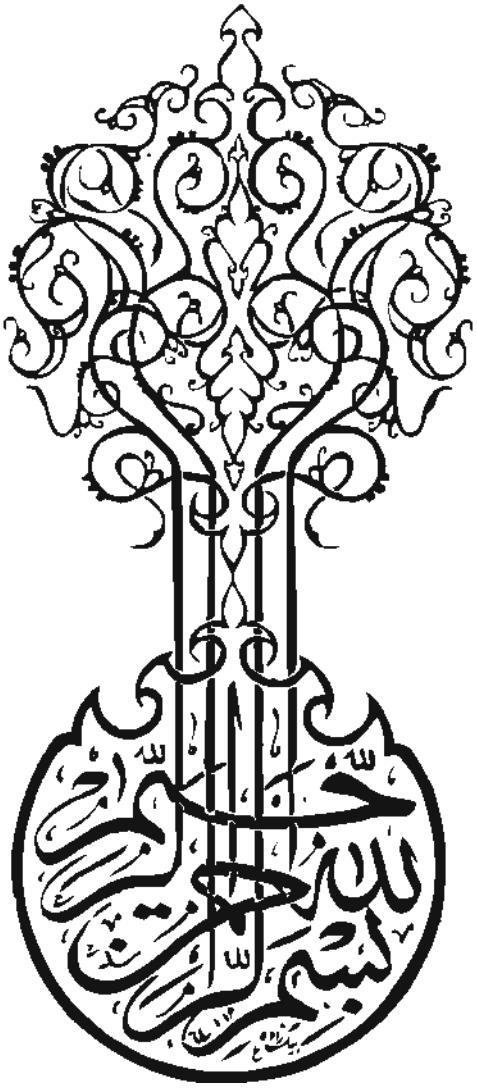
بسم الله الرحمن الرحيم

محتویات

نمبر شمار	عناوین	اصحاب نگارشات	صفحہ نمبر
۱	فہرست	مرتب	4
۲	کلمات تشکر وامتنان	مرتب	10
۳	انتساب	مرتب	11
۴	رشحات قلم	ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہریؒ/مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی	12
۵	اداریہ	مرتب	13
۶	افتتاحیہ	مولانا عبدالجبار سلفی	15

باب أول: تاثرات وانطباعات

۷	کلمات تبریک	مولانا ابوالعاص وحیدی، ڈومریا گنج	18
۸	رشحات تصدیق	مولانا محمد ہارون سنابلی، دہلی	20
۹	پیام کوکن	مولانا عبدالواحد انور یوسفی	21
۱۰	پیغام مبارک بادی	ڈاکٹر عبیدالرحمن محمد حنیف المدنی	22
۱۱	پیغام تہنیت	مولانا محمد عاطف سنابلی	23

باب دوم: بحوث ومقالات تاریخ اہل حدیث

۱۲	اسلام اور اہل حدیث	مولانا ثناء اللہ امرتسری	26
۱۳	مختلف قدیم ادوار کی کتابوں میں اہل حدیث کا تذکرہ	محمد اسحاق بھٹی	31
۱۴	وہابیت ایک مطالعہ	مولانا ابوالقاسم فاروقی	38
۱۵	برصغیر میں علم حدیث کی تصنیفی خدمات	عبدالجبار انعام اللہ سلفی	66
۱۶	صوبہ جھارکھنڈ میں فتنۂ انکار حدیث	محمد طیب المدنی	77
۱۷	دارالحدیث رحمانیہ دہلی اور اس کا پس منظر	مولانا عبدالحمید رحمانی	81

۱۸	ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی	مولانا محمد رحمانی مدنی	85
۱۹	جماعت اہل حدیث پونہ مہاراشٹر	مولانا سعید احمد سلفی	103
۲۰	ضلع بریلی میں تعلیمی بیداری	شیخ رضاء اللہ عبدالکریم المدنی	107
۲۱	مجلہ اہل حدیث کا ۴۰واں سال	حکیم اجمل خان	109
۲۲	میوات میں ائمہ مساجد کی دینی خدمات	ڈاکٹر عیسیٰ خان انیس تجارہ	111

باب سوم: یادرفتگاں

۲۳	محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوری شخصیت اور کارنامے	مولانا ابوالعاص وحیدی	115
۲۴	جنوبی ہند کی ایک مثالی شخصیت شیر خان احمد حسین ادھونی	شیر خان جمیل احمد عمری	125
۲۵	مولانا محمد اقبال رحمانی، بونڈیہار	مولانا ابوالعاص وحیدی	137
۲۶	مولانا عبدالجلیل رحمانی حیات وخدمات	مولانا محمد مستقیم سلفی	146
۲۷	مولانا عبدالمبین منظر سمرا، کچھ باتیں	مولانا عبدالمبین منظر	157
۲۸	مولانا عبدالسبحان اعظمی عمری	کاشف شکیل سلفی	166
۲۹	شیخ الحدیث مولانا عظیم اللہ مئوی	مولانا محمد مستقیم سلفی	171
۳۰	مولانا عظیم اللہ مئوی	ڈاکٹر محمد اسلم مبارکپوری	173
۳۱	آہ! شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری	حافظ صلاح الدین یوسف	176
۳۲	علامہ ابوالحسن عبیداللہ رحمانی مبارکپوری	مولانا محمد حنیف مدنی	180
۳۳	شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ	مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی	190
۳۴	شیخ ڈاکٹر محفوظ الرحمن زین اللہ ڈومریا گنج	مولانا محمد عاطف سنابلی	202
۳۵	خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	213
۳۶	مولانا عبداللہ طیب بنارسی	مولانا محمد یونس مدنی	219
۳۷	اپنی شرگذشت (مولانا صفی الرحمن مبارکپوری)	مولانا صفی الرحمن مبارکپوری	223
۳۸	مولانا صفی الرحمن مبارک پوری	مولانا محمد اسحاق بھٹی	226
۳۹	استاذ گرامی مولانا صفی الرحمن مبارک پوری عرب وعجم کے ایک عظیم المرتبت سیرت نگار	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	232

۴۰	مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ	خالد حنیف صدیقی	236
۴۱	مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ	عبدالوہاب جامعی	240
۴۲	مولانا محمد مسلم رحمانی، مغربی بنگال	محمد اسحاق بھٹی	254
۴۳	مولانا عبدالحق قاسمی چند یادیں	عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی	256
۴۴	مولانا عبدالحق قاسمی حیات وخدمات	ذبیح اللہ اویس انور	260
۴۵	استاذ گرامی مولانا عبدالسلام رحمانی	شیخ صلاح الدین مقبول احمد	270
۴۶	شیخ اشفاق احمد نعیم الدین مدنی	مولانا شریف اللہ محمد قاسم سلفی	276
۴۷	حیرت بستوی حیات وکارنامے	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	285
۴۸	حیرت بستوی ایک اسلامی شاعر	سالک بستوی	288
۴۹	شیخ الحدیث مولانا امان اللہ خاں فیضی رحمہ اللہ	مولانا محمد سکندر اصلاحی	293
۵۰	شیخ الحدیث مولانا امان اللہ خاں فیضی حیات وخدمات	آصف تنویر تیمی	296
۵۱	مولانا سید عبدالسمیع جعفری مدنی حیات وخدمات	مولانا عاشق علی اثری	300
۵۲	ایں خانہ ہمہ آفتاب است (مولانا عبدالسمیع جعفری کی یادیں)	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	318
۵۳	شیخ عبداللہ مدنی جھنڈانگری شخصیت اور کارنامے	مولانا مطیع اللہ حقیق اللہ مدنی	323
۵۴	آہ! مولانا عبداللہ جھنڈانگری	عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی	329
۵۵	پروفیسر عبدالودود اظہر دہلوی	ابن احمد نقوی	331
۵۶	پروفیسر عبدالودود اظہر دہلوی کا انتقال	مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی	338

باب چہارم: عالم اسلام کے سلفی اساطین

۵۷	حیات البانی کے چند درخشاں پہلو	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	340
۵۸	پاسبان توحید وسنت امام کعبہ شیخ محمد بن عبداللہ السبیل	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	345
۵۹	مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی	رانا شفیق خان پسروری	352
۶۰	اور قلم چلتا رہا۔ (بھٹی صاحب کی یادیں)	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	358

باب پنجم: مرحومین علمائے اہل حدیث ۲۰۱۷ء

۶۱	مولانا عبدالمجید اصلاحی۔ حیات وخدمات	ابونافع اعظمی	361

۶۲	مولانا عبدالمجید اصلاحی جیراجپوریؒ	مولانا عزیز عمر سلفی	364
۶۳	فرسان القلم مولانا عبدالمجید اصلاحی جیراجپوریؒ	انصار بن زبیر محمدی	368
۶۴	مفتی جامعہ مولانا عبدالحنان فیضی کا انتقال پر ملال	شمیم احمد ندوی	374
۶۵	اور مسند افتا سونی ہوگئی (مولانا عبدالحنان فیضی کی یاد میں)	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	378
۶۶	مولانا مجیب اللہ فیضی سیکھا جوت	عبدالرحیم امینی	382
۶۷	مولانا خلیل الرحمن اعظمی عمری	مولانا عبدالوہاب جامعی	385
۶۸	مولانا خلیل الرحمن اعظمی کا سانحہ ارتحال	مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی	389
۶۹	مولانا اسد اللہ فیضی سدھارتھ نگر	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی	390
۷۰	آپ کے بعد کمی آپ کی ستاتی ہے (بیاد مولانا اسد اللہ فیضی)	عبدالرحیم مونس فیضی	394
۷۱	مولانا ظہیر الدین رحمانی اثری	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی	397
۷۲	شیخ الحدیث مولانا ظہیر الدین رحمانی سے ایک اہم انٹرویو	مولانا محمد رحمانی رمولانا یار محمد سلفی	399
۷۳	مولانا ظہیر الدین رحمانی عمر آباد	مولانا عبدالوہاب جامعی	408
۷۴	مولانا عبدالرشید اثری لدوا سدھارتھ نگر	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	415
۷۵	مولانا مفتی محمود عالم عمری کے انتقال پر تعزیتی کلمات	مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی	418
۷۶	مولانا ڈاکٹر محمد طاہر ندوی سلفی مدنی (دربھنگہ)	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	420
۷۷	مولانا محمد الیاس سلفی، پچھمی نگر بلرامپور	مولانا نثار احمد سنابلی مدنی	423
۷۸	مولانا حبیب الرحمن زاہد اعظمی عمری تاملناڈو	مولانا عبدالوہاب جامعی	436
۷۹	مولانا محمد اثری ٹکریا سدھارتھ نگر	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی	442
۸۰	شیخ الحدیث مولانا محمد یونس اثری کی رحلت	مولانا عبدالمنان سلفی	449

باب ششم: مرحومین اعیان جماعت وفیات علماء کرام۔ ۲۰۱۷ء

۸۱	جماعت اہل حدیث کے تین نامور علماء کی رحلت	حکیم اجمل خاں	454
۸۲	محمد زبیر احمد رحمہ اللہ پٹنہ بہار	محمد سکندر اصلاحی	457
۸۳	ڈاکٹر محمد اسلم حسین دھونرہ ٹانڈہ	محمد مستقیم سلفی رچھا بریلی	459

۸۴	الحاج آفاق احمد خان عرف چرچل سدھارتھ نگر	مولانا شمیم احمد ندوی	462
۸۵	الحاج محمد قاسم صاحب بنارس	محمد جنید عبدالمجید مکی	468
۸۶	مختار احمد لوہا بھون کی وفات ممبئی	مولانا محمد رحمانی	469
۸۷	مولانا نسیم احمد ریاضی وشاکھاپٹنم	مولانا محمد رحمانی	469
۸۸	الحاج ضیاء الرحمن گوالیار مئوناتھ بھنجن	مولانا محمد رحمانی	470
۸۹	طفیل اشعر ناگپور کا انتقال پر ملال	مرکزی جمعیت اہل حدیث	470
۹۰	حبیب اللہ باشاہ صاحب تاملناڈو	مرکزی جمعیت اہل حدیث	471
۹۱	عبدالخالق صاحب اندور	مرکزی جمعیت اہل حدیث	`472
۹۲	جناب شبیر چودھری کھمریا بلرام پور	مرکزی جمعیت اہل حدیث	472
۹۳	مولانا مشتاق احمد اثری کونکٹی سدھارتھ نگر	مرکزی جمعیت اہل حدیث	473
۹۴	مولانا شمیم احمد سلفی جھارکھنڈ	مرکزی جمعیت اہل حدیث	473
۹۵	مولانا محمد نذیر صاحب آندھرا پردیش	مرکزی جمعیت اہل حدیث	474
۹۶	مولانا داؤد انصاری جھارکھنڈ	مرکزی جمعیت اہل حدیث	474
۹۷	مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ صاحب گنج	مرکزی جمعیت اہل حدیث	475

باب ہفتم: موجودین علمائے کرام وأعیان جماعت ۲۰۱۷ء

۹۸	مولانا عبداللہ سعیدی، بلرام پور یوپی	مولانا عبدالرؤف ندوی	477
۹۹	مولانا عبدالحئی اصلاحی، راجستھان	خالد حنیف صدیقی	483
۱۰۰	مولانا محمد ابراہیم رحمانی سدھارتھ نگر	خودنوشت	484
۱۰۱	ڈاکٹر عبدالباری خان صاحب سے ایک انٹرویو ڈومریا گنج یوپی	شاہین ریاض	486
۱۰۲	مولانا عزیز الحق بن محمد یونس عمری، مئو یوپی	خودنوشت	491
۱۰۳	ڈاکٹر سید عبدالعزیز سلفی، دربھنگہ بہار	خودنوشت	494
۱۰۴	شیخ انیس الرحمن اعظمی عمری مدنی تامل ناڈو	خودنوشت	499
۱۰۵	قاری نثار احمد فیضی، مئو یوپی	خودنوشت	505
۱۰۶	مولانا عبدالرؤف ندوی، تلسی پور، یوپی	خودنوشت	507

۱۰۷	مولانا ابوالعاص وحیدی، سوانحی خاکہ	خودنوشت	513
۱۰۸	ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی، مالیگاؤں مہاراشٹر	خودنوشت	525
۱۰۹	استاد محترم عاشق علی اثری، نئی دہلی	خودنوشت	535
۱۱۰	مولانا عبدالعزیز حقانی، جھارکھنڈ	خودنوشت	554
۱۱۱	استاذ گرامی شیخ نعیم الدین مدنی، بنارس	خودنوشت	557
۱۱۲	مولانا محمد یونس مدنی، مختصر سوانحی خاکہ	خودنوشت	559
۱۱۳	مولانا سعید احمد سلفی، پونہ مہاراشٹر	خودنوشت	563
۱۱۴	مولانا محمد رحمانی رئیس جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی	خودنوشت	566

باب ہشتم: مناظرات ومتفرقات ۲۰۱۷ء

۱۱۵	مناظرہ نڈیاڈ گجرات ۱۸۸۲ء اور مولانا محمد صاحب سورتی	مولانا محمد مقتدی اثری	571
۱۱۶	ضروری وضاحت وگذارش	ادارہ	574

□□□

کلمات تشکر وامتنان

سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۷ء جلد ثانی آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سلسلہ مبارکہ کی اشاعت پر میں خلوص دل سے رب العالمین کے حضور دست بدعا ہوں کہ بار الہا ہماری اس حقیر کاوش کو قبول فرما اور اس کی اشاعت، ترتیب وتصنیف میں تعاون کرنے والے تمام اہل علم واحباب جماعت کو دنیا وآخرت کی رحمات وبرکات سے مالا مال فرما، خاص طور پر میں اپنے دیرینہ رفیق شیخ عبدالجبار سلفی، مولانا سعید احمد سلفی پونہ، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا عبدالسلام سلفی، مولانا محمد رحمانی، مولانا شمیم احمد عبدالحلیم مدنی، مولانا عبدالمنان سلفی، مولانا محمد عاطف سنابلی ودیگر معاونین واصحاب قلم کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے قدم قدم پر ہر طرح سے اس عظیم تاریخی دستاویز کی تیاری واشاعت میں میرا ساتھ دیا۔ فجزاهم الله احسن الجزاء وتقبل مساعيهم وجهودهم ۔آمین

تقبل یارب العالمین

انتساب

میری یہ حقیر علمی کاوش

سالنامہ تاریخ اھل حدیث ۲۰۱۷ء جلد دوم جماعتی تاریخ کی ترتیب واشاعت کی جامع منصوبہ بندی اور تخطیط کرنے اوراس میں حسین رنگ بھرنے والے ادیب شہیر جماعت کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس کے سابق ریکٹر وصدر استاذی المکرم ڈاکٹر مقتدی حسن ازھری کے

نام

جن کے اعلیٰ دماغ، فکر رسا قلم، خاموش طبیعت اور جماعتی تاریخ کی ترتیب وتدوین اور اشاعت کی تڑپ نے مجھ خاکسار کو یہ حوصلہ دیا کہ اس میدان میں قدم رکھنے کی جرأت کرسکوں۔

تغمدہ اللہ بواسع رحمۃ واسکنہ فسیح جناتہ

رب العالمین سے دعا ہے کہ اس بابت ان کی خدمات کو شرف قبول عطا فرمائے، اور جنت میں اعلیٰ مقام نصیب کرے، اور ہمیں اخلاص وعزم کے ساتھ تاریخ اہل حدیث کے روشن ابواب کو صفحہ قرطاس پر اجاگر کرنے کی سعادت دے، آمین۔

تقبل یارب العالمین

رشحات قلم

ادیب شہیر استاذی الجلیل حضرت مولانا ڈاکٹر مقتدی حسن ازھری، رحمہ اللہ ونور مرقدہ

برصغیر ہندو پاک میں جماعت اہل حدیث کی علمی وسیاسی اور اصلاحی وتبلیغی خدمات اس ملک کی علمی واصلاحی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں، اس جماعت نے ایک طرف تو مسلمانوں کی اعتقادی وعملی گمراہیوں کے خاتمہ کی موثر کوشش کی اور دوسری طرف غیر ملکی سامراج کے خلاف محاذ آرائی کی اور ساتھ ہی تعلیم وتصنیف کے ذریعہ برصغیر کی علمی تحریک میں ایک جان ڈال دی۔ اس روشن تاریخ کا ایک معتد بہ حصہ احاطہ تحریر میں آچکا، لیکن جو حصہ باقی ہے وہ زیادہ مفید اہم اور حقیقت نما ہے۔

(جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات: از مولانا محمد مستقیم سلفی، مقدمہ)

❑❑❑

امیر جماعت استاذی المحترم شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی مدنی رحفظہ اللہ ورعاہٗ

اللہ کے نیک اور صالح بندوں کی زندگی کے حالات وواقعات، عبادات ومعمولات، تصنیفات وتالیفات بلاشبہ علم وعمل کی روح، دنیا وآخرت کا سرمایہ، خلوتوں کے رفیق، غمزدوں کے انیس، اور زندگی کی تاریک راہوں کا قندیل ہیں اور یہ بھی ایک سچی حقیقت ہے بقول مفکر کہ ''جو قوم اپنے اسلاف کی تاریخ فراموش کر جاتی ہے وہ پستی کی انتہا میں پہنچ جاتی ہے۔

(تراجم علمائے اہل حدیث: جلد اول صفحہ ۱۷)

❑❑❑

اداریہ

طائفہ منصورہ اور اہل الحدیث

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

اسلام کے دو عظیم الشان بنیادی سرچشمے ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور انہیں کی پیروی کرنے کا امت محمدیہ کو جابجا قرآن وحدیث میں حکم دیا گیا ہے۔ جو لوگ اس روشن شاہراہ پر گامزن ہیں وہ کامیاب اور ہدایت یاب ہیں اور جو ان دونوں کے تارک ہیں اور ہوائے نفس کے گرویدہ ہیں وہ گمراہی اور ضلالت کے شکار ہیں فرمان رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم اس بابت بالکل واضح ہے۔

کتاب وسنت کی اتباع کا یہ منہج مستند اور منزل من اللہ ہے جیسا کہ آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ میں بیشتر مقامات پر اس بابت صراحت موجود ہے۔ چنانچہ انہیں واضح احکامات وتصریحات کی بنیادوں پر خیر القرون میں جملہ صحابہ کرام، تابعین عظام اور ان کے شاگردان صدق وصفا اور اس مشن پر پورے اخلاص وعمل کے ساتھ حضرات محدثین اور ائمہ متبوعین کاربند وعمل پیرا رہے۔ اور کیوں نہ ہوں جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں شاہراہوں پر چلنے والوں کو جنت کی خوشخبری اور طائفہ منصورہ وفرقہ ناجیہ ہونے کی بشارت سنائی ہے۔ سنن ابن ماجہ (۳۹۹۳) مسند احمد (۸۳۷۷) اور دیگر کتب احادیث میں مختلف طرق واسانید سے بسند صحیح مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود ونصاریٰ مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور میری یہ امت ۷۲ یا ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ **کلھم فی النار الا واحدۃ** اور سب کے سب جہنم میں ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے اور دوسری روایتوں میں ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے منہج پر ہوں گے "**ما انا علیہ الیوم واصحابی**" اور یہی لوگ قیامت تک حق پر چلنے والے ہوں گے اور انہیں اللہ کی نصرت ومدد حاصل رہے گی۔ "**لا تزال طائفہ من امتی ظاھرین علی الحق لا یضرھم من خذلھم حتی یاتی امر اللہ ــــ**" (بخاری ۳۱۱۶، مسلم ۱۹۲۰) اور دوسری روایت میں "**منصورین**" بھی ہے (ترمذی ۲۱۹۲) اور "**علی الحق منصورۃ**" بھی ہے (ابن ماجہ ۶۷۱۴)

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ ان میں سے ایک فرقہ ناجیہ ہوگا اور یہی قیامت تک طائفہ منصورہ ہوگا بنابریں جب اس بابت اہل علم اور کبار محدثین کی تصریحات پر بنظر غائر نگاہ دوڑائی جائے تو یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ فرقہ اصحاب الحدیث اور اہل الحدیث کا ہوگا اور ان کا عقیدہ ومنہج وہی ہوگا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تھا اور یہ عبادات، اخلاق ومعاملات میں سنت نبوی کے حقیقی پیروکار ہوں گے۔ ذیل میں کبار محدثین کی اس بابت تصریحات پیش خدمت ہیں۔

(۱) امام عبداللہ بن المبارکؒ (۱۱۸ھ ۱۸۱ھ) فرماتے ہیں "**ھم عندی اصحاب الحدیث**" کہ یہ فرقہ میرے نزدیک اہل حدیث کا ہے۔ (شرف اصحاب الحدیث للبغدادی ص: ۴۲)

(۲) امام یزید بن ھارونؒ (۱۱۷ھ۔۲۰۶ھ) فرماتے ہیں: "**ان لم یکونوا اھل الحدیث والاثر فلا ادری من ھم**" کہ اگر یہ حدیث اور سنت والے اہل حدیث نہیں ہیں تو مجھے معلوم نہیں کہ اور کون ہیں۔ (**مسئالۃ الاحتجاج بالشافعی للخطیب البغدادی**، ص: ۳۳)

(۳) امام علی بن المدینیؒ (۱۶۱ھ۔۲۳۴ھ) کا قول ہے کہ: "**ھم اصحاب الحدیث**" کہ یہ لوگ اہل حدیث ہیں (ترمذی رقم ۲۱۹۲)

(۴) امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴ھ۔۲۴۱ھ) کہتے ہیں کہ: "**ان لم تکن ھذہ الطائفہ المنصورۃ اصحاب الحدیث فلا ادری من**

ھم" اور اگر یہ طائفہ منصورہ "اہل حدیث" والے نہیں ہیں تو مجھے نہیں معلوم کہ اور کون ہیں (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۳)

(۵) قاضی عیاض رحمہ اللہ (۴۷۶ھ۔ ۵۴۴ھ) امام احمد کے اس قول کی تشریح میں رقمطراز ہیں کہ: "انما اراد احمد اھل السنۃ والجماعۃ ومن یعتقد مذھب اھل الحدیث" کہ امام احمد کے قول سے مراد سنت نبی پر چلنے اور جماعت صحابہ کے منہج پر رہنے والے لوگ ہیں اور وہ تمام افراد ہیں جو اہل حدیث مذہب کے ہیں۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ۶/ ۳۵۰)

(۶) امام بخاری رحمہ اللہ (۱۹۴ھ۔ ۲۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ: یعنی اھل الحدیث کہ اس سے مراد اہل حدیث ہیں۔ (مسئالۃ الاحتجاج بالشافعی للخطیب: ص ۳۳)

(۷) شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (۴۷۰ھ۔ ۵۶۱ھ) فرماتے ہیں: "اما الفرقہ الناجیہ فھی اھل السنہ والجماعۃ" کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت ہیں اور اہل سنت کا صرف ایک ہی نام ہے اور وہ ہے اہل حدیث (غنیۃ الطالبین، ص ۸۵)

(۸) طائفہ منصورہ کی جامع تشریح کرتے ہوئے خطیب بغدادیؒ (۳۹۲ھ۔ ۴۶۳ھ): فرماتے ہیں کہ "اللہ رب العالمین نے طائفہ منصورہ کو دین کا محافظ بنایا اور ان کو مخالفین کی سازشوں سے محفوظ کیا۔ کیونکہ انہوں نے شریعت مطہرہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہے۔ اور صحابہ وتابعین کے آثار کی پیروی کی ہے۔ وہ ہر وقت آثار کو یاد کرتے (حدیث کے لئے) صحراؤں وبیابانوں کا سفر کرتے اور پیغمبر مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی شریعت کو سمجھنے کے لئے بحر وبر میں گھستے نظر آتے ہیں۔ وہ حدیث کو چھوڑ کر کسی رائے یا خواہش کی پیروی نہیں کرتے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو قولاً وفعلاً قبول کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی حفظ ونقل کے اعتبار سے حفاظت کر کے اس کی جڑ مضبوط کر دی ہے۔ یہی لوگ اس کام کے لائق اور اہل تھے۔ کتنے ہی ملحدین شریعت میں وہ چیزیں ملا دینا چاہتے ہیں جو اس میں شامل نہیں ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اہل حدیث کے ذریعہ شریعت کا دفاع کرتا ہے۔ اہل حدیث ہی شریعت کے ارکان کے محافظ اور اس کی ساکھ کو مضبوط کرنے والے ہیں۔ جب شریعت کے دفاع کی راہ میں رکاوٹیں حائل کی جائیں تو وہ اس کی خاطر لڑائی بھی کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں۔ خبردار اللہ تعالیٰ کے گروہ (کے لوگ) ہی کامیاب ہونے والے ہیں" (شرف اصحاب الحدیث ص: ۳۹)

(۹) شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱ھ۔ ۷۲۸ھ) اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہ اہل الحدیث کون لوگ ہیں فرماتے ہیں کہ: "اہل حدیث سے ہماری مراد صرف وہ لوگ نہیں جو حدیث سننے، لکھنے یا روایت کرنے پر اکتفا کرتے ہیں بلکہ ہمارے نزدیک ہر وہ شخص اہل حدیث ہے جو حدیث کو یاد کرتا ہو۔ اس کی معرفت رکھتا ہو، ظاہری وباطنی طور پر حدیث کو سمجھتا اور اس پر عمل کرتا ہو۔ اسی طرح قرآن کریم کو یاد کرنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والے بھی اہل حدیث ہیں۔ اہل حدیث کی کم سے کم خوبی یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث سے محبت رکھتے ہیں، ان کی نصوص اور معانی کی جستجو میں رہتے ہیں، اور ان کی جو تعلیمات معلوم ہو جائیں ان پر عمل کرتے ہیں"۔ (مجموع فتاوی ۴/ ۹۵)

مذکورہ احادیث اور تصریحات علماء سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ طائفہ منصورہ دراصل اہل حدیث مسلک کو ماننے اور اس روشن منہج پر عمل کرنے والے وہ تمام لوگ ہیں جو کبھی اصحاب الحدیث، کبھی اہل الاثر، کبھی اہل حدیث تو کبھی اہل السنۃ کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اور الحمدللہ ثم الحمدللہ برصغیر کے اہل حدیثان کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے عقیدہ وعبادات میں اس پاکیزہ منہج کو اختیار کیا ہے اور ہمیشہ قرآن وسنت کی بالادستی اور اس کے استحکام وفروغ کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ حدیث رسول سے محبت اس کی بالادستی، اتباع اور نشر واشاعت ہی ان کا اول وآخر شیوہ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں ہمیں اس مسلک حقہ سے وابستگی اور اس کی حمایت کی توفیق عطا فرمائے اور دن قیامت ہمیں فرقہ ناجیہ کی بشارت نبوی کا مستحق وسزاوار بنائے۔ آمین تقبل یارب العالمین۔

□□□

افتتاحیہ

برصغیر میں علماء اہل حدیث کی مساعی جمیلہ

مولانا عبدالجبار انعام اللہ سلفی

برصغیر میں پائی جانے والی مختلف اسلامی جماعتوں، تنظیموں اور تحریکوں میں سے ایک جماعت اہل حدیث بھی ہے جو عقائد و اعمال، اخلاق و معاشرت اور تمدن و سیاست میں عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین کے فکری منہج کی حامل ہے، متحدہ ہندوستان میں اس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ خود اسلام۔ اس کی تاریخ بڑی تابناک رہی ہے ہر زمانے میں پیدا ہونے والے اعتقادی و نظریاتی تصادم اور مختلف عقائد و افکار کی باہمی آویزش میں اہل حدیث ہی ایک جماعت ہے جو کبھی راہ مستقیم سے نہیں ہٹی، بلکہ دوسروں کے لئے بھی مینارۂ نور ثابت ہوئی۔ ہندوستان کے ظلمت کدے میں دعوتِ توحید اور سلفی منہج فکر کی تجدید و احیاء کے لئے علماء اہل حدیث کی طرف سے جس جانفشانی کا مظاہرہ کیا گیا یہ انہیں کا حصہ رہا ہے۔ اسی جماعت حقہ کی جہود و مساعی کی وجہ سے لوگوں کے اندر عمل بالحدیث کی تحریک پیدا ہوئی۔ تقلید و جمود کے بندھن ڈھیلے ہوئے اور کورانہ اعتماد کا طلسم ٹوٹا۔ تحقیق و اجتہاد کا دروازہ کھلا اور فقہی مسائل کی چھان بین کا شوق پیدا ہوا۔ بہت سی بدعات کا خاتمہ ہوا اور رسوم و رواج کے بٹ ٹوٹے۔ حدیث کی خدمت اور اس کی نشر و اشاعت کا ذوق عام پیدا ہوا۔ فقہی اقوال و آراء کو قرآن و سنت کے دلائل سے مزین اور تحقیق کرنے کا احساس عام ہوا۔ جہاد کا وہ عظیم سبق بھی امت نے دوبارہ پڑھا جسے فراموش کر دیا گیا تھا۔ غرضیکہ اس تحریک کی ہمہ گیریت اور غلغلے نے اپنوں اور بیگانوں سب کو متاثر کیا۔

اس کی خاطر ہندوستان کے ماحول کے مطابق دعوتی جہود و مساعی کے ضمن میں علماء اہل حدیث کی دوررس نگاہیں تمام اسالیب دعوت پر مرکوز رہیں اور انہوں نے ہر باب میں اپنی ذمہ اداریاں خوش اسلوبی سے انجام دیں چنانچہ:

□- عوام الناس کی ذہنی سطح کے مطابق دعوتی دروس اور مجالس وعظ کے ذریعہ سے وسیع پیمانے پر توحید و سنت کی اشاعت کا انتظام کیا گیا۔ ملک کے طول و عرض میں اس مقصد کی خاطر ایک طرف اگر اجتماعی پروگراموں کا جال بچھایا گیا تو دوسری جانب انفرادی دعوت کی ذمہ داریوں کو بھی نظر انداز نہ کیا گیا، دعوت و تبلیغ کے ضمن میں داعیان حق کے ذاتی کردار اور شخصی اخلاق نے حیران کن نتائج پیدا کئے۔

□ - تصنیف و تالیف اور صحافت کے میدان میں ائمہ اہل حدیث نے ایسا گراں قدر ورثہ چھوڑا ہے کہ ایک عالم تا ابد ان کی مساعی جمیلہ کا ممنون رہے گا۔

□ - مدارس و جامعات کے ذریعہ سے تدریسی خدمات اور تعلیمی اصلاحات کی ایسی روشن مثالیں قائم کی گئیں جنھیں مخالف و موافق ہر ایک نے سراہا اور اپنے معاہد و جامعات کے مناہج میں ان سے استفادہ کیا۔

□ - مناظرات و مباحثات میں بھی علمائے اہل حدیث نے ایسی بے مثال خدمات انجام دیں کہ اپنے تو ایک طرف مخالفین بھی بوقت ضرورت ہمارے علماء ہی کو آواز دیا کرتے تھے۔

□ - نصرت حق کی خاطر مختلف فرق و احزاب کی تردید میں علماء اہل حدیث نے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا اور ہر مخالف نظریہ اور فتنے کی خوب خبر لی۔ (دبستان نذیریہ ص ۱۶)

اس کے علاوہ توحید و سنت کی دعوت اور کتاب و حکمت کی نشر و اشاعت میں جتنے بھی طرق و وسائل مہیا ہو سکتے تھے سب سے استفادہ کیا گیا اور انھیں انسانوں کی رہنمائی اور سماج و معاشرہ کی تطہیر کے لئے بروئے کار لایا گیا جس کے نتیجے میں ایسے ایسے رجال کار پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی ساری زندگی اسی مقدس فریضے کی خاطر تگ و دو کی اور اسی گلشن اسلام کی آبیاری میں اپنی عمریں کھپا دیں۔ صرف میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی نے تن تنہا نصف صدی سے زائد کی تدریسی، تصنیفی اور دعوتی کاموں کے ذریعہ سے ایسے افراد تیار کئے جنھوں نے ہر شعبہ میں انمٹ نقوش چھوڑے اور مسلک عمل بالکتاب والسنہ کی تبلیغ و اشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ جس کی روشنی آج بھی پورے برصغیر میں دکھائی دے رہی ہے۔

ان اہل حدیث جیالوں کے کارنامے اور ان کی جہود و مساعی متفرق اخبار و رسائل اور جرائد و مجلات کے صفحات میں دبے پڑے ہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ان اکابر کی علمی خدمات اور تصنیفی و تالیفی تراث کا احیاء کیا جاتا، ان کے مستند حالات، وقائع اور خدمات و اثرات کو مرتب کیا جاتا پورے برصغیر میں قائم مدارس و معاہد اور

جامعات، ان کے قائم کرنے والے محسنین ومخیرین حضرات کی ایک جامع تاریخ ترتیب دی جاتی تاکہ بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے وہ ایک رہنمائی اور ذریعہ ثابت ہو اور جس کی روشنی میں وہ اپنی مستقبل کا لائحہ عمل تیار کرسکیں۔

الحمدللہ، جماعت کے باشعور اور ذی علم علماء عظام نے اس کی اہمیت کو سمجھا اور اس کی جانب توجہ مبذول کرکے اس کو عملی جامہ پہنانا شروع کردیا جس کے نتیجہ میں اب تک کئی درجن کتابیں طبع ہوکر منصۂ شہود پر آچکی ہیں، اور اب بھی یہ عمل جاری وساری ہے تین جدید عظیم علمی شاہکار ''دبستان نذیریہ''، ''تابندہ نقوش''، اور ''تاریخ اہل حدیث جنوبی ہند کے درخشاں پہلو'' بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، اول الذکر کتاب ''دبستان نذیریہ'' جناب ڈاکٹر محمد تنزیل صدیقی الحسینی حفظہ اللہ (جو میاں صاحب کے عظیم شاگرد علامہ شمس الحق ڈیانوی صاحب عون المعبود کے پڑپوتے ہیں، بروقت پاکستان میں مقیم ہیں) کی مرتب کردہ ہے یہ ۷۳۲ رصفحات پر مشتمل صوبہ بہار وجھارکھنڈ کے شیخ الکل سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ کرام کا ایک تذکار جمیل ہے۔ جس میں سید میاں نذیر حسین صاحب کے ۸۹ رتلامذہ ومستفیدین کے تراجم اور دیگر ۷۰ رعلماء کرام کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے زبان شستہ اور سلیس ہے۔ حوالہ جات سے بھرپور ہے۔ اس کے بقیہ حصہ زیر تالیف ہیں، اللہ انھیں اس عظیم منصوبہ کی تکمیل کی توفیق دے اور جلد از جلد کتاب کی بقیہ جلدیں شائع ہوں۔

موخر الذکر دو کتابیں جماعت کے بزرگ عالم دین صوبہ کرناٹک کے امیر جناب مولانا عبدالوھاب جامعی حفظہ اللہ کی ترتیب کردہ ہے ''تابندہ نقوش''۔ مولانا اسماعیل رائیدرگی رحمہ اللہ کی جہود ومساعی اور ان کی دعوتی سرگرمیوں کی مفصل داستان ہے۔ صاحب کتاب نے بڑے اچھے انداز میں موصوف کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کا حق ادا کردیا ہے۔

''تاریخ اہل حدیث جنوبی ہند کے درخشاں'' پہلو ۷۶۰ رصفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے اس میں مرتب نے مختلف جرائد ومجلات، مقالات اور کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے نیز ذاتی معلومات کی بنیاد پر جنوبی ہند کے علماء اہل حدیث کے مساعی جمیلہ کو مختلف جہتوں سے واضح کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، ساتھ ہی ساتھ شمالی ہند کے ان علماء کرام کے اسماء گرامی کو بھی شامل کیا ہے جن کی کوششوں سے جنوبی ہند میں مسلک اہل حدیث کو تقویت حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مولانا محترم کی ان کوششوں کو قبول فرمائے۔ اور اسے آنے والی نسلوں کے لئے ایک مشعل راہ بنائے۔

میں مبارکباد پیش کرتا ہوں اپنے دیرینہ رفیق، جامعہ رحمانیہ کاندیولی کے استاذ حدیث، ضلعی جمعیت اہل حدیث پال گھر کے امیر مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی ر حفظہ اللہ کو جنھوں نے تن تنہا اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تاریخ اہل حدیث کی ترتیب وتدوین کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اور پورے انہماک کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ یہ بھی اللہ کی جانب سے ایک توفیق ہے جو کم ہی لوگوں کو میسر ہوتی ہے۔ اس طرح کا عمل وہی لوگ انجام دے پاتے ہیں جو کمر ہمت کس کر میدان میں قدم رکھتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ایسے عزم وہمت رکھنے والوں کی کامیابی بھی آگے بڑھ کر استقبال کرتی ہے اور انہیں کے سروں پر کامیابی کا سہرا بھی بندھتا ہے سچ کہا ہے کسی نے ؎

جو خود بڑھ کر اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

شیخ محترم کی کوششوں کا پہلا ثمرہ ''سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۶ء'' کی شکل میں طبع ہوکر منظر عام پر آچکا ہے۔ ۳۷۵ رصفحات پر مشتمل یہ سالنامہ الحمدللہ ظاہر وباطنا ہر اعتبار سے قابل قدر اور لائق ستائش ہے اس کے مشتملات لائق مطالعہ اور مرتب کی علمی صلاحیت پر غماز ہیں۔ یہ تاریخ اہل حدیث کی حقانیت، علماء اہل حدیث کی گرانقدر خدمات پر مشتمل ایک تاریخی وعلمی دستاویز ہے۔ اس سلسلہ کی دوسری کڑی ''سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۷ء'' الحمدللہ اب آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ شمارہ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں علماء کرام وفضلاء عظام کے تاثرات وانطباعات ہیں، باب دوم میں تاریخ اہل حدیث کے متعلق ۱۱ رمبحوث ومقالات ہیں۔ باب سوم یادرفتگاں ہے جس میں ۲۲ رمرحومین علماء کرام کا ذکر جمیل بڑے شرح وبسط کے ساتھ کیا گیا ہے، باب چہارم عالم اسلام کے ۳ رعظیم سلفی اساطین علم پر مشتمل ہے۔ باب پنجم میں ۲۰۱۷ء کے ۱۳ رمرحومین علماء کرام کی سوانح اور انکی مساعی رقم ہیں۔ باب ششم میں ۸ رعلماء مرحومین اور ۱۱ رمرحومین اعیان جماعت کا تذکرہ ہے۔ باب ھفتم میں ۱۴ رموجودین علماء عظام واعیان جماعت کا بیان ہے اور باب ہشتم مناظرات ومتفرقات پر مشتمل ہے۔ امید کہ قارئین اسے بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ اور اپنی آراء ومفید مشوروں سے آگاہ کریں گے۔

ایک بار پھر گذارش ہے کہ اصحاب قلم اپنے قیمتی مقالات اور علمی مضامین کے ذریعہ اور اصحاب ثروت ودولت اپنے مال کے ذریعہ شیخ کا تعاون کرنے کے لئے قدم آگے بڑھائیں تاکہ یہ سلسلہ جاری رہے اور کام پایہ تکمیل تک پہنچ سکے۔ اجر وثواب کے مستحق ہوں گے، ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو صحت وتندرستی عطا کرے اور انہیں ان کے منصوبوں میں کامیاب بنائے۔ اور ان کے اس عمل کو ان کے اور ان کے والدین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

□□□

باب اول

تاثرات وانطباعات

کلمات تبریک

عالمی شہرت یافتہ صاحب قلم اور معروف ادیب
استاد الاساتذہ فضیلۃ الشیخ مولانا ابوالعاص وحیدی رحفظہ اللہ
استاذ کلیۃ الصفا ڈومریا گنج
گاہے گاہے باز خواں.....

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی محمد سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وعلی جمیع من تبعھم من ائمۃ الاسلام وعلماء الدین: اما بعد!

قوم وملت رجال وشخصیات کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ کسی بھی قوم کیک تاریخ جاننے کے لئے اس کے افراد اشخاص کے حالات وسوانح جاننا ضروری ہے، اس لئے کہ ان کے احوال زندگی میں فکروفن، علم ودانش اور عبرت ونصیحت کا قیمتی سرمایہ پایا جاتا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبوی میں گذشتہ قوموں اور تاریخ انسانی کے رجال وشخصیات کے تذکرے اسی مقصد سے کئے گئے ہیں تاکہ اصحاب عقل ودانش ان سے رہنمائی حاصل کریں۔ قرآن کریم میں تذکرۂ یوسف علیہ السلام کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (یوسف ۱۱۱) یقیناً ان کے تذکرہ میں عقل والوں کے لئے عبرت ونصیحت ہے۔

اصحاب علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ اسلامی تاریخ میں تذکرہ نویسی وسوانح نگاری کا ایک طویل زریں سلسلہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ محدثین عظام نے تحفظ دین اور صیانت حدیث کے حوالہ سے ہزاروں رواۃ ورجال کے حالات وسوانح پر بے شمار کتابیں لکھی ہیں کہ اگر انہیں اکٹھا کیا جائے تو ایک عظیم لائبریری تیار ہوجائے، اس سلسلہ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ عربی واردو اور دنیا کی متعدد زبانوں میں ہیں۔ جنہیں دیکھ کر اعدائے اسلام بھی انگشت بدنداں ہیں۔ تحریک اہل حدیث ہندوستان کا سب سے قدیم اور معمر ترین طرز فکر ہے۔ بنابریں جماعت اہل حدیث ہند کی تاریخ معتبر ومستند اصحاب علم اور عظیم رجال وشخصیات سے معمور ہے۔ جنہوں نے دین وملت اور مسلک وجماعت کی بیش بہا خدمات کے ساتھ ملک ووطن کی تعمیر وترقی اور تحریک آزادی ہند میں قائدانہ کردار ادا کیا ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ ان کے حالات وسوانح کے تعلق سے کوئی خاطر خواہ کام نہ ہوسکا۔

یوپی وبہار پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں صوبوں میں بڑے بڑے علماء ومحدثین گذرے ہیں، جیسے علامہ نواب صدیق خاں، استاذ الاساتذہ حافظ عبداللہ غازی پوری، علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی، علامہ بشیر احمد سہسوانی، علامہ ابومحمد ابراہیم آروی، علامہ شمس الحق ڈیانوی، علامہ عبدالرحمن مبارکپوری، علامہ عبدالسلام مبارکپوری، علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، علامہ عبدالسلام سلفی بستوی، اور علامہ محمد رئیس ندوی وغیرہ یہ تمام حضرات جماعت اہل حدیث کے مضبوط ومستحکم اساطین اور علوم دین کے آفتاب درخشاں وماہتاب تاباں تھے۔ مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ ان کے تراجم وسوانح پر بعض شاذ ونادر کتابوں اور مجلات وجرائد کے خصوصی شماروں

کے سوا کسی جماعتی اداروں یا سلفی اکیڈمی نے ان کے بارے میں مفصل وجامع اور مرتب ومہذب کتابیں لکھوانے اور شائع کرنے پر توجہ نہیں دی۔ جب کہ دوسری جماعتوں کا یہ حال ہے کہ وہ ایک ایک بالشت کی شخصیات پر بڑی بڑی کتابیں شائع کرتی رہتی ہیں۔

دراصل دوسری جماعتیں اجتماعی انداز میں منظم طور پر تصنیف وتالیف کے کام کرتی ہیں یا اپنے افکار ونظریات کی اشاعت کرتی ہیں اور اپنے رجال وشخصیات پر معیاری کتابیں شائع کرتی ہیں، مگر ہمارے یہاں اس طرح کے علمی کام زیادہ تر انفرادی وشخصی طور پر انجام پذیر ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ تاریخ اہل حدیث ہی کو لے لیجئے! اس موضوع پر بہت مختصر انداز میں مولانا ابو یحیی امام خاں نوشہروی نے کتاب لکھی ہے۔ علمی انداز میں علامہ ابو محمد ابراہیم آروی نے ''تاریخ اہل حدیث'' لکھی جو مکمل نہیں ہو سکی تھی۔ اس کے بعد علامہ اسحاق بھٹی (پاکستان) اور مولانا عبدالرؤف ندوی (انڈیا) نے تاریخ رجال اہل حدیث پر بڑی مفصل کتابیں لکھی ہیں، جماعت کی سیاسی تاریخ پر علامہ نذیر احمد املوی کی کتاب ''اہل حدیث اور سیاست'' بڑی اہم اور دستاویزی ہے مگر وہ ادھوری ہے۔ ادھر ماشاء اللہ ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ نے بھی انفرادی طور پر آگے بڑھ کر اس جماعتی کام کو انجام دے رہے ہیں اور بڑے جامع ومفصل انداز میں تاریخ اہل حدیث اور تحریک ختم نبوت پر کتابیں لکھ رہے ہیں۔ تقبل اللہ مساعیھم (آمین)

بڑی خوشی کی بات ہے کہ فاضل نوجواں مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی بڑے جامع ومفصل اور مرتب ومہذب انداز میں ''اہل حدیث انسائیکلو پیڈیا'' مرتب کر رہے ہیں۔ جس میں فقہ اہل الحدیث اور منہج سلف پر مقالات کے ساتھ جماعت کے علماء ومدرسین، دعاۃ ومبلغین، ائمہ وخطباء، اُعیان وذمہ داران اور محسنین وہمدردان وغیرہ کی تراجم وسوانح اور احوال وآثار شامل ہوں گے ان شاء اللہ اس سلسلہ میں انہوں نے شخصی معلومات کے لئے فارم جاری کر دیئے ہیں۔ ضروری ہے کہ لوگ ان کا تعاون کریں تاکہ ''اہل حدیث انسائیکلو پیڈیا'' مرتب ہو جائے اور تاریخ اہل حدیث کے سلسلہ میں جو عظیم کوتاہی جماعت سے ہوئی ہے اس کی تلافی ہو جائے۔ واللہ ھو الموفق وھو المعین۔

میرے سامنے اس وقت ۲۰۱۶ء کا سالنامہ ''تاریخ اہل حدیث'' شمارہ نمبر ا ہے، جسے مولانا عبدالحکیم مدنی نے بڑے اچھے ڈھنگ سے مرتب کیا ہے۔ جس کی اشاعت حامی مسلک سلف، محسن جماعت جناب عبدالشکور چودھری حفظہ اللہ چیئرمین المنار ہائی اسکول پونہ کے گرانقدر تعاون سے ہوئی، جزاہ اللہ احسن الجزاء وکثر امثالہ آمین۔ یہ سالنامہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔ جن میں فاضل مرتب نے بڑے سلیقہ سے تاثرات، مقالات، بعض متوفی وموجود علماء واعیان جماعت کے حالات اور بعض دلچسپ مناظرات وغیرہ شامل کئے ہیں۔ میں اس حسن ترتیب پر فاضل موصوف کو مبارکباد دیتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس جماعتی مشن میں کامیاب بنائے۔ اور اس سلسلہ میں مرتب وناشر اور جملہ معاونین کو اجر عظیم عطا فرمائے (آمین)

تمام احباب جماعت کو مخاطب بناتے ہوئے اس شعر پر اپنی بات ختم کر رہا ہوں تاکہ سلفیان ہند تاریخ اہل حدیث کے اوراق گم گشتہ واحوال موجودہ کو پڑھ کر عبرت ونصیحت حاصل کریں اور زخمہائے دل کو تازہ کریں۔

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

ابوالعاص وحیدی
استاذ کلیۃ الصفا ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر یوپی
۱۳/۱۰/۲۰۱۸ء

❑❑❑

رشحات تصدیق

مقرر شعلہ بیان فاضل گرامی
حضرت مولانا محمد ہارون صاحب سنابلی رحفظہ اللہ
ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبیہ محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وبعد۔

انتہائی مسرت وشادمانی کا مقام ہے کہ ہمارے دیرینہ دوست وہم سبق شیخ عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی حفظہ اللہ نے انسائیکلوپیڈیا طرز پر جماعت اہل حدیث اوراس کے علماء کرام کی تاریخ کی جمع وترتیب کا بیڑا اٹھایا ہے جو بروقت جماعت کی ایک اہم ضرورت اور عظیم خدمت ہے۔ یہ سلسلہ بہت پہلے شروع کیا جانا تھا لیکن دیر آید درست کے مصداق ہمیں اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرنا چاہیے کہ یہ کام الحمد للہ شروع ہو چکا ہے اور قوی امید ہے کہ جاری وساری رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

دراصل قوموں کی تاریخ میں آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ہوتی ہے جس سے روشنی حاصل کر کے وہ آگے بڑھنے کی کوشش کرتی ہیں اوراس سے انہیں بھولا ہوا سبق یاد آتا ہے نیز آگے بڑھنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ یہی سرمایہ کل ہماری جماعتی تاریخ کا مرجع ومصدر بیش قیمت اثاثہ ہوگا اور پوری جماعت کے لئے ایک عظیم تاریخی شاہکار بھی ثابت ہوگا۔ موصوف اس علمی وتاریخی گراں قدر کاوش پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

الحمد للہ اس سلسلے کی پہلی کڑی سالنامہ تاریخ اہل حدیث جلد اول کی شکل میں مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی وبڑھنی کے زیر اہتمام دیدہ زیب طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آگیا ہے اور اب اس سلسلے کی دوسری کڑی جلد ثانی کی شکل میں طباعت کے لئے تیار ہے۔ آگے کا کام بڑی تیزی سے زیر ترتیب ہے، اللہ کرے یہ سلسلہ دراز ہو اور ایسے ہی جاری وساری اور باقی رہے تاکہ جماعت کی تاریخ کے روشن ابواب اور مخلصین علماء کی نمایاں خدمات ایک تاریخی دستاویز کی شکل میں محفوظ کئے جاسکیں۔ میں جماعت کے تمام علماء، اصحاب مدارس اور ذمہ داران سے اپیل کرتا ہوں کہ موصوف کے اس نیک تاریخی وعلمی عمل میں ان کا ہر ممکن ساتھ دیں اور جن کے علم میں تاریخ جماعت کا کوئی بھی گوشہ محفوظ ہو تو اسے اس سالنامے میں اشاعت کے لئے ضرور بھیجیں۔

اخیر میں موصوف کو صد آفریں کہتے ہوئے رب العالمین سے دعا گو ہوں کہ بارالہا تو انہیں اس عظیم جماعتی خدمت میں ہر طرح کی آسانیاں عطا فرما اور انہیں پوری جدوجہد اور اخلاص سے اس عظیم مشن کو پایۂ تکمیل تک لے جانے کی سعادت عطا فرما۔ آمین یارب العالمین۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

محمد ہارون سنابلی

ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔

اکتوبر 2018

□□□

پیام کوکن

مصنف شہیر

فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالواحد انور یوسفی رحفظہ اللہ

امیر ضلعی جمعیت اہل حدیث، رتنا گیری

گرامی قدر مولانا عبدالحکیم مدنی حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی کا قیام ایک مستحسن اقدام ہے۔ واٹس ایپ اور دیگر رسائل وجرائد سے جب اس اہم خبر کی اطلاع ملی تو کافی خوشی ہوئی کہ تاریخ اہل حدیث کے منتشر اوراق یکجا کئے جائیں گے اور ماضی قریب کی نامور ہستیاں جو داغ مفارقت دے گئی ہیں ان کی حیات وخدمات کے روشن پہلوؤں کو اجاگر کیا جائیگا تا کہ ہمارے لئے اور آئندہ نسلوں کے لئے وہ مینارۂ نور ثابت ہو، اور ان کی سیرت کے جامع اور ہمہ جہتی ترجیحات سے واقف ہو کر ہم میں بھی کچھ کرنے کا حوصلہ پیدا ہو۔ ہم بھی ان تابندہ نقوش کے آئینے میں اپنے خدوخال کو سنوار سکیں۔ مشقت آمیز اور صبر آزمایہ کام آسان نہیں ہے۔ مگر قابل مبارکباد ہیں کہ آپ نے تنہا یہ بار گراں اپنے کندھوں پر اٹھالیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید حوصلہ بخشے کہ جرأت وہمت اور پامردی کے ساتھ آپ اس علمی وتاریخی دستاویز کو سال بہ سال نئے ڈھنگ اور امنگ کے ساتھ منصۂ شہود پر لاتے رہیں۔ ان شاء اللہ جماعتی درد رکھنے والے قلمکار اور انشاء پرداز آپ کے شانہ بشانہ نظر آئیں گے۔

مرکز تاریخ اہل حدیث کا پہلا سالنامہ شمارہ نمبر (۱) ۲۰۱۶ء بعنوان ''تاریخ اہل حدیث'' ہدیہ پر خلوص کی شکل میں دستیاب ہوا، فرصت نکال کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ سات ابواب پر مشتمل یہ علمی وتاریخی دستاویز اپنے اندر بہت کچھ سمیٹے ہوئے ہے۔

باب اول میں چند علمائے کرام کے تاثرات واحساسات ہیں اور باب دوم میں جماعت اہل حدیث کی تاریخ کے تعلق سے پندرہ مضامین ہیں جن کے پڑھنے سے اہل حدیث کا عقیدہ ومنہج، ملکی وعلاقائی تاریخ، مختلف جامعات کی تاسیس وترویج، گونڈہ، بستی، مئو اور بنارس وغیرہ میں اہل حدیث کا فروغ وغیرہ کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

باب سوم میں یادرفتگاں کے تحت سترہ مضامین ہیں جس میں ماضی قریب کے ان علماء کا تذکرہ ہے جنہوں نے اپنے پیچھے سلفیت کو فروغ دینے کے لئے بے شمار تلامذہ اور کتابوں کا ذخیرہ چھوڑا ہے۔

باب چہارم کے تحت مرحومین علمائے اہل حدیث ۲۰۱۶ء کا تذکرہ ہے اس میں بھی سترہ مضامین ہیں اس میں ان تمام علمائے کرام کا تذکرہ ہے جو ۲۰۱۶ء میں انتقال کر چکے ہیں اور جماعتِ اہل حدیث کے لئے ہر ایک کی اہم خدمات ہیں جو اظہر من الشمس ہیں۔

باب پنجم میں صرف چھ لوگوں کے تذکرے ہیں جو ۲۰۱۶ء میں انتقال کر چکے ہیں جو عالم دین گرچہ نہیں تھے مگر اہل خیر اور جماعت وجمعیت کے کافی خیر خواہ اور محسن تھے۔

باب ششم میں علمائے موجودین ۲۰۱۶ء کا تذکرہ ہے جن کی تعداد صرف پانچ ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ تین حضرات کے حالات خود نوشت ہیں۔ (۱) مولانا محفوظ الرحمن فیضی (۲) مولانا عبدالسلام مدنی، جو ۱۶ر جولائی ۲۰۱۸ء بروز سوموار ساڑھے پانچ بجے اس دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر چکے ہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) (۳) مولانا محمد مستقیم سلفی۔

باب ہفتم کے تحت مناظرات ومتفرقات ہیں جس میں دو مناظرے اور تین اشتہارات ہیں جو تاریخ اہل حدیث کے متعلق ہیں۔

اس طرح (۳۷۵) صفحات پر مشتمل یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر اہل حدیث اسے خریدے اور پڑھے تا کہ اپنے اسلاف کے کارناموں سے اچھی طرح واقف رہے۔

سالنامہ تاریخ اہل حدیث کے پہلے شمارے کی اشاعت پر میں آپ کو اور جملہ معاونین کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید علمی تاریخی اور جماعتی خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے اور سالنامہ تاریخ اہل حدیث کا ہر شمارہ پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتا رہے تا کہ یہ سلسلہ تاریخ اہل حدیث کا انسائیکلوپیڈیا قرار پائے۔

خیر اندیش

عبدالواحد انور یوسفی (مدیر مرکز الدعوۃ الاسلامیہ والخیریہ، سونس، کھیڈ)

امیر ضلعی جمعیت اہل حدیث رتنا گیری

۲۰/۱۱/۲۰۱۸

❑❑❑

پیغام مبارکبادی

معروف داعی وقلمکار

فاضل گرامی ڈاکٹر عبید الرحمن محمد حنیف المدنی رحفظہ اللہ

مدیر مرکز الامام البخاری، تلولی، ممبئی

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ ومن والاہ وبعد!

اسلام کا وہ عظیم الشان صاف ستھرا سرچشمہ جسے مقدس گروہ نے کتاب وسنت کی شکل میں آگے بڑھ بڑھ کر نہ صرف سیکھا اور ہاتھوں ہاتھ لیا بلکہ اس کے پیغام کو چہار دانگ عالم میں پھیلانے اور اس کی روشنی کی شعاعوں سے انسانیت کو مستفید کرنے، محاسن ومناقب سے لوگوں کو متعارف کرانے میں کسی بھی طرح کی کوئی کمی کوتاہی نہیں کی، نشر واشاعت کا یہ مقدس سلسلہ صحابہ کرام سے شروع ہو کر تابعین سے ہوتے ہوئے بعد کے ادوار تک پوری قوت وتوانائی سے جاری وساری رہا، جسے ائمہ ومحدثین، فقہاء ومفسرین نے دنیا بھر کے کونے کونے میں پہونچایا، ہمارا ملک ہندوستان ان خوش نصیب ممالک میں سے ہے جن تک یہ عظیم پیغام قرون مفضلہ ہی میں پہنچنے کا شرف حاصل ہوا، اور اس وقت سے اب تک یہ سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں جاری وساری ہے۔ اللہ کرے یہ پودا ہمیشہ سرسبز وشاداب رہے، اس کی پنکھڑیاں اور کلیاں ملک کے طول وعرض میں خوشبو پھیلاتے ہوئے لوگوں کے قلوب واذہان کو معطر کرتی رہیں۔

قارئین ذی وقار! یہ معزز قافلہ جو دنیا کے طول وعرض میں پھیل کر صحیح اسلام کی سچی نمائندگی کرتا رہا، ہر جگہ اپنے عمدہ آثار چھوڑتے ہوئے لوگوں کو کسی عظیم شخصیت سے جوڑنے کے بجائے قرآن وحدیث سے جوڑتا رہا تاکہ لوگ اصل سرچشمہ سے پورے طور پر جڑے رہ سکیں، اور دلوں کو صاف ستھری غذا سے قوت فراہم کرتے رہیں، یہ عمل اس قدر عظیم اور مبارک تھا کہ انہوں اپنی نسبت بھی اسی عمل ہی کی طرف کرتے ہوئے اپنے آپ کو اہل حدیث کہلانا باعث اعزاز تصور کیا۔ فللہ درھم وکثر خیرھم۔

یقیناً قرآن وحدیث کی طرف نسبت سعادت ہے جو بزور بازو حاصل نہیں ہوسکتا، ہاں مگر توفیق ربانی شامل حال ہو تو رحمان ورحیم اپنا فضل واحسان اس بندے پر نچھاور کرتے ہوئے شرح صدر کی عظیم الشان نعمت سے مالا مال کر دیتا ہے اور وحی الٰہی سے جڑ جانے میں حیات مستعار کا راز اس پر کھول دیتا ہے۔

ملک ہندوستان میں یہ مقدس گروہ کب آیا، اور کیا کچھ کارنامے انجام دیا، اس کے جہود اور اعمال کے دائرے کیا تھے، اس ملک پر ان کی کوششوں کے کیا کچھ مثبت اثرات مرتب ہوئے، جیسے بیشمار سوالات کے تشفی بخش جوابات تاریخ اہل حدیث میں دیکھے جاسکتے ہیں جس کی ترتیب وتنسیق کا عظیم الشان عمل مرکز تاریخ اہل حدیث انجام دے رہا ہے، قابل مبارکباد ہیں مرکز مذکور کے ذمہ داران خاص طور سے میرے رفیق درس مرکز تاریخ اہل حدیث کے روح رواں فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالحکیم مدنی حفظہ اللہ جنہوں نے اس عظیم ذمہ داری کا نہ صرف بوجھ اٹھایا بلکہ پوری قوت کے ساتھ میدان عمل میں جٹ گئے، اور دیکھتے ہی دیکھتے اس مشروع کا پہلا سالنامہ ۲۰۱۶ء زیور طباعت سے پورے آن بان کے ساتھ مرصع کرنے اور اسے منظر عام پر لانے میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے، جو خراج تحسین کے گلدستوں کے ساتھ مقبول خاص وعام ہوا، اللہ کرے یہ انمول سلسلہ جاری وساری رہے، اور لوگ ان کوششوں سے مستفید ہوتے رہیں۔ آمین۔

قارئین ذی احترام! تاریخ اہل حدیث کے سالنامہ ۲۰۱۷ء کی طباعت واشاعت کی مناسبت سے تمام علماء کرام کے نام خاص طور سے اور ہندوستانی مسلمان بھائیوں کے نام عمومی طور سے یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں اہل حدیث ایک نعمت ہے، اس کی قدر کرتے ہوئے علمائے اہل حدیث کے جہود واعمال سابقہ ولاحقہ کی امانت کا جو حصہ بھی آپ کے پاس ہو ضرور حوالہ قرطاس کرتے ہوئے اس عظیم الشان مشروع کا حصہ بنیں اور مرکز اہل حدیث کے جلائے ہوئے دیئے میں تیل ڈالتے رہنے کا عمل جاری رکھیں۔ اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین۔

آپ کا دینی بھائی
عبید الرحمن بن محمد حنیف سلفی
مدیر مرکز امام بخاری تلولی ممبئی
۱۸/۹/۲۰۱۸ء

□□□

پیغام تہنیت

معروف داعی وخطیب

فاضل گرامی مولانا محمد عاطف صاحب سنابلی رحفظہ اللہ

امام وخطیب جامع مسجد اہل حدیث خیرانی روڈ ساکی ناکہ ممبئی

حامدا ومصلیا امابعد:

جماعت اہل حدیث اور سلفی تحریک دراصل کتاب وسنت منہج صحابہ اور مسلک سلف کی اصل ترجمان اور سچی تعبیر ہے، علمائے اہل حدیث اور سلفی دعوت کی تاریخ بڑی شاندار، روشن اور تابناک ہے، دعوت وعزیمت جرأت وہمت، عزم واستقلال، فدائیت ووفاداری اور بے مثال قربانیوں سے بھری پڑی ہے، تبلیغ ودعوت دین، اشاعت حق، دین محمدی کی صحیح اور سچی ترجمانی، احیائے کتاب وسنت اصلاح وتطہیر عقائد، بدعات وخرافات اور غیر اسلامی رسوم ورواج کے خاتمہ سے لے کر آزادی وطن اور تعمیر ملک وملت نیز ملک اور وطن مخالف سرگرمیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے تک متنوع اور ہمہ جہت دینی، ملی، سماجی، رفاہی اور قومی خدمات میں پیش پیش رہی ہے، اور ہر میدان میں اپنے تابندہ اور انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

بنابریں کتاب وسنت، مسلک صحابہ اور منہج سلف کی حقیقی اور سچی ترجمان جماعت اہل حدیث کی اصلاحی ودعوتی ہمہ جہت جہود ومساعی، روشن ماضی اور اس کی شاندار تاریخ کو احباب جماعت اور عوام الناس تک پہنچانا اور مرتب ومدون کرنا نہایت ہی گراں قدر اور سعادمندانہ انجام ہے نیز لائق تحسین وتشجیع اور قابل مبارکباد عمل ہے۔

ساتھ ہی ساتھ وقت کا اہم ترین تقاضا بھی ہے تاکہ کاروان سلف کے عظیم سپوتوں اور جماعت اہل حدیث کے ارباب واکابرین، علماء ودعات، مصنفین ومناظرین کے عظیم ترین کارنامے اور ان کی متنوع خدمات جلیلہ کو جمع اور ایک جگہ محفوظ کیا جائے، موتی کے بکھرے دانوں کو ایک لڑی میں پرویا جائے، اور سلفی دعوت کی روشن تاریخ کے منتشر اوراق کو مدون ومرتب اور یکجا کیا جائے تاکہ آنے والی نسل اپنے اسلاف اور اکابرین کی بے مثال قربانیوں اور ہمہ جہت اصلاحی ودعوتی جہود ومساعی کو پیش نگاہ رکھے، اور سبق حاصل کرتے ہوئے اپنے لئے نمونہ عمل بنائے، احتساب کردار وعمل کا پیمانہ بنا سکے مستقبل کے لائحہ عمل کی ترتیب وتنظیم کے لئے اپنے لئے مشعل راہ بنائے۔

الحمد اللہ اس عظیم الشان کار خیر کے لئے بکھرے موتیوں کو ایک لڑی میں پرونے اور اسے مفید وموثر انداز میں مدون ومرتب کرنے، شاندار ماضی کے منتشر اوراق کو جمع اور یکجا کرنے کے لئے جماعت کے معروف داعی اور خطیب، مشہور قلمکار، کہنہ مشق معلم اور ممتاز مربی فاضل گرامی مکرمی جناب شیخ عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی حفظہ اللہ نے اس عظیم مشن اور پاکیزہ منصوبہ کے لئے مستقل طور پر مرکز تاریخ اہل حدیث کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور تن تنہا اس کا بیڑا اٹھایا ہے اور عملی اقدام بھی کیا ہے، الحمد اللہ مرکز تاریخ اہل حدیث کے تحت سالنامہ مجلہ اہل حدیث کا پہلا شمارہ نیز ایک تاریخی دستاویز کتاب کی شکل میں منظر عام پر آچکا ہے اور مقبول خاص وعام بن چکا ہے۔ **فللہ الحمد علی ذالک۔**

اس عظیم مشن اور مہتم بالشان منصوبہ پر دل کی گہرائیوں سے میں مبارکباد پیش کرتا ہوں احباب جماعت سے ہر ممکن تعاون اور تائید کی اپیل کرتا ہوں، اور مولائے رحمن ورحیم سے دعا گو ہوں کہ رب کریم اس عظیم مشن کو جاری اور ساری رکھے اور شیخ موصوف نے وقت اور جماعت کے تقاضے کو محسوس کرتے ہوئے جو یہ سلسلہ شروع کیا ہے اللہ تعالی اپنے فضل وتوفیق سے پایۂ تکمیل تک پہنچائے، احباب جماعت اور آنے والی نسل کے لئے مفید وکارآمد اور مشعل راہ بنائے اور اس پاکیزہ مشن میں ہم سب کو ہر ممکن تعاون وتائید کی توفیق سے نوازے۔ آمین

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم

محمد عاطف سنابلی / ۲۳ ستمبر ۲۰۱۸

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۔۲۳

مومنوں میں (ایسے) لوگ بھی ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کیا تھا اسے سچا کر دکھایا، بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض موقعہ کے منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ (الاحزاب: ۲۳)

باب دوم

بحوث ومقالات

تاریخ اہل حدیث

اسلام اور اہل حدیث

از افادات: مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

اسلام کی مختصر تاریخ

پہلے اس سے کہ ہم یہ بتادیں کہ فرقہ بندی کس طرف سے ہے اسلام کی مختصر سی تاریخ بیان کر دینا مفید ہوگا۔

کچھ شک نہیں کہ اسلام کی تاریخ دنیا میں روشن ہے۔ اس کے ابتدائی، درمیانی اور آخری واقعات سب روشن ہیں۔ اس کا سنہ ہجری ۱۳۳۵ (اس سنہ میں حضرت مرحوم نے یہ مقالہ لکھا تھا۔) ہجری ہے، مگر ابتداء کو ۱۳۴۸ سال ہوئے ہیں جب کہ مکہ معظمہ میں اس کی تعلیم بزبان ترجمان الہام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاری ہوتی تھی۔ تیرہ سال قبل ہجرت مکہ معظمہ میں گزارے، دس سال بعد ہجرت مدینہ میں رہے۔ کل ۲۲ سال آپ کی نبوت کا آفتاب دنیا میں ظہور پذیر رہا۔ اب سوال یہ ہے کہ اتنی مدت میں جو تعلیم آپ نے دی اس کا کیا اثر ہوا؟ جواب صرف یہ ہے کہ جس پر کل دنیا کی تاریخ متفق ہے کہ عرب تمام صاف ہوگیا۔ جو مشرک، کافر، ملحد اور زندیق تھے وہ سب خدا کے پرستار بن گئے، جو لٹیرے اور ڈاکو تھے، وہ مدبران سلطنت ہوکر تمدنی تعلیم میں دنیا کے استاد مانے گئے۔

اس پر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے ان کو مذہبی احکام کا دستور العمل کوئی دیا تھا یا نہیں؟ اس کا جواب بھی بالکل صاف اور صحیح یہ ہے اور صرف یہی ہے کہ دیا تھا، اور نہ دیا ہوتا تو وہ لوگ باوجود ضروریات کثیرہ کے تعمیل کیونکر کرتے؟

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان میں دستور العمل کیا تھا؟ یعنی یہ احکام شرعیہ کہاں سے اخذ کرتے تھے؟ اس کا جواب بھی ایک اور صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ اخذ کرنے کا طریقہ ان میں یہ تھا کہ پہلے قرآن مجید کو دیکھتے، ساتھ ہی اس کے اگر کوئی روایت انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوتی یا کوئی فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھا یا سنا ہوتا تو اس کو بھی ملحوظ رکھ کر بطور سندِ شرعی کے پیش کرتے، چنانچہ سب سے پہلا اختلاف جو صحابہ کرام میں پیدا ہوا وہ انتخابِ خلیفہ پر تھا، انصارِ مدینہ یہ کہتے تھے کہ خلیفہ ہم میں سے ہوگا۔ اس اختلاف کا فیصلہ یوں ہوا کہ مہاجرین کی طرف سے ایک حدیث پیش کی گئی جس کے الفاظ یہ تھے۔ اَلْاَئِمَّةُ مِنَ الْقُرَيْشِ خلیفہ قریش سے ہوں گے۔ یہ حدیث پیش ہوتے ہی فیصلہ مہاجرین کے حق میں ہوگیا۔

دوسرا اختلاف وراثتِ نبی (علیہ السلام) کے متعلق ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں نے خلیفہ کے پاس دعویٰ پیش کیا کہ ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے حصہ ملنا چاہیے جیسے دوسرے مسلمانوں کے وارث حصہ پاتے ہیں۔ خلیفہ کی طرف سے اس کا جواب نفی میں ملا تو اختلاف پیدا ہوا۔ آخر جب حدیث نبوی پیش ہوئی کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے ہیں کہ: ''ہمارا مال ورثہ نہیں ہوگا بلکہ فی سبیل اللہ صدقہ ہوگا'' تو نزاع ختم ہوگئی۔

تاریخ اسلام کا کسی اور واقعہ پر اتفاق ہو یا نہ مگر اس امر کا پورا اتفاق ہے کہ زمانہ رسالت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو بات پیش آتی اس کا فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کرا لیتے اور بعد زمانہ نبوت زمانہ خلافت میں جو پیش آتی اس کے لئے احکام کی تلاش قرآن وحدیث میں کرتے۔ یہ طریقہ مسلمانوں میں بہت عرصہ تک جاری رہا۔ مگر ہم آسانی کے لئے فرض کر لیتے ہیں کہ تیس سال تک ایسا ہوتا رہا جو زمانہ خلافتِ راشدہ کا ہے۔

اب ایک سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جملہ آبادی میں یعنی ابتداء سے آج تک جتنے طبقے بھی ہوئے ہیں ان میں بحیثیت دین اور بحیثیت دنیا اور بحیثیت اعلیٰ اخلاق اور بحیثیت جاہ وحشمت اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بحیثیت منظوری اور مقبولیت خدا کے کون طبقہ ممتاز رہا ہے؟

اس کا جواب بھی ایک اور صرف ایک ہی ہے کہ وہ طبقہ سب سے اعلیٰ اور افضل تھا جو نبوت کی گود میں تربیت پا کر دوسروں کا رہنما بنا رضی اللہ عنہم پس اب مطلع بالکل صاف ہے، کہ جو طریقہ اور برتاؤ ان لوگوں کا تھا بس وہی دین الٰہی اور منظور مصطفائی تھا۔ دگر ہیچ۔

طبقۂ اُولیٰ میں فرقہ بندی نہیں تھی:

اب سوال یہ ہے کہ اس طبقہ میں فرقہ بندیاں تھیں؟ کیا کوئی شیعہ تھا؟ کوئی حنفی تھا؟ شافعی کہلاتا تھا؟ مالکی تھا؟ یا حنبلی تھا؟ اس کا جواب ان بزرگوں کی تاریخِ ولادت سے مل سکتا ہے جن کی طرف یہ فرقے منسوب ہیں۔ سب سے بڑی عمر کے امام ان میں ابوحنیفہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں جو ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ان کے پندرہ سال بعد امام مالکؒ پیدا ہوئے۔ ان کے بعد امام احمدؒ اور امام شافعیؒ پیدا ہوئے۔ گو امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی پیدائش پہلی صدی ہجری میں ہے، مگر بہ حیثیت ایک عالم، مفتی اور مجتہد کے وہ دوسری صدی میں دنیا کے سامنے آتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طبقۂ اولیٰ (زمانہ صحابہؓ) میں ان چاروں فرقوں کا نام نہ تھا۔ کیوں کہ جن اماموں کی طرف ان فرقوں کی نسبت ہے وہی نہ تھے تو فرقہ کہاں؟ پس ان فرقوں کی بابت اس سوال کا جواب اسلامی تاریخ یہی دیتی ہے کہ طبقۂ اولیٰ میں صرف سیدھے سادھے مسلمان تھے جن کا دستور العمل قرآن اور اقوال نبی علیہ السلام تھا اور بس اس کے سوا اور کوئی فرقہ نہ تھا، نہ فرقہ بندی۔

اب ہم آج کل کی فرقہ بندیوں کی ذرا کیفیت سنا کر فیصلہ ناظرین کی رائے پر چھوڑتے ہیں۔ سب سے بڑا شگاف جو اسلام کے قلعے میں سب سے پہلے آیا وہ شیعہ سنّی کا اختلاف تھا۔ اس شگاف کی بنا صرف یہ ہے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ: ''خلافت اول حضرت علیؓ کا حق تھا اور وراثت حضرت فاطمہؓ کا''..... سنی اس کے منکر ہیں۔

چونکہ ہمارے مضمون کا روئے سخن تاریخی پہلو سے ہے، اس لئے ہم اس میں مذہبی دلائل سے بحث کرنا نہیں چاہتے۔ صرف تاریخی پہلو سے اتنا پوچھتے ہیں کہ طبقہ اولیٰ میں جو اسلام اور اہل اسلام کا اعلیٰ نمونہ تھا یہ اختلاف تھا؟ یا اس اختلاف کا کوئی اثر تھا؟ تاریخ جواب دیتی ہے کہ کوئی نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے، سب نے اطاعت کی۔ حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے سب نے اطاعت کی حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے، سب نے اطاعت کی، حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو وہ بھی خلیفہ برحق مانے گئے۔

بہر حال اس اختلاف کا اثر ہم اس زمانہ میں کچھ نہیں دیکھتے گو پہلے حضرت علیؓ خلیفہ نہ تھے تاہم خلافت کے کاموں میں برابر

دخیل تھے۔ باب عالی کے رکن تھے، عہدہ دار تھے، مشیر کار تھے، خلافت سے جو خدمت سپرد ہوئی تھی بجالاتے تھے، غرض جہاں تک ظاہری علامات رہنما ہوسکتی ہیں۔ ہمیں ان کے اعمال واطوار میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہوسکتا۔

علی ہذا القیاس تقسیم وراثت کا مسئلہ بھی اس طبقہ میں ہم کو کسی طرح باعث تفریق معلوم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ کوئی اس کا تذکرہ بھی نہیں کرتا تھا۔ جب اس پاک زمانہ میں اس کا کوئی اثر نہ تھا تو اب اس کو ایسا بنا کر تفریق کرنے والا فرقہ بندی کے الزام سے کیوں ملزم نہ ہوگا۔

فرقہ بندیوں نے اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا:

اس فیصلہ کے بعد اب ہم دیگر فرقہ بندیوں پر توجہ کرتے ہیں جس نے اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

اسلامی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فرقوں کی بڑی لائنیں دو ہیں۔ جن کو شیعہ سنی کے اختلاف نے پیدا کیا ہے۔ پھر ان لائنوں میں برانچ لائنیں بھی ہیں۔ ان پر غور کرنے سے جو فریق مورد الزام ہوگا ہمیں اس کے ملزم بنانے میں تامل نہ ہونا چاہیے۔ ان فرقوں سے مراد حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مذہب ہیں جن کو رجسٹرڈ بتانے کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ مکہ معظمہ میں کعبہ شریف کے ارد گرد بھی چار مصلے (زمانہ نبوت کے آٹھ سو برس بعد جب چاروں مذاہب والوں میں امامت اور اقتدار کے بارہ میں زیادہ اختلاف اور جھگڑے واقع ہونے لگے، تو رفع فساد کے لئے حاکم وقت نے نویں صدی ہجری میں الگ الگ چار مصلے بنا دیئے، پس ان مصلوں کی حقیقت یہ ہے) ہیں۔ اس لئے اس اختلاف میں فیصلہ کرنے کے لئے ان مذاہب کی تعریف اور وجہ تفریق بیان کرنا ضروری ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ان مذاہب کے اصل الاصول وہی ہیں جو زمانہ صحابہ میں تھے۔ یعنی یہ چاروں مذاہب قرآن وحدیث کو دستور العمل جانتے ہیں۔ بحمد اللہ اس میں کوئی اختلاف نہیں مگر ایک بات ایسی پیدا ہوگئی ہے جس سے یہ سارا اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے یہ اصول مقرر کر رکھا ہے کہ جو کچھ ہمارے امام نے جس کے ہم مقلد ہیں سمجھا اور کسی مسئلہ کے متعلق حکم دیا ہے، بس ہمارے لیے وہی کافی ہے، نہ ہم اپنی سمجھ کو دخل دیں اور نہ کسی دوسرے امام کی سنیں۔ دوسرا بھی یہی کہتا ہے اور تیسرا بھی یہی۔ علی ہذا القیاس چوتھا بھی یہی۔

اختلاف کو بھی ہم مذہبی دلائل سے چھونا نہیں چاہتے، کیونکہ مذہبی دلائل میں طول ہوجاتا ہے، بلکہ تاریخی شہادت سے صرف اتنا پوچھتے ہیں کہ طبقۂ اولیٰ میں یہ طریق تھا؟ کسی خاص شخص کو یہ منصب تھا کہ باقی اس کے فہم اور رائے کے آگے سر جھکائیں۔ جہاں تک اسلامی تاریخ شہادت دیتی ہے اس کا جواب نفی میں ملتا ہے۔ اگر یہ منصب کسی کو ہوتا تو خلیفہ وقت کو ہوتا حالانکہ اس کو بھی نہ تھا، بعض وقت ایک بڑھیا عورت بھی خلیفہ کے حکم کو رد کر دیتی تھی، جس کے جواب میں خلیفہ کو ماننا پڑتا تھا کہ یہ عورت سچ کہتی ہے مولانا حالی مرحوم نے اسی حکم کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

غلاموں سے ہو جاتے تھے بند آقا
خلیفوں سے لڑتی تھی اک ایک بڑھیا

جب اس زمانہ میں یہ بندش نہ ہوئی کہ کسی ایک رائے اور فہم کے باقی لوگ پابند ہوجائیں تو پیچھے کیوں ایسا کیا جائے جس سے

تفرقہ پیدا ہو۔ ہاں اختلافِ فہم چونکہ قدرتی ہے، اس لیے عالم کو کسی امام سے اتفاق رائے ہو جائے تو بیشک وہ اس سے اتفاق رائے کا اظہار کرے مگر ایسے طور سے کہ فرقہ بندی تک نوبت نہ پہنچے۔

ہماری اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں جو فرقہ بندیاں ہو رہی ہیں طبقہ اولیٰ یعنی سلف صالحین کی روش چھوڑنے سے ہوئی ہیں ورنہ اگر مسلمان اب بھی اس بات پر متفق ہو جائیں کہ طبقہ اُولیٰ کی طرح اپنا دستور العمل قرآن وحدیث کو بنالیں، نہ کوئی نئی روش نکالیں نہ کسی کی طرف اپنی نسبت جدید پیدا کریں تو فرقہ بندیاں دور ہو سکتی ہیں۔

قابل غور بات:

فرقہ بندی کسی اصولی اختلاف سے ہوتی ہے۔ اگر اصول ایک ہے اور باوجود وحدت اصولی کے صرف فہم کا اختلاف ہے تو فرقہ بندی نہیں ہے، ورنہ اس طرح تو ہر ایک مذہب کے علماء میں اختلاف رائے موجود ہے۔ مثلاً علمائے حنفیہ موجودہ اور سابقہ متقدمین اور متاخرین بلکہ معاصرین وغیرہ سب میں اختلاف نظر آتا ہے تو کیا یہ مختلف فرقے ہیں؟ کیا کوئی کہے گا کہ امام ابوحنیفہ صاحبؒ کا مذہب اور تھا اور شاگردوں کا اور، یا موجودہ علمائے حنفیہ میں علماء دیوبند کا مذہب اور ہے اور علمائے بریلی، بدایوں وغیرہ کا اور؟ نہیں بلکہ سب کے سب حنفی ہیں حالانکہ اختلاف موجود ہے۔

پس کسی جماعت کو دوسری جماعت سے فرقہ کی حیثیت سے الگ سمجھنا اس بات پر موقوف ہے کہ ان میں اصولی اختلاف ہو۔ پس جس فرقہ کے اصول طبقۂ اولیٰ کے اصولِ مذہبی سے ملتے جلتے بلکہ وہی ہوں گے تو وہ فرقہ جدید اور فرقہ بند نہ کہا جائے گا اور جس فرقہ کے اصول جدید ہوں گے وہی فرقہ جدید اور فرقہ بندی کے الزام سے ملزم ہوگا۔

اب ہمارے سامنے چاروں مذاہب حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی موجود ہیں۔ ان سب کا اصول ہے کہ قرآن وحدیث پر بغیر توسطِ امام مجتہد کے عمل کرنا جائز نہیں اس لئے یہ فرقے اپنے اپنے اماموں کے مقلد کہلاتے ہیں۔ برخلاف اس کے اہل حدیث اس بات کے قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں یہ شرط طبقہ اولی میں نہ تھی ہم طبقہ اولی کی روش سے ایک انچ بھی ادھر اُدھر نہ ہٹیں گے۔

ع۔۔۔۔ جملہ عالم ایک طرف۔۔۔۔۔ آں شوخِ رعنا اک طرف

ایک اعتراض کا دفعیّہ:

اب ایک سوال یہ ہے کہ دوسرے فرقوں کی طرح اہل حدیث بھی تو ایک فرقہ ہے۔ اس سے بھی تو فرقہ بندی پیدا ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اہل حدیث بحیثیت نام کے ایک فرقہ کہا جائے تو اور بات ہے مگر اصول اور عمل کی حیثیت سے یہ کوئی فرقہ بندی نہیں بلکہ وہی ایک گروہ ہے جو تعلیم نبوت سے پیدا ہوا تھا جس کی روش ہم بتلا آئے ہیں کہ قرآن وحدیث پر عمل کرنے کی تھی، نہ اس فرقے نے اپنے دستور العمل میں کوئی اضافہ کیا، نہ سلف صالحین کی روش سے علیحدگی کی بلکہ بعینہٖ اسی طرح قرآن وحدیث یا یوں کہیے کہ قرآن اور طریقہ نبی علیہ السلام کو صحابہ کی روش پر محفوظ رکھا۔

رہا نام کا سوال کہ اہل حدیث نام کیوں رکھا گیا جب کہ طبقہ اولی نے یہ نام اپنا نہ رکھا۔

تو اس کا جواب بہت آسان ہے کہ اہل حدیث کی اصلیت بتلانے کو عملی طریق کا یہ نام ہے، دوسرے فرقوں نے اپنی نسبت اپنے اماموں کی طرف کر کے حنفی اور شافعی وغیرہ القاب اختیار کیے، چونکہ اس فرقہ کی نسبت کسی غیر کی طرف نہ تھی بلکہ طبقہ اولی کی طرح صرف نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف تھی اس لئے اس نے اپنے طریق عمل کے مطابق اپنا لقب اہل حدیث رکھا جو اس کے طریق عمل کے لحاظ سے بہت موزوں ہے ورنہ اس کا اصول دین جو بنیادِ مذہب ہے وہی ہے جو طبقہ اولی کے مسلمانوں کا تھا۔ یعنی قرآن وحدیث بطریق سلف صالحین۔ اہل حدیث لقب کے یہ معنی ہیں کہ: ''احادیثِ رسولؐ پر عمل کرنے والا'' یہی معنی ہیں۔۔۔ ''کسی کا ہو رہے کوئی نبی کے ہو رہے ہیں ہم''

(ماخوذ از: کتاب وسنت ڈاٹ کام)

❑❑❑

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ اسلام کا ایک عظیم معجزہ

مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ

''شیخ الاسلام ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ ہندوستان میں اسلام کا ایک عظیم معجزہ تھے۔ اس مردمجاہد نے الحاد واباحیت، شرک وکفر، بدعات وخرافات، آریت وسناتن دھرم، شدھی سنگٹھن، عیسائیت، قادیانیت، بہائیت، بابیت، تشیع ورفض، خاکسار، اسماعیلیہ، بوہرہ، قبوری شریعت، تصوف وجوگ، انکار سنت اور چکڑالویت وغیرہ سیکڑوں فتنوں کا مقابلہ تن تنہا کیا، سن شعور سے لے کر اپنی زندگی کے آخری سانس تک یہ عظیم مجاہد اسلام اور اس کی تعلیمات کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ سے نبرد آزما ہوتا رہا اور اسی راہ میں پوری مجاہدانہ شان سے اس نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی''

(مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانیؒ ۲/۲۵۸)

مختلف قدیم ادوار کی کتابوں میں اہل حدیث کا تذکرہ

محمد اسحاق بھٹی

یہ کتاب (برصغیر میں اہل حدیث کی آمد) جس موضوع پر مشتمل ہے، اس کی روشنی میں یہ سوال نہایت اہم ہے کہ اگر اہل حدیث قدیم دور سے چلے آرہے ہیں تو قدیم مصنفین میں سے کسی لائق تکریم مصنف نے اپنی کسی کتاب میں اہل حدیث کا تذکرہ کیا ہے یا نہیں؟ اگر کیا ہے تو کن کن عالی قدر حضرات نے کیا ہے اور کس انداز میں کیا ہے؟ اس ضمن میں اس فقیر نے ایک خاکہ مرتب کیا تھا اور اس خاکے کی روشنی میں چند صفحات لکھے تھے کہ حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی مرحوم ومغفور کی تصنیف ''تاریخ اہل حدیث'' موصول ہوئی، جو مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ کتاب جس طرح اپنے مندرجات کے اعتبار سے بے حد اہمیت کی حامل ہے، اسی طرح مکتبہ قدوسیہ نے اس کی اشاعت میں اپنی روایت کے مطابق انتہائی حسنِ ذوق کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ کتاب میں حضرت مولانا مرحوم نے اس بات کا بھی تذکرہ فرمایا ہے کہ اہل حدیث کا ذکر قدیم دور کی کن کتابوں میں آیا ہے اور کس فاضل مصنف نے ان کا ذکر کس اسلوب میں کیا ہے، چنانچہ اس فقیر نے دیگر تصنیفات کے علاوہ اس سلسلے میں حضرت مولانا سیالکوٹی کی تحریر فرمودہ معلومات سے بھی استفادہ کیا ہے، جس کا اختصار کے ساتھ مندرجہ ذیل سطور میں ذکر کیا جاتا ہے۔

علم شریعت مختلف شعبوں پر مشتمل ہے، مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، کلام اور تاریخ وغیرہ۔ ان میں سے ہر شعبے کی قدیم وجدید تصانیف میں اہل حدیث کا ذکر بے حد احترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان تصانیف کے مصنفین کے نزدیک یقیناً ایک ایسی جماعت موجود تھی، جس کے ارکان کی تحقیقات وتنقیدات کے سب محتاج تھے۔ بعض مقامات پر اس جماعت کا ذکر لفظ اہل حدیث سے ہوا ہے، بعض جگہ انہیں اصحاب حدیث لکھا گیا ہے۔ بعض کتابوں میں اہل اثر قرار دیا گیا ہے اور بعض حضرات نے انہیں محدثین کے لقب سے تعبیر کیا ہے۔ مقصد ان تمام القاب سے سب کا یہی ہے کہ چوں کہ اس جماعت کو احادیث پیغمبر اور آثار نبویہ سے خاص شغف وتعلق ہے، اس لیے ان کو ان پرشکوہ القاب سے یاد کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ان پر ''از مصطفی شنیدن واز دیگراں بریدن'' والی بات صادق آئی۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کسی چیز کے نام کا مقصد اس کا دوسروں سے تمیز وتعارف ہوتا ہے۔ صدر اول اور قرن ثانی میں مسلمان صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کی مقدس جماعت سے عبارت تھے۔ مختلف مسلکی فرقوں میں تقسیم نہیں ہوئے تھے، صرف کتاب اللہ اور سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تقید تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس واطہر کے سوا کسی شخصیت کو شریعت میں داخل نہیں کیا جاتا تھا۔ یعنی کوئی دوسرا فرقہ سرے سے موجود ہی نہ تھا کہ کسی سے تمیز ہونے کے لئے الگ نام کی ضرورت پڑتی۔ اس کے بعد جب ائمہ مجتہدین کا دور آیا اور ان کے اقوال اور ارشادات کو حجت گردانا گیا اور مختلف مذاہب کی بنیادیں قائم ہوگئیں تو جن

لوگوں نے طرز اول اور زمانہ سابق کی طرح کسی شخصیت کو دین میں داخل کئے بغیر صرف کتاب وسنت سے حصول دین کو اپنا دستور قرار دیئے رکھا اور اپنے عمل واعتقاد کی بنا فقط قرآن وحدیث پر رکھی، وہ اہل حدیث، اصحابِ حدیث، اہل اثر اور محدثین کہلائے، اس کی تفصیل حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان فرمائی ہے۔ باقی سب لوگ یا تو اپنے اپنے امام ومقتدیٰ کی طرف منسوب ہوئے، جس کی شخصیت کو انہوں نے دوسرے فرقوں میں حدِ فاصل قرار دیا تھا اور اس شخصیت کے مجتہدات کو مسائل واحکام کے لئے اصل وسند مانا، مثلاً حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کہلائے۔ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی طرف منسوب ہوئے۔ اور یا پھر اس مسئلے کی طرف منسوب ہوئے جس میں انہوں نے اصحاب حدیث سے اختلاف کیا، مثلاً قدریہ مسئلہ تقدیر کے منکر ہونے کی وجہ سے قدریہ کہلائے، جبریہ جبر محض کے قائل ہونے کی بنا پر جبریہ کے نام سے موسوم ہوئے اور مرجیہ اعمال کو ایمان سے جدا کرنے اور محض ایمان پر نجات کی امید ورجا رکھنے کے سبب مرجیہ کے نام سے پکارے گئے۔

ائمہ مجتہدین سے قبل، عہد صحابہ میں ایک عظیم اختلاف پیدا ہوا تھا، جس کی بنیاد امور سیاست تھی، لیکن بعد کو وہ اختلاف مذہبی اور اعتقادی شکل اختیار کر گیا اور امت میں اس کی وجہ سے ایسا تہلکہ بپا ہوا جو روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا۔ وہ اختلاف یہ تھا کہ شیعہ درحقیقت اس گروہ کا نام تھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حامی تھا اور خارجی اس طائفے کو کہا جاتا تھا جو تحکیم کے سلسلے میں حضرت علیؓ سے الگ ہو گیا تھا، لیکن اس کے بعد حالات نے ایسی تبدیلی اختیار کی کہ معتقدات میں یہ دونوں گروہ یعنی شیعہ اور خارجی اہل سنت کے مقابلے میں آ گئے اور تاریخی حقیقت یہ ہے کہ ''اہل سنت'' کا لقب انہیں اور ان جیسے دیگر بدعی فرقوں کے مقابلے میں وضع کیا گیا تھا۔

متداول کتب حدیث میں سب سے قدیم کتاب موطا امام مالک ہے۔ حضرت امام مالک کی ولادت مدینہ طیبہ میں ۹۳ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالملک اموی کے زمانے میں ہوئی اور انہوں نے مدینہ طیبہ میں ہی ۱۷۹ء کو خلیفہ ہارون رشید عباسی کے زمانے میں وفات پائی۔ اس وقت عرب کے علاوہ شمالی افریقہ بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ چکا تھا اور اسپین وغیرہ یورپ کے بعض ملکوں پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا اور امام مالک کا فیض حدیث تمام ممالک اسلامی میں پہنچ چکا تھا، چنانچہ موطا کا آخری نسخہ جو عام طور پر اہل علم میں متداول ہے، یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کا روایت کردہ جو امام مالک کے بلاواسطہ شاگرد تھے اور اسپین کے باشندے تھے۔ لیکن موطا میں فرقہ بندی کا ذکر کہیں نہیں ہے اور اس میں کسی فرقے کی تردید کے انداز میں مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

اب ذیل میں ان مصنفین کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جنہوں نے اپنی تصانیف میں اہل حدیث کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے لائق شاگردوں میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بے حد شہرت پائی جو ۱۵۰ ہجری میں پیدا اور ۲۰۴ ہجری میں فوت ہوئے۔ اس وقت تبع تابعین کا زمانہ ختم ہو گیا تھا۔ امام شافعی کا سفرنامہ ''رحلۃ الشافعی'' کے نام سے امام سیوطی نے تالیف کیا تھا، جو انہوں نے اپنے شاگرد ربیع بن سلیمان مصری کو املا کرایا تھا۔ لکھتے ہیں۔

یلقانی الرجال واصحاب الحدیث منهم احمد بن حنبل وسفیان بن عیینة واوزاعی (صفحہ ۱۴)

یعنی مجھے عام لوگ بھی ملتے تھے اور اصحاب حدیث بھی ملتے تھے، جن میں احمد بن حنبل، سفیان بن عیینہ اور اوزاعی شامل ہیں۔

یہاں امام شافعی نے تین اصحاب حدیث کے نام لیے ہیں اور وہ ہیں امام احمد، امام سفیان اور امام اوزاعی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ امام احمد بن حنبل بغداد کے رہنے والے ہیں، اور امام سفیان بن عیینہ کا تعلق کوفہ سے ہے اور امام اوزاعی ملک شام کے باشندے ہیں، اور یہ تینوں مقامات ایک دوسرے سے طویل مسافت پر واقع ہیں اور ان تینوں میں اہل حدیث موجود ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی عہد ہی میں اس جماعت سے تعلق رکھنے والے لوگ دور دراز علاقوں میں پھیل گئے تھے۔

۲۔ حافظ ابن حجر نے بھی اپنی تصانیف میں جماعت اہل حدیث کا ذکر کیا ہے۔ بعض مقامات پر ان کے لئے اصحاب الحدیث کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور بعض مقامات پر اہل الحدیث کے۔ پھر ان کا تذکرہ ''اہل الرائے'' (یعنی اصحاف کوفہ) کے مقابلے میں کیا ہے اور دونوں کے طریق عمل اور انداز اجتہاد کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ امام شافعی کے جامع الفقہ والحدیث ہونے کے بارے میں رقم فرماتے ہیں۔

فاجتمع له علم اهل الراء وعلم اهل الحديث۔

یعنی ان کی ذات میں اہل رائے اور اہل حدیث دونوں کے علوم جمع ہو گئے تھے۔

حافظ ابن حجر کی ولادت ۷۷۰ھ میں اور وفات ۸۵۴ھ میں ہوئی۔

۳۔ جامع ترمذی میں تو متعدد مقامات پر اہل الحدیث اور اصحاب الحدیث کا ذکر آیا ہے۔۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کا سال ولادت ۲۰۹ھ اور وفات ۲۷۹ھ ہے۔

۴۔ حنفی فقہ کی کتابوں میں بھی اہل حدیث کا ذکر ایک مستقل جماعت کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ سید امین ابن عابدین شامی رد المختار شرح الدر المختار کی تیسری جلد کے صفحہ ۳۹۳ اور ۳۹۴ میں رقم فرماتے ہیں۔

حكى ان رجلا من اصحاب ابي حنيفة خطب الى رجل من اصحاب الحديث ابنته في عهد ابي بكر الجوزجاني فابى الا ان يترك مذهبه فيقرأ خلف الامام ويرفع يديه عند الانحناء ونحو ذالك فاجابه فزوجه۔

(یعنی روایت ہے کہ قاضی ابوبکر جوزجانی کے عہد میں ایک حنفی نے ایک اہل حدیث سے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگا تو اہل حدیث نے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ اس صورت میں رشتہ دے سکتا ہے کہ وہ اپنا (حنفی) مذہب چھوڑ دے اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے اور رکوع جاتے وقت رفع یدین کرے اور اسی طرح اہل حدیث کے دیگر مسائل پر بھی عمل کرے۔ چنانچہ اس حنفی نے اس شرط پر عمل کرنے کا اقرار کیا اور اہل حدیث نے اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دے دی۔)

یاد رہے کہ قاضی ابوبکر جوزجانی تیسری صدی ہجری کے قاضی ہیں جو ابوسلیمان کے شاگرد تھے اور ابوسلیمان بلاواسطہ امام محمد بن حسن شیبانی کے شاگرد تھے۔ (الفوائد البہیہ صفحہ ۱۴)

اس واقعہ سے صاف پتا چلتا ہے کہ تیسری صدی ہجری میں بھی مستقل طور سے ایک جماعت موجود تھی، جس کا نام اہل حدیث تھا

اوران کے امتیازی مسائل میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا اور رکوع کو جاتے وقت رفع یدین کرنا تھا۔موجودہ زمانے میں بھی اہل حدیث کے یہ امتیازی مسائل ہیں اور گزشتہ دور میں بھی وہ ان مسائل پر عامل تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ اہل حدیث نیا مذہب نہیں ہے بلکہ وہ جماعت ہے جو شروع ہی سے چلی آرہی ہے اور اس کے کچھ امتیازی مسائل ہیں جن پر یہ جماعت عامل تھی اور عامل ہے۔

۵۔ امام مسلم بن قتیبہ نے اپنی کتاب ''تاویل مختلف الحدیث'' میں معتزلہ، جہمیہ، روافض اور اہل الرائے وغیرہ فرقوں کا ذکر کرنے کے بعد ایک عنوان اصحاب الحدیث کے متعلق قائم کیا ہے۔اس میں وہ فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیث نے ہر اس جگہ سے حق تلاش کیا جہاں سے مل سکتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی وجہ سے انہیں قرب الٰہی حاصل ہوا، اور اللہ کی طرف سے اس میں ایسی برکت پیدا کی گئی کہ لوگ سنت نبوی کے مطیع ومنقاد ہو گئے اور مختلف رجال کے اقوال کے بجائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کے مطابق فیصلے ہونے لگے۔ابن قتیبہ ۲۱۳ھ کو بغداد یا کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۲۷۶ھ کو بغداد میں وفات پائی۔

اس سے واضح ہوا کہ امام ابن قتیبہ کے زمانے میں اور ان سے پہلے اصحابِ حدیث موجود تھے جو اقوال رجال کے بجائے ارشادات رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر عمل پیرا تھے۔یعنی انہیں تقلید سے کوئی تعلق نہ تھا اور وہ احادیث نبوی کو لائق عمل والتفات گردانتے تھے۔موجودہ اہل حدیث کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔

۶۔ اب ایک ایسے علم کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے جسے مذہبی اختلافات سے کوئی تعلق نہیں، اس میں جماعت اہل حدیث کا ذکر موجود ہے۔تاریخ فرشتہ میں سلطان محمود غزنوی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا گیا ہے۔

سلطان محمود نیز ابوالطیب سہل بن سلیمان صعلوکی را کہ از ائمہ اہل حدیث بود برسم رسالت پیش ایلک خاں فرستادہ۔(تاریخ فرشتہ، جلد اول، مقالہ اول صفحہ ۱۲۳)

یعنی ایلک خاں نے جب ماوراء النہر کا علاقہ فتح کیا تو اس کی اطلاع اس نے ازراہ مسرت سلطان محمود غزنوی کو دی، سلطان نے اس خوشی میں اس کے پاس بہ طور سفیر ابوالطیب سہل بن سلیمان صعلوکی کو بھیجا جو اس دور کے ائمہ اہل حدیث میں سے تھے۔

یہاں یہ یاد رہے کہ سلطان محمود غزنوی نے حنفی مذہب ترک کر دیا تھا۔وہ ۳۵۷ھ میں پیدا ہوئے اور اس نے ۳۴ سال حکومت کی۔

اس سے پتہ چلا کہ اہل حدیث چوتھی صدی ہجری میں ہندوستان میں موجود تھے۔

۷۔تاریخ ہی کا ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمایئے۔علامہ بشاری مقدسی نے ۳۷۵ھ میں ہندوستان کی سیاحت کی تھی۔وہ اپنے سفرنامہ میں علاقہ سندھ کے شہر منصورہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''یہاں کے ذمی بت پرست ہیں۔مسلمانوں میں اکثریت اہل حدیث کی ہے''۔(تاریخ سندھ، جلد اول صفحہ ۱۲۴)

اس سے بھی ثابت ہوا کہ اہل حدیث چوتھی صدی ہجری میں ہندوستان میں بہ کثرت موجود تھے۔

اب کیا ارشاد ہے ان محققین کا، جنہوں نے یہ تحقیق انیق فرما رکھی ہے کہ اہل حدیث کی عمر ڈیڑھ دوسو سال سے زیادہ نہیں ہے؟ کیا ان حضرات عالی قدر کی تاریخ دانی اور حساب دانی کا فیصلہ یہی ہے کہ پہلی، دوسری، تیسری، اور چوتھی صدی ہجری سے لے کر پندرھویں صدی ہجری تک کی درمیانی مدت کو ڈیڑھ دوسو سال ہی کہا جائے گا؟ سبحان اللہ! قربان جایئے اس حساب دانی کے

اور صدقے جایئے تاریخ پر اس عبور کے!

۸۔ علامہ ابن خلدون عمرانیات کے ماہر اور تاریخ اور فلسفہ تاریخ کے بہت بڑے مصنف ہیں، وہ مقدمہ ابن خلدون میں صحابہ کے بعد کے دور سے متعلق فرماتے ہیں۔

وانقسم الفقه فيهم الى طريقتين طريقة اهل الراى والقياس وهم اهل العراق وطريقة اهل حديث وهم اهل الحجاز وكان الحديث قليلا فى اهل العراق لما قدمنا (مقدمة صفحه ۲۷۲، فصل فى علم الفقه)

(یعنی ان میں فقہ دو طریقوں میں منقسم ہوگئی۔ ایک طریقہ اہل رائے وقیاس کا ہے اور وہ اہل عراق ہیں۔ دوسرا طریقہ اہل حدیث کا ہوا، اور وہ اہل حجاز ہیں۔ اہل عراق میں علم حدیث کم تھا، جس کی وجہ سے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں)

اس کے بعد وہ اسی فصل میں لکھتے ہیں۔

ولم يبق الا مذهب اهل الراى من العراق واهل الحديث من الحجاز (مقدمه صفحه ۲۷۳)

(یعنی اہل رائے کا مذہب عراق کی وجہ سے اور اہل حدیث کا حجاز کی وجہ سے دنیا میں باقی رہا۔)

۹۔ اب اس سلسلے میں حضرت پیر سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان سنیے جو ۴۹۱ھ میں پیدا اور ۵۶۱ھ میں بغداد میں فوت ہوئے۔ وہ اپنی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین کے بعض مقامات میں ''اہل اثر'' اور بعض میں ''اہل حدیث'' کا ذکر کرتے ہیں اور اہل بدعت کی علامت کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

فعلامة اهل البدعة الوقيعة فى اهل الاثر ۔ (صفحه ۱۹۸۔ مطبوعه مرتضوى، دهلى)

(یعنی اہل بدعت کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل حدیث کی بدگوئی کرتے ہیں۔)

یہاں ''اہل الاثر'' سے مراد اہل حدیث ہیں۔

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے جو ۱۰۶۷ھ میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے، حضرت پیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ان عربی الفاظ کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے:

'پس نشان اہل بدعت عیب کردن است در اہل حدیث''

غنیۃ الطالبین (مطبوعہ مطبع مرتضوی دہلی کے صفحہ ۱۹۸) ہی میں پیر صاحب رقم فرماتے ہیں کہ اگرچہ لوگ انہیں کئی ناموں سے پکارتے ہیں، درحقیقت اس جماعت کا ایک ہی نام ہے، اور وہ ہے اہل حدیث' ان کے الفاظ یہ ہیں: **ولا اسم لهم الا اسم واحد وهو اصحاب الحديث۔**

۱۰۔ امام فخر الدین رازی ۶۰۶ھ میں فوت ہوئے۔ انہوں نے تفسیر کبیر میں بہ ذیل آیت **وان كنتم فى ريب مما نزلنا على عبدنا**' اہل حدیث کا ذکر کیا ہے۔

۱۱۔ حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (ولادت ۶۶۱ وفات ۷۲۸ ہجری) کے علم وفن اور خدمات گوناگوں کی وسعتوں سے ہر

لکھا پڑھا شخص آگاہ ہے۔ انہوں اپنی گراں قدر تصنیف ''منہاج السنۃ'' کے مختلف مقامات پر جہمیہ، قدریہ، معتزلہ، خوارج اور کرامیہ وغیرہ فرقوں کی تردید کرتے ہوئے ان کے مقابلے میں اہل الحدیث اور اصحاب الحدیث کا ذکر کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام ابن تیمیہ کے دور میں اہل حدیث بہ حیثیت جماعت کے موجود تھے، جو جہمیہ، قدریہ، معتزلہ اور خواج وغیرہ فرقوں کے شدید مخالف تھے۔ بعض مسائل کی تعبیر میں خود اہل حدیث میں کچھ اختلاف پایا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت امام منہاج السنۃ میں رقم طراز ہیں۔

ثم بعدذالك اختلاف اهل الحديث وهم اقل الطوائف اختلافاً فی اصولهم لان ميراثهم من النبوة من ميراث غيرهم فعصمهم حبل الله الذی اعتصموا به (جلد ثانی صفحه ۲۱)

(اس کے بعد اہل حدیث کا باہمی اختلاف ہے جو تمام فرقوں کی بہ نسبت بہت کم ہے، کیوں کہ ان کی علمی وراثت جو خزانۂ نبوت سے انہیں ملی ہے، دوسروں کی وراثت سے نہایت عظیم الشان ہے۔ ان کو اللہ کی رسی (قرآن مجید) نے بچالیا، جس سے یہ متمسک ہیں)

حضرت امام کے نزدیک اہل حدیث کی بہت بڑی خصوصیت وراثت نبوت اور قرآن مجید سے تمسک ہے، یعنی قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہونا ان کا خاص وصف ہے جو انہیں دوسروں سے متمیز کرتا ہے۔

منہاج السنہ ہی میں وہ ایک شیعہ عالم علامہ علی کے اعتراض کے ضمن میں اہل حدیث کی ایسے پیرایہ بیان میں تعریف کرتے ہیں کہ اس جماعت کے علم وعمل کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

(من المعلوم لكل من له خبرة ان اهل الحديث من اعظم الناس بحثا عن اقوال النبی صلی الله عليه وسلم وطلبا لعلمها وارغب الناس فی اتباعها وابعد الناس عن اتباع الهوی (جلد ثانی صفحه ۱۷۸)

(یعنی جس شخص کو کچھ خبر ہے اسے معلوم ہے کہ اہل حدیث رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے اقوال سے متعلق سب سے زیادہ تحقیق کرنے والے، ان کے علم کے طالب، ان کی پیروی میں سب سے زیادہ رغبت رکھنے والے اور خواہشات کی اتباع میں سب سے زیادہ دور ہیں۔)

۱۲۔ علامہ سعد الدین تفتازانی (ولادت صفر ۷۲۲ھ۔ وفات ۲۲ محرم ۷۹۲ھ) مشہور مصنف اور صاحب تحقیق عالم تھے۔ ان کی متعدد تصانیف میں سے ایک نہایت اہم کتاب اصول فقہ کی کتاب توضیح کی شرح تلویح ہے جو درس نظامی کے نصاب میں شامل ہے اور طلباء کو پڑھائی جاتی ہے۔ اسے توضیح تلویح کہا جاتا ہے۔ اس کتاب میں علامہ تفتازانی اہل حدیث کا ذکر بھی کرتے ہیں اور شافعیہ کا بھی۔ اجماع کی بحث میں فرماتے ہیں:

وعليه عامة اهل الحديث والشافعية۔

(یہی اہل حدیث اور شافعیہ کا نقطۂ نظر ہے)

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ قدیم دور کی کتابوں میں جہاں اہل حدیث یا اصحاب حدیث اور محدثین کے الفاظ آئے ہیں اس سے شافعیہ مراد ہیں۔ لیکن یہاں ان کے اس قول کی تردید ہوگئی ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی نے اہل حدیث کا ذکر شوافع کے مقابلے میں مستقل طور سے الگ کیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ تفتازانی کے زمانے میں شوافع وغیرہ مقلدین کے علاوہ ایک دوسری جماعت بھی

باقاعدہ صورت میں موجود تھی اور اس جماعت کو اہل حدیث کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اس جماعت کا دستور العمل قرآن وحدیث تھا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی شرح مقاصد میں شیعہ حضرات کی دلیل حدیث غدیر خم کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

قد قدح فی صحته کثیر من اهل الحدیث (شرح مقاصد جلد ثانی طبع مصر۔ صفحه ۲۹۰)

(اس کی صحت میں اکثر اہل حدیث نے نکتہ چینی کی ہے۔)

۱۳۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متاخرین حنیفہ سے تعلق رکھتے تھے اور درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ ان کا سال ولادت ۷۹۰ ہجری اور سال وفات ۸۶۱ ہجری ہے۔ فتح القدیر شرح ہدایہ ان کی مشہور تصنیف ہے جو کسی زمانے میں مطبع نول کشور (لکھنؤ) سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۲۲، ۹۰، ۱۱۵ اور ۲۸۲ پر انہوں نے اہل حدیث کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ان کے زمانے میں اہل حدیث موجود تھے۔

۱۴۔ علامہ سید محمد امین بن عابدین شامی حنفی نے شرح ردالمختار میں احناف وغیرہ فقہاء کا اہل حدیث سے الگ ذکر کیا ہے۔ خوارج کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

وحکم الخوارج عند جمهور الفقهاء والمحدثین حکم البغاة وذهب بعض المحدثین الی کفرهم وقال ابن المنذر ولا اعلم احداً وافق اهل الحدیث علی تکفیرهم (ردالمختار جلد ثالث صفحه ۴۷۸)

(یعنی خارجیوں کا حکم جمہور فقہاء اور محدثین کے نزدیک باغیوں کا سا ہے اور بعض محدثین انہیں کافر قرار دیتے ہیں۔ ابن المنذر کا کہنا ہے کہ میرے علم میں کوئی شخص بھی خوارج کی تکفیر کے متعلق اہل حدیث کا ہم آہنگ نہیں ہے۔)

گزشتہ سطور میں ابتدائے اسلام سے لے کر علامہ شامی تک کی تصانیف سے ہم نے ثابت کیا ہے کہ ان میں اہل حدیث کا تذکرہ کثرت سے کیا گیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ڈیڑھ دو سو سال کا مذہب نہیں ہے بلکہ یہ جماعت شروع ہی سے چلی آرہی ہے اور یہی اصل اسلام ہے اور اہل حدیث کا یہی نقطہ نظر ہے۔

(برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۱۳۷)

❑❑❑

وہابیت ایک مطالعہ

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

یہ مقالہ استاذ محترم شیخ محمد ابوالقاسم فاروقی حفظہ اللہ کے گہربار قلم سے تحریر شدہ ہے آپ جامعہ سلفیہ بنارس کے ایک سینئر استاذ کے ساتھ ماہنامہ محدث کے برسوں ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ تاریخ عالم، تاریخ ہند، تاریخ مذاہب بالخصوص جماعت اہل حدیث وعلمائے اہل حدیث کی تاریخ پر گہری دسترس رکھتے ہیں۔ اور اپنے وسعت مطالعہ اور شیفتہ قلم سے اسے الفاظ کا جامہ پہنا کر نہ صرف یہ کہ علمی وتاریخی مضمون کی شکل دے دیتے ہیں بلکہ اسے اردو ادب کا ایک حسین مرقع بھی بنانے کا بھرپور ہنر رکھتے ہیں، استاذ محترم کے صد شکریہ کے ساتھ آپ کا مضمون جو جنوری ۲۰۱۰ء میں محدث میں چھپا تھا نذر قارئین ہے۔ اللہ آپ کو صحت کاملہ کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے آمین۔ (عبدالحکیم مدنی)

۱۹۷۰ء کے بعد پوری دنیا میں زبردست سیاسی تبدیلیوں کا آغاز ہوا، روسیوں نے افغانستان پر تسلط جمانے کی ناکام کوشش کی۔ امریکہ نے روس کے خلاف افغانی مجاہدین کی مدد کی۔ طالبان نے ملا محمد عمر کی قیادت میں افغانستان میں اسلامی حکومت قائم کردی۔ امریکہ اور اس کے حلیف ممالک کے لئے ایک اسلامی حکومت کا قیام سخت ناگوار گذرا اور انہوں نے افغانستان پر حملہ کرکے اپنی من پسند حکومت قائم کردی۔ ایران اور عراق کی جنگ نے مشرق وسطی میں ایک سیاسی خلفشار پیدا کردیا۔ ہندوستان میں بابری مسجد کی شہادت اور ہندتوا کے احیاء نے ہندوستانی جمہوریت کو نہ صرف شرمسار کیا بلکہ ہندوستانی سیاست کا منظرنامہ ہی بدل گیا۔ امریکہ میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی صورت میں دہشت گردی کے نئے رنگ وروپ نے ساری دنیا میں ہلچل پیدا کردی، گجرات میں نریندر مودی نے مسلمانوں کا قتل عام کرایا۔ ۲۰۰۰ء کے بعد دہشت گردی کا جو سلسلہ شروع ہوا ہزار کوششوں کے بعد تھمنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ حقائق کیا ہیں؟ کون سی تنظیمیں دنیا کو بدامنی کا گہوارہ بنانا چاہتی ہیں؟ ماسونی سازشوں کی طرح ان کی ڈور کے سرا کا پتہ ہی نہیں چل رہا ہے۔

وہ طاقتیں جو اسلام کو ختم کرنے پر تلی ہوئی ہیں ان کے لئے یہ سنہری موقع ہاتھ آگیا۔ انہوں نے ان تمام واقعات کا رشتہ مسلمانوں سے جوڑ دیا۔ پوری دنیا میں رہنمایان قوم اور نام نہاد دانشوران، سیاست کے بازی گر واقعات کو غلط سمت دینے میں مصروف ہیں، انہیں خوف ہے کہ اگر حقائق سامنے آگئے تو کہیں ان کی پگڑی نہ اچھل جائے۔ خود ہمارے بھارت میں مسلمانوں کی مساجد ومدارس اور دینی تنظیموں کو دہشت گردی کا محور ثابت کیا جارہا ہے، خاص طور سے سعودی عرب اور وہ اسلامی تنظیمیں جو صرف کتاب وسنت کی دعوت دیتی ہیں برملا ان پر دہشت گردی کا الزام لگایا جارہا ہے۔

انٹرنیٹ پر ایسی بے شمار ویب سائٹس موجود ہیں جو سعودی وہابی، اور ہندوستانی وہابی (اہل حدیث) کے خلاف پروپیگنڈہ کے لئے وقف ہیں۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نہایت پابندی کے ساتھ میں چلارہی ہیں اور بے بنیاد الزامات ہی نہیں لگارہی ہیں بلکہ

ایسی ہولناک داستانیں گڑھی جارہی ہیں جنہیں پڑھ کر یا دیکھ کر دل دہل جائے۔ مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ محققانہ رنگ میں مختلف زندہ زبانوں میں لٹریچر کا انبار لگا دیا گیا ہے، مقصد صرف یہی ہے کہ اسلامی تشخصات کو اس طرح ختم کر دیا جائے اور خالص اسلام کو اس طرح ہیبت ناک بنا دیا جائے کہ عیسائیت اور یہودیت کی طرح اسلام اپنی کشش کھو بیٹھے۔ وہ نام کے مسلمان جنہیں اسلامی شعائر سے وحشت ہے انہیں کو اسلام کا نمائندہ ثابت کیا جارہا ہے۔ دوسری طرف بدعات وخرافات کی بندشوں میں جکڑے ہوئے نام نہاد مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ ہے جو توحید کی داعی تنظیموں سے ہمہ وقت خوف زدہ رہتا ہے اسے ڈر ہے کہ کتاب وسنت کی صحیح تعلیمات کی روشنی ان کے آستانوں کو ویران کر دے گی۔ پیروں، مجاوروں اور ملاؤں کا یہ گروہ ماضی میں ان تنظیموں کے خلاف سرگرم رہا ہے اور آج بھی ڈنکے کی چوٹ پر اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے یہاں میں تاریخ سازی سے متعلق چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

۲۰۰۸ء میں ''یودا پریس نئی دلی نے ہرلن اوپیرسن Harlon O Person کی ایک کتاب انگلش میں شائع کی، کتاب کا نام ہے: Islamic Reform and Revival in Ninteenth Century India the Tari Qah-I-Mohammdiyah. یعنی انیسویں صدی میں ہندوستان میں اسلامی اصلاح اور احیاء، مصنف نے تحریک شہیدین کا تعارف وتجزیہ اردو، عربی اور انگریزی کی معتبر کتابوں اور سرکاری دستاویزات کے حوالے سے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق کیا ہے۔ کتاب کا اسلوب سنجیدہ اور معتدل ہے لیکن سلو پوائزن سے مبرا نہیں ہے۔ مصنف کا امتیاز یہ ہے کہ وہ بدنام زمانہ مصنف ولیم ہنٹر کی کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' کی زہر افشانیوں کے حصار سے نکلنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کے پیش لفظ میں Dvid Lelyveld نے چارلس ایلن کی کتاب Good's Terrorists: The Wahab Cult and Hidden Roots of Modern Jihad (یعنی خدا کے دہشت گرد: وہابی مذہب اور جدید جہاد کی خفیہ جڑیں) کی تنقید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"For Alen who does not trouble with footnotes but relies entirely on Brithish sources, There is a single unbroken link from Mohammad Bin Abdul Wahab to Shah Wliullah to Syyid Ahmad Brelwi and Shah Ismail to the Taliban, Al Qaida and 9/11 and suicide bombers."

یعنی ''ایلن حاشیہ نگاری کی بھی زحمت نہیں کرتا ہے وہ مکمل طور سے برطانوی حوالوں پر اعتماد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب سے شاہ ولی اللہ تک اور وہاں سے سید احمد بریلوی، شاہ اسماعیل سے طالبان اور القاعدہ تک پھر ۹/۱۱ کے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا واقعہ اور خودکش انسانی، بموں تک ایک اور صرف ایک غیر شکستہ تسلسل ہے''۔

یہ صرف ایک نمونہ ہے، اس قسم کی نامعلوم کتنی ہزار کتابیں اور مصنفین اسلامی دعوت کے خلاف زہر کی کاشت میں مصروف ہیں۔ انٹرنیٹ کی بے شمار ویب سائٹس نیز پرنٹ میڈیا میں نہایت ہی منظم طریقہ سے تسلسل کے ساتھ مضامین لکھے جارہے ہیں کہ ہندوستان کی وہابی جماعت (جماعت اہل حدیث) کو سعودی حکومت سے مکمل فنڈنگ ہورہی ہے۔ ان کے مدارس، مساجد اور مراکز میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے اور اس طرح ہندوستان میں وہابیت کو فروغ دیا جارہا ہے۔ ا۔ پوری دنیا میں بے شمار سرکاری اور غیر سرکاری

ایجنسیاں اور ادارے قائم ہیں جو سعودی حکومت کی دعوتی سرگرمیوں پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ امریکہ کا ایک غیر سرکاری ادارہ (N.G.O) اپنی رپورٹ پیش کرتا ہے کہ امریکہ کی بہت سی مساجد میں وہابی لٹریچر موجود ہے (اس رپورٹ کی خود امریکہ میں کافی نکتہ چینی کی گئی) اس لٹریچر میں خاص طور سے اس بات پر زور ہے کہ مسلمانوں کو صرف کافروں ہی سے نفرت نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہ نفرت مذہب کی بنیاد پر بھی ہونا چاہیے۔ ایک جائزہ نگار گلز کیپل (Gilles Kepel) کہتا ہے کہ سعودی حکومت دس بلین سے زیادہ رقم وہابیت کے فروغ پر خرچ کر رہی ہے اسی طرح یوکے کی ایک دستاویزی فلم (تخلیق کار: انٹونی تھامس) کے اعداد وشمار کے مطابق یہ رقم سو بلین سے زیادہ ہے۔ ایک صحافی داؤد شریان اپنا جائزہ پیش کرتا ہے کہ سعودیہ کی دولت کی فراوانی نے بے شمار نوجوانوں مرد وزن تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ سب کو وہابیت قبول کرنے کے لئے مجبور کر دیا ہے۔ ۲؎

بھارت میں ہندتوا نے پوری دنیا میں اپنی شاخیں قائم کر لی ہیں، عیسائی مشنریاں اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے مذکورہ تخمینی رقم سے کئی گنا زیادہ اپنے مذہب کی ترویج کے لئے خرچ کر رہی ہیں۔ اگر سعودی حکومت اسلام کی دعوت وتبلیغ پر رقم خرچ کر رہی ہے تو اسے وہابیت کہہ کر یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ اسی وہابیت سے دہشت گردی کی کونپلیں پھوٹی ہیں۔

ان حالات میں ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم وہابیت کے متعلق حقائق سے لوگوں کو روشناس کرائیں اور بتلائیں کہ جسے تم وہابیت کہتے ہو یہ وہی سچا دین ہے جو پوری دنیا کو امن وشانتی کا پیغام دیتا ہے۔ یہاں سے انسانیت کے دشمنوں کو دنیا وآخرت کی وعیدیں اور دھتکار ہی مل سکتی ہے، پناہ نہیں مل سکتی ہے۔ انہیں چند سطور کے حوالے سے وہابیت پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں شاید کہ غلط فہمی کے شکار ذہن حقائق قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

وہابیت یا وہابیزم:

وہابیت دراصل عربی کلمہ ''وہب یہب'' سے مشتق ہے، اسی سے مبالغہ کا صیغہ ''وہاب'' ہے جو اللہ کے ناموں میں سے ایک ہے۔ عبداللہ، عبدالرحمن کی طرح عام طور سے مسلمان اپنے نام عبدالوہاب رکھتے ہیں، عام اصطلاح میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف نسبت کر کے ان کی دعوت اور اصلاح کی تحریک کو ''وہابیت'' کا لقب دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کسی ایسی تحریک کا وجود ہی نہیں ہے کہ جسے وہابی تحریک کا نام دیا جا سکے۔ اس سلسلے میں مولانا مسعود عالم ندوی رقمطراز ہیں: ''نجد کی دعوت کے علم بردار شیخ اسلام محمد بن عبدالوہاب کی طرف اگر نسبت کرنا ہو تو محمدی کہنا چاہیے، علاوہ بریں ان کے ماننے والے عام طور پر اپنے کو حنبلی کہتے ہیں۔ علماء حنابلہ کی کتابوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ محمد بن عبدالوہاب نے ان سے زیادہ ایک حرف نہیں کہا البتہ عزم وعمل کی قوتوں کو بیدار ضرور کیا۔ بیدار پیکروں میں زندگی کی حرارت ڈال دی اور ایک پورے خطے کو اسلامی رنگ میں شرابور کر دیا۔ یہ ایسا گناہ ہے جسے شاطران فرنگ اور ان کے ہواہ خواہ معاف نہیں کر سکتے ہیں''۔ ۳؎ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیروکاروں نے خود کو کبھی وہابی نہیں کہا، ان کی دعوت کی بنیاد صرف توحید اور شرک وبدعات کی تردید پر تھا، اسی نسبت سے وہ خود کو موحدین کہتے تھے۔

ان کے سیاسی مخالفین اور مبتدعین نے انہیں وہابی کا لقب کیوں دیا؟ کیا یہ ان کی دیدہ ودانستہ سازش تھی؟ یا محض اس لئے محمدی کا

لقب انہیں نہیں دیا کہ دشنام طرازی کے لئے یہ لقب غیر موزوں تھا اور وہابیت کا لقب گالی کے لئے نہایت موزوں اور مناسب تھا اوران کی جماعت کے لئے ان کے والد عبدالوہاب کی طرف نسبت کر کے مقصد حاصل ہوجاتا ہے۔ مولانا ندوی کہتے ہیں: ''صرف نام میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن یہ نام (وہابی) اس طور پر مشہور کیا گیا کہ یہ گویا اسلام سے الگ کوئی مذہب ہے اور یہی وجہ شکایت ہے''۔ ۴؎ دوسری جگہ وہ لکھتے ہیں: ''بہر حال جہاں تک وہابیت کو ایک الگ مذہب اور گمراہ جماعت بتانے کی کوشش کی گئی ہے یہ نام حد درجہ قابل اعتراض ہے ورنہ اس عام غلط بیانی اور بہتان تراشی سے قطع نظر دیکھا جائے تو اس نام میں کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوتا''۔ ۵؎

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک سے وہابیت کا تعلق تقریباً دوسو سال تک ایک سربستہ راز تھا اور لوگ یہی سمجھتے رہے کہ اس لفظ کے استعمال سے مخالفین کا مقصد محض یہ باور کرانا تھا کہ یہ تحریک دین میں ایک نئی چیز اور نیا مذہب ہے۔

دراصل یہ ایک علامتی لفظ ہے جس کا تعلق آٹھ سو سال قدیم خارجی تحریک سے ہے جو ماضی کے دھندلکوں میں گم ہوگئی تھی۔ نجدی دعوت کے مخالفین نے بڑی گہری سازش رچی۔ اس قدیم تحریک کا انہوں نے سراغ لگایا اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک سے اس کا رشتہ جوڑ دیا اور اپنے ہتھکنڈوں کے ذریعہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ یہ خارجی تحریک ہے مذہب اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

لیکن ایک مشہور سعودی اسکالر ڈاکٹر محمد بن سعد الشویعر کے ذوق تحقیق اور جستجو نے اس حقیقت کو عریاں کر دیا، جسے گردش ایام نے ظلمتوں کا لباس پہنا دیا تھا۔ انہوں نے ایشیا اور افریقہ کے ممالک کی تاریخ کے منتشر اوراق کو کھنگالا، عربی فرانسیسی اور انگریز مورخین کی تاریخی کاوشوں کی ورق گردانی کی اور اس گم گشتہ تحریک کے خدوخال کو بے لباس کر دیا جسے حقیقت میں وہابی تحریک کہا گیا اور جس کے بارے میں شمالی افریقہ اور مغرب کے علماء کا اجماع ہے کہ وہ دین سے خارج ہے۔ ڈاکٹر محمد بن سعد الشویعر کی کتاب ''تصحیح خطأ تاریخی حول الوھابیة'' سے ان کی تحقیق کا خلاصہ پیش خدمت ہے جو دلچسپ ہونے کے ساتھ اس موضوع سے متعلق الجھنوں کا حل بھی پیش کرتا ہے:

''آپ نے دو فرانسیسی مورخ الفرد بل کی کتاب ''الفرق الاسلامیة فی شمال افریقة (عربی زبان میں ترجمہ: عبدالرحمن بدوی) شارلی آندرے کی کتاب تاریخ شمال افریقہ مترجم محمد مزالی (سابق وزیر اعظم تونس) بشیر بن سلامہ ڈاکٹر سدی عبدالعزیز سالم کی کتاب معرب کبیر کے جزء ثانی (عصر عباسی) اور زرکلی کی الاعلام کے حوالے سے بتلایا کہ دوسری صدی ہجری میں شمالی افریقہ میں وہابیت کے نام سے ایک فرقہ وجود میں آیا، یہ اباضی خارجی فرقہ ''وہبیت'' کی ایک شاخ ہے، وہبیت کے بانی کا نام عبداللہ بن وھب راسبی تھا۔ بعض لوگ راسبی کی طرف نسبت کر کے اس فرقہ کو راسبیہ بھی کہتے ہیں، اسی عقیدہ سے تعلق رکھنے والا ایک شخص عبدالرحمن بن رستم مشرق سے مغرب مراکش آیا اور مراکش کے شہر تاہرت میں اپنی حکومت قائم کر لی جسے تاریخ میں رستمی حکومت کہا جاتا ہے، ۱۷۱ھ میں جب وہ مرض الموت میں گرفتار ہوا تو رستمی حکومت کے سات اراکین کو حکومت بنانے کی وصیت کی۔ ان میں ابن رستم کا بیٹا عبدالوہاب بھی تھا، اسی کے ہاتھ پر بیعت کی گئی، جس کی وجہ سے رستمی حکومت کا ایک رکن یزید بن فندیک ناراض ہوگیا۔ دونوں میں مخالفت اس قدر بڑھی کہ جنگ تک نوبت پہنچ گئی۔ اس طرح وھبیہ اباضیہ کے پیروکار دو جماعتوں میں تبدیل ہوگئے۔ عبدالوہاب کے

پیروکار گروہ اس کی طرف نسبت کر کے فرقۂ وہابیہ کہلایا اور ابن فندیک کے ماننے والا نکاریہ کہلائے۔ جنگ میں نکاریہ فرقہ کو شکست ہوئی اور وہ معتزلہ کی شاخ واصلہ میں ضم ہو گیا۔ عبدالوہاب کی موت ۲۱۱ھ میں ہوئی۔ عبدالوہاب نے اسلامی عقائد میں بہت ساری تبدیلیاں کیں۔ فریضۂ حج کو منسوخ کر دیا۔ اس کے متبعین اہل سنت اور شیعہ سے سخت نفرت کرتے تھے۔ ۲۹۶ھ میں عبداللہ شیعی نے رستمی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ ڈاکٹر سعد لکھتے ہیں کہ فرانسیسی مؤلف شارلی آندرے نے اپنی کتاب ''تاریخ افریقہ شمالیہ'' میں رستمی حکومت کے عقائد اس کی وسعت، اس کا کلچر عبدالوہاب بن عبدالرحمن بن رستم کی طرف نسبت کر کے وہابیت کے نام پر تفصیلی بحث کی ہے۔ زرکلی نے اعلام میں دس معتبر کتابوں کے حوالے سے رستمی حکومت کی تاریخ مدون کی ہے''۔ ٦۔

اس خلاصہ سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ فرانسیسی اور خود عربوں نے اس فرقہ کے متعلق کافی لٹریچر جمع کر لیا تھا۔ علماء مراکش نے اس فرقہ کے خارج عن الاسلام ہونے کے بارے میں فتاوے تحریر کئے۔

تاریخ کے یہ واقعات قصہ پارینہ بن چکے تھے۔ بارہویں صدی ہجری میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی دعوت نجد اور پورے عرب میں طاقت ور سیاسی اور مذہبی قوت بن کر ابھری تو سامراجی اور مذہب کے نام نہاد ٹھیکیداروں کے خیموں میں ہلچل مچ گئی۔ دین خالص کی اشاعت اور احیاء طاغوتی طاقتوں کو متحرک کرنے کے لئے کافی تھا۔ سیاسی مفاد پرستوں، استعماری طاقتوں اور مبتدعین نے تاریخ کی بھول بھلیوں میں گم خارجی فرقہ وہابیت کی جڑوں کو کھود نکالا اور اسے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی خالص اسلامی تحریک پر چسپاں کر دیا اور اسے وہابیت کا لقب دے دیا۔ اس نام کو دنیا بھر میں مشہور کرنے کے لئے منظم طور پر تحریکیں چلائی گئیں۔ سیاست کے بازیگروں نے مذہب کے خود ساختہ ابن الوقت علم برداروں کو آلۂ کار بنایا اور ہر طرح کے رکیک اور اوچھے ہتھکنڈے استعمال کئے۔ وہابیت کا لقب ہی اس بات کی علامت بن گیا کہ شیخ کے متبعین مذہب اسلام سے خارج ہیں اور ان کا مسلمانوں کے کسی فرقہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس طرح وہابیت کا لقب نجدی دعوت کے لئے بطور تحقیر اور دشنام استعمال کیا جانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی دنیا کے گوشے میں بھی توحید کے ترانے گونجے اور تجدید دین کی جہاں بھی کوشش کی گئی سب کا رشتہ نجد کی وہابی تحریک سے جوڑ دیا گیا، مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب سے پہلے بھی اگر کسی تحریک نے توحید کی دعوت دی تو اس کے بھی ڈانڈے نجدی تحریک سے ملا دیئے گئے۔

نجدی تحریک کے لئے وہابیت کا لقب اس قدر عام ہو گیا ہے کہ وہابیت کے متعلق تمام کتابوں اور موسوعات میں متفقہ طور پر وہابیت کو شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کی طرف نسبت کر دی گئی ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں وہابی کی تشریح اس طرح کی گئی ہے:

"any member of the Muslim puritan movement founded by Mohammad Bin Abdul Wahhab in the 18th century in Najd, Central Arabia and adopted in 1744 by the Saudi family."(7)

یعنی وہابی اس مؤحد تحریک کے پیروکار کو کہتے ہیں، جس کی بنیاد اٹھارہویں صدی میں محمد بن عبدالوہاب نے نجد (مرکزی عرب) میں رکھی تھی اور ۱۷۴۴ء میں سعودی خاندان نے اس تحریک کی سرپرستی کی۔

کولمبیا انسائیکلو پیڈیا میں وہابیت کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

"Wahhabi or Wahabi reform movement in Islam, orginating in Arabia; adherent of the movement usually refer to themselved as Muwahhad in (unitarians.) It was founded by Muhammad bin Abdulwahhab (1703-1791)who was influenced by Ibn Taymiyya.....(8)

یعنی وہابی یا وہابی عرب کی ایک اسلامی اصلاحی تحریک ہے۔تحریک کے پیروکار خود کو موحدین کہتے ہیں۔تحریک کے بانی محمد بن عبدالوہاب ابن تیمیہ کے خیالات سے بہت متاثر تھے۔

وہابی کا تلفظ وہابی ہے لیکن کثرت استعمال سے یہ انگریزی کا بھی ایک لفظ بن گیا ہے۔ڈاکٹر قیام الدین احمد نے اپنے ایک مضمون میں جو علماء صادق پور کے کارناموں سے متعلق ہے، ذکر کیا ہے کہ ایڈنبرا میں وہابی تحریک کے متعلق ۱۹۶۶ء میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں لفظ ''وہابی'' کا انگریزی میں دس مختلف ہجوں کو شمار کرایا ہے اور مصنف نے خود Wahabiyan کا لفظ استعمال کیا ہے۔اس سے بہت عرصہ قبل مرتضی خاں رام پوری نے اپنی کتاب ''دافع انسداد، نافع العباد، قاتل الشرک والعبادۃ والبدعات مطبع محمدی ٹونک راجستھان ۱۲۸۴ھ (۶۸۔۱۸۶۷ء) میں اس ''N'' کی وضاحت کی ہے۔۹۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کا ایک مختصر جائزہ:

محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کے لئے سب سے پہلے وہابیت کا لفظ کس نے استعمال کیا؟ اور اس کے پس پردہ کیا عوامل اور محرکات تھے اسے مزید سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کے تاریخی ارتقاء اور تعلیمات پر ایک نظر ڈال لیں۔

اٹھارہویں صدی میں دیگر اسلامی ممالک کی طرح عربوں کی مذہبی اور سیاسی زبوں حالی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔شرک و بدعات کا ہر طرف بول بالا تھا۔عوام پیروں، فقیروں درویشوں اور مجذوبوں کے مایا جال میں پھنسے ہوئے تھے۔تصوف کے رسوم اور مشرکانہ طور طریق نے توحید پر پردہ ڈال دیا تھا۔مقامات مقدسہ جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے اصنام پرستی سے پاک کیا تھا وہ مشرکانہ بداعمالیوں کا مرکز بن گئے تھے۔اسلام کے نام لیوا تو تھے لیکن اسلامی روح نکل چکی تھی۔محمد بن عبدالوہاب کے وطن نجد کی حالت اور خراب تھی۔مشرکانہ عقیدوں اور خرافات کو اصل دین سمجھ لیا گیا تھا۔کئی صدیوں سے گمراہی کی اس روش نے حق و باطل کا امتیاز مٹا دیا تھا۔مشاہد اور مزاروں کی کثرت پیروں اور ملاؤں کا جمگھٹا اور متصوفانہ فضا نے اس حجاز کا نقشہ ہی بدل دیا تھا جو اسلام کے ابتدائی ادوار میں توحید کی تجلیات سے منور تھا۔

تاریکیوں کے اس دور میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے ۱۱۱۵ھ/ ۱۷۰۳ء میں عُیینہ کے ایک علمی گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔دس برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔حنبلی فقہ کی تعلیم اپنے والد شیخ عبدالوہاب سے مکمل کی۔تفسیر اور حدیث سے خصوصی شغف تھا۔بیس برس کی عمر میں مدینۃ النبی آئے اور وہاں کے ممتاز علماء اور محدثین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔مدینہ کے مشہور محدث

شیخ عبداللہ بن ابراہیم نجدی (ف ۱۱۸۵ھ) کی صحبت اور مدینہ کے مشہور محدث شیخ محمد حیات سندھی (ف ۱۱۶۵ھ) کے حلقہ درس سے آپ نے علم حدیث میں مہارت پیدا کی۔ جذبہ دعوت واصلاح کو صیقل کرنے میں ان دونوں استاذ کا بہت دخل تھا۔ ''چنانچہ ایک بار وہ حجرۂ نبوی کے پاس کھڑے تھے اور سامنے بدعات کا بازار گرم تھا اتنے میں ان کے استاذ محمد حیات سندھی آ گئے شیخ نے پوچھا: ''ان لوگوں کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟'' استاذ نے جواب دیا: ''ان ھولاء متبر ماھم فیہ وباطل ما کانوا یعملوٗن (اعراف/ ۱۳۹)

مدینہ منورہ سے شیخ نے بصرہ کا قصد کیا اور شیخ محمد مجموعی سے حدیث اور لغت کا درس لیا۔ وہاں سے احسا ہوتے ہوئے حریملا لوٹ آئے جہاں ان کے والد مقیم تھے۔ ۱۷۴۰ء میں آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔

آپ نے اپنی دعوت کا آغاز حریملا سے کیا۔ دعوت کی بنیاد توحید خالص کی پاکیزگی تھی، نیز عبادت خواہ کسی قسم کی ہو صرف اللہ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہونا چاہیے۔ اس راہ میں آپ نے ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اعزہ واقربا اور قبائلی سرداروں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ حریملا میں فضا ناسازگار ہوئی تو عُیینہ چلے گئے۔ کامیابی قدم چومنے لگی لیکن وہاں سے بھی دربدر ہونا پڑا۔ وہاں سے درعیہ پہنچے۔ امیر درعیہ محمد بن سعود نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور تحریک کے سب سے پرجوش حامی بن گئے۔ امیر محمد بن سعود کی عسکری قوت اور شیخ کی مذہبی قیادت نے تحریک کو کامیابی سے ہم کنار کیا۔ شرک وبدعات کی گھٹائیں چھٹنے لگیں۔ آپ کی مجالس میں شریک ہونے والوں کا تانتا بندھا رہتا۔ دعوت کی مقبولیت بڑھتی گئی۔ دعوت کی یہ راہ آسان نہ تھی ہر طرف کانٹے ہی کانٹے تھے۔ سیاسی اور مذہبی محاذ آرائی نے ہر جگہ رکاوٹیں کھڑی کیں، لیکن دعوت پر لبیک کہنے والوں نے ابتلاء ومحن کو خوش آمدید کہا۔ دعوت کا حلقہ وسیع ہوتا گیا اور پورے نجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اپنی اصلی صورت میں جلوہ گر ہو گئیں۔ مسلسل پچاس سال دعوت وتبلیغ کے بعد ۱۲۰۶ھ/ ۱۷۹۲ء میں آپ رحلت فرما گئے۔

شیخ الاسلام کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں اور پوتوں نے دعوتی تحریک کا علم اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ تحریک کی بنیادیں مستحکم ہو چکی تھیں۔ اس دعوت سے شیخ الاسلام کا مقصد سیاسی اقتدار اور جاہ وحشم نہ تھا۔ وہ عرب کے مسلمانوں کو قرن اول کے مسلمانوں کی طرح دیکھنا چاہتے تھے۔ عرب کے معاشرہ کو شرک وبدعات کی دلدل سے نکالنا چاہتے تھے۔ اللہ نے انہیں کامیابی عطا کی، دعوت کے ثمرات انہوں نے اپنی زندگی میں دیکھ لیا۔ دعوت کے استحکام کے ساتھ ہی انہوں نے خود کو سیاست سے الگ تھلگ کر لیا۔ ان کی آنے والی نسلوں نے بھی اپنے جد امجد کی اتباع کی اور خود کو صرف خدمت دین تک محدود رکھا۔

دعوت کا سیاسی پہلو:

کوئی بھی قوم ایک مستحکم عسکری قوت کے بغیر ترقی کے منازل نہیں طے کر سکتی ہے۔ ملک کے انصرام وانتظام اور دشمنوں سے دفاع اور نہی عن المنکر کی تحریک اور شرعی احکام کے نفاذ کے لئے سیاسی طاقت کا استعمال ناگزیر ہے۔ نجد میں دعوت کو کامیابی ملی تو قبائل کے سردار بھی امیر درعیہ کے مطیع ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ پورے نجد پر ان کا قبضہ ہو گیا ۱۷۶۵ء میں جب کہ دعوت کا عین شباب تھا امیر محمد بن سعود انتقال کر گئے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے عبدالعزیز جانشین ہوئے نجد پر قابض ہونے کے بعد ان کی نظریں حجاز اور عراق کی

طرف اٹھیں، ۱۸۰۲ء میں کربلا پر آپ نے کامیاب حملہ کیا اور محرم ۱۲۱۸ھ/ ۱۸۰۳ء میں عبدالعزیز نے عارضی طور پر مکہ کو فتح کیا اور اسے شرک وبدعات کی نجاستوں سے پاک کیا۔ اسی سال رجب ۱۲۱۸ھ/نومبر ۱۸۰۳ء میں وہ ایک ایرانی شیعہ کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

امیر عبدالعزیز بن محمد کی شہادت کے بعد ان کا بیٹا سعود امیر مقرر ہوا۔ اس نے خیبر، بحرین، عمان اور راس الخیمہ تک اپنی فتوحات کو وسعت دیدی۔ ۱۲۲۰ھ/ ۱۸۰۶ء میں دوبارہ مکہ کو فتح کیا پھر طائف اور مدینہ کو زیر نگیں کیا۔ مدینہ میں عام قبروں کے قبوں اور مزارات کی گندگی کو صاف کیا۔

وہابیوں کی مسلسل فتوحات نے ترکی حکومت، برٹش سامراج، ایران اور مصری حکومت کو خوف زدہ کر دیا۔ نجدیوں کی سرکوبی کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ آخر کار ترکی حکومت نے مصر کے حاکم محمد علی کو نجدیوں کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا۔ دوسری طرف خلیج فارس میں وہابیوں کا اقتدار انگریزوں کے نزدیک شدید خطرہ تھا۔ انگریز حکام نے ۱۸۰۹ء میں ممبئی سے ایک بحری بیڑہ کپتان وین رانٹ اور کرنل سر لیونل اسمتھ کی قیادت میں خلیج فارس روانہ کیا جنہوں نے امام مسقط سے مل کر وہابیوں کے خلاف کارروائی کی اگرچہ اس سے وہابیوں کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا، لیکن یہ پہلی کامیاب ضرب تھی جو ان پر لگائی گئی۔ ادھر محمد علی پاشا وہابیوں سے فیصلہ کن جنگ کرنے کے لئے ۱۸۰۹ء سے تیاریاں شروع کر دیں۔ ۱۸۱۴ء میں امیر سعود کی وفات ہوگئی اور اس کا بیٹا عبداللہ برسر اقتدار ہوا۔ ۱۸۱۶ء میں محمد علی کے لے پالک بیٹے ابراہیم پاشا کی قیادت میں ایک لشکر سویز سے روانہ ہوا ۱۸۱۸ء میں ابراہیم پاشا نے نجدیوں کو شکست دے دی۔ امیر عبداللہ کو گرفتار ہو کر قسطنطنیہ بھیج دیا گیا، جہاں اسے سخت اذیت دینے کے بعد قتل کر دیا گیا اور نجدی پایہ تخت کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ اس کے ساتھ ہی نجدی تحریک کی سیاسی طاقت ختم ہوگئی، لیکن اس کی اخلاقی، مذہبی اور سماجی اصلاحات نے عربوں کو دوبارہ کتاب وسنت کی طرف لوٹا دیا۔ اس تحریک کے بین الاقوامی پیانے پر اثرات مرتب ہوئے۔ افریقہ اور ایشیائی ممالک میں احیائے دین کی متعدد تحریکوں نے جنم لیا۔

سیاست کے ماہرین اور مخالفین کو یہ خوش گمانی تھی کہ نجدیوں کی تحریک ہمیشہ کے لئے پردۂ عدم میں چلی گئی، لیکن رب ذوالجلال کے پراسرار رموز ومصالح کو کون سمجھ سکتا ہے اور پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے کون جان سکتا ہے؟ تقریباً پون صدی تک کویت کے صحراؤں میں گم نامی کی زندگی گذارنے کے بعد سعودی خاندان کا سورج پھر طلوع ہوا۔ ابتلاء اور آزمائشوں نے انہیں مایوس نہیں کیا۔ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۳۲ء تک انہوں نے ایک بار پھر نجد وحجاز پر امیر عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود کی قیادت میں اپنے اقتدار کا پرچم لہرایا۔ انہیں پوری دنیا کے خوش عقیدہ وکلمہ گو لوگوں کے غیظ وغضب کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۹۲۶ء میں انہوں نے ایک بین الاقوامی کانفرنس بلائی اور ساری دنیا کے علماء کے سامنے اپنا موقف رکھا۔ مخالفین اپنے رویہ سے آج تک باز نہیں آئے لیکن وہ اپنے اجداد کی طرح آج تک شرک وبدعت کے خلاف جنگ اور کتاب وسنت کی ترویج میں مصروف عمل ہیں۔ اقامت دین کی برکت اور رحمت الٰہی نے انہیں پٹرول کی دولت سے مالا مال کیا۔ باران رحمت کی طرح آج ساری دنیا اس حکومت کے اقتصاد سے فیض اٹھا رہی ہے۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے جو سہولیات اس حکومت نے مہیا کی اور کر رہی ہے شاید اس سے بہتر کا خواب بھی نہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ

ہوگا کہ وہ خادم الحرمین ہی نہیں اسلام اور اہل اسلام کے پاسبان ہیں۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تعلیمات:

نجدی وہابی دیگر مسلمانوں سے کسی چیز میں مختلف نہیں ہیں، صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ دین کے بعض بنیادی ارکان پر زیادہ زور دیتے ہیں وہ اسلام کا بنیادی ماخذ صرف قرآن اور احادیث نبوی کو قرار دیتے ہیں، اس کے علاوہ مندرجہ ذیل اصولوں پر سختی سے عمل پیرا ہیں:

۱۔ توحید: وہ توحید کی تینوں قسموں توحید الوہیت، توحید ربوبیت اور توحید فی الاسماء والصفات کو اسی طرح ماننے پر زور دیتے ہیں جس طرح سلف صالحین کا عقیدہ ہے۔ اس سلسلے میں وہ تصوف کے گمراہ کن عقائد کی سختی سے تردید کرتے ہیں۔

۲۔ اجتہاد: وہابی اجتہاد کو صرف چار اماموں میں محصور نہیں مانتے ہیں، خود شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے اندھی تقلید کے خلاف متعدد رسالے لکھے۔

۳۔ وہ توسل غیر شرعی کے سخت مخالف ہیں۔ ان کے نزدیک اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لئے کسی زندہ یا مردہ شخص کی حاجت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کی رگ گردن سے زیادہ قریب ہے۔

۴۔ وہ ہر قسم کی بدعت، قبر پرستی، پیروں کی تعظیم میں مبالغہ، شادی بیاہ اور دیگر رسوم میں اسراف کے سخت مخالف ہیں۔

۵۔ جہاد: وہ اقامت دین کے لئے جہاد کو اسلام کی روح سمجھتے ہیں، جہاد کے ذریعہ ہی اسلام کے احکام اور شرعی قوانین کا نفاذ ہوسکتا ہے۔

۶۔ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین فروع میں حنبلی مسلک پر عمل کرنا پسند کرتے ہیں کیوں کہ تنہا یہی مسلک سلف صالحین کے منہج سے زیادہ قریب ہے۔ اگر کوئی مسئلہ صحیح حدیث کے خلاف ہے تو وہ حدیث پر عمل کرنا زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تصانیف اور ان کا دعوتی اسلوب:

شیخ محمد بن عبدالوہاب کا تصنیفی سرمایہ جس قدر ہے وہ انہیں ایک اچھا مصنف ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ ان کی بیشتر تصانیف کا تعلق دعوت وتبلیغ سے ہے اور توحید کی وضاحت، شرک وبدعات کی تردید، قبور پرستی، مزار ومشاہد وغیرہ کی حرمت پر مشتمل ہے۔

شیخ کی تصنیفات میں سب سے زیادہ مشہور اور متداول ان کی کتاب ''کتاب التوحید'' ہے۔ اس کتاب کو نجدی تحریک کا منشور کہا جاسکتا ہے۔ اس کتاب میں آپ نے توحید کی حقیقت اس کے حدود، شرک اور اس کی خرابیاں، استعاذہ، استغاثہ، توسل، دعاء، نذر، ذبح، کہانت، سحر فال وغیرہ شرک وبدعات کے بارے میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ شیخ کا انداز یہ ہے کہ آپ پہلے باب باندھتے ہیں پھر اس کے تحت قرآنی نصوص اور صحیح احادیث کا ذکر کرتے ہیں، اس کے بعد مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ شیخ اپنی طرف سے بہت کم کہتے ہیں۔ بلا کم وکاست جس طرح قرآن وسنت میں مذکور ہے اسی طرح بیان کردیتے ہیں۔

اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ بے شمار ایڈیشن اس کے نکل چکے ہیں۔ نجدی دعوت کی روشنی عام کرنے میں اس کتاب کا سب سے اہم کردار رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی عرب وعجم کے مبتدعین کا نشانہ بھی اسی طرح بنی ہے جس طرح تقویۃ الایمان

ہندوستان کے خوش عقیدہ مسلمانوں میں بدنام ہے۔

عمومی طور پر ان کی تمام تصانیف اور خصوصا کتاب التوحید کے طرز اسلوب کے بارے میں مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب ''محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح'' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو: ''شیخ کی تحریروں میں متکلمانہ موشگافیاں اور یونانی علوم سے متاثر متاخرین فقہا کی دوراز کار باتیں نہیں ملیں گی۔ وہ ٹھیٹھ محدثانہ طریقہ پر لکھتے ہیں۔ جو بات کہی دوٹوک سیدھے سادے الفاظ میں، کتاب وسنت کے نصوص سے آراستہ وپیراستہ اور بس۔ سچائی اور حقانیت کے پیکر کو ظاہری جمال وآرائش کی کیا ضرورت؟ سچائی اپنے اندر خود ایک نامعلوم کشش رکھتی ہے''۔

ان تصنیفات کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان پر یونان اور یونانی علوم کی ہلکی سی پرچھائیں بھی نہیں پڑی۔ ہمارے ہاں ہندوستان کے بڑے سے بڑے مجدد دین امت کی کتابیں بھی ''یونانی گورکھ دھندے اور اشراقیت کے اثرات سے پاک نہ رہ سکیں۔ شیخ کا طریقہ بالکل قرآنی ہے اور ان کی دلیلیں جزء وکل سے قرآن وحدیث سے ماخوذ ہوتی ہیں''۔ ۱۰؎

دوسری اہم خصوصیت جو انہیں اس دور کے علماء سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ کہ وہ تصوف کے گورکھ دھندوں، اس کی اصطلاحات۔ باطنی جلا کے لئے ریاضت کے نایاب طریقے، مراقبے، کشف، سلوک کے منازل اور مراحل، اس کی پیچیدہ اصلاحات سے دامن بچا کر نکل گئے۔ شیخ نے نہ اپنی تحریروں میں اور نہ اپنی دعوت میں اس کی کوئی گنجائش رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت پر مشتمل ان کی سیدھی سادی تحریریں دلوں میں اتر جاتی ہیں۔ ان کے اسلوب کی سادگی نے ان کی باتوں میں وہ تاثیر پیدا کردی اور ان کے خلوص اور دینی تڑپ نے وہ جلوہ دکھایا کہ نجد وحجاز کی دنیا ہی بدل گئی۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کے مخالفین:

جب سے دنیا وجود میں آئی ہے اور حضرت انسان نے یہاں پر قدم رکھا ہے، حق وباطل کی معرکہ آرائی اسی وقت سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔ الہامی کتابیں خصوصا قرآن کریم اور تاریخ کی کتابوں میں اس کی تفصیل دیکھ سکتے ہیں، شیخ الاسلام کی نجدی تحریک اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اسلام کی وہ تعلیمات جس پر گرد کی دبیز تہیں جم چکی تھیں جوں ہی انہوں نے اس گرد کو صاف کرنا شروع کیا عرب وعجم کی اقوام ان پر پل پڑیں۔ ایک طرف مسلم علماء، مسلم حکمراں اور دوسری طرف مغربی اقوام سب نے اکٹھا ان پر یلغار کردیا۔ شیخ کی تحریک کو دنیا کے تمام مسلمانوں سے الگ تھلگ کرنے کے لئے انہوں نے جو ہتھیار استعمال کیا وہ ان کے لئے لفظ وہابیت کا پروپیگنڈہ تھا جسے نجدی تحریک کے لئے ساری دنیا میں رائج کیا گیا۔

اس لفظ کا نجدی تحریک کے لئے سب سے پہلے کس شخص نے استعمال کیا، متعین طور پر سراغ لگانا ذرا مشکل ہے۔ مولانا مسعود عالم ندوی کے نزدیک شیخ الاسلام کی زندگی ہی میں مخالفین نے ان کی تحریک کو وہابیت کا لقب دے دیا۔ انہوں نے اس کی تائید میں ایک مصری معاصر کا ذکر محمد حامد الفقی کے حوالے سے کیا ہے۔ لیکن اتنا طے ہے کہ اٹھارہویں صدی کی پہلی دودہائی میں یہ لفظ مغربی مستشرقین اور مخالفین میں پوری طرح مشہور ہوگیا تھا۔ مولانا ندوی کی تحقیق کے مطابق شیخ الاسلام کی وفات کے بعد برک ہارٹ

۱۸۱۴ء/۱۲۲۹ھ میں محمد علی مصری کے قبضہ کے بعد حجاز آیا تھا اور ۱۸۱۶ء میں اس نے ''وہابیوں سے متعلق یادداشت تیار کی۔ اس نے وہابی کی اصطلاح بار بار استعمال کی ہے۔ اسی کے معاصر مشہور مورخ عبدالرحمن جبرتی (ف ۱۲۳۸ھ) ہیں، ان کے یہاں بھی وہابی کی اصطلاح بکثرت استعمال ہوئی ہے۔ ۱۱؎

کپتان جی ایف سیڈلر جسے حکومت برطانیہ نے ابراہیم پاشا کے پاس مبارکباد دینے کے لئے بھیجا تھا نیز اسے عرب کے نئے حکمرانوں سے ان کے منصوبوں پر گفتگو کرنے کے لئے مامور کیا تھا، تاکہ ان کو خلیج فارس کے سواحل پر قدم جمانے کے لئے کسی نئے عزم سے باز رکھا جائے۔ کپتان سیڈلر نے بھی اپنے سفرنامے میں شیخ کی دعوت کے لئے وہابیت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ۱۲؎

یہ واضح رہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب پہلے شیخ کی تحریک کے مخالف تھے لیکن بعد میں وہ شیخ کی دعوت سے متفق ہوگئے اور تحریک کی اشاعت میں لگ گئے۔ مخالفین عام طور پر ان کی مخالفت کا تو ذکر کرتے ہیں لیکن ان کے تائب ہونے کو قصداً نظر انداز کر جاتے ہیں، شیخ کی مخالفت میں ان کے دو رسالے مشہور ہیں ''**الصواعق الالهية في الرد على الوهابية** اور **فصل الخطاب في الرد على محمد بن عبدالوهاب**'' رسالوں کی ان کی طرف نسبت کرنا غلط اور مشکوک ہے۔ ۱۳؎

شیخ الاسلام کے مخالفین کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا سیاسی اور دوسرا مذہبی۔ سیاسی مخالفین میں سرفہرست ترکی حکومت، مصری حکومت اور برطانوی استعمار شامل ہیں۔ مذکورہ حکومتوں نے نجدیوں کی سیاسی قوت کو اپنے مقبوضات کے لئے سخت خطرہ محسوس کیا۔ بالآخر تینوں کی متحدہ کوششوں سے ۱۸۱۸ء میں نجدیوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ نجف اور کربلا پر حملے کی وجہ سے ایران کی حکومت بھی سخت ناراض تھی لیکن اسے فوجی کارروائی کا موقع نہیں مل سکا۔ مذہبی مخالفین میں سلمان بن محمد بن سحیم پہلا شخص تھا جس نے شیخ کی زندگی ہی میں باقاعدہ دنیائے اسلام میں مراسلت کے ذریعہ افترا پردازیاں شروع کر دیں۔ اس کے علاوہ احمد بن علی بصری، محمد بن عبدالرحمن ابن عقائق احسائی، عبداللہ بن عیسیٰ مویس، ابن فیروز نے اس مہم میں ابن سحیم کا ہاتھ بٹایا۔ اس کے بعد تو گالیوں، افترا پردازیوں کی بارش کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ آج تک جاری ہے۔

دراصل دنیادار علماء اور مبتدعین کا گروہ ایسا ہے جس سے ہر زمانے میں حکمرانوں نے فائدہ اٹھایا۔ باقاعدہ انہیں وظائف اور تحائف دے کر اپنا آلہ کار بنایا۔ سلطان ٹیپو جب انگریزوں کے خلاف برسرپیکار تھا۔ انگریزوں کی شاطرانہ چالوں سے مقابلہ کے لئے ہندوستانی ریاستوں اور اسلامی ممالک میں سفارتیں بھیج کر مدد کے لئے درخواست کرتا رہا۔ ایسے وقت میں انگریزوں نے مرکز خلافت ترکی سے سلطان کے خلاف فتوی حاصل کر کے اس کا پرچار کیا۔ وہ چیختا رہا۔ حقائق بتلاتا رہا۔ انگریزوں کے خلاف جہاد کے شرعی دلائل پیش کرتا رہا لیکن فتوی اپنا کام کر چکا تھا۔ ۱۴؎ نجدی تحریک کے خلاف بھی استعماری طاقتوں نے مولویوں، صوفیا کو اس مشن پر متعین کر دیا۔ ان سے فتاوے لئے گئے، ہفوات، خرافات اور افترا پردازیوں، دشنام طرازیوں پر مشتمل کتابیں اور رسالے لکھوائے گئے چنانچہ مکہ میں احمد زینی دحلان اور ہندوستان میں فضل رسول بدایونی اس کے سرغنہ تھے، یہ دونوں باقاعدہ حکومت کے وظیفہ خوار تھے۔ اس طرح نجدی تحریک کی مخالف سیاسی طاقتیں اسے مذہبی رنگ دینے میں کامیاب ہوگئیں۔ تحریک کے مخالفین علماء میں ایک طبقہ تو مبتدعین اور قبوریوں اور صوفیا کا تھا، جنہوں نے اسلام کے متوازی ایک اور شریعت گڑھ رکھی تھی اور اسلام کے ہر سچے

پیروکار کو اپنی کفر ساز فیکٹری سے کفر اور ارتداد کا فتوی صادر کرنا ان کے لئے معمولی بات تھی، ان کے پاس سوائے گالیوں اور جھوٹی الزام تراشیوں کے کچھ نہ تھا، دوسرا طبقہ ان علماء کا تھا، جنہوں نے سنجیدہ اور ثقہ ہونے کے باوجود، شیخ ان کے آل اور تلامذہ کی تصنیفات کا مطالعہ کئے بغیر سنی سنائی باتوں اور افواہوں پر یقین کرلیا اور نجدی تحریک کو ایک نیا فرقہ قرار دیا اور انہیں اسلام سے خارج کردیا۔ تیسرا طبقہ ان علماء کا تھا جو کسی طرح کے منصب پر فائز تھے اور ان کی تحریک کو اپنے جاہ وحشم اور منصب کے لئے خطرناک سمجھا۔ ۱۵؎ اس کے علاوہ شیعوں نے نجدی تحریک کے خلاف الگ محاذ بنالیا تھا اس لئے سعودی حکومت نے نجف کربلا سے عقیدے کی نجات کو صاف کردیا تھا۔ مخالفین کا اتنے بڑے پیمانے پر اتحاد بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ ان سب نے مل کر شیخ کی تحریک کو نہایت ہی ہیبت ناک، اسلام کی بدترین دشمن اور ہوّا بنا کر پیش کیا۔

شیخ نے خود اپنے مراسلوں میں تحریک کے عقائد کے متعلق صفائی پیش کی۔ پھر آپ کی اولاد، احفاد، تلامذہ نے یہ ذمہ داری بڑی خوبی سے نبھائی۔ اس سلسلے میں ''مجموعة الهدية السنية والتحفة الوهابية النجدة'' (مرتبہ سلیمان بن سحمان نجدی) میں مرتب نے ایسے پانچ رسالوں کو جمع کردیا ہے جس میں نجد تحریک کے عقائد اور تعلیمات پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز افترا پردازیوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ اردو میں ان رسالوں کا ترجمہ مولانا محمد اسماعیل صاحب غزنوی نے کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں علماء اہل حدیث، مصر میں علامہ رشید رضا مصری اور محمد حامد الفقی نے تحریک کا بھرپور دفاع کیا۔ شیخ الاسلام اور ان کی دعوت کے خلاف جو الزام تراشیاں کی گئیں یا انہیں پھر سے اچھالا جارہا ہے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھتا ہوں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس عظیم الشان اسلامی تحریک کے لٹریچر کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔

ہندوستانی وہابیت:

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مخالفین نے جو عالمی پروپیگنڈہ کیا، اس کی خبریں ہندوستان میں بھی بروقت پہنچیں۔ یہ خبریں پہنچانے والے وہ مبتدعین علماء تھے جو برطانوی سامراج کے آلہ کار بنے ہوئے تھے۔ شیخ نجدی کی تحریک کے بعد اقامت دین اور شرک وبدعات کے خلاف جہاں کہیں کوئی تحریک اٹھی فوراً اس کا تعلق نجد کی تحریک سے جوڑ دیا گیا خواہ وہ لیبیا کی سنوسی تحریک ہو یا طرابلس کی سلفی تحریک ہو یا ہندوستان کی تحریک شہیدین ہو۔

ہندوستان میں وہابیت کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے، غالی حنفی، رضاخانی، قبوری حضرات، ہر اس تحریک یا فرد کو وہابی کہتے ہیں جو توحید کا داعی ہو، قبر پرستی اور شرک وبدعات، جاہلانہ رسوم اور صوفیا کے گمراہ کن عقائد کے خلاف ہو۔ عام دیوبندی اور حنفی حضرات اہل حدیث کو وہابی کہتے ہیں، ان کے نزدیک ہندوستان کی اہل حدیث اور نجدی تحریک کے عقائد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مولانا مسعود عالم ندوی کے نزدیک وہابیت صرف اہل حدیث کے اندر محدود نہیں ہے۔ اہل دیوبند کا ایک اچھا خاصا طبقہ سید احمد شہید کے مسلک پر چلنا اپنے لئے سرمایہ سعادت سمجھتا ہے۔ لہٰذا یہ طبقہ بھی عرف عام میں وہابی کی فہرست میں آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''سمجھ دار مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد سید صاحب اور مولانا شہید کے مشرب ومسلک کو عین اسلام تصور کرتی ہے اس لئے وہ بھی وہابی کی فہرست میں آتے ہیں''۔ ۱۶؎

۱۸۰۳ء میں امیر عبدالعزیز کے فتح مکہ کے بعد ہی ہندوستان میں بھی افواہیں پہنچ چکی تھیں کہ نجد سے ایک شخص محمد بن عبدالوہاب نجدی عرب میں بے قصور مسلمان، عورتوں، مردوں، بوڑھے اور بچوں کا قتل عام کر رہا ہے۔ مساجد، مزارات اور مقامات مقدسہ کو مسمار کر رہا ہے۔ چنانچہ ۱۸۰۹ء میں بنارس میں ہندو مسلمان میں فساد ہوا تو ہندوؤں نے مسلمانوں کو دھمکی دیا کہ عرب میں خود تمہارے بھائی ایک دوسرے کو مار رہے ہیں، یہاں ہم تمہیں ماریں گے۔ ۱۷؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجدی تحریک کے خلاف پروپیگنڈہ کا اثر پورے ہندوستان پر پڑا تھا۔

نجدی تحریک اور تحریک شہیدین ایک موازنہ:

یقیناً شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک اور تحریک شہیدین میں بڑی مماثلت ہے اور یہ مماثلت فطری ہے۔ اسی کا فائدہ تحریک شہیدین کے مخالفین نے اٹھایا اور تحریک شہیدین کو وہابی تحریک کا لقب دیدیا۔ اگرچہ یہ بطور تحقیر اور دشنام طرازی تھا اور ہندوستانی مسلمانوں کو یہ باور کرانا تھا کہ نجدی تحریک کی طرح یہ تحریک بھی شیعوں اور روافض کی طرح ایک الگ فرقہ ہے اور دین سے خارج ہے۔ اسی بدنام لقب سے آج بھی تحریک شہیدین کے متبعین یاد کئے جاتے ہیں۔

نجدی تحریک اور تحریک شہیدین دونوں کا سرچشمہ ایک تھا۔ دونوں تحریکیں کتاب وسنت کی داعی تھیں، عرب اور ہندوستان دونوں ملکوں کے مسلمان شرک وبدعات، جاہلانہ رسوم اور تصوف کے گمراہ کن عقائد کو اصل دین سمجھ بیٹھے تھے۔ نجدی تحریک کی تعلیمات اور ہندوستانی وہابیت کا سارا زور کتاب وسنت کی اشاعت اور توحید خالص کی دعوت پر تھا، اس کے ساتھ کچھ ایسے پہلو بھی تھے جہاں دونوں کی راہیں الگ ہوگئی تھیں۔ ہندوستانی وہابیت کا نمایاں پہلو اس کا قومی شعور اور سیاسی نظریہ تھا۔ ہندوستان پر سات سمندر پار سے آنے والی سفید فام قوم نے تسلط جمالیا تھا جب کہ عرب کی صورت حال قطعی مختلف تھی۔ وہاں مقابلے پر مسلمان تھے، یہی وجہ ہے کہ نجدی تحریک صرف سماجی اور مذہبی اصلاح تک محدود تھی۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کو امیر محمد بن سعود کی صورت میں ایک سرپرست اور سیاسی قائد مل گیا تھا، جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی جدوجہد کے ثمرات خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ دوسری طرف سید احمد بریلوی اور مولانا اسماعیل شہید نے سماجی اور مذہبی اصلاحات کے ساتھ اپنے لئے ایک مقصد اعلیٰ منتخب کرلیا یعنی انگریزوں کو ملک سے باہر نکالنا۔ وہ اقتدار کے طالب نہ تھے، لیکن غیروں کا تسلط انہیں گوارہ نہ تھا۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی کتاب ''کتاب التوحید'' اور مولانا اسماعیل صاحب کی ''تقویۃ الایمان'' کے اسلوب میں کافی فرق ہے۔ شیخ الاسلام اپنی طرف سے بہت کم کہتے ہیں۔ نصوص قرآن اور احادیث کی ترتیب سے ان کی مطابقت اور مسائل کا استنباط ایسا انداز ہے جس سے صرف تعلیم یافتہ لوگ ہی مکمل طور سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ دوسری طرف تقویۃ الایمان کے مخاطب کم پڑھے لکھے عوام ہیں۔ توحید اور شرک کے متعلق مسائل کو شاہ صاحب نے نہایت سادہ انداز میں بیان کیا ہے۔ آپ معاشرہ میں رائج ایک ایک رسم کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی شرعی حیثیت واضح کرتے ہیں۔ دونوں تحریکوں میں مماثلت محض مشترک مآخذ اور یکساں حالات کی وجہ سے تھی۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ہندوستانی وہابی تحریک اور نجدی تحریک ایک ہیں یا سید احمد بریلوی نے نجدی تحریک کے اثر سے

ہندوستان میں اپنی تحریک چلائی یہ محض بے بنیاد اور من گھڑنت کہانی اور صرف تاریخ سازی ہے۔

تحریک شہیدین کے سیرت نگاروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ہندوستان کی وہابیت کا نجد تحریک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دراصل یہ اپج شاطران فرنگ کی ہے جنہوں نے مسلمانوں میں تفریق ڈالنے اور تحریک شہیدین کو ان سے الگ کرنے کے لئے انہیں وہابی کہہ کر بدنام کیا۔ سب سے پہلے بدنام زمانہ مصنف ڈبلیو۔ ڈبلیو ہنٹر نے جسے ہندوستانی وہابیت کا اکسپرٹ سمجھا جاتا ہے یہ شوشہ چھوڑا کہ سید احمد بریلوی نجدی وہابیوں کا نظریہ لے کر ہندوستان آئے اور اسے ہندوستان میں پھیلانا شروع کر دیا۔ وہ لکھتا ہے: ''سید صاحب مکہ ہی میں تھے تو حکومت کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ سید صاحب کے عقائد بھی ان صحرائی بدوؤں کی جماعت کے مطابق ہیں، جن کی وجہ سے مقدس مقامات میں ایسے ایسے نقصانات اٹھانا پڑا۔ لہٰذا مکہ معظمہ میں ان کی اعلانیہ بے عزتی کی گئی اور خارج البلد کر دیا گیا، اس سزا کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ ہندوستان واپس آئے تو مشرکانہ بدعت کے مصلح اور محض خبطی نہ تھے بلکہ عبدالوہاب کے پکے مرید تھے، پہلے جو چیز ان کی نظر میں محض خواب وخیال تھی اب وہ ان کی حقیقی روشنی میں نظر آنے لگی۔'' ۱۸؎

تاریخی حقائق ہمیں بتلاتے ہیں سید احمد بریلوی اور ان کے رفقاء نے ۱۸۲۲ء میں فریضہ حج کی ادائیگی کی اس وقت مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں وہابیت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ وہابی مبلغین سے ان کی ملاقات کا کوئی سراغ نہیں ملتا ہے، نیز وہ اور ان کے رفقا نے ارکان حج نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کیا۔ ہنٹر کو یہ تک معلوم نہیں کہ جس شخص کا وہ ذکر کر رہا ہے اس کا نام محمد بن عبدالوہاب ہے نہ کہ عبدالوہاب۔

سید احمد بریلوی کا قافلہ اگست ۱۸۲۱ء میں حج کے لئے روانہ ہوا۔ مئی ۱۸۲۲ء میں مکہ پہنچا، پانچ ماہ مکہ میں قیام کیا اور ایک ماہ مدینہ میں۔ مکہ اور مدینہ میں قیام کے دوران علماء اور حکام آپ سے نہایت عزت واحترام سے پیش آئے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی سیرت سید احمد شہید میں لکھتے ہیں: ''آپ سے بیعت کرنے والوں میں حنفی مصلی کے امام شیخ مصطفی، خواجہ الماس ہندی اور بعض دوسرے خواجہ سرا، شیخ شمس الدین شطا، احمد پاشا سلطان مصر کے نائب، شیخ حسن آفندی جیسے فضلاء اور عمائد تھے''۔ ۱۹؎ شیخ حسن آفندی کے لئے مولانا شاہ اسماعیل شہید نے ''صراط مستقیم'' کا عربی میں ترجمہ کیا۔ علماء مکہ میں شیخ عبداللہ سراج، سید محمد مغربی، حافظ بخاری مع قسطلانی، شیخ حمزہ محدث، شیخ احمد بن ادریس، محمد علی ہندی، ملا بخاری، امام شیخ صالح شافعی، حنفی مفتی اور واعظ شیخ علی سے برابر ملاقاتیں رہتی تھیں۔ مدینہ کے سفر کے لئے احمد پاشا حاکم مکہ کے ذریعہ ۱۲۰ راونٹ آپ نے کرایہ پر لیا۔ ۱۹؎

ہرلن اوبیرن لکھتا ہے:

"Although the militant wahhabis were not in control of Hijaz at that time, the Indian Mohammadi were undoubteldy aware of theirsimilarmovement for reform. The Indian Mohammadi had no apparent connection with the Arabian Whhabi movement" (20)

(جب سید احمد بریلوی فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے گئے) اس وقت حجاز پر وہابی مجاہدین کا کوئی تسلط نہیں تھا۔ اگرچہ ہندوستانی محمدیوں (وہابیوں) کو ان کی تحریک کے مثل ایک اصلاحی تحریک (نجدی تحریک) کا علم تھا، لیکن ہندوستانی محمدی کا عربی وہابیوں سے

کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں تھا۔اسی صفحہ میں آگے وہ لکھتا ہے کہ ''کوئی ایسا واضح ثبوت نہیں ملتا ہے کہ سید احمد بریلوی نے حج سے قبل جہاد کی تبلیغ کی تھی یا اسلام کے مقدس شہروں میں انہیں اس قسم کا کوئی تجربہ ہوا تھا''۔مذکورہ بالا سطور سے آئینے کی طرح صاف ہوجاتا ہے کہ نہ ہی تحریک شہیدین کا نجد کی تحریک سے کوئی رابطہ تھا اور نہ اس سے سید احمد بریلوی متاثر تھے۔ہنٹر کی طرح اسلام کا بدترین دشمن گستاخ رسول مارگولیوتھ نے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں وہابیت کے موضوع پر تاریخی و تصنیفی اغلاط کا مرقع پیش کیا ہے۔وہ مولانا اسماعیل کو سید صاحب کا بھانجا بھتیجا اور ''صراط مستقیم'' کو وہابیہ ہند کا قرآن کہتا ہے۔۲۱۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہندوستانی وہابیوں کو انگریزی حکومت Fanatic یعنی مذہبی جنونی اور باغی کے نام سے یاد کرتی تھی۔

ہندوستان میں وہابیت کے استعمال اور نجدی وہابی سے ان کے تعلق کے بارے میں سب سے پہلے نواب سید صدیق حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی متعدد تصانیف میں کہیں مفصل اور کہیں ضمناً بحث کی ہے۔آپ نے حجج الکرامۃ فی آثار القیامۃ (فارسی مطبوعہ ۱۲۹۱ھ)، ہدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل (مطبوعہ ۱۲۹۸ھ)، اتحاف النبلاء (فارسی مطبوعہ ۱۲۸۶ھ)، التاج المکلل (مطبوعہ ۱۲۹۸ھ اور ترجمان وہابیہ (مطبوعہ ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۴ء میں بحث کی ہے، جس سے نجدی تحریک کے بارے میں اور وہابی تحریک سے اس کے تعلق کے بارے میں کھل کر ان کا موقف سامنے آتا ہے۔ان کے نزدیک نجدی وہابی تحریک اور ہندوستان کی وہابی تحریک دو الگ اور مختلف تحریکیں ہیں، دونوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔نجدی تحریک فروع میں امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے، جب کہ ہندوستانی وہابیوں کا تقلید سے کوئی رشتہ نہیں وہ براہ راست کتاب وسنت سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔آپ نے نجدی تحریک کی نہ مذمت کی ہے اور نہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تکفیر وتحقیر کی ہے۔آپ کی تحریروں کے اسلوب سے واضح ہے کہ آپ نے صرف ان کی تحریک سے برأت کا اظہار کیا ہے اور یہ تاریخی حقیقت ہے اور اسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا کہ مماثلت کے باوجود دونوں تحریکوں کے قیام کے عوامل ومحرکات اور ماحول میں بھی کافی فرق ہے ۲۲۔ نواب صاحب ہی نے یہ انکشاف کیا کہ ہندستانی وہابی تحریک کو وہابیت کا لقب دینے والا پہلا شخص مولوی فضل رسول بدایونی ف ۱۸۷۲ء ہے۔۲۳۔

اہل حدیث اور وہابی:

کیا اہل حدیث اور وہابی (ہندوستانی وہابی) ایک ہی جماعت کے دو نام ہیں یا یہ دو الگ الگ جماعتیں ہیں؟اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے ہمیں تحریک شہیدین کے پس منظر میں جانا ہوگا۔

تحریک شہیدین کے بانی سید احمد بریلوی کی تربیت خانوادہ ولی اللہی میں ہوئی تھی۔ان کی تمام سرگرمیوں اور افکار پر ولی اللہی فکر کی چھاپ واضح طور پر دکھلائی پڑتی ہے، سید احمد بریلوی کے افکار کا سرچشمہ شاہ ولی اللہ کی تصنیفات ہیں۔شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سلطنت مغلیہ کے زوال اور طوائف الملوکی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو واپس لانے کے لئے انہوں نے عملی کوشش بھی کی، ان کی عملی سرگرمیوں کی پوری تفصیل ہم ان کے مکتوبات میں دیکھ سکتے ہیں، ان کے عہد میں لوگ شریعت سے زیادہ طریقت کے قائل تھے۔عوام تصوف کے توہمات اور بدعقیدگی کے شکار تھے۔شاہ صاحب خود اس راہ کے سالک تھے

اور وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی تطبیق سے ایک نیا صوفی طریقہ ایجاد کرنے میں مصروف تھے۔

۱۷۳۲ء میں آپ حجاز تشریف لے گئے، آپ نے وہاں چودہ ماہ قیام کیا اور شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکردی سے علم حدیث کی تحصیل کی۔ ۲۴۔ شاہ صاحب کو گویا ایک نئی روشنی مل گئی جس کا تذکرہ آپ نے بار بار ''فیوض الحرمین'' میں کیا ہے۔ واپسی کے بعد آپ تصنیف وتالیف اور احیائے دین کے لئے خاکہ بنانے میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے اپنی تصانیف میں قرآن اور سنت کو اسلام کا اصل سرچشمہ بنانے پر خاص زور دیا۔ تقلید، اصحاب الرائے اور اصحاب الحدیث کے فرق اور محرکات پر روشنی ڈالی اور اس سلسلے میں اپنے موقف کو واضح کیا۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ علماء فقہ کی موشگافیوں، تصوف کی پیچیدگیوں، تفریعی مسائل اور مفروضات میں الجھنے کے بجائے اسلام کے اصل مآخذ کتاب وسنت کو سمجھنے کی طرف مائل ہوں، حجۃ اللہ البالغہ، المسویٰ، المصفیٰ، عقد الجید اور الانصاف فی بیان سبب الاختلاف میں ان تفاصیل کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، آپ نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ احیائے دین کے لئے ضروری سمجھا کہ اجتہاد کا وہ دروازہ جسے فقہا نے بند کر دیا تھا اسے دوبارہ کھولا جائے۔ قرآن مجید کو براہ راست سمجھنے کے لئے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا۔ اس طرح آپ نے احیائے دین کے لئے ایک مکمل فکری نظام ترتیب دے دیا۔ شاہ صاحب کی یہی تجدیدی کوششیں تحریک شہیدین کی بنیاد ہیں۔

شاہ صاحب کے صاحب زادوں نے آپ کی فکر کی تجلیات کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ آپ کے صاحب زادے شاہ رفیع الدین ف ۱۲۲۳ھ/ ۱۸۱۸ء اور شاہ عبدالقادر ف ۱۲۲۸ھ/ ۱۸۲۳ء نے اردو میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ ۱۵۔ اور شاہ عبدالعزیز ف ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء نے ایک بے حد دلیرانہ قدم اٹھایا اور ہندوستان کو دارالحرب ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ آپ کا یہ فتویٰ اس قدر مشہور ہے کہ اسے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ۲۶۔ اگرچہ اس وقت کوئی ایسی مسلم سیاسی قوت نہیں تھی جو اس فتویٰ کے نفاذ کے لئے عملی اقدام کرتی، لیکن آگے چل کر یہی فتویٰ انگریزوں کے خلاف سید احمد بریلوی کی قیادت میں منظم جدوجہد کی بنیاد بنا۔

سید احمد بریلوی نے اپنی اصلاحی مہم کا آغاز ۱۸۱۷ء میں کر دیا۔ اسی وقت آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا عزم کر لیا۔ خوش قسمتی سے ایک ایسے عالم نے آپ سے بیعت کی، جس کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی جو ولی اللہی خاندان کا چشم وچراغ تھا۔ یعنی شاہ اسماعیل شہیدؒ نے تحریک کو سند جواز اور مقبولیت عطا کی اور مولانا شاہ صاحب کی صورت میں تحریک کو ایک ترجمان، خطیب اور معلم مل گیا جس کے ذمہ عقیدت مندوں کی دینی تعلیم وتربیت تھی۔

تحریک کا نصب العین:

سید احمد بریلوی کی تحریک کے مقاصد کو محدود کرنا انصاف کے خلاف ہے۔ اعلاء کلمۃ اللہ اور احیاء سنت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سید صاحب کے اہم مقاصد تھے، اس کے ساتھ ہی وہ ''استخلاص بلاد المسلمین از دست کفر متمردہ کے داعی تھے۔ ۲۷۔ آپ کے نزدیک مسلمانوں کی تمام مصیبتوں اور زوال کا اصل سبب یہ تھا کہ وہ اسلام کے صراط مستقیم سے ہٹ چکے تھے اور روح جہاد سے خالی ہو چکے تھے۔ آپ ہندوستان کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکالنے میں انگریزوں کو سب سے بڑا ذمہ دار سمجھتے تھے، اس کا ثبوت آپ کے وہ

مکاتیب ہیں جنہیں آپ نے مختلف سرکردہ لوگوں کو لکھا۔ آپ نے انگریزوں کے علاوہ کسی بھی دوسرے غیر مسلم کو اس خطرناک رنگ میں پیش نہیں کیا، شاہ بخارا کو ایک خط لکھتے ہیں: ''جو فرنگی ہندوستان پر قابض ہوئے ہیں وہ بے حد تجربہ کار، ہوشیار، حیلہ باز اور مکار ہیں۔ اگر اہل خراسان (افغانستان) پر چڑھائی کر دیں تو سہولت سے ان کے ملک پر قابض ہو جائیں گے۔ پھر ان کی حکومت کی حدیں آپ کی حکومت سے مل جائیں گی۔ دارالحرب اور دارالسلام کے اطراف متحد ہو جائیں گے۔''۲۸۔

سید احمد بریلوی کی تحریک کا پہلا دوران کی شہادت (۱۸۳۱ء) کے بعد ختم ہو گیا۔ اس دوران ساری جنگیں اور جھڑپیں صرف سکھوں سے ہوئیں۔ اسی بناء پر بہت سے مصنفین نے یہ رائے قائم کر لی کہ آپ کے حریف صرف سکھ تھے، یہ دراصل ایک مغالطہ ہے ورنہ حقیقت یہی ہے کہ آپ کا مقصد صرف انگریزوں سے لڑنا تھا، سکھ تو درمیان میں اتفاقاً آپ کی راہ رکاوٹ بن گئے۔ اگر صرف سکھ سے جنگ آپ کا مقصد تھا تو ۱۸۴۵ء میں سکھوں کے زوال کے بعد سکھوں سے جہاد کا یہ سلسلہ ختم ہو جانا چاہیے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ علماء صادق پور کی قیادت میں انگریزوں کے خلاف جنگوں کا سلسلہ جاری رہا۔

جہاد کا سلسلہ انگریزوں کے بجائے سکھوں کی طرف پھیرنے کا کارنامہ سب سے پہلے سرسید نے انجام دیا۔ سرسید نے ولیم ہنٹر کی کتاب ہمارے ہندوستانی مسلمان کا جواب بروقت لکھا۔ ہنٹر نے تحریک کے بارے میں جو زہر افشانی کی ہے اس سے اہل علم واقف ہیں۔ اس کے جواب میں سرسید نے لکھا کہ سید صاحب صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے اور انگریزوں کے ساتھ جنگ سے اظہار برأت کر دیا تھا۔ مولانا جعفر تھانیسری نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور تواریخ عجیبہ میں سید احمد بریلوی کے مکتوبات میں تحریف کر دی۔ تحریک کا قد چھوٹا کرنیوالے مصنفین آج تک اس کا فائدہ اٹھا رہے ہیں چنانچہ موجودہ دور کا انگریز مصنف ہرلن اوپیرن ساری کتابوں اور سرکاری دستاویزات کے مطالعہ کے بعد بھی یہی راگ الاپ رہا ہے کہ تحریک شہیدین کا جہاد صرف سکھوں کے خلاف تھا۔ انگریز سے جو بھی جھڑپیں ہوئیں یا انگریزوں کے خلاف جہاد کا جو نعرہ لگایا گیا یہ دراصل مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے اور ان کو متحد کرنے کے لئے ایک علامتی اقدام تھا اور تحریک کی ایک سیاسی چوک تھی۔ اس نے سارے حقائق کو نظر انداز کر کے اپنے نقطہ نظر کے مطابق سرسید کے موقف کو اپنایا۔ سرسید کی نیت بظاہر وہابیوں کو انگریزی سرکار کے عتاب سے بچانا تھا۔ لیکن بعد کے مصنفین نے اس نکتۂ نظر کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کیا، مگر اب حقائق سامنے آ چکے ہیں اور یہ ثابت ہو گیا ہے کہ تحریک شہیدین کے اصل حریف انگریز تھے نہ کہ سکھ۔

صراط مستقیم اور تقویۃ الایمان:

صراط مستقیم تحریک شہیدین کی پہلی کتاب ہے جو شائع ہوئی۔ یہ کتاب دراصل سید احمد بریلوی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اور اسے قلم بند کرنے والے آپ کے سب سے قریبی رفیق مولانا شاہ اسماعیل شہید اور مولوی عبدالحئی بڈھانوی تھے۔ سید صاحب نے اس پر بار بار نظر ثانی کی۔ مولانا غلام رسول مہر صراط مستقیم کے بارے میں لکھتے ہیں: ''صراط مستقیم کی تسوید قیام دہلی کے دوران میں شروع ہو گئی تھی، جس کے کچھ اجزاء شاہ اسماعیل نے لکھے، باقی مولانا عبدالحئی نے مرتب کئے، سید صاحب مضمون بتا دیتے، شاہ صاحب یا

مولانا اس مضمون کو اپنے لفظوں میں لکھتے، روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مطالب میں پانچ پانچ مرتبہ ترمیمیں کرنی پڑیں۔ مولانا اور شاہ صاحب جو کچھ لکھ کر لاتے سید صاحب اگر درست نہ سمجھتے تو اسقام واضح کر دیتے۔۔۔۔۔۔۔۔۲۹۔

غالباً رائے بریلی میں یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچی، ۳۰۔ اور ۱۸۲۳ء میں کلکتہ میں شائع ہوئی اس وقت سید صاحب کا قافلہ حج کی ادائیگی میں مصروف تھا۔ صراط مستقیم کا دوسرا اور تیسرا باب بے حد اہم ہے۔ صراط مستقیم اور تقویۃ الایمان کو ہم تحریک شہیدین کا منشور کہہ سکتے ہیں۔ صراط مستقیم کی ایک عبارت کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیں: ''اعمال میں ان چاروں مذہبوں کی متابعت جو تمام اہل حدیث اسلام میں مروج ہیں بہت عمدہ ہیں لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو ایک شخص کے علم میں منحصر نہ جاننا چاہیے بلکہ آپ کا علم تمام جہاں میں پھیلا ہوا ہے اور مقتضائے وقت کے موافق ہر کسی کو پہنچا ہے اور جس وقت سے کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان علموں کی جمعیت ظاہر ہوگئی ہے، بس جس مسئلہ میں صحیح صریح غیر منسوخ حدیث مل جائے اس میں کسی مجتہد کی متابعت نہ کرے اور اہل حدیث کو اپنا پیشوا جان کر دل سے ان کی محبت کرے اور ان کی تعظیم کو اپنے ذمے لازم سمجھے کیوں کہ وہ بزرگوار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اٹھانے والے ہیں اور ایک طرح سے آپ کی مصاحبت حاصل کر کے آپ کے مقبول ہو گئے اور مقلد لوگ تو مجتہدوں کی تعظیم اور توقیر سے پورے واقف ہیں، وہ اس بات کی آگاہی کے محتاج نہیں'' ۳۱۔ اصولی طور پر اہل حدیث کا یہی مذہب ہے۔ اس کی مزید وضاحت ہمیں مولانا شاہ اسماعیل شہید اور مولانا ولایت علی کی تصنیف ''عمل بالحدیث'' میں ملتی ہے۔

صراط مستقیم کے دوسرے باب میں شرک و بدعت کی زبردست تردید ہے۔ ہندوستانی وہابی تحریک کی دوسری اہم کتاب تقویۃ الایمان ہے۔ مولانا اسماعیل شہید نے تقویۃ الایمان بنیادی طور سے عربی میں لکھی تھی بعد میں اس کا اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ تقویۃ الایمان پہلی بار غالباً ۱۲۴۳ / ۲۷۔۱۸۲۶ میں شائع ہوئی۔ اس کا انگریزی ترجمہ میر شہامت علی نے ۱۸۵۲ء میں کیا۔ انہیں دنوں فارسی زبان میں ترجمہ ہوا۔

وہابی تحریک کی پہلی کتاب ہے جس کے مخاطب عوام ہیں اور اس میں توحید خالص اور تمام گمراہ کن عقائد مثلاً علم غیب، شفاعت اور شرک کے مختلف مباحث کو کھل کر بیان کیا گیا ہے اور ہر موضوع کے بارے میں نصوص پیش کئے گئے۔ شاہ صاحب نے تقویۃ الایمان میں ہندوستان میں مروجہ شرک و بدعات اور رسوم کی جارحانہ انداز میں تردید کی ہے اور اس سلسلے میں کسی بھی تنقید کی پرواہ نہیں کی۔ تقویۃ الایمان کے بے شمار ایڈیشن نکل چکے ہیں مخالفین کے لئے یہ کتاب سوط الرحمن ہے یہی وجہ ہے کہ تقویۃ الایمان سے زیادہ شاید ہی کوئی کتاب ہدف تنقید بنی ہو۔ خود شاہ صاحب کی حیات میں سید بغدادی نے انداز بیان پر تنقید کی تو شاہ صاحب نے انہیں ایک مراسلہ کی شکل میں باقاعدہ وضاحت نامہ بھیجا جو تقویۃ الایمان کے کچھ ایڈیشنوں میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس کے بعد تو فضل رسول بدایونی سے رضا خاں بریلوی اور نعیم الدین مراد آبادی تک تقویۃ الایمان کے خلاف لٹریچر کا انبار لگا دیا گیا، جس کے جوابات علماء اہل حدیث نے بروقت دیئے۔ تقویۃ الایمان کا اسلوب عوامی ہے اس کی مقبولیت کا یہی سب سے بڑا سبب ہے۔ بڑے سے بڑے مسئلہ کو نہایت سادہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ وہابی تحریک کی تیسری اہم کتاب مولانا خرم علی بلہوری کی نصیحۃ المسلمین ہے جسے

آپ نے ۱۲۳۸ھ ۲۴۔ ۱۸۲۳ء میں تحریر کیا۔ کتاب کے تعارف میں مولوی خرم علی ہندی زبان میں تصنیف کا مقصد بتلاتے ہیں کہ ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ انہیں شرک کے ضعف کا ثبوت قرآن شریف سے دینا چاہیے اور اس کے متعلق قرآنی آیات کا ترجمہ ہندی میں کرنا چاہیے تاکہ ہر شخص اس سے فائدہ اٹھائے۔

ہندوستانی وہابی تحریک نے تبلیغ اور دعوت کا اسلوب انتہائی سائنٹفک انداز میں اپنایا، انہوں نے تعلیم یافتہ اور خواص کے لئے فارسی زبان میں لکھا اور عوام کے لئے انتہائی سادہ اردو میں کتابیں اور رسالے لکھے۔ خاص بات یہ ہے کہ ان سب میں دلائل صرف قرآن اور احادیث سے دیے گئے ہیں اور تقلید کا اسلوب بالکل ترک کر دیا گیا ہے اس کے باوجود اس تحریک میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جو ایک خاص مسلک کے مقلد تھے، لیکن ان کے ذہن عصبیت کے جراثیم سے پاک تھے وہ جذبہ جہاد سے سرشار تھے، اور سید احمد بریلوی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، کبھی بحث ومباحثہ اور نزاع کا وقت آیا تو آپ کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ افراد نے خواہ وہ مقلد ہوں یا غیر مقلد اپنا دامن بچالیا، چنانچہ مولانا ولایت علی سے غازی پور کے ایک حنفی عالم نے مناظرہ کرنا چاہا تو آپ نے تنہائی میں اس سے کہا کہ کیا امام ابوحنیفہ کا یہ قول نہیں ہے ''اترکوا قولی بخبر الرسول'' اس نے اعتراف کیا تو مولانا نے جواب دیا کہ بھائی صحیح حدیث پر عمل کر کے کیا ہم امام حنیفہ کے حکم کی پیروی نہیں کر رہے ہیں، اس عالم نے اعلان کیا کہ بھائی یہ لوگ تو سچے حنفی ہیں''۔ ۳۲۔

وہابی تحریک میں بعض ایسے لوگ ضرور شامل ہوئے جن کی عصبیت اور شہرت واقتدار کی خواہش سید احمد بریلوی کی مرافقت ومشایعت اور اصول وتعلیمات کو برداشت نہ کر سکی اور وہ تحریک سے الگ ہو کر اسے نقصان پہنچانے پر تل گئے، بعضے تو مادی فائدہ کے لئے انگریزوں کے خیر خواہ بن گئے اور مجاہدین کے خلاف انگریزوں کی ایما پر فتاوے صادر کرنے لگے، ہنٹر نے اپنی کتاب ''ہندوستانی مسلمان'' میں ایسے متعدد لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے ان کی بہی خواہی اور وفاداری کو جزء ایمان قرار دیا ہے، ان میں ایک بڑا نام مولوی کرامت علی کا ہے جو کافی عرصہ تک تحریک کے ہمنوا رہے۔

ہندوستانی وہابی تحریک اور تصوف:

وہابی تحریک کا گہرائی سے مطالعہ کرنے پر یہ حیرت انگیز انکشاف ہوتا ہے کہ وہابی تحریک کی سارے اصول منہج سلف کے عین مطابق ہیں، لیکن طریقت کی وہ شاخیں جن سے بدعات وخرافات کی کونپیں پھوٹیں، وہی طریقت وہابی تحریک کے اصول میں اس طرح پیوست ہیں کہ اسے علاحدہ کرنا ذرا مشکل ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں اس ماحول کو سمجھنا ہوگا جس میں وہابی تحریک کی نشوونما ہوئی۔

صوفیا نے عام طور سے اسلامی تعلیمات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جسے وہ طریقت اور شریعت سے تعبیر کرتے ہیں، روح اور نفس کی تطہیر اور تزکیہ کے لئے اسلام نے جو تعلیمات دی ہیں اسے طریقت میں شامل کر دیا جیسے صبر وتوکل حلم وغیرہ یا وہ چیزیں جسے اسلام نے احسان کا نام دیا ہے۔ اس کے علاوہ بقیہ اصولوں کو شریعت سے متعلق کر دیا۔ تصوف نے اپنے ارتقا کے دوران دوسرے مذاہب کے عقائد اور یونانی فلسفوں کو طریقت کا جز بنا دیا، اس طرح اس نے اسلام کے متوازی ایک نظام اور قائم کر لیا۔ اس میں چند ہی طریقے اسلامی تعلیمات سے میل کھاتے تھے بقیہ سب گمراہی اور الحاد کی راہ پر گامزن ہوئے، ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ میں ان

حضرات کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے جنہیں عوام نے صوفیا کا نام دیا۔ شاہ ولی اللہ کے دور تک ہندوستان پر تصوف کی حکمرانی تھی۔ خود شاہ صاحب ایک زمانہ تک تصوف کے دو بڑے نظریوں کی تطبیق میں مصروف رہے۔ ان کے دور میں مکاشفہ، مراقبہ اور جذب کو معرفت الٰہی کا واحد طریقہ سمجھا جاتا تھا۔ ارکان اسلام کو پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔ سید احمد بریلوی خود ایک مشہور صوفی خاندان سے تھے اور تصوف کے مراحل طے کر چکے تھے، خود شاہ اسماعیل شہید جنہوں نے سب سے پہلے منہج سلف کو اعلانیہ بیان کیا وہ بھی اپنے دادا کے طریق کو نہ بدل سکے، جن لوگوں نے وہابی تحریک کی مکمل حمایت کی ان میں سے بیشتر نے سید صاحب کو پیر سمجھ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ وہابی تحریک کے تینوں بڑے رہنماؤں نے تصوف کا وہ حصہ جو اسلامی تعلیمات سے میل کھاتا تھا اور اس کے سلسلوں کو نہ صرف من وعن قبول کیا بلکہ اس کے مباحث کو اپنی کتابوں میں جگہ دی۔ چنانچہ مولانا اسماعیل شہید کی عبقات اسی موضوع پر ہے نیز صراط مستقیم کا پہلا اور آخری باب دیکھا جا سکتا ہے۔

مولانا غلام رسول مہر رقمطراز ہیں: ''ایک مرتبہ مولانا شاہ اسماعیل شہید نے پرانے زمانے کے مشاغل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''ہم پر بھی ایک زمانہ گزرا ہے کہ ہر ایک اللہ جل جلالہ کے ذکر میں مدہوش تھا، یہاں تک کہ کھانے اور لباس کا بھی کسی کو خیال نہ تھا اور نہ کسی اور شغل میں لذت محسوس ہوتی تھی۔'' ۳۳

کیا سید احمد بریلوی اور ان کے رفقا جن کے علم کا ہر شخص کو اعتراف ہے تصوف کی تباہ کاریوں سے ناواقف تھے اور کیا انہیں پتہ نہیں تھا کہ شرک وبدعات کی ساری کھڑکیاں بند کر دی جائیں اور دروازہ کھلا رکھا جائے تو اس کا خاتمہ کس طرح ہوگا؟ کیا امت مسلمہ کو اس نشہ سے آزاد کرائے بغیر کتاب وسنت کی صحیح تعلیمات کی اشاعت ہو سکتی تھی؟ کیا اسلام میں تصوف کا کوئی تصور موجود ہے؟ ان سب کا جواب ہمیں ان کے عمل وکردار اور دعوت کے طریقہ کار سے مل جائے گا۔

یہ بات درست ہے کہ وہ اس راہ کے مسافر تھے، منہ سے لگی ہوئی کافر کا چھوٹنا آسان نہ تھا۔ سید احمد بریلوی اور مولانا نے بڑی ہنرمندی اور چابکدستی سے اس سیلاب بلاخیز پر باندھ باندھا۔ آپ نے اپنے مشن کو تصوف کی پیچیدہ اصطلاحات کے پردے میں اس لیے بیان کیا تاکہ تعلیم یافتہ حضرات کے ذہنوں کو وحشت نہ محسوس ہو۔ تصوف کے وہ حصے جو الحاد اور بے دینی پر مشتمل تھے ان کی تردید نہایت جارحانہ انداز میں کی۔ جعلی صوفیا اور ایسے پیروں، فقیروں، درویشوں اور مجذوبوں کی قلعی کھولی جو سادہ لوح عوام کو دام فریب میں پھنسائے ہوئے تھے۔ چنانچہ صراط مستقیم اور تقویۃ الایمان میں ان کا یہ انداز صاف طور سے نظر آتا ہے۔ روح جہاد کے بیدار کرنے کو سید صاحب نے باطنی ترقی کا اعلیٰ مقام بتلایا۔ انہوں نے اپنے ارادت مندوں کو ذکر ومراقبہ سے ہٹا کر جہاد کی تیاری میں لگا دیا۔ سید صاحب مولوی محمد یوسف پھلتی کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

''یوسف جی! آپ اپنے ہی حال کا خیال کریں کہ گردن ڈالے عالم سکوت میں رہتے ہو، اسی طرح اور لوگ بھی، کوئی کمبل اوڑھے مسجد کے کونے میں بیٹھا ہے، کوئی چادر لپیٹے حجرے میں گھسا ہوا ہے، کوئی جنگل میں جا کر مراقبہ کرتا ہے، کوئی ندی کے کنارے گڑھا کھود کر بیٹھ جاتا ہے۔ ان صاحبوں سے تو جہاد کا کام ہونا دشوار ہے، ہمارے بھائیوں کو سمجھائیں کہ اب اسی کام (استعداد جہاد) میں دل لگائیں، ان کے واسطے بہتر یہی ہے۔ حاجی عبدالرحیم صاحب سے بھی مشورہ کر کے جواب دیجئے'' ۳۴ تصوف کے وہ تین

معروف سلسلے (نقشبندی، قادری، چشتی) جو عوام میں رائج تھے اور علماء بھی ان سلسلوں سے یا ان میں سے کسی ایک سے بیعت ہونا اپنے لئے قابل فخر سمجھتے تھے، خود سید صاحب بھی ان سلسلوں کی بیعت لیتے تھے، ان سلسلوں کو اسلام کے خلاف نہیں سمجھا جاتا تھا، سید صاحب نے اپنے ارادت مندوں کو خالص موحد بنانے کے لئے اور ان زنجیروں کو کاٹنے کے لئے زبردست حکمت عملی سے کام لیا، نجاست سے مخلوط پانی کی نالیوں کے پاس ہی آپ نے صاف وشفاف اور میٹھے پانی کی ایک نہر نکالی، ظاہر ہے کہ پیاسے کو صاف اور میٹھا پانی ملے گا تو وہ گندے پانی کا رخ کیوں کرے گا؟ اس طریقے کا نام آپ نے طریقہ محمدیہ رکھا۔

طریقہ محمدیہ:

مولانا غلام رسول مہر نے دو مقام پر طریقہ محمدیہ کا ذکر کیا ہے۔ تحریک سید احمد شہید کی جلد اول کے ص:۱۸۸ پر اور جلد سوم کے ص:۲۸۶ پر۔ مہر صاحب طریقہ محمدیہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں اس وقت تصوف کے تین طریقے رائج تھے: قادری، چشتی اور نقشبندی، نقشبندی طریقے کا ایک سلسلہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرھندی سے انتساب کے باعث طریقہ مجددیہ کہلاتا تھا۔ سید صاحب ان طریقوں کے علاوہ ''طریقہ محمدیہ'' میں بھی بیعت لیتے تھے۔ رام پور میں اس طریقے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''طریقہ محمدیہ یہ ہے کہ زندگی کا ہر کام رضائے رب العالمین کے لئے کیا جائے، مثلاً محنت کا مقصد یہ ہو کہ انسان حلال روزی کما کر خود بھی کھائے اور اہل وعیال کو بھی کھلائے۔ استراحت شب کا مدعا یہ ہو کہ انسان جوف لیل میں اٹھ کر نماز تہجد ادا کرے اور نماز فجر اول وقت پڑھے۔ کھانا اس لئے کھایا جائے کہ جسم میں بقدر ضرورت طاقت بحال رہے تاکہ انسان خدا کے احکام مستعدی سے بجالائے۔ نماز پڑھے، روزے رکھے، حج کے لئے جائے، ضرورت پڑے تو جہاد کے لئے تیار ہو غرض چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، کھانے پینے میں مقصود احکام خدا کی بجا آوری اور مرضات باری تعالیٰ کے سوا کچھ نہ ہو، بالفاظ دیگر ہر فرد آیت مبارکہ ''ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین'' کا عملی نمونہ بن جائے۔ ۳۵؎

مولانا مہر نے تحریک سید احمد شہید کے جلد سوم میں نواب وزیر الدولہ کی کتاب وصایا کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک سائل کے جواب میں سید صاحب نے چشتی، قادری، نقشبندی اور مجددی طریقوں کے بارے میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا تعلق باطنی ہے اور طریقہ محمدیہ کا مقصد یہ ہے کہ ہر عمل کا مقصد رضائے باری تعالیٰ ہو اس کے سوا کچھ نہ ہو، لہٰذا جو کام بھی کیا جائے شریعت کے مطابق کیا جائے۔ ۳۶؎ ڈاکٹر قیام الدین طریقہ محمدیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ: ''ظاہری پہلو انسان کی روزمرہ کی زندگی میں صحیح اور دینی کردار بجالانا ہے اور محمدی طریقہ اسی کی نگہہ داشت کرتا ہے''۔ نیز آگے طریقہ محمدیہ کی مزید تشریح کرتے ہیں: اگرچہ صوفیانہ طریقے ابتدا کی سرمستی اور سرشاری سے معرا ہو چکے تھے پر بھی عام دماغوں میں ان کی جڑیں گہری تھیں، لوگ انہیں طریقوں پر بیعت کے خوگر تھے، ان کا بہ یک وقت ترک کامل ایک غیر عملی یا ان ہونی سی بات ہوتی۔ طریقہ محمدی میں جو صحیح

طرز معاشرت ملحوظ رکھا گیا، اس کی تفصیلات خود صراط مستقیم اور مختلف وہابی تحریروں میں کافی شرح وبسط سے درج ہیں ان میں دو اصول بہت نمایاں ہیں۔ باری تعالی پر، جس کی صفات اشارۃ بھی کسی مخلوق سے منسوب نہیں کی جاسکتی ہیں، سختی سے بلاشرط وقید ایمان رکھنا اور اپنی شخصی زندگی میں عملی اخلاق پر کاربند رہنا۔'' ۳۷

وہابی تحریک کی تاریخ پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اسی طریقہ محمدیہ کے عمل نے آہستہ آہستہ اس کے پیروکاروں کو تصوف کے نشہ سے بیزار کردیا اور اسی طریقہ محمدی کی وجہ سے وہ ہر عمل کا پیمانہ کتاب وسنت کو قرار دیتے تھے۔ اور اپنے ہر عمل کو کتاب وسنت کی تعلیمات کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کرتے اور ہر مسئلہ کی دلیل کتاب وسنت سے تلاش کرتے، اسی طریقہ محمدی پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے وہ خود کو فخر سے محمدی کہلواتے۔

بیسویں صدی کے آغاز تک وہابی تحریک میں تصوف کے دیوانے کے خال وخال ہی رہ گئے اور انہیں معلوم ہوگیا کہ تصوف کسی بھی اسلامی تحریک کی سرگرمیوں میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

۱۸۵۷ء سے ۱۸۹۰ء کے درمیان لفظ وہابی نے ہندوستانی مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا، بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو وہابیوں کے خون سے لالہ زار نہ ہوا ہو۔ ایک طرف برطانوی حکومت انہیں اپنے اقتدار کے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتی تھی اور انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے انسانیت کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ وہابیوں کے بدترین دشمن مشہور وہابی ٹرائل کے مجسٹریٹ مسٹر راونشا T.E.Revenshaw نے باضابطہ وہابی مجاہدین کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا اور سرکاری نقطۂ نگاہ سے ایک نہایت قیمتی یادداشت حکومت کو بھیجی، ہنٹر، اوکنلے جو وہابی ٹرائل کا سرکاری پیروکار تھا اور دوسرے انگریز لکھنے والوں کا ماخذ راونشا کی ہی یادداشت ہے۔ غیر مسلم مؤرخین جو وہابی تحریک کے متعلق تاریخی اعتبار سے غلط باتیں پیش کرتے ہیں ان سب کا بنیادی ماخذ راونشا ہی ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد حالات بدل چکے تھے، انگریز پورے ملک پر قابض ہوچکے تھے اور اپنے دشمنوں کو چن چن کر ختم کررہے تھے، دار ورسن اور انسانیت سوز تعذیب کا سلسلہ ۱۸۹۰ء تک چلتا رہا، انگریزوں کے خاص نشانے وہابی تحریک کے مراکز تھے۔ چنانچہ سرحد پر محاذ آرائی کی رفتار سست پڑگئی اور اندرون ملک میں ان کے مراکز تباہ کردیئے گئے۔ وہابی تحریک کے رہنماؤں کو یا تو ختم کردیا گیا یا انہیں بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔

اس قدر مخالفتوں کے باوجود وہابی تحریک پوری طرح اپنے مقصد میں کامیاب رہی۔ ان کا مشن پایہ تکمیل کو پہنچا۔ ہندوستان میں یہ پہلی خالص اسلامی تحریک تھی جس نے مسلم قوم کے اندر نئی روح پھونک دی۔ شرک وبدعات میں کافی حد تک کمی آئی۔ رسوم ورواج میں اسلام کی جھلک نظر آنے لگی۔ سب سے اہم بات یہ کہ قرآن وحدیث سے لوگ براہ راست مانوس ہوئے۔ ہندوستان میں اتنے بڑے پیمانے پر قال اللہ وقال الرسول کے چرچے کبھی عام نہیں ہوئے۔ ہندوستانی وہابی تحریک کے رہنماؤں نے جس قدر منظم اور جدید انداز میں اپنے مشن کو آگے بڑھایا اس کی مثال ہندوستانی تاریخ میں اس سے پہلے کہیں نہیں ملتی ہے۔ انہوں نے دعوت وارشاد کے لئے باقاعدہ ایک نظام قائم کیا اور اس کے لئے ایسے باصلاحیت افراد کو منتخب کیا جنہوں نے اس راہ کی صعوبتوں کو سعادت

سمجھ کر قبول کیا۔ وہابی تحریک نے مسلمانوں میں سب سے پہلے جدید ذریعہ ابلاغ سے کام لیا اور وہ تھا چھاپہ خانوں کا استعمال۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہابی لٹریچر کی تمام اہم کتابیں انیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی کے درمیان شائع ہو چکی تھیں۔ چنانچہ ''صراط مستقیم'' مولوی محمد علی رام پوری کی نگرانی میں ۱۸۲۳ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ اردو میں سب سے پہلی کتاب ''تقویۃ الایمان'' اس کے بعد ''ہدایۃ المؤمنین مع موضح الکبائر والبدعات'' اور پھر مولوی خرم علی بلہوری کی ''نصیحت المسلمین'' شائع ہوئیں مذکورہ کتابیں کلکتہ اور ہگلی کے پرائیوٹ پریس سے شائع ہوئیں۔ ۲۶۔۱۸۲۵ء ہی میں شاہ رفیع الدین کی فارسی کتاب قیامت نامہ کا ترجمہ محمد عبداللہ نے کیا اور اسے شائع کیا، نیز انہوں نے شاہ رفیع الدین کی ایک اور فارسی کتاب تنبیہ الغافلین کا اردو ترجمہ کیا اور ۳۱۔۱۸۳۰ء میں شائع کیا۔ اس کے علاوہ سب سے اہم کام قرآن مجید کا اردو ترجمہ تھا، جس کا بیڑہ سید صاحب کے مرید سید عبداللہ نے اٹھایا، اس کام میں ان کی مدد مولانا عبدالحئی، مولانا محمد اسحاق اور مولانا حسن علی لکھنوی نے کیا۔ ۱۸۳۲ء میں کئی سال کی جدوجہد کے بعد شاہ عبدالقادر کا ترجمہ سید عبداللہ نے ہگلی سے شائع کیا۔ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ ۱۲۵۴/۳۹۔۱۸۳۸ء میں دو جلدوں میں اسلام پریس کلکتہ سے شائع ہوا۔ انیسویں صدی کے وسط تک پورے ہندوستان میں قرآن کے تراجم عام ہو گئے۔

وہابی تحریک کے علماء نے قرآن اور اس کی تعلیمات کے ساتھ احادیث نبوی کی اشاعت پر زور دیا۔ اگرچہ شاہ ولی اللہؒ کی حدیث کی شروح نے علماء میں حدیث کا ذوق پیدا کر دیا تھا، لیکن ان کی تصنیفات عربی میں تھیں یا فارسی میں جس کی وجہ سے وہ ایک خاص طبقہ تک محدود رہیں، سب سے پہلے مولوی خرم علی بلہوری نے حدیث کے مجموعہ مشارق الانوار مرتب امام صنعانی کا اردو ترجمہ تحفۃ الاخیار کے نام سے کیا اور ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء میں شائع کیا اس کے بعد حدیث کی کتابوں کے تراجم اور شروح کا سلسلہ چل پڑا۔ چنانچہ علم حدیث کو عام کرنے میں سب سے بڑا کارنامہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اور شیخ الکل فی الکل میاں نذیر احمد محدث دہلویؒ نے انجام دیا۔ دونوں وہابی تحریک کے سرگرم رکن تھے۔

قرآن کے اردو تراجم اور علم حدیث کی اشاعت نے فقہ کی عمومیت پر بندش لگا دی اور تقلید کی جکڑ بندیوں سے مسلمانوں کے ذہنوں کو آزاد کر دیا۔ وہابی تحریک کا یہ سب سے بڑا کارنامہ تھا۔ آج مدارس، مساجد، تفاسیر اور شروح حدیث کی جو کثرت ہمیں ہندوستان میں نظر آتی ہے یہ انہیں نفوس قدسیہ کی رہین منت ہے جو رب کی بارگاہ میں جان کا نذرانہ پیش کر کے اسلام کی سچی تعلیمات سے ہمارے دلوں کو منور کر گئے۔

۱۸۵۷ء کے بعد تحریک دو بڑے مراکز میں تقسیم ہو گئی۔ پہلا صادق پور کا مرکز جو پورے بنگال اور بہار اپنے حلقہ اثر میں لئے ہوئے تھا۔ دوسرا لاہور کا مرکز جو دہلی اور پورے پنجاب کو سمیٹے ہوئے تھا۔ دونوں کا مذہبی موقف اور نصب العین ایک تھا لیکن سیاسی موقف میں فرق تھا۔ صادق پور کی قیادت مولانا ولایت علی اور عنایت علی کا خاندان کر رہا تھا۔ یہ لوگ سید احمد بریلوی کے نصب العین سے کسی طرح پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھے اور سرحد پر ایک قلیل سی جماعت کے ساتھ انگریزوں سے مورچہ لے رہے تھے۔ دوسری طرح پنجاب میں مولانا محمد حسین بٹالوی نے سب سے پہلے حالات کی نزاکت کو محسوس کیا اور نئی حکمت عملی پر زور دیا تا کہ دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری رہے۔ قرآن وسنت کی اشاعت کی رفتار میں سستی نہ آئے اور وہابی تحریک کے بچے

کھچے افراد اور علماء انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے بچ سکیں، نیز عیسائی مشنری، قادیانیت، انکار حدیث اور خانقاہیت کی یلغار کو روکا جاسکے، انہوں نے ۱۸۷۰ء میں ''اشاعۃ السنۃ'' کے نام سے رسالہ نکالا جن کے ذریعہ ایک طرف وہ مخالفین کو دندان شکن جواب دیتے رہے۔ دوسری طرف اپنے موقف کی اشاعت کرتے رہے۔

۱۸۶۰ء کے بعد اہل حدیث ایک ممتاز جماعت کی شکل میں ابھر کر سامنے آئے، ان لوگوں کا وہابی تحریک سے سیدھا اور براہ راست تعلق تھا۔ ۱۸۳۱ء کے بعد اسی جماعت کے افراد نے وہابی تحریک کی قیادت مکمل طور سے اپنے ہاتھ میں لے لی۔ یہ سب براہ راست یا بالواسطہ سید احمد بریلوی کے فیض یافتہ اور مولانا اسماعیل شہید کے تربیت یافتہ تھے۔ تقلید سے بیزاری کتاب وسنت کی اشاعت، مردہ سنتوں کے احیاء کوشش ان کے تشخصات تھے۔ نماز میں زور سے آمین کہنے کی اشاعت اور رفع الیدین کے لئے پورے ہندوستان میں معروف تھے۔ اہل حدیث خود کو محمدی اور موحد کہلوانا پسند کرتے ہیں۔ ایک عیسائی مبلغ Thomas P. Hughs ۱۸۷۴ء میں سویشاور کے نزدیک سید احمد بریلوی کے شاگرد سے ملا تھا وہ اپنا مشاہدہ بتلاتے ہوئے لکھتا ہے:

" Wabism is simply a revial of the teaching of the Tradilions (Hadith) to the partial rejection of the third and forth foundtion of faith, namely the Ijma (Commanity consendus) and qiyas (amology). The wahabis of India nver speak of themselves as Wahabi, but as Ahl-e-Hadith or pepole of the Traditions". (38)

یعنی وہابیت حدیث کی تعلیمات کے احیاء کا نام ہے، جس نے قیاس اور اجماع کو رد کردیا، ہندوستانی وہابی خود کو وہابی نہیں بلکہ اہل حدیث کہتے ہیں۔

بیسویں صدی میں وہابی تحریک جماعت اہل حدیث میں مکمل طور سے تبدیل ہوچکی تھی، اور ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے نام سے اس کی تنظیم نو مولانا ثناء اللہ امرتسری کی قیادت میں ہوئی، اس تنظیم میں اہل حدیث کے نامور اور بزرگ علماء شریک ہوئے، اگرچہ مخالفین انہیں وہابی ہی کہتے ہیں۔ اس دور کی سیاسی قوت تحریک آزادی کی تحریکوں میں آہستہ آہستہ ضم ہوگئی۔ اس میں سب سے اہم کردار ان علماء کا تھا جن کے ہاتھ میں تحریک کی قیادت آئی ان میں بیشتر کانگریس کے پیلیٹ فارم سے آزادی کے لئے لڑتے رہے، ان میں اہم نام مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا داؤد غزنوی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ہے۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد اہل حدیث دو ملکوں میں بٹ گئے۔ مذہبی موقف ایک ہونے کے باوجود دونوں ملکوں کی جماعت کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں رہ گیا۔ جغرافیائی اور سیاسی حالات نے دونوں کو نظریاتی اعتبار سے ایک دوسرے سے الگ کردیا۔ پاکستان کے اہل حدیث کی اپنی سیاسی سرگرمیاں ہیں ملکی سیاست میں ان کی نمائندگی ہے۔

اس کے برعکس ہندوستانی اہلحدیث جمہوری دستور کی چھاؤں تلے مرکزی جمعیت اہل حدیث کی صورت میں اپنے وجود اور بقاء کو قائم رکھنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں، سیاسی سرگرمیوں سے بالکل دور رہتے ہیں، منہج سلف کی ترویج واشاعت ان کا سب سے بڑا

نصب العین ہے۔لہٰذا سے سیاست کی گندگیوں میں ملوث کرنا یا کسی تخریبی تحریک سے اس کا رشتہ جوڑنا ایسا ہی ہے جیسے گاندھی جی کو تشدد کا دیوتا اور ساورکر کو ہندوستان کا نجات دہندہ فرض کیا جائے۔

☆☆☆☆

حواشی

۱۔ یوگندر سکند کا مضمون نٹ پر: ہندوستانی وہابی

۲۔ مذکورہ جائزے نٹ سے لفظ وہابی کے تحت معلومات سے ماخوذ ہیں

۳۔ مولانا مسعود عالم ندوی: ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص:۷

۴۔ مولانا مسعود عالم ندوی: محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح ص: ۱۱۳ مطبوعہ اسلامک فاؤنڈیشن نئی دہلی۔

۵۔ حوالہ سابق، ص:۱۱۱

۶۔ الدکتور محمد بن سعد الشویعر: تصحیح خطا تاریخی حول الوہابیۃ

۷۔ Encyclopaedia of Baritanica IIth ed (1911) "Wahhabis"

۸۔ Colembia Encylopaedia "Wahabi"

۹۔ ڈاکٹر قیام الدین احمد: ہندوستان کی جنگ آزادی میں وہابی مسلمانوں بالخصوص اہل صادق پور کی کارگزاریاں اور ایثار ایک مختصر جائزہ مطبوعہ سووینیر ۱۹۹۸ء

۱۰۔ مسعود عالم ندوی: محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم و بدنام مصلح ص: ۹۲

۱۱۔ حوالہ سابق، ص: ۱۱۳

۱۲۔ تفصیل کے لئے دیکھیں ایضاً ص: ۸۴، ڈاکٹر قیام الدین احمد: ہندوستان میں وہابی تحریک ص: ۵۶

۱۳۔ مولانا مسعود عالم ندوی نے مقدم الذکر رسالے کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا کہ غالباً رسالہ کا یہ نام بعد میں رکھا گیا: محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح ص: ۱۴۱، ڈاکٹر سعد محمد الشویعر نے نسبت کو فرضی بتلایا ہے۔ پوری تفصیل ان کی کتاب ''رسالہ تصحیح خطا تاریخی حول الوہابیہ'' میں دیکھ سکتے ہیں۔

۱۴۔ مزید معلومات کے لئے دیکھیں محمد احمد منگلوری: سلطنت خداداد، فیصل احمد بھٹکلی تحریک آزادی میں علماء کرام کا کردار ص: ۱۸۷ تا ۲۲۸۔

۱۵۔ شیخ عبدالعزیز ابن باز: الامام محمد بن عبدالوہاب دعوتہ وسیرتہ ص: ۳۹۔

۱۶۔ مولانا مسعود عالم ندوی: ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص: ۲۲، اسی صفحے پر وہ اہلحدیث سے برأت کا اظہار کرتے ہیں کہ لفظ اہل حدیث سے تحزب اور گروہ بندی کی بو آتی ہے۔ سمجھ دار مسلمانوں سے غالباً مولانا کا اشارہ جماعت اسلامی کی طرف ہے۔

۱۷۔ پیرسن، صفحہ ۱۹۶۔

۱۸۔ ڈبلیو۔ ڈبلیو ہنٹر: ہمارے ہندوستانی مسلمان ترجمہ: ڈاکٹر صادق حسین ص: ۶۹

۱۹۔ سید ابوالحسن علی ندوی: سیرت سید احمد شہید ج: ۱ ص: ۲۸۴۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: مولانا ابوالحسن علی ندوی: سیرت سید احمد شہید ج ۱، ص: ۲۹۲، مولانا غلام رسول مہر: تحریک سید احمد شہید ج ۱، ص: ۳۰۵ تا ۳۳۰۔

۲۰۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مقالہ Blumbart بحوالہ مسعود عالم ندوی: ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص: ۱۹۔

۲۱۔ Herlan O. Pearson: Islamic Reform..... P:39

۲۲۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: مولانا محفوظ الرحمن فیضی: شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں دو متضاد نظریے۔

۲۳۔ مولوی فضل رسول بدایونی پہلے شخص ہیں جنہوں نے خانوادہ ولی اللہی کے علماء کے خلاف قلم اٹھایا اور مولانا شاہ اسماعیل اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے درمیان فرضی رابطے بتلائے۔ انگریزوں نے انہیں پانچ سو روپیہ ماہانہ تنخواہ پر باقاعدہ اس مشن پر لگایا اور اس کام کے لئے مولویوں کو ملازم رکھنے کا اختیار دیا۔ مولوی فضل رسول اور ان کے معاونین نے پورے ہندوستان میں وہابیت کا اس قدر پروپیگنڈہ کیا کہ وہابیت اور غدار مترادف سمجھا جانے لگا، تفصیل کے لئے دیکھیں: خالد محمود: مطالعہ بریلوی ج ۱، ص: ۱۸۷۔

۲۴۔ مولانا منظور احمد نعمانی نے اپنی کتاب شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ ص: ۵۱ کے حاشیہ میں شاہ ولی اللہ اور محمد بن عبدالوہاب کو استاد بھائی قرار دیا یہ درست نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ اور علامہ محمد حیات سندی استاد بھائی ہو سکتے ہیں۔ محمد بن عبدالوہاب کے استاذ شیخ محمد حیات سندھی تھے، شاہ ولی اللہ اور علامہ سندھی دونوں نے ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکردی سے استفادہ کیا تھا۔

۲۵۔ تراجم علماء حدیث میں شاہ رفیع الدین کی تاریخ وفات ۱۲۴۹، اور شاہ عبدالقادر کا سن وفات ۱۲۴۲ھ مذکورہ ہے، مولانا مہر کے مطابق میں نے تاریخ وفات درج کی ہے: مہر: ج ۱ ص: ۱۷۰

۲۶۔ شاہ صاحب کے کئی معاصر اور غیر معاصر علماء نے بھی اسی قسم کے فتاوے دئے تھے، لیکن ان کے فتاوے معاملات اور تنازعات کے ضمن میں تھے۔ اور شاہ عبدالعزیز کا یہ فتویٰ صرف انگریزوں کے تسلط کے تناظر میں تھا۔

۲۷۔ غلام رسول مہر: تحریک سید احمد شہید ج ۱ ص: ۳۴۳

۲۸۔ ایضاً ص: ۳۴۴

۲۹۔ مولانا غلام رسول مہر: تحریک سید احمد شہید ج ۱ ص: ۲۰۵

۳۰۔ پیرسن صراط مستقیم کے تکمیل کا سن ۱۸۱۸ء بتلاتا ہے۔ پیرسن، ص: ۸۲ جب کہ ۱۸۱۸ء میں سید صاحب ٹونک سے دہلی پہنچے تھے۔ دیکھئے: مہر: تحریک سید احمد شہید ج ا

۳۱۔ صراط مستقیم مترجم اردو ص: ۷۲، ۷۱

۳۲۔ حنفی مناظر مولوی محمد فصیح صاحب غازی پوری تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں حافظ صلاح الدین یوسف کی کتاب: تحریک جہاد جماعت اہل حدیث اور علماء احناف ص: ۴۲

۳۳۔ مولانا غلام رسول: تحریک سید احمد شہید ج ا ص: ۲۰۴

۳۴۔ ایضا، ج ا ص: ۲۰۳

۳۵۔ بحوالہ سابق ص: ۱۸۹

۳۶۔ بحوالہ سابق ج ۳، ص: ۲۸۷

۳۷۔ ڈاکٹر قیام الدین احمد: ہندوستان میں وہابی تحریک ص: ۵۰

۳۸۔ بحوالہ پیرسن: ص: ۱۹۶

چند اہم مآخذ:

(۱) ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی: تراجم علمائے اہل حدیث ہند مطبوعہ جید برقی پریس دہلی

(۲) مولانا غلام رسول مہر: تحریک سید احمد شہید ج ا تا چہارم مطبوعہ مکتبہ الحق جوگیشوری ممبئی ۲۰۰۸ء

(۳) ڈاکٹر قیام الدین احمد: ہندوستان میں وہابی تحریک اردو مطبوعہ مکتبہ الفہیم مئوناتھ بھنجن

(۴) مولانا مسعود عالم ندوی: ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۷۷ء

(۵) حافظ صلاح الدین یوسف: تحریک جہاد: جماعت اہل حدیث اور علمائے احناف دار الکتب الاسلامیہ دہلی

(۶) مولانا ابوالحسن علی ندوی: سیرت سید احمد شہید ج ا، ۲ ناشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی پاکستان

(۷) ابوالمکرم عبدالجلیل: امام محمد بن عبدالوہاب کی دعوت اور علماء اہل حدیث کی مساعی ناشر جامعہ سلفیہ بنارس

(۸) فیصل احمد بھٹکلی: تحریک آزادی میں علماء کا کردار ناشر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ

(۹) الشیخ احمد بن حجر بوطامی: حیات شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اردو ترجمہ مختار احمد ندوی الدار السلفیہ ممبئی

(۱۰) علامہ سید محمد رضا مصری: الوہابیون والحجاز، مطبوعہ جامعہ سلفیہ بنارس

(۱۱) ڈاکٹر محمد بہاء الدین: تاریخ اہل حدیث ج: ۱، ۲، مکتبہ ترجمان جامع مسجد دہلی

(۱۲) محفوظ الرحمن فیضی: شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں دو متضاد نظریے، مطبوعہ جامعہ سلفیہ بنارس

(۱۳) ڈبلیو۔ ڈبلیو ہنٹر: ہمارے ہندوستانی مسلمان اردو ترجمہ ڈاکٹر صادق حسین الکتاب انٹرنیشنل جامعہ نگر دہلی
(۱۴) علامہ شاہ محمد اسماعیل شہید: تقویۃ الایمان مطبوعہ کتب خانہ حمیدیہ جامع مسجد دہلی
(۱۵) ڈاکٹر خالد محمود: مطالعہ بریلویت ج ا حافظی بکڈپو دیوبند۔
(۱۶) تاراچند: تاریخ تحریک آزادی ہند مترجم غلام ربانی تاباں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی
(۱۷) ڈاکٹر محمد بن السعد الشویعر: تصحیح خطا تاریخی حول الوہابیۃ ریاض
(۱۸) مولانا مسعود عالم ندوی: محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح اسلامک فاؤنڈیشن نئی دہلی
(۱۹) پروفیسر ڈاکٹر مسز عابدہ سمیع الدین: قومی محاذ آزادی اور یوپی کے مسلمان مطبوعہ انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی
(۲۰) الشیخ احمد الدہلوی: تاریخ اہل حدیث ترجمہ محمد منیر الراعی، حماد ظہیر تفہیمی الکتاب انٹرنیشنل جامع نگر دہلی
(۲۱) مولانا محمد رئیس ندوی: تاریخ اہل حدیث ہند ادارہ بزم توحید للہ پورہ بنارس
(۲۲) خلیق احمد نظامی: ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی
(۲۳) مولانا منظور احمد نعمانی: شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ الفرقان بکڈپو لکھنؤ۔
(۲۴) Herlan O. Pearson: IslamicReform and Revivl in Nine-Teenth-Century India Yoda Press New Delhi.
(۲۵) Encyclopaedia of Baritanica IIEd
(۲۶) مولانا نذیر احمد املوی: اہل حدیث اور سیاست جامعہ سلفیہ بنارس
(۲۷) مولانا شاہ اسماعیل شہید: صراط مستقیم مترجم اردو، ناشر عبدالعزیز تاج کتب بازار کشمیری لاہور۔

(ماخوذ از محدث بنارس جنوری تا مارچ ۲۰۱۰ء)

❑❑❑

برصغیر میں علم حدیث پر تصنیفی خدمات

ایک مختصر جائزہ

عبدالجبار انعام اللہ سلفی
استاد جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی

برصغیر میں علم حدیث کا آغاز شاہ ولی اللہ دہلوی کے ذریعہ ہوا۔ آپ نے علم حدیث کی نشر واشاعت اور اس کی ترقی وترویج میں اپنی پوری زندگی گذاردی، آپ کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز دہلوی نے ۶۴ سال تک درس حدیث کی خدمت انجام دی، ان کے ساتھ ان کے تینوں بھائیوں شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی نے بھی حدیث کی نشر واشاعت اور اس کی تعلیم وتدریس میں کافی محنت کی۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد شاہ محمد اسحاق ان کے جانشین ہوئے، اور ان سے ایک خلق کثیر نے استفادہ کیا۔ شاہ محمد اسحاق کے مکہ معظمہ ہجرت کر جانے کے بعد ان کی مسند پر شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی متمکن ہوئے اور مکمل ۶۲ سال تک کتاب وسنت کی تعلیم وتدریس سرانجام دے کر اتنی کثیر تعداد میں شاگردان باکمال پیدا کئے کہ ان کا احصاء ناممکن ہے۔ آپ سے بے شمار لوگ مستفیض ہوئے اور پھر برصغیر کے کونے کونے میں پھیل گئے یہی صرف نہیں بلکہ بیرون ہند سے بھی لوگ جوق در جوق آئے اور اپنی علمی پیاس بجھا کر واپس گئے۔ آپ کے تلامذہ اور پھر ان کے مستفیدین نے درس وتدریس کے ساتھ حدیث کے بارے میں جو تصنیفی خدمات انجام دیں ہیں اس کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ زیر نظر مضمون میں صرف علماء کے نام اور حدیث کے متعلق ان کی تصنیفی خدمات کو نہایت ہی اختصار کے ساتھ مختلف کتابوں کے حوالہ سے بطور نمونہ بیان کیا گیا ہے، ورنہ تفصیل اس سے کہیں زیادہ ہے۔

☆ مولانا نواب صدیق حسن خاں

۱۔ عون الباری لحل ادلۃ البخاری (عربی)
۲۔ السراج الوہاج من کشف مطالب صحیح مسلم بن حجاج (عربی)
۳۔ توفیق الباری ترجمۃ الادب المفرد للبخاری (اردو)
۴۔ مسک الختام شرح بلوغ المرام (فارسی)
۵۔ فتح العلام شرح بلوغ المرام (عربی)
۶۔ فوائد الفوائد من عیون الاخیار والفوائد (فارسی)
۷۔ الحرز المکنون من لفظ المعصوم المامون (عربی)
۸۔ البنیان المرصوص من بیان ایجاز الفقہ المنصوص (فارسی)
۹۔ عین الیقین ترجمہ اربعین (اردو)
۱۰۔ الروض البسام من ترجمۃ بلوغ المرام (عربی)
۱۱۔ خیر القرون کا ترجمہ اربعین (اردو)
۱۲۔ اربعون حدیثاً فی فضائل الحج والعمرۃ (عربی)
۱۳۔ اربعون حدیثاً متواترۃ (عربی)
۱۴۔ الادراک تخریج احادیث رد الاشراک (عربی)

۱۵۔تقویۃ الایقان بشرح حدیث حلاوۃ الایمان (اردو) ۱۶۔نیل الایمانی بشرح مختصر الشوکانی (عربی)
۱۷۔ضوء الشمس من شرح حدیث بُنیَ الاسلام علی خمس (اردو) ۱۸۔الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ (عربی)
۱۹۔اتحاف المنبلاء والمتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین (فارسی) ۲۰۔غنیۃ القاری ترجمہ ثلاثیات بخاری (اردو)

ان کے علاوہ اور چالیس کتابیں صرف حدیث کے موضوع پر ہیں۔

☆مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی۔

۲۱۔غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داؤد (عربی) ۲۲۔عون المعبود فی شرح سنن ابی داؤد (عربی)
۲۳۔التعلیق المغنی علی سنن دارقطنی (عربی) ۲۴۔تعلیقات علی اسعاف المبطاء برجال المؤطا (عربی)
۲۵۔تعلیقات علی سنن نسائی (عربی) ۲۶۔رفع الالتباس عن بعض الناس (عربی)
۲۷۔غنیۃ المغنی (عربی) ۲۸۔فضل الباری فی ثلاثیات بخاری (عربی)
۲۹۔ہدیۃ اللوذعی بنکات الترمذی (عربی) ۳۰۔النجم الوہاج فی شرح مقدمۃ الصحیح لمسلم بن الحجاج (عربی)
۳۱۔اعلام أھل العصر فی احکام رکعتی الفجر (عربی)

☆مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ۔

۳۲۔مقدمہ تحفۃ الاحوذی (عربی) ۳۳۔تحفۃ الاحوذی فی شرح جامع الترمذی (عربی)
۳۴۔شفاء العلل فی شرح کتاب العلل (عربی)

☆مولانا وحید الزماں حیدرآبادی:

۳۵۔احسن الفوائد فی تخریج احادیث شرح العقائد (عربی) ۳۶۔اشراق الابصار فی تخریج احادیث نور الانوار (عربی)
۳۷۔کشف المغطا من المؤطا (اردو) ۳۸۔الہدی المحمود ترجمہ سنن ابی دواؤد (اردو)
۳۹۔روض الربیٰ من ترجمۃ المجتبیٰ (اردو) ۴۰۔المعلم ترجمہ صحیح مسلم (اردو)
۴۱۔تسہیل القاری ترجمہ صحیح بخاری (اردو) ۴۲۔رفیع العجاجۃ عن سنن ابن ماجہ (اردو)
۴۳۔تیسیر الباری ترجمہ صحیح البخاری (اردو) ۴۴۔اصلاح الہدایۃ وتصحیح الروایۃ (عربی)
۴۵۔وحید اللغات (اردو، ۱۸ جلدوں میں احادیث کی جامع لغت) ۴۶۔تصحیح کنز العمال (عربی)

☆مولانا سید احمد حسن دہلوی:

۴۷۔حواشی بلوغ المرام (عربی) ۴۸۔تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ (عربی: نصف اول)

☆مولانا ابوسعید شرف الدین دہلویؒ:

۴۹۔تخریج آیات الجامع الصحیح للبخاری (عربی)
۵۰۔تکملۃ تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ (عربی)
۵۱۔نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ (عربی)
۵۲۔شرح مسند امام احمد بن حنبل (عربی)

☆مولانا عبدالسلام بستوی:

۵۳۔شرح سنن ابن ماجہ (عربی)
۵۴۔صمصام الباری علی عنق جارح البخاری (عربی)
۵۵۔کشف الملہم ترجمۃ مقدمۃ صحیح مسلم (اردو)
۵۶۔انوار المصابیح ترجمہ مشکوۃ المصابیح (اردو)
۵۷۔ایمان مفصل

☆مولانا حافظ ابوالحسن محمد سیالکوٹی:

۵۸۔فیض الباری شرح وترجمہ صحیح بخاری (اردو)
۵۹۔فیض الآثار فی ترجمۃ کتاب الآثار (اردو)
۶۰۔اکمال فی ترجمۃ اسماء الرجال (اردو)
۶۱۔ترجمۃ مشکوٰۃ المصابیح (اردو)
۶۲۔تلخیص الصحاح ترجمہ تیسیر الاصول (جلد ۵،۶)

☆مولانا عبدالتواب محدث ملتانی:

۶۳۔تعلیق حاشیہ صحیح مسلم ابی الحسن السندی (عربی)
۶۴۔حاشیہ تحفۃ الودود باحکام المولود (عربی)
۶۵۔تعلیق المصنف لابن ابی شیبہ (عربی)
۶۶۔تعلیق عون المعبود شرح سنن ابی داؤد (عربی)
۶۷۔تعلیق قیام اللیل للمروزی (عربی)
۶۸۔ترجمہ صحیح بخاری (اردو۔۸ پارے)
۶۹۔حواشی علی الاشارات للنووی (عربی)
۷۰۔حواشی الحزب المقبول (اردو)
۷۱۔حواشی وترجمہ بلوغ المرام (اردو)

☆مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ

۷۲۔تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ (عربی) جلد ثالث
۷۳۔فیض الودود تعلیق سنن ابی داؤد (عربی)
۷۴۔التعلیقات السلفیہ حواشی علی سنن نسائی (عربی)

☆مولانا عبیداللہ مبارکپوریؒ:

۷۵۔مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی، ۹ جلد کتاب المناسک تک)

☆مولانا محمد علی جانباز:

۷۶۔انجاز الحاجۃ شرح سنن ابن ماجہ (عربی، ۱۳ جلدیں)

☆مولانا عبدالحمید سوہدروی:

۷۷۔ زبدۃ المرام شرح عمدۃ الاحکام عن سید الانام شیخ تقی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبدالغنی بن عبدالواحد بن سرور، الجماعیلی (م ۶۱۰ھ)

☆مولانا نورالحسن قنوجی:

۷۸۔انوار المشارق۔ ۷۹۔الرحمۃ المھداۃ الی من یرید بزیادۃ العلم علی احادیث المشکوٰۃ (اردو)

۸۰۔منتخب عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی۔

☆مولانا احمد حسن عرشی:

۸۱۔شرح بلوغ المرام ۸۲۔شرح تیسیر الوصول لاحادیث الرسول

☆مولانا قاضی محمد مچھلی شہر:

۸۳۔ الدراری الناشرات فی ترجمہ مافی البخاری من الثلاثیات (عربی) ۸۴۔تخریج احادیث مؤطا امام مالک

☆مولانا فریدالدین خاں کاکوروی:

۸۵۔الفلاح المبین شرح اربعین نووی

☆مولانا محمد رفیع الدین شکرانوی:

۸۶۔رحمت الودود علی رجال سنن ابی دواؤد

☆مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی:

۸۷۔حدیث کی پہلی تا چوتھی کتاب۔ ۸۸۔انتخاب صحیحین

۸۹۔شرح اربعین نووی۔ ۹۰۔شرح اربعین ابراہیمی

☆مولانا خرم علی بلہوری:

۹۱۔ترجمہ وشرح مشارق الانوار

☆مولانا عبداللہ غازی پوری:

۹۲۔البحر المواج شرح مقدمہ صحیح مسلم بن حجاج

☆مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی:

۹۳۔سواء الطریق (۴ جلدیں اردو)

☆مولانا حافظ ابراہیم آروی:

۹۴۔طریق النجاۃ فی ترجمہ الصحاح من المشکوٰۃ ۹۵۔ترجمہ کتاب الادب المفرد للبخاری

☆مولانا حافظ عبداللہ روپڑی:

۹۶۔حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح (عربی) ۹۷۔ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح (اردو)

☆مولانا عبدالجلیل سامرودی:

۹۸۔ضوء المصابیح (عربی) حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح ۹۹۔التعلیق علی صحیح مسلم (عربی)

۱۰۰۔التعلیق علی سنن ابی داؤد (عربی) ۱۰۱۔التعلیق علی سنن نسائی (عربی)

۱۰۲۔التعلیق علی سنن دارمی (عربی) ۱۰۳۔نسیم الریاحین شرح ریاض الصالحین

☆مولانا محمد داؤد راز دہلوی:

۱۰۴۔صحیح بخاری مترجم (مکمل) ۱۰۵۔صحیح مسلم (مترجم نامکمل)

☆مولانا محمد اسماعیل سلفی:

۱۰۶۔مشکوٰۃ المصابیح (مترجم) جلد اول بقیہ جلدوں کا ترجمہ مولانا محمد سلیمان کیلانی نے کیا۔

☆مولانا عبدالاول غزنوی:

۱۰۷۔نصرۃ الباری فی ترجمہ صحیح البخاری ۱۰۸۔انعام المنعم ترجمہ صحیح مسلم

۱۰۹۔الرحمۃ المہداۃ الی من یرید ترجمہ مشکوٰۃ ۱۱۰۔ترجمہ ریاض الصالحین

☆مولانا فضل حق دلاوری:

۱۱۱۔فضل الباری ترجمہ صحیح بخاری ۱۱۲۔ترجمہ جامع ترمذی

۱۱۳۔ترجمہ موضوعات ملا علی قاری

☆مولانا عبدالوہاب صدری دہلوی:

۱۱۴۔حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح (عربی)

☆مولانا عبدالستار دہلوی:

۱۱۵۔نصرۃ الباری ترجمہ الجامع الصحیح للبخاری۔

☆مولانا صفی الرحمن مبارکپوری:

۱۱۶۔اتحاف الکرام تعلیق بلوغ المرام لابن حجر ۱۱۷۔منۃ المنعم فی شرح صحیح مسلم

☆مولانا ابو یحیٰ محمد شاہ جہاں پوریؒ:

۱۱۸۔تعلیقات سنن نسائی (عربی)

☆مولانا سید امیر لکھنوی:

۱۱۹۔شرح صحیح بخاری۔ ۱۲۰۔المستدرک فی الرجال

☆مولانا محمد بن ہاشم سورتی:

۱۲۱۔ترجمہ صحیح بخاری

☆مولانا محمد حسین بٹالوی:

۱۲۲۔منح الباری فی ترجیح صحیح البخاری

☆مولانا محمد بن نورالدین ہزاروی:

۱۲۳۔عون الودود شرح سنن ابن ابی داؤد (عربی)

☆مولانا محی الدین لاہوری:

۱۲۴۔ترجمہ بلوغ المرام ۱۲۵۔ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح

۱۲۶۔ترجمہ منتقی الاخبار ابن تیمیہ ۱۲۷۔ترجمہ نیل الاوطار شوکانی

☆مولانا عزیز زبیدی:

۱۲۸۔حاشیہ صحیح بخاری (عربی)

☆مولانا محمد بن یوسف سورتی:

۱۲۹۔شرح سنن ابن ماجہ (عربی)

☆مولانا عبدالسلام مدنی:

۱۳۰۔حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح (عربی) ۱۳۱۔حاشیہ سنن نسائی (عربی)

۱۳۲۔حاشیہ صحیح مسلم (عربی)

☆مولانا عبدالغفار نشتر:

۱۳۳۔ترجمہ الادب المفرد للبخاری

☆مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی:

۱۳۴۔عون الباری لحل عویصات البخاری

☆مولانا محمد رفیق اثری:

۱۳۵۔ضوء السالک حاشیہ موطا امام مالک (عربی)

۱۳۶۔حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح (عربی)

۱۳۷۔حاشیہ سنن ابی داؤد (عربی)

☆مولانا محمد صادق خلیل:

۱۳۸۔سطعات التلقیح ترجمہ وفوائد مشکوٰۃ المصابیح

۱۳۹۔ترجمہ ریاض الصالحین

۱۴۰۔تخریج وتحقیق معجم الصغیر طبرانی (عربی)

☆مولانا محمد سلمان کیلانی:

۱۴۱۔حاشیہ بلوغ المرام

۱۴۲۔ترجمہ وشرح مشکوٰۃ المصابیح

☆حافظ صلاح الدین یوسف:

۱۴۳۔دلیل الطالبین ترجمہ وشرح ریاض الصالحین

☆مولانا محمد خالد گھرجاکھی:

۱۴۴۔مفتاح صحیح البخاری

☆مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی:

۱۴۵۔قضیۃ الدحیث فی حجیۃ الحدیث (اردو)

۱۴۶۔لؤلؤ الشرع فی حدیث ام زرع (اردو)

۱۴۷۔حصول المرام (عربی۔اردو)

☆ڈاکٹر محمد لقمان سلفی:

۱۴۸۔حجیۃ السنۃ والرد علی شبہ المنکرین (عربی)

۱۴۹۔اہتمام المحدثین بنقد الحدیث سنداً ومتناً ودحض مزاعم المستشرقین واتباعہم (عربی)

۱۵۰۔تحفۃ الکرام شرح بلوغ المرام

☆ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمن اعظمی:

۱۵۱۔تحقیق کتاب المدخل فی السنن الکبریٰ للبیہقی (عربی)

۱۵۲۔تحقیق السنن الصغریٰ للبیہقی (عربی)

☆ڈاکٹر عبدالعلی ازہری:

۱۵۳۔تحقیق کتاب الزہد لابن ابی عاصم (عربی)

۱۵۴۔تحقیق کتاب الامثال لابی الشیخ الاصفہانی (عربی)

۱۵۵۔تحقیق کتاب الامثال للرامہرمزی (عربی)

☆مولانا ارشاد الحق اثری:

۱۵۶۔العلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیہ (عربی)
۱۵۷۔مسند الامام ابویعلی ۰ تخریج وتحقیق (عربی)
۱۵۸۔کتاب المعجم (عربی)
۱۵۹۔تخریج احادیث والآثار ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (عربی)

☆مولانا محمد عبدہ الفلاح:

۱۶۰۔مراسیل ابی داؤد

☆مولانا عبدالرشید حنیف:

۱۶۱۔ترجمہ سنن دارمی

☆پروفیسر غلام احمد حریری:

۱۶۲۔علوم الحدیث (ترجمہ)
۱۶۳۔حدیث رسول کا تشریعی مقام (ترجمہ)

☆ڈاکٹر محمد ابراہیم محمد ہارون بنارسی:

۱۶۴۔الوضع والوضاعون فی الحدیث (عربی)
۱۶۵۔تحقیق کتاب الاربعین لابی الفتح المقدسی (عربی)

☆ڈاکٹر عبدالرحمن عبدالجبار فریوائی:

۱۶۶۔تحقیق احادیث مختارۃ من موضوعات الجوزقانی وابن الجوزی لامام الذہبی (عربی)
۱۶۷۔تحقیق جزء الحسن بن عرفۃ العبدی (عربی)
۱۶۸۔تحقیق وتخریج اضواء علی طریق الدعوۃ الی الاسلام للجامی (عربی)
۱۶۹۔تحقیق لاحادیث العوالی من جزء ابن عرفۃ العبدی لامام الذہبی (عربی)
۱۷۰۔تحقیق کتاب الزہد لہناد بن السری (عربی)
۱۷۱۔تحقیق کتاب الزہد للامام وکیع بن الجراح (تین جلدیں) عربی
۱۷۲۔تحقیق کتاب الزہد لابی داؤد (عربی مخطوطہ)
۱۷۳۔تحقیق کتاب الزہد لابی حاتم (عربی مخطوطہ)
۱۷۴۔تحقیق الزہد الثمانیۃ من التابعین لعلقمۃ بن المرشد (عربی)
۱۷۵۔تحقیق الباعث الحثیث فی فضل علم الحدیث واہل الحدیث للشیخ عبدالجلیل السامرودی (عربی)
۱۷۶۔تحقیق التذکرۃ والاعتبار والانتصار للابرار للامام عماد الدین الواسطی (عربی)
۱۷۷۔〃جزء۔۔۔۔۔۔بنت عبدالصمد الہرویۃ الہرثمیۃ (عربی)
۱۷۸۔〃تلخیص الموضوعات للذہبی (عربی)
۱۷۹۔〃کتاب البر والصلۃ لعبداللہ بن مبارک (عربی)
۱۸۰۔〃الذخیرۃ فی ترتیب احادیث الکامل فی الضعفاء لابن عدی (عربی، قلمی)
۱۸۱۔〃کتاب الموضوعات لابن الجوزی (عربی)

۱۸۲۔تحقیق نسخہ وکیع عن الاعمش للامام وکیع بن الجراح (عربی) ۱۸۳۔ر کتاب الاباطیل والمناکیر والصحاح المشاہیر للجوزقانی (عربی)
۱۸۴۔تحفۃ الراکع والساجد فی شرح حدیث لاتشد الرحال ۱۸۵۔تحقیق تذکرۃ الموضوعات لابن طاہر المقدسی (عربی)
اِلاّ الی ثلاثۃ مساجد (عربی)
۱۸۶۔تحقیق الذخیرۃ فی احادیث الکامل لابن طاہر المقدسی (عربی) ۱۸۷۔تحقیق الاسماء والصفات للبیہقی (عربی)
۱۸۸۔تحقیق کتاب الادب لابن ابی شیبہ (عربی)

☆ڈاکٹر عبدالعزیز مبارکپوری:

۱۸۹۔تحقیق الضعفاء والمتروکون ومرویاتہم فی کتاب ۱۹۰۔مرویات سمرۃ بن جندب فی مسند الامام احمد (عربی، قلمی)
الحدود من سنن النسائی (عربی)

☆ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوریؒ:

۱۹۱۔تحقیق کتاب العظمۃ لابی الشیخ الاصفہانی (عربی) ۱۹۲۔تحقیق کتاب الفتن لابی عمرو الدانی المقری (عربی)

☆ڈاکٹر عبدالقدوس محمد نذیر:

۱۹۳۔تحقیق کتاب الادب للبیہقی (عربی) ۱۹۴۔تحقیق مجمع البحرین فی زوائد المعجمین للہیثمی (عربی)
۱۹۵۔تحقیق غایۃ المقصود فی شرح سنن ابی داؤد لمحدث شمس الحق العظیم آبادی (عربی) ۱۹۶۔تحقیق فہرس الاحادیث الواردۃ فی المجروحین لابن حبان (عربی)

☆ڈاکٹر محفوظ الرحمن زین اللہ سلفیؒ:

۱۹۷۔تحقیق تلخیص العلل المتناہیۃ لابن الجوزی (عربی) ۱۹۸۔تحقیق العلل للدارقطنی (عربی، ۶ جلدیں)
۱۹۹۔تحقیق البحر الزخار المعروف مسند البزار للبزار (عربی ۲۰۰۔کتاب الروایۃ لابی سعید ابن العربی (عربی)
۳ جلدیں)
۲۰۱۔مسند الہیثم بن کلیب (عربی) ۲۰۲۔المرسل وحجیتہ (عربی)

☆ڈاکٹر محمد اسحاق محمد ابراہیم:

۲۰۳۔تحقیق کتاب مناسبات تراجم ابواب البخاری (عربی) ۲۰۴۔تحقیق کتاب حدیث ابن عرفۃ (عربی)
۲۰۵۔الکتب الستۃ واسانیدہا والی مولفیہا (عربی)

☆مولانا محمد عزیز شمس الحق:

۲۰۶۔تحقیق رفع الالتباس عن بعض الناس للشیخ شمس الحق ۲۰۷۔تحقیق غنیۃ الالمعی للشیخ شمس الحق العظیم آبادی (عربی)
العظیم آبادی (عربی)

۲۰۸۔تحقیق ردالاشراک للشاہ اسماعیل الدہلوی (عربی) ۲۰۹۔تحقیق الغوامض والمبہمات لعبدالغنی الازدی (عربی)
۲۱۰۔تحقیق الاوائل لابن ابی عاصم (عربی) ۲۱۱۔تحقیق اللالی المنثورۃ فی الاحادیث المنثورۃ للزرکشی (عربی)
۲۱۲۔تحقیق الرباعی فی الحدیث لعبدالغنی لازدی (عربی) ۲۱۳۔تحقیق کتاب حدیث قس بن ساعدۃ الایادی لابن درستویہ (عربی)

☆مولانا صلاح الدین مقبول احمد مدنی:

۲۱۴۔تحقیق کتاب مسئلۃ العلو والنزول فی الحدیث لابن طاہر المقدسی (عربی) ۲۱۵۔تحقیق تحفۃ الانام فی حدیث خیر الانام للشیخ محمد حیات السندی (عربی)
۲۱۶۔زوابع فی وجہ السنۃ قدیماً وحدیثاً (عربی)

☆مولانا عبدالباری فتح اللہ سلفی مدنی:

۲۱۷۔تحقیق ارشاد طلاب الحقائق الی معرفۃ سنن خیر الخلائق للنووی۔

☆مولانا احمد مجتبیٰ محمد نذیر السلفی:

۲۱۸۔تحقیق الفتح السماوی فی تخریج احادیث تفسیر البیضاوی لعبدالروف المناوی (عربی) ۲۱۹۔تحقیق الذخیرۃ فی الاحادیث الضعیفۃ الموضوعۃ لابن ـــــ المقدسی (عربی)

☆ڈاکٹر عبدالوہاب خلیل صدیقی:

۲۲۰۔تحقیق الوضع والوضاعون (عربی)

☆ڈاکٹر فضل الرحمن دین محمد مدنی:

۲۲۱۔تحقیق مسائل الامام احمد بروایۃ ابن ابی الفضل (عربی ۳ جلدیں)

☆ڈاکٹر جاوید اعظم عبدالعظیم بنارسی:

۲۲۲۔تحقیق کتاب الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان لابن بلبان (عربی جزء ۲) ۲۲۳۔تحقیق التوضیح الابھر فی شرح التذکرۃ فی اثر لابن الملقن للسخاوی (عربی)

☆ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس مدنی:

۲۲۴۔تحقیق کتاب فضائل الصحابہ لامام احمد (عربی)

☆ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم:

۲۲۵۔تحقیق الاحادیث الواردۃ فی المہدی فی میزان الجرح والتعدیل (عربی) ۲۲۶۔تحقیق عصمۃ الانبیاء للجوزقانی (عربی مخطوطہ)

☆ڈاکٹر محمد اقبال مدنی بسکوہری: عربی تحقیقات وتصنیفات

۲۲۶۔المخزون فی علم الحدیث لِاازدی

۲۲۷۔ثلاثۃ اجزاء من کتاب البدر المنیر فی تخریج اَحادیث الرافعی الکبیر لابن الملقن (ج۵،۶،۹۔المطبوع فی ۲۸ مجلدا۔)

۲۲۸۔اسماء من یعرف بکنیۃ من اَصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للازدی

۲۲۹۔کنی من لایعرف لہ اسم من اَصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للازدی

۲۳۰ من وافق اسمہ اسم اَبیہ للازدی

۲۳۱۔من وافق اسمہ کنیۃ ابیہ للازدی

۲۳۲۔ذیل المخزون

۲۳۳۔ذیل من وافق اسمہ کنیۃ اَبیہ

۲۳۴۔ارشاد النبیل الی الجرح والتعدیل

۲۳۵۔تحفۃ الخریج الی طرق التخریج

۲۳۶۔قضاء الوطر من قصب السکر

۲۳۷۔اجلاء البصر من نزہۃ النظر

۲۳۸۔اصول التوفیق بین الاحادیث المتعارضۃ۔(غیر مطبوع)

۲۳۹۔التوفیق بین الاحادیث المتعارضۃ۔(العمل الحالی)

☆اردو کتابیں اور رسالے

۲۴۰۔رسالۃ اصول حدیث

۲۴۱۔رہبر تخریج حدیث

۲۴۳۔جرح وتعدیل

۲۴۴۔آسان درس حدیث

۲۴۵۔رہبر توفیق حدیث (تحت الطبع)

۲۴۶۔تاریخ تحفظ سنت وجہود محدثین

۲۴۷۔متعارض حدیثین۔منتخب از تاویل مختلف الحدیث۔(تحت الطبع)

ان کے علاوہ اور دیگر علماء کی تصنیفی خدمات موجود ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر انہیں کے تذکرہ پر اکتفا کیا جارہا ہے اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں خصوصاً اہل علم طبقہ کو زیادہ سے زیادہ خدمت حدیث کی توفیق عطا کرے۔آمین۔

مستفاد از: (۱) علماء اہل حدیث کی تصنیفی خدمات: مولانا محمد مستقیم سلفی

(۲) حدیث کی نشر واشاعت میں علماء اہل حدیث کی خدمات عبدالرشید عراقی

(۳) چالیس علماء اہل حدیث: عبدالرشید عراقی۔

(ماہنامہ صوت الاسلام۔جون، جولائی ۲۰۰۹)

□□□

صوبۂ جھارکھنڈ میں فتنۂ انکار حدیث اور علمائے اہل حدیث کی مساعی جمیلہ

محمد طیب المدنی
جامعہ رحمانیہ مدھوپور، جھارکھنڈ

اسلام ایک عالمی دین ہے جس کی تکمیل اللہ رب العالمین نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کی۔ اسلام کے سرچشمے دو ہیں: قرآن اور حدیث۔ قرآن مجید کے بعد احادیث نبویہ کا مقام ومرتبہ ہے، جس سرچشمۂ ہدایت کی زبان فیض ترجمان سے قرآن مجید کا ظہور ہوا، اسی سے احادیث نبویہ کا بھی صدور ہوا، قرآن مجید نے ان دونوں گراں قدر اصول کو آیت وَأَنزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ النساء: ۱۱۳} میں کتاب وحکمت سے تعبیر کیا اور جس طرح اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم الاعراف: ۳} میں اتباع قرآن کا حکم دیا ہے، اسی طرح لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ احزاب: ۲۱} اور {النور: ۵۴} میں اتباع حدیث کا حکم دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تاکید اس قدر آئی ہے کہ دونوں کے درمیان خط امتیاز کھینچنا مشکل معلوم ہوتا ہے، اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ احادیث رسول کی اشاعت میں اسی طرح کوشاں رہتے تھے جس طرح قرآن مجید کے تحفظ واشاعت میں تھے، خیر القرون سے اب تک امت مسلمہ کا قال اللہ وقال الرسول سے جسم وجان کا رشتہ رہا ہے، عقیدہ وعمل کے اعتبار سے اس امت میں بہت سی گمراہیاں آئیں اور بہت سے فرقے پیدا ہوئے، لیکن کتاب وسنت کو اسلامی شریعت کے بنیادی ماخذ ماننے پر پوری امت متفق ومتحد رہی اور مسلمانوں نے کتاب وسنت کو اپنا مقصد حیات بنائے رکھا، ابتدائی صدیوں میں ایک ایک اسوۂ رسول کو بے مثال تلاش وجستجو اور نہایت سخت معیار تحقیق پر پرکھ کر کتب احادیث کی شکل میں محفوظ کرلیا گیا ہے، جسے دنیائے تحقیق میں آج تک اس امت کا معجزہ قرار دیا جاتا ہے۔

اٹھارہویں صدی کا آخری اور انیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ تھا جب مغربی قوموں کا عالمی سیلاب ایک طوفان کی طرح اسلامی ممالک پر امنڈ آیا اور مغربی قومیں ملک وسلطنت کی وسیع وعریض کرنے میں کامیاب ہوگئیں تو مستشرقین نے علوم اسلامیہ کی طرف توجہ دیا اور حدیث کے اندر تشکیک پیدا کیا، سب سے پہلا شخص جس نے بالکلیہ حدیث کے انکار کا اعلان کیا وہ جرمن کا ایک یہودی گولڈزیہر (۱۸۵۰ء۔۱۹۲۱ء) ہے، اس نے جرمن زبان میں حجیت حدیث کے خلاف ۱۸۹۰ء میں ایک کتاب بنام ''دراسات اسلامیہ'' لکھا جس کے اندر حدیث رسول پر زبان دراز کیا۔

برصغیر (ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش) پر انگریزوں کی حکومت قائم ہوچکی تھی، اس لیے اس کتاب کی نشر واشاعت بھی

برصغیر میں خوب ہوئی، متحدہ ہندوستان کے اندر پہلا شخص غلام نبی عرف عبداللہ چکڑالوی ہے جس نے ۱۹۰۲ء میں اہل قرآن کی بنیاد رکھی اور اعلان کیا کہ قرآن مجید میں تمام چیزیں موجود ہیں، اس لئے حدیث کی ضرورت نہیں ہے، اس طرح یہ فتنہ (انکار حدیث) ہندوستان پہنچ گیا۔

شہر مدھوپور قدیم ضلع سنتھال پرگنہ کے جنوب میں ایک خوبصورت وصحت بخش مقام نیز علاقے کا قلب ہے، سنتھال پرگنہ کا شمال مشرقی خطہ مجاہدین بالاکوٹ کا خاص مرکز ومحور رہا ہے، جس کی ایک زندہ یادگار جامعہ شمس الہدیٰ السّلفیہ، دلال پور ہے، جہاں سے انقلاب ۱۹۴۷ء تک برابر مجاہدین سرحد کے لئے بمعرفت امارت اہل حدیث صادق پور، پٹنہ (بہار) رسد پہنچتا رہا، اس خطۂ ارضی سے تین افراد پر مشتمل ایک وفد (عبدالجبار، ضمیر الدین اور عبدالسبحان رحمہم اللہ) مجاہدین کے قافلے میں شریک ہوا، جو عرف عام میں جیو، ضمیر اور سبحانی کے نام سے معروف ومشہور ہوئے۔

اس خطۂ ارضی کی دینی واخلاقی تعمیر میں بڑے بڑے اساطین دین وعلم نے حصہ لیا ہے۔ ان بزرگان ملت کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا کہ ضلع سنتھال پرگنہ اپنی تعلیمی وتمدنی پسماندگی میں پورے ملک میں مشہور ہونے کے باوجود کتاب وسنت کی خوشبوؤں سے معطر تھا، اور شرک وبدعات اور محدثات وخرافات وغیرہ ہر قسم کی دینی واعتقادی بگاڑ سے بڑی حد تک محفوظ وپاک تھا، سنتھال پرگنہ ۱۹۱۲ء سے قبل تک صوبہ بنگال کا ایک حصہ تھا، انگریزوں نے اسے صوبہ بہار میں شامل کردیا، جھارکھنڈ ۲۰۰۰ء میں صوبہ بہار سے الگ ایک صوبہ بن گیا، فی الحال سنتھال پرگنہ صوبۂ جھارکھنڈ کا ایک حصہ ہے، اس بات کا تذکرہ ہوچکا ہے کہ علاقے مدھوپور سے تین آدمی مجاہدین کے قافلے میں شریک ہوئے تھے، ان بزرگوں کی مساعی جمیلہ کی وجہ سے مدھوپور میں ۱۸۶۵ء میں ایک مسجد کی تعمیر ہوئی، اس مسجد سے متصل ایک مدرسہ بنام "مدرسہ اسلامیہ" ۱۹۲۳ء میں قائم کیا گیا۔

مدھوپور میں فتنۂ انکار حدیث کے تعلق سے مولانا قاری عبدالمنان اثری شنکرنگری ضلع بلرام پور (یوپی) مدرسۃ الرشاد کے تعارف میں تحریر کرتے ہیں (دوسری جنگ عظیم کے موقع پر کلکتہ میں بمباری ہوئی، مڈل فیل قسم کا ایک آدمی کانکی نارا کلکتہ سے بھاگ کر مدھوپر آیا اور یہیں آباد ہوگیا (کانکی نارا میں کورٹ کا دلال تھا) اس نے ہومیوپیتھک پریکٹس شروع کی، چند سالوں کے بعد ہومیوپیتھک کلینک قرآنک ریسرچ سوسائٹی میں تبدیل ہوگیا، یہ شخص انتہائی موقع شناس، شاطر اور لفاظ قسم کا تھا، کم علم اور کم فہم لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لینے کا اچھا ڈھنگ وہنر حاصل تھا، اس نے اپنے غیر معمولی شور وشر سے جہلاء اور اوباشوں کی ایک مجلس جمالی اور باقاعدہ انکار حدیث کی تحریک شروع کردی، جس کی وجہ سے شہر مدھوپور ومضافات کی دینی واخلاقی حالت کلیۃً تباہ ہوکر رہ گئی) یہی وہ فتنہ ہے جس نے کتاب وسنت کے کاز کی تقویت کے لیے کی گئی صدیوں کی محنت وکوشش، جدوجہد اور مساعی جمیلہ پر بالکل ہی پانی پھیر دیا، اس فتنہ (انکار حجیت حدیث) نے ۱۹۶۶ء میں جامع مسجد اہل حدیث مدھوپور پر غلبہ حاصل کرلیا۔ اس طرح یہ فتنہ مدھوپور ومضافات میں ہاتھ پیر مارنے میں کامیاب ہوگیا۔

جامع مسجد اہل حدیث مدھوپور پر جس وقت منکرین حدیث کا قبضہ ہوا تھا اس وقت مدرسہ اسلامیہ مدھوپور کے صدر مدرس

اور جامع مسجد اہل حدیث کے امام وخطیب مولانا قاری عبدالمنان اثری شنکر نگری صاحب تھے، افراد اہلحدیث واخوان جماعت نے عیدگاہ کو پختہ نماز وجمعہ کے لئے مسجد میں تبدیل کردیا، قاری عبدالمنان صاحب نے اس صورت حال کا جائزہ لیا پھر مدرسہ سے مستعفی ہوگئے، وہ مدرسۃ الرشاد کے تعارف میں تحریر کرتے ہیں (مدرسہ اسلامیہ کی میری ملازمت قومی، ملی اور جماعتی مسئلے کا حل نہیں تھا بلکہ ایک سنگ راہ۔ چنانچہ لوگوں کے ہزار اصرار کے باوجود فروری ۱۹۶۸ء میں مدرسہ اسلامیہ کی ذمہ داریوں سے میں نے رخصت لے لی اور ۵ مارچ ۱۹۶۸ء کو ایک ایکڑ زمین موضع پھل جھریا متصل ڈابھا کینڈ میں اسی اعلیٰ مقصد کے تحت میں نے جامتاڑا کورٹ میں وقف کرایا کہ اس علاقے کی اصلاح اور تعمیر کا کام یہیں سے شروع کیا جائے مگر صد افسوس کہ بعض غیر مخلص ساتھیوں کی وجہ سے کام شروع نہ ہوسکا) قاری عبدالمنان اثری صاحب نے مدھوپور میں کرایہ پر ایک مکان لیا اور اکتوبر ۱۹۷۱ء میں مدرسۃ الرشاد کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جو چند سال کے بعد بند ہوگیا۔

مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی بستوی رحمہ اللہ جامعہ رحمانیہ مدھوپور کے تاثر میں تحریر فرماتے ہیں: (قاری عبدالمنان اثری اور ہم دونوں شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی (رحمہ اللہ) کے پاس مبارکپور گئے اور مدھوپور ومضافات کے حالات سے مطلع کیا، تو انہوں نے مدھوپور میں ایک آزاد سلفی ادارہ قائم کرنے کا مشورہ دیا اور زمین حاصل کرنے کے لئے دو معتمد علیہ آدمی کو مدھوپور بھیجا) لیکن کامیابی نہیں ملی، مولانا عبدالمنان اثری رحمہ اللہ نے مدھوپور میں ۱۹۸۰ء میں ایک قطعۂ آراضی حاصل کیا، جس پر ایک مدرسہ بنام جامعہ رحمانیہ ۱۹۸۷ء مطابق شوال ۱۴۰۷ھ میں قائم کیا گیا۔ الحمدللہ یہ ادارہ مثبت طریقے سے کتاب وسنت کی خدمت میں مصروف عمل ہے۔

استاذی المحترم مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ اپنی کتاب (انکار حدیث حق یا باطل) کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں (اضلاع سیونی وبالاگھاٹ، مدھیہ پردیش) میں فتنۂ انکار حدیث نے سر اٹھایا ہے اور لوگوں میں اضطراب ہے، فروری ۱۹۷۶ء میں جامعہ سلفیہ بنارس سے راقم الحروف، حافظ نصراللہ صاحب اور استاذ گرامی مولانا شمس الحق السلفی صاحب نے اس علاقے کا دورہ کیا، شبہات پر گفتگو ہوئی اور الحمدللہ دم توڑ گیا، واپسی کے بعد راقم نے ان شبہات کی تردید میں سولہ صفحات کا ایک رسالہ بنام ''انکار حدیث کیوں؟'' شائع کیا، یہ رسالہ مدھوپور (بہار) پہنچ گیا، مدھوپور سے ایک مکتوب بنام ''انکار حدیث یوں'' وارد ہوا) اس کا جواب استاذی المحترم نے کتاب کی شکل میں بنام ''انکار حدیث حق یا باطل'' لکھا جو مئی ۱۹۷۹ء میں جامعہ سلفیہ بنارس سے طبع ہوکر منظر عام پر آگئی اور کتاب مدھوپور بھی پہنچ گئی تو فضا میں سکوت طاری ہوگیا اور منکرین حدیث بظاہر خاموش ہوگئے۔

جامع مسجد اہلحدیث مدھوپور پر منکرین حدیث کا قبضہ وتصرف اور انتظام وانصرام ہونے کی وجہ سے فتنہ انگیزی، شرپسندی مکروفریب، حدیث کے اندر شکوک وشبہات پیدا کرنے، لوگوں کے ذہن ودماغ کو خراب کرنے اور گمراہیاں پھیلانے میں پہلے سے زیادہ متفق ومتحد اور مضبوط ومستحکم ہوگئے، وہ اپنے مکروفریب کی وجہ سے مدرسہ اسلامیہ مدھوپور کے ذمہ دار بھی بن گئے، کیونکہ یہ ادارہ مدرسہ اکزامینیشن بورڈ بہار سے ملحق ہے، چنانچہ قرآنک ریسرچ سوسائٹی کی جانب سے دو کتابچے: ایمان وعمل اور مخزن علم وبصیرت منظر عام پر آگئے، ان دونوں کتابچے کی وجہ سے مدھوپور ومضافات کا ماحول مزید خراب ہوگیا، ایسی صورت میں راقم الحروف (محمد طیب

المدنی) نے دونوں کتابچوں کا جواب بنام 'قول فیصل' لکھا جس میں ان دونوں کتابچوں کا بھرپور جائزہ لیا گیا، ان کی جہالت وضلالت کا پردہ چاک کیا گیا اور قرآن مجید واحادیث نبویہ کی روشنی میں ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا گیا، چنانچہ یہ کتاب جامعہ سلفیہ بنارس سے اکتوبر ۱۹۹۷ء میں طبع ہوکر منظر عام پر آگئی جس کی وجہ سے منکرین حدیث بالکل ہی خاموش ہوگئے۔

اس بات کا تذکرہ ہوچکا ہے کہ مولانا قاری عبدالمنان اثری شنکرنگری رحمہ اللہ ۱۹۸۰ء میں مدھوپور میں ایک قطعۂ آراضی مدرسہ کے نام حاصل کرچکے تھے، احباب واخوان جماعت اہلحدیث مدھوپور ومضافات نے اس معاملہ پر غور وفکر کیا کہ مجاہدین بالاکوٹ نے اس سرزمین میں دین وایمان کی آبیاری کے لئے جو محنتیں وکوششیں صرف فرمائیں تھیں ان کے آثار ونشانات کو محفوظ رکھا جائے، اس لیے مدھوپور میں حاصل کردہ قطعۂ آراضی پر ایک آزاد سلفی ادارہ قائم کیا جائے، چنانچہ ایک مدرسہ بنام 'جامعہ رحمانیہ' ۱۹۸۷ء میں قائم کیا گیا، یہ ادارہ معروف معنوں میں صرف ایک روایتی درسگاہ نہیں ہے، بلکہ ایک عظیم دینی وملی تحریک ہے جو عصر حاضر میں دینی وملی تقاضوں کو بروئے کار لانے، فتنۂ انکار حدیث کا قلع قمع کرنے، احیاء کتاب وسنت کرنے اور جماعت اہل حدیث کی پوزیشن کو مضبوط ومستحکم کرنے کے لئے پورے ایمان ویقین اور علم وبصیرت کے ساتھ برپا کیا گیا ہے، اسی مقصد کے تحت اس سے قبل مدھوپور سے تقریباً ۲۵۔۲۶ کیلومیٹر دور ایک ادارہ بنام ''جامعہ محمدیہ'' ڈابھا کیندرا کتوبر ۱۹۷۷ء میں قائم کیا گیا تھا، کیونکہ فتنۂ انکار حدیث کی وجہ سے جماعت اہل حدیث کے اندر بہت ہی زیادہ اضطراب وانتشار تھا، ایسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے ارباب حل وعقد نے اس کے سدباب کے لئے قدم اٹھایا تھا۔

شہر مدھوپور میں جامعہ رحمانیہ کے قیام کی وجہ سے جماعت اہلحدیث کو بہت ہی زیادہ تقویت ملی، ان دونوں ادارے کے علاوہ، وہ طلبہ جو جامعہ سلفیہ بنارس، مدارس مئوناتھ بھنجن اور دیگر مدارس سے فارغ ہوئے، مزید وہ طلبہ جو مدینہ یونیورسٹی (سعودی عرب) سے فارغ ہوکر وطن واپس ہوچکے تھے، ان کے علاوہ ہندوستان کے اکابر علمائے اہلحدیث نے اس علاقے پر خاص طور سے توجہ دی اور موقع بموقع اجلاس عام میں شرکت فرماکر کتاب وسنت کی روشنی میں اسلام کی حقانیت پر روشنی ڈالی جس کی وجہ سے ماحول پر بہت ہی اچھا اثر ہوا اور فتنۂ انکار حدیث کا زور ختم ہونا شروع ہوا۔

جس وقت منکرین حدیث نے جامع مسجد اہل حدیث مدھوپور پر قبضہ کیا تھا اس وقت جماعت کے پاس کوئی مسجد نہیں تھی، اس لیے افراد جماعت نے عیدگاہ کو مسجد میں تبدیل کردیا تھا، چند سالوں کے بعد ۱۹۹۸ء میں ایک چھوٹی مسجد توسیع کے بعد جامع مسجد بن گئی، اس کے علاوہ ۲۰۱۱ء میں ایک مسجد کی تعمیر ہوئی وہ بھی جامع مسجد ہے، پھر احباب واخوان جماعت اہلحدیث نے اس مسجد پر توجہ دی جو منکرین حدیث کے قبضہ وتصرف میں تھی۔ الحمدللہ ۲۴/اگست ۲۰۱۲ء کو جامع مسجد اہل حدیث مدھوپور کو جماعت اہلحدیث حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی، اس طرح اس وقت شہر مدھوپور میں جماعت اہل حدیث کے پاس چار جامع مساجد ہیں۔ فللہ الحمد والشکر۔

(ماہنامہ محدث بنارس جنوری ۲۰۱۳ء)

□□□

دارالحدیث رحمانیہ دہلی اور اس کا پس منظر

مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ

یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں تقلید جامد، تصوف باطل، وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود اور اکبر کے فتنۂ دین الٰہی کے بہت پہلے سے اہل حدیث موجود ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ بشاری مقدسی صاحب ''احسن التقاسیم'' اور مورخ فرشتہ سب کی تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تقلید جامد کے دور سے پہلے تابعین ہی کے دور سے یہاں اہل حدیث عقیدہ وفکر کے لوگ موجود تھے اور تاجران عرب کے سواحل مالابار اور سواحل سورت پر آنے کے ساتھ ہی یہاں سلفیت کا بول بالا رہا۔ سلطان شہاب الدین غوری کے بھائی شمس الدین غوری، محمود غزنوی کے دور کے محدث قفال مروزی اور مغلیہ دور سے پہلے سلطان محمد تغلق وغیرہم اہل حدیث عقیدہ وفکر اور منہج ومسلک کے حامل تھے، لیکن بعد میں ماوراء النہر کے راستہ سے آنے والے جامد حنفی مقلدین کی وجہ سے جنوبی ہند کو چھوڑ کر یہاں کی اکثریت اعتزال زدہ متاخرین احناف کی مقلد ہوئی، اس کے باوجود 'الحق ابلج' کے اصول کے تحت ہر دور میں احیاء توحید وسنت کے جیالے موجود رہے۔ شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ تصوف اور وحدۃ الشہود کے عقیدہ کے باوجود بدعات اور خلاف سنت اعمال واطوار کے خلاف اپنے مکتوبات میں بہت کچھ لکھ گئے ہیں اور اکبر کے دین الٰہی کا سبب وہ اسی جمود اور بدعت کو قرار دیتے ہیں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنے متصوفانہ اور وحدۃ الشہودی عقیدہ اور عملاً فروعات میں حنفی مسلک پر عمل کرنے کے باوجود عمل بالکتاب والسنۃ اور ترک تقلید کا اتنا بڑا لٹریچر چھوڑ گئے ہیں جس کی مثال دور واپسیں میں نہیں ملتی۔ اسی طرح ملا معین رحمہ اللہ صاحب ''دراسات اللبیب' نے دراسات میں اور شاہ ولی اللہ کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنی 'تفسیر عزیزی' میں تقلید کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ ارباب تقلید کی آنکھ کھولنے کے لئے کافی ہے۔

شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات، شاہ ولی اللہ کے وصایا، فارسی میں ان کے ترجمۂ قرآن، ان کی عظیم الشان تصنیفات 'حجۃ اللہ البالغۃ'، 'عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید' اور 'البلاغ المبین فی اتباع خاتم النبیین' وغیرہ کی حیثیت اس باب میں شاہکار کی ہے۔ اسی طرح علامہ شیخ فاخر زائر الہ آبادی (۱۱۲۰۔۱۱۶۴ھ) کی تصنیفات 'نور العین' وغیرہ اور ان کی عظیم علمی وعملی جدوجہد اور احیاء سنت کے سلسلہ میں ان کی ناصحانہ مساعی اعلیٰ ترین تجدیدی کارنامے ہیں اور تصوف اور سید احمد رائے بریلوی رحمہ اللہ کی شان میں بے جا عقیدت اور 'عبقات' کے غلط خیالات کے باوجود شاہ محمد اسماعیل دہلوی رحمہ اللہ کی 'تقویۃ الایمان'، 'تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین' اور 'اصول فقہ' وغیرہ متحدہ ہندوستان میں اسلام کی تجدید اور مسلمانوں کی اصلاح اور اہل حدیث کی تاسیس کی بنیادی اینٹیں ہیں۔

لیکن شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید اور ان کے مکہ ہجرت کر جانے کے بعد درسگاہ ولی اللہی کے حقیقی جانشین شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ (۱۲۲۰۔۱۳۲۰ھ) نے نہایت واضح اور واشگاف انداز میں عقیدہ ومنہج سلف کا

علمی، فکری، عملی اور تجدیدی احیاء کیا اور یہ حقیقت ہے جیسا کہ مولانا عبدالحلیم شرر اور دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ وہ چودھوی صدی ہجری کے مجدد ہیں۔ اس جامع المجددین شخصیت نے صرف تفسیر وحدیث ہی میں نہیں، صرف فقہ واصول ہی میں نہیں، صرف زبان وادب ہی میں نہیں بلکہ ہر میدان میں اپنے اصلاحی اور تجدیدی کارناموں سے اسلام کا احیاء کیا، اس سرزمین میں 'معیار الحق' جیسی جامع، امامانہ، مجددانہ، مصلحانہ اور فقیہانہ کتاب لکھ کر شائع کرائی جس کے اثرات سے اور ان کی ساٹھ سالہ معلمانہ خدمات سے صرف متحدہ ہندوستان اور نیپال ہی نہیں بلکہ سمرقند وبخارا، نجد وحجاز اور مراکش وجزائر سب اثر پذیر ہوئے۔ اس مختصر سے دور میں ان کے ہاتھ پر ۲۲ لاکھ سے زیادہ لوگ تقلید اور بدعت کی راہ چھوڑ کر کتاب اللہ اور سنت رسول کے پابند ہو کر اہل حدیث ہو گئے۔

ان کی عظیم الشان درسگاہ ولی اللہی یعنی مدرسہ میاں صاحب پھاٹک حبش خاں اپنے دور کی سب سے عظیم یونیورسٹی تھی۔ اس سے حجاز ونجد، تونس ومراکش، مصر وسوڈان، چین وتبت سے لے کر ایران وافغانستان، یاغستان وبخارا، سمرقند وغزنی، قندھار وکاشغر وہرات اور ہندوستان کے سارے صوبوں کے ایسے علماء، مفسرین، محدثین اور فقہاء نے تعلیم حاصل کی جن میں سے ہر ایک بجائے خود امام، مجدد، مفسر، محدث، فقیہ، اصولی اور ادیب بن گیا۔ ان کے تلامذہ میں علامہ ابومحمد ابراہیم آروی، امام محمد حسین بٹالوی، علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی، علامہ شمس الحق عظیم آبادی، علامہ عین الحق پھلواروی، علامہ رفیع الدین شکرانوی، علامہ احمد رحیم چھپراوی، استاذ الاساتذہ امام عبداللہ غازی پوری، امام عبداللہ غزنوی، امام عبدالمنان محدث وزیر آبادی، امام عبدالرحمن محدث مبارکپوری، مولانا عبدالسلام محدث مبارکپوری، امام العلماء علامہ محمد بشیر سہسوانی، علامہ امیر احسن سہسوانی، امام الادباء قاضی طلا محمد پشاوری، مولانا محمد ہاشم سامرودی، مولانا عبدالباری بنگالی، مولانا عین الدین بنگالی، قاضی فضل حسین مظفر پوری، مولانا عبیداللہ 'صاحب تحفۃ الہند' شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد غزنوی، مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا عبدالغفور غزنوی، مولانا سید شریف حسین (میاں صاحب کے فرزند ارجمند)، مولانا حافظ عبدالوہاب ضریر، مولانا سید عبدالسلام اور مولانا سید ابوالحسن (نبیرگان میاں صاحب) مولانا حفیظ اللہ خاں واعظ دہلوی، شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد، مولانا عبدالحق صاحب تفسیر حقانی، حجۃ الاسلام مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا غلام حسن سیالکوٹی، مولانا ابوالحسن سیالکوٹی، مولانا محمد حسین (نبیرۂ مولانا بارک اللہ لکھوی)، امام العلماء مولانا ابویحیٰی محمد شاہجہاں پوری، مولانا عبداللہ غلام رسول اور علامہ عبدالحکیم نصیر آبادی رحمہم اللہ وغیرہم جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں۔ ان کی وفات حسرت آیات کے بعد ان کے دونوں پوتوں سید عبدالسلام اور سید ابوالحسن اور ان کے عظیم شاگرد ڈپٹی سید احمد حسین دہلوی کے دور تک ان کی یہ درسگاہ اپنی پوری ذمہ داریاں نبھاتی رہی اور اس کے بعد یہ تقریباً ختم ہو گئی اور ان کی لائبریری مخطوطات سمیت جامعہ ہمدرد جیسے غیر اسلامی اور سیکولر ادارہ میں منتقل ہو گئی۔

اس جامع المجددین امام کی زندگی ہی میں ان کے عظیم شاگردوں نے ملک کے مختلف علاقوں میں بڑے بڑے دارالعلوم قائم کئے۔ ان میں اپنے دور کی عظیم یونیورسٹی مدرسہ احمدیہ آرہ مصلح کبیر علامہ ابومحمد ابراہیم آروی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۱۹ھ) نے ۱۲۹۸ھ میں آرہ میں قائم کی۔ اسے ایک مدت تک خود انہوں نے اور ان کے مکہ منتقل ہونے کے بعد مجاہد عظیم، امام عالی مقام، مجتہد عصر، مصلح

ملت علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۹۱۸ء) نے اور استاذ الاساتذہ، امام عصر علامہ عبداللہ غازی پوری رحمہ اللہ وغیرہم نے چلایا۔ دوسری جانب پنجاب میں امام وقت مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی رحمہ اللہ نے اور ان کے بعد ان کے شاگرد رشید مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ نے گوجرانوالہ میں جامعہ محمدیہ اور امام العلماء مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے جامعہ اسلامیہ، مئو میں بڑے مولانا احمد مئوی رحمہ اللہ نے فیض عام اور مولانا فیض اللہ رحمہ اللہ نے مدرسہ عالیہ، مولانا محمد سعید محدث بنارسی رحمہ اللہ اور حجۃ الاسلام مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ نے بنارس میں مدرسہ سعیدیہ اور مولانا محمد منیر خاں رحمہ اللہ نے بنارس ہی میں جامعہ رحمانیہ بنارس جیسے عظیم تدریسی ادارے قائم کئے۔ جنوبی ہند میں مولانا فقیر اللہ مدراسی رحمہ اللہ اور پنجاب میں امام عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کا فیض جاری ہوا۔ بہار میں امام عبدالعزیز رحیم آبادی کے والد چودھری احمد اللہ صاحب رحمہ اللہ نے مدرسہ رحیمیہ قائم کیا علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی کے زیر نگرانی ترہت بہار میں دارالعلوم احمدیہ سلفیہ قائم کیا گیا اور مشرقی یوپی میں دارالہدیٰ یوسف پور اور مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں کا قیام عمل میں آیا۔ بھوپال میں نواب صدیق حسن خاں قنوجی رحمہ اللہ نے دسیوں ادارے اور مولانا ابویحییٰ محمد شاہجہاں پوری رحمہ اللہ نے شاہجہاں پور میں دارالحدیث قائم کیا۔

یہ فیوض آگے بڑھ کر مدینہ اور مکہ میں دارالحدیث کے نام سے جاری ہوئے اور نجد میں میاں صاحب رحمہ اللہ کے تلامذہ سعودی عرب کے مفتی اکبر محمد بن ابراہیم آل شیخ اور امام عصر علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کے استاذ امام سعد بن عتیق، امام اسحاق بن عبدالرحمن آل شیخ اور قصیم میں امام محمد بن صالح العثیمین کے استاذ الاستاذ اور علامہ عبدالرحمن سعدی کے استاذ علامہ ابووادی علی بن وادی رحمہم اللہ وغیرہم نے یہ فیض عام کیا اور شیخ الکل کے شاگردوں کے شاگرد امام عبداللہ القرعاوی رحمہ اللہ نے سعودی عرب کے جنوبی علاقہ اور یمن میں دین کی تجدید کا کام کیا، اسی طرح میاں صاحب کے شاگردوں کے شاگرد امام عبدالعزیز بن راشد حریقی رحمہ اللہ اور امام عبداللہ بن یابس قویعی رحمہ اللہ نے مصر میں 'انصار السنۃ المحمدیۃ' کی تاسیس میں شریک ہوکر مصر وسوڈان وغیرہ میں یہ تجدیدی کارنامے انجام دیئے اور میاں صاحب ہی کے شاگرد علامہ محمد عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ کے شاگرد ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی رحمہ اللہ نے مصر، الجزائر، مغرب اقصیٰ، تونس اور جرمنی تک اس عظیم الشان اصلاحی اور تجدیدی کارنامے کو آگے بڑھایا۔

لیکن ان سب اداروں میں جامعہ نذیریہ اور جامعہ احمدیہ آرہ کے بعد جو ادارہ عظیم بین الاقوامی یونیورسٹی بن کر سامنے آیا وہ دارالحدیث رحمانیہ باڑہ ہندوراؤ دہلی، جو امام عبدالعزیز رحیم آبادی اور حجۃ الاسلام مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہما اللہ کی کوششوں سے دہلی کے دو بڑے اہل حدیث تاجروں میاں عبدالرحمن اور ان کے بھائی میاں عطاء الرحمن رحمہما اللہ کی دولت وثروت سے قائم ہوا۔ اس ادارہ سے بھی جامعہ نذیریہ کی طرح عرب وعجم سب مستفید ہوئے۔ جب نجد کے مشہور عالم شیخ عبدالعزیز بن راشد نجدی، شیخ عبداللہ بن یابس رحمہما اللہ اور ان کے ایک تیسرے ساتھی نے مجلہ 'المنار' اور تفسیر 'المنار' کے مصنف اور مشرق ومغرب کے تسلیم شدہ امام ومصلح سید محمد رشید رضا رحمہ اللہ سے قاہرہ میں جاکر علوم حدیث پڑھنے کے لئے رائے طلب کی اور اس مقصد کے تحت مصر میں قیام کرنا چاہا تو سید رشید رضا نے بغیر کسی تامل کے ہندوستان جانے کی رائے دی۔

دارالحدیث رحمانیہ سے آبروئے جماعت اہل حدیث، جامع المعقول والمنقول، امام عصر علامہ نذیر احمد رحمانی، محدث عصر علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، مولانا محمد بشیر رحمانی مبارکپوری، مولانا محمد اقبال رحمانی، مولانا محمد منتصر رحمانی، مولانا یوسف رحمانی، ڈاکٹر آفتاب احمد رحمانی، مولانا حاکم الدین رحمانی، مولانا داؤد رحمانی اور مولانا عبدالغفار حسن رحمانی وغیرہم رحمہم اللہ کی عظیم وجلیل شخصیات ابھریں جن میں سے ہر ایک اپنے دور کا امام اور مصلح بنا۔

تقسیم ملک کے حادثہ کے بعد دارالحدیث رحمانیہ ختم ہوگیا اور اس کا عظیم کتب خانہ مخطوطات سمیت جامعہ ملیہ اسلامیہ جیسے غیر اسلامی اور سیکولر ادارہ میں منتقل ہوگیا اور اس کی نہایت قیمتی عمارت شفیق میموریل اسکول جیسے غیر اسلامی ادارہ کو سونپ دی گئی، جب کہ آج بھی دارالحدیث رحمانیہ کے نام سے کشمیری گیٹ پر اوقاف موجود ہیں اور قانونی طور پر موقوف علیہ جائیداد وقف مانی جاتی ہے۔ تقسیم کے بعد جب اس کی عمارت کے سلسلہ میں مقدمہ دائر کیا گیا تو دارالحدیث رحمانیہ چلانے کی اجازت مل گئی، لیکن یہاں کے دعویداران اہل حدیثیت کی مجرمانہ غفلت کے نتیجہ میں وہ شفیق میموریل اسکول کو حاصل ہوگئی۔ امام میاں نذیر حسین محدث دہلوی کی بین الاقوامی یونیورسٹی اور جامعہ احمدیہ جیسے تجدیدی ادارہ اور دارالحدیث رحمانیہ کی تاریخ اور کارناموں پر مستقل طور پر جامع تصنیف کی ضرورت ہے۔ اللہ مجھ سیہ کار یا کسی اور بہتر شخص کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماخوذ از مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی ۲/ ۱۴۰)

❑❑❑

دارالحدیث رحمانیہ دہلی ایک نظر میں

تاسیس: امام المجاھدین صوفی عبداللہ وزیرآبادی (م ۱۹۷۵ء) کی تجویز اور مجاہد اسلام علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی م (۱۳۳۷ھ) کی ترغیب وایماء پر اور حجۃ الاسلام مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (م ۱۳۷۵ھ) کی کاوشوں وقربانیوں سے پرانی دہلی کے مشہور ومعروف تاجر شیخ عبدالرحمن (م ۱۹۲۱ء) اور ان کے برادر صغیر شیخ عطاء الرحمن (م ۱۹۳۹ء) نے ماہ شوال ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء کو باڑا ہندوراؤ دہلی میں اسے قائم کیا۔

تعلیم: اس مدرسہ میں ادنیٰ سے آٹھویں تک معقول ومنقول کی بڑی ٹھوس تعلیم ہوتی تھی، ہندوستان کے علاوہ بیرون ہند نجد وحجاز وغیرہ سے طلباء یہاں پڑھنے کے لئے آتے تھے، معیار تعلیم اتنا بلند تھا کہ آج بھی اس کا نام سن کر اس کی علمی شان وشوکت کا احساس ہوتا ہے، یہاں سے فارغ ہونے والے علماء کو رحمانی کہا جاتا تھا آزادی کے بعد تحریک اہل حدیث اور جماعت اہل حدیث کے قیام واستحکام میں رحمانی علماء کا بڑا اہم رول رہا ہے۔

اختتام: ستائیس سالوں تک پورے آن بان شان سے چلنے والا یہ بین الاقوامی ادارہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے حادثہ کے بعد بند ہوگیا۔ اور مدرسہ کی عمارت ولائبریری جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے حوالے کردی گئی۔ آج وہاں شفیق میموریل اسکول چل رہا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ وتعارف دارالحدیث رحمانیہ دہلی از مولانا اسعد اعظمی۔ ناشر: مکتبۃ الفہیم مئو)

ہندوستان کی معروف وممتاز تعلیمی وتربیتی، دعوتی واصلاحی، تحقیقی وتصنیفی اور رفاہی اسلامی سوسائٹی

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی

اپنے قیام وخدمات کے آئینے میں

محمد رحمانی سنابلی مدنی

صدر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی

ملک کی راجدھانی دہلی کو جو مرکزیت حاصل رہی ہے وہ نہ صرف شہنشائیت، بادشاہت یا ریاست کے پیش نظر رہی ہے بلکہ تہذیب وتمدن، ثقافتی روایات اور مذہبی رہنمائی کے لحاظ سے بھی یہ اپنا ایک الگ مقام وشناخت رکھتی ہے۔ تقسیم ہند کے سانحہ سے قبل یہاں ملت کے متعدد اہم مدارس قائم تھے۔ ان میں ''دارالحدیث رحمانیہ'' برصغیر میں سلفی تحریک کا ایک عظیم تعلیمی وتربیتی مرکز تھا جس کی خدمات اور تاریخ ساز علمی سرگرمیاں ماضی کا روشن باب ہیں، لیکن تقسیم ہند اور اس کی پاداش میں رونما ہونے والی افراتفری اور تباہ کاری نے قوم وملت کے شیرازہ کو پوری طرح منتشر کر دیا اور مسلمان جغرافیائی اعتبار سے تین حصوں میں بٹ گئے۔ فرقہ وارانہ فسادات، قتل وغارت گری، لوٹ کھسوٹ، عصمت دری، بے عزتی وبے حرمتی، ظلم وجبر اور استبداد واستحصال کے کبھی نہ بھلائے جانے والے بدترین واقعات رونما ہوئے۔ جس کا سیدھا اثر مسلمانوں کے دینی مدرسوں، اسکولوں اور دینی تنظیموں پر بھی پڑا۔ وقت کی ممتاز سلفی درسگاہ ''دارالحدیث رحمانیہ'' دہلی بھی اس المناک حادثہ کا شکار ہو کر اجڑ گئی۔ جو مسلمان اس ملک میں رہ گئے وہ ذہنی، جسمانی، معاشی، تعلیمی، سماجی اور معاشرتی سطح پر مفلوج ہو کر رہ گئے۔ جو مدارس کھلے تھے وہ فعال نہ رہے، تعلیمی، دعوتی اور تربیتی میدان میں جمود ہی رہا، اس طرح برسوں دہلی میں کتاب وسنت کے علم برداروں پر مردنی چھائی رہی۔

انہیں احساسات کی بنیاد پر وقت کے شدید تقاضہ کے عین مطابق اس خلاء کو پر کرنے اور اس پوری تحریک میں دوبارہ روح بیداری ڈالنے خصوصاً دارالحدیث رحمانیہ کی مثالی تدریسی وتربیتی اور علمی خدمات کی نشاۃ ثانیہ کی غرض سے وقت کی ایک مایہ ناز اور حرکی شخصیت جناب مولانا عبدالحمید رحمانی (م ۲۰ اگست ۲۰۱۳ء) رحمہ اللہ کی قیادت وسرپرستی میں ملک کے مختلف صوبوں کے ملت کے تعلیمی، فلاحی، اور سماجی مسائل پر بصیرت وشعور رکھنے والے چند دانشوران ومفکرین، اعیان وعمائدین اور اہم شخصیات پر مشتمل ایک کارواں آگے بڑھا، جس کے نتیجہ میں جولائی ۱۹۸۰ء میں اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کے نام سے ایک تعلیمی وتربیتی، دعوتی واصلاحی، تحقیقی، وتصنیفی اور رفاہی اسلامی ادارہ کا قیام عمل میں آیا جو ۱۹۸۳ء میں ملک کی ایک عظیم علمی اور نامور شخصیت کی طرف منسوب کرتے ہوئے ''ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر'' کے نام سے رجسٹرڈ ہوا۔ اور اس کے بانی ومؤسس جناب مولانا

عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ نے اس کے قیام کے اول روز ہی سے اپنی علمی لیاقت، انتظامی صلاحیت، مشاہدات وتجربات، فہم وفراست اوراپنے مضبوط روابط وتعلقات کو بروئے کار لاتے ہوئے پوری فنائیت کے ساتھ شب وروز کی محنت شاقہ اور تگ ودو سے بہت ہی کم مدت میں اس سنٹر کو بام عروج پر پہنچادیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ ایک مکمل تعلیمی، تبلیغی، تحقیقی اور رفاہی ادارہ کی شکل اختیار کر کے اس ملک میں دین خالص کی نشر واشاعت کا ایک اہم مرکز بن گیا۔ اوراس تناور شجر سایہ دار کے فیوض دہلی ہی تک محدود نہ رہے بلکہ اس کی مضبوط شاخیں ملک کے طول وعرض میں پھیل کر تشنگان علوم نبویہ کے لئے راحت کا سامان بن گئیں۔ اور چار دہائیوں سے یہ سنٹر ملک کے مختلف شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں مسلم بچوں اور بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لئے علاحدہ علاحدہ دینی اور عصری علوم پر مشتمل اسلامی مکاتب ومدارس اور معاہد اور اسلامی تہذیب وثقافت اور اخلاق وآداب کا لحاظ کرتے ہوئے عصری علوم کیساتھ دینیات کے ایک جامع نصاب سے مربوط انگلش میڈیم اسکولز نیز دیگر دعوتی، تحقیقی، تصنیفی، رفاہی اور فلاحی اداروں اور شعبہ جات کے قیام کے ذریعہ خدمات اسلام کے فرائض کی انجام دہی میں سرگرم عمل ہے۔

والد گرامی رحمہ اللہ کی وفات کے چند دنوں بعد ہی اس عظیم ادارہ کی صدارت وقیادت کا بار گراں میرے ناتواں کندھوں پر ڈال دیا گیا ہے جس کی تعمیر وترقی کے لئے سنٹر کے دیگر ذمہ داران وکارکنان کیساتھ شبانہ روز انتھک کوششیں جاری ہیں۔ اور بحمد اللہ موجودہ نازک حالات اور مالی بحران میں بھی بتوفیق الٰہی سنٹر کے تمام ادارے اور شعبے اپنے اپنے میدانوں میں بحسن وخوبی اسلام اوراس کی سچی تعلیمات کی ترویج واشاعت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ واللہ ہوالموفق۔

سنٹر کے بنیادی مقاصد

☆ نرسری اور پرائمری کے مرحلہ سے لے کر یونیورسٹی کے معیار تک اسلامی عربی اور عصری علوم وفنون پر مشتمل معیاری تعلیم کا انتظام کرنا۔

☆ اسلامی اداروں کے لئے ایک جامع ومربوط نصاب تعلیم مرتب کرنا اور ماہرین تعلیم کی ایک منتخب کمیٹی کے ذریعہ اس نصاب پر مسلسل غور وفکر اور حسب ضرورت تغیر تبدل کا عمل جاری رکھنا۔

☆ مسلمانوں میں عربی تعلیم کو فروغ دینا تاکہ وہ قرآن وحدیث سے براہ راست استفادہ کرسکیں۔

☆ معاشرہ میں پھیلی ہوئی جہالت، توہم پرستی اور سماجی برائیوں کو ختم کر کے قرآن وحدیث کی روشنی میں معاشرہ کی اصلاح کرنا۔

☆ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے تکنیکی اور سائنسی تعلیم کا بندوبست کر کے ان کے معیار زندگی اور سماجی مرتبہ کو بلند کرنا۔

☆ دین خالص کی تعلیم وتبلیغ اور اشاعت کے پروگراموں کے تحت ملک کی اہم زبانوں میں کتاب وسنت کی صحیح تعلیمات پر مبنی لٹریچر تیار کرنا۔

☆ مسلمانوں میں پھیلی ہوئی اعتقادی، اخلاقی اور سماجی برائیوں اور مختلف قسم کی بدعات وخرافات کے ازالہ کے لئے مبلغین اور دعاۃ کے ذریعہ ہر ممکن کوشش کرنا۔

☆ جسمانی طور پر معذور افراد کی پیشہ ورانہ تربیت کا بندوبست کرنا تا کہ وہ باعزت طور پر حلال روزی کمانے کے قابل ہوسکیں۔

☆ بچوں اور بچیوں کو عربی کے صحیح مخارج اور قراۃ وتجوید کے اصول کی پوری رعایت کرتے ہوئے قرآن پاک کی تعلیم دینا اور اس کے حفظ کا بندوبست کرنا۔

☆ بچیوں کو اسلامی، عربی اور عصری علوم سے آراستہ کرنا، اور بچپن ہی سے ان کو پردہ، شرم وحیا اور عفت و پاک دامنی کے تحفظ کا عادی بنانا اور سوسائٹی میں انہیں اسلامی روح کی نشر واشاعت اور توحید وسنت کی دعوت کے لئے تیار کرنا اور اسلام کے عطا کردہ حقوق کے حصول اور قرآن وحدیث کی تعلیمات کی روشنی میں معاشرہ کی اصلاح کے لئے ان کی نشوونما کرنا۔

سنٹر کا نصاب تعلیم

سنٹر کے قیام کا مقصد موجودہ نازک حالات جن میں اسلامیان عالم اور خاص طور پر ہندوستانی مسلمان گرفتار ہیں ان سے نبرد آزما ہونے کے لئے ایک ایسی ٹیم تیار کرنا ہے جو ایمان ویقین کی پختگی اور دینی وعصری علوم کے گہرے شعور کے ساتھ بھٹکتی انسانیت کو دین حق کی دعوت دے چنانچہ اس عظیم مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے سنٹر نے ایک ایسا جامع اور مربوط نصاب تعلیم تیار کیا ہے جو قدیم وجدید علوم وفنون کا جامع اور دونوں کے حسین امتزاج پر مشتمل ہے۔ مرکز کے تیار کردہ نصاب تعلیم میں بنیادی اہمیت کتاب وسنت، تفسیر وحدیث اور توحید وفقہ کو دی گئی ہے تا کہ طلبہ کے لئے صحیح ذہنی بنیاد فراہم ہوسکے اور نئی نسل کے قلب ودماغ میں صحیح اسلامی عقائد وافکار کو پختہ کیا جاسکے۔

نصاب میں دوسری حیثیت عربی زبان وادب اور اس کے متعلقات کو دی گئی ہے کیونکہ ان کے بغیر کتاب وسنت کا سمجھنا ناممکن ہے۔

نصاب میں تیسری حیثیت جدید علوم کو دی گئی ہے تا کہ یہاں کے فارغین عصری چیلنجوں کا مقابلہ کرسکیں اور عصری تقاضوں سے باخبر ہونے کے ساتھ وہ دین متین کا پیغام پیش کرنے کا فریضہ اچھی طرح انجام دے سکیں اور دنیا کی دوسری قوموں کو اسلام سے متعارف کرانے کے ساتھ ساتھ اپنی معاشی اور اقتصادی زندگی کو خوشحال اور مستحکم بناسکیں۔

سنٹر کے موجودہ ادارے اور شعبہ جات

سنٹر کی زیر نگرانی بچوں اور بچیوں کے لئے الگ الگ دو طرح کے اہم ادارے قائم ہیں:

(۱) **تعلیمی وتربیتی ادارے:** سنٹر نے نسل نو کی تعلیم وتربیت کے لئے دو طرح کے ادارے قائم کئے ہیں:

(۱) شرعی اور عربی ادارے جن میں عصری علوم کی حیثیت ثانوی ہے:

(الف) دہلی میں بچوں کے لئے: (۱) جامعہ اسلامیہ سنابل (مراحل متوسطہ، ثانویہ، عالیہ) مقابل کالندی کنج (۲) معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم، جوگابائی (۳) جامع مسجد ومدرسہ عبدالرحمن بن عوف، مہاویر انکلیو، دوارکا، نئی دہلی۔

(ب) دہلی میں بچیوں کے لئے: عائشہ صدیقہ شریعت کالج، جوگابائی۔

(الف) بیرون دہلی بچوں کے لئے: (معہد علی بن ابی طالب، گولہ گنج چوراہا، لکھنؤ یوپی (۲) معہد علی بن ابی طالب لتحفیظ وتجوید

القرآن الکریم، گولہ گنج چوراہا، لکھنؤ یوپی۔(۳) معہد عمر بن الخطاب، قلعہ روڈ علی گڑھ، یوپی (۴) مدرسہ سلفیہ، تندوا، سدھارتھ نگر، یوپی (۵) مدرسہ مصباح العلوم، تلسڑی، سدھارتھ نگر، یوپی (۶) معہد التعلیم الاسلامی، باؤرا، کٹیہار، بہار۔

(ب) بیرون دہلی بچیوں کے لئے: (۱) معہد الصالحات، اونرہوا، بلرامپور، یوپی (۲) معہد خدیجۃ الکبریٰ للبنات، گینسڑی بازار، بلرام، یوپی۔

(۲) عصری ادارے جن میں شرعی اور عربی علوم کی حیثیت ثانوی ہے:

(الف) دہلی میں: (۱) خدیجۃ الکبریٰ گرلز پبلک اسکول جوگابائی (دسویں کلاس تک دہلی حکومت سے منظور شدہ)

(۲) خدیجۃ الکبری پری پرائمری اسکول، جوگابائی۔

(ب) بیرون دہلی: ابوالکلام آزاد جونیئر اسکول، گورابازار، بستی، یوپی۔

(۲) تصنیفی و تحقیقی، دعوتی و اصلاحی، فلاحی اور رفاہی ادارے:

(۱) مولانا عبدالحمید رحمانی اسلامک سائنٹفک ریسرچ اکیڈمی، جوگابائی (۲) مجلس الفقہ الاسلامی، جوگابائی (۳) ادارۂ تعمیر مساجد، جوگابائی (۴) شعبۂ دعوت و تبلیغ جوگابائی (۵) مولانا عبدالحمید رحمانی ایوارڈ برائے خدمات علوم اسلامیہ، جوگابائی، (۶) جمعیۃ خیریہ اسلامیہ، جوگابائی (۷) ابوالکلام آزاد ریلیف کمیٹی، جوگابائی (۸) علامہ ابن باز جنرل لائبریری، سنابل۔

تعداد طلبہ و طالبات و اسٹاف ممبران:

☆ تعداد طلبہ و طالبات: ۵۱۸۲

☆ مختلف ہاسٹلوں میں مقیم طلبہ و طالبات: ۱۴۵۸

☆ تعداد اساتذہ، معلمات، دعاۃ و دیگر اسٹاف ممبران: ۲۷۲

☆ سنٹر کے مختلف تعلیمی اداروں کے فارغین اور فارغات کی تعداد: ۳۳۵۵

سالانہ تعلیمی بجٹ: (برائے تعلیمی سال (۱۸-۲۰۱۷) گیارہ کروڑ سترہ لاکھ ستائیس ہزار (۱۱،۱۷،۲۷،۰۰۰) روپے۔

ذرائع آمدنی: اہل خیر احباب کا تعاون۔

خصوصیات و امتیازات:

سنٹر کے مذکورہ بالا دونوں طرح کے تعلیمی و تربیتی مدارس، معاہد، مکاتب اور جامعہ میں عصر حاضر سے ہم آہنگ دینی اور عصری علوم و فنون کے امتزاج پر مشتمل نصاب کے ذریعہ نئی نسل کی معیاری تعلیم اور اس کی صحیح اسلامی تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔

اللہ کا شکر و احسان ہے کہ سنٹر کے اعلیٰ تعلیمی ادارہ ''جامعہ اسلامیہ سنابل'' نئی دہلی کی سندوں کو ملک و بیرون ملک کی یونیورسٹیوں (اسلامک یونیورسٹی مدینہ طیبہ، ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ، امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض، شاہ سعود یونیورسٹی ریاض، جامعۃ

القصیم، قصیم وزارت تعلیم سعودی عرب وغیرہ) اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، یوپی، پٹنہ یونیورسٹی پٹنہ، بہار، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد اے، پی اور خواجہ معین الدین چشتی اردو، عربی، فارسی یونیورسٹی، لکھنؤ یوپی۔ وغیرہ نے تسلیم کرلیا ہے اور یہاں کے بہت سے فارغین ان یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے حصول میں اپنی عمدہ علمی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جانب ترقی رواں دواں ہیں۔

بحمد اللہ ان اداروں میں پڑوسی ملک نیپال کے علاوہ ملک کے سترہ صوبوں کے متعدد مقامات کے طلبہ اور طالبات زیر تعلیم ہیں جن کی عمدہ تعلیم اور ان کے اخلاق وکردار سازی کے لئے ایسے مستند وذی علم، ممتاز وتجربہ کار اور ذمہ دار اساتذہ، استانیاں اور عملہ کی خدمات حاصل ہیں جنہیں ان کے روشن اور قابل قدر مستقبل کی فکر ہمہ وقت دامن گیر رہتی ہے اور وہ مختلف طریقوں سے ان کے اندر طرح طرح کی مضبوط علمی توانائیاں پیدا کرنے، ان کی خفیہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے اور اسلامی خطوط پر مبنی ان کی تربیت واصلاح میں کوشاں رہتے ہیں۔

سنٹر کے تمام اقامتی اداروں میں قیام وطعام کا معقول انتظام ہے، اہم اور بڑی نصابی کتابیں بھی مفت فراہم کی جاتی ہیں، طلبہ واساتذہ اور طالبات واستانیوں کے درمیان بہتر روابط قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ تدریس اور دیگر علمی رہنمائی کے لئے تعلیمی اوقات کے علاوہ کسی بھی وقت انہیں اپنے اساتذہ اور مربیوں کی غیر موجودگی یا دوری کا احساس نہ ہو اور وہ حسب ضرورت جب چاہیں ان سے کسب فیض کرتے رہیں۔

تعلیمی اداروں میں تدریس کے ساتھ ہی طلبہ اور طالبات کی علمی نشوونما اور ان کے ذہن وفکر کی بالیدگی کے لئے شعبۂ صحافت، شعبۂ خطابت، شعبۂ دارالکتب، شعبۂ صحف وجرائد، شعبۂ عقد مسابقات، شعبۂ توعیۃ اسلامیہ اور شعبۂ ثقافت وغیرہ پر مشتمل نادی الطلبہ اور نادی الطالبات جیسے ناموں سے ان کی مختلف انجمنیں قائم ہیں۔ جن کے تحت ہر جمعرات کو پوری پابندی کے ساتھ باصلاحیت اور ماہر اساتذہ کی زیر نگرانی اردو، ہندی، عربی اور انگریزی زبانوں میں زبان وقلم کی مشق کے ذریعہ ان کے اندر تحریری وتقریری ملکہ پیدا کیا جاتا ہے، تاکہ وہ پوری قوت واستعداد اور جرأت وبیباکی کے ساتھ اسلام کی دعوت واشاعت کے فرائض سرانجام دینے کے ساتھ ہی ان کے خلاف اٹھنے والے ہر طرح کے فتنوں اور باطل چیلنجوں کا مقابلہ کرسکیں۔ صحافت کے شعبہ سے طلبہ وطالبات اپنے مقالات ومضامین اور دیگر نگارشات پر مشتمل ایک قلمی ماہنامہ ''مجلہ حائطیہ'' مذکورہ بالا چاروں زبانوں میں نکالتے ہیں اور سال کے اختتام پر ایک سالانہ میگزین مجلہ ''سنابل'' کے نام سے شائع کرتے ہیں۔

ان کے علمی مواد ومراجع کی فراہمی اور مختلف افکار ونظریات سے آگاہی کے لئے تعلیمی اداروں کی لائبریریوں سے ہٹ کر نادی الطلبہ ونادی الطالبات وغیرہ کی الگ الگ لائبریریاں ہیں۔ جن میں مختلف موضوعات پر ہزاروں کتابوں کا ذخیرہ ہے اور حالات حاضرہ وعالمی مطالع سے واقفیت وجانکاری کے لئے ملک اور اس سے باہر دوسرے ممالک سے کئی زبانوں میں یومیہ اخبارات، جرائد اور مجلات وافر مقدار میں منگائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ان کی صلاحیت کو جلا بخشنے اور ان میں مثبت انداز میں جذبۂ تنافس بیدار کرکے

ایک دوسرے پر علمی سبقت لے جانے کے لئے مختلف عناوین پر ان کے مابین مقابلے منعقد کئے جاتے ہیں۔ان کی خفیہ صلاحیت، قوت استحضار، طلاقت لسانی اور علمی استعداد کو فروغ دینے کے لئے دینی، ادبی، تاریخی اور جنرل نالج کے سوالات وجوابات کی ثقافتی مجلسوں کے انعقاد کے علاوہ کسی بھی موضوع پر اردو اور عربی زبان میں برجستہ خطاب اور مقالہ نویسی کے مسابقات کے ساتھ ہی کوئز کمپٹیشن کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے اور ان تمام مقابلوں میں پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ وطالبات کی حوصلہ افزائی کے لئے تمام اداروں میں الگ الگ سالانہ انعامی تحریری وتقریری اور حفظ وقرأت قرآن کریم کے مقابلے بڑے اہتمام کے ساتھ منعقد کئے جاتے ہیں۔جن میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہونے والے طلبہ اور طالبات کو خصوصی اور دیگر شرکاء کو تشجیعی انعامات دیے جاتے ہیں۔

ان کی علمی لیاقت کو مزید پروان چڑھانے کے لئے بین الاقوامی شہر دہلی اور ملک کے دیگر اہم تعلیمی وتربیتی اداروں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے باصلاحیت، ماہر فن اور کہنہ مشق علماء کرام، پروفیسران، اسکالرس اور دانشوران کو مدعو کر کے اسلامی، تعلیمی، تربیتی، ادبی، ثقافتی، صحافتی اور دوسرے اہم علمی واصلاحی موضوعات پر محاضرات وخطبات اور لیکچرس کے پروگرام منعقد کئے جاتے ہیں۔جن سے ان کی معلومات میں گرانقدر اضافہ ہوتا ہے اور فکر ونظر اور اخذ واستنباط میں وسعت پیدا ہوتی ہے بلکہ ان میں کچھ کر گزرنے کا حوصلہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ان کے متنوع علمی استفادہ کے لئے ہر تعلیمی ادارہ کی الگ الگ لائبریریاں ہیں جن میں مختلف علوم وفنون کی ہزاروں کتابیں مہیا ہیں، مزید برآں جامعہ اسلامیہ سنابل کے کیمپس میں سنٹر کی ''علامہ ابن باز جنرل لائبریری'' بھی ہے۔جس میں مختلف زبان وادب اور علوم وفنون میں دو لاکھ سے زائد کتابیں موجود ہیں اور طلبہ اپنے اساتذہ اور مربیان کی سرپرستی میں اس عظیم الشان لائبریری سے بھی اپنی علمی تشنگی بجھاتے ہیں۔

ان تعلیم گاہوں میں اسلامیات اور حکومت دہلی کے این۔سی۔ای۔آر۔ٹی (N.C.E.R.T.) نصاب کے مطابق عصری علوم پر مشتمل ایک جامع نصاب تعلیم کے ذریعہ جہاں طلبہ اور طالبات کے لئے معیاری تدریس وتعلیم کا نظم ہے، وہیں ان کی علمی ترقی، انہیں زیادہ کارآمد بنانے اور مستقبل کی زندگی میں ان کے معاشی ذرائع کے استحکام کے لئے کمپیوٹر ٹریننگ کورس بھی چل رہا ہے۔جس سے استفادہ کا مقصد طلبہ کے اندر فنِ تحقیق وریسرچ میں مہارت پیدا کرنے کے ساتھ ہی ان کے لئے آمدنی کے مزید مواقع فراہم کرنا ہے اسی طرح بچیوں کے تعلیمی اداروں میں کمپیوٹر کی تعلیم کیساتھ ہی انہیں ہوم سائنس سبجیکٹ کے تحت امور خانہ داری، سلائی، کڑھائی، اور کھانا پکوان وغیرہ کی خصوصی تربیت بھی دی جارہی ہے۔تاکہ یہاں سے فراغت کے بعد تعلیم وتدریس، دعوت وتبلیغ، صحافت وخطابت، رفاہی اور فلاحی کاموں کی انجام دہی کے دوران اقتصادی کمزوریاں درمیان میں حائل نہ ہوسکیں اور حسب ضرورت اس پاکیزہ ہنر کو بروئے کار لاتے ہوئے ان پر قابو پایا جاسکے۔

طلبہ وطالبات کے کلاس رومس، ان کے اور اساتذہ ومعلمات اور دیگر اسٹاف ممبران کی رہائش کے لئے روشنی اور ہوادار کشادہ کمروں اور فلیٹوں پر مشتمل ہاسٹل کی الگ الگ خوبصورت اور عالیشان بلڈنگیں تعمیر کی گئی ہیں اور ان کے کمروں میں بجلی، بیڈ اور سامان رکھنے کے لئے

ریکس اور الماریاں دستیاب ہیں۔ ناشتہ اور دونوں وقت کے کھانے، ہفتہ واری مینو کے ذریعہ اہتمام ونفاست کے ساتھ ڈائننگ ہال میں پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ ہر دن ایک ہی طرح کے پکوان سے ان کے اندر اکتاہٹ وبیزاری پیدا نہ ہو جو حصولِ مقصد کی راہ میں تضییع وقت کا سبب بنے۔ واضح رہے کہ کھانے، پینے کے تعلق سے تمام ہاسٹلوں میں اقامت پذیر طلبہ وطالبات میں استغناء واطمینان پیدا کرنے، ان سے حرص وطمع کی بیماری کو دور رکھنے اور ہر وقت انہیں اپنے مربیان کی تربیت ونگرانی میں رہنے کی خاطر اساتذہ وطلبہ اور معلمات وطالبات کیلئے عزت ووقار کے ساتھ ایک ہی طرح کے انواع واقسام پر مشتمل کھانے کا اجتماعی نظم ہے۔ برتن وغیرہ کی صفائی ملازمین کرتے ہیں، کھانے کی تقسیم کے لئے طلبہ اور طالبات کی باریاں مقرر رہتی ہیں، میز پر کھانے لگنے کے بعد وہ آکر پوری آزادی کے ساتھ حسب خواہش کھاتے اور چلے جاتے ہیں، پانی کی ہمہ وقت فراہمی کا بندوبست ہے، جس کے لئے بڑے بڑے ٹینک اور زیر زمین پانی کے ذخیرے موجود ہیں۔ صحت بخش پانی کے لئے متعدد بڑے بڑے واٹر ٹریٹ منٹ پلانٹ لگے ہوئے ہیں، جسمانی پرداخت وحفظان صحت اور ذہنی فرحت وانبساط کے لئے وسیع وعریض گراؤنڈ میں کھیل کود کا انتظام ہے۔ چوبیس گھنٹے بجلی سپلائی کے لئے جنرل الیکٹرک کنکشن کے علاوہ بعض اداروں میں ان کا مستقل الیکٹرک سب اسٹیشن ہے، ان پر مستزاد کسی بھی تکنیکی خرابی سے بجلی کا نظام فیل ہو جانے پر ہنگامی حالات کے لئے متعدد بڑے بڑے جنریٹر بھی نصب کئے گئے ہیں۔ طلبہ واساتذہ اور اسٹاف ممبران کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لئے بچوں اور بچیوں کے کیمپس میں الگ الگ کینٹین کی آسانی بھی فراہم ہے تاکہ انہیں اپنے گھروں سے دوری کا احساس نہ ہو اور وہ پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ طلب علم کے اپنے عظیم مشن میں دن ورات مشغول رہ سکیں۔

ایک نظر ادھر بھی:

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کا میدان عمل صرف تعلیم وتربیت اور ان سے متعلق نظم ونسق کو بہتر بنانے تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ کار کافی وسیع ہے، اس نے ہر ممکن ذرائع وحکمت عملی سے اسلام کی سچی تعلیمات کی ترویج واشاعت اور فلاحی وسماجی خدمات کی احسن طور سے بجا آوری کے لئے بھی مستقل ''دعوتی وتبلیغی''، تصنیفی وتحقیقی، رفاہی اور اصلاحی'' ادارے اور شعبہ جات قائم کئے ہیں۔

دعوت وارشاد کے میدان میں دروس قرآن وحدیث، ہفتہ واری، پندرہ روزہ اور ماہنامہ دینی پروگرام نیز ملک کے دوسرے اجلاس واجتماعات میں شرکت کے ذریعہ اس کے دعاۃ ومبلغین اور تعلیمی اداروں کے اساتذہ سرگرم عمل ہیں۔ ادارۂ تصنیف وتحقیق سے اب تک مختلف زبانوں (اردو، ہندی، عربی، انگریزی، فارسی) میں دیدہ زیب طباعت سے آراستہ ہو کر قرآن کریم معربی اور تفسیر قرآن مجید سمیت بہت ساری معیاری کتابیں طبع ہو چکی ہیں جن کی اشاعت پر لوگوں نے خراج تحسین پیش کیا ہے اور انہیں قبولیت کا مقام حاصل ہوا ہے۔ ماضی قریب میں اس اہم شعبہ کا نام ادارہ کے بانی مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی رحمہ اللہ کے نام سے موسوم

کرنے کے بعد اس سے مولانا رحمہ اللہ کی اردو تحریروں کا مجموعہ بنام ''مجموعۂ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی'' (چار جلدوں میں) اور اس کے ساتھ ان کی حیات وخدمات پر دو مزید کتابچے شائع کیے جا چکے ہیں اور اللہ رب العالمین کے فضل وتوفیق سے مولانا رحمہ اللہ کی عربی تحریروں کا مجموعہ بھی تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل تیار ہو چکا ہے اور اس پر عالم اسلام کی معروف علمی شخصیت شیخ صالح بن حمید امام وخطیب مسجد حرام ومستشار دیوان ملکی سعودی عرب نے مقدمہ بھی تحریر کر کے حال ہی میں ارسال کیا ہے۔ اس پر دوسرے اہم مقدمہ کے لئے حرم نبوی کے بعض ائمہ سے کوششیں جاری ہیں۔ ان شاء اللہ یہ مجموعہ بھی بہت جلد چھپ کر منظر عام پر آجائے گا۔

ان کے علاوہ مولانا رحمہ اللہ کی حیات وخدمات اور برصغیر میں اسلامی دعوت کی تاریخ پر عالمی سیمینار منعقدہ ۲۸ رفروری ویکم مارچ ۲۰۱۴ء میں جو مقالات اور منظوم تاثرات مختلف زبانوں میں پیش کئے گئے تھے جن کی تعداد ایک سو سے زائد ہے ان پر بھی کام تیزی سے چل رہا ہے۔ مزید برآں مختلف اہم موضوعات پر کئی کتابیں زیر طبع ہیں۔ فقہ وافتاء کے شعبہ میں مسلمانوں کے مختلف نوعیت کے الجھے ہوئے مسائل کا حل خالص کتاب وسنت اور منہج صحابہ کی روشنی میں نہایت جامع اور مدلل انداز میں پیش کیا جاتا ہے اور انہیں درپیش مسائل میں ہر طرح کے ممکنہ خطرات اور تباہ کاریوں سے بچاتے ہوئے ان کی زندگی کو خوشگوار اور پرسکون بنانے کی خاطر بروقت صحیح اسلامی رہنمائی کی جاتی ہے۔ فلاحی اداروں کے تحت ملک کے طول وعرض میں بڑے پیمانے پر تعمیر مساجد اور ان کی توسیع واصلاح اور مرمت کا کام ہوا ہے نیز کئی مقامات پر سنت کے مطابق صلوات عیدین کی ادائیگی کے لے عیدگاہوں کا قیام ونظم بھی عمل میں آیا ہے۔ رفاہی شعبہ کے ماتحت غرباء ومساکین کی اعانت کے ساتھ ہی آفات سماویہ، طوفان وسیلاب، زلزلہ اور دیگر مصائب ومشکلات سے دوچار لوگوں کی خبر گیری، ان کی راحت رسانی اور بازآبادکاری کے لئے نمایاں طور پر ریلیف کا کام انجام پایا ہے۔ اور اسی شعبہ سے ملک میں پھیلے ہوئے بے شمار مدارس ومعاہد، جامعات اور دوسری ملی تنظیموں کے ساتھ تعاون کیا گیا ہے۔ نیز سنٹر کے تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم محتاج ونادار اور یتیم وبے سہارا بچوں اور بچیوں کی کفالت بھی کی جارہی ہے۔ اسلامی علوم کی نمایاں خدمات کی انجام دہی کے اعتراف اور دیگر طریقہائے کار سے اس کے ہمہ جہت فروغ کے لئے عالمی سطح پر مقتدر علمی شخصیات کی تحسین وتشجیع اور اس جانب دوسروں کی ترغیب کے پیش نظر سنٹر، نئی دہلی کے تحت ایک اہم شعبہ ''مولانا عبدالحمید رحمانی ایوارڈ برائے خدمات علوم اسلامیہ'' کا قیام بھی عمل میں آچکا ہے اور مستقبل قریب میں جس کی اچھی پیش رفت کی امید ہے۔ واللہ ھو الموفق۔

مذکورہ تعلیمی اداروں میں کھانے پینے، رہنے سہنے اور دوسری بنیادی ضروریات کی ساری الجھنوں سے بے نیاز ہو کر پوری توجہ وانہماک کے ساتھ حصول علم کی راہ میں مشغول رہنے کے لئے معیار تعلیم وتربیت اور حسن انتظام وانصرام سے متعلق فراہم کردہ ہمہ جہتی سہولیات اور سنٹر کی دیگر اصلاحی وفلاحی پیش رفت وخدمات پر مشتمل اس کے عظیم کارنامے کی یہ ایک ادنیٰ جھلک ہے، ورنہ ان کے علاوہ بھی اس کی اور بہت سی خوبیاں ہیں جو اسے دوسرے ہم عصر اداروں سے منفرد وممتاز کرتی ہیں، لیکن یہاں طوالت کے پیش نظر انہیں معلومات پر اکتفاء کیا جارہا ہے۔ وما توفیقنا الا باللہ العلی القدیر۔

تعلیمی وثقافتی سرگرمیاں:

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کے تعلیمی وتربیتی اداروں ''جامعہ اسلامیہ سنابل اور معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم جوگابائی'' کے فارغ التحصیل طلبہ کی ایک معتدبہ تعداد ہندو بیرون ہند کی مختلف اسلامی اور عصری یونیورسٹیوں سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرچکی ہے اور فی الحال ایک بڑی تعداد اعلیٰ تعلیم کے حصول میں مصروف ہے۔

علاوہ ازیں حسب سابق رواں تعلیمی سال میں بھی سعودی عرب کی معروف اسلامی یونیورسٹی ''جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ'' میں ۱۱، جامعہ ام القری مکہ مکرمہ میں ۴، اور جامعۃ القصیم میں ۲، سنابلی طلبہ کا نیا داخلہ ہوا ہے۔ جب کہ وہاں کی کئی دیگر یونیورسٹیوں میں مزید طلبہ کے داخلہ کے لئے کارروائی جاری ہے۔ نیز اس وقت ایک بڑی تعداد سعودی عرب، قطر، کویت، متحدہ عرب امارات وبحرین وغیرہ اور ہندوستان ونیپال کے مختلف مدارس وجامعات، مساجد اور دعوتی مراکز میں درس وتدریس، امامت وخطابت اور دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دے رہی ہے۔ بحمد اللہ یہاں کے فضلاء بہت ساری عصری یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیمی اور سرکاری عہدوں نیز ملک میں واقع بیرون ممالک کے متعدد سفارت خانوں (ایمبسیوں) میں بھی اہم مناصب پر فائز ہیں۔

جامعہ اسلامیہ سنابل کے طلبہ کی مزید علمی ترقی کے لئے اصل مقصد تعلیم اور نصاب تعلیم کو برقرار رکھتے ہوئے فاصلاتی نظام کے تحت حکومتی ادارہ (NIOS) سے دسویں (ہائی اسکول) اور بارہویں (انٹرمیڈیٹ) کے امتحانات دلانے کا نظم کیا گیا ہے اور سال گزشتہ ۲۰۱۷ میں جامعہ کے ۱۴۲ طلبہ دسویں کے امتحان میں شریک ہوئے اور رواں تعلیمی سال ۲۰۱۸ء کے لئے ۱۲۵ طلبہ نے دسویں کا فارم بھرا ہے جس کا امتحان اپریل ۲۰۱۸ میں ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

☆ دسمبر ۲۰۱۷ کے اخیر میں عالیتین (فضیلت اول ودوم) میں زیر تعلیم تمام طلبہ جو جامعہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ شام میں ڈپلومہ کمپیوٹر (NCPUL کے زیر اہتمام) کی کلاسیں کرتے ہیں، اس کے پہلے امتحان میں کل ہند شرکاء امتحان کی مجموعی تعداد ۳۵ ہزار تھی ان میں سے جامعہ میں زیر تعلیم ۴۲ طلبہ نے ایک سے ۴۲ نمبر 97% تا 90% حاصل کرتے ہوئے اپنی ممتاز پوزیشن کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔ فللہ الحمد والمنۃ۔

بحمد اللہ سنٹر کے تعلیمی وتربیتی اداروں کے طلبہ وطالبات مختلف اسلامی اداروں، جمعیتوں اور تنظیموں کی جانب سے مقامی، صوبائی، ملکی اور عالمی سطح پر منعقدہ مختلف نوعیت کے مسابقات میں شرکت کرکے ان میں امتیازی پوزیشنوں سے کامیاب ہوکر گرانقدر انعامات واعزازات حاصل کرتے رہے ہیں۔

☆ ۲۰۱۶ء میں قطر کے دارالحکومت دوحہ میں ایک اہم موضوع ''ہندوستان میں علم حدیث اور خدمات محدثین'' پر عربی زبان میں ایک مبسوط اور تفصیلی مقالہ نویسی کا مسابقہ منعقد ہوا تھا جس میں جامعہ اسلامیہ سنابل میں زیر تعلیم ایک طالب نے شرکت کی اور اسے تمام شرکاء میں تیسری پوزیشن حاصل ہوئی اور وہ ایک لاکھ روپئے نقد، ایک کلائی گھڑی اور سند سے سرفراز ہوا۔

☆سال ۲۰۱۶ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ، سعودی عرب کے زیر اہتمام **"الجمعية العقدية السعودية لعلوم العقيدة والفرق والمذاهب"** کے تحت عقیدہ کے موضوع پر عالمی سطح پر ایک تحریری مسابقہ منعقد ہوا جس میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں زیر تعلیم طلبہ نے شرکت کی اور اس میں ایک طالب علم نے تیسری پوزیشن اور دوسرے طالب نے چوتھی پوزیشن حاصل کی اور ان کو انعامات واسناد سے نوازا گیا۔

اسی تنظیم کی جانب سے ۲۰۱۷ء میں بھی مذکورہ موضوع پر تحریری مقابلہ ہوا جس میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے ایک طالب علم نے تمام شرکاء میں دوسری امتیازی پوزیشن حاصل کی اور اسے انعام وتوصیفی سند سے نوازا گیا۔

☆تعلیمی سال ۲۰۱۷ء میں قطر فاؤنڈیشن کے شعبۂ "مرکز مناظرات" کے زیر اہتمام دوحہ میں منعقد ہونے والے بین الاقوامی عربی مباحثہ چمپئن شپ مقابلہ میں شرکت کے لئے جامعہ اسلامیہ سنابل میں زیر تعلیم چار طلبہ کی منظوری آئی، جس میں پوری دنیا سے پچاس ملکوں کی ۵۳ ٹیموں نے شرکت کی۔ اس مقابلہ میں غیر عرب ممالک کے طلبہ بھی شریک تھے ان میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے ایک طالب علم نے اعلیٰ نمبرات سے دوسری پوزیشن حاصل کی اور اس کو افضل متحدث (Best Debater) کا ایوارڈ دیا گیا۔

☆ سال ۲۰۱۷ء میں سعودی عرب کی راجدھانی ریاض میں **"دورة سماحة الشيخ العلامه عبدالله بن عبدالرحمن الجبرين"** کے زیر اہتمام ایک علمی مقابلہ کا انعقاد عمل میں آیا جس میں دنیا کے ۸۰ ممالک کے طلبہ شریک ہوئے، اس عالمی مقابلہ میں بھی جامعہ اسلامیہ سنابل کے ایک طالب علم نے اس کی تینوں امتیازی پوزیشنوں میں سے دوسری پوزیشن حاصل کی اور اسے توصیفی سند ودیگر انعامات کا مستحق قرار دیا گیا۔

☆تعلیمی سال ۲۰۱۶ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کے زیر اہتمام کل ہند پیمانے پر منعقدہ دوروزہ حفظ وتجوید اور تفسیر قرآن کریم کے چھ زمروں پر مشتمل مقابلے ہوئے جن میں ہند ونیپال کے بہت سے مدارس ومعاہد اور جامعات کے طلبہ نے شرکت کی۔ ان میں زمرۂ دوم اور سوم کی اول، دوم اور سوم تمام امتیازی پوزیشن جامعہ اسلامیہ سنابل اور معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم، جوگابائی کے طلبہ نے حاصل کیں۔

☆جنوری ۲۰۱۷ء میں کل جنوبی ہند سطح پر علماء، طلبہ اور دعاۃ کے تین زمروں پر مشتمل تین موضوعات (۱۔ تطبیق قواعد نحو وصرف، ۲۔ داعی کے اوصاف، ۳۔ اصول محدثین) پر منعقد ہونے والے دورۂ تدریبیہ میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے ایک طالب علم کو اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہونے پر دورہ میں شریک دس ممتاز طلبہ میں شامل کیا گیا اور اسے پانچ ہزار روپئے نقد انعام کے ساتھ توصیفی سند نیز صحیح بخاری وصحیح مسلم اور عقیدہ کی ایک کتاب کا سیٹ دیا گیا۔

جنوبی ہند کے قدیم تاریخی، ادبی اور ثقافتی شہر حیدرآباد میں واقع دو اداروں کے اشتراک سے اسلامی عقائد کی بنیادی تعلیمات پر تین زمروں پر مشتمل دوسرا کل ہند ونیپال مسابقہ فروری ۲۰۱۷ء میں منعقد ہوا جس میں دونوں ملکوں کے اسلامی اور عصری مدارس وکالجز اور جامعات ویونیورسٹیوں کے طلبہ وطالبات نیز ان کے فارغ التحصیل مرد وخواتین نے لاکھوں کی تعداد میں حصہ لیا۔ ان میں

جامعہ اسلامیہ سنابل اور اس کی شاخ معہد علی بن ابی طالب، لکھنؤ، یوپی کے کئی طلبہ نے اعزازی انعامات حاصل کئے اور ۶۰ راور اس سے زیادہ فیصد نمبرات حاصل کر کے جامعہ اسلامیہ سنابل کے تقریبا ۳۵۰ طلبہ اور معہد علی بن ابی طالب کے ۹۰ طلبہ اعزازی اسناد سے سرفراز ہوئے۔

☆ ماہ فروری ۲۰۱۷ء ہی میں جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں زیر تعلیم ابنائے سنابل کے تعاون سے طلبۂ جامعہ کے مابین ۸ زمروں پر مشتمل ایک داخلی مسابقہ بعنوان ''حفظ وفہم متون'' منعقد ہوا جس میں طلبہ کی ایک اچھی خاصی تعداد نے شرکت کی اور انعامات سے سرفراز ہوئے۔

☆ رواں تعلیمی سال ۱۸۔۲۰۱۷ء میں حسب سابق ابنائے قدیم جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کی جانب سے جامعہ میں زیر تعلیم تمام طلبہ (از سنہ تمہیدیہ تا ثانیہ عالیہ) کے مابین کل نو زمروں پر مشتمل ''حفظ نصوص'' کے مسابقات ہوئے۔ جن میں سنہ تمہیدیہ اور اولیٰ متوسطہ میں حفظ اشعار، ثانیہ متوسطہ تا اولی ثانویہ میں حفظ قواعد از ہدایۃ النحو، ثانویہ ثانویہ کے لئے حفظ احادیث از جوامع الکلم، ثانیہ ثانویہ تا اولیٰ عالیہ کے لئے حفظ قواعد فقہیہ از تلقیح الافہام اور ثانیہ عالیہ کے لئے تدوین السنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔

اس مسابقہ میں پورے نو زمروں میں شرکاء کی تعداد ۱۲۷ تھی۔ ہر زمرہ کے لئے اول، دوم، اور سوم پوزیشنوں کی کل ۲۷ اور ۲۰ تشجیعی انعامات کے ذریعہ طلبہ کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

تعلیمی سال ۲۰۱۷ء میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے طلبہ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے زیر اہتمام مختلف موضوعات پر منعقدہ مقابلہ جاتی پروگراموں میں شرکت کر کے اپنی نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے جس کی مختصر رپورٹ حسب ذیل ہے:

☆ تیسرا نیشنل ہینڈلوم ڈے کی مناسب سے ''بھارتی ہتھ کرگھا صنعت کی ترقی کے لئے دوسری سودیشی تحریک کا وقت آچکا ہے'' کے موضوع پر منعقدہ مقابلہ میں پہلی اور دوسری پوزیشن پر سنابلی طلبہ فائز رہے۔

☆ نیو انڈیا منتھن (New India Manthan) کی مناسبت سے ''بھارت چھوڑو تحریک نے ہمیں صرف انگریزوں سے آزادی دلائی ہے، اندرونی مسائل سے نہیں'' کے موضوع پر ایک مقابلہ ہوا جس میں پہلی اور تیسری پوزیشن سنابلی طلبہ نے حاصل کی۔

☆ سوچھتا پکھواڑا مہم کی مناسبت سے ''صحت اور صفائی ہی حقیقی دولت ہے'' کے موضوع پر منعقدہ مقابلہ میں بھی ایک سنابلی طالب علم نے پہلی پوزیشن حاصل کی۔

ڈبیٹ (Debate) کلب کی ممبر شپ کے لئے آڈیشن کی مناسبت سے ''اس وقت ہندوستان میں بدعنوانی سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ تشدد ہے'' کے عنوان پر ایک مقابلہ ہوا اور اس میں بھی ایک سنابلی طالب علم نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

☆ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی ۹۷ ویں یوم تاسیس کی مناسبت سے منعقدہ کوئز کمپٹیشن میں ایک سنابلی طالب علم نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

☆ ایک ارتجالی (برجستہ) مسابقہ ''میرا مقصد ہندوستان سے بدعنوانی ختم کرنا ہے'' کے موضوع پر منعقد ہوا، اس میں پہلی

،دوسری اور تیسری پوزیشنوں پر سنابلی طلبہ فائز رہے۔

☆ ڈپارٹمنٹ آف ایچ ایم ٹی ٹی (HMTT) کی طرف سے ایک تحریری ارتجالی مسابقہ ہوا اور اس میں بھی پہلی، دوسری اور تیسری تینوں پوزیشنوں پر سنابلی فارغین کامیاب ہوئے، اس طرح مذکورہ دونوں مسابقات میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے طلبہ نے ان کی تینوں امتیازی پوزیشنوں پر قبضہ کیا۔

☆ جے ایس ایف (JSF) کے زیر اہتمام ''جنگ آزادی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بانیان کا کردار'' کے عنوان پر ایک تحریری مسابقہ ہوا۔ اس میں بھی ایک سنابلی طالب علم نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

☆ مسلم اسٹوڈنٹ فورم کی جانب سے ''جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بانیان کی توہین، سنگھ سے تال میل کا نتیجہ'' کے موضوع پر ایک تحریری مسابقہ ہوا اس میں بھی ایک سنابلی طالب علم نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

☆ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طلبہ کے مابین منعقدہ ٹرن کورٹ (Turncourt) مقابلہ (جس میں پہلے موضوع کی موافقت میں اور بعد میں موضوع کی مخالفت میں بولنا ہوتا ہے) میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے ایک طالب علم نے دوسری پوزیشن حاصل کی اور مذکورہ یونیورسٹی ہی میں ''سرسید کے سیاسی رجحانات کی معنویت'' کے موضوع پر منعقدہ تقریری مقابلہ میں بھی ایک طالب علم نے تیسری پوزیشن حاصل کی جب کہ اسی یونیورسٹی میں ''جمہوریت مفید یا مضر'' کے موضوع پر منعقدہ ڈبیٹ (Debate) مقابلہ میں ایک طالب علم نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

☆ ۲۰۱۷ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں زیر تعلیم ایک سنابلی طالب علم نے ''مہاراشٹر میں دعوت وتبلیغ کے میدان میں امکانات اور رکاوٹیں'' کے موضوع پر اپنی بحث ماجستر (ایم۔اے) کے مرحلہ کے لئے پیش کی اور اسے اس کی بحث کے مناقشہ میں سب سے اعلیٰ درجہ ''ممتاز مع التوصية بطباعة الرسالة وتداولها بين الجامعات'' کے شرف سے کامیابی حاصل ہوئی۔ واضح رہے کہ یہ درجہ اب تک بہت کم طلبہ کو حاصل ہوا ہے۔

ایک دوسرے سنابلی طالب علم نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مرحلہ کا مقابلہ پیش کر کے ممتاز پوزیشن سے کامیابی حاصل کی۔

☆ اپریل ۲۰۱۷ء میں سعودی حکومت کے زیر اہتمام پوری دنیا میں عربی زبان کے فروغ کے لئے مختلف یونیورسٹیوں کے اشتراک سے ''عربی زبان کا مہینہ'' کے نام سے ایک اہم کوشش کی گئی۔ اس ضمن میں پورے ہندوستان سے عربی زبان میں خطاب پر مشتمل ایک مسابقہ بھی ویڈیو ریکارڈنگ کے ذریعہ عمل میں آیا۔ اس میں کل ستر طلبہ نے شرکت کی جن میں سے جامعہ اسلامیہ سنابل کے بھی تین طلبہ تھے۔ ان تمام شرکاء میں بیس طلبہ کو بہتر خطیب کی حیثیت سے امتیاز حاصل ہوا جن کیلئے جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں ایک مسابقہ منعقد کیا گیا، اس میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے ایک طالب علم کو چھٹی پوزیشن پر کامیابی ملی جب کہ جامعہ اسلامیہ سنابل ہی کے ایک فارغ التحصیل نے بارہویں پوزیشن پر کامیابی حاصل کی ہے۔

جامعہ اسلامیہ سنابل اور معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم، جوگابائی کے طلبہ نے ان کے علاوہ کئی یونیورسٹیوں،

تنظیموں اور جامعات ومدارس کے زیر اہتمام صوبائی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر منعقدہ مختلف مسابقات میں بھی شرکت کی ہے اور ان میں امتیازی پوزیشنوں سے کامیاب ہوئے اور مختلف قسم کے انعامات وتوصیفی اسناد سے نوازے گئے، لیکن یہاں طوالت کے خوف سے انہیں پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

☆اس وقت جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے ۱۳ رطلبہ ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) اور ۸ طلبہ ماجستر (ایم اے) نیز ۱۵ طلبہ مختلف کلیات میں زیر تعلیم ہیں جب کہ سعودی عرب کی دوسری یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔ مزید برآں جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ اس سال ۱۱ طلبہ کا جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں، ۴ طلبہ کا جامعہ ام القری مکہ مکرمہ، میں اور ۲ طلبہ کا جامعۃ القصیم میں نیا داخلہ بھی ہوا ہے۔ واضح رہے کہ نئے طلبہ کا داخلہ جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کی مختلف کلیات میں اور جامعہ ام القری مکہ مکرمہ میں ایک طالب علم کا ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) اور تین طلبہ کا داخلہ ماجستر (ایم اے) میں ہوا ہے۔

☆۲۶ جنوری ۲۰۱۸ء میں اسلامی تعلیمی اداروں ومدرسوں اور عصری کالجوں واسکولوں کے طلبہ میں علمی ذوق اور شوق مطالعہ پیدا کرنے نیز ان کے اندر علمی اور فکری صلاحیت کو پروان چڑھانے کے لئے ان کے درجات اور کلاسوں کے اعتبار سے ان کی علمی صلاحیت ولیاقت کی رعایت کرتے ہوئے چار زمروں پر مشتمل آل انڈیا پیمانہ پر ایک تحریری مسابقہ جمعیۃ اہل حدیث ہند (ٹرسٹ) کے اہتمام سے جمعیۃ اہل حدیث صوبہ دہلی کے زیر انتظام مسجد محتسب، پھاٹک حبش خاں دہلی میں منعقد ہوا۔ اس مسابقہ کے ہر زمرہ میں طلبہ کے علمی معیار کے مطابق بالترتیب تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تجدیدی مساعی اور سلفیت کا تعارف، کتاب التوحید (اردو ترجمہ) اور اتباع سنت کے مسائل، عقیدۂ اہل حدیث اور شیخ الکل میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی: مجددانہ کارنامے اور قائدانہ کردار اور تقویۃ الایمان وتوحید کے مسائل جیسی کتاب وسنت کی سچی تعلیمات اور منہج صحابہ پر مبنی آٹھ کتابوں پر مشتمل دو دو کتابیں برائے مطالعہ وتیاری رکھی گئی تھیں، اس میں دہلی اور ملک کی مختلف جامعات ومدارس اور کالجز ویونیورسٹیز کے تقریبا ۲۵۰ طلبہ نے شرکت کی۔ الحمدللہ ان میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے طلبہ کو عظیم کامیابیاں حاصل ہوئیں اور انہوں نے اس مسابقہ کے مذکورہ چاروں زمروں کے اول، دوم اور سوم کل ۱۲ رانعامی امتیازی پوزیشنوں میں سے ۹ راہم اور امتیازی انعامی پوزیشن حاصل کیں اور مبلغ دس ہزار (-/10,000) سے لے کر چار ہزار (-/4000) روپئے تک پر مشتمل نقدی انعامات، کتابوں کا سیٹ اور توصیفی اسناد سے نوازے گئے۔

☆رواں سال ہی میں بتاریخ ۲۸ رجنوری ۲۰۱۸ء ونستھالی پبلک اسکول وسندھرا، غازی آباد، یوپی کے زیر اہتمام منعقدہ تائیکونڈو مارشل آرٹ کے مقابلہ میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے ۱۴ رطلبہ نے شرکت کی اور انہوں نے اس میں اپنی عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ ان میں سے ۳ رطلبہ نے گولڈ میڈل اور باقی ۱۱ رطلبہ نے سلور اور براؤن میڈل حاصل کر کے اس میدان میں بھی اپنے گزشتہ ریکارڈ کو قائم رکھا، اور طلبہ کی اس حسن کارکردگی پر جامعہ اسلامیہ سنابل کو مذکورہ اسکول کی طرف سے اعزازی ٹرافی پیش کی گئی۔

واضح رہے کہ تعلیمی سال ۱۷۔۲۰۱۶ء میں تیاگ راج اسٹیڈیم، نئی دہلی میں منعقدہ تائکونڈو فائیٹنگ مقابلہ میں بھی اس جامعہ کے

۹ رطلبہ شریک ہوئے تھے اوران میں سے ایک نے گولڈ میڈل، چار نے سلور میڈل اور چار طلبہ نے براؤن میڈل حاصل کر کے اپنے ادارہ کا نام روشن کیا تھا۔

☆ جامعہ اسلامیہ سنابل کے طلبہ کی علمی توانائی اوران کی صلاحیت واستعداد میں اضافہ کی خاطر ایک اور جدوجہد، ان کے لئے شیخ عبدالمحسن بن محمد القاسم حفظہ اللہ امام وخطیب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر نگرانی علمی متون کے حفظ کا اہتمام کیا گیا ہے جس کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے لئے امام محترم خود دلچسپی لے رہے ہیں اور جامعہ اسلامیہ سنابل کے طلبہ کو اس سے جوڑنے کے لئے انہوں نے ادارہ کے ذمہ داران سے خود پیش کش کی ہے لہٰذا اس سے متعلق آن لائن متون علمیہ پڑھنے اور یاد کرنے کے جو بھی وسائل ہیں ان کے بندوبست کی تکمیل کے بعد جلد سے جلد یہ سلسلہ شروع کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اللہ رب العالمین اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆ جامعہ اسلامیہ سنابل کے نسواں اسلامی اقامتی ادارہ ''عائشہ صدیقہ شریعت کالج'' جوگابائی، نئی دہلی کی فارغات بھی اب ملک کی اہم یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے حصول میں مصروف ہیں۔ ابھی تک اس ادارہ سے ان کے صرف پانچ ہی بیچ فارغ ہوئے ہیں جن میں سے اکثر طالبات مختلف نوعیت کی تعلیمی اور دعوتی سرگرمیوں سے منسلک ہیں اور اپنی عمدہ صلاحیتوں کا ایک نمایاں اثر معاشرہ میں ثابت کررہی ہیں۔ بحمد للہ اس کالج کی طالبات بھی اب مقابلہ جاتی پروگراموں میں شرکت کرنے لگی ہیں۔ جس کے حوصلہ افزاء نتائج سامنے آرہے ہیں:

☆ سال ۲۰۱۷ء میں مغربی یوپی کے معروف علمی اور تمدنی شہر علی گڑھ کی ایک تنظیم کے زیر اہتمام ''تعمیر انسانیت اور قرآن'' کے موضوع پر مسابقۂ مقالہ نویسی منعقد ہوا جس میں اس شریعت کالج کی پانچ طالبات نے اچھے نمبرات سے کامیاب ہوکر ایک ایک ہزار روپئے کا نقد انعام اور سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ مزید برآں اس مقابلہ میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے ایک طالب علم نے بھی شرکت کر کے ایک ہزار روپئے کا نقد انعام اور توصیفی سند حاصل کی ہے۔

☆ رواں تعلیمی سال ۲۰۱۷ء میں حیدرآباد کے دو تعلیمی اداروں کے اشتراک سے ''اللہ پر ایمان اور عقیدے کی بنیادی تعلیمات'' کے عنوان پر کل ہند و نیپال پیمانہ پر منعقد ہونے والے مسابقہ میں بھی اس تعلیمی وتربیتی ادارہ کی طالبات نے شرکت کی جس میں مذکورہ دونوں ملکوں کے دینی اور عصری تعلیمی اداروں اور تنظیموں کے لاکھوں طلبہ وطالبات اوران کے فارغین وفارغات نے حصہ لیا۔ اس مسابقہ کے زمرۂ اول میں اس شریعت کالج کی ایک طالبہ نے تیرہواں اعزازی انعام اور سند حاصل کیا اور زمرۂ دوم میں اس کالج کی ایک معلمہ نے پہلا اعزازی انعام اور سند اور اس کی ایک طالبہ نے پچیسواں اعزازی انعام اور سند حاصل کیا نیز اس مسابقہ کے زمرہ سوم میں اسی شریعت کالج کی ایک دوسری معلمہ جو عائشہ صدیقہ شریعت کالج ہی کی فارغہ ہیں نے پہلی پوزیشن حاصل کر کے پچیس ہزار روپئے کا نقد انعام اور سند حاصل کیا جب کہ اسی زمرہ میں اسی کالج کی ایک تیسری معلمہ نے بائیسواں اعزازی انعام اور سند حاصل کیا۔ واضح رہے کہ تیسرے زمرہ میں داخل مسابقہ کتاب آٹھ سو اکیاون (۸۵۱) صفحات پر مشتمل تھی۔ علاوہ ازیں اس شریعت کالج کے دوسو ستر (۲۷۰) طالبات نے ساٹھ (۶۰) اوراس سے زیادہ فیصد نمبرات حاصل کر کے اعزازی سرٹیفکیٹ حاصل کئے۔

☆ حکومت دہلی سے منظور شدہ سنٹر کا مشہور نسواں عصری تعلیمی وتربیتی ادارہ ''خدیجۃ الکبریٰ گرلز پبلک اسکول''، جوگابائی دہلی کی درسگاہوں میں ایک نمایاں مقام کا حامل ہے۔ تعلیمی سال ۱۷۔۲۰۱۶ء میں اس اسکول کی ۱۳۱ رطالبات سی بی ایس سی (CBSE) بورڈ کے امتحان میں شریک ہوئیں اور سبھی طالبات فرسٹ ڈویژن سے پاس ہوئیں، اس طرح پچھلے سالوں کی طرح سال ۲۰۱۷ء کا رزلٹ بھی صد فیصد رہا۔

☆ اس اسکول کی طالبات بھی گزشتہ سالوں کی طرح تعلیمی سال ۱۷۔۲۰۱۶ء میں دہلی کی متعدد یونیورسٹیوں، اسکولوں، کالجوں، اور جامعات ومدارس اور تنظیموں کے زیر اہتمام اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں مختلف موضوعات پر منعقدہ تحریری اور تقریری علمی، ادبی اور ثقافتی مقابلوں میں شریک ہوئیں اور ان میں امتیازی پوزیشن سے کامیابی حاصل کر کے توصیفی اسناد اور دیگر انعامات سے سرفراز ہوئیں۔ بعض مقابلوں کی ایک جھلک درج ذیل ہے:

☆ بتاریخ ۹ رمئی ۲۰۱۶ء جامعہ ملیہ اسلامیہ کی طرف سے پوسٹر مقابلہ کا انعقاد ہوا جس میں اس اسکول کی ایک طالبہ نے کانسا میڈل، دوسری نے نقرئی میڈل اور تیسری طالبہ نے طلائی میڈل حاصل کیا۔

☆ بتاریخ ۶ راگست ۲۰۱۶ء گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب سے پوسٹر مقابلہ ہوا جس میں تین طالبات نے بالترتیب اول، دوم اور سوم انعام حاصل کیا۔

☆ بتاریخ ۱۲ راگست ۲۰۱۶ء شفیق میموریل اسکول کی طرف سے اسلامک کوئز مقابلہ ہوا جس میں اس اسکول کی ایک طالبہ نے جونیئر زمرہ میں پہلی پوزیشن اور ایک طالبہ نے سینئر زمرہ میں پہلی پوزیشن حاصل کی جب کہ اس ماہ میں غالب اکیڈمی کے زیر اہتمام منعقدہ نظم خوانی مقابلہ میں ایک طالبہ نے دوسری پوزیشن حاصل کی۔

☆ بتاریخ ۱۲ رنومبر ۲۰۱۶ء اردو اکیڈمی دہلی کی جانب سے پینٹنگ مقابلہ ہوا جس میں مذکورہ اسکول کی ایک طالبہ نے دوسری پوزیشن حاصل کی اور ایک طالبہ کو تشجیعی انعام ملا۔ تعلیمی سال ۲۰۱۷ء میں بھی اس اکیڈمی کے زیر اہتمام منعقدہ تقریری مقابلہ میں ایک طالبہ نے تشجیعی انعام حاصل کیا۔

☆ بتاریخ ۸ رمئی ۲۰۱۷ء میں اسیم آشا فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام پوسٹر مقابلہ منعقد ہوا اس میں ایک طالبہ نے گولڈ میڈل اور دو طالبات نے دوم (مکرر) پوزیشن حاصل کیں۔ یاد رہے کہ مئی ۲۰۱۶ء میں بھی مذکورہ فاؤنڈیشن کی طرف سے پوسٹر مقابلہ ہوا تھا جس میں اس اسکول کی ایک طالبہ نے اول اور دو طالبات نے دوم (مکرر) اور ایک طالبہ نے تیسری پوزیشن حاصل کی تھی۔

☆ بتاریخ ۲۵ رمئی ۲۰۱۷ء جامعہ ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی کی طرف سے آرٹ مقابلہ ہوا، اس میں ایک طالبہ نے اول، دوسری نے دوم اور تیسری طالبہ نے سوم تینوں امتیازی پوزیشن حاصل کر کے اپنے ادارہ کا نام روشن کیا۔

☆ بتاریخ ۵ راگست ۲۰۱۷ء اسکالر اسکول نئی دہلی کی جانب سے جنرل نالج کوئز مقابلہ منعقد ہوا، اس میں ایک طالبہ نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

☆ بتاریخ ۳۰/اگست ۲۰۱۷ء نیو ہورائزن اسکول، نئی دہلی کی جانب سے نعت خوانی کا مقابلہ ہوا، اس میں ایک طالبہ نے دوسری پوزیشن حاصل کی۔

☆ ۲۰۱۸ رواں تعلیمی سال میں جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے ۹۷ ویں یوم تاسیس کی مناسبت سے منعقدہ ''گروپ سونگ'' مقابلہ میں شرکت کے لئے اس اسکول کی طالبات کو مدعو کیا گیا جس میں کئی طالبات نے حصہ لیا اور اس موقع پر انہوں نے اپنے اسلامی تشخص وروایات کو برقرار رکھتے ہوئے اسلامی تعلیمات واحکام سے متصادم مقابلہ کے اصول وشرائط کے خلاف اسلامی لباس وشعائر اور تہذیب وآداب کی پابندی کے ساتھ غیر اسلامی حرکات وسکنات سے اجتناب کر کے بغیر میوزک اپنا اصلاحی ودعوتی پاکیزہ کلام پیش کیا۔ فصیح وبلیغ اور جامع الفاظ ومعانی پر مشتمل ان کی معیاری اشعار، حسن انتخاب، طرز کلام اور ان کی نغمہ سرائی کو لوگوں نے سراہتے ہوئے انہیں داد تحسین پیش کی اور سنٹر کے ذمہ داران نیز اسکول کی معلمات اور کارکنان کو مبارک باد دی اور اس سے متاثر ہوتے ہوئے کچھ لوگوں نے برجستہ کہا کہ ''یہ رحمانی صاحب کے اسکول کی بچیاں ہیں اس وجہ سے ان میں مکمل اسلامی شعور بھی ہے اور ڈسپلن بھی، اسی وجہ سے یہ میوزک وغیرہ سے اجتناب کر رہی ہیں'' ان کا یہ اقدام لائق ستائش ہے۔

مقابلہ میں میوزک کے عدم استعمال اور دیگر غیر شرعی ضوابط وشرائط پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے انہیں کوئی نمایاں پوزیشن تو نہیں مل سکی لیکن انہوں نے وہاں اپنی مذکورہ عمدہ کارکردگی سے دینی تعلیمات سے بیگانہ وبرگشتہ اور بیمار وافسردہ اذہان وقلوب کو ضرور بیدار کیا ہے، یہ ان کی عظیم کامیابی ہے۔ طالبات کی اس قابل قدر پیش رفت سے متاثر ہو کر بعد میں سنٹر کے صدر محترم جناب مولانا محمد رحمانی سنابلی مدنی حفظہ اللہ وتولاہ نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں انعامات سے بھی نوازا۔

ان مسابقات کے علاوہ اسکول سطح پر بھی طالبات کی علمی پختگی، ذہنی بالیدگی، ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے اور ان کے اندر سے احساس کمتری دور کرنے کی خاطر ان میں جذبہ تنافس پیدا کرنے کے لئے اسلامی آداب وشعائر کی مکمل رعایت کے ساتھ ان کے مابین انگریزی، اردو، ہندی اور عربی زبانوں میں جنرل نالج، نظم خوانی، خوشنویسی، پینٹنگ اور ڈبیٹ (Debate) وغیرہ کے ساتھ ہی عصری اور اسلامی علوم پر مشتمل مختلف نوعیت کے متعدد متعینہ وبرجستہ موضوعات پر تقریری، تحریری اور کلچر مقابلے منعقد کئے گئے ہیں اور ان میں امتیازی پوزیشنوں سے کامیاب ہونے والی طالبات کی خصوصی اور دیگر حصہ لینے والی طالبات کی تشجیعی انعامات واسناد سے حوصلہ افزائی بھی کی گئی ہے۔ ان تفصیلات کے ذکر سے بھی یہاں جگہ کی تنگ دامانی مانع ہے۔

مستقبل کے اہم تعمیری، تعلیمی اور رفاہی منصوبے:

دہلی میں: جامعہ اسلامیہ کے لئے مخصوص وسیع زمین (Jamia Campus) واقع سنابل، ابوالفضل انکلیو پارٹ۔ ۲ مقابل کالندی کنج پر درج ذیل بلڈنگوں کی تعمیر: (۱) جامع مسجد (زیر تکمیل) (۲) شریعت کالج (زیر تکمیل) (۳) دعوت کالج (۴) طلبہ کے لئے ہاسٹل کی دوسری نئی بلڈنگ (۵) خدیجۃ الکبری گرلز پبلک اسکول (۶) انٹرنیشنل انگلش میڈیم سینئر سکنڈری اسکول (۷) جنرل

لائبریری (۸) آڈیٹوریم اور کانفرنس ہال (۹) مہمان خانہ۔

بیرون دہلی: یوپی کے شہر بستی میں گاندھی نگر میں روڈ پر ٹاؤن کلب کے بالمقابل واقع مرکز کی برانچ کے کیمپس میں واقع جامع مسجد میں معہد عثمان بن عفان برائے حفظ وتجوید قرآن کریم کا قیام۔

مرکز کو اپنی آمد سے مشرف کرنے والی چند اہم شخصیات:

جن ممتاز اور عالمی شخصیات نے مرکز اور دہلی میں اس کے تعلیمی، تربیتی، تصنیفی، وتحقیقی اور رفاہی اداروں اور ملک کے مختلف گوشوں میں اس کی شاخوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس کی کارکردگی پر اظہار اطمینان فرمایا ہے ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ ان میں ائمہ حرمین شریفین، اسلامی یونیورسٹیوں کے وائس چانسلرز، پروفیسرز اور دیگر ذمہ داران، ادارۃ البحوث العلمیہ والافتاء والدعوۃ والارشاد، ریاض، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، ہیئۃ الاغاثۃ الاسلامیہ العالمیۃ جدہ ودمام، الہیئۃ الخیریہ الاسلامیہ العالمیۃ کویت، جمعیۃ دار البر دبئی، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت، الندوۃ العالمیۃ للشباب الاسلامی ریاض، جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ، جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض، جامعۃ الملک سعود ریاض، جامعہ ام القری مکہ مکرمہ، جامعہ ازہر مصر، الجزائر یونیورسٹی، زیتونہ یونیورسٹی تونس، قروین یونیورسٹی مراکش، بنگلہ دیش، یو جی سی کے چیرمین ڈھاکہ یونیورسٹی کے ذمہ داران، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، مدراس یونیورسٹی، کالیکٹ یونیورسٹی، ممبئی یونیورسٹی، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، دہلی یونیورسٹی، پٹنہ یونیورسٹی، لکھنؤ یونیورسٹی، جامعہ سلفیہ بنارس، جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ، دار العلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، دار السلام عمر آباد تامل ناڈو، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ فیض عام مئو، جامعہ عالیہ مئو، جامعہ دار الحدیث مئو وغیرہ کے اہم ذمہ داران کے علاوہ مختلف ممالک اور براعظموں کے ممتاز علماء ومفکرین، وزراء اور ماہرین تعلیم شامل ہیں۔ جنہوں نے مرکز کی تعلیمی ورفاہی خدمات اور کارناموں کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے اور اس کی مسلسل پیش قدمیوں کی حوصلہ افزائی کی ہے اور مرکز اور اس کے اداروں کے متعلق اپنی گراں قدر آراء رقم فرمائی ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند مقتدر اور اہم شخصیات کے اسماء گرامی بطور مثال پیش کئے جارہے ہیں۔

امام حرم فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل، امام حرم فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن بن عبدالعزیز السدیس، امام حرم فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سعود بن ابراہیم الشریم، ڈاکٹر علی بن عبدالرحمن الحذیفی امام مسجد نبوی مدینہ طیبہ، فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن بن محمد القاسم امام وخطیب مدینہ طیبہ، ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی سکریٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ وسابق ریکٹر امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض اور سابق وزیر اوقاف وشئون اسلامیہ ودعوۃ وارشاد سعودی عرب، معالی الشیخ صالح عبدالرحمن الحصین سابق وزیر حکومت سعودیہ عربیہ، صدر حرمین شریفین، شیخ عبداللہ حمد جلالی، شیخ محمد سلیمان المحیسنی سابق امام وخطیب مسجد ابالخیل بریدہ، القصیم، ڈاکٹر زید الحسین جنرل سکریٹری مرکز ملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیہ ریاض، فواد صادق مفتی سفیر خادم حرمین شریفین سعودی عرب برائے ہند، عبدالرحیم ابوعوف قائم مقام سفیر سعودی عرب، استاذ جاسم ابوعشبہ الخالدی قائم مقام سفیر سعودی عرب، ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف سابق

سکریٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی سابق نائب رئیس مجلس شوری سعودی عرب، ڈاکٹر مانع جہنی الندوۃ العالمیۃ للشباب الاسلامی، علامہ احمد بن حجر آل بوطامی البنعلی رحمہ اللہ چیف جسٹس شرعی عدالت قطر، استاذ جاسم العون، عزت مآب یوسف جاسم الحجی سابق وزیر اوقاف کویت، واستاذ عبدالعزیز ناصر الحمد کویت، استاذ ضرار الرزوقی سفیر کویت، استاذ مبارک راشد البوعینین سفیر قطر، استاذ ناصر محمد لوری بحرین حفظہم اللہ وتولاہم نیز وائس چانسلر ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی، وزیر تعلیم حکومت ہند اور وزیر خارجہ حکومت ہند، ممبران پارلیمنٹ، ممبر اسمبلی، ذمہ داران ملت وجماعت اور نمائندگان جامعات ومدارس ومراکز وغیرہم۔

اسی طرح عالم اسلام کے سیکڑوں مشاہیر علماء نے مرکز کو اس کے کارناموں پر خراج تحسین پیش کیا ہے۔ بطور مثال چند شخصیات کے اسمائے گرامی یہاں ہم پیش کرتے ہیں:

علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ مفتی عام سعودی عرب وصدر ادارات البحوث العلمیہ والافتاء والدعوۃ الارشاد ریاض، علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ قصیم، ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن حمید امام وخطیب مسجد حرام واستاذ جامعہ ام القری وسابق صدر مسجد حرام ومسجد نبوی، صدر مجلس شوری سعودیہ عربیہ، علامہ شیخ صالح بن عبدالعزیز آل شیخ وزیر اوقاف وشئون اسلامیہ ودعوۃ ارشاد سعودی عرب، عزت مآب شیخ عبدالرحمن بن عبداللہ الفریان صدر جماعت خیریہ تحفیظ القرآن الکریم ریاض، علامہ عبداللہ بن زید بن محمود، شیخ عبدالرحمن المحمود قطر، استاذ مشعل السعید، ڈاکٹر عادل فلاح کویت، استاذ جنید محمد خوری اور شیخ جمال عبدالعزیز قاسمی امارات وغیرھم حفظہم اللہ وتولاہم۔

□□□

ضرور پڑھیں

جماعت اہل حدیث کی روشن تاریخ اور علمائے اہل حدیث کی سرفروشانہ قربانیوں کا ایک حسین مجموعہ

مجموعۂ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ

شائع کردہ: ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی

جماعت اہل حدیث پونہ مہاراشٹر

مولانا سعید احمد سلفی پونہ

مولانا سعید احمد سلفی جامعہ سلفیہ کے ان فضلاء میں سے ہیں جن کا آبائی وطن ضلع بستی کا ایک مشہور اہل حدیث گاؤں ٹکریا ہے۔ یہیں کی خاک سے یہ شعلہ رفتہ رفتہ بڑھتے ہوئے فراغت کے بعد مہاراشٹر کے ایک صنعتی وخوبصورت شہر پونہ پہونچا اور پھر احباب واخوان بالخصوص جماعت کے دو بزرگ اور قابل قدر شخصیات الحاج عباس اور عبدالصمد رحمہا اللہ اوران کے فرزندان نیک خصال اور جماعت کے محسن عبدالشکور بھائی اور ان کے برادران واخوان کے تعاون وسرپرستی میں جماعتی مرکز کے قیام وتاسیس اور مختلف مساجد ومراکز کی تعمیر وتوسیع نیز جماعت کے استحکام وفروغ میں ایسے لگے کہ آج بحمداللہ شہر پونہ بالخصوص پمپری اوراس کے نواحی علاقوں میں اخوان اہل حدیث کی کثیر تعداد موجود ہے اور منہج ومسلک کی آبیاری وفروغ کا کام پوری تندہی سے جاری وساری ہے۔ ذیل میں پونہ جماعت کی تاریخ آپ ہی کے قلم سے ہدیۂ قارئین ہے۔

پونہ شہر عصری علوم وفنون کا مرکز ہے، ساتھ ہی ساتھ ایک مشہور صنعتی شہر ہے، جہاں آٹو موبائل اور آئی ٹی کی بڑی بڑی صنعتیں ہیں مثلاً ٹاٹا موٹر، بجاج آٹو، مہندرا اینڈ مہندرا، فلیس وغیرہ اس لئے ہندوستان کے مختلف علاقوں سے لوگ اپنی علمی پیاس بجھانے اور معاشی خوشحالی کے لئے وارد ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے وہ لوگ اپنے ساتھ اپنی تہذیب وثقافت اور زبان وعقیدہ ومنہج کو بھی لاتے ہیں، یہاں کی تاریخ پر جب نظر ڈالتے ہیں تو شیواجی، تاناجی، افضل خان اور اورنگ زیب اوران کی سیاسی لڑائی کا تذکرہ ملتا ہے، اور ہماری جماعت کے بطل جلیل اور مشہور مصنف وانشاء پرداز مفسر ومجاہد آزادی مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کے قیام کا تذکرہ بھی ملتا ہے، یہاں اسلام کے نام لیوا بھی ہیں لیکن تعداد بہت کم ہے اب الحمدللہ بڑھ رہی ہے۔ عموماً وہ لوگ مقلد ہیں۔

اہل حدیث: یہاں اہلحدیثوں کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو میرے اپنے علم کے مطابق کچھ افراد کو کن علاقے کے یہاں قیام پذیر تھے جن میں ایک نام چوگلے ہے، جو منہج کے اعتبار سے متحرک بھی تھے اور باعمل بھی، یہاں اپنی جماعت کے نہ کسی ادارہ کا تذکرہ ملتا ہے اور نہ ہی کسی مسجد کا۔ ۱۹۷۱ء میں جناب عبدالصمدؒ یہاں طلب معاش کے لئے آئے اور مستقل طور پر قیام پذیر ہوگئے۔ ان کے اندر جماعتی ومنہجی غیرت اور تڑپ تھی۔ شروع شروع میں احناف یعنی دیوبندیوں کے ساتھ رہے لیکن ان کی منہجی غیرت نے انہیں مجبور کیا کہ وہ الگ جمعہ وجماعت خمسہ کا اہتمام کریں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی دوکان کے اوپری حصہ کو جمعہ وجماعت وعیدین کے لئے مختص کردیا اور پندرہ سال تک یہ سلسلہ قائم رہا۔

مسجد عمر بن خطابؓ کا قیام: جب وہ مختص جگہ ناکافی ہونے لگی تو ۱۹۹۱ء میں جناب عبدالصمدؒ نے اپنی دوسری دوکان مسجد کے لئے وقف کردی اور اس کی سنگ بنیاد امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند مولانا مختار احمد ندویؒ کے دست مبارک سے رکھی گئی۔ اور اس کی تعمیر کا ذمہ بھی جناب عبدالصمدؒ نے خود لے لیا اور ایک عالیشان چار منزلہ مسجد ۱۹۹۴ء میں مکمل ہوگئی اللہ تعالیٰ ان کی اس نیکی کو قبول فرمائے اور ان کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے (آمین) یہ مسجد مورواڑی پمپری میں واقع ہے۔

مسجد اہل حدیث پوار بستی: مسجد عمر بن خطاب زیر تعمیر ہی تھی کہ جماعتی افراد اپنی معاشی ضرورت کے لئے مختلف علاقوں میں پھیل گئے بطور خاص کدل واڑی چکلی میں مسلمانوں کی تعداد کافی بڑھنے لگی، یہاں بھی مسجد کی سخت ضرورت پڑی چنانچہ جناب عبدالصمدؒ کی تحریک پر ایک زمین خریدی گئی اور ان کے خاندان کے افراد خصوصاً عبدالشکور وذکراللہ اور ان دونوں کے والد محترم عباس علیؒ ودیگر افراد نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ مسجد تین مراحل میں ضرورت کے مطابق دو منزلہ تعمیر کی گئی۔ ۱۹۹۵ء سے یہاں جمعہ وجماعت وعیدین مستقل طور پر ادا کی جاتی ہے نیز دعوت وتبلیغ کا مرکز بھی ہے۔ یہاں جماعت کے نامور علماء وفضلاء وخطباء تشریف لاتے ہیں اور کتاب وسنت کی روشنی میں منہج سلف کے مطابق دعوتی کام انجام دیتے ہیں۔ ہفتہ واری اور ماہانہ دعوتی پروگرام بھی التزام سے ہوتا ہے۔

المنار ایجوکیشن سوسائٹی: مذکورہ دونوں مسجدوں کے قیام کے بعد تعلیمی ضرورت کا احساس شدید تر ہوتا گیا اس لئے کہ مسلمانوں میں سے کسی بھی منہج ومسلک کے ماننے والوں کا اس علاقہ میں نہ کوئی دینی ادارہ تھا اور نہ ہی عصری، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے برادر عزیز عبدالشکور کو کہ ان کی نگاہ اس گوشہ کی طرف پڑی اور انہوں نے مسجد کے سامنے ایک عمارت کی بنیاد ڈالی، یہ عمارت کیوں تعمیر کررہے تھے اس کا تذکرہ انہوں نے ہوسکتا ہے کسی سے کیا ہو لیکن میرے علم میں نہیں تھا۔ ممکن ہے کہ چند سالوں سے میں مولانا ابوالکلام آزاد ہائی اسکول اکورڈی پونہ اور ہائی اسکول کھراڈ واڑی پمپری پونہ میں اعزازی طور پر ہفتہ میں دو تین دن پڑھاتا تھا ممکن ہے میری دلچسپی کو دیکھ کر ایک اسکول قائم کرنے کا ارادہ کرلیا ہو واللہ اعلم بالصواب۔ ان دونوں تعلیمی اداروں میں جانے کے بعد مجھے ایک معیاری ادارے کی ضرورت کا احساس شدید تر ہوتا گیا اور وہاں کے اساتذہ سے بھی اس سلسلہ میں برابر بات چیت ہوتی رہی اسی درمیان سات کمروں پر مشتمل ایک عمارت تیار ہوگئی اور مجھ سے بتایا کہ ایک مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ ہے اس لئے اس پر توجہ دیں۔

میں نے اس سلسلہ میں غور کیا تو ذھن میں یہ بات آئی کیوں نہ خود فیصلہ کرنے کے بجائے اپنی جماعت کے علماء کرام سے مشورہ کیا جائے چنانچہ میں نے مولانا محمد مقیم فیضی حفظہ اللہ سے رابطہ قائم کیا اور انہوں نے قائد جماعت مولانا عبدالسلام صاحب سلفی سے مشورہ کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ اس سلسلہ میں ایک میٹنگ ہوتا کہ ادارہ کے خدوخال اور اس کی نوعیت کا ایک خاکہ تیار کیا جائے چنانچہ پہلی میٹنگ ۲۰۰۲ء میں ہوئی جس میں مولانا عبدالسلام صاحب سلفی حفظہ اللہ، مولانا محمد مقیم فیضی حفظہ اللہ، مولانا عبدالمعید مدنی حفظہ اللہ، مولانا عبیداللہ مکی دہلی، عبدالشکور، ذکراللہ اور راقم شریک ہوئے، اس میں مختلف رائیں پیش ہوئیں کسی نے ایک معیاری دینی ادارہ کے قیام کا مشورہ دیا، کسی نے انگلش میڈیم اسکول کا مشورہ دیا، میرا مشورہ تھا کہ یہاں ابتدائی تعلیم کا کوئی نظم نہیں ہے اور جو ادارے کارپوریشن کے ہیں ان کی تعلیم انتہائی ناقص ہے جس کا تجربہ مجھے ہے۔ کیوں نہ یہاں ایک ایسا معیاری ادارہ قائم کیا جائے

جس میں عصری اور دینی علوم دونوں شامل ہوں اور مادری زبان اردو میں ہو۔ تاکہ نونہالان قوم دینی ماحول میں زیور تعلیم سے آراستہ ہوں، میری اس رائے پر تمام شرکاء مجلس نے اتفاق کیا اور المنار ایجوکیشن سوسائٹی کے نام سے ۲۰۰۲ء میں رجسٹریشن کرایا گیا جس کے ممبران میں عبدالشکور چودھری چیئرمین، سعید احمد سلفی سکریٹری، عبدالمنان خان نائب چیئرمین، عبدالرحمن چودھری نائب سکریٹری، ذکراللہ چودھری خازن، عبدالصمد چودھری، عباس چودھری، حبیب اللہ چودھری، اختر حسین چودھری، ممبران بنائے گئے۔

اس ایجوکیشن سوسائٹی کے تحت ''المنار پرائمری اسکول'' کا قیام عمل میں آیا، کسی ادارہ کے قیام کا شروعاتی مرحلہ انتہائی مشکل ہوتا ہے لوگوں کو اعتماد میں لینا، حکومت سے منظوری، قوم کو اپنے ادارہ کی طرف متوجہ کرنا اور ان کے بچوں کے مستقبل اور ان کی تعلیمی ترقی پر بھروسہ دلانا، باصلاحیت اساتذہ کا انتخاب، تعلیم یافتہ افراد کو ساتھ میں لینا اور ان کی رہنمائی اور ان سے خدمت لینا، حکومت سے منظوری کے لئے تمام شرائط کا پورا کرنا وغیرہ۔

ان تمام مراحل میں چیئرمین کے علاوہ جن افراد نے میرا ساتھ دیا ان میں قابل ذکر اسد خاں صاحب (مدرس ادارہ ہذا) مولوی عبدالسلام انعامدار محمدی (استاد پرائمری اسکول اکورڈی) ہیں جنہوں نے ہر مرحلہ میں میرا ساتھ دیا خواہ وہ کارپوریشن کا کام ہو یا اور کوئی خدمت اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کی خدمات کو قبول فرمائے اور اجر جزیل عطا فرمائے (آمین)

نصاب تعلیم: دوہائی اسکولوں سے منسلک ہونے کی وجہ سے ان کے طریقہ تعلیم ونصاب تعلیم کا مشاہدہ کرنے اور اس کی خوبیوں اور کمیوں سے واقفیت ہونے کی بنیاد پر ایک تعلیمی خاکہ میرے ذہن میں بننے لگا اور پختہ ارادہ کرلیا کہ جب بھی کسی ادارے کا قیام میری نگرانی میں آئے گا تو اس میں کس کس طرح رنگ بھروں گا۔ چنانچہ جب ''المنار اسکول'' کا قیام عمل میں آیا تو سب سے پہلے میں نے اس بات کی کوشش کی کہ چونکہ مادری زبان کی تعلیمی اہمیت ہوتی ہے اور بین الاقوامی زبان کی بھی اس لئے کیوں نہ ایسا نصاب تعلیم مرتب کیا جائے جو دینی، عصری، مادری، قومی وبین الاقوامی ضروریات کو پوری کرسکے، چنانچہ دینیات میں قرآن مجید ناظرہ اور عم پارہ حفظ، چمن اسلام جماعت چہارم تک اور جماعت پنجم سے جامعہ سلفیہ کی تیار کردہ کتاب اسلامی عقیدہ اور سیرت واحادیث کے منتخبات کو نصاب میں شامل کیا گیا، عصری علوم کے اعتبار سے 'ایس ایس سی بورڈ' کا نصاب جس میں ریاضی، سائنس، انگلش میں داخل نصاب ہے۔ یہ دونوں مضامین بچوں کے مستقبل اور کالج میں آنے والی پریشانیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شامل کئے گئے۔ اس طرح سیمی انگلش کا نصاب وجود میں آیا۔ غالباً پونہ ضلع کا یہ پہلا سیمی انگلش ادارہ ہے بلکہ مہاراشٹر کے اعتبار سے چند گنے چنے اداروں میں سے ہے۔ بعد میں بہت سارے اسکولوں نے اسی نصاب کو اپنایا۔

الحمدللہ اب تک ہائی اسکول کا نتیجہ صد فیصد رہا اور اسی نصاب تعلیم کی بنیاد پر یہاں سے فارغ التحصیل طلباء وطالبات، میڈیکل، انجینئرنگ اور دیگر پروفیشنل وغیر پروفیشنل کورسوں میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہورہے ہیں۔

مسجد ابوبکرؓ: چونکہ چکلی اور کدل واڑی کا علاقہ کافی وسیع ہے اور نو وارد مسلمانوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جارہی ہے، اسی کے پیش نظر الحاج عبدالصمد چودھری نے اپنی لمبی چوڑی دوکان کا ایک حصہ مسجد کے لئے وقف کردیا اور ایک تین منزلہ مسجد کی تعمیر ۲۰۰۸ء

میں کی۔ یہاں بھی بحمد للہ جمعہ، صلوات خمسہ وعیدین اور دعوت وتبلیغ کا کام اچھی طرح سے ہو رہا ہے۔

مسجد ابوھریرۃؓ: اس مسجد کا قیام ۲۰۱۵ء میں اسی علاقے میں عمل میں آیا، مسجد ابوبکر میں جگہ تنگ ہونے کے باعث اس مسجد کے قیام کی سخت ضرورت تھی، رقبہ کے اعتبار سے یہ مسجد چھوٹی ہے پھر بھی ساڑھے تین سو نمازیوں کے لئے وسعت رکھتی ہے، یہاں بھی جمعہ، صلوت خمسہ وعیدین کا اہتمام ہے۔

اہل حدیث قبرستان: چکلی اور کدل واڑی میں مسلمانوں کی کافی آبادی ہے اور دن بدن بڑھتی جارہی ہے اس علاقے میں شاہی زمانے کی ایک قبرستان ہے جس پر کچھ لوگوں نے غاصبانہ قبضہ کیا ہوا ہے اور چند پختہ قبریں ہیں جس کی وجہ سے مزید قبروں کی گنجائش نہیں ہے۔ جمعیت کے بزرگوں خصوصاً الحاج عبدالصمد چودھری اور الحاج عباس علی چودھری کی تحریک اور ان کے خاندان کے افراد کی دل چسپی کے باعث افراد جماعت نے قبرستان کے لئے ۲۰۰۱ء میں پونے دو ایکڑ زمین خریدی اور جماعت اہل حدیث ٹرسٹ کے نام سے رجسٹر کرایا اور حکومت مہاراشٹر سے منظوری لی۔ فللہ الحمد۔

دارالفرقان لتحفیظ القرآن: ۲۰۰۵ء میں دارالفرقان لتحفیظ القرآن نامی ایک اقامتی ادارہ قائم کیا گیا جس میں بچے قرآن مجید کا حفظ کرتے ہیں، یہاں سے تقریباً پچاس حفاظ کرام فارغ ہو چکے ہیں، عموماً ساٹھ طلباء اور چار حفاظ کرام کے قیام وطعام ودیگر مصارف کا انتظام برادرم عبدالشکور چودھری کرتے ہیں۔

پونہ میں دعوتی سرگرمیاں: ۱۹۹۵ء تک پونہ شہر کے تعلق سے نہیں معلوم تھا کہ افراد جماعت پونہ شہر میں بھی ہیں۔ صرف ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے تعلق سے معلوم تھا کہ وہ یونانی میڈیکل کالج پونہ میں استاد ہیں اور کسی کمرہ میں دینی تعلیم کا انتظام کیا ہے، انہیں کے زیر نگرانی مسجد الفلاح السلفیہ اور ایک مدرسہ کا قیام کنڈوہ خورد میں عمل میں آیا۔

۱۹۹۸ء میں ایک روز اچانک میرے پاس عبدالمبین ملا احمد نگر کا ٹیلیفون آیا کہ "ایڑوڑہ" میں دیوبندیوں کے ساتھ ایک مناظرہ ہے، آپ لوگ یہاں آئیں چنانچہ بہت سارے افراد کو لے کر وہاں پہنچا تو دیکھا کہ مولانا محمد مقیم فیضی حفظہ اللہ تشریف فرما ہیں اور ان کے ساتھ ابوزید ضمیر بھی ہیں ان کے تعلق سے اب تک کچھ نہیں معلوم تھا، ایک مسجد میں وہاں مقامی افراد نے مناظرہ متعین کیا تھا لیکن دیوبندیوں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے بغیر بحث ومباحثہ کے ختم ہو گیا۔ لیکن اس کا ایک مثبت پہلو یہ نکلا کہ ایک جوہر نایاب ابوزید ضمیر کی شکل میں ہمیں مل گیا جن کے پاس قرآن وحدیث کا گہرا مطالعہ ہے اور دعوت وتبلیغ میں کافی دلچسپی رکھتے ہیں، وہیں سے ہم دونوں کے تعلقات بڑھتے گئے اور دعوتی سرگرمیاں بھی بڑھتی گئیں۔ المنار اسکول کے قیام کے دوسرے سال بحیثیت استاد ان کی تقرری عمل میں آئی چونکہ ان کے اندر دعوت وتبلیغ کی تڑپ ہے اور وہ اسکول کی حاضری میں مانع تھی، صحت بھی روزانہ آنے جانے کا ساتھ نہیں دے رہی تھی اس لئے مجبوراً دو سال بعد تدریسی کام چھوڑ کر مکمل دعوت وتبلیغ میں لگ گئے، الحمد للہ آج پونہ اور ملک کے مختلف حصوں میں دعوتی کام انجام دے رہے ہیں، پونہ شہر میں مسلک سلف کی جو ترویج ہو رہی ہے اس میں بڑا حصہ ابوزید ضمیر کا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور مزید حوصلہ دے۔ (آمین)

□□□

ضلع بریلی میں تعلیمی بیداری

رضاء اللہ عبدالکریم المدنی

ضلع بریلی کا شمالی خطہ کثیر مسلم آبادی والا خطہ ہے۔ ہمالیہ کی ترائی میں بسا یہ علاقہ اپنی آب وہوا اور پانی کی فراوانی کے سبب ہرا بھرا اور خوش منظر ہے۔ پچاس ساٹھ سال قبل مسلم بستیوں میں تعلیمی سرگرمیاں نا کے برابر تھیں کہیں کہیں سرکاری اسکول بے شک تھے لیکن دینی تعلیم کے لئے کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ چونکہ علاقہ میں اہل حدیث بستیاں اور بستیوں میں اہل حدیث آبادی اللہ کے فضل وکرم سے اچھی تھی اس لیے علماء اہل حدیث کا آنا جانا اس علاقہ میں بغرض تعلیم وتبلیغ لگا رہتا تھا اور اہل حدیث علماء دیگر مسالک کے علماء کے مقابلہ میں ہمیشہ سے ذہنی طور پر زیادہ بیدار مغز اور مسلم قوم کی فلاح وبہبود کے لئے ہمیشہ فکر مند رہے ہیں۔

۱۹۵۰ء کے بعد کے زمانہ میں حضرت مولانا قاری احمد سعید صاحب بنارسی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا وہ زمانہ تھا کہ ان کے دم سے جماعتی تبلیغی سرگرمیاں زندہ تھیں۔ وہ جس جگہ جاتے وہاں کے احباب جماعت خصوصاً اصحاب ثروت کو آمادہ کرتے تھے کہ دینی جلسہ، کانفرنس، مکتب، مدرسہ، عالم، مولوی حافظ قاری کا اپنے یہاں انتظام کریں۔ زبان میں اثر تھا جماعت میں علماء کی بات سنی جاتی تھی چھوٹے بڑے سب ہی آپ کی بات پر دھیان دیتے تھے۔ جہاں مکتب نہیں مکتب قائم کرواتے امام نہیں امام رکھواتے عالم نہیں عالم کا انتظام کرتے، حافظ وقاری نہیں تو ان کو کہیں نہ کہیں سے بلا کر فراہم کر دیتے۔

وہ حقیقی معنی میں داعی، اور مبلغ تھے۔ خاندانی پس منظر، خوش شکل خوش لباس، خوش گفتار اور تلاوت قرآن کا ان کا اپنا مخصوص انداز جب وہ لحن داؤدی میں تلاوت قرآن کرتے تو چلتے لوگ رک جاتے اور بیٹھے ہوئے لوگ ہمہ گوش آنکھیں پھاڑے منہ کھولے محو تلاوت ہو جاتے، تقریر کرتے تو لگتا بات کان سے سیدھی دل میں اتر رہی ہے آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کا خوبصورت انتخاب اور اس پر کہنے والے کی شیریں بیانی، درد دل بیاں کرتے سامعین کو پورے خلوص، ہمدردی اور پیار سے مخاطب کرتے تاریخ سے عمدہ قسم کے پر تاثیر واقعات بیان کرتے کہ سننے والوں کے دل پسیج جاتے، آنکھیں اشک بار ہو جاتیں دلوں میں اللہ ورسول کی محبت کے ساتھ ان کی فرمانبرداری کا جذبہ پیدا ہوتا اور معاصی سے توبہ کر کے نمازی اور پرہیز گار بننے کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ اللہ ان کی قبر کو نور سے بھرے ان کے درجات کو بلند فرمائے اور جماعت میں ایسے لوگ دوبارہ پیدا فرمائے آمین، **رحمہ اللہ وعفا عنہ وجعل الجنۃ مثواہ۔**

بات ہو رہی تھی ضلع بریلی کے شمالی خطے کی اور اس میں تعلیمی سرگرمیوں کی، درمیان میں حضرت مولانا قاری احمد سعید رحمہ اللہ متوفی ۱۹۶۴ء کا ذکر خیر آ گیا۔ تو یہ علاقہ تعلیمی پسماندگی سے گذر رہا تھا اور قاری صاحب کا اس علاقہ میں آنا جانا تھا۔

۱۹۵۷ء کے اخبار اہلحدیث دہلی کے ایک شمارہ میں محترم جناب حافظ محمد عثمان صاحب گردھر پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مختصر

مضمون دیکھا جس میں آپ نے قاری صاحب کا شکریہ ادا کیا ہے کہ آپ نے جماعت اہل حدیث گردھر پور کا حوصلہ بڑھایا اور اخراجات کی ذمہ داری بھی اٹھانے کا وعدہ کیا اور ایک مکتب قائم کرادیا۔

اس طرح اس علاقے میں تعلیمی بیداری کے سلسلہ میں بات کی جائے تو قاری صاحب کا نام سب سے پہلے آئے گا، انہیں مکاتب کی برکت سے بعد میں الحاج محمد یوسف صاحب آف آگرہ کی امارت کے زمانہ میں اس علاقہ میں تعلیمی بیداری کے لئے محترم جناب ڈاکٹر محمد اسلم صاحب ٹانڈا حفظہ اللہ (جواب مرحوم ہو چکے ہیں)، ڈاکٹر محمد صدیق صاحب رچھا، ڈاکٹر عثمان صاحب دھونرہ رحمہ اللہ، الحاج عبدالمالک صاحب رچھا رحمہ اللہ الحاج محمد عمر صاحب رچھا رحمہ اللہ، مولوی محمد یونس صاحب جوکھنپور حفظہ اللہ، بابا عبدالمجید صاحب سینتھل ٹانڈا رحمہ اللہ بابا محمد اسرائیل دھونرا رحمہ اللہ، عبداللہ ریلی صاحب شیش گڑھ رحمہ اللہ، بابو عطاء الرحمن صاحب گردھر پور، چھوٹے بھیا جوکھنپور ودیگر ذمہ داران جماعت نے بڑی محنت سے تمام مقامی جماعتوں میں مکاتب قائم کئے۔ اور صوبائی جمعیت اہلحدیث کی نگرانی میں المعہد الاسلامی السّلفی کا قیام عمل میں آیا، ضلع بریلی کی تعلیمی بیداری میں جو محنت ڈاکٹر اسلم صاحب ٹانڈا والوں نے کی وہ کسی دوسرے کے حصہ میں نہیں آئی اللہ ان کی محنتوں کو قبول فرمائے اور صحت وعافیت سے نوازے آمین۔

ان تعلیمی اداروں کی برکت سے پوری قوم میں تعلیم کا رجحان بڑھا، بریلی مسلک والوں نے بھی یہیں سے روشنی پائی جہاں جہاں جماعت نے مکاتب کھولے ان حضرات نے بھی مقابلے یا دشمنی ہی میں سہی مکاتب ومدارس کھولے پورے علاقے میں تعلیم کا بول بالا ہوا۔

آج علاقے میں اقتصادی خوش حالی ذہنی بیداری کے ساتھ ساتھ دوسروں کے دوش بدوش چلنے کا جو رجحان پایا جاتا ہے وہ ہمارے انہیں اسلاف کی خاموش محنتوں کی برکت ہے آج ملک اور بیرون ملک علاقہ کے بہت سے نوجوان بڑی بڑی سروسوں میں لگے ہوئے ہیں ملک کے مختلف علاقوں میں مختلف شعبوں میں برسرعمل ہیں اور ملک کی خدمت کر رہے ہیں۔ فللہ الحمد والمنۃ۔

المعہد الاسلامی السّلفی ان ہی پیاری یادگاروں عظیم محنتوں اور اسلاف کی تمناؤں کا پیارا مرکز ہے۔

آج ہماری توجہ اس کی طرف سے کم ہوتی جارہی ہے یہ ہمارے لئے تشویش کا باعث ہے احباب جماعت سے مخلصانہ اپیل ہے۔ توحید وسنت کے اس چراغ کو روشن رکھنے اپنے اسلاف کے صدقہ جاریہ کو باقی رکھنے قوم کی ترقی اور سدھار کے لئے اس عظیم مرکز کو مزید فعال، مفید اور خود کفیل بنانے کے لئے آگے بڑھ کر آئیں اور اپنے قیمتی وقت میں تھوڑا وقت اس کے لئے بھی دیں اللہ آپ کا حامی وناصر ہو۔ رہے نام اللہ کا۔

(ترجمان السنہ رچھا بریلی جنوری تا مارچ ۲۰۱۷ء)

□□□

مجلہ اہل حدیث کا ۴۰واں سال

حکیم اجمل خان

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۴۹ء) نے اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں چار رسائل کی بنیاد رکھی اور اسے جاری وساری فرمایا (۱) جدیدہ مسلماں (۲) اخبار اہل حدیث (۳) مرقع قادیانی (۴) مخزن ثنائی یا گلدستہ ثنائی ان میں سب سے مشہور اور طویل عرصے تک جاری رہنے والا رسالہ ''ہفت روزہ اخبار اہل حدیث'' امرتسر ۲۲ شعبان ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۳ نومبر ۱۹۰۳ء کو جاری ہوا، ہر جمعہ کو باقاعدگی سے شائع کیا جاتا تھا۔

چوالیس (۴۴) سال تک باقاعدہ مطلع صحافت پر نمودار رہا اور کسی بھی ہفتہ میں اس کا ناغہ نہ ہوا۔ اس کا آخری شمارہ ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق یکم اگست ۱۹۴۷ء کو شائع ہوا۔ اس کے بعد ملک تقسیم ہوگیا، مولانا امرتسری ہجرت کر گئے اور آزادی کے ایک سال بعد ۱۹۴۹ء میں وہیں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آزادی وطن کے بعد ہندوستان میں اس کی نشاۃ ثانیہ کی گئی جس کی تفصیل ذیل کے مضمون میں ملاحظہ فرمائیں۔ (عبدالحکیم مدنی)

اخبار اہل حدیث امرتسر کا آخری شمارہ اگست ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا تھا، ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کو ملک آزاد ہوا۔ پنجاب چونکہ تقسیم ہوگیا تھا۔ اس لئے تبادلہ کی ہلچل یہاں آزادی سے پہلے ہی شروع ہوگئی۔ انہیں دنوں حضرت شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری کے مکان پر بم کا حملہ ہوا۔ جس میں ان کے بیٹے کی شہادت ہوگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رنج وغم کے عالم میں مولانا نے پاکستان ہجرت کی اور اخبار اہل حدیث (۱۹۰۳ء۔۱۹۴۷ء) بند ہوگیا، دونوں طرف کے مہاجرین کی ہجرت سے افراتفری، لوٹ مار، اغواء قتل وغارتگری، بربادی اور بے حیائی ہوئی۔ اسے بہت سے وقائع نگاروں نے قلم بند کر کے شائع کر دیا ہے۔ وہ الم ناک داستان ہے۔

بعد از خرابی بسیار جب حالات معمول پر آئے۔ تو والد مرحوم حکیم عبدالشکور رحمہ اللہ نے حافظ حمید اللہ مرحوم کو اخبار اہل حدیث کی نشاۃ ثانیہ کی طرف متوجہ فرمایا۔ وہ اخبار اہل حدیث کے دوبارہ اجراء پر راضی ہوئے۔ یہ بھی طے پایا کہ مولانا تقریظ احمد سہسوانی مدیر اور حکیم عبدالشکور شکراوی معاون مدیر ہوں گے۔ چنانچہ حافظ حمید اللہ مرحوم اپنی رحلت (دسمبر ۱۹۵۰ء) سے قبل مبلغ ایک ہزار روپے مولانا عبداللطیف سلفی دہلویؒ کے حوالے کر کے اس دنیا سے چلے گئے اور بتا گئے کہ اخبار اہل حدیث کے لئے رقم مولانا تقریظ احمد سہسوانی کے حوالہ کر دی جائے۔ مولانا عبداللطیف صاحب نے وصیت کی تعمیل کی، اس وقت ایک ہزار روپے بڑی چیز تھی۔ اخبار اہل حدیث دہلی کی (نشاۃ ثانیہ) کا پہلا شمارہ فروری ۱۹۵۱ء میں منظر عام پر آیا۔ ٹائیٹل کے نقش نگار پرانے ترکت فیکم امرین والی حدیث اور اصل دیں آمد کلام اللہ

(شعر) ہی رہے۔ پندرہ روزہ اہل حدیث دہلی کا سالانہ چندہ ۵ روپئے تھا۔ ترتیب تسوید طباعت اور ترسیل کی ذمہ داری مولانا تقریظ احمد سہسوانی فرماتے تھے۔ اداریہ اور دوسرے مضامین والد مرحوم لکھتے رہے۔ اپریل ۶۱ء میں والد صاحب کا انتقال ہوگیا۔ تب اس کے اداریے مولانا مختار احمد ندوی اور مولانا یوسف مرکزی لکھتے رہے۔ ۱۹۷۶ء میں حافظ یحییٰ صاحب نے جو مولانا تقریظ احمد صاحب کے بعد اہل حدیث کے پرنٹر پبلشر تھے، راقم الحروف کو مکلف کیا کہ میں اس کے ادارتی فرائض انجام دوں چنانچہ میں نے اس کی ادارت سنبھالی مگر مالی حالات خراب ہونے کی وجہ سے اخبار بند ہوگیا۔ ۱۹۷۸ء میں جماعتی تنظیم میں اتھل پتھل شروع ہوگئی۔ ترجمان بھی برائے نام جاری تھا۔ مسلک وجماعت کی آواز بند ہوگئی اخبار اہل حدیث کا اجراء ضروری تھا۔ میں اس اجراء کے لئے نئے وسائل کی تلاش میں تھا۔ مگر وہ دور دور تک بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ میں نے حوصلہ کر کے اس کے نئے ٹائیٹل کے لئے درخواست دی تو مجلہ اہل حدیث کے نام سے مل گیا۔ ابتدائی شماروں کی طباعت کے لئے مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کو توجہ دلائی۔ تو انہوں نے بھاگ دوڑ کر کے بعض مخلصین سے تعاون دلایا۔ اگست ۷۸ء میں مجلہ اہل حدیث کا پہلا شمارہ منظر عام پر آ گیا۔ ۲۰۱۷ء۔ ۱۹۷۸ء کا طویل سفر طے کر کے مجلہ اب ۴۰ ویں جلد میں داخل ہوا ہے۔ پہلے اخبار کی شکل میں ۱۵ روزہ تھا۔ مگر جب حالات سازگار نہیں رہے۔ تب ماہانہ کر دیا۔

مجلہ کی ترتیب واشاعت میں اس وقت زیادہ پریشانی ہوئی۔ جب میں مرکزی جمعیت کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھا۔ وقت کم ملتا تھا۔ وسائل کی فراہمی مشکل ہوگئی۔ ٹائیٹل کو باقی رکھنے کے لئے تاریخ پر اشاعتوں کی طباعت ضروری ہوتی ہے۔ جیسے تیسے کر کے انتظام کرتا رہا ۱۹۸۵ء کے بعد اس کو مستحکم کیا تب سے اب تک اس کا ناغہ نہیں ہونے دیا۔ ہاں ڈاک کی خرابی سے کئی بار قارئین کو شکایت ہوتی رہی۔

میں نے بارہا قارئین کو بتایا کہ مجلہ اہل حدیث کے پاس دہلی میں آفس نہیں ہے۔ جس کی ہمیشہ سخت ضرورت رہی۔ اس سے نہ صرف مجلہ کی ڈاک ضائع ہوتی ہے۔ بلکہ اس کی ترتیب وتسوید میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اب دفتر کمپیوٹر، ای میل، ویب سائٹ، فیکس ،فون وغیرہ تمام اخباری لوازمات میں سے ہیں۔ میں خود ہی چلتا پھرتا دفتر ہوں، مگر اب یہ سب میرے بس سے باہر ہوتا جا رہا ہے۔ مولانا عبدالمتین سنابلی، مولانا خورشید احمد سلفی اس بار عظیم کو سنبھالنے میں میرے قلمی معاون رہے ہیں۔ مگر میری طرح وہ بھی ذیابطیس کے مریض ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ اور عمر دراز کرے۔ موصوف کی رفاقت سے مجھے ہمیشہ حوصلہ ملا۔ اسی طرح مجلہ کے ہمدرد ومعاونین جس اخلاص مندی اور مسلکی وجماعتی جذبے کو سامنے رکھتے ہوئے مجلہ کا مالی تعاون فرماتے ہیں اس کے لئے میں تمام احباب ومعاونین کا شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکی اور خلوص کو قبول فرمائے۔ مجلہ اہل حدیث کو ۴۰ سال تک زندہ رکھنے میں ان کی اخلاص مندی انتہائی اہم ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ اپنی ہمدردی اور تعاون جاری رکھیں گے۔

اس وقت میری صحت کمزور، کمر خمیدہ اور انگلی گھس گئی ہے۔ جس سے مضمون نگاری اور پروف ریڈنگ کا کام مشکل ہوگیا ہے۔ معاونین وقارئین سے میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ متبادل انتظامات ہونے تک میری صحت یابی اور عزیمت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ اور حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری کی یادگار کو زندہ جاری رہنے کے لئے بھی دعا فرمائیں۔ واللہ المستعان والمعین۔

(مجلہ اہل حدیث جنوری ۲۰۱۷ء)

❑❑❑

میوات میں ائمہ مساجد کی دینی خدمات

ڈاکٹر عیسیٰ خان انیس تجارہ

علاقہ میوات جغرافیائی حیثیت سے صوبہ جات راجستھان، ہریانہ، یوپی، ودہلی کے متعدد اضلاع پر مشتمل تقریباً سوا سو مربع میل کے طول وعرض پر پھیلا ہوا علاقہ ''میوات'' کہلاتا ہے۔ جس میں لگ بھگ ڈھائی ہزار دیہاتوں میں میوقوم آباد ہے۔ میوقوم ہی سے میوات منسوب ہے۔

اس قوم کا دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا سلسلہ سید سالار مسعود غازیؒ کی کوششوں سے شروع مانا جاتا ہے۔

البتہ تجدید دین واحیائے اسلام کی ابتداء کرنے والے دو علمائے دین تھے جو خاندانی ولی الٰہی کے فیض یافتہ تھے۔ بالخصوص مولانا محبوب علی دہلویؒ ومولانا حیدر علی رامپوریؒ کے تبلیغی دورے میوات میں احیائے اسلام کا بنیادی ستون مانے جاتے ہیں یہ حضرات بیل گاڑیوں پر سوار ہو کر میوات میں آئے اور گاؤں گاؤں قریہ قریہ پہنچ کر نماز، روزہ ودیگر اسلام کے ارکان لوگوں کو سمجھاتے تھے۔

مقامی حضرات میں میوات کے اندر تبلیغ دین کے تعلق سے حاجی عبداللہ موضع کانکر کھیڑہ ریاست الور کا نام سرفہرست آتا ہے۔ جو میوات میں موحدین کی ایک ایسی جماعت تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے جو آگے چل کر پوری میوات میں پھیل گئی۔ اس جماعت میں میانجی الف خاں شکراوہ، حاجی احمد خاں رہپوہ، حاجی نتھو خاں جلال پورہ، میانجی فوج خاں بھشتی گوہانہ، حاجی سمیع خاں ساکرش، حافظ حسن خاں لاڈمکا، قاضی رحیم الدین پہاڑی (بھرت پور) شہزاد خاں ومحمد خاں بخارا وغیرہم کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے میوات میں گاؤں گاؤں پہنچ کر مسجدوں میں اماموں کا تقرر کیا اور مکاتب اسلامیہ کا جال بچھایا۔

یہیں سے میوات میں ائمہ مساجد کی دینی خدمات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ محترم حضرات! اس سرزمین میوات میں دین اسلام کی بنیاد کا سہرا صرف اور صرف ائمہ مساجد کو جاتا ہے۔ جنہوں نے گھر گھر پہنچ کر توحید کا ڈنکا بجایا اور کلمہ طیبہ کی صدا بلند کی۔ انہیں ائمہ مساجد نے امامت کے ساتھ ساتھ تبلیغ دین وتعلیم قرآن وحدیث کی ذمہ داریوں کو بھی بخوبی انجام دیا۔ اور صرف نان ونفقہ کی اجرت پر اپنی زندگیاں تعلیم وتبلیغ وامامت وخطابت کے لئے وقف کر دیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

میوات کے علاقائی دستور کے مطابق ہر امام ممبر ومحراب تک محدود نہیں ہوتا بلکہ مکتب ومدرسہ، درس وتدریس کی ذمہ داری بھی نبھاتا ہے۔ اب چاہے اس کی تعلیم کا معیار اردو دینیات تک محدود ہو یا پھر وہ مستند عالم دین ہو۔

محترم قارئین! ائمہ مساجد کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس گروہ نے اپنے قائدین علمائے کرام کے ادنیٰ اشارے پر جان ومال کی قربانیاں پیش کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا اور رضائے الٰہی کی خاطر اپنے رشتے ناطے اور تعلقات کو بھی درکنار کر دیا۔

حضرات گرامی! یہی وہ پاکباز طائفہ ہے جس نے کلام الٰہی کی روشنی سے اپنے سینوں کو منور کیا اور انوار رسالت کی شعاعوں سے اپنی زندگیوں کو روشن کیا۔ یہی وہ مقدس گروہ ہے جس نے کتاب وسنت کو اپنا لائحہ عمل بنایا اور میوات کو شرک وبدعت کی غلاظت سے پاک کیا۔

معزز قارئین! سچ تو یہ ہے کہ اگر میوات میں ائمہ کرام کی یہ جماعت نہ ہوتی تو آج ہم اہل میوات اس قدر کثیر تعداد میں اس عظیم الشان کانفرنس کے اندر موجود نہ ہوتے۔

یہی وہ جماعت ہے جس کے ارکان نے شاہ اسماعیل شہیدؒ کے قافلے میں شمولیت کی اور بالاکوٹ کی جنگ میں شریک ہوکر جہاد فی سبیل اللہ کی سعادت حاصل کی۔

یوں تو ائمہ میوات کی فہرست بہت طویل ہے اور ان کی دینی خدمات کا سلسلہ بھی لامتناہی ہے لیکن کچھ ہستیاں ایسی بھی گذری ہیں جن کے تذکرہ کے بغیر یہ مقالہ مکمل نہیں مانا جاسکتا۔ اس سلسلے میں میوات کے اول اسلامی سپوت حاجی عبداللہ مرحوم کانکر کھیڑہ کا نام نامی اسم گرامی آتا ہے جنہوں نے میوات میں احیائے اسلام اور تحریک اہل حدیث کی تخم ریزی کی اور ایک اچھی خاصی دینی جماعت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ موصوف وہ شخصیت ہیں جنہوں نے جنگ بالاکوٹ سے واپس آنے کے بعد تیس سال تک میوات میں مجاہدین اسلام تیار کئے اور ان کے تعلقات مجاہدین سرحد سے استوار رکھے۔

اس مجاہدین میں مولانا ابوالحسن افغانیؒ کا نام نامی سرفہرست آتا ہے جو ۱۸۵۷ء میں علاقہ میوات کے اندر وارد ہوئے اور تاحیات خدمت دین میں مصروف رہے میوات میں ان کی آمد کی تفصیل کا موقع نہیں بہر حال انہوں نے موضع بھونری کو جائے قیام بنایا اور امامت وخطابت اور تعلیم وتعلم کے ذریعہ اشاعت دین کی شمع روشن رکھی آج اس علاقہ میں اہل اسلام ان کی دینی خدمات کے مرہون منت ہیں ان کے علاوہ ان کے ساتھی مولوی نور محمد، مولوی محمد مرید، وحضور کھیستی نے بھی میوات میں امامت وخطابت ودرس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا۔

آج بحمد اللہ کوئی دیہات ایسا نہیں جہاں مسجد نہ ہو۔ اور کوئی مسجد ایسی نہیں جس میں امام نہ ہو اور کوئی امام ایسا نہیں جو امامت کے ساتھ ساتھ اسلامی مکتب نہ چلاتا ہو نیز تعلیم بالغان تعلیم نسواں ودیگر دینی تبلیغی خدمات بھی ائمہ کرام کے فرائض میں آئے ہیں۔

تقسیم سے قبل کے ائمہ کرام میں سرفہرست میانجی عبداللہ ڈھاڈولی کا نام آتا ہے جنہوں نے پوری زندگی امامت کے فرائض انجام دیئے اور بہت سے علمائے کرام کے علاوہ شارح بخاری مولانا محمد داؤد راز جیسی جلیل القدر شخصیت کے استاد ہونیکا شرف حاصل کیا ان کے علاوہ مولانا محمد اسماعیل سعیدیؒ جھانڈہ جنہوں نے جھانڈہ کی جامع مسجد میں امامت وخطابت کے ساتھ ساتھ مکتبی تعلیم کا بھی اہتمام رکھا۔

مولانا محمد اسماعیل مرحوم گلالتہ نے بھی اپنی زندگی امامت وخطابت ودرس وتدریس میں صرف کی۔ میانجی مظہر الدین جھانڈہ نے بھی تاحیات امامت کے ساتھ ساتھ مکتبی تعلیم کا اہتمام رکھا اور استاد جی کے نام معروف ہوئے۔ مولانا محمد ابراہیم جھانڈہ، مولانا محمد ابراہیم ساکرس مولانا محمد یوسف ساکرس، مولانا محمد سلیمان ہوگا مولانا عبدالرحمان ندوی، مولانا کمال الدین ندوی، منشی محمد اسحاق رہپوہ وغیرہم رحمہ اللہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے میوات میں دین کی بے لوث خدمت کی ہے۔

ائمہ مساجد ہی کی دینی خدمات کا نتیجہ ہے کہ آج میوات میں ہر پانچ کلومیٹر کے بعد ایک دینی اقامتی ادارہ قائم ہے۔

صحافت: انہیں ائمہ مساجد نے میوات میں ایسے اہل قلم حضرات بھی پیدا کئے جنہوں نے بطور صحافت اپنی دینی وسماجی خدمات پیش کیں، اور متعدد اخبارات، جرائد ورسائل میں اپنی نوک قلم کا استعمال کیا۔ جن میں شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار صحیفہ اہل حدیث دہلی کے مدیر اعلیٰ رہے۔ مولانا حکیم عبدالشکورؒ نے آفتاب میوات واخبار اہل حدیث دہلی میں اپنی ادارتی خدمات پیش کیں مولانا محمد داؤد رازؒ نے رسالہ نورالایمان تاحیات جاری رکھا۔ اور بخاری شریف کی شرح تحریر فرمائی۔ حکیم اجمل خاں میوگزٹ اور اوقاف کے ایڈیٹر رہے نیز آج بھی مجلہ اہل حدیث موصوف کی ادارت میں نکل رہا ہے۔

یہ مختصر روداد تھی میوات کے ائمہ مساجد کی دینی خدمات کی۔ آج بھی علاقہ میوات میں سینکڑوں ائمہ مساجد دین اسلام کی بے لوث خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین

(جریدہ ترجمان جلد ۳۶، شمارہ ۰۶، ۳۱۔۱۶ مارچ ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کا کارنامہ

محمد تنزیل صدیقی

''شہرت وناموری تو بخت ونصیب کی بات ہے وگرنہ اس درسگاہ کی ایک حیرت انگیز تاثیر یہ رہی کہ جو تلامذہ نکلے وہ خدمتِ دین کے جذبے کی تڑپ لے کر نکلے، وہ جہاں جہاں گئے اس جذبے کی آگ نے انہیں ہمیشہ فروزاں رکھا، کثرت تلامذہ اور پھر کبار ذی علم شاگردوں کا جو مجمع سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کو حاصل ہوا، علمائے ہند اور متاخرین میں کوئی اس باب میں ان کا ہم سر نہیں۔''

(دبستان نذیریہ ۱/ ۲۴)

باب سوم

یادرفتگاں

محدث کبیر

مولانا محمد عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ

شخصیت اور کارنامے

۱۸۶۷ء.....۱۹۳۵ء

مولانا ابوالعاص وحیدی

برصغیر ہندو پاک میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے مبارک دور سے علم حدیث کو عروج وارتقاء حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ اس برصغیر میں اسلامی تاریخ کے بڑے بڑے عالی مرتبت اور نابغۂ روزگار محدثین پیدا ہوئے اور فقہائے محدثین کے طرز واسلوب پر علوم حدیث کی تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف اور نشر واشاعت کا زبردست سلسلہ شروع ہوا۔ پچھلی دوصدیوں میں فقہائے اہل حدیث کے طرز پر خدمت حدیث کے سلسلہ میں ہندوستان کے متعدد علمی ودینی مراکز کو بڑی امتیازی حیثیت حاصل ہوئی جیسے دہلی، بھوپال، عظیم آباد، بنارس، آرہ، ملتان، امرتسر، وزیرآباد اور گجرانوالہ وغیرہ۔

ہندو پاک میں دہلی خدمت حدیث کا سب سے بڑا مرکز تھا، یہاں جو کبار محدثین علوم حدیث کی تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشہور وممتاز ہوئے ان میں سے چند علماء حدیث کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، شاہ محمد اسحاق دہلویؒ، سید میاں نذیر حسین دہلویؒ، مولانا محمد بشیر سہسوانیؒ، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ، مولانا محمد عبدالرحمن مبارکپوریؒ، مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھیؒ، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلویؒ اور مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ۔

امام حدیث ابوالعلیٰ محمد عبدالرحمن مبارکپوریؒ جو جامعہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈیہار کے بانی ہیں اور مرکز دہلی کے کبار محدثین میں جن کا شمار ہے ہم ذیل میں ''تراجم علمائے حدیث ہند'' اور ''مقدمہ تحفۃ الاحوذی'' کی مدد سے ان کی شخصیت اور علمی کارناموں پر مختصر روشنی ڈال رہے ہیں۔

پیدائش اور ماحول:

مولانا مبارکپوریؒ کی پیدائش ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء میں اعظم گڈھ کے مشہور ومعروف قصبہ مبارکپور میں ہوئی، سلسلۂ نسب اس طرح ہے، ابوالعلیٰ محمد عبدالرحمن بن العلامہ الشیخ الحافظ عبدالرحیم بن الحاج الشیخ بہادر المبارکفوری رحمہم اللہ۔

آپ کے والد گرامی جناب مولانا حافظ عبدالرحیم مبارکپوری جناب علامہ شیخ محمد جعفر ہاشمی مچھلی شہریؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، مبارکپور میں آپ کا گھر شرف ومجد، قیادت وسیادت، تقویٰ ودیانت اور علمی ودینی امامت کا حامل رہا ہے، اس قصبہ میں انہیں کے ذریعہ عمل بالحدیث کا آغاز ہوا، انہوں نے ہی سب سے پہلے مبارکپور کے باشندوں کو عمل بالحدیث کی طرف بلایا، لوگوں کو اس کی ترغیب دی اور احیاء سنت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عظیم بشارت دی ہے لوگوں کو سنائی چنانچہ بہت سے لوگوں نے ان کی اس دعوت پر لبیک کہا اور شاہراہ کتاب وسنت پر گامزن ہو گئے۔

اس طرح سے مولانا مبارکپوریؒ نے جس ماحول وخاندان پر آنکھیں کھولیں وہ قال اللہ وقال الرسول کی دلنواز صداؤں سے معمور، سلفیت واہل حدیثیت کے مخلصانہ جوش وخروش سے سرشار اور دعوت کتاب وسنت کا پرزور علمبردار تھا، بچے ماحول وخاندان سے بہت متاثر ہوتے ہیں اور ان کے ذہن وفکر کی تشکیل میں اس کا زبردست دخل ہوتا ہے، اگر یہ بات کہی جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ مولانا مبارکپوریؒ کو عظیم محدث بنانے میں ماحول وخاندان کا ناقابل انکار ہاتھ ہے۔

تعلیم وتربیت اور شیوخ واساتذہ:

مولانا مبارکپوریؒ کی نشوونما اور ابتدائی تعلیم وتربیت مبارکپور میں آپ کے والد گرامی جناب مولانا حافظ عبدالرحیم صاحبؒ کی نگرانی میں ہوئی، آپ نے قرآن مجید، اردو زبان، فارسی ادب وانشاء اور دوسری ابتدائی کتابیں مولانا خدا بخش اعظمی، مولانا محمد سلیم پھریاوی اعظمی اور اپنے والد صاحب سے پڑھیں، اس کے بعد مئو واعظم گڈھ وغیرہ میں مولانا عبدالرحمن جیراج پوری، مولانا فیض اللہ مئوی، مولانا حسام الدین مئوی اور مولانا سلامت اللہ جیراجپوری وغیرہ کی شاگردی اختیار کی اور ان حضرات سے عربی ادب، نحو وصرف، فقہ واصول فقہ اور منطق پڑھی۔

پھر تکمیل علوم کے لئے مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور تشریف لے گئے جہاں علوم نقلیہ وعقلیہ کے امام استاذ الاساتذہ مولانا حافظ عبداللہ مئوی غازی پوریؒ سے پانچ سال تک بھرپور استفادہ کیا اور ان سے نحو وصرف، بلاغت، ادب عربی، منطق، فلسفہ، ہیئت، ہندسہ، حساب، فقہ واصول فقہ، حدیث واصول حدیث اور تفسیر واصول تفسیر وغیرہ علوم وفنون کی تکمیل کی اور جملہ علوم نقلیہ وعقلیہ میں مہارت حاصل کی۔

جناب مولانا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ نے مولانا مبارکپوریؒ کی صلاحیت وعبقریت کے پیش نظر انہیں مشورہ دیا کہ وہ دہلی تشریف لے جائیں اور جامع علوم وفنون امام حدیث وفقہ شیخ الکل فی الکل سید میاں نذیر حسین دہلویؒ کی شاگردی میں رہ کر ان کے علوم ومعارف کے بحر بیکراں سے مستفید ہوں اور سند عالی حاصل کریں چنانچہ آپ دہلی تشریف لے گئے اور حضرت میاں صاحبؒ سے بلوغ المرام، مشکوٰۃ المصابیح، شرح نخبہ، تفسیر جلالین، اوائل ہدایہ، تفسیر بیضاوی، جامع صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، اواخر سنن نسائی، اوائل سنن ابن ماجہ وغیرہ کتابیں پڑھیں اور سند اجازت حاصل کی۔

مولانا مبارکپوریؒ نے اپنی سند حدیث کو عالی کرنے کے لئے شیخ العرب والعجم قاضی حسین بن محسن انصاری خزرجی یمانیؒ سے بھی

شرف تلمذ حاصل کیا، ان سے جستہ جستہ موطا امام مالک، مسند دارمی، مسند امام شافعی، مسند امام احمد بن حنبل، الادب المفرد، معجم صغیر طبرانی، اور سنن دار قطنی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ اور سند اجازت حاصل کی۔ اسی طرح اپنے والد مرحوم کے استاذ علامہ شیخ محمد ہاشمی جعفری مچھلی شہریؒ سے بھی اوائل بلوغ المرام اور چالیس احادیث مع سند ومتن پڑھیں اور سند مسلسل بالاولیۃ حاصل کی۔

اس طرح سے فن حدیث میں علامہ مبارکپوریؒ کی سندوں کے لئے تین سلسلے ہیں ایک سلسلہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تک پہنچتا ہے جو اس طرح ہے، **ابو العلی محمد عبدالرحمن المبارکفوری عن شیخ الکل فی الکل السید محمد نذیر حسین المحدث الدھلوی عن الشیخ المکرم البارع فی الآفاق محمد اسحق المحدث الدھلوی عن الشیخ الاجل الشاہ عبدالعزیز المحدث الدھلوی عن الشیخ الامام الشاہ ولی اللہ الدھلوی رحمھم اللہ**، اور سند کی بقیہ کڑیاں، ''عجالۂ نافعہ'' میں مذکور ہیں۔

اور بقیہ دونوں سلسلے علامہ شوکانی رحمہ اللہ تک پہنچتے ہیں جن میں پہلا سلسلہ سند اس طرح ہے **ابو العلی محمد عبدالرحمن المبارکفوری عن شیخ العرب والعجم القاضی حسین بن محسن الانصاری الیمانی عن الشیخین محمد بن ناصر الحسنی الحازمی والقاضی العلامۃ احمد بن الامام محمد بن علی الشوکانی عن الامام الحافظ الربانی محمد بن علی الشوکانی رحمھم اللہ**، اور دوسرا سلسلہ سند یہ ہے **ابو العلی محمد عبدالرحمن المبارکفوری عن العلامۃ محمد بن عبدالعزیز المدعو بالشیخ محمد الھاشمی الجعفری عن الشیخ ابی الفضل عبدالحق المحمدی عن امام المحدثین القاضی محمد بن علی الشوکانی رحھم اللہ**۔

مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ کی تعلیم وتربیت اور اساتذہ وشیوخ کی جو تفصیل سامنے آئی اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کیسے کیسے اصحاب زہد وورع نے موصوف کی ذہنی وفکری تربیت فرمائی اور کیسی کیسی آفتاب وماہتاب علمی وتحقیقی شخصیتوں نے انہیں اسلامی علوم وفنون خصوصاً فن حدیث کی تعلیم دی، اسی کا نتیجہ ہے کہ مولانا مبارکپوریؒ ایک کامیاب ترین مدرس ومعلم، مایہ ناز محقق ومصنف اور امام حدیث کی حیثیت سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**۔

تعلیمی وتدریسی خدمات:

تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا مبارکپوریؒ اپنے وطن مالوف مبارکپور تشریف لائے اور وہاں مدرسہ اسلامیہ دارالتعلیم کی بنیاد ڈالی اور درس وتدریس میں لگ گئے، نیز زبان وقلم کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی علمی ودینی خدمت کرتے رہے، چند ہی دنوں کے بعد اس مدرسہ کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی اور طالبان علوم نبوت پروانہ وار اس شمع علم وفن کے اردگرد اکٹھا ہوگئے، یہ ادارہ اب بھی چل رہا ہے جس میں ابتدائیہ سے فضیلت کے بعض درجات تک تعلیم ہوتی ہے۔

مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ کو گونڈہ وبستی کی سرزمین سے بڑی انسیت تھی، چنانچہ بیسویں صدی کے بالکل اوائل میں موصوف اس سرزمین میں آئے اور اپنی تعلیمی وتدریسی اور دعوتی وتبلیغی کوششوں سے کتاب وسنت کی تعلیمات کی خوب اشاعت کی اور یہاں

بڑے گہرے آثار ونقوش چھوڑے، جس کی داستان اس علاقہ کے ذرہ ذرہ سے سنائی دیتی ہے۔

مولانا مبارکپوریؒ سب سے پہلے بلرام پور گونڈہ میں تشریف لائے وہاں ایک اسلامی مدرسہ قائم کیا اور ایک مدت تک قرآن وحدیث کا درس دیتے رہے، مگر افسوس وہ بعد میں گردش دوراں کی نذر ہوگیا، اس کے بعد ۱۹۰۴ء میں اللہ نگر (مشمولہ چھتر پارہ) والوں نے مولانا کو بلایا، مولانا وہاں تشریف لائے اور ایک مدرسہ قائم کیا اور کئی سال تک طالبان علوم نبوت کو مستفید کرتے رہے، بعد میں ذمہ داران نے اس مدرسہ کا نام ''فیض العلوم'' رکھا، بحمد اللہ یہ مدرسہ اب بھی چل رہا ہے جس میں پرائمری درجات اور ابتدائی عربی کی تعلیم ہوتی ہے۔

۱۹۰۷ء میں کنڈؤ بونڈ یہار کے سربرآوردہ اور مخلص افراد نے مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ کو بلایا، مولانا اس علاقہ میں تشریف لائے اور ان کے ساتھ وہ طلبہ بھی آگئے جو مدرسہ اسلامیہ اللہ نگر میں تفسیر، حدیث، فقہ، منطق اور فلسفہ وغیرہ کی کتابیں پڑھتے تھے، یہاں آنے کے بعد مولانا نے جناب منصب دار خاں کنڈؤ کے مکان پر تعلیم دینی شروع کی اس کے بعد فوراً ہی کنڈؤ، بونڈ یہار کے درمیان راپتی کے کنارے جامعہ سراج العلوم کی بنیاد ڈالی، اسی وقت سے دین کی یہ شمع روشن ہوئی اور علم کا چراغ جلا۔

مولانا مرحوم اس جامعہ کے صرف مدرس ہی نہ تھے بلکہ مشیر ومربی اور عملاً ناظم بھی تھے، اساتذہ کے عزل ونصب علاقہ کے دینی امور ومسائل اور دنیوی نزاعات واختلافات کے تصفیہ وحل کے مکمل ذمہ دار تھے، اور بڑی خاص بات یہ کہ علاقہ کے زمیندار حضرات اپنی شان وشوکت کے باوجود مولانا کا بڑا ادب واحترام کرتے تھے۔

مولانا مبارکپوریؒ نے کنڈؤ بونڈ یہار کے علاقہ میں تین سال کی مدت گذاری، اس دوران ضلع بستی کے مختلف مواضعات میں دعوت وتبلیغ اور وعظ وارشاد کے لئے جاتے رہے اور بستی کے متعدد اسلامی مدارس کے تعلیمی وانتظامی معاملات میں دخیل بھی رہے۔

اس سلسلہ کی ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ بستی ہی کے کسی تبلیغی اجلاس میں جامع ترمذی کی ایک جامع شرح کی تحریک ہوئی اس اہم علمی وتحقیقی کام کے لئے لوگوں کی نظر مولانا مبارکپوریؒ پر پڑی، چنانچہ کنڈؤ بونڈ یہار ہی میں قیام کے دوران مولانا نے تحفۃ الاحوذی کی تالیف کا آغاز کیا، جس کی تکمیل بعد میں ہوئی، بہر حال جامعہ سراج العلوم بونڈ یہار کو یہ فخر حاصل ہے کہ حدیث نبوی کی اس عظیم خدمت کا افتتاح یہیں سے ہوا۔

جامعہ سراج العلوم کنڈؤ، بونڈ یہار کے بعد مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ مدرسہ احمدیہ آرہ میں تشریف لے گئے جس کی داستان یہ ہے کہ علامہ ابومحمد ابراہیم آرویؒ تلمیذ رشید سید نذیر حسین دہلویؒ جو ایک جلیل القدر عالم وفاضل ہونے کے ساتھ ساتھ قصبہ آرہ کے رئیس بھی تھے جب وہ تکمیل علوم سے فارغ ہوئے اور اپنے وطن واپس آئے تو انہوں نے آرہ میں ''مدرسہ احمدیہ'' قائم کیا اور تعلیم وتدریس کے لئے باکمال اساتذہ وماہرین علوم وفنون کو اکٹھا کیا اس عظیم ادارہ کے صدر مدرس جناب مولانا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ تھے، انہیں کے حکم سے جناب مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ مدرسہ احمدیہ آرہ میں بحیثیت مدرس تشریف لائے اور کئی سال تک منصب تعلیم وتدریس پر فائز رہے، یہاں تک کہ ناظم مدرسہ جناب علامہ ابومحمد ابراہیم آرویؒ کے انتقال کے تھوڑے دنوں بعد اس ادارہ کا نظام درہم برہم

ہوگیا اور وہ ادارہ بند ہوگیا، اس مدرسہ کی شہرت ہند و بیرون ہند پہنچ چکی تھی اور عرب وعجم کے طلبہ اس میں تعلیم حاصل کرنے لگے تھے۔

اس کے بعد ناظم مدرسہ دار القرآن والسنہ کلکتہ نے مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ کو بلایا تو مولانا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ کے اشارہ وحکم سے مولانا مبارکپوریؒ کلکتہ تشریف لے گئے اور ایک مدت تک وہاں قرآن وحدیث کا درس دیا اور بہت سے طلبہ کو مستفید بنایا۔ یہ مولانا مبارکپوریؒ کی تدریسی زندگی کا آخری مرحلہ تھا، یہاں کے بعد مولانا مرحوم درس وتدریس کے لئے کہیں نہیں گئے بلکہ اپنے وطن مبارکپور لوٹ آئے اور تاحیات تصنیف وتالیف میں لگے رہے اس دوران حرم مکی میں درس دینے کے لئے سعودیہ عربیہ سے خط آیا اور دار الحدیث رحمانیہ (مرحوم) میں تدریس کے لئے دہلی سے مکتوب آیا مگر آپ نے ہر جگہ معذرت کردی۔

مشہور تلامذہ ومستفیدین:

مولانا مبارکپوریؒ کی تعلیمی وتدریسی زندگی بڑی طویل تھی، مبارک پور، کنڈؤ بونڈیہار، آرہ اور کلکتہ وغیرہ کے مدارس میں جن لوگوں نے مولانا کی شاگردی اختیار کی، ان سے بھرپور استفادہ کیا اور علم وفن کے مختلف میدانوں میں مدرس ومعلم، مصنف ومحقق، ادیب ومفسر اور مصلح ومجاہد کی حیثیت سے چمکے، انہیں شمار کرنا بہت مشکل ہے، ہم ذیل میں چند مشہور وممتاز تلامذہ ومستفیدین کا تذکرہ کررہے ہیں۔

مولانا ابوالہدی محمد عبدالسلام مبارکپوریؒ مولف سیرۃ البخاری، ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی مراکشیؒ، مولانا نذیر احمد رحمانی املویؒ، فضیلۃ الشیخ عبیداللہ رحمانی مبارکپوریؒ، رقیہ بنت خلیل بن محمد حسین بن محسن، شیخ عبداللہ نجدی قویعی، مولانا محمد بشیر مبارکپوری، مولانا حکیم عبدالصمد مبارکپوری، مولانا عبدالرحمن بجوا، گونڈہ، مولانا نصر اللہ خاں نوادہ، گونڈہ، مولانا عابد علی انتری بازار بستی، مولانا سراج صالح سمرا بستی، مولانا پنچ عبدالقیوم بجوا گونڈہ، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی، مولانا محمد اسحاق آروی، مولانا محمد فیروز آبادی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا ابوالنعمان عبدالرحمن مئوی، مولانا حکیم عبدالرزاق صادقپوری، مولانا نعمت اللہ بردوانی، مولانا عبدالرحمن نگرنہسوی، مولانا عبدالحکیم فتحپوری، مولانا سید محمد جعفر ٹونکی بستوی، مولانا ابوالقاسم قدسی، مولانا محمد اصغر مبارکپوری اور مولانا محمد شریف مصطفی آبادی وغیرہ۔

علمی وتحقیقی صلاحیت:

اللہ تعالیٰ نے مولانا مبارکپوریؒ کو ظاہری حسن وجمال کے ساتھ باطنی اوصاف وکمالات کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا، ذہن وفکر کی تیزی، طبیعت کی روانی، بلند نگاہی، دقت نظر، بیدار مغزی، وسعت معلومات اور علمی وتحقیقی صلاحیت ان کی نمایاں خصوصیات تھیں، کثرت مطالعہ اور تفکر وتدبر کے نتیجہ میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علم وفن آپ کی رگ وریشہ میں خون بن کر دوڑ رہا ہے، تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، ہندسہ، حساب، ہیئت اور دوسرے علوم نقلیہ وعقلیہ میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی، مشکل سے مشکل مباحث ومسائل کے بارے میں جب کوئی سوال کرتا تو فوراً جواب دیتے جس سے سائل حیرت واستعجاب میں پڑ جاتا اور ان کی عبقریت وصلاحیت کا معترف ہوجاتا، جب کسی علمی مسئلہ پر بحث وتبصرہ کرتے تو علم وفن کے موتی بکھیرتے۔

مولانا مبارکپوریؒ کو خصوصاً فن حدیث میں بڑی مہارت حاصل تھی اور اس میں امامت کا درجہ حاصل تھا۔ صحیح وضعیف، راجح

ومرجوح مرفوع وموقوف، محفوظ ومعلول، متصل ومنقطع اور تمام انواع حدیث کے بارے میں زبردست تمیز ومعرفت حاصل تھی اور معانی احادیث، فقہ احادیث، استنباط مسائل، رجال احادیث، جرح وتعدیل، اور طبقات رواۃ وغیرہ کے بارے میں بڑا گہرا علم تھا۔

مولانا کے ان علمی اوصاف وکمالات اور صلاحیت وعبقریت کا اعتراف تمام اصاغر واکابر کو تھا، یہاں تک کہ جب ۱۳۲۰ھ میں علامہ ابوالطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی ڈیانویؒ تلمیذ رشید سید میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ ومولف غایۃ المقصود شرح سنن ابی داؤد نے ارادہ کیا کہ سنن ابوداؤد کی مختصر جامع شرح لکھیں۔ تو مولانا مبارکپوریؒ کو بلایا تاکہ حدیث نبوی کی اس خدمت میں تعاون کریں اور اس کی تکمیل میں مدد دیں، چنانچہ مولانا مبارکپوریؒ تشریف لائے اور ۱۳۲۳ھ تک تقریباً چار سال علامہ ڈیانوی کے پاس قیام فرمایا اور شرح سنن ابی داؤد کی تکمیل میں بھرپور تعاون کیا، یہی وہ شرح ہے جو عرب وعجم میں ''عون المعبود شرح سنن ابی داؤد'' کے نام سے مشہور ہے اور بلا اختلاف مسلک ومذہب لوگ جس سے استفادہ کرتے ہیں۔

علامہ شمس الحق ڈیانویؒ خود ایک ناقد محدث، باکمال مفسر، جلیل القدر عالم وفقیہہ، ادیب وفاضل اور مایہ ناز محقق تھے، اور عون المعبود کی ترتیب وتالیف میں پوری ایک جماعت لگی ہوئی تھی جس میں مولانا قاضی یوسف حسین خان پوری اور مولانا محمد شاہ جہانپوری بھی شریک تھے لیکن مولانا شمس الحق ڈیانوی، مولانا مبارکپوریؒ کی علمی وتحقیقی صلاحیت پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے، ان کی رائے ومشورہ کو پسند کرتے اور مشکل مقامات میں ان کی طرف رجوع کرتے اور مباحثہ ومذاکرہ کے ذریعہ انہیں حل کرتے۔

تصنیفات وتالیفات:

مولانا مبارکپوریؒ بڑے پایہ کے مصنف بھی تھے، انہوں نے فن حدیث، سنت وحدیث کے دفاع، مسلک محدثین کی تائید، مقلدین کی روش کی تردید، بعض اختلافی مسائل اور کچھ دوسرے دینی موضوعات پر بہت سی کتابیں تصنیف کیں ہم ذیل میں مختصر طور پر ان کی تصنیفات وتالیفات کا تعارف پیش کررہے ہیں۔

(۱) تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی: (عربی چار ضخیم جلدوں میں) جامع ترمذی کی یہ شرح عرب وعجم میں یکساں مشہور ومتداول ہے جس میں ترمذی کے تمام راویوں کا ترجمہ دیا گیا ہے، جامع ترمذی کی تمام احادیث کی تخریج کی گئی ہے یعنی اس کتاب کی حدیثوں کو امام ترمذی کے علاوہ اور جن دوسرے محدثین نے اپنی کتابوں میں روایت کی ہیں ان کا اور ان کی کتابوں کا نام بتادیا گیا ہے، امام ترمذی نے **وفی الباب عن**..... کے عنوان سے جن احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے ان کی مفصل تخریج کی گئی ہے، احادیث کی تصحیح وتحسین میں امام ترمذی کا تساہل مشہور ہے اس لئے ہر حدیث کی تصحیح وتحسین کے متعلق دوسرے ائمہ حدیث کے اقوال بھی نقل کئے گئے ہیں جن احادیث کی تصحیح وتحسین میں امام ترمذی سے تساہل ہوا ہے اس کی وضاحت کردی گئی ہے، اسنادی ومتنی اشکالات کے حل وایضاح میں خصوصی توجہ دی گئی ہے، احادیث کی توضیح وتشریح میں بڑی دقت نظر اور تحقیق سے کام لیا گیا ہے اور احادیث کے صحیح مطالب ومعانی جو سلف صالحین رضی اللہ عنہم اور فقہائے محدثین کے نزدیک معتمد ومستند ہیں بیان کئے گئے ہیں اور اختلاف مذاہب کے بیان میں ہر مذہب ومسلک کے دلائل بیان کرکے مذہب حق ومسلک راجح کو ظاہر کردیا گیا ہے اور مذاہب

غیر صحیحہ ومرجوحہ کے دلائل کے علمی وتحقیقی مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔

یہ ہیں وہ خصوصیات جو تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی میں پائی جاتی ہیں، الغرض یہ شرح بڑی ہی علمی وتحقیقی اور نادرۂ روزگار ہے جس سے سارے مذاہب فکر کے لوگ استفادہ کرتے ہیں۔

(۲) **مقدمۃ تحفۃ الاحوذی:** یہ کتاب شرح جامع الترمذی کے مقدمہ کے طور پر لکھی گئی ہے مگر ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل مبسوط شاہکار تصنیف ہے جس میں فن حدیث، حجیت حدیث اور تاریخ حدیث پر مبسوط علمی وتحقیقی بحث کی گئی ہے، تمام کتب احادیث اور محدثین کا بڑا مفصل تعارف کرایا گیا ہے، امام ترمذی اور ان کے اساتذہ وشیوخ کی سوانح حیات پیش کی گئی ہے، جامع ترمذی کی تعلیقات وشروح پر تبصرہ کیا گیا ہے، اور جامع ترمذی کے تمام راویوں کی مفصل ومرتب فہرست دی گئی ہے۔

یہ مقدمہ اپنی مثال آپ ہے جس نے عرب وعجم کے تمام علمی وتحقیقی حلقوں سے خراج تحسین حاصل کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس مقدمہ نے مولانا مبارکپوریؒ کو زندۂ جاوید شخصیت بنادیا ہے اور انہیں علم وتحقیق کی بڑی بلندی تک پہنچادیا ہے۔

(۳) **ابکار المنن فی تنقید آثار السنن (عربی):** مولانا ظہیر احسن شوق نیموی ایک زبردست حنفی عالم گزرے ہیں انہوں نے تقلید کی نصرت وتائید اور مسلک محدثین کی تردید کے جذبہ وجنون میں ''**بلوغ المرام**'' کے نہج پر ایک کتاب ''آثار السنن'' لکھ ڈالی جو احادیث ضعیفہ اور غث وثمین سے بھری ہوئی ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا تعاون بھی شامل ہے۔ مولانا مبارکپوریؒ نے اس کتاب پر ناقدانہ نظر ڈالی اور دوسو چونسٹھ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ''ابکار المنن فی تنقید آثار السنن'' لکھی جس میں مولانا شوق نیموی کی کوششوں کے تار پود بکھیر دیئے اور محدثانہ طرز پر تنقید وتبصرہ کا حق ادا کردیا، بعد میں اس کی تائید میں ایک دوسری کتاب لکھی جس کا نام ہے ''**اعلام اهل الزمن تبصرة آثار السنن**''

(۴) **تحقیق الکلام فی وجوب القراءۃ خلف الامام** (اردو، دوجلدوں میں) پہلی جلد ۱۰۸ صفحات اور دوسری جلد ۲۲۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب میں فقہ اسلامی کے ایک بڑے ہی معرکۃ الآراء مسئلہ قرأت فاتحہ خلف الامام پر محدثانہ محققانہ بحث کی گئی ہے، جلد اول میں احادیث صحیحہ مرفوعہ اور آثار صحابہ وتابعین کی روشنی میں بڑے بسط وتفصیل کے ساتھ **وجوب القراءۃ خلف الامام** کو ثابت کیا گیا ہے اور دوسری جلد میں عدم وجوب القراءۃ کی تمام نقلی وعقلی اور قدیم وجدید دلائل کا ذکر کیا گیا ہے اور ان پر ایسی بھرپور محدثانہ تنقید کی گئی ہے کہ یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لئے قرأت فرض ولازم ہے اور عدم وجوب کی بات انتہائی لغو اور باطل ہے۔

(۵) **خیر الماعون فی منع الفرار من الطاعون** (اردو) یہ کتاب متوسط دوجز میں ہے پہلے جزء میں احادیث وآثار سے ثابت کیا گیا ہے کہ جہاں طاعون کی وبا پڑی ہو وہاں سے فرار اختیار کرنا جائز نہیں اور دوسرے جزء میں قائلین جواز کے اعتراضات وشبہات کو رفع کیا گیا ہے، بعد میں اس کی تائید میں مولانا نے ایک رسالہ بھی لکھا جس کا نام ہے ''**الدر المکنون فی تائید خیر الماعون**''۔

(۶) **المقالة الحسنیٰ فی سنیة المصافحة بالید الیمنیٰ** (اردو) یہ رسالہ متوسط سائز میں ہے اور داہنے ہاتھ سے مصافحہ

کرنے کے موضوع پر بڑا ہی تحقیقی و بے نظیر رسالہ ہے، مولانا نے اس کی تائید میں ایک رسالہ بھی لکھا جس کا نام ''**الکلمة الحسنیٰ فی تائید المقالة الحسنیٰ**''

(۷) **کتاب الجنائز** (اردو) یہ بھی ایک متوسط رسالہ ہے جس میں احادیث وآثار کی روشنی میں موت، تجہیز وتکفین اور جنازہ کے احکام ومسائل ذکر کئے گئے ہیں۔

(۸) **نور الابصار** (اردو) اس رسالہ میں دیہات میں نماز جمعہ کا وجوب ثابت کیا گیا ہے اور منکرین کے دلائل کی بڑی عمدہ تردید کی گئی ہے، مولانا مبارکپوریؒ نے اس رسالہ کی تائید میں دو رسالے تالیف کئے (۱) **ضیاء الابصار** (۲) **تنویر الابصار**۔

(۹) **القول السدید فیما یتعلق بتکبیرات العید** (اردو) اس رسالہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ عیدین کی زائد تکبیریں بارہ ہیں صرف چھ تکبیریں احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں ہیں۔

(۱۰) **الوشاح الابریزی فی حکم الدواء الانکلیزی** (اردو) یہ رسالہ انگریزی دواؤں کے استعمال کے موضوع پر ہے۔

(۱۱) **ارشاد الهائم الی منع خصاء البهائم** (اردو) یہ رسالہ جانوروں کے خصی کرنے کے موضوع پر ہے۔

(۱۲) **رفع الیدین للدعاء بعد الصلوات المکتوبة** (اردو) یہ رسالہ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھانے کے موضوع پر ہے، یہ رسالہ مکمل نہیں ہوسکا تھا۔

(۱۳) **رسالة فی مسائل العشر** (اردو) یہ رسالہ دس اہم مسائل پر ہے، مگر مکمل نہیں ہوسکا تھا۔

مولانا مبارکپوریؒ نے ان تصنیفات وتالیفات کے علاوہ ڈیانویؒ کے اشارہ وحکم سے سید میاں نذیر حسین دہلویؒ کے فتاویٰ کو دو جلدوں میں مرتب کیا اور اضافہ بھی کیا، جس کی اشاعت ''**فتاویٰ نذیریه**'' کے نام سے ہوئی، نیز مولانا مرحوم نے اپنے استاذ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کے فتاویٰ کو بھی فقہی انداز پر مرتب کیا تھا لیکن اب تک اس کی اشاعت نہیں ہوسکی ہے۔ اسی طرح مولانا مبارکپوری کے اور بھی بعض مسائل جن کا ذکر اوپر کیا گیا اب تک غیر مطبوع ہیں۔

اخیر عمر میں مولانا مبارکپوری کے اور بھی علمی عزائم تھے، جیسے محدثانہ طرز پر موطا امام مالک کی مبسوط شرح کی تالیف اور ''**الجواهر النقی**'' نامی کتاب پر بھرپور تنقیدی کتاب کی تصنیف مگر افسوس عمر نے وفا نہ کیا اور مولانا مرحوم یہ نیک ارادے لئے ہوئے راہی ملک عدم ہوگئے، نیز مولانا مرحوم کے بے شمار قیمتی فتاویٰ ہیں ضرورت ہے کہ انہیں مرتب کرکے شائع کیا جائے۔ **وماذالک علی اللہ بعزیز**۔

اخلاق وعادات اور منہج فکر:

مولانا مبارکپوریؒ ذاتی اوصاف وخصائل اور اخلاق وعادات میں بھی بڑا امتیازی مقام رکھتے تھے، آپ کے زہد وورع کا عالم یہ تھا کہ لوگ ان کی خدمت میں دولت وثروت اور مال وزر پیش کرتے مگر وہ ٹھکرادیتے، جیسا کہ ذکر آچکا ہے کہ دارالحدیث رحمانیہ (مرحوم) دہلی کے ناظم اور سعودیہ عربیہ کے بادشاہ نے درس حدیث کیلئے بلایا مگر شہرت وناموری اور دنیوی جاہ وجلال سے اتنے متنفر

تھے کہ بڑی بے نیازی سے وہ دعوتیں ٹھکرادیں۔

مولانا مرحوم حد درجہ متواضع، خوش اخلاق اور ملنسار تھے، جب علماء وطلبہ تحقیق مسائل اور حل مشکلات کے لئے ان سے سوالات کرتے تو وہ بالکل نہیں اکتاتے بلکہ ان کے چہرہ پر مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ جاتی اور بڑی خندہ پیشانی سے جواب دیتے، طلبہ وعلماء سے بڑی محبت کرتے اور ان کی علمی وفکری تربیت کرتے، چنانچہ ان کی عادت یہ تھی کہ کبھی کبھی طلبہ وعلماء کے سامنے علمی سوالات رکھتے اور ان سے حل کراتے جس کا مقصد صرف یہ ہوتا کہ لوگ مسائل کے استخراج وتحقیق کے عادی بنیں۔

مولانا کو شیریں کلامی، نرم گفتاری، ظرافت طبع، لطافت عقل، رعب وجلال، وقار وسنجیدگی اور دوسرے اوصاف وکمالات بھی حاصل تھے، جھوٹ، چغلی، غیبت اور دوسرے اخلاق ذمیمہ سے دور رہتے تھے، بلکہ اگر کوئی شخص آپ کی مجلس میں کسی کی غیبت کرتا تو آپ سخت ناپسندیدگی کا اظہار کرتے، انہیں اوصاف وکمالات کی وجہ سے لوگ آپ سے بہت متاثر تھے اور لوگوں کے دلوں میں آپ کی بڑی قدر وعزت تھی، گونڈہ وبستی اور دوسرے مقامات کے بہت سے لوگ آپ سے بیعت بھی تھے۔

کنڈؤ، بونڈیہار کے علاقہ میں یہ بات مشہور ہے کہ جب مولانا مبارکپوریؒ درس دینا شروع کردیتے تو دوران درس چاہے بڑے سے بڑا آدمی آجائے آپ توجہ نہیں فرماتے بلکہ علمی رعب وجلال کے ساتھ درس جاری رکھتے اختتام درس کے بعد توجہ کرتے اور گفتگو فرماتے۔

آپ کے اکثر اوقات دراسۃ ومطالعہ، تصنیف وتالیف، قرآن وحدیث میں تفکر وتدبر، علوم ومعارف اور نکات وحکم کے استخراج واستنباط، حل مشکلات اور ذکر الٰہی میں صرف ہوتے بلکہ جب آپ مطالعہ وغیرہ مشاغل سے خالی ہوتے تو ذکر الٰہی میں رطب اللسان رہتے۔

آپ اعتقادی وفقہی مسلک میں محدثین کی روش پر گامزن رہتے اور تقلید وشخصیت پرستی کے سخت مخالف تھے، اعتقاد کے باب میں سلف صالحین کا جو منہج تھا کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اوصاف عالیہ واسماء حسنیٰ پر بغیر تعطیل، تشبیہ، تکییف، تفسیر اور تاویل کے ایمان لایا جائے، اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم تھے اور فقہی مسائل میں قرآن مجید، احادیث رسول اور آثار صحابہ وتابعین پر اعتماد کرتے تھے، مولانا کا مسلکی مزاج ان کی تصنیفات میں خوب اچھی طرح دیکھا جاسکتا ہے۔

مولانا مرحوم کو تجدد، فیشن اور یورپین تہذیب وثقافت سے بڑی نفرت تھی، چنانچہ طلبہ کو اکثر مغربی لباس اور یورپین طور وطریق اپنانے سے روکتے تھے۔

الغرض مولانا مبارکپوریؒ حدیث وفقہ، صلاح وتقویٰ، زہد وورع، عفت وقناعت، صبر وتحمل، حلم وتواضع، متانت وسنجیدگی، صدق وامانت، اخلاص وانابت الی اللہ، خوف الٰہی اور دوسرے اوصاف وخصوصیات کے سنگم تھے اور قول وفعل، اعتقاد وعمل اور ظاہر وباطن سے شاہراہ کتاب وسنت پر گامزن تھے۔ **ولیس علی اللہ بمستنکر۔ ان یجمع العالم فی واحد۔**

وفات حسرت آیات:

اخیر عمر میں مولانا مبارکپوریؒ کی بینائی جاتی رہی، اسی حالت میں آپ نے مولانا عبیداللہ رحمانی اور مولانا عبدالصمد مبارکپوری رحمہما اللہ کی مدد وتعاون سے تحفۃ الاحوذی کی آخری دونوں جلدوں کی تکمیل کی، مولانا مرحوم کے گھر والوں نے بہت اصرار وتقاضا کیا کہ وہ دہلی، لکھنو یا کسی اور شہر میں چلیں جہاں آنکھوں کا آپریشن کرایا جاسکے لیکن مولانا اس حالت پر صابر وشاکر رہے اور حدیث رسول میں اس

پر جو اجر وثواب بتایا گیا ہے اس کے امیدوار رہے، حالانکہ مولانا کو تصنیف وتالیف کے سلسلہ میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

اسے حسن اتفاق کہئے کہ اسی دوران مولانا مرحوم کو تحفۃ الاحوذی کی آخری جلد چھپوانے کے سلسلہ میں دہلی جانا پڑا، پھر آپ کے گھر والوں نے اصرار کیا کہ آنکھ کا آپریشن ضرور کرالیں، اور دوسرے اصحاب ورفقاء نے بھی یہی مشورہ دیا آخرکار ۱۳۵۳ھ میں مولانا دہلی تشریف لے گئے اور وہاں ایک آنکھ کا آپریشن کرایا، آپریشن کامیاب رہا اور بصارت لوٹ آئی جس سے اہل وعیال اور دینی وعلمی حلقوں میں مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی۔

لیکن افسوس جب مولانا دہلی سے واپس ہوئے تو اختلاج قلب کی زبردست شکایت ہوگئی، یہ بیماری بڑھتی رہی یہاں تک کہ نصف شعبان ورمضان میں اس مرض نے بہت شدت اختیار کرلی، آخرکار ماہ شوال میں پیغام اجل آپہنچا اور سرزمین مبارکپور میں علم وتحقیق کا یہ خورشید تاباں بتاریخ ۱۶ شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۳۵ء ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی نماز جنازہ حضرت العلام مولانا محمد احمد مئویؒ نے پڑھائی جس میں بلاتفریق مسلک ومشرب تمام فرق اسلامیہ کی ایک بہت بڑی جماعت نے شرکت کی پھر بادیدۂ نم آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

افسوس مولانا مبارکپوریؒ کی کوئی صلبی اولاد نہیں ہے، صرف بھتیجے ہیں جو مرحوم کی تصنیفات وتالیفات کی اشاعت کا اہتمام کررہے ہیں، لہٰذا مرحوم کی علمی وتحقیقی کتابیں ہی زندۂ جاوید یادگار کے طور پر قیامت تک باقی رہیں گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

(یادگار مجلہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار ۳۱/اکتوبر ویکم نومبر ۱۹۸۶ء)

❑❑❑

جنوبی ہند کی ایک مثالی شخصیت

شیر خان احمد حسین رحمہ اللہ۔ ادھونی، آندھرا پردیش

۱۸۸۰ء۔۔۔۔۱۹۸۱ء

شیر خان جمیل احمد عمری ابن شیر خان محمد اسحاق

ممدوح صاحب تذکرہ جماعت اہل حدیث ہند اور برطانیہ کے معروف داعی وعالم دین شیخ شیر خان جمیل احمد عمری کے دادا ہیں۔جنوبی ہندوستان کی تاریخ میں مرحوم شیر خان احمد حسین کا منہج اہل حدیث کے فروغ واستحکام میں ایک بنیادی کردار ہے۔ادھونی شہر اوراس کا پورا علاقہ آج بھی ہندوستان میں اس بے باک خاندان کی وجہ سے شہرت یافتہ ہے۔دادا سے لے کر بیٹوں اور پھر پوتوں تک یہ شہر اور خاندان اپنی اہل حدیثیت کے لئے مشہور ہے۔اوراب جوان کی مسلکی غیرت اور منہجی عمل وسرگرمیوں کے حسین لمحات کو دیار یوروپ میں شیر خان جمیل احمد عمری اوران کے رفقاء کار کی شکل میں دے رہے ہیں۔ یہ خاندان کے انہیں بزرگوں کی قربانیوں اوراخلاص کا ثمرہ ہے۔رب العالمین خانوادہ شیر خان کو ہمیشہ شیروں کی طرح مسلک کی تبلیغ وترویج کی توفیق عطا فرمائے اوران کی بے مثال قربانیوں کوشرف قبول عطا فرمائے۔(مولانا عبدالحکیم مدنی)

نام:

شیر خان احمد حسین بن شیر خان عبدالرحمن بن شیر خان سرمد۔

خاندانی لقب:

''شیر خان'' خاندانی لقب ہے۔یہ لقب اجداد میں سے کسی کواس علاقے کے کسی حکمران کی جانب سے عطا کیا گیا تھا۔آگے چل کر یہی پورے خاندان کا لقب بن گیا۔اب ہر نام کے سابقے کے طور پر یہ نام لکھا جانے لگا ہے۔

ولادت:

محترم شیر خاں احمد حسینؒ کی تاریخ ولادت نہیں مل سکی۔اُن کی وفات ۱۹۸۱ء میں ہوئی۔اس وقت اُن کی عمر تقریباً سو برس تھی۔ اس حساب سے اُن کی ولادت ۱۸۸۰ء کی دہائی کے ابتدا میں قیاس کی جاسکتی ہے۔

حلیہ:

جناب شیر خاں احمد حسین بہت ہی وجیہ شخصیت تھے۔سرخی مائل گورا رنگ، کھڑی ناک، چوڑی پیشانی، بڑی بڑی نیلی آنکھیں،

گھنی پلکیں، گھنی ڈاڑھی، اونچا قد، کسرتی بدن، آنکھوں میں سرمہ، سر پر عمامہ اور کبھی ترکی ٹوپی پہنتے، ہاتھ میں عصا ہوتا تھا۔ شیروانی پہنتے تھے۔ دھیمے انداز میں ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے، جس مجلس میں بھی ہوتے تھے نمایاں نظر آتے تھے۔ جوانی میں ہمیشہ اپنے پالتو اعلیٰ نسل کے گھوڑوں پر سواری کی۔ الغرض وہ ایک نہایت پروقار جاذبِ نظر اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔

پیشہ:

وہ زمیندار (Land Lord) تھے۔

اُن کا خاندان نہ صرف شہر بلکہ پورے علاقے میں زمین، زراعت اور جائداد و املاک کی ملکیت کے لئے معروف و مشہور تھا۔ اس خاندان کی یہ نمایاں حیثیت الحمدللہ اب بھی ہے۔ پورے دیار میں اسے ایک عظیم اور زمین دار کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ فللہ الحمد!

وطن:

ادونی (Adoni) ضلع کرنول، آندھرا پردیش جنوبی ہند کا ایک مشہور شہر ہے۔ اِسے ادھونی بھی لکھا جاتا ہے۔ رائے چور سے ۴۳ گنتکل سے ۳۸ بلہاری سے ۴۴ اور کرنول سے ۶۰ میل کیفا صلے پر مدراس ممبئی براڈ گیج ریلوے لائن پر سطح مرتفع دکن میں ایک ڈھلوان اور ناہموار سلسلہ کوہسار کے دامن میں یہ قدیم ترین اور تاریخی شہر واقع ہے۔

بعض روایات کے مطابق شیر خان احمد حسین مرحوم کے اجداد دو تین صدی قبل ایران سے آکر ادونی میں بسے تھے لیکن اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔

مسلک اہل حدیث:

جناب شیر خان احمد حسین پہلے کٹر قسم کے بریلوی تھے۔ اس سلسلے میں وہ کسی سمجھوتے پر راضی نہیں ہوتے تھے۔ گھر سے متصل انہوں نے اپنے پیروں اور مرشدوں کو بسایا رکھا تھا۔ وہ انہی سے اپنے مختلف دینی و ملی مسائل میں براہ راست رہنمائی لیتے تھے۔ ان کے بزرگوں کا عرس مناتے تھے۔ گھر کی دہلیز سے صندل نکلتا تھا۔، بینڈ باجوں اور ڈھول تاشوں کی دھوم رہتی تھی۔ چونکہ وہ شہر کے متمول اور صف اول کی معروف شخصیت تھے اس لئے ہر قسم کی بدعات و خرافات اور رسم و رواج میں بھی شہر اور علاقے میں اُن کا قائدانہ رول رہتا تھا۔ اُن کے سارے کام لاثانی ہوتے تھے۔ شہر میں محرم کا سب سے بڑا جلوس اُن کے گھر سے ہی نکلتا تھا۔ عین جوانی میں اُن کے کسی عزیز کی شادی میں اُن کا کڑپہ شہر جانا ہوا۔ وہاں کسی سلفی عالم دین سے سامنا ہوا۔ مختلف مسئلوں میں شدید قسم کا اختلاف ہوگیا۔ چنانچہ گھر لوٹ کر اپنے خاندان کے پیر جناب محبوب پیر صاحب (سسر جناب مرشد پیر صاحب) سے ''درمختار'' اور ''فتاوی عالمگیر'' وغیرہ حاصل کیں۔ یہ وہ کتابیں تھیں جن کا حوالہ کڑپہ کے سلفی عالم دین نے دیا تھا۔ ان کتابوں کو پڑھنے سے انہیں اندازہ ہوا کہ وہابیوں (اہلِ حدیثوں) کے مسئلوں کا بھی اس میں ذکر ہے۔ پھر اُنہوں نے اس مسلک کی کھوج کیلئے اپنے مطالعے کو وسعت دی

۔مختلف کتابیں منگوا کر پڑھیں اور اپنے علاقے کے مشہور سلفی بزرگ جناب حکیم محمد اکبر صاحب رحمہ اللہ کو بلوا کر مسائل اور مسالک کو توجہ سے سمجھتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے مقدر میں ہدایت لکھی تھی۔ الحمدللہ ارحم الراحمین نے اُن کو سیدھا راستا دکھا دیا اور انہوں نے خالص کتاب وسنت پر مبنی مسلک اہل حدیث کو قبول کر کے ڈنکے کی چوٹ پر اس کا اعلان کر دیا۔ کٹر قسم کے بریلویوں کے شہر ادونی میں اہل حدیث بن کر اس کا برملا اعلان اس وقت کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اُن کو سیدھا راستا دکھا کر شہر اور اطراف واکناف میں مسلک اہل حدیث کو تقویت بخشی۔ عام آدمی کا اہل حدیث بن جانا شاید کوئی بڑا واقعہ نہ بنتا، لیکن شیر خان احمد حسین ساہوکار کا اہل حدیث بن جانا شہر کے لئے بہت بڑی خبر بن گیا۔ اُن کے اہل حدیث بن جانے کی خبر نے شہر میں سب پر سکتہ طاری کر دیا۔ ہر طرف چبوتروں اور سڑکوں پر یہی موضوع سخن تھا کہ شیر خان احمد حسین ساہوکار ''وہابی'' (اہلِ حدیث) ہو گئے۔ وہ گھڑسواری کرتے ہوئے ادھر ادھر آتے جاتے لیکن اُن کا رعب ودبدبہ اس قدر تھا کہ کسی کو یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ وہ ان سے پوچھے کہ آپ نے کس لئے وہابی ہونے کا فیصلہ کیا؟

توحید خالص، اتباع سنت اور توکل علی اللہ:

چونکہ جناب احمد حسین نے تحقیق وجستجو کے بعد بریلویت سے توبہ کی اور صحیح مسلک اختیار کیا اور مسلک اہل حدیث سے اپنا رشتہ استوار کیا تھا۔ اس لئے اِن کی توحید اس قدر خالص ہو گئی تھی کہ ہر قسم کے چھوٹے بڑے شرک سے اپنے دامن کو پاک رکھنے کی کوشش کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی رستے پر لانے کی پوری جدوجہد کرتے تھے۔ ہر چھوٹی بڑی سنت پر پابندی کے ساتھ عمل کرتے تھے اور ہر قسم کی بدعت سے محفوظ رہتے تھے۔

محترم مرحوم کا اللہ پر توکل قابل رشک تھا۔ ہر گھڑی اور ہر وقت توکل علی اللہ کی باتیں کرتے تھے۔ اس طرح وہ پورے دیار میں توحید خالص اتباع سنت اور توکل علی اللہ کی پہچان تصور کیے جاتے تھے۔ شرک وبدعات کے خلاف وہ آہنی دیوار تھے۔

علماء اور دینی کتب سے محبت:

شیر خان احمد حسین مرحوم بڑے ذہین وفطین شخص تھے۔ وہ کئی زبانوں کو لکھنا، پڑھنا اور بولنا جانتے تھے۔ تلگو، کنڑ اور اردو کے علاوہ فارسی زبان پر اُن کو عبور حاصل تھا۔ فارسی کے ہزاروں اشعار ازبر تھے۔ اکثر اپنی گفتگو کو فارسی اشعار سے مزین کر کے مدلل بناتے تھے۔ تحقیق اور مطالعے سے اہل حدیث مسلک اختیار کیا تھا۔ کسی دینی مدرسے میں داخل ہو کر باضابطہ دین کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ لیکن کثرت مطالعہ اور لگاتار علماء کی علمی صحبت نے اُن کو دینی علوم سے آراستہ کر دیا تھا۔ ضرورت پڑنے پر اپنی مسجد میں امامت بھی کرتے اور جمعے کا خطبہ بھی دیتے تھے۔ ملک کے معروف علماء سے اُن کی نہ صرف مراسلت تھی، بلکہ ان میں بہت سے علماء کو وہ اپنے دولت خانے پر بلا کر انھیں اپنا معزز مہمان بھی بناتے تھے اور ان سے علمی استفادہ کرتے تھے۔ دینی مسئلے مسائل کی تحقیق میں کافی دلچسپی لیتے تھے اور لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔ اسی جذبے کے تحت ملک وبیرون ملک سے کتابیں بھی منگواتے تھے۔ ملک بھر سے نکلنے والے ماہنامے جرائد مجلات اور رسائل کو باقاعدگی کے ساتھ گھر پر منگواتے تھے۔ دوران مطالعہ جہاں بھی کوئی بات بہت اہم

ہوتی یا کھٹکتی اس پر نشان لگا لیتے تھے بعد میں جب علماء کرام کی آمد ہوتی تھی تو ان سے استفسار کر کے صحیح راہ نمائی حاصل کرتے تھے۔ کتابوں کی غلطیوں کی تصحیح بھی کرواتے رہتے تھے۔ وہ بہت خوشخط تھے۔ ان کی تحریریں دیکھ کر کاتب ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ شہر کے رئیس وزمیندار ہونے کے باوجود علماء کی خدمت اوران کی جوتیاں اٹھانے کو باعث عزوشرف گردانتے تھے۔ ادونی شہر چونکہ ممبئی مدراس براڈ گیج ریلوے لائن پر پڑتا ہے، اس لئے ملک کے تمام حصوں سے یہاں آنا جانا آسان ہے۔ اس ظاہری وجہ کے ساتھ شیر خان مرحوم کی پراثر و پرکشش سخاوت پرور شخصیت کا شہرہ بھی ملک بھر کے علماء وخواص کو یہاں کھینچ لاتا تھا۔ سال کے بارہ مہینے علماء کی آمدورفت رہتی تھی۔ بالخصوص ماہ رمضان میں علماء وسفراء کا جمگھٹہ لگا رہتا تھا۔

شیر خان احمد حسینؒ نے شہر اور اطراف اور اکناف کے کئی افراد کو دینی تعلیم کے حصول کے لئے رغبت دلائی اور انہیں دینی مدارس میں بھیجا۔ ان میں سے بعض معززین کا تذکرہ یہاں نا مناسب نہ ہوگا۔ شہر ادھونی سے میرے تائرے نانا مولانا عبدالرشید عمری صاحب حفظہ اللہ، میرے نانا مولانا عبدالعزیز جامی عمری صاحبؒ، مولانا بانڈے بشیر احمد عمری صاحبؒ، اور مولانا جی عبدالحق عمری مدنی صاحب حفظہ اللہ۔ ان بزرگوں نے جامعہ دارالسلام عمرآباد میں تعلیم حاصل کی اور عمری کہلائے۔

لائبریری:

دادا مرحوم کے محققانہ مزاج اور کتاب وسنت سے بے پناہ محبت نے اُن کو جہاں علماء کا قدردان بنایا تھا، وہیں اُنہیں دینی کتب کا اسیر بھی بنادیا تھا۔ اسی شوق مطالعہ نے اُن کی ذاتی لائبریری میں بہت ہی اہم کتب کو جمع کر دیا تھا۔ مراجع سے زیادہ مسلک حقہ، کتاب وسنت کے احقاق کے موضوع پر اس وقت شائع ہونے والی تقریباً ہر کتاب اُن کی لائبریری کی زینت بنتی تھی۔ اُن کے کتب خانے میں اردو کتب کے ساتھ فارسی کی کتب کا بھی کافی ذخیرہ موجود تھا۔ اور جماعتی مجلات، جرائد، ماہنامے اور رسائل کی مکمل فائلیں اُن کے پاس موجود ہوتی تھیں۔ علمائے کرام اُن کے معزز مہمان بن کر بسا اوقات ہفتہ عشرہ رہ کر اُن کے کتب خانے سے بھرپور فائدہ اٹھاتے تھے۔

دادا شیر خان مرحوم دل کے بڑے غنی تھے مال ومنال کے ساتھ اپنی قیمتی تاریخی کتب بھی علماء کو مطالعے اور استفادے کے لئے دیتے تھے۔ بقول میرے محترم نانا پروفیسر مولانا عبدالعزیز جامی عمری مرحوم ملک بھر کے علماء بالخصوص شمالی ہند کے علمائے کرام اُن کے مکتبہ سے بہت سی قیمتی کتابیں، جرائد، مجلات، ماہنامے وغیرہ عاریتاً لے جاتے تھے اور مستفید ہوتے تھے۔ جنھیں موقع ملا انہوں نے لوٹا دیا اور جو نہ لوٹا سکے ان کے طفیل اُن کا قیمتی تاریخی کتب خانہ ملک بھر میں پھیل گیا۔ شیر خان صاحب مرحوم کے خلوص کا نتیجہ دیکھئے اب ان کا کتب خانہ برطانیہ تک پہنچ کر میرے دوست محسن جماعت وملت ڈاکٹر بہاء الدین (محمد سلیمان اظہر) صاحب حفظہ اللہ کی مقبول عام تالیفات ''تاریخ اہل حدیث' اور ''تاریخ تحریک ختم نبوت'' کا حصہ بن کر ان کے حق میں صدقہ جاریہ بن گیا ہے۔ محترم ڈاکٹر بہاء الدین صاحب نے اپنی تالیف تاریخ اہل حدیث کی پہلی جلد کے مقدمے میں صفحہ ۲۸ پر لکھا ہے کہ ''برطانیہ میں جناب شیر خان جمیل احمد عمری نے اپنے اور اپنے دادا مرحوم جناب ساہوکار شیر خان احمد حسین کے کتب خانہ ادونی سے کم یاب قسم کا لٹریچر اس فقیر کے کشکول میں ڈالا ہے۔ اللہ تعالیٰ مذکورِ بالا احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین''۔

بعض اُن مشہور علمائے کرام کے اسمائے گرامی جو دادا مرحوم کے مہمان رہے ہیں:

مولانا عبدالجبار صاحب محدث کھنڈیلا، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا عبدالغنی پنجابی، مولانا محمد جونا گڑھی، مولانا عبداللہ عقیل مئوی، مولانا عبداللہ روپڑی، مولانا فقیر اللہ مدراسی، مولانا عبداللہ روپڑی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا عبدالسلام بستوی، مولانا داؤد راز، مولانا ابوالقاسم خالد العربی، مولانا عبدالعزیز رحمانی کرنولی، مولانا سید اسماعیل رائیدرگی، مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا عبدالجبار شکراوی، مولانا عبدالمعبود کانپوری، مولانا دیندار خان مولانا ابوجمیل محمد یاسین نصرت آبادی، مولانا عبدالرحمن میسوری، مولانا عبدالعلیم ماہر، مولانا عبدالعزیز جامی عمری، مولانا ظہیر الدین اثری رحمانی رحمہم اللہ اجمعین۔ اِن کے علاوہ یوپی کے گونڈا بستی اور اعظم گڑھ اور بہار و بنگال اور پنجاب و ہریانہ وغیرہ کے بے شمار علمائے کرام آپ کے مہمان بن چکے ہیں۔ بہت سارے معزز علماء جن کی دادا سے ملاقات رہی اور وہ ان کے مہمان رہے ہیں الحمدللہ ابھی بقیدِ حیات ہیں۔ جن میں سرِ فہرست مولانا رؤف احمد عمری صاحب باؤنا بیڑی مدراس حفظہ اللہ کا نام آتا ہے۔

جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ کے چھٹے سالانہ اجلاس ۱۹۴۰ء میں شرکت:

اخبار اہل حدیث امرتسر، یکم رمضان ۱۳۵۹ء میں مکمل ایک صفحہ کی شائع شدہ رپورٹ کے مطابق جامعہ محمدیہ عربیہ کے چھٹے سالانہ اجلاس منعقدہ ۲۶۔۲۷ اپریل ۱۹۴۰ء میں زیر صدارت جناب الحاج سید جلال الدین مرحوم مالک جلال اینڈ سنز مدراس منعقد ہوا تھا اسمیں شرکت کرنے والی چودہ اہم شخصیات (شیر خان احمد حسین آدھونی، مولانا محمد نعمان اعظمی، مولانا عبدالسبحان اعظمی، مولانا ابوالقاسم خالد بن محمد صدیق رحمانی، جناب سید جلال الدین مالک جلال اینڈ سنز مدراس مولانا محمد صدیق بہاری، مولانا محمد یحییٰ حسین اڑیسہ، جناب حبیب اللہ خان مجسٹریٹ چتلدرگ یس جے سید عیسیٰ انسپکٹر اردو مدارس چتلدرگ، جناب یس محمد صالح کنٹریکٹر ماستی جناب عبدالخالق کنٹریکٹر مدراس جناب سید عبدالحکیم وٹیرنری انسپکٹر میسور، جناب عبدالرؤف واعظ سرکاری حیدرآباد، جناب محمد نثار صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ سنوہشور) نے بعنوان اسلامی خدمات اہل جلسہ کا اجتماعی فیصلہ شائع کروایا ہے جس میں لکھا ہے کہ جامعہ میں صحیح کام ہو رہا ہے اور یہ ادارہ آپ کے بھرپور تعاون کا مستحق ہے۔ صدر جلسہ سمیت ان اپیل کنندگان کی شائع شدہ فہرست میں دادا مرحوم ساہوکار شیر خان احمد حسین کا نام سب سے پہلے نمبر پر درج ہے۔ اس سے اس وقت اُن کی شخصیت کی قدر و منزلت اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

غربا پروری، مہمان نوازی اور صلہ رحمی:

اللہ تعالیٰ نے شیر خاں احمد حسین مرحوم کی دولت و ثروت کے ساتھ ساتھ سخی دل اور کھلا ہاتھ عطا کیا تھا۔ وہ غریبوں، ناداروں، پریشان حال لوگوں کی مسلسل مدد میں لگے رہتے تھے۔ کسی مانگنے والے کو خالی ہاتھ جانے نہیں دیتے تھے۔ ساتھ ہی محلے گاؤں میں عزت دار سفید پوشوں کی بھی خفیہ انداز میں منظم طریقے سے تعاون فرماتے رہتے تھے۔ غریب گھرانوں کی بچیوں کی شادیاں کراتے تھے۔ کتنے غریب غربا ایسے تھے جن کو سر چھپانے کے لئے چھت نہیں ہوتی تھی، وہ انھیں اپنی زمینوں پر معمولی کرایے پر جھونپڑیاں

بنا کر رہنے کے لئے دیتے۔اُن میں کتنے ہی آ کر کرائے بھی معاف کروالیتے تھے،ان کی کئی ایکڑ زمینوں پر آج بھی مسلموں اور غیر مسلموں سمیت کئی سو گھرانے مفت یا معمولی قسم کے کرایے پر رہتے ہیں۔

دادا مرحوم کے دسترخوان پر جمعہ وعیدین یا کسی بھی مناسبت پر علما،عزیز واقارب،معززین کے ساتھ ساتھ محلے اور گاؤں کے غرباء کی ایک معتد بہ تعداد بھی ضرور ہوا کرتی۔اپنی مسجد میں کوئی بھی کسی بھی وقت آئے ان کی شایان شان مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے۔گھر پر عمدہ سے عمدہ کھانا پکتا تھا اور اعلی کوالٹی کی اشیاء دسترخوان کی زینت بنتی تھیں۔خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری رحمہ اللہ اُن کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔انہوں نے اپنے ایک سفرنامے میں (جو غالبا ماہنامہ التوعیہ دہلی میں شائع ہوا تھا) لکھا ہے کہ ساہوکار شیر خان صاحب کے گھر پر میں نے جو گھی کھایا ہے،وہ اس قدر خالص تھا کہ اپنی زندگی میں ایسا خالص گھی کبھی نہیں کھایا۔

خطیب الاسلام مرحوم نے اس سفرنامے میں غالباً دادا شیر خان مرحوم کے شاہی تانگے (بگھی) کا بھی ذکر کیا ہے۔ان کی صلہ رحمی بھی بہت مشہور تھی۔قریب ودور کے ایک ایک رشتے کو بڑی خوبی سے نبھاتے اور ان کی خبر گیری کرتے تھے۔سال بھر باری باری سب کے ہاں کھانا پکوا کر توشہ بھیجتے تھے۔ان کا یہ عمل بھی رشتہ داروں میں کافی مشہور تھا۔

ٹرینوں پر علماء اور شناساؤں کو گھر کا کھانا بھیج کر تکریم کرنا:

دادا شیر خان مرحوم کی مہمان نوازی کا اتنا شہرہ تھا کہ عزیز واقارب، جان پہچان والے، بالخصوص علمائے کرام جب ادونی ریلوے اسٹیشن سے گزرنے والے ہوتے تو ٹیلیگرام یا کسی اور ذریعے سے مرحوم کو اطلاع دیتے کہ فلاں دن فلاں وقت فلاں ٹرین سے ہم ادونی سے گذر رہے ہیں۔مرحوم تاریخ ووقتِ مقررہ پر توشہ لئے کھڑے رہتے تھے۔یہ کام وہ اکثر خود کرتے تھے بسا اوقات اپنے ملازم کے ذریعے پہنچاتے تھے۔مرحوم کی اس روایت کو ان کے صاحب زادے میرے والدِ بزرگوار جناب شیر خان محمد اسحاق صاحب حفظہ اللہ نے بھی اُسی آن بان اور مستعدی کے ساتھ باقی رکھا ہے۔

اصلاح امت کی تڑپ اور فکرمندی:

شیر خاں مرحوم کو اپنے اہل خانہ عزیز واقارب،دوست احباب، محلے اور گاؤں والوں کی ہر وقت فکر رہتی تھی۔پہلے خود اپنی پوری زندگی کو ایک سچے داعی کی طرح گذارتے،اپنی عملی زندگی سے اسوہ پیش کرتے تو لوگ اُن کو دیکھ کر ہی اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کرتے تھے۔جہاں کہیں بھی کوئی برائی دیکھتے تھے بلا کسی خوف وخطر کے جرأت سے اس کی اصلاح کے لئے آگے بڑھتے تھے۔مختلف علماء کو بلا کر ان کے خاص وعام خطابات رکھتے۔شہر میں اپنے بریلوی رشتہ دار ہوں یا عام احباب اپنی تقریبات میں ان کو شرکت کے لئے جب بلاتے تو وہ ان سے پہلے یہ عہد لیتے کہ اس تقریب میں کسی بھی قسم کا کوئی شرک،خرافات وبدعات،فاتحہ خوانی یا کوئی اور خلاف شرع کام نہیں ہوگا۔اگر وہ لوگ مان کر عہد کرتے اور اس کی پابندی کرنے کی یقین دہانی کراتے تو انکے پاس پوری شان وشوکت کے ساتھ جاتے تھے اور اگر کوئی معاہدہ توڑ دیتا تو وہ اس تقریب میں ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہیں رکتے تھے۔احتجاجاً مجلس

سے اٹھ کر چلے جاتے تھے۔جس کی وجہ سے میزبان کی سبکی ہوتی تھی۔پھر شہر بھر میں یہ بات پھیل جاتی کہ فلاں کی تقریب نکاح سے شیر خان ساہو کار فاتحہ خوانی کی وجہ سے غصہ ہو کر چلے گئے۔شہر بھر میں اُن کے اس طرح کے کئی واقعات مشہور تھے۔اُن کی اسی جرأت، دین پسندی اور شرک وبدعات وخرافات کے خلاف سخت موقف ہی نے کافی لوگوں کو تبدیل کر کے صحیح راستا دکھایا۔

شاہی جامع مسجد ادونی، اس کے حنفی بریلوی ٹرسٹیوں کا اہلِ حدیث شیر خان احمد حسین اور ان کے تین رفقاء پر ادونی اور بلہاری کی عدالتوں میں ایک تاریخی مقدمہ:

شاہی جامع مسجد ادونی:

۱۶۶۲ء میں بیجاپور کے سلطان کی سرپرستی میں ادونی کے گورنر سدی مسعود خان نے دس ایکڑ زمین کے رقبے پر بیس لاکھ دینار کی لاگت سے شاندار شاہی جامع مسجد کی تعمیر کروائی۔یہ مسجد اسلامی تعمیرات کا بہترین شاہکار ہے اسے دیکھنے کے لئے بلاتفریق مذہب وملت آج بھی دور دراز کے مقامات سے لوگ آتے ہیں اور اسے دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں کہ آج سے ۳۵۵ سال قبل مسلم حکمرانوں اور کاریگروں نے کس طرح سے یہ شاہی جامع مسجد بنائی ہوگی۔

تاریخی مقدمہ اور دادا مرحوم کی کامیابی:

شیر خان احمد حسین مرحوم نے جب اہل حدیث مسلک اختیار کیا، وہ انیسویں صدی کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا۔اس وقت شہر کی تیرہ ہزار مسلم آبادی میں صرف گنتی کے چند اہل حدیث تھے۔دادا مرحوم کی دعوت پر اور بھی رشتہ دار اور دوست واحباب اہل حدیث ہو گئے۔اُن کے اہل حدیث بن جانے کے بعد شہر کے چند گنے چنے اہل حدیثوں کو حوصلہ مل گیا۔اب شیر خان مرحوم اور ان کے ساتھی شاہی جامع مسجد ادونی میں جا کر سنت کے مطابق نماز ادا کرتے اور نماز میں بآواز بلند ''آمین'' اور ''ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ'' کہتے تھے، پیر سے پیر ملاتے، رفع الیدین کرتے اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیتے تھے۔قبر پرستی، شرک وبدعات کیخلاف دلائل پیش کر کے بحث ومباحثہ کے ذریعے سے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرتے تھے۔اُن کے ساتھ ہمیشہ اُن کے دوست اور ساتھی بھی ہوتے تھے۔ادونی کا دوسرا متمول گھرانا روشن خاندان تھا۔اگرچہ وہ حنفی گھرانا تھا لیکن شیر خان احمد حسین مرحوم کی پشت پناہی پر مجبور تھا کیونکہ اُن کی دو بہنیں روشن خاندان میں چھوٹے من اللہ اور بڑے من اللہ سے بیاہی گئی تھیں۔شاہی جامع مسجد کے متولی حضرات اُنہیں اور اُن کے ساتھیوں کو مسجد سے نکال باہر کرنے سے قاصر تھے چنانچہ ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کے لئے ادونی کے کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا۔اہل حدیثوں اور حنفیوں میں نوک جھونک جاری تھی کہ ۱۹۲۳ء میں کچھ واقعات کے بعد اس مقدمہ میں تیزی آ گئی۔اس مقدمے کو لڑنے کے لئے حنفیوں کی طرف سے پہلے کرنول خواجہ حسین منتظم ٹرسٹی مقرر ہوئے پھر ان کی وفات ہو گئی تو ان کی جگہ کرنول عبدالرحیم منتظم ٹرسٹی منتخب ہو کر مدعی بنے اور اہل حدیثوں میں سے چار افراد پر مقدمہ دائر کیا۔پہلے نمبر پر شیر خان احمد حسین

مرحوم جو کہ اصل مدعا علیہ تھے۔ بقیہ تین میں روشن عبید اللہ صاحب جو کہ اُن کے بھانجے تھے بعد میں ان کے سمدھی بھی بن گئے تھے اور اُن کی وجہ سے اہل حدیث بنے تھے اور آلور عبدالرزاق صاحب اور پنچی خواجہ حسین صاحب اُن کے دوست تھے۔

یہ مقدمہ تین سال سے زائد عرصے تک ادونی کے کورٹ میں چلا۔ طرفین کی طرف سے دلائل جمع کئے گئے اور فیصلہ تقریباً دادا اور اہلِ حدیثوں کے حق میں ہو گیا تھا لیکن تفصیلی فیصلے کے لئے یہ مقدمہ بلہاری ہائی کورٹ منتقل ہو گیا۔ حنفیوں نے تین سال سے زائد عرصہ تک ادونی میں چلنے والے مقدمے پر اٹھنے والے اخراجات اور نقصان کی ادائیگی کا بھی مطالبہ بلہاری کورٹ میں کر دیا۔ یہ مقدمہ بلہاری کورٹ میں چند ماہ چلا اور ۱۵/اگست ۱۹۲۵ء کو عدالت نے اہل حدیثوں کے حق میں فیصلہ سنا کر ایک تاریخ رقم کر دی۔ غیر مسلم فاضل جج نے ادونی میں تین سال سے زائد عرصے تک پھر چند ماہ بلہاری میں لڑے جانے والے مقدمہ پر ہونے والے اخراجات اور نقصانات کی بھرپائی کے لئے احناف کے مطالبے کو پورا کرنے کی بجائے مدعی (احناف) کو یہ کہا کہ:

"As for the court of suit, the palintiff has more or less failed. So, he will bear the cost and pay two-third cost of the defendants."

(جہاں تک مقدمے کے اخراجات کا تعلق ہے تو مدعی تقریباً نام کام ہو چکا ہے اس لئے وہ خود اپنے اخراجات برداشت کر لے اور مدعا علیہم (شیر خان احمد حسین اور ان کے تین ساتھیوں) کے اخراجات کا دو تہائی حصہ بھی ادا کرے)۔ چوں کہ ساہوکار شیر خان احمد حسین مرحوم جنہوں نے (بقول میری دادی مرحومہ اور والدِ محترم) اپنا ذاتی دو ٹوکری سونا خرچ کر کے تین سال سے زائد عرصے تک ادونی پھر بلہاری میں یہ مقدمہ لڑا تھا۔ احناف سے بطور حرجانہ پانچ سو روپے لینا ان کی شان اور مرتبے کے منافی تھا چنانچہ انہوں نے حرجانے کی رقم لینے سے انکار کر دیا۔ واضح رہے کہ علاقے کے اس رئیس اور زمیندار کو اللہ مالک الملک نے چھپر پھاڑ کر دولت عطا کی تھی۔ اس کا اثر الحمدللہ تقریباً ایک صدی گزر جانے کے بعد آج بھی ان کے خانوادے پر پوری طرح نظر آتا ہے۔ شیر خان مرحوم جنہوں نے ادونی کے اوّلین کالج ''آرٹس اینڈ سائنس کالج'' کو کڑوروں روپے کی زمین عطیہ کی ہو اسی طرح ادونی کے قبرستان کو بھی اپنی جگہ دی ہو اور سیکڑوں رفاہی اور فلاحی کام کئے ہوں ان کے لئے پانچ سو روپے کی رقم اگرچہ اس زمانہ میں خطیر تھی، لیکن شیر خاں ساہوکار کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی کیونکہ ان کے لئے پیسوں سے زیادہ اہمیت مسلک اور عزت کی تھی۔

الحمدللہ اس مقدمے کے بعد ادونی کے اہل حدیثوں کو شاہی جامع مسجد میں آمین بالجہر، رفع الیدین اور پیر سے پیر ملا کر نماز پڑھنے کی پوری اجازت مل گئی اور غیر مسلم عدالت نے بھی دلائل کی بنیاد پر مسلک اہل حدیث کو حق بجانب ٹھہرایا۔

معلوم رہے تین سال سے زائد عرصے تک ادونی میں مقدمہ لڑنے کے بعد جو چند ماہ بلہاری میں مقدمہ چلا اس کی پیروی میں مدعا علیہ شیر خان احمد حسین مرحوم کے دوست جناب الحاج سید عبدالسلام صاحب مرحوم بون مرچنٹ بلہاری جماعتی و مسلکی غیرت کا ثبوت دیتے ہوئے اُن کا ساتھ دیا تھا۔

(نوٹ) مؤرخ اہل حدیث ڈاکٹر بہاء الدین صاحب حفظہ اللہ نے بتایا کہ اخبار اہل حدیث امرتسر میں ادونی کے مقدمہ کی بابت ایک

اشتہاران کی نظر سے گذرا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دادا شیر خان احمد حسین مرحوم برابر حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ اور ملک کے کبار علماء کے رابطہ میں تھے۔

شیر خان احمد حسین مرحوم بحیثیت حکم:

اللہ تعالیٰ نے دادا مرحوم کو ذہانت وفطانت کے ساتھ ساتھ معاملہ فہمی کا بھی کافی ملکہ عطا کیا تھا۔اُن کی قوت فیصلہ بہت مضبوط تھی۔ شہر ومضافات میں اُن کا رعب ودبدبہ تھا۔اُن کا عدل وانصاف اور اُن کے فیصلے معروف تھے۔مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی اُن کے پاس اپنے فیصلے کروانے آتے تھے۔بسا اوقات گھر کے ورانڈے پر کئی سو افراد جمع ہو کر اُن کے فیصلے سنتے تھے۔کسی کو جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اُن کے فیصلوں کے خلاف جائے۔مسلم غیر مسلم بڑے بڑے خاندانوں میں جھگڑے ہوتے تو یہی آواز اٹھتی کہ چلو ساہوکار کے پاس چلکر فیصلہ کرواتے ہیں۔شہر میں ساہوکار کا مطلب شیر خان احمد حسینؒ ہوتا تھا گویا ساہوکار کا لفظ اُن کے لئے شہر میں علم کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔انہوں نے کبھی ملک کی سیاست میں حصہ نہیں لیا لیکن ہر پارٹی بالخصوص کانگریس پارٹی کے ایم ایل اے کے امیدوار الیکشن سے پہلے سب سے پہلے اُن سے مل کر گویا آشرواد لیتے تھے اور مشہور کرا دیتے تھے کہ شیر خان ساہوکار نے ہمیں آشرواد دیا ہے۔ حلقہ ضلع کرنول کے ایم پی بھی اُن کے دولت خانے پر آکر ملتے تھے اور اس ملاقات کو اپنے لئے اعزاز گردانتے تھے۔

مرحوم کا ایمان اور صبر:

دادا محترم شیر خاں احمد حسین کی زندگی میں طرح طرح کی آزمائشیں آئیں،لیکن انہوں نے انہیں بڑی خندہ پیشانی اور صبر وتحمل سے سب کو ڈیل کیا۔ماردھاڑ،لڑائی جھگڑے،فتنہ وفساد سے وہ بہت دور رہتے تھے اور اپنی آل واولاد کو بھی ہمیشہ اس کی تاکید کرتے تھے۔وہ صابر تھے اور ہمیشہ صبر کی تلقین کرتے تھے اور نصیحت فرماتے تھے کہ اگر کوئی ایک گال پر چانٹا مارے تو اس کو دوسرا گال پیش کردو۔اس طرح برائی کو نیکی سے بدلنے کی تربیت دیتے تھے۔

جس سال مرحوم حج پر گئے راستے میں ایک بڑے طوفان نے ان کے جہاز کو گھیر لیا تھا،جہاز سمندری طوفان میں پھنسا،اب ڈوبا کہ تب ڈوبا کی حالت میں ہچکولے کھاتے رہا۔مسافر موت وزیست کی کیفیت میں مبتلا رہے،کتنے ہی ساتھی اپنی جان گنوا بیٹھے اور کتنے ہی موت کے تصور سے بے ہوش ہوئے جاتے تھے۔لیکن شیر خان احمد حسین مرحوم صبر وشکر اور ایمان ویقین کی ایک مضبوط چٹان بن کر مطمئن اور پرسکون انداز میں اپنے ساتھیوں کو حوصلہ دیتے اور ان کی خدمت کرتے رہے۔ہم سفروں کو قضا وقدر پر یقین رکھنے کی تلقین کرتے رہے اور صبر اور دعا اور مناجات سے اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کی تبلیغ کرتے رہے۔بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان سبھوں کو اس جان لیوا طوفان سے نجات دی۔جہاز کے عملے سمیت مسافر ساتھی اُن کو ان کے صبر وتحمل اور ایمان کی پختگی اور توکل علی اللہ پر داد دیئے بغیر نہ رہ سکے تھے۔

کچھ گھر کے احوال:

ساہوکار شیر خان احمد حسین مرحوم کا گھرانہ اپنے علاقہ کے لئے مثالی تھا۔اُن کی آل واولاد تمام اہل وعیال کے ساتھ ایک گھر میں رہتی

تھی۔ گویا کہ ایک گھر کئی گھروں پر مشتمل تھا۔ ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف نکلنے کے لئے دسیوں دروازوں سے گذرنا ہوتا تھا۔ سب کا کھانا ایک جگہ پکتا تھا اور سارے مرد اور ساری خواتین الگ الگ ایک ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ گھر کا مکمل نظام بڑے مرتب انداز میں چلتا تھا۔ بے قاعدگیوں اور بے ضابطگیوں کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ عشاء کی نماز کے بعد کوئی جاگ نہیں سکتا تھا اور فجر کی نماز کے بعد کوئی سو نہیں سکتا تھا۔ گھر کے مردوں اور بچوں کو نماز باجماعت پڑھنا لازم تھا، بچوں میں اگر کسی کی نماز بلا معقول عذر کے چھوٹ جاتی تو وہ ایک وقت کے کھانے سے محروم کر دیا جاتا تھا اور گھر کی خواتین کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ گھر کے سربراہ شیر خان مرحوم کی حکم عدولی کرتے ہوئے ان کو کھانا کھلا دے۔ گھر کے ہر فرد پر چھوٹی بڑی ہر سنت کا خیال ضروری تھا۔ کھانے کے آداب، کپڑے پہننے کے آداب، سونے اور جاگنے کے آداب الغرض ہر کام سنت کے مطابق کرنا لازمی تھا۔ اسی طرح گھر پر مکتب چلتا تھا۔ روزانہ مغرب تا عشاء معلم قرآن آتے تھے۔ ان سے گھر کے بچوں کے ساتھ محلے اور گاؤں کے سو سے زائد بچے ناظرہ قرآن، نماز، دعائیں اور دینیات کا علم حاصل کرتے تھے۔ محلے اور گاؤں کے بچوں کے لئے یہ تعلیم بالکل مفت ہوتی تھی۔ دادا مرحوم عصر کی نماز بعد گھر کے تمام بچوں کو ترتیب کے ساتھ جیب خرچ دیتے تھے۔

جمعہ کے دن عید المؤمنین ہونے کا احساس دلا کر خوب اہتمام کرتے اور کرواتے تھے۔ عمدہ کپڑے پہنتے اور سب کو پہننے کا حکم دیتے تھے۔ خوشبو اور سرمہ لگاتے اور سب کو لگانے کا حکم دیتے تھے۔ اوّل وقت میں مسجد جانے کا حکم دیتے اور خود اس پر عمل کرتے ہوئے سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ اہتمام سے سورہ کہف پڑھتے اور گھر کے ہر فرد کو اس کے پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔ جمعے کے دن کھانے کا خصوصی اہتمام ہوتا تھا اور جمعہ کی نماز کے بعد امام، مؤذن، بچوں کے استاذ پڑوسیوں، دوست واحباب اور خادموں سمیت سب ایک ساتھ طعام تناول فرماتے تھے۔ ہر جمعے کی صبح گھر پر نائی آجاتا تھا۔ جن کو بال بنوانے ہوتے وہ بنوا لیتے تھے۔ یہ سلسلہ عیدین پر بھی جاری رہتا تھا۔ عیدین کے موقع پر سب کو نیا کپڑا پہننا لازم ہوتا تھا۔ گھر پر خود درزی آتے، سب کا ناپ لیتے اور کپڑے اور بعض کی شیروانیاں سلتے۔ عید الاضحیٰ کے لئے عید الفطر کے فوراً بعد قربانی کے جانور خریدے جاتے تھے، انہیں خوب کھلا پلا کر فربہ کیا جاتا تھا۔ دو ماہ میں ان سے بھرپور انسیت اور محبت ہو جاتی تھی۔ عید کے دن ان جانوروں کا ذبح کرنا سب کے لئے ایک آزمائش ہوتی تھی، کتنوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

گھر کے تمام بچوں کو تیراکی سکھانے کے لئے ایک ماہر تیراک مقرر تھا، جو گھر کے تمام بچوں کو ادونی کے تالاب اور باؤڑیوں میں لے جا کر تیراکی سکھاتا تھا۔ گھر پر روزانہ ایک حاذق حکیم آتے تھے جن کا مشاہرہ بندھا رہتا تھا۔ جو بیماروں کا علاج معالجہ کرتے اور حسب موسم وضرورت دوا، خمیرے اور کشتے بنا کر دیتے تھے۔ دودھ کے لئے گھر کے طبیلوں میں اعلیٰ نسل کی گائیں اور بھینسیں پالی جاتی تھیں۔ کسی بھی جگہ اچھی، صحت مند اور اعلیٰ نسل کی گائے، بھینس یا بکری کی اطلاع ملتی انہیں منہ مانگی قیمت دے کر حاصل کر لیتے تھے۔ صبح سویرے اپنے کھیتوں سے ہمہ اقسام کی سبزیاں گھر آجاتی تھیں۔ چاول، گیہوں، جوار، مونگ پھلیاں اور دیگر اناج اور غلہ بھی اپنے ہی کھیتوں سے پہلے گھر آتا اور حسب ضرورت رکھ کر فروخت کے لئے بازار چلا جاتا۔ کپاس کے ڈھیر اور گٹھے گوداموں میں آتے اور فروخت ہو جاتے تھے۔ موسم گرما میں اپنے ہی باغوں سے قسم قسم کے آم آتے تھے۔ شیر خان مرحوم کے جنگلوں میں بسا اوقات روزانہ پچاسوں افراد کام کرتے اور روزی کماتے۔ نیز دیگر امور کے لئے بھی گھر میں خادم اور خادمائیں متعین رہتے تھے۔

مرحوم کے عادات واطوار:

شیر خان احمد حسین مرحوم وقت کی پابندی میں معروف تھے۔زبان کی پاسداری ان کی پہچان تھی اور ایفاء عہد میں وہ لاثانی تھے ان کا صبح وشام کا نظام الاوقات فوجیوں کی طرح تھا۔سنتوں پر عمل کرنے اور اپنے اہل وعیال کو ان پر عمل کروانے کے لئے دور دور تک مشہور تھے۔خلاف سنت کسی بھی کام کو برداشت نہیں کرتے تھے۔اُن کا رعب ودبدبہ لوگوں پر اس قدر طاری تھا کہ داڑھی منڈا مسلمان اُن کا سامنا کرنے سے کتراتا تھا۔حتی کہ غیر مسلم بھی شراب پی کر اُن کے سامنے سے گزرنے سے احتراز کرتے تھے۔ غیر مسلموں کا کوئی بھی مذہبی وتقریبی جلوس بینڈ باجہ اور ڈھول تاشہ بجاتے ہوئے اگر اُن کے گھر کے سامنے سے گذرتا اور وہ لوگ اُن کو دیکھ لیتے تو اُن کے احترام میں اُن کے سامنے سے گذرتے وقت ڈھول تاشہ گانے، بجانے کو تھوڑی دیر کے لئے روک دیتے تھے۔

علمائے کرام دوران خطاب کوئی ضعیف حدیث پیش کرتے یا ان سے کسی اور قسم کا تسامح ہوجاتا وہ ان کو متنبہ کرتے تھے۔ خود ٹخنوں کے اوپر کپڑا پہنتے اور اپنی تمام آل واولاد کو بھی اس پر پابندی کے ساتھ عمل کرواتے تھے۔گھر پر کسی کا کپڑا ٹخنہ سے نیچے نظر آتا تو فوری اس کو کٹوانے کا حکم دیتے تھے۔گھر کی خواتین سختی کے ساتھ پردہ کرتیں۔کبھی شدید ضرورت پر کہیں جانا آنا ہوتا تو بالکل پردے میں ملفوف پردے ڈلے ہوئے جھکوں اور گھوڑا گاڑیوں میں جاتیں اور واپس آتیں۔

اہلیہ:

دادا مرحوم احمد حسین کی اہلیہ محترمہ دادی جان کا نام خیر النساء تھا۔وہ نہایت دیندار، ملنسار، نرم دل، مہمان نواز خاتون تھیں۔وہ ایک خوشحال گھرانے سے آئی تھیں اور سسرال میں بھی ہن برستا تھا روزانہ نیا کپڑا پہنتیں اور پہنے ہوئے کپڑے کو دوسروں کو خیرات کردیتی تھیں۔ مجھے آج بھی یاد ہے میں دادی جان کی گود میں بیٹھ کر ان کے منہ سے پان نکال کر کھا جاتا تھا۔اپنے بچوں اور پوتے پوتیوں کی بہترین تربیت کے ساتھ اپنے شوہر کا ہر موڑ پر ساتھ دیتے ہوئے ۱۹۷۳ء میں اس دار فانی سے کوچ کرگئیں۔

اللھم اغفرلھا وارحمھا وادخلھا الجنۃ الفردوس آمین

بہنیں:

مرحوم کی چھے بہنیں تھیں اور وہ چھے بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے۔دو بہنیں روشن خاندان میں ایک بہن سلطان پوری خاندان میں ایک بہن چکولی والا خاندان میں ایک بہن پٹیل خاندان میں اور ایک بہن کے والا خاندان میں بیاہی گئیں تھیں۔

اولاد:

دادا مرحوم شیر خاں احمد حسین کثیر العیال تھے۔اللہ نے اُن کو ۹/اولادیں عطا کی تھیں۔ان میں دو بیٹیاں اور سات بیٹے تھے۔

۱۔شیر خان محمد اسماعیل ۲۔شیر خان محمد عبدالعظیم ۳۔شیر خان امت اللہ تحسین ۴۔شیر خان عبدالرحمن ۵۔شیر خان رابعہ خاتون ۶۔ شیر خان محمد عبداللہ ۷۔شیر خان محمد اسحاق ۸۔شیر خان محمد اسماعیل ۹۔شیر خان محمد ابراہیم۔

(نوٹ) مرحوم کی زندگی ہی میں ان کی پانچ اولادیں (۱، ۳، ۴، ۵، ۸) فوت ہوگئی تھیں اور بقیہ چار میں سے تین بھی اب وفات پا چکی ہیں۔ اُن کی اولاد میں اب صرف ایک فرزند میرے والد ماجد جناب شیر خان محمد اسحاق صاحب باحیات ہیں جو اپنے والد کا عکس ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان اور صحت وتندرستی کے ساتھ ان کے سایہ عاطفت کو تادیر قائم ودائم رکھے۔ آمین

بہوئیں:

دادا محترم شیر خان احمد حسینؒ نے اپنے گھر کی بہو بنانے کے لئے بھی دین دار نیک نام سلفی گھرانوں کا انتخاب کیا۔ ۱۔ زیب النساء بنتِ پٹیل عبدالرزاق ادونی زوجہ شیر خان محمد عبدالعظیم ۲۔ حلیمہ خاتون بنتِ حکیم عبداللہ ادونی زوجہ شیر خان عبدالرحمان ۳۔ ذکیہ خانم بنتِ روشن عبیداللہ ادونی زوجہ شیر خان محمد عبداللہ ۴۔ صفورہ خاتون بنتِ مولانا عبدالعزیز جامی عمری مدراس زوجہ شیر خان محمد اسحاق ۵۔ زبیدہ اختر بنتِ پٹوے گھر حاجی عبدالحی سٹی لاج گلبرگہ زوجہ شیر خان محمد ابراہیم۔

اللہ نے شیر خان احمد حسین مرحوم کی آل واولاد میں اس قدر برکت عطا کی ہے کہ اب یہ خاندان بہت پھیل گیا ہے۔ **اللھم سددھم ووفقھم واحفظھم** آمین۔

وفات:

اللہ تعالیٰ نے دادا شیر خان احمد حسین رحمہ اللہ کو دین وایمان اور عمل صالح کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائی تھی۔ آخری عمر تک صحت وتندرستی کی نعمت سے مالا مال تھے۔ آخری عمر میں بھی اُن کی نظر تیز تھی۔ دور سے لوگوں کو پہچان لیتے تھے۔ حافظہ بھی درست تھا۔ کسی بڑی بیماری نے اُن پر سایہ نہیں ڈالا۔ لگ بھگ سو سال عمر پاکر ۴ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ مطابق ۹ جنوری ۱۹۸۱ء کو جمعہ کی صبح کلمہ پڑھتے ہوئے اپنے رفیق اعلیٰ کو لبیک کہا اور اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ان کی وفات کا منظر، نورانی مسکراتا چہرہ آج بھی میری آنکھوں میں تازہ ہے۔

اللھم اغفر لہ وارحمہ واسکنہ فی الفردوس الاعلی۔ آمین

کتبہ: شیر خان جمیل احمد عمری ابن شیر خان محمد اسحاق

(پوتے شیر خان احمد حسین مرحوم)

۱۰ر دسمبر ۲۰۱۷م

❑❑❑

مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ بونڈیہار

۱۹۱۹ء.....۱۹۸۲ء

مولانا ابوالعاص وحیدی

یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ ہر دور میں ایسی بہت سی شخصیتیں گذری ہیں جو گمنام رہیں اور وسیع پیمانہ پر جنہیں شہرت حاصل نہ ہوئی لیکن فرد وسماج، علاقہ وماحول اور میدان تعلیم وتربیت میں زبردست انداز میں موثر رہیں اور انسانی تاریخ میں جنہوں نے علمی وادبی اور اصلاحی وتنظیمی انقلاب پیدا کئے۔

انہیں اعاظم رجال اور نوابغ روزگار شخصیتوں میں استاذ الاساتذہ مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کی بلند وبالا شخصیت بھی ہے جو اگر چہ خاموش وگمنام رہے اور شہرت وناموری سے دور رہے مگر ان کے تعلیمی وتربیتی، اصلاحی وتنظیمی اور جمعیتی وجماعتی کارنامے وخدمات آفتاب وماہتاب کی طرح درخشاں وتابندہ ہیں۔

پیدائش وخاندان:

مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ بیسویں صدی کے ربع اول ۱۹۱۹ء میں بمقام بونڈیہار ضلع گونڈہ، یوپی، عالم وجود میں آئے، آپ کا سن ولادت ''اللہ کی رحمت کا مظہر'' بنتا ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے محمد اقبال بن عبدالستار بن محمد اشرف خاں بن رجبی خان بن سلار وخاں۔

جس خاندان وعلاقہ میں آپ نے آنکھیں کھولیں وہ ایک طرف جرأت وبیباکی، شجاعت وبہادری اور قابل رشک عزم وہمت سے معمور تھا اور دوسری طرف عمل بالقرآن والحدیث کے احساسات وجذبات اور اہل حدیثیت وسلفیت کے جوش وخروش میں سرشار تھا، اس لئے کہ کنڈو بونڈیہار کے خاندان وعلاقہ کے لئے انیسویں صدی کا اختتام اور بیسویں صدی کا آغاز اہل حدیثیت کے لئے آغاز نو کا زمانہ ہے، جیسا کہ اس علاقہ کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے، کہ انیسویں صدی کے ربع ثالث میں یہاں اہل حدیثیت وسلفیت آئی اور بدعت، تعزیہ داری اور دوسری جاہلی رسوم وخرافات کا جنازہ نکلا۔

تحصیل علم اور ممتاز اساتذہ:

مولانا نے گیارہ سال کی عمر تک جامعہ کے پرائمری عربی درجات میں تعلیم حاصل کی یعنی مولانا محمد سلیمان مئویؒ کے زمانہ تعلیم وتربیت میں جامعہ کے چشمۂ علمی سے سیراب ہوئے، ۱۹۳۰ء و۱۹۳۱ء کے درمیان دارالحدیث رحمانیہ (مرحوم) دہلی میں جماعت ثانیہ میں داخلہ لیا، تقریباً ۱۹۳۷ء یا ۱۹۳۸ء میں مولانا حکیم محمد یٰسین صاحب رحمہ اللہ کے دور میں دوبارہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار

میں تعلیم حاصل کی، پھر دارالحدیث رحمانیہ دہلی واپس گئے اور ۱۹۳۹ء میں سند فضیلت حاصل کی، فارغ ہونے کے بعد ۱۹۴۰ء سے تادم حیات (۱۹۸۲ء) جامعہ سراج العلوم بونڈیہار سے بحیثیت معلم ومربی، منتظم ومنصرم اس طرح وابستہ رہے کہ درمیان میں ایک لمحہ کے لئے اس جامعہ سے اپنا تعلق منقطع نہ کیا۔

آپ کے مشہور وممتاز اساتذہ کرام جنہوں نے جامعہ سراج العلوم بونڈیہار ودارالحدیث رحمانیہ دہلی میں آپ کو تعلیم دی علی الترتیب یہ ہیں حکیم مولانا محمد یٰسین صاحبؒ، مولانا محمد یونس صاحبؒ بونڈیہار، مولانا زین اللہ صاحبؒ کنڈوَ، فاضل وادیب جناب مولانا عبدالغفور بسکوہریؒ، جناب مولانا محمد سلیمان مئویؒ، جامع معقول ومنقول جناب مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ، فضیلۃ الشیخ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ، مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھیؒ، مولانا اصحاب اللہ صاحب عرف بابا، مولانا عبدالحلیم صاحب سرحدی اور مولانا عبدالحلیم ناظم صاحب وغیرہ۔

مولانا رحمانیؒ اور جامعہ سراج العلوم:

مولانا محمد اقبالؒ کی عمر ابھی بیس ہی سال کی تھی کہ جامعہ میں بحیثیت مدرس ومعلم تشریف لائے اور بعد کے ادوار میں تعلیم وتربیت کے ساتھ ادارت واہتمام، انتظام وانصرام کی پوری ذمہ داری بھی آپ پر ڈال دی گئی نیز ۱۹۷۵ء میں ناظم جامعہ جناب عبدالمعبود خاں عرف للنؒ کے انتقال کے بعد مجلس منتظمہ نے آپ کو باقاعدہ ناظم بنایا اور تاحیات آپ جامعہ کے ناظم بھی رہے اس طرح سے تقریباً بیالیس سال کی طویل مدت تک مولانا اس علمی چمن کو اپنے خونِ جگر سے سیراب کرتے رہے، اور شب وروز جامعہ کی تعمیر وترقی میں لگے رہے، اور یہ واقعہ ہے کہ اس اقبالی دور میں جامعہ برابر آگے بڑھتا رہا، تعلیم وتربیت، اصلاح، تنظیم اور تعمیر غرض ہر لحاظ سے جامعہ کو ترقی حاصل ہوئی حتیٰ کہ اس کی شہرت حدود عجم سے متجاوز ہوکر سرزمین عرب تک جا پہنچی۔

جامعہ کا اقبالی دور چونکہ تعلیمی، تعمیری اور تنظیمی کارناموں سے معمور ہے اس لئے بطور تحلیل وتجزیہ میں اسے چند ادوار ومراحل میں تقسیم کرتا ہوں تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

□ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۵۲ء تک کے زمانہ کو جامعہ کے اقبالی دور کا پہلا مرحلہ تصور کرنا چاہیے، اس مرحلہ میں پرائمری درجات، شعبہ فارسی اور عربی جماعت خامسہ تک کی تعلیم دی جاتی رہی، اسی مرحلہ میں ۱۹۴۸ء میں مولانا مرحوم کی مسلسل کوششوں اور دلچسپیوں کے نتیجہ میں ایک عظیم الشان سہ روزہ دعوتی وتبلیغی کانفرنس ہوئی جس میں اس دور کے بہت سے ممتاز ومشہور اکابر جماعت اور مشاہیر ہند شریک ہوئے، جن کی موثر وسحر انگیز تقریروں سے اس علاقہ وخاندان کی اہل حدیثیت میں جلا پیدا ہوئی۔

□ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۴ء تک کا زمانہ اقبالی دور کا دوسرا مرحلہ ہے، اس مرحلہ میں تعلیمی، تنظیمی اور تعمیری حیثیت سے بہت سے کارہائے نمایاں انجام پائے۔ اس مرحلہ کے اواخر میں شعبہ حفظ وتجوید کا قیام عمل میں آیا جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

نیز اس مرحلہ میں مکتب وپرائمری درجات سے عربی جماعت سادسہ تک تعلیم ہونے لگی اور بعض سالوں میں جماعت ثامنہ (دورۂ حدیث) تک تعلیم ہوئی۔

تنظیمی کام یہ ہوا کہ اس مرحلہ کے شروع میں ۱۹۵۵ء میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کی سرپرستی

میں ایک مجلس عاملہ تشکیل دی گئی، جامعہ کا دستور العمل مرتب ہوا اور ایک مجلس تعلیمی بنائی گئی۔

اور تعمیری کام یہ ہوا کہ اس مرحلہ کے اوائل (۱۹۵۳ء) میں جناب حاجی سعادت خاں رحمہ اللہ کی اہلیہ محترمہ جناب خیر النساء کی فرمائش پر جناب حاجی صاحب اور ان کے صاحبزادے جناب رفیع الدین خاںؒ نے مدرسہ میں ایک مسجد تعمیر کرائی بعد میں جسے مزید وسیع کیا گیا فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

اور اسی مرحلہ کے اواخر میں جامعہ کی مغربی عمارت کی تعمیر ہوئی جو بعد میں دومنزلہ کی گئی، یہ عمارت مکمل طور پر جناب ملک محمد اسماعیلؒ رئیس گڈر ہیا کے نفقہ سے تعمیر ہوئی، جزاہ اللہ۔

اسی مرحلہ میں ۱۹۶۰ء میں ایک عظیم تبلیغی اجلاس منعقد ہوا جس میں ہندوستان کے ممتاز علماء کرام، مشہور خطباء اور شعراء عظام شریک ہوئے۔

□ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۶ء تک کی مدت اقبالی دور کا تیسرا مرحلہ ہے، تعلیمی وتعمیری اور مختلف اعتبارات سے یہ مرحلہ تمام گذشتہ ادوار ومراحل پر فائق ہے۔

اس مرحلہ کے اواخر یعنی ۱۹۷۶ء میں جماعت سابعہ کا اضافہ ہوا، اور انگلش کی تعلیم کا معقول انتظام ہوا، نیز اساتذہ وطلبہ کی تعداد میں دو چند اضافہ ہوا۔

اسی مرحلہ میں جامعہ کی اکثر عمارتوں کی تعمیر ہوئی، غالباً ۱۹۵۶ء میں ایک عمارت بنائی گئی جو جامعہ کی پرانی عمارتوں میں شمالی طرف واقع ہے، اس کے تقریباً چار سال بعد اس عمارت سے ملا کر مشرقی جانب ایک عمارت مزید تعمیر کی گئی، پھر ۱۹۷۳ء میں مولانا محمد یٰسین صاحب رحمہ اللہ کے دور کی عمارت کو جو جنوب میں مسجد سے متصل ہے دومنزلہ کیا گیا۔ ان دونوں عمارتوں میں عموماً پورے خاندان خصوصاً حاجی محمد نعیم خاں صاحب کا تعاون شامل ہے۔ اس کے بعد ۱۹۷۵ء کے اواخر میں حاجی محمد نعیم خاں صاحب کے نفقہ سے جامعہ کی مغربی عمارت کو دومنزلہ کیا گیا، ان ساری تعمیرات میں مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کی بھرپور دلچسپی، جہد مسلسل اور سعی پیہم کا زبردست دخل ہے۔

مولانا رحمانی کی مساعی کے نئے مظاہر:

۱۹۷۶ء سے اقبالی دور کا چوتھا مرحلہ شروع ہوا جو ۱۹۸۲ء میں اس وقت اختتام پذیر ہوا جب مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کا چراغ حیات گل ہوا، اس آخری مرحلہ میں مولانا رحمانیؒ کی مساعی جمیلہ کے نئے مظاہر سامنے آئے اور جامعہ نے عروج وارتقا کے اعتبار سے نیا موڑ لیا۔

۱۹۷۷ء میں درجات فضیلت قائم کئے گئے چنانچہ اس وقت سے اب تک ہر سال اوسطاً دس علماء وفضلاء جامعہ سے فارغ ہوتے ہیں جنہیں سند فضیلت اور دستار فضیلت دی جاتی ہے اور جو فارغ ہو کر ہندوستان کے مختلف گوشوں میں درس وتدریس، وعظ وارشاد اور دعوت وتبلیغ کا مقدس فریضہ انجام دیتے ہیں یا ہند وبیرون ہند مختلف اسلامی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

۱۹۷۶ء میں مولانا مرحوم کی مساعی کے نتیجہ میں بڑے پیمانہ پر یک سہ روزہ دعوتی وتبلیغی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ہندوستان کے مختلف اضلاع وصوبہ جات کے ماہر خطباء ومقررین اور عظیم علمی ودینی شخصیتیں شریک ہوئیں، اسی موقع پر راقم الحروف نے مولانا کی نگرانی ورہنمائی میں تاریخ جامعہ مرتب کی جسے ۱۹۸۰ء میں موتمر الدعوہ والتعلیم جامعہ سلفیہ بنارس کے موقع پر شائع کیا گیا ہے راقم نے اسے بعد میں عربی میں بھی منتقل کردیا۔ یہ عربی ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے۔

اس مرحلہ کی یہ بات انتہائی قابل ذکر ہے کہ ۱۹۷۹ء مطابق ۱۳۹۹ھ میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کا معادلہ ہوا جو مولانا رحمانیؒ اوران کے بعض تلامذہ کی خصوصی دلچسپیوں کا نتیجہ تھا۔

اس مرحلہ میں ایک تعمیری کام تو یہ ہوا کہ ۱۹۷۸ء میں جامعہ کی پرانی جنوبی عمارت کی مشرقی جانب ڈیڑھ سوفٹ کی ایک وسیع وعریض عمارت کی بنیاد ڈالی گئی، اسی درمیان رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے تعاون کیا جس سے اس عمارت کی تعمیر مکمل ہوئی، اس کے بعد جامعہ کے کنویں کی شمالی جانب اتنی ہی بڑی ایک عمارت کی بنیاد ڈالی گئی اور تمام دیواریں مکمل ہوگئیں مگر اس کی تکمیل مولانا رحمانیؒ کی وفات حسرت آیات کے بعد ہوئی، جامعہ کی ان تمام تعمیری سرگرمیوں میں مولانا مرحوم کی دوڑ دھوپ، سعی وکوشش اور ایثار واخلاص کا بڑا ہاتھ تھا۔

جامعہ سراج العلوم جو علم وفن کا گہوارہ ہے مولانا مرحوم اور دوسرے حضرات کی بھرپور کوششوں سے یہاں ۱۹۸۰ء کے اواخر میں بجلی کی روشنی کا بھی انتظام ہوا جس نے سراج العلوم کو ہر اعتبار سے چراغ ضوفشاں بنادیا۔

آغوشِ حرم میں شاد ہوئے:

مولانا مرحوم حج کے لئے دوبار حجاز تشریف لے گئے، پہلی بار ۱۹۶۹ء میں اور دوسری بار ۱۹۸۲ء میں، اسی سفر حج میں آپ کی وفات کا سانحہ پیش آیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ بتاریخ ۱۶ اگست ۱۹۸۲ء مطابق ۱۸ شوال ۱۴۰۲ھ میں مولانا مرحوم اپنی اہلیہ کے ساتھ سفر حج کے لئے جامعہ سے روانہ ہوئے اور ممبئی پہنچے، وہاں سے ۱۴ اگست ۱۹۸۲ء کو بذریعہ ہوائی جہاز مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، اسی روز عمرہ ادا کیا، دل کے مریض پہلے ہی سے تھے، کئی مہینے سے افاقہ ہوگیا تھا، دوسرے ہی روز بیمار پڑے اور مکہ مکرمہ کے ''ظاہر اسپتال'' میں داخل کئے گئے آخر دل کی یہ بیماری جان لیوا ثابت ہوئی اور دو ہفتہ کی علالت کے بعد مولانا ۶۳ سال کی عمر میں بتاریخ ۳۱ اگست ۱۹۸۲ء بروز سہ شنبہ مطابق ۱۱ ذوقعدہ ۱۴۰۲ھ انتقال فرما گئے **انا للہ وانا الیہ راجعون** ستمبر ۱۹۸۲ء بروز چہار شنبہ بعد نماز عشاء حرم کعبہ میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور مکہ مکرمہ کے قبرستان ''جنت المعلیٰ'' میں سپرد خاک کئے گئے **اللھم ارحمہ واغفر لہ واعف عنہ۔**

جامعہ کے باغباں، علاقہ اور اساتذہ وطلبہ کے شفیق ومحسن مولانا مرحوم جب بونڈیہار سے کوچ کررہے تھے تو دنیا یہی سمجھ رہی تھی کہ آپ سفر حج کے لئے جارہے ہیں، کسے خبر تھی کہ مولانا کے جسد خاکی کی پرواز حجاز کی طرف ہے اور روح کی پرواز ملاأعلیٰ کی جانب ہے۔ کون جانتا تھا کہ مولانا کی خوش نصیبی انہیں حجاز لے جارہی ہے اور اب ہمیشہ ہمیش کے لئے خدائے غفار کی رحمتوں میں جارہے ہیں،

اساتذہ وطلبہ اور علاقہ کے لوگ انہیں الوداع کہہ رہے تھے کسے خبر تھی کہ یہ آخری الوداع ہے۔

۴ ستمبر ۱۹۸۲ء کو جب مکہ اور ممبئی سے بذریعہ ٹیلگرام مولانا مرحوم کی وفات کی روح فرسا وجانکاہ خبر آئی تو ہوش وخرد جاتے رہے، لوگوں کو کچھ دیر تک سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہوگیا! بالآخر یہ یقین کرنا پڑا کہ اس عظیم مخلص انسان نے جان جان آفریں کے حوالے کردی، جامعہ سراج العلوم ماتم کدہ بن گیا اور پورے علاقہ کا ذرہ ذرہ سوگوار نظر آنے لگا۔

۵ ستمبر ۱۹۸۲ء کو جامعہ میں علاقہ اور گونڈہ وبستی کے مختلف معاہد ومدارس کے لوگ اکٹھا ہوئے، مولانا مرحوم کی زندگی، ان کے اخلاق وکردار اور صفات وخصوصیات پر روشنی ڈالی گئی، پسماندگان کو صبر وتسلی کی تلقین کی گئی، جامعہ کے ذمہ داران کو اتفاق واتحاد کے ساتھ جامعہ کو چلانے اور ترقی دینے پر ابھارا گیا اور نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی، اس موقع پر مولانا محمد خلیل ایمن رحمانی رحمہ اللہ نے مرحوم کی تاریخ وفات پر درد وغم میں ڈوبے ہوئے انداز میں چند قطعات کہے تھے ایک قطعہ اس طرح ہے۔

اس گلشن کے سب غنچۂ وگل مرجھا سے گئے ناشاد ہوئے
افتاد پڑی ہے بچوں پر حیران سبھی استاد ہوئے
اقبال کی خبر مرگ سے جب بیتاب تھے دل آنکھیں گریاں
ایمنؔ نے ندائے غیب سنی ''آغوشِ حرم میں شاد ہوئے''

مرحوم کے پسماندگان میں ایک بوڑھا باپ، اہلیہ، ایک چھوٹا بھائی اور بھتیجے ہیں اور روحانی طور پر پورا علاقہ اور عرب وعجم میں پھیلے ہوئے ہزاروں شاگرد مرحوم کے پسماندگان میں شامل ہیں۔

مولانا مرحوم کی شخصیت:

بزرگ ومتقی، صوفی منش، نمونہ سلف، زاہد شب زندہ دار، نورانی چہرہ، چھوٹا قد، گٹھا جسم، پیکر سنجیدگی، پر ہیبت وپر جلال اور خوش مزاج یہ تھی مولانا کی پر وقار وپر بہار شخصیت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل وشمائل میں جو آتا ہے کہ ''من راہ بدیھۃ ھابہ ومن خالطہ معرفۃ احبہ'' یعنی جو شخص اچانک آپؐ کو دیکھتا مرعوب ہوجاتا اور جو آپؐ سے ملتا جلتا وہ محبت کرنے لگتا، واقعہ یہ ہے کہ مولانا مرحوم کی شخصیت میں بھی یہ خصوصیت جلوہ گر تھی۔

سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی نگاہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کے دیدار سے شرف یاب ہوئی تو وہ بے اختیار کہہ اٹھے ''لیس ہذا الوجہ بکذاب'' یہ چہرہ کسی دروغ گو کا نہیں، مولانا مرحوم اسی ماہ رخ وشمع رسالت کے ایک پروانہ تھے جن کی صورت دیکھ کر بس خدا یاد آجاتا اور ہر دیکھنے والا ان کی بلند وبالا شخصیت کے اعتراف وعقیدت میں ڈوب جاتا۔

مولانا کی باتیں بڑی ہی پر لطف ہوتیں اور آپ کی سفید اور نورانی ریشم سی ملائم اور باسلیقہ ریش پر دلنواز ودلربا تبسم عجب بہار دکھلاتا تھا، بس دیکھنے ہی سے وہ مخصوص کیفیت تعلق رکھتی تھی۔

عبقریت وصلاحیت:

اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو علم وتحقیق، تعلیم وتربیت اور اردو وعربی ادب وغیرہ میں بڑی امتیازی صلاحیت عطا فرمائی تھی، اس لئے یہ کہنا بجا ہوگا کہ وہ بذات خود ایک انجمن تھے، یہ جملہ اگرچہ کثرت استعمال کی وجہ سے اپنی معنویت کھو چکا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ مولانا مرحوم جیسی شخصیتیں پردۂ گیتی پر کم ہی دیکھنے میں آتی ہیں بقول میر ؎

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے ذرے سے انسان نکلتے ہیں

مولانا مرحوم ایک کامیاب ترین مدرس، انتہائی شفیق استاد عظیم مصلح ومربی تھے، نیز وہ قرآن مجید وحدیث نبوی کے نکتہ داں ورمز شناس تھے اور مختلف علوم وفنون میں اعلیٰ صلاحیت کے حامل تھے، درس وتدریس کا ایسا ملکہ انہیں حاصل تھا کہ بہت ہی دلنشین، سہل، واضح اور جامع انداز میں اسباق اس طرح پڑھاتے کہ کتابوں کی مشکل ترین بحثیں آسان معلوم ہونے لگتیں، اور یہ واقعہ ہے کہ جس نے مولانا سے پڑھ لیا اسے عرب وعجم کی یونیورسٹیوں کا درس بھی نہیں جنچا۔

تعلیم وتدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف کی بھرپور صلاحیت بھی مولانا میں موجود تھی، شروع میں بعض مضامین بھی لکھے لیکن ہجوم کار اور کثرتِ مشاغل کی وجہ سے مولانا اس طرف توجہ نہیں دے سکے۔ ان کی پوری زندگی تدریسی وانتظامی امور میں صرف ہوئی، تاہم مولانا نے تصنیف وتالیف کرنے والوں کی ایک ایسی ٹیم تیار کردی جو مولانا مرحوم کی صلاحیتوں کے نمایاں مظاہر ہیں۔

مولانا مرحوم کو عربی ادب کا اتنا اچھا ذوق تھا کہ بڑی شگفتہ عربی میں کبھی کبھی خطوط لکھتے اور اردو ادب کا تو بڑا اعلیٰ ذوق آپ کو حاصل تھا، اساتذہ وطلبہ کی ادبی اصلاح فرماتے اور اردو الفاظ ومصطلحات پر تنقید وتبصرہ کرتے، بہت پہلے مرحوم نے مختلف اردو نظمیں بھی لکھی ہیں جو ان کی ڈائری میں محفوظ ہیں، آپ کے رسائل ومکاتیب اور سفر حج وغیرہ کی لکھی روداد اردو ادب کا بہترین نمونہ ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار ہفت روزہ صدق جدید لکھنو کا کوئی نیا شمارہ آیا اس میں ایک شعر تھا ؎

شفق گوں ہے ہوائے بام قاتل
کبوتر پر کبوتر گر رہے ہیں

مولانا دریا آبادیؒ نے اس شعر میں کبوتر سے حقیقی کبوتر مراد لیا تھا اور مطلب یہ بتایا تھا کہ قاتل (معشوق) کی چھت کی فضا مقتولین (عشاق) کے خون سے اس طرح شفق گوں ہوگئی ہے کہ کبوتروں کو یہ گمان ہوا کہ شام ہوگئی ہے لہٰذا بسیرا لینے کے لئے کبوتر گرنے لگے، مولانا رحمانیؒ نے اس شرح پر تنقید کی اور فرمایا کہ اس میں بہت مبالغہ ہے اور تکلف، زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس شعر میں کبوتر سے مراد عاشق ہے اور مطلب یہ ہے کہ فضائے بام قاتل شفق گوں ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ کبوتر یعنی عاشق پر عاشق وہاں آکر قتل ہوتے ہیں، اس طرح سے پہلا مصرع دعویٰ اور دوسرا مصرع دلیل ہوجاتا ہے اور شعر واضح طور پر مربوط ہوجاتا ہے۔

اخلاق وکردار اور انداز تربیت:

مولانا مرحوم میں تواضع، خاکساری، ملنساری، دلجوئی، رواداری اور مہمان نوازی بدرجہ اتم پائی جاتی تھی، جب بھی کوئی شخص جامعہ میں آتا، چاہے متعارف ہو یا اجنبی، مولانا انتہائی اخلاق وخندہ پیشانی سے ملتے، یہی وجہ تھی کہ اجنبی سے اجنبی شخص یہاں آکر بڑی اپنائیت محسوس کرتا اور اپنے دل میں مولانا کی شفقت ومحبت کے زندہ وتابندہ آثار ونقوش لے کر واپس جاتا۔

انانیت، کبر، عجب اور کسی کی توہین وتذلیل کرنا تو مولانا جانتے ہی نہیں تھے، ان کے دل میں ہر چھوٹے بڑے کے لئے بے پناہ محبت تھی وہ مسلم وغیر مسلم کی تفریق کے بغیر خلق خدا کی خدمت کا بے لوث جذبہ رکھتے تھے اور زندگی کے مختلف نازک موڑ میں علاقہ کے سارے افراد کے کام آتے تھے، یہی وجہ ہے کہ علاقہ وجوار میں ان کا ذکر خیر نہ صرف باقی ہے بلکہ دور دور تک ان کے اخلاق وکردار اور محاسن جمیلہ کی خوشبو پھیلی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

اساتذہ جامعہ کے ساتھ مولانا مرحوم کا معاملہ انتہائی خیر خواہی وخیر سگالی کا ہوتا تھا، ذمہ دارانہ رعب وداب کا معاملہ تو آپ نے کبھی کیا ہی نہیں بلکہ بہت سے معاملات میں اساتذہ اگر ان سے سخت کلامی کر جاتے تو مولانا بڑی خندہ پیشانی سے اس کا جواب دیتے یا خاموش رہتے، دراصل مرحوم کے اندر بڑی ہی بلند نگاہی، سخن دلنواز اور علاقہ وجامعہ کے لئے بڑی جاں سوزی تھی، اور ان کے اندر میر کارواں کے سارے اوصاف پائے جاتے تھے، انہیں جیسے لوگوں کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے کہا ہے ؎

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لئے

مولانا مرحوم بڑے اچھے ڈھنگ سے طلبہ کی تربیت کرتے، میں کیا بتاؤں کہ پانچ سال ان کی تربیت میں رہ کر میں نے ان کے اندر کیا کیا دیکھا، کس طرح وہ طلبہ کی خبر گیری کرتے اور کس اشاراتی انداز میں طلبہ کی تربیت کرتے، اگر کوئی کام لینا مقصود ہوتا تو بجائے حکم دینے کے خود ہی وہ کام کرنے لگتے جونہی کسی کی نظر پڑتی وہ لپک کر اور دوڑ کر وہ کام ہاتھ میں لے لیتا۔

مسلکی حمیت وجماعتی دلچسپی:

مولانا مرحوم چونکہ ہندوستان کے عظیم سلفی ادارہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے فارغ تھے، جماعت کی عظیم علمی ودینی شخصیتوں کی نگرانی وتربیت میں ان کی علمی وفکری نشوونما ہوئی تھی اور انہیں قرآن وحدیث کا گہرا علم تھا اس لئے مسلک سلف، دعوت کتاب وسنت اور جماعت اہل الحدیث کے اعتقادی وفقہی نقطہ نظر سے بڑا علمی، تحقیقی اور والہانہ تعلق تھا، خاص طور پر حدیث وسنت کے سلسلہ میں محدثین کرام کا جو موقف تھا اس کے بارے میں بہت حساس تھے، یہی وجہ ہے کہ شاہراہ کتاب وسنت سے منحرف تحریکوں کے دام فریب میں کبھی نہیں پھنسے اور نہ ان سے مرعوب ہوئے بلکہ تادم حیات مسلکی حمیت وجماعتی غیرت کے ساتھ زندہ رہے اور زندگی بھر اپنے اس موقف پر ایسی مضبوطی کے ساتھ قائم رہے کہ جہاں کہیں بھی حدیث وسنت کے سلسلہ میں توہین آمیز باتیں سنتے، سخت نکیر کرتے اور مسلک سلف کے تحفظ ودفاع کے معاملہ میں سرگرم رہتے۔

ایک بار راقم الحروف جامعہ کے ایک استاذ سے مولانا مودودیؒ کی کتاب ''رسائل ومسائل'' مانگ رہا تھا تو مولانا کہنے لگے کہ کیوں ایسے مصنف کی کتابیں پڑھتے ہو جس کی تحریروں سے حدیث وسنت میں تشکیک کا مزاج پیدا ہوتا ہے، مولانا مرحوم کا اشارہ اس طرف تھا کہ مولانا مودودیؒ نے صحت سند کے باوجود بعض احادیث کا انکار کر دیا ہے۔ چونکہ اس وقت میرے ذہن میں بھی جماعت اسلامی سے تاثر کے جراثیم موجود تھے تو میں نے مولانا مودودیؒ کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو محدثین کا متفقہ اصول ہے کہ نہ صحت سند صحت متن کو مستلزم ہے اور نہ ضعف سند ضعف متن کو مستلزم ہے تو مولانا مرحوم نے مسلکی حمیت وغیرت میں ڈوبے ہوئے انداز میں فرمایا کہ ٹھیک ہے مگر اس اصولی بات کا مطلب یہ نہیں کہ احادیث صحیحہ کو عقل عام کے حوالہ کر کے انہیں کھلواڑ بنالیا جائے اور اپنی کوتاہ نظری سے جس ضعیف ومنکر حدیث میں آدمی چاہے زبردستی ہیرے کی جوت محسوس کرنے لگے، مولانا نے فرمایا کہ اس اصول کے استعمال کا حق ان علماء کرام ومحدثین عظام کو ہے جو اسانید احادیث، متون احادیث، فن اسماء الرجال اور فتنۂ وضع احادیث کی گہری معرفت رکھتے ہوں، دین اسلام کے اعتقادی وفقہی تصور اور مزاج شریعت سے اچھی طرح واقف ہوا اور صحیح معنوں میں محبت رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دینی ذوق میں جن کی طبیعتیں ڈھلی ہوئی ہوں۔

مولانا مرحوم کی اسی مسلکی حمیت کا نتیجہ تھا کہ جامعہ وعلاقہ کے لئے آپ ایک مضبوط مسلکی حصار تھے، جب تک آپ زندہ تھے اس اہل حدیث نگر میں غیر جماعتی عناصر کے تاجرانہ اخلاق ورواداری کا فریب موثر نہ ہوسکا اور نہ ان کی زہر افشانیاں کارگر ہوسکیں۔ مگر افسوس مولانا مرحوم کے بعد اب بعض افراد یہاں کے جماعتی وسلفی مزاج میں زہریلے جراثیم پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ جامعہ وعلاقہ کی حفاظت فرمائے (آمین)

مولانا مرحوم کا زندگی بھر جمعیت وجماعت سے بڑا گہرا تعلق رہا اور اس کے پروگراموں سے زبردست عملی دلچسپی رہی، چنانچہ ۱۹۶۱ء میں جب جمعیۃ اہل حدیث بستی وگونڈہ کے زیر اہتمام نوگڑھ میں چار روزہ عظیم کانفرنس منعقد ہوئی تو مولانا مرحوم ان لوگوں میں سرفہرست تھے جن کی کوششوں سے کانفرنس کامیاب ہوئی، اسی کانفرنس کے نتیجہ میں جامعہ سلفیہ بنارس وجود میں آیا، مولانا تاحیات اس کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔

مولانا مرحوم مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کی مجلس عاملہ کے بھی رکن رہے اور اسی کے ساتھ ۱۹۸۰ء تک ضلع جمعیۃ اہل حدیث گونڈہ کے نگراں وصدر بھی رہے، اسی دور میں جمعیۃ گونڈہ کے زیر اہتمام ۱۹۶۸ء میں بمقام تلسی پور ایک عظیم الشان سہ روزہ صوبائی کانفرنس منعقد ہوئی جس کی کامیابی میں بحیثیت صدر مولانا مرحوم کا بڑا دخل تھا۔

قطعات از: مولانا محمد خلیل ایمن رحمانیؒ

محمد اقبال ایمن آغوش حرم میں
۱۹۱۹ء تاریخ ولادت

اخلاص ووفا کے تھے پیکر
اور صبر وتحمل میں برتر

پیدا جو ہوئے تو سب نے کہا
اللہ کی رحمت کے مظہر
اقبال کو جب قدرت نے رچا
نظروں میں سبھی کے خوب جچا
سب دیکھنے سننے والوں میں
''اے خوش بخت'' کا شور مچا

۱۹۱۹ء

تاریخ وفات

ماز عزمش بداشتیم شگفت
بود بیمار و راہ کعبہ گرفت
گفتم اقبال من کجارفتہ است
گفت ہاتف 'بسیر باغ بہشت

۱۹۸۲ء

ذات اقبال تھی اللہ رے رحمت کا ظہور
روئے پرنور میں تھا ذکر الٰہی کا سرور
پئے تاریخ پریشاں تھا ایمن لیکن
دل میں القا کیا اللہ نے ''عبد مغفور''

۱۴۰۲ھ

صبر اس کا تاج وتخت
فقر میں وہ شاہ بخت
کوئی آکے کہہ گیا
''مرد خوش نصیب رفت''

۱۹۸۲ء

(ماخوذ از یادگار مجلہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار ۱۹۸۶ء)

□□□

مفکر ملّت
مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ
حیات وخدمات

۱۹۱۷ء.....۱۹۸۶ء

مولانا محمد مستقیم سلفی رجامعہ سلفیہ بنارس

مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی کی شخصیت ان نادرۂ روزگار میں سے ایک ہے جو روز روز اس دنیا میں نہیں آتیں، یہ ہمارے علاقہ نوگڑھ کی خوش قسمتی تھی کہ اللہ تعالی نے ایسی شخصیت کا انتخاب اس علاقہ کے لئے کیا، آپ کے آباء واجداد کا مسکن موضع ششہنیاں علاقہ الیدہ پور ہے لیکن آپ کی ولادت موضع بہادر پور (جو ششہنیاں سے ایک فرلانگ کی دوری پر ہے) میں ۱۹۱۷ء کو ایک دیندار گھرانہ میں ہوئی۔ آپ نے اپنی سوانح حیات خود مرتب کی جو آپ کی کتاب شہدائے احد کے شروع میں چھپا ہوا ہے جسے ہم ہو بہو ہدیہ قارئین کرنا مناسب سمجھتے ہیں، آپ لکھتے ہیں کہ:

عبدالجلیل نام، رحمانی دارالحدیث رحمانیہ کی طرف انتساب، والد کا نام تعلقدار (مرحوم)، دادا کا نام محمد اشرف (مرحوم) آباء واجداد پشتہا پشت سے حلقہ بگوش اسلام چلے آئے ہیں۔ اخلاق کریمانہ کے حامل اور جود وسخا کے پیکر تھے۔ (غفر اللہ لہم)۔ ششہنیاں اسٹیٹ الیدہ پور، تحصیل بانسی، ضلع بستی میں مشہور موضع ہے جو تقریباً ایک صدی سے مولف کے آباء واجداد کا مسکن ہے۔ مولف کا مولد خاص ایک موضع بہادر پور ہے جو دارالعلوم کے شمال ومشرق گوشہ میں ایک فرلانگ سے بھی کم فاصلہ پر واقع ہے جہاں ۴۰۔۴۵ سال سے مولف کی موروثی اراضیات زیر کاشت ہے۔ اگرچہ پہلے سے خاندان میں کوئی علمی چرچا نہ تھا مگر والدین کو صاحب ترجمہ کو پڑھانے کا از حد شوق تھا۔ جون ۱۹۲۱ء میں دارالعلوم سے ایک میل کے فاصلہ پر بمقام گورا بازار علاقہ کے مسلمانوں کی توجہ سے ایک اسلامیہ مدرسہ قائم ہوا جو دو چار سال تک نہایت شان سے چلتا رہا، بعد کو سست ہو گیا۔ مولف نے اسی مدرسہ میں تعلیم شروع کی اور حساب وکتاب اور اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم اسی جگہ حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کے کئی سال جس طرح بالعموم مکاتب ومدارس کے نذر ہو جاتے ہیں مولف کے بھی کئی سال نذر ہو گئے۔

ابھی سن رشد کو بھی نہ پہنچا تھا کہ اچانک زندگی کا ایک نیا باب کھل گیا۔ استاد محترم مولانا ہدایت علی (حال مہتمم ہدایت المسلمین کرہی) شاگرد رشید مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اتفاقیہ غریب کدہ پر تشریف لائے، والد بزرگوار سے اگرچہ یہ پہلی ملاقات تھی مگر مرحوم کے اخلاق کریمانہ نے مولانا سے جس محبت کا اظہار کیا اس نے قلبی محبت کا رنگ اختیار کر لیا۔ مولانا موصوف ان دنوں انجمن

اسلامیہ گورکھپور میں مدرس تھے۔آپ کے مشورے سے مجھے انجمن پہنچایا گیااور درجہ چہارم میں داخل کیا گیا۔قیام مولانا کے یہاں تھا اور خورد ونوش کے کفیل والدین تھے۔سن یاد نہیں البتہ یہ یاد ہے کہ انجمن میں ایک دن قرآن خوانی کرائی گئی بڑی حسرت سے لوگ کہتے تھے مولانا محمد علی انتقال فرما گئے، مجھے اس وقت نہیں معلوم تھا یہ کون بزرگ تھے۔اب سن کا اندازہ خود کر لیجئے۔بہر کیف ایک سال انجمن میں گزارا۔مولانا مستعفی ہو کر ہی تشریف لے گئے اور میں گھر آ گیا۔

اطراف کے مدارس میں سب سے قدیم مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور ہے جو شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے تلمیذ رشید مولانا عباداللہ مرحوم کی یادگار ہے۔میری تعلیم کے لئے مدرسہ یوسف پور تجویز کیا گیا۔آخر ڈیڑھ دو سال تک یہاں رہا۔اخراجات خورد ونوش کے کفیل والدین تھے۔ضلع کے مشہور صاحب زہد وورع عالم مولانا سید عابد علی صاحب صدر مدرس تھے جن سے سکندر نامہ اور شرح مائۃ پڑھی۔ادھر ہدایت المسلمین کرہی میں مولانا ہدایت علی صاحب مسند آراء درس تھے، میں یوسف پور کو خیر باد کہہ کر کرہی پہنچا۔ہدایت النحو، کافیہ، شرح جامی بحث فعل، نفحۃ الیمن، سبعہ معلقہ، قدوری، اصول الشاشی، مرقاۃ وغیرہ کتابیں مولانا موصوف سے پڑھیں۔سال بعد گھر آیا۔یہ زمانہ مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر کے علمی شباب کا تھا۔ضلع کے مشہور اور نامور ادیب محترم مولانا عبدالغفور صاحب بسکوہری 'ملا فاضل' سریر آرائے درس تھے۔بعد رمضان سراج العلوم پہنچا۔قطبی، شرح جامی تا منصوبات، متنبی، شرح تہذیب مولانا موصوف سے اور مناظرہ رشیدیہ، مشکوۃ شریف، شرح نخبہ، ترجمہ کلام پاک اور شرح وقایہ وسراجی مولانا عبدالرحمن صاحب بجوادی سے پڑھا جو فرائض کے ماہر اور بے زبان ولی ہیں۔

میں کرہی کے قیام کے زمانہ کو تعلیم کا سنگ بنیاد اور سراج العلوم کے تعلیمی دور کو ترقی کا پہلا زینہ سمجھتا ہوں۔یہاں کے رفقاء علم اور احباب کی علمی مجلس کبھی فراموش نہ ہوگی، مجھے اب تک یاد ہے دوران سال ہی میں مولانا عبدالرؤف خاں صاحب رحمانی ناظم سراج العلوم کا ایک مضمون رحمانیہ کی بابت اخبار اہلحدیث امرتسر میں شائع ہوا۔موصوف اس وقت رحمانیہ کی جماعت سابعہ میں پڑھتے تھے۔دارالحدیث سے روشناس ہونے کا میرے لئے یہ پہلا اتفاق تھا اور یہ بھی سچ ہے کہ دارالحدیث کو اب تک کم از کم گونڈہ اور بستی میں کوئی شہرت بھی حاصل نہ تھی۔پورے ضلع میں شاید ہی چار چھ رحمانیہ کے فارغ التحصیل علماء رہے ہوں، الغرض مولوی صاحب موصوف کا مضمون پڑھا اور مصمم عزم کر لیا کہ تکمیل رحمانیہ ہی میں کروں گا۔آخر سراج العلوم میں یہ سال پورا کر کے بعد رمضان دہلی چلا گیا۔یہ شوال ۱۳۵۰ھ کا واقعہ ہے۔داخلہ کے لئے رحمانیہ پہنچا۔مشہور ادیب اور نحوی مولانا عبدالرحمن صاحب مرحوم نگرنہسوی نے داخلہ کا امتحان لیا اور حسب منشا جماعت رابعہ میں داخلہ ہو گیا۔نہایت ہی خوش بخت ہوتے تھے وہ طلباء جو حسب خواہش کسی جماعت میں داخل کر لئے جاتے تھے۔

رحمانیہ کا علمی ماحول عجیب ماحول تھا۔وہ روح پرور فضا آنکھوں کے سامنے ہے۔مسلسل پانچ سال تک ہر علم وفن کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کرتا رہا۔۱۳۵۵ھ میں اٹھارہ سال کی عمر میں مدرسہ سے سند عالمیت اور جبہ ودستار حاصل کیا۔تعلیمی دور کے پانچ سالہ احوال وکوائف پر تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔رحمانیہ کا عہد طالب علمی، علم وادب کی پر کیف راتیں، رفقاء علم کی پر طرب انگیز صحبتیں، بزم خطابت کی نشاط بخش محفلیں، مناظرے اور مقابلے اور عربی تحریریں اور تقریریں، جمعیۃ الخطابہ کے ماہوار اجلاس خصوصی، سالانہ جشن،

بالخصوص جشن ختم بخاری شریف، رفقاء درس کی پارٹیاں، مہتمم مدرسہ شیخ عطاء الرحمن نور اللہ مرقدہ کی نوازشات، قطب لاٹ اور اوکھلا کی تفریحات اور مہتمم مرحوم کی فیاضیوں کے مناظر اب بھی مشام جان کو معطر کئے ہوئے ہیں۔ شہر میں ہونے والے آئینی غیر آئینی ،سیاسی اور مذہبی جلسوں کی شرکت، کوٹھی دریاباد میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات، موسیٰ جار اللہ روسی کا دیدار، جمعیۃ الاحرار کے اکابر کی تقریریں اب تک یاد ہیں۔ عبدالمنعم عدوی مدیر ''العرب'' محمد اسد جرمنی نومسلم مترجم بخاری شریف، شیخ الاسلام حضرت علامہ ثناء اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ، محدث کبیر حضرت علامہ مولانا عبدالرحمن صاحب شارح ترمذی، علامہ میر سیالکوٹی، علامہ عبدالعزیز میمنی، جمال باشا الغزنی، مولانا اعزاز علی، مصری وفد اور سعودی علماء کی رحمانیہ میں تشریف آوری کے وقت کی رونق بزم آنکھوں کے سامنے ہے۔

خودنوشت ترجمہ میں مناسب نہیں کہ سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحانات کی تفصیل کچھ زیادہ لکھوں، ''محدث مرحوم'' کے فائل اس کے لئے کافی ہیں۔ البتہ بطور تحدیث نعمت یہ ضرور کہوں گا کہ میرے سالانہ اخراجات بالعموم مدرسہ کے انعامات سے ہی چلتے تھے۔ اساتذہ میں سے ہر ایک اپنے فن میں ماہر تھا۔ لیکن معقولات میں مولانا سکندر علی صاحب ہزاروی اور منقولات میں محدث کبیر علامہ مولانا احمد اللہ صاحب یکتائے فن تھے۔ اول الذکر سے معقولات اور موخر البیان سے منقولات کی تکمیل کی۔ مجتہد فن علامہ عبدالسلام صاحب معقولی بدایونی کا بھی دور ملا مگر اجل نے شرح ہدایت الحکمہ سے آگے استفادہ کا موقعہ نہ دیا۔ دور معلمی کے مخلص رہنما اور عہد طالب علمی کے مشفق اساتذہ شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ صاحب مبارکپوری اور مولانا نذیر احمد صاحب املوی سے بھی بہت کچھ استفادہ کیا۔ شیخ موصوف سے موطا امام مالک پڑھا۔ تحقیق وتدقیق اور زبان وبیان کا جو رنگ آپ کے درس میں نظر آیا وہ رنگ کسی بھی مسند درس پر نہ دیکھا۔ مورخہ ۸ رشعبان ۱۳۵۵ھ کو حضرت مولانا احمد اللہ صاحب نے حدیث کی سند اجازت عنایت فرمائی۔ آپ کا ایک سلسلہ اسناد تین واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے مل جاتا ہے۔ اس طرح مولف کا سلسلہ سند چار شیوخ کے بعد شاہ صاحب سے مل جاتا ہے۔ اور دوسرا سلسلہ اسناد علامہ حسین بن محسن انصاری الخزرجی کے طریق سے صرف ایک واسطہ سے علامہ شوکانی صاحب نیل سے ملتا ہے۔ اس طرف مولف کا سلسلہ سند دو واسطوں کے بعد قاضی شوکانی سے مل جاتا ہے۔ جب تحصیل علم کے بعد گھر آیا تو علمی مشاغل کے جاری رکھنے کا خیال دامن گیر ہوا۔ مگر ٹھیک دو سال تک کوئی خاطر خواہ جگہ نہ مل سکی۔ تین مواضعات میں موروثی اراضیات گزر بسر کے لئے زیر کاشت تھیں۔ اخوان وبنی اخوان اس کام کے لئے کافی تھے۔ مجھے قطعاً ہاتھ لگانے کی ضرورت نہ تھی۔ والدین کا سایہ سر پر موجود تھا، جو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا ہی پسند کرتے تھے۔ اس لئے اب میرا مشغلہ جلسے جلوس میں شرکت ہی رہ گیا۔ غالباً قدرت کو یہ منظور بھی نہ تھی کہ میں کسی ایسی اجنبی درسگاہ میں درس وتعلیم کے لئے جاؤں جہاں میرے قدوقامت اور جثہ وجسامت کی کوئی دھاک نہ جم سکے۔ کیونکہ ظاہری طور پر ایسے جثہ وجسامت اور سن وسال کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو بذات خود طلبہ پر موثر ہو سکے اور صاحب ترجمہ اس شرط سے بالکل محروم ہے۔ آخر ۱۹۳۸ء اختتام کو تھا کہ دارالحدیث رحمانیہ سے درس دینے کی طلبی پہنچی جسے میں کسی بھی عذر کی بنا پر رد نہیں کر سکتا تھا۔ رحمانیہ ہی کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوا تھا اس کی خدمت میرا فرض تھا چنانچہ رحمانیہ پہنچا اور کام شروع کیا۔

عربی کے ابتدائی درجات کے علاوہ بلوغ المرام، مشکوٰۃ شریف، ترجمہ کلام پاک، مقامات حریری، تاریخ خضری، شرح عقائد، شرح وقایہ، اوقلیدس وغیرہ کتابیں زیر درس تھیں۔ دو سال کے تعطل سے روح وضمیر اور نظر وفکر پر جو تعطل اور افسردگی آگئی تھی، ترقی کے اس منزل پر قدم رکھتے ہی چشم وجاں اور نظر وفکر میں نئی تازگی اور بالیدگی آگئی۔ دنیا کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ شہد کے گھونٹ کے ساتھ زہر کا گھونٹ بھی پینا پڑتا ہے، ایک طرف اگر ترقی کا دروازہ کھلا تو دوسری طرف آزمائش کا دروازہ بھی کھل گیا۔ ۱۰ مارچ ۱۹۳۹ء کو رفیقہ حیات اور ۳۰ جنوری ۱۹۴۰ء کو والد بزرگوار اور ۱۰ راگست ۱۹۴۰ء کو والدہ محترمہ کا انتقال، یہ پیہم حادثات ایسے تھے جنہوں نے پچھلی زندگی کی تمام مسرتوں کو تلخ کردیا اور آئندہ کی زندگی میں ہمیشہ کے لئے یہ حادثات غیر مندمل زخم بن گئے۔ جنہوں نے بڑی بڑی تمناؤں سے پڑھایا تھا۔ تحصیل علم سے فراغت اور درس کے لئے جانے کے وقت بزم سرور رچائی اور عید مسرت منائی تھی ان میں سے ہر ایک کا پے در پے انتقال کرنا اور ملازمت کی مجبوری اور نا قابل برداشت قیود کی وجہ سے کسی ایک کے جنازہ اور تجہیز وتکفین تک میں میرا شریک نہ ہونا بہت ہی روح فرسا حادثہ تھا۔ ان حادثات اور ان کی نوعیت نے میری علمی زندگی پر بہت برا اثر کیا مگر صبر وسکون سے کام لے کر تقریباً سات برس تک درس دینے کے بعد ۲۶ اپریل ۱۹۴۵ء کو رحمانیہ سے مستعفی ہوا اور اسی وقت سے دارالعلوم کی بنا واستحکام اور تعلیم وتعمیر میں لگا ہوا ہوں اور ''ادارہ تصنیف وتالیف'' کی طرف سے یہ پہلا ہدیہ پیش کرنے کی توفیق ملی ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

مولف کی عمر اس وقت تقریبا ۳۲ سال ہے، رفیقہ حیات مرحومہ سے یادگار کوئی اولاد نہیں۔ موجود رفیقہ حیات سے ایک بچی طاہرہ سلمہا ساڑھے چار سال اور ایک بچہ جمیل احمد سلمہ عمر ڈھائی سال موجود ہیں۔ مولف بشمول خود پانچ بھائی ہیں اور ایک بہن اور تادم تحریر مولف کا کنبہ ۲۷ نفر پر مشتمل ہے۔

اللھم احفظھم ووفقھم لطاعتک، فقط

ازمؤلف کتاب
عبدالجلیل رحمانی

۵ رذی قعدہ ۱۳۶۷ھ، ۱۰ رستمبر ۱۹۴۸ء یوم جمعہ

کون جانتا تھا کہ ایک دیہاتی کسان کے گھر پیدا ہونے والا یہ بچہ عام کاروباری ان بچوں کی طرح نہیں ہوگا جو پروان چڑھ کر دنیائے دوں کے لئے تگ تاز میں لگ جائے گا، بلکہ یہ بچہ دین کا ایک سپاہی بن کر ماہتاب کی طرح چمکے گا اور اپنی گوناگوں صلاحیتوں کی بنا پر جماعت اہل حدیث کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو پار لگائے گا، جس وقت آپ نے آنکھیں کھولیں اس وقت ہندوستان دو حصوں میں منقسم ہوا، اس تقسیم نے ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کو بکھیر دیا، جید علمائے کرام پاکستان چلے گئے اور ہندوستان کی جماعت یتیم ہوگئی، تقریباً دس سال تک جماعت یاس وقنوط کی شکار رہی، بدقسمتی سے انہی ایام میں جماعت کے بہت سے عجلت پسند افراد نہ صرف یہ کہ اپنی جماعت کے شاکی ہوئے بلکہ ملک کے دوسرے دینی تحریکوں اور تنظیموں سے وابستہ ہوگئے، جن میں کچھ تو بعد میں اپنی اس جدت پسندی اور روشن خیالی پر نادم ہوئے اور کچھ ہمیشہ کے لئے کٹ گئے، ان نامساعد

اور صبر آزما حالات میں قائد جماعت مولانا عبدالوہاب آروی رحمہ اللہ نے جماعت کی تنظیم نو کا بیڑا اٹھایا، یہ وہ بھیانک دور تھا کہ بعض اہم دینی مکاتب فکر نے تو صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اب اہل حدیث کا محاذ ہمیشہ کے لئے ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو گیا اور ٹھیک اسی زمانہ میں کاظمی بل بھی پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا، اس بل کا محرک بھی وہی تنظیمیں تھیں جس نے یہ اعلان کر رکھا تھا کہ اہل حدیث کا محاذ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا، اگر یہ بل اسی صورت میں پارلیمنٹ میں منظور ہو جاتا تو آئینی طور پر جماعت اہلحدیث کی موت پر مہر تصدیق ثبت ہو جاتی، ایسے نازک وقت میں قائد جماعت مولانا عبدالوہاب آروی نے افاضل علماء وخواص کی میٹنگ دہلی میں طلب کی، استاذ العلماء شیخنا مولانا نذیر احمد املوی، شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی کو جماعت اہل حدیث کا ممبر بننے کی تاکید کی، مذکورہ تینوں حضرات نے اس پر آشوب دور میں اپنی تدریسی مشغولیات وغیرہ کے سبب ممبری قبول کرنے سے انکار کیا، جس پر مولانا آروی رحمہ اللہ جلال میں آ گئے پھر انہوں نے جو کچھ کہا مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:۔

''آپ نے سارے کاغذات سمیٹ لئے اور رجسٹر کارروائی بغل میں دبا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور پر جلال انداز میں فرمایا: مجلس برخاست کی جارہی ہے آج سے اعلان کر دیا جائے گا کہ فلاں فلاں حضرات اتنا بھی نہ کر سکے کہ ممبر بن کر تعاون دیں، اسلئے آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس توڑ دی گئی، یہ اعلان سنتے ہی ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ ساری بدنامی ہمارے سر ہوگی آخر میں ممبر بننا پڑا، خدا کا شکر ہے کہ علامہ املوی مرحوم، شیخنا شیخ الحدیث مبارکپوری اور راقم سطور ہمیشہ مرحوم کے ساتھ رہے'' (ترجمان دہلی، یکم اپریل ۱۹۸۳ء)۔

تقسیم ملک کے بعد جمعیت اہل حدیث کی یہ پہلی میٹنگ تھی، ممبران نے کاظمی بل کی رفتار پر نظر رکھنے اور اس سلسلے میں مناسب اور ضروری کارروائی کرنے کا پورا اختیار مولانا آروی رحمہ اللہ کو دے رکھا تھا۔ مولانا آروی رحمہ اللہ بار بار دہلی پہنچ کر حالات کا جائزہ لیتے رہے اور مذکورہ تینوں بزرگوں کا مولانا آروی رحمہ اللہ سے برابر ربط رہتا تھا، یہ لوگ اس وقت کے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقاتیں کرتے رہے اور کاظمی بل کے نقائص اور جماعت اہل حدیث کے حق میں اس کے مضر اثرات کی طرف توجہ دلاتے رہے، مولانا آزاد نے ان لوگوں سے فرمایا کہ اپنی ترمیمات لکھ کر بھیج دو، ان بزرگوں نے اس کام کو فوری طور پر کر کے مولانا ابوالکلام آزاد کے پاس بھیج دیا۔

ادھر اپنا یہ حال تھا کہ تقسیم ہند کے بعد عملی اور وجودی حیثیت سے سالہا سال آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کچھ نہیں تھی مگر علامہ آروی رحمہ اللہ کی سیاسی مہارت تھی کہ ظاہری طور پر کانفرنس کو جوں کا توں زندہ رکھا، جماعت اہلحدیث کی نمائندگی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے کی جارہی تھی، صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم کو مبارک بادی کا ٹیلی گرام جارہا ہے تو گورنر یوپی اور دگر منسٹروں کی موت پر تعزیت کا برقیہ پہنچ رہا ہے، پارلیمنٹ میں کوئی بل پاس ہوا تو اس کی تائید یا تردید میں بیانات جاری کئے جارہے ہیں۔ ۱۹۵۴ء میں سعودی حکمراں شاہ سعود کی آمد پر جماعت کی طرف سے شاندار استقبالیہ دیا گیا، درحقیقت جماعت کچھ بھی نہ تھی صرف مولانا آروی رحمہ اللہ کی ایک ذات پوری جماعت تھی (نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ)

چنانچہ کاظمی بل پارلیمنٹ میں منظور ہوگیا اور ۱۹۵۴ء کے مسلم وقف ایکٹ میں اس کی وضاحت کردی گئی کہ ہندوستان کے سنی مسلمانوں کی مستند جماعتیں حنفی، اہل حدیث اور شافعی ہیں، وللہ الحمد۔

مفکر ملت کا جماعتی درد: ۱۹۴۷ء کے خونی انقلاب نے سارا ملکی ڈھانچہ درہم برہم کر کے رکھ دیا، ۱۹۴۸ء میں ملک زبردست بحران کا شکار تھا۔ ۱۹۴۹ء میں حالات کچھ اعتدال پر آئے تو موقع غنیمت سمجھتے ہوئے مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ نے سوچا کہ کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا جائے تاکہ جماعت حرکت میں آئے، انہوں نے صدر کانفرنس مولانا عبدالوہاب آروی اور حاتم وقت حافظ حمید اللہ دہلوی رحمہما اللہ کے پاس خط لکھا جس کا مضمون یہ ہے:

''گرامی قدر حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب آروی صدر مجلس عمل وعالی جناب حافظ حمید اللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

میں اپنے گوناگوں مشاغل اور مصروفیات کی وجہ سے عرصہ ہوا کہ کوئی عریضہ آپ بزرگوں کو نہ لکھ سکا، جماعت کے جمود وتعطل اور تنزل وانحطاط کے موضوع پر پچھلے ہفتہ ایک مضمونچہ لکھنے کا اتفاق ہوا جو ندائے مدینہ کانپور مجریہ ۳۱/جنوری ۱۹۴۹ء میں چھپ گیا ہے، جس کی حقیقت ''دعوت عمل'' اور کھلی چٹھی کی ہے، اب باقاعدہ مجلس عمل کو دعوت دی جارہی ہے کہ بدلی ہوئی فضا کے مدنظر حالات حاضرہ پر غور وفکر اور تجدید ملت اور احیائے دین کے سلسلہ میں کسی لائحہ عمل کی تعیین وتجویز کے لئے دارالعلوم (ششہنیاں) کی پرسکون فضا میں اجلاس کیجئے۔

شہری وقصباتی آبادی پر یاس وقنوط کا جو عالم طاری ہے اس کو دیکھتے ہوئے حالات کی نباضی اسی کو کہیں گے کہ دیہات کے کسی پرفضا وپرسکون مقام پر مجلس عمل کا اجلاس ہو''۔ (عبدالجلیل رحمانی، ۱۲ فروری ۴۹ء)

آپ کی اس تحریک اور پیش کش کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمعیت کے ذمہ داران کی دہلی میں فوری طوری پر ایک میٹنگ ہوئی اور مفکر ملت کے پیش کش کو قبول کرلیا گیا آخر مارچ ۱۹۴۹ء کو سرزمین دارالعلوم ششہنیاں (سدھارتھ نگر) میں مجلس عاملہ کی میٹنگ ہوئی، میٹنگ کی پوری کارروائی ''ندائے مدینہ'' کانپور کے شیخ الاسلام نمبر ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی۔

ایڈہاک کمیٹی کا انعقاد: آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا جو دستور تھا وہ تقسیم ہند سے پہلے کا تھا، اب حالات بدل چکے تھے، نئے دستور کی ضرورت محسوس کی گئی، چنانچہ موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے نئے دستور سازی کے لئے جو ایڈہاک کمیٹی بنائی گئی وہ مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل تھی۔

(۱) شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری (۲) شیخنا جامع المعقول والمنقول مولانا نذیر احمد رحمانی املوی (۳) مفکر ملت مولانا عبدالجلیل صاحب رحمانی (۴) مولانا محمد داؤد صاحب راز (۵) جناب بابو محمد شفیع مالیر کوٹلہ پنجاب۔ اس کمیٹی کے کنوینر مفکر ملت مولانا عبدالجلیل صاحب رحمانی قرار پائے۔

مذکورہ حضرات سے درخواست کی گئی کہ مارچ ۱۹۶۲ء تک اپنی رپورٹ پیش کردیں، ان بزرگوں نے اپنے وقت مقررہ پر دستور

مرتب کر کے صدر جمعیت مولانا عبدالوہاب صاحب آروی رحمہ اللہ کے حوالہ کر دیا۔(ماخوذ مفکر ملت ص:۳۳۰)

مجلس عاملہ نے باتفاق رائے دستور کو منظور کر لیا، راستہ کی ایک رکاوٹ دور ہوئی، کیونکہ ہر ادارہ کے لئے دستور ایک سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، اب پورے ملک میں ممبر سازی شروع ہوگئی۔ مقامی، اور ضلعی اور صوبائی جمعیتوں کی تشکیل عمل میں آنے لگی اور پوری جماعت میں بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی اور آہستہ آہستہ کانفرنس سے جماعت کا لگاؤ بڑھتا گیا، ایک وقت ایسا آیا کہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نے مرکزی درسگاہ کے لئے آراضیات دینے کی افراد جماعت سے اپیل کی۔ مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی لکھتے ہیں کہ:

''ایک وقت آیا کہ مرکزی درس گاہ کے لئے اراضیات دینے کی پیش کش ہونے لگی، اکبر پور (جمنی) ضلع بستی (سدھارتھ نگر) اور (انجمن) جامعہ رحمانیہ بنارس نے اراضیات کی پیش کش کی۔

میٹنگوں میں مرکزی عاملہ نے ان پیش کشوں پر غور کر کے بنارس کو ترجیح دیا، یہ ۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۰ء کے درمیانی سالوں کی بات ہے یہاں تک کہ نومبر ۱۹۶۱ء میں اجلاس نوگڑھ منعقد ہوا، عمائدین بنارس کے قلوب میں اللہ نے حوصلہ دیا کہ مرکزی دارالعلوم کی زمین کی جو پیش کش کی گئی تھی اسے خود اپنے ہاتھوں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے زیر سرپرستی قائم کریں، اجلاس عام نوگڑھ کے نتیجے میں پوری جماعت میں نیا ولولہ پیدا ہو گیا تھا، آخر اعیان بنارس وعمائدین کانفرنس کی مشترکہ کوششوں سے مرکزی دارالعلوم قائم ہو گیا''۔

مفکر ملت کی مذکورہ عبارت ہمیں صاف بتا رہی ہے کہ ۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۰ء کے درمیانی سالوں میں جو بھی مجلس عاملہ کی میٹنگ ہوئی اس میں مرکزی دارالعلوم کے قیام کا مسئلہ آتا رہا اور لوگوں کا رجحان بنارس کی طرف برابر رہا یہاں تک کہ ۱۹۶۱ میں اجلاس عام نوگڑھ منعقد ہو گیا، لیکن عمائدین کانفرنس بنارس میں ابھی مرکزی دارالعلوم بنانے کا حتمی فیصلہ نہیں لے سکے تھے جس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ حتمی فیصلہ کرنے کے بعد ضروری ہو جائے گا کہ کانفرنس اپنی نگرانی میں اس کی عمارت کی تعمیر کرائے، ساتھ ہی اس پر آنے والے اخراجات کا انتظام بھی کرے، لیکن اہل بنارس (یعنی کوٹھی والوں) نے یہ ذمہ داری لے لی کہ تعمیر کا کام ہم لوگ خود کریں گے لیکن کانفرنس کے زیر سرپرستی، مزید اس پر کوٹھی والوں نے یہ کیا کہ ایک لمبی رقم کی پیش کش کر دی، اب تو عمائدین کانفرنس کی پریشانی ختم ہو گئی اور حتمی فیصلہ کر دیا گیا کہ ''مرکزی دارالعلوم'' بنارس ہی میں بنے گا۔

اس کی تائید مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈانگری کی مندرجہ ذیل تحریر سے بھی ہوتی ہے جسے آپ نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں امیر جماعت مولانا عبدالوہاب صاحب آروی رحمہ اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''(۱) محترم صدر صاحب سے گزارش ہے کہ آئندہ نسلوں کے الحاد وارتداد کے تدارک کے لئے، شبینہ وصباحی مکاتب کے اجراء کے سلسلہ میں قوم کے نام روشن ہدایات فرمائیں۔

(۲) مکاتب ومدارس عربیہ میں ہم آہنگی وتنظیم وتہذیب پیدا کیا جائے۔

(۳) ابتدائی درجات کے بچوں کے لئے ایک ایسا نصاب تعلیم مرتب کیا جائے کہ جس میں مذہبیات کے ساتھ تاریخ، حساب، جغرافیہ ودیگر عام معلومات پر مشتمل کتابوں کا بندوبست ہو۔

(۴) ایک دارالمطالعہ اور دارالتصنیف قائم کیا جائے جس میں صاحب ذوق ومنتخب اہل علم آزادی اور بے فکری سے قرآن کریم، سیرت پاک، اسوۂ صحابہ، تاریخ امم وملوک پر فراہم شدہ ذخیرہ کتب کا مطالعہ کریں۔

(۵) ایک ایسا مرکزی دارالعلوم بھی قائم کیا جانا ضروری ہے جس کے تعلیم یافتہ افاضل ملک وملت کی ضرورت اور اس کی بہترین رہنمائی کی اہلیت وصلاحیت سے بہرہ ور ہوں، آج ملک کے طول وعرض میں باوجود مکاتب ومدارس کے جو قحط الرجال اور باصلاحیت علماء کا فقدان عام ہے اس کی ایک صحیح تصویر حالی مرحوم کے ایک بند سے نمایاں ہے۔ ؎

وہ علم شریعت کے ماہر کہاں ہیں
وہ اسرار دیں کے مبصر کہاں ہیں
محدث کہاں ہیں مفسر کہاں ہیں
اصولی کدھر ہیں مناظر کہاں ہیں
رہا کوئی ملت کا ملجا نہ ماوی
نہ قاضی نہ مفتی نہ صوفی نہ ملا

اگر چہ ملک کے مختلف حصص واطراف میں مدارس قائم ہیں۔ دارالعلوم، جامعہ، دارالحدیث، مدینۃ العلوم اور اس سے اونچے اونچے نام والے مدرسے ہیں جو ایک خاص مدت میں جبہ ودستار وسند فضیلت بھی دیتے ہیں مگر استعداد وصلاحیت وکارکردگی وقابلیت کے اعتبار سے عموماً ہمارے طلبہ بہت کمزور رہ جاتے ہیں بقول مولانا حالی ؎

نہ حجت رسالت پہ لاسکتے ہیں وہ
نہ اسلام کا حق جتا سکتے ہیں وہ
نہ قرآں کی عظمت دکھاسکتے ہیں وہ
نہ حق کی حقیقت بتا سکتے ہیں وہ
نہ مطلب نگاری کا ان کو سلیقہ
نہ خدمت گزاری کا ان کو سلیقہ

اس لئے ایک ایسے مرکزی دارالعلوم کی ضرورت ہے جہاں کہ تعلیم وتربیت سے طلبہ مزید اختصاص وامتیاز اور ایسے اوصاف حاصل کریں کہ ملک وملت کی خدمت ورہنمائی کے قابل بن سکیں، صدر محترم سے گزارش ہے کہ ایسے دارالعلوم کے نصب وقیام کے مسئلہ پر ہر ممکن توجہ دے کر اس کے لئے عملی اقدام فرمائیں۔

(خطبۂ استقبالیہ اجلاس عام آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقدہ ۱۹۶۱ء بمقام نوگڑھ)

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس نوگڑھ کانفرنس کی دین ہے، اس کے سلسلہ میں مشککین کے مزید اطمینان کے لئے مولانا

جھنڈانگری رحمہ اللہ کی ایک اور عبارت پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

۱۹۹۸ء میں مولانا جھنڈانگری رحمہ اللہ سے جامعہ سلفیہ کے دارالضیافہ میں انٹرویو لیتے ہوئے میں نے ایک سوال یہ بھی کیا تھا کہ:

''بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس اس (نوگڑھ) کانفرنس کی دین ہے، تو کیا یہ صحیح ہے؟'' اس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ ''ایک مرکزی دارالعلوم کے قیام کا خواب ہمارے اکابر بزرگوں نے دیکھا تھا اور اس کی شرمندۂ تعبیر ہونے کا تخیل اسی کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا، میں نے خود اپنے خطبہ استقبالیہ میں اس کے فوری قیام پر کافی زور دیتے ہوئے لکھا تھا کہ:۔ اس کے بعد مولانا نے اپنے خطبہ استقبالیہ کی مذکورہ عبارت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ''میری اس گزارش کا یہ اثر ہوا کہ دوسرے دن نوگڑھ کانفرنس ہی میں جو میٹنگ ہوئی اس میں فوری طور پر ایک مرکزی درس گاہ کے قیام کی منظوری متفقہ طور پر ہوگئی، جو آج ہم لوگوں کی نظروں کے سامنے ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اس مرکزی درس گاہ کو تابندہ و پائندہ رکھے، آمین،۔ یہ انٹرویو ماہنامہ محدث بنارس ۱۹۹۹ء میں چھپ چکا ہے۔

اب ہماری جماعت کے بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ نوگڑھ کانفرنس کے وقوع سے پہلے مرکزی دارالعلوم بنارس کا نقشہ بن چکا تھا، مفکر ملت اور خطیب الاسلام رحمہما اللہ کی مذکورہ عبارت اس کی تردید کرتی ہے، واضح ہو کہ وہ نقشہ جو اہل بنارس (کوٹھی والے) نے منظوری سے پہلے بنوایا تھا وہ مرکزی جمعیت کے مرکزی دارالعلوم کا نہیں تھا بلکہ اس کے لئے پیش کش کی جانے والی زمین پر انجمن جامعہ رحمانیہ کی جانب سے ایک دینی ادارہ قائم کرنے کے لئے بنا تھا یعنی جامعہ رحمانیہ کی توسیع کا، اہل مدنپورہ کا یہ جامعہ رحمانیہ جگہ کے اعتبار سے بہت چھوٹی تھی، مشکل سے ۲۵۔۲۶ بیرونی بچوں کے رہنے کی گنجائش تھی، میں بھی اس جامعہ رحمانیہ کا ایک طالبعلم رہ چکا ہوں اس کی توسیع کے لئے یہ زمین کوٹھی والوں نے خریدا تھا، اللہ نے کوٹھی والوں کو دین و دنیا دونوں سے مالا مال کر رکھا تھا، یہی وجہ تھی کہ طلباء جامعہ رحمانیہ کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتے تھے ان کے رہن سہن کھانے پینے اور جاڑے میں لباس تک کا انتظام کرتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو قبول فرمائیں آمین۔

ادھر جب آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کی طرف سے مرکزی درس گاہ کے لئے آراضیات کی پیش کش ہوئی تو اہل مدنپورہ نے اس زمین کو کانفرنس کے سامنے پیش کر دیا، مجھے یاد ہے نوگڑھ کانفرنس کے بعد جب حاجی محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ کے گھر میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے مجلس عاملہ کی میٹنگ ہوئی تو اس میٹنگ میں مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ نے یہ کہا کہ جمعیت کو پیش کی گئی زمین ایک تالاب تھا جو کوڑا کرکٹ سے پاٹی گئی ہے، اس جگہ پر ادارہ بنانے میں بڑی لاگت لگے گی اس لئے میری رائے یہ ہے کہ اس کو ادارہ کی آمدنی کے لئے بازار بنا دیا جائے اور مرکزی دارالعلوم کے لئے شہر بنارس سے باہر آبادی سے دور زمین خرید کر ادارہ بنایا جائے، مفکر ملت کی اس رائے کے بعد رئیس بنارس مولانا عبدالمتین صاحب رحمہ اللہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ ہم لوگوں نے اس زمین کو آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کو دے دیا ہے اب اس کی مرکزی عاملہ جیسا مناسب سمجھے کرے ہم لوگوں کو کوئی اعتراض نہیں لیکن میرے بڑے بھائی (یعنی مولانا عبدالاحد مرحوم) کی خواہش تھی کہ اس زمین پر ہم کتاب وسنت کا بازار لگائیں گے، رئیس بنارس مولانا عبدالمتین رحمہ اللہ کے مذکورہ جملے کہنے کے بعد صدر مجلس مولانا عبدالوہاب آروی رحمہ اللہ نے فرمایا: ان شاء اللہ اس زمین پر ہم

کتاب وسنت ہی کا بازار لگائیں گے، آگے چل کر اگر اللہ نے توفیق بخشی تو باہر زمین خرید کر کچھ شعبے وہاں قائم کریں گے، صدر مجلس کی بات کو سن کر سب لوگوں نے متفقہ طور پاس کر دیا پھر آگے کارروائی شروع ہوئی۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی نظامت: مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ کی نظامت کا دور بہت پر آشوب تھا، ۱۹۴۷ء کے فسادات میں دہلی کے مسلمانوں پر جو گزری اس کو وہی جانتے ہیں، حال یہ تھا کہ محلہ کے اندر کوئی مسلمان دکھائی پڑتا تو ہر جانب سے آواز آنے لگتی کہ ارے محلہ میں مسلمان دکھائی دے رہا ہے، ایسے پر خطر دور میں آپ کو مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا ناظم اعلیٰ بنایا گیا، مولانا رحمانی لکھتے ہیں کہ:

''۱۹۵۶ء میں میری رائے لئے بغیر نظامت کے لئے میری نامزدگی عمل میں آئی، چاروناچار کام شروع کیا مگر ۱۹۵۸ء میں مستعفی ہو کر مکان پر بیٹھ گیا اور کانفرنس میں روح پھونکنے کے لئے کوئی اور ہی تدبیر نکالنے کی سوجھی، آخر رفقاء جمعیت بستی وگونڈہ کو آمادہ کیا کہ اجلاس عام کی دعوت دیں مگر میرا نام سامنے نہ آئے، مرکزی عاملہ میں دعوت نامہ پیش ہو کر پاس ہوا، منظوری ملتے ہی ارکان جمعیت بستی وگونڈہ سرگرم عمل ہو گئے، مجھے استقبالیہ کا سکریٹری منتخب کیا گیا، اعلان شائع ہونے کے بعد خدا جانے مرکزی جمعیت کو کیا تشویش لاحق ہوئی کہ میرا استعفیٰ جو آفس میں پڑا تھا اسے واپس لینے پر مجھے مجبور کیا جانے لگا، مگر میں راضی نہ ہوا، دوبارہ جے نگر اگونڈا کی ایک میٹنگ میں موصوف اور صدر محترم مولانا آروی صاحب تشریف لائے تو میں نے اپنا استعفیٰ واپس لے لیا، ترجمان کی ایک اشاعت میں محترم مولانا راز صاحب نے بڑا پرزور اداریہ لکھا اور پوری جماعت کو میرے استعفیٰ واپس لینے کی خوشخبری سنائی، یہ اجلاس عام سے پہلے کی بات ہے، اجلاس عام نوگڑھ جیسا کچھ ہوا اخوان جماعت کو معلوم ہے اس پر مجھے نہیں تو میرے رفقاء کو اعزازی تمغہ ملنا چاہیے، مگر جو دیا گیا اس کا ذکر بڑا تلخ ہے، اجلاس عام کے موقع پر عاملہ میں کچھ ردوقدح اور خلفشار پیدا ہو گیا تھا، اس لئے مجھے صلہ یہ ملا کہ نظامت کا دروازہ مجھ پر بند کرنے کی تدبیر ہونے لگی، حالانکہ میں نے نہ کبھی اس کی خواہش کی اور نہ طالب ہوا، اجلاس عام کے موقع پر دستور میں مناسب ترمیم کے لئے دستور ساز کمیٹی بنائی گئی، دستور ساز کمیٹی کا میں ایک رکن تھا، اس لئے کانفرنس سے بھاگتا کہاں اور کانفرنس بھی کہاں بھاگتی۔ ۱۹۶۴ء (اجلاس عام کے بعد) میٹنگ ہوئی، میں نے دستور مرتب کر کے عاملہ کے سامنے پیش کیا، اس میں پانچ سالہ انتخاب اور انتخاب کا ضابطہ تھا اس لئے خطرہ تھا کہ رد نہ کر دیا جائے، مگر حالات ایسے ہو چکے تھے کہ رد کرنا آسان نہ تھا، میں اجلاس عام سے قبل اپنا استعفیٰ واپس لے چکا تھا، مگر صدر محترم کی طرف سے رولنگ دی گئی کہ میں میٹنگ میں بیٹھ تو سکتا ہوں مگر رائے نہیں دے سکتا، ۱۹۶۲ء میں میں نے مکرر استعفیٰ دیا جو منظور کیا گیا، ادھر خوشی اس بات کی تھی کہ دستور منظور ہو گیا، اور ممبر سازی، جمعیت سازی وانتخاب مرکزی عہدیداران کے وقت کی تجدید بھی کرائی گئی، جماعت کی زندگی میں پہلی بار ایسا دستور ملا، دستور کی روشنی میں ریاستی جمعیتوں نے بند لفافہ میں اپنی رائیں بھیجیں، مگر کئی سال تک نتیجے کا اعلان نہیں کیا گیا، شدہ شدہ ۱۹۶۶ء میں مرکزی دارالعلوم کی افتتاحی تقریب منعقد ہوئی حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ مرکزی عاملہ کی میٹنگ اور انتخاب کا اعلان ناگزیر تھا، آخر عاملہ کی میٹنگ بیٹھی اور صدر اجلاس اور صدر عاملہ کی اصطلاح وضع کی گئی۔ ریاستی جمعیتوں کی رایوں کو نظر انداز کر کے عاملہ کو اختیار نہ تھا کہ انتخاب کا فیصلہ کرتی مگر جماعت کے سر فیصلہ مڈھ دیا گیا تعجب ہے کہ میٹنگ میں کوئی معترض نہ ہوا، میں میٹنگ میں موجود نہ تھا میری مرضی معلوم کئے

بغیر پھر مجھے نظامت کے لئے نامزد کردیا گیا، ممبران کانفرنس تو ہوائی جہاز سے اڑکر دہلی، مدراس چلے گئے میری فریاد کون سنتا آخر کانفرنس کی گاڑی گھسٹنے لگا، ۱۹۶۶ء سے لے کر ۱۹۷۱ء تک کانفرنس کا جو امیری گردن پر رہا، ایک بڑا مسئلہ مرکزی دفتر کی بلڈنگ کا تھا جب یہ حل نہیں ہوا تو مجھے اپنی نظامت کے ناکامیاب ہوجانے کا اعلان کردینے میں کوئی جھجک نہیں ہوئی، پانچ سال کی اس مدت (۱۹۶۶ تا ۱۹۷۱) میں مرکزی دارالعلوم کے تعمیری امور کے لئے دولاکھ روپئے کی ضرورت تھی جو بحمد للہ مخلصین بنارس اور عمائدین کانفرنس کی مشترکہ جدوجہد سے فراہم ہوگیا اور جماعت کو اس مرکزی دارالعلوم کی ضرورت تھی قائم ہوگیا'' (اخبار اہل حدیث دہلی، ۷ رستمبر ۱۹۷۴ء)

۱۹۵۶ء لغائت ۱۹۷۱ء علامہ آروی اور میری نظامت کا پرآشوب دور ہے، اس مدت میں ۱۹۵۸ء میں جماعت کو چمن اسلام دیا گیا، مکتبہ جاری تھا، اخبار وقت پر نکلتا رہا۔

اپنے طویل مشاہدات وتجربات اور گہرے احساسات کے تحت آگرہ کی میٹنگ ۱۹۷۱ء میں اپنی علیحدگی کا میں نے فیصلہ کیا، دہلی، بنارس، آگرہ، راجستھان وغیرہ اراکین وخواص مدعوئین سے ہاؤس بھرا ہوا تھا، ہاؤس کے متفقہ اور شدید اصرار کے باوجود میں نے جو فیصلہ کیا تھا، اس پر قائم رہا، صرف تین ماہ کا وقت دیا تاکہ دستور میں انتخاب کی راہ آسان کرنے کی تدبیر کروں، اللہ کا احسان ہے کہ اگست وستمبر ۱۹۷۱ء میں گلوخلاصی ہوگئی۔ (حوالہ مذکورہ)

تصنیفی خدمات: مولانا کی ذات گرامی بیک وقت مدرس، مصنف، مفسر، مقرر، مدبر، مفکر اور ایک اچھے قلمکار کی تھی، اللہ نے آپ کو مذکورہ تمام صفات سے متصف کررکھا تھا، لیکن آپ نے ایسے وقت میں آنکھیں کھولیں کہ جس وقت جماعت اہل حدیث تقریباً ناپید ہوچکی تھی جسے منظم کرنے اور ازسرنو وجود بخشنے میں آپ نے اپنی پوری قوت صرف کردی، جس کی وجہ سے تصنیف وتدریس وغیرہ کا موقع بہت کم ملا پھر بھی چند کتابیں تصنیف کی ہیں۔

بیماری ووفات: مولانا نے برڈپور چوراہے والی مسجد میں خطبہ دیا پھر گھر آئے معدہ میں کچھ گرانی محسوس ہوئی اور درد بڑھتا گیا ممکن حد تک علاج ہوتا رہا لیکن یہ مرض جان لیوا ثابت ہوا، ۱۷، فروری ۱۹۸۶ء یوم دوشنبہ بوقت دو بجے دن آپ اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ نے اپنے پیچھے چار لڑکے، دو لڑکیاں اور ایک بیوہ چھوڑی ہے، سب بحمد للہ بقید حیات ہیں، اور تمام لڑکے اونچی اونچی شہادت اور اعلیٰ ڈگریوں کے حامل ہیں، سب مرفہ الحال اور خوش حال ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو صبر کی توفیق بخشے، آمین۔

(محدث بنارس، اپریل ۲۰۱۶ء)

□□□

نوٹ: مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ کی سوانح کے لئے مولانا مطیع اللہ سلفی کی تالیف کردہ کتاب ''مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی'' کا مطالعہ کریں۔

خودنوشت

کچھ اپنی بابت

مولانا عبدالمبین منظر، سمرا سدھارتھ نگر

۱۹۲۰ء.....۱۹۸۹ء

مولانا عبدالمبین منظر رحمہ اللہ

ان گنت و بے شمار حمد وثنا اس ذات بے ہمتا کے لئے جو ساری کائنات کا خالق و مالک اور مربی و منعم ہے اور لاکھوں لاکھ درود وسلام اس پاک رسول پر جو عاصیوں کا شفیع ومحسن اور جملہ انبیاء ومرسلین کا سردار وخاتم ہے۔ مہر وکرم اس رب العالمین کا جس نے اپنے محبوب کے ذریعہ ہمیں کفر وضلالت کی گھنگھور گھٹا اور شرک وبت پرستی کے قعر عمیق سے نکال کر توحید وسنت کے شاہراہ پر گامزن فرمایا۔

سیرت پاک کے مبارک موضوع اور اس پر مقدمہ سے قبل میرا اپنا تذکرہ اس لائق تو نہیں کہ اسے صفحۂ قرطاس پر لایا جائے لیکن صرف اس لئے کہ لوگ مؤلف کے حالات وسوانح کا جاننا بہتر سمجھتے ہیں اور اس خیال سے بھی کہ شاید سیرت شفیع المذنبین کے ساتھ اس عاصی ومذنب کا ذکر آجانا سعادت ومغفرت کا باعث ہو اور ایک بے ثبات کو اس ذکر سے ثبات ودوام حاصل ہو جائے، اپنی مختصر حالات قلمبند کر رہا ہوں۔

نسب نامہ وحالات: میرا نسب جہاں تک معلوم ہو سکا اس طرح ہے: عبدالمبین بن محمد فاضل بن ضیاء اللہ بن روش خاں ساکن امارے ڈیہہ، میرے والد کا مولد ضلع بستی تحصیل ڈومریا گنج کا ایک چھوٹا سا گاؤں امارے ڈیہہ ہے۔ یہ موضع ڈومریا گنج سے تقریباً ۱۲ کلومیٹر پر کہنڈا کے پاس جنوب مشرق میں واقع ہے۔

میرے والد صاحب فطری طور پر دین پسند اور توحید وسنت کی طرف راغب تھے لیکن ان کا گھرانہ اور پورا خاندان بریلوی مشرب رکھتا تھا، اس لئے مجبور ہو کر بخیال ہجرت سمرا چلے آئے۔ یہی سمرا میرا مولد ومسکن ہے اور تاریخ ولادت تخمیناً ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۲۰ء ہے۔

یہ سمرا تحصیل ڈومریا گنج میں بڑھنی اسٹیشن سے دکھن ۱۲ کلومیٹر پر علمی اعتبار سے ایک شاداب مقام ہے۔ والد صاحب نے یہاں آکر کچھ پڑھا لکھا اور اچھے لوگوں کی صحبت پائی تو شعوری طور پر مسلک کتاب وسنت سے وابستہ ہو گئے۔ امارے ڈیہہ میں ان کی کاشتکاری لمبی تھی لیکن توحید سے لگاؤ اور شرک وبدعت سے نفرت کے سبب اسے چھوڑ کر سمرا کی معمولی سی زراعت پر قناعت کر لیا۔ اکل حلال اور تقویٰ وطہارت ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، اسی وجہ سے علاقہ کے ہندو مسلمان سب ان کی عزت کرتے اور ادب سے پیش آتے تھے۔

مولانا اللہ بخشؒ سے بیعت: سمرا اور اس کے قرب وجوار میں عارف باللہ حضرت مولانا اللہ بخش بسکوہری مرحوم کی سیرت

وکردار کا بڑا چرچا تھا، اس علاقہ میں انہیں کی سعی وجہد سے شرک وبدعت کا قلع قمع ہوا اور لوگ تقلید جامد سے الگ ہو کر حق پرستی اور توحید خالص کی طرف مائل ہوئے۔

سمرا میں والد صاحب کے ساتھ بزرگوں کی ایک جماعت دینداری و پرہیزگاری میں ضرب المثل تھی، وہ سب مل کر مولانا اللہ بخش مرحوم سے بیعت ہو گئے۔ موصوف خالصۃ لوجہ اللہ دین کی تبلیغ واشاعت میں لگے رہتے، جس طرح خود کتاب وسنت کے عملی نمونہ تھے دوسروں کو بھی اسی طرح دیکھنا چاہتے تھے، خود اکل حلال کے اتنے پابند تھے کہ دورے پر نکلتے تو نمک روٹی ساتھ رکھتے اور پورے علاقے میں چند مخصوص لوگوں کے سوا کسی کے یہاں لقمہ بھی نہیں اٹھاتے۔ البتہ سمرا تشریف لاتے تو والد صاحب کے ساتھ کھانا تناول کر لیتے، باقی گاؤں کے زمینداروں اور اصحاب ثروت کے یہاں قیام وطعام سے احتراز فرماتے۔

میری والدہ مقیمہ بنت شمشیر علی خاں کا مولد ومسکن یہی سمرا تھا، وہ بھی بحمد اللہ نہایت ہی نیک طینت اور تقویٰ شعار تھیں، تنگدستی وافلاس کی حالت میں صابر وشاکر رہتے ہوئے گھر میں انتہائی محنت کا کام کرتیں اور ہمیشہ بچوں کی تعلیم وتربیت میں لگی رہتیں اور پھر تلاوت قرآن اور اوراد وظائف کا مشغلہ جاری رکھتیں۔

میری تعلیم کا آغاز: میری ابتدائی تعلیم والدین کے گود سے شروع ہوئی، میری عمر تین سال سے کچھ آگے بڑھی تو والد صاحب نے غالباً ۱۹۲۴ء میں سمرا کے مقامی مکتب میں بٹھا دیا، میرے الف، ب کے اولین استاذ حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب سمراوی مرحوم ہیں جو اپنے وقت کے ایک جید عالم اور فصیح وبلیغ متکلم تھے، ان کے بعد علی الترتیب مولانا عبدالمجید صاحب یوسف پوری، میاں شمس اللہ صاحب اکرہروی، مولوی محمد اسحٰق صاحب سمراوی اور میرے ماموں جناب مولوی محمد علی صاحب مرحوم نے قرآن ناظرہ کچھ اردو اور ابتدائی فارسی کی تعلیم دی۔

والدین کا انتقال: ابھی میں پانچ یا چھ برس کا تھا کہ والد صاحب کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ مکرمہ باحیات تھیں، انہوں نے کچھ دنوں کے بعد ۸ یا ۹ سال کی عمر میں مجھے میرے بھائی مولانا محمد خاں صاحب رحمانی کے ہمراہ مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر بھیج دیا۔ میں اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹا تھا اس لئے والدہ صاحبہ شفقت کی نظر زیادہ رکھتیں اور حصول علم کے لئے بڑی دعائیں دیتیں۔ لیکن وہ بھی والد صاحب کے تین یا چار سال کے بعد داغ مفارقت دے گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کی لغزشوں کو معاف فرما کر جنت الفردوس کی لازوال نعمتوں سے نوازے، رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔ آمین یارب العالمین۔

اساتذہ جھنڈانگر: جھنڈانگر کے اساتذہ میں فاضل ادیب حضرت علامہ عبدالغفور صاحب بسکوہریؒ، حضرت مولانا محمد زماں صاحب رحمانیؒ اور حضرت مولانا زین اللہ صاحب طیب پوریؒ وغیرہم تھے، اس وقت علامہ بسکوہری مرحوم کے شباب کا زمانہ تھا، اسباق بہت جم کر پڑھاتے، فارسی کے درس میں میرے کل ۱۶ ساتھی تھے، اللہ کا فضل رہا کہ ان سب میں میرا سبق سب سے زیادہ یاد رہتا اس لئے مجھے تیز وخاں کہہ کر پکارتے، آپ کی زبان وبیان اور وعظ وتقریر میں ایسی حلاوت ولطافت پائی جاتی تھی جو دوسروں میں بہت کم نظر آتی۔

یوں مجھے حضرت مولانا محمد زماں صاحب رحمانیؒ سے استفادہ کا موقع زیادہ ملا، بڑی محنت وعرق ریزی سے پڑھاتے اور تربیت کا خاص خیال رکھتے، آخر میں مجھ پر زمانہ طالب علمی کی دو لغزشوں سے سخت ناراض تھے، لیکن جب میری تصنیف خالد بن ولید اور سبیل الرشاد نظر سے گزری تو ایک ملاقات میں فرمایا کہ میں نے تمہاری یہ دونوں کتابیں دیکھ کر تمہاری دونوں غلطیوں کو معاف کر دیا۔ (اللھم اعف عنہ کما عفا عنی)

دو بزرگوں کی یاد: جھنڈا نگر کے تعلیمی دور میں ماہر فرائض حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب بجوادیؒ اور پیکر زہد وورع جناب میاں محمد زکریا صاحب بیت ناریؒ بھی درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے تھے اگر چہ ان دونوں بزرگوں کے پاس میرا کوئی سبق نہ تھا لیکن ان کی تربیت اور فیض صحبت سے برابر فائدہ اٹھاتا، رہا یہ دونوں بزرگ سادگی وتقدس میں اپنی مثال آپ تھے۔ آہ اب وہ صورتیں جنہیں دیکھ کر خدا یاد آجائے کہاں نظر آئیں گی۔

آنکھیں ہیں آج ان کے تصور میں اشکبار
جن کے وجود سے یہ فضا مشکبار تھی

جھنڈا نگر سے دہلی: جھنڈا نگر میں مسلسل چار سال کی مدت گزر گئی تو طلبہ کی عادت کے مطابق ثم خیرا کی بیماری لگی، اور اسے خیر باد کہہ کر دہلی چلا گیا اس وقت رحمانیہ میں داخلہ کی میعاد ختم ہو چکی تھی اس لئے ایک رفیق کی کوشش سے مدرسہ میاں صاحب میں داخلہ لے لیا وہاں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب پرتا بگڈھیؒ اور مولانا عبیداللہ صاحب ٹونکیؒ وغیرھم سے کسب فیض کرتے ہوئے روزانہ مدرسہ صدیقیہ اور فتح پوری میں بھی حاضری دیتا اور مختصر المعانی وہدیہ سعیدیہ وہیں پڑھا کرتا تھا۔

اس وقت خطیب الہند حضرت مولانا محمد صاحب جونا گڈھیؒ اور ان کے بعد استاذی مولانا محمد یونس صاحب کی تقاریر اور خطبوں کا بڑا شہرہ تھا، میں یکے بعد دیگرے دونوں بزرگوں کے بیانات سے حظ اٹھاتا رہا۔ اسی زمانہ میں مولانا عبدالحنان صاحب بہاریؒ مدیر اہلحدیث گزٹ کی جادو بیانی بھی دیکھی اور یہ بھی دیکھا کہ وہ جماعت کے مشہور افاضل وشیوخ سے کس طرح کٹے کٹے رہتے ہیں۔

دہلی میں اس وقت جماعت اہل حدیث اور غربائے اہل حدیث کا بعض مسائل میں اختلاف اور دیوبندی وبریلوی علماء کی تکفیر بازی کی شدت بھی دیکھی۔ اسی طرح آریوں مرزائیوں کے جلسے اور مناظرے بھی دیکھے، میں حق کی جستجو اور تحقیق حق کے لئے سب کے یہاں جاتا اور سب کو سنتا رہا۔

مری زندگی مسلسل اسی کشمکش میں گزری
کبھی سوئے برق دیکھا کبھی سوئے آشیانہ

شیخ الحدیث مولانا شرف الدینؒ سے ملاقات: ایک دن بغرض استفادہ شیخ الحدیث حضرت مولانا شرف الدین رحمہ اللہ کے پاس مدرسہ سعیدیہ پل بنگش گیا۔ حضرت شیخ نے امتحاناً مشکوۃ شریف سے حدیث استسقاء کی عبارت پڑھوائی، عبارت تو میں نے پڑھ دی لیکن ترجمہ کا حق ادا نہیں کر سکا۔ حضرت شیخ نے فرمایا یہ لڑکا عبارت بہت صاف پڑھتا ہے اس لئے جماعت خامسہ میں استفادہ

کرسکتا ہے لیکن افسوس کہ دوبارہ خدمت میں حاضری نہیں دے سکا ۔

بہار غنچہ وگل دیکھ کر چلا آیا
اگر چمن میں ٹھہرتا تو کیا سے کیا ہوتا

عبدالمبین نام پر نکیر: مدرسہ میاں صاحب میں داخلہ لینے کے بعد کتاب شرح عقائد حاصل کرنے کے لئے ایک دن شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسلام صاحب بستویؒ کے پاس حاجی علی جان پہنچا، آپ نے میرا نام عبدالمبین سنا تو فرمایا۔ مبین اسمائے حسنیٰ میں سے نہیں ہے، لہٰذا اسے بدل کر اپنا نام عبدالمتین رکھ لو۔ اگرچہ تحقیق وتدریس میں حضرت شیخ کا ابھی وہ مقام نہیں تھا جو بعد میں ہوا لیکن آپ کی علومکانی کے سبب میں نے حکم کی تعمیل کرلی۔ اور تحقیق وجستجو میں لگا رہا، بالآخر ابن ماجہ شریف پڑھتے وقت لفظ مبین اسمائے حسنیٰ میں مل گیا تو والدین کا رکھا ہوا نام پھر سے اپنالیا۔ اس کے بعد مزید مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اسمائے حسنیٰ کے مستخرجین سات ائمہ حدیث ہیں، ان میں امام ترمذی کے علاوہ سب نے مبین کو اسمائے حسنی میں شمار کیا ہے، میں نے مولانا موصوف سے ایک مدت کے بعد اس کا ذکر کیا تو تسلیم فرمالیا فللہ الحمد۔

ایک آریہ کے سوال کا جواب: ایک دن کا ذکر ہے کہ دہلی کمپنی باغ میں ہمارے مدرسہ کے طلبہ کچھ دینی مسائل چھیڑے ہوئے تھے اتنے میں ایک آریہ آیا اور بولا، آپ لوگ خدا کا کلام قدیم مانتے ہو اور یہ بھی مانتے ہو کہ ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے کہ اللہ موجود تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی؟ سب نے اسکا جواب اثبات میں دیا اس نے کہا تمہارا خدا فرماتا ہے ''**لیس کمثلہ شئی**'' اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ مخلوق کے وجود میں آنے سے پہلے جب خدا کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی تو اس نے کس کے مقابلے میں کہا کہ میرے مثل کوئی چیز نہیں، مثالی مقابلہ تو اس وقت صحیح ہوسکتا ہے جب کہ سامنے دوسری چیز موجود ہو۔

اس اعتراض سے اس کا مقصد یہ تھا کہ آریوں کا عقیدہ روح ومادہ کے قدیم ہونے کا صحیح ہے اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ مخلوق کی پیدائش سے پہلے خالق کے سوا کوئی چیز نہ تھی غلط ہے۔ تمام طلبہ اس کے سوال سے حیران رہے، کوئی کچھ کہتا اور کوئی کچھ بتاتا مگر جواب فٹ نہ ہوتا، میں نے کہا اس کا جواب میں دیتا ہوں، بولا سب لوگ خاموش ہوجاؤ اور ان کا جواب سن لو۔ میں نے کہا یہ ہمارے اور تمہارے نزدیک مسلم ہے کہ اللہ اس ذات واجب الوجود کو کہتے ہیں جو تمام صفتہائے کمال کا جامع ہو ورنہ نقص لازم آئے گا، پس اس کی صفت کمال میں سے یہ بھی ہے کہ جو چیز ابھی وجود میں نہیں آئی ہے اسے بھی موجود ہی کی طرح دیکھے جیسے ہم اپنا گھر اپنی بستی جو یہاں موجود نہیں ہے دل کے آئینے میں دیکھ رہے ہیں، علاوہ ازیں واجب الوجود اور خالق بہر حال اپنی مخلوق سے افضل اور بے مثل ہوگا، پس ہر صورت میں مثلیت باطل اور لیس کمثلہ شئی کا معاملہ صحیح ہوگا۔ یہ جواب سن کر آریہ دم بخود اور متحیر ہوگیا اور اس سے کوئی بات بن نہ آئی۔

ہمارے ساتھی طلبہ مدرسہ پر پہنچے تو اس سوال وجواب کا بڑا چرچا کیا، استاذی شیخ الحدیث مولانا محمد یونسؒ صاحب نے سنا تو ہمت افزائی کے کلمات کہے اور مدرسہ کے مہتمم صاحب نے بھی اپنے گھر بلا کر بہت اکرام فرمایا۔

شاعری کا ذوق: وہیں دہلی میں رہبرؔ صاحب پرتاپگڈھی کی صحبت میں شاعری کا ذوق پیدا ہوا، میرا تخلص منظرؔ انہیں کا تجویز کردہ ہے، میری ایک نظم ۔ مسلماں ہے تو دل میں عظمتِ قرآن پیدا کر۔ کی اصلاح کے لئے حیدرؔ صاحب دہلوی کے پاس لے گئے،

نظم میں خامیاں بہت تھیں اس لئے میں نے حیدرؔ صاحب پر ظاہر نہیں کیا کہ یہ نظم میری کہی ہوئی ہے، پھر بھی سیاق وسباق سے انہوں نے سمجھ لیا اور رہبر صاحب کے کہنے سے اصلاح کردی اس کے بعد میں نے کئی نظمیں کہیں لیکن اصلاح کے لئے کبھی نہیں جاسکا۔

مہتمم صاحب رحمانیہ دہلی کا انتقال پر ملال: جس سال میں دہلی گیا شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحبؒ دارالحدیث رحمانیہ سے جدا ہوکر مدرسہ زبیدیہ میں آچکے تھے۔ دارالحدیث رحمانیہ کے مہتمم جناب شیخ عطاء الرحمن صاحبؒ اور اہل حدیث کانفرنس کے سرپرست جناب حافظ حمید اللہ صاحبؒ کی دینی خدمات کا بڑا شہرہ تھا اسی لئے دونوں حضرات کے دیکھنے کی تمنا تھی، جناب حافظ حمید اللہ صاحبؒ کو دور ہی دور سے دیکھا، وہ ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی مفت تقسیم کرتے تھے لیکن میں صغرسنی کی وجہ سے مانگنے کی ہمت نہیں کرسکا۔ البتہ شیخ عطاء الرحمن صاحب سے اکثر ملاقات ہوتی رہی اس لئے کہ مغرب وفجر کی نماز وہ اکثر مدرسہ میاں صاحب ہی کی مسجد میں پڑھتے تھے، اللہ کی مشیت کہ اس کے دوسرے ہی سال اللہ کی جانب سے موصوف ممدوح کا بلاوا آپہنچا۔ ان کے انتقال کی خبر دہلی میں بجلی کی طرح پھیل گئی، بے شمار لوگ جنازہ میں حاضر ہوئے خاکسار بھی شریک جنازہ تھا۔ خطیب الہند حضرت مولانا محمد صاحب جونا گڈھی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی دفعہ جنازے کی نماز پڑھائی، پہلی دفعہ جو لوگ نہیں پہنچ سکے تھے وہ بیس پچیس اور پچاس کی تعداد میں باری باری آتے رہے اور حضرت مولانا بار بار جنازے کی امامت فرماتے رہے۔

عشق تھا دل میں تیری جذبات سے
اس لئے ہم بار بار آیا کئے

جھنڈا نگر میں دوبارہ داخلہ: دہلی میں میرے اکتساب فیض کا دوسرا سال تھا کہ میرے برادر محترم مولانا محمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو والدین کی رحلت کے بعد میرے مربی وسرپرست تھے، سخت علیل ہوگئے اسلئے دہلی چھوڑ کر پھر مجھے جھنڈا نگر آنا پڑا، اسی سال خطیب الہند ثم خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف خاں صاحب رحمانی حفظہ اللہ سے تلمذ حاصل ہوا، مجھے یاد آتا ہے کہ حدیث میں ابوداؤد وترمذی، منطق میں سلم العلوم اور اصول فقہ میں نورالانوار وغیرہ کتابیں میں نے آپ ہی سے پڑھی ہیں اور اس سال جھنڈا نگر میں مجھ سے اونچی جماعت کا طالب علم کوئی نہ تھا۔

بانی مدرسہ کی یاد: شیخنا العلام مولانا جھنڈا نگری صاحب بانی مدرسہ حضرت الحاج نعمت اللہ خاں صاحب رئیس کُدر بٹوا کے فرزند ارجمند ہیں، حاجی صاحب موصوف کو اللہ تعالی نے دولتِ دنیا کیساتھ دولت عقبیٰ سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ مدرسہ کی نظامت وسرپرستی، شب بیداری وسحر خیزی، طلبہ واساتذہ کی خدمت، مہمانوں ومسافروں کی ضیافت اور غرباء ومساکین کی اعانت ومساعدت ان کا محبوب مشغلہ تھا، سراج العلوم کے لئے خود جان ومال سے وقف تھے اور اپنے لخت جگر مولانا جھنڈا نگری کو بھی اسکے واسطے وقف کردیا تھا۔ ان کی تہجد گزاری اور دعاؤں کی برکت تھی کہ مولانا کو جو مقام اللہ نے عطا فرمایا وہ شاذ ونادر ہی کسی کو ملتا ہے، ہند ونیپال میں آپ آفتاب وماہتاب ہوکر چمکے، کوئی کانفرنس اور کوئی جلسہ آپ کے بغیر رونق پذیر نہیں ہوتا تھا، اس وقت نیپال کی طرف سے رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے رکن رکین ہیں اور سراج العلوم آپ کے خدمات جلیلہ کے سبب نیپال کا تاج محل کہلانے کا مستحق ہے۔

برادر معظم کا انتقال پر ملال: برادر معظم حضرت مولانا محمد خان صاحب رحمانی کی علالت ہی نے مجھے اس سال جھنڈا نگر رہنے پر مجبور کیا تھا، ان کی تکلیف اور شدت کرب کو دیکھ کر میں کبھی دوڑا ہوا گھر جاتا تو کبھی مدرسہ پر آتا وہ تو خود صابر و شاکر تھے، سمجھاتے اور اپنے کمسن بچوں کو بھی صبر کی تلقین فرماتے لیکن میں اپنے شفیق بھائی کی جدائی اور اپنی تنہائی کو یاد کر کے ہر گھڑی بے چین و بے قرار رہتا بالآخر اسی کرب واضطراب میں کئی ماہ کی شدید علالت کے بعد ۱۱ رمحرم الحرام ۱۳۵۹ھ کو ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے سفر آخرت کے بعد میرا گھر اجڑ گیا، میں تنہا تھا اور بھائی مرحوم کے یتیم بچے جن کی دیکھ ریکھ کرنے والا ان کی بیوہ کے سوا کوئی نہ تھا ان کے غمِ فراق میں جو مرثیہ میں نے اس وقت لکھا تھا اس کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

زندہ دل صاحب تقویٰ تھے میرے بھائی جان
حرف نہ آنے دیا دین پہ حتیٰ الامکان
مرض دق میں پریشاں رہے برسوں لیکن
ہاتھ پھیلایا نہ غیرت سے کہیں بھی اک دن
دیں کی تبلیغ علاقے میں جو کرتے تھے عظیم
بخشے اللہ انہیں اجر میں جنات نعیم
یا الٰہی تو لحد ان کی منور کردے
باغ فردوس کی خوشبو سے معطر کردے
ان کا احساں دل محزوں کو رُلاتا ہے بہت
حال غم ان کا ہمیں اب بھی ستاتا ہے بہت
غمِ فرقت میں تڑپتا ہی ہمیں چھوڑ گئے
یاد فردوس میں دنیا سے وہ رُخ موڑ گئے
لوگ کہتے ہیں کرو صبر جنابِ منظرؔ
صبر برحق ہے مگر اشک ہے بہتا تر تر

جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ: بھائی جان کے ارتحال کے بعد میری تعلیم کا مسئلہ بظاہر لاینحل ہوگیا، لیکن گھر پر رہ کر بھی میں کسی کام کا نہ تھا اس لئے جوں توں سال پورا کر کے بنارس چلا گیا اور امتحان دے کر رحمانیہ میں داخلہ لے لیا۔

جامعہ رحمانیہ میں اس وقت امام العلوم والفنون علامہ شہیر حضرت مولانا محمد منیر خاں صاحب بنارسیؒ، فاضل الحدیث والادب حضرت مولانا عبدالغفار صاحب حسن عمر پوریؒ، استاذ منطق وفلسفہ مولانا عبدالمعید صاحب بنارسیؒ اور استاذ حدیث مولانا ابوالقاسم صاحب مدنپوریؒ جیسے اساطین فضل وکمال موجود تھے جن سے مسلسل دو سال تک فیضیاب ہونے کا موقع ملا، ان کے علاوہ آفتاب علم

وادب الشیخ عبدالمجید صاحب حریریؒ سے بھی ادب میں حماسہ اور بعض تفاسیر کا درس حاصل کیا، جن کی زبان کوثر وتسنیم سے دھلی ہوئی فصاحت وبلاغت کے موتی رولتی تھی۔

دورۂ حدیث کا دوسرا سال: دوسرا سال ہم لوگوں کا آخری سال تھا استاذ نا العلام مولینا منیر خاں صاحب بنارسیؒ علالت سے کمزور ونحیف ہو گئے تھے اس لئے جامعہ سے اجازت مل گئی کہ ایک وقت دارانگر جا کر حضرت الشیخ علامہ سیف بنارسیؒ کے پاس بخاری ومسلم کا دورہ کرلیں۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا ابوالقاسم صاحب سیفؔ بنارسی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت جماعت کے اکابر میں معروف وممتاز تھی، شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ تحقیق حدیث کے لئے آپ ہی سے رجوع فرماتے تھے۔ صحیحین کے درس میں آپ کا مقام منفرد تھا، مختلف ابواب کی حدیثیں ان کے صفحات وسطور، الفاظ کا فرق اوران سے باب کا تعلق آپ کے نوک زبان پر تھا، ہم لوگ پہنچے تو وہاں بنگال، بہار، بستی گونڈہ اور مئو کے طلبہ کا سنگم ہو گیا۔ تمام طلبہ حضرت شیخ کے سامنے ایک لمبی قطار میں دورویہ بیٹھتے اور سب سے آخری فاصلے پر قاری ہوتا، قاری وہی منتخب کیا جاتا جن کی آواز بلند ہوتی، میری آواز بھی اونچی تھی اس لئے اکثر قرأت کا موقع ملتا۔ قرأت کے درمیان مسائل پیش آمدہ پر مختلف انداز کے سوالات واعتراضات کئے جاتے اور مولانا ان سب کا ایسا جچا تلا جواب دیتے کہ پھر کسی کو مجال سخن نہ ہوتی۔

سند فراغ: آپ کا دستور تھا کہ سند فراغ میں نام کے ساتھ کنیت بھی درج کرتے تھے میں اپنی سند لینے کے لئے ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ کو آپ کی خدمت میں پہنچا تو پوچھا تمہاری کنیت کیا رکھ دی جائے، میں نے کئی کنیتیں بتائیں لیکن پسند نہ فرمایا پھر دوسرے دن صبح کو پہنچا تو فرمایا میں نے تمہاری کنیت ابوالحصین رکھدی ہے (حصین بمعنی مضبوط) اس سے انشاء اللہ تمہارے عزم وحوصلہ میں مضبوطی وپختگی آئے گی۔ آپ کے اس فقرے سے میرے دل میں سرور کی جو کیفیت پیدا ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔

پھر حضرت شیخ نے سند کی خالی جگہ میں اپنے دست شفقت سے جو کچھ تحریر فرمایا یہ ہے ”**هو رجل شاب لقن ذو فهم واسع وذهن ساطع**“ (**وقال في الوصية**) **اني اوصيه بتقوى الله في السر والعلانية وان لا يهاب بصوت الجمهور الخ۔**

یہ تھے میرے شفیق اساتذہ وشیوخ جن کے فیض صحبت نے مجھے انسانیت کا جامہ پہنایا۔ **اللهم اغفر لي ولهم وارفع درجاتهم واضعف اجورهم الى يوم الدين يا ارحم الراحمين۔**

جامعہ شمس العلوم کا قیام: شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ کو تعلیم سے فارغ ہو کر گھر آیا تو محترم ماموں محمد علی صاحب برادرم میڈو خانصاحب، بھائی محمد اسحاق صاحب، میاں عبدالستار صاحب، چودھری ولی اللہ، چودھری عبدالشکور صاحب، چودھری محمد عباس صاحب اور گاؤں کے دیگر معززین نے ۱۷/۱۸ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ یوم جمعۃ المبارک کو مجھے بستی کے ان بچوں کی تعلیم کے لئے جو بیکار گھوم رہے تھے ترغیب دی، اگرچہ اس وقت علالت سے نحیف وناتواں تھا لیکن خدمت کے تحت ان کی پیشکش قبول کرلی اور دوسرے ہی دن تعلیم وتدریس میں مشغول ہو گیا۔ یہ مشغولیت میرے لئے اتنی مفید ثابت ہوئی کہ میں اپنی دیرینہ بیماری بھول گیا اور آہستہ آہستہ گئی ہوئی

صحت واپس لوٹ آئی۔ اللہ کا فضل وکرم ہے کہ آج ۴۷ برس کی مدت اسی ادارہ کی خدمت میں گذر گئی اور باہر سے طلب معاوضہ کے باوجود میں کسی طرف ملتفت نہیں ہوا۔

جلسوں میں شرکت اور بعض مناظرے: اس مدت میں تعلیم وتدریس کے ساتھ مقامی وعلاقائی اجتماعات کے علاوہ یوپی، بہار، بنگال اوراڑیسہ وغیرہ کے بہت سے جلسوں میں شریک ہوا، اس وقت مناظروں کا دور تھا، چنانچہ مخالفین ومبتدعین سے کئی دفعہ مناظرے کی نوبت ہوئی۔ ضلع بستی کے ایک معروف مقام بھن گاؤں میں علمائے دیوبند وبریلی کے مابین ایک زبردست مناظرہ تھا اس میں بھی بحیثیت رکن شریک کیا گیا، بھاؤپور میں مولوی حشمت علی پیلی بھیتی کو دودن تک گھیرے رہا انہوں نے سارا وقت لایعنی باتوں میں گنوادیا لیکن بالمقابل بولنے کیلئے تیار نہ ہوئے، اڑیسہ گوجیدرہ میں حبیب الرحمن کنکسی سے تحریری بحث چلتی رہی، پھر وہاں کی جماعت نے مجھے طلب کیا تو وہاں بھی پہنچ کر محلہ در محلہ آٹھ تقریریں کیں لیکن مقابل پردۂ خفا ہی میں رہ گیا۔ یہی حال بڑھنی، جھنڈانگر، چوکھڑا، اور جمہنا وغیرہ میں ہوا۔

سیاسی جلسے: کبھی کبھی سیاسی ونیم سیاسی جلسوں میں بھی شرکت کی، ہندوپاک کے بٹوارے کے موقع پر مسلم لیگ کی حمایت کرتا رہا، مسلم مجلس کی طرف سے ڈاکٹر فریدی صاحب نے ضلع بستی کا دورہ کیا تو ان کے ساتھ رہا اور جب میرے قریب اٹوا تشریف لائے تو جلسے کا نظم واہتمام میں نے اپنے مدرسہ کے طلبہ کو لے کر کیا، اور ڈاکٹر صاحب نے خود میری صدارت میں تقریر کی۔

ریلیف کا کام: ۱۹۶۳ء میں کلکتہ میں عظیم فساد ہوا تو اپنے زیر اثر حلقے سے کئی ہزار روپے نقد اور دو بنڈل کپڑے لیکر خود گیا اور وہاں کی امدادی جماعتوں سے مل کر فساد زدہ علاقوں، جلے ہوئے مکانات اور مساجد کا معائنہ کیا اور مصیبت زدہ بھائیوں کی امداد کی، بنجریا ضلع بستی ۱۹۷۲ء میں فساد ہوا تو بانسی ہوتے ہوئے وہاں بھی پہنچا، اور گاؤں کے مصیبت زدگان سے مل کر حتی الامکان تعاون کیا۔ پھر اپنے ہی قریب دوپھڑیا ۱۹۶۹ میں فساد ہوا تو وہاں بار بار جا کر لوگوں کے دل سے خوف وہراس دور کرتا رہا اور مسجد میں جمعہ وجماعت جو بند ہوگئی تھی، اپنے بھتیجے مولوی عبدالحلیم کے ساتھ جاری کرایا۔

ضلع جمعیۃ کی نظامت: ۱۹۶۰ء میں بستی وگونڈہ کی مشترکہ جمعیت نے اندرونی خلفشار کے سبب اس کی نظامت کا بار میرے دوشِ ناتواں پر ڈال دیا اس وقت حضرت مولانا عبدالرؤف خاں صاحب رحمانی جھنڈانگری کی صدارت تھی اور مولانا عبدالقدوس صاحب ٹکریاوی، مولانا محمد اقبال صاحب بونڈھیاروی نائب صدر تھے ان سب کے مشورے سے میں نے یہ ذمہ داری قبول کرلی۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد مولانا عبدالجلیل صاحب رحمانی مرکزی جمعیۃ سے علیحدہ ہوکر وطن چلے آئے تھے تو ان سبھی بزرگوں کے تعاون سے مسلسل ۱۵ سال تک یہ بار میں نے سنبھالے رکھا اور بستی کے مدارس عربیہ کا نصاب تعلیم تقریباً متحد کرکے اکٹھا سب کا سالانہ امتحان دلاتا رہا، یہاں تک کہ جمعیۃ بستی کے نظم ونسق اور کارکردگی کا چرچا تمام ضلعی وصوبائی جمعیتوں اور جماعتوں میں ہونے لگا۔

نوگڑھ کی مشہور آل انڈیا کانفرنس منعقدہ ۱۹۶۱ء میرے ہی دور نظامت میں ہوئی تھی۔ مرکزی جمعیۃ کے صدر حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب آرویؒ کے پاس ضلع جمعیۃ بستی کی طرف سے دعوت نامہ لے کر خاکسار دہلی پہنچا تو اس وقت مرکزی جمعیۃ کی میٹنگ ہورہی تھی، مولانا آروی سے میری یہ پہلی تعارفی ملاقات تھی، خط پڑھنے کے بعد فرمایا کہ یہ بستی وگونڈہ دونوں ضلعوں کے

ناظم ہیں، اس لئے اعزازی طور پر عاملہ کی میٹنگ میں شریک رہیں گے۔ پھر ایجنڈا پر بحث کے دوران بار بار میری رائے بھی دریافت فرماتے رہے، صدر محترم کے اس حوصلہ افزائی سے مجھے بڑی مسرت حاصل ہوئی کہ اب ان شاء اللہ دعوت نامہ کی منظوری بآسانی حاصل ہوجائے گی۔

میٹنگ میں مولانا سید تقریظ احمد صاحب ایڈیٹر اخبار اہلحدیث دہلی اور شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام صاحب بستوی بھی موجود تھے، بعد میٹنگ میں نے ہر دو حضرات کی تائید وتوثیق حاصل کر کے حضرت مولانا آرویؒ سے منظوری حاصل کرلی جب کہ وہ کسی قیمت پر آمادہ نہ تھے۔ اسی پر سلیم صاحب پرتاب گڑھی نے ''نوگڑھ چلو'' کے عنوان سے پوری نظم لکھ ڈالی جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

حضرتِ منظر کی کوشش کا یہ ثمرہ ہے سلیم
ورنہ کیسی زندگی کیسا نظامِ زندگی

اس کا جواب اسی بحر وقافیہ میں میں نے بھی لکھ دیا جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

کوششِ منظرؔ میں کچھ دم خم نہیں بھائی سلیمؔ
سمع و طاعت میں ہی پنہاں ہے نظام زندگی

صوبائی جمعیۃ کا احیاء: ۱۹۷۹ء کی بات ہے کہ صوبائی ومرکزی جمعیۃ کی سردمہری ختم کرنے کے لئے مرکزی دارالعلوم بنارس میں ایک اہم میٹنگ بلائی گئی اس کے داعی حضرت مولانا شمس الحق صاحبؒ شیخ الحدیث مرکزی دارالعلوم تھے، اس میں مئو، بنارس، الہ آباد اور بستی وگونڈہ کے اعیان جماعت نے صوبائی جمعیۃ کی نظامت کا بوجھ میرے سر ڈال دیا۔ ہر چند کہ میں عدیم الفرصتی اور نااہلی کا عذر کرتا رہا اور میرے مخدوم ومشفق حضرت مولانا جھنڈا نگری بھی میری حمایت میں بولتے رہے لیکن ایک نہ سنی گئی بالآخر یہ بارگراں بھی ۳ سال تک اسی دوشِ ناتواں پر رہا۔ یہاں تک کہ ۳۱/جولائی ۱۹۸۲ء کو بمقام ممبئی پاؤں میں ایکسیڈنٹ کے سبب مستعفی ہوگیا۔

تالیفات: میری تالیفات میں ☆سبیل الرشاد، مختلف فیہ مسائل پر بحث ☆عقائد اسلام، عقائدسۃ ایمانیہ کا بیان ☆نیا مذہب فکر، مولانا مودودی کی تشکیک حدیث پر نقد ☆تبلیغ دین کا موثر طریقہ ☆فرقہ بندی سے نجات ☆قرآن کریم کے دس اسباق، مختلف موضوعات پر درس قرآن ☆زمزمۂ حق، حمد ونعت کا مجموعہ ☆خالد بن ولید، حضرت سیف اللہ کی مکمل سوانح حیات ☆اور زیر نظر پیش کش۔ پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ روحی وابی وامی وجدی وقبیلتی۔ والسلام۔

[وفات: ۲۷/اکتوبر ۱۹۸۹ء کو بنارس میں آپ کا انتقال ہوا۔ بقیہ صفحہ ۴۱۹ پر ملاحظہ کریں۔ مرتب]

خادم
ابوالحسین عبدالمبین منظر
ناظم جامعہ شمس العلوم سمرا، بستی، ۹ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(ماخوذ از پیغمبر دوعالم صفحہ ۱۔۱۵)
مطبوعہ جامعہ سلفیہ بنارس

❑❑❑

شیخ الحدیث مولانا عبدالسبحان اعظمی عمری رحمہ اللہ

۱۹۱۰ء.....۱۹۹۰ء

کاشف شکیل سلفی/استاد جامعۃ التوحید بھیونڈی

ابتدائی حالات:

مولانا عبدالسبحان اعظمی بن شیخ الحدیث محمد نعمان صاحب بن حاجی عبدالرحمن شہید مئو ناتھ بھنجن (یوپی) میں ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ان کے والد شیخ الحدیث محمد نعمان صاحب بھی مئو ناتھ بھنجن کے باشندے تھے۔مدرسہ عالیہ عربیہ اور مدرسہ احمدیہ آرہ میں پڑھے ہوئے تھے۔سید نذیر حسین محدث دہلوی اور ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے فیض یافتہ تھے۔کچھ مدت مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں مدرس رہے لیکن آب وہوا راس نہ آئی چنانچہ ۱۹۲۸ء کے اواخر میں عمر آباد آکر جامعہ دارالسلام سے وابستہ ہوگئے۔جس کا قیام ۱۹۲۴ء میں عمل میں آیا تھا۔اور تقریباً ایک چوتھائی صدی تک دین وملت کی خدمت کرنے کے بعد ۱۹۵۳ء کے اواخر میں عمر آباد ہی میں انتقال فرما گئے۔

تعلیم:

مولانا عبدالسبحان صاحب کی ابتدائی تعلیم مدرسہ عالیہ مئو یوپی میں ہوئی۔قرآن مجید بھی وہیں پورا کیا اور اردو فارسی کی تعلیم بھی وہیں ہوئی۔گلستاں، اخلاق محسنی، مفتاح القواعد وغیرہ مولانا عبدالاحد رحمہ اللہ سے پڑھیں۔مدرسہ محمدیہ کھیدوپورہ، مئو میں تقریباً دوسال تک اپنے ایک قرابت دار مولانا عبدالعلیٰ رحمہ اللہ سے نحو میر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، پنج گنج، علم الصیغہ، فصول اکبری اور شرح ملا جامی پڑھی، دوبارہ مدرسہ عالیہ مئو میں داخلہ لے کر مولانا عبدالرحمن رحمہ اللہ سے شرح تہذیب پڑھی۔۱۹۲۸ء کے شوال میں مدرسہ رحمانیہ دہلی میں داخلہ ہوا، بہ مشکل ڈیڑھ دوماہ رہ کر سخت بیماری کی وجہ سے شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارک پوری کے ساتھ گھر چلے آئے۔شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی صاحب اس وقت رحمانیہ میں مدرس تھے، مولانا عبدالسبحان صاحب نے ان سے وہاں بلوغ المرام کے کچھ سبق پڑھے تھے۔یہ ۱۹۲۹ء کے اوائل تک کی تعلیمی کیفیت ہے۔اس کے بعد اپنے والد کے ساتھ عمر آباد گئے اور پانچویں سے آٹھویں تک چار برس آپ نے جامعہ دارالسلام میں گزارا۔۱۹۳۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ہر جماعت میں درجہ اول سے کامیاب ہوتے رہے۔آپ کے ہم سبق چار طلباء تھے مولانا حبیب الرحمن خاں سروش ایم اے، مولانا محمد یوسف کوکن ایم اے، مولانا محمد عطاء اللہ سلفی، مولانا عبدالجبار شریف۔

ان دنوں جامعہ میں درجہ تکمیل بھی تھا۔جو اختیاری تھا۔اور تین شعبوں، دینیات، ادبیات اور معقولات میں تھا۔مقصود یہ تھا کہ شوقین طلبہ اپنے رجحان کے مطابق کسی ایک فن میں درک اور مہارت حاصل کرلیں۔یہ سلسلہ ایک ہی سال رہا یعنی ۱۹۳۳ء میں ختم

کر دیا گیا۔ مولانا نے شعبہ معقولات میں داخلہ لیا، اس شعبہ میں آپ اکیلے ہی تھے، اس کے نصاب میں اشارات بوعلی سینا، قاضی مبارک، میر زاہد، ملا جلال، صدرا، شرح چغمینی اور الدروس الاولیۃ فی الفلسفۃ الطبعیۃ تھیں۔ مولانا نے اس میں بھی کامیابی حاصل کر لی اور اسی سال آپ نے افضل العلماء بھی نکال لیا۔

اساتذہ عمر آباد:

۱۹۳۸ء میں منشی فاضل بھی پاس کر لیا تھا اور اس وقت آپ کو جامعہ میں استاد ہوئے پانچ سال ہو رہے تھے۔ آپ کے والد مولانا محمد نعمان اعظمی، آپ کے عم محترم مولانا محمد علی ابوالقاسم قدسی، مولانا عثمان خان شاہجہاں پوری، مولانا عبیداللہ عاقل رحمانی بہاری، مولانا غضنفر حسین شاکر نائطی مدراسی، مولانا حافظ محمد صاحب پنجابی وغیرہ دارالسلام میں آپ کے استاد تھے۔

عمر آباد میں آپ کی خدمات:

مولانا فضل اللہ صاحب مدراسی ناظم جامعہ تھے جو جنگ آزادی، تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون وغیرہ سے وابستہ رہ چکے تھے۔ متبحر عالم و مقرر تھے ان کی نظر انتخاب مولانا عبدالسبحان صاحب پر پڑی، ۱۹۳۳ء میں مولانا درجہ تکمیل کے طالب علم تھے کہ قاضی ارتضاء علی خاں کی تصریح المنطق کا ایک سبق آپ کے ذمہ کر دیا گیا اور اگلے برس ۱۹۳۴ء میں آپ جامعہ کے باقاعدہ استاد مقرر ہوئے۔ ابتداء میں آپ کو صرف ونحو اور منطق کی کتابیں دی گئیں پھر بتدریج صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، مقدمہ ابن خلدون، شرح عقائد نسفی، حجۃ اللہ البالغۃ، نورالانوار، مسلم الثبوت، ہدایۃ المجتہد، قطبی، افاضہ قدسیہ (فلسفہ)، نسیم الکلام (علم الکلام)، السراجی فی المیراث اور رشیدیہ (علم مناظرہ) وغیرہ آپ کے زیر تدریس آتی گئیں۔

انگریزی زبان میں مولانا کی مہارت:

مولانا انگریزی زبان میں بھی خاص مہارت رکھتے تھے۔ اور کئی انگریزی افسانوں کا اردو ترجمہ کر کے رسالوں میں بھیجا اور وہ شائع ہوئے اور مولانا نے یہ انگریزی جامعہ دارالسلام عمر آباد میں سیکھی تھی۔ واضح رہے کہ جامعہ دارالسلام عمر آباد نے عام نہج سے ہٹ کر بھی بہت سارے کام کئے اور وہ بھی بالکل ابتدائی عہد میں، انگریزی نصاب میں رکھی، دارالتصنیف کی داغ بیل ڈالی، ''مصحف'' نامی اردو رسالہ نکالا، مقلدین اور غیر مقلدین کو ایک ادارہ میں جمع کیا، یونانی طب کو بھی نصاب میں جگہ دی۔

طب کی تعلیم:

مولانا نے حکیم فضل الرحمن خان سواتی سے مدراس میں رمضان کی تعطیل میں طب پڑھا اور یہ سلسلہ تقریباً دو ماہ جاری رہا، کچھ مدت بعد حکیم صاحب عمر آباد سے قریب آمبور میں منتقل ہو گئے یہاں مولانا نے اس فن کی کتابیں افادہ کبیرہ اور شرح رباعیات طب یوسفی پڑھی۔ پھر چند دن بعد چھوٹے موٹے علاج شروع کر دیے۔ مولانا ہر جمعرات کو مدرسہ ختم ہونے کے بعد

دوپہر میں حکیم صاحب کے مطب میں جاتے اور سنیچر دن صبح میں عمر آباد میں آجاتے، وہاں مولانا کا کام حکیم صاحب کی زیر ہدایت دوائیں کوٹنا، پیسنا اور گولیاں بنانا تھا۔

۱۹۴۵ء سے ۱۹۸۵ء تک پورے چالیس برس جامعہ دارالسلام عمر آباد کے مطب کے معالج مولانا ہی تھے۔ یہ سلسلہ کچھ مدت اور جاری رہتا مگر ایک تو مولانا کی علالت مانع تھی، دوسرے عمر آباد میں جامعہ ہاسٹل قائم ہوجانے کی بنا پر الگ سے معالج کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی۔

تصنیفی خدمات:

جامعہ دارالسلام سے شائع ہونے والے مجلہ ''مصحف'' (اجراء اگست ۱۹۳۵ء) کے مولانا مستقل مضمون نگار تھے۔ اس کے ایڈیٹر مولانا شاکر نائطی تھے۔ اس میں آپ کے جو مضامین چھپے وہ یہ تھے۔ ''قسطنطنیہ پر اسلامی یلغار'' (متعدد قسطوں میں) ''محمد بن قاسم ہندوستان میں'' (کئی قسطوں میں) ''رہبانیت کی پر درد داستان'' ''توہم پرستی'' ''انسانی مساوات'' ''خودداری'' ''انبیاء کرام کی بعثت'' وغیرہ۔

مولانا کی تالیف کردہ چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں: (۱) فضائل رمضان (۲) آداب اسلامی (جامعہ میں داخل نصاب ہے) (۳) خانقاہ الٰہیہ (۴) صنف نازک اور اسلام (۵) اصول اسلام (۶) مسائل اور دعائیں (۷) استعانت اولیاء کی تردید (۸) آداب وحقوق۔

مولانا نے جو کچھ لکھا نثر میں لکھا البتہ شاعری سے بھی برائے نام شغف تھا۔ ذاکر تخلص رکھتے تھے۔

نائب ناظم جامعہ:

۱۹۵۰ء تک جامعہ کے ناظم مولانا شاکر نائطی تھے جب آپ کسی ضرورت پر کہیں تشریف لے جاتے تو تمام امور کی نگرانی مولانا کے ذمہ کر جاتے، ۱۹۵۰ء میں مولانا عبدالواجد رحمانی کو ناظم بنایا گیا۔ اس وقت تک جامعہ میں نائب ناظم کا عہدہ نہیں تھا۔ تاہم نئے ناظم کے تعاون کے لئے مولانا عبدالسبحان کو باضابطہ نائب ناظم مقرر کیا گیا۔ اس وقت دونوں کی عمر تقریباً چالیس تھی اور تدریسی خدمت بھی یکساں، اس لیے کہ دونوں ہی ۱۹۳۳ء میں مامور ہوئے تھے دونوں میں بہت الفت ومحبت تھی۔ ۱۹۵۶ء میں مولانا مدراس یونیورسٹی کے مشرقی امتحانات (افضل العلماء منشی فاضل اور ادیب فاضل) کے ممتحن ہوئے۔ ۱۹۶۶ء کے لئے بھی پیشکش ہوئی مگر سفر حج کے درپیش ہونے کی بنا پر معذرت کردی۔ چونکہ مولانا بھی ان اسٹاف میں سے تھے جو مدراس یونیورسٹی سے ملحق ہونے کی وجہ سے یونیورسٹی کے تنخواہ یافتہ تھے۔ اس لیے ضابطہ کی رو سے ساٹھ برس کی عمر میں ۱۹۶۱ء میں ریٹائر ہوئے اس وقت جامعہ سے وابستگی پر تقریباً ۳۸ برس گزر چکے تھے اور نائب ناظم ہوئے پورے بیس برس ہوگئے تھے، ریٹائر ہوئے مگر اسباق وہی رہے۔ البتہ سرکار کی طرف سے معمولی وظیفہ بھی ملتا تھا اور اب تنخواہ مدرسہ سے بھی جاری ہوگئی تھی۔ کاکا محمد عمر ثانی مرحوم نے تگ ودو کر کے حافظ عبدالواجد رحمانی اور مولانا کی معمولی تنخواہ عرب سے جاری کرادی تھی۔ مگر کچھ مدت بعد یہ سلسلہ بند ہوگیا۔

علالت:

۱۹۷۳ء میں دمہ کا عارضہ لاحق ہوا اور شدید دورہ رہا کئی کئی راتیں بیٹھ کر گزاریں مسلسل چوبیس گھنٹہ دورہ رہا کرتا، دو ڈھائی سال تک یہ حالت رہی۔ اس کے بعد اللہ کا فضل ہوا۔ ۱۹۷۹ء میں بار بار علالت کی بنا پر تدریسی خدمت سے سبکدوشی حاصل کرلی۔ آپ کی تدریسی مدت کل ۵۵ سال کی رہی۔ علالت کے دوران صرف دو کتابیں آپ کی ذمہ تھی ایک ابوداؤد، اور دوسری مشکاۃ یا بلوغ المرام تقریباً دس بارہ برس تک جامعہ دارالسلام جمعہ اور عیدین کے خطبے آپ نے ہی دیئے ہیں اور سری اور جہری نمازوں کی امامت بھی کی ہے۔

حسن معاملت:

آپ کا مطب ایک چھوٹا موٹا بینک بھی تھا جس میں طلبہ اپنی رقمیں رکھواتے، حساب کتاب صاحب آئینہ کی طرح نوٹ بک میں درج رہتا تھا، آپ کے حسن معاملت کی تعریف وہاں کے اساتذہ بھی کرتے تھے۔ نائب ناظم تھے مگر کبھی حاکم ہونے کا تاثر نہیں دیا بلکہ آپ کی مشغولیت، حرکات وسکنات اور رہن سہن سے جو نتیجہ نکلتا تھا وہ یہ کہ آپ حاکم نہیں خادم ہیں۔ مزاج میں ملنساری بھی تھی اور تمکنت بھی۔

امام ابن باز رحمہ اللہ سے ملاقات:

۱۹۶۶ء میں بانی جامعہ کے بڑے پوتے جناب کاکا رشید احمد کے ساتھ سفر حج کیا دونوں نے شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے ملاقات کی اور ان سے تحریری وعدہ لے آئے کہ جامعہ اسلامیہ ہر سال عمر آباد کے کم از کم ایک طالب علم کو ضرور داخلہ دیتا رہے گا۔ یہ بیرون ملک مولانا کا پہلا اور آخری سفر تھا۔ کاکا خاندان سے مولانا کو بڑی محبت تھی۔

تربیت کا انداز:

مولانا حافظ حفیظ الرحمن اعظمی عمری مدنی برادر مولانا عبدالسبحان اعظمی کہتے ہیں کہ جب میں نے جماعت سوم میں مدرسہ کی تعلیم چھوڑ کر راہ بدلنے کے بارے میں آپ سے گفتگو کی تو آپ نے ابتداء میں تو نرمی سے سمجھایا، چونکہ میں بات ماننے کے موڈ میں نہیں تھا اس لئے انکار کرتا رہا تو آپ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا، فہمائش کے الفاظ واسلوب بدل گئے، انداز وآواز میں فرق آگیا تو میں کانپ کر رہ گیا اور بادل نخواستہ مدرسہ کی تعلیم جاری رکھنے پر مجبور ہوگیا اور الحمدللہ آج مولانا حفیظ الرحمن صاحب کی شخصیت علم وفن میں اپنی مثال آپ ہے۔

اوصاف ومحاسن:

مولانا مئو سے عمر آباد آئے تو ۱۸ سال کے تھے اور یہیں کے ہو رہے۔ تقریباً ۶۲ برس یہاں گزر گئے لیکن بات چیت' لب ولہجہ' مقولوں کے استعمال' اشعار کے اہتمام اور صحت زبان کا خیال رکھنے میں ذرا فرق نہ آیا، تلفظ، محاورات اور ضرب الامثال کی اصلاح کے

لئے طلبہ آپ کا رخ کرتے۔ مولانا اخبار ورسائل بڑی پابندی سے پڑھتے تھے۔ عام معلومات کا دائرہ بڑا وسیع تھا اور حافظہ بڑا قوی۔ خط وکتابت میں بڑے مستعد تھے۔ جواب ضرور دیتے تھے۔ طلباء کی ہر ممکن اصلاح کرتے اور نرمی کے ساتھ، اصول صحت کے پابند، سرشام تفریح، اور چہل قدمی کے عادی، البتہ پان اور زردے کا اہتمام مدتوں رہا مگر بعد میں اسے مکمل ترک کر دیا۔ صحت بڑی اچھی تھی، بڑے متحرک اور مستعد تھے، مولانا بڑے زندہ دل انسان تھے۔ ہر چھوٹی بڑی تقریب میں پارٹی کو مستحب قرار دیتے تھے۔ (مثلاً کسی طالب علم نے اچھے نمبرات حاصل کر لیے، کوئی انعام پایا، کہیں اس کا مضمون چھپا) مولانا بڑے مہمان نواز، متواضع ہنس مکھ تھے۔ علم مستحضر تھا، حدیث ہو کہ علم کلام، منطق ہو کہ فلسفہ، سیرت ہو کہ تاریخ اور پڑھی ہوئی تمام باتیں خوب یاد تھیں۔ علم فرائض کے اصول، مسلمات اور مسائل انہیں ازبر تھے۔ مسلم شرح نووی کے گویا حافظ تھے۔ فرائض وسنن اور اذکار کے سخت پابند تھے۔ نماز کے اس قدر پابند کہ حضر میں جماعت شاید ہی چھوٹی ہو، اذان کے وقت ہی مسجد میں پہنچنے کا اہتمام کرتے اور پہلی صف میں بالکل امام کے پیچھے رہتے تھے۔

سراپا: چھریرا بدن، ہلکے پھلکے صاف ستھرے رہتے تھے، لباس وہی پاجامہ کرتا، کپڑے کی ٹوپی، ہاتھ میں عصا کے ساتھ دستی بھی، البتہ جمعہ اور عیدین کے موقع پر شیروانی زیب تن رہتی، صافہ بھی باندھ لیتے، کسی زمانے میں ترکی ٹوپی کا معمول تھا، مدتوں سے عینک کا استعمال تھا۔ ہمیشہ جوتا پہنتے تھے، صحت رہتی تو معاملات میں ذرا بھی فرق نہ آتا وہی چستی وہی حاضر دماغی۔

ازواج واولاد:

۱۹۲۸ء کے اواخر یا ۱۹۲۹ء کے اوائل میں مولانا کی شادی اپنے وطن ہی میں ہوئی۔ اللہ نے چھ بیٹے دیے اور ایک بیٹی، آپ نے اپنے تمام فرزندوں کو عالم دین بنایا۔ بیٹوں کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) مولانا خلیل الرحمن اعظمی عمری (۲) مولانا ضیاء الرحمن اعظمی عمری (۳) مولانا حافظ عبدالرحمن اعظمی عمری (۴) مولانا انیس الرحمن اعظمی عمری (۵) مولانا حافظ عبید الرحمن اعظمی عمری رحمہ اللہ (۶) مولانا محمد نعمان اعظمی عمری مدنی رحمہ اللہ۔

وفات:

جمعرات کا دن تھا ۲۷ دسمبر ۱۹۹۰ء کی صبح مولانا نے ناشتہ کیا، تھوڑی ہی دیر میں کھانسی کی تکلیف شروع ہوگئی، فوراً جامعہ ہسپتال پہنچے، بڑے فرزند مولانا خلیل الرحمن اعظمی عمری ناظم جامعہ کو کہلا بھیجا کہ جلدی آئیں۔ ابھی وہ آنے بھی نہ پائے تھے کہ مولانا نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اسی دن بعد نماز عشاء ایک جم غفیر نے نماز جنازہ ادا کی اور جسد خاکی کو آخری آرام گاہ میں رکھ دیا۔ عمر ۸۰ برس تھی نیکیوں سے معمور زندگی تھی۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(ماخوذ از مجلہ الاتحاد ممبئی رجنوری ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

شیخ الحدیث مولانا عظیم اللہ مئوی رحمہ اللہ

۱۹۱۲ء.....۱۹۹۳ء

مولانا محمد مستقیم سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لاساقی

بہت رنج وغم کے ساتھ یہ خبر قلم بند کی جاتی ہے کہ مورخہ ۶/اکتوبر ۱۹۹۳ء مطابق ۲۰/ربیع الآخر ۱۴۱۴ھ یوم چہارشنبہ کی رات میں استاذ محترم مولانا عظیم اللہ صاحب مئو (نور اللہ مرقدہ) رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے محمد عظیم اللہ بن حافظ احمد بن حافظ احمد اللہ بن حافظ عبدالرحمن، اس سلسلہ نسب میں پردادا تک ہر شخص حافظ قرآن ہے، اسی طرح آپ کی والدہ ماجدہ بھی حافظہ تھیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان کا رجحان علم دین کی جانب کس قدر تھا، اسی دینی ماحول میں مولانا مرحوم کی پرورش اور تربیت ہوئی، مرحوم ایک صاحب نظر اور باذوق عالم تھے، علمی مسائل کے ساتھ ساتھ حالات پر بھی آپ کی نظر تھی، شخصیات کے مزاج وافتاد سے خوب واقف تھے، پیش آمدہ معاملات میں فیصلہ کن اور صائب رائے دیتے تھے، آپ کا تدریسی ملکہ پختہ تھا، عبارس کو اس طرح حل فرمادیتے کہ مفہوم ومدعا بالکل واضح ہوجاتا تھا، تدریس کی زبان اور اسلوب بڑا شگفتہ ودل نشین تھا اس لئے طلبہ کبھی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے، درس کے دوران علمی لطائف بھی ذکر فرماتے تھے، مئو کی علمی ودینی تاریخ کے اہم واقعات بڑی دلچسپی سے بیان فرماتے تھے، اگر یہ باتیں قلم بند ہوگئی ہوتیں تو اس تاریخ کا ایک اہم حصہ محفوظ ہوجاتا۔ آپ علم وفضل کے سمندر تھے، سادگی، بے نفسی، شرافت اور خوش خلقی قابل رشک تھی۔

مشرقی یوپی کے معروف ومشہور قصبہ مئوناتھ بھنجن میں ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے، آپ نے تعلیم کی ابتداء مئوناتھ بھنجن میں مدرسہ فیض عام سے کی اور وہیں سے ۱۳۵۰ھ میں سند فراغت بھی حاصل کی، مدرسہ فیض عام مئو کے مشاہیر اساتذہ میں مولانا ابوالفیاض نور محمد بن محمد اسماعیل کوٹھا قاسم پورہ (شاگرد حضرت میاں نذیر حسین (۱۲۷۳۔۱۳۵۷ھ) مولانا احمد بن ملا حسام الدین (۱۲۹۰۔۱۳۶۷ھ) مولانا محمد احمد صاحب ناظم فیض عام مئو (۱۳۱۰۔۱۴۰۲ھ) عبداللہ صاحب شائق (۱۳۰۹۔۱۳۹۴ھ) اور مولانا عبدالرحمن صاحب نحوی مئوی (م ۱۳۸۳ھ) وغیرہ ہیں۔

۱۳۵۰ھ میں مدرسہ فیض عام مئو سے فارغ ہونے کے بعد آپ سہارنپور تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ مظاہر العلوم کے دورہ حدیث میں داخلہ لیا اور سندِ حدیث لینے کے بعد وطن واپس آئے، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے اساتذہ میں مولانا جمیل احمد، مولانا

ظہور الحق، مولانا محمد زکریا اور مولانا ظریف احمد صاحب قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد سے اخیر عمر تک آپ کا مشغلہ درس وتدریس ہی رہا، مختلف مدارس میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۶۸ء کو آپ بحیثیت شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ بنارس میں تشریف لائے، اور وہاں ایک سال سے زیادہ اس ادارہ کی خدمت کی، پھر صحت کی ناہمواری کی بنا پر ۲۰ رجمادی الآخر ۱۳۸۹ھ مطابق ۵ راگست ۱۹۶۹ء کو جامعہ سلفیہ سے مستعفی ہوکر اپنے وطن چلے گئے، اور جامعہ اثریہ مئوناتھ بھنجن میں مسند تدریس پر فائز ہوئے، چند سال اس جامعہ میں رہ کر جامعہ سراج العلوم بونڈیہار (گونڈہ) تشریف لے گئے، اور تقریباً دس سال تک وہاں درس وتدریس اور افتاء کے فرائض انجام دیتے رہے یہاں بھی صحت کی طرف سے کچھ الجھن شروع ہوئی تو مستعفی ہوکر گھر چلے آئے اور بقیہ وقت یہیں گذارا، کچھ دنوں تک صاحب فراش رہ کر اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔

کثرت مشاغل کی بنا پر تصانیف کی جانب آپ کی توجہ بہت کم رہی، پھر بھی آپ نے چند کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ کشف الظلام من روایۃ الاعلام (اردو، صفحات ۲۰۰، یہ کتاب مولانا حبیب الرحمن اعظمی کے رسالہ ''**الاعلام المرفوعۃ فی الطلقات المجموعۃ**'' کے رد میں ہے۔ مسئلہ مابہ النزاع طلاق ثلاثہ ہے،

۲۔ **برھان عظیم** (اردو) صفحات ۳۲، یہ کتاب نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے ثبوت میں ہے۔

۳۔ **العروۃ الوثقی** (اردو) یہ کتاب شرک وبدعت کی تردید میں ہے۔

۴۔ **نہج الصحابہ** (اردو) یہ کتاب صحابۂ کرام کے تمسک بالسنۃ اور ان کے طریقۂ استدلال پر مشتمل ہے۔

جامعہ سلفیہ کے ذمہ داران، اساتذہ اور طلبہ مولانا کی وفات پر اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اسے پر کرے۔!

اللھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ جنۃ الفردوس۔ آمین

(محدث بنارس ماہ نومبر ۱۹۹۳ء)

❑❑❑

مولانا عظیم اللہ مئوی رحمہ اللہ

۱۹۱۲ء.....۱۹۹۳ء

ڈاکٹر محمد اسلم مبارک پوری
جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس

شہر مئوناتھ بھنجن جو علم وادب کے حوالے سے محتاج تعارف نہیں ہے۔اس شہر میں فیض قدرت نے جن عظیم شخصیات کو وجود بخشا ہے ان میں مولانا ابوالوفا عظیم اللہ صاب کا اسم گرامی علمی حلقوں میں بڑے ادب واحترام سے لیا جاتا ہے۔آپ ایک علمی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں۔آپ کے سلسلہ نسب میں آپ کے علاوہ ہر کوئی حفظ قرآن کی سعادت سے سرفراز ہے۔آپ کی والدہ ماجدہ بھی حافظہ قرآن تھیں۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان کا رجحان علم دین کی طرف کس قدر تھا۔آپکا پورا سلسلہ نسب یہ ہے: عظیم اللہ بن حافظ احمد بن حافظ احمد اللہ بن حافظ عبدالرحمن مئوی۔

آپ نے ۱۳۳۱ھ۔۱۹۱۲ء میں اسی مخزن علم وفن میں آنکھیں کھولی۔دینی ماحول میں آپ کی تربیت ہوئی۔جب سن شعور کو پہنچے تو رسم ورواج کے مطابق الف، باء کی تعلیم وفارسی مولانا سلیم اللہ صاحب مئوی سے پڑھا۔باقاعدہ تعلیم کا آغاز ۱۳۳۸ھ میں مشرقی یوپی کی مشہور دانش گاہ جامعہ فیض عام مئو سے ہوا اور یہیں کے اجلہ اساتذہ علم وفن سے کسب فیض کر کے ۱۳۵۰ھ۔۱۹۳۸ء میں سند فراغت حاصل کی جو سند درس وتدریس کے ساتھ افتاء پر مشتمل تھی۔آپ کے اساتذہ میں مولانا ابوالفیاض نور محمد بن محمد بن اسماعیل کوٹھا، قاسم پورہ (متوفی ۱۳۵۷ھ) مولانا احمد بن ملا حسام الدین مئوی، صدر مدرس جامعہ فیض عام (متوفی ۱۳۶۷ھ) مولانا عبدالرحمن نحوی (۱۳۸۲ھ) مولانا عبداللہ شائق مئوی (متوفی ۱۳۹۴ھ۔۱۹۷۴ء) مولانا محمد احمد صاحب ناظم جامعہ فیض عام (۱۴۰۲ھ۔۱۹۸۲ء) رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اساطین علم ودانش مشہور ومعروف ہیں۔

جامعہ فیض عام مئو سے فراغت کے بعد علم کی جستجو اور طلب کشاں کشاں مظاہر العلوم سہارنپور لے گئی۔وہاں آپ نے مولانا محمد زکریا کاندہلوی سے درس حدیث لیا۔مولانا چونکہ اہلحدیث خانوادہ کے ایک فرد تھے اور پوری تعلیم پر اہل حدیثیت کا رنگ غالب تھا، جن کے یہاں حدیث کی تدریس وتشریح میں محدثین اور سلف صالحین کے منہج کی دھوم دھام ہے، اس لئے مولانا کاندہلوی سے علمی انداز میں خوب بحث ومناقشہ ہوتا۔مظاہر العلوم کے دیگر اساتذہ میں مولانا جمیل احمد، مولانا ظہور احمد، اور مولانا ظریف احمد۔رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد آپ نے تدریسی خدمات اپنی مادر علمی جامعہ فیض عام مئوناتھ بھنجن سے شروع کیا اور مختلف علوم وفنون کا درس

دیا۔ یہاں آپ سے کسب فیض کرنے والے طلبہ کی تعداد کافی ہے۔ جب فن حدیث میں تدریس درجہ کمال کو پہنچی تو شیخ الحدیث کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے، جامعہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن، جامعہ محمدیہ رائے درگ (آندھرا پردیش) دارالعلوم ششہنیاں (بستی) کے علاوہ مالدہ اور جنوبی ہند کے بعض مدارس میں بھی تدریسی خدمات انجام دی۔

جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم جو جماعت اہل حدیث کا مرکزی ادارہ ہے اور اپنی سمعت وشہرت میں یکتائے زمانہ ہے۔ اس دانش کدہ میں ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۶۸ء بروز شنبہ، آپ کو اراکین جامعہ کی طرف سے ''شیخ الحدیث'' کے منصب جلیل کے لئے دعوت دی گئی جسے آپ نے برضا ورغبت قبول کرتے ہوئے جماعتی غیرت وحمیت کا ثبوت دیا، جامعہ میں آپ نے الفوز الکبیر، قصب السکر اور صحیح مسلم کے علاوہ دیگر کتابوں کا درس دیا اور یہاں کی متنوع علمی سرگرمیوں اور مختلف دعوتی نشاطات میں شریک کار رہے۔ مولانا ابوعبیدہ عبدالمعید صاحب بنارسی رحمہاللہ کے بعد تدریسی میدان میں سب سے مقبول اور ہردل عزیز استاد تھے، لیکن صحت کی ناہمواری کی بنا پر ۲۰ جمادی الآخر ۱۳۸۹ھ مطابق ۵ اگست ۱۹۶۹ء کو مستعفی ہوکر عازم وطن ہونے اور جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئوناتھ بھنجن کی مسند تدریس کو چند سال تک زینت بخشی اور یہاں کی سرگرمیوں میں شریک وسہیم ہوئے۔ بعض اسباب کی بنا پر اس جامعہ کو بھی خیر باد کہہ کر وطن سے بہت دور مولانا محمد اقبال صاحب رحمانی رحمہ اللہ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ضلع گونڈہ میں لب دریا واقع ایک معروف اور مشہور دینی درس گاہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار تشریف لے گئے۔ یہاں دس سال کے طویل عرصہ تک درس وتدریس کے علاوہ، شیخ الحدیث، کے منصب جلیل پر فائز رہے۔ علاوہ ازیں شعبہ افتاء سے بھی منسلک رہے۔ اس طرح فتویٰ نویسی کو بھی اپنے معمولات ومصروفیات میں شامل کیا۔ یہاں بھی خرابی صحت آپ کی ہم جلیس رہی۔ اسی وجہ سے آپ نے درس وتدریس سے مستعفی ہوکر اپنے وطن مئوناتھ بھنجن کے لئے رخت سفر باندھا اور عمر عزیز کے بقیہ ایام اپنے مولد ومسکن اور اہل وعیال کے مابین گزار کر اور کچھ دنوں صاحب فراش رہ کر اپنی جان جانِ آفریں کے حوالہ کردی۔

آپ کا انتقال ۲۰ ربیع الآخر ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۳ء بروز چہارشنبہ ہوا۔ اس طرح علم وعمل کا یہ درخشاں ستارہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

آپ کا تدریسی میدان بہت وسیع ہے اور ایک طویل عرصہ پر مبنی ہے۔ آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے والے مستفیدین کی تعداد غیر محصور اور لامحدود ہے، جو ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک کے چپہ چپہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپ کے تلامذہ کی جو تفصیل ہمارے سامنے آئی ہے ان میں ڈاکٹر مولانا مقتدی حسن صاحب ازہری، حافظ محمد اسماعیل صاحب مئوی، مولانا صفی الرحمن صاحب مبارک پوری، مولانا نوراللہ صاحب سیونی، دکتور محفوظ الرحمن زین اللہ صاحب مدنی، ڈومریا گنج، مولانا شاہد جنید صاحب سلفی صدر جامعہ سلفیہ، بنارس، ادیب عصر مولانا ابوالقاسم صاحب فاروقی، مورخ جماعت مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی، مولانا عبیداللہ طیب صاحب مکی، ڈاکٹر عبدالعلی صاحب ازہری، ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب پریوائی، مولانا سہیل احمد صاحب مئوی، مولانا عزیز الرحمن صاحب سلفی اور مولانا عبدالوہاب صاحب حجازی جیسے جہابذہ علم وفن مشہور ہیں۔

درس وتدریس کے علاوہ آپ کو تصنیف وتالیف سے شغف رہا ہے تاہم تدریسی مشاغل کی وجہ سے اس طرف توجہ کم رہی، پھر بھی آپ نے اردو زبان میں مختلف علوم وفنون پر طبع آزمائی کی ہے آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں۔

۱۔ **کشف الظلام من روایۃ الاعلام:** یہ کتاب ایک دیوبندی عالم مولانا حبیب الرحمن اعظمی کے رسالہ ''**الاعلام المرفوعۃ فی الطلقات المجموعۃ**'' کا شافی وکافی جواب ہے۔ مسئلہ مابہ النزاع تطلیقات ثلاثہ ہے۔ دوسو صفحات پر مشتمل ایک تحقیقی تصنیف ہے۔ اس کے بعد حصے ''اخبار اہل حدیث'' دہلی میں چھپ چکے ہیں۔

۲۔ **العروۃ الوثقی:** یہ کتاب شرک وبدعت کی تردید میں لاجواب اور قابل دید ہے۔

۳۔ **نہج الصحابۃ:** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعتصام بالکتاب، تمسک بالسنۃ اور ان کے طریقہ استدلال میں بہترین اور قابل مطالعہ تصنیف ہے۔

۴۔ **برہان عظیم:** یہ کتاب ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے ثبوت میں ہے۔

مولانا ابوالقاسم صاحب فاروقی کا بیان ہے کہ ''مولانا ان اساتذہ میں تھے جن سے میں بہت زیادہ متاثر تھا۔ حقیقت میں مولانا کو تصنیف سے زیادہ تدریس میں ملکہ تھا۔ دو طرح کا ترجمہ کرتے تھے۔ ایک لفظی اور دوسرا مفہومی۔ لفظی ترجمہ بڑے سلیقے اور تیزی سے کرتے تھے اور ترجمہ کے بعد ان کے چہرے پر ہلکا تبسم اور مسکراہٹ ہوتی تھی۔

مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی آپ کی تدریسی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ماہنامہ محدث (نومبر ۱۹۹۳ء، ص: ۴۴) میں رقم طراز ہیں:۔

''مرحوم ایک صاحب نظر اور باذوق عالم تھے۔ علمی مسائل کے ساتھ ساتھ حالات پر بھی آپ کی نظر تھی۔ شخصیات کے مزاج وافتاد سے خوب واقف تھے۔ پیش آمدہ معاملات میں فیصلہ کن اور صاحب رائے دیتے تھے۔ آپ کا تدریسی ملکہ پختہ تھا۔ عبارت کو اس طرح حل فرمادیتے تھے کہ مفہوم ومدعا بالکل واضح ہوجاتا تھا۔ تدریس کی زبان اور اسلوب بڑا شگفتہ ودل نشین تھا،، اس لئے طلبہ کبھی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔ درس کے دوران علمی لطائف بھی ذکر فرماتے تھے۔ مئو کی علمی ودینی تاریخ کے اہم واقعات بڑی دل چسپی سے بیان فرماتے تھے۔ اگر یہ باتیں قلم بند ہوگئی ہوتی تو تاریخ کا ایک اہم حصہ محفوظ ہوجاتا۔ آپ علم وفضل کے سمندر تھے۔ سادگی، بے نفسی، شرافت اور خوش خلقی قابل رشک تھی''۔

[مرسلہ از مضمون نگار]

☆☆☆

آہ! حضرت شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ

۱۹۰۹ء۔۔۔۔۱۹۹۴ء

حافظ صلاح الدین یوسف

عمر ہا درکعبہ وبت می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

۶ جنوری ۱۹۹۴ء کے روزنامہ ''جنگ'' کے ایک کونے میں ایک کالمی مختصر خبر تھی کہ مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خبر انڈیا ریڈیو کے حوالے سے تھی، اس لئے الم ناک ہونے کے باوجود اسے ناقابل اعتبار قرار دینا مشکل ہے، ویسے بھی کئی سال سے حضرت مبارک پوری کی صحت ؎

جی کا جانا ٹھہر گیا ہے، صبح گیا یا شام گیا

کی آئینہ دار تھی۔ اس لئے ہندوستان سے کسی معتبر ذریعے سے خبر کے آنے کا انتظار کرنے کی بجائے مذکورہ خبر پر ہی یقین کرتے ہوئے ہم ''الاعتصام'' کے صفحات پر صف ماتم بچھانے پر مجبور ہیں۔

اخبار مذکورہ کے خبر نویس یا مدیر کو کیا خبر تھی کہ وہ جس شخصیت کے انتقال کی خبر کو ایک کالم کی دو سطروں میں شائع کر رہا ہے، عالم اسلام کی کیسی عظیم شخصیت تھی؟ اگر اس کو اس کی عظمت کا علم ہوتا تو وہ پورے صفحے کو بھی اس خبر کی المناکی ظاہر کرنے کے لئے ناکافی سمجھتا۔ لیکن المیہ تو یہی ہے کہ آج کے ہمارے صحافی امیتابھ بچن کو جانتے ہیں۔ لتا منگیشکر سے تو واقف ہیں، دلیپ کمار کی اداکاری سے تو آگاہ ہیں، لیکن پاک وہند کی وہ دینی وعلمی شخصیات، جن کی علمی تحقیقات سے پورا عالم اسلام فیضیاب ہو رہا ہے اور جن کی دینی خدمات کا دائرہ عجم سے لے کر عرب تک پھیلا ہوا ہے، ہمارا صحافی ان کی خدمات اور ان کی عظمت تو کجا، ان کے ناموں تک سے بھی واقف نہیں ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی جن کو مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ شق ہو رہا ہے، قلم کانپ رہا ہے اور دل ودماغ پر رعشہ ہے۔ ایک ایسی ہی عظیم شخصیت تھی جو برصغیر ہی کا سرمایۂ ملت نہ تھی بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے مایۂ افتخار تھی، جن کے فیض سے پاک وہند کے مسلمان ہی سیراب نہیں ہو رہے تھے، پورا عالم اسلام فیضیاب ہو رہا تھا۔ ان کی محراب علم میں عجم کے علماء ہی کی جبینیں نہیں جھکتی تھیں عالم عرب کی مقتدر شخصیات بھی ان کی بارگاہِ علم میں سربسجود رہتی تھیں وادریغا! علم وفضل کا سرچشمہ بند ہو گیا، تحقیق وتدقیق کا یہ آفتاب وماہتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا، افتاء وتدریس کی مسند اجڑ گئی، ادب وانشاء کا چمن بے رونق ہو گیا اور پاک وہند کی

جماعت اہل حدیث اپنے دور کے ابن حجر عسقلانی سے اور اپنے عظیم دینی قائد و رہنما سے محروم ہوگئی۔ حضرت شیخ الحدیث رحمانی رحمہ اللہ متعدد جہتوں سے نہایت ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔

اولاً: وہ اس مبارک پور کی سرزمین سے تعلق رکھتے تھے جس کے بطن سے متعدد نہایت سربرآوردہ شخصیتوں نے جنم لیا۔ مولانا عبدالرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب تحفۃ الاحوذی، مولانا عبدالسلام مبارکپوری رحمہ اللہ صاحب سیرۃ البخاری، مولانا عبدالصمد مبارک پوری رحمہ اللہ اور مولانا صفی الرحمن مبارکپوری حفظہ اللہ صاحب ''الرحیق المختوم'' وغیرہم جو آسمانِ علم وفضل کے درخشندہ ماہتاب ہیں۔ حضرت مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی خاندان کے نہ صرف چشم و چراغ تھے بلکہ اپنے خاندان کی علمی روایات کے امین اور حامل بھی تھے۔

۲: اس خانوادۂ علمی کے مذکورہ اکابر نے جو علمی نقوش اپنے پیچھے چھوڑے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے بھی اس روشن روایت کو قائم رکھا اور ''مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح'' جیسی عظیم محققانہ تالیف دنیائے علم وتحقیق کو دے گئے ہیں جس سے قیامت تک اہل علم وتحقیق مستفید ہوتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔

۳: وہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کی چند آخری یادگاروں میں ایک عظیم یادگار تھے۔ دارالحدیث رحمانیہ، جماعت اہل حدیث کا ایک نہایت معیاری دارالعلوم تھا جس نے علم وتحقیق، ادب وصحافت، دعوت وتبلیغ، امامت وخطابت اور درس وافتاء ہر شعبے کے لئے علماء وفضلاء کی ایک عظیم کھیپ تیار کی تھی۔ حضرت شیخ الحدیث اسی تاریخی درسگاہ کے نہ صرف فیض یافتگان میں نہایت ممتاز افراد میں سے ایک تھے بلکہ وہ اس کی مسند تدریس کو بھی رونق بخشتے رہے تا آنکہ ملک تقسیم ہوگیا۔ اور اس کے نتیجے میں یہ عظیم معیاری درس گاہ اجڑ گئی۔

۴: وہ مرجع عوام وخواص تھے۔ اہل علم تحقیق کے لئے، عوام استفتاء واستفسار کے لئے اور اہل جماعت ارشاد ورہنمائی کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس سرچشمۂ فیض سے سب ہی سیراب اور اس مسند ارشاد وتحقیق سے سب ہی فیض یاب ہو رہے تھے۔

۵: وہ سادگی وتواضع میں اور علم دین کی خدمت کے لئے ایثار وقربانی میں اسلاف کا بہترین نمونہ تھے۔

''مرعاۃ المفاتیح'' ایک یادگار علمی تالیف اور اسکا مختصر تعارف:

حضرت شیخ الحدیث کی تدریسی اور ملی وجماعتی خدمات کا دائرہ تو بہت وسیع ہے تاہم ان میں سب سے نمایاں ممتاز علمی وتصنیفی کارنامہ ''مرعاۃ المفاتیح'' کی تالیف ہے جس کی وجہ سے انہیں اقران واماثل میں ایک بلند پایہ مقام حاصل ہوا، اور ان کی علمی شہرت عرب ملکوں تک وسیع ہوگئی۔ یہ تصنیف، گو پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکی، تاہم جتنی بھی ہے اس سے بھی فاضل مولف کی علمی عظمت مسلمہ ہوگئی ہے۔ اسے دیکھ کر ہر صاحب علم یہی آرزو کرتا ہے کہ کاش یہ تالیف حضرت شیخ الحدیثؒ کے قلم تحقیق رقم سے تکمیل کو پہنچ جاتی تو ''فتح الباری'' ہی کی طرح ایک لاجواب شرح ہوتی۔

اس ''مرعاۃ المفاتیح'' کی تالیف میں حضرت الاستاذ بانی ادارہ دارالدعوۃ السلفیہ حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف — نور اللہ مرقدہ کی مساعی حسنہ کا بھی بڑا حصہ ہے اس لئے ہم اس فاضلانہ تصنیف کے پس منظر پر مختصر اُروشنی ڈالنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

جماعت کے اصحاب علم جانتے ہیں کہ حضرت الاستاذ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ نے سنن نسائی پر ''التعلیقات السلفیہ'' نام سے عربی میں مختصر حواشی تحریر فرمائے تھے، حضرت کی خواہش تھی کہ اسی طرح سلفی نہج میں صحاح کی دوسری کتابوں پر بھی حواشی تحریر کئے یا کرائے جائیں، مشکوۃ المصابیح بھی صحاح ستہ ہی کی احادیث کا مجموعہ ہے چونکہ اس میں دیگر کتب حدیث سے بھی بہت سی احادیث لی گئی ہیں۔ تاہم مدارس دینیہ میں متداول اور داخل نصاب ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت بھی مسلمہ ہے اس لئے حضرت مولانا مرحوم نے حضرت شیخ الحدیث سے مشکوۃ کا مختصر حاشیہ تحریر کروانے کا پروگرام بنایا جس میں ان کے ہم ذوق ساتھی حافظ محمد زکریا مرحوم بن میاں محمد باقر مرحوم (جھوک دادو) ان کے معاون تھے، بات یہ طے ہوئی کہ حضرت شیخ الحدیث کسی مدرسہ میں تدریس کی بجائے اپنا سارا وقت حاشیہ مشکوۃ تحریر فرمانے پر صرف فرمائیں گے اور معاشی کفالت کے لئے ماہوار مشاہرہ یا وظیفہ کا انتظام حضرت مولانا کی ذمہ داری ہوگی۔ یہ مالی تعاون حافظ محمد زکریا مرحوم کی طرف سے ہونا تھا اور واسطہ حضرت مولاناؒ تھے۔ چنانچہ یہ کام شروع کر دیا گیا۔ حافظ محمد زکریا مرحوم کی تو زندگی نے وفا نہ کی۔ اور کام کے آغاز میں ہی (اگست ۱۹۴۹ء میں) وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ تاہم ان کی ذمہ داری ان کے والد محترم میاں محمد باقر رحمہ اللہ (آف جھوک دادو تاندلیانوالہ) نے قبول فرمالی اور مالی معاونت فراہم کرتے رہے جو حضرت الاستاذؒ کسی نہ کسی طرح سے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کو ہندوستان پہنچاتے رہے۔ اس میں دیر سویر بھی ہو جاتی تھی جس سے حضرت شیخ الحدیث کو بڑی تکلیف ہوتی تھی کیونکہ کثرت عیال کے باوجود اس وظیفے کے علاوہ ان کا کوئی اور ذریعہ معاش نہیں تھا۔ تاہم حضرت شیخ الحدیث نے عسرت وتنگ دستی اور مالی مشکلات کے باوجود اس علمی کام کو جاری رکھا۔ ادھر حضرت الاستاذ بھی مالی معاونت کی مستقل فراہمی میں خاصی محنت ومشقت برداشت کرتے رہے جس کی تفصیلات شیخین (حضرت الاستاد اور حضرت شیخ الحدیث رحمہما اللہ تعالی) کے مکاتیب میں موجود ہیں۔

۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۵ء تک یہ سلسلہ اس طرح چلتا رہا ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کی وجہ سے مالی تعاون ناممکن ہو گیا، تو بونڈیہار (بھارت) کے مولانا محمد اقبال صاحب (رحمانی) رحمہ اللہ نے دست تعاون دراز فرمایا اور ان کے تعاون سے پھر یہ سلسلہ چلتا رہا تا آنکہ حضرت شیخ الحدیث کی صحت اس پر مشقت اور جانکاہ علمی کام کی متحمل نہ رہی۔ حضرت مرحوم کی خرابیٔ صحت، ضعف پیری اور دیگر بعض علل واسباب کی بناء پر یہ اہم کام تعطل کا شکار ہو گیا اور یہ اہم تالیف، جس نے نامکمل ہونے کے باوصف عرب وعجم کے علمی حلقوں میں خوب پذیرائی حاصل کی، تکمیل پذیر نہ ہو سکی اور کتاب المناسک پر پہنچ کر اس کا سلسلہ منقطع ہو گیا، کتاب المناسک تک اسے جامعہ سلفیہ بنارس نے ۹ جلدوں میں ٹائپ پر شائع کر دیا ہے۔ اس سے قبل بڑے سائز میں دستی کتاب کے ساتھ چند اجزاء میں یہ کتاب چھپی تھی، اس کا اول حصہ مکتبہ سلفیہ لاہور سے حضرت الاستاذ مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ کے زیر انتظام اور بقیہ حصے ہندوستان سے خود فاضل مولف حضرت شیخ الحدیث کے زیر اہتمام شائع ہوئے تھے۔

اس کام کا آغاز کرتے وقت لکھنے اور لکھانے والوں، دونوں کے ذہن میں ایک مختصر حاشیہ تھا، جو متداول نسخۂ مشکوۃ کے حاشیے پر طبع ہونا تھا۔ لیکن جب آغاز کیا گیا تو یہ حاشیہ ایک مفصل شرح میں تبدیل ہو گیا حضرت الاستاذؒ کے پاس جب اس کا پہلا حصہ بطور مسودہ آیا تو اگرچہ مسودہ پروگرام سے قطعاً مختلف تھا لیکن حضرت مولاناؒ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ مشکوۃ کی مفصل علمی شرح کا بھی خلا ہے جو صدیوں سے چلا آرہا ہے چلو اس فاضلانہ شرح سے یہ خلا بھی پُر ہو جائے گا۔ کیوں کہ مشکوۃ کی اب تک جتنی شروح دستیاب ہیں (مرقات وغیرہ) ایک تو وہ محدثین کے نقطۂ نظر سے خالی ہیں۔ دوسرے، کسی شرح میں احادیث کی تخریج وتحقیق کا اہتمام نہیں کیا

گیا۔ حضرت شیخ الحدیث کی اس شرح میں دونوں باتوں کا بطور خاص اہتمام ہے۔ حدیث کی تشریح وتفہیم اور جمع وتطبیق میں محدثین کے نقطہ نظر کو پوری تفصیل اور دلائل سے نہایت پرزور انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اور احادیث کی تخریج اور نقد وتحقیق کا کام بھی محدثانہ اصول کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ اور ان دوخوبیوں نے اسے مشکوۃ کی دوسری تمام شروحات پر ممتاز وفائق کردیا ہے۔ چنانچہ حضرت الاستاذؒ نے اسے قبول فرمالیا اور اسی نہج پر اس کی تکمیل کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ یوں یہ مجوزہ حاشیہ عمل کی دنیا میں ایک مفصل شرح بن گیا۔ کاش اب کوئی صاحب علم اسے اسی نہج پر مکمل کردے تو یقینا یہ ایک بہت بڑا علمی کارنامہ بھی ہوگا اور محدثین کے اس نقطہ نظر کی خدمت بھی، جس نے دین کو اس کی اپنی اصلی شکل میں محفوظ رکھا ہے۔ فجزاہم اللہ۔

بہرحال یہ علمی تالیف اب حضرت شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی کے نام کو اسی طرح زندہ رکھے گی جس طرح ''تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی'' سے مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کا نام اور ''عون المعبود شرح ابی داؤد'' اور ''غایۃ المقصود'' سے مولانا شمس الحق ڈیانویؒ کا نام زندہ ہے۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام با

اور اس صدقہ جاریہ میں ان شاء اللہ حضرت الاستاد مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، حافظ محمد زکریا، حضرت میاں محمد باقر، مولانا محمد اقبال بونڈیہار، رحمہم اللہ اجمعین اور دیگر معاونین بھی فاضل مولف کے ساتھ شریک ہوں گے۔

دعاء ہیکہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی کی جملہ دینی، علمی، تدریسی، اور تبلیغی وتصنیفی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کی بشری لغزشوں سے درگذر فرمائے، ان کے صاحب زادگان اور تمام اہل خاندان اور جماعت اہل حدیث ہند کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ صدمہ صرف ان کے خاندان ہی کا یا جماعت اہلحدیث ہند ہی کا نہیں ہے بلکہ پاکستان سمیت پورے عالم اسلام کی سلفی دنیا کا مشترکہ صدمہ ہے۔ وہ اپنے دور کی نہایت گراں مایہ علمی شخصیت تھے جس کے فیوض وبرکات کا دائرہ اقصائے عالم تک پھیلا ہوا ہے۔

ایتھا النفس اجملی جزعاً
فان ماتحذرین قدوقعا

(نوائے اسلام دہلی، جنوری ۱۹۹۴)

□□□

محدث عصر، فقیہ دہر، نمونۂ سلف

علامہ ابوالحسن عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ

۱۹۰۹ء.....۱۹۹۴ء

مولانا محمد حنیف مدنی رحمہ اللہ جامعہ سلفیہ بنارس

"کل نفس ذائقۃ الموت" کے ضابطے کے تحت ہر شخص کو موت کا جام نوش کرنا ہے لیکن کسی کی موت از حد باعث صدمہ ہوتی ہے کسی کی کم، کسی کی وفات سے زبردست خلاء محسوس ہوتا ہے اور کسی کی وفات سے ایسا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کی ذات جس قدر خوبیوں کی حامل ہوتی ہے اسی قدر اس کے انتقال پر نتیجہ بھی مرتب ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی ذات گرامی نوع بہ نوع فضائل اور گونا گوں کمالات کی حامل تھی بایں وجہ ان کی وفات سے ناقابل تلافی خلاء محسوس ہو رہا ہے اور پوری جماعت اہل حدیث (ہند) یتیم نظر آرہی ہے۔ آہ! اب ہم شیخ الحدیث کسے کہیں گے؟ فقہی مسائل کی موشگافی کے لئے اب کس کے پاس جائیں گے؟ آہ! علم حدیث کے غوامض ومشکلات میں اب کون رہنمائی کرے گا؟ آہ! علم نبوت کا یہ روشن آفتاب ہمیشہ کے لئے اب غروب ہوگیا۔ تغمدہ اللہ بغفرانہ واسکنہ بحبوحۃ جنانہ۔

نام ونسب وغیرہ:

آپ کا نام عبیداللہ، کنیت ابوالحسن، رحمانی مبارکپوری نسبتیں اور شیخ صاحب، شیخ الحدیث صاحب القاب ہیں سلسلۂ نسب یہ ہے ابوالحسن عبیداللہ بن العلامہ محمد عبدالسلام بن خان محمد بن امان اللہ بن حسام الدین۔

دارالحدیث رحمانیہ (دہلی) کے آپ فارغ التحصیل تھے اس لئے رحمانی کہے جاتے تھے، مبارکپوری وطن مالوف کے تعلق سے کہا جاتا تھا اور خدمت حدیث کے سبب "شیخ صاحب" یا "شیخ الحدیث صاحب، آپ کا لقب پڑ گیا تھا لوگ آپ کو ان ہی القاب سے یاد کرتے تھے۔

ولادت، تعلیم وتربیت:

آپ بماہ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ ۱۹۰۹ء بمقام مبارکپور (ضلع اعظم گڑھ، یوپی) پیدا ہوئے۔ آپ کی نشوونما اور تعلیم وتربیت اپنے والد ماجد کے زیر نگرانی ہوئی۔ آپ کے والد جلیل القدر عالم تھے ان کی زندگی درس وتدریس اور تالیف وتصنیف میں بسر ہوئی وہ جہاں

کہیں رہے آپ کو اپنے ساتھ رکھا۔ آپ نے اردو اور فارسی کی مروج کتابیں مدرسہ عالیہ مئو میں پڑھیں اور کافیہ، شرح جامی، شرح وقایہ، مشکوۃ المصابیح، سراجی، شرح تہذیب، قطبی، دیوان المتنبی اور اقلیدس اپنے والد صاحب سے پڑھیں جب کہ وہ مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار (ضلع گونڈہ، یوپی) میں مدرس تھے۔ بعدہ اپنے والد کے ساتھ عظیم درسگاہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی منتقل ہوئے اور وہیں اپنی تعلیم مکمل کی اور اسی مدرسہ میں تحصیل علم ہی کے دوران ۱۳۴۲ھ میں آپ کے والد اپنے زمانہ تعلیم وتدریس میں انتقال کر گئے، آپ بڑے ذہین وفطین تھے، دارالحدیث رحمانیہ میں ہمیشہ امتحان میں ممتاز درجہ کے ساتھ کامیاب ہوتے رہے اور ۱۳۴۵ھ میں اسی عظیم درسگاہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔

اساتذہ وشیوخ:

(۱) آپ کے والد علامہ عبدالسلامؒ صاحب سیرۃ البخاری (۲) علامہ احمد اللہ پرتاب گڑھی ثم دہلوی، انہوں نے آپ کو روایت کتب حدیث کی سند اجازہ عطا کی تھی (۳) علامہ غلام یحییٰ کانپوری (۴) علامہ حافظ عبدالرحمن نگرنہسوی (۵) علامہ ابوطاہر بہاری (۶) علامہ عبدالغفور جیراجپوری (۷) علامہ محمد اسحاق آروی (۸) علامہ عبدالوہاب آروی (۹) علامہ حافظ محمد گوندلوالی پنجابی (۱۰) علامہ محدث عبدالرحمن مبارکپوری صاحب ''تحفۃ الاحوذی'' انہوں نے آپ کو کتب حدیث کی روایت کی زبانی اجازت دی تھی۔

تلامذہ:

آپ کے بحر علوم سے بہت سے لوگوں نے فیض حاصل کئے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں (۱) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی املویؒ (۲) مولانا عبدالمعید بنارسی شیخ المعقولاتؒ (۳) مولانا عبدالجلیل رحمانی بستویؒ (۴) مولانا آفتاب احمد رحمانی راج شاہی یونیورسٹی (بنگلہ دیش) (۵) مولانا احمد اللہؒ رحمانی شیخ الحدیث (بنگلہ دیش) (۶) مولانا عبدالستار رحمانی مالدہیؒ (۷) مولانا محمد مسلم رحمانی مالدہی (۸) خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری (۹) مفسر القرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی بستوی۔

تدریسی خدمت اور تحفۃ الاحوذی شرح جامعہ الترمذی کی تکمیل میں معاونت

آپ کی ذکاوت اور امتحانات میں ہمیشہ ممتاز درجہ کے ساتھ کامیاب ہونے کی بنیاد پر شیخ عطاء الرحمن مہتمم دارالحدیث رحمانیہ نے فراغت کے بعد ہی آپ کو اس مدرسہ میں درس وتدریس کی خدمت پر مامور کر دیا۔ علامہ محدث عبدالرحمن مبارکپوری کی بنائی تحفۃ الاحوذی کی تکمیل سے پہلے ہی جاتی رہی لہذا ان کو ایسے عالم کی ضرورت دامن گیر ہوئی جس کو فنون حدیث سے خصوصی مناسبت ہو اور وہ اس شرح کی تکمیل میں ان کی خاطر خواہ اعانت کر سکے، علامہ مبارکپوری کی نظر انتخاب آپ پر پڑی چنانچہ شیخ عطاء الرحمن نے ان کی تجویز کے مطابق آپ کو ان کی خدمت میں بھیج دیا آپ دو سال تک ان کی خدمت میں رہے اور اس شرح کی آخری دو جلدوں کی تکمیل میں اچھے معاون ثابت ہوئے۔ ساتھ ساتھ آپ کے دو ساتھی مولانا عبدالصمد مبارکپوریؒ اور مولانا محمد لاہوریؒ بھی تھے۔ شرح مکمل

ہوجانے کے بعد شیخ عطاء الرحمن نے آپ کو عہدہ تدریس پر واپس بلالیا اور کتب حدیث خصوصاً جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، صحیحین اور موطا امام مالک کی تدریسی خدمت آپ کے سپرد کی اور ساتھ ساتھ فتوی نویسی کی خدمت بھی۔ آپ مسند درس وتدریس پر فائز رہے یہاں تک کہ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۱۳۶۶ھ میں ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہوگیا (۱) پاکستان (۲) ہندوستان اور اس مدرسہ کے تنہا مالک وسرپرست مولانا عبدالوہاب پسر شیخ عطاء الرحمن ہجرت کر کے کراچی (پاکستان) چلے گئے بنابریں مدرسہ بند ہوگیا اور آپ اپنے وطن مبارکپور چلے آئے۔

آپ ایک نکتہ داں اور دقیقہ رس مدرس تھے۔ مولانا ابویحیی نوشہروی تراجم علمائے حدیث ہند میں آپ کے متعلق رقم طراز ہیں ''مولوی عبیداللہ صاحب (مدرس دارالحدیث رحمانیہ دہلی) ہیں جن کے تفقہ فی الحدیث کا اس نوعمری میں یہ عالم ہے کہ جب درس حدیث پر بیٹھتے ہیں تو سند ومتن کے عقدے کھول کر رکھ دیتے ہیں یعنی کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھاتے ہیں اور فقاہت حدیث کے رازہائے سربستہ آشکارا کر جاتے ہیں''۔

علم وفضل:

آپ بڑے متبحر عالم تھے، دینی علوم میں مکمل دستگاہ رکھتے تھے لیکن تخصص آپ کا فن حدیث میں تھا جس کے مباحث کی چھان بین میں آپ کی ساری زندگی بسر ہوئی، فقہ واجتہاد میں بھی معلومات وسیع اور نظر گہری تھی، عبارت فہمی کا بڑا ملکہ تھا، مسائل کے استنباط میں بڑی دقت نظر سے کام لیتے تھے جو شخص آپ کے فتاوی اور مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح کا مطالعہ کرے گا اس پر ہماری ذکر کردہ باتیں عیاں ہوجائیں گی اور ثابت ہوجائے گا کہ آپ جلیل القدر محدث اور بلند پایہ فقیہ ومجتہد تھے۔

مرجعیت ومقبولیت:

اللہ نے آپ کو مرجع خلائق اور مقبول خاص وعام بنایا تھا چنانچہ لوگ کثرت سے دینی مسائل میں آپ کی جانب رجوع کرتے تھے آپ کتاب وسنت کی روشنی میں ان مسائل کو حل فرماتے جو حق بات ہوتی اسے بیان کردیتے اور اس بارے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے اسی طرح حدیث کی مشکلات وغوامض میں علماء وفضلاء آپ کی جانب رجوع کر کے رہنمائی کے طالب ہوتے، آپ سب کے ہردل عزیز تھے، ہر فرقہ ومذہب کے لوگ آپ کی عزت کیا کرتے تھے چنانچہ آپ کے جنازے میں اتنا بڑا مجمع تھا جس کا لوگ تصور بھی نہیں کرتے تھے، آپ کے بہت سے فتاوی ''محدث'' اور ''مصباح'' وغیرہ میں شائع ہوچکے ہیں۔

تقوی وتدین:

زہد وورع، تقوی وتدین، امانت ودیانت، للّٰہیت واخلاص اور تزکیہ نفس وتصفیہ باطن میں ممتاز تھے۔ بڑی پاکیزہ اور محتاط زندگی بسر کرتے تھے۔ دنیا سے صرف بقدر ضرورت تعلق رکھتے تھے اپنی تمام تر توجہ آخرت بنانے اور سنوارنے پر مرکوز رکھتے تھے۔ حلال

وحرام اور جائز وناجائز کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے از حد پابند تھے۔ مالی معاملات میں انتہائی محتاط اور لین دین میں بالکل کھرے تھے، اپنا حساب وکتاب بالکل پاک وصاف رکھتے تھے، بڑے متبع سنت تھے، سنت کا احیاء اور بدعت کا ابطال آپ کی زندگی کا مشن تھا، اپنے آپ کو سنت کے قالب میں اسطرح ڈھال رکھا تھا کہ ہر ایک نقل وحرکت سے اتباع سنت جھلکتا رہتا تھا۔ بلاشبہ آپ اس صدی میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔

اخلاق وعادات

آپ بڑے خوش خلق اور وسیع الظرف تھے، لوگوں سے خندہ پیشانی اور دل سے ملتے، جب کوئی آپ سے ملتا تو اسے اجنبیت کا ذرا بھی احساس نہ ہوتا۔ ہر آدمی آپ سے بے تکلفی سے ملتا اور وسعت قلبی کے ساتھ بات چیت کرتا۔ آپ سے ملنے کا کوئی وقت مقرر نہ تھا جو جس وقت چاہتا بلا تامل ملاقات کرتا۔ مہمانوں کی تعظیم وتکریم اور خاطر ومدارات میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ جب تک کوئی آپ کے پاس رہتا اور آپ کو بات چیت میں مشغول رکھتا آپ دلچسپی سے سنتے اور بالکل نہیں گھبراتے، اپنے آرام اور نیند کو مہمانوں کی خدمت کرنے میں قربان کر ڈالتے، دوسروں کی خدمت کرنے میں آپ کو بڑا لطف ملتا۔ خردوں سے بھی ایسے انداز سے پیش آتے کہ اس سے انہیں بڑی شرمندگی ہوتی۔

آپ بڑے صاف دل تھے۔ دل حسد، کینہ، بغض وعداوت سے پاک وصاف رہتا تھا، قول وفعل میں تضاد کا نام ونشان نہ تھا، بڑے متواضع اور منکسر المزاج تھے، عجز وانکساری طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، بڑے شریف اور متحمل مزاج تھے، شریفانہ برتاؤ عام شیوہ تھا، ناگوار خاطر حرکت سامنے آنے پر تحمل کر لینا فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔

اپنے مسلک میں پختگی کے باوجود دیگر مسلک کے لوگوں کو برا بھلا نہ کہتے بلکہ ان کے ذی علم اشخاص کے ادب واحترام کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، دینی حمیت کے باوجود ناراضگی اور جھنجھلاہٹ کا اظہار نہ کرتے بلکہ نہایت سنجیدگی اور نرمی سے صحیح اور حق بات کہہ دیتے، اخیر وقت تک اس اعتدال وتوازن کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

بڑے نظافت پسند تھے، لباس بڑا صاف ستھرا پہنتے، مکان کو بھی بہت صاف ستھرا رکھتے اور دیگر استعمال کی چیزیں بھی نہایت صاف ستھری ہوتی۔ بڑے نشیط تھے، بڑھاپے میں بھی سستی وتکاسلی کا نام ونشان نہ تھا۔ شرم وحیا کا یہ حال تھا کہ سخت گرمی اور خلوت میں بھی لباس ساتر زیب تن رہتا۔ نام ونمود اور خودنمائی وظاہرداری سے سخت نفرت تھی۔ اپنے کو نمایاں اور ممتاز کرنے کا شائبہ بھی نہ تھا مگر صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ اسلامی ملکوں کا ذی علم طبقہ آپ کے فضل وکمال کا معترف تھا۔

صبر واستقلال کے پہاڑ تھے، آلام ومصائب کو خندہ پیشانی سے انگیز کرتے اور زبان سے اف تک نہ کرتے۔ بڑے قانع تھے، حرص وطمع کا نام ونشان نہ تھا، اللہ کا دیا ہوا جو کچھ میسر آجاتا اسی پر راضی رہتے، اپنی عسرت اور پریشانی کسی کو محسوس نہیں ہونے دیتے۔ کفایت شعاری کا یہ حال تھا کہ بوقت شب روشنی کے لئے معمولی چراغ جلاتے اور جب کچھ لکھنا پڑھنا ہوتا تو بڑا لیمپ روشن کرتے۔

آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالرحمن صاحب کا بیان ہے کہ جب والد صاحب نے مرعاۃ المفاتیح لکھنے کا کام شروع کیا تو ایک سو پچاس روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کیا گیا لیکن آپ نے فرمایا کہ ایک سو پچیس روپیہ میں میرا کام چل جائے گا اور اتنا ہی لینا پسند کیا حالانکہ اس وقت گھر پر تنگی چل رہی تھی۔

مزاج سادہ تھا، کھانے پینے، رہنے سہنے اور لباس و پوشاک میں سادگی پسند کرتے تھے، تکلف و آرائش سے سخت نفرت تھی۔ اپنی ذمہ داریوں کو بڑے حسن وخوبی سے انجام دیتے تھے، خطوط کے جوابات ضرور بالضرور دیتے۔ محدثین کرام کی سیرت پاک کا صحیح نمونہ تھے، آپ کو دیکھتے ہی محدثین کرام کا زمانہ یاد آجاتا۔ الغرض آپ کی ذات گرامی سیرت وکردار میں ایک مثالی شخصیت تھی۔

عقیدہ وعمل

آپ عقیدہ وعملاً سلفی المسلک تھے بلکہ اس مسلک کے زبردست داعی تھے۔ پوری زندگی اسی مسلک کی ترویج واشاعت میں صرف ہوئی آپ کی مایہ ناز اور شہرہ آفاق تصنیف ''مرعاۃ المفاتیح'' اس حقیقت کا آئینہ دار ہے۔

زیارت حرمین شریفین

آپ کو چار مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی۔ (۱) بماہ رمضان ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء شیخ خلیل بن محمد بن حسین بن محسن انصاری کے ساتھ وفد کی شکل میں گئے۔ یہ وفد مدینہ منورہ کے مدرسہ دارالحدیث کے سلسلے میں شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں گیا تھا، وفد اپنے مقصد میں کامیاب ہوکر اسی سال اوائل ذیقعدہ میں واپس آیا۔ اس سفر میں آپ نے عمرہ رمضان کے آخر میں کیا پھر دوسرا عمرہ مدینہ منورہ سے لوٹتے ہوئے بماہ شوال ادا کیا۔ (۲) ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں آپ نے فریضہ حج ادا کیا۔ (۳) ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۳ء میں آپ نے حج بدل کیا۔ (۴) ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء میں آپ نے حج بدل کیا۔

جامعہ سلفیہ بنارس

آپ جامعہ سلفیہ بنارس کے بانیوں میں سے تھے اور یوم تاسیس سے لے کر اپنے آخری وقت تک اس کے صدر رہے، آپ نے اس ذمہ داری کو بڑے حسن وخوبی سے انجام دیا۔ آپ کی ذات سے متعلق جامعہ کو جیسی خدمت درکار ہوئی بڑے خلوص سے انجام دیا چنانچہ بوقت ضرورت اس کے تعاون کے سلسلے میں اندرون ملک سفر بھی کئے اور ہمیشہ نیک مشوروں سے نوازتے رہے اور آغاز قیام جامعہ میں ماہ بماہ حاضر ہوکر اس کی تعلیمی سرگرمیوں اور دیگر امور کا جائزہ لیتے رہے اور اساتذہ وطلبہ کو نصیحتوں سے نوازتے رہے، آپ کو جامعہ سے بڑی محبت تھی۔ آپ برابر اس کے بہی خواہ رہے۔

جمعیت اہل حدیث ہند

آپ جمعیت اہلحدیث ہند کے سرپرست تھے۔ جمعیت کو آپ پر فخر وناز تھا۔ جمعیت کے بڑے دردمند تھے اور اس کے اتار

چڑھاؤ سے کافی متاثر ہوتے تھے۔

تحریر وتصنیف:

درس وتدریس کے علاوہ تحریر وتصنیف کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے۔ اردو اور عربی دونوں زبانوں میں لکھتے تھے۔ آپ کی تحریریں سنجیدگی، متانت اور علمی وقار کا نمونہ ہوتی تھیں جو سلف صالحین کا مابہ الامتیاز وصف رہا ہے۔

تصنیفی کارنامے:

۱۔ رمضان المبارک کے فضائل واحکام (مطبوع، اردو) اس رسالہ کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔

۲۔ بیان الشرعة فی بیان محل اذان خطبة الجمعة (مطبوع، اردو) اس رسالہ میں جمعہ کی اذان کی جگہ متعین کی گئی ہے۔

۳۔ لائف انشورنس (بیمہ) کی شرعی حیثیت (مطبوع، اردو اس رسالہ کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔

۴۔ مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح (مطبوع، عربی)

یہ آپ کی شہرہ آفاق تصنیف ہے جو مشکاۃ المصابیح کی مبسوط، محققانہ اور بے نظیر شرح ہے علامہ بھوجیانی اس کے متعلق رقمطراز ہیں ''قدیم شروح کے مندرجات کو حاوی اور بفحوائے ''کم ترک الاول للآخر'' تحقیق میں دسویں گیارہویں صدی ہجری کا زمانہ یاد دلانے والی ہے'' (مقدمہ ناشر طبع اول ص ز) اس کے ہوتے ہوئے مرقاۃ ولمعات وغیرہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

اس کی تالیف کی ابتدا ۱۹۴۸ء مطابق ۱۳۶۷ھ میں حافظ محمد زکریا لائل پوری اور ان کے والد شیخ محمد باقر صاحبان کے حسب فرمائش ہوئی۔

افسوس کہ یہ شرح پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکی۔ اس کی نو جلدیں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر ادارۃ البحوث الاسلامیہ والدعوۃ والافتاء، جامعہ سلفیہ بنارس، سے شائع ہو چکی ہے اور دسویں جلد جو کتاب البیوع سے شروع ہوتی ہے اس کے ۱۸۰ صفحات چھپ چکے تھے اور آگے کا کام جاری تھا لیکن بعض اسباب کی وجہ سے کام رک گیا جس کا شارح علام کو تاحیات قلق رہا۔ اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل کی کوئی شکل پیدا کرے آمین۔

اس شرح کے بعض خصائص مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مشکاۃ شریف میں وارد اسمائے صحابہ وتابعین اور مصنفین وائمہ حدیث کے بقدر ضرورت تراجم پہلی جگہ میں ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

۲۔ حدیث کے ادبی اور بلاغی پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

۳۔ حدیثوں کی مکمل توضیح اور مفصل تشریح کی گئی ہے نیز جو حدیثیں فقہی اور کلامی مسائل پر مشتمل ہیں ان کے معانی میں سے جو معنی سلف صالحین کے نزدیک صحیح اور راجح ہے اسے ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔ اہل ہوی نے احادیث کو اپنے باطل مسلک کے مطابق ڈھالنے کے لئے جو واہی تاویلات کئے ہیں ان تاویلات کا تفصیل سے رد کیا گیا ہے۔

۵۔اہل تقلید نے فقہائے محدثین پر جو مطاعن وارد کئے ہیں ان کا بطریق احسن جواب دیا گیا ہے۔

۶۔اختلافی مسائل میں فقہاء کے دلائل ذکر کر کے شارحؒ کے نزدیک جو قول راجح ہے اس کا تعین کرتے ہوئے اس کی تائید احادیث وآثار سے کی گئی ہے اور مرجوح اقوال کے متعدد طریقوں سے جواب دیئے گئے ہیں۔

۷۔حل اشکالات اور دفع معارضات پر پوری توجہ دی گئی ہے۔

۸۔مشکوۃ شریف کی فصل اول اور ثالث میں بخاری ومسلم کی وارد حدیثوں کی تخریج کا التزام کیا گیا ہے اسی طرح فصل ثانی اور ثالث میں غیر صحیحین کی وارد حدیثوں کی تخریج کا بھی التزام کیا گیا ہے۔نیز جہاں مصنف نے حدیث ذکر کر کے بعد بیاض چھوڑ دیا ہے تو شارح علام نے اس کا استدراک کیا ہے۔

۹۔بخاری اور مسلم کے علاوہ کی حدیثوں کا تنقیدی جائزہ لے کر ان کا درجہ (صحت وضعف) بیان کیا گیا ہے۔

۱۰۔اگر مصنف سے الفاظ حدیث نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے تو اس کی تصحیح کی گئی ہے۔نیز اگر بخاری اور مسلم کی حدیثیں پہلی فصل کے بجائے دوسری فصل میں اور دیگر محدثین کی حدیثیں دوسری فصل کے بجائے پہلی فصل میں درج ہوگئی ہیں تو اس پر تنبیہ کی گئی ہے۔

۱۱۔اگر کسی حدیث کو مصنف نے مختصر نقل کیا ہے تو اس کو شارح علام نے مکمل نقل کیا ہے۔

۱۲۔مشکوۃ شریف کی حدیثوں کی دو ترقیم کی گئی ہے۔

(۱) مسلسل حدیثوں کی ترقیم تاکہ حدیثوں کا شمار صحیح طور پر ہو سکے نیز حدیثوں کا سلسلہ نمبر کے ساتھ شمار کرنا اس زمانہ میں کتب حدیث کی نشر کا بہتر طریقہ ہے۔

(۲) ہر باب کی حدیثوں کی علیحدہ ترقیم قوسین کے درمیان ()۔اس عمل کا فائدہ قاری اور باحث پر واضح ہے۔

۱۳۔چار طرح کی فہرست قائم کی گئی ہیں:

(۱)فهرس الأبواب والفصول

(۲)فهرس مطالب الكتاب

(۳)فهرس الأعلام

(۴)فهرس الأماكن

شیخ الحدیث صاحب سے راقم الحروف کے تعلقات

میں صغر سنی میں ۱۹۶۲ء میں جامعہ فیض عام مئو میں ادنی جماعت میں داخل ہوا، وہیں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کو دیکھنے اور ان سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔آپ وقتاً فوقتاً جامعہ میں تشریف لاتے اور مولانا عبدالمعید صاحب بنارسی کے پاس ٹھہرتے۔اپنی کم عمری اور علمی بے مائیگی کے باوجود مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک موقر اور صالح عالم دین ہیں خصوصاً بایں معنی

کہ اساتذہ اور طلبہ ان کا بیحد احترام کرتے تھے۔ میں ۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۹ء جامعہ میں طالب علم کی حیثیت سے رہا اس اثناء میں میرا آپ سے صرف ایک عمومی تعلق رہا لیکن جب دسمبر ۱۹۷۰ء میں جامعہ میں تدریسی خدمت پر مامور ہوا تو اس وقت سے یہ عمومی تعلق آہستہ آہستہ خصوصی تعلق میں تبدیل ہونے لگا اور آخری مرحلہ میں استاذ و شاگرد کے جیسا ہو گیا جو اخیر وقت تک برقرار رہا۔ اس سلسلے کی کچھ باتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ میں ۱۹۶۶ء میں جناب عبدالسبحان صاحب مئوی کے پاس مشکوۃ شریف جلد دوم پڑھ رہا تھا اس وقت مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح خریدنے کا شوق پیدا ہوا لہٰذا دوسری اور تیسری جلد (طبع حجری) استاذ گرامی جناب قاری صاحب کے توسط سے میں نے خرید لی (واضح ہو کہ جناب قاری صاحب کے تعلقات حضرت شیخ صاحب سے بڑے اچھے تھے) لیکن پہلی جلد چونکہ پاکستان میں چھپی تھی اور اس وقت ہندوستان آسانی سے نہیں آسکتی تھی اس لئے جب ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مئو تشریف لائے تھے تو میں نے استاذ محترم جناب قاری صاحب سے کہا کہ پہلی جلد کے لئے میری جانب سے آپ حضرت شیخ صاحبؒ سے گزارش کردیں اور قیمت اسی وقت جمع کردیں جب انہوں نے اس کی بابت بات چیت کی تو حضرت شیخ صاحبؒ نے روپیہ نہیں لیا اور مجھ سے (واضح ہو کہ بات چیت کے وقت میں بھی ساتھ تھا) کہا کہ ابھی روپیہ رکھو جب کتاب آجائے گی تو مل جائے گی چنانچہ جب کتاب پاکستان سے آئی تو حضرت شیخ صاحبؒ نے خود ہی بغیر یاددہانی بھیج دی۔

۲۔ ۱۹۷۵ء میں جب میں نے ابتداء مضمون لکھنا شروع کیا تو اس کا کچھ حصہ شیخ صاحب کو سنایا آپ نے بغور سنا اور مضمون نگاری کے کچھ اصول بتائے۔

۳۔ جب مرعاۃ المفاتیح کی ابتدائی دو جلدیں اول مرتبہ جامعہ سلفیہ بنارس میں طبع ہوئیں تو پہلی جلد کی مطبعی غلطیاں نوٹ کر کے حضرت شیخ صاحبؒ کو میں نے دیا آپؒ نے ان کا جائزہ لینے کے بعد بعض مقامات کے متعلق میری رہنمائی فرمائی۔

۴۔ آپ سے باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کی سعادت حاصل نہیں ہو سکی لیکن عمومی استفادہ کا شرف ضرور حاصل ہوا مثلاً مسائل کی معلومات حاصل کرنا یا کوئی دقیق عبارت پیش کر کے اس کے مطلب کے متعلق اطمینان حاصل کرنا۔

۵۔ ۱۹۷۸ء میں ایک مرتبہ آپؒ نے مجھے حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کے حالات متعدد مصادر میں تلاش کرنے کو کہا جس کی میں نے تعمیل کی تو آپؒ نے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

۶۔ میں نے ۱۹۷۷ء میں جب مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کیلئے کوشش شروع کی تو آپؒ سے توصیہ کا طالب ہوا لیکن کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ اسوقت توصیہ نہیں لکھتے تھے بہر حال میں نے اپنی کوشش جاری رکھی بفضلہٖ تعالیٰ داخلہ ہو گیا اور منظوری کا لیٹر بھی آیا لیکن بدقسمتی سے ویزہ اور ٹکٹ نہیں آسکا جس کی وجہ سے اس وقت میں نہیں جاسکا پھر دوسرے سال کوشش جاری رکھی کامیابی نہیں ہوئی، اسی طرح مسلسل تین سال گزر گئے پھر چوتھے سال وہاں جانا نصیب ہوا۔ تو جس زمانے میں میرا معاملہ معلق تھا اسی زمانے میں میرے دوست شیخ احمد مجتبیٰ سلفی جو اس وقت مدینہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اور میرے داخلے کیلئے کوشاں تھے انہوں نے مجھے لکھا

کہ جناب شیخ صاحب مبارکپوری اور جناب ڈاکٹر مقتدی حسن صاحب ازہری وکیل الجامعۃ السلفیہ بنارس سے توصیہ لے کر بھیجو اس مرتبہ جب میں نے خط دیکھا یا اور صورت حال بیان کیا تو آپ نے آسانی سے مجھے توصیہ دے دیا۔

۷۔ جامعہ فیض عام میں تدریسی خدمت کے دوران حضرت شیخ صاحب کے ساتھ مجھے مراسلت کی نوبت شاذ و نادر ہی آئی کیونکہ وقتاً فوقتاً میں مبارکپور چلا جایا کرتا تھا اور وقتاً فوقتاً آپ بھی مئو آیا جایا کرتے تھے اس لئے ملاقات کا شرف حاصل ہو جایا کرتا تھا۔ [مرتب] اور جامعہ سلفیہ کی زندگی میں بھی مراسلت کی نوبت شاذ و نادر ہی پڑی کیونکہ وقتاً فوقتاً میں حضرت شیخ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر لقا کی سعادت حاصل کر لیا کرتا تھا۔ البتہ جب مدینہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے میں گیا اور چار سال وہاں گزار کر پھر مکہ آیا اور دو سال یہاں تعلیم حاصل کرنے میں گزارا تو اس مکی اور مدنی زندگی میں برابر طرفین سے مراسلت کا سلسلہ جاری رہا۔

۸۔ شیخ صاحب نے مجھے روایت کتب حدیث کی سند اجازہ بتاریخ ۱۵/ ۱۲/ ۱۴۰۸ھ مطابق ۳۰/ ۷/ ۱۹۸۸ء عطا فرمائی۔ اسی طرح آپ نے مجھے مدکی سند بتاریخ ۱۴/ ۱۱/ ۱۴۱۳ھ مطابق ۷/ ۷/ ۱۹۹۸ء عطا فرمائی۔

حلیہ:

رنگ سفید، قد میانہ، بدن دبلا پتلا، چہرہ نورانی و بارونق، پیشانی کشادہ، ناک و آنکھ موزوں، داڑھی متوسط اور بال سفید۔

وفات:

بتاریخ ۲۲/ رجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۵/ جنوری ۱۹۹۴ء بروز چہارشنبہ بوقت صبح ۵ بج کر ۵۵ منٹ پر بعمر ۸۷ سال آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس طرح نہ صرف جماعت اہل حدیث بلکہ سنت نبوی سے اشتغال رکھنے والا مبارک گروہ ایک مثالی جامع کمالات شخصیت سے محروم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ صاحب کا نعم البدل پیدا فرمائے اور مرحوم کی لغزشوں سے درگزر فرما کر ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔ آمین۔

اہل وعیال:

زوجہ: شیخ صاحب کی ایک ہی شادی ہوئی تھی، اہلیہ کا نام حکیمہ خاتون ہے جو بقید حیات ہیں۔

لڑکے: تین لڑکے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے جن کے نام بالترتیب یہ تھے (۱) محی الدین (۲) فضل حق (۳) عبداللہ، اور تین بقید حیات ہیں جن کے نام بالترتیب مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) فضل الباری: ان کی تعلیم مختصر ہوئی ہے کسی درس گاہ سے فارغ نہیں ہیں۔

(۲) عبدالرحمن: جامعہ رحمانیہ بنارس کے فارغ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (کلیۃ الشریعہ) کے خریج ہیں اور فی الحال مدرسہ عربیہ دارالتعلیم مبارکپور میں مدرس ہیں اور مدرسہ مذکورہ کی نظامت کے ساتھ ساتھ جامعۃ المعارف الاسلامیہ مبارکپور کے بھی ناظم ہیں۔

(۳) (حافظ) عبدالعزیز: جامعہ سلفیہ بنارس کے فارغ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (کلیۃ الشریعہ) کے متخرج ہیں اور ماجستر

(ایم اے) اور دکتورہ (پی ایچ ڈی) جامعہ ام القری مکہ مکرمہ سے کئے ہیں، فی الحال کلیۃ فاطمۃ الزہرا مئو ناتھ بھنجن میں تدریسی خدمت انجام دیتے ہیں۔

لڑکیاں: ایک لڑکی بقید حیات ہے جن کا نام ریحانہ خاتون ہے اور تین لڑکیاں شیخ صاحبؒ کی زندگی ہی میں فوت ہوگئیں جن کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ (۱) حسینہ خاتون: بچپن ہی میں وفات پاگئیں۔ (۲) صفیہ خاتون: تقریبا ۳۰ یا ۳۵ سال کی عمر میں انتقال کرگئیں ان کے بطن سے تین لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ (۳) عائشہ خاتون: بچپن ہی میں وفات پاگئیں۔

فضل الباری کی اولاد: لڑکی: نام رضیہ خاتون ہے یہی ایک لڑکی ہیں۔ لڑکے: (۱) نعیم الرحمن (۲) مطیع الرحمن (۳) ڈاکٹر منصور الرحمن (۴) حافظ سہیل احمد (۵) صبیح اختر (۶) ڈاکٹر تقی الدین۔ ان لڑکوں میں سے کوئی بھی دینی علوم میں فارغ التحصیل نہیں ہے۔

عبدالرحمن کی اولاد: لڑکے: (۱) زہیر: جامعہ اسلامہ مدینہ منورہ (کلیۃ الحدیث) کے متخرج ہیں اور المہد العالی لاعداد الائمۃ والدعاۃ مکۃ مکرمۃ سے ماجستر (ایم اے) کئے ہیں، فی الحال مدرسہ خدیجۃ الکبری جھنڈا نگر (نیپال) میں تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ (۲) ازہر: جامعہ سلفیہ بنارس کے فارغ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (کلیۃ الحدیث) کے خریج ہیں۔ (۳) اجمل: جامعہ سلفیہ بنارس کے خریج ہیں اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (کلیۃ الحدیث) سے بھی فراغت حاصل کرچکے ہیں۔

لڑکیاں: (۱) رزینہ خاتون (۲) امیمہ خاتون (۳) ثمامہ خاتون (۴) عطیہ خاتون: یہ کلیہ فاطمۃ الزہرہ مئو سے فارغ التحصیل ہیں۔

حافظ عبدالعزیز کی اولاد: ایک ہی لڑکا ہے جس کا نام فواز ہے یہ حافظ قرآن ہے اور عربی کی تیسری جماعت میں مدرسہ دارالتعلیم مبارکپور میں تعلیم حاصل کررہا ہے، (اور یہ اب فارغ التحصیل ہونے کے ساتھ پی ایچ ڈی ہوچکے ہیں، عزیز قدر فواز کو اللہ جزائے خیر دے کہ انہوں نے شیخ صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ کو جمع وترتیب دے کر فتاویٰ شیخ الحدیث کے نام سے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے چھپوانے کا شرف حاصل کیا ہے) لڑکی بھی ایک ہی ہے جس کا نام صفیہ خاتون ہے یہ کلیہ فاطمۃ الزہراء مئو میں تعلیم حاصل کررہی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس خاندان کو سرسبز وشاداب رکھے اور علمی ودینی خدمات کا سلسلہ اس میں برقرار رکھے آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

مراجع: (۱) مقدمہ ''مرعاۃ المفاتیح'' ص ۹۔ ۱۲
(۲) شخصی استفسارات
(۳) ذاتی معلومات

ماخوذ از: محدث بنارس شیخ الحدیث نمبر جنوری فروری ۱۹۹۷ء

❑❑❑

شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ

حیات وخدمات پر ایک سرسری نظر

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی
امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

ولادت ونشوونما:

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی ولادت ۱۳۲۷ھ کو قصبہ مبارکپور میں ہوئی۔ جو ضلع اعظم گڑھ کا معروف ومردم خیز قصبہ ہے۔ یہاں بڑے بڑے اساطین علم وفن پیدا ہوئے۔ حق تو یہ ہے کہ ؎

جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیز تاباں ہوتا ہے

آپ ایک علمی خانوادہ کے چراغ تھے آپ کے والد ماجد مولانا عبدالسلام مشہور عالم دین اور شان محدثیت سے متصف شخصیت کے مالک تھے۔ اور آپ کی کتاب سیرت البخاری حیات وخدمات واعتراضات ومحاسن بخاری پر اتھارٹی کی حیثیت رکھتی ہے، اسی ماحول میں آپ کی نشوونما ہوئی۔ چونکہ آپ کے والد ماجد مئو کے معروف علمی وتعلیمی درسگاہ جامعہ عالیہ کے مسند درس پر جلوہ افروز تھے اس لئے آپ نے اسی علمی گہوارے کو اپنا مسکن تعلیم بنایا اور ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی۔

بعدہ علوم عربیہ کی تکمیل جامعہ سراج العلوم بونڈیہار جو جماعت اہل حدیث کی عظیم تعلیمی ودعوتی وعلمی مرکز رہا ہے میں کرنے کی ٹھانی اور وہاں متداول علوم شرعیہ وآلیہ کے اہم اسباق اور دروس حاصل کئے چونکہ آپ کے والد ماجد وہاں سے آپ کے دوران تعلیم مدرسی سے استعفیٰ دے کر مرکز علم وفن اور تربیت کدۂ ہند کی عظیم الشان درسگاہ جہاں کا ہر ذرہ ماہتاب وآفتاب ہوا کرتا تھا میں مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے اس لئے آپ بھی والد ماجد کے ہمراہ دہلی دارالحدیث رحمانیہ آگئے اور چمنستان علم وعرفان کے موسم بہار سے شادکام ہوئے۔ اور اس مرکز تعلیم وتربیت اور تزکیہ واصلاح میں اپنے آپ کو ڈھال کر کندن بنایا۔ اس لئے جونہی تعلیمی مرحلے کی تکمیل ہوئی آپ کو اس مثالی عالمی وعلمی وتعلیمی وتربیتی مرکز کا معلم بنا دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ مدرسہ کے بانی ومنتظم مردم شناش تھے اور اس کے ساتھ قدردان بھی اور قدردانی تھی کہ آپ دارالحدیث رحمانیہ مرحوم کے آخری ایام بقاء وقیام تک اس کے مدرس رہے۔ قدردانی یہ بھی تھی کہ جیسے ہی علامہ زماں محدث دوراں مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی شارح جامع ترمذی نے آنکھ میں شکایت کی بابت لکھا تو معاونت کے لئے شیخ عطاء الرحمن نے آپ کو مبارک پور روانہ فرمادیا اور تحفہ کی تکمیل کے بعد پھر دہلی بلالیا اور اس مدت مدید میں سابقہ تنخواہ جاری رکھی۔ آگے کے احوال محقق جماعت استاذ گرامی مولانا محمد مستقیم سلفی صاحب سے سنئے: اخیر عمر میں جب مولانا

عبدالرحمن مبارکپوری نابینا ہوگئے تو آپ کو ایک ایسے لائق عالم کی ضرورت پڑی جو علم حدیث میں خاص مناسبت اور کامل ذوق رکھتا ہو اور آپ کو تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی جیسے اہم کام کی تکمیل میں خاطر خواہ مدد بہم پہنچا سکے۔ مولانا محدث مبارکپوری کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور شیخ عطاء الرحمن مہتمم مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ سے فرمائش کی۔ شیخ عطاء الرحمن صاحب مرحوم اس علمی کام کی اہمیت کو خوب سمجھتے تھے اس لئے خوشی سے قبول کرلیا اور اپنے خرچ پر مولانا صاحب کو روانہ کردیا۔ چنانچہ آپ مولانا عبدالرحمن محدث صاحب کی خدمت میں دو سال رہ کر اپنے رفیق کار مولانا عبدالصمد مبارکپوری اور مولانا محمد صاحب لاہوری پنجابی کے تعاون سے،، تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی،، کی تیسری اور چوتھی جلد کی تکمیل فرمائی۔ مولانا محدث مبارکپوری کی دو سالہ خاص رہنمائی کے باعث آپ کے اندر تصنیف وتالیف کا خاص ملکہ پیدا ہوگیا۔

تحفۃ الاحوذی کی تیسری اور چوتھی جلد کے مکمل ہوجانے کے بعد آپ دوبارہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کو جامع ترمذی، سنن ابی داود، بخاری شریف، موطا امام مالک کی تدریس اور ساتھ ہی افتاء کا کام تفویض کیا گیا۔ (محدث بنارس جنوری فروری ۱۹۹۷ء۔ص:۳۰۵)

اٹھارسال تک دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں نہایت اخلاص، محنت وجانفشانی سے علوم خصوصا علم حدیث کے موتی لٹانے کے بعد آپ نے متعدد اداروں، شخصیات اور انجمنوں اور تنظیموں کی سرپرستی فرمائی اور اسی دوران مشہور زمانہ شرح مرعاۃ المفاتیح کی تالیف و شرح کا بے مثال کارنامہ انجام دیا۔

مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس کے قیام کے وقت سے ہی اس کی سرپرستی فرمائی اور تاعمر اس کے صدر رہے اسی طرح جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کی سرپرستی کی ذمہ داری مدتوں تک نبھائی اور ماہنامہ محدث دہلی کے مدیر اور مولانا عبدالحلیم ناظم کی وفات کے بعد آپ اور آپ کے استاذ محدث املوی نے اس کو اور حیثیتوں سے بھی آگے بڑھایا۔ خصوصا فتاویٰ کے باب کے اضافہ نے آپ کو فتویٰ نویسی اور منصب افتاء کے درجہ اعلیٰ پر فائز کردیا۔ آپ کی تدریسی خدمات کے ضمن میں آپ کے اساتذہ وتلامذہ کی ایک فہرست آپ کے ماہر استاذ ہونے پر شاہد عدل ہے۔

مشہور اساتذہ کرام

مدرسہ مئو عالیہ کے علاوہ جن سے آپ نے کسب فیض کیا وہ مولانا غلام یحییٰ کانپوری، مولانا حافظ عبدالرحمن نگرنہسوی، مولانا ابوطاہر بہاری، مولانا عبدالغفور جیراجپوری، مولانا اسحق کرولی، مولانا عبدالوہاب آروی، مولانا محمد گوندلوی، مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری وغیرہم ہیں۔

مشہور تلامذہ کرام

مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری، مولانا عبدالمعید صاحب بنارسی، مولانا زین اللہ طیب پوری، مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا

محمد اقبال رحمانی، مولانا محمد عاقل رحمانی، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، مولانا عبدالرحیم رحمانی بستوی، مولانا محمد زماں رحمانی، مولانا عبدالسلام بستوی، مولانا عبدالغفار حسن پاکستان، مولانا محمد خلیل رحمانی، مولانا حکیم عبیداللہ رحمانی (کشمیری)، مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی مئوی، مولانا محمد عابد رحمانی، مولانا احمد اللہ رحمانی دلال پوری بنگال، مولانا عبدالقیوم رحمانی صاحب دودھو نیا بستی، مولانا محمد یوسف رحمانی بہرائچی، مولانا محمد مسلم رحمانی مالدہی بنگال، مولانا عبدالستار رحمانی مالدہی بنگال وغیرہم جن میں اکثر وفات پا چکے ہیں۔

اوصاف وخصائل اور اخلاق

نمونۂ سلف، برصغیر کے محدث یگانہ، صدق وصفا کا پیکر عظیم اور مجسم تواضع وانکساری، اخلاق کریمہ، مناقب کثیرہ، خصائل حمیدہ اور علوم وفنون کے ماہر، رمز شناس حدیث مصطفوی اور علوم معانی اور بلاغت وزبان اور اردو عربی کے باکمال مصنف شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ بن عبدالسلام الرحمانی جو عصر حاضر کے عدیم النظیر شخصیت تھی، جسے سب مانتے تھے، ان کا عظیم علمی کارنامہ اور حدیث نبوی کے ساتھ ان کی طویل زندگی کی نیک صحبتیں اور اس کی برکتیں ہمارے درمیان کل کے مقابلے میں آج زیادہ آن بان اور شان اور اہمیت کے ساتھ موجود ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت سے قوی امید ہے کہ اس کے بہتر ثمرات اور کثیر برکات شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے ساتھ ان کی قبر اور آخرت میں شامل حال ہوں گے۔ **اللھم اغفر لہ وارحمہ واعفہ ووسع مدخلہ واشکر سعیہ فی خدمۃ سنۃ سید المرسلین واجعلہ لہ ذخرا واجرا وفرطا فی ثراہ واخراہ۔**

شیخ الحدیث رحمہ اللہ وقت کے عظیم ترین محدث تھے، ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اسلاف وقدیم محدثین کرام کے اوصاف حمیدہ سے متصف تھے، بجا طور پر بقیۃ السلف کا خطاب جو ان کی زندگی میں ان کے لئے مروج تھا کے مستحق تھے اور اب آپ کی وفات کے بعد نمونہ سلف کی یادگار ہستی دنیا کے نظروں سے اوجھل ہوگئی ہے جس پر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے ؎

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

یقینا آپ کے یہاں بیعت وسلاسل کا بدعی رواج نہ تھا، جو دیگر بعض علماء کے یہاں عوام وخاص پر رعب داب کو برقرار رکھنے کے لئے رائج ہے مگر آپ کی شخصیت ہر خاص وعام میں مقبول تھی اور آپ کی سادہ زندگی کے باوجود ایک جم غفیر کے دلوں میں عظمت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، متبعین کتاب وسنت تو آپ کے شیدائی تھے ہی، آپ کے علم وتقویٰ اور زہد وورع کے قائل دیگر مقلدین ومتصوفین بھی تھے اگر آپ بیعت وپیری ومریدی کے سخت مخالف نہ ہوتے اور اپنی شخصیت کے سلسلے میں ادنیٰ سی توقیر وتعظیم کو روا رکھنے دیتے تو لوگ بہت کثرت سے مرید ہوتے، جس کی ایک جھلک آپ کے جنازے کے ساتھ امڈتے ہوئے لوگوں کے سیلاب کی شکل میں نظر آئی۔

الغرض آپ ہر طرح کے خصائل حمیدہ اور اخلاق حسنہ سے متصف تھے ہر وہ شخص خواہ عالم ہو یا عوام آپ کی ایک ہی ملاقات اور صحبت سے اتنا متاثر ہوتا کہ ہمیشہ آپ کے اخلاق کریمانہ کا معترف اور گرویدہ ہوجاتا، اس مختصر مقالہ میں اپنی ذاتی تاثرات کی گنجائش نہیں تاہم خوردوں پر بھی آپ کی نوازش اور دلدہی وتشجیع وحوصلہ افزائی برابر رہی چنانچہ راقم کی علمی بے مائیگی

اور کم سنی کے باوجود آپ نے متعدد مقالات وگفتگو واستفادہ کے بعد ادنی خواہش پر سند روایت حدیث اور مدنبوی کا نمونہ مع سند اجازہ عطا فرمادیا جو آپ کی ذرہ نوازی پر دال ہے۔

علمی کارنامہ کی ایک جھلک:

اسی طرح شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی علمی ودینی خدمات اور فقہ وفتاوی اور رسائل وجرائد میں مطبوع ان کے تحقیقی اور دینی نگارشات کا تعارف ایک مکمل کتاب کا متقاضی ہے، اور یہ سطور جس میں مجموعہ فتاوی ومقالات لکھے جارہے ہیں وہ آپ کے فتاوی ومقالات کا ادنی حصہ ہے ورنہ کئی جلدوں میں آپ کے فتاوی موجود ہیں۔ جب آپ کی زندگی کے حالات وواقعات اور دعوت وتدریس، اور خطابت اور علمی خطوط نیز ملک وبیرون ملک کے علمی ودینی اسفار، مشائخ وتلامذہ اور عام مستفیدین ان میں سے ہر ایک موضوع مستقل مضمون اور علیحدہ دراسہ وتحقیق اور تالیف کا سزاوار ہے۔ اس وقت میں آپ کی مشہور زمانہ کتاب مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح جو اپنی نوعیت کی منفرد ومبسوط شرح ہے کا سرسری تعارف اور بعض خصوصیات پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں لیکن قبل اس کے کہ شرح سے متعلق کچھ عرض کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشکوۃ المصابیح کا مختصر تعارف کراتا چلوں۔

مشکوۃ المصابیح:

کتاب مشکوۃ المصابیح کی احادیث کئی ماہر علماء ومحدثین کے جمع واختیار وترتیب وتصنیف کا بہترین ثمرہ ہے، مشکوۃ المصابیح محدث جلیل ولی الدین عبداللہ بن عبداللہ الخطیب التبریزی کی تالیف ہے بلکہ المصابیح للبغوی کی تکمیل وتذییل ہے۔ آپ آٹھویں صدی ہجری کے علماء محدثین میں سے ایک صاحب علم وفضل اور متقی وصالح بزرگ ہیں جیسا کہ آپ کے بعض مشائخ نے اس کی گواہی دی ہے اور خود آپ کی یہ شاہکار کتاب آپ کے علمی وسعت اور فضل وکمال کا منہ بولتی تصویر ہے، اسی طرح آپ کی دوسری کتاب،، الاکمال فی اسماء الرجال،، بھی آپ کی علمی صلاحیت پر دال ہے، مشکوۃ المصابیح احادیث نبویہ کا ایک جامع وعظیم ذخیرہ ہے جس کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سلیقے اور ڈھنگ سے فقہی ترتیب پر جمع کر رکھا ہے علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ مصنف نے تمام اہم احادیث کو فقہی ابواب پر اس طرح جمع کر دیا ہے کہ ائمہ فن بھی آخرت کی سرخ روئی حاصل کرنے کے لئے اس سے مستغنی نہیں ہو سکتے اس میں احادیث کی جمع وترتیب کچھ اس خوبی سے عمل میں آئی ہے کہ بعض احادیث بعض کی شرح وتفسیر بن گئی ہے، مصابیح کے سلسلہ میں بعض علماء نے فرمایا کہ،، اجمع کتاب فی بابہ،، یعنی یہ مجموعۂ حدیث اس باب میں سب سے جامع کتاب ہے جس کا ذکر خود مصنف نے بھی کیا ہے اور ہر اس عالم کو اس کا ادراک ہے جنہوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور کون ہے جو اس سے مستغنی ہے، مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ہر باب کو تین فصلوں میں تقسیم کر کے پہلی فصل میں موضوع سے متعلق صحیحین کی احادیث ذکر کیا ہے، دوسری فصل میں دیگر ائمہ حدیث کی کتابوں سے احادیث نقل کی جب کہ تیسری فصل میں باب سے متعلق صحیحین ودیگر مصادر حدیث نبوی سے حدیث نقل فرمایا ہے اور اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصنف نے بہت حد تک احادیث پر حکم لگایا ہے، اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر ہی اس

کے روز تالیف سے ہی علماء و مصنفین وشارحین اور طالبان علوم حدیث نے غیر معمولی اشتغال واہتمام کیا ہے، اس کے مشہور شارحین میں سرفہرست علامہ حسن بن محمد الطیبی متوفی ۷۴۳ھ ہیں، آپ کی شرح ''الکاشف عن حقائق السنن'' کے نام سے مشہور ہے، واضح ہو کہ آپ محدث تبریزی رحمہ اللہ کے شیخ اور استاذ بھی ہیں اسی طرح اس کی شرح میں علامہ عبدالعزیز بن محمد بن عبدالعزیز ابہری متوفی ۸۹۵ھ نے منہاج المشکاۃ کے نام سے کر رکھی ہے اور مشکوۃ المصابیح کے مشہور شارحین میں علامہ ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ بھی ہے جنہوں نے مرقاۃ المفاتیح کے نام سے اس کی شرح کی ہے، اس کتاب کی جامعیت اور افادیت ہی ہے کہ ہر دور میں علماء اس سے استفادہ کرتے رہے ہیں خاص طور سے برصغیر کے تقریباً تمام مدارس اسلامیہ میں یہ کتاب داخل نصاب ہے اور دنیائے اسلام کے سب سے عظیم محدث علامہ ناصر الدین البانیؒ نے اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ اس کتاب کو شائع فرمایا ہے جو عوام وخواص میں مقبولیت وافادیت پر دال ہے، اس کتاب کی افادیت وجامعیت کے باوجود اس کی کوئی جامع شرح نہ تھی جو اس کتاب کے شایان شان ہو لہذا شیخ الحدیث علیہ الرحمہ اور ان کے رفقاء وہم عصر علماء نے اس عظیم ذمہ داری کو محسوس کیا، آپ نے اس کی شرح کی عظیم ذمہ داری اپنے سر لی اور مرعاۃ المفاتیح کے نام سے ایک موسوعہ تیار کر دیا، یہ شرح اپنی گوناگوں خصوصیات وامتیازات وتحقیقات عالیہ سے مزین ہونے کی وجہ سے مقبول عام ہے اس عجالہ میں اس عظیم شرح کی چند خصوصیات ثبت قرطاس کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، جو درج ذیل ہے:

(۱) اس شرح کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے شارح سلفی العقیدہ اور مذہباً اہل حدیث ہیں، حدیث رسول کے معانی ومفاہیم بیان کرنے میں منہج سلف کے مطابق ان کی فہم کی روشنی میں شرح فرماتے ہیں اور محبت رسول میں پورے طور پر غرق ہو کر اس جوامع کلم پاک کے بحر ذخار میں غواصی کر کے لعل وگہر نکالتے ہیں، چونکہ آپ کسی شخص خاص کے مقلد محض نہیں ہیں اس لئے احادیث کے معنی بیان کرنے میں اس کی پاسداری کا دم نہیں بھرتے، جیسا کہ اکثر مقلدین شراح حدیث کا وطیرہ رہا ہے خاص طور پر ہندوستانی شراح مقلدین کا کہ اپنے ذہن میں پہلے سے چند معانی ومفاہیم کو جاگزیں کئے ہوتے ہیں، اور پھر اسی کی روشنی میں قول رسول کو ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اپنے اصول وقواعد اور مذہب کو ثابت کرنے کے لئے شرح حدیث کے نام پر اس کی دور از کار تاویلات کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں جب کہ علامہ رشید رضا مصری نے ایک موقعہ سے حیرت واستعجاب کا اظہار فرمایا۔ بلکہ شرح حدیث کے نام پر دراصل اپنے مذہب کی تائید اور تقلیدی مذہب کی خدمت ہی مقصود ہوتی ہیں، جب کہ اہل حدیث شارحین حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کی شرح شریعت کے اغراض ومقاصد کی روشنی میں کلام رسول کے اندر کھو کر اور محبت رسول میں ڈوب کر سلف صالح کے فہم وادراک کے مطابق فقہی جمود سے خالی الذہن ہو کر کرتے ہیں اور یہی واضح فرق ہے۔ اہل حدیث شروح حدیث اور تقلید کی پاسداری میں لکھی گئی شروحات کے درمیان، کیوں کہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص کسی خاص رائے کا پابند ہوتے ہوئے احادیث رسول کا معنی ومفہوم اور شرح بیان کرنے میں اپنے مذہب ورائے کی پاسداری نہ کرے **الا من رحمہ اللہ وقلیل ماھم۔**

(۲) مصنف، فصل اول میں بخاری ومسلم کی طرف عزو حدیث کرنے پر اکتفا کرتے ہیں شیخ صاحب ان کے علاوہ جن محدثین نے

حدیث کی روایت کی ہے ان مراجع کا ذکر کرتے ہیں اور اصل الفاظ حدیث کس مصدر کے ہیں کی تعیین کرتے ہیں، نیز مصنف کے الفاظ کا مقابلہ کر کے اصل کی الفاظ کی تعیین فرماتے ہیں مثلا: اخرجه البخاری فی التوحید باللفظ الذی ذکره المصنف الا ان فیه ,, سمعه ,, بصیغة الماضی مکان قوله ,, یسمعه ,, واخرجه ایضا فی الادب , واخرجه مسلم فی باب الکفار من کتاب صفة القیامة واخرجه النسائی فی النعوت۔ (مرعاۃ المفاتیح ۱/۸۸)

(۳) اسماء ومشکل الفاظ کو ضبط کرتے ہیں مثلا وعن معاذ کنت ردف النبی ﷺ کی شرح فرماتے ہیں معاذ بضم المیم پھر اس کا جامع تعارف پیش کرتے ہیں پھر (ردف) کی تشریح کرتے ہیں، الردف بکسر الراء وسکون الدال، الردیف الراکب خلف الراکب بانه الخ، (مرعاۃ المفاتیح ۱/۸۸)

(۴) فصل ثانی کی احادیث کی تخریج مصنف نے کی ہے کتاب میں اصل جگہ کی تعیین فرماتے ہیں، مثلا حدیث هل یکب الناس فی النار علی وجوههم او علی مناخرهم رواه احمد۔ شیخ الحدیث صاحب جلد اور صفحہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں: (ج،۵/ ۷۳)(والترمذی) فی الایمان (وابن ماجه) فی الفتن۔ (مرعاۃ المفاتیح ۱/۱۰۱)

شیخ صاحب محدثین کے مطلق تضعیف حدیث کرنیکے اسباب وعلل بھی بیان فرماتے ہیں، چناچہ صاحب مشکوۃ نے صرف رواہ الترمذی کہا ہے جس پر شیخ صاحب نے جگہ کی تعیین کے بعد کہا ہے کہ وقال الترمذی ہذا حدیث منکر۔ شیخ صاحب اس کی توجیہ یوں فرماتے ہیں، ویمکن ان یقال ان الترمذی اراد بقوله منکر انه غریب من حدیث معاذ بن انس فقد تفرد بروایته عنه ابنه سهل فهو غریب من جهة هذا الطریق (مرعاۃ المفاتیح، ۱/۱۰۷)

پھر مصنف رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ منکر کی تعریف کی روشنی میں اس حدیث میں نکارت کیوں کر ہے۔

(۶) شیخ صاحب بظاہر مشکوۃ کی شرح لکھ رہے ہیں مگر آپ کے مطالعہ کی وسعت اور فن پر عبور کا عالم یہ ہے کہ متعلقہ کتب احادیث ورجال کے متعدد ومختلف نسخوں پر آپ کی گہری نظر ہے اور آپ ان کے مختلف روایات ونسخوں کے درمیان تطبیق وتوجیہ اور تصحیح کی قدرت کاملہ رکھتے ہیں چناچہ فرماتے ہیں رواہ الترمذی وقال هذا حدیث منکر پھر اس کی توجیہ کے بعد فرماتے ہیں، ووقع فی بعض نسخ الترمذی حدیث حسن بدل قوله ,, منکرا ,, الخ (مرعاۃ المفاتیح ۱/۱۰۲)

(۷) جن روایت کو ذکر فرماتے ہیں ان کی علت وقدح اور صحت وسقم کو بھی بیان فرماتے ہیں، حدیث "من مات ولم یشرک بالله شیئا دخل الجنة رواه مسلم کے بعد فرماتے ہیں کہ واخرجه احمد ج ۳/ ۳۹۷، ۳۷۴، ۳۴۵ واخرجه الطبرانی فی الکبیر نحوه عن عمارة بن رویبة وفیه محمد بن ابان وهو ضعیف: (مرعاۃ المفاتیح ۱/۱۰۷)

(۸) مصنف کے سہو پر تنبیہ: شیخ الحدیث رحمہ اللہ امام بخاری کی تعلیقات کے سلسلے میں گراں قدر اصول بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں، جو ان کی دقت نظر اور الفاظ کے صحیح مدلولات پر عمیق نظر پر غماز ہے وقول المصنف رواه البخاری "سهو منه" فانه لم یروه البخاری فی صحیحه لا فی ترجمة باب ولا فی غیرها بل ذکره معلقا ولا یقال فی مثل هذا رواه بل یقال ذکره (مرعاۃ المفاتیح ۱/۱۰۷) مصنف نے فرمایا "رواه احمد" شیخ صاحب فرماتے ہیں "کلا بل رواه ابنه

عبداللہ فی زوائد مسندہ"(مرعاۃ المفاتیح ۱/۱۱۵)

(۹) تعلیقات: امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے جن احادیث کو معلقاً ذکر کیا ہے اور مصنف رحمہ اللہ نے اس کو یونہی بیان کر دیا ہے آپ اس کی وضاحت فرماتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ وصلہ فلان و فلان و فلان۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ امام بخاری کی قدیم وجدید مخالفین نے جہاں بہت سی باتوں کو بنیاد بنا کر ان پر اعتراض کیا ہے اور اطفاء بخاری کی کوشش کی ہے اس میں سے ان کا ایک اہم حربہ ان کوتاہ بینوں نے ان کی تعلیقات کو بھی بنایا ہے اسی حافظ دوراں امام ابن حجر نے تغلیق التعلیق کے نام سے ایک ضخیم کتاب جو چھ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے تصنیف کی ہے اور اکثر معلقات کو موصول و متصل سندوں سے ثابت کیا ہے، چنانچہ شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں و اثر وھب ھذا ذکرہ البخاری فی اول کتاب الجنائز تعلیقا و وصلہ فی التاریخ الکبیر و ابو نعیم فی الحلیۃ (مرعاۃ المفاتیح ۱/۱۱۵)

اس سے ہر منصف مزاج کو تشفی ہو جاتی ہے اور مخالف جو امام بخاری کو بے سند بات کہنے والا کہہ کر ان کی صحیح عظمت کو بٹہ لگانا چاہتے ہیں منہ کی کھانی پڑتی ہے، ہمارے شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے بھی مشکوۃ پڑھنے والوں کے لئے ان مسائل کو آسان فرما دیا ہے اور عصر حاضر کے مخالفین بخاری جو اس میں طرح طرح کے نقص نکالتے ہیں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ:

؎ افواہ سے ممکن نہیں اطفاء بخاری

(۱۰) حکم علی الحدیث: حدیث پر صحت وضعف کا حکم لگاتے ہیں مثلاً اذا حاک فی نفسک شیء فدعہ رواہ احمد شیخ مسند احمد میں اس کے مخارج ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ و فی سندہ یحیی بن ابی بکر و ھو مدلس (مرعاۃ المفاتیح ۱/۱۱۷)

(۱۱) شیخ صاحب کا ایک کمال یہ ہے کہ وہ اطناب و ایجاز پر قدرت کاملہ رکھتے ہیں کہ کئی کئی صفحات میں جن رواۃ پر جرح و تعدیلاً بحث کی گئی ہے اس کا ماحصل ایک چھوٹے فقرے میں اس طرح بیان فرما دیتے ہیں کہ جس سے فن کے ماہرین کو کما حقہ علم ہو جائے اور ان تمام بظاہر متضارب اقوال میں قول راجح معلوم ہو جائے جو ہر شارح کے بس کی بات نہیں ہے، چنانچہ شہر بن حوشب کے سلسلہ میں ناقدین حدیث اور ائمہ جرح و تعدیل نے جتنے جرح و تعدیلاً کلام کئے ہیں اور امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں جس طرح ان اقوال کی چھان بین کی ہے ان سب کا خلاصہ شیخ صاحب ایک لفظ میں بیان فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو: و اخرجہ ایضا الطبرانی فی الکبیر و فی اسنادھما شھر بن حوشب، و قد وثق علی ضعف فیہ (مرعاۃ المفاتیح ۱/۱۱۹)

فن جرح و تعدیل کا علم رکھنے والوں پر اس کلام کی دقت و گہرائی اور جامعیت مخفی نہیں، گویا شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے، اور ایک مشکل و مختلف فیہ مسئلہ کا ذکر کرنے کے ساتھ قول راجح کی طرف اشارہ بھی فرما دیا ہے۔

(۱۲) شیخ صاحب نے علم جرح و تعدیل اور مناہج المحدثین جیسی کوئی تصنیف نہیں چھوڑی مگر آپ کی یہ کتاب اس کا عظیم شاہکار ہے اور اس فن میں آپ کے کمال کا منہ بولتی تصویر۔ آپ کہیں پر اس سے متعلق بحث شروع کرتے ہیں تو اسکے تمام پہلوؤں اور اس سلسلہ کے عام اشکالات کو اس طرح واضح فرما دیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی فن پر آپ نے داد تحقیق دینے کے لئے یہ تصنیف کی ہے۔

چناچہ امام ابوداود کے مسکوت علیہ احادیث پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور بہتوں نے ان کے قول ''وماسکت عنہ او مالم اقل فیہ بشئی فھو صالح،، سے دھوکہ کھایا ہے مگر شیخ علیہ الرحمہ اس مسئلہ کو اتنا آشکارا کردیتے ہیں کہ پھر فریب خوردگی اور شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی چناچہ تفصیل کے لئے مرعاۃ المفاتیح ج ۱/ ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

اس شرح کی عظیم خوبی یہ ہے کہ یہ قدیم وجدید علماء ومحدثین سے استفادہ کرنے میں ممتاز ہے چنانچہ آپ اپنے معاصرین سے بھی استفادہ کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے، علامہ زماں محدث عصر امام البانی جن کی حدیث شریف میں خدمات کا لوہا دنیا مانتی ہے (قطع نظر اس کے کہ مقلدین وجماعت کوثری کو اپنے جمود کے بالمقابل ان کی تحقیق سے عداوت ہے) ان سے استفادہ کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں، قال الالبانی، سندہ ضعیف، محمود بن عبدالرحمن بن عمرو بن الجموح ترجمہ ابن حجر فی التعجیل بما یتلخص منہ انہ لا یعرف۔ (مرعاۃ المفاتیح ۱/ ۱۱۹)

(۱۴) شیخ صاحب حدیث کی شرح کے ساتھ اس سے مستنبط مسائل بھی بتاتے ہیں اور ساتھ ہی ان بدعات وخیالات کی تردید بھی کرتے ہیں جو بعض مسلمانوں کے یہاں مروج ہوگئے ہیں یا کسی حدیث کو سمجھنے میں ان کو غلط فہمی ہوگئی ہے، حدیث ''فانہ الآن یسئل'' ذکر کرکے فرماتے ہیں ''وفی الحدیث دلیل علی مشروعیۃ الاستغفار للمیت عند الفراغ من دفنہ وسوال التثبت لہ وان دعاء الاحیاء ینفع الاموات، ولیس فیہ دلالۃ علی التلقین عند الدفن کما ھو المعتاد عند الشافعیۃ'' ولیس فیہ حدیث مرفوع صحیح (مرعاۃ المفاتیح ۱/ ۲۳۰)

(۱۵) شیخ الحدیث علیہ الرحمہ تتبع الفاظ حدیث میں استقراء تام سے کام لیتے ہیں اور حقیقت ہے کہ شارح حدیث کے لئے ضروری ہے کہ حدیث کی تخریج اور اس کے الفاظ کے تتبع وجستجو میں ہر ممکن کوشش صرف کرے تاکہ تمام الفاظ کو اکٹھا کرکے مسائل کا صحیح مقام متعین کرسکے اور اس کی روشنی میں واضح اور بابصیرت فیصلہ صادر کرسکے، شیخ الحدیث علیہ الرحمہ اس معاملے میں بڑی کدوکاوش اور دقت نظر اور تتبع بلیغ سے کام لیتے ہیں مثلاً حدیث ''واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی'' کی تخریج وتتبع الفاظ کے بعد فرماتے ہیں، واما ما ذکرہ الرافعی واشتھر علی الالسنۃ بلفظ ''النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی'' لم اجدہ مع الاستقراء التام والتتبع البالغ واللہ اعلم۔: (مرعاۃ المفاتیح)

(۱۶) استدراک علی المؤلف: مصنف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: سنذکرہ ..... حدثنی معاویۃ وجابر: لا یزال من أمتی، ولا یزال طائفۃ من امتی، فی باب ثواب ھذہ الأمۃ ان شاء اللہ۔

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ''لکنہ لم یف بما وعدہ فلم یذکر ھناک حدیث جابر'' (مرعاۃ المفاتیح ۱/ ۲۵۶)

(۱۷) اس شرح کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ شارح علیہ الرحمہ مختلف فیہ مسائل میں ائمہ وفقہاء کے اقوال وادلہ کا ذکر فرمانے کے بعد احادیث وآثار صحابہ وائمہ کی روشنی میں بڑے وثوق مگر مدلل طور پر فرماتے ہیں کہ والراجح عندی کذا، آپ مقلد نہیں ہیں اور نہ کسی شخص خاص کی رائے کے پابند ہیں بلکہ منہج سلف کے موافق دلیل کی روشنی میں اپنی رائے ظاہر فرمادیتے ہیں، چنانچہ مشتے نمونہ از خروارے ملاحظہ کیجئے فرماتے ہیں: ''والراجح عندی ما ذھب الیہ احمد لحدیث المقدام وغیرہ مما یدل علی وجوب

الضیافة وهو مخصص لحدیث حرمة الأموال الابطیبة الأنفس۔(مرعاۃ المفاتیح ۱/۱۶۱)

(۱۸) احادیث میں وارد مدن واماکن کی تعریف وتحدید بھی بیان فرماتے ہیں (الحجاز) هو اسم مکة والمدینة وماحوالیهامن البلاد وسمیت حجاز لأنها حجزت أی منعت وفصلت بین بلادی نجد والغور۔(مرعاۃ المفاتیح ۱/۶۵)

(۱۹) بسا اوقات مؤلف رحمہ اللہ نے حدیث کی نسبت بعض متاخر کتابوں کی طرف کی ہے حالانکہ وہ حدیث بعض عالی السند و مقدم کتب میں موجود ہے مثلاً مصنف نے بعض احادیث کی تخریج شعب الایمان للبیہقی سے کی ہے شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے بتایا ہے کہ یہ حدیث مسند احمد میں موجود ہے۔

(۲۰) مصنف رحمہ اللہ نے کبھی یوں بھی کیا ہے کہ ایک ہی حدیث کی تخریج دو کتابوں سے کی ہے اور بتایا ہے کہ مذکورہ لفظ اس میں اول مخرج کی ہے حالانکہ واقع میں وہ الفاظ دوسری کتاب کے ہیں جیسا کہ شیخ الحدیثؒ نے تصریح کی ہے کبھی کبھی مصنف کئی مخارج کی طرف عزو کرتے ہیں اور نہیں بتاتے کہ الفاظ کس کے ہیں شارحؒ اس کی تعیین فرماتے ہیں۔(مرعاۃ المفاتیح ۱/۸۸)

(۲۱) مصنف نے کبھی ایسا بھی کیا ہے کہ تخریج حدیث متعدد کتب سے ذکر کرنے کے بعد بتایا ہے کہ الفاظ فلاں کے ہیں حالانکہ الفاظ دوسری کتاب کے ہوتے ہیں جس پر شیخ صاحب تنبیہ فرماتے ہیں۔

(۲۲) صحابہ کرام کی سوانح مختصر مگر جامع فرماتے ہیں جس میں کتب رجال کی بہت سی اہم معلومات یکجا مل جاتی ہیں مثلاً حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا ترجمہ (مرعاۃ/ ۶۳۔ ۶۴)

(۲۳) یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مقلدین اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لئے کبھی نحو وصرف کا سہارا لیتے ہیں اور کبھی اپنے قیاسی اصول وقواعد کی آڑ میں حدیث رسول اور آیات قرآنی کی توجیہ وتاویل بیان کرتے ہیں، شیخ صاحب ان سب کی قرآن وحدیث سے تردید فرماتے ہیں اور ان کے تمام مزعومات کی پردہ دری کرتے ہوئے سلف کے مسلک کو جو کتاب وسنت پر مبنی ہے راجح قرار دیتے ہیں چنانچہ حدیث (الاان تطوع) کی شرح میں مالکی وحنفی مقلدین کی حدیث کے خلاف نحوی موشگافیوں اور آیت (لا تبطلو اأعمالکم) کی مغالطہ انگیز تفسیر کو جو حنفی مقلدین وشراح وفقہاء کرتے آئے ہیں کہ تردید اس شرح وبسط وجامعیت سے کرتے ہیں کہ سلف کا مسلک بالکل مجلی ومصفی ہو کر سامنے آجاتا ہے اور مقلدین کی تاویلات باطلہ ساقط ہوجاتی ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے (مرعاۃ ۱/ ۶۵۔۶۹)

(۲۴) عقائد وایمانیات میں بھی جمہور احناف مقلدین کا مذہب سلف سے ہٹ کر مرجئہ واشاعرہ کے موافق ہے اس لیے بڑے بڑے ائمہ دین ومحدثین نے احناف کے اس عقیدے کی تردید وتنکیر کی ہے، خاص طور پر امام بخاری رحمہ اللہ امام عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ اسی معتقد فاسد کی وجہ سے ان کو مرجئہ میں شمار کرتے ہیں، اور احناف کو بھی معلوم ہے کہ مرجئہ گمراہ فرقہ ہے لہذا متاخرین احناف اس عقیدے کو گلے سے لگائے رہنے کی باوجود مرجئہ کے زمرہ سے اپنے کو خارج اور اہل سنت والجماعہ کے مذہب کے ہمنوا ثابت کرنے کے لیے ارجاء کی عجیب وغریب تاویل وتوجیہ وتقسیم کرتے ہیں لیکن ''بنے کیونکر کہ ہے ہر بات الٹی'' لا یصلح

العطار ما افسده الدهر، شیخ علیہ الرحمہ اس مزعومہ ایہام وتلبیس کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وقد ظهر من هذا ان الا ختلاف بين الحنفية و اصحاب الحديث اختلاف معنوی حقيقی لا لفظی كما توهم بعض الحنفية و الحق ما ذهب اليه الأئمة الثلاثة و المحدثون لظاهر النصوص القرآنية و الحديثية (مرعاۃ، ۱/۳۷)

(۲۵) فقہ وعقائد کے مسائل ودیگر امور میں بھی بسا اوقات مطولات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں (مرعاۃ، ۱/۱/۳۶)

(۲۶) مقلدین علماء عام طور پر اور احناف مقلدین خصوصا اپنی دیرینہ عادت وحقد کی بنیاد پر مسلک محدثین واہل حدیث کو طعن و تشنیع وتشکیک کا نشانہ اپنی تالیفات وشروح وحواشی اور تعلیقات میں بناتے رہتے ہیں شارح علیہ الرحمہ نے بہت ہی حسن وخوبی سے ان کا جواب دیا ہے۔

(۲۷) مشکل الفاظ کے حل کے لیے کتب غریب الحدیث اور قوامیس ولغات کی طرف رجوع فرماتے ہیں۔

(۲۸) کبھی مصنف حدیث بیان کرنے کے بعد خاموش ہو جاتے ہیں اور مخرج کی جگہ بیاض چھوڑ دیتے ہیں شیخ صاحب استدراکا اس کا مخرج بیان فرماتے ہیں، مثلا مصنف نے حدیث من تمسک بسنتی عند فساد امتی کے بعد (رواہ) کہہ کر بیاض چھوڑ دیا ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں الحدیث اخرجہ البیہقی (مرعاۃ ۱/۲۸۱)

(۲۹) اسی طرح کبھی مصنف بعض ایسی کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں جہاں ان حدیثوں کا پتہ نہیں ہوتا، شیخ الحدیث صاحب اس کا صحیح مرجع بتاتے ہیں۔

(۳۰) مصنف کبھی موقوف حدیث کو مرفوع بیان کرتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس شارح اس پر تنبیہ واستدراک فرماتے ہیں۔

(۳۱) ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض کتب سے حدیث مرسلا نقل کرتے ہیں حالانکہ ایسی حدیث دوسرے مصادر میں موصولا موجود ہوتی ہیں جیسا کہ شارح علیہ الرحمہ نے بیان فرمایا ہے۔

(۳۲) بعض الفاظ کی زیادتی کی نسبت جن مصادر کی طرف مصنف کرتے ہیں وہ زیادتی اس کی نہیں بلکہ دوسرے مصادر میں موجود ہوتی ہیں جیسا کہ شیخ الحدیث نے ثابت کیا ہے۔

(۳۳) اصحاب سنن سے بعض حدیثیں معلقا نقل فرماتے ہیں حالانکہ وہی حدیث دوسرے اصحاب کتب کے یہاں موصولا وارد ہوتی ہیں۔

(۳۴) بعض الفاظ حدیث کی نسبت مسلم شریف کی طرف کی ہے حالانکہ وہ الفاظ اس میں نہیں ہوتے دوسرے اصحاب سنن کے یہاں ملتے ہیں۔

(۳۵) کبھی دو متعدد سندوں سے مروی حدیث کو ایک حدیث کے طور پر بیان فرما دیتے ہیں، حالانکہ وہ دو ہوتی ہیں۔

(۳۶) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مصنف بعض احادیث کو ضعیف سند سے نقل کرتے ہیں اور شیخ اس کو دوسری صحیح سندوں سے ذکر فرماتے ہیں یا مصنف کے بیان کردہ ضعیف سند کے شواہد ومتابعات بیان فرما کر اس کی تقویت کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔

(۳۷) مصنف نے اگر حدیث ادھوری نقل کی ہے تو شیخ علیہ الرحمہ اس کی تکمیل کرتے ہیں کچھ احادیث ایسی بھی ہیں جس سے

بعض جملے ساقط ہیں یا اس میں الٹ پلٹ ہوگیا ہے تو اصل کی طرف رجوع کر کے اس کی تصحیح فرماتے ہیں۔

اس کے علاوہ شارح رحمہ اللہ نے اس کتاب کو احادیث کی ترقیم ونمبرنگ کرنے کے ساتھ ہی ہر باب کی احادیث کو بھی نمبروار بین القوسین بیان فرمایا ہے اسی طرح آپ نے مشکوۃ کی کتابوں، ابواب اور فصول کی فہرست کے ساتھ احادیث کی فہرست اس کے ابواب وفصول اور شرح کے اہم مباحث کے ساتھ بنائی ہے تیسرے صحابہ وتابعین وائمہ دین نیز شرح میں وارد شدہ اماکن کی فہرست بھی حروف معجم کی ترتیب پر بنا کر اس کتاب کی افادیت کو چار چاند لگا دیا ہے۔

الغرض یہ شرح بقول حضرت محدث عطاء اللہ بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بے نظیر شرح ہے آپ رقمطراز ہیں:

"نحمد الله على احسانه و كرمه أن مرعاة المفاتيح يعد شرحا عديم النظر غير مسبوق به بما يمتازبه من الأوصاف والخصائص،يحتوى بما فى الشروح السابقة ويذكر نا القرن العاشر فى باب التحقيق مصداقا" كم ترك الأول للأخر" (مقدمة مرعاة)

اور ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ اس علامہ دہر کے سپوت ہیں جنہوں نے سیرۃ البخاری جیسی بے نظیر سوانح امام بخاری لکھ کر بہت بڑے خلا کو پر ہی نہیں کیا بلکہ بہت سے وساوس خناس کو دور فرما دیا، اس شرح کے شروع میں پیش لفظ بقلم محدث بھوجیانی رحمہ اللہ کے ساتھ شارح رحمہ اللہ کی مختصر سوانح بھی ہے اور مقدمہ کے طور پر مصطلح حدیث میں ایک مختصر مگر بیحد اہم رسالہ بھی ہے جو شارح رحمۃ اللہ علیہ کے لائق فرزند ارجمند علامہ عبدالرحمن الرحمانی حفظہ اللہ کے قلم سے ہے کیا بہتر ہوتا کہ حضرت علامہ اگر اس کے لیے متفرغ ہو کر اس کے افتتاح کی طرح اس کے اختتام کا سہرا اپنے سر باندھتے خاص طور پر شارح رحمہ اللہ کے ایک اور فرزند ڈاکٹر عبدالعزیز اور شارح کے احفاد جو ماشاء اللہ سب کے سب علوم حدیث میں تخصص ومہارت رکھتے ہیں اس عظیم کام کی تکمیل کرتے، اور شارحؒ کے سب سے بڑے فرزند فضل الباری صاحب اور ان کے صاحبزادگان وسیع تر وسائل کو کام میں لا کر ان کے لیے اس کام میں ممد ومعاون بنتے۔ اس موسوعی شرح کے علاوہ بھی آپ کی متعدد کتابیں ورسائل ہیں۔

آپ کے فتاوی امتیازات وخصائص:

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ آپ سے مسائل کے حل کے لیے ہر طرح کے سائل ومستفتی آتے تھے۔ اہلحدیث حضرات کے علاوہ عام وخاص غیر اہلحدیث بھی آپ ہی کی طرف مسائل کے حل کے لئے رجوع کرتے تھے۔ اس لئے آپ کے فتاویٰ کئی جلدوں میں ہیں جن کا ایک حصہ یہاں شائع کیا جا رہا ہے آپ کے فتاویٰ کے وہی امتیازات وخصوصیات تھے جو آپ کی شروح کے ہیں۔ دراصل کتاب وسنت یہ دونوں اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام وانعام بندوں کی ہدایت اور کامیابی کے لئے ہیں۔ لہذا ان کے معانی اور مفاہیم وشروح وتفسیر کے لئے جن صلاحیتوں اور احتیاط ودیانت داری اور للّٰہیت وخشیت اور بے نفسی اور غیر جانبداری اور کھلے ذہن ودماغ اور عدم تعصب کی ضرورت نیز جس وسعت معلومات اور علوم وفنون کی مہارت مطلوب ہے وہ سب شیخ الحدیث رحمہ اللہ میں موجود ہیں۔ اور آپ کی تحریریں اس کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ خصوصا فتویٰ کے باب میں آپ ادب المفتی

والمستفتی وفتویٰ کے مزاج ومفہوم سے کلی طور پر موافق ہیں۔اس سلسلہ میں انتہائی بالغ نظری اور انتہائی جدو جہد صرف کرنے، کتاب وسنت پر نظر رکھنے اور تمام پہلوؤں پر عمیق نظر ڈالنے کے بعد ہی فتویٰ دیتے تھے۔آپ کے فتاویٰ کتاب وسنت کے ادلہ سے مزین ہوتے ہیں۔اور قدیم وجدید تشریحات پر گہری نظر ہوتی ہے۔

ان سب کے باوجود احتیاط وتورع اور تواضع کا دامن نہیں چھوڑتے۔اقوال الرجال اور متقدم فتاویٰ پر نظر ہونے کے باوجود اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کا منشا ومطلب بتانے کے لئے اصل مراجع کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا ضروری گردانتے ہیں۔اس لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ شیخ الحدیث کے یہ فتاویٰ دینی رہنمائی کے لئے بے حد اہم اور لائق اہتمام اور نشر و اشاعت ہیں اور علمی حلقوں اور جماعتی احباب کو اس کا بے حد انتظار ہے۔اور دیگر فتاویٰ اہلحدیث، فتاویٰ نذیریہ، فتاویٰ ثنائیہ، فتاویٰ سلفیہ، وفتویٰ برطانیہ وغیرہ وغیرہ فتاویٰ کی طرح اس کی پذیرائی ہوگی۔اور ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔اور فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ وابن باز وابن عثیمین وغیرہم علمائے سلف کی یاد تازہ ہوجائیگی۔

(ماخوذ از فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری ا/مقدمہ)

❑❑❑

فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری

- ❑ شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کے علمی وفقہی فتاوی جات اور تحریروں کا بہترین مجموعہ آپ کے پوتے فواز بن ڈاکٹر عبدالعزیز مدنی نے مرتب کیا ہے اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے اسے دیدہ زیب سرورق کے ساتھ شائع کیا ہے۔
- ❑ بعد میں مزید فتاویٰ اور استفسارات وجوابات کے جمع ہوجانے کے بعد اسے الگ سے دیدہ زیب وخوشنما طباعت کے ساتھ شیخ الحدیث کے خلف الرشید عالی مقام مولانا عبدالرحمن مبارکپوری حفظہ اللہ کے اشراف ونگرانی میں مکتبۃ الفہیم مئو کی طرف کئی ضخیم جلدوں میں شائع کیا گیا ہے۔شیخ الحدیث کے فتاوی کا یہ مجموعہ ہر خاص وعام کے لئے بے حد مفید اور لائق مطالعہ ہے۔رب العالمین ہمیں استفادہ کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(عبدالحکیم مدنی)

شیخ ڈاکٹر محفوظ الرحمن زین اللہ رحمہ اللہ

حیات وخدمات

۱۹۴۸ء.....۱۹۹۸ء

مولانا محمد عاطف سنابلی
ساکی ناکہ ممبئی

اس فانی دنیا میں لوگوں کے آنے جانے کا سلسلہ جاری اور ساری ہے، لوگ آتے اور جاتے رہتے ہیں، لیکن ان آنے جانے والوں میں بہت کم لوگ درجہ کمال کو پہنچ کر اللہ کے فضل وتوفیق کا مستحق قرار پاتے ہیں اور بہت کم لوگ انسانیت، دین اسلام اور کتاب وسنت کی خدمت کی توفیق سے سرفراز ہوتے ہیں، مولائے رحمن ورحیم اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے اپنی توفیق سے نوازتا ہے اور انہیں دین، انسانیت اور کتاب وسنت کی خدمت اور تبلیغ واشاعت کی توفیق سے نوازتا ہے انہیں شخصیات میں سے جنہیں اللہ نے اپنے خصوصی فضل سے نوازا، اور توحید وسنت اور حدیث رسول جیسے علمی سرمایہ کی خدمت کے لئے منتخب کیا ،شیخ محفوظ الرحمن رحمہ اللہ کی بھی شخصیت ہے۔

شیخ رحمہ اللہ عالم اسلام بالخصوص برصغیر پاک وہند کے سلفیوں کے لئے سرمایہ افتخار تھے، آپ انسانیت کے نیر تاباں اور روحانیت کے مہر درخشاں تھے، علم وفضل کے آفتاب، دین حق اور توحید وسنت کے سچے امین اور بے باک علمبردار تھے، قرآن وحدیث کے شارح، ایک عظیم محقق اور مخطوطات کے ماہر تھے، اپنی عربی تصنیفات وتحقیقات کی وجہ سے آپ کی شخصیت بین الاقوامی شہرت کی حامل تھی، سنت کی خدمت کے لئے آپ نے اپنی زندگی وقف کردی تھی، آپ جیسا عارف باللہ، سنت کا شیدائی، مسلک سلف کا داعی، توحید کا حق گو ترجمان اور علمبردار، دین خالص کا پرستار، حق کا طلب گار، ملت کا غم خوار، اور کتاب وسنت کا ترجمان صدیوں میں پیدا ہوتا ہے، ذیل کے سطور میں انہیں جامع کمالات اور میدان تحقیق وتصنیف کی ممتاز ومعروف شخصیت کی حیات وخدمات سے متعلق چند گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

نام ونسب اور تاریخ ولادت:

شیخ محفوظ الرحمن رحمہ اللہ کی پیدائش ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کے ضلع بلرامپور (سابق گونڈہ) کے ایک مشہور ومعروف موضع کنڈو بونڈیہار میں ہوئی، یہ سرزمین اس اعتبار سے بھی قابل ستائش اور ناقابل فراموش ونظر انداز ہے کہ اس نے

اپنی آغوش میں دین کے بہت سارے سورماؤں اور کتاب وسنت کے خادمین کو پالا اور پروان چڑھایا ہے نمونہ سلف مولانا اقبال رحمانی رحمہ اللہ، مولانا محمد یسین رحمہ اللہ، مولانا زین اللہ رحمہ اللہ اور مولانا شبیر احمد صاحب رحمہ اللہ وغیرہ سب کے سب اسی سرزمین کی پیداوار تھے، شیخ ڈاکٹر محفوظ الرحمن بن زین اللہ رحمہ اللہ بھی اسی سرزمین کے ایک علمی اور دینی خانوادے کے چشم وچراغ تھے، ۲ رمارچ ۱۹۴۸ء کو آپ کی ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

شیخ رحمہ اللہ کی تعلیم وتربیت کی ابتداء اور آپ کی نشوونما آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا زین اللہ رحمانی رحمہ اللہ (جو خود ایک غیور عالم دین اور پرہیزگار انسان تھے، نہایت باغیرت اور خوددار، دعوت وتبلیغ کے شیدائی اور جرأت وہمت کے پیکر تھے) کے زیر سایہ گاؤں کے مدرسہ میں ہوئی، جہاں قرآن مجید ناظرہ اور بعض ابتدائی اردو کتابیں وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، پھر علاقے اور ملک کے باہر دینی اداروں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مدت دراز تک تعلیم حاصل کرتے رہے جس کا ایک ہلکا خاکہ ذیل میں درج ہے:

۱۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقہ کی مشہور تعلیمی وتربیتی دانشگاہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کی ایک شاخ میں حاصل کی۔

۲۔ چونکہ آپ کے والد محترم تیل کے کاروبار سے وابستہ تھے، مغربی بنگال کے دارالخلافہ کلکتہ میں مقیم تھے اور تجارت کے ساتھ ساتھ للہ فی اللہ دعوت وارشاد اور تبلیغ واصلاح کا بھی کام کیا کرتے تھے، آپ نے وہیں کلکتہ کے ایک مدرسہ ندائے اسلام میں عربی کی پہلی جماعت تک کی تعلیم حاصل کی۔

۳۔ عربی کی دوسری، تیسری اور چوتھی جماعت کی تعلیم مئو کے مشہور ومعروف اور قدیم دینی ادارہ جامعہ فیض عام سے حاصل کی، پھر اس کے بعد ۱۹۶۴ء میں ہندوستان کی عظیم اور قدیم دینی ادارہ ''دارالعلوم دیوبند'' میں داخلہ لیا اور وہاں چار سال سند فضیلت کے حصول میں کوشاں رہے، اور ۱۹۶۸ء میں وہاں سے سند فراغت حاصل کی، اسی چار سالہ مدت میں دارالعلوم دیوبند کے شعبہ فن خطابت وانشاء سے ڈپلوما کی سند حاصل کی۔

۴۔ ۱۹۶۹ء میں ہندوستان کے عظیم سلفی ادارے ''جامعہ سلفیہ بنارس'' میں داخلہ لے کر تخصص فی الشریعہ کا کورس مکمل کیا اس کے بعد ایک مختصر تدریسی وقفہ کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں داخلہ ہوگیا وہیں پر آپ نے کلیۃ الدعوۃ واصول الدین سے ۱۹۷۶ء میں لیسانس کیا، اور ۱۹۸۰ء میں ایم اے (ماجستر) کیا، جس کے تھیسس کا موضوع **تلخیص العلل المتناهية في الاحاديث الواهية**'' تھا، پھر جامعہ اسلامیہ کے قسم السنۃ (شعبہ حدیث) سے ۱۹۸۳ء میں پی۔ایچ ڈی (ڈاکٹریٹ) کی ڈگری حاصل کی اور ڈاکٹر (دکتور) کے لقب سے ملقب ہوگئے۔

مقبولیت:

شیخ رحمہ اللہ کی مقبولیت ہر خاص وعام میں تھی، عرب اور مشائخ دکتور کہہ کر یاد کرتے اور عامۃ الناس ڈاکٹر صاحب کہہ کر آپ کا ذکر

جمیل کرتے، رفیق کارواں کے نام سے شیخ کا سوانحی خاکہ اور احوال زندگی مرتب اور قلم بند کرنے والے (فی الحال جامعہ اسلامیہ سنابل ،دہلی کے ایک ممتاز استاذ) شیخ ممتاز عبداللطیف صاحب حفظہ اللہ شیخ موصوف کی مقبولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''کہ وفات کے دوسرے دن ''فجیرہ'' سے میرے ایک دعوتی رفیق کار کا فون آیا، کہنے لگے کہ اتنا بڑا حادثہ ہوگیا اور آپ نے فون تک نہیں کیا، میں نے معذرت کی کہ مجھے ہوش ہی نہ رہا کہ فون کروں، کہنے لگے سعودی عرب کے جملہ مبعوثین جو متحدہ عرب امارت کے تینوں مراکز میں دعوتی مشن پر مامور ہیں ان میں سب سے زیادہ لائق وفائق تھے، میں نے کہا اس میں کیا شک ہے۔''

اسی طرح کئی لوگوں نے میرے پاس فون کیا اور ان کے محاسن اور اوصاف کا ذکر کیا، شیخ ممتاز عبداللطیف صاحب آگے لکھتے ہیں: ''کہ ان کی مقبولیت کا ایک ہلکا سا عکس جنازہ کے دن نمایاں ہوگیا تھا تھوڑی سی مدت میں نورانی جماعت کا ایک جم غفیر جنازہ میں شرکت کے لئے پروانہ وار حاضر ہوگیا اور جو احباب وتلامذہ حاضر نہ ہوسکے، انہیں صدمہ ہوا اور افسوس کا اظہار کرتے رہے۔'' (رفیق کارواں ص:۶۰)

فہم وفراست:

شیخ مرحوم نے ذہانت وفطانت، حکمت وبصیرت اور فہم وفراست کا عجب ملکہ پایا تھا، کسی بات کو خواہ دینی ہو یا دنیوی منٹوں میں سمجھنا ان کی چٹکیوں کا کام تھا، اشارہ کنایہ کی زبان جو یاران محفل کی جان ہوتی ہے، اس میں انہیں کمال حاصل تھا۔

رفیق کارواں میں شیخ ممتاز عبداللطیف صاحب لکھتے ہیں: کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں نے طنز وتعریض اور تلمیح کی بات کی ہو اور وہ اس کو فوراً نہ سمجھ گئے ہوں۔

جو ہے پردوں میں پنہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

مرحوم کو بصیرت، بصیرت کی سرزمین، اس کے درخت، شگوفے اور پھل سب کے سب وافر مقدار میں ملے تھے، جب تک ان کی بصیرت کی سرزمین باغ وبہار رہی اس وقت تک فراست کی دل آویزی اور کرشمہ سازی جاری رہی اور جب ٹھنڈی پڑ گئی، تب بھی ان کی فراست کی یادگاریں تالیف وتحقیق کی صورت میں زندہ ہیں۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ بعشق
ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

اخلاق وعادات

شیخ موصوف رحمہ اللہ بڑے خوش اخلاق تھے، ہمیشہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملتے اور گرمجوشی سے ان کا استقبال کرتے، وسیع الظرفی آپ کا شیوہ تھا لیکن غیرت وحمیت کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، وقت اور ڈیوٹی کے پابند تھے، دھن کے پکے اور لگن کے سچے

تھے، آج کا کام کل پر نہیں ڈالتے، دوسرے مسلک والوں سے بھی کھل کر ملتے، ان کے علماء کا ادب واحترام سے نام لیتے، ان کے اختلاف کو فطری امر جانتے اور فروعی مسائل میں زیادہ الجھنے کے قائل نہیں تھے، اہل علم کی یہی شان ہوتی ہے کہ اختلافی مسائل کو دلائل کی روشنی میں بیان کر کے مخالفین کو قائل کیا جائے، دل کے صاف تھے، جو بات حق جانتے کہہ دیتے، اس میں بڑے چھوٹے کی تمیز نہیں کرتے، جرأت وبہادری مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی، خلاف مزاج باتوں کو برداشت نہیں کر پاتے، کسی سے دوستی ہوتی تو اس کا حق ادا کرتے اور کسی سے دشمنی ہوتی تو اس کا بھی حق ادا کرتے۔

مزاج سادہ لیکن پر کیف تھا، چیزوں کے انتخاب میں ماہر تھے، کھانے پینے رہنے سہنے اور لباس وپوشاک کے لئے عمدہ چیزوں کا انتخاب اپنے اور اپنے بچوں کے لئے کرتے لیکن سادگی کو ہمیشہ ملحوظ خاطر اور پیش نگاہ رکھتے اور فضول خرچی کو اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیتے۔

اس قدر سادہ پرکار کہیں دیکھا ہے
بے نمود اتنا نمودار کہیں دیکھا

اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی ظاہری اور معنوی نعمتوں سے نوازا تھا، لیکن کبھی غرور وفخر کی بات نہیں کرتے، اخراجات میں عمدگی کا لحاظ ضرور کرتے لیکن ضرورت سے زیادہ کوئی چیز اختیار کرنے کی نہیں سوچتے۔

ان کی زندگی میں سستی اور کاہلی نام کی چیز نہ تھی، ہمیشہ چاق وچوبند رہتے شرم وحیا کا پیکر تھے، خلوت وجلوت میں ساتر لباس زیب تن کرتے اور بچوں کو بھی اسی پر عمل کراتے۔

تقویٰ وتدین:

اس مادی دور میں مادی امور کا اہتمام ضرور کرتے لیکن حرام وحلال اور جائز وناجائز کا بڑا لحاظ رکھتے، چھوٹے بڑے بچے کبھی مساجد کے گیٹ پر رکھی ہوئی چیزوں کو کھانے کی کوشش کرتے تو انہیں سختی سے منع کر دیتے، مبادا کہیں صدقہ کی چیز تو نہیں ہے۔

نماز باجماعت کی پابندی خود کرتے اور اپنے بچوں سے بھی کراتے، فجر کی جماعت کے لئے گھر سے سب سے بعد میں نکلتے، تاکہ کوئی بچہ غفلت سے گھر میں سویا نہ رہ جائے، یہی وجہ ہے کہ چھوٹے بڑے سب بچے ان کے جانے کے بعد بھی پابندی سے باجماعت نماز پڑھتے ہیں۔

شیخ مکتب ہے اک عمارت گر
جس کی صنعت ہے روح انسانی

علم وفضل:

سلف صالحین کی طرح آپ نے علم کے مختلف سرچشموں سے سیرابی حاصل کی تھی، یہ فضل موجودہ زمانہ میں بہت کم لوگوں کو

حاصل ہوتا ہے، غیور سلفی المسلک ہونے کے باوجود آپنے ''دارالعلوم دیوبند'' سے درجہ فضیلت حاصل کی تھی، جس کی وجہ سے سے فقہی نکتہ سنجیاں آپ کی رگ وپے میں سرایت کی ہوئی تھیں، اس تبحر علمی کا نتیجہ تھا کہ اختلاف رائے کو فطری امر سمجھتے ہوئے دوسرے علماء کی قدر کرتے تھے۔

آپ کو مسائل کے استنباط میں عجب قدرت حاصل تھی، عبارت فہمی میں ملکہ حاصل تھا، ہر فن کا گہرا اور وسیع علم رکھتے تھے لیکن آپ کا تخصص فن حدیث تھا، اسماء الرجال پر گہری نظر تھی، ایک مرتبہ علامہ البانی رحمہ اللہ سے کسی راوی کے نام میں سہو ہوا تو آپنے انہیں خط لکھا اور انہوں نے جواب دیا ''الحق معک'' آپ حق پر ہیں۔

جو شخص بھی مرحوم کی تحقیق کی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کرے گا مذکورہ باتوں کو ان شاء اللہ سچ اور درست پائے گا مختصر سی مدت میں دوسرے کاموں کے ساتھ ساتھ آٹھ ضخیم کتابوں کی تحقیق کرنا، ان کے علم وفضل، فہم ودانش، ذہانت وفطانت اور کاموں کے کرنے کی عظیم قدرت پر دلالت کرتا ہے، حدیث کے موضوع پر آپ کی بحث وتحقیق کے اس علمی سرمایہ کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آپ گروہ محدثین کے درخشاں ستارہ تھے۔

رجال و اسانید کے جو ہیں دفتر
گواہ انکی آزادگی کے ہیں یکسر
نہ تھا ان کا احساس اک اہل دیں پر
وہ تھے اس میں ہرقوم وملت کے رہبر

عقیدہ وعمل:

آپ ایک سلفی خانوادہ کے چشم وچراغ تھے، اور ایک سلفی عالم دین کی گود میں پرورش وپرداخت اور تربیت پائی تھی، اس لئے شروع ہی سے سلفی عقیدہ کی چھاپ، کتاب وسنت کی اشاعت اور بدعات وخرافات سے نفرت اور اجتناب کا نقش آپ کے دل پر مرتسم تھا، جس کی گواہی آپ کا ہر عمل دیتا ہے، آپ نے اسی نسبت سے ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریوں کے لئے حدیث رسول کا انتخاب کیا اور زندگی بھر اسی کے شیدائی اور اسی پر اپنی جان دے دی۔

اسی دھن میں آسان کیا ہر سفر کو
اسی میں کیا طے ہر اک بحرو بر کو

مدینہ یونیورسٹی سے لے کر متحدہ عرب امارات کی پچیس سالہ زندگی میں ہمیشہ سلفی اخوان کے روح رواں رہے، ان کی سلفیت سلفی غیرت وحمیت اور اس راہ کی جرأت مندی نے شیخ مرحوم کو ایک مرتبہ آزمائش اور خطرہ میں ڈال دیا تھا لیکن وہ بال بال بچ گئے۔

ڈومریا گنج کی سرزمین میں جامعہ اسلامیہ خیر العلوم اور اس کی شاخوں کو کھول کر کتاب وسنت کی اشاعت وبالادستی اور سلفیت کی آبیاری کا ایک ایسا روشن منارہ قائم کردیا ہے جس کی روشنی ان شاء اللہ ہمیشہ تاریک دلوں کو روشن کرتی رہیں گی۔

اہل وعیال:

حدیث شریف میں آتا ہے: اذامات الانسان انقطع عنه عمله الامن ثلاثة الامن صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعو له (صحيح مسلم)

جب انسان اس دنیا سے گزر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے لیکن تین طرح کے عمل ایسے ہیں کہ انکا اجر وثواب ملتا رہتا ہے () صدقہ جاریہ (۲) علم نافع (۳) نیک اولاد

بحمد اللہ وفضلہ شیخ مرحوم کو بیک وقت یہ تینوں چیزیں وافر مقدار میں ملیں، شیخ رحمہ اللہ کا صدقہ جاریہ جامعہ خیر العلوم اور اس کی دسیوں شاخیں ہیں جن کا تفصیلی ذکر آئندہ سطور میں خدمات کے ضمن میں آئے گا۔

(۲) جہاں تک مسئلہ ہے علم نافع کا تو کئی ضخیم کتابوں کی شکل میں آپ کا علمی خزانہ زندہ وجاوید ہے، ایک ایسا ٹھوس علمی اور تحقیقی کارنامہ جس سے اہل علم ہمیشہ استفادہ کرتے رہیں گے، تفصیل آگے علمی خدمات کے ضمن میں مذکور ہے۔

(۳) تیسرا عمل نیک اولاد: شیخ رحمہ اللہ کی اولاد کا کیا کہنا سب کے سب ہیرے جواہر ہیں، کوئی کسی سے کم نہیں، اپنے والد گرامی کی طرح فہم وفراست، سنجیدگی، تقوی وتدین، صلاحیت وصالحیت، علم وفضل اور مختلف خصوصیات سے مالا مال ہیں۔

شیخ رحمہ اللہ کی شادی ضلع بلرامپور (سابق گونڈہ) کے ایک مشہور موضع طیب پور کے مولانا عبدالستار رحمہ اللہ کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی تھی، شیخ رحمہ اللہ کو رب کریم نے کل ۱۵ اولاد عطا کی، جن میں سے دو کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا، بقیہ ۱۳ اولاد (۷ لڑکے ۶ لڑکیاں) قید حیات ہیں تمام بچے اور بچیاں علم دین ودنیا کی دولت سے بہرہ ور ہیں اور جہاں بھی ہیں اس علمی خانوادے کا وقار اور علمی ودینی مقام اور حیثیت کو زندہ وجاوید اور سرسبز وشاداب کئے ہوئے ہیں اور آفتاب وماہتاب کی طرح چمک دمک رہے ہیں، اکثر حافظ اور عالم دین ہیں، سب کی شادیاں ہوچکی ہیں الحمد للہ سبھی صاحب اولاد ہیں اور سب اپنے اپنے کام اور کاروبار میں ملک اور بیرون ملک مصروف عمل ہیں۔ ان میں سے دو عالم اسلام کی مشہور عظیم یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے اندر زیر تعلیم ہیں، ایک دکتورہ کے مرحلہ میں ہیں دوسرے ماجستر کررہے ہیں۔

آپ کے بچوں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) عبید الرحمن (۲) ڈاکٹر احمد (۳) محمد (۴) خالد (۶) عبداللہ (۷) عبدالرحمن

اسی طرح شیخ رحمہ اللہ کی تمام بچیاں رشتہ ازدواج سے منسلک ہوچکی ہیں اور مختلف ممالک (ہندوستان، امارات، بحرین، اور سعودیہ وغیرہ) میں اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ خوشگوار اور دیندارانہ زندگی گذار رہی ہیں اور اپنے اپنے گھروں کو آباد کئے ہوئے ہیں رب کریم کے فضل اور احسان عظیم کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ بچوں کی طرح آپ کے تمام داماد علم وفضل کی دولت سے مالا مال ہیں، خدمت دین، خدمت کتاب وسنت اور خدمت انسانیت میں لگے ہوئے ہیں، تعلیم وتعلم، دعوت وارشاد اور تدریس وتبلیغ کے میدان سے

منسلک اور وابستہ ہیں سبھی دین دار اور اہل علم اور دین پسند طبیعت کے مالک ہیں۔

وفات:

شیخ رحمہ اللہ شوگر کے دائمی مریض تھے، وفات سے قبل کچھ بلڈ پریشر کا عارضہ لاحق ہوا، دبئی ہاسپٹل میں ایڈمٹ کئے گئے جہاں علم حدیث کا یہ حدی خواں اور سنت رسول کا ساقی اپنی عمر کی صرف پچاس بہاریں دیکھ کر اور خدمت سنت کی دنیا میں تیس سال گذار کر ۲۶ رجنوری ۱۹۹۸ء بمطابق ۲۹ ررمضان المبارک ۱۴۱۸ھ بروز دوشنبہ گیارہ بجے شب کو اس دنیائے فانی کو ہمیشہ ہمیش کے لئے الوداع کہہ گیا اور یوپی کے مشرق سے طلوع ہونے والا یہ سورج دبئی (مغرب) میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا، دبئی ہی میں محلہ سوناپور کے مشہور ومعروف مقبرہ میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ (نور اللہ مرقدہ ورحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ)

نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ عبید الرحمن حفظہ اللہ نے پڑھائی۔

غنچوں میں اہتزاز ہے پرواز حسن کی
سینچا تھا کس نے باغ کو بلبل کے خون سے

اسی طرح عین عید کے دن حرم شریف میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی، جس میں عالم عرب وعجم کی معروف علمی شخصیات کے ساتھ بہت سارے ہندوستانی وپاکستانی علماء اور طلبہ شریک تھے، جن میں سرفہرست حرم مکی کے مفتی ومدرس شیخ ڈاکٹر وصی اللہ عباس حفظہ اللہ، ڈاکٹر لقمان سلفی حفظہ اللہ، ڈاکٹر عبد العلیم عبد العظیم رحمہ اللہ، ڈاکٹر عبد الوہاب خلیل رحمہ اللہ قابل ذکر ہیں۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

اساتذہ:

آپ رحمہ اللہ ''جامعہ فیض عام'' ''دار العلوم دیوبند، جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس'' اور ''جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ'' کے افاضل نابغہ روزگار اساتذہ کرام کے علمی اور اخلاقی سرچشموں سے سیراب ہوئے تھے ان سب نابغۂ روزگار کا اس چھوٹے سے مقالہ میں استقصاء اور احصاء کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، اس لئے بطور مثال ونمونہ چند اساتذہ کرام کے اسماء گرامی ذیل میں درج کئے جارہے ہیں۔

۱۔ شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ صاحب مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح بالاجازۃ)
۲۔ شیخ الحدیث مولانا محمد احمد رحمہ اللہ
۳۔ مفتی حبیب الرحمن اعظمی رحمہ اللہ
۴۔ مولانا عبد السبحان اعظمی رحمہ اللہ

۵۔شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ صاحب أوضح المسالک شرح مؤطا امام مالک بالاجازۃ)
۶۔مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند)
۷۔فضیلۃ الشیخ عبدالوحید الرحمانی رحمہ اللہ (سابق شیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ بنارس)
۸۔فضیلۃ الشیخ شمس الحق السلفی رحمہ اللہ (سابق شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ بنارس)
۹۔فضیلۃ الشیخ محمد ادریس آزاد الرحمانی رحمہ اللہ (مترجم فتح المجید)
۱۰۔فضیلۃ الدکتور مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ (سابق وکیل الجامعہ، جامعہ سلفیہ، بنارس)
۱۱۔فضیلۃ الدکتور العلامہ ربیع ابن ہادی المدخلی حفظہ اللہ (محقق النکت علی ابن الصلاح لابن حجر)
۱۲۔فضیلۃ الشیخ العلامۃ حماد بن محمد الانصاری حفظہ اللہ (صاحب بلغۃ القاصی والدانی فی تراجم شیوخ الطبرانی)
۱۳۔فضیلۃ الشیخ الدکتور محمود میرہ رحمہ اللہ (محقق تصحیفات المحدثین)
۱۴۔فضیلۃ الدکتور اکرم ضیاء العمری رحمہ اللہ (صاحب السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ)
۱۵۔فضیلۃ الشیخ محمد امین مصری رحمہ اللہ (سابق رئیس قسم الدراسات العلیا بالجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ الطیبۃ)

تصنیفی وتحقیقی خدمات

شیخ رحمہ اللہ نے تدریسی اور دعوتی خدمات کے ساتھ ساتھ بحث وتحقیق کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا، سفر، حضر، آفس، کالج یا کسی کے گھر دعوت کھانا ہو حتی کہ سودا سلف کے لئے بازار جانا ہو ہر وقت تحقیق کے لئے مخطوطہ قلم اور کاغذ ساتھ رکھتے، جہاں پل بھر کی مہلت ملتی کاغذوں پر موتیوں کے دانے بکھیرنے لگتے۔ سلف صالحین کے علمی ورثہ سے شیخ رحمہ اللہ کو بے پناہ دلی لگاؤ اور قلبی شغف تھا، خاص کر ان کے ہاتھوں سے لکھی ہوئی کتابوں سے جنہیں علمی دنیا میں مخطوطہ کے نام سے جانا اور یاد کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مخطوطہ کی کشیدہ اور کرم خوردہ عبارتوں کو پڑھنے میں انہیں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی اور وہ اسے اس طرح پڑھتے او رسمجھتے گویا کوئی چھپی ہوئی کتاب پڑھ رہے ہیں ان کے اس دلچسپی اور شغف کی وضاحت اور اس کا اندازہ درج ذیل کارناموں اور منفرد خدمات سے لگایا جاسکتا ہے۔

مدینہ یونیورسٹی سے ایم اے کی سند حاصل کرنے کے بعد ۱۹۸۰ء میں ''کلیۃ الحدیث'' کے معید (ریڈر) مقرر ہوئے تو انہیں اسی دلی لگاؤ کی وجہ سے تدریسی ذمہ داریوں کے بجائے جامعہ کے قسم المخطوطات کا رکن رکین بنایا گیا اور وہ اپنی ذمہ داری کو ۱۹۸۳ء تک بحسن وخوبی انجام دیتے رہے اور اسی دوران پی ایچ ڈی (ڈاکٹریٹ) کی ڈگری حاصل کرلی، اس کے بعد ۱۹۸۴ء سے ۱۹۸۷ء تک ''مرکز جمعۃ الماجد للثقافۃ والتراث، دبئی'' کے مخطوطہ سیکشن میں بحث وتحقیق کا اعزازی کام کرتے رہے، اسی طرح ''مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویۃ بالمدینۃ المنورۃ'' سے کافی ربط رہا اور وہاں سے دی گئی کتابوں کی تحقیق کرتے رہے۔

نیز شیخ رحمہ اللہ کو تحقیق وتالیف سے بے انتہا لگاؤ تھا جن کا اندازہ درج ذیل محقق کتابوں سے لگایا جاسکتا ہے:

۱۔العلل الواردة فی الأحادیث النبویة للامام الدارقطنی
اس کتاب کی ۱۱ جلدوں کی تحقیق شیخ رحمہ اللہ کے ذریعہ مکمل ہوچکی تھی، اور مزید ۱۰ جلدوں کے تحقیق دوسرے محققین اہل علم نے کی ہے، الحمدللہ مکمل کتاب ۲۱ جلدوں میں مطبوع ہے۔
۲۔البحر الزخار المعروف بمسند البزار (اس کتاب کی ۹ جلدیں مکمل ہوئی تھیں، بقیہ کتاب کی تحقیق دوسرے اہل علم نے کی ہے کتاب ۲۰ جلدوں میں تیار ہے۔)
۳۔تلخیص العلل المتناهیة فی الأحادیث الواهیة للحافظ الذهبی (یہ کتاب ۳ رجلدوں میں مکمل ہوچکی ہے۔
۴۔مسند الهیثم بن کلیب الشاشی (یہ کتاب محقق ہوکر ۳ جلدوں میں چھپ کر شائع ہوچکی ہے۔
۵۔مسند عمر بن الخطاب لأبی بکر الفقیه النجار (یہ کتاب ایک جلد میں تحقیق کے ساتھ شائع ہوچکی ہے۔
۶۔رؤیة الله سبحانه وتعالیٰ لابن النجار (یہ کتاب بھی تحقیق کے بعد شائع ہوچکی ہے۔
۷۔اتحاف المهرة بأطراف المسانید العشرة لابن حجر (اس کتاب کی دسویں جلد کی تحقیق آپ نے کی ہے۔
۸۔لسان المیزان (اس کتاب کی تیسری جلد کی تحقیق آپ نے فرمائی ہے۔
شیخ رحمہ اللہ کی یہ علمی خدمات ہیں جن کی بدولت آج ان کی روح بھی رحمت خداوندی کے سایہ میں شاداں وفرحاں ہوکر یہ کہتی ہوگی کہ
ع ''خوشا مدم از زندگی خویش کہ کارے کردم

تدریسی اور دعوتی خدمات:

دبئی میں رہتے ہوئے شیخ موصوف نے تدریسی، تصنیفی اور تحقیقی خدمات کے ساتھ ساتھ بہت سارے دعوتی ودینی امور کا بار اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھا اور مختلف رفاہی وملی خدمات میں بھی سرگرم عمل رہے، دبئی کی مختلف مساجد اور جمعیات میں عربی اور اردو دونوں زبانوں میں دعوت وارشاد اور تبلیغی واصلاحی دروس ومحاضرات کا باضابطہ اہتمام کرتے رہے اور دینی وتربیتی پروگرام منعقد کراتے رہے، ''شارقہ'' کی مختلف مساجد میں مستقل طور پر خطبہ جمعہ دیتے رہے، اسی طرح جب کالج بند ہوجاتا تو موسم گرما کی فرصت اور تعطیل کے موقع پر مرکز الدعوۃ والارشاد دبئی کی مسند فتویٰ پر جلوہ افروز ہوکر افتاء کا بھی کام انجام دیتے، اور سال بھر فون پر عربی اور اردو زبانوں میں دینی سوالوں کا جواب دیا کرتے تھے، عالمی رفاہی کمیٹی (هیئة الاعمال الخیریه العالمیه، عجمان) کی شمالی ہندوستان کی نمائندگی کرتے رہے، ایک عرصہ تک مرکز الدعوۃ والارشاد دبئی کے دعاۃ اسلام کے مراقب اور نگران اعلی کی ذمہ داری بحسن وخوبی نبھاتے رہے۔

دینی، ملی اور رفاہی خدمات:

شیخ محفوظ الرحمن رحمہ اللہ نے دبئی میں اپنے قیام کے دوران اپنا دائرہ عمل صرف بحث وتحقیق، درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اور تصنیف وتالیف تک محدود نہیں رکھا، بلکہ ان کی توجہ اپنے وطن، ملک، ملت وجماعت اور قوم کی اہم اور بنیادی ضروریات اور تقاضوں

پر بھی مرکوز رہی اور تمام ذاتی وعلمی مصروفیات ومشاغل کے باوجود دین کی خدمت اور کتاب وسنت کی نشر واشاعت کا جذبہ بیکراں برابر دامن گیر رہا، جس کی تکمیل کے لئے اپنے محترم چچا جناب ڈاکٹر عبدالباری خان صاحب کے ذریعہ قصبہ ڈومریا گنج (سدھارتھ نگر یوپی) میں جامعہ اسلامیہ خیر العلوم ''جمعیة خیر التقنیه'' (خیر ٹیکنیکل سوسائٹی) کے نام سے قائم کردہ ادارہ سے جڑ گئے، ابتدا میں ادارہ ایک مکتب کی شکل میں قائم کیا گیا تھا، لیکن اللہ کے فضل وتوفیق اور شیخ محفوظ رحمہ اللہ کی خصوصی دلچسپی اور گراں قدر عنایات وتوجہات کے طفیل ایک عظیم دینی، تعلیمی، دعوتی، تصنیفی اور رفاہی سنٹر اور اور تنظیم کی شکل اختیار کر گیا، اور الحمدللہ آج اس سوسائٹی کے زیر اشراف کئی ایک تعلیمی، تربیتی، دعوتی اور رفاہی ادارے مشرقی یوپی میں سرگرم عمل ہیں، جو شیخ رحمہ اللہ کی خدمات جلیلہ اور مساعی جمیلہ کا جیتا جاگتا اور منہ بولتا ثبوت ہیں، اور آپ کے لئے صدقہ جاریہ اور الباقیات الصالحات ہیں۔

جامعہ اسلامیہ خیر العلوم ڈومریا گنج (سدھارتھ نگر) محتاج تعارف نہیں ہے، اس کا قیام ۱۹۶۸ م میں ایک مکتب کی شکل میں ہوا تھا، مگر چند ہی سالوں میں اللہ کے فضل وتوفیق سے ایک عظیم الشان ادارہ بن گیا، جواب جامعہ اسلامیہ خیر العلوم کے نام سے ملک وبیرون ملک مشہور ومعروف ہے، الحمدللہ یہ جامعہ ایک تناور درخت بن چکا ہے، یہاں پر دینی وعصری اور تکنیکی تعلیم وتربیت کا ایک بہترین سنگم اور حسین امتزاج ہے، جس کے تحت مندرجہ ذیل تعلیمی، تربیتی، دعوتی، تصنیفی اور رفاہی ادارے مصروف عمل ہیں۔

۱۔ **مدرسہ ابوبکر صدیق** کا قیام ۱۹۶۸ء میں عمل میں آیا، اس میں نرسری سے لے کر درجہ پنجم تک معیاری اور بہترین تعلیم ہوتی ہے، اس کی بنیاد ڈاکٹر عبدالباری خان صاحب حفظہ اللہ نے رکھی، لیکن شیخ رحمہ اللہ نے اپنے چچا کے اس شجر ثمر آور کی آبیاری اور اس کی ترقی اور استحکام میں آپ کا بھرپور ساتھ دیا، اور ہمہ وقت آپ کی تائید وحمایت میں کوشاں رہے۔

۲۔ **جامعہ اسلامیہ خیر العلوم** (کلیۃ الشریعہ) اس کی بنیاد ۱۹۷۹ء میں ڈالی گئی، اس میں اعدادی سے لے کر فضیلت تک کی تعلیم کا معقول بندوست ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری وتکنیکی علوم بھی شامل نصاب ہیں۔

۳۔ **کلیۃ الطیبات** (نسواں کالج) کا قیام ۱۹۸۱ء میں عمل میں آیا، اس میں درجہ چہارم سے لے کر فضیلت اور تخصص تک کی تعلیم ہوتی ہے، بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لئے ضلع سدھارتھ نگر کا معروف ومشہور اور ممتاز ادارہ ہے۔

۴۔ **معہد الایتام** (یتیم خانہ) اس کا قیام ۱۹۸۸ء میں عمل میں آیا، اس کی اپنی ایک مثالی اور امتیازی حیثیت ہے، اس میں صرف یتیم بچے اور بچیاں ہی تعلیم حاصل کرتی ہیں اپنے آپ پورے ملک ہندوستان میں اس کی الگ حیثیت ہے، فی الحال ہزار کے قریب طلبہ وطالبات زیر کفالت ہیں اور ہزاروں یتیم بچے اور بچیاں یہاں سے مستفیض ہو چکے ہیں اور اپنا مستقبل بنا اور سنوار چکے ہیں۔

۵۔ **شعبہ تحفیظ** (مدرسہ ابی بن کعب لتحفیظ القرآن الکریم) یہ بھی ایک اقامتی ادارہ ہے سینکڑوں بچے اس میں مقیم رہ کر قرآن کریم کا حفظ کرتے ہیں۔

۶۔ **مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ** (اسلامک دعوہ سنٹر) یہ بھی ایک فعال دعوتی اور تصنیفی شعبہ ہے، اس کے تحت اصلاح ودعوت کا کام انجام دیا جاتا ہے نیز ایک دینی مجلہ 'الفرقان' بھی پابندی سے شائع ہوتا ہے۔

۷۔قسم التکافل الاجتماعی (شعبہ رفاہ عامہ)

۸۔قسم بناء المساجد (شعبہ تعمیر واصلاح مساجد)

۹۔خیر ٹیکنیکل سنٹر اس سینٹر میں کمپیوٹر، الیکٹریشن، سلائی کڑھائی کارپینٹری، اسٹینوگرافی، ویلڈنگ اور جوتا سازی کا کام سکھایا جاتا ہے۔ یہ ہیں شیخ محترم کی جماعتی اور ملی خدمات کی چند جھلکیاں جن کی ہلکی سی جھلک پیش کی گئی ہے۔

تاقیامت پھولتا پھلتا رہے تیرا چمن
حشر کے دن تک ترا گردش میں پیمانہ رہے

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ آپ صرف میدان علم اور فن تحقیق وتصنیف کے حدی خواں اور مرد مجاہد نہیں تھے، بلکہ آپ کے دل میں ملی اور قومی درد اور ان کی خیر خواہی کا دریا ہمیشہ موجزن رہتا، جس کا ایک عکس اور اندازہ آپ کے ذریعہ لگائے گئے شجر بارآور جامعہ اسلامیہ خیر العلوم کے ایک فعال اور اپنی نوعیت کا منفرد تکنیکی شعبہ خیر ٹیکنیکل سنٹر کے خیر آٹو موبائلس کا یکم اگست ۱۹۹۷ء کو افتتاح کے موقع پر آپ نے حاضرین سے جو خطاب کیا اس کے ایک اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے، شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''آج مسلمانوں کو اقتصادی اور تعلیمی طور پر ساری دنیا پیچھے ڈھکیلنے کی سازش میں لگی ہوئی ہے، لیکن ہم نے کبھی کسی کو غلط نگاہ سے نہیں دیکھا، یورپ کی تاریخ سے پوچھا کہ اسپین سے برطانیہ وغیرہ نے کس طرح سائنسی مضامین سیکھے۔ انہوں نے جو بھی ترقی کی تو اسپین سے جہاں اسلامی حکومت تھی، اسلام جہاں بھی گیا وہاں کے باشندوں کو پورا حق دیا، اس لئے میرے بھائیو! ہم لوگ آٹو موبائلس کا جو ادارہ قائم کررہے ہیں تو اس لیے نہیں کہ صرف مسلمان بچے پڑھیں بلکہ اس میں ہر قوم کے بچے پڑھیں جس سے اس ملک کی ترقی ہو، اس علم کو سیکھ کر اپنی اقتصادی کمزوری کو دور کریں، میں قوم کے نوجوانوں بالخصوص اپنے تمام بچوں سے کہوں گا کہ جن کا کوئی ٹھکانہ نہیں جن کے سروں پر کوئی دست شفقت پھیرنے والا نہیں، جن کا کوئی آنسو پوچھنے والا نہیں، اٹھو آؤ اور میرے دروازہ تمہارے لئے کھلا ہے، آگے بڑھ کر ہنر سیکھنے کی کوشش کرو، بھیک مانگنے والی قوم مت بنو۔

(مجلہ الفرقان ستمبر اکتوبر ۱۹۹۷ء ج ۱ ص: ۲۴۔۲۵)

اہم مراجع

۱۔رفیق کارواں شیخ ممتاز عبد اللطیف (سابق داعی مرکز الدعوہ دبئی)
۲۔تذکرہ علماء سلف مولانا عبد الحفیظ ندوی ڈومریا گنج
۳۔مجلۃ الفرقان جنوری فروری ۱۹۹۸ء

❑❑❑

آئینہ حیات

خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ

۱۹۱۰ء۔۔۔۔۔۱۹۹۹ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

برصغیر کی جماعتی تاریخ بے حد تابناک اور روشن رہی ہے۔ یہاں آزادی سے پہلے اور آزادی ہند کے بعد بڑے بڑے عباقرہ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے علم وعمل اور خدمات وقربانیوں سے ایک تاریخ رقم کرڈالی، ان قربانیوں کی صفوں میں سرفہرست رحمانی علماء اوران کے نام اور کارنامے ہیں جو آج بھی ہمیں کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی صورت میں ضرور نظر آتے ہیں، ہندوستان کی آزادی سے پہلے کی پیداوار اور آزادی ہند کے بعد افق بھارت پر پوری آب وتاب کے ساتھ آخری عمر تک اپنی بے لوث قربانیوں، بے باک قلم اور تحریروں اور شعلہ بیاں وشیریں مقال تقریروں سے جس شخصیت نے دھوم مچادی اس کا نام عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری ہے جنہیں دنیا خطیب الہند ہی نہیں بلکہ خطیب الاسلام کے نام سے جانتی ہے، آپ اپنے والد کی ان نیکیوں اور دعاؤں کا حسین ثمرہ تھے جس کی کاشت ہندوستان سے ہجرت کرکے سرزمین نیپال میں کی گئی تھی اور اس کے اثرات پوری دنیا تک پہنچے، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور دیگر اعیان علمائے جماعت کی تقریروں سے متاثر ہوکر جب اللہ نے آپ کو اہلحدیث بنایا تو پھر زمانے نے دیکھا کہ پورے اخلاص اور جذبہ للّٰہیت میں ڈوب کر اس زمیندار باپ نے سرحد ہندونیپال پر ایک عظیم سلفی مرکز ''سراج العلوم'' کے نام سے قائم کرڈالا، اور نہ صرف یہ کہ اس کی آبیاری کی بلکہ اپنی زمینداری کا ایک بڑا حصہ اور اپنے ہونہار فرزند عبدالرؤف کو اس کے لئے وقف کرڈالا، اور پھر علم وعمل کا یہ گلستان اس طرح سے پروان چڑھا کہ آج اسے عالم عرب وعجم میں ایک مہتم بالشان مقام حاصل ہے۔ ایک زمانہ تھا جب ہماری کانوں میں ہندونیپال کے سرحدی علاقوں سے لے کر پورے ہندوستان میں صرف ایک ہی آواز سنائی دیتی تھی کہ آج فلاں مقام پر اجلاس ہے اور جھنڈانگری مولانا تشریف لارہے ہیں، اور پھر کیا ہوتا عوام الناس کا ایک امنڈتا ہوا سیلاب اور خطیب الاسلام کی سحر بیانی، شعلہ مقالی، شیریں اسلوب اور لوگ سیراب ہوہوکر آسودہ دل اور آسودہ دماغ اپنے گھروں کو واپس آتے۔ ایک طرف خطابت کی جلوہ آرائی، اور دوسری طرف بے باک قلم سے تحریر کردہ مناظرانہ کتب اور واعظانہ تصنیفات کی دھوم تو تیسری طرف پورے عالم اسلام میں اپنی تعلیمی، انتظامی صلاحیتوں کی بدولت بت کدۂ نیپال میں ایک عظیم علمی جامعہ اور اس کی تعمیر وترقی، یہ سب کچھ اگر کسی شخصیت میں یکجا طور پر موجود تھیں تو وہ ہمارے ممدوح حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ کی ہمہ گیر، مرنجان مرنج اور شگفتہ وشیفتہ، شیریں سخن شخصیت میں تھی اور آج بھی جھنڈانگر اور وہاں جاری سوسال سے زائد عمر طویل کا تاریخی ادارہ، اس

کے در و دیوار اور اس کا خطہ خطہ اور چپہ چپہ آپ کی قربانیوں کا گواہ اور شاہد ہے۔

زیر نظر مضمون آپ کی زندگی، خدمات اور اہم ترین اعمال اور ذمہ داریوں کا ایک آئینہ ہے جو پیش خدمت ہدیہ قارئین ہے۔ اللہ مولانا کو غریق رحمت فرمائے اور آپ کی قربانیوں کا آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

نام ونسب: مولانا عبدالرؤف رحمانی بن الحاج نعمت اللہ خان بن سردار خاں بن بخت یار خاں بن موتی خاں۔

خاندانی پس منظر: آپ کا خاندان ضلع گونڈہ یوپی (حال بلرامپور) کے ایک گاؤں موضع ''دتلو پور'' میں برسہا برس سے آباد چلا آرہا تھا، حسن اتفاق قدرت نے آپ کے والد نعمت اللہ خاں کو بہترین اور خوشگوار زندگی اور اطمینان بخش معاشی استحکام کی تلاش میں نیپال کے جنگلاتی علاقوں سے قریب ایک گاؤں ''کدر بٹوا'' پہنچا دیا، یہاں آپ نے ایک بڑی زمینداری خریدی اور ترقی کی راہوں پر گامزن رہتے ہوئے مزید کئی گاؤں کی خریداری تک آپ کی رسائی ہوئی، اور اسے بھی ایک زرخیز علاقے میں تبدیل کر کے گل گلزار کی شکل دے دی جو سب کچھ رب العزت کی توفیق سے ممکن ہو سکا تھا، ایک اچھی زمینداری اور خوشحال زندگی کے ساتھ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دین اور تقویٰ کی دولت سے بھی نوازا تھا، گھر کا پورا ماحول دین پسندی اور جذبۂ خیر سے لبریز تھا۔ اسی خوبصورت ماحول میں خطیب الاسلام عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری نے آنکھیں کھولیں اور پروان چڑھے۔ اور پھر آگے چل کر تاریخ نے وہ سب کچھ دیکھا جسے ہندو نیپال کے سرحدی علاقوں ہی کی نہیں بلکہ عالم اسلام کی ایک عظیم درسگاہ نبوت جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر اور اس سے وابستہ رہ کر آپ کی خدمات وقربانیوں کی شکل میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ اور اس چشمۂ فیض کا نام آتے ہی خطیب الاسلام جھنڈانگری اور جھنڈانگر کی حسین یادیں اور خوبصورت تاریخی وعلمی لمحات اور جہد مسلسل سے عبارت آپ کی دعوتی وتدریسی زندگی اور ان تمام سے وابستہ سنہرے نقوش ابھر کر سامنے آجائیں گے۔ اللہ بیٹے اور باپ کو غریق رحمت فرمائے اور اس عظیم خانوادہ علم وعمل کی حفاظت فرمائے اور جھنڈانگری رحمہ اللہ کے فیضان معرفت کو تاابد جاری رکھے۔ آمین۔

ولادت: آپ کی پیدائش موضع کدر بٹوا، ضلع کپل وستو، نیپال میں ایک متمول اور باعزت گھرانے میں ۱۹۱۰ کو ہوئی۔ البتہ بعض جگہوں پر آپ کی سن پیدائش ۱۹۰۵ء یا ۱۹۱۵ء درج ہے۔ وہ زیادہ قرین قیاس نہیں جیسا کہ ''السراج'' خطیب الاسلام نمبر ص ۲۴۸ میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

تعلیمی مراحل:

۱۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن کدر بٹوا نیپال میں میاں مالک علی، ساکن لٹیا، ڈومریا گنج سے گاؤں کی مسجد میں حاصل کی۔

۲۔ عربی وفارسی کی بنیادی تعلیم جھنڈانگر مدرسہ میں اس کے قیام کے ابتدائی ایام میں مولانا محمد خلیل بسکوہریؒ سے پائی، یہاں پر کل مدت تعلیم چار سال رہی۔

۳۔ ہدایۃ النحو، کافیہ، قدوری، منطق وغیرہ کی تعلیم دو سال تک مولانا حبیب اللہ، قاری احمد سعید، شیخ فصیح الدین، بالخصوص مولانا محمد منیر خاں بنارسی وغیرہم سے مدرسہ مصباح الہدیٰ بنارس، (جو بعد میں جامعہ رحمانیہ بنارس کہلایا) میں حاصل کی۔

۴۔ ۱۳۴۸ھ میں والدہ کے انتقال کی وجہ سے مجبوراً گھر واپس آگئے، اور یہیں اپنے والد کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ جھنڈا نگر میں مولانا عبدالغفور بسکوہریؒ ملا فاضلؒ سے شرح وقایہ، نورالانوار وغیرہ کی تعلیم پائی۔

۵۔ ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء میں دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں جماعت سابعہ میں داخلہ لیا اور یہاں دوسال رہ کر ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء تک اجلۂ علماء سے کسب فیض کیا خصوصاً شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوریؒ اور شیخ الحدیث احمداللہ پرتاپ گڑھی سے بالترتیب موطا امام مالک اور صحیح بخاری کا درس لیا اور یہیں سے ۱۹۳۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ دستار فضیلت محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ نے باندھا، اور پیچ مولانا احمداللہ پرتاپ گڑھیؒ نے کسا، اس مجلس میں صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین بھی موجود تھے۔

مشہور اساتذہ:

۱۔ میاں مالک علی (ابتدائی تعلیم کدر بٹوا میں، ۲۔ مولانا محمد خلیل بسکوہری (عربی وفارسی بنیادی تعلیم جھنڈا نگر میں)، ۳۔ مولانا حبیب اللہ بہاری، بنارس میں، ۴۔ مولانا فصیح الدین (بنارس)، ۵۔ قاری احمد سعید (بنارس)، ۶۔ مولانا محمد منیر خان جونپوری (بنارس)، ۷۔ مولانا عبدالغفور بسکوہری (جھنڈا نگر) ۸۔ شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارک پوری (رحمانیہ دہلی) ۹۔ مولانا نذیر احمد املوی (رحمانیہ دہلی) ۱۰۔ شیخ الحدیث مولانا احمداللہ پرتاپ گڑھی (رحمانیہ دہلی)، (۱۱) مولانا سکندر علی ہزاروی (رحمانیہ دہلی) ۱۲۔ مولانا عبدالسلام درانی (رحمانیہ، دہلی)۔

مشہور تلامذہ: ۱۔ مولانا عبدالمبین منظر بستویؒ، (سمرا) ۲۔ مولانا عبدالحنان فیضیؒ سابق مفتی جامعہ سراج العلوم، جھنڈا نگر۔ ۳۔ مولانا محمد یحییٰ بنارسیؒ ۴۔ مولانا امراللہ عارف سراجیؒ (کنڈرا گرانٹ) ۵۔ مولانا عبدالجلیل رحمانیؒ، ششہنیاں۔ ۶۔ مولانا محمد اقبال رحمانیؒ (کنڈو بونڈیہار)

تدریسی وتعلیمی خدمات:

۱۔ ۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۳ء تک فراغت کے فوراً بعد دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں،

۲۔ ۱۹۳۴ء تا ۱۹۳۶ء جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال میں جو آپ کے والد کا قائم کردہ ادارہ تھا۔

۳۔ ۱۹۳۶ء تا ۱۹۳۸ء جامعہ رحمانیہ بنارس میں دوسال۔

۴۔ بحیثیت مدرس ونائب ناظم وناظم اعلیٰ ۱۹۳۸ء تا حین حیات جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر۔

دورِ نظامت: آپ کی نظامت جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر کے دو ادوار ہیں۔

(۱) بحیثیت نائب ناظم، جولائی ۱۹۳۸ء تا ۱۹۵۵ء اس فترہ میں ناظم اعلیٰ آپ کے والد تھے اور ان کے انتقال کے بعد آپ کے چچا حاجی محمد اسحاق ناظم تھے۔

۲۔ بحیثیت ناظم اعلیٰ ۱۹۵۵ء سے وفات ۳۰ نومبر ۱۹۹۹ء تک (قریباً چالیس سالوں سے زائد عرصہ تک) آپ جامعہ سراج العلوم کے روح رواں اور ناظم اعلیٰ رہے۔ سوائے ابتدائی چار سالوں کے جس میں جماعت اسلامی کے بعض شرپسندوں کی سازش کی

وجہ سے آپ کو ادارہ سے علیحدہ رہنا پڑا بالآخر ۱۹۵۹ء میں علاقے کے سربرآوردہ لوگوں نے اس فترہ میں جامعہ کی تعمیری وتعلیمی انحطاط وتنزلی کو دیکھ کر آپ کو واپس ناظم اعلیٰ بنادیا اور کلی اختیار عطا فرمادیا چنانچہ اس کے بعد سے لے کر تادم آخر آپ نے پوری زندگی جامعہ کی تعمیر وترقی کے لئے وقف کردی اور ادارہ کو بامِ عروج تک پہنچادیا۔

تصنیفی خدمات:

آپ نے تدریس، تعلیم اور جامعہ کی کلیدی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ تصنیفی کاموں کو بھی بڑی محنت وعرق ریزی سے انجام دیا اور کئی رئیسی کتابیں تحریر کیں جو آج بھی مقبول خاص وعام ہیں۔آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی فہرست ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔صیانۃ الحدیث، ۲۔نصرۃ الباری، ۳۔دلائل ہستی باری تعالیٰ، ۴۔تردید حاضرہ وناظرہ، ۵۔العلم والعلماء، ۶۔خلفائے راشدین، ۷۔سفرنامہ حجاز، ۸۔تحقیق مسند، ۹۔دلائل توحید باری تعالیٰ، ۱۰۔احترام مسلم، ۱۱۔ماہ رمضان کے احکام ومسائل، ۱۲۔کلمات دعا مع ثمرات، ۱۳۔دلائل صدقِ رسالت، ۱۴۔کتاب الدعاء، ۱۵۔اقلیت واکثریت کے مسائل، ۱۶۔فضائل سید الانبیاء، ۱۷۔ادائے حقوق وصفائی معاملات (قسطوار شائع ترجمان)، ۱۸۔احوال قیامت و حشراجساد، ۱۹۔قرآن کریم پر پادریوں کے پانچ شبہات اور جواب، (۸۰ صفحات)، ۲۰۔فضائل ومسائل نماز (۲۰۰ صفحات)، ۲۱۔اسلاف کرام کی فیاضیاں (قسط وار شائع ترجمان)، ۲۲۔حرمت سود وجوا (تقریر)، ۲۳۔صبر واستقامت کا پیغام امت مسلمہ کے نام (تقریر)، ۲۴۔تقویٰ کی خصوصیات، ۲۵۔مسئلہ عشر عقل ونقل کی روشنی میں، ۲۶۔اسلام اور سائنس، ۲۷۔فلسفۂ خیروشر (۵۰ صفحات)، ۲۸۔کائنات عالم میں زمین کی اہمیت، ۲۹۔ایمان وعمل (۸۰۰ صفحات)، ۳۰۔رسالہ عشر (۱۶ صفحات)، ۳۱۔مسئلہ زکوۃ (۱۶ صفحات)، ۳۲۔اوقاف کا روشن تابناک سلسلہ (۷۰ صفحات)، ۳۳۔صحابہ کرام کی دولت مندی اور سخاوت وفیاضی (۷۰ صفحات)، ۳۴۔تعلیمات اسلام کی حقانیت اور تبلیغ محمدی کی انقلابی قوت (۳۰ صفحات)، ۳۵۔ضلالت وہدایت سے متعلق آیات کریمہ کی تشریح (۲۵ صفحات)، ۳۶۔مذہب اہل حدیث اپنے نظریات وخصوصیات کے آئینے میں (۱۰۰ صفحات)، ۳۷۔سفر حج کے آداب وشرائط اور چند مقدس آثار وشعائر، ۳۸۔اشعار وقصائد کی دینی حیثیت، ۳۹۔عاملین حدیث کا پہلا مقدس گروہ (۱۰۰ صفحات،) ۴۰۔علماء دین اور امراء اسلام، ۴۱۔عربی زبان اور خوشحال مسلمان، ۴۲۔مقررین اور واعظین پر عتاب کا جواب، ۴۳۔قربانی پر معیشت کی آڑ میں اعتراض (۲۵ صفحات)، ۴۴۔دینی تعلیم وامراء زمانہ، ۴۵۔علم دین کا مقام اور مدارس اسلامیہ کی تاریخ، ۴۶۔عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل، ۴۷۔بقرعید میں ذبح جانوراں جیو ہتیا نہیں، ۴۸۔مومنین عابدین وذاکرین کے اوصاف، ۴۹۔اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، ۵۰۔صداقت قرآن اور اصلاحات بائبل، ۵۱۔انفاق فی سبیل اللہ ودینی وملی ادارے، ۵۲۔نعم البدل، ۵۳۔حقانیت اسلام اور تہذیب حاضر کے ظلمات، ۵۴۔لادینی تحریکات کے دور میں دینی اداروں کا قیام، ۵۵۔آپ بیتی وجگ بیتی کے چند واقعات، ۵۶۔خلافت فاروق

اعظم، ۵۷۔مطالب خطاب وفوائد حمد وصلاۃ (۱۰۰ صفحات)، ۵۸۔فہم قرآن، ۵۹۔استقبالیہ نوگڑھ، ۶۰۔سرگزشت جامعہ۔اُول وغیرہ۔

اہم عہدے، مناصب وذمہ داریاں:

۱۔نائب ناظم وناظم اعلیٰ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر (قریب ۶۲ سالوں تک) ۲۔بانی وموسس مرکز امام احمد بن حنبل، تولہوا نیپال، ۳۔جامعہ محمدیہ بھیرھوا کے قیام میں آپ مادی ومعنوی طور پر پیش پیش تھے، ۴۔بانی مدرسہ ضیاء العلوم چنروٹہ شاخ سراج العلوم، ۵۔سرپرست وموسس مدرسہ عائشہ صدیقہ للبنات قائم شدہ ۱۹۸۹ء جھنڈانگر، ۶۔رکن رابطہ عالم اسلامی ۱۹۷۷ء تا حیات، ۷۔صدر ضلعی جمعیت اہل حدیث بستی وگونڈہ آپ کے اسی دور امارت میں ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹ نومبر ۱۹۶۱ء کو نوگڑھ کانفرنس ہوئی جس میں آپ نے شاندار استقبالیہ سے مجمع عام کے دلوں کو جیت لیا تھا۔، ۸۔موسس وامیر مرکزی جمعیت اہل حدیث نیپال ۳۰/مارچ ۱۹۸۹ء، ۹۔رکن مجلس عاملہ جامعہ سلفیہ بنارس، ۱۰۔سرپرست ماہنامہ السراج جھنڈانگر، جاری شدہ مارچ ۱۹۹۴ء یہ رسالہ ابھی تک مولانا شمیم احمد ندوی کی مسئولیت اور مولانا عبدالمنان سلفی کی ادارت میں جاری ہے، اللہ اسے سدا کامیاب وجاری رکھنے کی توفیق دے۔ ۱۱۔نیپال کے میدانی وپہاڑی علاقوں میں کم وبیش پچاس سے زائد مکاتب ومساجد کا قیام، ۱۲۔رکن مجلس عاملہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۱۲۔بانی السراج کمپیوٹر ٹریننگ سینٹر، ۱۳۔رکن انجمن اصلاح آل نیپال، کاٹھمنڈو، ۱۴۔نائب صدر دینی تعلیمی کونسل اتر پردیس۔

آپ کا قائم کردہ ادارہ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر، آپ کی قربانیوں اور اخلاص ووفا کے بعد آپ کے باصلاحیت خلف الصدق خانوادہ کی وجہ سے آج ایک یونیورسٹی کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ جو خطیب الاسلام کمپلیکس کی صورت میں ایک وسیع وعریض قطعہ اراضی پر لہلاتے چمنستان کی شکل میں آج خاندان نعمت کے مہر ووفا اور خلوص وسچائیوں کا پتہ دے رہا ہے۔ اللہ اسے سرسبز وشاداب رکھے۔ آمین۔

اہم علماء کبار جن سے آپ کے گہرے روابط تھے:

۱۔شیخ ابن بازؒ، ۲۔مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، ۳۔مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ، ۴۔مولانا داؤد راز دہلویؒ، ۵۔مولانا حسین احمد مدنیؒ (دیوبندی)، ۶۔مولانا عبدالوہاب آرویؒ، ۷۔مولانا محمد اسماعیل سلفی گجرانوالہؒ، ۸۔مولانا علی میاں ندویؒ، ۹۔مولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ، ۱۰۔قاضی عدیل عباسیؒ، ۱۱۔مولانا عبداللہ شائق مئویؒ، ۱۲۔ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفیؒ، ۱۳۔مولانا عبدالحمید رحمانیؒ، دہلی، ۱۴۔حافظ صلاح الدین یوسف، ۱۵۔مولانا ارشاد الحق اثری، ۱۶۔مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، ۱۷۔ڈاکٹر عبداللہ نصیفؒ، ۱۸۔محمد علی الحرکان، جنرل سکریٹری، رابطہ عالم اسلامی، ۱۹۔شیخ محمد عمر فلاتہؒ، ۲۰۔شیخ محمد بن عبداللہ السبیلؒ (امام حرم)، ۲۱۔شیخ محمد ناصر العبودی، ۲۲۔شیخ طارق العیسیٰ (کویت)، ۲۳۔عبداللہ علی المطوع (کویت)، ۲۴۔شیخ یوسف جاسم (دبئی)۔

خطیب الہند وخطیب الاسلام کا خطاب:

آپ کی خطابت وتقاریر کی دلنشینی اور اثر آفرینی کا شہرہ پورے ہند و نیپال میں تھا، کوئی بھی اجلاس اور کانفرنس بغیر آپ کی شرکت کے ادھوری مانی جاتی تھی، آپ کی شعلہ بیانی اور شیریں مقالی سے متاثر ہوکر جماعت کی بزرگ ترین ہستی، شیخ الحدیث عبیداللہ مبارکپوریؒ نے ایک دفعہ موضع طیب پور، ضلع گونڈہ (حال بلرامپور) کے ایک اجلاس میں آپ کو خطیب الہند کا خطاب عطا کیا، اور دوسری مرتبہ جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو کے ایک عظیم اجتماع میں دوبارہ بے حد خوش ہوکر شیخ الحدیثؒ نے آپ کو خطیب الاسلام کے عظیم المرتبت لقب سے نوازا، مولانا اس خوش بختی اور اس خطاب سے بے حد خوش رہا کرتے تھے اور بجا طور پر یہ ایک قابل فخر خطاب تھا۔

اولاد واحفاد:

آپ کی شادی سرحد نیپال سے متصل ہند کے ایک مشہور اہل حدیث گاؤں ''اکرہرا'' میں ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو لڑکے ایک لڑکی سے نوازا تھا۔ پہلے لڑکے کا بچپن میں ہی انتقال ہوگیا تھا، اور دوسرے لڑکے مشہور سماجی وتعلیمی شخصیت بابو عبدالرشید خان ہیں جو بھیا کے نام سے معروف ہیں، اور فی الوقت قسم البنات کلیۃ عائشہ صدیقہ کے ناظم اعلیٰ ہیں۔ بیٹی کا نام قمر النساء ہے۔ بابو عبدالرشید کے کل پانچ لڑکے ہیں اور سب کے سب تعلیم یافتہ ہیں اور فی الوقت جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کے روح رواں اور ناظم اعلیٰ آپ کے خلف الصدق بھتیجے مولانا شمیم احمد ندوی حفظہ اللہ ہیں، جو اپنی انتظامی، تعلیمی اور بے باک صحافتی وقلمی صلاحیتوں کے لئے محتاج تعارف نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ادارہ کو بام عروج تک پہنچانے میں بھرپور توفیق وہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

وفات: آخری عمر میں گٹھیا کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا، کافی علاج ومعالجہ کے بعد بالآخر ۳۰ نومبر ۱۹۹۹ء بعد نماز مغرب عالم عرب وعجم کا چراغ اور سلفیان ہند و نیپال کا بے باک ترجمان خطیب الہند وخطیب الاسلام ہمیں سوگوار چھوڑ کر راہی ملک بقا ہو چلا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یکم دسمبر ۱۹۹۹ء کو بعد نماز عصر جھنڈانگر کے قبرستان میں تدفین ہوئی نماز جنازہ آپ کے شاگرد، مفتی جامعہ مولانا عبدالحنان فیضی نے پڑھائی اور ہزاروں کے پرہجوم مجمع میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ واعف عنہ۔

(ماخوذ از ماہنامہ السراج، خطیب الاسلام نمبر۔ مئی۔ اکتوبر ۲۰۰۰ء، چمنستانِ حدیث، محمد اسحاق بھٹی، ص: ۳۷۴ راصل مضمون شائع شدہ ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی مئی جون، ۲۰۱۸ء)۔

□□□

مولانا عبداللہ طیب بنارسی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۶۹ء.....۲۰۰۳ء)

مولانا محمد یونس مدنی ربنارس

مولانا عبداللہ طیب بنارسی رحمہ اللہ جامعہ سلفیہ بنارس اور مدینہ یونیورسٹی دونوں جگہ ہمارے سینئر ساتھی تھے، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں آپ سے بڑی بے تکلفی رہی، بڑے بھائی شیخ عبدالمتین مدنی سے بھی بڑا یارانہ رہا، جواں سالی ہی میں مشیت الٰہی کے مطابق موذی مرض کے شکار ہوگئے، آخری وقت میں جب ممبئی لائے گئے تو شیخ عبدالمتین مدنی کے ساتھ ہم لوگ برابر ہاسپٹل میں بہترین علاج ومعالجے کے لئے دوڑتے رہے، خون عطیہ کی ضرورت پیش آئی تو مساجد میں احباب جماعت سے درخواست کی گئی، سارا کام ہوگیا مگر عرش والے کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اچانک خبر آئی کہ اب وہ ہمارے درمیان نہیں۔ بڑے خوبرو، مخلص اور سادہ طبیعت کے مالک تھے اور بے تکلف ہوکر یارانہ گفتگو کا مزاج تھا۔ اللہ غریق رحمت فرمائے اور جنت میں اعلیٰ مقام نصیب کرے۔ استاذ محترم شیخ محمد یونس مدنی حفظہ اللہ کے شکریہ کے ساتھ یہ مضمون ہدیہ قارئین ہے۔

حسب ونسب: آپ کا نام عبداللہ کنیت ابوصہیب ہے۔

نسب ذیل میں درج ہے: عبداللہ طیب بن محمد ابوبکر بن حاجی محمد اکرام بن حاجی محمد ایوب بن حاجی وارث محمد بن اللہ بخش بن نذر محمد بن پیر محمد عرف فرنگی۔

ولادت: شہر بنارس برادران وطن کے لئے تقدیس کی نگری ہے اور اہل علم کے لئے علوم کا مرکز ہے اہل حدیث کے بڑے بڑے علماء اسی شہر میں پیدا ہوئے اور یہیں پیوند خاک ہوئے۔ اسی شہر کا مشہور محلہ مدن پورہ ہے جو بنارسی ساڑیوں کا مرکز ہے، مولانا عبداللہ طیب مدنی اسی محلہ مدن پورہ کے مشہور متمول اور معزز گھرانے میں یکم ستمبر ۱۹۶۹ء ۱۳۸۹ھ میں پیدا ہوئے اور یہیں نشوونما پائی۔

آپ کے والد محترم محمد ابوبکر صاحب حفظہ اللہ انتہائی دین دار، متبع سنت ہیں، بنارس ہندو یونیورسٹی سے ایم ایس سی ہیں، اللہ نے آپ کو دو لڑکے اور دو لڑکیوں سے نوازا، انگریزی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود آپ نے دونوں بیٹوں کو دین کی خدمت کے لئے وقف کردیا، بڑے بیٹے مولانا عبدالمتین صاحب مدنی ماشاء اللہ جامعہ سلفیہ میں مدرس ہیں اور اپنی اعلیٰ لیاقت اور سنجیدہ تقریروں کی وجہ سے اہل علم کے حلقہ میں عزت ووقار کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ چھوٹے بیٹے عبداللہ طیب مدنی تھے جنہیں اللہ نے اپنے پاس بلالیا۔

تعلیم: ابتدائی درجات سے پنجم تک کی تعلیم جامعہ رحمانیہ مدن پورہ بنارس میں حاصل کی۔ پرائمری کے اساتذہ میں ماسٹر عبدالحمید رحمہ اللہ، ماسٹر حمید اللہ رحمہ اللہ، ڈاکٹر خالد شفاء اللہ رحمانی حفظہ اللہ قابل ذکر ہیں۔

گھر کے دینی ماحول اور والدین کی خواہش کے مطابق بڑے بھائی کی طرح آپ نے بھی جامعہ رحمانیہ کے شعبہ عربی میں داخلہ

لیا اور ثانویہ تک کی تعلیم مکمل کی، ثانویہ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس میں عالمیت کے سال اول میں داخلہ لیا اور ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۹ء میں عالمیت کا کورس مکمل کیا اس وقت مدارس کے اتحادی نصاب کی وجہ سے جامعہ سلفیہ سے فضیلت کا کورس نکل گیا تھا اسی لئے وہ فضیلت نہیں کر سکے، جامعہ سلفیہ کے اساتذہ میں مولانا عبدالوحید صاحب رحمانیؒ (م ۱۹۹۷ء) ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ (م ۲۰۰۹ء) مولانا صفی الرحمن مبارکپوریؒ (م ۲۰۰۶ء) مولانا محمد رئیس صاحب ندوی رحمہ اللہ (۲۰۰۹ء) مولانا عابد حسن رحمانیؒ (۲۰۰۹ء) مولانا عبدالسلام صاحب مدنی رحمہ اللہ، مولانا عزیز الرحمن صاحب سلفی حفظہ اللہ، مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی حفظہ اللہ، مولانا احسن جمیل صاحب مدنی حفظہ اللہ قابل ذکر ہیں۔

جامعہ سلفیہ سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ جامعہ اسلامیہ یونیورسٹی تشریف لے گئے اور وہاں کلیۃ الحدیث میں داخل ہوئے، انہوں نے وہاں سے ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۵ء میں لیسانس (بی اے) کی ڈگری حاصل کی، بی اے کرنے کے بعد آپ وطن واپس آئے۔

جامعہ اسلامیہ کے اساتذہ میں شیخ عبدالمحسن حمد العباد، شیخ علی الحذیفی، شیخ محمد ایوب محمد یوسف، دکتور عبدالرحیم قشقری، شیخ عبدالعزیز محمد العبداللطیفؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مشغلہ: حصول علم کے بعد آپ کو ذریعہ معاش تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، ساڑیوں کی تجارت آپ کا آبائی پیشہ تھا، لیکن جس علم دین کے حصول کے لئے آپ نے اس قدر جدوجہد کی اس سے جدا ہونا گوارا نہ کیا اور اسی علم دین کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔

تدریس: مدینہ سے واپس آئے تو مدرسہ احیاء السنۃ بجرڈیہہ میں بحیثیت مدرس ۱۰ رشوال ۱۴۱۶ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۹۶ء میں آپ کی تقرری عمل میں آئی، مدرسہ احیاء السنۃ میں تین سال تک آپ نے تدریسی فرائض انجام دئے، وہاں آپ عربی کی ابتدائی جماعتوں کی کتابیں پڑھاتے تھے، رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۸ء میں آپ وہاں سے مستعفی ہوگئے اور ۱۲ رشوال ۱۴۱۹ھ مطابق جنوری ۱۹۹۹ء سے آپ جامعہ سلفیہ، بنارس میں منصب تدریس پر فائز ہوئے اور تادمِ حیات آپ جامعہ سے وابستہ رہے۔

تبلیغی سرگرمیاں: دعوت وتبلیغ سے آپ کو بے حد شغف تھا، اسی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے اتحاد ابناء السلفیہ تنظیم کے ذمہ داروں نے مولانا کو جنرل سکریٹری بنادیا، اس تنظیم کا پندرہ روزہ دعوتی پروگرام بنارس اور مضافات بنارس میں مستقل جاری رہتا، اس تنظیم کو مولانا نے جو قوت اور توانائی بخشی اس کے اثرات ماشاء اللہ دیکھے جاسکتے ہیں، آپ جامع مسجد اہل حدیث مدن پورہ میں ہفتہ میں ایک روز درس قرآن دیتے تھے، دعوت وتبلیغ سے حد درجہ دلچسپی کو دیکھ کر میں اکثر وبیشتر خطبہ جمعہ کے لئے مختلف مساجد میں بھیجا کرتا تھا، جب مولانا علی گڈھ سے واپس آئے تو میں نے بذریعہ فون مولانا سے خطبہ جمعہ کے لئے درخواست کی، مولانا نے بیماری کی وجہ سے معذرت کی اور اس کے بعد سے بیماری برابر بڑھتی گئی۔

رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ کے پہلے عشرہ میں عوام کو اسلامی مسائل سے واقف کرانے کے لئے ایک پروگرام جامعہ سلفیہ میں منعقد

ہوا، اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے مولانا نے بڑی محنت کی، مختلف علاقوں کا دورہ کیا، لوگوں کو ترغیب دلائی، ان کی مخلصانہ کوشش سے بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔

جامعہ سلفیہ میں اس نوعیت کا یہ پہلا پروگرام تھا، یہ پروگرام صبح سے شام تک چلتا تھا، جامعہ کے اساتذہ الگ الگ موضوعات پر لکچر دیتے تھے، قرآن کریم کی قرأت وتجوید کی مشق کرانے کے لئے جو حلقے قائم کئے گئے تھے ان میں سے ایک حلقہ کی مشق آپ کراتے تھے، مولانا نے اتحاد کے سکریٹری کی حیثیت سے پوری سرگرمی کے ساتھ اس پروگرام میں حصہ لیا، اس پورے تربیتی پروگرام کے دوران ہر چیز کے انتظام میں آپ پیش پیش رہے، دعوت وتبلیغ کے علاوہ دیگر دینی، رفاہی اور سماجی کاموں میں آپ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔

تصنیف وتالیف: مولانا عبداللہ طیب مدنی رحمہ اللہ دعوت وتبلیغ کے ساتھ ساتھ تحریر کا ذوق بھی رکھتے تھے، جامعہ اسلامیہ کے طالب علمی کے دور میں تین علمی مقالے اپنے اساتذہ گرام کے اشراف میں تحریر کئے مگر ابھی تشنہ طبع ہیں۔

۱۔ الأحادیث المرویۃ فی آداب الاکل والشرب تخریج ودراسہ۔ (عربی) غیر مطبوع۔

۲۔ الامام السیوطی وجہودہ فی مقاومۃ الوضع۔ (عربی) غیر مطبوع۔

۳۔ تحقیق ''الموقظۃ لامام الذہبی'' (عربی) غیر مطبوع۔

وفات سے قبل آپ نے چند عربی رسالوں کا اردو میں ترجمہ کیا:

۱۔ ''لا الہ الا اللہ کا معنی ومفہوم'' اردو میں، مطبوع ہے۔

۲۔ رمضان المبارک اور اسلاف کرام (ترجمہ) اردو میں، مطبوع ہے۔

۳۔ حجاج کرام کو ضروری ہدایات (ترجمہ) اردو میں، غیر مطبوع۔

۴۔ پیغام حج (ترجمہ) اردو میں، مطبوع۔

شادی: ۱۵/اگست ۱۹۹۸ء میں آپ رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے، آپ کی اہلیہ مولانا محمد عبدالقیوم صاحب مدنی کی بھتیجی ہیں، آپ کے صرف دو بچے ہیں، ایک لڑکا جس کا نام ''صہیب'' ہے اور وہ شعبۂ حفظ میں زیر تعلیم ہے۔ دوسری بچی ہے جس کا نام سامحہ ہے، وہ امہات المومنین گرلس اسکول میں تعلیم حاصل کر رہی ہے۔

بیماری: علی گڑھ یونیورسٹی ہی کے پروگرام میں آپ بخار میں مبتلا ہوئے، دوا سے افاقہ ہوا، لیکن گھر واپس آتے ہی پھر تیز بخار آ گیا، علاج ہوتا رہا لیکن مرض کی صحیح تشخیص نہ ہو سکی اور بیماری بڑھتی گئی ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

عید سے دو روز قبل جنتا سیوا اسپتال مالتی باغ (مدن پورا) میں آپ کو داخل کیا گیا، ہومیوگلوبن کی کمی ہوتی چلی گئی، عید کا دن گزار کر شب میں وہاں سے آپ کو بنارس ہندو یونیورسٹی کے اسپتال میں منتقل کر دیا گیا، خون کی مختلف جانچ ہوئی معلوم ہوا کہ آپ کو بلڈ کینسر

ہے، بی ایچ یو کے ڈاکٹروں کے مشورہ سے آپ کو ممبئی کے ایک معروف اور بڑے اسپتال جسلوک اسپتال میں داخل کر دیا گیا، آپ کے ساتھ آپ کے بڑے بھائی مولانا عبدالمتین صاحب مدنی اور موصوف کی اہلیہ تھیں، آپ ملک کے مشہور ڈاکٹر ایس، ایچ ایڈوانی کے زیر علاج رہے، آپ کے رفقاء نے مولانا کے علاج میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، آخر وقت موعود آپہونچا۔

وفات: ۸ر ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۰ر فروری ۲۰۰۳ء بروز دوشنبہ طلوع فجر سے قبل بوڑھے والدین، عزیز بھائی، اہلیہ اور دو معصوم بچوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر دار البقاء کی راہ لی، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ مومن پورہ کی اہل حدیث مسجد میں صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کے امیر محترم جناب مولانا عبدالسلام سلفی نے پڑھائی، قاری نجم الحسن صاحب فیضی، شیخ محمد مقیم صاحب فیضی، شیخ نجیب بقالی، شیخ عبدالحکیم مدنی، شیخ ضمیر احمد مدنی اور دیگر علماء کرام، احباب جماعت جنازہ میں شریک رہے۔

تدفین ناریل واڑی قبرستان میں عمل میں آئی، اللہم اغفرلہ وارحمہ۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

مراجع

(۱) پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی، شمارہ ۱۵۔۱۶ر مارچ ۲۰۰۳ء
(۲) پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی، شمارنمبر ۱۰، ۱۵۔۱۶ر مئی ۲۰۰۳ء
(۳) ماہانہ محدث مجریہ بنارس، اپریل ۲۰۰۳ء
(۴) شخصی معلومات

(ماخوذ از تراجم علمائے اہل حدیث بنارس/مولانا محمد یونس مدنی، ص ۱۹۸۔ ۲۰۳)

□□□

خودنوشت

اپنی شرگزشت

(مشہور سیرت نگار مولانا صفی الرحمن مبارکپوریؒ)

۱۹۴۳ء.....۲۰۰۶ء

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الاولین والآخرین محمد خاتم النبین، وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔ امابعد

چونکہ رابطۂ عالم اسلامی نے سیرت نویسی کے مقابلے میں حصہ لینے والوں کو پابند کیا ہے کہ وہ اپنے حالاتِ زندگی بھی قلم بند کریں۔ اس لئے ذیل کی سطور میں اپنی سادہ زندگی کے چند خاکے پیش کر رہا ہوں۔

سلسلہ نسب:

صفی الرحمن بن عبداللہ بن محمد اکبر بن محمد علی بن عبدالمومن بن فقیر اللہ مبارکپوری اعظمی۔

پیدائش:

سند میں میری تاریخ پیدائش ۶؍جون ۱۹۴۳ء درج ہے۔ مگر یہ تخمینی اندراج ہے تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ پیدائش ۱۹۴۲ء کے وسط کی ہے۔ مقام پیدائش موضع حسین آباد ہے جو مبارکپور کے شمال میں ایک میل کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی ہے، مبارکپور ضلع اعظم گڑھ کا ایک معروف علمی وصنعتی قصبہ ہے۔

تعلیم وتعلّم:

میں نے بچپن میں قرآن مجید کا کچھ حصہ اپنے دادا اور چچا سے پڑھا۔ پھر ۱۹۴۸ء میں مدرسہ دارالتعلیم مبارکپور میں داخل ہوا۔ وہاں چھ سال رہ کر پرائمری درجات اور مڈل کورس کی تعلیم مکمل کی۔ قدرے فارسی بھی پڑھی۔ اس کے بعد جون ۱۹۵۴ء میں مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں داخل ہوا اور وہاں عربی زبان وقواعد، نحو وصرف اور بعض دوسرے فنون کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ دو سال بعد مدرسہ فیض عام مئو پہنچا۔ اس مدرسہ کو اس علاقہ میں ایک اہم دینی درسگاہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اور مئوناتھ بھنجن، قصبہ مبارکپور سے ۳۵ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

فیض عام میں میرا داخلہ مئی ۱۹۵۰ء میں ہوا۔ میں نے وہاں پانچ سال گزارے۔ اور عربی زبان وقواعد اور شرعی علوم وفنون

یعنی تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ اور اصول فقہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ جنوری ۱۹۶۱ء میں میری تعلیم مکمل ہوگئی۔ اور مجھے باقاعدہ شہادۃ التخریج (یعنی سند تکمیل) دیدی گئی۔ یہ سند فضیلت فی الشریعۃ اور فضیلت فی العلوم کی سند ہے۔ اور تدریس وافتاء کی اجازت پر مشتمل ہے۔

میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے تمام امتحانات میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل ہوتی رہی۔ دورانِ تعلیم، میں نے الہٰ آباد بورڈ کے امتحانات میں بھی شرکت کی۔ فروری ۱۹۵۹ء میں مولوی اور فروری ۱۹۶۰ء میں عالم کے امتحانات دیئے۔ اور دونوں میں فرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہوا۔ پھر ایک طویل عرصے کے بعد مدرسین سے متعلق جدید حالات کے پیش نظر میں نے فروری ۱۹۷۶ء میں فاضلِ ادب اور فروری ۱۹۷۸ء میں فاضل دینیات کا امتحان دیا۔ اور بحمد اللہ دونوں میں فرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہوا۔

کارگاہ علم وحیات میں:

۱۹۶۱ء میں ''مدرسہ فیض عام'' سے فارغ ہوکر میں نے ضلع الہ آباد پھر شہر ناگپور میں درس وتدریس اور تقریر وخطابت کا شغل اختیار کیا۔ دوسال بعد مارچ ۱۹۶۳ء میں مادر علمی مدرسہ فیض عام کے ناظم اعلیٰ نے مجھے تدریس کے کام پر مدعو کرلیا لیکن میں نے وہاں بمشکل دوسال گذارے تھے کہ حالات نے علیحدگی پر مجبور کردیا۔ اگلا سال ''جامعۃ الرشاد'' اعظم گڑھ کی نذر رہوا۔ اور فروری ۱۹۶۶ء سے مدرسہ دارالحدیث مئو کی دعوت پر وہاں مدرس ہوگیا۔ تین سال یہاں گزارے۔ اور تدریس کے علاوہ بحیثیت نائب صدر مدرس تعلیمی امور اور داخلی انتظامات کی نگہداشت میں بھی شریک رہا۔ پھر مستعفی ہوکر مدرسہ فیض العلوم سیونی کی خدمت پر جامامور ہوا۔ جو مئوناتھ بھنجن سے کوئی سات سو کیلومیٹر دور مدھیہ پردیش میں واقع ہے۔ وہاں جنوری ۱۹۶۹ء سے میں نے درس وتدریس کے فرائض انجام دینے کے علاوہ صدر مدرس کی حیثیت سے مدرسہ کے تمام داخلی وخارجی انتظامات کی ذمہ داری بھی سنبھالی اور جمعہ کا خطبہ دینا اور گردوپیش کے دیہاتوں میں جاجا کر دعوت وتبلیغ کا کام کرنا بھی اپنے معمولات میں شامل کیا۔ پھر ۱۹۷۲ء کے اخیر میں مدرسہ دارالتعلیم مبارکپور کی تدریسی ذمہ داریاں سنبھالیں اور دوسال بعد اکتوبر ۱۹۷۴ء میں جامعہ سلفیہ آگیا۔ جب سے یہیں کام کررہا ہوں۔

تالیفات:

تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں نے اس طویل عرصے میں تالیف وتصنیف کا بھی کچھ نہ کچھ شغل جاری رکھا۔ چنانچہ میری چند اہم تالیفات اور تراجم یہ ہیں۔

(۱) تذکرہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ (۱۹۷۲ء) یہ کتاب چار بار طبع ہوچکی ہے۔

(۲) تاریخ آلِ سعود (اردو ۱۹۷۲ء) یہ کتاب دوبار طبع ہوچکی ہے۔

(۳) اتحاف الکرام تعلیق بلوغ المرام لابن حجر عسقلانی (عربی) ۱۹۷۴ء مطبوع۔

(۴) قادیانیت اپنے آئینے میں (اردو ۱۹۷۶ء مطبوع)۔

(۵) فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری (اردو ۱۹۷۶ء) مطبوع۔

(۶) پیش نظر کتاب جو رابطہ عالم اسلامی میں پیش کرنے کے لئے تالیف کی گئی۔ (الرحیق المختوم)

(۷) انکار حدیث حق یا باطل (اردو ۱۹۷۷ء) مطبوع۔

(۸) رزمِ حق و باطل (مناظرہ بجرڈیہہ کی روداد (۱۹۷۸ء) مطبوع۔

(۹) ابراز الحق والصواب فی مسالة السفور والحجاب (عربی ۱۹۷۸ء) پردے سے متعلق علامہ ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی رحمہ اللہ کی رائے پر نقد ہے۔ اور مجلہ الجامعۃ السلفیہ میں قسط وار شائع ہوا ہے۔

(۱۰) تطور الشعوب والدیانات فی الھند ومجال الدعوة الاسلامیة فیھا (عربی ۱۹۷۹ء) چند قسطیں مجلہ الجامعۃ السلفیہ میں شائع ہو چکی ہیں۔

(۱۱) الفرقة الناجیه والفرق الاسلامیه الأخری (عربی ۱۹۸۲ء) غیر مطبوع۔

(۱۲) اسلام اور عدمِ تشدد (اردو ۱۹۸۴ء) مطبوع (انگریزی اور ہندی میں بھی طبع ہو چکی ہے۔

(۱۳) اہل تصوف کی کارستانیاں (اردو ۱۹۸۶ء) مطبوع۔

(۱۴) الاحزاب السیاسیة فی الاسلام (عربی) ۱۹۸۶ء مطبوع۔

علاوہ ازیں ماہنامہ ''محدث'' بنارس کی ایڈیٹر شپ کے فرائض بھی انجام دے رہا ہوں۔

واللہ الموفق وازمة الامور کلھا بیدہ۔ ربنا تقبل منا بقبول حسن وانبتہ نباتا حسنا۔

(الرحیق المختوم ۱۴۔۱۶)

❑❑❑

مولانا صفی الرحمن مبارک پوری

(وفات یکم دسمبر ۲۰۰۶ء)

محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ

خانوادہ مبارک پور کے اصحابِ فضل سے ہر وہ شخص واقفیت رکھتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علم وعمل کی دولت سے کچھ حصہ عطا فرمایا ہے۔ اس خانوادہ ذی قدر کے رکن اعلیٰ حضرت مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کا تذکرہ ''دبستان حدیث'' میں کیا گیا ہے اور مولانا عبدالسلام مبارکپوری، مولانا عبیداللہ رحمانی اور ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری کے کوائف حیات زیر مطالعہ کتاب ''گلستان حدیث'' کے مختلف مقامات میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان سطور میں اسی خاندان کے معروف سیرت نگار مولانا صفی الرحمن مبارک پوری کے وہ حالات ضبط تحریر میں لانا مقصود ہے جو اس فقیر کے محدود علم میں آئے۔

مولانا ممدوح کا سلسلہ نسب جو انہوں نے خود اپنی عظیم تصنیف ''الرحیق المختوم'' کے شروع میں بیان کیا، یہ ہے کہ صفی الرحمن بن عبداللہ بن محمد اکبر بن محمد علی بن عبدالمومن بن فقیر اللہ مبارکپوری اعظمی۔

مولانا صفی الرحمان مبارک پوری کی سند پر بقول ان کے تاریخ پیدائش ۶ جون ۱۹۴۳ء مرقوم ہے۔ لیکن ان کی اپنی تحقیق یہ ہے کہ وہ اس سے ایک سال قبل ۱۹۴۲ء کے وسط میں پیدا ہوئے۔ مقام پیدائش ایک چھوٹی سی بستی حسین آباد ہے جو مبارک پور کے شمال میں ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مبارکپور، صوبہ یوپی کے ضلع اعظم کا ایک مشہور علمی اور صنعتی قصبہ ہے۔

مولانا ممدوح نے کچھ ہوش سنبھالا تو حصول علم کی راہ پر گامزن ہوئے۔ قرآن مجید کا کچھ حصہ اپنے دادا اور کچھ حصہ اپنے چچا سے پڑھا۔ ۱۹۴۸ء میں مبارکپور کے مدرسہ دارالتعلیم میں داخل ہوئے۔ وہاں چھ سال میں پرائمری درجات اور مڈل کے نصاب کی تعلیم مکمل کی۔ فارسی کی ابتدائی کتابیں بھی وہیں پڑھیں۔ چودہ سال کی عمر کو پہنچے تو جون ۱۹۵۴ء میں مبارک پور کے مدرسہ احیاء العلوم میں داخلہ لیا۔ اس مدرسے میں عربی زبان وقواعد، صرف ونحو اور بعض مروجہ فنون کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ دو سال بعد ۱۹۶۵ء میں مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن پہنچے جو ان کے قصبہ مبارکپور سے ۳۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس مدرسے کو اس علاقے میں دینیات کی اہم درس گاہ سمجھا جاتا ہے۔

مئوناتھ بھنجن کے مدرسہ فیض عام میں دو پانچ سال حصول علم میں مصروف رہے۔ اس اثناء میں انہوں نے عربی زبان وقواعد اور علوم شرعیہ یعنی تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ اور اصول فقہ وغیرہ کی تمام نصابی کتابیں پڑھیں۔ اس طرح جنوری ۱۹۶۱ء میں ان کی تعلیم مکمل ہوگئی اور انہوں نے سند تکمیل (شہادۃ التخرج) حاصل کرلی۔ یہ فضیلت فی الشریعہ اور فضیلت فی العلوم کی سند ہے، جس کی

رو سے انہیں تدریس اور فتویٰ نویسی کی اجازت حاصل ہوگئی۔ اس وقت مئوناتھ بھنجن کے مدرسہ فیض عام کے شیخ الحدیث حضرت مولانا شمس الحق سلفی مرحوم ومغفور تھے، مولانا صفی الرحمن مبارک پوری نے ان سے صحیح بخاری اور بہت سی دیگر درسی کتابیں پڑھیں۔ (مولانا شمس الحق سلفی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ''قافلہ حدیث'' (ص:۲۱۶ تا ۲۲۶) شائع کردہ مکتبہ قدوسیہ اردو بازار، لاہور، مولانا ممدوح ہمارے دوست مولانا محمد عزیز شمس کے والد محترم تھے۔ ان کے حالات بھی ''قافلہ حدیث'' میں مرقوم ہیں۔)

مولانا صفی الرحمن نے انیس برس کی عمر میں یہ تعلیم مکمل کی اور مدارس کے ہر امتحان میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے۔

دوران تعلیم ہی میں انہوں نے الہ آباد بورڈ کے امتحانات میں شرکت کی۔ چنانچہ فروری ۱۹۵۹ء میں مولوی اور فروری ۱۹۶۰ء میں عالم کے امتحانات دیے اور دونوں میں فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔ پھر طویل عرصے کے بعد نئے حالات کے پیش نظر فروری ۱۹۷۶ء میں فاضل ادب اور فروری ۱۹۸۷ء میں فاضل دینیات کا امتحان دیا اور دونوں امتحانوں میں فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوئے۔

اب ان کے سلسلہ تدریس کی طرف آیے۔ ۱۹۶۱ء میں مدرسہ فیض عام (مئوناتھ بھنجن) سے فراغت کے بعد ضلع الہ آباد اور پھر شہر ناگ پور میں درس وتدریس اور تقریر وخطابت کا سلسلہ شروع کیا۔ اس سے دو سال بعد مارچ ۱۹۶۳ء میں اپنی مادر علمی مدرسہ فیض عام (مئو) کے ناظم اعلیٰ نے اس مدرسے میں خدمت تدریس انجام دینے کی دعوت دی۔ وہاں صرف دو سال گزارے، پھر حالات ایسے پیدا ہوئے کہ وہاں سے علیحدگی اختیار کرلی۔ ۱۹۶۵ء کا سال ''جامعۃ الرشاد'' اعظم گڑھ میں گزرا۔ فروری ۱۹۶۶ء میں دارالحدیث (مئو) کی طرف سے دعوت آئی اور وہاں مدرس مقرر کرلیے گئے۔ تین سال وہاں رہے۔

جنوری ۱۹۶۹ء میں صدر مدرس کی حیثیت سے مدرسہ فیض العلوم سیونی چلے گئے۔ سیونی، مئوناتھ بھنجن سے سات سو کلومیٹر دور مدھیہ پردیش میں واقع ہے۔ وہاں چار سال خدمت تدریس سرانجام دی۔ وہاں خطابت جمعہ کی ذمہ داری بھی انہی کے سپرد تھی۔

مدرسہ دارالتعلیم مبارکپور ان کی اولین درس گاہ ہے۔ اس کے اصحاب انتظام کے اصرار پر ۱۹۷۲ء میں وہاں فریضہ تدریس انجام دینے لگے۔ دو سال یہاں قیام رہا۔ اکتوبر ۱۹۷۴ء میں جامعہ سلفیہ بنارس چلے گئے۔ وہاں مسلسل چودہ سال درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہے۔ بنارس سے ماہنامہ ''محدث'' فروری ۱۹۸۲ء میں جاری ہوا تھا۔ اس کی ابتدائی اشاعت سے لے کر جولائی ۱۹۸۸ء تک چھ سال اس کے ایڈیٹر رہے۔ اگست ۱۹۸۸ء میں مدینہ یونیورسٹی کی دعوت پر وہاں کے شعبہ خدمۃ السنہ والسیرۃ سے وابستہ ہوگئے۔ دسمبر ۱۹۹۷ء تک وہاں قیام رہا۔ اس اثناء میں انہوں نے اس شعبے میں مندرجہ ذیل خدمات سرانجام دیں۔ پہلے عربی تصانیف کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) سیرت پر جو حضرات وہاں کام کررہے تھے، ان کے ساتھ مل کر سیرت انسائیکلوپیڈیا تیار کرنے کے لئے خاکہ بنایا۔

(۲) حرمین شریفین سے متعلق ایک انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنے کا منصوبہ بنایا۔

(۳) حدیث کی نو کتابوں اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے متعلق جو معلومات پائی جاتی ہیں،

ان کی جمع وترتیب کا کام کیا۔

(۴) حرم مکی کے بارے میں مختلف مآخذ سے مفصل معلومات کارڈ کی صورت میں جمع کیے تاکہ انسائیکلوپیڈیا میں ان کا اندارج ہو سکے۔

(۵) سیرت نبوی (ﷺ) کے سلسلے کی ان تمام احادیث کی فہرست تیار کی جو کتب ستہ اور مسند احمد وغیرہ میں مندرج ہیں۔

(۶) سیرت کے متعلق مدینہ یونیورسٹی کے ''مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ'' میں ایک بہت اہم کام انہوں نے یہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی اور والدۂ محترمہ دونوں کے نسب نامے کی تفصیل حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام تک مرتب کی اور اس سلسلے کے تمام ناموں کی تحقیق کی۔

(۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق مختلف مذاہب وادیان کی کتابوں میں جو بشارتیں مذکور ہیں، ان کے بارے میں مولانا موصوف نے ایک کتاب تیار کی، جس میں پہلے وہ بشارتیں درج کی گئی ہیں جو بدھ مت کی کتابوں میں درج ہیں، پھر ہندوؤں اور مجوسیوں کی کتابوں سے بشارتوں کے ذکر کی وضاحت کی گئی ہے۔

(۸) مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ کے علاوہ بھی انہوں نے بعض علمی کام کئے۔ مثلاً متعدد کتابوں کو بہ نظر عمیق دیکھ کر ان کے بارے میں رپورٹ تیار کی۔

یہ معلومات اپنے عزیز دوست مولانا محمد عزیر شمس صاحب کے ایک مضمون سے لی گئی ہیں جو ہفت روزہ ''الاعتصام'' (مورخہ ۸ تا ۱۴ دسمبر ۲۰۰۶ء) میں شائع ہوا۔

وہ لکھتے ہیں: ''افسوس کہ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران مرکز میں ترتیب دیے گئے یہ سارے کام ہنوز غیر مطبوع ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کبھی ان کی اشاعت کی نوبت آئے گی یا نہیں''۔

مولانا محمد عزیر شمس نے مولانا صفی الرحمن کی غیر مطبوعہ عربی کتابوں میں ان دو کتابوں کے نام بھی لکھے ہیں: ایک **شرح ازھار العرب** اور دوسری **الفرقۃ الناجیۃ الفرق الاسلامیۃ الاخری**۔

ان کی عربی کی مطبوعہ کتابوں میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔

(۱) **الرحیق المختوم**: سیرۃ النبی ﷺ کے موضوع پر عربی زبان میں ان کی یہ ایک بلند پایہ کتاب ہے۔ اس کی تصنیف کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۹۷۶ء میں جب رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کی طرف سے سیرت نگاری کے عالمی مقابلے کا اعلان کیا گیا تو مولانا ممدوح نے اس موضوع پر عربی میں ''الرحیق المختوم'' کے نام سے کتاب لکھی اور مسودہ رابطہ عالم اسلامی کو بھیج دیا۔ بعض اور اہل علم نے بھی اس موضوع پر اپنے اپنے مسودات ارسال کئے لیکن ڈیڑھ سال بعد جولائی ۱۹۷۸ء میں پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس منعقدہ کراچی میں مقابلے کے نتائج کا اعلان ہوا تو مولانا صفی الرحمن پہلے انعام کے مستحق قرار پائے۔ مولانا ممدوح نے یہ کتاب صرف پانچ چھ مہینوں میں تیار کی تھی۔ اس کے بعد خود مصنف نے اس کا اردو ترجمہ کیا اور کتابی شکل میں اسے مکتبہ سلفیہ (لاہور) نے نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیا۔ اس کا مسودہ دینے کے لئے مولانا ممدوح ۱۹۸۴ء میں لاہور تشریف لائے تھے۔ مہینہ یاد نہیں رہا، لیکن موسم

سردیوں کا تھا۔ ان سطور کے راقم کی ان سے اسی موقع پر ملاقات ہوئی تھی جو پہلی ملاقات بھی تھی اور آخری بھی۔ اس کتاب نے بڑی مقبولیت حاصل کی اور دنیا کی کئی زبانوں میں اس کے ترجمہ ہوئے۔ اس کتاب کی وجہ سے خود مصنف نام دار نے بھی بہت شہرت پائی۔

(۲) روضۃ الانوار: یہ کتاب بھی سیرت کے موضوع پر ہے اور عربی میں ہے۔

(۳) اتحاف الکرام: یہ حدیث کی مشہور کتاب بلوغ المرام کی شرح ہے۔

(۴) منۃ المنعم شرح صحیح مسلم: صحیح مسلم حدیث پاک کی انتہائی عمدہ کتاب ہے، مولانا نے منۃ المنعم کے نام سے اس کی شرح لکھی۔

(۵) بهجة النظر في مصطلح أهل الأثر: یہ کتاب اصول حدیث سے متعلق ہے۔

(۶) ابراز الحق والصواب في مسئلة السفور والحجاب: اس کا تعلق چہرے کے پردے سے ہے۔

(۷) الاحزاب السياسة في الاسلام: سیاسی جماعتوں کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر۔

(۸) تطور الشعوب والديانات في الهند ومجال الدعوة فيها: ہندوستان میں مذاہب کے ارتقاء اور دعوت اسلامی کے امکانات کے موضوع پر۔

مولانا صفی الرحمن مبارک پوری کی اردو مطبوعہ کتابیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) تجلیات نبوت: سیرت سے متعلق۔

(۲) المصابیح فی مسئلۃ التراویح: تراویح کے مسئلے پر امام سیوطی کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ۔

(۳) تذکرۃ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب: یہ قطر کے ایک عالم شیخ احمد بن حجر آل بوطامی کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس کے شروع میں آل سعود کی تاریخ تفصیل سے قلم بند کی گئی ہے۔

(۴) قادیانیت اپنے آئینے میں: جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ کتاب مرزائیت سے متعلق ہے۔

(۵) فتنہ قادنیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری: اس میں قادیانیت کے بارے میں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی مساعی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۶) انکار حدیث کیوں؟ حجیت حدیث کے موضوع پر۔

(۷) انکار حدیث حق یا باطل؟

(۸) رزم حق و باطل۔

(۹) اسلام اور عدم تشدد۔

(۱۰) اہل تصوف کی کارستانیاں۔

(۱۱) المصباح المنیر تلخیص و ترجمہ تفسیر ابن کثیر (عبدالحکیم المدنی)

مولانا ممدوح کی اردو کتابیں جو ابھی تک شائع نہیں ہو سکیں یہ ہیں۔

(۱) امام ابن تیمیہ کی کتاب ''الکلم الطیب'' کا اردو ترجمہ۔

(۲) توضیح الاربعین للنووی کا ترجمہ۔

(۳) صحف یہود ونصاریٰ میں نبی ﷺ سے متعلق بشارتیں۔

مدینہ یونیورسٹی کے شعبۂ خدمۃ السنۃ والسیرۃ سے علیحدگی کے بعد مولانا ممدوح، مولانا عبدالمالک مجاہد کے قائم کردہ مشہور اشاعتی ادارے دارالسلام کے شعبہ تحقیق وتصنیف کے نگران کی حیثیت سے مملکت سعودیہ کے دارالحکومت ریاض چلے گئے تھے۔ وہاں انہوں نے اس ادارے کی متعدد عربی اور اردو کتابوں پر نظر ثانی کی۔

وہ کچھ عرصہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر بھی رہے۔ (۱۹ جولائی ۱۹۹۸ء تا ۱۳ اگست ۲۰۰۰ء دو سال)

بے حد محنتی اور مستند عالم دین تھے۔ اللہ کے معاملات کو کون ٹال سکتا ہے۔ ان پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ مستقل مریض ہو گئے۔ اب وہ معالجوں کے زیر علاج تھے۔ لیکن چلتے پھرتے تھے۔ کبھی ان کا قیام مدینہ میں رہتا، کبھی ریاض میں اور کبھی اپنے وطن مبارک پور آجاتے۔ مولانا محمد عزیر شمس فرماتے ہیں۔ ''طبیعت بجھی بجھی سی رہتی تھی۔ گفتگو کے وقت زبان میں تھوڑی سی لکنت ہوتی مگر توجہ سے سننے پر باتیں سمجھ میں آجاتی تھیں۔''

مولانا صفی الرحمن کا اصل کام تو درس وتدریس اور تصنیف وتالیف تھا، لیکن دعوت وتبلیغ اور مناظرے اور مباحثے سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ ۱۹۷۸ء میں بنارس کے ایک مقام بجرڈیہہ میں کسی مسئلے پر بریلویوں سے ان کا مناظرہ ہوا۔ اس مناظرے کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے مسلک اہل حدیث اختیار کرلیا اور وہاں اہل حدیث کا ایک مرکز قائم ہو گیا۔

منکرین حدیث کے رد میں بھی انہوں نے کتابیں لکھیں۔ یہ کتابیں اگرچہ مختصر ہیں مگر اس موضوع کا کافی مواد ان میں جمع کردیا گیا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ ان کے دعوتی پروگرام سعودی عرب کے بھی مختلف مقامات میں جاری رہتے تھے۔

مولانا صفی الرحمن کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے اوصاف سے متصف فرمایا تھا۔ وہ معاملہ فہم، منتظم، ملکی اور بین الاقوامی حالات سے باخبر اور زیرک اہل علم تھے۔ اسلامی ملکوں کی اصلاحی اور سیاسی تحریکوں سے آگاہ تھے۔ طلباء کو بھی حصول علم کے ساتھ ساتھ ان تحریکوں سے واقفیت حاصل کرنے کی تاکید فرماتے۔

انہوں نے طویل علالت کے بعد یکم دسمبر ۲۰۰۶ء (۹۔ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ) کو جمعۃ المبارک کے روز اپنے مسکن حسین آباد میں وفات پائی جو کہ مبارک پور سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر واقعہ ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

مولانا ممدوح نے مختلف مدارس کے متعدد اساتذہ سے حصول علم کیا۔ لیکن ہمیں ان کے صرف ایک استاذ گرامی کا پتہ چلا ہے، جن سے انہوں نے کتب حدیث پڑھیں اور سند فراغ لی، وہ ہیں حضرت مولانا شمس الحق سلفی رحمہ اللہ۔

پھر وہ مختلف مدارس میں طویل مدت تک فریضۂ تدریس سرانجام دیتے رہے۔ اس اثناء میں ظاہر ہے ان سے بے شمار طلباء واساتذہ نے استفادہ کیا، لیکن ہمیں ان کے فقط ایک ہی شاگرد کا علم ہو سکا ہے، وہ ہیں مولانا شمس الحق سلفی کے فرزند ارجمند مولانا محمد عزیر شمس صاحب۔

محمد عزیر شمس صاحب ان کے نہایت لائق، محقق، بہت سی کتابوں کے مصنف ومؤلف اور وسیع المطالعہ شاگرد ہیں اور بہت عرصے سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں۔ اللہ ان کی عمر دراز فرمائے اور وہ ہمیشہ تصنیف وتالیف میں مصروف رہیں۔ آمین یارب العالمین۔

میں نے مولانا صفی الرحمن کے متعلق مختصر الفاظ میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا اصل ماخذ جناب محمد عزیر شمس صاحب کا مضمون ہے جو ۸ دسمبر ۲۰۰۶ء کے ہفت روزہ الاعتصام میں شائع ہوا۔

یہاں یہ بھی عرض کردیں کہ ۱۹۸۴ء میں وہ جب لاہور تشریف لائے تھے تو شیش محل روڈ پر دفتر الاعتصام کے سامنے ہائی اسکول کی گراؤنڈ میں انہوں نے ایک مجمع میں تقریر کی تھی، جس میں ہندوستان میں دعوت دین کے باری میں چند باتیں بیان فرمائی تھیں اور کہا تھا کہ موجودہ حالات میں اگر وہاں حکمت ودانائی سے غیر مسلموں میں اسلام کے متعلق تقریریں کی جائیں اور خوبصورت الفاظ اور اچھے انداز میں اسلام کے معاشرتی امور اور عبادات سے متعلق احکام کی وضاحت کی جائے بالخصوص مسئلہ توحید کو صراحت سے بیان کیا جائے تو لوگ اس سے متاثر ہوتے اور سنجیدگی کے ساتھ اپنے مذہب کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور اسلام کے نقطۂ نظر کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس سفر میں وہ لاہور سے بالاکوٹ بھی گئے تھے اور ہمارے مرحوم دوست مولانا عطاء اللہ ثاقب اپنی گاڑی سے انہیں بالاکوٹ لے کر گئے تھے۔ مولانا عطاء اللہ ثاقب اس قسم کے سفریات شوق سے کرتے اور اہل علم کی خدمت کو اپنے لئے سعادت قرار دیتے تھے۔

(گلستان حدیث ۳۴۹۔۳۵۵)

❑❑❑

نوٹ: بھٹی رحمہ اللہ کے مضمون میں اساتذہ وتلامذہ کا ذکر نہیں ہے افادہ عام کے لئے اسے شامل کیا جارہا ہے (عبدالحکیم مدنی)

مشاہیر اساتذہ: (۱) شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفی (۲) مولانا عبدالمعید بنارسی (۳) مولانا عبدالرحمن نحوی۔

ملاحظہ: خالد حنیف صدیقی صاحب نے آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کا نام ذکر کیا ہے جو قرین قیاس نہیں کیونکہ آپ کی ولادت سے بہت پہلے صاحب تحفہ مولانا عبدالرحمن کی وفات ہوچکی تھی۔

مشاہیر تلامذہ: (۱) مولانا محمد عزیر شمس مکہ (۲) شیخ صلاح الدین مقبول (۳) مولانا عبدالقیوم محمد شفیع مدنی (۴) مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگری (۵) مولانا عبداللہ سعود سلفی (بنارس) (۶) مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم (مئو) (۷) مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی (۸) ڈاکٹر بدرالزماں نیپالی (۹) مولانا شہاب اللہ مدنی (۱۰) مولانا عبدالواحد مدنی (۱۱) مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی (۱۲) مولانا عبدالمنان سلفی (جھنڈانگر) (۱۳) مولانا ابوالمکرم عبدالجلیل سلفی رحمہ اللہ۔

(تراجم علمائے اہل حدیث/خالد حنیف)

❑❑❑

عرب وعجم کے ایک عظیم المرتبت سیرت نگار
استاذ گرامی مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ
چند یادیں۔ چند باتیں

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

سال گذشتہ ۲۰۰۶ء کا آخری مہینہ ماہ دسمبر انتہائی رنج والم کا نظارہ پیش کرتا ہے، فرحت وانبساط کا دور دور تک کہیں کوئی پتہ نہیں۔ خوشی ومسرت کا کسی پر کوئی اثر نہیں، گویا مسرتیں چھین لی گئیں ہیں۔ زبان ودل کا نشاط اور گویائی بندھ گئی ہے، سبھی محو حیرت ہیں کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ اس قدر اداسی! اس قدر بے اطمینانی! آخر ہوا کیا؟ اچانک خبر ریلیز ہوتی ہے اور خبروں کی سرخیوں میں اس اداسی کا ذکر بے حد کرب ناک لفظوں میں چھیڑا جاتا ہے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آہ ایک عظیم سیرت نگار نہ رہا۔ عرب وعجم کا ایک عظیم سپوت چل بسا۔ شیخ صفی الرحمن مبارکپوری جہاں فانی سے رخصت ہوگئے۔ جیسے الفاظ خوشیوں کو چھین لیتے ہیں۔

خبروں کی سرخیوں میں ان کلمات کو دیکھ کر دل ودماغ حیرانی وپریشانی کا شکار ہوجاتے ہیں اور زبان کو قوت گویائی کے لئے آرڈر دینا بند کردیتے ہیں۔ یہ خبریں بجلی کی طرح پورے چمنستان علم وادب اور گلستان سیرت وسنت میں کوندھ جاتی ہیں۔ آہ شیخ مبارکپوری۔

اگر میرا حافظہ خطا نہ کرے تو جامعہ سلفیہ بنارس میں ۱۹۸۸ء میں میری ملاقات دوران طالب علمی اس عظیم المرتبت سیرت نگار سے ہوتی ہے۔ بخاری، کتاب المغازی کا درس جامعہ کی وسیع وعریض مسجد میں مائک سے دیا کرتے تھے۔ میں بخاری کا طالب علم نہ ہونے کے باوجود شام کو اضافی دروس میں کبھی کبھار تبرکاً نیز شیخ کی علمی بصیرت کی موتیوں سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے شریک ہوا کرتا تھا، مکمل بخاری پڑھنے کی نوبت نہ آئی کہ نوشتہ تقدیر نے سیرت نبوی کے اس بلند پایا قلمکار کو سیرت کے موضوع پر انتہائی خوشنما مدلل ومحقق کتاب الرحیق المختوم کی برکتوں سے صاحب سیرت کے ملجا ومسکن مدینہ طیبہ بلالیا۔ سیرت کا یہ رشتہ کتنا بابرکت ہے کہ جس ذات مقدسہ کی سیرت نگاری میں اپنے علم وعمل کی تمام توانائیوں کو صرف کرکے اہل کائنات کو ایک تحفہ دیا تو مالک کائنات نے خوش ہوکر صاحب السیرۃ کے قریب جوار حرم میں دیار حبیب میں بسنے کا موقع میسر فرمادیا۔ الغرض شیخ مبارکپوری جامعہ سلفیہ بنارس سے ''رخصت اے بزم چمن ہم تو سفر کرتے ہیں'' کا آخری ادارتی تحریر ماہنامہ محدث میں لکھ کر ہم طلباء کو غمناک وغمزدہ چھوڑ کر سوئے طیبہ روانہ ہوگئے۔ المرء مع من احب۔

شیخ کی تحریر وتقریر سے اتنی محبت تھی کہ ہمیشہ عربی اور اردو مقالات کو پڑھے بغیر حصول علم کو ناقص تصور کرتا تھا، بارگاہ الٰہی میں دعا

کرتا تھا کہ مالک الملک عاجز و بے سہارا کی فریاد بھی سن لے اور سیرت طیبہ کے صاحب کمال ذات نبوی کے شہر مدینہ کی زیارت مجھے بھی نصیب فرمادے۔ اللہ کی شان وقدرت کہ وقت سے پہلے بلا فراغت وتخرج بلاوا آ گیا اور وہیں پر جانے کا موقع نصیب ہوتا دکھائی دینے لگا جہاں پر یہ عظیم سیرت نگار رخت سفر باندھ چکا تھا۔ وی پی سنگھ ملک کے اس دھائی کے وزیر اعظم تھے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے منظوری آ گئی، ویزا لیا گیا، کویت پر عراقی جارحیت کے دوران انتہائی مشکلات ودشواریوں کے بعد ٹکٹ خرید کر جانے کی تیاریاں مکمل ہوگئیں اور کسی طرح دیار سیرت طیبہ پہنچ گئے۔ مدینہ طیبہ میں جامعہ اسلامیہ میں داخلے کی کارروائیوں کو مکمل کروانے کے معاً بعد نگاہوں نے شیخ مبارکپوری کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جامعہ کے صدر دروازے سے قریب رئاسۃ الجامعۃ کے بالمقابل مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویۃ کی کئی عمارتیں تھیں آپ وہیں بحیثیت محقق وریسرچ اسکالر کام کرتے تھے۔ نگاہوں نے ڈھونڈ کر آپ کو بالآخران عمارتوں کے ہجوم میں سیرت نگاروں کے درمیان تلاش کر ہی لیا۔ اور وہیں سے روابط بڑھتے چلے گئے، جب بھی موقع ملتا استفادہ کے لئے مرکز خدمۃ السنۃ بھاگے بھاگے چلے جاتے اور کچھ نہ کچھ حدیث، فقہ، سیرت، مناظرہ، عالم اسلام کے موضوعات پر استفسار وتبصرہ سن کر فیضیاب ہوتے اور واپس چلے آ جاتے۔ شام کو مغرب کی نماز کے بعد مسجد نبوی کے باب الرحمۃ پر ہمیشہ شرف زیارت ملتا، مختلف اہل علم اور طلباء کے مابین نشست ہوتی، علمی گتھیاں سلجھاتے، اپنی اسٹائل میں کچھ شگوفے، لطیفے اور ہنسی ومسکراہٹ کی باتیں بھی کرتے۔ جامعہ اسلامیہ میں ۱۹۹۰ء سے لے کر ۱۹۹۷ء تک تعلیم وتعلیم کا سنہرہ موقع ملا اور شیخ سے بھرپور استفادہ ملا، طنز ومزاح کے آپ اتنے ہنرمند تھے کہ ایک بار ہم ساتھیوں نے مرکز خدمۃ السنہ میں آپ سے آپ کے عمل کے بارے میں دریافت کیا کہ آپ مرکز میں کیا کام کرتے تو مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ میاں یہاں میں تین رپانچ کرتا ہوں، کیونکہ کوئی خاص عمل وہاں نہیں تھا بڑی آزادی اور آسانی تھی۔ مفہوم یہ تھا کہ ریال میں جو تنخواہ ملتی ہے اس کا حساب ۳ اور ۵ سے لگا کر جوڑتا ہوں کہ کتنے ہندوستانی روپے بنیں گے اور غالباً اس وقت ریال کی قیمت آٹھ اور نو روپے تھی۔

الغرض اس وقت کویت پر عراقی جارحیت اور صدام وامریکہ کی نونک چھونک بڑے شباب پر تھی، باب الرحمۃ پر جمع ہونے والے طلباء اور زائرین جانتے ہیں کہ شیخ اس زمانے میں ہونے والے حادثات اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کے پس منظر اور نتائج پر بہت ہی دلچسپ تبصرہ کرتے تھے۔ اور کچھ منجمین کی پیش گوئیاں بھی پڑھ کو سناتے تھے، انتہائی ملنسار، نرم خو، بولتے تو مسلسل موتی کی لڑیوں کی طرح سے کلام مربوط ہوتا، سیاست وصحافت آپ کا بے حد پسندیدہ موضوع تھا۔ برجستگی قدرت نے اتنی عطا کی تھی کہ سننے والا ہنسنے پر مجبور ہو جائے، ایک دفعہ حرم شریف میں ۲۰ رکعت تراویح کے پس منظر میں رمضان کے مہینہ میں تراویح کے بعد ایک پاکستانی زائر نے آپ سے سوال کیا کہ مولانا تراویح کی اصل تعداد سنت سے کتنی ہے؟ تو آپ نے حدیث سے ثابت شدہ اس سوال کا جواب آٹھ رکعات کے ذریعہ دیا اور حضرت عائشہؓ کی روایت پیش کی کہ رمضان اور غیر رمضان میں آپ آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اس آدمی نے فوراً سوال کیا تو حرم شریف میں بیس رکعت کیوں پڑھی جاتی ہے؟ اور اس تراویح کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فوراً جواب دیا کہ یہ سیاسی تراویح ہے شرعی تراویح تو صرف آٹھ رکعت ہی ہے۔

غرضیکہ سیاست، صحافت، سیرت وحدیث سے لے کر فرق باطلہ اور فرق ضالہ تک سب پر گہری دسترس رکھتے تھے۔ یہودیوں کی خباثت اور صیہونیوں کی جارحیت کا ذکر چھیڑتے ہوئے اہل ایمان اور طلباء کو جھنجھوڑ ڈالتے۔ اسلامی تاریخ کی بات ہو تو حوالوں کی بھرمار کردیتے۔ فرق اسلامیہ، بالعموم اور ہندوستانی مسلمانوں کے مختلف فرقے، یہاں کے مذاہب اور مسالک کے تعلق سے بالخصوص اتنا درک رکھتے تھے کہ کبھی وید کے حوالوں سے نبی کی آمد، بشارت نبوت، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ وغیرہ کے واقعات پڑھ کر سناتے۔ اس موضوع پر عربی اور ہندی میں آپ کی ایک کتاب بھی ہے۔ الحمدللہ ہم طلباء استفادہ کرتے، علم حدیث کی باریکیاں، فن رجال پر دسترس وعبور اتنا تھا کہ حدیثوں کی روایت وتشریح کے ساتھ ساتھ راویوں پر بھی کلام کرتے اور ان کے معایب ومحاسن کو واضح کرتے ہوئے حدیث پر حکم بھی لگاتے جاتے۔ برصغیر ہندوپاک میں حکومت الٰہیہ کا عقیدہ لے کر اٹھنے والی تحریک اسلامی اور اس کے ہم خیال افراد کی تاریخی حقیقتوں کو اس طرح بیان کرتے کہ اچھے اچھے دوبارہ سوال کی ہمت نہ کرتے۔ ایک مرتبہ بعض مودودی فکر ونظر طلباء کی جامعہ اسلامیہ میں کج فکری اور اس کی نشر واشاعت میں جدوجہد کو دیکھ کر میں نے شیخ سے مشورہ کرکے طلباء کے درمیان جامعہ کے کسی ہال میں پروگرام رکھنے کے لئے ارادہ کیا، کافی جدوجہد کی گئی، پروگرام برصغیر ہندوپاک کے طلباء اور عاملین کے لئے رکھنا تھا اس لئے زبان اردو کا انتخاب عمل میں آیا تاکہ سبھی پیغام حق کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ عمادۃ شئون الطلاب اور قسم النشاط الثقافی کے مدیر نے یہ کہہ کر درخواست مسترد کردیا کہ شیخ اتنے عظیم المرتب عربی کے سیرت نگار ہیں، ان کا پروگرام اردو زبان کے بجائے عربی زبان میں رکھا جائے تو ہم بھی سننے کے لئے حاضری دیں گے مگر چونکہ مقصد اہل زبان کو اردو میں کچھ بنیادی حقائق سے روشناس کرانا تھا اس لئے ہم لوگوں نے کوشش یہی کی کہ پروگرام اردو میں ہی ہو، اسکے لئے مدیر الجامعہ شیخ صالح العبود سے ملاقات کی گئی۔ بالآخر ان کی زبانی اجازت سے مدیر النشاط نے جامعہ کے ایک لیکچر ہال میں پروگرام منعقد کرنے کی اجازت دے دی۔ وقت مقررہ پر شیخ حاضر ہوئے اور مسلسل عشاء کے بعد آپ نے ساڑھے تین گھنٹوں تک خطاب کیا اور سوالات کے جوابات دیئے۔ اس پروگرام میں بعض عربی طلباء، جزائر، مصر، تونس وغیرہ سے تعلق رکھنے والے بھی حاضر ہوئے، ہم لوگوں نے عربی طلباء کو یہ کہہ کر منع کرنے کی کوشش کی چونکہ پروگرام اردو زبان میں ہے اس لئے آپ لوگ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے مگر وہ طلباء اردو زبان میں پروگرام ہونے کے باوجود شیخ سے عقیدت واحترام اور علمی تبحر کو سن کر صرف دیکھنے اور ملاقات کرنے کے لئے گھنٹوں بیٹھے رہے۔ ایک طالب علم نے تو یہ جواب دیا کہ "أريد ان اشوف وجه صاحب الرحيق المختوم" کہ ہم تو صرف اس عظیم المرتبت الرحیق المختوم کے مصنف کا چہرہ دیکھنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ بالآخر یہ طلباء شیخ کی علمی معرفت کو اشاروں اور زبان کی حرکتوں سے محسوس کرتے رہے۔

سعودی عرب میں یہ رواج عام ہے کہ بڑے سے بڑا خطیب اور مشہور مشائخ واساتذہ بھی خطبات ومحاضرات تحریری طور پر پڑھ کر سناتے ہیں، شیخ کی اس لمبی تقریر کے بعد عرب طلباء نے داد وتحسین کی بارش کردی کہ برجستہ اتنی دیر تک بلانوٹ اور تیاری کے محاضرہ دینا کسی بحر العلم کا ہی کام ہے اور صرف اللہ کی توفیق سے ہی ممکن ہے۔

شیخ کو اپنی کتاب الرحیق المختوم کی وجہ سے کافی شہرت اور عزت ملی، جامعہ اسلامیہ میں پڑھنے والے عربی وافریقی طلباء ہمیشہ ہم لوگوں سے ہندوستان کے مخصوص علماء کرام بالخصوص شیخ مبارکپوری کے بارے میں پوچھتے رہتے، میں نے بعض طلباء سے ان کی جامعہ

میں موجودگی کا ذکر کیا تو دوڑے دوڑے ملاقات کرنے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی مقبولیت اس کتاب کو عطا کی کہ اس کے کتنے ایڈیشن عرب وعجم کے بازاروں میں فروخت ہوگئے۔ سعودی عرب، مصر اور بیروت میں تو شاید کوئی مکتبہ ہو جس نے اسے چھاپا اور فروخت نہ کیا ہو۔ دنیا کی کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ فارسی، انگریزی، بنگلہ، ہوسا، صربیائی زبان کے علاوہ مختلف زبانوں میں اسے منتقل کیا گیا۔ مکتبہ دارالسلام ریاض کے مسئول شیخ عبدالمالک مجاہد کی کاوشوں سے شیخ کی علمی میراث کی حفاظت اور نشر واشاعت ہوتی رہتی ہے۔ اللہ ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

میرے پاس عربی زبان میں شیخ رحمہ اللہ کے وہ علمی اعتراضات جو قرآن کے اس ترجمہ پر لکھے گئے جسے احسن البیان نے پہلے مجمع الملک فہد نے چھاپ کر لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کیا تھا آج بھی موجود ہے اور جس کی علمی وتحقیقی نشاندہی کی بنیاد پر عمدہ مستند ترجمہ وتشریح احسن البیان کی شکل میں شائع ہوا۔

الغرض آپ نہ صرف ایک مصنف، محقق اور سیرت نگار تھے بلکہ آپ ایک بے باک خطیب، علم وعمل کے موتی بکھیرنے والے، افتا، وتدریس میں کامل ملکہ رکھنے والے ایک مدبر، حکیم اور دانشمند صحافی وسوشل انسان بھی تھے۔ آپ کی دعوت وتبلیغ کے نتیجہ میں ہزاروں اہل شرک وبدعت نے توبہ کر کے شاہراہ سنت وسیرت اختیار کیا مگر افسوس ہمارے ہندوستانی ذہن ودماغ رکھنے والے سیاسی مولویوں پر کہ جماعت کو ایک نعمت مرکز کے امیر کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے شیخ صفی الرحمن کو منتخب کرنے کا موقع دیا تو ہم ؎

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

کے مصداق ہوگئے۔ سچ ہے کہ علم، اہل علم کی قدردانی، مخلص ودیانتدار اور راست گو انسان ہی کر سکتے ہیں سیاسی ومفاد پرست ذہن والوں کا یہ کام نہیں۔ بلکہ اہل علم وعمل ان کی آنکھوں میں دشمن کی طرح کھٹکتے ہیں، چاہے ظاہر میں کتنی ملمع سازی اور زبانی تحسین کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ملت وجماعت کو اس سے محفوظ فرمائے آمین۔

اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے شیخ صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ کو اور ان کی حسنات کو قبول فرمائے۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین۔

(ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی اپریل ۲۰۰۷ء)

❑❑❑

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

۱۹۳۰ء ۲۰۰۸ء

از خالد حنیف صدیقی

مولانا مختار احمد ندوی بن الحاج محمد ضمیر
محلہ وشوناتھ پورا، مئوناتھ بھنجن یوپی۔
تاریخ پیدائش ۳۰ جون ۱۹۳۰ء

خاندانی پس منظر:

آپ نے ایسے خاندان وماحول میں آنکھیں کھولیں جو علم وعرفان سے معمور تھا۔ آباء واجداد علم وفضل سے بہرہ ور تھے، رحمانی علماء کی معتد بہ تعداد نے اپنی دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس سے شہر مئو اور مضافات کے لوگوں کے عقائد ورجحانات کو کتاب وسنت کے مطابق ڈھال دیا تھا۔ چنانچہ آپ کی نشوونما ایسے ہی دینی اور مذہبی ماحول میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

مکتب درجات پرائمری کے علاوہ ابتدائی عربی وفارسی کی تعلیم مدرسہ عالیہ (موجودہ جامعہ عالیہ عربیہ) میں حاصل کی۔ عربی درجات علیا کی تعلیم کے اکتساب کے لئے دہلی عازم سفر ہوئے اور دارالحدیث رحمانیہ میں داخل ہوکر دوسال تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۶ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا اور عالمیت کی سند حاصل کی۔ سال فضیلت کے دوران ہی تقسیم ملک کا سانحہ پیش آگیا اس لیے درمیان سال ہی وطن مئو واپس چلے گئے۔ ملک کے حالات سازگار ہونے کے بعد شہر کے ہی مدرسہ فیض عام میں داخلہ لے کر وہاں سے ۱۹۵۰ء میں فراغت حاصل کی۔ سند اجازہ عبداللہ شائق اور مولانا محمد احمد (بڑے مولانا) نے عطا فرمائی۔ علاوہ ازیں مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی سے بھی کسب فیض حدیث کیا۔

قابل ذکر اساتذہ:

مولانا حکیم محمد سلیمان مئوی، مولانا عبدالصمد مبارکپوری، مولانا نذیر احمد رحمانی مبارکپوری، مولانا محمد مصطفی ندوی، مولانا شاہ حلیم عطا، مولانا مفتی محمد سعید، مولانا محمد احمد مئوی (بڑے مولانا) مولانا عبداللہ شائق مئوی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی وغیرہم۔

عملی زندگی کا آغاز:

آپ نے فراغت تعلیم کے بعد تانتی باغ کلکتہ کی جامع مسجد اہل حدیث میں امامت وخطابت سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ اور کم

وبیش دس سال تک اس منصب جلیلہ پر فائز رہے۔اس دوران آپ نے حاجی عبداللہ لائبریری قائم کی، نیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے لائبریری سائنس میں ڈپلوما اور پرائیویٹ طور پر B.A. بھی کیا ''مکتبۃ التوحید'' کے نام سے ایک تجارتی مکتبہ بھی قائم کیا۔دریں اثناء چین نے ۱۹۶۲ء میں ہندوستان پر حملہ کر دیا، جس سے شہر کلکتہ کے حالات دگرگوں ہو گئے لہذا کلکتہ کو خیر آباد کہہ کر وطن مالوف لوٹ آئے۔مولانا عبدالجبار شکراوی کو معلوم ہوا تو انہوں نے آپ کو مسجد اہل حدیث مومن پورہ ممبئی میں امامت وخطابت کا مشورہ دیا۔ (اس مسجد میں مولانا داؤد راز امامت وخطابت کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ان کے سبک دوش ہو جانے کے بعد امامت وخطابت کی جگہ خالی تھی)۔

۶۳۔۱۹۶۲ء میں آپ نے مولانا کے مشورہ پر ممبئی پہنچ کر مومن پورہ مسجد کی امامت وخطابت کی ذمہ داری سنبھالی اور تقریباً ۲۰ سال تک فریضہ انجام دیا۔اس دوران آپ نے مومن پورہ مسجد کی از سر نو تعمیر کرائی اور ۱۹۷۵ء میں مسجد سے متصل سات منزلہ بلڈنگ تعمیر کروا کر مولانا آزاد ہائی اسکول قائم کیا۔

۸۱۔۱۹۸۲ء میں بنگالی مسجد اہل حدیث مدن پورہ آ گئے اور یہاں بھی تقریباً ۲۶ سال تک امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیا۔ اس طرح آپ نے لگ بھگ ۵۶ سال تک بحیثیت امام وخطیب اور داعی کی زندگی گزار دی۔

دوران قیام ممبئی آپ نے وہ جماعتی کارہائے نمایاں انجام دئے جو صدیوں یاد کی جائیں گی اور یہ خدمات تا قیامت صدقہ جاریہ کا کام کریں گے۔

آپ کی خدمات کا اجمالی تعارف:

☆ **الدار السلفیہ (۱۹۷۰ء) کا قیام:** اس نام سے آپ نے ایک تحقیقی واشاعتی ادارہ قائم کیا جہاں سے تحقیق ونظر ثانی کے بعد اردو اور عربی کتب کی اشاعت ہوتی ہے۔ادارہ سے اب تک عربی میں ایک سو اور اردو زبان میں ڈھائی سو، نیز انگریزی اور ہندی زبانوں میں کم وبیش پچاس دینی، اصلاحی وتربیتی کتب شائع ہو چکی ہیں جس میں مصنف ابن ابی شیبہ کی ۱۵ ضخیم جلدیں اور الجامع لشعب الایمان امام بیہقی کی ۲۰ جلدیں قابل ذکر ہیں۔

☆ **دار المعارف:** اس کے تحت اگست ۱۹۹۰ء میں ''ماہنامہ مجلہ البلاغ'' جاری کیا جو گزشتہ ۱۸ سالوں سے پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔اس ادارہ سے دینی واصلاحی عربی کتب کا اردو میں ترجمہ کرا کے شائع کیا گیا۔

☆ **جامعہ محمدیہ ایجوکیشنل سوسائٹی:** اس سوسائٹی کے تحت آپ نے شہر ممبئی ودیگر صوبہ جات میں لڑکیوں اور لڑکوں کی تعلیم کے لئے الگ الگ عظیم الشان ادارے قائم کئے، جہاں دینی تعلیم کے ساتھ حکومت سے منظور شدہ عصری علوم کا کورس بھی پڑھایا جاتا ہے۔ان اداروں کی فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں (۱۹۷۸ء) یہاں فراغت تک مع قیام وطعام تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

(۲) کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں (۱۹۷۸ء) یہ بنات کا مثالی ادارہ۔ یہاں قیام وطعام کے ساتھ فضیلت تک کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

(۳) جامعہ محمدیہ بنگلور (۱۹۸۹ء) میرے علم کی حد تک عالمیت تک مع قیام وطعام تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

(۴) مدرسہ عائشہ صدیقہ بنگلور (۱۹۸۹ء) یہاں بھی طعام وقیام کے ساتھ تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

(۵) مدرسہ محمدیہ اردو ہائی اسکول (دھلیا)۔ پرائمری۔

(۶) مدرسہ محمدیہ آکوٹ۔ پرائمری۔

(۷) مدرسہ محمدیہ اورنگ آباد۔ پرائمری۔

(۸) مدرسہ محمدیہ مہسلہ۔ پرائمری۔

(۹) مدرسہ محمدیہ جھانڈا (ہریانہ) پرائمری کے ساتھ ابتدائی عربی وفارسی کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

(۱۰) محمدیہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ (I.T.I.) (کوسہ ممبرا) یہاں کمپیوٹر ایئر کنڈیشن اور ڈراونگ کی تعلیم دی جاتی ہے۔

☆ الجمعیۃ المحمدیہ الخیریہ: اس سوسائٹی کے اشراف میں درج ذیل ادارے وکالج کا قیام عمل میں آیا۔

(۱) کلیۃ فاطمۃ الزہرا للبنات مئو (۱۹۸۲ء) اس کلیہ میں مع قیام وطعام نیز جملہ سہولیات کے ساتھ فضیلت تک کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔ مرتب کتاب ہذا (خالد) نے کئی بار اس ادارہ کی زیارت کی ہے۔

(۲) محمدیہ طبیہ کالج مالیگاؤں (۱۹۸۱ء) یہاں بی۔ یو۔ ایم۔ ایس کی ڈگری دی جاتی ہے۔

(۳) محمدیہ جنرل ہسپتال مئو (۱۹۸۴ء) (۴) بدر محمد السائر ہسپتال مالیگاؤں (۱۹۸۱ء)

☆ **ادارہ اصلاح المساجد:** (۱۹۸۰ء) اس ادارہ کا قیام ۱۹۸۰ء میں عمل میں آیا جس کے اشراف میں ملک کے طول وعرض میں زائد از چار سو مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

☆ **مرکز تعلیم الاسلام:** اس ادارہ کے ذریعہ اخوان وخواتین کی تربیت وتعلیم کے لئے شہروں میں سینٹر کھولے گئے، دعاۃ ومبلغین رکھے گئے، مساجد میں امام وخطیب کی تقرری کی گئی۔

جماعتی خدمات:

آپ مولانا عبدالوحید سلفی کے دور امارت میں نومبر ۱۹۷۹ء سے نومبر ۱۹۸۹ء تک مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نائب امیر کی حیثیت سے رہے۔ پھر مولانا عبدالوحید سلفی کے انتقال کے بعد نومبر ۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۰ء کارگزار امیر بنے۔ مئی ۱۹۹۰ء سے جولائی ۱۹۹۷ء تک امیر جماعت رہے۔ دوران امارت مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، مرکزی جمعیت کے لئے دہلی میں جامع مسجد علاقہ میں بلڈنگ خریدی جو ''اہل حدیث منزل'' کے نام سے موسوم ہے۔

تصانیف:

آپ نے جن کتابوں کی تالیف یا ترجمے کئے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱)صلوۃ النبی ﷺ (صفحات:۱۰۲) (۲) نماز مسنون (صفحات:۴۰)، (۳)رمضان کے فضائل (صفحات:۴۰)، (۴)حج مسنون (۲۰۴)، (۵) آسان حج مسنون (۱۰۴)، (۶)تعلیم الاسلام (صفحات:۳۱۴)، (۷) کیا مسلمان خواتین کا مسجد میں آنا فتنہ ہے۔ (صفحات:۳۲)، (۸)عورت۔۔۔۔ کتاب وسنت کی روشنی میں (صفحات ۱۰۴)، (۹)داڑھی۔۔۔۔ کتاب وسنت کی روشنی میں (صفحات:۱۱۲)، (۱۰)طاعون۔۔۔۔ رحمت یا زحمت (صفحات:۴۴)، (۱۱)قرآن خوانی اور ایصال ثواب (صفحات:۶۴)، (۱۲)مذہبی فرقہ پرستی اور اسلام (صفحات:۱۲۰)، (۱۳) کتاب الدعاء (صفحات:۱۹۲)۔

اللہ کا یہ بندہ ۵۵ سال تک دین اسلام اور کتاب وسنت کی ہمہ گیر اور ہمہ جہت خدمت کرتا ہوا ۱۹ ستمبر ۲۰۰۷ء بروز اتوار مطابق ۲۶ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ بوقت پونے چار بجے اپنے حقیقی مالک سے جاملا۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

دوسرے دن بعد نماز ظہر مولانا سلیمان میرٹھی کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور جو ہو کے قبرستان میں سپرد خاک کردیئے گئے۔

آپ نے اپنے پیچھے تین نرینہ اولاد چھوڑی۔ محمد اسلم مختار، محمد اکرم مختار، محمد ارشد مختار۔ الحمدللہ تینوں ہی دینی وعصری تعلیم سے آراستہ وپیراستہ ہیں اور صاحب اولاد ہیں۔ پہلے دونوں نے پریس قائم کررکھا ہے، جہاں چھپائی کا معقول انتظام ہے۔ تیسرے صاحب مولانا مختار صاحب کے چھوڑے ہوئے کاز کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

(تراجم علمائے اہل حدیث۔ ارص:۳۵۸ تا ۳۶۳)

❑❑❑

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

۱۹۳۰ء.....۲۰۰۸ء

از: مولانا عبدالوہاب جامعی

نام ونسب:

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے 'مولانا مختار احمد ندوی بن حاجی محمد ضمیر بن عبداللہ بن ولی اللہ۔

ولادت اور نشوونما:

مولانا ممدوح کی ولادت ۳۰ جون ۱۹۳۰ء کو مئوناتھ بھنجن کے ایک خالص دینی ومذہبی گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد راسخ اہل حدیث اور علماء اہلحدیث کے قدردان تھے۔ اسی طرح آپ کی والدہ بھی ایک علمی ودینی خانوادہ کی پروردہ تھیں، حافظ محمد سعید صاحب آپ کے نانا بھیونڈی میں ہندوستانی مسجد کے امام اور پورے محلہ کے استاذ واتالیق تھے۔ اس طرح آپ نجیب الطرفین تھے اور آپ کو دوطرفہ علمی ماحول ملا۔ جس میں آپ پروان پائے۔

ابتدائی تعلیم:

آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ شاخ دارالعلوم مرزاہادی پورہ مئوناتھ بھنجن میں حافظ اسماعیل صاحبؒ کے پاس ہوئی۔ آپ نے قرآن مجید اور اردو کی ابتدائی تعلیم اسی مدرسہ سے پائی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم کا دوسرا مرحلہ ''مدرسہ عالیہ جمال پورہ'' میں شروع ہوا، یہاں آپ کے اساتذہ میں قابل ذکر مولانا محمد سلیمان صاحب مرزاہادی پورہ تلمیذ میاں نذیر حسین محدث دہلوی اور مولانا عبدالصمد صاحب مبارکپوری تربیت یافتہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی ہیں۔ آپ مذکورہ مدرسہ میں پڑھ رہے تھے کہ انہی دنوں مئو آئمہ الہ آباد میں ۲۶، ۲۸/ربیع الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ۲، ۴/اپریل ۱۹۴۳ء آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر کوئی بارہ سال تھی۔ آپ والد کے ہمراہ اس کانفرنس میں شریک رہے۔ کانفرنس کی صدارت مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی نے فرمائی۔ مولانا کے والد آپ کو آخر الذکر دونوں علماء کے پاس لے گئے اور ان سے دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس نونہال کو عالم دین بنائے۔

میرے ممدوح تحریر فرماتے ہیں کہ 'وہ منظر مجھے ابھی تک یاد ہے' پہلے مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ پھر مولانا میر ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ نے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھ کر دیر تک دعا دی، جس کا ایک جملہ مجھے ابھی تک یاد ہے اللھم علمہ الکتاب والسنۃ۔

آپ مزید تحریر فرماتے ہیں ''یہ میری زندگی کا ابتدائی دور تھا۔ میں اس وقت درس نظامیہ میں ادنی جماعت میں پڑھتا تھا۔ مئو آئمہ کے اس جلسہ کی رونق، علماء طلبہ اصحاب مدارس واعیان جماعت کے جم غفیر کو دیکھ کر میں نے یہ سمجھا کہ مئو آئمہ اور یہاں کا ''مدرسہ چشمہ صمد'' ملک کا ایک عظیم علمی مرکز ہے۔ اور مجھے یہیں تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ میں نے اپنے والد سے ضد کی کہ مجھے اس مدرسہ میں داخل کرادیں۔ لیکن والد صاحب مئو کے مدرسہ کے مقابلے میں اس چھوٹے سے مدرسہ میں مجھے داخل کرانے پر راضی نہیں ہوئے مگر میں نے اس مدرسہ میں داخلہ لینے کا پختہ ارادہ کرلیا'' اس کے بعد آپ اہل خانہ کی اجازت کے بغیر چپکے سے مئو آئمہ چلے آئے اور یہاں مدرسہ چشمہ صمد میں داخلہ لے لیا۔ ادھر آپ کی اچانک گمشدگی پر پورے گھر والے حیران و پریشان تھے، لیکن مئو آئمہ والوں نے فوراً مولانا کے والد کو آپ کی خبر کردی۔ اطلاع پاتے ہی آپ کے والد مئو آئمہ پہنچے اور مولانا کو وہاں سے لے جانے پر اصرار کرنے لگے۔ لیکن یہاں کی جماعت اور مولانا شفیع صاحب مئوی مدرس مدرسہ چشمہ صمد وغیرہ نے آپ کے بے حد شوق اور جذبہ حصول علم کو دیکھ کر آپ کے والد سے اجازت حاصل کرلی۔ آپ نے یہاں تین ماہ رہ کر خوب محنت سے تعلیم حاصل کی یہ آپ کی زندگی کا پہلا تعلیمی سفر تھا۔

آپ کی زندگی کا ایک دلچسپ واقعہ:

مولانا نے کاروان حیات البلاغ ماہ اگست ۲۰۰۵ء صفحہ ۲۹، ۳۰ میں اپنے پہلے خطبہ جمعہ کا جو واقعہ تحریر فرمایا ہے اس کا اختصار یہ ہے: مولانا کے والد محترم کی دلی تمنا و آرزو یہ تھی کہ ان کے ہونہار فرزند عالم باعمل اور مشہور خطیب بنے۔ اپنے اس ذوق وشوق کی تکمیل میں آپ کو کم سنی ہی میں نیا لباس پہنا کر جامع مسجد اہل حدیث ڈومن پورہ مئو ناتھ بھنجن لے گئے۔ آپنے پھوپھی زاد بھائی حافظ انعام الحق صاحب سے کہا کہ آج آپ مختار احمد کو خطبہ جمعہ کے لئے منبر پر بٹھائیں۔ حافظ صاحب نے منبر پر بٹھادیا۔ اور اذان ہوئی آگے کیا ہوا مولانا ندوی صاحب ہی کی تحریر ملاحظہ فرمائیں:

''میں نے کسی نہ کسی طرح خطبہ مسنونہ پڑھا چونکہ اس وقت مجھے کوئی مرتب خطبہ یاد نہ تھا اس لئے مجبوراً ''میزان منشعب'' جو اس وقت پہلی جماعت میں پڑھا کرتا تھا اس میں گردانیں یاد تھیں ان کو بھی پڑھ ڈالا اور منبر سے اتر گیا۔ میری زندگی کا یہ پہلا خطبہ تھا جو میں نے اپنے والد ماجد کے حکم پر خوف وہراس کے عالم میں پڑھایا۔ اس دن جمعہ کی نماز میں مئو کے مشہور عالم دین مولانا ابوالقاسم قدسی رحمہ اللہ بھی موجود تھے، خطبہ کے بعد انہوں نے مجھے اٹھالیا اور کہا کہ ان شاء اللہ تم مستقبل میں شاندار خطیب بنوگے۔ دیگر مصلیان نے بھی مجھے بہت دعائیں دیں۔

مدرسہ رحمانیہ دہلی میں داخلہ:

آپ عیدالفطر ۱۹۴۴ء کے بعد مدرسہ رحمانیہ میں حصول تعلیم کی نیت سے دہلی روانہ ہوئے۔ داخلہ پہلی جماعت میں ہوا، یہاں آپ نے مولانا نذیر احمد رحمانی املوی اور شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، مولانا احمد اللہ بنگالی، مولانا عبدالحلیم صاحب سے ۱۹۴۶ء تک اکتساب علم کیا۔ اس وقت ہمارے مولانا کے ہم درس مولانا حکیم عبدالباقی عمری مئوی، مولانا عزیز احمد ندوی سابق

پرنسپل جامعہ رحمانیہ بنارس، مولانا عابد حسن رحمانی، مولانا عبدالکریم ندوی ششہنیاں تھے۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ میں:

آپ نے غالباً ۱۹۴۶ء کے اخیر میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا اور عالمیت کے آخری سال میں تعلیم شروع کی، ندوۃ میں جن علماء کرام سے آپ نے بہت زیادہ فیض اٹھایا ان میں پہلا نام مولانا محمد مصطفی ندوی کا آتا ہے۔ مولانا موصوف مسلکاً اہل حدیث انتہائی باعمل اور صاحب زہد و مرد صالح تھے۔ ان کے علاوہ مولانا شاہ حلیم عطا صاحب اور مفتی محمد سعید صاحب اور مولانا ابوالحسن علی الندوی سے بھی علمی استفادہ فرمایا تھا۔

ندوۃ العلماء میں مولانا ندوی کی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا آپ نے عالمیت کے بعد فضیلت میں داخلہ لے لیا فضیلت کے امتحان کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہو گیا۔ اور تقسیم ہند کی وجہ سے ملک میں خونین فسادات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ راستے مخدوش ہو گئے ان حالات میں آپ کے والد محترم آپ کو کسی طرح بھی حصول علم کے لئے باہر بھیجنے پر راضی نہ ہوئے۔

دوبارہ مدرسہ عالیہ میں:

لہٰذا مجبوراً آپ نے جامعہ عالیہ میں چھٹی جماعت میں داخلہ لیا۔ اس وقت آپ نے جن اساتذہ کرام سے استفادہ کیا ان میں مولانا عظیم اللہ فیضی مئوی رحمہ اللہ، مولانا مفتی عبدالعزیز عمریؒ اور مشہور صحافی مولانا عبدالحکیم رحمانی مجاز اعظمیؒ قابل ذکر ہیں۔ لیکن یہاں آپ نے چند مہینہ ہی تعلیم حاصل کی تھی۔

جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں داخلہ:

ان دنوں جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو کا شمار ملک کے مشہور مدارس میں ہوتا تھا۔ بڑے بڑے جید علمائے کرام اس کی مسند درس وتدریس پر فائز تھے۔ خصوصاً مولانا محمد احمد صدر مدرس فیض عام مئو، ان کے ہم نام مولانا احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب) ناظم فیض عام، مولانا عبداللہ شائق مئوی، مولانا عبدالرحمن نحویؒ یہ تمام اساطین علم اپنے وقت کے جلیل القدر اساتذہ تسلیم کیے جاتے تھے۔

مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی سے صحیحین کا درس:

یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب ہمارے صاحب سوانح فضیلت سال اخیر میں فیض عام میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ آپ کے استاذ مولانا شائق صاحب مئوی حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ اپنے جملہ رفقاء کے ساتھ مدرسہ سعیدیہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں جماعت اہل حدیث کے ممتاز عالم مصنف، مبلغ وداعی مولانا ابوالقاسم بنارسی سے صحیحین کا درس لیا۔ اور سند اجازہ حاصل کر لی۔ ہندوستان کے اس مشہور ومعروف عالم دین سے آپ مزید اپنی علمی ذوق کی تشنگی دور کر رہے تھے کہ ایک عظیم صدمہ پیش آیا وہ یہ کہ بروز جمعہ ۴ر صفر ۱۳۶۹ھ تھا کہ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی وفات کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس کے بعد آپ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو واپس ہو گئے۔ جامعہ فیض عام میں آپ نے ۱۹۴۸ء اور ۱۹۴۹ء تک تعلیم حاصل کر کے سند فضیلت حاصل کی۔ اس وقت آپ کے ساتھ پانچ طلبہ شریک درس رہے۔ ان میں مولانا محمد اعظمی سابق شیخ الحدیث جامعہ عالیہ عربیہ مئو بھی تھے جو آپ کے عزیز دوست اور نہایت محبوب ساتھی رہے۔ ابھی آپ کی عمر ۱۹ رسال ہی کی تھی کہ تمام علوم متداولہ کو حاصل کر کے میدان عمل میں قدم رکھنے کے لئے تیار ہو گئے دوران تعلیم آپ نے الہ آباد بورڈ سے منشی، کامل، عالم کے امتحان پاس کئے تھے۔

تکمیل تعلیم کے بعد میدان عمل میں:

تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ اپنے طبعی میلان کی وجہ سے کوئی آزاد پیشہ یا تجارت کرنا چاہتے تھے، اس لئے آغاز میں آپ اپنے آبائی پیشہ سے منسلک ہو کر بڑی محنت کے ساتھ پارچہ بافی کرنے لگے۔ پھر مختصر مدت کے لئے مختلف تجارتیں بھی کیں۔

نکاح:

آپ کے والد محترم نے آپ کی شادی ایک نہایت دینی وعلمی خاندان میں مولانا عبدالماجد صاحب جمال پورہ کی صاحبزادی اسماء خاتون سے کر دی جو ایک دیندار علم وعمل کے ماحول میں تربیت یافتہ تھیں۔ یہاں سے مولانا کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ آپ اور آپ کی اہلیہ دونوں بڑی محنت سے دو تین سال تک بنائی میں لگے رہے، ساتھ ہی طلب علم میں محنت بھی کرتے رہے۔ لیکن آپ کے والد محترم اس سے مطمئن نہیں تھے وہ چاہتے تھے کہ آپ تعلیمی میدان میں سرگرم عمل ہوں ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ پارچہ بافی کے کام میں مصروف تھے کہ آپ کے ہم سبق دوست نے آپ کو بُنائی کرتے ہوئے دیکھ کر کہا کہ اتنا زیادہ پڑھ کر بنائی کا کام کب تک کرتے رہو گے؟ یہ بات آپ کے دل پر لگ گئی۔ اس کے بعد آپ دینی خدمت کرنے کے متعلق فکر مند ہو گئے۔

مسجد اہل حدیث تانتی باغ کلکتہ میں:

حسن اتفاق کہ انہی دنوں آپ کی ملاقات مولانا قاری ظہیر الدین صاحب مئوی سے ہوئی جو کہ ایک عرصہ تک مسجد اہل حدیث تانتی باغ کلکتہ میں امامت وخطابت کی خدمت انجام دے چکے تھے۔ کلکتہ کی جماعت کی خواہش کے باوجود سابقہ جگہ جانے پر رضا مند نہ تھے، موصوف نے مولانا کو مذکورہ مسجد میں خدمت کے لئے راضی کر لیا۔

مزید برآں زہے قسمت کہ ہندوستان کے مشہور ومعروف عالم وخطیب مولانا عبدالجبار صاحب شکراوی مئوناتھ بھنجن تشریف لائے، آپ کے والد کی خواہش پر ایک سفارشی خط بھی عنایت فرمایا۔ اس طرح آپ ۲۲ سال کی عمر میں ۱۹۵۲ء کو تنہا اکیلے کولکاتہ کے لئے عازم سفر ہوئے۔

مولانا کو اس تاریخی جامع مسجد میں امامت وخطابت کے میدان میں اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا سنہرا موقع ملا آپ ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۲ء تک پورے دس سال مسجد کے امام وخطیب، مفتی ومدرس اور دارالہدیٰ لائبریری کے ناظم رہے۔ اس قدیم لائبریری کی آپ نے ترتیب ونشاۃ ثانیہ فرمائی۔ فارغ اوقات میں آپ نے جامعہ علی گڑھ سے B.A. اور ڈپلومہ ان لائبریری سائنس بھی کیا اس کے علاوہ ماسٹر سعید الرحمن کلرک اسلامیہ ہائی اسکول، ماسٹر مختار احمد صاحب سے زبان انگریزی سیکھی، یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات نے آپ کو کورٹ کے وکیل کے ساتھ انگریزی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے دیکھا،

کلکتہ میں ہمارے مولانا منبر ومحراب سے منسلک ہونے کے باوجود خود کو مسجد کی چہار دیواری میں محدود نہ رکھا۔ بلکہ شہر کی علمی وادبی، سیاسی وسماجی، ملی وجماعتی شخصیات سے رابطہ بھی رکھا۔

شاہ سعود کے جلسہ استقبالیہ میں شرکت:

مولانا موصوف تحریر فرماتے ہیں: ''میری زندگی کا سب سے یادگار لمحہ وہ ہے کہ جب مملکت سعودیہ عربیہ کے فرمانروا جلالۃ الملک سعود بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ۱۹۵۵ء میں اپنے تاریخی دورہ پر ہندوستان تشریف لائے۔ اس وقت کے مرکزی جمعیت اہل حدیث کے صدر مولانا عبدالوہاب آرویؒ نے ملک سعود کے استقبال کے لئے دہلی کے لال قلعہ کے دیوان خاص میں ایک بڑا جلسہ منعقد کیا، میں ان دنوں کلکتہ میں موجود تھا۔ حضرت مولانا آروی صاحب نے بطور خاص اس تقریب کی کامیابی کے لئے جدوجہد کرنے کی مجھے تاکید فرمائی۔ اور میں نے کلکتہ کے امرائے اہل حدیث کے ایک بڑے وفد کے ساتھ لال قلعہ کے استقبالیہ جلسہ میں شرکت کی، بلاشبہ میرے نزدیک یہ ایک ناقابل فراموش جماعتی خدمت ہے اور یہیں سے میری جماعتی زندگی کا آغاز ہوا۔ جواب تک قائم ودائم ہے''۔ (مجلہ البلاغ ماہ مئی ۱۹۹۷ء)

کلکتہ کی تجارتی زندگی:

فراغت کے بعد ہی سے آپ کا رجحان تجارت کی طرف مائل تھا۔ کلکتہ قیام کے دوران آپ نے ''مکتبہ توحید'' کے نام سے ایک بک ڈپو کی بنیاد ڈالی۔ ان دنوں مولانا صادق سیالکوٹی کی کتابیں ہندوستان بھر میں کافی مقبول تھیں۔ موصوف سے مولانا کے اچھے مراسم تھے۔ اپنی تمام مطبوعات کے علاوہ دیگر مشہور کتب بھی وہ آپ کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ آپ کے قائم کردہ مکتبہ توحید کو بڑی ترقی نصیب ہوئی اور یہ آپ کے مادی ترقی کا ذریعہ بھی بن گیا۔

کلکتہ میں صحافت سے وابستگی:

مولانا ندوی نے قیام کلکتہ کے دوران اردو روزنامہ ''آزاد ہند'' میں ہر جمعہ کو ''دید وشنید'' کے نام سے ایک مزاحیہ کالم لکھنے کا سلسلہ شروع فرمایا۔ اس میں آپ نے اپنا قلمی نام علامہ حجازی اختیار فرمایا تھا۔

اسی طرح آپ جمعیت اہل حدیث کے آرگن ''مجلہ اہل حدیث'' کے کئی سالوں تک معاون مدیر اور مستقل کالم نگار رہے۔

میدان صحافت میں قدم رکھنے کے بعد آپ نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا آپ نے جنوری ۱۹۸۹ء میں جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں سے ماہنامہ مجلہ ''صوت الحق اور ۳۰ اگست ۱۹۹۰ء میں ماہنامہ البلاغ ممبئی جاری کر کے دینی صحافت کو ایک نیا رخ دیا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے البلاغ کی یاد تازہ کردی۔ آپ ایک بہترین مصنف اور کئی کتابوں کے مترجم بھی تھے۔

ممبئی آمد اور جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ میں خدمات:

مولانا ممدوح کلکتہ میں دس سالہ قیام کے دوران جماعتی وملی سرگرمیوں میں مصروف تھے کہ اچانک ۱۹۶۲ء میں ہندوستان کی مشرقی سرحد پر چین نے حملہ کردیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان کے کچھ حصہ پر قبضہ کرلیا۔ پورے ملک پر اس کا بڑا اثر پڑا۔

کلکتہ جیسے عظیم تجارتی شہر میں بڑی بدامنی اور انارکی پھیل گئی لاکھوں آدمی شہر چھوڑ کر چلے گئے۔اور تقریباً پورا شہر خالی ہوگیا۔ان نازک حالات میں آپ بھی وطن مئوناتھ بھنجن واپس لوٹ گئے۔

کلکتہ سے واپسی کے معابعد مولانا عبدالجبار صاحب شکراوی کی کوشش ومشورہ سے آپ جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ ممبئی میں امامت وخطابت کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔اہالیان ممبئی (مہاراشٹر) کے لئے آپ کی آمد فال نیک ثابت ہوئی۔

بیت المال کا قیام:

یہاں مولانا موصوف نے اپنے خطبات وتقاریر میں بیت المال کے قیام کی ترغیب دلائی اور اس کی افادیت کو واضح کیا اخوان جماعت کے تعاون سے بیت المال کا قیام عمل میں آیا اس سے ممبئی کے مسلمانوں کی معاشی وسماجی اصلاح کا کام شروع ہوگیا۔ مختصر مدت میں جمعیت اہل حدیث ممبئی کی رفاہی خدمات کا شہرہ ہوگیا۔

جمعیت اہل حدیث ممبئی عظمیٰ کی تشکیل:

میرے ممدوح جمعیت اہل حدیث کے ایک سرگرم ومتحرک کارکن تھے۔اور جمعیت کی ترقی کے خواہش مند لہٰذا آپ نے مسلک اہل حدیث کی تبلیغ واشاعت کے لئے ہفتہ واری ماہانہ سالانہ اجلاس واجتماعات کا سلسلہ شروع فرمادیا۔جس میں ملک کے مشہور ومعروف علمائے کرام شرکت فرماتے ان کے خطابات سے عوام میں دینی وعملی بیداری کی ایک لہر پیدا ہوگئی،اور ضرورت محسوس کی گئی کہ جمعیت اہل حدیث ممبئی عظمیٰ کو منظم کیا جائے چنانچہ ۱۶ر ستمبر ۱۹۶۳ء کو جامع مسجد مومن پورہ میں جمعیت کا ایک اہم اجلاس زیر صدارت مولانا عبدالحکیم شرف الدین منعقد ہوا۔جس میں جمعیت اہل حدیث ممبئی عظمی کی تشکیل اور اس کے رجسٹریشن کا فیصلہ کیا گیا۔اس کا دفتر مولانا آزاد روڈ،مومن پورہ میں قائم ہوا۔

حضرت مولانا مختار احمد ندویؒ کی قیادت میں جمعیت اہل حدیث ممبئی کا یہ کارواں بڑی تیزی وسرعت سے دعوت وتبلیغ کے ساتھ تعلیمی میدان میں رواں دواں رہا۔ہر صبح ایک نئے منصوبے کا پیغام لے کر نمودار ہوتی تھی۔جمعیت اہل حدیث عظمیٰ کی فعالیت اور اس کی زبردست کارکردگی کو دیکھ کر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند دہلی نے جمعیت اہل حدیث ممبئی عظمی کو صوبائی حیثیت دینے کا فیصلہ کیا۔اور ۱۹۷۲ء کے آغاز میں باضابطہ انتخابی کارروائی عمل میں آئی جس کے صدر مولانا مختار احمد ندویؒ منتخب ہوئے۔

حج بیت اللہ اور حرم مکی میں دروس:

۱۹۴۶ء میں آپ جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ ممبئی میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ خوش قسمتی سے دوحہ قطر سے شیخ مبارک بن سیف الناخی بغرض علاج ممبئی تشریف لائے انہیں شرف الدین المکتبی والوں نے ہمارے مولانا ممدوح کے متعلق بتایا تو موصوف جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ تشریف لائے اور ملاقات کی،اسی سال براہ دوحہ قطر حج کرنے کی دعوت دی۔آپ نے پہلی بار بحری جہاز سے حج کا سفر شروع کیا اور یہ آپ کا بیرون ملک کا پہلا سفر تھا۔عربی کتب کے چند نسخے برائے ہدیہ ساتھ میں رکھے،پہلے دوحہ قطر پہنچے،بندرگاہ پر شیخ مبارک بن سیف الناخی نے پرتپاک استقبال کیا،دوسرے دن حاکم قطر شیخ علی بن عبداللہ آل ثانی کے محل لے گئے،آپ

کا تعارف کروایا۔ کسی عرب حکمراں سے آپ کی یہ پہلی ملاقات تھی، حاکم قطر نے آپ کو اپنے مہمان خانے میں قیام کرنے کی عزت بخشی، دوحہ قطر کے دوران آپ کی ملاقات چند ممتاز و بااثر علمائے کرام سے ہوئی جن میں قابل ذکر نام یہ ہیں۔ الشیخ عبداللہ بن زید المحمود رئیس المحاکم الشرعیہ دوحہ قطر، شیخ احمد بن حجر قاضی قطر، علامہ شیخ ابراہیم الانصاری، شیخ عبدالبدیع الصقر رئیس مکتبہ دوحہ قطر۔

چند دن کے بعد خشکی کے راستے آپ مکہ پہنچے، عمرے سے فراغت کے بعد خوش نصیبی سے آپ نے اپنے قدیم و مخلص بزرگ مولانا عبداللہ لکھنوی صاحب کو دور سے مقام ابراہیم کے پاس ایک کرسی پر تقریر کرتے ہوئے دیکھ لیا اور قریب جا کر ان کے درس میں بیٹھ گئے، مولانا موصوف نے آپ کو دیکھتے ہی گلے لگالیا اور کہا بیٹا! کل سے یہ کرسی تمہارے لئے وقف رہے گی۔ اب تو میں بوڑھا ہو گیا ہوں اب تم ہی لوگوں کو یہ منصب سنبھالنا چاہیے۔ ابھی چند دن ہی آپ نے اس کرسی پر درس دیا تھا کہ ادارۃ الحرمین کی طرف سے رکن یمانی کے پاس آپ کے لئے کرسی لگادی گئی، پھر آپ کو شاہی مہمان اور مدرس حرم مکی کی حیثیت دی گئی، آپ دس سال تک موسم حج میں دروس دیتے رہے۔

پھر جب یکم محرم ۱۹۸۰ء میں جہیمانی ٹولے کے مفسدین نے حرم پاک میں ہنگامہ برپا کردیا تو اس سال سے تمام غیر سعودیوں کے لئے یہ سلسلہ بند کردیا گیا۔

آپ نے اپنی زندگی میں کتنے حج کئے قطعی طور پر بتایا نہیں جاسکتا البتہ ایک اندازہ کے مطابق آپ نے ۲۷ بار حج کئے تھے۔

مسجد جامع اہل حدیث مومن پورہ کی تعمیر جدید:

۱۹۶۲ء میں جب مولانا ندویؒ نے مسجد جامع اہل حدیث مومن پورہ ممبئی میں امامت وخطابت شروع کردی۔ تو یہ مسجد مصلیوں کی کثرت سے تنگ دامانی کا شکار ہوگئی، مصلیوں کی دشواریوں کے پیش نظر ۱۹۶۹ء میں مولانا مختار احمد ندویؒ نے مسجد کی تعمیر جدید کروادی، آپ ۱۹۶۲ء تا ۱۹۸۲ء مکمل بیس سال تک اس مسجد میں باتنخواہ امام وخطیب رہے۔ اس کے بعد اعزازی طور پر جامع مسجد بنگالی اہل حدیث مدن پورہ کو اپنا دعوتی مرکز بنایا اور آپ نے اس قدیم مسجد کو بھی تین منزلہ تعمیر کروایا۔

مولانا آزاد ہائی اسکول کا قیام:

مسجد جامع اہل حدیث مومن پورہ کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد آپ نے ممبئی کی مسلم آبادی والے علاقہ مومن پورہ میں ایک ایسا اسکول قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی جس میں نونہالان اسلام دین کی بنیادی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم حاصل کرسکیں۔ اس فکر کو لے کر آپ نے ۱۹۷۰ء میں تحریک چلائی اور جمعیت اہل حدیث ایجوکیشنل سوسائٹی قائم کی۔ سہ منزلہ اسکول کی تعمیر کے لئے ابوظہبی کے شاہ شیخ زائد بن سلطان النہیان نے مالی مدد فرمائی، عمارت مکمل ہونے کے بعد ۲۲ مئی ۱۹۷۶ء میں شیخ ثانی عبداللہ کے ہاتھوں بعد نماز عصر اس کا افتتاح ہوا۔ راقم الحروف بھی اس افتتاحی تقریب میں شریک رہا۔ اور پہلی مرتبہ حضرت مولانا مختار احمد ندویؒ سے ملاقات و دیدار کا شرف حاصل کیا۔

راقم الحروف کی زندگی کا ایک یادگار دن:

واقعہ یہ ہے کہ اسکول کی افتتاحی تقریب میں اور اسی رات جھولا میدان کے دعوتی اجتماع عام میں اکابرین علمائے اہل حدیث مولانا

شمس الحق شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ بنارس، مولانا عبدالجبار شکراوی شیخ الحدیث دارالعلوم شکراوہ، مولانا داؤد راز دہلوی، مولانا عبدالاول بستوی، وغیرہم کی موجودگی میں خوب تصویر کشی ہوئی۔ اس زمانہ میں تصویر کشی کی حرمت کے سبھی قائل تھے۔ دوسرے دن صبح بوقت ۱۰ بجے تا نماز ظہر آرٹس وسائنس کالج ممبئی کے آڈیٹوریم میں جب خصوصی اجلاس شروع ہوا تو تصویر کشی کو لے کر کافی ہنگامہ اور بحث شروع ہوگئی۔ شرکاء اجلاس کے غم وغصہ کو دیکھ کر مذکورہ علمائے کرام اسٹیج پر بیٹھے، مہر بہ لب خاموش وحیران وپریشان تھے، اسٹیج پر آنے والا ہر مقرر اکابر علماء سے یہی سوال کررہا تھا کہ آخر آپ حضرات نے تصویر کشی پر کیوں خاموشی اختیار کی؟ اور آپ ﷺ کے قول ''من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ۔ الی آخر الحدیث'' پر عمل کیوں نہیں کیا؟ اس ختم نہ ہونے والی بحث کو صدر اجلاس کی اجازت سے اکابرین علما کے دفاع میں فی البدیہہ بیس منٹ ایسی پر جوش تقریر کی کہ سارے معترضین خاموش ہوگئے اور سب نے چپ سادھ لی۔

میری تقریر کے نکات یہ تھے اجلاس جمعیت اہل حدیث ممبئی عظمیٰ کے زیر نگرانی ہورہا تھا۔ ناظم اجلاس مولانا مختار احمد ندوی تھے، اجلاس میں خلیجی ممالک کے سفراء وعلماء شریک تھے۔ جن کے نزدیک کیمرہ سے تصویر کشی جائز ہے۔ اجلاس ممبئی جیسے بین الاقوامی شہر میں ہورہا تھا۔ اور یہ تمام علماء کرام جن کو مطعون کیا جارہا ہے اجلاس کے مہمان تھے۔ کیا یہ علمائے قصوروار ہیں؟ کیا انہوں نے تصویر کشی کے جواز پر کوئی بیان یا فتوی دیا ہے کہ آپ حضرات نے اس کی تردید میں آسمان سر پر اٹھالیا ہے۔ سابقہ مقررین کے نازیبا طرز تخاطب اور چند اعیان جماعت ونوجوان علماء کا جارحانہ بیان ان سب کی راقم نے جم کر مخالفت کی۔ میری تقریر کیا ختم ہوئی کہ چاروں طرف سے صدائے تحسین بلند ہوئی۔ اسٹیج پر تشریف فرما علمائے کرام میں شیخ الحدیث مولانا شمس الحق صاحبؒ اٹھ کھڑے ہوئے آپ نے مجھ کو اپنے سینے سے تادیر لگائے رکھا۔ وفور جذبات میں آکر زاروقطار روتے ہوئے ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازتے رہے۔ اور سارا مجمع آپ کی دعا پر آمین کہہ رہا تھا۔ شاید یہ دعا کی قبولیت کی گھڑی تھی، اس دن کے بعد راقم سے جو کچھ حقیر سی دینی خدمت ہوئی یا ہورہی ہے حسن ظن ہے شاید یہ سب اسی دعا کا نتیجہ ہے۔ آمدم برسر مطلب۔

الدار السّلفیہ کا قیام:

۱۹۷۰ء میں مولانا ندویؒ نے بڑی بے بضاعتی اور بے سروسامانی کے عالم میں اسلامی علوم ومعارف اور سلف صالحین کے علمی ورثے کی نشر واشاعت کے لئے اللہ پر توکل کرتے ہوئے ایک اشاعتی ادارہ بنام ''الدار السّلفیہ'' قائم کیا۔ جس کی افتتاحی تقریب میں شیخ احمد بن حجر قاضی قطر نے شرکت فرمائی۔ یہ ادارہ مختلف مراحل ومقامات سے گزرتا ہوا۔ ۱۹۸۴ء کو سانکلی سٹریٹ ممبئی کی ایک شاندار عمارت میں منتقل ہوکر تحقیق وتہذیب نشر واشاعت کا مرکز بن گیا۔ الدار السّلفیہ نے اپنی شاندار کتابت وطباعت اور نفاست کی وجہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم عرب کے مکتبات میں بھی اپنا ایک الگ انفرادی ونمایاں مقام بنالیا۔ یہاں سے تفسیر، حدیث، سیرت، تاریخ اور مختلف موضوعات پر کئی سو کتابیں بڑے اہتمام کے ساتھ شائع ہوئیں۔ ۳۵ سے زائد اہم نادر قلمی عربی کتابیں نہایت تحقیق وتہذیب کے بعد طبع ہوئیں۔ جو علوم اسلامی کی حفاظت کا ایک نمایاں کارنامہ تھا۔

محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی کا قیام:

۱۹۷۵ء میں آپ نے محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی کی بنیاد ڈالی، جس کے مقاصد اعلیٰ ومنفرد تھے، آپ چاہتے تھے کہ ایسے باصلاحیت

علماء تیار کریں جو عصر جدید کے چیلنجوں کا بھرپور مقابلہ کرسکیں، جو دینی وعصری علوم سے بہرہ ور ہوں، محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی کے قیام کے بعد اولین ثمرہ کی صورت میں جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں وجود میں آیا۔ مولانا ندویؒ نے اپنی حیات میں محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی اور محمدیہ ویلفیئر سوسائٹی کے زیر اہتمام مندرجہ ذیل ادارے قائم فرمائے۔

(۱) جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں (اقامتی درسگاہ) (۲) کلیہ عائشہ صدیقہ مالیگاؤں (اقامتی درسگاہ) (۳) محمدیہ طبیہ کالج مالیگاؤں (اقامتی درسگاہ) (۴) بدر السائر اسپتال مالیگاؤں (۵) مدرسہ محمدیہ للبنات آکوٹ مہاراشٹر (۶) محمدیہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ ممبئی (۷) کلیہ فاطمۃ الزہرا الاسلامیہ للبنات مئو (۸) عالیہ جنرل ہاسپٹل مئو، عالیہ گرلس ہائی اسکول مئو (۹) مدرسہ محمدیہ للبنین والبنات جھانڈا ہریانہ (۱۰) مدرسہ محمدیہ بھوپال (۱۱) مدرسہ محمدیہ رائے گڑھ کوکن (۱۲) مدرسہ محمدیہ اورنگ آباد (۱۳) مدرسہ محمدیہ دھولیا مہاراشٹر (۱۴) مدرسہ گوونڈی (۱۵) مدرسہ محمدیہ ماہم ممبئی (۱۶) جامعہ محمدیہ منصورہ بنگلور (۱۷) کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ بنگلور۔ مذکورہ ادارے ایسے ہیں جن کی تفصیلات بیان کرنے کیلئے بیسوں صفحات درکار ہیں اس کتاب میں اتنی گنجائش کہاں؟ اس لئے موخر الذکر دو ادارے چونکہ جنوبی ہند کے مشہور بین الاقوامی شہر بنگلور میں قائم ہیں بنابریں ان کے متعلق تفصیلی معلومات درج ذیل ہیں۔

بنگلور جنوبی ہند کی ریاست کرناٹک کا ایک ترقی یافتہ خوبصورت شہر ہے جو اپنی مادی وٹکنالوجی ترقی کی وجہ سے پورے ہندوستان میں مشہور ومعروف ہے۔ یہاں عصری علوم کی ترقی اور اقتصادی خوشحالی کے باوجود کوئی قابل ذکر دینی ادارہ نہیں تھا۔ جو اپنے فارغین کو حالات کے مطابق دینی وعصری دونوں علوم سے بہرہ ور کرسکے۔ اس لئے مولانا ندویؒ نے دینی وعصری علوم کے حسین امتزاج کے ساتھ ایک دینی ادارہ قائم کرنے کا عزم کرلیا۔

انہی ایام میں غالباً ۱۹۸۸ء کے اواخر میں مولانا خلیل الرحمن عمری مدنیؒ نے بنرگٹہ روڈ پر شہر بنگلور میں مخصوص محسنین کے تعاون سے بنی بنائی عمارت خرید کر ایک دینی اقامتی درسگاہ بنام ''المدرسۃ الاسلامیہ'' بنگلور قائم کیا تھا۔ (اسی جگہ آج مسجد سلفیہ بنی ہے) جس کے تاسیسی اراکین میں راقم الحروف کے علاوہ الحاج آر عبدالجلیل صاحب بنگلوری، الحاج سید عبدالحفیظ صاحب بلہاری، مولانا رؤف احمد صاحب مدراسی وغیرہ تھے۔

مدرسہ کے قائم ہوئے سال ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوا تھا کہ حسن اتفاق مولانا مختار احمد صاحب ندویؒ جناب عبدالرقیب بن آر عبدالجلیل صاحب سے اپنی لڑکی کے رشتہ کے متعلق شہر بنگلور تشریف لائے، مولانا کی آمد کی مناسبت سے راقم الحروف کو بھی بنگلور مدعو کیا گیا۔

جناب آر عبدالجلیل صاحب کے مکان پر ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد مولانا خلیل الرحمن صاحب مدنی نے مولانا ندویؒ کو اپنے ادارہ کی زیارت کی دعوت دی، مولانا موصوف نے مذکورہ بالا اراکین تاسیسی کے ساتھ ''المدرسۃ الاسلامیہ'' بنگلور کا معائنہ فرمایا۔ معائنہ کے دوران مولانا خلیل الرحمن عمری مدنی نے ایک تجویز پیش کی کہ اس ادارہ کو مولانا ندوی صاحب اپنے اشراف میں لے کر محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی ممبئی کی شاخ بنالیں۔ چونکہ نماز ظہر کا وقت قریب تھا۔ اس تجویز پر مولانا نے فرمایا کہ بعد نماز ظہر وظہرانہ حاجی عبدالجلیل صاحب کے مکان پر تفصیلی گفتگو ہوگی۔

ظہرانہ کے بعد مذکورہ بالا تجویز پیش کی گئی تو مولانا ندویؒ نے اس پر معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ سردست ان کا اپنا تعلیمی شعبہ اتنا وسیع ہوگیا ہے کہ فی الفور مزید کسی ادارے کے قیام کا منصوبہ نہیں بنایا جاسکتا۔ مولانا خلیل الرحمن عمری مدنی اور الحاج آر عبدالجلیل صاحب کے بار بار کے اصرار پر مولانا ندویؒ نے چند تحفظات وشرائط کے ساتھ شہر بنگلور میں ایک ادارہ کے قیام پر اپنی رضامندی ظاہر فرمائی۔

شرائط:

(الف) مدرسہ کا نام جامعہ محمدیہ ہوگا۔ (ب) یہ ادارہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی ممبئی کی شاخ ہوگا۔ (ج) شہر میں ایک وسیع زمین خریدنے اور اس پر تعمیرات کی ذمہ داری سوسائٹی کی ہوگی۔ (د) اساتذہ کی تنخواہ، طلبہ کے خرد ونوش ودیگر تمام تر داخلی اخراجات کے ذمہ دار مشورہ میں موجود اراکین ہوں گے۔ طرفین کی طرف سے معاہدہ کے بعد مولانا ممدوح نے محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی ممبئی کی جانب سے تقریباً پانچ ایکڑ زمین خرید کر اس کی رجسٹری مولانا خلیل الرحمن صاحب عمری مدنی کے والد کے نام کروائی، چونکہ جامعہ کے لئے خرید کردہ زمین زرعی تھی اور یہ زمین کاشتکار کے نام ہی رجسٹر ہوسکتی تھی اور مولانا خلیل الرحمن صاحب مدنی کے والد کاشتکار تھے۔ آگے چل کر پھر یہ زمین جامعہ محمدیہ بنگلور کے نام رجسٹر کروائی گئی۔ حق بہ حق دار رسید۔

جامعہ محمدیہ بنگلور کا قیام اور اس کا پس منظر:

۱۹۸۹ء میں جامعہ محمدیہ بنگلور کی تاسیس عمل میں آئی تو مدرسہ اسلامیہ کو اس میں ضم کردیا گیا، جامعہ محمدیہ بنگلور، جامعہ محمدیہ مالیگاؤں کی شاخ بنا کر دینی وعصری تعلیم کا مشترکہ نصاب تعلیم جاری کیا گیا۔ مولانا ندویؒ نے اپنا وعدہ نبھایا اور شہر بنگلور کے دونوں حضرات مولانا خلیل الرحمن عمری مدنی اور الحاج آر عبدالجلیل صاحب اپنا وعدہ اور ذمہ داری نبھاتے رہے۔ اول الذکر محترم سکریٹری جامعہ اور ثانی الذکر خازن جامعہ، مولانا رؤف احمد عمری مدراس صدر جامعہ اور راقم الحروف خادم جامعہ کی حیثیت سے معاون رہا۔ مولانا ندویؒ کی سرپرستی میں مولانا خلیل الرحمن صاحب مدنی کی شبانہ روز کی دوڑ دھوپ سے جامعہ بحسن وخوبی چلتا رہا۔ سکریٹری جامعہ بنگلور کی جمعیات 'جمعیۃ القریش' جمعیۃ دکنی صاحبان، جمعیت لبابین صاحبان اور ریاست کرناٹک کے محسنین جماعت کے مالی تعاون سے اخراجات پورے کرتے رہے۔ اس درمیان کچھ ایسے ناگفتہ بہ حالات پیش آئے کہ مولانا خلیل الرحمن مدنی نے جامعہ کی نظامت اور دیگر ذمہ داریوں سے استعفیٰ دے دیا۔

اراکین جامعہ نے راقم الحروف کے توسط سے بڑی کوشش کی کہ آپ دوبارہ اپنی ذمہ داریوں کو سنبھال لیں اس سلسلہ میں مولانا ندویؒ نے بھی دومرتبہ بنگلور کا سفر کیا لیکن مولانا خلیل الرحمن مدنی نے دوبارہ سابقہ عہدہ قبول کرنے سے معذرت کرلی۔ آپ کے بعد مولانا احمد اللہ صاحب قریشی مدنی حفظہ اللہ نے بحیثیت ناظم جامعہ کی اچھی خدمت کی۔ راقم الحروف نے تقریباً چار سال بحیثیت سکریٹری اور چند ماہ ناظم جامعہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

راقم الحروف کے بعد مولانا شفیق احمد صاحب مدنی بنگلوری نے نظامت کی ذمہ داری احسن طریقہ سے نبھائی۔ ان دنوں یعنی سال ۲۰۱۸ء میں شیخ الجامعہ مولانا خالد مشرف عمری بن الحاج آر عبدالجلیل صاحب ہیں۔ فجزاھم اللہ خیرا۔

جامعہ محمدیہ وکلیہ عائشہ بنگلور سے ۲۰۱۷ء تک ۲۵ سالہ مدت میں بے شمار طلبہ فارغ ہوکر میدان عمل میں تعلیمی ودعوتی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جن کی مجموعی تعداد ۱۹۹۲ تک پہنچتی ہے۔ اب تک ہر شعبہ میں فارغین کی تعداد حسب ذیل ہے۔

تعداد فارغین شعبہ حفظ: ۴۶ طلبہ

تعداد فارغین ثانویہ: ۶۹۴ طلبہ

تعداد فارغین عالمیت: ۵۲۸ طلبہ

تعداد فارغین فضیلت: ۱۱۸ طلبہ

تعداد فارغین (یس یس ایل سی): ۶۰۶ طلبہ

مجموعی تعداد فارغین طلبہ: ۱۹۹۲ طلبہ۔ اللہم زد فزد۔

ادارۃ اصلاح المساجد ممبئی:

مولانا ندویؒ نے ہندوستان کے طول وعرض میں مساجد کی تعمیر کا ایک جامع منصوبہ بنایا، اسی کے پیش نظر ۱۹۸۰ء میں اپنے محسنین ومعاونین کے تعاون سے ''ادارۃ اصلاح المساجد'' کی بنیاد رکھی۔

میری اپنی دانست کے مطابق آپ نے ادارۃ المساجد سے جس پہلی مسجد کی تجدید کروائی وہ ''مسجد عثمانیہ پورمودے'' منگلور ائرپورٹ (کرناٹک) سے قریب واقع ہے۔ چند ہی سال کی مختصر مدت میں آپ نے اس ادارہ کی جانب سے تقریباً چار سو مساجد کی تعمیر وتجدید کروائی۔ جن میں ۳۵ مساجد کرناٹک میں ۶۰ آندھرا پردیش، ۳۰ تامل ناڈو، ۱۳ کیرلا میں تعمیر ہوئیں۔

مولانا رؤف احمد عمری مدراس جو مولانا کے تعمیری سفر میں شانہ بشانہ رہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ''تعمیری کاموں کا معائنہ کرنے کے لئے اکثر مقامات پر مولانا بذات خود تشریف لے جاتے تھے۔ بعض مقامات کا سفر اس قدر تکلیف دہ ہوتا تھا کہ مولانا کو واپس ہونے اور سنبھلنے میں ایک ہفتہ لگ جاتا تھا۔ اس کے باوجود آپ نے مساجد کی تعمیر میں ذرہ برابر بے توجہی نہیں فرمائی''۔

جماعتی خدمات:

مولانا ندویؒ میں جماعت وجمعیت کی خدمت کا جذبہ بچپن ہی سے موجزن تھا۔ پھر میدان عمل میں داخل ہوئے تو اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ جماعت وجمعیت کے لئے وقف کردیا۔ گزشتہ سطور میں فارغین نے آپ کی کلکتہ اور ممبئی کی جماعتی سرگرمیوں کو پڑھ لیا ہے کہ جماعت اہل حدیث کی نیک نامی اور اس کی سربلندی کے لئے آپ نے کیا کچھ کاوشیں اور کوششیں کی تھیں، مولانا ندویؒ کی عمر ۲۲ سال کی تھی کہ ۱۹۵۲ء میں حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب آرویؒ صدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس دہلی نے اہل حدیث کانفرنس کی مجلس عاملہ کا باضابطہ رکن نامزد فرمایا۔

۱۹۷۳ء میں آپ صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی عظمیٰ کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۹ء مستقل دس سالہ مدت تک مولانا عبدالوحید سلفی امیر جمعیت اہل حدیث ہند کے ساتھ نائب امیر بن کر جمعیت اہل حدیث کی خدمت کرتے رہے۔

اس دوران جمعیت اہل حدیث ہند کے لئے آپ کے بہت سے کارناموں میں ایک عظیم کارنامہ ۱۹۸۱ء میں مولانا عبدالوحید صاحب سلفی کے ساتھ مل کر اہل حدیث منزل کی خریداری ہے۔ ۱۹۸۹ء میں مولانا عبدالوحید صاحب سلفی امیر جمعیت کی وفات کے بعد دوسالہ مدت کے لئے ۱۹۹۱ء تک آپ قائم مقام امیر منتخب ہوئے۔

۱۹۹۲ء تا ۱۹۹۵ء آپ امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند منتخب ہوئے آپ کے اس دور امارت میں راقم الحروف مجلس عاملہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کا رکن منتخب ہوا۔ امیر محترم اپنی اس دوسری میعاد میں جماعتی کاموں کو وسعت دینے کے لئے ملک کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور ہر ایک علاقہ کے لئے نائب ناظم مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نامزد فرمایا، احقر کو مولانا محترم نے نائب ناظم مرکزی جمعیت اہل حدیث نامزد فرمایا۔ راقم کے اسی دور نظامت میں ''جنوبی ہند اہل حدیث کانفرنس ہسور'' منعقد ہوئی جس کی تفصیلی رپورٹ اس کتاب کے باب جماعتی کانفرنسیں اور اجتماعات میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۰ اگست ۱۹۹۵ء کو مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند دہلی کا انتخابی اجلاس بمقام بچوں کے گھر منعقد ہوا جس میں آپ کو تیسری مرتبہ امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند منتخب کیا گیا۔ اور راقم نائب ناظم مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند منتخب ہوا۔

غالباً ۱۹۹۷ء میں مولانا ندویؒ بعض وجوہات کی بناء پر مرکزی جمعیت ہند کی امارت سے مستعفی ہو گئے۔ اگر چہ کہ آپ جماعتی عہدوں سے مستعفی ہو گئے۔ لیکن جماعت و جمعیت سے تاحیات وابستہ رہے۔

آپ نے اپنے دور امارت میں جماعت اہل حدیث ہند کو فعال و متحرک بنا دیا تھا۔ یہ جمعیت اہل حدیث ہند کا سنہری دور تھا۔ آپ نے پورے ملک بالخصوص جنوبی ہند کے کافی دعوتی دورے فرمائے، اسی دوران راقم کو آپ کی رفاقت وصحبت سے استفادہ کے خوب مواقع حاصل ہوئے۔

مولانا کی جماعتی خدمات پر مولانا حافظ حفیظ الرحمن اعظمی عمری مدنی حفظہ اللہ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''ملک کی ہر تعمیری، تنظیمی اور اصلاحی تحریک میں مولانا کی شخصیت نمایاں اور اثر انداز رہی۔ جمعیت و جماعت اہل حدیث کے لئے آپ کا ایک ایک سانس وقف تھا۔ اس کی نیک نامی اور سربلندی کے لئے آپ کی تگ ودو اور کاوشوں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ اہل حدیث کی کوئی میٹنگ یا اجلاس ملک کے کسی بھی کونے میں ہو، آپ کی طبیعت کیسی بھی ہو، مصروفیت کچھ بھی ہوتی، ہوا کے دوش پر سر کے بل پہنچ جاتے جنوبی ہند کے چھوٹے چھوٹے دشوار گزار دیہاتوں میں بھی سوز وگداز میں ڈوبے ہوئے آپ کے مواعظ حسنہ اور پند ونصائح کی گونج آج بھی بلند ہوگی۔ (مولانا مختار احمد ندوی حیات وخدمات ص ۴۱۷)

اخلاق وعادات:

مولانا مختار احمد صاحب ندویؒ کے ساتھ راقم الحروف کو ۱۹۹۲ء تا ۲۰۰۲ء تقریباً دس سال تک سفر وحضر میں رفاقت ومعیت کا شرف حاصل رہا۔ آپ اخلاق حمیدہ واوصاف جمیلہ کے حامل تھے۔ حسن صورت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن سیرت سے بھی نوازا تھا۔ آپ باوقار سنجیدہ اور خوشگوار گفتگو فرماتے، خوش طبع، ظریف اور نہایت خیر خواہ، وہمدرد انسان تھے اپنے تمام فرائض وواجبات کے پابند بلاناغہ قرآن مجید کی تلاوت ہر دن کیا کرتے تھے سفر وحضر میں قیام اللیل کا بھی اہتمام فرماتے، جہد مسلسل کے خوگر، سہل

پسندی وآرام طلبی سے کوسوں دور اور اس سے متنفر تھے، وقت کے بڑے قدرداں اور مردم شناس تھے، آپ کو صلاحیت کے ساتھ صالحیت کا بھی وافر حصہ نصیب ہوا تھا۔ تواضع خاکساری آپ کے مزاج کا حصہ تھی۔ آپ کو اکثر یہ دعا پڑھتے ہوئے میرے کانوں نے سنا "اللھم اجعل فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا" (اے اللہ مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا اور لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنادے۔)

اپنی اولاد پر مشفق اور ان کے اچھے مربی تھے، سب کی دینی تربیت کی اور ان کو عالم وفاضل بنایا، اپنی تمام بیٹیوں کی شادی دیندار اہل حدیث گھرانوں میں کی، آپ کی ذات میں بہت سی خوبیاں تھیں میں آپ کی کن کن خوبیوں کو گنا تا جاؤں۔ الغرض مولانا ایک باہمت دوربین وحوصلہ مند انسان تھے۔

وفات:

اللہ تعالیٰ نے ہمارے ممدوح کو قابل رشک صحت وتندرستی سے نوازا تھا۔ پھر عمر رفتہ کے مطابق اعضاء وقوی میں اضمحلال پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ شوگر اور دل کا مرض لاحق ہوگیا۔ گھٹیا کا درد بھی اکثر اٹھتا تھا۔ پہلے قوت حافظہ متاثر ہوا پھر بصارت کمزور ہوگئی باوجود اس کے اپنے روزمرہ کے عام کام خود کرنے کی کوشش فرماتے۔ مولانا رحمہ اللہ نے اپنی زندگی ہی میں وصیت نامہ تحریر کردیا تھا۔ اور جس کو دینا تھا دے دیا اور سب کو معاف کردیا۔ وفات سے چار دن پہلے ڈاکٹروں نے رپورٹ دی کہ آپ کے دماغ کی نس متاثر ہوگئی ہے۔ اور یہ جانکاہ خبر سنائی کہ اب آپ کی زندگی کے دن کم ہی رہ گئے ہیں۔ پھر وہ وقت موعود آپہنچا کہ اتوار کی شام ۲۵ رشعبان ۱۴۲۸ھ مطابق ۹ رستمبر ۲۰۰۷ء کو ۷۷ سال مکمل ہوگئے تھے کہ اپنے رب حقیقی کے ہاں جا پہنچے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دوسرے دن ۱۰ رستمبر ۲۰۰۷ء نماز ظہر کے بعد ساڑھے سات کروز جو ہوگارڈن قبرستان میں مدفون ہوئے "نماز جنازہ آپ کے سمدھی مولانا حافظ سلیمان صاحب میرٹھی حفظہ اللہ نے پڑھائی جنازہ میں ہر مکتب فکر کے علماء، داعیان اور عوام الناس نے اس کثرت سے شرکت کی کہ ساڑھے کروز کے تمام روڈ جام ہوگئے اور پولیس کو حفاظتی انتظام کرنے پڑے اور اخبارات نے لکھا کہ یہ ایک عالمی شخصیت کا تاریخ ساز جنازہ تھا۔

پسماندگان:

آپ کے پسماندگان میں آپ کی اہلیہ اسماء خاتون کے علاوہ تین بیٹے اسلم مختار، اکرم مختار، ارشد مختار۔ اور چھ بیٹیاں قدوسیہ، فوزیہ، صدیقہ، عائشہ، اور زبیدہ ہیں، سب صاحب اولاد ہیں اور خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔ سب بیٹے بیٹیاں دینی تعلیم سے آراستہ ہیں یہ سب مولانا کے لئے "ولد صالح یدعولہ" کی سچی تعبیر اور صدقہ جاریہ ہوں گے اور آپ کی جملہ دینی ودعوتی، تصنیفی وتالیفی، تعلیمی وتربیتی خدمات صدقہ جاریہ بنیں گی۔ ان شاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ آپ کی بشری لغزشوں کو معاف فرمائے اور جملہ دینی خدمات کو قبول فرمائے اور یوم قیامت آپ کے میزان حسنات میں شامل فرمائے۔ آمین۔

ملاحظہ: مولانا مختار احمد ندویؒ کی سوانح کا اکثر حصہ کتاب "مولانا مختار احمد ندوی حیات وخدمات" مؤلف مولانا ضیاالحسن محمد سلفی سے ماخوذ ہے۔

عرب علماء و محسنین سے تعلقات:

سعودی عرب: شیخ عبدالعزیز بن باز، شیخ محمد بن صالح العثیمین، ڈاکٹر صالح الفوزان، شیخ عبدالعزیز آل الشیخ مفتی عام سعودی عربیہ، شیخ ناصر العبودی، ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، حرمین شریفین کے ائمہ، سعودی جامعات کے اساتذہ وغیرہ۔

کویت: بدر عبداللہ البدر، شیخ عبداللہ السبت، شیخ جاسم العون، شیخ طارق سامی سلطان العیسی، رئیس احیاء التراث الاسلامی، شیخ صالح علی الشائع وشائع خاندان۔

امارات: شیخ محمد علی بجاش، راشد بن سعد المکتوم، حاکم دبئی، حاکم شارجہ، حاکم عمان، حاکم رأس الخیمہ۔

مصر: ڈاکٹر جمیل غازی اور کئی دینی جمعیات کے رؤسا مشاہیر علماء و مشائخ کے بعض اسماء ہیں جن کو یہاں بطور نمونہ ذکر کیا گیا ہے علاوہ ازیں عالم عرب کے کونسلر و سفراء سے بھی آپ کے بڑے خوشگوار مراسم رہے۔

کئی تعلیمی و ملی اداروں و تنظیموں کے آپ رکن و سرپرست تھے۔ دنیا بھر کے کانفرنسوں میں آپ شریک رہے۔ جن میں قابل ذکر یہ ہیں: جامعۃ الملک عبدالعزیز کی تعلیمی کانفرنس مکہ مکرمہ، المؤتمر العالمی لتوجیہ الدعوۃ واعداد الدعاۃ، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، عالمی اسلامی کانفرنس کویت، سری لنکا، مرکز توعیۃ الجالیات بریدہ القصیم سعودی عرب، برطانیہ۔

(ماخوذ از: تاریخ اہل حدیث جنوبی ہند کے درخشاں پہلو صفحہ ۵۰۲)

❑❑❑

مولانا محمد مسلم رحمانی رحمہ اللہ، مغربی بنگال

۱۹۱۳ء.....۲۰۰۹ء

محمد اسحاق بھٹی

ہندوستان کے ایک ممتاز عالم دین مولانا محمد مسلم رحمانی تھے جو مغربی بنگال کے موضع بیرنگر (مالدہ) کے رہنے والے تھے۔ اس نواح کے مشہور سلفی خانوادے کے فرد تھے۔ وہ جنوری ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبدالعزیز تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے مسکن بیرنگر کے سرکاری سکول میں حاصل کی۔ اس کے بعد اردو اور فارسی کی کتابیں مدرسہ بحرالعلوم کاربونہ (بنگال) کے اساتذہ سے پڑھیں۔ صرف ونحو فقہ اور منطق وغیرہ کے علاوہ عربی ادبیات متنبی تک اور حدیث کی بلوغ المرام اور مشکوۃ تک کتابیں مختلف فاضل اساتذہ سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

اس کے بعد دہلی آئے اور ۱۹۳۶ء میں دارالحدیث رحمانیہ میں داخلہ لیا۔ وہاں چار سال کتب تفسیر وحدیث کی تحصیل کی۔ ۱۹۴۰ء میں سند فراغت لی۔ دارالحدیث رحمانیہ میں ان کے مشہور اساتذہ میں مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمانی، مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی دہلوی، مولانا نذیر احمد املوی رحمانی، مولانا اصحاب الدین پنجابی، مولانا عبدالسلام درانی، مولانا عبدالوہاب مالدہی اور مولانا عبدالرحیم کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں ہندوستانی بنگال کے مولانا محمد مسلم رحمانی آخری شخص تھے جنہوں نے حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے شاگرد مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی دہلوی کے حضور زانوے شاگردی تہہ کیے۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا محمد مسلم رحمانی نے ستر سال صحیح بخاری کا درس دیا، جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) شیر شاہی جامعہ فیضیہ حقانیہ میں آٹھ سال

(۲) جامعہ مظہر العلوم پٹنہ میں چالیس سال

(۳) جامعہ اصلاح المسلمین بھادو میں (مختلف ادوار میں) بائیس سال۔

اس طرح اس عالم ذی قدر نے پورے ستر سال صحیح بخاری کا درس دیا اور اس اثناء میں بے شمار علما وطلباء نے ان کے حلقہ درس میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ بہار، بنگال، جھارکھنڈ اور بنگلہ دیش میں ان کے لاتعداد شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں نے علوم دینیہ کی ترویج کی، درس وتدریس کے ذریعہ بھی، تصنیف وتالیف کی صورت میں بھی اور وعظ وتقریر کی شکل میں بھی۔

مولانا محمد مسلم رحمانی زیادہ تر درس وتدریس میں مشغول رہے۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ کسی حد تک تصنیفی خدمات بھی سرانجام دیتے رہے۔ انہوں نے مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف کیں۔

(۱) الاسلام دین معتدل یہ کتاب بنگلہ زبان میں ہے۔
(۲) صلوٰۃ الرسول یہ بھی بنگلہ زبان میں لکھی۔
(۳) تحفہ رمضان: یہ بھی بنگلہ زبان میں ہے۔

بنگال میں مولانا محمد مسلم رحمانی کی ان کتابوں نے بڑی شہرت پائی۔ بہت پڑھی گئیں اور لوگوں نے ان کے مندرجات سے بہت فائدہ اٹھایا۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی اٹھائیسویں کانفرنس ۱۳، ۱۴، ۱۵ مارچ ۲۰۰۴ (۲۱، ۲۲، ۲۳ محرم ۱۴۲۵ھ) کو پاکوڑ (جھارکھنڈ) میں منعقد ہوئی تھی۔ اس موقع پر مولانا محمد مسلم رحمانی کی تدریسی اور دعوتی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں ایوارڈ عطا کیا گیا تھا۔

مولانا محمد مسلم رحمانی نے ۹۶ سال کی عمر کو پہنچ کر ۳۱/اکتوبر ۲۰۰۹ء کو رات کے دو بجے وفات پائی۔ ان کے جنازے میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ انہوں نے اپنے پسماندگان میں چار بیٹے، چار بیٹیاں، ایک ۹۵ سالہ بیوی، بہت سے پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں چھوڑے۔

(گلستان حدیث۔۳۹۶)

□□□

مولانا عزیز عمر سلفی مدیر ماہنامہ نوائے اسلام دہلی رقمطراز ہیں کہ:

''مولانا محمد مسلم رحمانی رحمہ اللہ ۱۹۴۳ء میں دہلی سے اپنے علاقہ میں واپس آئے تو دیکھا کہ جماعت اہل حدیث اور اس کے افراد کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ عقیدہ وعمل سے لوگوں کو کوئی لگاؤ نہیں، جدید رسم ورواج کے رسیا بن چکے ہیں۔ ان حالات کو دیکھ کر ان کی حمیت دینی بھڑک اٹھی اور ایک تنظیم بنام انجمن اصلاح المسلمین کی داغ بیل ڈالی اور ایک جامعہ کی بنیاد رکھی۔ آہستہ آہستہ اس کی شعاعیں قریہ قریہ بستی بستی پھیلتی چلی گئیں جو آج بھی مکاتب ومدارس کی شکل میں موجود ہیں۔ آپ نے علاقہ میں بھرپور رفاہی خدمات بھی انجام دیئے جس سے لوگوں کے عقائد درست ہوئے۔ نکاح وطلاق کے معاملے سرکاری عدالتوں کے بجائے مدارس میں حل ہونے لگے، لوگ دین سے جڑنے لگے مولانا مرحوم نے ستر سال تک بخاری شریف کا درس دیا، میدان تدریس میں آپ کی خدمات ہمہ جہت اور بے مثال ہیں۔ درس وتدریس کے ماہر، راہ صداقت کے مجاہد مولانا محمد مسلم رحمانی کی تدفین سینکڑوں شاگردوں اور ایک جم غفیر کی موجودگی میں ہوئی، نماز جنازہ مولانا عبدالمتین سلفی چیئرمین توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ کشن گنج بہار نے پڑھائی۔ پسماندگان میں چار بیٹے، چار بیٹیاں اور بیوہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے''۔

(نوائے اسلام دہلی دسمبر ۲۰۰۹ء)

مولانا عبدالحق قاسمی رحمہ اللہ

یادیں اور ملاقاتیں

۱۹۳۵ء ۲۰۱۲ء

عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

عروس البلاد ممبئی میں منہج سلف کی نمائندگی کرنے والا مرد مجاہد، اصلاح عقیدہ وعمل کا داعی، پیری میں بھی جوانوں سے بڑھ کر دوڑنے بھاگنے والا ایک ہمدرد اور بزرگ عمر کی ۷۷ر بہاریں دیکھ کر بتاریخ ۵ر جولائی ۲۰۱۲ء بروز جمعرات مطابق ۱۴ر شعبان ۱۴۳۳ھ رات کے آخری پہر ہم سے جدا ہوگئی۔ یہ بزرگ شخصیت جمعیت اہلحدیث ممبئی کی ایک فعال اور سرگرم عمل سابق امیر جمعیت مولانا عبدالحق قاسمی سلفی (رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ) کی ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ ۱۵ر جولائی کی صبح اچانک یہ اطلاع ملی کہ مولانا کا انتقال ہو چکا ہے اور بعد نماز ظہر جری مری قبرستان میں تدفین ہوگی، یہ خبر سن کر میری زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون نکلا اور دل میں یہ ملال پیدا ہوا کہ ابھی شام ڈھلے مولانا کی ناسازیٔ طبیعت کی خبر ملی تھی اور صبح اسپتال میں آپ کی زیارت وعیادت کے لئے جانا تھا مگر مشیت الٰہی کا فیصلہ اس سے پہلے ہی گویا عدم ملاقات کا مقدر ہو چکا تھا، اور اب صرف افسردگی وملال، حزن وغم اور رنج والم کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا اور یہ تو قضاء الٰہی ہے جسے تسلیم کرنا ایک سچے مومن کی پہچان ہے۔

بہر صورت مولانا کی تدفین میں شرکت کی غرض سے جامعہ رحمانیہ کے چند رفقاء کار مولانا ضمیر احمد مدنی، مولانا عبدالجبار سلفی، مولانا عبدالستار سراجی اور ساکی ناکہ کے مولانا جمیل احمد سلفی کیساتھ کرلا پہنچا وہاں سے مولانا کے گھر ہلاؤ پل کے لئے ابھی ہم لوگ راستے میں ہی پہنچے تھے کہ جنازہ کی آمد کی خبر ملی چنانچہ ہم قافلہ میں شریک ہوگئے اور یہ قافلہ غم واندوہ میں رواں دواں ایک جم غفیر کے ساتھ جری مری قبرستان پہنچا۔ اتفاق سے راستے میں کوکن بالخصوص ''روہا'' سے آئے ہوئے جماعت کے احباب نے مجھے اپنی گاڑی میں بٹھالیا اور مولانا کی وفات پر تھوڑے دیر میں تبادلہ خیال کرنے کے بعد ان بزرگوں نے بے ساختہ یہی کہا کہ ''خطہ کوکن اور روہا ورائے گڈھ کے علاقے میں سلفیت اور اہل حدیثیت کے فروغ واحیاء میں مولانا عبدالحق سلفی رحمہ اللہ کا خصوصی رول ہے اور یہ حقیقت ہے اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ شہر ممبئی میں جامعۃ الرشاد غفور خاں کرلا سے لے کر جمعیت اہل حدیث اور بیت المال کے پس منظر میں جماعت اہل حدیث کو استحکام فراہم کرنے نیز ممبئی اور اس کے باہر کوکن، رائے گڑھ تک جماعت اور منہج سلف کو متعارف کرانا مولانا کا ایک اہم کارنامہ ہے جو تاریخ اہل حدیث کے صفحات میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔

لگ بھگ تیس سال سے پہلے ممبئی میں اہل حدیثوں کی کوئی خاص شناخت نہ تھی نہ ہی ان کا کوئی اہم اور معتد بہ وجود اور پلیٹ فارم

تھا۔ معمولی تعداد میں لوگ ادھر ادھر بکھرے ہوئے، پراگندہ خیالی اور فکر معاش میں مبتلا تھے، دیگر علماء کرام کے پہلو بہ پہلو مولانا عبدالحق سلفیؒ نے اللہ کی توفیق سے انہیں اکٹھا کرنے اور جماعت کے پلیٹ فارم سے دعوتی وتعلیمی کام کرنے کی پہل کی اور اس طرح محنتوں اور شب وروز کی کاوشوں سے جماعت کا تعارف ہوا، لوگوں کے دلوں سے کمزوری کا احساس ختم ہوا۔

مجھے تو آپ کی امارت کا زمانہ دیکھنے کا موقع نہ ملا البتہ جماعتی احباب اور علم دوست حضرات سے مولانا کے تئیں جماعت کی ہمدردیاں اور محنتیں وکاوشیں ضرور کانوں تک گونجی تھیں۔ ۲۰۰۱ء میں جب بغرض تدریس جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی سے میرا تعلق ہوا تو اسی وقت سے مسلسل جلسوں، اجتماعات اور پروگراموں میں مولانا سے ملاقاتیں اور بہت سارے امور پر تبادلۂ خیالات کے مواقع ملتے رہے، ان جگہوں پر آپ کے جذبۂ عمل، جوش تبلیغ اور اس سلسلے میں جماعتی غیرت وحمیت کو دیکھ کر یہی احساس ہو کہ یہ بوڑھا بزرگ اس پیری اور سن رسیدگی میں بھی ہم لوگوں سے زیادہ مسلک ومنہج، سلفیت واہل حدیثیت، فروغ دعوت، معاشرہ میں پھیلی ہوئی بے راہ روی اور شرک وبدعات کے خلاف اصلاحی تحریک چلانے کا حوصلہ اور عزم جواں رکھتا ہے۔ میں نے تو جب بھی دیکھا تو انہیں جماعت کے لئے دوڑتے دیکھا۔ مسجدوں اور جلسوں میں حاضری لگاتے دیکھا، ہر جگہ اپنے مخصوص حلیہ ولباس میں شرکت اور اتنی دردمندی وفکرمندی، اصلاح نفس اور تعمیر ذات کا جذبہ وجوش کہ ہر کس وناکس، شناسا وغیر شناسا سب کو پہلی فرصت میں دعوت حق، تزکیہ نفس، احوال ظاہری وباطنی کی اصلاح، شرعی حلیہ ولباس اور چہرہ کی نورانیت برقرار رکھنے، جماعت سے جڑ جانے کی تعلیم دینے لگتے تھے، بہت سے لوگ بن مانگے اصلاح اور بلاوقت آپ کی تقریر پر ناک بھوں چڑھانے لگتے مگر خیر خواہی اور دعوت واصلاح سے جڑے کاروان سلف کے متوالوں کا یہی شیوہ اور طرز زندگی رہا ہے کہ انہیں بندگان خدا سے محبت اور سچی ہمدردی ہوتی ہے، وہ ان کی دنیا وآخرت کی نجات کے لئے دردمند اور فکر مند ذہن رکھتے ہیں اور ''ماأسئلکم علیه من اجر'' ''ان ارید الا الاصلاح ماأستطعت'' کے پیش نظر جہاں بھی موقع پاتے ہیں اسے غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے فرض منصبی اور دعوت واصلاح کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس طرح کتنے گم گشتہ راہ ہدایت کو صحیح راستہ مل جاتا ہے اور وہ حق کے راستے پر خلوص نیت سے چل پڑتے ہیں اور اتباع سنت ان کی زندگی کا شیوہ بن جاتا ہے۔

مجھے بار بار صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی اور اس کے امیر محترم مولانا عبدالسلام سلفی رحفظہ اللہ کی نگرانی میں کوکن، روہا اور رائے گڑھ ضلع کے مختلف علاقے مہسلہ، نگڑی، پابرہ، روہا وغیرہ جانے میں مولانا عبدالحق صاحب مرحوم کے ساتھ ہی جماعتی قافلے میں شرکت کا موقع ملا ہے اور جب بھی کہیں جانا ہوا تو ان علاقوں کے جماعتی احباب بالخصوص پرانے لوگوں کی طرف سے مولانا کی تئیں بے پناہ قدر ومنزلت دیکھا، مولانا کی خدمات اور دعوت وتبلیغ کے لئے ان کے گاؤں گاؤں آپ کی برسوں آمد ورفت، لوگوں سے اس سلسلے میں اجتماعی انفرادی ملاقاتیں، اجتماعات میں حاضری اور بے ربط جماعت کو جوڑنے اور منظم کرنے کا جذبہ اور لگن اور اس پورے عمل میں خلوص ووفا، صدق وصفا کا یہ صلہ تھا جو ہمیں دیکھنے کو ملتا تھا، جن لوگوں کو آپ کی وجہ سے راہ ہدایت ملی یا جو لوگ جماعت کے منتشر شیرازے کے بعد منظم ہوئے تو وہ فوراً آپ کو دیکھتے ہی اپنے مسیحا کی آمد سمجھ کر استقبال وخیر مقدم کے لئے تیار ہو جاتے تھے

اور پرانی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے مولانا سے چپک جاتے تھے۔ یہ اللہ رب العالمین کا احسان اور اس کے بعد خلق خدا کی شہادت ہے اور اگر اس راہ کا ایک تنکا بھی قبول ہو جائے یا ایک ادا بھی بارگاہ رب العزت میں شرف نیاز پا جائے تو پھر بیڑا پار ہے۔ **لأن یھدی اللہ بک رجلا واحدا خیر لک من حمر النعم** عرب کے قیمتی خوبصورت سرخ اونٹوں کی حیثیت دعوت واصلاح کے اس مبارک عمل کے مقابلہ میں کچھ نہیں بلکہ ہیچ در ہیچ ہے۔

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنسوں کے حوالوں سے بھی مولانا کے ساتھ مجھے دہلی وغیرہ سفر کا موقع ملا، بڑے بے تکلف، پر مزاح اور بے لوث وہمدرد تھے کبھی کبھی تو بعض شعراء کے دیوان بھی ساتھ لادے رہتے اور رفقاء سفر کی تکلیفوں کو کم کرنے اور سفری صعوبتوں اور ذہنی کلفتوں کے ازالہ کی خاطر اسے اپنے لب ولہجہ میں ایسا پیش کرتے کہ منزل کے نشانات اور سفر کی کلفتوں کا احساس تک نہ ہوتا، سب کے لئے خیر خواہی کا سچا جذبہ، ایثار وترجیح غیر کا مظاہرہ حتی کہ دوسروں کے سامان سفر اٹھانے اور رکھنے میں سن مخدومیت اور پیرانہ سالی کے باوجود بھی جذبۂ خیر، دراصل یہ وہ انسانی اعلیٰ اخلاق تھے جو مولانا میں رب العزت نے کوٹ کوٹ کر بھر دیئے تھے۔

منزل تک پہنچنے کے بعد عموماً لوگوں کو اپنے آرام کی زیادہ فکر ہوتی ہے مگر مولانا کا حال یہ تھا کہ آرام وقیام کے بجائے اصل مقصد کی فکر، پروگرام کہاں ہوگا، کیسے ہوگا، کیسے اسے کامیاب بنایا جائے، بامقصد پروگرام ہونا چاہیے، ایسا پروگرام ہو کہ اس کے صحیح اور مفید نتائج برآمد ہوں، لوگوں میں ایک عمدہ پیغام جائے، جماعت کی اچھی چھاپ بنے اور اہل حدیثوں کا حسن عمل بڑھے، دوسرے اس سے اچھا اور عمدہ تاثر لیں غرضیکہ پروگراموں کی مقصدیت، روحانیت، جماعت کی بہتر ترجمانی اور ان میں سیاسی، اجتماعی اور عوامی سطح پر اہل حدیثوں کی بہتر نمائندگی اور عمدہ تاثر وچھاپ کے لئے بے حد فکر مند رہتے۔

اور اس سلسلے میں جو کچھ ہوتا مشورے دیتے، تدبیریں بتاتے، تجاویز وآراء سے فوراً رہنمائی کرتے اور جٹ کر محنت، ولگن سے جماعت کے پیغام کو عام کرنے کی کوشش کرتے۔ الغرض جماعت کی دردمندی، فکرمندی، اور سربلندی کے لئے آپ ایک اعلیٰ سوچ رکھتے تھے۔

ممبئی، کوکن بلکہ جہاں بھی جماعت کو ضرورت پڑی، بلانے پر یا احساس ضرورت پر از خود پہنچے، اور ہمیشہ اصلاح، اتحاد، جوڑنے اور ایک ساتھ لے کر لوگوں کو چلنے اور دعوتی کاموں کے فروغ اور اس کے استحکام کے لئے ہی مشورہ دیتے رہے، سنت کے مقابلے بدعت اختیار کرنے والوں اور اتباع پر تقلید کو ترجیح دینے والوں کے لئے آپ بے حد سخت موقف رکھتے تھے۔ سنت کی بات ہوتی تو برملا اس کا اعلان کرتے، واظہار کرتے اور بلا خوف لومۃ لائم اسے دوسروں تک پہنچا کر ہی دم لیتے۔

بڑے بڑے جماعتی مسائل جب لاینحل نظر آتے اور مساجد ومدارس کے قیام میں اڑچنیں ورکاوٹیں آجاتیں تو مولانا کے مشورے اور آپ کی تدبیریں ہر ایک کے لئے اکثر مفید ثابت ہوتی۔

دین رحمت کانفرنس باندرہ کرلا کمپلیکس ممبئی کے انعقاد کا موقع ہو یا دیگر اجتماعات کی تیاریاں صوبائی سطح پر مولانا بنفس نفیس سرکاری آفسوں، پولس محکموں اور کارپوریشن کے چکر لگاتے اور اس سلسلے میں کبھی تھکتے اور نہ ہی حوصلہ ہارتے تھے۔

ممبئی کی مساجد اہل حدیث میں کتنی ایسی مسجدیں ہیں جن میں آویزاں اور لٹکے ہوئے دعوتی کتبے، اصلاحی ومناظراتی لوحات آج بھی آپ کی کاوشوں کی شہادت دے رہے ہیں، درحقیقت یہ سب آپ کی محنتوں کا حسین عکس اور جماعتی دردمندی کا بہترین مظہر ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جماعتی استحکام، تنظیم نو، تعمیر نو، مساجد ومدارس کا قیام اور اس کے پھیلے ہوئے عظیم اور وسیع تر دعوتی نیٹ ورک، ہر گلی اور محلہ میں نظر آنے والے سلفی اہل حدیث عوام وخواص غرضیکہ جو کچھ بھی واسطہ یا بلاواسطہ ممبئی کے اس خطے میں نظر آتے ہیں دیگر علماء اہل حدیث، اکابرین وذمے داران جمعیت کے پہلو بہ پہلو مولانا کی کاوشوں کا ایک مفید اور اصلاحی ثمرہ کہے جاسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں برکت عطا فرمائے اور انہیں شرف قبولیت عطا کرے۔ آمین

آج مولانا ہم سے رخصت ہوئے ہیں اور اپنے پیچھے اپنی اولاد کے علاوہ سلفیان ممبئی کی ایک بڑی جماعت بھی چھوڑ گئے ہیں۔

جری مری قبرستان میں آپ کی نماز جنازہ ایک جم غفیر عوام وخواص کے ساتھ مولانا عبدالسلام سلفی امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی نے پڑھائی۔ جمعیت اہل حدیث ممبئی، کوکن، روہا اور ممبئی کے ملی وجماعتی اداروں کے مختلف نمائندے بھی اس موقع پر حاضر اور شریک جنازہ رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اللہ آپ کی لغزشوں کو درگزر فرمائے۔

اللھم اغفر لہ وارحمہ واعفہ واعف عنہ۔ آمین۔

(مجلہ الجماعۃ، اگست ۲۰۱۲ء مجلہ صوت الاسلام ممبئی)

□□□

نوٹ: آپ کی خدمات اور جہود کو اجاگر کرنے کے لئے جماعت کے فعال رکن مولانا محمد خلیل نسیم صدیقی نے اپنے میگزین ''امن کا پیغام ممبئی'' جون ۲۰۱۳ء کے ایک خصوصی شمارے کی اشاعت کی تھی جو اس باب میں بے حد مفید اور وسیع ہے۔ اس طرح کے خصوصی شماروں کا اجراء دراصل جماعتی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ مولانا محمد خلیل نسیم صدیقی صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا عبدالحق قاسمی (ممبئی) رحمہ اللہ

حیات وخدمات

۱۹۳۵ء.....۲۰۱۲ء

ذبیح اللہ اویس انور
سنابل، نئی دہلی

حرف آغاز:

اس عالم رنگ وبو میں بہت سی ایسی یکتائے روزگار ہستیاں پیدا ہوئیں جنہوں نے لازوال نقوش اور بے مثال نمونے قائم کئے اور اپنی حیات مستعار کو قوم وملت کی تشکیل میں تج دیا، انہیں ستودہ صفات ہستیوں میں سے شیدائی اسلام، فدائے ملت، صدق وصفا کے پیکر عظیم، غریبوں وبدحالوں کے غم خوار وہمدرد، داعی ممبئی، دعوت وتبلیغ کے بے تاج بادشاہ، آبروئے سلف، جامع صفات مولانا عبد الحق قاسمی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ بقول شاعر:

اولئك آبائی فجئنی بمثلهم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

خاندانی پس منظر:

آپ نے ایک زمیندار گھرانے میں آنکھیں کھولیں، آپ کے والد اپنے علاقے کے زمیندار اور چودھری تھے، آپ کے والد اگرچہ کم پڑھے لکھے تھے مگر دینی حمیت، خدمت خلق، مہمان نوازی، نفاست پسندی جیسے اوصاف حمیدہ کے حامل شخص تھے۔(۱)

نام ونسبت اور کنیت:

آپ کا نام عبدالحق اور کنیت ابوعبداللہ ہے۔

سلسلہ نسب کچھ اس طرح ہے: ابوعبداللہ عبدالحق بن منصب دار بن عبدالرزاق چودھری قاسمی۔(۲)

ولادت: آپ برصغیر کے ملک ہندوستان کے مشہور صوبہ اتر پردیش ضلع سدھارتھ نگر، تحصیل بانسی، پوسٹ پتھرا بازار کے قریب منکورہ تیواری نامی ایک چھوٹے سے قریہ میں ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے۔

ذریعہ معاش:

آپ نے تکمیل تعلیم کے بعد راجستھان کے کوٹہ میں تقریباً تین سال تک درس وتدریس ہی کو ذریعہ معاش بنایا، چونکہ تجارت

ایک نفع بخش سودا ہے، لہٰذا اس کے بعد انہوں نے ممبئی کا قصد کیا۔ اسی شوق نے ۱۹۶۵ء میں آپ کو عروس البلاد ممبئی پہنچا دیا۔ فیض آباد کے ایک شخص احمد بھائی کے ہمراہ آپ ممبئی آئے، یہ ایک نہایت شریف، مخلص انسان تھے، ان کا یہاں کپڑے کا کاروبار تھا، لہٰذا انہوں نے موصوف کو اپنے کاروبار میں شریک کرلیا، مگر کچھ دنوں کے بعد اپنے متعارفین اور علاقائی اشخاص کے طرز کسب پر آپ بھی لوہے کا کاروبار کرنے لگے، پروردگار نے آپ کے کاروبار میں برکت دی اور ہر نیا دن آپ کی ترقی کا پیغام لے کر آتا۔ (۳)

حلیہ:

آپ تام الخلقت، سانولا رنگ کالی آنکھیں، کشادہ کندھا، گول چہرہ، نرم وملائم داڑھی، ہشاش وبشاش، خنداں اور میانہ قد تھے۔ آپ کلی دار قمیص اور علی گڑھ والا پاجامہ زیب تن کرتے، سر پر گول ٹوپی اور کندھے پر قاسمی رومال جس کو بوقت ضرورت صفائی کے کام میں استعمال کرتے تھے۔ (۴)

آپ کا پہلا مدرسہ آپ کی والدہ ہی تھیں۔ کچھ بڑے ہونے کے بعد اردو اور قران پاک ناظرہ اور ابتدائی دینی تعلیم گاؤں کے ہی مکتب میں ہوئی۔ پرائمری کی تعلیم گاؤں کے دو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع پتھرا بازار کے سرکاری اسکول میں اور مڈل تک کی تعلیم تحصیل بانسی کے قریب گوری نامی گاؤں کے ایک سرکاری اسکول میں حاصل کی۔ مڈل کی تعلیم کے بعد کچھ ایسے حالات پیش آئے جن کی وجہ سے آگے کی تعلیم کو جاری رکھنا ممکن نہ تھا، لیکن آپ کو تعلیم سے دلچسپی نے گھر میں نہیں بیٹھنے دیا، لہٰذا گھر والوں کے مشورے سے دینی تعلیم کے حصول کے لئے گاؤں سے قریب مدرسہ قاسم العلوم ریواں میں داخلہ لیا۔ (۵)

حصول علم کے لئے مختصر شہروں کا سفر:

جب علمی تشنگی بڑھی تو اس کی سیرابی کے لئے آپ نے مئو کی قدیم اور عظیم درسگاہ فیض عام مئو کا قصد کیا، وہاں کے جید اور ماہر فن اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ یہاں ۶ سال گزارنے کے بعد ۱۹۵۸ء میں آپ دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور یہاں پر دلجمعی کے ساتھ فراغت تک کی تعلیم حاصل کی۔ آپ اپنی قابلیت واہلیت کی وجہ سے ہر کلاس میں ممتاز اور طلبہ واساتذہ کے مابین ہمیشہ مقبول رہے اور پانچ سال تک آپ یہاں اپنی قابلیت کی وجہ سے ضلعی انجمن ''تہذیب الکلام'' کے صدر بھی رہے۔ (۶)

ازدواجی وعائلی زندگی:

آپ نے ایک شادی کی جس سے اللہ رب العالمین نے چھ اولاد دیں، پانچ بیٹے اور ایک بیٹی۔ ان کے اسماء درج ذیل ہیں:

بیٹے: عبداللہ، مولانا عبدالعلی سلفی، مولانا عبدالشکور مدنی، حافظ عبدالغفور، حافظ عبدالرب عثمانی۔ بیٹی: زینب

اساتذہ کرام:

(۱) مولانا رضا حسن صاحب، (۲) مولانا ممتاز علی بستوی رحمہ اللہ۔ ۷، (۳) مولانا عابد علی رحمہ اللہ، (۴) مولانا محمد احمد رحمہ

اللہ، (۵) مولانا عبدالرحمٰن رحمہ اللہ، (۶) مولانا حبیب الرحمٰن رحمہ اللہ۔ ۸

علمی گہرائی وگیرائی:

آپ کا بیک وقت مناظر، داعی، مصنف اور واعظ ہونا آپ کی علمی گہرائی وگیرائی پر دلالت کرتا ہے۔(۹)

اخلاق واوصاف:

آپ عقیدۂ سلف اور سنت رسول کے سلسلہ میں بلا کی غیرت رکھتے تھے، جو ایک صالح مومن اور متبع سنت کی صفت ہوتی ہے۔ اچھے اخلاق والے تھے، سچی اور درست بات کو جلد پہچان لیتے، حق کے جھنڈے کو ہمیشہ تھامے رہتے، ذہن کافی وسیع تھا، عالموں کی بے انتہا قدر کرتے اور دین پہ قربان ہونے کا جذبہ تھا۔

آپ نے تقلید سے کبھی سمجھوتا نہیں کیا، سنت کی راہ میں آپ نے تقلید کو ہمیشہ کانٹوں سے تعبیر کیا، ایک دفعہ جمعیت کے آفس واقع آشیانہ بلڈنگ میں کچھ احباب جماعت اور علماء بیٹھے تھے اور حنفی امام کے پیچھے نماز کے جواز پر بات چل پڑی، آپ نے ایک بوڑھے شیر کی طرح گرج کر یہ شعر پڑھا:

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

اس واقعہ سے آپ کی سلفیت کے سلسلے میں غیرت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کی یہ سب سی بڑی خوبی تھی کہ کبھی کسی کی برائی اس کے پیچھے بیان نہیں کرتے اور اسی طرح حق آجانے کے بعد اسے بسر وچشم قبول کر لیتے۔

عبدالرؤف حیرت بستوی نے ان کے اخلاق کے سلسلے میں کہا ہے کہ:

عالم دین عبد حق خوش خلق خوش اوطار تھے
حق شناسی، حق پرستی کے علم بردار تھے
وہ وسیع الذہن عالم خوش نظر انسان تھے
رحمت للعالمین کے دین پر قربان تھے(۱۰)

وفات:

آخری ایام میں ضعیفی وپیری کے باوجود الحمد اللہ آپ کافی چاق وچوبند تھے۔ بقول قادری:

زندگی، زندہ دلی، ذوق طلب، شوق عمل
عہد پیری میں بھی ایسے زور جواں ہیں کچھ لوگ

بلآخر ''الموت قدح و کل نفس شاربه'' کے تحت تقریباً رات دو بجے ۵ رجولائی ۲۰۱۳ء کو بروز بدھ آپ کی روح قفص عنصری سے پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بقول شاعر:

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے

اور بعد نماز ظہر آپ کا جنازہ جری مری قبرستان لے کر جایا گیا، جہاں پر معتقدین ومتعارفین اور عوام الناس کا ایک اژدہام امڈ پڑا اور جماعت سے منسلک تقریباً تمام افراد نے شرکت کی۔ مولانا عبدالسلام سلفی امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی نے نماز جنازہ پڑھائی۔(۱۱)

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مختلف جرائد اور شخصیات کی جانب سے تعزیتی کلمات:

آپ کی وفات پر تقریباً دس جرائد نے تعزیتی کلمات لکھے اس میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) روزنامہ انقلاب ممبئی (۲) روزنامہ اردو ٹائمز ممبئی (۳) روزنامہ راشٹریہ سہارا ممبئی

اور شخصیات میں تقریباً پچاس سے زائد لوگوں نے تعزیتی کلمات کہے ہیں جن میں سے چند کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱) مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ، بانی ومؤسس ابوالکلام آزاد اسلامک اویکنگ سینٹر، نئی دہلی

(۲) سید معراج ربانی، داعی ومبلغ سعودیہ عربیہ

(۳) شیخ فضل الرحمٰن صاحب ندوی، استاذ جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی

(۴) شیخ محمد خلیل نسیم صدیقی، ایڈیٹر امن کا پیغام ممبئی

(۵) شیخ سعید احمد بستوی، نائب امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

(۶) عبدالباری شفیق سلفی، نائب مدیر مجلہ النور ممبئی

(۷) کرپاشنکر سنگھ، ایم ایل اے ممبئی

(۸) محمد عاقل جدہ

(۹) عبدالرؤف حیرت بستوی۔(۲۱) وغیرہ وغیرہ۔

خدمات:

ان کی خدمات کو اگر نوک قلم پر لایا جائے تو ایک کتاب تیار ہوجائے، البتہ میں ان کی خدمات کے سلسلہ میں سرسری

روشنی ڈالنے کی سعی کر رہا ہوں:

دعوتی وملی خدمات:

آپ نے انبیاء وصلحائے امت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے معاشرہ میں پھیلی ہوئی بدامنی، اخلاقی انارکی، قبر پرستی اور تقلید پرستی جیسے قبیح وشنیع فعل کو اللہ کی توفیق اور طویل محنت شاقہ کے ذریعہ ختم کیا۔ آپ کی دعوت کا مرکز ممبئی اور اطراف ممبئی کا علاقہ جیسے کوکن ،مہسلہ، روہا، خیراخورد، چورڈا، میٹرکوٹی پابرہ وغیرہ تھا۔ آپ کے اس میدان کی خدمت کا اندازہ مشہور عالم دین، جامعہ اسلامیہ سنابل کے بانی ومؤسس (جو آپ کے رفیق بھی تھے) علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کے اس قول سے لگایا جاسکتا ہے، جو انہوں نے ان کی وفات پر کہا تھا ''اس وقت ممبئی کی جماعت اہل حدیث میں جو کچھ حرکت وعمل اور سرگرمی آرہی ہے وہ سب مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔'' (۱۳)

تدریسی خدمات:

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے تین سال تک راجستھان کے شہر کوٹہ میں تدریس کا فریضہ انجام دیا، اس کے بعد آپ ممبئی چلے آئے اور پوری محنت ولگن کے ساتھ دعوت وتبلیغ میں لگے رہے۔ (۱۴)

تلامذہ:

آپ نے راجستھان کے کوٹہ میں تین سال تک درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا، یقینی بات ہے کہ وہاں آپ کے سینکڑوں شاگرد رہے ہوں گے، لیکن افسوس کہ آپ کے شاگردوں کا نام ہمیں معلوم نہ ہوسکا اس سلسلہ میں آپ کے بیٹوں نے بھی معذرت کا اظہار کیا ہے۔ (۱۵)

تصنیفی خدمات:

آپ کو جب بھی کتاب وسنت کی نصرت وتائید اور شرک وبدعات کے رد میں نوک قلم کو حرکت دینے کی ضرورت پڑی تو اس سے بھی کام لیا، دسیوں پوسٹر وپمفلٹ چھپوا کر مفت تقسیم کئے۔ ان میں چند کا ذکر بطور مثال پیش کیا جارہا ہے۔

(۱) اسلام اور ماہ محرم
(۲) کیا عید میلاد النبی منانا جائز ہے؟
(۳) آٹھ رکعت تراویح کا ثبوت حنفی کتابوں سے
(۴) حیاۃ النبی کا عقیدہ شرک ہے۔
(۵) شب برأت کا عقیدہ شرک ہے۔

خدمت خلق:

معاشرہ کے اندر ایسے لوگوں کی حد درجہ پذیرائی ہوتی ہے جن کے اندر خدمت خلق کا جذبہ ہوتا ہے، اللہ نے آپ کے اندر یہ

جذبہ بدرجۂ اتم پیدا کر رکھا تھا۔ جب بھی کوئی پریشان حال آپ کے پاس پہنچتا تھا تو حتی الامکان اس کا تعاون کرتے تھے۔ آپ "تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى" (۱۶) کی عملی تصویر تھے۔ اس طرح اگر کوئی مشورہ طلب کرتا تو اسے بہترین مشورہ دیتے تھے، کتنے ایسے تھے جو ممبئی میں مختلف حالات کے شکار تھے، آپ کی رہنمائی کی وجہ سے ان کی پریشانیاں دور ہوگئیں، جتنے لوگوں نے آپ کی سوانح پر خامہ فرسائی کی تھی تقریباً تمام نے آپ کی خدمت خلق کا تذکرہ کیا ہے۔

البتہ شیخ عبداللہ سلفی (امام وخطیب مسجد اہل حدیث کاپڑیا نگری ایس ڈی روڈ، کرلا ممبئی) نے جو خامہ فرسائی کی ہے، میں انہی کے تذکرہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ "میں ایک معاملہ میں جس کا تعلق اسپتال سے تھا، سخت الجھا ہوا تھا، مجھ جیسے شخص کے لئے اس کا حل ناممکن نظر آرہا تھا مگر میں نے آپ سے رجوع کیا۔ اس معاملہ کا حل آپ نے اس طرح بحسن خوبی انجام دیا کہ مجھے ذرا بھی دقت نہیں ہوئی۔ (۱۷)

تنظیمی خدمات:

۱۹۸۴ء سے پہلے صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کا نام تک نہیں تھا، البتہ وہاں اہل حدیث موجود تھے، مگر مختلف گوشوں میں متفرق تھے اور ہر ایک کی جمعیت الگ الگ تھی۔ لوگوں کا یہاں تک کہنا ہے کہ ۱۹۸۴ء سے پہلے یہاں صرف اور صرف چار اہل حدیث مسجدیں تھیں، مگر قاسمی رحمہ اللہ، محمد امین ریاضی رحمہ اللہ اور جماعت کے دیگر متحرک اشخاص کی کوششوں کے نتیجہ میں آج تقریباً ڈھیڑ سو سے زائد اہل حدیث مسجدیں موجود ہیں۔ میں نے یہ تذکرہ کیا کہ جمعیت مختلف حصوں میں بٹی ہوئی تھی، چنانچہ آپ نے جماعت کی سرکردہ شخصیتوں مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ، مولانا محمد اسماعیل امیر غرباء اہل حدیث اور دیگر جماعتی احباب کو اپنے نیک ارادہ کی خبر دے کر ایک میٹنگ طلب کی۔

"مرول ناکہ" کی مسجد اہل حدیث کو میٹنگ کے لئے تجویز کیا گیا، جس میں مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی صدارت میں پہلی انتخابی کوشش عمل میں آئی۔ چونکہ دعوت دین کے ساتھ معاملہ فہمی، دوراندیشی نیز انتظامی وانصرامی امور پر آپ کو ملکہ حاصل تھا، اس وجہ سے مولانا ندوی رحمہ اللہ نے آپ کو جماعت کا امیر نامزد فرمایا اور دیگر حاضرین نے بھی آپ ہی کی تائید کی اور آپ کو اختیار دیا گیا کہ آپ اپنے صوابدید سے اپنے نائبین کو منتخب کرلیں، چنانچہ آپ نے حافظ عبدالکریم (امام مرول ناکہ) کو نائب صدر، مولانا محمد امین ریاضی صاحب کو ناظم اعلیٰ، شعبۂ نشر واشاعت کے لئے بطور ناظم مولانا عبدالنور راغب اور شعبۂ دعوت وتبلیغ کے لئے حافظ خورشید احمد کو نامزد فرمایا۔ اس طرح پہلی مرتبہ صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا موصوف کا مزاج ایک قائدانہ صلاحیت کا حامل تھا، جس کے نتیجے میں انہوں نے اپنی مدبرانہ صلاحیتوں اور انہیں کوششوں کے ذریعہ اسلام کی اشاعت فرمائی۔ (۱۸)

تعمیری خدمات:

آپ نے تقریباً تیرہ مساجد ومدارس کی تعمیر کی جن کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱) مسجد و مدرسہ جامعہ الرشاد، کرلا، (۲) مسجد و مدرسہ تعلیم القران، اشوک نگر، (۳) مسجد اہل حدیث کٹیر منڈل، کرلا، (۴) مسجد اہل حدیث وائرگلی، کرلا، (۵) مسجد اہل حدیث، جری مری، (۶) مسجد اہل حدیث، خیرانی روڈ، (۷) مدرسہ رحمانیہ و مسجد اہل حدیث گوونڈی۔ یہ مدرسہ و مسجد مولانا جلال الدین فیضی اور جناب عبدالکریم صاحب کے انتھک کوششوں سے تعمیر ہوا لیکن جب مولانا موصوف جمعیت کے امیر منتخب ہوئے تو آپ نے اس کی تعمیر و ترقی میں کافی ہاتھ بٹایا۔

(۸) مدرسہ و مسجد اہل حدیث، دھیسر، (۹) مسجد اہل حدیث و مدرسہ سلفیہ، سلفی سوسائیٹی، ہلاؤپل روڈ، (۱۰) مسجد و مدرسہ رہنمائے دین، ساگر بلڈنگ، (۱۱) مسجد و مدرسہ اہل حدیث سلفیہ دار العلوم، بھارتیہ، کملانگر، (۱۲) جامعہ اسلامیہ، نور باغ، ممبرا، (۱۳) کالینا مسجد ''العمر''

آپ کے وہ رفقاء جنہوں نے آپ کا قدم قدم پر ساتھ دیا ان کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱) حاجی خان محمد، مٹی والے، (۲) عبد القدوس، مٹی والے، (۳) برکت سیٹھ، مٹی والے، (۴) حاجی نذیر احمد، (۵) محمد عباس، (۶) عبداللہ، اسٹیل والے، (۷) محمد شکیل، سریاوالے، (۸) محمد یونس وکیل صاحب، (۹) مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ، (۱۱) مولانا عطاء اللہ خان، بھیونڈی، (۱۲) مولانا محمد امین ریاضی حفظہ اللہ، (۱۳) مولانا عبدالنور راغب سلفی صاحب، (۱۴) حافظ خورشید عالم صاحب۔ (۲۰)

سیاسی خدمات:

آپ سیاسی طور پر بھی بہت سرگرم رہا کرتے تھے، اس سیاسی سرگرمی میں دینی وسماجی خدمات پنہاں رہا کرتی تھیں۔

آپ ۱۹۷۷ء میں کانگریس پارٹی کرلا تعلقہ کے جرنل سکریٹری رہے اور اسپشل ایکزکیٹیو مجسٹریٹ رہے، آپ سے ملنے کے لئے سیاسی لوگوں کا جماوڑا ہوا کرتا تھا، یہاں تک کہ راجیش پائلٹ جیسے رہنما بھی آپ کی دکان پر آچکے تھے، (یہ سابق ایم پی اور ہندوستان کے بڑے سیاست دانوں میں شمار ہوتے ہیں)۔

وہ شخصیات جن سے آپ کے گہرے تعلقات تھے:

(۱) وزیر محمد عارف نسیم خان

(۲) وریندر بخشی

(۳) پروفیسر جاوید خان

(۴) نواب ملک

(۵) ابوعاصم اعظمی

سیاست میں رہتے ہوئے آپ لوگوں کے پولس اسٹیشن اور میونسپل کارپوریشن کا معاملہ بھی حل کرنے میں مدد فرماتے تھے۔

جب آپ نارائن نگر میں تھے تو اس وقت نارائن نگر میں پانی کی بہت قلت تھی، آپ نے بذات خود اپنے خرچ سے نل لگوا کر لوگوں کو مستفید ہونے کا موقع دیا، جو صدقہ کے طور پر آج بھی جاری ہے۔ (۱۲)

بحیثیت مناظر:

آپ ایک بے لاگ داعی، توحید میں پختہ اور دین میں کسی قسم کے لچک کے قائل نہ تھے اور ہمہ وقت منہج سلف کی تبلیغ واشاعت کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ آپ کئی چھوٹے بڑے مناظرے میں شریک ہوئے اور دلائل و براہین سے مخالفین کو دندان شکن جواب دیا۔ ایک مرتبہ کرلا، کمانی میں حقیق اللہ اسٹیل والے کی دکان پر مناطرہ رکھا گیا۔ آپ مولانا علیم الدین رحمہ اللہ اور مولانا عبدالنور راغب رحمہ اللہ کو لے کر مناظرہ میں بیٹھ گئے، نتیجتاً مخالفین کو مناظرہ کے اختتام سے پہلے ہی بھاگنا پڑا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ رکعتِ تراویح کے مسئلہ پر مباحثہ ومناظرہ کرنے کے لئے ایک کوکنی کی دعوت پر مولانا اور عبدالنور راغب سلفی ضلع رتنا گیری کے ایک گاؤں پہنچے، امام صاحب اور ان کے ساتھیوں کو جب بلایا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ چھٹیوں پر کرناٹک چلے گئے اور کئی دنوں کے بعد آئیں گے۔ (۲۲)

علمی مجالس:

آپ کی علمی مجلسیں آپ کی دکان پر ہوا کرتی تھیں اور آپ جلسے میں بھی جایا کرتے تھے، لیکن اکثر وبیشتر لوگ آپ کی دکان پر آتے اور سوال کرکے تشفی بخش جواب پاکر استفادہ کیا کرتے تھے۔ (۲۳)

دفاع سنت کا جذبہ:

آپ دارالعلوم دیوبند کے فارغین میں سے ہیں اس کے باوجود تقلید کی ذرا بھی بو آپ میں نہیں تھی۔ جب بھی تقلید کی بات آئی تو دفاع سنت کے جذبہ سے سرشار ہوکر میدان میں کود پڑے اور مخالفوں کی مخالفت کا خیال کئے بغیر ردّ تقلید وبدعات پر آپ نے کئی پمفلٹ، پوسٹر اور کتابچے تحریر کئے اور بلاخوف وخطر اسے عوامی جگہوں پر چسپاں کرتے رہے، کئی جگہوں پر تو ایسے پوسٹر کو تعصب وتنگ نظری کی بنا پر پھاڑا گیا، لیکن آپ اپنے مشن کو آگے بڑھاتے رہے۔ (۲۴)

عقیدہ وعمل:

آپ نے دوسرے لوگوں کی طرح عزلت گزینی اور گوشہ نشینی اختیار نہیں کہ بلکہ ایک زبردست مناظر اور کامیاب داعی کی زندگی بسر کی۔ قرآن وحدیث اور منہج سلف کے طریق کو مشعل راہ بنایا اور اس راہ میں آپ نے کسی قسم کے تعصب کو حائل نہیں ہونے دیا۔ (۲۵)

مغز سخن:

آپ کی علمی، تبلیغی اور اصلاحی کارناموں کی داستان اس یقین محکم کے ساتھ ختم کی جارہی ہے کہ آپ کے کارناموں کی بازگشت اس وقت تک سنی جاتی رہے گی جب تک ممبئی اور اطراف ممبئی میں قرآن وسنت کا پیغام باقی رہے گا۔ اس شعر کے ساتھ میں اپنی بات ختم

کرتا ہوں جس کے آپ حقیقی مصداق تھے:

مرا وجود مری قوم کی امانت ہے
میں اپنے آپ کو برباد کر نہیں سکتا
مرے قلم کی سیاہی سے جو چراغ جلا
میں اس کی روشنی محدود کر نہیں سکتا

مراجع:

۱۔شیخ فضل الرحمٰن صاحب ندوی حفظہ اللہ سے گفتگو پر مبنی معلومات
۲۔مولانا رحمہ اللہ کے بیٹے عبدالشکور سنابلی مدنی حفظہ اللہ سے ٹیلیفونک گفتگو۔
۳۔امن کا پیغام ممبئی، جون ۲۰۱۳ء، ص ۷
۴۔مولانا رحمہ اللہ کے بڑے بیٹے عبداللہ حفظہ اللہ سے ٹیلیفونک گفتگو۔
۵۔امن کا پیغام ممبئی، جون ۲۰۱۳ء، ص ۸۷
۶۔التبیان، نئی دہلی، ستمبر ۲۰۱۳ء، ص ۳۱
۷۔مولانا رحمہ اللہ کے بیٹے مولانا عبدالعلی حفظہ اللہ سے ٹیلیفونک گفتگو۔
۸۔مولانا رحمہ اللہ کے بڑے بیٹے عبداللہ حفظہ اللہ سے ٹیلیفونک گفتگو۔
۹۔مولانا محمد خلیل نسیم صدیقی حفظہ اللہ سے ٹیلیفونک گفتگو۔
۱۰۔مولانا رحمہ اللہ کے بیٹے حافظ عبدالرب عثمانی حفظہ اللہ سے ٹیلیفونک گفتگو۔
۱۱۔امن کا پیغام ممبئی، جون ۲۰۱۳ء، ص ۱۴
۱۲۔مولانا محمد خلیل نسیم صدیقی حفظہ اللہ سے ٹیلیفونک گفتگو۔
۱۳۔شیخ فضل الرحمن صاحب ندوی حفظہ اللہ سے گفتگو پر مبنی معلومات۔
۱۴۔مولانا محمد خلیل نسیم صدیقی حفظہ اللہ سے ٹیلیفونک گفتگو۔
۱۵۔مولانا رحمہ اللہ کے بڑے بیٹے عبداللہ حفظہ اللہ سے ٹیلیفونک گفتگو سے ماخوذ۔
۱۶۔المائدۃ: آیت نمبر ۲
۷۔امن کا پیغام ممبئی، جون ۲۰۱۳ء، ص ۴۵
۱۸۔التبیان، نئی دہلی، ستمبر ۲۰۱۳ء، ص ۳۲
۱۹۔امن کا پیغام ممبئی، جون ۲۰۱۳ء، ص ۱۳

۲۰۔مولانا رحمہ اللہ کے بیٹے عبدالغفور حفظہ اللہ کی گفتگو سے ماخوذ۔
۲۱۔امن کا پیغام ممبئی، جون ۲۰۱۳ء، ص ۵۸
۲۲۔مولانا رحمہ اللہ کے بڑے بیٹے عبدالرب عثمانی کی گفتگو سے ماخوذ۔
۲۳۔۔مولانا محمد خلیل نسیم صدیقی حفظہ اللہ کی گفتگو سے ماخوذ۔
۲۴۔ التبیان، نئی دہلی، ستمبر ۲۰۱۳ء، ص ۲۹۔۳۰
۲۵۔التبیان، نئی دہلی، ستمبر ۲۰۱۳ء، ص ۳۱

□□□

مولانا عبدالحق قاسمی رحمہ اللہ کی حیات وخدمات پر
خصوصی شمارہ
امن کا پیغام ممبئی جون ۲۰۱۳ء
ترتیب
مولانا محمد خلیل نسیم صدیقی
ضرور پڑھیں

استاذ گرامی مولانا عبدالسلام رحمانی رحمہ اللہ

۱۹۳۸ء.....۲۰۱۳ء

شیخ صلاح الدین مقبول احمد

● مولانا عبدالسلام رحمانی رحمہ اللہ بہترین تعلیم وتربیت، اخلاق وآداب، ظرافت وخوش طبعی، نظافت وخوش پوشی، کثرت اسفار اور معلومات عامہ وغیرہ کے سبب اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے۔ ان میں تدریس وتحریر کی اعلیٰ صلاحیت تھی، جماعت کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہونے کی وجہ سے نظامت وادارت کا عمدہ تجربہ تھا، دعوت وتبلیغ، مسلکی غیرت وحمیت اور جماعت کی تنظیم وشیرازہ بندی کے لئے دوروں میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔ بحث وتحقیق، تصنیف وتالیف، صحافت ومقالہ نگاری کے فن سے بخوبی واقف تھے۔ شعروادب سے گہری دلچسپی تھی، درحقیقت انہیں موقع بہ موقع اشعار اور واقعات سے اپنی گفتگو کو مزین کرنے کا ہنر آتا تھا۔

● استاذ گرامی کی زندگی کا اہم پہلو سیر وسیاحت سے ان کی دلچسپی تھی، جزیرۂ فیجی میں قیام نے اس کے لئے راستہ ہموار کیا، فیجی سے آتے جاتے پانچوں براعظموں (ایشیاء، یوروپ، امریکہ، افریقہ اور آسٹریلیا) کے اہم ممالک کے بڑے شہروں کے دورے، سیاحتی مقامات سے لطف اندوزی، اسلامی شخصیات سے ملاقاتیں، مدارس مساجد اور جمعیات کی دعوتی سرگرمیوں میں شرکت کے لئے مواقع فراہم ہوئے، جس کی تفصیلات ان کے سفرنامہ ''دیار غیر میں'' میں موجود ہیں۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتر ے
ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہیں

قابل ذکر ہے کہ صحت کے زمانے میں ان کا کوئی سال بیرون ملک سفر سے خالی نہ رہا۔ ۱۹۷۸ء تک وہ ۳۳ رانٹرنیشنل ایئرلائنوں سے سفر کر چکے تھے اور ۱۹۸۴ء میں انہوں نے فیجی سے فیجی تک کرۂ ارض کا مدوّر سفر بھی کیا ''روداد سفر بیک نظر'' کے مطابق ۱۹۷۸ء سے ۱۹۹۹ء تک بذریعہ ہوائی جہاز وہ (۵۹) جہتوں کی طرف پرواز کر چکے تھے۔ شاید توحید وسنت کے کسی علمبردار نے دعوت وتبلیغ کے حوالے سے اتنے ممالک کے اسفار کئے ہوں، بلاشبہ انہیں جماعت اہل حدیث کے ابن بطوطہ اور اسلام کے مایہ ناز عالمی مبلغ کا خطاب دیا جاسکتا ہے۔

مولانا کے اسفار کے سلسلے میں برصغیر کے عظیم مورخ وبزرگ صحافی مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''مولانا عبدالسلام رحمانی کے سلسلۂ اسفار کا آغاز ۱۹۷۳ء سے حج بیت اللہ سے ہوتا ہے۔ پھر یہ سلسلہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ انہوں نے دنیا کی تینتیس ایئرلائنوں کے بہت سے ہوائی جہازوں پر سفر کیا۔ صرف تین سیٹ والے جہاز سے بھی اور سب سے بڑے جہاز بوئنگ ۷۴۷ (جمبوجٹ) سے بھی۔ بعض ایئرلائنوں پر تو بار بار سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ اپنے ملک ہندوستان کے مختلف مقامات کے سفروں کے علاوہ انہوں نے جن ممالک کے سفر کئے ہیں وہ فیجی، ملائشیا، سڈنی، سنگاپور، نیوزی لینڈ، امریکہ، آسٹریلیا، جاپان، اٹلی، ابوظہبی،

سعودی عرب، چین، انگلستان، مصر، کویت، نیپال، پاکستان، دوبئی، بحرین، مسقط، دوحہ، شام، اردن، انڈونیشیا، کنیڈا، جنیوا، ڈنمارک۔ پھر جن ممالک میں انہیں جانے کا اتفاق ہوا، اسکے بہت سے شہروں میں گھومے پھرے، ان تمام ملکوں کے سفروں میں انہوں نے مختلف سنٹروں اور اداروں میں تقریریں کیں اور ہر جگہ اسلام کی تبلیغ کی۔ اس طرح کہنا چاہیے کہ انہوں نے دنیا کے بہت سے بلاد وامصار میں اسلام کا پیغام حق پہنچایا اور اللہ کا کلمہ بلند کیا۔ بہ الفاظ دیگر دنیا کے بہت بڑے مبلغین اسلام میں ان کا شمار ہوا'' (دبستان حدیث: ص ۶۰۵)

جہاں میں اہل ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

● مولانا عبدالسلام رحمانی رحمہ اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے معروف مدرسہ ''جامعہ سراج العلوم'' (کنڈو بونڈیہار) میں حاصل کی اس کے بعد اپنے عم محترم استاذ گرامی مولانا محمد عابد رحمانی رحمہ اللہ کی کوششوں سے ۱۹۴۷ء میں دارالحدیث رحمانیہ میں داخلہ لیا لیکن تقسیم ہند کے وقت ہنگامہ خیز حالات کے سبب وطن واپس آگئے اور ۱۹۵۱ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخل ہوکر مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ جیسے اساتذہ فن کی نگرانی میں اپنی تعلیم مکمل کی۔

مارچ ۱۹۵۸ء میں علوم مروجہ سے فراغت کے بعد ایک سال کی مدت مدھیہ پردیش (اسی دوران تکمیل الطب لکھنؤ میں داخلے کی کوشش اور اس سے برگشتگی)، سکندرآباد (بلند شہر)، مرادآباد، گنور، بدایوں، علی گڑھ اور آگرہ میں گزری۔ ۱۹۵۹ء میں مدرسہ اسلامیہ اکرہرا سے منسلک ہوئے پھر مارچ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۳ء تک جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال میں تدریس کا فریضہ انجام دیا۔ وہاں سے بحکم شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ، مولانا عبدالصمد شرف الدین رحمہ اللہ (صاحب الدار القیمۃ، بھمڈی۔ ممبئی) کے زیر نگرانی ''تحفۃ الاشراف للمزی'' اور المعجم المفہرس لألفاظ الحدیث النبوی'' کی تحقیق اور ایڈیٹنگ میں حصہ لیا، پھر اپنے والد گرامی کے انتقال پر گھر واپس آئے اور اپنی والدہ کے اصرار پر وہیں رک گئے۔ پھر سات سال ۱۹۹۶ء سے ۱۹۷۲ء تک جامعہ رحمانیہ بنارس میں بھی مدرس رہے (یہیں اس راقم کو ان سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔) جامعہ رحمانیہ میں تدریس کے دوران اس وقت کے ناظم اعلیٰ جمعیت اہل حدیث ہند مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ کے حسب حکم رمضان ۱۳۸۸ھ میں جنوبی ہند اور رمضان ۱۳۸۹ھ میں کوکن کے دورے کئے۔

● ۱۹۷۲ء میں ڈاکٹر عبدالحفیظ سلفی رحمہ اللہ کی صدارت (جس میں مولانا عبدالوحید سلفی رناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ، اور حافظ یحییٰ نائب صدر تھے) اور مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کی نظامت کے دور میں مولانا جمعیت کے نائب ناظم اور پھر ناظم اعلیٰ اور پندرہ روزہ ترجمان کے مدیر رہے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن تھے، اس کی میٹنگوں میں اپنی علالت سے قبل برابر شریک ہوتے رہے۔

● انجمن اہل حدیث فیجی کی دعوت پر ۱۹۷۸ء میں فیجی تشریف لے گئے جماعت ومسلک کی سات سالہ خدمت کے بعد ۱۹۸۵ء میں وہاں سے واپس آئے اور اپنے آبائی مدرسہ ''جامعہ سراج العلوم'' بونڈیہار (بلرام پور) کے اہتمام کا عہدہ سنبھالا۔ مئی ۱۹۸۰ء میں بنگلور کے اجلاس شوری میں انہیں پھر جمعیت کے نظامت علیا کا عہدہ تفویض کیا گیا۔

جامعہ سراج العلوم (کنڈو بونڈیہار) جہاں سے ان کی تعلیم کی ابتدا ہوئی تھی وہیں ان ذمہ داریوں کی انتہا بھی ہوئی، مرور ایام

کے ساتھ بیماریوں نے آگھیرا، دل کا عارضہ لاحق ہوا، بائی پاس سرجری ہوئی، طویل علالت کے بعد ۲۹ ردسمبر بروز اتوار صبح نو بجے اس دارفانی سے دار بقا کی طرف روانہ ہوگئے۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' اسی روز بعد نماز عصر اعزہ واقارب، قرب وجوار ضلعوں کے عمائدین، علمائے کرام، طلبہ اور عوام کے جم غفیر کی موجودگی میں نماز جنازہ ہوئی اور بونڈیہار کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ (اللھم اغفرلہ، وارحمہ، وعافہ، واعف عنہ، واکرم نزلہ ووسع مدخلہ!)۔

● مولانا نے اپنی فراغت کے بعد صحت وعافیت کے آخری دور تک بھرپور زندگی گزاری۔ ہمیشہ تعلیم وتربیت، تصنیف وتالیف اور تنظیم جماعت سے ان کی وابستگی رہی۔ جماعت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے، کرۂ ارض کا مدور سفر کیا جہاں پہنچے توحید وسنت کی دعوت پیش کی اور حیات مستعار کے ایام گذار کر مالک حقیقی کی آواز پر لبیک کہا۔

● مولانا علمی ودعوتی امور میں اپنے استاد مولانا نذیر احمد رحمانی، اپنے مقامی استاذ مولانا محمد اقبال رحمانی، اور پھر شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری سے کافی متاثر تھے، بیرون ملک کی شخصیات میں علامہ ابن باز (سابق مفتی اعظم سعودی عرب) اور محدث الشام علامہ محمد ناصر الدین البانی (سیریا) مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (پاکستان) رحمہم اللہ وغیرہ ان کی نظر میں آئیڈیل تھے۔

مختلف مدارس (مدرسہ اسلامیہ اکرہرا، جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال، جامعہ رحمانیہ بنارس، جامعہ سراج العلوم بونڈیہار اور فجی وغیرہ) میں تدریس کے سبب ملک وبیرون ملک میں آپ کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔

● ۱۳۸۹ھ۔۱۹۶۹ء میں جماعت رابعہ (جامعہ رحمانیہ بنارس) کے ہمارے قابلِ احترام اور ذی شان رفقائے درس (جو مولانا رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں) کی فہرست درج ذیل ہے جو اپنے اپنے میدانہائے عمل میں کامیاب ترین نظماء، مصنفین ومحققین، دعاۃ ومبلغین اور مدرسین کی حیثیت سے ملک وبیرون ملک میں معروف ہیں:

☆ مولانا عبد اللہ سعود سلفی (ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ بنارس)
☆ ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ (سابق شیخ الجامعہ، بنارس)
☆ مولانا عزیر شمس (معروف محقق، مکہ مکرمہ)
☆ مولانا رفیع احمد عاقل (داعی ومبلغ، آسٹریلیا)
☆ مولانا عبد القدوس خیر اللہ (سینئر مدرس، جامعہ محمدیہ مالیگاؤں)
☆ مولانا الطاف الرحمن عبد الحلیم بنارسی (داعی اور تاجر حیدرآباد)
☆ ڈاکٹر بدر الزماں نیپالی (صدر جمعیۃ التوحید کپل وستو۔ نیپال)
☆ مولانا محمد عزیر املوی (عالمیت کے بعد تجارت میں مصروف ہوگئے)
☆ صلاح الدین مقبول احمد (راقم السطور)

ہمارے ان رفقائے جامعہ رحمانیہ میں ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری (رحمہ اللہ) نے سوئے منزل روانگی میں سبقت فرمائی، اور ہماری درماندگی کا خیال نہ کرکے ہمیں کچھ بعد میں اطمینان سے آنے کے لئے چھوڑ گئے (انتم سبقتم ونحن بکم لاحقون) اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے اور ہمارا حامی وناصر ہو!

●راقم السطور کو جامعہ رحمانیہ (بنارس) میں جب سے ان سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا، اس دور طالب علمی سے لے کر ہوش وحواس کی بقا تک ہمیشہ مشفقانہ برتاؤ رہا، علالت کے بعد گاہے بگاہے عیادت کے لئے دولت خانے پر حاضری ہوتی رہی۔ لیکن ہر بار صحت روبہ زوال نظر آئی اور محفل کو اپنی علمی ودعوتی لطافت وظرافت سے قہقہہ زار بنانے والا استاذ بجھا بجھا سا رہا۔

●زمانہ طالب علمی سے ہی مولانا رحمہ اللہ میں تحریری رجحان موجود تھا، ۱۹۵۹ء سے باقاعدہ رسائل وجرائد میں مضامین کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہوا۔ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۸ء تک پندرہ روزہ ترجمان کے معاون مدیر اور پھر مدیر رہے، مرکزی جمعیت کی نظامت کے دوسرے دور میں اس کے مدیر مسئول رہے۔ جماعت کے تمام جرائد ومجلّات سے قلمی رشتہ رہا، بطور خاص ''نور توحید'' نیپال (بہ ادارت مولانا عبداللہ مدنی) سے گہری وابستگی رہی، اس میں برابر ان کے مضامین شائع ہوتے رہے۔ ''نور توحید'' کی اشاعت کے پندرہ سال پورے ہونے پر اس کی طرف سے انہیں علمی ایوارڈ دیا گیا۔ مولانا نے جہاں ''تحفة الاشراف'' اور المعجم المفهرس' کی تحقیق واشاعت میں ہاتھ بٹایا وہیں آپ نے تقریباً (۲۵) کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں (۱۷) سے زائد کتابیں مطبوع ہیں۔ جو بچوں سے لے کر تمام عمر کے لوگوں کے لئے یکساں مفید ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں مصنف کیلئے ذخیرۂ آخرت بنائے!

●استاذ گرامی کی علم دوستی، علماء وطلبہ سے تعلق خاطر اور اپنے اس شاگرد (راقم السطور) اور اس کے ماحول کے بارے میں انہیں کے الفاظ میں ان کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں:

''ہمیں کویت کی جو چیز سب سے زیادہ پسند آئی وہ وہاں کی دینی فضا تھی۔ وہاں ہمارا ملنا جلنا رہنا سہنا اپنے سلفی اخوان میں ہوا۔ وہاں سلفی العقیدہ نوجوان نسل کی الحمد اللہ بہت بڑی تعداد ہے جو عقیدہ میں بھی بہت پختہ ہیں اور عملی حالت بھی ان کی اس قدر بہتر ہے کہ ہم نے ویسے صالح شباب کہیں نہ دیکھے۔ ان میں علمی شوق اور استفادہ کا رجحان بہت نظر آیا۔ محدث عصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی کتابوں اور ان کی تحقیقات وتعلیقات سے استفادہ کا بہت نمایاں وخصوصی لگاؤ میں نے ان میں دیکھا۔ کم عمر نوجوانوں تک کی یہ کیفیت میں نے دیکھی کہ احادیث کی معلومات اور ان احادیث کے صحت وسقم سے آگاہی ان میں بہت زیادہ تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی اور بار بار ان شباب کے لئے دل سے نیک دعائیں نکلتی رہیں اور رشک ہوتا رہا کہ کاش ہم نے بھی اسی فضا میں آنکھیں کھولی ہوتیں اور اسی طرح عمر گزاری ہوتی۔ وہاں کے شباب کو ہم نے اپنے محترم عزیز بھائی شیخ صلاح الدین مقبول احمد سے بھی بہت متاثر پایا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بڑی صلاحیت وصالحیت عطا فرمائی ہے۔ بارک اللہ له فی علمه وعمله وعمره (دیار غیر میں: ص ۲۵۵)

استاذ گرامی رحمہ اللہ دار حق میں اللہ رحیم وکریم کے سپرد ہیں وہ ان کی مغفرت فرمائے اور اپنے شاگرد (راقم السطور) اور اس کے گرد وپیش ماحول کے بارے میں ان کے ان تاثرات، احساسات وجذبات، نیک خواہشات اور دعاؤں کو شرف قبولیت بخشے!

●فیجی میں قیام ترک کر کے ہندوستان واپسی کے وقت اللہ کے حضور عاجزی وانکساری اور اپنی دعوتی کوششوں کی قبولیت کے سلسلے میں ان کی آہ وزاری ملاحظہ فرمائیں:

''میں نے فیجی میں تقریباً سات سال تبلیغی خدمات انجام دیے۔ (از ۱۵/رجب ۱۳۹۸ھ تا ۱۷/جمادی الاخری ۱۴۰۵ھ) میں

اپنے رحیم وکریم آقا مولیٰ سے بتضرع وزاری دعا والتجا کرتا ہوں کہ بارالہا! تو میری تمام تر کوتاہیوں وخامیوں کے باوجود میری ان کمترین محنتوں وکوششوں کو اپنے فضل وکرم سے شرف قبولیت عطا فرما اور اسے میرے لئے فلاح اخروی کا ذریعہ بنادے۔ میں تیرا بندۂ ناچیز تیری کرم گستری وذرہ نوازی کو سوچتا ہوں تو دل کہتا ہے کہ تو میرے ان ٹوٹے پھوٹے اعمال کو بھی اپنے فضل وکرم سے شرف قبول عطا کرے گا اور تو اسے میری تمام تر لغزشات کے باوجود بھی ضائع نہ فرمائے گا۔

تو کریم ہے تو رحیم ہے مری لغزشوں پہ نظر نہ کر
تری خو عطا، میری خو خطا، نہ وہ تجھ میں کم، نہ یہ مجھ میں کم

اس تحریر سے تضرع اور انابت الی اللہ کا عجیب منظر ابھر کر سامنے آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تیرا یہ بندہ اب تیرے سپرد ہے تو اس پر رحم فرما!

●اس تضرع کے بعد مولانا رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''اس موقع پر جی چاہتا ہے کہ میں اپنا ایک خواب ذکر کردوں جو مجھ جیسے ناچیز وکمترین کے لئے بڑی سعادت ومسرت کا موجب ہے۔۔۔۔۔۔۔''

''جمعرات ۱۷ر ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ مطابق ۸ر نومبر ۱۹۷۹ء کی صبح تبلیغی پروگرام مکمل کرلینے کے بعد میں جناب واجد علی صاحب کے مکان والے اپنے اسی رہائشی کمرہ میں سویا ہوا تھا کہ مجھے حبیب کبریا احمد مجتبیٰ محمد مصطفی فداہ ابی وامی ﷺ کا دیدار نصیب ہوا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی مہم سے فارغ ہوکر آئے ہیں اور اب رسول اللہ ﷺ ہم سے رخصت ہو رہے ہیں۔ میں نے آپ سے سلام کیا اور مصافحہ کیا۔ آپ نے میرے سلام کا جواب دیا اور صرف دایاں ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا جو مجھے بڑا شفقت آمیز محسوس ہوا۔ میرے سامنے پانچ چھ گز کے فاصلے پر لٹوکا کے بھائی محمد حنیف صاحب تھے جن میں بڑی مسلکی حمیت تھی (اب اللہ کو پیارے ہوچکے ہیں، رحمہ اللہ وغفرلہ وادخلہ جنۃ الفردوس) میں نے ان سے کہا: دیکھئے رسول اللہ ﷺ صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کررہے ہیں''

میرا دل اس خواب کے بعد فرط مسرت سے معمور تھا اور سوچتا ہوں کہ شاید اللہ تعالی نے ہماری اس تبلیغی مہم کو شرف قبول عطا فرمایا اور اس خواب کے سبب دل کہتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ نے ہماری یہ تبلیغی کوشش قبول فرمالی'' (دیار غیر میں: ص ۱۳۹ تا ۱۴۲)

حدیث میں وارد شرائط کے ساتھ خواب میں نبی کریم ﷺ کی رویت خواب دیکھنے والے کے لئے بشارت ہے۔ اللہ اسے مولانا رحمہ اللہ کے حق میں واقعی بنادے۔!

●استاذ گرامی رحمہ اللہ سے جامعہ رحمانیہ (۱۹۶۹ء) میں شرف تلمذ کے بعد کم وبیش سفر وحضر میں بھی ان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ جس طرح ان کا طریقۂ تدریس نرالا، انداز افہام وتفہیم دلنشین اور معلومات عامہ، لطائف وحکایات اور اشعار سے مزین ہوتا تھا اسی طرح مجلسوں میں عام گفتگو کے دوران بھی ان کا انداز تخاطب ناصحانہ، مشفقانہ اور ظریفانہ ہوتا۔

مدینہ یونیورسٹی کے زمانے میں ایک بار فیجی کے اہل حدیث حجاج کے ساتھ تشریف لائے تو ان کی ذرہ نوازی کہیے کہ ازدحام کے سبب کئی راتیں ہاسٹل میں گذاریں۔ کویت کئی بار تشریف لے گئے، پہلے سفر میں ان کا قیام راقم کے پاس تھا مجلسوں اور تفریحی پروگراموں میں کویت کے نوجوانوں سے ملاقاتیں رہیں۔ فیجی میں دعوت وتبلیغ کے حوالے سے عجیب وغریب واقعات بیان فرماتے۔ انہیں واقعات میں سے ایک دلچسپ واقعہ قابل ذکر ہے:

''فیجی کے اصلی باشندے سوا سوڈیڑھ سو سال قبل جنگلی اور آدم خور تھے، برطانیہ کے تسلط کے بعد حکومت زبردستی ان سے گنے کی کاشت کرواتی تھی، دن بھر ڈر کے سبب کام کرتے اور رات کو اسے اکھیڑ دیتے۔ ایک بار مشن کا ایک پادری عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ان کے پاس جنگل میں گیا، اس کی باتیں ان جنگلیوں نے بڑے غور سے سنیں اور کہا کہ تمہاری بات بہت اچھی ہے، لیکن تمہارا گوشت اس سے بھی اچھا ہے، پھر اسے قتل کر کے جوتے سمیت پکا ڈالا (انہیں یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ لوگ جوتے پہنتے ہیں)۔

ان جیسے واقعات سے کویتی جوان بے حد محظوظ ہوئے اور مولانا کی مجلسوں کو وہ ابھی تک یاد کرتے ہیں، پھر بعد میں مولانا جب بھی کویت تشریف لے جاتے تو بڑی محبت سے ان کا استقبال کرتے اور ان سے مستفید ہوتے۔ ان نوجوانوں کے بارے میں مولانا رحمہ اللہ کے تاثرات گذر چکے ہیں۔

●استاذ گرامی رحمہ اللہ کے سفرنامہ ''دیار غیر میں'' کے مطالعے سے ان کا نقشہ ایک باغیرت عالم دین اور سلفیت کے عالمی نمائندہ کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آتا ہے۔ فیجی میں سلفیت کی بنیاد کو آپ نے مضبوط کیا، اس کے بعد مولانا رفیع احمد عاقل کی کوششیں بھی شامل رہیں، جماعت کے معروف قلم کار مولانا عبدالمعید مدنی نے جمعیت کی مضبوطی کے لئے ذہن سازی کر کے افراد تیار کئے اور اپنے آپ کو وہیں سے منسوب کر لیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اجرِ جزیل سے نوازے۔

مولانا رحمہ اللہ نے اپنے کسی سفر میں امریکہ سے خاکسار کو ایک خط لکھا کہ یہاں قصابوں کی مختلف دکانوں سے گوشت جمع کیا جاتا ہے اور اسے خلافِ واقعہ اسلامی طریقے پر ذبح کرنے کا اسٹیکر لگا کر کویت بھیجا جاتا ہے لہٰذا حقیقت حال سے ذمہ داروں کو باخبر کیا جائے تاکہ اس کا تدارک ہو سکے!

مولانا رحمہ اللہ نے بڑے غیر تمندانہ انداز میں مجھے مخاطب کیا اور اکسپورٹ اور امپورٹ کرنے والی دونوں کمپنیوں کا نام بھی لکھا۔ میں نے مولانا رحمہ اللہ کے حسب حکم ذمہ دار و دوستوں سے اس سلسلے میں رابطہ قائم کیا، انہوں نے بھی غیرت مندی کا ثبوت دیتے ہوئے معاملے کی تحقیق کی تو پتہ چلا کہ امپورٹ کرنے والی کمپنی کا گوشت مسلمان نہیں صرف کورین اور چینی مزدور وغیرہ کھاتے ہیں جن کے یہاں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں بلکہ ان کی وجہ سے کویت میں تو کتوں اور بلیوں کا وجود خطرے میں ہے، اللہ تعالیٰ مولانا رحمہ اللہ کو ان کی اس غیرت پر اجر جزیل عطا فرمائے۔

مولانا سے متعلق اس طرح کے کتنے واقعات وحادثات ہیں جو ان کے شاگردوں کو معلوم ہوں گے ضروری ہے کہ ان کو قلم بند کر کے ان کی شاگردی کا حق ادا کیا جائے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ دعوت وتبلیغ کے لئے مختلف ممالک میں مولانا کی تگ وتاز کو شرف قبولیت بخشے، اور ان کی بشری لغزشوں سے درگذر فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ آمین۔

(نوٹ: مولانا رحمانی رحمہ اللہ کے دعوتی اسفار کی تفصیلی کے لئے ملاحظہ ہو ان کا سفرنامہ ''دیار غیر میں'')

(ماہنامہ محدث بنارس، مارچ ۲۰۱۴ء)

❑❑❑

شیخ اشفاق احمد نعیم الدین مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

کچھ بھولی بسری یادیں

۱۹۵۵ء ۲۰۱۴ء

مولانا شریف اللہ محمد قاسم سلفی
سابق شیخ الجامعہ، جامعہ عالیہ عربیہ، مئو

متحدہ ضلع بستی و گونڈہ (بلرام پور، سنت کبیر نگر، سدھارتھ نگر) مہراج گنج، گورکھپور، دیوریا، بہار کے قریبی اضلاع اور نیپال کے ترائی علاقہ میں توحید وسنت کی جو روشنی دکھائی پڑتی ہے وہ مولانا جعفر علی نقوی مجھوامیر اور ان کے مخلص احباب کی مخلصانہ اور انتھک کوششوں کا ثمرہ ہے، مولانا جعفر علی نقوی مولانا شاہ اسماعیل اور سید احمد رحمہما اللہ کے فیض یافتہ اور معتمد خاص تھے اور ان کے ساتھ سرحد پر رہتے تھے، یہ بذات خود ایک مجاہد اور ممتاز عالم دین بھی تھے۔ سانحۂ بالاکوٹ کے بعد امیر وقت شیخ محمد پھلتی رحمہ اللہ سے اجازت لے کر گھر آ گئے اور دعوت وتبلیغ کے ساتھ مدارس کے قیام کی زبردست تحریک چلائی اور گاؤں گاؤں، قصبہ قصبہ، شہر شہر گھوم کر مدرسے قائم کرتے، وہاں کچھ دن قیام کرتے اور پھر کسی کو منتظم بنا کر آگے بڑھ جاتے۔ ۱۸۵۴ء میں آپ نے دارالہدیٰ یوسف پور کی بنیاد ڈالی جو زمانہ کے نشیب وفراز سے گزرتے ہوئے آج تک دین کی نشر واشاعت کرتا چلا آرہا ہے۔

یوسف پور میں مولانا عباد اللہ رحمہ اللہ، مولانا جعفر علی نقوی کے معتمد خاص تھے، آپ نے ان کے مشن کو کامیاب بنانے میں اہم رول ادا کیا ہے اور یوسف پور واطراف میں ان کے کارہائے نمایاں اظہر من الشمس ہیں۔

ایک بیدار مغز سرپرست:

یوسف پور سے اتر ''بلوہی'' نام کا ایک گاؤں ہے جو مولانا اشفاق احمد مدنی رحمہ اللہ کا مسکن ہے، ان کے والد محترم نعیم الدینؒ مولانا عباد اللہ کے تربیت یافتہ تھے، وہ بہت ہی ذہین اور ہوشیار تھے، باقاعدہ سند یافتہ تو نہیں تھے مگر علماء کی صحبت سے بہت زیادہ دینی مسائل کا علم رکھتے تھے اور حالات حاضرہ پر بہت گہری نگاہ رکھتے تھے، جب تک باحیات رہے گاؤں کی پوری سیاست انہیں کے اردگرد گھومتی تھی۔ اپنے حسن اخلاق، معاملہ فہمی، رواداری، نزاعی صورت میں عدل وانصاف، بلاتفریق ہر ایک کے کام آنا، غرباء ومساکین کی خفیہ مدد کرنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ علم اور اہل علم سے ازحد محبت کرتے تھے اور علماء کی صحبت میں رہنا پسند کرتے تھے۔ یہ علم اور اہل علم سے دوستی ہی کا اثر ہے کہ اپنے گاؤں بلوہی میں آپ نے ایک دینی مکتب بنام شمس العلوم قائم کیا اور اس کے ذریعہ گاؤں اور قرب وجوار میں علم کی روشنی پھیلانے کی کامیاب کوشش کی۔ اس مکتب سے اپنی تعلیم کا آغاز کرنے والے بہت سے افراد آج تعلیمی

میدان میں نمایاں ہیں اور کچھ دوسرے تجارتی اور سیاسی اعتبار سے بہت آگے ہیں۔

مدرسہ شمس العلوم کے مستفیدین کے سرخیل شیخ اشفاق احمد مدنیؒ کے والد محترم کی دلی خواہش تھی اور اپنی حد تک کوشش بھی کی کہ میرے پانچوں لڑکے عالم دین بنیں مگر ایسا نہیں ہوسکا۔ ''وماتشاؤن الا ان یشاء اللہ'' (یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا''۔

والد محترم کی دلی خواہش کی تکمیل شیخ اشفاق احمد رحمہ اللہ سے ہوئی، اس لئے آپ انہیں اپنی تمام اولاد میں سب سے زیادہ پیار کرتے تھے اور اپنے تمام امور اور مشوروں میں شریک بھی کرتے تھے جیسا کہ میں نے مشاہدہ کیا ہے۔ ایک مرتبہ میں بلوہی میں تھا۔ بہت ہی ضروری کام سے نکلنا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد میں فوراً تیار ہوگیا۔ مگر مولانا اشفاق احمد رحمہ اللہ کے والد نے ان سے کہا کہ آدھا گھنٹہ لیٹ لیجئے تب چلتے ہیں، اور پھر وہی ہوا۔ پھر مجھ سے کہنے لگے: ''مولانا کی طبیعت کی فکر زیادہ رہتی ہے اس لئے کہا کہ آرام کر لیجئے۔ آدھا گھنٹہ بعد چلیں گے۔

نام ونسب: اشفاق احمد بن نعیم الدین بن محمد رضا

مولود: نو جولائی سن انیس سو پچپن عیسوی (۹/۷/۱۹۵۵ء)

تعلیمی مراکز:

آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز گاؤں کے مدرسہ شمس العلوم سے کیا اور درجہ پنجم اچھے نمبرات سے پاس کرنے کے بعد دارالہدیٰ یوسف پور آئے اور ۵/سال درجہ ۶ سے عربی جماعت ثالثہ تک وہاں کے اساتذہ سے فیض یاب ہوئے، ان دنوں اس علاقہ میں مفتی عبدالعزیز مئویؒ کا بڑا شہرہ تھا جو مدرسہ انوار العلوم پرساعماد سدھارتھ نگر میں بحیثیت مفتی وشیخ الحدیث تھے۔ ان سے استفادہ کی غرض سے آپ انوار العلوم پرساعماد گئے، ایک سال رہ کر جامعہ سلفیہ بنارس کا رخ کیا۔ ان دنوں جامعہ سلفیہ تعلیم وتربیت دونوں اعتبار سے ممتاز تھا اور داخلہ امتحان بہت ٹھوس ہوتا تھا، تعلیمی ماحول بہت اچھا تھا، اساتذہ وطلبہ کے مابین خوشگوار روابط رہتے تھے۔ ایسے ماحول میں ہر باشعور طالب تعلیم حاصل کرنے کا خواہاں رہتا تھا، آپ کی قسمت نے یاوری کی اور آپ کا داخلہ عالم اول میں ہوگیا، پھر چھ سال تک اسی علمی ماحول میں پلے بڑھے اور اپنے آپ کو کسی لائق بنانے کی کامیاب کوشش کی اور ۱۳۹۷ھ میں عالم وفاضل کی ڈگری اچھے نمبرات سے حاصل کی۔ ۱۳۹۷ھ میں فراغت کے بعد اساتذہ کرام کی رہنمائی سے مدرسہ احیاء العلوم جلالی پور بنارس میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے لگے۔ دوران تدریس جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں داخلہ کی کارروائی بھی کرتے رہے اور ایک سال پورا ہوتے ہوتے جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں داخلہ کی خوشخبری آگئی۔ ان دنوں طلبۂ جامعہ سلفیہ بنارس کے لئے جامعہ اسلامیہ کا دروازہ کھلا تھا اور بہت سے خوش نصیبوں کو استفادہ کا سنہری موقع ملا اور حرم نبوی میں صلاۃ ادا کرنے کی ان کی دلی خواہش پوری ہوئی۔ آپ نے جامعہ اسلامیہ میں کلیۃ الحدیث میں داخلہ لیا اور پورے چار سال محنت کر کے لیسانس (بی اے) کی ڈگری حاصل کی۔ ان دنوں جامعہ اسلامیہ مدینہ کے فارغین کو دعوت وتبلیغ کے لئے دنیا کے مختلف خطوں میں بھیجا جاتا تھا۔ فراغت کے بعد آپ نے بھی درخواست دی اور محترم شیخ قعود نے انٹرویو لیا اور کامیاب ہوگئے، اس انٹرویو کے متعلق آپ کا بیان ہے کہ انٹرویو کے بعد جب مجھے معلوم ہوا کہ شیخ قعود نے میرا انٹرویو لیا ہے تو مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا، اگر مجھے پہلے معلوم ہوجاتا کہ شیخ قعود میرا انٹرویو لیں گے تو میں اتنے اطمینان سے

جواب نہیں دے پاتا۔ بہر حال آپ انٹرویو میں کامیاب ہو گئے اور میدان عمل کے انتخاب میں آپ نے جامعہ عالیہ عربیہ کو ترجیح دی۔ جامعہ عالیہ عربیہ کے بارے میں معلوم کیا تو پتہ چلا کہ میرے دو ساتھی (مولانا اقبال احمد کفایت اللہ سلفیؒ اور راقم الحروف) جامعہ عالیہ میں اطمینان سے ہیں تو مجھ کو ایسا لگا کہ وہاں کا ماحول اچھا ہے اس لئے میں نے اسے ترجیح دی اور یہاں آنے کے بعد میرا فیصلہ صحیح ثابت ہوا۔ پھر جب آپ مئو آگئے تو یہیں کے ہو کر رہ گئے حتیٰ کہ مشیت الٰہی سے مئو کو اپنی آخری آرام گاہ بھی بنالیا۔

حلیہ:

سانولا رنگ مگر بہتر نقوش، جاذب نظر، دیکھنے میں سنجیدگی و شرافت ٹپکتی تھی، گول چہرہ جس پر ہلکی مسکراہٹ رقصاں رہتی تھی، گھنی داڑھی، چوڑی پیشانی جس سے ذہانت کا پتہ چلتا تھا، آنکھیں قدرے بڑی جن سے وفا جھلکتی تھی، درمیانہ قد جو خیر الامور اوسطہا کا نمونہ تھا، راستہ چلتے وقت عموماً بائیں جانب رہنا پسند کرتے تھے اور آہستہ آہستہ چلتے تھے، سلام کرنے والوں کا جواب ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ دیتے تھے، سفید لباس ہی پہلی پسند تھی، کبھی بھی رنگین لباس پسند نہیں کیا، سر کو جودھپوری مخملی ٹوپی سے زینت دیتے تھے، لیکن ادھر آخری ایام میں کپڑے کی ٹوپی بھی استعمال کرنے لگے تھے۔

معمولات:

۱۹۸۲ء میں مئو آئے، کچھ دنوں تک محلہ ڈومن پورہ حبہ میں اکیلے رہے اور پھر بچوں کے ساتھ رہنے لگے اور اخیر تک بچوں کے ساتھ رہے۔ اپنا ذاتی مکان بھی بنالیا ہے۔ سویرے اٹھنا، فجر کی صلاۃ کے بعد چہل قدمی کرنا اور پھر غسل و ناشتہ کر کے درس و تدریس کے لئے جامعہ کا رخ کرنا، جامعہ آنے کے بعد مفوضہ ذمہ داری بحسن و خوبی انجام دینا آپ کا روزمرہ کا معمول تھا، جامعہ میں آپ کو جو بھی ذمہ داری دی جاتی حسب استطاعت بہترین طریقے سے انجام دیتے، کسی بھی ذمہ داری کے قبول کرنے سے کبھی انکار نہیں کیا، ایسا لگتا تھا کہ ان کی زندگی میں انکار کا لفظ تھا ہی نہیں، جامعہ سے گھر پہنچنے پر دوپہر کا کھانا کھا کر قیلولہ ضرور کرتے تھے۔ بعد صلاۃ عصر گھریلو ضروریات کی فراہمی کے لئے باہر نکلتے، مغرب کی صلاۃ محلے کی مسجد میں ادا کرتے اور پھر گھر جانے کے بعد رات دیر تک کتابوں کی ورق گردانی کرتے رہتے تھے۔

اخلاق و عادات:

آپ اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے، خوددار تھے، بلند ہمت والے تھے، فارغ البال تھے اور احباب کی محفل میں ''ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم'' کی سچی تصویر تھے۔ مرنجان مرنج طبیعت کے مالک تھے۔ ہندوستان کے سبھی عربی مدارس کے کیمپس میں کچھ کم و بیش کشاکش کا جو ماحول رہتا ہے بالخصوص اساتذہ کا آپس میں، اساتذہ اور طلبہ میں جو دوری رہتی ہے، ایسے ماحول میں جو شخص اپنا دامن بچا کر نکل جائے وہ حقیقتاً بہت اونچے اخلاق کا حامل، نیک بخت اور لائق تعریف ہی نہیں بلکہ لائق تقلید بھی ہے۔ شیخ ایسے ماحول سے بھی بڑی حکمت سے گزر گئے ''نہ کاہو سے دوستی نہ کاہو سے بیر'' یہ آپ کی عظیم حکمت و دانائی اور بصیرت ہی تھی کہ کسی بھی موڑ پر کسی

سے تو تو میں میں نہیں کرتے۔ اگر کوئی چیز اچھی نہیں لگی یا کسی کی کوئی بات مناسب نہیں معلوم ہوئی تو ماحول کو بھانپ لینے کے بعد اگر جواب دینا مناسب سمجھتے تو جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے اور پورے معاملہ کو اللہ کے حوالے کر دیتے۔ یہ تو ان کا اپنا ذاتی معاملہ تھا، خود میرے بارے میں اگر کبھی میں ذہنی انتشار کا شکار یا مایوس و غمگین ہو جاتا تو فرماتے: سنئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سامنے رکھئے: ''اگر پوری دنیا کے لوگ مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو اتنا ہی نقصان پہنچا پائیں گے جتنا اللہ نے مقدر کر رکھا ہے اور اگر پوری دنیا کے لوگ مل کر فائدہ پہنچانا چاہیں تو اتنا ہی پہنچا پائیں گے جتنا اللہ نے مقدر کر رکھا ہے'' اور اللہ کا یہ فرمان بھی یاد رکھئے: {وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ} (یونس: ۱۰۷)

اس لئے الجھنے سے کوئی فائدہ نہیں، اللہ پر کامل یقین رکھو وہ سب دیکھ رہا ہے، آپ کے لئے اور ہمارے لئے جو مناسب ہوگا وہی کرے گا، وہی سب کچھ کرتا ہے، اسی کو کرنا بھی ہے، یہ اور اس طرح کی حوصلہ افزا باتیں ہوا کرتی تھیں۔

البتہ اگر کوئی آپ کو دھوکہ دیتا یا جھوٹ بول کر کچھ نقصان کر دیتا یا وہ اپنا الو سیدھا کر لیتا ایسے موڑ پر بھی آپ تکرار پسند نہیں کرتے بلکہ اس سے جھگڑنے کے بجائے دور ہو جاتے اور اس کی اصلاح کے لئے دعا کرتے اور یہ کہا کرتے: اللہ مجھے صبر دے اور اسے ہدایت دے۔

رمضان کے کچھ دنوں پہلے آپ کی والدہ محترمہ کا جو بہت زیادہ دنوں سے بیمار تھیں، انتقال ہو گیا، آپ کو صدمہ تو زبردست تھا مگر اللہ کا فیصلہ اٹل ہے۔ کہا کرتے تھے: ''اپنی طاقت کے مطابق والدہ کی خدمت اور علاج و معالجہ میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ان کی جدائی کا غم تو زندگی بھر رہے گا۔ اب میں بھی آپ کی طرح دنیا کی بے لوث خدمت گزار ماں کے سایۂ عاطفت اور ان کی بابرکت دعاؤں سے محروم ہو گیا، اب وہ ہماری دعاؤں کی محتاج ہو گئیں'' قدرت کا حکمت سے لبریز یہ فیصلہ دیکھئے کہ ابھی چند ہی دن گزرے ہیں کہ آپ بھی دوسروں کی دعاؤں کے محتاج ہو گئے۔

والدہ محترمہ کے انتقال کے چند ہی دنوں بعد بھائیوں نے بٹوارہ کر لیا اور بظاہر آپ کا نقصان رہا، کچھ دنوں تک بہت دکھی رہے مگر کچھ میری تسلی اور زیادہ تر اپنی فطری عادت کی بنا پر صبر کر گئے اور بھائیوں سے منہ موڑنے کی نوبت نہیں آئی جب کہ ایسے موڑ پر لوگ بری طرح بکھر جاتے ہیں اور سارے رشتے منقطع کر لیتے ہیں، لیکن آپ کو منجانب اللہ صبر کی جو دولت نصیب ہوئی تھی اسے آپ نے اپنایا اور جو فیصلہ بھائیوں کی موجودگی میں ہوا اس پر راضی ہو گئے، اب آپ نہیں ہیں مگر آپ کی اولاد آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس پر راضی رہے گی۔ (ان شاء اللہ)

آپ بہت صابر و شاکر تھے، اس کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ بیماری نے کافی دنوں سے آپ کے گھر کو گھیر رکھا ہے، والد محترم کی بیماری، علاج و معالجہ اور پھر وفات، بڑے بھائی کی بیماری اور وفات، پھر والدہ محترمہ کی کئی سالوں سے علالت، علاج و معالجہ اور پھر جدائی، خود آپ کی شریک حیات کی ایک مدت سے بیماری اور علاج اور ادھر اپنا خود دوا و علاج، ساتھ ہی بچیوں کی بیماری میں بے تحاشہ خرچ (بحمد للہ اب صحتیاب ہیں) اتنی ساری پریشانیوں کے بیچ رہ کر بھی کبھی ناشکری کے کلمات نہیں سنے گئے حتی کہ یہ بھی نہیں کہا کہ بڑی پریشانی ہے بلکہ ہر حال میں اللہ کی حمد و ثناء کرتے رہے۔ اللہ کے فیصلے پر اپنی رضا کا اظہار کرتے اور کہا کرتے: ''یہ تو اللہ کی

آزمائش ہے۔اللہ تعالیٰ کامیاب کرے اور آخرت کی کڑی آزمائش سے بچائے۔آمین"

آپ از حد نرم دل اور نرم مزاج تھے، مجبور و بے کس اور غریب و مسکین سے پیار کرتے، ان کی خفیہ مدد کرتے، ذی علم، صاحب ثروت اور فارغ البال ہونے کے باوجود لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر ساتھ رہنا پسند کرتے تھے۔

مدرسہ کے پڑوس میں ایک مجبور بوڑھی عورت ہے غالباً پہلی مرتبہ اسے دیکھا، اس نے سلام کیا اور کسی کھانے والی چیز کا مطالبہ کر بیٹھی، آپ نے فوراً کچھ روپیہ نکال کر ہاتھ پر رکھ دیا۔اس نے کہا: میں روپیہ لے کر کیا کروں گی میں تو چل پھر نہیں سکتی، مجھے کچھ کھانے والی چیز دے دیجئے، آپ نے کہا: پیسہ رکھ لو میں کھانے کی چیز بھجوا دیتا ہوں اور پھر ایک بچے کے ذریعے ڈھیر سا کھانے کا سامان بھجوا دیا۔اس کے بعد بہت دردانگیز آواز میں کہتے ہیں: اسی طرح میری ماں بھی کافی دنوں تک بیمار تھیں اور مجبور تھیں اور آگے کچھ نہیں کہہ سکے کیوں کہ آواز بھرائی ہوئی تھی جس سے دلی تکلیف کا اندازہ ہوتا تھا، غریبوں کیساتھ رہ کر ان کی مدد کرنے میں کافی سکون محسوس کرتے تھے، ایسے لوگ آج بھی تڑپ رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی سبیل پیدا کردے۔آمین۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ از حد امین تھے اور امانت میں کبھی خیانت نہیں کرتے تھے۔اہم اور غیر اہم کوئی بھی بات یا راز ہو اسے اپنے سینے میں محفوظ رکھتے تھے، اگر اس کے متعلق کوئی پوچھتا بھی تو اظہار نہیں کرتے اور اپنے آپ کو بچا لیتے۔ایک جگہ رہتے ہوئے ایک دوسرے کے کام آنا اور قرض لینا اور دینا آپ سے بھی ہوتا تھا مگر آپ اس بارے میں بہت حساس تھے اور کبھی قرض واپس کرنے میں ٹال مٹول نہیں کرتے تھے۔البتہ قرض کی وصولیابی میں از حد نرمی برتتے تھے، اس وجہ سے میری معلومات کی حد تک بہت سی رقم واپس نہیں ملی مگر اس پر کوئی غلط تبصرہ یا جھگڑا وغیرہ نہیں کیا۔تقریباً پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے ایک صاحب نے آپ سے ایک متعارف کو بطور قرض کافی رقم دلا دی۔واپسی کی ساری ذمہ داری اپنے ذمہ لی۔مگر از حد معمولی رقم کے علاوہ کچھ بھی نہیں ملا اور حسب وعدہ خود بھی ادا نہیں کیا۔پھر بھی آپ صبر کر گئے البتہ جس نے رقم دلائی تھی اس سے دور ہو گئے، اس طرح کے کئی واقعات ہیں جو آپ کی امانت و دیانت پر مکمل طور پر شاہد عدل ہیں۔ایک ساتھ رہتے ہوئے آپس میں کبھی کبھی تلخی آجاتی ہے یا کچھ ناخوشگوار حالات پیدا ہو جاتے ہیں جس سے دو دلوں میں کچھ دوری ہو جاتی ہے۔مگر میں بڑے وثوق سے یہ لکھ رہا ہوں کہ ۳۳ سالہ رفاقت میں ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی تلخی ہوئی ہو۔تو تو میں میں کی بات تو بہت دور کی ہے۔ہاں کبھی کبھی نظریاتی اختلافات ہوا ہے مگر وہ صرف اور صرف اسی مجلس تک اور گفتگو کے اختتام تک اور اس کے بعد کوئی اثر نہیں، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ میرا اور ان کا تعلق الحب للہ تھا اس لئے اس میں کبھی دراڑ نہیں پڑی، اگر آج شیخ موجود ہوتے تو اس سے زیادہ زوردار الفاظ میں اس کی تائید کرتے۔

تدریسی ادارے:

دوران تعلیم آپ پانچ اداروں کے خوشہ چیں رہے اور وہاں کے اساتذہ سے بھرپور استفادہ کیا اور ان کی علمی صحبت سے ظاہر و باطن صیقل کیا۔مگر درس و تدریس کے صرف دو ادارے دکھائی پڑتے ہیں:

(۱) مدرسہ احیاء العلوم جلالی پور بنارس، جہاں آپ صرف ایک سال رہے (شوال ۱۳۹۷ھ سے شعبان ۱۳۹۷ھ تک) وہ بھی

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ طیبہ جانے سے پہلے۔

(۲) جامعہ عالیہ عربیہ مئو۔ مئو میں آپ محرم ۱۴۰۳ھ میں تشریف لائے اور اخیر عمر (ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ) تک رہے۔

درس وتدریس کا انداز:

آپ ماہر درسیات تھے، آپ کی پوری توجہ درسی کتابوں پر رہتی تھی۔ اس کا فائدہ طلباء کو یہ ملتا تھا کہ جو بھی کتاب آپ کے حصے میں آتی اس کا حق ادا کر دیتے، آواز قدرے مدھم تھی مگر سمجھانے کا انداز دلکش تھا۔ ہر طالب علم پورا درس سمجھ جاتا تھا۔ درس گاہ میں طلباء پر مکمل کنٹرول رہتا تھا اور کوئی بھی طالب کسی دوسری چیز میں مشغول نہیں ہوسکتا تھا، آپ کے ملکۂ افہام وتفہیم اور نکات دروس سے متاثر ہوکر جامعہ عالیہ عربیہ کے سابق شیخ الجامعہ شیخ محمد اعظمی حفظہ اللہ نے کہا تھا: ''آپ خاموش سمندر ہیں'' طلباء کے دلوں میں آپ کی قدر وقیمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جماعت کے طلبہ کی یہ خواہش رہتی کہ مولانا ہم لوگوں کو ضرور پڑھائیں۔ طلبہ بڑے ادب واحترام سے آپ کے ساتھ پیش آتے۔

درس نظامی کی اکثر کتابیں مع صحیحین آپ کے زیر درس رہ چکی ہیں۔ تفسیر، علوم قرآن، حدیث، علوم حدیث، ادب، فقہ، اصول فقہ اور بلاغت وغیرہ جو بھی فن دیا اس کا حق ادا کیا۔

مشہور اساتذۂ کرام:

آپ نے چار اداروں میں تعلیم حاصل کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اساتذہ کی فہرست لمبی ہوگی ان میں سے کچھ اہم اساتذہ کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا محمد ابراہیم حفظہ اللہ، مولانا رحمت اللہ اثری رحمہ اللہ، ڈاکٹر جلال الدین حفظہ اللہ، مولانا محمد ادریس الیدہ پوری حفظہ اللہ، مولانا عبدالسلام مدنی حفظہ اللہ، مولانا حکیم محمد یونس حفظہ اللہ، مفتی عبدالعزیز اعظمی رحمہ اللہ، مولانا عظیم اللہ مئو رحمہ اللہ، مولانا عبدالوحید رحمانی شیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ بنارس رحمہ اللہ، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی رحمہ اللہ، مولانا عبدالمعید بنارسی رحمہ اللہ، مولانا شمس الحق سلفی رحمہ اللہ، مولانا عابد حسن رحمانی رحمہ اللہ، مولانا محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ، شیخ ربیع ہادی حفظہ اللہ، شیخ علی مشرف حفظہ اللہ، شیخ عبداللہ غیمان رحمہ، ڈاکٹر عبدالرحمن لیثی حفظہ اللہ وغیرہم۔

اور جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے اساتذہ میں سے محترم جناب ڈاکٹر ہاشم عراقی حفظہ اللہ، ڈاکٹر عبدالمنعم حفظہ اللہ، ڈاکٹر محمد شریف، شیخ عمر فلاتہ رحمہ اللہ، ڈاکٹر ضیاء الرحمن عمری حفظہ اللہ، ڈاکٹر عمر نصیف جو اس وقت کلیہ کے ذمہ دار تھے، شیخ ابوبکر سوڈانی، ڈاکٹر ربیع ہادی المدخلی حفظہ اللہ وغیرہم۔

شاگردان:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفع بخش علم کو صدقہ جاریہ بتایا ہے (او علم ینتفع بہ) اس ناحیہ سے مولانا رحمہ اللہ خوش

نصیب ہیں کہ آپ نے ۳۳ سال تک بڑے خلوص سے درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا ہے اور اتنے مستفیدین چھوڑے ہیں جن کا احصاء ناممکن تو نہیں مگر مشکل ضرور ہے۔ یہ آپ کو مسلسل ثواب پہنچانے کا ذریعہ ہوں گے (ان شاء اللہ)۔ آپ سے براہ راست استفادہ کرنے والوں میں آج کل شیخ الحدیث، شیخ الجامعہ، بانیان جامعہ ومدرسہ، مہتمم جامعہ، ماہرین درسیات، قابل ذکر مقرر وخطیب اور صاحب قلم بھی ہیں۔ اس گروہ میں سرفہرست شیخ اسعد اعظمی بن محمد اعظمی حفظہ اللہ ہیں جو بروقت جامعہ سلفیہ بنارس میں استاذ، صوت الامۃ کے ایڈیٹر اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے رکن بھی ہیں، اللہ آپ کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔

تصنیفات:

آپ کی پوری توجہ درسی کتابوں پر رہتی، تصنیف وتالیف کی طرف رجحان برائے نام تھا، اسی لئے آپ کی کوئی مستقل تصنیف یا تالیف نہیں ہے۔ البتہ کچھ مقالے، احادیث کے دروس اور کچھ تاثرات وغیرہ پائے جاتے ہیں، مثلاً:

الامام الدارقطنی حیاتہ وآثارہ (عربی غیر مطبوع) آداب حج وعمرہ وزیارت ترجمہ: تحریر فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن حمید۔ دروس احادیث اور تاثرات وغیرہ ابھی گزشتہ سال مزید چار مقالے تحریر کئے تھے۔ کن موضوعات پر تھے؟ یاد نہیں اور نہ مقالے مل رہے ہیں۔

مصروفیات:

جامعہ عالیہ اور مدرسہ عالیہ نسواں مئو میں تدریسی خدمات کے ساتھ محلہ کی مسجد میں امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیتے۔ مختلف مساجد میں قرآن وحدیث کے دروس کا اہتمام کرتے۔ جامعہ کے طلبہ مجلہ ''تہذیب'' اور حصول اسناد کے لئے جو مقالے لکھتے ان میں کچھ آپ کے اشراف میں لکھے جاتے۔ طلبہ کی مشہور انجمن ''انجمن تہذیب البیان'' کے مشرف ومربی ہوتے۔ طلبہ کے تحریری وتقریری پروگراموں میں بحیثیت حکم ضرور شریک ہوتے۔ اپنی ابتدائی تعلیم گاہ اور مدرسہ شمس العلوم کی مکمل سرپرستی کرتے۔ اگرچہ کاغذی اعتبار سے صرف معاون ناظم تھے مگر سارا نظام آپ کی نگرانی میں ہی تھا۔

بیماری اور وفات:

تقریباً چار سال سے آپ کو ہائی بلڈ پریشر کی شکایت تھی اور لگ بھگ دو سال سے شوگر اور ذیابطیس کا حملہ ہوا، ان دونوں پر کنٹرول تھا، کوئی خاص اثر نہیں تھا اس لئے کہ آپ دوا کے ساتھ پرہیز برابر کرتے تھے البتہ تقریباً اب چھ مہینے پہلے ہاتھ کی انگلیوں میں کچھ جھنجھناہٹ ہوئی، مئو اور بنارس کے ماہر ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کی گئیں مگر افاقہ نہیں ہوا بلکہ یہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، مرض بڑھ کر پیروں تک پہنچ گیا، پیروں میں بھی شکایت ہوگئی جس سے چلنے پھرنے میں پریشانی ہونے لگی۔ بیس رمضان کے بعد پریشانی زیادہ بڑھی، چیک اپ ہوا تو معلوم ہوا کہ گردہ میں یوریا ہے، آپ کے مخلص دوست محترم شیخ ابوالقاسم عبدالعظیم حفظہ اللہ کے مشورہ سے للتا ہاسپٹل (Lalita Hospital) میں عید سے ایک دن پہلے داخل ہوگئے اور عید کے بعد ہاسپٹل سے باہر آئے۔ افاقہ تو ہوا مگر کمزوری حد درجہ بڑھ گئی تھی، بغیر سہارا کے اٹھنا بیٹھنا تک مشکل ہوگیا تھا۔ یوریا میں کچھ کمی تو ضرور ہوئی مگر اتنی طاقت نہیں ہوئی کہ بذات خود اٹھ بیٹھ سکیں۔ اس بیچ ایک نیروسرجن ڈاکٹر ابوظفر مئوی سے رجوع کیا گیا تو انہوں نے بتلایا کہ گردن کی ایک رگ دب

رہی ہے جس کی وجہ سے ہاتھ پاؤں میں یہ تکلیف ہے، اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ آپریشن کرالیں اور پھر انہوں نے اپنے سے ایک سینئر نیروسرجن کی طرف رہنمائی کی اور بتلایا کہ وہ بنارس کے مشہور ہاسپٹل ہیری ٹیج میں کچھ وقت رہتے ہیں اور وہیں آپریشن بھی کرتے ہیں، ویسے ان کا اپنا ذاتی ہاسپٹل سٹی نیرو ہاسپٹل سٹی اسٹیشن بنارس میں زیر تعمیر ہے مگر ہیری ٹیج میں مشینیں زیادہ ہیں اس لئے وہیں آپریشن کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ابوظفر کی رائے اور مشورہ کی روشنی میں جامعہ عالیہ عربیہ مئو کے صدر کمیٹی محترم عشرت کمال ایڈوکیٹ صاحب، محترم ناظم اعلیٰ مولانا مظہر احسن ازھری صاحب، نائب ناظم حافظ صفات احمد صاحب، سینئر رکن الحاج حبیب الرحمن پہلوان صاحب، مولانا عبدالرحمان انصاری صاحب، اور شیخ ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی وغیرہم سے تبادلہ خیالات کے بعد یہ طے ہوا کہ ڈاکٹر ابوظفر کی رائے صحیح ہے۔ ہیری ٹیج ہی میں آپریشن کرایا جائے۔ ۱۶/۹/۲۰۱۴ء بروز منگل ہیری ٹیج میں داخل کیا گیا، جہاں بلڈ پریشر، ذیابیطس اور گردہ کے ماہرین کی نگرانی میں رہے اور تین دن بعد ۸۰ سے ۹۰ فیصد نارمل رپورٹ ملنے کے بعد جمعہ ۱۹/ستمبر ۲۰۱۴ء کو آپریشن کامیاب رہا اور ہم سب خوش خوش جامعہ واپس آئے۔ آپریشن کے بعد آپ کو انتہائی نگہداشت والے کمرہ (I.C.U.) میں رکھا گیا، رات میں اچانک آپ کی سانس رک گئی مگر فوراً ڈاکٹروں کی ٹیم پہنچ گئی اور کنٹرول ہوگیا۔ پھر دو دن تک حالت بالکل ٹھیک تھی۔ ۲۱/ستمبر اتوار کو رات ڈاکٹر نے چیک اپ کیا تو خوشی کا اظہار کیا اور کہا: حالت بالکل ٹھیک ہے کل صبح آئی سی یو سے نکال دیں گے۔ اللہ کی مصلحت اسی رات ایک مرتبہ پھر سانس رک گئی، دوبارہ ایسا کیوں ہوا؟ ڈاکٹر خود پریشان تھے، بہرحال آپ آئی سی یو سے باہر نہیں آسکے۔ آپریشن کی کامیابی سے ہاتھ پیر میں کافی طاقت آگئی مگر بقول ڈاکٹر ابھی میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا اس لئے ابھی یہ آئی سی یو میں ہی رہیں گے۔

۲۵/ستمبر ۲۰۱۴ء کو ڈاکٹر نے کہا کہ اب خطرہ سے باہر ہیں۔ اس لئے آئی سی یو سے نکال دیا جاتا ہے۔ اس طرح آپ اسپیشل وارڈ میں آئے، ایک حد تک پورے جسم میں طاقت آگئی تھی، جمعہ ۲۶/ستمبر کو شیخ ابوالقاسم مدنی حفظہ اللہ اور کئی لوگ اسپتال میں تھے، ممبئی سے آپ کے چھوٹے بھائی برادرم شفیق احمد بھی تھے وہاں بڑی دیر تک گفتگو رہی، آپ بھی بات چیت میں حصہ لیتے رہے، اچھی خبر آئی۔ ۲۷/ستمبر ۲۰۱۴ء بروز سنیچر ڈاکٹر نے جانچ کی، حالات نارمل رہے اور پھر گھر جانے کی اجازت دے دی، حسب معمول ۲۷/ستمبر کی شب تقریباً ۹ بجے جب میں نے حالات کی جانکاری کے لئے فون کیا تو معلوم ہوا کہ سب لوگ گھر آرہے ہیں، گزشتہ دن کے حالات کی روشنی میں ہم لوگ خوش تھے کہ حالات زیادہ بہتر ہیں اس لئے گھر آرہے ہیں، مگر ہم لوگوں کی یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی۔ کیوں ۲۸/ستمبر کی دلخراش خبر نے یہ کہنے پر مجبور کیا کہ ڈاکٹر نے حالات کو بھانپ لیا تھا تب اسپتال سے چھٹی دی تھی، صحت کی بنیاد پر نہیں دی تھی، تاکہ گھر آرام سے پہنچ جائیں اور گھر والوں سے خوشی خوشی ملاقات کرلیں۔

ایک ماہر اور متعارف ڈاکٹر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے آپ کی بیماری اور علاج کے متعلق جانکاری حاصل کی، پوری کیفیات سننے کے بعد انہوں نے کہا: یوریا اور گردہ کی وجہ سے ان کی وفات نہیں ہوئی ہے بلکہ ان کی وفات آپریشن کے وقت کسی اہم رگ میں خون جم جانے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ ڈاکٹر اپنے آپریشن کے فیل ہونے کو نہیں بتلا رہے ہیں۔

۲۸/ستمبر اتوار کو بعد صلاۃ ظہر آپ کی طبیعت کچھ مضمحل ہوئی مگر ہم لوگوں کو اطلاع نہیں ملی، بعد صلاۃ عصر عزیزم محمد کا فون آیا کہ آپ فوراً آیئے اور کسی ڈاکٹر کو لے کر آیئے، ابو کی حالت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی ہے، یہ سنتے ہی میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے یا

الٰہی! یہ کیا ہوگیا؟ اور اب کیا ہونے والا ہے؟ فون آنے سے پہلے ہی میں مولانا سے ملنے کے لئے جارہا تھا مگر اس فون نے میرے پیروں میں مزید چستی بھر دی۔ میں فوراً پہنچا، دیکھا تو حالت دگرگوں تھی فوراً دو ڈاکٹر آئے اور علاج شروع کر دیا مگر افاقہ نہیں ہوا۔ پھر ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ انہیں فوراً پی جی آئی لکھنؤ لے جائیں، ویسے اس وقت فاطمہ اسپتال میں داخل کر دیں اور صبح لکھنؤ جائیں۔ فوراً ایمبولینس آئی اور ہم تین آدمی (شیخ ابوالقاسم مدنی، عزیز غیاث الدین سلمہ اللہ اور راقم الحروف) فاطمہ اسپتال کے لئے روانہ ہوئے، میں اگلی سیٹ پر تھا، مولانا ابوالقاسم مدنی اور غیاث الدین مولانا کے بغل میں بیٹھے تھے، تھوڑی دور جانے کے بعد مولانا ابوالقاسم صاحب نے زور سے کلمۂ توحید کی تلقین کی اور فوراً مجھ سے کہا کہ ذرا دیکھئے شیخ جی کو بلایئے۔ فوراً مڑا، آواز دی مگر اب کہاں میری آواز سننے والے ہیں وہ ہم سبھوں کو چھوڑ کر اپنے دائمی گھر جا چکے تھے۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا، ایمبولینس واپس آئی اور دوسرے دن ۲۹ ستمبر کو بعد صلاۃ ظہر دو بجے مئو میں تدفین عمل میں آئی، اہالیان مئو، اہل علم کی ایک جماعت اور جامعہ سلفیہ بنارس کے احباب بھی شامل تھے، علم وشرافت کا یہ نیر تاباں ہمیشہ ہمیش کے لئے خاموش ہوگیا ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

پسماندگان:

مولانا رحمہ اللہ پانچ بھائی تھے، سب سے بڑے بھائی محترم محی الدین صاحب کا آپ سے پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ باقی ان کی اور دیگر ۳ بھائیوں کی اولاد اور پورا خاندان بھرا پڑا ہے۔ ان کے علاوہ آپ کی شریک حیات کے علاوہ چار بیٹے، تین بیٹیاں دس نواسے نواسیاں اور چار پوتے پوتیاں موجود ہیں، ایک اطمینان بخش بات یہ ہے کہ تینوں بیٹیوں کی شادی ہو چکی ہے صاحب اولاد ہیں اور خوش حال ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی خوشی برقرار رکھے، آمین۔

بیٹوں میں سب سے بڑے مولوی غیاث الدین ندوی ہیں جو صاحب اولاد ہیں، برسر روزگار ہیں اور اب انہیں کے کندھوں پر گھر کا سارا بوجھ آن پڑا ہے، ان سے چھوٹے عزیزم اظہر الدین ہیں جو بی ایس سی کرنے کے بعد ایم ایس سی کرنا چاہتے تھے مگر الٰہی فیصلہ کچھ اور ہی تھا۔ شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ میں داخلہ نہیں ہوسکا تو مولانا کی بیماری کی وجہ سے کہیں دور نہیں جاسکے اور اب تلاش معاش کے لئے ممبئی کا رخ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کامیاب کرے۔

تیسرے نمبر کے صاحب زادے عزیز محمد سلمہ بی کام کر رہے ہیں اور سب سے چھوٹے صاحبزادے عزیز ضیاء الدین سلمہ امسال ہائی اسکول کا امتحان دیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کامیاب کرے، اللہ مسبب الاسباب ہے، بظاہر تو یہ بچے یتیم نظر آرہے ہیں اور فکر معاش کے لئے ابھی کچھ ہمت نہیں جٹا پاتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ روزی دے رہا ہے، اور دے گا اور ضرور کوئی سبیل پیدا کرے گا، وہ یوں ہی بے کار نہیں چھوڑے گا۔ وہی سب کا حامی وناصر ہے۔

(ماہنامہ التبیان دہلی۔ جنوری ۲۰۱۵ء)

□□□

شاعر اسلام حیرت بستوی

حیات وکارنامے

۱۹۳۱ء.....۲۰۱۵ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

ضلع بستی سدھارتھ نگر کی مردم خیز سرزمین سے جہاں بہت سارے اساطینِ علم دین اور ماہرین شرع متین ابھرے، وہیں اس خطۂ علمی کو شعر سخن اور ادب نوازی کا بھی شرف حاصل رہا ہے۔ اور مختلف شعراء، ادباء اور فنکار یہاں پیدا ہوئے۔ مولانا ذکر اللہ ذاکر ندوی، عبدالمبین منظر، انجم جمال اثری، عارف سراجی، حامد سراجی، انور بستوی، عبدالعلیم ماہر ان کے علاوہ موجودین میں عتیق اثر ندوی، شائق بستوی، طاہر سلفی، عزیز الرحمن سلفی، تابش لیس نگری، سالک بستوی اور دیگر فضلاء وشعراء کو کون نہیں جانتا۔ مگر بزم شعر وسخن کے اس میدان کے ایک عظیم المرتبت شاعر جنہوں نے ایک الگ انداز اور اسلوب کی شاعری کی اور اس کا ذوق اور مزاج لوگوں کو دیا جسے ہم دعوتی اور اصلاحی شاعری یا باحوالہ مستند اسلامی شاعری کہہ سکتے ہیں۔ انہیں دنیائے علم وداب میں قلمی نام ''حیرت بستوی'' سے جانا جاتا ہے۔ ذیل میں ان کی حیات وخدمات کی ایک جھلک پیش کی جارہی ہے تاکہ علم وعمل کا یہ میدان ہمیشہ ہماری نسل نو کو اپنے بزرگوں اور اسلاف کرام کی عبرت آموز قربانیوں سے رشتہ مضبوط رکھنے میں مشعل راہ ثابت ہو۔ اللہ غریق رحمت فرمائے اور آپ کی لغزشوں کو معاف کرے۔ اور آپ کی خدمات کو آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین۔

نام ونسب: عبدالرؤف سلمانی بن الحاج حکم دار سلمانی ملقب بہ حیرت بستوی، آپ نے شعر وسخن اور علم وفن کی دنیا میں حیرت بستوی کے قلمی نام سے شہرت حاصل کی اور یہی نام آپ کی اور آپ کی شاعری اور فنکاری کی پہچان بن گیا۔

تاریخ ولادت: ۶/اکتوبر ۱۹۳۱ء کو ضلع سدھارتھ نگر یوپی کے مشہور قصبہ شہرت گڑھ سے قریب ایک مشہور گاؤں انتری بازار میں ولادت ہوئی۔ یہ وہی گاؤں ہے جسے جماعت کی ایک بزرگ شخصیت مولانا محمد زماں رحمانی اور آپ کے فرزند مولانا عبدالحنان فیضی مفتی جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر اور ان کے خانوادہ علم وفن کے مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہاں کسی زمانہ میں ایک بہترین عربی درس گاہ بحر العلوم، انتری بازار کے نام سے بے حد شہرت یافتہ تھی۔ مگر مرور زمانہ اور غیر جماعتی اور تحریکی انداز فکر کے سرد یلغار نے اسے بھی مرجھانے پر مجبور کردیا۔ اللہ ہمارے جماعتی قلعوں کی باطل افکار ونظریات اور ان کے حاملین اصحاب شبہات وشہوات کی دسیسہ کاریوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین

تعلیمی لیاقت: (۱) کامل (۲) ادیب کامل (۳) ایم، اے (۴) اور اسی طرح کئی اعلیٰ ڈگریوں کے آپ حامل تھے۔ گورکھپور یونیورسٹی سے فرسٹ پوزیشن پر کئی اسناد آپ کو تفویض کی گئیں۔

خانوادۂ حیرت: سنت نبوی کے مطابق حیرت صاحب کی شادی زیب النساء نامی خاتون سے ہوئی اور ایک خوشگوار زندگی آپ نے گزاری مگر اللہ کی مشیت سے آپ کو کوئی اولاد نہ ہوئی جس کی وجہ سے آپ کے شعری ذوق اور سوز و درد سے بھرپور نغمات سے ہم یکا یک محروم ہو گئے۔ آپ کے خانوادہ میں آپ کے بھائی اور ان کے لڑکے وغیرہ ہیں جو انتہائی تعلیم یافتہ اور سلیقہ مند مانے جاتے ہیں ان کا شجرۂ نسب وسلسلہ حسب ملاحظہ کریں:

شجرہ خاندان:

خاندانی نام:	عبدالرؤف سلمانی
ادبی نام:	حیرت بستوی
والدہ ماجدہ:	پھلیلہ خاتون
ہمشیرہ:	صابرہ خاتون
جیون سنگنی:	زیب النساء

عزیز القدر برادر: عبداللطیف سلمانی آئی۔جی۔ڈی۔ایچ۔ٹی۔سی۔ایم۔اے (عمرانیات) □ حسیب النساء، رفیقۂ حیات ماسٹر عبداللطیف سلمانی □، نفیسہ خاتون دختر نیک اختر ماسٹر عبداللطیف سلمانی۔

ابناء الاخ: لیکھ پال لقمان، حمران احمد سلمانی (انٹر) ذی شان احمد سلمانی (ہائی اسکول) حال نزیل مدینہ منورہ، وزان احمد سلمانی (جونیئر ہائی اسکول)، حسان احمد (انٹر سائنس کے ساتھ) (یہ شجرہ حیرت صاحب نے اپنی کتاب ''شعاع قلم'' کے اخیر میں شامل اشاعت کیا ہے۔) (شعاع قلم: ص ۱۹۲)

تصنیفات وشعری مجموعات: حیرت بستوی کی شاعری کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ قرآنی آیات اور مستند احادیث مبارکہ اور صحیح اسلامی واقعات کی اشعار میں بہترین ترجمانی کرتے تھے اور اس میں انہیں اللہ نے ایک راسخ ملکہ عطا کیا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اپنے شعری فکر اور سوچ کے لئے معتبر حوالے بھی ساتھ میں تحریر کرتے تھے۔ شعر وسخن کی دنیا میں اس طرح کی شاعری بہت ہی کمیاب نظر آتی ہے۔ اور یہ اچھوتا انداز اور نرالا اسلوب حیرت صاحب کے حصہ میں قدرت نے عطا فرمایا تھا۔ آپ کے شعری مجموعات درج ذیل ہیں:

(۱) نغمہ کہکشاں (۶۶ صفحات)، (۲) ریحان ایمان (۴۸ صفحات)، (۳) شعاع حرم (۱۸۴ صفحات)، (۴) شعاع قلم (۱۹۲ صفحات) یہ تمام مجموعے توحید وسنت، حمد ونعت اور مستند اسلامی اور اصلاحی قطعات ونظموں پر مشتمل ہیں۔

حیرت بستوی اہل علم کی نگاہ میں:

۱۔ مشہور شاعر فضا ابن فیضی کے تاثرات: حیرت بستوی اسلامی شاعری کے ایک نمائندہ شاعر ہیں جنہوں نے شاعری کے ذریعہ توحید وسنت کے جام لنڈھائے ہیں: (شعاع قلم: ۱۸۷)

۲۔ مشہور ادیب اور قلم کار ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری کے کلمات: محترم حیرت بستوی کا کلام اسلامی ادب کی بہترین ترجمانی کرتا

ہے، موصوف نے قرآن وحدیث کے معانی کو شعر کا جامہ پہنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ زبان کی سلاست اور وقتی تقاضوں کی رعایت اس پر مستزاد ہے۔ (شعاع قلم:۱۹۱)

۳۔ مولانا محمد مستقیم سلفی سابق شیخ الجامعہ السلفیہ بنارس کے خیالات: موصوف کا شمار غزل گو اور قادر الکلام شعراء میں ہوتا ہے آپ تقریباً نصف صدی سے علمی وادبی رسائل وجرائد اور دینی وتبلیغی مجالس میں اپنی علمی بصیرت کے جوت جگا کر بالغ نظر ادباء، علماء اور خطباء سے خراج تحسین حاصل کر رہے ہیں۔ (شعاع قلم:۱۸۷)

۴۔ تسنیم فاروقی لکھنؤ: نغمہ کہکشاں بہر حال اس قابل ہے کہ اس کے روشن خدوخال سے اکتساب سخن کیا جا سکے۔ (شعاع قلم:۱۸۹)

۵۔ مشہور ادیب مجاز اعظمی مئو: شعاع حرم پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: یہ مجموعہ جو شعاع حرم کے نام سے زیر تبصرہ ہے اپنے طرز بیان اور معانی کے اعتبار سے ایسا ہے کہ ناخواندہ شخص بھی اس روحانی پیغام کو سن کر جھوم اٹھے گا اور اس کے مواد پر اس کا دل محو ہو جائے گا۔ (شعاع قلم:۱۸۵)

وفات: حیرت صاحب کی زندگی آخری عمر تک رواں رواں تھی ہمیشہ جماعت اور اہل علم سے وابستگی رہی اور چلتے پھرتے ہر دم کہیں نہ کہیں اجلاس اور کانفرنسوں میں نظر آجایا کرتے تھے۔ انتہائی سنجیدہ طبیعت اور ہمیشہ فکر وفن کی دنیا میں گم، مگر موت سے کس کو رستگاری ہے۔ ایک دن باری آگئی اور عرش والے کا بلاوا آہی گیا، بالآخر عمر عزیز کی آٹھ دہائیاں مکمل کر کے ۵/مارچ ۲۰۱۵ء بروز جمعرات اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اللھم اغفر لہ وارحمہ ادخلہ الفردوس الاعلیٰ

(ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی، نومبر ۲۰۱۷)

□□□

علامہ حیرت بستوی ایک اسلامی شاعر

سالک بستوی

ایک راسخ العقیدہ قلم کسی کی موت اور کسی کی زندگی سے یوں تو کسی طرح کا شگون نہیں لیتا، پر شدت کے ساتھ نقصانات اور محرومیوں کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ پاتا، شاعر اسلام علامہ حیرت بستوی کے اٹھ جانے سے اردو ادب اور علمی دنیا کو جو صدمہ پہنچا ہے سر دست تلافی مافات کے ساز وسامان نظر نہیں آتے، یہ اپنے سینوں میں حساس دل، آنکھوں میں مشاہدات کا گہرا رنگ اور سسکتی اور کراہتی ہوئی انسانیت کے لئے نسخہ ہائے کیمیا رکھتے تھے۔

زمانے بھر کو محبت کی روشنی دے کر
اندھیری قبر میں وہ مہربان سویا ہے
جو میں نے قبر کو دیکھا تو یوں ہوا محسوس
زمیں کی گود میں اک آسمان سویا ہے

جناب حیرت بستوی صاحب کثیر الجہات خوبیوں کے مالک تھے ان کا دائرہ فکر بڑا وسیع تھا ان کی زندگی کا ہر لمحہ ایک نئی جہت تھی اور جب تک کسی فرد میں یہ جذبہ نہ ہو اس کی زندگی میں کوئی بیداری نہیں ہوتی۔

حیرت بستوی صاحب شعری دعوت وتبلیغ کے اک کوکب دری تھے آپ کی زندگی مسلک وجماعت کے لئے وقف تھی جس کا وجود کحل الجواہر سے کم نہیں تھا افسوس اس شجرہ طوبیٰ کے گھنیرے سایوں سے ہم محروم ہو گئے۔

افسوس اک خلوص کا پیکر چلا گیا
بحر ادب کا قیمتی گوہر چلا گیا
سکتہ میں کیوں نہ ہو بھلا اسلامی شاعری
ناز سخن تھا جو وہ سخنور چلا گیا

آپ کی ذات میں ایثار وخلوص، شرافت ومروت، وفاداری، وضع داری، کشادہ قلبی اور انسانی دوستی کے جلوے قرینے کے ساتھ سجے ہوئے تھے بقول جگر مرادآبادی۔

عرش تک ہو نہیں سکتی جو رسائی نہ سہی
یہی انسان کی معراج ہے انساں ہوجائے

وہ روز اول کی طرح آخری دم تک جوش وخروش کے ساتھ دین اسلام کی سربلندی میں سرگرمی کے ساتھ منہمک تھے، ان کے منفی

آثار نہ ذہن پر تھے، نہ جسم پر، نہ نوک قلم پر، وہ پامال روش پر چلنے سے گریز کرتے تھے، نئے نئے گوشوں کی تلاش میں نہ جانے کتنے کتابوں کو کھنگالتے رہتے تھے، اپنے گھر کے صحن میں موصوف نے اپنے سرمایہ سے ایک مسجد کی تعمیر فرمائی تھی اسی مسجد میں کتابوں کے مطالعہ میں ہمہ تن مصروف رہتے۔ آپ کی چار کتابیں نغمۂ کہکشاں، ریحان ایمان، شعاع حرم اور شعاع قلم طبع ہوکر تشنہ کامان شعروادب کو سیراب کرچکی ہیں۔

حیرت بستوی صاحب کے کلام میں ایک خاص بات یہ تھی کہ عقیدہ کی پختگی کا درس اشعار کے قالب میں ڈال کر نہایت ہی عمدہ پیرایہ میں پیش فرمایا کرتے تھے، ان کی کتابوں میں قرآن وحدیث، تاریخ وسیر کے حوالہ جات اتنے ہیں کہ قارئین پڑھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ آپ کے شعاع قلم کے تفکرات ملاحظہ فرمائیں۔

التجا، انتباہ، افکار عالیہ، حمد کی ڈائری، اجرحسن، منشور، وعظ حسن عمل، مصاحبہ، بے بسی، فیصلہ، ہمقدم، آفتاب حرا، کیمیائے سعادت، دنیا عجب بازار ہے، حاکم زندگی، حدیث دلبری وغیرہ۔ روزنامہ انقلاب ممبئی مجریہ ۲۰۰۵ء نے ریحان ایمان کو ایک خوبصورت تحفہ کہا ہے، نغمۂ کہکشاں پر ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازھری نے ماہنامہ محدث میں گیارہ صفحات پر تبصرہ فرمایا ہے اور نغمۂ کہکشاں پر نیا دور لکھنو میں تسنیم فاروق نے بڑا زوردار تبصرہ فرمایا ہے، غنچہ بجنور نے یکم اکتوبر ۱۹۵۷ء میں ایک شاندار نظم شائع کی ہے۔ سالنامہ رسالہ غنچہ ۱۹۵۳ء بجنور میں بچوں کی دعا۔

گل بن کے مسکراؤ سبزوں سا لہلہاؤ
وہ بانکپن دکھاؤ رنگیں فضا پہ چھاؤ
بچو چمن سجاؤ بچو چمن سجاؤ

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول مرتب حضرت مولانا داؤد راز صاحب تاریخی قطعات چراغ اوج محفل ۱۳۷۲ھ اور ہدیہ غیر فانی ۱۳۷۳ھ آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ماہنامہ فروغ اردو شمارہ ماہ ستمبر ۱۹۶۵ء میں ایک غزل شائع ہوئی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

آج کی محفل میں شربت بھی ہے سم الفار بھی ہے
حق پرستی کا صلہ انعام بھی ہے دار بھی ہے
آشیاں ہے اور حیرت بجلیوں کا وار بھی ہے
کوشش تعمیر بھی تخریب کا اوزار بھی ہے

حیرت بستوی صاحب نے شعاع قلم کو چار عنوانات دیئے ہیں، مشک خلد بریں (حمد ونعت اور اسلامی نظمیں) نغمۂ معتبر (غزلیات اور جمہوری نظمیں) آبدیدۂ بیاں عطر نقد ونظر (تبصرہ وتنقید) ملاحظہ فرمائیں۔

بنالو درختوں کو لکھنے کا آلہ
سمندر کی امواج کو روشنائی

زمیں پر لکھو حمد رب زمانہ
نہ ہوگی کبھی ختم رب کی بڑائی

توحید کے اشعار ملاحظہ فرمائیں

کیوں کسی دیوتا کا پجاری بنوں
دیوتا آدمی کو بناتا ہے نہیں
رب کونین کی یہ مدھر شان ہے
رزق تقسیم کرتا ہے کھاتا نہیں
رب کا سجدہ کررہے ہیں مہرومہ انجم شجر
یہ زمیں کیا آسماں کا بھی وہی سلطان ہے
قطرۂ شبنم نہ دے پائیں گے ابدال وصنم
ابردریا باد کا یہ دلربا اعلان ہے
گھر پہ غیروں کے قبضہ مناسب نہیں
قبر کی کوٹھری کہہ رہی ہے میاں
کھل کے کہتے ہیں کھنڈر کپل وستو کے
رب کی ہستی بہت ہی بڑی ہے میاں
دیوتا کون ہے جو بلادے اسے
یہ سڑی کھوپڑی جو پڑی ہے میاں
بندگی صرف اس کی بھلی ہے میاں
جس کی بخشی ہوئی زندگی ہے میاں
غور سے تونے اس کو پڑھا ہی نہیں
زندگی حمد کی ڈائری ہے میاں
کسی کی قبر کے اندر زمیں داری نہیں ہوتی
یہ فرعون وثمود وعاد وتبع کی کہانی ہے
کئی ٹکڑوں میں وہ دشمن کی آنتوں کو اتارے گا

سنوائے کافرو دوزخ کا اتنا گرم پانی ہے
قلم کی نوک سے تحریر کا چشمہ ابلتا ہے
قلم کی روشنائی پی کے ہر مضمون پلتا ہے
قلم افکار کے ہیروں کو کاغذ پر اگلتا ہے
قلم کے فیض سے اہل نظر کا دل بہلتا ہے
جو چاہو خدا کے کرم کا اجالا
جگر میں بسا لو حرم کا اجالا
سجایا ہے مولا نے عرش بریں تک
محمد کے نقش قدم کا اجالا

آبدید و بیان میں حیرت بستوی صاحب نے جماعت کے مقتدر علماء جو دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں، ان کی خوبیوں کو نظم میں وضاحت فرمائی ہے۔ مثلاً مناظر اسلام مولانا عبدالمبین منظر سمراوی، شیخ الحدیث علامہ ابوالحسن عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری، علامہ ناصر الدین البانی، مولانا رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری، ڈاکٹر مقتدی حسن ازھری، مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی، مولانا مفتی عبدالعزیز مئوی، مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا مجاز اعظمی، مولانا ذاکر ندوی، مولانا محمد اقبال سلفی موتی پوری، مولانا عبدالرشید ازہری، منشی عبدالتواب صاحب والد محترم مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگری، مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا مختار احمد ندوی، مولانا عبدالحق قاسمی وغیرہ۔

سوانحی خاکہ: نام: عبدالرؤف سلمانی بن الحاج حکم دار سلمانی

قلمی نام: حیرت بستوی

ولادت: ۶؍اکتوبر ۱۹۱۳ء (انتری بازار، سدھارتھ نگر)

تعلیمی قابلیت: کامل، ادیب کامل، ایم اے، آئی ڈی ایچ ٹی سی وشاردہ دیاواچسپت دھرم رتن، وشاردہ اردو اساتذہ اہلیتی سرٹیفکیٹ فرسٹ ڈویزن، اردو میں گورکھپور یونیورسٹی سے فرسٹ پوزیشن۔

شعری مجموعہ: نغمۂ کہکشاں، ریحان ایمان، شعاع حرم، شعاع قلم۔

۱۹۷۳ء میں تلاش علم کے لئے جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور پہنچا تو اسے قدرت کی خصوصی دست گیری کہنا چاہیے کہ مجھے حیرت بستوی صاحب جیسا مخلص، غمگسار، چارہ ساز مل گیا جوں جوں اجنبیت کا پردہ چاک ہوتا گیا بے تکلفیاں بڑھتی گئیں پھر ایسا محسوس ہوا کہ ہم دونوں ایک ہی راہ کے راہی ہیں اور میں نے لالہ صحراء اپنے بارے میں لکھا بھی ہے۔

کہ میری فکر کسی سخنور مربی کی تلاش میں بھٹک رہی تھی اور میں خود اپنی قلمی کاوشوں پر خندہ زن اور متاسف تھا کہ مخدوی عالی

جناب علامہ حیرت بستوی صاحب جیسا مشفق اور خردنواز و محسن مل گیا، واقعہ یہ ہے کہ میرے قلم کو کجروی سے بچانے اور میری فکر کو صحیح سمت دینے میں حیرت بستوی صاحب کی کوششوں کا بھرپور دخل ہے۔

آج علامہ حیرت بستوی ہم میں نہیں ہیں مگر ان کے یہ اشعار و ادبی کارنامے انہیں آفاق ادب میں ہمیشہ زندہ رکھیں گے ان شاء اللہ۔

آنکھوں میں نئے خواب بسائے جس نے
راہوں میں نئے دیپ جلائے جس نے
لو اٹھ گئے محفل سے وہ حیرت صاحب
شعروں کے لئے پھول کھلائے جس نے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی لغزشوں کو معاف فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔ ۱ جنوری ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

شیخ الحدیث مولانا امان اللہ خاں فیضی رحمہ اللہ بہار

۱۹۳۳ء.....۲۰۱۵ء

مولانا محمد سکندر اصلاحی محمد پور، پٹنہ

دینی وجماعتی حلقوں میں یہ خبر انتہائی افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ استاذ محترم حضرت مولانا امان اللہ خان فیضی نے بتاریخ ۴ رذی قعدہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۹ رستمبر ۲۰۱۵ء بدھ کی رات ۲ بجے طویل علالت کے بعد ۷۵ سال کی عمر میں اس دار فانی کو الوداع کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وصیت کے مطابق ان کا جسم خاکی بذریعہ ایمبولینس (Ambulance) دہلی سے ان کے آبائی گاؤں بھکور ہر ضلع سیتامڑھی لایا گیا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ صلوۃ جنازہ ان کے بڑے صاحبزادے عزیزم مولانا علی اختر مکی استاذ جامعہ ریاض العلوم، دہلی نے پڑھایا۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں
نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو ترا
مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپ ایک سلفی جید عالم دین اور بے باک مقرر تھے، منطق، فلسفہ کے علاوہ تفسیر، حدیث اور فن میراث پر گہری نظر تھی۔ شروع سے ہی درس وتدریس سے وابستہ رہے، اس لئے تصنیفی میدان میں کام کرنے کا موقعہ نہیں ملا، آپ کی جدائی سے جماعت اہل حدیث کو بڑا جھٹکا لگا اور ایک خلا پیدا ہوگیا، جس کا پر کرنا ممکن نظر نہیں آتا۔ آپ نے مدرسہ فیض عام مئو ناتھ بھنجن (یوپی) سے ۱۹۵۰ء میں فراغت حاصل کی، آپ ایک مشہور علمی خانوادے کے چشم وچراغ تھے، والد ماجد مولانا تسلیم خان رحمانی دہلی کے مشہور ومعروف سلفی ادارہ دارالحدیث رحمانیہ کے فارغین میں سے تھے۔ صاحبزادوں میں عزیزان مولانا علی اختر مکی اور مولانا ولی اختر ندوی بھی جید عالم دین ہیں۔ عزیزم مولانا علی اختر مکی کے صاحبزادہ عزیزم محمد ساجد سلمہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں زیر تعلیم ہیں۔ تو گویا ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کے مصداق ہیں۔

فراغت کے بعد صادقانِ صادق پور پٹنہ کے تحریکی اداروں مدرسہ اصلاح المسلمین پتھر کی مسجد پٹنہ سے تدریس کا آغاز ۱۹۵۲ء سے کیا اور چند سال تدریسی فریضہ انجام دیا۔ پھر جب مرکزی دارالعلوم بنارس (جامعہ سلفیہ) کا قیام ۱۹۶۳ء میں عمل میں آیا تو وہاں ماہر فن اساتذہ کی ضرورت تھی، باہمی مشورہ سے آپ نے بنارس کا رخ کیا، دو سال آپ نے خدمت کی اور اپنی علالت کی وجہ سے بنارس کو خیر آباد کہا۔ پھر اپنے گھر کے قریب ایک ہائی اسکول میں اردو فارسی پڑھانے کا فریضہ انجام دیا۔ جب ذمہ داران مدرسہ اصلاح

المسلمین پتھر کی مسجد پٹنہ کو معلوم ہوا کہ آپ گھر ہی میں قیام پذیر ہیں تو اہل پٹنہ نے دوبارہ آپ کو خدمت کے لئے مدعو کیا، اس وقت شیخ الحدیث کے عہدے پر مولانا عبدالغفار صاحب آرویؒ فائز تھے، تدریسی فریضہ انجام دینے کے بعد فتاویٰ کا جواب بھی دیا کرتے تھے۔ آپ کے انتقال کے بعد استاذ گرامی حضرت مولانا صداقت حسین صاحبؒ دوستیا چمپارن (والد ماجد ڈاکٹر ابوالحیات اشرف صاحب علیگ) نے یہ عہدہ سنبھالا، جب آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور آپ ذی فراش ہو گئے تو آپ کی جگہ استاذ گرامی حضرت مولانا امان اللہ خاں فیضی نے لی اور بہت خوش اسلوبی سے چلایا۔ درس وتدریس، افتاء، جامعہ کے نظم ونسق کے علاوہ مستقل طور پر جامع مسجد گرہٹہ میں خطابت وامامت کا فریضہ انجام دیتے رہے، آپ حافظ قرآن بھی تھے، تراویح میں قرآن مجید جامع مسجد شاہ گنج، قصاب ٹولہ، پٹنہ میں سنایا کرتے تھے اور رمضان میں خطابت وامامت کا فریضہ بھی اسی مسجد میں انجام دیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ کئی برسوں تک چلتا رہا، آپ کے متعارفین کی تعداد پٹنہ میں کثیر تھی، لیکن ایسے لوگ پیوند خاک ہو گئے اور نئی پود ناواقف ہے۔

پھر اچانک حالات نے کروٹ بدلی اور مدرسہ کے ناخوشگوار ماحول کی وجہ سے آپ نے مدرسہ کو خیر آباد کہا۔ وقتی طور پر آپ نے شاہ گنج، قصاب ٹولہ، پٹنہ کے ایک مکتب میں جگہ پکڑی اور دینی خدمات میں مصروف ہو گئے، عزیز گرامی مولانا علی اختر سلمہ کو نحو کی مشہور اور پیچیدہ کتاب کافیہ کا اسی مکتب میں درس دیتے رہے سبق یاد نہ ہوتا تو سلمہ کی زبردست خبر لیتے تھے۔ میرا گھر اسی محلہ میں واقع ہے اس لئے میں اکثر مکتب میں علمی استفادہ کی غرض سے جایا کرتا تھا۔ آپ کی علمی صلاحیت بہت زبردست تھی۔ جامعہ ریاض العلوم دہلی میں اس زمانہ میں جگہ خالی تھی آپ کو مدعو کیا گیا، آپ نے لبیک کہا، اور مولانا عبدالسلام بستویؒ کے جامعہ ریاض العلوم میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا، کافی عرصہ تک آپ وہاں صحیح بخاری اور دیگر علوم وفنون کا درس دیتے رہے۔ عمر زیادہ ہوگئی اور سفر کرنا دشوار معلوم ہوا تو آپ نے دہلی کو بھی چھوڑ دیا، دہلی کے بعد آپ اپنے گھر کے قریبی ادارہ جامعہ ابن تیمیہ چندن بارہ مشرقی چمپارن تشریف لائے اور مسند درس کو سنبھالا اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے کئی سالوں تک درجات علیا کے طلبہ کو کتاب وسنت کا درس دیا۔ آپ کی شخصیت طلبہ اور اساتذہ کے مابین کافی مقبول تھی، ان کے مشفقانہ برتاؤ اور کریمانہ اخلاق کی وجہ سے طلبہ بہت جلد ان سے مانوس ہو جاتے تھے، انہوں نے کم وبیش پچاس سال تک تدریسی فریضہ انجام دیا۔ پھر ضعیف العمری کی وجہ سے آپ نے جامعہ ابن تیمیہ کو بھی چھوڑ دیا، لیکن تبلیغی مشن برقرار رکھا اور اپنے گاؤں میں ایک چھوٹا سا مدرسہ قائم کر کے بچے اور بچیوں کی تعلیم کا نظم کیا۔

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تعزیت کے سلسلہ میں اپنے رسول مقبول ﷺ کے طریقے اور علماء سلف کے مؤقف کو مختصراً ہدیہ قارئین کرتا چلوں، فرمان رسول ہے "بلغوا عنی ولو آیۃ" ہماری طرف سے ہر وہ بات جو تمہیں معلوم ہو اگرچہ معمولی اور مختصر سی کیوں نہ ہو دوسروں تک پہنچا دو۔ تعزیت سنت رسول ہے، لیکن تعزیتی مجلس کا انعقاد شرعاً غلط ہے یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا اسلام میں کوئی تصور نہیں، رسول اللہ ﷺ کے فرمان گرامی سے اس بدعت کی تردید ہوتی ہے "من احدث فی امرنا ھذا مالیس منا فھو رد" (صحیح بخاری) جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جس کا ہماری لائی ہوئی شریعت میں کوئی ثبوت نہ ہو وہ مردود ہے۔

اس لئے کسی بڑی یا علمی شخصیت کی وفات پر جمع ہو کر تعزیتی جلسہ کرنا اور پھر وفات پانے والے شخص کے تعارف کے لئے اس کے کارنامے کو بیان کرنا، اس کی تعریف میں غلو سے کام لینا اور پھر اختتام پر اس کے لئے اجتماعی دعا کا اہتمام کرنا جائز نہیں، اگر ایسا کرنا جائز ہوتا

توسلف صالحین ضرور اس کو انجام دیتے، نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کسی کی وفات کی خبر پا کر لوگوں کو جمع ہونے کا حکم فرماتے اور اجتماعی دعا کا اہتمام فرماتے۔ غزوۂ موتہ کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ کو بذریعہ وحی الٰہی حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بھی ان کی شہادت کی بات بتائی، اسی طرح نجاشی کی وفات کی خبر صحابہ کرامؓ کو دی، مگر ان دونوں موقعوں پر نہ تو لوگوں کو جمع کیا اور نہ ہی ان کے کارناموں کو بیان فرمایا اور نہ ہی اجتماعی دعا کا اہتمام کیا، لیکن برصغیر ہندوپاک کے بیشتر مدارس اسلامیہ میں ایسا ہوتا کہ جامعہ یا مدرسہ کا کوئی ذمہ دار یا کوئی عظیم شخصیت کے مرجانے کی خبر موصول ہوتی ہے تو تعزیتی جلسہ منعقد کیا جاتا ہے اور اخیر میں ان کے لئے اجتماعی دعا کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس لئے ہمیں ہر اس عمل سے گریز کرنا چاہیے جس پر کوئی شرعی دلیل نہ پائی جائے۔ (بحوالہ جنازے کے مسائل مکتب توعیۃ الجالیات، سعودیہ عربیہ)

بالآخر رشد وہدایت کا یہ نیر تاباں، علم وعمل کا پیکر جس کو موت نے اپنی آغوش میں لے لیا، اسلام کا سچا ترجمان جماعت اہل حدیث کو روتا بلکتا ہوا چھوڑ کر ۹ ستمبر ۲۰۱۵ء کو رخصت ہوگیا۔ کارخانہ قدرت کا نظام یہی ہے اس کے خلاف کوئی دم نہیں مار سکتا نہ اپنی خواہش سے کوئی آسکتا ہے، نہ کوئی اپنی خواہش سے جاسکتا ہے۔ یہ نظام الٰہی اور قانون فطرت ہے موت ہر ذی حیات کی تقدیر ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **کل من علیھا فان** "اس دھرتی پر جو بھی ہے اسے فنا سے دوچار ہونا ہے۔ اسی قاعدہ کلیہ کے تحت آپ کو بھی فنا کا لباس زیب تن کرنا پڑا اور تمام وابستگان اور پسماندگان کو آبدیدہ چھوڑ کر عالم فنا سے عالم بقا کی طرف تنہا سفر کرنا پڑا۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ آپ کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے اور آپ کو دامن عفو میں جگہ دے اور ان کو انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت عطا فرمائے۔ آمین۔

زوجہ کے علاوہ آپ کے چار صاحبزادے ہیں۔ آپ کے ہونہار لائق صاحبزادگان میں مولانا علی اختر مکی استاذ جامعہ ریاض العلوم دہلی اور پروفیسر ولی اختر ندوی صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی، جمیل اختر کا تعلق صحافتی میدان سے ہے اور سہیل اختر ندوی سلمہ چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ پسماندگان کے غم میں ہم بھی برابر کے شریک ہیں۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ اپنی بیماری کے سبب (لیور کی نلی جام ہے اور ڈاکٹر نے آرام کرنے کا مشورہ دیا) آپ کے دولت کدہ پر جا نہیں سکا، میں نے ان کے لئے دعاء مغفرت کی اور تلاوت قرآن مجید کے بعد ہر روز مولانا کے لئے دعا کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا، ساتھ ہی اس بات کی بھی وضاحت کرتا چلوں کہ کیا اچھا ہوتا کہ آپ کے دونوں صاحبزادے عزیزان مولانا علی اختر مکی اور مولانا ولی اختر ندوی پروفیسر دہلی یونیورسٹی والد ماجد کے نام سے ایک نمبر شائع کرنے کا بیڑا اٹھاتے تو آئندہ نسل اپنے اسلاف کو پہچانتی اور ان کی خدمات سے واقف ہوتی۔

اخیر میں ہم اور ہمارے تمام اعزہ واقارب، احباب واخوان جماعت، ملت اسلامیہ کے باحوصلہ افراد آپ کی تعلیمی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہیں کہ رب کریم مرحوم کی تمام نیکیوں کو قبول فرمائے، ان کی کوتاہیوں، لغزشوں کو معاف فرما کر اپنی رحمت سے ان کو نیکیوں میں بدل دے اور ان کو کروٹ کروٹ آرام نصیب فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

(جریدہ ترجمان ۳۱۔۱۶ جنوری ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

شیخ الحدیث مولانا امان اللہ فیضی رحمہ اللہ

حیات وخدمات

۱۹۳۳ء.....۲۰۱۵ء

آصف تنویر تیمی

ولادت اور ابتدائی تعلیم وتربیت: آپ ۱۹۳۳ء میں صوبہ بہار کے موتیہاری کے گاؤں پٹھان پٹی (جو آپ کا نانیہالی گاؤں ہے) میں پیدا ہوئے۔ اس کے کچھ ماہ بعد آپ اپنے آبائی وطن بھکور ہر چلے آئے، آپ کی تعلیم وتربیت خالص دینی اور علمی ماحول میں ہوئی، چونکہ والد ماجد رحمانی عالم دین تھے اس لئے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا محمد تسلیم رحمانیؒ سے حاصل کی۔ جب کچھ ہوش سنبھالا تو والد صاحب کے مشورہ سے مدرسہ آزاد میں داخلہ لے لیا، اس وقت یہ مدرسہ گہوارہ علم ومعرفت تصور کیا جاتا تھا، بڑے بڑے اساطین علم وفن کی مسندیں وہاں لگتیں، اور عاشقان کتاب وسنت ان سے استفادہ کرتے، یہاں موصوف نے نحو وصرف اور چند دیگر شرعی علوم میں پختگی پیدا کی، خاص طور سے آپ مولوی زبیر صاحب قاسمی رحمہ اللہ کا تذکرہ کرتے، جن کو نحو وصرف میں غیر معمولی کمال حاصل تھا۔

اعلیٰ تعلیم: آپ کی غیر معمولی ذہانت وفطانت کو دیکھتے ہوئے آزاد مدرسہ کے اساتذہ اور ذمہ داروں کا ارادہ تھا کہ آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند جائیں، مگر چونکہ گھرانہ اہل حدیثوں کا تھا، والد ماجد صاحب اسکے لئے بالکل راضی نہ ہوئے، اور منبع علم ومعرفت مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ چلے گئے، آخر کار ایک سال سے بھی کم مدت میں مدرسہ کو خیر آباد کہنا پڑا۔ اور مدرسہ اسلامیہ فیض عام مئو میں داخلہ لیا۔ مئو ہمیشہ سے ماہر علماء وفضلاء کا گڑھ سمجھا جاتا رہا ہے، شہر مئو میں میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بہت سے تلامذہ تھے۔ آپ کی سند سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۵/شوال ۱۳۷۲ھ کو مدرسہ فیض عام میں داخلہ لیا، اور تقریباً چار سالہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ماہ شعبان ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء میں سند فراغت حاصل کی۔ آپ نے فیض عام کے آخری سال میں جو کتابیں پڑھیں ان میں تفسیر جلالین، تفسیر بیضاوی میں سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی تفسیر، صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا امام مالک وغیرہ تھیں۔ یہاں پر یہ لطیفہ بھی ملاحظہ ہو کہ آپ نے ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء میں فراغت حاصل کی، مگر آپ نے سند نہیں لی، اور نہ اس کی ضرورت محسوس کی، کسی نے بھی سرٹیفکٹ نہیں مانگا۔ لیکن دہلی میں قیام کے دوران سند کی تلاش ہوئی، اس وقت آپ کے بڑے فرزند مولانا علی اختر صاحب مکی فیض عام گئے تب ۱۴/اکتوبر ۱۹۸۲ء کو ۲۶ سال بعد آپ کا شہادہ فیض عام سے نکالا گیا۔ اور الحمدللہ یہ شہادۃ آج بھی میرے پاس بطور امانت موجود ہے۔

آپ کے اساتذہ: مولانا محمد تسلیم رحمانی (آپ کے والد ماجد)، مولانا عبدالغفور بسکوہری، مولانا حبیب الرحمن اعظمی، مولانا

مصلح الدین اعظمی (والد ماجد ڈاکٹر مفضل استاذ جامعہ الاسلامیہ سنابل دہلی) مولانا عبداللہ شائق، مولانا احمد صاحب (ناظم مدرسہ فیض عام) مولانا زبیر قاسمی، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا عبدالرحمان نحوی، مولانا فضل الرحمن مظفر پوری وغیرہم۔

تدریسی ذمہ داریاں: ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء میں جب آپ فیض عام سے فارغ ہوئے تو ذمہ داران مدرسہ نے آپ کو مدرسہ میں تدریسی فریضہ انجام دینے کی پیش کش کی، لیکن ساتھ ہی یہ شرط عائد کی کہ ایک سال تک بلا تنخواہ یہ ذمہ داری ادا کریں، شرط آپ کو پسند نہ تھی، اسلئے فیض عام میں تدریسی ذمہ داری ادا نہ کر سکے۔ اور گھر لوٹ آئے، گھر آتے ہی مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ (صاحب مرعاۃ المفاتیح) کا خط موصول ہوا کہ آپ مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لا کر تدریسی فریضہ انجام دیں۔ جامعہ سلفیہ کا یہ ابتدائی زمانہ تھا، ایک سے بڑھ کر ایک قابل اساتذہ اور طلبہ موجود تھے، اساتذہ اور طلبہ دونوں میں علم کا شوق بدرجہ اتم پایا جاتا تھا، ماحول بھی خالص علمی اور دینی تھا، شیخ فیضی رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ مدرسہ تو مدرسہ جب ہم لوگ فجر کے بعد بنارس کی گلیوں اور سڑکوں میں چہل قدمی کے لئے نکلتے تو عام مسلمانوں کے گھروں سے قرآن کی تلاوت کی ایسی آواز آتی کہ گویا شہد کی مکھی گنگناتی ہوں۔ جامعہ کے اکثر طلبہ تہجد گزار تھے۔ آپ اس وقت جامعہ کے کم عمر اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ یہاں آپ نے حجۃ اللہ البالغہ، مشکوۃ المصابیح وغیرہ کتابیں پڑھائیں، آپ کے شاگردوں میں مولانا سلیمان میرٹھی، مولانا رفیق احمد سلفی، (باحث دارالدعوۃ، شاہین باغ) وغیرہ ہیں، آخر الذکر نے خود مجھ سے یہ بتلایا کہ میں نے شیخ سے مشکوۃ المصابیح پڑھی ہے۔

بنارس سے مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ مولانا عبدالخبیر صاحب صادقپوری رحمہ اللہ کی دعوت پر بحیثیت مدرس آپ وہاں چلے گئے۔ وہاں چھ سات سال تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے رہے، مولانا صادق پوری آپ کی بڑی عزت کرتے، تدریس کے ساتھ ساتھ آپ دعوتی کام بھی کرتے، یہاں کے شاگردوں میں مولانا ممتاز عبدالطیف (امواشیخ ٹولی)، حافظ سمیع اللہ اصلاحی (برادر شفیق) مولانا سکندر اصلاحی اور مولانا عبدالاحد اصلاحی، حفظہم اللہ قابل ذکر ہیں، اس کے بعد ادارہ بوجوہ چھوڑ دیا۔

مگر مدرسہ اصلاح المسلمین کے ذمہ داروں کے اصرار پر آپ دوبارہ پٹنہ چلے گئے، اور مزید پانچ سات سال تک مدرسہ کی خدمت کی، قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں سے شہر پٹنہ گونجتا رہا۔ پٹنہ کے قیام کے دوران ہی قرآن مجید حفظ کیا، ۱۹۷۶ء میں پٹنہ چھوڑ کر اپنے استاذ شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفی کے مشورہ سے مدرسہ ریاض العلوم دہلی تشریف لے گئے اور ۲۲/اکتوبر ۱۹۹۲ء تک وہاں درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے، آپ کو نحو وصرف میں غیر معمولی ملکہ حاصل تھا۔ طلبہ کو نحو وصرف ایسا ازبر کراتے جیسے سورہ فاتحہ ہو۔ ہم لوگوں نے ہدایۃ النحو شیخ سے پڑھی تھی، اور پڑھی ہی نہیں بلکہ سورہ فاتحہ کی طرح یاد کیا تھا۔ اس وقت ریاض العلوم کے اساتذہ میں جو آپ سے خصوصی راہ ورسم رکھتے تھے مولانا یونس صاحب اثری، مولانا عبدالتواب صاحب مدنی، مولانا عبدالطیف صاحب کشمیری کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

طبیعت کی کمزوری کے بعد آپ نے دہلی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا، خود آپ کی آبائی بستی کے قریب، ڈاکٹر محمد لقمان سلفی حفظہ اللہ ایک عالیشان جامعہ کی بنیاد ڈال چکے تھے۔ عالمیت اور فضیلت تک کی پڑھائی شروع ہو چکی تھی شدت سے ان کا اصرار تھا کہ آپ ان کے جامعہ میں تشریف لے آئیں، چنانچہ آپ باضابطہ طور پر یکم نومبر ۱۹۹۲ء سے جامعہ میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے لگے۔

آپ کو بحیثیت شیخ الحدیث اس جامعہ میں لایا گیا، کلیہ سید نذیر حسین محدث دہلوی اور کلیہ خدیجۃ الکبری میں بہ یک وقت آپ صحیح بخاری کا درس دیتے، اس کے علاوہ بھی دیگر حدیث کی کتابوں کے ساتھ صرف ونحو کی کتابیں پڑھاتے، فتوی بھی لکھتے، گھر چونکہ یہاں سے قریب تھا اس لئے باضابطہ اپنے گاؤں میں جمعہ کا خطبہ دیا کرتے تھے۔

جامعہ ابن تیمیہ میں آپ تقریباً دس سال تک رہے، ۲۰۰۱ء کے اخیر میں آپ اپنی تدریسی ذمہ داری سے سبکدوش ہوئے۔ اور اپنے گاؤں کی مسجد ہی میں ایک مکتب قائم کیا، مسجد کی امامت شروع کی، ساتھ ہی لوگوں کو منظم اور متحد کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

اخلاق وکردار: آپ جس طرح ایک بلند پایہ عالم تھے، اسی طرح بلند اخلاق وکردار مسلمان بھی تھے، ظاہر وباطن میں اللہ سے خوف کھاتے تھے، نماز اور قرآن سے حد درجہ محبت تھی، تہجد کا اہتمام کرتے تھے، قرآن سے لگاؤ ہی کا نتیجہ تھا کہ تدریسی زندگی میں ہی قرآن حفظ کرلیا، اور اس کے بعد سے تقریباً تیس سالوں تک بلاناغہ تراویح پڑھاتے رہے۔ پنجوقتہ نمازوں کی امامت میں آپ قرآن ترتیب کے ساتھ پڑھتے، روزانہ کے معمول میں سے فجر اور عصر بعد قرآن کی تلاوت تھی۔

آپ کو بے نمازیوں اور سودخوروں سے سخت دشمنی تھی، یہاں تک کہ ان کے سلام کا جواب بھی نہیں دیتے، اور اپنے اس موقف کے لئے صحیح بخاری کے باب ''**باب مایجوز من الھجران لمن عصی**'' اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے واقعہ جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے ان سے بات کرنی چھوڑ دی تھی۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہ جب انہوں نے اپنے بیٹے سے گفتگو ترک کردی تھی، سے استدلال کرتے تھے۔ آپ کے اعلیٰ اخلاق وکردار کی وجہ سے ہمہ وقت آپ کے دروازہ پر لوگوں کی بھیڑ ہوتی تھی، اور آپ وسعت بھر ان کی ضیافت کرتے اور علمی گفتگو ہوا کرتی تھی۔

علم دوستی اور مطالعہ: مطالعہ اور علم دوستی ہر زمانے میں سلف کا وطیرہ رہا ہے ہمارے استاد گرامی یادگار سلف مولانا امان اللہ کا بھی یہی وطیرہ تھا ان کا ایک ایک منٹ کتابوں کے لئے وقف ہوا کرتا تھا، جو کتابیں آپ کے زیر تدریس ہوا کرتی تھیں ان کا عام طور سے عصر اور مغرب بعد خوب مطالعہ کرتے، ضروری حواشی اور نوٹ تیار کرتے، پھر جا کر کلاس روم میں طلبہ کو پڑھاتے، بعض کتابیں جیسے صحیح بخاری یا صرف ونحو کی چھوٹی چھوٹی کتابیں جن میں عام طور سے آپ نے اپنی زندگی بسر کردی، مگر پھر بھی بلا مطالعہ نہیں پڑھاتے۔ درسیات کے مطالعہ کے بعد جو وقت بچتا اسے سلف کی مشہور ومعروف کتابوں کے پڑھنے میں لگاتے۔

سماجی خدمات: ویسے تو فراغت کے بعد سے تعلیم وتدریس کی خاطر ہمیشہ گاؤں اور گھر سے باہر رہے، صرف چھٹی میں گھر آتے اور پھر چلے جاتے، مگر پھر بھی ایک عالم دین ہونے کے ناطے آپ کی اپنی سماجی وملی ذمہ داریوں کا احساس تھا، اسی لئے غالباً آپ نے ۱۹۷۰ء میں ''امارت کمیٹی بھکورہر'' قائم کی۔ گاؤں کے بالغ النظر شخصیات کو اس کا ممبر نامزد کیا، گاؤں کے افراد نے آپ کو امیر مقرر کیا، اور بھلا آپ سے بہتر امیر کی ذمہ داریوں کو کون سمجھ سکتا تھا، عہدہ سنبھالتے ہی گاؤں میں چل رہے متعدد مقدمات کو صلح وصفائی سے ختم کرایا، لوگوں میں اخوت ومحبت کی تخم ریزی کی، آپسی معاملات کو تھانے اور کورٹ میں لے جائے بغیر آپس میں مل بیٹھ کر ختم کرنے کی سعی کی، زکاۃ، عشر، فطرہ، چرم قربانی کا اسلامی نظم قائم کیا، غریبوں، مسکینوں تک ان کا حق پہنچایا جانے لگا۔ امانت کا اس قدر خیال رکھتے کہ بیت المال سے مستحقین پر خرچ کرتے اور بقیہ چیزیں سال بھر اپنی جگہ رہا کرتیں۔ اور اس سماجی خدمت پر آپ نے کبھی کوئی

معاوضہ نہیں لیا، پورے خلوص کے ساتھ اہل بستی کی دینی ودنیوی خدمت تاحیات کرتے رہے۔

آپ بحیثیت ماہر تعلیم: اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوع بہ نوع خوبیوں سے نوازا تھا، ان خوبیوں میں سے ایک اہم خوبی تعلیم وتعلّم کی تھی، مدارس اور جامعات میں تو آپ نصاب تعلیم کے پابند تھے، اس لئے اپنی مرضی کا استعمال نہیں کرسکتے تھے، لیکن اپنے بچوں کی تعلیم میں آپ کی تدریس کا ایک اچھوتا انداز تھا، آپ نے اپنے تمام بیٹوں کو ویسے ہی تعلیم دی جیسا کہ سلف صالحین کا تدریس کا طریقہ تھا۔ سب سے پہلے آپ اردو کتابیں پڑھاتے، جب ایک حد تک اردو کا فہم ہوجاتا تو عربی شروع کرتے، پھر صرف ونحو اور اس کے بعد دھیرے دھیرے دیگر علوم شرعیہ کی تعلیم دیتے، بیک وقت ساری کتابوں کا بوجھ بچوں کے کندھے پر نہ ڈالتے۔ آپ کی پوری کوشش ہوتی کہ جو بنیادی کتابیں ہیں، وہ پہلے پورے طور پر سمجھ میں آجائیں، خاص طور سے نحو وصرف میں کوئی کسر باقی نہ رہے، اور صرف کتابوں کی مثالوں پر اکتفا کئے بغیر قرآنی آیات سے قواعد کی تطبیق کراتے۔ آپ نے اپنے بچوں کو ایک معلم اور استاذ کی طرح وقت دیا، ان کی ذہنی ودینی تربیت کی، پڑھائی کے معاملہ میں کوئی رعایت کئے بغیر خالی وقتوں میں ان کے ساتھ فٹ بال اور بیڈمنٹن بھی کھیلا۔ آپ کی انہیں محنت اور محبت کا نتیجہ ہے کہ آج آپ کے چاروں فرزند اعلیٰ دینی ودنیوی تعلیم سے آراستہ اور اعلیٰ روزگار سے جڑے ہوئے ہیں۔

اس طرح علم وعمل کا یہ روشن ستارہ کم وبیش چھ دہائیوں تک کتاب وسنت کی ضیاء پاشی کرنے کے بعد اس افق سے غروب ہوگیا، اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے، جنت الفردوس میں جگہ دے، ان کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین (بشکریہ طوبیٰ ماہنامہ)

(مجلہ اہل حدیث شکراوہ، دسمبر ۲۰۱۵ء)

□□□

خاندان صادق پور کے گل سرسبد

مولانا سید عبدالسمیع جعفری مدنی رحمہ اللہ۔ حیات وخدمات

۱۹۳۶ء.....۲۰۱۵ء

مولانا عاشق علی اثری
سکریٹری ابوالکلام آزاد اسلامک اویکنگ سنٹر، نئی دہلی

نام ونسب: مولانا سید عبدالسمیع جعفری مدنی (م ۴/اکتوبر ۲۰۱۵ء) بن مولانا حکیم عبدالخبیر جعفری (م ۱۹۷۳ء۔ ۱۳۹۳ھ) بن مولانا حکیم عبدالحکیم جعفری (م ۱۵/محرم ۱۳۳۷ھ) بن مولانا احمد اللہ جعفری (م ۲۸/ذی الحجہ ۱۲۹۸ھ) بن مولانا حکیم الٰہی بخش جعفری (م ۱۲۷۵ھ) رحمهم الله تعالیٰ جمیعاً رحمة واسعة وغفر لهم۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالسمیع صاحبؒ علمی ودینی خانوادہ کے چشم وچراغ تھے۔ اسی کے ساتھ یہ خاندان ریاست وثروت، عزوجاہ اور قدرومنزلت میں بھی یکتائے روزگار تھا۔ مولانا جعفری کے دادا کے دادا جناب مولانا حکیم الٰہی بخشؒ کا سلسلہ نسب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی اور علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ مولانا الٰہی بخشؒ کا تفصیلی سلسلہ نسب تذکرۂ صادقہ مؤلفہ مولانا عبدالرحیم صادق پوری ص ۴۲ پر موجود ہے۔

خاندانی پس منظر:

مولانا رحمہ اللہ عظیم آباد کے عظیم اور ہردل عزیز خاندان ''خاندان صادق پور'' کی سنہری کڑی کے ایک عظیم اور ہردل عزیز فرد تھے۔ جس خاندان کے سپوتوں نے دعوت وتبلیغ، کتاب وسنت کی نشر واشاعت اور ان کی بالادستی کو قائم کرنے، معاشرہ میں توحید کا بول بالا کرنے، شرک وبدعت اور اوہام وخرافات کا قلع قمع کرنے، شہیدین (سید احمد رائے بریلوی، شاہ اسماعیل دہلوی) کی تحریک تجدید دین وجہاد کو عام کرنے کے لئے گاؤں گاؤں اور شہر شہر کا چکر لگایا اور جب فرنگیوں کی ستم رانیوں اور ان کے ظلم وجور سے باشندگان ہند خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے رہے ہوں بلبلا اٹھے، اور وطن عزیز کو ان کے پنجۂ استبداد سے نجات دلانے کے لئے کمربستہ ہوئے تو خاندان صادقپور کے جیالوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور تن، من اور دھن سب کچھ وطن عزیز کی آزادی کی راہ میں نچھاور کردیا۔ عبور دریائے شور (کالا پانی) تک کی سزائیں بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔

آزادیٔ ہند کے بعد وطن عزیز کے پہلے وزیر تعلیم، حامی سنت، قامع بدعت مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء) رحمہ اللہ نے

تذکرۂ صادقہ مؤلفہ مولانا عبدالرحیم زبیر الہاشمی صادق پوری (م ۱۳۴۱ھ) کے بارے میں اپنی تقریظ میں جو تبصرہ فرمایا ہے۔اس سے خاندان صادقپور کے حالات اور پس منظر پر بھرپور روشنی پڑتی ہے، موصوف لکھتے ہیں:

''وضع زمانہ قابل دیدن دوبارہ نیست
روپش نہ کرد ہرکہ ازیں کارواں گذشت

''تذکرۃ الاسلاف لتبصرۃ الاخلاف'' عربی کا ایک اعلیٰ درجہ کا مقولہ ہے جس کا سچا مصداق یہ ''تذکرۂ اہل صادقپور'' ہے۔ اس کے مؤلف اس خاندان کی یادگار جناب مولانا عبدالرحیم صاحب صادقپوری ہیں جن کا ترجمہ (حالات زندگی) اس کتاب میں درج ہے۔

فاضل مؤلف نے اس تذکرہ میں اس خاندان کی تمام کیفیت اور تمام اہل خاندان کے حالات نہایت عمدگی سے تحریر کئے ہیں۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ تمام خاندان کا شیرازہ پریشان ہو چکا ہو اور واقفیت وتحقیق کے بہت کم ذرائع باقی رہ گئے ہوں۔ان کی یہ کتاب نہایت مفید اور خاندان کے بنائے دوام کا عمدہ ذریعہ ہے۔

غور سے دیکھو تو جس قدر یہ تذکرہ عبرت کا یقین دیتا ہے اور جس قدر اس خاندان کے تمام واقعات انسان کی طبیعت کو مؤثر کرتے ہیں غالباً بہت کم ایسے تذاکر اور ایسے واقعات ہوں گے۔

اول تو ''عروج وزوال'' کی تصویر جس قدر بہتر اس تذکرہ سے کھنچ سکتی ہے کسی واقعہ سے نہیں کھنچ سکتی۔ایک خاندان کا یہاں تک ترقی کرنا کہ دولت علم اور دولت مال میں ان کی نظیر نہ ہو، ہزاروں ان کے جاننے والے ہوں۔ ہزاروں جانثاری کے لئے موجود ہوں۔ خاندان کا خاندان ایک موقع پر مسکن گزیں ہو جائے اور اتفاقی صورت کا نام ''صادقپور'' اختیار کرے۔ باوجود یہ کہ نام ایک شہر کے کسی حصہ سے تعلق رکھتا ہو مگر مسمی کی ترقیات جزئی شہرت سے بڑھ کر کلی شہرت سے بھی بڑھ جائے۔

علمی حیثیت سے دیکھو تو بڑے بڑے مصنف، اعلیٰ درجہ کے واعظ خاندان میں موجود ہوں۔ دولت کے لحاظ سے دیکھو تو تمام موجودہ دولت مندوں میں ان کے ڈنکے بجتے ہوں۔ پھر یکایک اس خاندان کا ایسے ورطۂ تنزل میں آپڑنا جس سے اس کی تمام ترقیات پر پانی پھر جائے یعنی سرے سے بیڑا ہی ڈوب جائے۔کوئی نام لیوا نہ نظر آئے۔کوئی جانثار جانثاری نہ کرے۔خود حاکم وقت وبخت برگشتہ کی طرح پھر جائے۔خود اپنے پرائے ہو جائیں۔دم کے دم میں کارخانہ ہی پلٹ جائے اور ایک آنکھ بند کرنے والا جب ایک پل کے بعد آنکھ کھولے تو اسے بجائے ایک خوبصورت محل کے ایک وحشت ناک لق ودق میدان چٹیل نظر آئے۔ نہ اس کے سربفلک محلوں کا کچھ نشان معلوم ہو اور نہ اس صادقپوری دیواروں کی کچھ یادگار باقی ہو۔پس ایک انقلابی صورت دیکھنے والے کو حیرت اور مبہوت بنادے! آں صادقپور بہ کجاست! واہل صادقپور بہ کجا اند! نہ مکان را مسکنے! ونہ مکین را مسکنے! الٰہی ایں چیست!۔۔۔۔۔۔

پھر اس خاندان کے جو پس ماندہ تھے ان کے ساتھ کس طرح یہ فلک کج رفتاری سے پیش آیا۔کون سی مصیبت تھی کہ ان پر نہ آئی ہو؟ اور وہ کون سی سختی تھی کہ انہوں نے جھیلی نہ ہو؟ مگر ساتھ ہی ان کا بے نظیر صبر وتحمل اور اس جانگداز حالت میں بھی اللہ کا شکر ادا کرنا۔ صبر وشکر کی ایسی عمدہ تعلیم دیتا ہے کہ اس سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتی۔اس کے بعد پھر اتفاق اور استقلال کا ساتھ دینا۔ایک کوشش

کرنے والے کی کوشش سے خاندان کا پھر ترقی کرنا اسکول کا جاری ہونا علم کا ساتھ دینا۔ اس سب کچھ کا ایک اتفاق کی بدولت ہونا۔ کیا اتفاق کی تعلیم نہیں دیتا"

(الدر المنثور فی تراجم اہل صادق فور معروف بہ تذکرۃ صادقہ ص الف۔ ج طبع سوم، ۱۳۸۴ھ۔ ۱۹۶۴ء، مطبوعہ: دی آزاد پریس، سبزی باغ پٹنہ)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کے سلسلہ میں مشہور تاریخ نگار مولانا غلام رسول مہر (م نومبر ۱۹۷۱ء) رحمہ اللہ نے جو تحریر کیا ہے اس کا بھی ذکر کر دیا جائے تا کہ اس خاندان اور اس کے اصلاحی اور مجاہدانہ کارنامے روز روشن کی طرح نمایاں ہو جائیں۔

موصوف رقمطراز ہیں:

"عظیم آباد کے تین خاندان:

عظیم آباد کے تین خاندان تھے جن کے زیادہ تر ارکان سید احمد سے وابستہ ہوئے اور ان اصحاب نے وابستگی کے تقاضوں کو جس للّٰہیت اور اخلاص سے پورا کیا اور جیسی عظیم الشان قربانیوں کی توفیق بارگاہ الٰہی سے پائی اس کی کوئی مثال ہمارے دور زوال کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ تینوں خاندانوں کو عظیم آباد میں اول درجہ کی امیری کا رتبہ حاصل تھا۔ وہ سب کے سب پشتوں سے انتہائی فارغ البالی اور راحت و آسائش کی زندگیاں بسر کر رہے تھے لیکن سید صاحب سے وابستگی کے بعد ان سب کے طرز حیات میں بنیادی تغیر پیدا ہو گیا اور انہوں نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے وقف کر دیا۔ ان کی کیفیت ذیل میں درج ہے:

۱۔ شاہ محمد حسین نمو ہیہ کا خاندان جو عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے تھے۔

۲۔ مولوی الٰہی بخش کا خاندان جس کا سلسلہ نسب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی جعفر طیار سے ملتا ہے۔ اس بزرگ کے فرزندوں نے ہندوستان میں دعوت و تنظیم جہاد اور فراہمی زر مجاہدین کے اہم کام جس اعلیٰ پیمانے پر انجام دیے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ بعض افراد میدان جہاد کی جان فشانیوں میں بھی حصہ دار بنے۔

۳۔ مولوی فتح علی کا خاندان جن کا سلسلہ نسب زبیر رضی اللہ عنہ عم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی انہیں کے فرزند تھے۔ امیر المجاہدین مولانا عبداللہ بھی اسی خاندان سے تھے اور جماعت کے مجاہدات کی باگ ڈور مولانا ولایت علی کے وقت سے زیادہ تر اسی خاندان کے ہاتھ میں رہی۔ اس کے جو افراد میدان جنگ میں شریک نہ ہو سکے وہ اپنے وطن میں تنظیم کا کام انجام دیتے رہے" (سرگزشت مجاہدین۔ مولانا غلام رسول مہر۔ ص ۳۵۳، مطبوعہ غلام علی، پرنٹرز لاہور)

خاندان صادق پور کی قربانیوں کی بابت ملک کے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نہرو کی شہادت:

خاندان صادق پور کی قربانیوں کے سلسلہ میں مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری لکھتے ہیں:

محلہ صادق پور پٹنہ صوبہ بہار اہل حدیث اور اہل دین کا ایک بہت بڑا مرکز تھا جس نے متعدد عبقری رجال اور نابغۂ عصر شخصیتیں

پیدا کرنے میں بڑا نام پایا، مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی، مولانا احمد اللہ، شیخ الٰہی بخش، مولانا یحییٰ علی اسی خانوادہ علم وفضل کے روشن چراغ تھے، امیر عبداللہ، امیر رحمت اللہ، امیر نعمت اللہ، شہزادہ برکت اللہ بھی اسی مقدس اور معظم محلہ سے آبائی نسبت رکھتے تھے، آخری ایام میں اس علمی اور تاریخی خاندان کے گل سرسبد مولانا عبدالخبیر تھے۔ یہی وہ شخصیت تھی کہ آزادی ہند کے بعد وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: ''حضرت اگر سارے ملک کے حریت پسندوں کی وطن کی آزادی کے لئے خدمات ایک پلڑا میں ڈال دی جائیں اور دوسرے پلڑا میں صرف علماء صادق پور کی خدمات ڈالی جائیں تو صادق پور علماء کا پلڑا بھاری ہوگا۔ تحریک مجاہدین، صادقپوری خاندان کے دم قدم سے ڈیڑھ سو سال تک انگریز کے خلاف نبرد آزما رہی، جائیداد کی قربانیوں اور مال ومتاع کی ضبطگیوں کے مرحلے بھی اسی عظیم خاندان کو پیش آئے، کالے پانی اور عبور دریائے شور کی سزائیں بھی اسی خاندان کے افراد کو دی گئیں، مقدمات بغاوت بھی ان پر قائم کئے گئے۔ میں آپ کی ان خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو اس کا صلہ دینا چاہتا ہوں۔ فرمائیں آپ زرخیز زمین کا ٹکڑا پسند فرمائیں گے یا آپ کو کارخانہ فیکٹری دی جائے؟''

مولانا عبدالخبیر۔ رحمہ اللہ نے ان کی پیشکش اور ان کے اس احساس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا:

''ہمیں نہ صلہ کی تمنا ہے نہ ستائش کی پرواہ، ہم نے یہ عظیم قربانیاں محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے دی ہیں اس لئے اسی سے اجر وثواب حاصل کریں گے''۔

(تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں، ص ۵۱۹۔ ۵۲۰، طبع اول اپریل ۱۹۹۶ء، الکتاب انٹرنیشنل، جامعہ نگر، نئی دہلی)

معرکۂ بالاکوٹ ۲۴ رذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ رمئی ۱۸۳۱ء میں جناب سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی۔ رحمہما اللہ کے حادثۂ وفات کے بعد تحریک کا پورا نظام 'علمائے صادق پور' کے ہاتھوں میں رہا۔ درج ذیل نقشہ سے خاندان صادق پور کی سیادت وقیادت اور ان کے خلوص وللّٰہیت اور جذبہ صادقہ پر بھرپور روشنی پڑتی ہے:

۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء حادثۂ شہادت کے بعد تحریک کے نظم کا نقشہ:

سرحد پر:

۱۔ مولانا ولایت علی صادقپوری متوفی (۱۲۰۵ھ مطابق ۱۷۹۰ء۔ ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۲ء) ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۶ء سے ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۷ء تک امیر رہے۔

۲۔ میر اولاد علی (ف ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۸۵۵ء) ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۷ء سے ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ء تک

۳۔ مولانا ولایت علی صادقپور صاحب ۸ ربیع الآخر ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۰ رفروری ۱۸۵۱ء سے ۲۲ رمحرم ۱۲۶۹ھ مطابق ۵ رنومبر ۱۸۵۲ء تک۔

۴۔ مولانا عنایت علی غازی متوفی (۱۲۰۳ھ مطابق ۱۷۸۸ء۔ ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۸ء) ۲۲ رمحرم ۱۲۶۹ھ مطابق ۵ رنومبر ۱۸۵۲ء سے ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۸ء تک۔

۵۔ مولانا نور اللہ ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۸ء سے ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۶۰ء تک۔

۶۔میر مقصود علی ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۶۰ء سے ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۲ء تک۔

۷۔مولانا عبداللہ صادقپوری بن مولانا ولایت علی متوفی (۱۲۴۲ھ۔۱۳۲۰ھ) ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۲ء سے ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء تک۔

۸۔مولانا عبدالکریم (متوفی ۱۲۵۵۔۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء) ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء سے ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء تک۔

۹۔غازی نعمت اللہ (متوفی ۱۹۲۱ء) ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء سے ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء تک۔

۱۰۔امیر رحمت اللہ ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء سے تقسیم ہند تک۔

ملک کے اندر:

مولانا ولایت علی صادقپوری، ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء سے ملک کے اندر و باہر ہر جگہ کی قیادت آپ ہی کے ذمہ تھی۔ جب آپ ہجرت کر گئے تو اندرونی نظم کی شکل بدلی:

۱۔مولانا ولایت علی ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء سے ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۹ء تک۔

۲۔مولانا فرحت حسین (متوفی ۱۲۲۶ھ۔۱۲۷۴ھ) ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۹ء سے ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۸ء تک۔

۳۔مولانا یحییٰ علی (متوفی ۱۲۳۸ھ۔۱۲۸۴ھ) ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۸ء سے اپنی گرفتاری ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء تک۔

۴۔مولانا احمد اللہ (متوفی ۱۲۲۲ھ۔۱۲۹۸ھ) ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء سے اپنی گرفتاری ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۵ء تک۔

۵۔مولانا مبارک علی (متوفی تقریباً ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۷۱ء) ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۵ء سے اپنی گرفتاری ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء تک۔

۶۔مولانا محمد حسن ذبیح (متوفی ۱۲۶۴ھ۔۱۳۰۷ء) ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء سے ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء تک۔

۷۔مولانا عبدالرحیم (متوفی ۱۳۵۱ھ) ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء سے ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۴ء تک۔

۸۔مولانا عبدالخبیر صادقپوری ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۴ء سے تقسیم ملک (۱۹۴۷ء) تک۔

(مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی ۳/ ۳۰۔۳۱ طبع اول فروری ۲۰۱۴ء مطبوعہ مجمع الشیخ عبدالحمید الرحمانی للبحوث العلمیۃ الاسلامیہ، نئی دہلی)

مولانا حکیم عبدالخبیر رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۴ء سے ملک کی تقسیم ۱۹۴۷ء تک اور تقسیم ملک کے بعد ۱۹۷۳ء تک امیر تھے۔ اس کے بعد جب آپ مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو گئے تو اپنے چھوٹے صاحبزادے سید مولانا عبدالسمیع جعفری کو جو اس وقت جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں زیر تعلیم تھے جماعت اور امارت کی ذمہ داریاں سونپ دیں۔ اس وقت سے اپنی وفات ۴/ اکتوبر ۲۰۱۵ء تک آپ نے ان ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی نبھایا۔ اور اپنی زندگی ہی میں اپنے منجھلے بیٹے جناب مولانا ابوعبداللہ غازی سلمہ اللہ تعالیٰ ووفقہ کو اپنی نیابت سونپ دی۔

اللہ تعالیٰ عزیز گرامی مولانا غازی کو اپنے اسلاف کی امانت کو کما حقہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

پیدائش:

مولانا عبدالسمیع جعفری۔ رحمہ اللہ کی پیدائش کے سلسلہ میں راقم سطور کو دو تحریریں باصرہ نواز ہوئیں۔ ایک آپ کے صاحبزادہ مولانا غازی صاحب کی ارسال کردہ معلومات میں اور دوسری روزنامہ قومی تنظیم پٹنہ ۶/اکتوبر ۲۰۱۵، صفحہ ۹ کی پریس ریلیز میں۔ مولانا غازی صاحب نے اس میں مولانا رحمہ اللہ کی پیدائش ۱۰ ستمبر ۱۹۳۷ء لکھی ہے اور قومی تنظیم پٹنہ کی پریس ریلیز میں ۱۴/ستمبر ۱۹۳۶ء درج ہے جب کہ مولانا جعفری رحمہ اللہ کی ایک تحریر جو جمعیۃ الشبان المسلمین بجرڈیہہ بنارس کے لیٹر ہیڈ پر خود مولانا کے دستخط کے ساتھ بانی مرکز مولانا عبدالحمید رحمانی۔ رحمہ اللہ کے کاغذات میں راقم سطور کو ملی ہے اس میں تاریخ کے بغیر آپ کی پیدائش ماہ نومبر ۱۹۳۶ء درج ہے۔ لہٰذا راقم سطور کے نزدیک آپ کی یہی تاریخ پیدائش راجح معلوم ہوتی ہے۔

تعلیم وتربیت:

مولانا جعفری۔ رحمہ اللہ نے ابتدائی تعلیم مختلف اتالیق کے زیر نگرانی حاصل کی۔ بعدہ دینی، اسلامی اور عربی کی ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی جناب حکیم مولانا سید عبدالخبیر صادق پوری۔ رحمہ اللہ سے حاصل کر کے مدرسہ اصلاح المسلمین (موجودہ جامعہ اصلاحیہ سلفیہ) پتھر کی مسجد، پٹنہ سے خوشہ چینی کر کے ۱۹۶۰ء میں سند فراغت حاصل کی۔ اصلاح المسلمین میں تحصیل علم کے دوران جامعہ اردو علی گڑھ سے بعض امتحانات پاس کئے۔ اصلاح المسلمین سے فراغت کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے اور التخصص فی الادب العربی کے تین سالہ کورس کی تکمیل کی اور اسی اثناء میں جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب ماہر کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۶۸ء میں سعودی عرب کا سفر کیا اور جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں کلیۃ الشریعۃ واصول الدین میں داخل ہو کر وہاں کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ سے بھرپور استفادہ کیا۔

نوٹ: مذکورہ بالا معلومات کی بنیاد مولانا رحمہ اللہ کی ایک تحریر مورخہ ۱۹/۲/۱۴۲۵ھ مطابق ۱۰/۴/۲۰۰۴ء ہے۔

خدمات واعمال:

درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ:

آپ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز اپنی مادر علمی مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ سے درس وتدریس اور تعلیم وتربیت کے ذریعہ کیا۔ آپ کے خاندانی بزرگ مولانا عبدالرحیم صادق پوری اسیر کالا پانی مؤلف تذکرۂ صادقہ نے یہ تعلیم وتربیتی ادارہ ۱۳۰۸ھ میں قائم کیا تھا۔ اس میں آپ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے سند فراغت حاصل کرنے اور جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے جانے سے پہلے تقریباً پانچ سال تک تدریسی خدمات انجام دے کر تشنگان علوم دینیہ کو سیراب کیا۔

۱۹۶۸ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے چشمۂ صافی سے سیرابی حاصل کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور کلیۃ

الدعوۃ واصول الدین کے چار سالہ کورس کی تکمیل کر کے لیسانس (بی اے) کی سند حاصل کی تو حکومت سعودی عرب کی طرف سے بحیثیت مدرس وداعی منتخب کر کے نائیجریا بھیج دیئے گئے۔ وہاں دو سال تک ''جماعۃ نصرۃ الاسلام'' کی زیر نگرانی ''کدونا'' شہر کے اندر دعوتی وتبلیغی خدمات انجام دیتے رہے۔ جس کے بانی شیخ الحاج ابوبکر غومی تھے۔ مولانا وہاں نومسلموں کی تعلیم وتربیت اور قادیانیوں سے مناظرے کے ساتھ ساتھ جماعت کی نگرانی میں چلنے والے ایک مدرسہ میں تدریس وتربیت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد مملکت توحید سعودی عرب۔ حرسھا اللہ من کل شر وفتنۃ کا رخ کیا۔

مولانا۔ رحمہ اللہ نے مرکز کی مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ کی میٹنگوں میں شرکت کے لئے اپنی آمد پر متعدد بار راقم سطور سے اپنی نائیجریا سے واپسی کا سبب یوں بتایا کہ وہاں پر کام کرنے کے لئے مجھے 'میدان عمل' نہیں ملتا تھا۔ طلبہ بھی نہیں آتے تھے کہ ان کی تعلیم وتربیت میں شب وروز گزارا جائے۔ تنخواہ تو میں پوری لوں اور اس کے بدلے خاطر خواہ کام نہ ہو تو میرے لئے سوہان روح تھا۔ میں ذمہ دار مدرسہ سے اپنی اس پریشانی کا بار بار ذکر کرتا اور وہ مجھے برابر تسلی دیتے رہتے مگر کام نہ ملنے کی وجہ سے میں عجیب اضطراب اور قلق میں مبتلا رہتا۔ بالآخر میں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ نائیجریا چھوڑ کر سعودی عرب چلا جاؤں۔

مولانا نے اپنے فیصلہ کو عملی جامہ پہنایا اور نائیجریا سے رخت سفر باندھ کر اسلام کے مرکز اصلی اور مہبط وحی مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور وہاں جامعہ ام القریٰ کی سنٹرل لائبریری میں ملازمت اختیار کی اور سات سال تک لائبریری کی خدمت اور مکتبہ کے اہم مصادر ومراجع اور کتابوں سے خوشہ چینی کرتے رہے۔

اس درمیان امریکہ، برطانیہ اور جاپان کے لئے تمام تر سہولیات کے ساتھ آپ کے پاس پیشکش ہوتی رہی مگر آپ کو دولت دنیا اپنی طرف نہیں کھینچ سکی اور آپ نے استخارہ کر کے اپنے ملک میں رہ کر دین اور علم کی خدمت کرنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ آپ نے اپنی ایک تحریر میں مکہ مکرمہ کی ملازمت چھوڑ کر وطن واپسی کے تعلق سے خود لکھا ہے:

''پھر از خود بعد از استخارہ اپنے وطن مالوف دینی خدمات کے جذبہ سے واپسی۔ اسی درمیان امریکہ، برطانیہ، جاپان کے لئے پیش کش تمام تر سہولتوں کے وعدہ کے ساتھ، ادھر میرا اصرار کہ جب مرکز اسلام سے نکلیں گے تو اپنے وطن عزیز کے لوگ زیادہ مستحق ہیں کہ ان کے درمیان رہ کر ہی دین کی خدمات انجام دی جائیں'' (تحریر مولانا جعفری۔ رحمہ اللہ۔ مورخہ ۱۹/ ۲/ ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۰/ ۴/ ۲۰۰۴ء)

بالآخر مدرسہ اصلاح المسلمین، پٹنہ اور امارت اہل حدیث صادقپور، ہند کی ضرورت اور مدرسہ اور امارت کے ہمدردوں اور بہی خواہوں کے شدید اصرار پر ۱۹۸۵ء میں جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ کی عیش وعشرت کی زندگی کو چھوڑ کر اپنے وطن ہندوستان تشریف لے آئے اور نہایت تنگی اور عسرت کے عالم میں مدرسہ اور امارت کی باگ ڈور سنبھالی اور تاحیات درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اور تقریر وتحریر کے ذریعہ کتاب وسنت کی نشر واشاعت میں لگے رہے۔

اس لمبے عرصہ میں جو تقریباً تین دہے پر مشتمل ہے آپ مدرسہ کی تعمیر وترقی میں منہمک رہے۔ مدرسہ کو پتھر کی مسجد، پٹنہ سے نکال کر گنگا کے ساحل پر آباد کیا، کلاس روم، ہاسٹل، مطبخ اور مسجد وغیرہ کی تعمیر کی اور تعلیمی شعبہ کو بھی خوب ترقی دی۔ امارت اہل حدیث

صادق پور کے ذریعہ بھی ضرورت مند اخوان جماعت وملت اور برادران وطن کی بھرپور مدد کی۔

اسی طرح دعوت وتبلیغ کے میدان میں بھی سرگرم عمل رہے، پٹنہ شہر کے علاوہ پورے بہار و بنگال میں آپ نے دعوت وارشاد کا عمل جاری رکھا، مساجد میں دروس، اجلاس میں شرکت اور وعظ ونصیحت آپ کا محبوب مشغلہ رہا۔ دعوت وارشاد کے لئے پیرانہ سالی اور صحت کی خرابی کے ایام میں بھی آپ کبھی کبھار جنوبی ہند اور ممبئی وغیرہ کا سفر کرتے رہتے تھے۔ جب تک صحت نے ساتھ دیا آپ ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کی میٹنگوں میں شرکت کرتے رہے اور جب بھی سنٹر میں تشریف لاتے تو آپ کی پراثر اور دل نشیں تقریر سے اساتذہ، طلبہ اور عوام الناس بھرپور فائدہ اٹھاتے، کبھی بانی مرکز مولانا رحمانی (م ۲۰/اگست ۲۰۱۳ء) رحمہ اللہ کی گزارش پر اور کبھی ہم خردوں کی درخواست پر وعظ ونصیحت اور تقریر کے لئے تیار ہوجاتے۔ کبھی جامعہ اسلامیہ سنابل کے اساتذہ اور طلبہ اور کبھی عائشہ صدیقہ شریعت کالج، جوگائی بائی کی طالبات اور معلمات کو اور کبھی مرکز کی جامع مسجد ابوبکر صدیق، جوگابائی کے مصلیان اور جمعہ میں شرکت کرنے والوں کو اپنے گرانقدر پند ونصائح سے نوازتے، اور کبھی بھی اپنی بیماری، سفر، تھکان اور پیرانہ سالی کا عذر نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ مولانا کے اعمال صالحہ کو شرف قبولیت بخشے اور ان کی سیئات سے درگزر فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

مساجد کی تعمیر: مولانا رحمہ اللہ نے صرف پٹنہ شہر میں ستائیس مساجد کی تعمیر وتوسیع کرائی اور پٹنہ کے علاوہ دیگر مقامات پر جہاں مساجد نہیں تھیں اور لوگوں کو مساجد کی شدید ضرورت تھی وہاں بھی نئی مسجدیں بنوائیں۔ مولانا مرکز کی مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ کی میٹنگوں میں شرکت کے لئے جب تشریف لاتے اور اس میں مرکز کے تحت ملک کے طول وعرض میں زیر تعمیر مسجدوں کا ذکر آتا تو مولانا رحمانی۔ رحمہ اللہ، مولانا جعفری رحمہ اللہ کی تعمیر وتوسیع اور تجدید مساجد کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں فرماتے اور کہتے کہ ''لوگ عرب حضرات کے تعاون سے مسجدیں بنواتے ہیں اور ہمارے شیخ عبدالسمیع صادق پوری عوامی چندوں سے مساجد تعمیر کراتے ہیں''۔

مولانا نے صرف مسجدوں کی تعمیر وتجدید اور توسیع ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مسجدوں کی معنوی آبادی، خطبۂ جمعہ اور درس قرآن وحدیث کا زبردست اہتمام فرماتے تھے، کسی مسجد میں خود جمعہ پڑھاتے اور متعدد مساجد میں جامعہ اصلاحیہ سلفیہ کے اساتذہ کو مامور کرتے۔ اس طرح آپ نے کتاب وسنت کی دعوت کو عام کرنے اور معاشرہ سے بدعات وخرافات، پیر پرستی اور قبر پرستی کو ختم کرنے کے لئے دعاۃ ومبلغین کو ہفتہ واری اور ماہانہ پروگراموں کے تحت خود شہر پٹنہ کے ساتھ اس کے مضافات بلکہ پورے صوبہ بہار میں روانہ کرتے۔ جس سے کافی لوگوں کو فائدہ ہوا اور وہ باپ دادا کی پرانی ڈگر کو ترک کرکے صراط مستقیم پر گامزن ہوکر کتاب وسنت کے شیدائی اور ان کے داعی بنے۔

جامعہ اصلاحیہ سلفیہ کی تعمیر وترقی:

مدرسہ اصلاح المسلمین، پتھر کی مسجد، پٹنہ کا قیام آپ کے خاندانی بزرگ مولانا عبدالرحیم صادقپوری اسیر کالا پانی مؤلف

تذکرہ صادقہ کے ہاتھوں ۱۳۰۸ھ میں عمل میں آیا تھا جب کہ اس سے قبل جامع مسجد تمو ہیہ، میر شکار ٹولہ پٹنہ میں چل رہا تھا اور محدود دائرہ میں تشنگان علوم نبوت اور شیدایان کتاب وسنت کی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دے رہا تھا جس سے بہت سے علماء ربانیین نے استفادہ کر کے کتاب وسنت کی روشنی پورے معاشرہ میں پھیلایا، خود مولانا جعفریؒ نے بھی اسی مدرسہ سے سند فراغت حاصل کی لیکن جب مولانا ۱۹۸۵ء میں جامعہ ام القری، مکہ مکرمہ سے وطن واپس تشریف لائے تو اپنی پوری زندگی مدرسہ اور امارت اہل حدیث صادق پور، پٹنہ کی خدمت کے لئے وقف کر دی۔ مدرسہ اصلاح المسلمین کو ترقی دے کر اس کا نام ''جامعہ اصلاحیہ سلفیہ'' رکھا اور اس جامعہ کو ''پتھر کی مسجد'' علاقہ کے تنگ نائے سے نکال کر لب گنگا شیش محل، پٹھان ٹولہ، عادل گنج، پٹنہ میں ایک لاکھ بیالیس ہزار ستر مربع فٹ کی ایک وسیع وعریض قطعۂ آراضی پر منتقل کیا اور جامعہ کی شایان شان اس کی ضرورت کے لحاظ سے کلاس روم، ہاسٹل، مطبخ، مطعم، مسجد، آفس، لائبریری وغیرہ کی تعمیر کرائی۔ جامعہ کی ترقی کے ساتھ اس کی تعلیم وتربیت پر بھرپور توجہ دی، نونہالان ملت کی تعلیم وتربیت میں خود بھی مشغول ہوئے اور اچھے اور ماہر اساتذہ کی ایک مناسب ٹیم کی خدمات بھی حاصل کیں۔ اس وقت کا جامعہ اصلاحیہ سلفیہ قابل دید وشنید تھا۔ اچھی تعلیم وتربیت، بہتر اور اچھا نظم ونسق، جامعہ کی نگرانی وسرپرستی کے لئے مولانا صبح وشام بہ نفس نفیس خود جامعہ تشریف لایا کرتے تھے۔

ایک وقت ایسا آیا کہ مولانا جعفریؒ نے جامعہ کو اتنی وسعت اور ترقی دی کہ اس کی شہر پٹنہ میں بارہ اور بیرون پٹنہ آٹھ شاخیں قائم کیں۔ (آئینہ جامعہ اصلاحیہ سلفیہ، ص ا، مطبوعہ ۶/۱۱/۱۴۱۹ھ مطابق ۱۳/۲/۱۹۹۹ء)

امارت اہل حدیث صادق پور کی خدمات:

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ امارت کے آخری امیر اور قائد آپ کے والد گرامی مولانا حکیم سید عبدالخبیر صادق پوریؒ تھے لیکن جب آپ کے والد بزرگوار پیرانہ سالی میں داخل ہو گئے اور مختلف عوارض اور امراض نے آپ کا پیچھا کیا تو آپ نے اپنے لائق وفائق اور ہونہار چھوٹے بیٹے مولانا عبدالسمیع جعفری مدنی۔ رحمہ اللہ کو جماعت وامارت کی ذمہ داریاں سونپ دیں۔ اس وقت مولانا عبدالسمیع صاحب جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں زیر تعلیم تھے۔ مولانا کی امارت اور قیادت سے متعلق علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ۔ رقمطراز ہیں:

''فارسی کا ایک شعر ہے ؎

ایں سلسلہ طلائے ناب ست
ایں خانہ ہمہ آفتاب ست

برصغیر ہندوستان کی گزشتہ سوا سو سال کی ہنگامہ خیز تاریخ میں اس شعر کا صحیح مصداق اگر کوئی خاندان رہا ہے تو وہ خاندان سعادت صادقپور ہے۔ امام مولانا ولایت علی صادقپوری۔ رحمہ اللہ سے لے کر موجودہ امیر مولانا عبدالخبیر صادقپوری تک اس خاندان نے ہندوستان کی اصلاحی، تبلیغی اور سیاسی تاریخ میں جو دوررس اثرات چھوڑے ہیں ان کی نظیر ملنی ناممکن ہے۔ اس خاندان کی جانی ومالی اور

دوسری ہمہ گیر قربانیاں پورے ہندوستان کی قربانیوں پر بھاری ہیں۔ جماعت اہل حدیث نے ہر دور میں اس خاندان کی قیادت پر اعتماد کیا ہے اور اس کے جھنڈے تلے استعماری قوتوں سے نبرد آزما ہوئی ہے۔

موجودہ امیر مولانا سید عبدالخبیر جعفری صادقپوری حفظہ اللہ وعافاہ سالہا سال سے مختلف بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ آپ اپنی عمر کی ۹۳ ویں منزل میں ہیں اور ادھر دو سال سے آپ کی صحت انتہائی نازک صورتِ حال سے گزر رہی ہے۔ (**عافاہ اللہ و شفاہ شفاء کاملاً عاجلاً**)

جماعت اہل حدیث پٹنہ و بہار کو آپ کی صحت کی خرابی کی وجہ سے جماعت کی قیادت کی بابت سخت پریشانی تھی اور صرف جماعت ہی نہیں بلکہ دوسرے ہمدردان ملت بھی اس مسئلہ کو بہت اہم سمجھتے تھے۔ میں جب جسٹس خلیل صاحب سے انٹرویو لینے گیا تو موصوف نے بھی اس پہلو کی طرف توجہ دلائی۔

چنانچہ ان احساسات کو مدنظر رکھتے ہوئے امیر موصوف نے پوری جماعت سے مشورہ کے بعد اپنے چھوٹے لائق صاحبزادہ مولوی عبدالسمیع صاحب متعلم جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کو جماعت کی ذمہ داریاں سونپ دیں، حسن اتفاق سے مولوی عبدالسمیع صاحب کو مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا (بحمد للہ اس گنہگار کی کوششوں کا اس میں سب سے زیادہ دخل تھا) مدینہ یونیورسٹی میں جب موصوف کو والد کی صحت کی نزاکت کا علم ہوا تو وہ اس سال پٹنہ تشریف لائے اور چونکہ ابھی تعلیم کی تکمیل میں دو سال کی مدت باقی ہے۔ بنابریں جماعت کے حلقوں میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اس دو سالہ مدت میں جماعتی نظم کی ذمہ داریاں کون سنبھالے؟ حضرت امیر صادقپوری کے سامنے بھی یہ مسئلہ اٹھایا گیا، چنانچہ امیر موصوف نے مولوی عبدالسمیع اور جماعت کے مشورہ کے بعد یہ دانشمندانہ فیصلہ فرمایا کہ مولوی عبدالسمیع کی غیر حاضری میں جماعت کی قیادت کے فرائض مولانا ڈاکٹر عبدالحفیظ سلفی انجام دیں گے" (مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی ۱/ ۲۱۳۔ ۲۱۴، طبع اول فروری ۲۰۱۴ء مطبوعہ مجمع الشیخ عبدالحمید الرحمانی للبحوث العلمیہ الاسلامیہ، نئی دہلی)

امارت کے پلیٹ فارم سے مولانا جعفریؒ مسکینوں، بیواؤں اور غریب و مسکین طلبہ کو وظائف دیتے، مریضوں اور مقروضوں کے ساتھ بھرپور تعاون کر کے ان کے علاج و معالجہ اور قرضوں کی ادائیگی کی حتی المقدور کوشش فرماتے۔ لاوارث اور غریب اموات کی تجہیز و تکفین اور مسافروں کی امداد کرتے تھے۔ آفات و حادثات سماویہ وارضیہ کے مصیبت زدگان کی مصیبت میں حتی المقدور تعاون کرتے تھے۔

علاوہ ازیں مولانا وقتاً فوقتاً حساس اور اہم موضوعات پر اپنے دردمندانہ دل کی آواز بغرض اصلاح معاشرہ ہینڈ بل اور پمفلٹ کے ذریعہ لوگوں تک پہنچاتے رہتے تھے۔ ان میں سے چند کے نام جو راقم سطور کو دستیاب ہوئے ملاحظہ ہوں:

۱۔ اسلام کے سپوتوں سے چند باتیں کپوتوں سے نہیں۔ (۲) روحانیت کی سالانہ پریڈ کا مہینہ اور مسلم معاشرہ۔ (۳) غور سے پڑھئے (رمضان کے مبارک موقع پر)۔ (۴) ہوالشافی۔ صحت و عافیت کی بحالی اور برقراری کے لئے "نیچرل پیتھی" کے ذریعہ علاج کا نسخہ۔ (۵) آنے والے نئے اسلامی سال کی مبارکباد۔ (۶) فوری توجہ چاہت (اس میں ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۳/ ذی الحجہ چار دنوں تک قربانی کا جواز پیش کر کے مسلمانوں کو اتباع رسول۔ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دی گئی ہے۔)

اجلاس اور کانفرنسیں:

مولانا جعفریؒ امارت اہل حدیث صادق پور کے پلیٹ فارم سے حسب امکانیات اجلاس اور کانفرنسیں بھی منعقد کیا کرتے تھے۔ چنانچہ یکم ودوئم محرم الحرام ۱۴۱۹ھ مطابق ۲۸۔۲۹ اپریل ۱۹۹۸ء میں ''وطن عزیز کی آزادی میں علماء صادق پور، پٹنہ، بہار کی قربانیاں'' کے موضوع پر ایک دوروزہ عظیم الشان کانفرنس، بمقام عیدگاہ باغ عبدالخبیر، صندل پور، پٹنہ منعقد کی۔ اس میں علماء دین ،داعیان ملت اسلامیہ، شعراء کرام کے علاوہ سیاسی رہنما بھی شریک ہوئے تھے جن میں اس وقت کے بہار کے وزیر اعلیٰ جناب لالو پرساد یادو، اپنی اہلیہ محترمہ رابڑی دیوی کے ساتھ بہ نفس نفیس مہمان خصوصی کی حیثیت شریک کانفرنس ہوئے تھے۔ ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کی طرف سے ایک سہ نفری وفد بانی مرکز مولانا عبدالحمید رحمانیؒ کی معیت میں شریک ہوا تھا۔ مولانا عبدالحمید رحمانیؒ نے بھی مذکورہ بالا موضوع پر اپنا مقالہ تحریر فرمایا تھا اور اسے کانفرنس میں پڑھنے کی ذمہ داری راقم سطور کے سپرد کی تھی، مولانا کے حسب حکم میں نے وہ گرانقدر مقالہ پیش کیا جسے کافی پسند کیا گیا۔ مولانا رحمانیؒ نے وہ مقالہ اپنے پاس رکھ لیا تھا اور اس پر نظر ثانی کر کے پھر مولانا جعفری کے پاس بھیجنے کا ارادہ تھا مگر افسوس کہ اس مقالہ کا سراغ نہیں مل سکا۔ نہ مولانا جعفری کے یہاں اور نہ مولانا رحمانی کے کاغذات میں۔

ذمہ داران نے اس کانفرنس میں مولانا رحمانیؒ کی تقریر بھی اس نشست میں رکھی تھی جس میں جناب لالو پرساد یادو صاحب اپنی اہلیہ کے ساتھ بحیثیت مہمان خصوصی شریک کانفرنس تھے۔ مولانا رحمانی۔ رحمہ اللہ نے اس پروگرام میں ''وطن عزیز کی آزادی میں علماء صادقپور کی قربانیاں'' کے موضوع پر اپنے اچھوتے اور دل نشیں انداز میں بھرپور روشنی ڈالی اور ان قربانیوں کے صلہ میں خاندان صادقپور کی تباہی وبربادی اور ان کے باقیات کو ختم کرنے کی سازش کا پردہ فاش کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ بہار سے خاندان صادقپور کی اس زمین وجائیداد پر جس پر میونسپل کارپوریشن کی آفسیں بنی ہوئی ہیں علماء صادق پور کی یادگار قائم کرنے کا مطالبہ کر ڈالا۔ مولانا رحمانی۔ رحمہ اللہ کی تقریر ایسی مدلل اور موثر تھی کہ وزیر اعلیٰ نے مولانا کی تقریر کے بعد بھرپور انداز میں ان کا شکریہ ادا کیا اور اسی پروگرام میں علماء صادق پور کی یادگار قائم کرنے کا وعدہ کیا۔ مگر افسوس کہ موصوف کا وہ وعدہ صرف سیاسی وعدہ ثابت ہوا۔

مولانا جعفری۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ اسی طرح کے تاریخی، دعوتی اور اصلاحی پروگرام کبھی کبھی کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ۳؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۳ فروری ۲۰۰۵ء کو بھی ایک شبی اجلاس امارت اہل حدیث صادقپور کی طرف سے جامع مسجد درزی ٹولہ، پٹنہ میں منعقد کیا تھا اور مولانا رحمانی۔ رحمہ اللہ کو ''تحریک اہل حدیث'' ایک تعریف، ایک حقیقت'' کے موضوع پر خطاب کی دعوت دی تھی۔ مولانا نے اس اجلاس میں اپنی شرکت کی منظوری دی تھی مگر صحت کی گراوٹ مولانا کے اس اہم اجلاس میں شرکت سے مانع رہی۔ قدر اللہ وماشاء فعل۔

رفاہی خدمات:

مولانا جعفری۔ رحمہ اللہ کے سینہ میں شفقت ورحمت، پیار ومحبت اور رحم دلی وغریب پروری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس

سلسلہ میں مولانا اپنے اور غیروں میں تفریق کے قائل نہیں تھے۔ آپ کی شفقتیں، مہربانیاں اور ہمدردیاں جس طرح اپنے خاندان والوں کے ساتھ تھیں اسی طرح عام محتاجوں، غریبوں اور مریضوں کے ساتھ بھی تھیں۔ حتی کہ اس کار خیر اور خدمت خلق میں مسلم اور غیر مسلم میں بھی آپ کوئی امتیازی سلوک نہیں کرتے تھے۔ مولانا کے صاحبزادہ گرامی مولانا غازی۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔ نے مولانا کی زندگی سے متعلق اپنی معلوماتی رپورٹ میں مولانا کی غرباء پروری کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ایک مرتبہ ایک غیر مسلم پنجابی اپنی پوری فیملی کے ساتھ بہار کی راجدھانی پٹنہ میں آیا اور عالم گنج میں ایک کرایہ کے مکان میں قیام پذیر ہوا۔ قسمت کی بدنصیبی کہ میاں بیوی دونوں بیمار پڑ گئے اور پوری فیملی سخت پریشانی میں مبتلا ہوگئی۔ کسی بہی خواہ نے جو مولانا کی ''خدمت خلق'' کی اعلیٰ صفت سے اچھی طرح واقف تھا اس کی بیٹیوں کو مولانا کے اوصاف جمیلہ کو بتاتے ہوئے یہ مشورہ دیا کہ آپ لوگ مولانا عبدالسمیع صاحب صادقپوری کے پاس جائیں، ان کے پاس تمہاری پریشانیوں کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکل آئے گا۔ چنانچہ وہ بچیاں مولانا کے پاس گئیں اور اپنے والدین کی بیماری اور اس کے نتیجہ میں پیش آنے والی پریشانیوں کا ذکر کیا تو واقعی مولانا تڑپ اٹھے اور صلاۃ عصر کی ادائیگی کے بعد مولانا غازی صاحب کو ہمراہ لے کر اس پنجابی کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے۔ بیماروں کی عیادت کی، گھر واپس آکر ان مریضوں کے علاج ومعالجہ کا بھرپور انتظام کیا اور جب تک وہ پٹنہ میں مقیم رہے ان کے مکان کا کرایہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی پوری فیملی کے خرد ونوش اور دیگر ضروریات کا انتظام بھی کرتے رہے۔ مولانا کے ان اخلاق کریمانہ اور اسلام کی انسانیت نوازی سے وہ لوگ بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ ہم لوگ جلد ہی اسلام قبول کر کے اسلام کی دامن امن وعافیت اور ہمدردی وغم گساری میں پناہ لے لیں گے مگر اس کے بعد اچانک وہ لوگ پٹنہ سے چلے گئے۔ سچ فرمایا ہے اللہ تعالی نے: {إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ} (القصص:۲۸:۵۶)

''آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔ ہدایت والوں سے وہی خوب آگاہ ہے''۔

مولانا اپنی غم گساری اور رفاہی خدمات میں بہت معروف تھے۔ موسم سرما میں حالت سفر میں آپ اپنے ہمراہ اپنی ضرورت سے زیادہ گرم کپڑے لے کے چلتے تھے اور اگر کسی کو سردی سے ٹھٹھرتے دیکھتے اور اس کے پاس سردی سے بچنے کا سامان نہیں ہوتا تو اس گرم کپڑے سے اس کو نواز دیتے۔ بسا اوقات زائد کپڑے نہ ہوتے تو اپنا کپڑا ہی اتار کر ضرورت مند کو دے دیتے۔ کیوں نہ ہو جبکہ آپ کا سلسلۂ نسب اسی رحمۃ للعالمین اور دنیا کے سب سے بڑے ہمدرد وغم گسار محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہی تو ملتا ہے۔ سچ کہا ہے شاعر نے ؎

بھوکے رہتے تھے پر اوروں کو کھلا دیتے تھے
کیسے صابر تھے محمد کے گھرانے والے

مریم اسپتال کا قیام:

مولانا جعفری۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ کے لئے ملت کے غرباء، مساکین، بیواؤں اور یتیموں اور ملک کے دوسرے پریشان حال

اور مصیبت کے شکار لوگوں کے حالات ہمیشہ پریشان کن رہے اور اس سلسلہ میں آپ حسب امکان اپنا دست تعاون برابر بڑھاتے رہے۔ اسی کے ساتھ عام بیماریاں اور عورتوں کے مخصوص امراض بھی آپ کے لئے سوہان روح بنے رہتے اس لئے آپ نے پتھر کی مسجد میں واقع مدرسہ اصلاح المسلمین کی قدیم عمارت کو مسمار کر کے اس کی جگہ تیس جنرل بیڈ اور تین پرائیویٹ بیڈ کا ایک مریم اسپتال قائم کیا مگر شومی قسمت کہ اس اسپتال پر اپنے اور غیروں کی نظر بد لگی اور زیادہ دنوں تک یہ خدمت خلق کا فریضہ انجام نہیں دے سکا۔

اسی مریم اسپتال کی پہلی منزل پر آپ نے ایک کمرہ کو اپنا آفس بنا رکھا تھا، جب آپ مختلف عوارض کے شکار ہوئے اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تو اسی کو آپ جامعہ اصلاحیہ سلفیہ اور امارت اہل حدیث صادق پور کے آفس اور اپنی رہائش اور لوگوں سے ملاقات کے لئے استعمال کرتے تھے۔

بعض اوصاف حمیدہ:

مولانا جعفری۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ ایک بلند پایہ عالم دین، ممتاز اور کامیاب مدرس، پرجوش و بے باک داعی و مبلغ، فصیح و بلیغ مقرر، نکتہ رس و بذلہ سنج واعظ و خطیب اور اعلی درجہ کے منتظم تھے، زہد و تقوی، خشیت الٰہی، انابت الی اللہ، رجوع الی الحق، ظرافت و خوش مزاجی، سخاوت و فیاضی، خدمت خلق، اکرام مسلم، احترام علماء، ہمدردی و غمگساری وغیرہ میں معروف و ممتاز تھے۔ آپ ہر مذہب، مسلک، مشرب اور مکتب فکر کے نزدیک ہر دل عزیز اور محبوب تھے۔ چنانچہ مولانا محمد عالم قاسمی خطیب و امام جامع مسجد دریا پور سبزی باغ، پٹنہ لکھتے ہیں:

''مولانا عبدالسمیع جعفری کی رحلت سے ملت میں ایک خلا پیدا ہو گیا ہے۔ موصوف نیک صفت، باصلاحیت عالم دین تھے، ساتھ ہی بے لوث اور بے باک مقرر تھے، آپ کی صحت مندی کے زمانہ میں جامعہ اصلاحیہ سلفیہ نے کافی ترقی کی۔ آپ کی شہر کے ہر طبقہ میں بلا اختلاف مسلک مقبولیت ہوئی، مسلکی اور گروہی تفریق سے بلند ہو کر ملت کی اجتماعی کوشش میں ہمیشہ شامل رہے اور اتحاد امت کے لئے کوشش کرتے، عام لوگوں سے والہانہ انداز میں ملتے، اس حقیر سے بھی گہرا تعلق تھا اور جب تک صحت نے ساتھ دیا میری دعوت پر برابر درس قرآن کے لئے ہم لوگوں کی مسجد میں تشریف لاتے۔ دیگر ملی امور پر بھی بہت دل سوزی سے بات کرتے'' (قومی تنظیم، پٹنہ، ص ۹، ۶/ اکتوبر ۲۰۱۵ء)

چشم فلک نے اور شہر پٹنہ کی گلیوں اور کوچوں نے آپ کی ہر دل عزیزی کا نظارہ اس وقت خوب دیکھا جب کہ صرف ایک شبہہ کی بنا پر بغیر کسی اطلاع و نوٹس کے سی بی آئی نے آپ کی دولت خانہ پر چھاپہ ماری کی تو بلا مسلک و مذہب ہر مکتب فکر کے مسلمان اور ہر مذہب کے ماننے والے برادران اپنے گھروں سے نکل کر روڈوں پر آ گئے اور سی بی آئی کی اس غلط حرکت پر اجتماعیت کا ثبوت دیتے ہوئے سد سکندری بن گئے، مجبور ہو کر انہیں مولانا جعفری۔ رحمہ اللہ۔ کو چھوڑ کر ندامت کے ساتھ واپس جانا پڑا۔

مولانا جعفری۔ رحمہ اللہ بڑے نفاست پسند تھے، جب تک طاقت و صحت نے ساتھ دیا آپ لیٹرن اور باتھ روم کی صفائی خود کر لیا کرتے، نفاست و نظافت کا یہ عالم تھا کہ آپ ہمیشہ دو رومال (دستی) ساتھ میں رکھتے تھے۔ ایک کرتا کی دائیں جیب میں

اور ایک بائیں جیب میں۔ دائیں جیب کا رومال صرف ہاتھ اور منہ کی صفائی کے لئے استعمال کرتے اور بائیں جیب کا رومال ناک وغیرہ کی صفائی کے لئے استعمال کرتے۔ جس کمرہ میں رہتے اس کی صفائی خود کرلیا کرتے تھے یہاں تک کہ کسی کے یہاں مہمان ہوتے تو بھی حتیٰ الامکان کمرہ کی صفائی کی کوشش خود کرتے تھے۔ کھانے سے فارغ ہوکر جب تک سنت نبوی کے مطابق پلیٹ اور کٹورہ کو اچھی طرح چاٹ کر صاف نہیں کر لیتے انہیں چھوڑتے نہیں اور دسترخوان کی صفائی کی بھی کوشش کرتے، مجبور ہوکر میزبان کو زبردستی مولانا کے ہاتھ سے دسترخوان چھیننا پڑتا۔

مناصب اور عہدے:

مولانا رحمہ اللہ جن عہدوں اور مناصب پر فائز رہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ امیر امارت اہل حدیث صادق پور (ہند) پٹنہ، بہار۔

۲۔ صدر و سرپرست اعلیٰ جامعہ اصلاحیہ سلفیہ، پٹنہ، بہار۔

۳۔ بانی مریم اسپتال، پتھر کی مسجد، پٹنہ، بہار۔

۴۔ ممبر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، یوپی

۵۔ ممبر مجلس عاملہ و شوریٰ ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، جامعہ نگر، نئی دہلی۔

۶۔ ممبر مجلس شوریٰ، امارت شرعیہ، بہار۔

نوٹ: مذکورہ بالا ابتدائی پانچ اداروں کی امارت، صدارت اور رکنیت کا ذکر مولانا۔ رحمہ اللہ۔ نے اپنے ایک خط بنام جناب اسماعیل رحمانی صاحب۔ سلمہ اللہ۔ مورخہ ۲۶/ ۱۲/ ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۵/ ۱۲/ ۲۰۰۸ء میں خود کیا ہے اور امارت شرعیہ بہار کی رکنیت کا ذکر محترم جناب انیس الرحمن صاحب قاسمی ناظم امارت شرعیہ، بہار نے اپنے تعزیتی پیغام میں کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

''مولانا عبدالسمیع جعفری ندوی کی شخصیت دینی و علمی اعتبار سے ایک مقبول شخصیت تھی، آپ نے پوری زندگی دین و علم کی خدمت میں گذار دی، اللہ تعالیٰ نے مزاج میں دین و ملت کی بہبودی عطا کر رکھی تھی۔ اس لئے امارت شرعیہ اور اکابر امارت سے ہمیشہ محبت رکھتے رہے۔ آپ امارت شرعیہ کے رکن کی حیثیت سے شوریٰ کے اجلاس میں جب بھی تشریف لاتے اپنی بات نہایت موثر اور باوزن انداز میں رکھتے، ملت کے مفاد میں ہمیشہ آپ کی آراء قابل قدر تھیں، آپ کے انتقال سے نہ صرف امارت شرعیہ بلکہ ملت اپنے ایک ہمدرد اور بڑے عالم دین سے محروم ہوگئی'' (قومی تنظیم، پٹنہ، ص ۴۔ ۶/ اکتوبر ۲۰۱۵ء)

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کے آپ یکم فروری ۱۹۸۷ء کو باضابطہ ممبر منتخب کئے گئے اور جب تک صحت نے ساتھ دیا برابر اس کی میٹنگوں میں شرکت کرتے اور اپنے گرانقدر مشوروں اور آراء سے نوازتے رہے۔ جب ۲۰۱۲ء میں آپ کی صحت زیادہ خراب ہوگئی اور آپ چلنے پھرنے سے یکسر معذور و مجبور ہوگئے تو آپ نے ممبر شپ سے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ سنٹر کی طرف سے میٹنگ میں شرکت کا ایجنڈا بھیجا گیا تو مولانا نے اس کے جواب میں سکریٹری سنٹر کے نام اپنا خط ۱، ۶۴۲/ ۵/ ۷۴۰ مورخہ

۴/۴/۲۰۱۲ء بھیجا جس میں تحریر فرمایا:

''جواباً عرض ہے کہ آپ لوگوں سے خصوصاً آپ سے یہ بات مخفی نہیں کہ یہ عاجز وناتواں ساڑھے تین سالوں سے پر کٹے پرندے کی طرح زندگی کے لیل ونہار وروز وشب گزار رہا ہے، اتنے لمبے عرصہ میں پٹنہ میں رہتے ہوئے اپنے بال بچوں کے پاس جانا نصیب نہیں ہوا ہے۔ صاحبزادگان اور صاحبزادیوں کی آمدورفت رہتی ہے۔ صبح کا ناشتہ، دن کا کھانا، رات کا کھانا گھر سے آتا رہتا ہے۔

الحاصل یہ کہ دعوت ناموں کے ارسال کرنے پر اچھی خاصی رقم آپ کے ادارہ کی خرچ ہوتی رہتی ہے، اس لئے میرے اس خط کو استعفیٰ نامہ تصور کیا جائے۔ جہاں تک قلبی لگاؤ اور نیک دعاؤں اور نیک تمناؤں کی بات ہے وہ اپنی جگہ ان شاء اللہ باقی رہے گی''۔

مولانا جعفری۔ رحمہ اللہ۔ کے مذکورہ بالا استعفیٰ کی منظوری کے سلسلہ میں مولانا کی خدمات کو سراہتے ہوئے سکریٹری مرکز کی طرف سے درج ذیل خط مورخہ ۹/۴/۲۰۱۲ء مولانا کی خدمت میں بھیجا گیا:

''آپ کا شفقت نامہ نمبر ۱/۶۴۲/۵/۷۴۰ مورخہ ۴/۴/۲۰۱۲ء موصول ہوا۔ جس میں آنجناب نے ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کی رکنیت سے اپنا استعفیٰ پیش کیا ہے۔

آپ کا مذکورہ بالا استعفیٰ مرکز کی گورننگ باڈی (مجلس عاملہ) کے اجلاس مورخہ ۲۹/اپریل ۲۰۱۲ء مطابق ۷/جمادی الآخرہ ۱۴۳۳ھ میں پیش کیا گیا۔ گورننگ باڈی کے معزز ممبران اور مدعوین خصوصی نے بہت گہرائی سے اس پر غور کیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی محض آپ کی مجبوری کا لحاظ کرتے ہوئے آپ کا استعفیٰ منظور کرلیا ہے۔

اس موقع پر تمام ممبران اور حاضرین نے مرکز اور جامعہ اصلاحیہ پٹنہ اور امارت اہل حدیث، صادقپور، پٹنہ کے تئیں آپ کی خاموش خدمات کو سراہا اور آپ کی خدمات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آپ کے لئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ان تمام خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور بروز قیامت انہیں آپ کی میزان حسنات میں شامل فرمائے اور آپ کا سایہ عاطفت صحت وعافیت کے ساتھ ہم پر تادیر باقی رکھے تاکہ آپ مزید دین صحیح کی خدمت کرسکیں۔ وماذالک علی اللہ بعزیز۔

اس مناسبت سے آپ کی خدمت میں مرکز کی طرف سے ایک حقیر سا تحفہ مبلغ ترپن ہزار (۵۳،۰۰۰) روپے پیش ہیں جو آپ کی خدمت میں صدر مرکز حفظہ اللہ وتولاہ کے پوتے عزیزم عبدالرحمن بن عبدالسلام رحمانی۔ سلمہ اللہ۔ کی معرفت ارسال ہے۔ امید کہ اسے قبول فرمائیں گے اور ملنے پر مطلع کریں گے''۔

بیماریاں: مولانا عبدالسمیع جعفری مدنی۔ رحمہ اللہ ۲۰۰۴ء کے نصف میں بیماری کے شکار ہوئے اور مختلف ادوار اور مختلف امراض سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اکتوبر ۲۰۱۵ء میں سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔

اس لمبے عرصہ میں بیماریوں نے آپ کو اسیر خانہ ضرور بنادیا تھا مگر فرائض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کبھی نہیں کی، ۲۰۰۴ء میں آپ کو ریڑھ کی ہڈی میں چوٹ آگئی تھی جس کی وجہ سے اٹھنا بیٹھنا اور چلنا پھرنا مشکل ہوگیا، تقریباً چار مہینے کے علاج ومعالجہ کے بعد ڈاکٹر کے مشورہ سے بیلٹ بنوایا، اس کو کمر اور پیٹھ پر باندھ کر بیٹھتے اور چھڑی کے سہارے چلنے پھرنے کے قابل ہوئے چنانچہ آپ

مولانا عبدالحمید رحمانی۔ رحمہ اللہ۔ کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

اخلاقی طور اتنی تاخیر سے یہ خط نہیں لکھنا چاہیے تھا مگر میں اپنی صحت کے پہلو سے، یہ چوتھا مہینہ چل رہا ہے کہ ذی فراش زندگی کے لیل ونہار گزار رہا ہوں۔ یہ تقدیر کا کوئی گلہ وشکوہ نہیں، بلکہ تذکرہ تحریر کرنا پڑ رہا ہے''۔ آپ آگے لکھتے ہیں: ''اسپائنل کوڈ کا معاملہ ہے، بظاہر ریسٹ کی مدت بحمد اللہ گزر چکی ہے، بیلٹ بھی معالج ڈاکٹر کے آرڈر پر بن چکا ہے، اس کو لگا کر بیٹھ لیتا ہوں، نیز چھڑی کے سہارے چل بھی لیتا ہوں، فللہ الحمد و الشکر''۔ (خط مولانا جعفری بنام مولانا رحمانی۔ رحمہما اللہ۔ مورخہ ۲۴/۷/۱۴۲۵ھ مطابق ۱۰/۹/۲۰۰۴ء)

اس بیماری سے افاقہ ہونے کے بعد درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اور دیگر فرائض منصبی کی ادائیگی میں تگ ودو کرنے لگے کہ ۲۰۰۹ء میں گھر کے آنگن میں صلاۃ فجر کے وقت چکر کھا کر گر گئے جس کی وجہ سے کولہے کی ہڈی میں بال پڑ گیا تھا اور آپ کافی دنوں تک زیر علاج رہے جس کی وجہ سے گھر جانا یا اسپتال سے باہر نکلنا بند ہوگیا۔ جیسا کہ آپ راقم سطور (عاشق علی اثری) کے نام اپنے خط مورخہ ۱۰/۵/۱۴۳۱ھ مطابق ۲۶/۴/۲۰۱۰ء میں رقم طراز ہیں:

مرسلہ ملفوف مورخہ ۱۴/۴/۲۰۱۰ء بتاریخ ۲۹/۴/۱۴۳۱ھ مطابق ۱۵/۴/۲۰۱۰ء باصرہ نواز ہوا تھا۔

''اطلاعاً عرض ہے کہ بندہ ۴/شعبان ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۷/جولائی ۲۰۰۹ء سے مسلسل تاہنوز اپنے مریم ہسپتال میں ہی ہے، نہ تو عید الفطر میں گھر جانا نصیب ہوا اور نہ ہی عید قرباں میں''

کافی علاج ومعالجہ کے بعد بحمد اللہ طبیعت ٹھیک ہوگئی تھی البتہ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں پریشانی تھی جس کی بنا پر اسپتال کے ایک کمرہ میں محبوس ہو کر رہ گئے تھے جسے اپنا چھوٹا سا آفس بنا رکھا تھا اور وہیں بیٹھ کر سارے امور انجام دے رہے تھے چنانچہ سکریٹری مرکز کے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

''مرسلہ عنایت نامہ مورخہ ۴/۴/۲۰۱۱ء حوالہ نمبر ۰۰۶/ایس، ایم/۱۱ بتاریخ ۳/۵/۱۴۳۲ھ مطابق ۸/۴/۲۰۱۱ء موصول ہوا تھا۔

اپنا حالیہ حال یہ ہے کہ ایک سال دس مہینوں سے مسلسل اپنے مریم ہسپتال میں ہی گویا قیام پذیر ہیں، نہ سال گذشتہ عیدین میں گھر جا سکے نہ ہی امسال، بچے لوگ اور بیٹیاں آتی رہتی ہیں۔۔ مرکز کی طرف سے بلائی گئی مجلس کے دن ارکان شوری کی خدمت میں سلام عرض کر دیں گے۔ اپنی رائے وہی ہوگی جو مرکز کے جنرل سکریٹری کی ہوگی''۔

آپ کے شب وروز اور ایام وماہ اسی طرح گزرتے رہے کہ ۲۰۱۴ء میں دوبارہ گر گئے اور شری رام ہاسپٹل پٹنہ میں داخل ہوگئے اور علاج ومعالجہ کا یہ سلسلہ تقریباً اکتالیس دنوں تک چلتا رہا۔

وفات اور صلاۃ جنازہ:

۲۰۱۴ء میں گرنے کے بعد علاج سے افاقہ ضرور ہوا مگر آپ میں چلنے پھرنے کی طاقت اس حد تک جواب دے گئی کہ بغیر کسی سہارے کے آپ بیت الخلاء میں بھی نہیں جا سکتے تھے بالآخر وہ وقت موعود آپہنچا جو ہر متنفس اور جاندار کا مقدر ہے۔

۱۹/ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۴/اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز اتوار رات ۱۰:۴۵ بجے آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور خاندان صادقپور اور متعلقین پٹنہ وعظیم آباد اور جماعت وملت کے دیگر متعلقین کو سوگوار چھوڑ کر راہی ملک بقاء ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی صلاۃ جنازہ عیدگاہ باغ عبدالخبیر صندل پور، پٹنہ میں ۹:۳۰ بجے صبح آپ کے صاحبزادہ گرامی مولانا غازی اصلاحی نے پڑھائی، پھر عیدگاہ سے آپ کا جنازہ آپ کے آبائی قبرستان متصل مرکزی مسجد اہل حدیث میر شکار ٹولہ، پٹنہ لایا گیا اور بعد صلاۃ ظہر تدفین عمل میں آئی، آپ کی صلاۃ جنازہ میں بلا اختلاف مسلک ومشرب ہر طبقہ کے علماء وفضلاء، طلبہ اور عام لوگوں نے کافی تعداد میں شرکت کی، عمر رسیدہ بزرگوں کے بیان کے مطابق مولانا جعفری، کے والد گرامی مولانا عبدالخبیر صادق پوری۔ رحمہ اللہ۔ کے بعد پٹنہ میں اتنی بڑی تعداد کسی کے جنازہ میں نہ دیکھی گئی جتنی مولانا عبدالسمیع۔ رحمہ اللہ۔ کے جنازہ میں تھی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وغفرلہ وادخلہ فی فردوس جناتہ۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

پسماندگان:

اللہ تعالیٰ نے مولانا۔ رحمہ اللہ کو کل چار بیٹیاں اور چار بیٹے عنایت فرمائے تھے۔ جن میں سے ایک بیٹی مدینہ طیبہ میں اور ایک بیٹا مکہ مکرمہ میں بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔ ۲۰۱۱ میں چھوٹی بیٹی اور ۲۰۱۵ء کے شروع میں بڑی بیٹی بھی آپ کو داغ مفارقت دے کر اور صبر کے پیکر مولانا جعفری۔ رحمہ اللہ پر پیرانہ سالی اور مختلف عوارض جسمانی کی حالت میں مزید غموں کا پہاڑ گرا کر دنیا سے رخصت ہو گئی۔

اس وقت مولانا کے پسماندگان میں تین بیٹے عزیزان محمد (بڑے)، ابوعبداللہ غازی (منجھلے) اور عبدالبدیع عرف مجاہد (چھوٹے) اور ایک بیٹی اور ایک پوتا اور ایک پوتی کے علاوہ خود آپ کی اہلیہ محترمہ۔ حفظہا اللہ ورعاہا۔ موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی اہلیہ کو صحت وعافیت اور عمل خیر کے ساتھ اولاد کی سرپرستی کے لئے تادیر زندہ رکھے اور ان کی تمام اولاد واحفاد کو مولانا کے مشن اور ان کے لگائے ہوئے پودوں کی آبیاری کر کے پروان چڑھانے کی توفیق ارزانی بخشے۔ آمین۔

خاتمہ: مولانا جعفری رحمہ اللہ کی حیات وخدمات، درس وتدریس، دعوت واصلاح اور ان کی زندگی کے نشیب وفراز سے متعلق یہ امور حوالۂ قرطاس کرنے کا مقصد نئی نسل کو اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقف کرانا ہے تاکہ ان کی زندگی سے عبرت ونصیحت حاصل کر کے مستقبل میں انہیں مشعل راہ بنایا جائے، اس لئے کہ جو قومیں اپنی تاریخ اور اپنے اسلاف کے کارناموں سے ناواقف ہوتی

ہیں وہ قعر مذلت میں گر جاتی ہیں۔

مجھے امید ہے کہ درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اور اصلاح معاشرہ کے میدانوں میں کام کرنے والے احباب کے لئے مولانا کی زندگی میں عبرت کے بہت سے سامان ملیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی حسنات کو قبول فرمائے، ان کی بشری لغزشوں کو معاف فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

سبحانك اللهم ربنا وبحمدِك واشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك۔

وصلى الله على نبينا ورسولنا محمد وعلىٰ آله وصحبه وبارك وسلم تسليماً كثيرا۔

(ماہنامہ التبیان دہلی۔ مئی ۲۰۱۶)

☆☆☆☆

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

خاندان صادقپور کے گل سرسبد مولانا عبدالسمیع جعفری رحمہ اللہ کی یاد میں

۱۹۳۶ء.....۲۰۱۵ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

خاندان جعفری اور اس کا پس منظر: عظیم آباد میں تین خاندانوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اور وقت کے اعتبار سے یہ تینوں خاندان اس علاقے میں معتبر اور صاحب حیثیت مانے جاتے تھے۔

(۱) مولوی فتح علی صاحب کا خاندان جس سے مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی وغیرہم جیسی عظیم الشان ہستیاں وابستہ تھیں۔

(۲) شاہ محمد حسین تموہیہ خاندان جنہوں نے سید احمد شہید کے ہاتھوں پر بیعت کیا تھا۔

(۳) مولوی الٰہی بخش کا خاندان جن کا سلسلہ نسب کئی واسطوں سے ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی جعفر طیار تک پہونچتا ہے، جس کی وجہ سے ان کو جعفری بھی کہا جاتا تھا، مولانا عبدالسمیع صاحب جعفری اسی خاندان علم وفضل کے گل سرسبد تھے، اور اس طرح جماعت مجاہدین کی ایک عظیم ہستی مولوی الٰہی بخش آپ کے پردادا احمد اللہ کے والد تھے، چنانچہ مولوی الٰہی بخش کے سلسلے میں مشہور تاریخ نگار غلام رسول مہر رقمطراز ہیں کہ ''مولوی الٰہی بخش کا خاندان جس کا سلسلہ نسب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی حضرت جعفر طیار سے ملتا ہے، اسی بزرگ کے فرزندوں نے ہندوستان میں دعوت وتنظیم جہاد اور فراہمی زر مجاہدین کے اہم کام جس اعلیٰ پیمانے پر انجام دیئے، وہ اپنی مثال آپ ہیں، بعض افراد میدان جہاد کی جانفشانیوں میں بھی حصہ دار بنے'' (سرگزشت مجاہدین ص ۴۵۳)

مولوی الٰہی بخش کی اولاد: آپ کی اولادوں میں احمد اللہ، مولانا فیاض علی، مولانا یحییٰ علی، مولانا اکبر علی وغیرہ ہیں۔ مولانا عبدالسمیع جعفری مولوی الٰہی بخش کے فرزند احمد اللہ کے سلسلہ نسب سے ہیں۔

آپ کا نسب نامہ یوں ہے، عبدالسمیع بن عبدالخبیر بن عبدالحکیم بن احمد اللہ بن الٰہی بخش جعفری صادقپوری۔

آپ کے پردادا احمد اللہ کے سلسلے میں مولانا غلام رسول مہر یوں لکھتے ہیں'' آپ مولوی الٰہی بخش جعفری کے خلف اکبر تھے، ۱۲۲۳ھ/ ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوئے، والد نے احمد بخش نام رکھا تھا، سید صاحب سے وابستگی پیدا ہوئی تو انہوں نے احمد اللہ نام تجویز فرمایا، دینی علوم دوسرے اساتذہ کے علاوہ مولانا ولایت علی سے حاصل کئے، بہت ذہین اور ذکی تھے، فہم وفراست میں یگانہ مانے جاتے تھے، وقت کے رئیس ہونے کے باوجود بہت حلیم الطبع، منکسر المزاج اور صاحب مروت تھے، آپ کی شادی شاہ محمد حسین

تموہیہ کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی تھی'' (سرگزشت مجاہدین ص ۴۵۶)

مولانا یحییٰ علی کے بعد تحریک کے خلیفہ بھی آپ تھے آپ کی مدت امارت ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۴ء سے اپنی گرفتاری ۱۲۸۱ھ/ ۱۸۶۵ء تک تھی، اس کے بعد مولانا مبارک علی تین سال تک اور مولانا محمد حسن ذبیح تقریباً ۱۵ سال تک اور پھر مولانا عبدالرحیم ۴۱ سالوں تک، اور سب سے آخری امیر جو تقسیم ملک تک تھے، اور بعد میں بھی باحیات رہے، وہ مولانا عبدالسمیع جعفری کے والد ماجد مولانا حکیم عبدالخبیر صادقپوری رحمہ اللہ تھے، آپ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۴ء سے لے کر تقسیم ملک ۱۹۴۷ء تک اور اس کے بعد ۱۹۷۳ء تک امیر تھے، پھر اس کے بعد مولانا عبدالسمیع جعفری کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا (مجموعہ مقالات رحمانی صاحب جلد سوم ص ۱۳۱ اور جلد اول ص ۲۱۳)

نہرو جی اور خاندان صادقپور: علمائے اہل حدیث صادقپور کی سرفروشانہ اور مجاہدانہ قربانیوں کی وجہ سے نہرو جی بھی انکی بڑی عزت وتکریم کیا کرتے تھے، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک دفعہ مولانا ابوالکلام آزاد ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے ساتھ آزادی وطن کے بعد امارت کے آخری چشم وچراغ مولانا عبدالخبیر صادقپوری کی خدمت میں ان کے گھر محلہ صادقپور پٹنہ حاضر ہوئے، اور اس موقع پر نہرو جی نے چاندی کے سکوں سے بھری ایک تھیلی پیش کی مگر حکیم عبدالخبیر صادقپوری نے اسے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہمارے بزرگوں کی قربانیوں کا صلہ انہیں رب العالمین دے گا اس موقع پر نہرو جی نے کہا تھا ''وطن عزیز کی آزادی میں جتنی قربانیاں دی گئیں ہیں اگر انہیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھدیا جائے اور علماء صادقپور کی قربانیاں دوسرے پلڑے میں تو علمائے صادقپور کا پلڑا بھاری پڑ جائیگا'' اور یہ تاریخ جہاد وآزادی کی وہ سچائی ہے جس کا انکار تو جاہل ہی کر سکتا ہے یا متعصب آدمی، اور یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ علمائے صادقپور اور ان کا خانوادہ سب کے سب اہل حدیث تھے۔ (تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینے میں/قاضی اسلم سیف فیروز پوری)

پیدائش: آپ کی پیدائش صادقپور کے اسی عظیم خانوادہ سعادت مند میں نومبر ۱۹۳۶ء کو ہوئی اور یوں ایک علمی اور تاریخی گھرانہ میں آپ نے آنکھیں کھولیں، اور پھر بفضل الٰہی اسی سعادتمندی اور خوش بختی کے ماحول میں آپ پرورش پاتے رہے اور رفتہ رفتہ پروان چڑھتے رہے۔ بعض اہل قلم نے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۰ ستمبر ۱۹۳۷ء بھی لکھی ہے۔

تعلیم وتعلم: ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم حکیم عبدالخبیر صادقپوری سے حاصل کی اردو، عربی فارسی بھی انہیں سے پڑھی اور نحو وصرف اور قرآن مجید ترجمہ، وتفسیر بھی سیکھا اور اس کے بعد مدرسہ اصلاح المسلمین پتھر کی مسجد پٹنہ میں داخلہ لے لیا، اور یہاں سے فراغت حاصل کی، بعدہ ادب عربی میں تخصص اور مہارت حاصل کرنے کی غرض سے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا، اور وہاں سے فراغت کے بعد مادر علمی اصلاح المسلمین پٹنہ میں تدریس کا فریضہ انجام دینے لگے، رب العالمین کو منظور تھا وہ سعادت مند گھڑی آ گئی اور ۱۹۶۸ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں آپ کو داخلہ مل گیا وہاں کلیہ الدعوۃ واصول الدین میں داخل ہو گئے اور پھر اساطین علم وفن سے چار سالوں تک کسب فیض کرتے رہے، اور اسطرح کلیہ یعنی گریجویشن کے چار سال مکمل کر کے مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہو گئے **فللہ الحمد والمنہ۔**

تدریس ودعوت اور دیگر ذمہ داریاں: مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد دعوت وتبلیغ کیلئے آپ کا تقرر نائیجریا میں دارالافتاء کی طرف کیا گیا، دوسالوں تک وہاں دعوت کا فریضہ انجام دیتے رہے، اچانک وہاں کی فوج نے حکومت کا تختہ پلٹ کردیا اور فوجی انقلاب کے ذریعہ ایک سورش کھڑی کردی جسکی وجہ سے آپ کو مجبوراً نائیجریا چھوڑ کر مصر آنا پڑا یہاں کچھ دنوں تک مقیم رہے، اور پھر وہاں سے سعودی عرب آگئے، جامعہ ام القریٰ کی لائبریری میں آپ کو ایک اچھی ملازمت معاون لائبریرین کی شکل میں مل گئی، دعوتی کام سے استعفیٰ دیے کرام القریٰ یونیورسٹی کی لائبریری سے منسلک ہوگئے، عربی سیکشن میں کافی دنوں تک ذمہ داریاں انجام دیتے رہے، اور اخیر سال میں انگلش سیکشن کی بھی اضافی ذمہ داری مل گئی اور پوری امانت داری اور محنت ولگن سے ام القری میں یہ خدمت انجام دیتے رہے اور پھر ہمدردانِ جماعت اور والد محترم کے پیہم اصرار پر آپ امارت کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لئے واپس ہندوستان چلے آئے، نامزدگی تو دوران تعلیم ہی ہوچکی تھی، ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی نیابت کررہے تھے، بالآخر ۱۹۸۵ء میں اپنے آبائی وطن بہار واپس آگئے اور امارت صادقپور کی باگ ڈور سنبھال لی، مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ کی ذمہ داریاں بھی تھیں، اس عرصہ میں آپ نے مدرسہ کی تعمیر وترقی اور بلڈنگ وغیرہ کے قیام میں بڑی محنت کی، مساجد کو آباد کیا گیا اور اس طرح یہ قافلہ حق وصداقت اپنی پوری آن بان شان کے ساتھ رواں دواں رہا اور تاحیات امارت صادق پور پٹنہ اور مدرسہ اصلاح المسلمین کے کاروان توحید وسنت کے سالار قافلہ بنے رہے، اور اپنی ہنرمندیوں اور صلاحیتوں کے جوہر دکھاتے رہے۔

تشکیل امارت اور مولانا عبدالسمیع جعفری: مولانا عبدالسمیع جعفری کے والد ماجد حکیم عبدالخبیر صادقپوری شہیدین کی شہادت کے بعد تحریک کے آخری خلفاء میں سے تھے، آپ کا دور امارت ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۴ء سے لے کر تقسیم ملک اور اس کے بعد ۱۹۷۳ء تک ہے، مورخ جماعت مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ تشکیل امارت کے سلسلے میں رقمطراز ہیں کہ: برصغیر ہندوستان کی گزشتہ سواسو سال کی ہنگامہ خیز تاریخ میں اس شعر (ایں سلسلہ طلائے ناب است۔ ایں خانہ ہمہ آفتاب است) کا صحیح مصداق اگر کوئی خاندان رہا ہے تو وہ خاندان سعادت صادقپور ہے، امام مولانا ولایت علی صادقپوری رحمہ اللہ سے لے کر موجودہ امیر مولانا عبدالخبیر صادقپوری تک اس خاندان نے ہندوستان کی اصلاحی تبلیغی اور سیاسی تاریخ میں جو دوررس اثرات چھوڑے ہیں ان کی نظیر ملنی ناممکن ہے، اس خاندان کی جانی ومالی اور دوسری ہمہ گیر قربانیاں پورے ہندوستان کی قربانیوں پر بھاری ہیں، جماعت اہل حدیث نے ہر دور میں اس خاندان کی قیادت پر اعتماد کیا ہے اور اس کے جھنڈے تلے استعماری قوتوں سے نبرد آزما ہوئی ہے، موجودہ امیر حضرت مولانا عبدالخبیر جعفری صادقپوری حفظہ اللہ سالہا سال سے مختلف بیماریوں میں مبتلا ہیں، آپ اپنی عمر کی ۹۳ ویں منزل میں ہیں اور ادھر دو سال سے آپ کی صحت انتہائی نازک صورت حال سے گزر رہی ہے (عافاہ اللہ) جماعت اہل حدیث پٹنہ وبہار کو آپ کی صحت کی خرابی کی وجہ سے جماعت کی قیادت کی بابت سخت پریشانی تھی اور صرف جماعت ہی نہیں بلکہ دوسرے ہمدردان ملت بھی اس مسئلہ کو بہت اہم سمجھتے تھے میں جب جسٹس خلیل صاحب سے انٹرویو لینے گیا تو موصوف نے بھی اس پہلو کی طرف توجہ دلائی، چنانچہ ان احساسات کو مدنظر رکھتے ہوئے امیر موصوف نے پوری جماعت سے مشورہ کے بعد اپنے چھوٹے لائق صاحبزادے مولوی عبدالسمیع صاحب

متعلم جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کو جماعت کی ذمہ داریاں سونپ دیں، حسن اخلاق سے مولوی عبدالسمیع صاحب کو مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا، (بحمد للہ اس گنہگار کی کوششوں کا اس میں سب سے زیادہ دخل تھا) مدینہ یونیورسٹی میں جب موصوف کو والد کی صحت کی نزاکت کا علم ہوا تو وہ اسی سال پٹنہ تشریف لائے اور چونکہ ابھی تعلیم کی تکمیل میں دوسال کی مدت باقی ہے، بنابریں جماعتی حلقوں میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اس دوسالہ مدت میں جماعتی نظم کی ذمہ داریاں کون سنبھالے، حضرت امیر صادقپوری کے سامنے بھی یہ مسئلہ اٹھایا گیا چنانچہ امیر موصوف نے مولوی عبدالسمیع اور جماعت سے مشورہ کے بعد یہ دانشمندانہ فیصلہ فرمایا کہ مولوی عبدالسمیع کی غیر حاضری میں جماعت کی قیادت کے فرائض مولانا ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی انجام دیں گے (مجموعہ مقالات/عبدالحمید رحمانی جلد اول ص ۲۱۳)

چنانچہ ۱۹۷۳ میں جماعت کے مخلصین افراد کے پیہم اصرار کے پیش نظر آپ کے والد نے اپنی حیات میں ہی اپنا جانشین مقرر کردیا، اور پھر ۱۹۸۵ء میں جب آپ تعلیم وغیرہ سے فراغت کے بعد ہندوستان آئے تو سابقہ فیصلہ کی روشنی میں آپ سے جماعت کے افراد نے بیعت کی اور اس طرح آپ نے امارت کی باگ ڈور سنبھال لی، آپ کی مدت امارت ۱۹۷۳ء/مطابق ۱۳۹۳ھ سے لے کر ۲۰۱۵ء مطابق ۱۴۳۶ھ آپ کی وفات تک رہی۔

دعوتی وصحافتی خدمات: مولانا جعفری صاحب ایک باکمال مقرر اور مدرس کے ساتھ ساتھ بہترین صحافی اور قلمکار بھی تھے، آپ کے کچھ مضامین اخبارات وجرائد کے حوالے سے بالخصوص ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی کے صفحات پر باصرہ نواز ہوئے، درد اور فکر میں ڈوبی ہوئی ایک غیر تمند اور اصلاح پسند تحریر جو دلوں کی گہرائیوں میں اتر کر تزکیہ اور تصفیہ نفس کا کام کرے اور سماج کی سدھار میں ایک موثر اور اہم رول ادا کرے، اس طرح کی خدمات واحساسات پر مشتمل آپ کی تحریریں اور نگارشات ہوا کرتی تھیں آپ ایک ادبی ولغوی شخصیت کے مالک تھے اور شاعرانہ ذوق بھی رکھتے تھے جس کے لئے مضطر کا تخلص استعمال ہوتا تھا۔

پٹنہ صادق پور اور بہار وبنگال کے علاقے میں آپ نے دعوت وارشاد کا ایک عظیم عمل اور بہترین خدمت اور اس کا نمونہ قائم کیا تھا، مجھے تو ویسے سردست آپ کی تقاریر یا خطبات وغیرہ سننے کا موقعہ نہ ملا البتہ بعض احباب علماء ودعاۃ کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ کی آواز میں بڑی تاثیر اور خطبات وتقاریر میں بڑی اثر پذیری اور جاذبیت تھی، اللہ قبول فرمائے آمین۔

بیماری، وفات اور جنازہ: مولانا عبدالسمیع جعفری کافی دنوں سے علیل چل رہے تھے، کم وبیش ۱۳/۱۴ سال پہلے آپ کو ریڑھ کی ہڈی میں چوٹ آئی تھی جس کی وجہ سے کافی تکلیف رہا کرتی تھی، علاج ومعالجہ جاری تھا اور کافی افاقہ تھا کہ اچانک تھوڑے عرصہ کے بعد فجر کی نماز کے وقت گھر کے آنگن میں چکر کھا کر گر گئے جس کی وجہ سے کولہے کی ہڈی متاثر ہوگئی، کافی علاج معالجہ ہوا طبیعت ٹھیک تھی صرف اٹھنے بیٹھنے کی تکلیف تھی، ۲۰۱۴ء میں واپس گر گئے، بالآخر وفات سے پہلے سخت تکلیف ہوئی کم وبیش ۴۱ دنوں تک شری رام ہاسپٹل میں داخل رہے، مشیت الٰہی کو کچھ اور منظور تھا کہ ۱۹ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۴/اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز اتوار شام ۱۰:۴۵ بجے وقت موعود آپہنچا اور اس طرح طویل علالت کے بعد مولانا خاندان صادقپور اور پٹنہ وعظیم آباد کے اہل حدیثان اور

برادران اسلام کوسوگوار چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی نماز جنازہ عیدگاہ باغ صندلپور میں ۵/اکتوبر ۲۰۱۵ء کو صبح ۹:۳۰ بجے پڑھی گئی جنازہ میں ہر مکتب فکر ومسلک کے لوگوں کا جمع غفیر تھا، بزرگوں اور عمر رسیدہ لوگوں کا بیان ہے کہ مولانا عبدالخبیر صادقپوری کے بعد شہر پٹنہ میں کسی کے جنازہ میں اتنے افراد نظر نہ آئے جتنا مولانا عبدالسمیع جعفری صاحب کے جنازہ میں تھے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کروٹ کروٹ آپ کو جنت نصیب فرمائے آمین۔

اولاد واحفاد: شیخ جعفری کی شادی مضافات پٹنہ شیر پور کے ساکن جناب امیر محمد حمزہ کی بڑی بیٹی سے ہوئی تھی، آپ کے بچوں کی کل تعداد آٹھ ہے چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں، آپ نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے ابوعبداللہ غازی کو اپنے تمام معاملات کا جانشین بنایا تھا، اور آپ کی وفات کے بعد محترم غازی صاحب ہی آپ کے جانشین اور امارتِ اہل حدیث صادق پور پٹنہ کے امیر ہیں۔

نوٹ: مذکورہ مضمون میں غلام رسول مہر اور مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کے افادات کے علاوہ شیخ عبدالسمیع جعفری صاحب کے صاحبزادگان کے ارسال کردہ معلومات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

(ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی، دسمبر ۲۰۱۵)

□□□

شیخ عبداللہ مدنی جھنڈانگری رحمہ اللہ

شخصیت اور کارنامے

۱۹۵۵ء.....۲۰۱۵ء

مولانا مطیع اللہ حقیق اللہ مدنی
استاذ مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ، کرشانگر

یہ دسمبر کی سترہویں تاریخ تھی میں صبح آٹھ بجے مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ پر پہنچا، دیکھا کہ عزیزم جواد ایک سوٹ کیس اٹھائے ہوئے تھے، پوچھنے پر پتہ چلا کہ ان کے والد گرامی مولانا عبداللہ صاحب مدنی کاٹھمنڈو کے سفر پر روانہ ہو رہے ہیں اتنے میں مولانا اپنے گھر ''العریش'' سے باہر نکلے، میں نے سلام کیا انہوں نے جواب دیا اور پوچھا کہ آپ نے قافلہ دعویہ کی روداد نہیں سنائی۔

دراصل میں چند افاضل علماء ودعاۃ کی معیت میں پہاڑی علاقہ میں ایک دعوتی سفر طے کر کے چند دن قبل واپس ہوا تھا، میں نے کہا کہ آپ واپس آجائیں پھر تفصیل سے روداد سناؤں گا، ان کے ساتھ ان کی گاڑی تک چلتا ہوا گیا، میں نے اور عزیزم جواد بن عبداللہ مدنی نے مولانا کو سلام ودعاء کے ساتھ رخصت کیا، مولانا نے بتایا کہ قطر ایمبیسی میں قطر کے یوم وطنی کی تقریب میں شرکت اور جمعیت اہل حدیث نیپال کے کاز سے متعلق یہ سفر ہے، آپ اس وقت بالکل چاق وچوبند نظر آئے، صحت بالکل ٹھیک ٹھاک نظر آرہی تھی، وہ کاٹھمنڈو پہونچے، قطری سفارتخانہ میں یوم وطنی کی تقریب میں شرکت کی اور اس کے بعد آپ کی صحت متاثر ہوئی، ضعف کا احساس ہوا، احباب سے رابطہ کیا، اسپتال میں داخل ہوئے، شوگر کافی بڑھا ہوا تھا، ابتدائی علاج کے بعد طبیعت کچھ سنبھلی مگر بعد میں دل کا دورہ پڑا پھر آئی سی یو میں وینٹی لیٹر پر رہے اور بروز منگل بوقت ۹:۳۰ بجے بتاریخ ۲۲ر دسمبر ۲۰۱۵ء کو آپ کی وفات واقع ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں ایک مریض کی عیادت کے لئے ابھیراؤں آیا تھا، واپس آرہا تھا کہ راستے میں وفات کی اطلاع ملی، احباب ومتعارفین کے فون کالز کا ایک طویل سلسلہ رہا، افتاں خیزاں مدرسہ پہنچا اور مولانا کے بچوں کی تعزیت کی، مولانا عبداللہ مدنی کی وفات ان کے اہل خانہ اور اہل خاندان کے لئے ایک غمناک سانحہ ہے، اچانک اور دیار غیر میں وفات سے اپنوں پر شدت غم میں اضافہ ہوا، انہیں اور دیگر کو کافی سے زیادہ غم زدہ کر گیا، اللہ تعالیٰ کے فیصلے یوں ہی اٹل ہوتے ہیں (وما تدری نفس بأی ارض تموت) کی سچائی بہت پختہ ہے، اللہ تعالیٰ مولانا کے ساتھ رحمت وعفو کا معاملہ فرمائے اور انہیں جنت نصیب کرے، اور تمام پسماندگان بالخصوص ان کے اہل وعیال اور اقرباء کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا عبداللہ صاحب مدنی کی وفات جہاں ان کے اہل خانہ کیلئے غم والم سے پر ایک وقوعہ ہے وہیں پر مرکز التوحید نیپال اور مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات کرشانگر کے لئے ایک شدید سانحہ ہے کہ آپ ہی اس کے میر مجلس اور روح رواں تھے۔

مولانا عبداللہ صاحب مدنی ملک نیپال کے ایک معروف عالم دین تھے، ان کی اپنی ایک شخصیت تھی، جس میں متعدد زاویے سے انفرادیت جھلکتی تھی اور ان کے اپنے نمایاں تدریسی، تعلیمی ودعوتی کارنامے تھے، آپ صاحب طرز انشاء پرداز اور غزل گو شاعر بھی تھے۔

ذیل میں آپ کی شخصیت اور کارہائے نمایاں پر مختصر روشنی ڈالنے کی سعی کی گئی ہے، استیعاب مقصود نہیں ہے۔

مولانا عبداللہ صاحب مدنی کی ولادت ۱۹۵۵ء جھنڈا نگر نیپال میں ایک علم دوست گھرانے میں ہوئی، آپ کے دادا محترم میاں محمد زکریا علیہ الرحمہ تھے، میاں صاحب مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر (جواب جامعہ سراج العلوم السلفیہ ہے) کے اولین مدرسین میں سے تھے، جھنڈا نگر اور اس کے نواح کے مدرسہ سراج العلوم کے تمام خوشہ چین میاں صاحب کے تلامذہ ہیں، میاں صاحب ایک دین دار اور صالح شخص تھے، اللہ غریق رحمت کرے اور انہیں جنت دے۔ آمین۔

میاں صاحب کے پانچ نرینہ اولادوں میں ایک منشی عبدالتواب علیہ الرحمہ تھے، جو ایک مشہور تاجر تھے اور تجارت میں کامیابی وکامرانی ان کی حلیف رہی ہے، وہ ایک پابند صوم وصلوٰۃ شخص تھے، دیکھنے والے انہیں نماز میں اکثر صف اول میں پاتے تھے، یہ علماء کے قدرداں تھے۔

مولانا عبداللہ صاحب مدنی انہیں منشی عبدالتواب کے بڑے فرزند تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ سراج العلوم میں اپنے دادا محترم میاں صاحب سے پائی اور عربی درجات کی تعلیم شروع کی، بعدہ مدرسہ اسلامیہ اکرہرا کا رخ کیا، آپ جامعہ سلفیہ بنارس میں زیر تعلیم رہے، تخصص کے لئے ندوہ کا رخ کیا۔

تمتع زہر گوشۂ یافتم
زہر خرمن خوشۂ یافتم

آپ کو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ کی سعادت حاصل ہوئی ۱۹۸۱ء میں فراغت وسند اجازہ سے شادکام ہوئے، دارالافتاء کے مبعوث بن کر جامعہ سلفیہ جنک پوردھام سے اپنی تدریسی ودعوتی زندگی کا آغاز کیا، نیپال کی راجدھانی کاٹھمنڈو میں داعی ومبلغ کی حیثیت سے مصروف عمل رہے، چند سالوں تک وہاں پر دعوتی خدمات کی انجام دہی کے بعد آپ مرکز الامام احمد بن حنبل الاسلامی کے زیر اشراف مدرسہ ''المعہد الاسلامی'' میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے اور دعوتی ذمہ داریاں حسن وخوبی کے ساتھ ادا کرتے رہے۔

ادھر آپ کے عم گرامی قدر مولانا عبدالوہاب ریاضی اور آپ کے پدر نامدار منشی عبدالتواب نے آپ کے مشورہ وتعاون سے ایک مدرسہ نسواں ''مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات'' کا آغاز ۱۹۸۹ء میں کردیا تھا، لہٰذا آپ نے تولہوا سے کرشانگر کا رخ فرمایا اور مدرسہ کی پوری ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنے خون جگر سے اس کی آبیاری کی اور دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں میں یہ ایک عظیم مدرسہ بن گیا جس میں ملک نیپال اور ہندوستان کے دور دراز کی بچیاں زیر تعلیم ہیں۔

آپ نے دعوتی میدان میں اچھی خدمات انجام دی ہیں، آپ ایک بہتر خطیب تھے اور خطابت کا اسلوب عمدہ تھا، زبان وبیان میں مٹھاس پائی جاتی تھی، لب ولہجہ میں شیرینی پائی جاتی تھی ''حب رسول'' کے موضوع پر آپ کا خطاب بہت موثر اور دلکش ہوتا تھا، تقریباً ۱۹۹۴ء تک آپ المعہد الاسلامی تولہوا سے منسلک رہے۔

آپ کا ایک عظیم کارنامہ اور شاہکار عمل یہ ہے کہ آپ نے ملک نیپال سے ایک اردو ماہنامہ ''نور توحید'' کی اشاعت کی داغ بیل ڈالی اور مئی ۱۹۸۸ء کو اس موقر مجلہ کا پہلا شمارہ زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا اور ملک نیپال سے شائع ہونے والا اردو کا پہلا ماہانہ مجلہ ہونے کا اعزاز حاصل کیا اور پھر اس چراغ سے چراغ جلتے گئے اور آج کل نیپال سے متعدد ماہنامے شائع ہورہے ہیں، اس مجلہ کا امتیاز یہ رہا ہے کہ وہ مسلسل اٹھائیس برس سے شائع ہورہا ہے اور اب تک جاری ہے، اس کا آخری شمارہ جو آپ کی حیات میں مرتب ہوا اور اس کا اداریہ برائے ٹائپنگ حوالہ کاتب کیا، یہی اداریہ آپ کی آخری تحریر ہے، اللہ کرے یہ مجلہ اپنا نور مستقبل میں بکھیرتا رہے اور ملک وملت کی خدمت کے ساتھ اہل اسلام کی دینی رہنمائی کرتا رہے، یہ مجلہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا، کہ آپ اس کے بانی ومؤسس ہیں، جب تک یہ رسالہ اپنا علمی ودینی نور پھیلاتا رہے گا، مؤسس موصوف علیہ الرحمہ کو اجر وثواب پہنچتا رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

آپ کا ایک میدانِ عمل تدریس کا رہا ہے اور ۱۹۸۱ء سے ۲۰۰۷ء تک آپ متعدد مدارس ومعاہد وجامعات سے منسلک رہ کر برابر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ہیں، یوں بنین وبنات کی ایک بڑی تعداد کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے، یہ طلبہ وطالبات بھی آپ کیلئے صدقہ جاریہ ثابت ہوں گے۔

آپ کا ایک نمایاں عمل اور امتیازی کارنامہ دعوت وارشاد کا رہا ہے، آپ نے ہمیشہ اپنے کو اس میدان سے وابستہ رکھا، دعوتی میدان میں آپ کا کردار نمایاں رہا ہے، آپ خطبات جمعہ کا اہتمام کرتے تھے، اور ملک وبیرون ملک متعدد اہم کانفرنسوں، سیمیناروں میں شرکت کرتے تھے اور ان میں اپنی خطابت کا جادو جگاتے تھے، علاقہ وجوار کے اجلاس میں آپ شریک ہوتے تھے، آپ کی یہ نمایاں خصوصیت تھی کہ آپ منتظمین اجلاس کی جانب سے کوئی معاوضہ نہ قبول کرتے تھے، جیسا کہ ان کے برادر صغیر نے ایک مجلس میں ان کا ذکر کیا، آپ کا انداز خطابت عمدہ تھا، اسلوب میں شیرینی وحلاوت اور انداز بیان میں سنجیدگی ومتانت پائی جاتی تھی۔

آپ اپنے قائم کردہ مرکز التوحید کے صدر تھے، مرکز کے متعدد اقسام وشعبہ جات تھے اور ہر ایک کے ذمہ دار آپ ہی تھے اور تمام تر نشاطات اور سرگرمیوں کی انجام دہی آپ کا کارنامہ تھا اور تمام نشاطات کو بحسن وخوبی انجام دینے میں آپ کافی حد تک کامیاب تھے، ہاں ان کے رفقاء کار آپ کے بہترین معاون کا کردار ادا کرتے تھے۔

مرکز کا اہم تعلیمی شعبہ مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ ہے، اس کے ناظم آپ ہی تھے اور اپنی لگن اور محنت سے اس مدرسہ کو کافی ترقی دی اور جلد ہی اس کو ایک عظیم نسواں درسگاہ بنادیا، جس میں کثیر تعداد میں بچیاں تعلیم حاصل کررہی ہیں، ہزار سے زائد عالمہ وفاضلہ بن کر کارگاہ حیات میں مصروف عمل ہیں، کوئی معلمہ وداعیہ ہے تو کوئی گھر کی مربیہ بن کر اپنی گھریلو زندگی میں ایک بہتر کردار ادا کررہی ہے۔

مرکز کا ایک اہم شعبہ رفاہی امور کا ہے، آپ کی رہنمائی میں مرکز کا یہ شعبہ ہمیشہ سرگرم عمل رہا ہے، موسمی مشاریع کی تنفیذ کے علاوہ مختلف آفات وحوادث کے موقع پر اس شعبہ کے ذریعہ ریلیف کا کام بہت عمدہ پیمانے پر انجام دیا گیا، ابھی ۵/اپریل کے زلزلے کے موقع پر مرکز نے زلزلہ سے متاثرہ علاقوں میں زبردست تعاون وامداد کا کارنامہ انجام دیا ہے، ایسے مواقع پر آپ کی فکرمندی قابل تعریف ہوتی تھی۔

مرکز التوحید کا ایک اہم شعبہ صحافت کا شعبہ ہے، اسی شعبہ سے ماہانہ مجلہ ''نورتوحید'' اٹھائیس برسوں سے شائع ہورہا ہے، اس کے بانی اور روح رواں آپ تھے، آپ کا یہ اداریہ اختصار مفید کا آئینہ دار ہوا کرتا تھا، ایک صفحہ پر مشتمل شعور وآگہی کالم کے تحت آپ کا اداریہ اہل علم ونظر کے نزدیک کافی پسند کیا جاتا تھا، اسی شعبہ سے متعدد علمی ودعوتی کتب کی اشاعت عمل میں آئی اور اشاعت پذیر بعض کتب درج ذیل ہیں:

۱۔سوئے حرم: مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگری رحمہ اللہ

۲۔ضعیف وموضوع احادیث: مولانا عبدالسلام رحمانی

۳۔اتباع سنت: // // // //

۴۔میڈیا روپ بہروپ: سہیل انجم حفظہ اللہ

۵۔خوشہ کشتِ حرم: حماد انجم رحمہ اللہ

اسی شعبہ سے نیپالی زبان میں ایک ماہانہ مجلہ کی اشاعت کا آغاز مولانا مدنی نے بڑے عزم وہمت سے کام لیتے ہوئے کیا تھا اس کے لئے کاٹھمنڈو میں ایک آفس قائم کی اور اس مجلہ کا بڑا پیارا نام تجویز کرکے رکھا تھا ''ہامرو سوغات''، ''ہمارا تحفہ'' اس کے چند شمارے شائع ہوئے لیکن بوجوہ وہ مجلہ بند ہوگیا، کاش یہ مجلہ جاری رہتا اور صرف نیپالی زبان سے واقف اہل وطن اسلامی تعلیمات سے روشناس ہوتے رہتے **ولکن قدر اللہ ماشاء فعل**۔

مرکز کا ایک اہم شعبہ دعوت وارشاد ہے، اس شعبہ کے ذریعہ مولانا عبداللہ مدنی کے نمایاں کارنامے درج ذیل ہیں:

☆خود آپ نے متعدد اجلاس سیمینار اور کانفرنسوں کا انعقاد کیا، جیسا کہ ذکر آچکا ہے۔

☆خود آپ کے دینی خطبات، محاضرات ومقالات جو بیشتر نورتوحید میں شائع ہیں۔

☆ آپ نے متعدد اجلاس، سیمینار اور کانفرنسوں کا انعقاد کیا، جنہیں ملک وبیرون ملک کے نامور اہل علم کو مدعو کیا اور ان پروگراموں کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں کافی تگ ودو کیا کرتے تھے اور ان کے اخوان اور رفقاء کاران کا ساتھ نبھاتے تھے۔

۲۰۰۵ء میں آپ نے ایک اہم کانفرنس کا انعقاد کیا موضوع تھا۔صحافت کانفرنس۔اس میں ملک وبیرون ملک کی نامور شخصیات کی شرکت ہوئی تھی، کانفرنس بہت ہی کامیاب تھی، اس کی پوری تفصیل نورتوحید کے خصوصی نمبر میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

آپ نے انتہائی حساس اور سلگتے ہوئے موضوع پر ایک کانفرنس ''انسداد منشیات کانفرنس'' کا اہتمام کیا اور اس میں متعدد

ادیان ومذاہب کے اہل علم واختصاص اور متعدد شعراء کو مدعو کیا، اپنی نوعیت کی منفرد کانفرنس تھی، اس میں مسلم اسکالروں کے ساتھ، نصرانی، سکھ، ہندومت، اور بدھ مت کے ماننے والے مذہبی رہنماؤں کو مدعو کیا اور انسداد منشیات کے موضوع پر اظہار خیال کا موقع دیا اور اسی موضوع پر ادبی، شعری مجلس کا بھی اہتمام کیا۔

یہ بھی ایک کامیاب کانفرنس تھی، اس سے سماج میں ایک بہترین پیغام گیا، اور اس کا عمدہ اثر مرتب ہوا، پوری تفصیل مجلہ نور توحید کے انسدادِ منشیات کانفرنس نمبر میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، اصلاح معاشرہ کانفرنسوں کا انعقاد آپ کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔

آپ نے ایک بہترین خطیب اور مقرر کی حیثیت سے بعض ٹی وی چینل پر دینی موضوعات پر اپنا بیان ریکارڈ کروایا، چنانچہ پیس ٹی وی اور ذی سلام ٹی وی پر آپ کی تقاریر نشر ہوتی رہی اور سامعین عالم آپ کو سماعت فرماتے اور اس کے ذریعہ آپ نے عالمی سطح پر شہرت پائی۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی حیات میں متعدد اہم کارنامے انجام دینے میں کامیابی حاصل کی، یوں علمی ودعوتی امور سے آپ کا گہرا لگاؤ تھا، کارنامے اور بھی ہیں آپ نے مرکز التوحید کے زیر اہتمام کل نیپال مسابقات علمیہ کا انعقاد کیا، ایک بار مسابقہ حفظ قرآن کریم وحفظ حدیث کا مسابقہ کرشا نگر میں منعقد ہوا، حفظ حدیث کے زمرہ میں طالبات بھی شریک ہوئی تھیں، یہ مسابقہ بہت کامیاب تھا۔

ایک کل نیپال مسابقہ حفظ قرآن کریم وحفظ احادیث نبویہ کا انعقاد آپ نے کاٹھمنڈو میں کیا، بیرون ملک سے ممتحنین کو مدعو کیا گیا تھا، یہ مسابقہ بڑی اہمیت کا حامل تھا، اس کا آخری تقسیم انعامات پروگرام بہت آب وتاب کے ساتھ ہوٹل ہمالیہ کے گراؤنڈ ہال میں منعقد ہوا تھا، اس میں مہمانان خصوصی سفیر مصر برائے نیپال، مولانا عبدالوہاب صاحب خلجی، مولانا صلاح الدین مقبول احمد مدنی، مولانا ارشد مختار صدر جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں شریک ہوئے، متعدد سماجی وسیاسی رہنما اور علماء کی ایک بڑی تعداد شریک محفل تھی، دراصل اس پروگرام میں صدر جمہوریہ نیپال عالی جناب رام برن یادو کو مدعو کیا تھا انہوں نے آپ کی دعوت قبول کرلی تھی، مگر پھر بوجوہ وہ خود ہوٹل میں تشریف نہ لائے بلکہ ایک مختصر تعداد کو صدارتی محل شیتل بھون میں مدعو کیا اور وہیں پر تقسیم ایوارڈ کی مجلس منعقد ہوئی راقم بھی حاضر تھا وہاں۔

کل ۳۲ آدمی شریک ہوئے پروگرام کا آغاز نیپال کے قومی ترانہ سے ہوا، پھر قرآن کی تلاوت سے محفل کا آغاز ہوا، نیپال کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ جب اہم ترین سرکاری مقام یعنی صدارتی محل میں صدر نیپال اور دیگر معززین کی موجودگی میں قرآن کریم کی آواز گونجی اور قرآن کریم کے حوالہ سے کسی اولین مجلس کا انعقاد تھا، میں سمجھتا ہوں کہ یہ مولانا عبداللہ صاحب کا ایک عظیم نادر کارنامہ تھا، اس مسابقہ کی تفصیلی رپورٹ راقم کے قلم سے نور توحید کے ایک شمارے میں شائع ہوچکی ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا عبداللہ مدنی علیہ الرحمہ کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

انسان خواہ کتنا عظیم ہو اس کی کتنی خوبیاں ہوں مگر ایک بشر کے ناطے اس میں خامیاں بیشک پائی جاتی ہیں، مولانا میں خوبیاں تھی

کمیاں بھی رہی ہوں گی، اللہ تعالیٰ مولانا کے حسنات پر اجر سے نوازے اور سیئات سے درگذر کرے اور آپ کو کروٹ کروٹ جنت دے۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ وادخلہ جنت النعیم۔

آپ کی وفات کاٹھمنڈو ٹچنگ ہاسپٹل میں ہوئی تھی وہاں سے مولانا کی نعش منگل بدھ کی درمیانی شب میں کرشا نگر پہونچی اور بدھ کو بعد ظہر جنازہ کی صلوٰۃ پڑھی گئی، جنازہ میں عوام کا ازدہام وہجوم تھا، علما وطلباء کی تعداد کافی تھی، مولانا عبدالرحمن رحمانی مبارکپوری حفظہ اللہ نے جنازہ کی صلوٰۃ پڑھائی بعدہ آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

(نور توحید جھنڈانگر، فروری ۲۰۱۶ء)

☆☆☆☆☆

مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگری کی حیات وخدمات کے مختلف گوشے کے مطالعہ کے لئے نور توحید کا خصوصی شمارہ جنوری تا اپریل ۲۰۱۶ء ضرور ملاحظہ کریں۔

کاروان سلف کا ایک حدی خواں اور نہ رہا

آہ! مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگریؒ

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

ضلع سدھارتھ نگر کے سرحدی علاقے بڑھنی سے متصل نیپال بارڈر پر ایک بستی واقع ہے جسے جھنڈانگر کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے، اس گمنام بستی کو خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری اور آپ کے خانوادہ صدق وصفا نے حقیقی معنوں میں جھنڈانگر بنادیا اور انہیں کے دم قدم سے آج جھنڈانگر پوری دنیا میں مشہور ومعروف ہے، اور بحمد للہ پورے ملک میں نیپال اور عالم اسلام کو یہاں سے علمی فیض پہونچ رہا ہے، کسی زمانے میں اس چھوٹی سی بستی میں ایک مہاجر خاندان مولانا میاں زکریاؒ کا بیت نار سے ہجرت کر کے آبسا اور رفتہ رفتہ اس کے قرب وجوار میں اس خاندان کی نیک نامی اور دینداری کا چرچہ ہونے لگا، خانوادۂ زکریاؒ کی نیکیوں اور ان کے حوصلہ وعزائم اور دین پسندی کے تذکرے آج بھی قرب وجوار کے بڑے بزرگوں کی زبان زد ہیں، انہیں نیکیوں کا ثمرہ کہئے یارب العالمین کی مہربانی وتوفیق کہئے کہ اس علاقے کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور عبقری انسان خانوادۂ زکریاؒ کے چشم وچراغ عبداللہ مدنی کی شکل میں عطا فرمادیا، جنہوں نے جھنڈانگر کو خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری کے بسائے ہوئے گلستان توحید وسنت کے ساتھ ایک اور علمی مرکز اور تعلیمی ادارے سے شاد آباد کردیا، آپ کی یادوں کی حسین سوغات آج بھی مرکز التوحید، مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ اور اس کی شاندار عمارت، ماہنامہ نور توحید اور اس کے علاوہ ایک علمی ودعوتی گھرانہ کی شکل میں جھنڈانگر میں پوری آب وتاب کے ساتھ دکھائی دے رہے ہیں، مولانا عبداللہ مدنی کا علمی سفر ابتدائی تعلیم کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس، ندوۃ العلماء لکھنؤ تک جاری رہا اور پھر بتوفیق الٰہی عالم اسلام کی آبرو مدینہ یونیورسٹی میں آپ کو داخلہ کا نوید جانفزا ملا، وہاں کی پرنور فضاؤں میں رہ کر توحید وسنت اور سلفی منہج کے معتبر اساطین علم وفن سے آپ نے چار سالوں تک بھرپور فیض حاصل کیا، اور پھر سینوں میں دعوت دین کے حسین سپنوں کو سجائے ۱۹۸۸ء میں وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے اور انہیں سپنوں کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے مسلسل ۳۵ سالوں کے طویل عرصہ پر محیط سانس کے آخری لمحہ تک اپنی پوری زندگی لگادی، آپ زندگی بھر نیپال کے ترائی اور پہاڑی علاقوں میں سلفی دعوت کے فروغ اور اسلام کی سربلندی کے لئے کوشاں رہے، تولہوا، اور جھنڈانگر سے لیکر مختلف ترائی وپہاڑی علاقوں سے گزرتے ہوئے ملک نیپال کی عظیم راجدھانی کاٹھمنڈو تک آپ نے اپنی سلفی دعوت کے دست وبازو بکھیر دیئے اور رفتہ رفتہ جھنڈانگر میں توحید کا ایک عظیم مرکز قائم کر کے اپنے خوابوں کو عملی جامہ پہنادیا اور پھر اس طرح چمکے کہ پوری دنیا میں آپ کو ملک نیپال کی نمائندگی کا شرف حاصل ہوا بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ عبداللہ مدنی جھنڈانگری نے اپنی علمی بصیرت، علمی صلاحیت اور سلفی منہج کے حوالہ سے اپنی خدمات وقربانیوں کے ذریعہ ملک نیپال کو لالہ زار بنادیا تو بے جا نہ ہوگا، ابھی حال ہی میں جامعہ ملیہ دہلی میں منعقدہ

ایک عظیم الشان تعلیمی ورکشاپ میں آپ سے روبرو ملاقات اوراستفادہ کا شرف رہا، اپنی مصروفیتوں اورطبیعت کی ناسازی کے باوجود پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ پروگرام کی تمام نشستوں میں شریک رہے، اوراپنی دینی دعوتی بصیرت اورعلمی تجربات سے شرکاء پروگرام کوفیض بھی پہنچاتے رہے، کسے پتہ تھا کہ شاید یہ زندگی کے آخری لمحات ہیں، حسن اتفاق چھٹیوں کی مناسبت اوربعض دعوتی پروگراموں میں شرکت کے لئے میں وطن گیاہوا تھا کہ اچانک وہیں ۲۲دسمبر بروزمنگل ۲۰۱۵ءکو یہ خبروحشت والمناکی کے ساتھ ملی کہ مولانا عبداللہ مدنی دارفانی سے کوچ کر گئے اناللہ وانا الیہ راجعون، یہ مری خوش نصیبی تھی کہ اس وقت گھر پر تھااوریوں مجھے جنازہ میں شرکت کرنے کا موقع نصیب ہوا، رب العالمین قیراطین کے ثواب سے بہرہ اندوز فرمائے، آپ کی نماز جنازہ شیخ الحدیث کے خلف الرشید مولانا عبدالرحمن مبارکپوری حفظہ اللہ نے پڑھائی اوریوں ہندوستان کے اعاظم اورکابرین علماء کے پرنم آنکھوں اورعوام الناس کے جم غفیر میں سلفیت کا یہ حدی خواں سپرد خاک ہوا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آمین تقبل یارب العالمین۔

□□□

پروفیسر عبدالودود اظہر دہلوی رحمہ اللہ

۱۹۳۶ء.....۲۰۱۶ء

ابن احمد نقوی

عبدالودود سے میری پہلی ملاقات ماسٹر سید عبداللہ المحض کے ٹیوٹوریل اسکول میں ہوئی۔ ماسٹر صاحب کا یہ اسکول محلہ کشن گنج کے ایک بالائی مکان میں واقع تھا، اس کا پورا نام ٹیوٹوریل ڈسپلینری انسٹی ٹیوٹ تھا جسے اردو میں وہ موسسہ تربیہ لکھتے تھے، اس اسکول میں ۸۔۱۰ لڑکے تعلیم پاتے تھے، میں اسی سال ۱۹۵۰ء میں دلی آیا تھا اور ماسٹر صاحب کے اسکول میں داخلہ لیا تھا، کچھ عرصہ بعد عبدالودود بھی وہاں آگئے وہ اس سے پہلے جامعہ ملیہ کے پرائمری اسکول میں پڑھتے تھے اور اسکول میں انہیں نونہال کہا جاتا تھا۔ جامعہ کے پرائمری اسکول کے بچے نونہال کہے جاتے تھے۔ عبدالودود بھی خود کو نونہال ہی کہتے تھے۔

اسکول کے دیگر لڑکے اردو پڑھتے تھے، جب کہ میں اور عبدالودود انگریزی پڑھتے تھے۔ اس لئے ہمارا ایک دو نفری گروپ بن گیا تھا۔ اسکول کے لڑکے ایک بڑے کمرے میں بیٹھتے تھے اور خود ماسٹر صاحب متصل کے چھوٹے کمرے میں بیٹھتے تھے۔ پڑھائی کے ساتھ لڑکوں کے درمیان مکالمہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ ایک دن بات آئی کہ سب بتائیں کہ انہیں کتنا جیب خرچ ملتا ہے؟ کسی نے کہا ایک آنہ اور کسی نے کہا کہ دو پیسے، بعض نے کہا انہیں کچھ نہیں ملتا۔ عبدالودود سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ انہیں سو روپے ماہانہ جیب خرچ کے طور پر ملتے ہیں۔ سارے کلاس پر سناٹا چھا گیا۔ سب کے چہروں پر مرعوبیت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس وقت یعنی ۱۹۵۰ء میں سو روپے ایک بہت بڑی رقم تھی۔ سرکاری محکموں میں بھی درمیانے درجے کے افسران کو ہی سو، سوا سو روپے ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔ بہت سوں نے تو سو روپے کا نوٹ دیکھا بھی نہیں تھا۔ بہرکیف اس کے بعد عبدالودود اسکول کی ایک مرعوب کن شخصیت بن گئے۔ تعلیم کا سلسلہ جاری تھا۔ ایک دن عبدالودود کہنے لگے کہ ہمیں شاعری کرنی چاہیے، میں نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ اب بات آئی کہ شاعری کے لئے تخلص بھی ضروری ہے اس لئے اب تخلص کی تلاش ہوئی۔ میں مرادآباد میں مدرسہ امدادیہ کے پرائمری اسکول میں پڑھتا تھا، وہاں ایک ماسٹر عبداللہ تھے، بڑے دیدہ زیب اور جامہ زیب، شاعر بھی تھے اور ان کا تخلص اطہر تھا، وہ مجھ پر بہت مشفق تھے ان کا کہنا تھا کہ یہ لڑکا محنتی ہے اور ذہین بھی۔ ان کی شفقت نے میرے دل میں ان کے لئے عقیدت کا گہرا جذبہ پیدا کر دیا تھا جو آج بھی قائم ہے۔ جب تخلص کی بات آئی تو مجھے ماسٹر عبداللہ اطہر یاد آئے اور میں نے کہا میں اطہر تخلص رکھوں گا۔ عبدالودود بولے میں نونہال رکھوں گا، لیکن پھر یہ خیال ہوا کہ نونہال غیر شاعرانہ سا تخلص ہوگا۔ اس لئے دوسرے تخلص زیر غور آگئے۔ لیکن بات بنی نہیں۔ میں نے کہا میرا تخلص اطہر ہے، تم اس پر ایک نقطہ لگا کر اظہر اپنا تخلص رکھ لو۔ عبدالودود کو میری بات پسند آئی اور وہ عبدالودود نونہال سے عبدالودود اظہر ہو گئے۔ تخلص رکھنے کے بعد گویا شاعری ہم پر فرض ہو گئی تھی چنانچہ تک بندی شروع ہوئی، اظہر نے چند دنوں اس میں

سر کھپایا، پھر دیکھا کہ طبیعت مائل نہیں ہوئی تو شاعری چھوڑ دی لیکن تخلص نہیں چھوڑا۔

کشن گنج کے باہر قریب میں ہی مسجد اہل حدیث ہے۔ ماسٹر عبداللہ المحض بڑے کٹر اہل حدیث تھے اور پنج وقتہ نماز اپنی مسجد میں ادا کرتے تھے۔ ہم دونوں بھی عصر کی نماز وہیں ادا کرتے تھے۔ انہی دنوں مئو سے مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی صاحب دلی آئے تھے۔ وہ اخبار اہل حدیث میں سب ایڈیٹر کے طور پر کام کرتے تھے اور کشن گنج کی مسجد اہل حدیث میں امامت بھی کرتے تھے اور مسجد کے بالائی حجرے میں رہتے تھے۔ ہماری ان سے ملاقات ہوئی تو وہ بڑی خندہ پیشانی اور گرمجوشی سے ملے۔ حالانکہ عمر میں وہ ہم سے دس بارہ سال بڑے تھے۔ دارالحدیث رحمانیہ کے فارغ، جید عالم تھے، ان کے آگے ہماری حیثیت نیم خواندہ بلکہ ناخواندہ کی سی تھی، لیکن وہ ہمیں برابر کا درجہ دیتے تھے۔ اس لئے ہم بہت جلد ان سے بہت قریب ہو گئے۔ اتوار کے دن ہم دونوں ان کے پاس جاتے اور کافی دیر تک گفتگو رہتی۔ کچھ دنوں بعد ان کے ایک عزیز نورالحسن انصاری بھی آ گئے۔ وہ میرٹھ کے مدرسہ فیض عام میں پڑھتے تھے اور اب دہلی آ گئے تھے۔ ہماری ملاقات اور زیادہ طویل ہو گئی تھی۔ ۱۹۵۲ء میں ماسٹر صاحب کا اسکول چھوڑ کر مولانا نور محمد قریشی کے ادارہ شرفیہ باڑہ ہندوراؤ میں داخلہ لیا اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی، فاضل یعنی آنرز ان پرشین کا امتحان دے کر کامیابی حاصل کی۔ منشی، فاضل، مولوی و منشی معیار کے مطابق یونیورسٹی میں گریجویشن کے مساوی مانا جاتا تھا۔ میرے بعد اظہر نے بھی منشی، فاضل کا امتحان دیا، لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ منشی فاضل پاس کر کے میں نے ادیب فاضل یعنی آنرز ان اردو کی تیاری شروع کر دی۔ میرے پاس منشی فاضل کے نصاب کی جو کتابیں تھیں وہ اب میرے لئے فاضل یعنی فالتو تھیں، اس زمانے میں یہ ہوتا تھا کہ شاید آج بھی ہوتا ہے کہ نئے آنے والے پرانے داموں سے ان کا کورس خرید لیتے تھے۔ کیونکہ یہ سیکنڈ ہینڈ کتابیں سستی مل جاتی تھیں۔ مجھ سے بھی ایک شخص نے منشی فاضل کورس ۳۵ روپے میں خرید لیا۔ میں نے یہ کتابیں فروخت کر کے ادیب فاضل کا کورس خرید لیا۔ اظہر اب اینگلو عربک اسکول سے سینئر سکنڈری کر رہے تھے۔ ہم اکثر ملتے تھے وہ میرے پاس باڑہ آتے اور کبھی میں ان کے گھر صدر بازار جاتا تھا۔ ایک دن میں ان کے کمرے میں بیٹھا تھا تو میری نگاہ ایک کونے میں رکھی ہوئی کتابوں پر پڑی۔ میں نے غور سے دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا۔ یہ میرے منشی فاضل کے کورس کی کتابیں تھی جو ایک شخص نے مجھ سے ۳۵ روپیہ میں خریدی تھیں۔ میرے سمجھ میں نہیں آیا کہ میری یہ کتابیں اظہر کے پاس کیسے پہنچ گئیں۔ دماغ پر زور دیا تو اندازہ ہوا کہ اظہر نے یہ کتابیں براہ راست مجھ سے نہ خرید کر تیسرے آدمی کے ذریعہ خریدی تھیں، شاید انہیں گمان ہوا ہوگا کہ میں ان سے قیمت نہیں لوں گا۔ میں احساس ندامت میں غرق ہو گیا کہ میں نے اپنی کتابیں اپنے دوست کو فروخت کیں۔ مجھے تو یہ ہدیہ دینی چاہیے تھیں، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا، میرے پاس ۳۵ روپیہ نہیں تھے جو میں اظہر کو واپس کرتا اور معذرت کرتا۔ اظہر نے سینئر سکنڈری کے بعد دلی کالج سے فارسی میں ایم اے کیا اور پھر اسی کالج میں لیکچرار ہو گئے، مجھے بھی دہلی یونیورسٹی میں کلرک کی ملازمت مل گئی۔

جب مجھے پہلی تنخواہ ملی تو میں سب سے پہلے اظہر کے پاس گیا، انہیں ۳۵ روپیہ پیش کئے ساری بات سنائی جو اصل واقعہ تھی۔ روپے واپس کرتے ہوئے جذبات کی شدت سے بے قابو ہو کر رونے لگا۔ میں نے اظہر سے کوتاہی کے لئے معافی مانگی، میرے ساتھ

اظہر بھی اشکبار تھے۔تھوڑی دیر تک ہم دونوں روتے رہے،اظہر نے وہ روپئے قبول کر لئے۔اس سے مجھے بڑی طمانیت محسوس ہوئی، کیونکہ اگر وہ نہ لیتے تو میں ندامت کے بوجھ سے آزاد نہیں ہوسکتا تھا۔ان آنسوؤں نے ہماری دوستی میں اخلاص کی ایک مضبوط بنیاد فراہم کردی۔ چند ماہ بعد اظہر نے مجھے شیروانی کا کپڑا تحفہ میں دیا۔جیسا کہ اوپر عرض کیا ہم ہر اتوار کو مجازؔ صاحب کے پاس جایا کرتے تھے۔اب وہاں اقبال عمری بھی آتے تھے،وہ حوض رانی میں رہتے تھے،مئو میں تعلیم بھی حاصل کی تھی،اس لئے مجاز صاحب اور مولانا اقبال عمری صاحب سے واقفیت تھی۔خواجہ قطب الدین مونس کشن گنج میں ہی رہتے تھے،وہ بھی آجاتے۔عزیزی ظہیر نے اسی سال مدرسہ ریاض العلوم سے عالمیت کی سند حاصل کی تھی،وہ بھی ہوتے تھے،چائے کا دور چلتا،باتیں ہوتیں،طویل بحثیں ہوتیں۔ ایک دن نورالحسن انصاری نے اعلان کیا کہ وہ عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے مولوی فاضل کا امتحان دیں گے جب تفصیلات معلوم ہوئیں تو ہم نے کہا کہ ہم بھی مولوی کا امتحان دیں گے۔ بات طے ہوگئی تو اب تیاری بھی شروع ہوگئی۔مجاز صاحب تھے ہی لہٰذا ہم ان سے عربی پڑھنے لگے،روزانہ فجر کے بعد ہم وہاں پہنچ جاتے اور ایک گھنٹہ تک پڑھتے۔مجاز صاحب بڑی توجہ سے پڑھاتے تھے،جلد ہی ہم نے جلالین،متنبی،اصول الشاشی اور القرأۃ الرشیدہ کے چاروں حصے پڑھ ڈالے۔اردو سے عربی میں ترجمہ بھی خاصی سیکھ لیا۔ان دنوں مجاز صاحب روزانہ اخبار دعوت میں کام کرتے تھے اور کبھی کبھی مصر کا مشہور عربی روزانہ الاھرام بھی لے آتے تھے۔اس وقت اس کے ایڈیٹر حسنین ہیکل تھے جو عالمی درجہ کے صحافیوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ہم الاھرام کی سرخیاں پڑھ لیتے تھے۔جو سمجھ نہیں آتا وہ مجاز صاحب سے پوچھ لیتے تھے۔ہمیں اپنے مطالعہ کی بنا پر اعتماد تھا کہ مولوی کا امتحان پاس کرلیں گے،پھر نہ جانے کیا ہوا انصاری صاحب نے اعلان کردیا کہ وہ مولوی فاضل کا امتحان نہیں دیں گے۔ان کے کندھا ڈالنے سے ہمارا پروگرام بھی معطل ہوگیا اور اچھا خاصا علمی کام ہونے سے رہ گیا،جس کا عمر بھر افسوس رہا۔لیکن اب بھی ہم عربی پڑھتے تھے مگر چونکہ امتحان دینا نہیں تھا اس لئے وہ زور وشور بھی نہیں تھا۔اب اظہر مجھے فرانسیسی پڑھایا کرتے تھے جس کا سرٹی فیکیٹ کورس وہ شام کو دہلی یونیورسٹی سے کررہے تھے۔

اظہر کے والد حاجی عبدالمالک مرحوم دہلی کے ممتاز معزز تاجروں میں سے تھے۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق ''دستورالمتقی'' اور ''تقویۃ الایمان'' جیسی کتابیں چھپوا کر مفت تقسیم کرتے تھے،غالباً وہ غرباء اہلحدیث سے وابستہ تھے۔غرباء اہل حدیث کی مسجد جو اس جماعت کا صدر دفتر ہے حاجی عبدالمالک کی دکان سے چند قدم کے فاصلے پر ہے۔ حاجی صاحب کے منجھلے صاحب زادے اور عبدالودود اظہر کے بڑے بھائی عبدالقدوس جماعت غرباء اہل حدیث کے سکریٹری تھے،لیکن خود اظہر صاحب کا اس جماعت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔وہ پنج وقتہ نماز اہل حدیث مسجد کلاں میں ادا کرتے تھے۔اظہر کے نانا مولوی عبدالستار کلانوری بھی غالباً اہل حدیث عالم تھے۔اظہر کے پاس ان کے چند رسالے تھے جنہیں وہ بڑے فخر سے دکھاتے تھے کہ یہ مولوی عبدالستار کلانوری کے لکھے ہوئے ہیں۔اظہر کو دہلی والا ہونے پر بڑا ناز تھا۔وہ بڑے اہتمام سے اپنا نام عبدالودود اظہر دہلوی لکھا کرتے تھے۔انہیں اس بات پر سخت اعتراض تھا کہ انگریزوں نے دہلی کے نام میں تحریف کرکے اسے دلہی کردیا تھا۔دلی والے چٹ پٹے اور چٹخارہ دار کھانوں کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔اظہر کو بھی یہ شوق تھا۔اتوار کے دن جب ہم دونوں مجاز صاحب کے وہاں سے واپس آتے

تو شام کو جامع مسجد جانے کا پروگرام بن جاتا۔ ڈپٹی گنج، بارہ ٹوٹی کے موڑ پر جب ہم جدا ہوتے تو وہ مجھ سے کہتے حتماً آئے گا یعنی شام کو جامع مسجد جانا ضروری ہے، ان کے اس حتماً کی تعمیل میں شام کو ان کے گھر پہنچ جاتا، ہم جامع مسجد کے لئے روانہ ہوتے۔ لال کنوئیں سے آگے سرکی والان میں ایکسلسیر سینما اور تھانہ حوض قاضی کے مقابل ایک دکان تھی جہاں کھیر یا فیرنی تیار ہوتی تھی۔ اظہر سب سے پہلے اس دکان پر جاتے، کھیر کھاتے اور ہم چاوڑی بازار ہوتے ہوئے جامع مسجد پہنچتے۔ اس زمانے میں جامع مسجد کی سیڑھیوں پر جھگی نما دکانیں ہوتی تھیں۔ جامع مسجد کا جو دروازہ مٹیا محل کی جانب ہے اس کی نچلی سیڑھیوں پر پیشاب خانے کے پاس خورشید ہوٹل کے پہلو میں ایک چھوٹی سی دکان جھگی جیسی تھی، اس میں ایک بوڑھے جنہیں لوگ چچا میاں کہتے تھے۔ مچھلی کے کباب، قیمے کی گولیاں، پھلکا اور لونگ چڑھے بیچتے تھے، کڑاہی چڑھی رہتی تھی اور یہ سامان بکتے رہتے تھے۔ اظہر کو چچا میاں کی دکان کے لونگ چڑھے بے حد مرغوب تھے۔ جامع مسجد جائیں اور چچا میاں کی دکان کے لونگ چڑھے نہ کھائیں ایسا ہو ہی نہیں ہوسکتا تھا۔ یہاں سے لونگ چڑھے کھا کر ہم جامع مسجد کے مشرقی دروازہ کی جانب جاتے۔ جو لال قلعہ کی طرف کھلتا ہے، وہاں سیڑھیوں پر ایک خلیفہ جی بڑا سا مٹکا لئے بیٹھے رہتے، اس میں قلفی ہوتی تھی۔ مٹکے میں برف بھرا ہوتا اور اس میں قلفیاں ہوتیں۔ سامنے چند مونڈھے ہوتے جن پر بیٹھ کر گاہک قلفی کھاتے تھے، اظہر یہاں بھی ضرور بیٹھتے تھے، خلیفہ چچا کے پاس مختلف سائز کی قلفیاں ہوتی تھیں اور مقدار کے مطابق ہی قلفی کے دام ہوتے تھے۔ اظہر یہاں ڈبے میں بھری قلفی کھاتے جو مقدار میں سب سے زیادہ ہوتی تھی۔ یہاں سے قلفی کھا کر ہم ایڈورڈ پارک جاتے جو اب سبھاش پارک کہلاتا ہے۔ اس وقت وہاں پارک میں برطانوی شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کا گھوڑے پر سوار دیو پیکر مجسمہ لگا ہوا تھا۔ اب اس کی جگہ نیتا جی سبھاش چندر بوس کا مجسمہ نصب ہے۔ یہاں کچھ دیر گھاس پر بیٹھ کر ہم ادھر ادھر کی باتیں کرتے، کچھ دیر خاموش بیٹھے رہتے، پھر جب شام کے دھندلے کہرے گہرے ہونے لگتے تو ہم واپسی کا قصد کرتے۔ مٹیا محل کو جانے والے راستے پر حاجی ہوٹل کے نکڑ پر ایک سقہ مشک کمر پر رکھے ہاتھ میں سفید نقرئی کٹورے لئے کھڑا ہوتا۔ مشک کا ٹھنڈا پانی پیتے اور پھر ٹہلتے ہوئے واپس ہوتے۔

ایک دن اظہر نے پوچھا تم شام کو کیا کرتے ہو، میں نے کہا، کچھ نہیں۔ کہنے لگے تم دلی یونیورسٹی کے پوسٹ گریجویٹ ایوننگ انسٹی ٹیوٹ سے فارسی میں ایم اے کیوں نہیں کر لیتے۔ میں نے حیرت سے انہیں دیکھا، میں میونسپل کارپوریشن میں ایک معمولی کلرک تھا مختصر سی تنخواہ ملتی، میرے لئے مزید تعلیم حاصل کرنا ایسی تمنا تھی جس کا محض خواب ہی دیکھا جاسکتا تھا۔ اگلے ہفتہ جب اظہر پھر آئے تو مجھ سے پوچھا تم نے کیا سوچا۔ میں نے کہا کچھ نہیں سوچا۔ اس پر وہ کچھ جھنجھلائے اور تاکید کی کہ اس بارے میں سوچ کر فیصلہ کرو۔ ان کے اصرار کو دیکھ کر میں نے بھی ذہن بنالیا۔ سرکاری نوکری میں سرکاری ملازم ۲۴ گھنٹے کا نوکر سمجھا جاتا ہے، یعنی سرکار اپنے ملازم کو کسی بھی وقت ڈیوٹی کے لئے طلب کرسکتی ہے۔ اگر کوئی ملازم چھٹی لے کر شہر سے باہر جانا چاہے تو اسے چھٹی کی درخواست میں آؤٹ آف اسٹیشن یعنی شہر سے باہر جانے کی اجازت لینا بھی ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ اس سے جواب طلب کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مزید تعلیم کے لئے بھی دفتر سے اجازت لازمی ہے۔ اگر کوئی بغیر اجازت پڑھتا رہے تو امتحان کے لئے اسے رخصت ملنا ضروری نہیں

ہے۔ اس لئے میں نے مزید تعلیم کے لئے دفتر میں درخواست پیش کردی اور ہفتہ میں مجھے رسمی شرائط کی پابندی کی تلقین کے ساتھ تحریری اجازت نامہ مل گیا۔ میں نے وہ اظہر کو دکھایا، وہ مجھے شعبۂ فارسی کے صدر پروفیسر یوگ دھیان آہوجہ کے پاس لے گئے۔ میں نے انہیں منشی فاضل کی سند دکھائی تو انہوں نے داخلہ فارم پر منظوری دے دی۔ دستخط کردیئے اور یوں ایم اے فارسی میں میرا داخلہ ہوگیا۔ نورالحسن انصاری پہلے ہی وہاں لکچرر کے طور پر موجود تھے اس لئے اجنبیت کا ماحول نہیں رہا۔ ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۵ء یعنی دو سال میں میں نے فارسی ایم اے کی ڈگری حاصل کرلی۔ اس دوران اظہر بھی یونیورسٹی آئے پھر وہ کئی ڈپلومے حاصل کرچکے تھے فرانسیسی، عربی لسانیات اور مزید کئی ڈپلومے ان کے پاس تھے۔ خانہ فرہنگ ایران سے جدید فارسی کا ڈپلومہ وہ بہت پہلے حاصل کرچکے تھے انہیں پڑھنے اور ڈپلومے حاصل کرنے کا شوق تھا۔

۱۹۶۶ء میں جامع مسجد علاقہ کے ایک صحافی اور سیاسی نیتا انور علی صاحب کی صاحبزادی سے اظہر کی شادی ہوئی۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد وہ شاہی وظیفہ پر ایران چلے گئے جہاں انہوں نے رامائن پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ایران سے واپس آکر وہ جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں فارسی کے پروفیسر اور پھر فیکلٹی کے ڈین بن گئے۔ اس وقت ان کی زندگی بے حد مصروف تھی۔ کابل، تہران ماسکو، تاشقند سیمیناروں میں شرکت کے لئے جاتے رہتے تھے۔ علی گڑھ یونیورسٹی کورٹ کے ممبر تھے۔ لائبریری رام پور کونسل کے بھی ممبر تھے۔ عثمانیہ یونیورسٹی سے بھی تعلق تھا اور وہ اکثر ان شہروں کو جایا کرتے تھے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں وائس چانسلر کی تقرری کے لئے پینل بنا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ اس پینل میں ان کا نام بھی ہے پھر ایک ریٹائرڈ فوجی جنرل کو منتخب کرلیا گیا۔ انہیں کشمیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر کا عہدہ بھی پیش کیا گیا لیکن وہ پروفیسر مشیر الحق کا دردناک انجام دیکھ چکے تھے اس لئے وہاں جانے کو راضی نہیں ہوئے۔ ہمدرد دواخانے کے مالک اور متولی حکیم عبدالحمید صاحب مطالعاتی دورے پر ایران گئے تو پروفیسر عبدالودود اظہر کو بطور گائڈ اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

۲۰۰۱ء میں ۶۵ سال کی عمر میں وہ یونیورسٹی کی ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔ میں پہلے ہی ۱۹۹۳ء میں ریٹائر ہوچکا تھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اظہر مصروف رہتے تھے، کرسینٹ اسکول کے منیجر تھے۔ ایرانی سفارت خانے کی علمی سرگرمیوں میں منہمک رہتے تھے۔ اس دوران ان سے ملاقات مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کی مجلس عاملہ کی میٹنگوں میں ہوتی تھی۔ وہ مجلس عاملہ کے ممبر تھے اور اس کی میٹنگوں میں پابندی سے شرکت کرتے تھے اور ایجنڈے کی ہر شق پر اظہار خیال کرتے تھے۔ لیکن بعض اوقات وہ کچھ ایسی باتیں بھی کہہ جاتے تھے جس سے جمعیۃ کے ذمہ داران الجھن میں پڑ جاتے تھے۔ ایک زمانے میں حکومت کو جماعت اہل حدیث کے افراد کی بابت کچھ زیادہ ہی شکوک وشبہات تھے۔ سب تفتیش کے دائرے میں تھے، میرے پاس بھی کئی بار آئی بی کے کارندے آئے۔ آپ کب سے کب تک جمعیۃ کے سکریٹری رہے، کتنے بچے ہیں، کیا کرتے ہیں، راشن کارڈ دکھایئے وغیرہ۔ اظہر بھی جماعت کے ممتاز ارکان میں سے تھے لہٰذا انہیں بھی پولس ہیڈکوارٹر میں طلب کیا گیا، وہ گئے کیونکہ جے این یو کے پروفیسر تھے اس لئے پولس ڈپٹی کمشنر نے دوستانہ انداز سے بات کی اور انہیں چائے بھی پلائی۔

صدر بازار میں حاجی عبدالمالک کا خاصا وسیع مکان ہے جس کی قیمت آج کے دور میں کروڑوں نہیں بلکہ اربوں میں ہوسکتی ہے کیونکہ یہ مکان صدر بازار کے تجارتی مرکز کے درمیان میں واقع ہے۔ حاجی صاحب کے انتقال کے بعد ان کے بیٹوں نے پہلی منزل کے صحن جس میں کبھی حاجی صاحب بیٹھتے تھے پر چھت ڈال کر نیم تاریک کمرے میں تبدیل کر دیا۔ اور اوپر ایک اور منزل تعمیر کر کے گھر کی خواتین کو اس منزل میں پہنچا دیا۔ اب یہی نیم تاریک کمرہ اظہر صاحب کی قیام گاہ تھا۔ کمرے کی دیوار کے ساتھ فرش سے چھت تک بڑے بڑے ریک لگے ہیں جن میں سینکڑوں کتابیں رکھی ہوئی ہیں، یہ وہ کتابیں ہیں جو اظہر صاحب نے خود خریدیں یا انہیں تحفہ میں ملیں۔ وہ غیر ملکی دوروں پر جاتے تو تحفہ میں کتابیں ہی لاتے تھے۔ یہ کتابیں ان ریکوں میں سجادی جاتی تھیں۔ ان میں سے کتنی کتابیں ہیں جنہیں اظہر صاحب نے پڑھا نہیں ہوگا اور شاید بعض کو کھول کر بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ ایک خاصی بڑی لائبریری کے برابر یہ علمی ذخیرہ اب کہاں جائے گا یہ کہنا مشکل ہے۔ ان کے دونوں صاحبزادے اپنی کاروباری مصروفیتوں میں رہتے ہیں۔ اظہر صاحب کے بڑے بھائی عبدالقدوس اور چھوٹے بھائی محمد مسلم دونوں ذیابیطس کے مریض تھے اور اسی موذی مرض نے ان کی جان لی۔ کہتے ہیں کہ ذیابیطس مرض موروثی ہوتا ہے، پتا نہیں اظہر صاحب بھی ذیابیطس سے متاثر رہے ہوں گے۔ ذیابیطس کے مریض کے لئے علاج کے ساتھ پیدل چلنا اور سیر کرنا بھی علاج کا لازمی حصہ ہوتا ہے۔ لیکن دہلی جو کبھی شاہجہاں آباد اور اب فصیل بند یا طنزیہ طور پر دلی نمبر ۶ کہا جاتا ہے۔ کنکریٹ کے ایک گھنے اور تاریک جنگل میں تبدیل ہو چکا ہے۔ صدر بازار کے آس پاس ہی نہیں بلکہ دور دور تک کوئی کھلی جگہ نہیں ہے۔ ہر طرف دوکانیں، تنگ گلیاں ہیں۔ جامع مسجد کا بھی یہی حال ہے۔ کبھی ایڈورڈ پارک تھا جو اب محض ایک چھوٹا سا ہر طرف سے گھرا ہوا پارک ہے، اور ٹہلنے یا سیر کرنے کی جگہ نہیں ہے۔ اگر دوسری طرف ترکمان گیٹ کے باہر رام لیلا گراؤنڈ نہ ہو تو وہاں بھی گھٹن کا ماحول ہے۔ دلی کے بہت سے غیر مسلم افراد نے فصیل بند کی اس گھٹن سے بچنے کے لئے دور دراز کی نئی کالونیوں میں فلیٹ لے لئے۔ اور وہاں کھلی آب و ہوا میں رہتے ہیں۔ دن کو پرانی دلی میں کاروبار کرتے ہیں اور شام کو اپنی گاڑیوں سے گھر چلے جاتے ہیں۔ بہت سے مسلم دکان داروں اور کارخانہ داروں نے پرانے شہر کو چھوڑ کر اوکھلا ابوالفضل انکلیو اور شاہین باغ وغیرہ میں فلیٹ لے لیے ہیں۔ جو پرانی دہلی کے گھٹن کے مقابلے میں کافی کشادہ ہیں۔ اظہر سے بھی میں نے ایک بار کہا تھا کہ شاہین باغ میں فلیٹ لے لو لیکن وہ ہنس کر ٹال گئے۔ ان کے صدر بازار کے مکان میں ان کے علاوہ ان کے دونوں بھائیوں کی فیملی بھی مقیم ہے۔ اس لئے شاید وہ اکیلے نہ جانا چاہتے ہوں یا ان سب کے ساتھ جانا ممکن نہ ہو۔

بہر حال اس نیم تاریک کمرے میں جب بھی بجلی جاتی تو اندھیرا چھا جاتا تھا۔ اظہر وہیں بیٹھے رہتے تھے۔ وہ اس کمرے سے باہر آتے یا زینے سے اترتے بھی یا نہیں۔ اگر وہ صدر بازار سے چل کر ۳۰ ہزاری سے آگے موری گیٹ کے باہر سبزہ تک جاتے جہاں جماعت اہل حدیث اور غرباء اہل حدیث کے افراد عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نماز ادا کرتے ہیں تو ان کی صحت کے لئے بہتر ہوتا۔ اچھی سرسبز و شاداب جگہ ہے، کھلا سبزہ زار بھی پاس ہے۔ کشمیری گیٹ اور علی پور روڈ کے رہنے والے افراد وہاں سیر کرتے ہوں گے، اظہر بھی اگر ایک دو گھنٹہ اس کھلی ہوا اور شاداب فضا میں گذارتے تو ان کی صحت کے لئے بہت بہتر ہوتا۔ لیکن وہ اس کے لئے خود کو تیار نہ کر سکے

ہوں۔اوراس گھٹن اور نیم تاریک کمرے نے ان کی صحت کو برباد کردیا۔

برسوں سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی، مجھ میں اب جامعہ نگر سے صدر بازار جانے کی ہمت نہیں تھی۔اب میرے پاس ٹیلیفون بھی نہیں، موبائل کا تو سوال ہی نہیں۔ان سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ایک بار کسی صاحب کے موبائل پر انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں مرنے سے پہلے ایک بار تم سے ملنا چاہتا ہوں۔میں نے اسے رسمی سی بات سمجھا اور زیادہ اہمیت نہیں دی۔مجھے قطعا بالکل اندازہ نہیں تھا کہ بیماری اتنی شدت اختیار کرچکی ہے۔کوئی ایسا ذریعہ بھی نہیں تھا کہ ان کی خیریت معلوم کریں میں یہی سمجھتا تھا کہ معمولی بیماری جوڑھلتی عمر کا تقاضا ہوتی ہے انہیں لاحق ہوگی اور وہ اپنی علمی مصروفیتوں میں منہمک ہوں گے۔ابھی چند سال پہلے حج بھی کرآئے تھے۔یکم اکتوبر کو بیٹی نے مجھے اخبار پڑھ کر سنایا۔تو اس میں پروفیسر عبدالودود اظہر کے انتقال پر مولانا اصغر علی ناظم عمومی کا تعزیتی بیان شائع ہوا تھا۔میں یہ خبر سن کر دہل کر رہ گیا۔یوں سمجھئے گویا خود موت کی تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اظہر اس طرح اچانک مجھے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ وہ موت سے اس قدر قریب ہیں۔میرے تصور میں اب تک ان کی وہی نوجوانی کی تصویر تھی۔زندہ دل زندگی کی توانائیوں سے بھرپور ہے۔یار چل نخرے مت کر، اور شام کو جامع مسجد چلیں گے، چچا میاں کی دکان سے لونگ چڑھے کھائیں گے۔ایسے زندہ دل شخص کے بارے میں کون سوچ سکتا ہے کہ وہ موت کی آغوش میں چلا جائے گا۔پہلے میرے دل نے اس خبر کو ماننے سے انکار کردیا، یہ ہو ہی نہیں سکتا، جیسے دل کے گوشہ سے آواز آئی۔

لیکن اخبار ہندوستان ایکسپریس سامنے پڑا تھا اور اس کے آخری صفحہ پر اظہر صاحب کے انتقال پر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی کا تعزیتی بیان شائع ہوا تھا۔میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔کافی دیر تک سکتہ سی کیفیت طاری رہی۔پھر ہوش آیا تو روح کے کسی گوشہ سے ایک آواز ابھری۔**تدمع عینی تصدع قلبی وما نقول الا مایرضی ربنا انا بفراقک لمحزونون یا عبدالودود۔**

عبدالودود ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے تھے اور ۲۰۱۶ء میں رفیق اعلیٰ سے جاملے۔۸۰ سال عمر ہوئی۔اس میں ۶۶ سال ہماری دوستی کا عرصہ۔اس میں قربت اور دوری دونوں رہے۔یعنی تقریبا پون صدی تک ہمارا ساتھ رہا۔

فضا صاحب، مجاز صاحب، خواجہ صاحب اور اب عبدالودود اظہر بھی چلے گئے میں اکیلا رہ گیا۔زندگی ایک دشت بے سایہ شجر کی طرح ہے۔اب کتنی سانسیں باقی رہ گئی ہیں۔یہ اللہ ہی جانتا ہے۔لیکن اظہر کے جانے کے بعد اب زندہ رہنے کی تمنا بھی نہیں رہی۔ایک ویران بے سایہ شجر تنہا، یاس ومحرومی سے بدحال زندگی کو زندگی کیسے کہیں۔ابھی جب تک سانس ہے زندہ رہنا ہے۔اللہ عاقبت بخیر کرے اور اظہر کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔**اللھم اغفر لہ وارحمہ وعاف عنہ۔**

(جریدہ ترجمان ۳۱۔۱۶ دسمبر ۲۰۱۶ء)

□□□

پروفیسر عبدالودود اظہر کا انتقال عظیم علمی وادبی خسارہ

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی

نئی دہلی: یکم اکتوبر ۲۰۱۶ء: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم عمومی مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے اخبار کے نام جاری ایک بیان میں فارسی کے نامور ادیب ودانشور اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق رکن عاملہ وشوری پروفیسر عبدالودود اظہر کے سانحہ ارتحال پر شدید رنج وغم اور افسوس کا اظہار کیا ہے اور ان کی موت کو عظیم علمی، ادبی، قومی وملی اور جماعتی خسارہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پروفیسر عبدالودود اظہر کو اللہ تعالی نے بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اور انہوں نے مختلف دینی، علمی، تعلیمی، سماجی اداروں اور پلیٹ فارموں سے قوم وملت وجماعت اور انسانیت کی بڑی خدمات انجام دیں۔ گذشتہ کل صبح ساڑھے سات بجے چار سال کی طویل علالت کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ اور بعد نماز جمعہ قبرستان خواجہ باقی باللہ میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس کا مکین بنائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

پریس ریلیز کے مطابق پروفیسر عبدالودود اظہر نے ذاکر حسین کالج سے تعلیم حاصل کی اور وہیں لیکچرار مقرر ہوئے بعد ازاں آپ ایران تشریف لے گئے اور وہاں سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ پھر ۱۹۷۰ء میں جب جواہر لال نہرو یونیورسٹی وگیان بھون میں قائم ہوئی تو وہ فارسی کے ایسوسی ایٹ پروفیسر بنائے گئے۔ جہاں آپ متعدد بار صدر شعبہ فارسی بنائے گئے۔ وہیں اسکول آف ایفرو ایشین لینگویجز کے ڈین بھی مقرر ہوئے۔ آپ نے رامائن کا دو جلدوں میں فارسی ترجمہ کیا۔ اسی طرح آپ نے متعدد کتابیں لکھیں اور سیمیناروں اور رسالوں کے لئے اہم علمی وتحقیقی مقالات تحریر فرمائے آپ متعدد علمی وتحقیقی اداروں سے بھی وابستہ رہے جن میں ساہتیہ اکیڈمی، غالب اکیڈمی، اردو اکیڈمی دہلی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ آپ جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے علاوہ کئی تعلیمی اداروں سے بھی بحیثیت اعلیٰ عہدے دار منسلک رہے مثلاً کریسنٹ اسکول دریا گنج، ماڈرن فیل اسکول باڑہ ہندوراؤ وغیرہ۔

پروفیسر عبدالودود اظہر نے ایکانڈ وفرینڈ شپ سوسائٹی فار پروموشن آف سینٹرل ایشین لینگویجز قائم کی تھی جس میں تاجک، فارسی، ترکی، ازبک، آرویری زبانوں پر کام ہوتا تھا۔ اس کے آپ صدر نشین تھے۔ آپ کی علمی وادبی نگارشات کی وجہ سے آپ کو نہ صرف ہندوستان بلکہ سینٹرل ایشیا اور ایران میں بھی نہایت عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ کی گراں قدر علمی وادبی خدمات کے اعتراف میں ۱۹۸۸ء میں صدر جمہوریہ ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اسی طرح غالب انسٹی ٹیوٹ نے بھی آپ کو اپنے اہم فارسی انعام فخر الدین علی احمد غالب انعام برائے فارسی تحقیق وتنقید سے نوازا۔ پسماندگان میں اہلیہ اور دو صاحب زادے فروخ اور شاہ رخ ہیں۔

پریس ریلیز کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر حافظ محمد یحییٰ دہلوی، ناظم عمومی مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی، نائب امراء حافظ محمد عبدالقیوم، ڈاکٹر سید عبدالعزیز سلفی، ناظم مالیات الحاج وکیل پرویز، نائب ناظم مولانا ریاض احمد ودیگر ذمہ داران واراکین مجلس عاملہ وشوریٰ وکارکن جمعیت نے بھی پروفیسر عبدالودود اظہر کے انتقال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اور دعا گو ہیں کہ بارالہ ان کی مغفرت فرما اور ان کی لغزشوں سے درگزر فرما، جنت الفردوس کا مکین بنا اور پسماندگان کو صبر جمیل وسلوان کی توفیق ارزانی فرما۔ (جریدہ ترجمان ۳۱-۱۶/اکتوبر ۲۰۱۶ء)

باب چہارم

عالم اسلام کے سلفی اساطین

حیات البانیؒ کے چند درخشاں پہلو

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

مختصر سوانحی خاکہ وخدمات:

علامہ ناصر الدین البانیؒ چودھویں ہجری میں عالم اسلام کے نامور محدث اور علم حدیث اور جرح وتعدیل کے امام تھے۔

نام ونسب: محمد ناصر الدین البانی بن نوح بن آدم بن نجاتی الالبانی ہے۔آپ کی پیدائش البانیا کے دارالحکومت اشقودرہ میں ہوئی۔البانیا پر احمد زوغو کے قابض ہونے کے بعد بڑھتے ہوئے مظالم کے پیش نظر آپ کے والد ملک شام ہجرت کر آئے۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۱۴ء/مطابق ۱۳۳۲ھ

تعلیم: (۱) دمشق کے جمعیۃ الاسعاف الخیریۃ نامی مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور چھ سال کا کورس چار سال میں مکمل کرلیا۔

(۲) والد محترم سے قرآن مجید اور فقہ حنفی اور صرف کی تعلیم پائی۔

(۳) شیخ سعید رہانی سے فقہ حنفی، بلاغت، نحو اور نور الایضاح کی شرح مراقی الایضاح پڑھی۔

(۴) مسجد تقوی میں منعقد ہونے والے حلقات دروس سے بھرپور فیض اٹھایا۔

(۵) مکتبہ ظاہریہ میں ذاتی مطالعہ اور بحث وتحقیق سے ایک عبقری عالم بن کر عالم اسلام میں طلوع ہوئے۔

(۶) اس طرح مصر کے مشہور عالم علامہ رشید رضاء حلب کے محدث محمد راغب طباخ، شام کے علامہ محمد بہجۃ البیطار وغیرہم جیسے اساطین علم سے بھی آپ نے شرف تلمذ پایا اور بھرپور فائدہ اٹھایا۔

(۷) شیخ محمد راغب طباخ سے آپ کو سند اجازہ بھی حاصل ہے۔

خدمات: درس وتدریس، دعوت وتبلیغ کے ساتھ آپ کی خدمات حدیث بے حد معتبر اور قابل ذکر ہیں۔

- دمشق کے قرب وجوار اور دور دراز کے علاقوں میں آپ نے کئی بار دعوتی دورے کئے اور ہزاروں لوگوں کے صحیح عقیدہ، وعمل سے آگاہ فرمایا۔
- آپ کے حلقہ درس میں طلباء کے علاوہ اساتذہ بھی شریک رہا کرتے تھے۔
- جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تین سال تک استاد رہے اور بین الاقوامی شہرت کے حامل ٹھہرے۔
- کلمہ حق کہنے کی پاداش میں دو مرتبہ جیل میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کی۔ایک مرتبہ اسی جیل میں دمشق میں رہے جہاں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو قید رکھا گیا تھا۔
- آپ کے تصنیفی وتحقیقی کارناموں میں احادیث کی تصحیح وتضعیف کا عمل ایک بڑا سنہری کارنامہ ہے۔خاص طور پر السلسلۃ الصحیحہ

اور السلسلہ الضعیفہ جیسی معرکۃ الآراء کتابوں نے آپ کو اس صدی کا مجدد اور محدث بنا دیا۔

اعزاز: ۱۹۹۹ء میں آپ کو شاہ فیصل عالمی ایوارڈ برائے خدمات اسلام سے سرفراز کیا گیا۔

وفات: ۲۲ جمادی الاخری ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۹ء شہر عمان میں وفات ہوئی اور یہیں سنت کے مطابق تدفین ہوئی۔

چند درخشاں پہلو:

☆۔**شوق مطالعہ:** بچپن میں مذہبی وعلمی ماحول کی وجہ سے علامہ البانیؒ کو مطالعہ کا اتنا شدید شوق ہو گیا تھا کہ **الف لیلہ و لیلہ، عنترہ بن شداد، صلاح الدین ایوبی، ذات الھمۃ و الابطال** جیسی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے، جس سے زبان اور گفتگو پر کافی قدرت حاصل ہو گئی اور ذوق مطالعہ بھی پورا ہو گیا۔

☆**بوڑھے مصری سے ملاقات:** علماء وشیوخ کے دروس سے استفادہ حاصل کرنے کے لئے علامہ البانیؒ مسجد اموی جایا کرتے تھے۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ان کی ملاقات ایک بوڑھے مصری سے کروادی جو بوسیدہ کتابوں کو خریدا کرتا اور انہیں مسجد اموی کے مغربی دروازے کے سامنے اپنی چھوٹی سے دکان میں رکھا کرتا تھا۔ اس سے کچھ کتابیں کرائے پر لیتے اور پڑھنے کے بعد واپس کر دیتے۔ کتنا عظیم تھا ذوق مطالعہ اور کتنی ہمت تھی طالب علم کے اس عمل جلیل میں۔

☆**مجلہ المنار کے بعض شمارے مل گئے:** علامہ البانیؒ کا جذبہ مطالعہ اور شوق طلب اتنا ہمہ گیر تھا کہ ہر آن مجلہ المنار کی تلاش میں رہتے اتفاق سے اس کے بعض شمارے ملے جس میں شیخ رشید رضا مصری کا ایک مضمون تھا، جس میں انہوں نے علامہ غزالی کی کتاب احیاء العلوم کا تنقیدی جائزہ لیا تھا۔ اور اس میں رشید رضا مصری نے امام زین الدین عراقی کی کتاب ''**المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الأخبار**'' کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ یہ پڑھتے ہوئے ہی علامہ البانیؒ اس کتاب کی تلاش وجستجو میں پاگلوں کی طرح لگ گئے۔ اچانک ایک آدمی کے پاس یہ کتاب ملی۔ کتاب کو غربت کی وجہ سے خرید نہ سکے تو کرایہ پر لے کر پوری کتاب من وعن نوٹ کر ڈالی اور اس پر تعلیق چڑھانے کا کام کیا۔ نوعمری میں یہ کام دو ہزار بارہ صفحات پر مشتمل چار اجزاء میں مکمل ہوا۔ اور یہیں سے علم حدیث کا مزید شوق مطالعہ علامہ کے دلوں میں پیوست ہوتا چلا گیا۔

☆**علم الحدیث صنعۃ المفالیس:** علامہ البانی کے والد متعصب حنفی تھے۔ آپ کے شوق طلب حدیث کو دیکھ کر استھزاء ومزاق کے طور پر کہتے کہ علم حدیث کا مطالعہ کر کے تم کیا کرو گے۔ یہ مفلسوں اور محتاجوں کا کام ہے مگر قربان جایئے کہ فدائے سلفیت اور سرخیل تحقیق نے حدیث کا مطالعہ جاری رکھا یہاں تک کہ فن حدیث میں تحقیق وتخریج کے امام تسلیم کر لئے گئے۔ آج بھی یہی حال ہمارے متعصبین علماء اور طلباء کا حدیث کے ساتھ برقرار ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں البانی کی سمجھ اور توفیق عطا فرمائے اور حدیث سے محبت کا سچا جذبہ عنایت فرمائے۔

☆**ایک ورق کی تلاش میں ۵۰۰ رسے زائد مجلات کا مطالعہ:** علامہ البانیؒ کی طبیعت کی خرابی اور ڈاکٹروں کے مطالعہ سے پرہیز کے مشوروں کے باوجود ابن ابی الدنیا کی کتاب ''**ذم الملاھی**'' کو مکتبہ ظاہریہ سے تلاش کیا اور اس کے نسخ کا حکم دیا بعد

میں معلوم ہوا کہ ایک ورق کتاب کا غائب ہے۔ کتاب کے اس غائب شدہ ورق کی تلاش میں مکتبہ ظاہریہ کے پانچ سو مجلات کو کھنگال ڈالا۔ دوران مطالعہ مفید معلوماتی باتیں نوٹ بھی فرماتے۔ کتنا لگن تھا، اور کیسی جستجو تھی علم کی موتیوں کو سمیٹنے اور حاصل کرنے کی۔

☆ **مکتبہ ظاہریہ کے مخطوطات کی فہرست سازی اور ترتیب:** گم شدہ ورق کی تلاش نے علامہ کے جوش وجذبہ کو بیدار کر دیا دوران تلاش جن کتابوں کا نام تحریر کیا تھا اس پر نظر ثانی کی اور مولفین کے ناموں پر حروف تہجی کے اعتبار سے مخطوطات کی فہرست مرتب کر دی جو کہ علمی اور تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے آسان راستہ بن گیا۔

☆ **مخطوطات کا مطالعہ اور ان سے حدیثی فوائد کا استخراج وترتیب:** مخطوطات کی فہرست سازی کے بعد علامہ البانیؒ نے ان کا مطالعہ شروع کر دیا اور ان سے حدیثی فوائد کو نکال کر نوٹ فرماتے گئے اور انہیں بعد میں حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کر کے ایک قیمتی ورثہ چھوڑ گئے۔

☆ **شیخ البانیؒ کے لئے مکتبہ ظاہریہ میں خصوصی کمرہ الاٹ کر دیا گیا:** مطالعہ اور تحقیق کا ذوق دیکھ کر اپنے اصول وقوانین کی پابندیوں کو توڑتے ہوئے مکتبہ ظاہریہ کے ذمہ داروں نے شیخ کے لئے ایک کمرہ خاص کر دیا اور اوقات یومیہ کی پابندی کو ختم کر کے شیخ کو مکتبہ کی ایک کنجی دے دی اور چوکیدار کو حکم دیا کہ کسی بھی وقت شیخ کو مکتبہ میں داخل ہونے سے نہ روکا جائے۔

ظاہر ہے کہ علم وتحقیق، صبر، امانت ودیانت اور شوق مطالعہ نے ان تمام پابندیوں کو توڑنے پر مجبور کیا ہوگا۔ فیا للہ العجب۔

☆ **علامہ البانیؒ کے بارے میں ایک شامی عالم کی شہادت:** عالم اسلام کی معزز شخصیت شیخ عبدالباری فتح اللہ المدنی رقمطراز ہیں: ''علامہ کے فضل ومنقبت کا ایک درخشاں باب یہ ہے کہ حق گوئی اور عزیمت کے راستے میں آپ نے یوسف زنداں امام احمد بن حنبل، اور مالک بن انس کی تاریخ کو زندہ کیا۔ حق گوئی کی پاداش میں قید وبند کی زندگی، ملک بدر ہونے کی صعوبتیں اور ہجرت کی تلخیاں اٹھانی پڑیں۔ ایک شامی عالم کا قول صد فیصد سچ ہے کہ اس دور میں کوئی عالم ایسا نہیں دیکھا گیا کہ جس نے کسی سنت کو کبھی کسی ہیبت یا ذاتی مصلحت کی بنا پر ترک نہ کیا ہو، مگر علامہ البانیؒ نے کبھی کوئی سنت کسی کی ہیبت یا ذاتی مصلحت کی بنا پر ترک نہ کی'' (صفۃ صلاۃ النبی: ۶۴)

☆ **تحقیق حدیث میں بے مثال کارنامہ:** آپ کی ساری مطبوعات سے قطع نظر اگر صرف سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ اور سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ کو ہی سامنے رکھا جائے تو کہنا مناسب ہوگا کہ حدیث کی تصحیح وتضعیف کے تعلق سے آپ سے پہلے اور آپ کے زمانے میں کسی نے اتنا بے باک کارنامہ انجام نہیں دیا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ علامہ البانیؒ نے اپنی گرانقدر تحقیقی خدمات سے عصر حاضر میں حدیث انسائکلو پیڈیا کی مستقبل بنیاد ڈالی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

☆ **علامہ البانیؒ کا ایک عظیم کارنامہ:** معجم الحدیث النبوی جس کی دنیائے تحقیق منتظر ہے: علامہ البانیؒ کی یہ کتاب چالیس جلدوں سے زیادہ بلکہ بعض شاگردوں کے احصاء کے مطابق انچاس جلدوں پر مشتمل ہے۔ علامہ کی تیس سالہ محنت شاقہ اور جانفشانیوں کا نتیجہ ہے۔ جو حدیث انسائیکلو پیڈیا کے طور پر مخطوطہ کی شکل میں موجود ہے کاش کہ علامہ کی یہ کاوش آج بھی منظر عام پر آجاتی تو علم حدیث کی دنیا میں ایک وسیع انسائیکلو پیڈیا ثابت ہوتی۔

علامہ البانیؒ کی چند علمی وحدیثی تصنیفات: یوں تو شیخ البانی رحمہ اللہ کی تصنیف وتحقیق کردہ کتابوں کی تعداد ۳۰۹ یا اس سے زیادہ ہے۔ ذیل میں چند مشہور کتابوں کے نام درج ہیں۔

۱۔ ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل
۲۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ وشئ من فقھہا وفوائدھا
۳۔ // // الضعیفہ واثرھا السیئ فی الامتہ
۴۔ صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ
۵۔ ضعیف الجامع الصغیر وزیادتہ
۶۔ صحیح سنن الترمذی
۷۔ ضعیف سنن الترمذی
۸۔ صحیح سنن ابی داؤد
۹۔ ضعیف //
۱۰۔ صحیح سنن ابن ماجہ
۱۱۔ ضعیف //
۱۲۔ صحیح سنن النسائی
۱۳۔ ضعیف //
۱۴۔ صحیح الادب المفرد للبخاری
۱۵۔ ضعیف //
۱۶۔ صحیح الترغیب والترھیب
۱۷۔ ضعیف //
۱۸۔ صحیح ابن خزیمہ بتحقیق محمد مصطفی الاعظمی مراجعہ وتعلیق
۱۹۔ صحیح کشف الاستار عن زوائد البزار للھیثمی
۲۰۔ ضعیف // // // //
۲۱۔ صحیح الکلم الطیب لابن تیمیہ
۲۲۔ صحیح موارد الظمآن
۲۳۔ ضعیف //
۲۴۔ صحیح السیرۃ النبویۃ منتقاۃ من السیرۃ النبویۃ لابن کثیر
۲۵۔ مختصر الشمائل المحمدیۃ

۲۶۔مختصر صحیح البخاری
۲۷۔مختصر صحیح مسلم
۲۸۔مختصر صحیح مسلم للمنذری
۲۹۔مشکاۃ المصابیح للتبریزی
۳۰۔ھدایۃ الرواۃ الی تخریج احادیث المصابیح والمشکاۃ لابن حجر
۳۱۔معجم الحدیث النبوی
۳۲۔آداب الزفاف فی السنۃ المطہرۃ
۳۳۔احکام الجنائز وبدعہا
۳۴۔صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۳۵۔تمام المنۃ فی التعلیق علی فقہ السنۃ
۳۶۔التعلیقات الحسان علی ترتیب صحیح ابن حبان

ان کے علاوہ دیگر بے شمار علمی تحقیقی وتخریجی کتابیں ہیں جن سے اہل علم استفادہ کرتے ہیں اوران میں سے کچھ ابھی تک مطبوع نہ ہوسکی ہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں زیور طباعت سے آراستے کرنے کی اہل خیر واصحاب علم کوتوفیق عطا فرمائے تا کہ ان کا فیض عام ہوسکے۔آمین

مراجع ومصادر

حیاۃ الالبانیؒ للشیبانی
مقدمہ صفۃ صلاۃ النبی رشیخ عبدالباری المدنی
صفحات بیضاء من حیاۃ الامام ناصر الدین البانیؒ
ابواسماء عطیہ المصری

□□□

پاسبانِ توحید وسنت امام کعبہ

شیخ محمد بن عبداللہ السبیل رحمہ اللہ

حیات وخدمات

۱۹۲۴ء.....۲۰۱۲ء

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

عالم اسلام کی قابل اعتبار علمی شخصیت، سعودی کبار علماء کمیٹی کے رکن رکین اور کعبہ مقدسہ کے مشہور ومعروف امام اور مصلیان حرم کے ہر دلعزیز خطیب شیخ محمد بن عبداللہ السبیل رحمہ اللہ مسلسل ۴۴ رسالوں تک کعبہ میں امامت وخطابت کے بعد ایک طویل علالت کی وجہ سے عمر کی ۸۸ ربہاریں دیکھ کر ۱۷ ردسمبر ۲۰۱۲ء مطابق ۳ رصفر ۱۴۳۴ھ بروز سوموار بوقت عصر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ محترم اپنی آواز، اپنے لب لہجہ، عالم اسلام کی فکرمندی اور پوری دنیا میں ختم نبوت مومنٹ اور اس کے علاوہ دین کی دعوت اور توحید وسلفیت کی اشاعت میں سرگرم عمل تنظیموں اور جماعتوں کی سرپرستی کے لئے جانے اور پہچانے جاتے تھے، پوری دنیا میں آپ نے کتاب وسنت کی بالادستی کے لئے سو سے زیادہ دعوتی اسفار اور دورے کئے اور اپنے بیش قیمت تجربات اور علمی بصیرت سے علماء و عوام کو روشناس کیا، مشیت ربانی کے مطابق علم وعمل اور فضل وآگہی کا یہ آفتاب گہربار عالم اسلام اور عرب وعجم میں ہزاروں سوگواروں کو چھوڑ کر راہی ملک بقا ہو چلا۔

ذیل کے سطور انتہائی عجلت میں ترتیب دیئے گئے ہیں اور امید کہ قارئین کرام کو شیخ کی زندگی کے سنہرے اوراق اور آپ کی خدمات وکاوشوں کے سلسلے میں سطور ذیل سے رہنمائی حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ امام کعبہ پر اپنی رحمتوں کا ابر بہاراں برسائے۔ آمین۔

نام ونسب:

محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز آل عثمان ''السبیل''۔ آل عثمان کا تعلق عرب کے مشہور ومعروف علاقہ ''نجد'' میں قبیلہ بنی زید سے تھا اور قبیلہ بنی زید کا تعلق قضاعۃ سے ہوتے ہوئے عرب کے مشہور خاندان قبیلہ قحطان سے ہے اور یہ قبیلہ عرب میں بڑا عالی اور شریف ومعتبر خاندان مانا جاتا ہے۔ ''السبیل'' آپ کے والد کا مشہور لقب تھا جو بعد میں آپ کی اولاد میں جاری ہو گیا۔

پیدائش اور تعلیم وتربیت:

آپ کی پیدائش ۱۹۲۴ء مطابق ۱۳۴۵ھ میں سعودی عرب کے معروف علاقہ القصیم کے شہر ''بکیریۃ'' میں ہوئی اور یہیں پر ایک

معتبر علمی گھرانہ ''السبیل'' میں آپ پروان چڑھے اور اپنے والد کے زیر سایہ عمدہ تعلیم وتربیت کا فیض اٹھانے لگے۔

حفظ قرآن مجید:

گھر کا ماحول علمی تھا اور نجد کا یہ علاقہ بڑا ہی متدین اور دین پرست مانا جاتا تھا۔ چنانچہ شیخ محمد السبیل نے سب سے پہلے قرآن سیکھنے اور حفظ کرنے کی ابتداء کی اور آہستہ آہستہ اپنے والد محترم سے قرآن کی تعلیم پانے لگے اور پھر والد محترم کی محنتوں کے ساتھ شیخ عبدالرحمن الکریدیس کے پاس بھی حفظ قرآن کے لئے جانے لگے بالآخر ان کے ہاتھوں پر چودہ سال کی عمر میں آپ نے حفظ قرآن مکمل کرلیا اور بعد میں مکہ مکرمہ میں لبنان کے مشہور سلفی قاری شیخ سعدی یاسین سے قرأت قرآن اور تجوید کی تعلیم حاصل کی۔ شیخ سعدی یاسین نے آپ کو قرأت قرآن میں سند اجازت دی، شیخ سعدی لبنان کے مشہور سلفی عالم تھے اور رابطہ عالم اسلامی کے تاسیسی ممبر اور رکن تھے۔

دینی تعلیم کا حصول:

نجد کے روایتی طریقے کے مطابق دینی تعلیم مساجد میں حاصل کی جاتی تھی، مختلف مساجد میں مختلف علماء کی علمی مجلسیں منعقد ہوتی اور طلباء اپنے ذوق کے اعتبار سے مختلف فنون کو حاصل کرنے کیلئے ان مسجدوں کا رخ کرتے تھے، شیخ السبیلؒ بھی اسی روایتی طریقہ کے مطابق بکیریہ کی مسجد میں علمی حلقات میں شرکت کرنے اور مختلف اساتذہ ومدرسین سے علم حاصل کرنے لگے چنانچہ آپ نے یہاں پر نحو، صرف، عقیدہ، تفسیر اور حدیث کی کتابیں پڑھیں اور ان تمام میں مہارت تامہ حاصل کرلی آپ کے اساتذہ میں درج ذیل کا نام مشہور ومعروف ہے۔

(۱) شیخ محمد بن مقبل قاضی بکیریۃ

(۲) شیخ عبدالعزیز السبیل جو آپ کے بھائی تھے اور اس وقت بکیریۃ کے قاضی بھی تھے اور بعد میں حرم مکی میں بھی تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

(۳) شیخ عبداللہ بن محمد بن حمید چیف جسٹس القصیم، آپ بریدہ میں رہتے تھے اور عرب میں آپ کی بڑی علمی شہرت تھی، شیخ السبیلؒ کو بھی رب العالمین نے آپ سے بریدہ جاکر تعلیم حاصل کرنے کی سعادت عطا کی۔

(۴) شیخ عبدالحق الہاشمی جو اس وقت مکہ مکرمہ میں ایک معتمد محدث مانے جاتے تھے آپ نے ان سے علم حدیث حاصل کیا۔

(۵) شیخ ابوسعید عبداللہ الہندی مکہ مکرمہ میں آپ کا حلقہ حدیث بہت مشہور تھا شیخ السبیل نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور فن حدیث وروایت حدیث میں آپ سے سند اجازت حاصل کی۔

میدان عمل میں:

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ۱۳۶۷ھ میں آپ میدان عمل میں اتر گئے اور تقریباً ۱۸ رسالوں تک وزارۃ المعارف کے تابع مختلف مدارس ومعاہدہ میں تعلیم وتدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے جس کا خاکہ درج ذیل ہے۔

(۱) ۱۳۶۷ھ میں بکیریہ کے ابتدائی مدرسہ میں مدرس منتخب کئے گئے اور یہاں چھ سال تک تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔
(۲) ۱۳۷۳ھ میں شہر بریدہ القصیم میں المعہد العلمی کے مدرس منتخب ہوئے اور اس طرح بارہ سالوں تک حدیث، تفسیر، عقیدہ اور دیگر فنون کی تعلیم دیتے رہے۔

دامن حرم میں:

رب العزت کے فضل وتوفیق سے اٹھارہ سالوں کے طویل تعلیمی وتدریسی تجربہ کے بعد وہ ساعت مسعود آگئی جو آپ کو معمار کعبہ ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ حرم مکی تک کھینچ لائی اور اس طرح ۱۳۸۵ھ میں شاہی فرمان کے مطابق آپ کو حرم مکی کا امام وخطیب مقرر کر دیا گیا اور جب سے آپ کعبہ مقدسہ میں قدم رنجہ ہوئے حرم کی محبت، چاشنی، لذت اور اس کی عظمتوں نے آپ کو اپنے سینے سے لگائے رکھا اور دلوں میں بٹھائے رکھا۔ آپ کی علمی، انتظامی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے حرم مکی اور کعبہ کی دینی وتعلیمی ترقی کیلئے مزید ذمہ داریاں بھی دی گئیں جو درج ذیل ہیں:

۱) ۱۳۸۵ھ میں امام وخطیب کے ساتھ مسجد حرام کی تعلیمی کمیٹی کے آپ صدر منتخب کئے گئے۔
۲) ۱۳۹۰ھ میں آپ مسجد حرام کے مذہبی کمیٹی کے نائب صدر کے عہدے پر فائز ہوئے۔
۳) ۱۳۹۳ھ میں جب مسجد حرم مکہ کے ساتھ مسجد نبوی کی ذمہ داریاں بھی جوڑ دی گئیں اور حرمین شریفین کے لئے مشترکہ کمیٹی بنائی گئی تو بھی آپ کو اس کا نائب صدر باقی رکھا گیا اور برسوں یہ خدمت آپ انجام دیتے رہے۔
۴) ۱۴۱۱ھ تک آپ کو مذکورہ شئون الحرمین کمیٹی کا رئیس اور صدر بنا دیا گیا اور مسلسل دس سالوں تک آپ حرمین کی تعمیر وترقی اور مذہبی وتعلیمی امور کی نگہبانی کرتے رہے۔
۵) ۱۳۸۵ھ سے مسلسل ۴۴ ربرسوں تک آپ حرم مکی اور کعبہ مقدسہ میں امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیتے رہے اور جب عمر رفتہ نے ساتھ چھوڑنا شروع کیا تو ۱۴۲۹ھ میں آپ نے بیماری اور بڑھاپے کی وجہ سے خود ہی ریٹائرمنٹ لے لیا۔

دیگر عہدے اور مناصب:

قدرت نے آپ کو علم غزیر، ملکہ راسخہ اور قوت حافظہ عطا کیا تھا جس کی وجہ سے عالم عرب وعجم میں آپ قبولیت واحترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے، آپ کے علمی مقام ومرتبے، اصابت فکر، صلابت رائے، قوت اجتہاد اور وسیع تر خدمات وتجربات کی وجہ سے ۱۴۱۳ھ میں سعودی حکومت نے کبار علماء کمیٹی کا رکن منتخب کر لیا اور اس طرح رابطۂ عالم اسلامی کی فقہ اکیڈمی کے بھی آپ ممبر بنا دیئے گئے جس کی تاریخی تفصیلات ذیل ہیں۔

۱) ۱۴۱۳ھ سے ۱۴۲۷ھ تک آپ سعودی کبار علماء کمیٹی کے رکن رکین اور ایک معتبر ومعتمد ممبر رہے اور تقریباً چودہ سالوں تک اپنے علم وفضل اور تجربات ومشاہدات کا فیض بہم پہنچاتے رہے۔
۲) ۱۳۹۷ھ سے ۱۴۳۲ھ تک آپ رابطہ عالم اسلامی کی فقہ اکیڈمی کے مسلسل ۳۵ سالوں تک ممبر رہے اور فقہ اکیڈمی کی دینی و

تحقیقی نیز پیش آمدہ مسائل کے لئے منعقدہ مجالس میں اپنی اجتہادی قوت اور علمی بصیرت کا مظاہرہ کرتے رہے اور اسطرح آپ کے اجتہادات وتجربات، تحریرات ومقالات سے ایک عالم فائدہ اٹھاتی رہی۔

تلامذہ وشاگردان:

یوں تو آپ کے شاگردوں اور مستفیدین کی تعداد بے شمار ہے جن میں اہم علمی شخصیات بھی شامل ہیں، حرم میں جانے والا اور وہاں زیارت کے لئے حاضری دینے والا کوئی ایسا فرد نہ ہوگا جس نے شیخ السبیل رحمہ اللہ سے ان کے اوقات عمل میں فائدہ نہ اٹھایا ہوتا ہم آپ کے شاگردوں میں دو شخصیتوں کا نام قابل ذکر ہے جو عالم عرب وعجم میں آج بھی توحید وسنت کی دعوت اور اس کی نشر واشاعت میں اپنے علمی، دعوتی اور تصنیفی جہود کے لئے مشہور ومعروف ہیں۔

(۱) سعودی عرب کے مشہور ومعروف بین الاقوامی سلفی محقق **شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ** جن کے علمی دروس اور تحقیقی مقالات محاضرات کا ایک سلسلہ ہے جو برسوں سے جاری وساری ہے اللہ تعالیٰ اسے تادیر باقی رکھے۔

۲) یمن کے مشہور ومعروف محدث **شیخ مقبل بن ھادی الوادعی** رحفظہ اللہ جو کہ شیخ السبیل سے استفادہ کرنے کے بعد برسوں سے یمن کی سرزمین پر دعوت سلفیت اور علم حدیث کے فروغ میں ایک نمایاں مقام حاصل کر چکے ہیں۔ الحمدللہ آپ کے شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ ہے جو پوری دنیا میں موجود ہے۔

دعوتی اسفار:

حرم مکی میں امامت وخطابت اور درس وتدریس نیز اہم کلیدی مناصب اور عالمی اداروں میں عضویت ورکنیت جیسے اہم ترین مشغولیات کے باوجود دعوت توحید وسنت کو دنیا کے مختلف گوشوں تک پہنچانے اور عام کرنے کے لئے ایشیا، افریقہ اور یورپ کے پچاس ملکوں میں کم وبیش آپ نے ۱۰۰ سے زیادہ علمی ودعوتی اسفار اور دورے کئے ہیں، دنیا کے کونے کونے میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی کانفرنسوں میں آپ کی آواز بڑے انہماک اور جذبہ سے سنی جاتی تھی انٹرنیشنل ختم نبوت مومنٹ سمیت دین کی اشاعت اور توحید وسنت کے لئے سرگرم تنظیموں اور جماعتوں کی آپ نے ہمیشہ سرپرستی کی اور عالم اسلام میں سلگتے ہوئے موضوعات پر آپ نے ملت اسلامیہ کی بھرپور رہنمائی کی۔

جامعہ سلفیہ بنارس، ندوۃ العلماء لکھنؤ، اور ملک کی علمی وتاریخی شخصیت مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ وغیرہم کی دعوت پر آپ کئی بار ہندوستان کے دورے پر بھی تشریف لا چکے ہیں اور آپ کے وسیع تجربات، علمی ودعوتی بصیرت سے یہاں کے علماء وعوام کو متعدد کانفرنسوں وجلسوں میں فیض اٹھانے کا موقع مل چکا ہے۔ الحمدللہ راقم کو بھی متعدد بار آپ سے ملاقات اور خدمت کرنے کا شرف حاصل رہا ہے۔

تالیفات وتصنیفات:

کعبہ مقدسہ میں امامت وخطابت کے ساتھ مختلف اہم اور سلگتے موضوعات پر آپ کے اشہب قلم سے متعدد کتابیں منظر عام پر

آچکی ہیں اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ مختلف فنون کے ساتھ آپ کو شعروشاعری سے خصوصی دلچسپی تھی آپ کا عربی زبان میں دیوان شعر بھی زیورطبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ ذیل میں چند قلمی کاوشوں کے نام درج ہیں:

(۱)''من منبر المسجد الحرام'' عربی زبان میں یہ آپ کے خانہ کعبہ میں دوران عمل دیئے گئے خطبات کا مجموعہ اور دیوان ہے جو مطبوع اومتداول ہے۔

(۲)''خطبات حرم'' مذکورہ عربی کتاب کا اردو ترجمہ ہے جسے ہمارے استاذ محترم شیخ ابوالمکرّم عبدالجلیل سلفی رحمہ اللہ نے کیا تھا، الحمدللہ جامعہ سلفیہ بنارس نے اس کی عمدہ اور شاندار اشاعت کر کے اسے برسوں پہلے ہندوستان میں مفت تقسیم کیا ہے۔

(۳)رسالة في حق الراعي والرعية۔

(۴)رسالة في حكم الاستعانة بغير المسلمين في الجهاد۔

(۵)رسالة في حد السرقة۔

(۶)دعوة المصطفى ﷺ۔

(۷)من هدى المصطفى ﷺ۔ (یہ دروس حدیث کا مجموعہ ہے)

(۸)الخط المشير الى الحجر الاسود ومدى مشروعيته۔

۹)حكم التجنس بجنسية دولة غير اسلامية۔

(۱۰)فتاوى ورسائل مختارة۔

(۱۱)ديوان الشعر۔

☆سعودی ریڈیو پر''نور علی الادب'' کے عنوان سے آپ کے پروگرام اور فتاوے برابر نشر ہوتے تھے۔

اولاد واحفاد:

آپ کی تین بیویاں تھیں تاہم اولاد کی بالضبط تعداد ابھی معلوم نہ ہوسکی ہے تاہم آپ کی اولاد میں بعض ایسی علمی وہمہ گیر شخصیات بھی اللہ نے پیدا کیں جو باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سعودی عرب اور عالم اسلام میں عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱)ڈاکٹر عمر السبیل:

آپ کے لائق وہونہار فرزند تھے اور قدرت نے والد ہی کی طرح آواز میں جاذبیت عطا کی تھی۔ الحمدللہ آپ کے ساتھ ہی آپ کے لائق فرزند شیخ دکتور عمر السبیل کو خانہ کعبہ میں امامت کا حسین موقع ملا اور برسوں آپ نے امامت کے اس خدمت جلیلہ کو انجام دیا لیکن زندگی وفا نہ کرسکی اور والد محترم سے پہلے ہی ایک کار حادثہ کا شکار ہو کر اللہ کو پیارے ہوگئے۔

(۲)ڈاکٹر عبدالعزیز السبیل:

آپ کے ہونہار فرزندوں میں دکتور عبدالعزیز کا شمار ہوتا ہے بروقت سعودی ایجوکیشن منسٹری میں وزیر تعلیم کے مشیر خاص کے اہم ترین عہدے پر فائز ہیں۔

(۳)ڈاکٹر عبدالملک السبیل:

آپ جامعہ ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں سینئر پروفسر ہیں اور برسوں سے تعلیم وتدریس اور ریسرچ وتحقیق کے میدان سے جڑے ہوئے ہیں۔

(۴)استاذ عبداللہ السبیل:

پہلے آپ سعودی میونسپل کارپوریشن میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے اور فی الوقت عرب شہری ڈپولیمنٹ اتھارٹی کویت کے تابع المعہد العربی میں نائب مدیر کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

اس کے علاوہ شیخ کے کئی بیٹے اور بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ تمام کو صبر وثبات اور حوصلہ عطا فرمائے آمین

مہدیٔ موعود کا جہیمانی فتنہ اور شیخ کی سلامتی:

۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں جہیمان نام کے ایک گمراہ آدمی نے مہدی موعود کا نعرہ دے کر مختلف لوگوں کو اپنے فتنہ کا شکار بنا دیا اور ایک پوری مسلح ٹیم تیار کرلی جس کے نتیجہ میں اچانک ان گمراہوں نے پورے منظم پلاننگ کے تحت فجر کی نماز میں حرم میں مہدی موعود کا اعلان کردیا اور ایک بڑا فتنہ کھڑا کر کے پورے حرم اور اس کے مصلیان کو یرغمال بنالیا، شیخ السبیل رحمہ اللہ اس وقت فجر کی نماز میں امامت کررہے تھے، رب العالمین نے آپ کو ان کے ارادہ قتل اور اغواء کے فتنے سے بال بال بچالیا اور پھر آپ کی فراست اور حکومتی اثر ورسوخ کی بنیاد پر فوری طور پر سعودی حکومت نے ان گمراہوں کے خلاف کاروائی شروع کردی بالآخر ان کے فتنے سے حرم اور مصلیان حرم کو نجات حاصل ہوئی۔

وفات وتدفین:

مسلسل ۴۴ رسالوں تک حرم مکی کی بے لوث امامت، اپنے مخصوص لب ولہجہ میں قرآن مجید کی تلاوت اور شؤن الحرمین کی نگہبانی، ریاست وقیادت کے بعد بالآخر ۱۴۲۹ھ میں بیماری اور بڑھاپے کے مدنظر آپ نے خود ہی حکومت سے رضا کارانہ طور پر ریٹائرمنٹ لے لیا۔ اور گھر میں آرام کرنے لگے مگر رفتہ رفتہ بیماری نے آپ کی زندگی میں بسیرا ڈال دیا، برسوں دوا وعلاج کے بعد آپ صاحب فراش ہوگئے۔ بالآخر طویل علالت کے بعد کومہ میں چلے گئے اور عمر کی ۸۸ ربہاریں دیکھ کر ۱۷ ردسمبر ۲۰۱۲ء مطابق ۳ رصفر ۱۴۳۴ھ بروز سوموار بوقت عصر اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

سعودی حکومت کے شاہی فرمان کے مطابق آپ کو دوسرے دن ۱۸ ردسمبر ۲۰۱۲ء مطابق ۴ رصفر ۱۴۳۴ھ عصر کی نماز کے بعد

مکہ مکرمہ کے ''مقبرۃ العدل'' نامی قبرستان میں ہزاروں پرنم آنکھوں کی موجودگی میں سپرد خاک کیا گیا۔ جنازہ میں شاہی گھرانے کے امراء، حکومتی وسرکاری اہلکاروں، ائمہ حرمین، علماء وداعیان اور آپ کے وابستگان ومصلیان حرم پر مشتمل ہزاروں کی جم غفیر شریک تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ آمین

دراصل شیخ سبیل رحمہ اللہ نے اپنی علم وبصیرت اور اخلاص وللّٰہیت کی وجہ سے خانہ کعبہ کی امامت وخطابت کو ایک عالمی اعتبار عطا کیا اور مسجد حرام کے ائمہ کی صدائیں اور منبر کعبہ سے علماء حرم کی تقریریں پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے مشعل راہ بن گئیں، عالم اسلام، عرب وعجم کے مسلمان ائمہ حرم پر اعتماد کرتے ہوئے ان ہدایات اور ارشادات کو اپنی زندگیوں کے لئے نشان راہ سمجھنے لگے اور الحمدللہ یہ معتبریت اور مرجعیت آج بھی باقی ہے۔

مشیت ربانی کے مطابق علم وفضل کا یہ آفتاب گہربار اور حرم ابراہیمی میں توحید وسنت کا یہ پاسبان بالآخر ایک دن ہم سے جدا ہو چلا۔ رب العالمین سے دعا ہے کہ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کی اولاد واحفاد اور تمام وابستگان عالم کو صبر وثبات عطا کرے۔ آمین تقبل اللہ یارب العالمین۔

❑❑❑

جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع شدہ

امام کعبہ

شیخ محمد بن عبداللہ السبیل رحمہ اللہ

کے خطبات کا مجموعہ

خطبات حرم

ترجمہ

شیخ ابوالمکرم عبدالجلیل سلفی رحمہ اللہ

ضرور پڑھیں

مورخ اہل حدیث مولانا محمد اسحٰق بھٹی رحمہ اللہ

۱۹۲۵ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۰۱۵ء

رانا شفیق خان پسروری

پاکستان کے مشہور اسکالر اور تقریباً چالیس کتابوں کے مصنف مولانا محمد اسحاق بھٹی ۱۵ مارچ ۱۹۲۵ء کو کوٹ کپورہ ریاست فرید کوٹ (ضلع فیروز پور مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ناظرہ قرآن مجید اور اردو کی ابتدائی کتابیں اپنے دادا میاں محمد مرحوم سے پڑھیں۔ ۱۹۳۳ء میں وہاں مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی تشریف لے گئے تو ان سے درس نظامی کے نصاب کے مطابق تعلیم کا آغاز کیا اور اسکول کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تفسیر وحدیث، فقہ واصول، عربی ادبیات اور صرف ونحو کی تمام مروجہ کتابیں ان سے پڑھیں۔ پھر مولانا ممدوح کے حکم سے گوجراں والا سے تفسیر وحدیث اور علم فقہ کی کتابیں دوبارہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ ۱۹۴۲ء میں تعلیم سے فراغت پائی تو ایک سال ہیڈ سلیمان کی میں محکمہ نہر میں بطور کلرک سرکاری ملازمت کی۔ یہ ملازمت چھوڑ کر ایک سال کے قریب ہندوستان کے مختلف شہروں (آگرہ، دہلی، متھرا، دھول پور، گوالیار، کان پور وغیرہ) کی سیر وسیاحت کرتے رہے۔

اپریل ۱۹۴۳ء میں ضلع فیروز پور کی ایک درس گاہ میں جو مرکز الاسلام میں جامع محمدیہ کے نام سے موسوم تھی، تدریس کا فریضہ انجام دینے لگے، اس درس گاہ کے منتظم مولانا محمد علی لکھوی کے فرزندان گرامی مولانا محی الدین لکھوی اور مولانا معین الدین لکھوی تھے۔ اس میں جدید وقدیم دونوں طرز کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر موضع ''لکھوکے'' تھا، جس میں کم وبیش ۱۹۲۰ء سے دینی مدرسہ قائم تھا جو ایک بزرگ حافظ احمد نے جاری کیا تھا اور ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے حافظ بارک اللہ لکھوی اور پوتے حافظ محمد لکھوی نے نہایت خوش اسلوبی سے جاری رکھا اور بے شمار شائقین علم نے اس مدرسے میں تعلیم حاصل کی۔ مولانا محی الدین لکھوی اور مولانا معین الدین لکھوی، انہیں بزرگان عالیقدر کی اولاد میں سے تھے۔ لکھوکے کے مدرسے کا انتظام بھی انہیں دونوں بھائیوں کے ہاتھ میں تھا۔

محمد اسحاق بھٹی صاحب اگست ۱۹۴۷ء تک مرکز الاسلام کے جامعہ محمدیہ میں فریضہ تدریس سرانجام دیتے رہے۔

۱۹۴۵ء میں ریاست فرید کوٹ میں ایک سیاسی جماعت ''پرجا منڈل'' نے تحریک آزادی شروع کی تو بھٹی صاحب نے اس میں بھرپور حصہ لیا اور اپنے تیرہ مسلمان ہندو اور سکھ ساتھیوں سمیت گرفتار ہوئے اور فرید کوٹ کی پرجا منڈل کے سکریٹری اور گیانی ذیل سنگھ کو پریذیڈنٹ منتخب کیا۔ گیانی ذیل سنگھ ریاست فرید کوٹ کے ایک گاؤں ''سندھوان'' کے رہنے والے تھے۔ آزادی کے بعد یہ پانچ سال ہندوستان کے منصب صدارت پر فائز رہے۔

تقسیم ملک کے بعد محمد اسحاق بھٹی اپنے خاندان اور قدیم مسکن کوٹ کپورہ کے بہت سے لوگوں کے ساتھ ضلع فیصل آباد کی تحصیل

جڑاں والا کے ایک گاؤں چک نمبر ۵۳ گ ڈھیاں آئے اور وہاں سکونت پذیر ہو گئے۔ ۲۴ جولائی ۱۹۴۸ء کو دارالعلوم تقویۃ الاسلام (شیش محل روڈ) لاہور میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے زیر صدارت جماعت اہل حدیث کے علماء وزعماء کا اجلاس منعقد ہوا تو مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے نام سے جماعت کی تنظیم قائم کی گئی۔ جمعیت کا صدر مولانا سید محمد داؤد غزنوی کو، ناظم اعلیٰ پروفیسر عبدالقیوم کو اور ناظم مالیات میاں عبدالمجید کو منتخب کیا۔ بھٹی صاحب کو جمعیت کا ناظم دفتر بنایا گیا اور وہ اپنے گاؤں سے لاہور آ گئے۔ انہوں نے نہایت محنت کے ساتھ دفتری نظامت کا فریضہ سرانجام دینا شروع کیا اور دفتری نظام کو ایک باوقار جماعت کے شایان شان بنا دیا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کو مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کہا جانے لگا۔

اگست ۱۹۴۹ء میں جمعیت اہل حدیث کی ترجمانی کے لئے ہفت روزہ اخبار ''الاعتصام'' جاری ہوا تو مولانا محمد حنیف ندوی کا بطور مدیر اور بھٹی صاحب کا بطور نائب مدیر تقرر عمل میں آیا۔ مئی ۱۹۵۱ء میں مولانا محمد حنیف ندوی ادارہ ثقافت اسلامیہ میں چلے گئے تو ان کی جگہ اس اخبار کا مدیر بھٹی صاحب کو بنا دیا گیا۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا جس کے بھٹی صاحب حق دار قرار پائے۔ انہوں نے انتہائی خوش اسلوبی سے ادارت کے فرائض سرانجام دیے اور اس کے کئی خاص نمبر شائع کئے، جن میں ایک ضخیم نمبر حجیت حدیث تھا جو فروری ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔ اور ایک ۱۸۵۷ء نمبر تھا جو مئی ۱۹۵۹ء کو معرض اشاعت میں آیا۔ بھٹی صاحب کے اسلوب تحریر سے قارئین بہت خوش تھے۔ وہ کم وبیش سولہ سال اس منصب پر فائز رہے۔ اس اثناء میں اپنا اخبار سہ روزہ ''منہاج'' بھی جاری کیا، جس نے صرف چودہ مہینے عمر پائی۔ ۳۰ مئی ۱۹۶۵ء کو انہوں نے اخبار الاعتصام کی ادارت سے استعفیٰ دے دیا۔ یکم جولائی ۱۹۶۵ء کو لاہور (شیش محل روڈ) سے ہفت روزہ ''توحید'' جاری کیا گیا جس کے ایڈیٹر بھٹی صاحب اور نگراں حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے فرزند گرامی پروفیسر سید ابوبکر غزنوی مرحوم تھے لیکن حالات ایسے پیدا ہوئے کہ ۱۸ ستمبر ۱۹۶۵ء کو (جب پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ ہو رہی تھی) بھٹی صاحب اس اخبار سے مستعفی ہو گئے۔ پھر یہ اخبار بند ہو گیا۔

اس وقت ادارہ اسلامیہ کے ڈائریکٹر ایم ایم شریف تھے۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو ادارہ ثقافت اسلامیہ کے دو جلیل القدر اسکالر (مولانا محمد حنیف ندوی اور سید رئیس احمد جعفری) بھٹی صاحب کے گھر تشریف لائے اور میاں صاحب کا پیغام دیا کہ وہ ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستگی اختیار کر لیں، چنانچہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو بھٹی صاحب ادارے سے بحیثیت ریسرچ فیلو وابستہ ہو گئے۔ اب ادارہ ثقافت اسلامیہ کیلئے ان کی خدمات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ سب سے پہلے انہوں نے محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق بغدادی (متوفی ۳۹۱ھ) کی کتاب الفہرست کا اردو میں ترجمہ کیا اور حل طلب مقامات پر حواشی لکھے۔

۲۔ برصغیر میں علم فقہ: صفحات ۴۰۰۔ یہ اس موضوع کی نہایت اہم اور پہلی کتاب ہے۔

۳۔ برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش: اس میں بتایا گیا ہے کہ برصغیر میں پچیس صحابہ کرام ۴۲ تابعین اور ۱۸ تبع تابعین

تشریف لائے۔صفحات ۲۲۴۔

۴۔فقہائے ہند: دس جلدیں پہلی صدی ہجری سے تیرہویں صدی ہجری تک۔اس میں برصغیر کے تقریباً دو ہزار علماء وفقہا کے حالات درج ہیں۔صفحات ۳۶۵۰۔

۵۔ارمغان حنیف: مولانا محمد حنیف ندوی کے حالات میں صفحات ۳۷۲۔

تصنیف وتالیف کے علاوہ ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ماہنامے 'المعارف' کی ادارت بھی ان کے ذمے تھی۔اس میں یہ اداریہ بھی لکھتے تھے۔کتابوں پر تبصرے بھی کرتے تھے۔مختلف موضوعات پر مضامین بھی لکھتے تھے۔

پی ایچ ڈی کے تین مقالے انہوں نے ایڈٹ کئے جو ادارے کی طرف شائع ہوئے وہ مقالے مندرجہ ذیل تھے۔

اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ (شمالی ہند میں ۱۸۵۷ء تک) یہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری مرحوم کا مقالہ ہے۔اس مقالے پر بھٹی صاحب نے مقدمہ بھی لکھا۔قاضی ثناء اللہ پانی پتی: ڈاکٹر محمود الحسن عارف کا مقالہ

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات: یہ ڈاکٹر ثریا ڈار کا مقالہ یہ جو اس وقت اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے شعبہ عربی کی چیئرمین پرسن تھیں۔وفات پا گئی ہیں۔اس مقالے پر بھی بھٹی صاحب نے مقدمہ تحریر کیا۔

پی ایچ ڈی کے مندرجہ بالا مقالوں کے علاوہ ایک مقالہ پروفیسر عبدالقیوم مرحوم کی صاحب زادی غزالہ حامد کا ایم اے کا مقالہ ہے،عنوان ہے ''شرح صحیح بخاری'' اس پر بھٹی صاحب نے مقدمہ لکھا۔

انہوں نے شاہ محمد جعفر پھلواروی کی کتاب ''پیغمبر انسانیت'' اور مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی کی کتاب ''فقہ عمر'' کی ایڈیٹنگ بھی کی۔ادارے کی طرف سے چھپنے والی بہت سی کتابوں پر انہوں نے فلیپ لکھے۔ادارے میں چھپنے کیلئے مختلف مصنفین کے جو مسودات آتے تھے انہیں پڑھنا اور ان کی اشاعت سے متعلق فیصلہ کن رائے دینا انہیں کے ذمہ تھا۔انہوں نے ۳۲ سال ادارہ ثقافت اسلامیہ میں تصنیفی خدمات سرانجام دیں۔۱۶ مارچ ۱۹۹۷ء کو اس سے سبکدوش ہوئے۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ کے علاوہ انہوں نے جو کتابیں تصنیف کیں وہ بہ ترتیب نمبر شمار مندرجہ ذیل ہیں۔

۶۔قصوری خاندان۔شائع کردہ مکتبہ تعلیمات اسلامیہ مامون کانجن ضلع فیصل آباد، ۱۹۹۴ء صفحات ۲۰۸۔

۷۔نقوش عظمت رفتہ: ناشر مکتبہ قدوسیہ اردو بازار، لاہور۔۱۹۹۶ء، صفحات ۶۴۰۔

۸۔میاں فضل حق اور ان کی خدمات: ناشر میاں فضل حق ویلفیئر ٹرسٹ لاہور، ۱۹۹۷ء صفحات ۲۴۴۔

۹۔چہرہ نبوت قرآن کے آئینے میں: اس کتاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ قرآن کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔ناشر: علم وعرفان پبلشرز، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۹ء صفحات ۳۲۶۔

۱۰۔لسان القرآن (جلد سوم) ناشر: علم وعرفان پبلشرز۔لاہور ۱۹۹۹ء صفحات ۳۴۴ (اس کی پہلی اور دوسری جلدیں مولانا محمد حنیف ندوی نے لکھیں)۔

۱۱۔کاروان سلف: ناشر مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد ۲۰۰۳ء صفحات ۵۱۰۔

۱۲۔قافلہ حدیث: ناشر مکتبہ قدوسیہ: لاہور صفحات ۶۴۵۔

۱۳۔برصغیر میں اہل حدیث کی آمد: ناشر مکتبہ قدوسیہ ۲۰۰۴ء صفحات ۳۴۸۔

۱۴۔بزم ارجمنداں: ناشر مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور ۲۰۰۶ء صفحات ۶۳۲۔

۱۵۔ہفت اقلیم: ناشر مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور ۲۰۰۹ء، صفحات ۵۰۵۔

۱۶۔تذکرہ صوفی محمد عبداللہ مرحوم ومغفور: ناشر مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ، لاہور ۲۰۰۶ء صفحات ۴۴۲۔

۱۷۔میاں عبدالعزیز مالواڈہ بیرسٹر: ناشر کتاب سرائے اردو بازار، لاہور ۲۰۰۶ء صفحات ۵۹۲۔

۱۸۔سیرت قاضی محمد سلیمان منصوری پوری: ناشر، مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور، ۲۰۰۷ء صفحات: ۴۹۶۔

۱۹۔اسلام کی بیٹیاں: ناشر مکتبہ قدوسیہ لاہور، صفحات ۶۰۰

۲۰۔تذکرہ مولانا غلام قلعوی: ناشر مولانا غلام رسول ویلفیئر سوسائٹی قلعہ میہاں سنگھ، ضلع گوجراں والا، ۲۰۱۲ء، صفحات ۵۲۸۔

۲۱۔برصغیر میں اہل حدیث کی سرگزشت: ناشر، مکتبہ سلفیہ، لاہور، ۲۰۱۲ء صفحات ۳۴۴۔

۲۲۔صدارتی واستقبالیہ خطبات: ناشر مکتبہ سلفیہ، لاہور، یہ وہ خطبات ہیں جو تحریری صورت میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کی کانفرنسوں میں پڑھے گئے۔ ۲۰۱۲ء صفحات ۳۶۸۔

۲۳۔روپڑی علمائے حدیث: ناشر محدث روپڑی اکیڈمی، جامعہ قدس اہل حدیث۔ چوک دالگراں۔ لاہور ۲۰۱۱ء صفحات ۳۵۰۔

۲۴۔گزر گئی گزران: (خودنوشت) ناشر کتاب سرائے اردو بازار لاہور، ۲۰۱۱ء صفحات ۴۶۶۔

۲۵۔سوانح مولانا احمد الدین گکھڑوی: ناشر مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۱۱ء صفحات ۲۴۷۔

۲۶۔ترجمہ ریاض الصالحین: (دوجلد) صفحات ۸۷۲۔

۲۷۔ارمغان حدیث: ناشر طارق اکیڈمی، فیصل آباد ۲۰۰۸ء صفحات ۲۷۲۔

۲۸۔برصغیر میں اہل حدیث کی اولیات: ناشر دار ابی الطیب گلی نمبر ۵ حمید کالونی، گل روڈ گوجراں والا، ۲۰۱۲ء صفحات ۱۸۲۔

۲۹۔حضرت ابوبکر صدیق: ناشر الفیصل۔ اردو بازار، لاہور۔ ۲۰۱۰ء صفحات ۶۲۰۔

۳۰۔دبستان حدیث: ناشر مکتبہ قدوسیہ، لاہور ۲۰۰۸ء صفحات ۶۷۳۔

۳۱۔چمنستان حدیث: ناشر مکتبہ قدوسیہ، لاہور صفحات ۸۰۰۔

۳۲۔گلستان حدیث: ناشر مکتبہ قدوسیہ، لاہور ۲۰۱۱ء صفحات ۵۸۵۔

۳۳۔برصغیر کے اہل حدیث خدام القرآن: ناشر مکتبہ قدوسیہ، لاہور، صفحات ۷۰۰۔

۳۴۔تذکار مولانا محی الدین لکھوی: صفحات ۴۰۰۔

۳۵۔محفل دانشمنداں: زیر طبع، صفحات ۶۰۰۔

۳۶۔تذکرہ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی۔ زیر طبع، صفحات ۲۰۰۔

۳۷۔مقالات قرآن وحدیث: زیر طبع، صفحات ۴۰۰۔

بھٹی صاحب کی ایک تحریری خدمت یہ ہے کہ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں مختلف موضوعات پر پچاس سے زیادہ مقالے لکھے، جن میں پانچ مقالے قرآن مجید سے متعلق ہیں، وہ ہیں (۱) جمع وتدوین قرآن (۲) فضائل قرآن (۳) واقعات وقصص القرآن (۴) مضامین قرآن اور (۵) اعجاز قرآن۔ یہ مقالے دوسو سے زائد صفحات پر محیط ہیں۔ پھر مسجد، ملائکہ ،منافقون، مرتبین فتاویٰ عالم گیری کے عنوانات پر مقالات لکھے اور متعدد مقالات مختلف شخصیات کے بارے میں تحریر کئے، جن میں سے بعض چھپ گئے ہیں اور بعض اشاعت کے مراحل میں ہیں۔

ریڈیو پاکستان میں بھی بھٹی صاحب نے تقریریں کیں۔ پہلی تقریر ۲۵ دسمبر ۱۹۶۵ء کو ہوئی اور پھر یہ سلسلہ ۱۹۹۷ء تک جاری رہا۔ ان کی تقریریں صراط مستقیم، صحابہ کرام کے حالات، بزرگان دین کے واقعات، آیات بینات، زندہ تابندہ، سیرت طیبہ، کتابوں پر تبصرے اور اس قسم کے دیگر موضوعات پر اپنی رائے کا اظہار کرتے رہے، نیز پنجابی زبان سوہنی دھرتی اور فوجی بھائیوں کے بارے میں نشر ہونے والے پروگراموں میں بھی آپ کا سلسلہ گفتگو طویل عرصے تک جاری رہا۔

اس زمانے میں صرف سرکاری ٹیلی وژن ہوتا تھا۔ اس میں آپ کی پہلی تقریر ۲۷ جولائی ۱۹۷۲ء کو ''بصیرت'' پروگرام میں نشر ہوئی۔ جس کا دورانیہ پانچ منٹ کا تھا۔ پھر مختلف موضوعات پر ہونے والے پروگراموں میں آپ کی علمی رائے سے استفادہ کیا جاتا رہا۔ روزنامہ اخبار ''امروز'' اپنے عہد کا بہت بڑا اخبار تھا۔ بھٹی صاحب اس میں کئی سال جمعہ اور اتوار کو مضامین لکھتے رہے۔ کچھ عرصہ روزنامہ ''پاکستان'' (لاہور) میں ان کے مضامین چھپے۔ ماہنامہ ''قومی ڈائجسٹ'' (لاہور) میں بہت سی شخصیات پر ان کے تحریر کردہ خاکے چھپتے رہے۔ متعدد جرائد ورسائل میں ان کے مضامین کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہا اور جاری ہے۔

ان کی خاکہ نگاری پر ایک خاتون پروفیسر فوزیہ سحر نے پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے ''محمد اسحاق بھٹی کی خاکہ نگاری'' کے عنوان سے ایم فل کا مقالہ لکھا، جس کی ڈگری انہیں مل گئی۔ یہ مقالہ کتابی صورت میں چھپ گیا ہے۔

ایک مقالہ محمد انس سرور صاحب نے لکھا۔ اس کا عنوان ہے ''مولانا محمد اسحاق بھٹی کی سوانح نگاری فقہائے ہند کے تناظر میں'' یہ مقالہ پروفیسر ڈاکٹر محمد حماد لکھوی کی نگرانی میں مکمل ہوا۔ اس کی سند پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے مقالہ نگار کو مل گئی۔

بھٹی صاحب پر بہت سے اہل قلم نے مختلف اخبارات ورسائل میں مضامین لکھے، ان میں سے جو مضامین مل سکے، وہ مولانا محمد رمضان یوسف سلفی نے مرتب کئے اور ابتداء میں طویل مضمون تحریر کیا۔ یہ مضامین ''مورخ اہل حدیث محمد اسحاق بھٹی۔ حیات وخدمات'' کے نام سے شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز کے فرزند گرامی صاحب زادہ عبدالحنان جانباز نے اپنے مکتبہ رحمانیہ ناصر روڈ سیالکوٹ کی طرف سے کتابی صورت میں شائع کئے۔ یہ کتاب ۲۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

بھٹی صاحب اس عہد کے بہت بڑے مصنف اور سکالر ہیں۔ صاحب طرز ادیب اور بہترین انشا پرداز۔ ان کی بہت سی تصانیف میں سے ہندوستان کے ایک اسکالر سید ابن احمد نقوی نے بعض شخصیتوں کے واقعات حیات کا انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کیا۔ انہی قابل احترام اسکالر نے بھٹی صاحب کی کتاب ''اسلام کی بیٹیاں'' سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے واقعات

وحالات کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا ہے۔

اپنی کتاب ''بزم ارجمندان'' میں مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے میں بھٹی صاحب نے مضمون لکھا۔ یہ مضمون اس کتاب کے حوالے سے ہندوستان کے کئی اخباروں میں چھپا۔ پھر کتابی صورت میں ہندوستان کی بہت بڑی لائبریری (جو خدا بخش پٹنہ لائبریری کے نام سے مشہور ہے) کے شعبہ نشر واشاعت کی طرف سے کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ اس کے بعد صوبہ یوپی کے ایک شہر مئوناتھ بھنجن کے مکتبہ فہیم سے معرض اشاعت میں آیا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ برصغیر کے علمی حلقوں میں بھٹی صاحب کی تحریروں کو بڑے شوق اور دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔

ساتھ آٹھ مقامات میں بھٹی صاحب سے متعلق تقریبات کا انعقاد کیا گیا، جن میں اہل علم نے ان کی خدمات کی وضاحت کی اور انہیں شیلڈیں پیش کی گئیں۔ ایک تقریب جولائی ۲۰۰۸ء میں کویت میں منعقد ہوئی، جس میں کویتی اور کویت میں رہنے والے پاکستانی وہندوستانی علمائے کرام نے تقریریں کیں اور بھٹی صاحب کو ان کی تحریری خدمات کی بنا پر ''مورخ اہل حدث'' کا خطاب دیا گیا۔ شیلڈ بھی پیش کی گئی۔

اکتوبر ۲۰۱۱ء میں کویت سے پھر دعوت آئی، وہ ان سے متعلق دوبارہ تقریب کرنا چاہتے تھے۔ مگر اپنی تصنیفی مصروفیات کی وجہ سے نہیں جا سکے۔ دبئی، قطر اور ہندوستان کے متعدد مقامات سے انہیں دعوت نامے موصول ہوئے۔ اپنی علمی وتصنیفی مصروفیات کی بنا پر ان دعوت ناموں کی بھی تعمیل نہیں کر سکے۔ (ماخوذ)

(ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم فروری ۲۰۱۶ء)

□□□

اور قلم چلتا رہا

مورخ اہل حدیث محمد اسحاق بھٹیؒ کی یاد میں

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

برصغیر ہندو پاک میں جماعت اہل حدیث کی تاریخ بے حد قدیم ہے، اور یہ دعوت، اصلاح معاشرہ، کلمہ حق کی سربلندی، گلشن توحید وسنت کی آبیاری اور وطن کے لئے سرفروشی جیسے عظیم کارناموں سے عبارت ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تعالیٰ کے عہد مبارک اور مختلف صحابہ کرام کی آمد سے لے کر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی، مسلم عہد حکمرانی، انگریزی استعمار اور پھر آزادی ہند تک برصغیر کی افق پر ہزاروں اہل حدیث جیالوں نے دعوت وتعلیم اور اصلاح وتربیت کے باب میں اپنی اپنی قربانیوں کے نہ جانے کتنے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں، مگر یہ ہماری بدنصیبی کہیئے یا لاپرواہی کہ تاریخ کی ان عظمتوں کو قلم وقرطاس کے حوالہ نہ کیا جاسکا اور کما حقہ وسیع پیمانہ پر علماء اہل حدیث کی خدمات اور ان کی ہمہ جہت قربانیوں کو قلمبند نہ کیا جاسکا، غیروں نے اس کا فائدہ اٹھایا اور اس میں کتر بیونت کر کے جماعت کو حاشیہ پر ڈالنے کی سازش کی، اللہ جزائے خیر دے علماء اہل حدیث کے ان جیالوں کو جنہوں نے تاخیر سے سہی ان سنہری کرداروں کو قلمبند کرنے کی جسارت اور شروعات کی، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا محمد اسماعیل سلفی گجرانولہ، مولانا غلام رسول مہر، مولانا احمد دہلوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، اسلم سیف فیروز پوری، اور دیگر قلمکاروں نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا اور تاریخ اہل حدیث اور ان کی عظمتوں کے انمٹ نقوش اور قربانیوں کی سنہری داستان کو قلم وقرطاس کے حوالہ کرنا شروع کیا، مگر ایک طویل عہد رفتہ اور ہزاروں نفوس قدسیہ پر مشتمل ہونے اور وسعتوں وعظمتوں کے ایک لامتناہی سلسلے کی وجہ سے یہ کام ادھورا ہی رہ گیا، اور جذبات سرد مہری کے شکار ہوگئے، ہندو پاک کا بٹوارہ ہوگیا اور صلاحیتیں منتشر ہوگئیں، ضرورت تھی کسی عبقری صاحب قلم اور وسیع المطالعہ مرد مجاہد کی جو تاریخ اہل حدیث کی عظمتوں کے اس وسیع سمندر میں اپنی ہستی گم کردے اور وہاں سے لعل وگہر اور سیپ وجواہر پارے نکال کر تاریخ کے صفحات پر بکھیر دے، الحمدللہ بے حد انتظار ومایوسی کے بعد رب العالمین نے اس ضرورت کی تکمیل کا بھی انتظام فرمادیا، بالآخر مشرقی پنجاب ریاست فریڈ کوٹ کے رہنے والے، اور مولانا اسماعیل سلفی، عطاء اللہ بھوجیانی، رئیس احمد جعفری، مولانا داؤد غزنوی جیسے اساطین علماء کے حلقہ علم وفن سے خوشہ چینی کرنے والے ایک مرد مجاہد کو یہ سعادت حاصل ہوئی جسے دنیائے علم وادب اور ثقافت وتاریخ محمد اسحاق بھٹی کے نام سے جانتی ہے، اللہ نے انہیں اتنی توفیق دی کہ ۱۹۶۵ء میں جب قلم اٹھایا تو پچاس سالوں تک مسلسل وہ قلم چلتا رہا اور مختلف کتابوں اور تذکروں کے ذریعہ علماء اہل حدیث کی عظمتوں کے نقوش اجاگر کرتا رہا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

چنانچہ آپ ایک معتبر مورخ، صحافی، تجزیہ نگار، خاکہ نگار، سوانح نگار کی حیثیت سے مشہور و معروف ہوئے۔

۱۵/مارچ ۱۹۲۵ء کو ریاست فرید کوٹ (مشرقی پنجاب) کے مشہور علاقہ کوٹ کپورہ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم دادا محترم سے حاصل کی اور نحو وصرف، عربی زبان وادب کے لئے حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے در کی خوشہ چینی کی، آزادی سے پہلے گیانی ذیل سنگھ کی تحریک آزادی پرجا منڈل میں تن من سے شریک رہے مختلف قسم کی اذیتوں کے شکار چڑھے اور ۲۴ جولائی ۱۹۴۸ء کو پاکستان بننے کے بعد وہیں ہجرت کر گئے۔

میدان عمل میں قدم رکھا تو مولانا داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی جیسے عباقرہ علم وہنر کا ساتھ ملا، برسوں آپ ان علماء کی قیادت میں مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے ناظم دفتر رہے، جماعت نے ہفت روزہ الاعتصام نامی مجلہ کا اجراء کیا اور مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کو ایڈیٹر مقرر کیا، نیابت کے لئے اسحاق بھٹی پر نگاہ پڑی آپ کو نائب ایڈیٹر منتخب کر لیا گیا اور پھر بھوجیانی صاحب کے مستعفی ہونے پر برسوں ایڈیٹر رہے ۱۲/اکتوبر ۱۹۶۵ء سے لے کر ۱۹۹۷ء تک مسلسل ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے وابستہ رہے، اور بحیثیت ریسرچ اسکالر اپنی صلاحیتوں کے موتی بکھیرتے رہے، اس ادارہ سے اس زمانے میں شیخ محمد اکرام، مولانا محمد حنیف ندوی، سید جعفر شاہ پھلواری اور رئیس احمد جعفری جیسے سرکردہ علماء کی ٹیم بھی وابستہ تھی، رب العالمین نے عمر کے آخری پڑاؤ سے پہلے مولانا اسحاق بھٹی کو اتنی توفیق دی کی تاریخ وسیرت اور سوانح وخدمات پر مشتمل ضخیم جلدوں کی شکل میں بے شمار کتابیں منظر عام پر آئیں اور مقبول خاص وعام ہوئیں، نقوش عظمت رفتہ، بزم ارجمنداں، کاروان سلف، قافلۂ حدیث، گلستانِ حدیث، دبستان حدیث، عارفان حدیث، چمنستان حدیث، تذکرہ قاضی سلیمان منصور پوری، تذکرہ مولانا غلام رسول قلعاوی، تذکرہ صوفی محمد عبداللہ، قصوری خاندان، ارمغان حنیف، تذکرہ مولانا اسماعیل سلفی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش، فقہائے پاک وہند، میاں فضل حق اور ان کی خدمات، تذکرہ محدث روپڑی، برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن، برصغیر میں اہل حدیث کی تدریسی خدمات، برصغیر میں اہل حدیث کی اولیات، عربی کے تین ہندوستانی ادیب، آثار ماضی، محفل دانشمنداں، اسلام کی بیٹیاں، لسان القرآن، ترجمہ ریاض الصالحین، ترجمہ: فہرست ابن ندیم وغیرہ جیسی شاہکار اور مستند ومعتبر کتابیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ کی زندگی ہی میں آپ کی خدمات پر مقالے اور مضامین لکھے گئے، پروفیسر فوزیہ سحر ملک نے اپنے مقالے کے لئے آپ کی خاکہ نگاری کو عنوان بنایا اور ''محمد اسحاق بھٹی کی خاکہ نگاری'' پر ایک تحقیقی کتاب لکھی، جسے ادارہ قرطاس نے شائع کیا، الغرض وہ کام جسے ہم ادھورا سمجھتے تھے، اور جس کے پورا کرنے کی پوری جماعت منتظر تھی محمد اسحاق بھٹی نے اسے رب کی توفیق سے کما حقہ مکمل کر دیا اور قلم وقرطاس کا یہ مرد آہنی لکھتے لکھتے ۲۲ دسمبر ۲۰۱۵ء بروز منگل کو قضاء الٰہی کے مطابق اپنی عظمتوں اور ہنرمندیوں کے نقوش چھوڑ کر راہ ملک بقا ہو چلا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ غریق رحمت فرمائے، کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین تقبل یارب العالمین۔

□□□

باب پنجم

مرحومین علمائے اہل حدیث

۲۰۱۷ء

ناموں کی ترتیب تاریخ وفات کے اعتبار سے رکھی گئی ہے

مولانا عبدالمجید اصلاحی رحمہ اللہ
حیات وخدمات

وفات جنوری ۲۰۱۷ء

بقلم ابونافع اعظمی

آج مورخہ ۱۸ رجنوری ۲۰۱۷ء فجر سے ایک گھنٹہ قبل میرے وطن جیراج پور سے فون آیا کہ میرے والد محترم مولانا عبدالمجید اصلاحی اچانک داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، تب سے مسلسل شخصی اور سوشل میڈیا پہ سیکڑوں تعزیتی پیغامات موصول ہو رہے ہیں۔ ان تمام بہی خواہوں کا بیحد شکریہ۔ وجزاھم اللہ خیر الجزاء دل قابو میں نہیں آرہا ہے لیکن پھر بھی ان کی زندگی کے کچھ گوشوں پہ روشنی ڈالنا مناسب حال لگتا ہے۔

والد محترم غالباً ۱۹۳۳ء میں جیراجپور، اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے، بچپن میں یتیم ہوگئے، ان کے والد وقت کے حاذق طبیب جناب حکیم عبدالحمید تھے جن کے بارے میں مولانا اسلم جیراجپوری رحمہ اللہ کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر معظم صاحب نے راقم سے ذکر کیا تھا وہ بھی نواب آف بھوپال کے یہاں مولانا اسلم جیراجپوری کے ہمراہ طبیب کی حیثیت سے ایک سال اور کچھ ماہ متعین رہے، ان کی پرورش ہماری چچیری پھوپھی مولانا قمرالدین صاحب اصلاحی کانپور کے شعراء کے استاد شاعر کی زوجہ قمرالنساء رحمہا اللہ کے ہاتھوں ہوئی۔ والد محترم آخری عمر تک انہیں حقیقی بہن بلکہ ماں کا درجہ دیتے رہے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے سرکاری پرائمری ہندی میڈیم اسکول میں ہوئی لیکن اس وقت اردو اور دینیات بھی سرکاری نصاب میں شامل ہوتے تھے۔ بعدازاں مدرسہ اصلاح سرائے میر میں عربی تعلیم کے لئے داخل ہوئے، چھٹیوں میں مولانا اسلم جیراجپوری صاحب سے استفادہ بھی کرتے رہتے، ۱۹۵۰ء کے قریب مدرسہ اصلاح سے امتیازی نمبروں سے پاس ہوئے اور فراغت کے بعد ہی چند سال عربی ادب وانشاء کی کلاسیں لینے کا موقع ملا، لیکن انہیں مزید علوم حاصل کرنے کی دھن سوار تھی، ان کے ہم عصر حضرات ان کے اندر بے پناہ صلاحیت اور ذہانت کا ذکر کرتے ہیں۔

چنانچہ ۱۹۶۰ء کے قریب انہوں نے لکھنؤ طبیہ کالج میں داخلہ لیا اور وہاں سے ایف ایم بی ایس آج کل کا بی یو ایم ایس کی ڈگری حاصل کی، پوری یونیورسٹی ٹاپ کیا اس کے بعد کا دوران کی زندگی میں بڑی آزمائش کا رہا، اس دوران انہوں نے تعلیم وتدریس کے علاوہ اپنی طبی پریکٹس مئو میں شروع کردی لیکن ان پہ زبوں حالی کا دور دورہ تھا اور کہا جاتا ہے کہ ان کی ذہنی حالت تشویش زدہ تھی۔ راقم الحروف کی پیدائش انہیں حالات میں چار بہنوں کے بعد مئو میں غالباً ۱۹۶۷ء میں ہوئی۔ ۱۹۷۷ء تک ان کے حالات دگرگوں رہے تا آنکہ مولانا فراہی رحمہ اللہ کے پوتے اور مدرسہ اصلاح کے ناظم علی میاں رحمہ اللہ نے انہیں دوبارہ مدرسہ اصلاح میں مدعو کیا اس

کے بعد سے ان کی زندگی میں ٹھہراؤ دیکھنے کو ملا۔

والد محترم نے مدرسہ اصلاح میں طالب علمی کے دوران جن لوگوں سے خاص طور سے استفادہ کیا ان میں مولانا اختر احسن اصلاحی صاحب اور مولانا بدرالدین اصلاحی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ وہ مولانا فراہی کے قرآنی نوٹس بزبانی مولانا اختر احسن سے استفادہ کا بھی ذکر کرتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی پریشانی کے دنوں میں مولانا قمرالدین صاحب اصلاحی جوان سے سات سال بڑے ہیں اور بقید حیات ہیں کو اپنا بڑا بھائی مانتے ہیں کہ انہوں نے اس دگرگوں صورتحال سے ان کو بخوبی نکالا تھا۔ انہوں نے غالباً ۱۹۷۲ء میں کچھ ماہ وسال جامعہ سلفیہ بنارس میں بھی تدریس کے فرائض انجام دیئے، وہیں مولانا عبدالحمید رحمہ اللہ رحمانی سے ملاقات ہوئی، والد صاحب معتدل سلفیت کے قائل تھے۔ مولانا رحمانی اور دیگر سلفی علماء ان کی صلاحیتوں کے بڑے معترف تھے یہی وجہ ہے کہ جب مولانا نے دہلی میں اپنا مدرسہ کھولا تو والد محترم سے مسلسل اپنے یہاں آنے کیلئے اصرار کرتے رہے۔ چنانچہ ۱۹۸۴ء سے ۱۹۸۷ء تک وہاں عربی ادب وانشاء کے استاذ رہے۔

(مولانا اصلاحی صاحب رحمہ اللہ نے ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر کے تعلیمی شعبہ میں کام نہیں کیا ہے بلکہ مکمل یکسوئی کے ساتھ زادالمعاد کے ترجمہ میں لگے رہے اور اس عرصہ میں اس کی ۵ جلدوں کا ترجمہ مکمل کیا۔ (عاشق علی اثری)

اس دوران انہوں نے مولانا رحمانی صاحب کے ایماء پہ امام ابن القیم کی شاہکار تصنیف (زادالمعاد فی ہدی خیرالعباد) کا ترجمہ بنام ''توشۂ آخرت'' کیا۔ پہلی جلد چھپی لیکن باقی جلدوں کے بارے میں راقم الحروف کو کوئی علم نہیں۔ اس دوران ماہنامہ ''التوعیہ'' میں مقالہ نگاری کا کام بھی کرتے رہے۔

غالباً ۱۹۵۰ء کے دہے میں والد محترم کی عربی صلاحیتوں کا ادراک اس وقت تمام علماء کو ہی تھا۔ والد محترم ماہرالقادری صاحب کے ماہنامہ ''الفاران'' میں وقتاً فوقتاً قرآنیات اور دیگر علوم پر مضامین بھی لکھتے رہے ہیں۔ ان کی صلاحیتوں کا علم وقت کے نابغہ مولانا مودودی علیہ الرحمہ کو بھی ہوا۔ ان کی دعوت پہ وہ دارالعروبہ کو جوائن کرنے پاکستان بھی گئے اور اس وقت دارالعروبہ کے ذمہ دار روح رواں مولانا مسعود عالم ندوی تھے، شاید مولانا خلیل حامدی صاحب کا ذکر بھی ابا کرتے تھے لیکن پاکستان کی آب وہوا ان کو راس نہیں آئی اور چند ہفتوں میں وہ ہندوستان واپس آگئے۔ ۱۹۷۷ء میں جب والد صاحب نے مدرسہ اصلاح دوبارہ جوائن کیا تو راقم الحروف کو وہاں مکتب درجہ چہارم میں داخل کرایا۔ اس دوران اندازہ ہوا کہ والد محترم نونہالان قوم کے لئے سیرت پہ اپنی کتاب رہبر کامل مرتب کررہے ہیں وہ کتاب شائع ہوئی اور آج بھی بعض مکاتب میں شامل نصاب ہے۔ مدرسہ اصلاح اپنی دوسری انگ کے دوران انہوں نے ابتدائی عربی طلبہ کے لئے القراءۃ العربیہ دو حصوں میں مرتب کی جو آج بھی اصلاح کے نصاب میں شامل ہے جن دنوں وہ دہلی میں مقیم تھے اسی دوران انہیں ایک سرکاری طبی ادارہ NCPUL نے ابن ابی اصیبعۃ کی طب پہ مشہور کتاب طبقات الاطباء کا پروجیکٹ ملا جس کی بیشتر جلدوں کا انہوں نے فصیح اردو میں ترجمہ کیا۔ ۱۹۸۷ء کے اختتام یا ۱۹۸۸ء کے آغاز پہ والد محترم اپنے گاؤں منتقل ہوگئے۔ گاؤں پہ والدہ رحمہا اللہ نے گھر کے اندر گاؤں کی بچیوں کے لئے ناظرہ قرآن اور اردو کی بنیادی تعلیم کی نرسری کھول رکھی

تھی۔ والد محترم نے پڑوس میں زمین لے کر باقاعدہ بچیوں کا اسکول قائم کر دیا جہاں آج بھی گاؤں اور پاس پڑوس کی بچیاں زیر تعلیم ہیں۔ اس دوران وہ سماجی وملی ودینی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ کئی سال جماعت اہل حدیث کے ضلعی ناظم رہے لیکن اپنی معتدل اور سماجی طبیعت کی وجہ سے ہر حلقے میں محبوب رہے۔ گاؤں کی جامع مسجد بنوائی اور اس میں کھیت بیچ کر آج سے بیس سال قبل پچاس ہزار کی خطیر رقم اپنی جیب خاص سے ادا کی۔ ایک اور مسجد پڑوس کے ہندو گاؤں میں بنوائی جہاں دو چار کمزور گھر مسلمانوں کے تھے۔ ۲۰۱۰ء میں والدہ کے گزر جانے کے بعد بڑا حوصلہ رکھا، آخری سالوں میں بینائی سے محروم ہونے کے باوجود سرگرم عمل رہے، والدہ کے نام سے غریب ونادار بچیوں کے لئے فنڈ قائم کیا۔ ایک بہت اہم صفت تھی کہ وہ تعاون کا ہاتھ بڑھانے میں ہندو مسلم کا بھید بھاؤ نہیں کرتے تھے۔ ابھی ہفتہ دس روز پہلے ایک ہندو لڑکی کی شادی میں خود بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہم لوگوں کو ترغیب دیتے رہے، ویسے تو ان کے تلامذہ اور ان کے جاننے اور چاہنے والوں کا وسیع حلقہ ہے لیکن بطور خاص ان کے تلامذہ میں دارالمصنفین کے ڈائریکٹر پروفیسر ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی صاحب، جناب مولانا عبدالمجید ندوی صاحب، ڈاکٹر مظفر احسن اصلاحی صاحب، جناب سرفراز اصلاحی ندوی مدرس مدرسہ اصلاح، جناب ابوالفیض صاحب اصلاحی مدنی، مولانا محمد عارف صاحب عمری، ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، ڈاکٹر اشہد رفیق ندوی اور ڈاکٹر ایاز اصلاحی، پروفیسر عرب اسٹڈیز لکھنو یونیورسٹی کے اسماء گرامی نمایاں ہیں۔

اس کے علاوہ ماہنامہ ''نوائے اسلام'' کے مولانا عبدالعزیز سلفی حفظہ اللہ اور ان کے رفقاء والد صاحب کے خاص شیدائیوں میں سے ہیں۔ ان لوگوں کی دعوت پہ کسی سلفی عالم کے سانحۂ ارتحال پہ ابا نے **فما کان قیس هلکه ملک واحد ولکنه بنیان قوم تهدما** کے عنوان سے نوائے اسلام میں تاثراتی مضمون شروع کیا تھا۔ آج صبح سے بہی خواہان کے اتنے تعزیتی پیغامات موصول ہو رہے ہیں کہ میرا دل بھر آیا ہے۔ بقول شاعر۔

اک دھوپ تھی جو اٹھ گئی آفتاب کے۔ ذہانت، مجاہدہ اور انقلابیت کے نقیب: مولانا عبدالمجید اصلاحی نہ رہے۔

(ماہنامہ التبیان دہلی، فروری ۲۰۱۷ء)

□□□

مولانا عبدالمجید اصلاحی جیراجپوریؒ

عزیر عمر سلفی، نوائے اسلام

عربی زبان وادب کی عہد آفریں شخصیت مولانا عبدالمجید اصلاحی نے ۱۸ر جنوری ۲۰۱۷ء مطابق ۱۹ر ربیع الآخر بروز چہار شنبہ طلوع فجر سے قبل ۸۵ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا عبدالمجید اصلاحی جیراجپوری ہندوستان کے نامور عالم دین اور زبردست ادیب تھے۔ وہ جیراجپور کی علمی روایت کے پاسدار تھے۔ جیراجپور مولانا سلامت اللہ جیراجپوری، مولانا اسلم جیراجپوری، مولانا اسحاق جیراجپوری، مولانا مصلح الدین جیراجپوری، مولانا ضیاء الدین اصلاحی (مدیر معارف) رحمہم اللہ اور ڈاکٹر شمیم جیراجپوری سابق وائس چانسلر مولانا آزاد یونیورسٹی حیدرآباد جیسے بڑے بڑے علماء ودانشوران کی سرزمین رہی ہے۔ جیراجپور سے ملحق بندول گاؤں ہے جہاں کی خاک سے علامہ شبلی نعمانی اٹھے اور بین الاقوامی شہرت کے حامل ہوئے۔ مولانا عبدالمجید اصلاحی جیراجپوری کی ایک مضبوط علمی کڑی تھی۔ ذیل میں ان کی حیات مستعار کے چند نقوش سپرد قرطاس کئے جارہے ہیں۔

مولانا عبدالمجید اصلاحی یکم جولائی ۱۹۳۲ء میں اعظم گڑھ کے مردم خیز مقام جیراجپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اسلامی مکتب اور سرکاری اسکول میں حاصل کی۔ والد محترم حکیم عبدالحمید ایک باعمل اہل حدیث عالم تھے اور تجربہ کار طبیب تھے۔

۱۹۴۵ء میں جامعہ الہیات کانپور میں عربی اور انگریزی پڑھی۔ عربی میں نحو وصرف اور زبان وادب نیز قرآن وحدیث کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر ۱۹۴۹ء میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ میں داخلہ لیا، جہاں سے ۱۹۵۳ء میں سند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے فوراً بعد مدرسۃ الاصلاح کے اندر زبان وادب کی تعلیم پر مامور ہوئے۔

۱۹۵۹ء میں تکمیل الطب۔ طبیہ کالج۔ لکھنؤ میں داخلہ لیا اور پانچ سال تک زیر تعلیم رہ کر یہاں سے ایف ایم بی ایس کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۶۴ء میں مئو ناتھ بھنجن کے اندر مطب شروع کیا۔ مئو کے علماء ومشائخ سے روابط مضبوط ہوئے۔

۱۹۷۰ء میں تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں پیتھالوجی کے لیکچرار کی حیثیت سے تقرر ہوا۔

چند ماہ کے بعد دوبارہ عربی زبان وادب کے استاذ کی حیثیت سے مدرسۃ الاصلاح میں مفوض ہوئے۔

کچھ دنوں تک عدم صحت اور دماغ میں تیزی کے عارضہ کی وجہ سے اصلاحی صاحب نے سب کچھ خیر باد کہہ دیا تھا۔ مولانا عبدالحمید رحمانی مرحوم کے تدریسی دور میں جب وہ جامعہ رحمانیہ بنارس میں استاذ تھے تو اصلاحی صاحب ان کے پاس ہفتوں مقیم رہے اور جب مولانا رحمانی نے مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کی نظامت سنبھالی تو اصلاحی صاحب کو دہلی بلالیا اور دینی صحافت میں ان کی معاونت حاصل کرلی۔ مولانا عبدالحمید رحمانی کی نظامت سے سبکدوشی سے پیشتر اصلاحی صاحب نے دہلی کو خیر باد کہہ دیا اور پھر متاع گمشدہ

ہو گئے اور پھر مولانا رحمانی کی خواہش پر ان کی دوبارہ بازیابی ہوئی۔

۱۹۸۰ء میں مرکز ابوالکلام آزاد دہلی نے ان سے تصنیف وترجمہ کا اردہ بنایا مگر وہ کسی بھی عنوان پر دستیاب نہیں ہوئے۔ مدیر نوائے اسلام نے ان کی کھوج لگائی، ان کو تیار کیا اور وہ پھر کنوارہ گہنی سے چل کر انوار العلوم املو مبارکپور آئے۔ مدرسہ کے انتظامیہ کو چارج دیا اور حسب وعدہ کچھ دنوں بعد دہلی پہنچ گئے اور امام ابن القیم کی معروف ومعرکۃ الآرا کتاب زادالمعاد کا ترجمہ ''توشہ آخرت'' کے نام سے کیا۔ ۱۹۸۵ء تک وہ جامعہ محمدیہ مالیگاؤں، جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ جیسے اداروں میں عربی زبان وادب اور انشاء کے منتہی درجات کے اسباق پڑھاتے تھے۔ ان کی علمی قابلیت کے قائل حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ بھی تھے۔

اصلاحی صاحب انتظامی امور میں دلچسپی رکھتے تھے۔ دہلی آنے سے قبل اپنی ننہال پرسیا بڑہرا ضلع مہراج گنج یوپی میں درسگاہ اسلامیہ کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا تھا جو وسائل کی کمی کی وجہ سے جلد ہی بند ہو گیا۔ ۱۹۸۶ء میں جامعہ نگر نئی دہلی میں مسلم بچیوں کی پہلی درسگاہ (جس کے موسس عبدالرزاق صاحب مرحوم تھے) میں منتظم کار بنے۔ اس کے ساتھ طبی کتابوں کے تراجم کا کام بھی شروع کر دیا۔ اسی دوران ۱۹۸۶ء میں اپنے وطن جیراج پور اعظم گڑھ میں اسلامیہ نسواں اسکول کی بنیاد اپنے گھر کے صحن میں ڈال دی جو اب المدرسۃ الاسلامیہ للبنات کے نام سے علاقہ کا تناور اور سایہ دار درخت بن چکا ہے اور کثیر تعداد میں بچیاں زیر تعلیم ہیں:۔

مولانا اصلاحی مرحوم نے اہل حدیث اور جماعت اسلامی کے مختلف اخبارات ورسائل میں مضامین لکھے اور تراجم شائع کروائے۔ علاوہ ازیں بچوں کے لئے ایک کتاب رہبر کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے ترتیب دی جو مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب ہے۔ اسی طرح القرأۃ العربیہ کے نام سے دو عربی ریڈرز لکھیں جو نحوی وصرفی مسائل کے پہلو بہ پہلو چلنے والی ریڈر ہے جو مدرسۃ اصلاح اور دیگر مدارس کے ابتدائی سالوں میں داخل نصاب ہے۔ عربی میں جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ اور مدرسۃ الاصلاح کا تعارف لکھا۔ اس کے بعد ''نصیحتیں ووصیتیں'' کے عنوان سے بھی اردو میں ایک کتاب مرتب کی جس میں پیغمبروں کے بیٹوں کے نام، مصلحین اور دانشوران عالم کی وصیتیں اور ہدایات درج کی گئی ہیں۔ چند کتابوں کے ترجمے بھی کئے جو متعدد بار مختلف اداروں کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک ''البناء والهدم فی الدعوات'' دکتور عبدالعزیز کامل کی کتاب ہے جس کا ترجمہ ''دینی تحریکوں میں بناؤ وبگاڑ کا مفہوم'' رکھا ہے، جو مکتبہ ترجمان دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ اسی طرح سید قطب شہید کی کتاب نحو مجتمع اسلامی کا ترجمہ ''اسلامی سماج اور اس کی تعمیر'' کے نام سے کیا جس کو محمود الحسن الہ آبادی نے اہتمام کے ساتھ اپنے یہاں بھیونڈی سے شائع کیا۔ علامہ البانیؒ کی کتاب ''حجاب المرأۃ'' اور خطیب بغدادی کی ''الخطوط العریضہ'' کا ترجمہ ''آڑی ترچھی لکیریں'' کے نام سے کیا ہے۔

زادالمعاد کے ترجمہ کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ یہ کتاب ''زادالمعاد فی هدی خیر العباد'' بہ تحقیق شعیب ارناؤط وعبدالقادر ارناؤط پانچ جلدوں میں محققین کی تخریجات وتعلیقات کے ساتھ ساتھ ہوئی ہے۔ ان پانچوں جلدوں کا ترجمہ ابوالکلام آزاد للتوعیہ الاسلامیہ نئی دہلی کے ادارہ معہد الدراسات الاسلامیہ جوگابائی کے زیر اہتمام کئی سال پہلے شائع ہو چکا ہے۔

طبی کتابوں کے تراجم میں اصلاحی صاحب کو بہت ملکہ حاصل تھا۔ ابن ابی اصیبعۃ کی کتاب ''عیون الانباء فی طبقات الاطباء'' کا دوجلدوں میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کتاب میں مشہور اطباء وعلماء کی اہم تحریکوں اور نسخوں کے تراجم شامل ہیں، جس کو حکومت ہند کا ادارہ سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن نئی دہلی نے شائع کیا ہے۔

امام زکریا رازی کی عظیم تالیف ''الحاوی فی الطب'' ہے۔ جو عربی زبان میں طبی انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اس کتاب میں طب کے ہر مسئلہ نیز یونانی عربی اطباء کی آرا نقل کی گئی ہیں۔ اس کی چار جلدوں کا ترجمہ کیا۔ اس کے بعد اس خدمت سے خود کو الگ کرلیا تھا۔ طب کی بڑی اہم کتاب المعالجات البقراطیۃ نظر ثانی فرمائی۔ یہ کتاب دس مقالات پر مشتمل ہے۔

دلی چھوڑنے کے ساتھ ''الحاوی فی الطب'' کے ترجمہ کا کام رک گیا۔ حکومت نے کچھ اور لوگوں کو اس کام پر مامور کیا۔ اب یہ بڑا علمی کام کہاں تک پہنچا ہے معلوم نہیں ہے۔ اصلاحی صاحب پھر اپنے قائم کردہ مدرسۃ البنات الاسلامیہ جیراجپور کے لئے وقف ہوگئے اور آخری دم تک اسی کے لئے کوشاں رہے۔

مولانا عبدالمجید اصلاحی علم کے کشکول تھے۔ ابن روشن کے نام سے مضامین ومقالے لکھتے تھے۔ لیٹر پیڈ پر ان کا پتہ دارالفکر جیراجپور اعظم گڈھ چھپتا تھا۔ اصلاحی صاحب کو بہت سے اہل علم کے ساتھ کام کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ مولانا مودودی کی دعوت پر دار العروبۃ میں مولانا مسعود عالم ندوی کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ رکھتے تھے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا وحیدالدین خان کی تفسیری کوششوں کو اسلاف کے منہج کے خلاف گردانتے تھے۔

محدث عصر شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری صاحب کی مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح کے بے حد قدرداں تھے۔ حضرت شیخ الحدیث کو ہندوستان کا امام طاؤس کہتے تھے۔ وہ تمام معاملات میں شیخ الحدیث مبارکپوری سے رجوع کرتے تھے حتیٰ کہ طب وصحت میں بھی صلاح ومشورہ لیتے تھے۔ مفتی عبدالعزیز اعظمی عمری کے تبحر علمی اور ان کی ظرافت کے بہت گرویدہ تھے ان کو مکمل مفتی تسلیم کرتے تھے۔ ان کے فتاوے اور سعودی مفتی اعظم شیخ ابن باز کے فتاؤں کو ہم مزاج قرار دیتے تھے۔ دونوں کے تفقہ وتوسع کے بہت قائل تھے۔

حکیم ابوالحسن عبیداللہ رحمانی رائے بریلی طب میں اصلاحی صاحب کے استاذ تھے۔ حکیم عبیداللہ رحمانی ہندوستان کے چوٹی کے عالم تھے۔ کشمیر میں طبیہ کالج قائم ہوا تو ان کو پرنسپل کے طور پر انہیں بلایا گیا تھا اور وہیں سے ان کے نام کے ساتھ کشمیری جڑ گیا۔ حکیم عبیداللہ کشمیری اصلاحی صاحب کی ادبی صلاحیت کے معترف تھے۔ دلی میں متعدد بار ایک دوسرے سے علمی مذاکرہ کرتے دیکھا گیا ہے جہاں گنجہائے دفینہ کا مشاہدہ اہل علم حضرات خوب کرتے تھے۔

اصلاحی صاحب جب بھی دہلی آتے تو نوائے اسلام کے دفتر میں قیام فرما ہوتے اور دہلی کے اپنے احباب ومتعلقین سے ملاقات کرتے تھے۔ کبھی کبھار دفتر سے بھی کسی کو ساتھ لے لیتے تھے۔ صوفی نذیر احمد کاشمیری، مولانا ابواللیث اصلاحی، مولانا وحیدالدین خان، صحافی محفوظ الرحمن، ڈاکٹر محبوب احمد اور الطاف الرحمن اعظمی وغیرہم ان کے ملاقاتیوں کی ہر فہرست میں رہتے تھے۔ آخری بار دو سال قبل دہلی آئے تھے۔ ان کی بینائی تیزی سے رخصت ہو رہی تھی وہ ممبئی، بھیونڈی ہو کر دہلی آئے تھے، سفر آخرت سے قبل

دوروز قیام کے بعد اپنی بیٹی کے پاس ہلدوانی گئے، وہاں آنکھ کا علاج کرایا، پھر اعظم گڈھ لوٹ گئے، مگر بینائی رکی نہیں، اس کے باوجود ضلع مہراج گنج میں پرتاول، نچلول وغیرہ کا دورہ کیا اور لوگوں سے ملاقاتیں کی۔ وہ آخر آخر تک زندہ دلی اور کشادہ طبعی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ ان کی مجلس میں کبھی کوئی بور نہیں ہوتا تھا وہ بے تکلف زندگی گزارتے تھے۔ وہ جس قدر پر مزاج تھے، اسی قدر سنجیدہ بھی تھے۔ ان سے جو شخص ملتا وہ ان کو ہمیشہ یاد رکھتا تھا اور وہ جس سے ملتے، اسے اس کے نام، گاؤں یعنی پورے ایڈریس کے ساتھ اس کو یاد رکھتے تھے۔

اصلاحی صاحب کی کمزوری بیڑی اور سگریٹ نوشی تھی۔ اس نے انہیں بری طرح جکڑ رکھا تھا۔ قدر شناس ان کو بیڑی کا بنڈل تھما کر بند کمرے میں مقالے لکھوا لیتے تھے۔ سفر آخرت سے پیشتر کئی سال پہلے سے بیڑی سے آزاد ہو چکے تھے۔ قوت سماعت وقوت بصارت دونوں سے محروم ہو چکے تھے مگر قوت سماعت قابل توجہ تھی۔ ان کی عیادت کے لئے جب کسی صاحب علم کا ورود ہوتا تو علمی نکات سے اس کے دامن کو بھر دیتے تھے۔ ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری مرحوم نے ایک بار دوران گفتگو فرمایا کہ آپ کے اندر سے فراہیت بول رہی ہے۔ اصلاحی صاحب نے اُس کی تردید کی اور کہا علم کا دریچہ کھلا ہوا ہے اس پر کسی شخصیت کا اجارہ نہیں ہے۔ وہ علم کی بالادستی کے قائل تھے۔ بے سروپا کی باتوں پر دھیان نہیں دیتے تھے۔ مولانا عبدالمعید سلفی کی عربی ادب اور ان کی علمی صلاحیت کی ستائش کرتے تھے۔ مولانا ابوالکلام احمد صاحب کو تدریس کا مرد آہن کہتے تھے۔ مئوناتھ بھنجن سے ان کا تعلق خاطر خواہ تھا۔ وہاں کے بہت سے خواص اور علماء کا ذکر کرتے تھے۔ مولانا عزیز الحق اور مولانا محفوظ الرحمن فیضی کو بڑی علمی شخصیت مانتے تھے۔

متحدہ بستی گونڈہ کے علماء مشائخ میں سب سے ان کے تعلقات تھے اور سب ان کی علمی قابلیت کے معترف تھے۔ اصلاحی صاحب کو کشمیر سے کنیا کماری تک کے لوگ ان کی علمی خوبیوں کی وجہ سے پہچانتے تھے۔ اور ان کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔ بہر حال اصلاحی صاحب اب ہمارے درمیان نہیں رہے مگر ان کی یادیں برابر ساتھ رہیں گی۔ (ادارہ)

(ماہنامہ نوائے اسلام، فروری ۲۰۱۷ء)

□□□

فرسان القلم مولانا عبدالمجید اصلاحی جیراجپوری رحمہ اللہ

انصار بن زبیر محمدی الاعظمی

ہمارے مشک کی قیمت وہی بتائیں گے
ختن سے دور جو زخمی غزال ہیں چپ چاپ
فضا ابن فیضی

ہندوپاک میں علامہ ابن تیمیہ اوران کے شاگرد علامہ ابن قیم کوجن چند علماء نے اردوزبان میں سب سے پہلے متعارف کرایا ہے، ان میں جماعت اہل حدیث کا خاندان غزنویہ، علامہ شبلی نعمانی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے بعد ماضی قریب میں ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، مولانا عبدالمجید اصلاحی اور ڈاکٹر عبدالرحمان الفریوائی کا نام سرفہرست ہے، زیر نظر تحریر میں مولانا اصلاحی رحمہ اللہ کا مختصر تذکرہ پیش خدمت ہے۔

مولانا عبدالمجید اصلاحی جیراجپوری رحمہ اللہ قلم کے شہسوار، تواضع کے پہاڑ، علم وفن کے شناور، زبان وادب کے ترجمان، اور گدڑی میں لعل کی حیثیت رکھتے تھے، ۱۸ر جنوری ۲۰۱۷ء کی صبح ان کی وفات ہوگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا عبدالمجید بن عبدالحمید اصلاحی جیراجپوری رحمہ اللہ کی پیدائش ۱۹۳۲ء میں ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کے ایک مردم خیز ضلع اعظم گڑھ کی ایک علمی بستی جیراجپور میں ہوئی، جیراج پور ضلع اعظم گڑھ کے شمال میں ایک اہل حدیث بستی ہے، جو مولانا اسلم جیراج پوری، مولانا سلامت اللہ جیراج پوری رحمہم اللہ جیسے علماء کا مسکن رہا ہے، جیراج پور کے سامنے سڑک کے اس پار بندول نامی بستی بھی ہے، جہاں علامہ شبلی نعمانی جیسی شخصیتوں نے جنم لیا ہے، دونوں بستیوں میں تنافس اور مسابقہ آرائی کا ایک خوشگوار ماحول رہا ہے، جس کے نتیجہ میں وہاں سے ملک کی کئی یونیورسٹیوں کو وائس چانسلر، پروفیسر، لکچرر، اور اعلیٰ درجہ کے سرکاری افسران، وزراء اور سیاستداں بھی میسر ہوئے، لیکن ان تمام میں اہل علم کی شان ہی نرالی رہی ہے، پروفیسر شمیم جیراجپوری سابق وائس چانسلر مولانا ابوالکلام آزاد یونیورسٹی، حیدرآباد، ڈاکٹر نسیم سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، موجودہ دور میں ڈاکٹر مفضل مدنی جیراجپوری، استاذ جامعہ اسلامیہ سنابل نیو دہلی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مولانا عبدالمجید اصلاحی جیراجپوری رحمہ اللہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے بڑی آزاد طبیعت کے مالک ہونے کے ساتھ انتہائی جفاکش اور بلند عزم وحوصلہ کے مالک بھی تھے، اس لئے کہ حالات سے نبرد آزمائی آپ کو عہد طفولیت ہی سے ملی تھی، جب آپ چار ماہ کے تھے تو آپ کی والدہ کی وفات ہوگئی، آپ کے والد عبدالحمید صاحب علاقہ کے مشہور حکیم

اور طبیب تھے، آپ کی والدہ کی وفات کے بعد آپ کی رضاعت کا بڑا عمدہ انتظام کیا، یہی وجہ ہے کہ آپ کی کئی رضاعی مائیں تھیں، جن کا آپ بڑا احترام کیا کرتے تھے، پھر جب آپ چار سال کے ہوئے تو والد محترم بھی وفات پا گئے، اس کے بعد آپ کی چچی خدیجہ خاتون نے آپ کی پرورش کی۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے سرکاری ہندی پرائمری اسکول میں حاصل کی، جہاں اردو اور دینیات کا نظم تھا، اس کے بعد اپنے چچا زاد بھائی مولانا ایوب اصلاحی جیراجپوری کی زیر سرپرستی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے علاقہ کی معروف درسگاہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڑھ میں داخلہ لیا، اور وہاں اپنی تعلیم مکمل کی۔ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کو ان دنوں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بعد بڑا مقام حاصل تھا۔

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے بانی مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ضلع اعظم گڑھ کی ایک بستی سیدھا سلطان پور کے رہنے والے تھے، جو شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ مولانا فیض اللہ مئوی جنہوں نے ۱۲۸۵ھ ۱۸۶۸ء میں مدرسہ عالیہ (اب جامعہ عالیہ) مئو قائم کیا تھا، میاں صاحب کے ہم عصر تھے، مدرسہ عالیہ قائم کرنے سے پہلے آپ اعظم گڑھ میں پڑھاتے تھے، جہاں فخر اعظم گڑھ علامہ شبلی نعمانی اور بانی مدرسۃ الاصلاح مولانا شفیع صاحب رحمہا اللہ نے آپ سے تعلیم حاصل کی۔ میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب مولانا شفیع صاحب اپنے وطن واپس لوٹے تو انہوں نے اپنے دیار میں اصلاح معاشرہ کے نام سے ایک تحریک قائم کی جو بعد میں مدرسۃ الاصلاح کے قیام کا سبب بنی۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تذکرہ علماء اعظم گڈھ، حیات شبلی۔ الحیات بعد الممات ۴۰۱۔)

اللہ کے فضل اور توفیق سے ندوۃ العلماء لکھنؤ کی طرح مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے قیام اور اس کی آبیاری میں بھی علماء اہل حدیث کا کلیدی کردار رہا ہے، شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کے ایک شاگرد پروفیسر حکیم عبید اللہ رحمانی کشمیری رحمہ اللہ وہاں شیخ الحدیث رہ چکے ہیں، دور طالب علمی میں خوش قسمتی سے حکیم عبید اللہ رحمہ اللہ سے راقم کو بھی استفادہ کی سعادت حاصل رہی ہے، آپ فرماتے تھے کہ مدرسۃ الاصلاح میں تدریس کے لئے میں اپنے استاذ شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ مبارک پوری رحمہ اللہ کے حکم پر گیا تھا، پہلے سال میں نے وہاں صحیح بخاری و مسلم پڑھائی، اس کے بعد منطق و فلسفہ بھی میرے حصہ میں آئی تو میں نے اسے بھی پڑھایا۔

مولانا عبد المجید اصلاحی نے ۱۹۵۰ء میں مدرسۃ الاصلاح سے اپنی تعلیم مکمل کی، اور مادر علمی کی نسبت کرتے ہوئے اصلاحی کہلائے۔ اور فضیلت کے بعد وہاں کی انتظامیہ نے انہیں اونچی کلاسوں کو عربی زبان و ادب پڑھانے کے لئے بحیثیت استاد مقرر کیا۔ اصلاح میں قیام کے دوران آپ نے طلبہ کی سہولت اور انہیں بہ آسانی عربی زبان سیکھنے کی خاطر (القراۃ العربیۃ) مرتب کی۔

مدرسہ اصلاح میں تدریس کے درمیان ہی بندی کلاں ضلع اعظم گڈھ کے ایک تعلیم یافتہ خاندان میں آپ کی شادی ہوگئی۔ آپ کی شادی رمضان المبارک کے مقدس مہینہ میں ہوئی تھی، افطار کے بعد نکاح اور سحری کے بعد انتہائی سادگی سے رخصتی ہوئی۔ آپ کی

اہلیہ حورالنساء سے چار بیٹیاں اور تین بیٹے پیدا ہوئے، دو بیٹے بچپن ہی میں وفات پا گئے، باقی چاروں بیٹیاں اور ایک بیٹے ابونافع بقید حیات ہیں۔ بیٹیاں اپنے اپنے خاندان کے ساتھ بخوشی زندگی گزار رہی ہیں اور بیٹے ابونافع دوحہ قطر وزارۃ الدفاع میں مترجم کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

چونکہ مولانا عبدالمجید اصلاحی قلم کے شہسوار تھے، مدرسۃ الاصلاح میں تدریس کے دوران ہی ہندوپاک میں آپ کی قلمی صلاحیتوں کا چرچا ہونے لگا تھا، اسی دوران مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے آپ کو پاکستان آنے کی دعوت دی اور ان کی دعوت پر آپ دارالعروبہ پٹھان کوٹ پاکستان تشریف لے گئے اور وہاں مولانا مسعود عالم ندوی رحمہ اللہ کی زیر نگرانی کام کرنے لگے، لیکن آپ کو وہاں کی آب وہوا راس نہیں آئی اور چند ہفتوں میں وہ ہندوستان واپس لوٹ آئے۔ پھر ۱۹۶۰ء کے لپیٹ میں آپ نے طب کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے لکھنؤ طبیہ کالج میں داخلہ لیا اور طب کی تعلیم مکمل کی اور وہاں سے ایف، ایم، بی، ایس جو موجودہ بی یو ایم ایس، کے مساوی ہے، مکمل کیا۔ اور ۱۹۶۵ء میں پوری یونیورسٹی میں ٹاپ کیا۔ اور اس کے بعد قصبہ مئو (جو اس وقت اعظم گڑھ کا ایک حصہ تھا) میں مطب قائم کیا۔ پھر کچھ عرصہ تک وہ ذہنی آزمائش میں بھی رہے، آپ کے بہنوئی مولانا قمرالدین اصلاحی نے ان حالات میں آپ کی بڑی مدد کی۔ اور پھر اللہ نے آپ کو شفا عطا فرمائی۔

۱۹۷۲ء اور اس کے بعد کچھ عرصہ تک اہل حدیثان ہند کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس میں بھی تفسیر وادب اور بلاغت کے استاذ رہے، اس کے بعد خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری رحمہ اللہ کی دعوت پر تدریسی خدمات انجام دینے کے لئے جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال کا رخ کیا، وہاں سے واپسی کے بعد اپنی مادر علمی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں پھر دوبارہ مدرس ہو گئے، پھر ۱۹۸۳ء اور ۱۹۸۴ء کے عرصہ میں جامع المنقول والمعقول مولانا نذیر احمد رحمانی املوی کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ اسلامیہ انوارالعلوم املو مبارکپور میں تدریسی خدمات انجام دی۔ چونکہ جامعہ سلفیہ بنارس میں قیام کے دوران مورخ جماعت مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ سے تعارف ہو چکا تھا اور رحمانی صاحب جیسے نبض شناس آپ کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہو چکے تھے، چنانچہ المعہد التعلیمی الاسلامی کے قیام کے بعد مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کے اصرار پر ان کی دعوت قبول کرتے ہوئے دہلی تشریف لے گئے اور وہاں طلبہ کو آپ ادب، انشاء اور تفسیر پڑھاتے رہے۔ جب ماہنامہ التوعیہ جاری ہوا تو وہاں رہ کر شاندار طریقہ سے التوعیہ کی ادارت سنبھالی۔ مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ نے آپ کو علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق تصنیف (زادالمعاد) کے ترجمہ کا کام عطا کیا، جسے آپ نے بہت کم عرصہ میں مکمل کر کے ان کے سپرد کر دیا، ابھی تک جس کی پہلی جلد چھپ سکی ہے، اللہ سے دعا ہے کہ باقی جلدوں کی طباعت واشاعت کی راہ ہموار فرمائے۔

جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں کے قیام کے ابتدائی سالوں میں وہاں بھی آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں، آپ کا ایک واقعہ جو حافظ شمیم املوی نے مجھے بتایا کہ ابتداء میں مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ نے اساتذہ کی بروقت حاضری کا ایک نظام بنایا تھا اور پہلی گھنٹی لگتے ہی وہ کسی بھی کلاس میں داخل ہو جاتے تھے، ایک دن اچانک پہلی گھنٹی لگنے کے ساتھ ہی ایک کلاس میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ

مولانا عبدالمجید اصلاحی پانچ منٹ پہلے ہی سے وہاں موجود ہیں، آپ کی مثالی حاضری پر مولانا مختار احمد ندوی بہت خوش ہوئے۔ یوں بھی وقت کی پابندی اور اپنے کاموں کو وقت پر پورا کرنا آپ کا نمایاں وصف تھا۔ مولانا کے پڑھانے کا انداز نرالا تھا، طلبہ کے سامنے نوادرات کو خوب بیان کرتے تھے، ان کی تربیت کے لئے عربی مجلّات کے مضامین یا عربی کتابوں کے بعض صفحات مقرر کر کے انہیں اس کا اردو ترجمہ کرنے پر مامور کر دیتے، اس طرح ابتدا ہی سے طلبہ میں صلاحیتوں کو نکھرنے کا موقع مل جاتا تھا۔

التوعیۃ کی ادارت اور نوائے اسلام دہلی میں خصوصی کالم نگار ہونے کے ساتھ عمر بھر قلم کا بامقصد استعمال کرتے رہے، زادالمعاد کے ترجمہ کے علاوہ متعدد کتب کا ترجمہ کیا ہے، بعض کتابوں کی تالیف فرمائی ہے، خاندان نوائے اسلام دہلی کے آپ معتمد افراد میں سے تھے، اور گاہے بگاہے نوائے اسلام میں لکھتے رہتے تھے۔ مکتب میں زیر تعلیم بچوں کو سیرت طیبہ سکھانے کے لئے آپ نے (رہبر کامل) تصنیف فرمائی، جو مختلف مکاتب میں داخل نصاب ہے، مدرسہ تعلیم الاسلام گاؤں بندی کلاں میں مکتب کی تعلیم کے دوران ہمیں یہ کتاب پڑھائی جاتی تھی۔

۱۹۸۸ء میں آپ مستقل طور پر اپنے وطن واپس لوٹ آئے، اور ادارہ دارالفکر جیراجپور قائم کیا، ابتدا میں آپ کی اہلیہ محترمہ نے اپنے گھر ہی میں بچیوں کو ناظرہ قرآن پڑھانا شروع کیا اور پھر گھر کے قریب ہی جگہ خرید کر مدرسہ کو وہاں منتقل کیا، مدرسۃ البنات کے نام سے یہ ادارہ آج بھی اپنی روشنی بکھیر رہا ہے، جہاں عالمیت وفضیلت تک تعلیم دی جاتی ہے، گاؤں اور محلہ اور اطراف کی طالبات اس سے مستفید ہو رہی ہیں، اس ادارہ کو مولانا نے اپنے خون جگر سے سینچا ہے، مولانا شمیم سلفی املوی کافی عرصہ سے جیراجپور میں مقیم ہو کر ادارہ کا انتظام دیکھ رہے ہیں، اللہ اس ادارہ کو قائم ودائم رکھے۔

علماء واطباء میں شاذ ونادر ہی ایسے ملیں گے جو علم طب کے ساتھ عربی اور انگریزی ہر دو زبانوں کے ماہر ہوں، یہ خوبی اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی، حکومت ہند کے تحت چلنے والی وزارت صحت وخاندانی بہبود کے ادارہ (مرکزی کونسل برائے تحقیقات طب یونانی نئی دہلی CCRUM) ایک خودمختار ادارہ ہے، اس کے شعبہ لٹریچر ریسرچ یونٹ کے تحت عربی مصادر کے ترجمہ کا منصوبہ بنایا گیا تو پورے ملک میں ذمہ داروں کی نگہ انتخاب آپ پر پڑی، پھر اللہ کی توفیق سے آں رحمہ اللہ نے کونسل کی مختلف کتابوں کا اردو زبان میں ترجمہ کیا، جس میں مورخ طب ابن ابی الصبیعہ کی کتاب (عیون الانبیاء فی طبقات الاطباء، مجلدین (اور مشہور طبیب ابوبکر محمد بن زکریا رازی کی شہرہ آفاق تصنیف (الحاوی الکبیر فی الطب) ۲۳ مجلد۔ کی ابتدائی ۷ جلدوں کا ترجمہ آپ ہی نے کیا، ان کے علاوہ بھی آپ نے طب کی کتابوں کے ترجمہ کا کام کیا ہے، لیکن CCRUM کی کتابوں میں مترجم کا نام نہ ہونے کی وجہ سے سراغ لگانا آسان نہیں ہے، کتابوں کے ترجمہ کا کام خدمت خلق اور خدمت دین کے ساتھ آپ کی معیشت کے لئے بہترین انتظام تھا، پھر جب آپ کے فرزند ابونافع قطر کی وزارۃ الدفاع میں مترجم کی حیثیت سے کام کرنے لگے تو آپ معاش سے فارغ البال ہو گئے۔

جیراج پور کی نئی جامع مسجد نئے انداز میں آپ ہی کے توسط سے تعمیر شدہ ہے۔ جیراج پور کے پڑوس میں معاشی لحاظ سے انتہائی کمزور مسلمانوں کی ایک چھوٹی سے بستی ہے، جہاں آپ نے ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی، اور فرماتے تھے کہ یہاں مسجد کی تعمیر سے جہاں

لوگوں کو صلاۃ ادا کرنے کی سہولت ہوجائے گی وہیں ان کے بچوں کو دینی تعلیم کا یہ ایک بہترین نظم ہوجائے گا۔

۲۰۰۰ء میں جب آپ اپنی اہلیہ کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے تو ان دنوں راقم سعودی عرب کی وزارۃ الشئون الاسلامیۃ والاوقاف والدعوۃ والارشاد کے ادارہ التوعیۃ الاسلامیۃ فی الحج کی طرف سے حجاج کی دینی رہنمائی پر مامور تھا، میری ڈیوٹی، دوارکدی، المسفلہ کے مرکز میں تھی جو حرم مکی سے کافی قریب ہے، جس کی وجہ سے اس دوران آپ سے بار بار ملاقات ہوا کرتی تھی، ملنے پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے اور ڈھیر ساری دعائیں دیتے، انہیں دنوں میں نے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مشہور کتاب (الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان) کا اردو ترجمہ (اولیاء حق و باطل) کے نام سے کیا تھا، جب آپ سے اس کے مراجعہ کی درخواست کی تو آپ نے بخوشی قبول کرلیا، اور انتہائی کم عرصہ میں انتہائی دقت کے ساتھ مراجعہ فرمایا، ترجمہ اور ترجمانی کے بارے میں کچھ ہدایتیں بھی دی، ان کی حج سے واپسی کے چند ماہ بعد جب میں سعودی عرب سے چھٹیاں گزارنے وطن پہنچا تو آپ سے کتاب کے مراجعہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ تمہاری کتاب کا مراجعہ تو مکمل ہوگیا ہے، لیکن اسے اسی وقت دوں گا جب تم جیراج پور میں آکر جمعہ کا خطبہ دوگے، سبحان اللہ! تربیت کا کیسا پیارا انداز تھا، آپ نے میری کتاب کے ترجمہ کا مراجعہ کیا اور اپنی موجودگی میں جیراج پور کی مرکزی جامع مسجد میں خطبہ دلوا کر ایک اعزاز اور اعتماد بھی عطا کیا، فجزاہ اللہ خیر الجزاء، و اسکنہ فسیح جناتہ و رفع درجتہ فی علیین۔

چونکہ توحید خالص کی دعوت کو بعض تحریکی اکابر کی لغزشوں کی وجہ سے بڑا نقصان پہنچا ہے، اس لئے اپنے مقاصد کے لئے انہوں نے کلمہ کا مفہوم بدل دیا تھا، لا الہ الا اللہ کے معنی لا معبود بحق الا اللہ، یہ معروف ہے، لیکن بعض لوگوں کے نزدیک لا الہ کا مفہوم لا حاکمیۃ الا اللہ ہے، گویا انہوں نے توحید کی تعریف ہی بدل دی، کلمہ طیبہ کی اس غلط اور گمراہ کن تشریح کی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے عالم اسلام کے کبار علماء و مشائخ کے مشورہ پر دکتور عمر احمد الملیباری استاد جامعۃ الامام ریاض کا ایک رسالہ (لا الہ الا اللہ کا مفہوم اور اختلاف) بڑا جامع اور مختصر چھپا ہے، جس کا آں رحمہ اللہ نے سلیس اردو میں ترجمہ کیا تھا، جسے پڑھنے کے بعد کلمہ کے مفہوم میں تحریف سمجھ میں آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلم میں وہ طاقت و قوت دی تھی کہ ایک بار جو آپ کو پڑھ لیتا یا کسی موضوع کو چھیڑ دیتا تو آپ جس قدر جولانیاں بکھیرتے جاتے سارے لوگ خوب مستفید ہوتے۔

ایک مرتبہ ریاض سعودی عرب کے معروف دعوتی ادارہ (الندوۃ العالمیۃ للشباب الاسلامی (WAMY) میں کسی اصلاحی نسبت رکھنے والے مترجم نے الندوۃ کے ڈائریکٹر دکتور مانع الجھنی رحمہ اللہ کی خدمت میں کسی کتاب کا ترجمہ پیش کرکے الندوہ سے اس کی اشاعت کی سفارش کی تو ڈاکٹر مانع الجھنی نے بڑی صراحت کے ساتھ فرمایا کہ اگر یہ کسی اصلاحی کا ترجمہ ہے تو نحن لا نعرف الا الشیخ عبدالمجید الاصلاحی ہمیں تو صرف عبدالمجید اصلاحی کا ترجمہ چاہیے، ہم تو صرف انہیں کو جانتے ہیں۔ اس واقعہ کو راقم سے خود مولانا عبدالمجید اصلاحی رحمہ اللہ نے متعدد بار بیان کیا ہے۔ آپ اپنے ادارہ مدرسۃ البنات کے لئے ممبئی کا سفر برابر کیا کرتے تھے، ابھی سال گزشتہ ممبئی آمد پر جب آں رحمہ اللہ دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی تشریف لائے تو ملاقات ہوئی

تھی، اور پھر اسی سفر میں ایک دن ظہرانہ پر حاضر ہو کر مجھے بھی اعزاز بخشا تھا۔

ضلع اعظم گڑھ میں باستثنائے املو مبارکپور تحریک شہیدین کے اثرات جیسے جیسے کمزور پڑتے گئے اسی لحاظ سے تحریک اہل حدیث کمزور پڑتی گئی، اور وہاں کے لوگ تحریک اسلامی اور تحریک تبلیغی سے جڑتے گئے، حالانکہ اس ضلع میں میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے متعدد تلامذہ کا ذکر ملتا ہے، شاید ماحول سازگار نہ ہونے کی وجہ سے یہاں جماعت کا کام بہت کم ہوا، شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کی سفارش پر مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ نے اعظم گڑھ کے محلہ تکیہ میں ایک اہل حدیث مسجد تعمیر کرائی تھی، مگر وہاں پر اہل حدیثوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے وہ مسجد ان کے ہاتھ سے جاتی رہی اور آج اس پر تبلیغی جماعت کے بھائیوں کا قبضہ ہے۔ اعظم گڑھ کے ان حالات میں بھی آں رحمہ اللہ نے کئی سالوں تک ضلعی جمعیت اہل حدیث اعظم گڑھ کی نظامت سنبھالی، گزشتہ پندرہ برسوں کے اندر مکاتب توعیۃ الجالیات سے مستفید احباب کے تعاون سے اعظم گڑھ کے مختلف مقامات پر متعدد اجلاس اور کانفرنسوں کا انعقاد کیا گیا جو انہیں کے دور نظامت اور ڈاکٹر عبد العزیز مبارکپوری کی امارت میں مولانا عبد الرحمن مبارکپوری اور شیخ نور العین سلفی حفظہم اللہ کی سرپرستی میں انتہائی کامیابی سے جاری رہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ مولانا عبد المجید اصلاحی رحمہ اللہ کی مغفرت فرمائے، اور جمعیت و جماعت اور عالم اسلام کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ اور جنت الفردوس میں آپ کے درجات بلند فرمائے، اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ الجماعۃ، ممبئی۔ فروری ۲۰۱۷ء)

❑❑❑

مفتیٔ جامعہ مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ کا انتقال پر ملال

جامعہ کے در و بام سوگوار اور مسند تدریس و افتاء سونی سونی

وفات فروری ۲۰۱۷ء

شمیم احمد ندوی

۳ر فروری جمعہ کی شب دس بجے جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر کی فضا یک لخت سوگوار ہوگئی اور اس کے در و بام اس وقت اشک بار ہوگئے جب جامعہ کے مفتی و شیخ الحدیث اور استاذ الاساتذہ مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وتغمدہ بواسع مغفرتہ وادخلہ فسیح جناتہ۔ نے ایک مختصر علالت کے بعد ۸۵ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یوں تو شیخ رحمہ اللہ عمر طبعی کو پہنچ چکے تھے اور عارضہ قلب اور مرض ذیابطیس و تنفس سمیت کئی جان لیوا عوارض کا شکار تھے، ہارٹ سرجری کے سلسلہ میں ''پیس میکر'' بھی لگا ہوا تھا، لیکن کچھ وقتی تکالیف کے علاوہ بحیثیت مجموعی ان کی صحت اطمینان بخش تھی اور ایسا کوئی فوری خطرہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح اچانک جامعہ کی مسند درس و افتاء کو سونی چھوڑ کر ہمیں داغ مفارقت دے جائیں گے۔

صرف ایک ہفتہ قبل ان کی بیماری نے شدت اختیار کرلی، اضطراب و بے چینی میں اضافہ کے ساتھ تنفس کی شکایت بڑھ گئی، لیکن پھر بھی اللہ کے فضل خاص سے آخر وقت تک ہوش و حواس قائم رہے، عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، سب لوگوں کو پہچانتے اور ان سے دعا کی درخواست کرتے رہے، وفات سے صرف ایک روز قبل لکھنؤ سے مدرسہ حاضر ہوکر جب راقم سطور نے بھی مفتی صاحب سے ملاقات اور ان کی عیادت کی سعادت حاصل کی تو نہ صرف یہ کہ وہ مجھ ناچیز کو پہچان گئے بلکہ خود میری صحت کا حال دریافت کرتے ہوئے میری صحت و درازی عمر کے لئے دعا فرمائی اور اپنی تکالیف کو رفع کرنے کے لئے مجھ سے بھی دعا کی درخواست کرتے رہے، اس وقت بھی ہم سب کو کسی فوری خطرہ کا احساس نہ تھا، تاہم بعد نماز جمعہ یہاں کے مشہور معالج ڈاکٹر انوار احمد خاں کے مشورہ پر انہیں ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرنے کے لئے لکھنؤ لے جانے کا فیصلہ کیا گیا، ڈاکٹر صاحب کے مشورہ کے مطابق ٹرین کے سفر کو ترجیح دی گئی، سنیچر کی صبح ۶ بجے بڑھنی سے روانہ ہونے والی ایکسپریس ٹرین میں جو صرف ۴ گھنٹہ میں لکھنؤ پہنچتی ہے تیمارداروں (بیٹے مولانا عبدالمنان سلفی، پوتے سعود اختر سلفی وحماد اور نواسے سالم اکرم) کے ہمراہ ٹکٹ بک کرالیا گیا، میڈیکل کالج کے شعبۂ قلب کے مرکز ''لاری کارڈیالوجی'' میں داخل کرنے کا فیصلہ کیا گیا جہاں ۸ر مارچ ۲۰۰۸ء کو پیس میکر لگایا گیا تھا، لیکن رات ہی میں وقت موعود آپہنچا اور سارے انتظامات اور تدابیر دھری کی دھری رہ گئیں، تقدیر کا فیصلہ پورا ہوا جس میں کسی بھی تدبیر سے وقت رحلت میں ایک لمحہ کی بھی تقدیم و تاخیر ممکن نہیں، یعنی ؎

''الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا''

مولانا کا سانحہ ارتحال نہ صرف ان کے اعزہ واقرباء اوران کی اولاد واحفاد کے لئے انتہائی صدمہ کا باعث ہے، بلکہ جامعہ سراج العلوم اوراس سے وابستہ تمام اداروں، جامعہ کے اساتذہ وکارکنان، جامعہ سے تعلق رکھنے والے تمام وابستگان اوران کے ہزاروں تلامذہ اورعقیدت مندوں کے لئے ایک ناقابل فراموش صدمہ ہے، کیونکہ ان کی حیات مستعار کا بیشتر حصہ جامعہ سے ہی وابستہ ہے اور یہاں کی تاریخ کے ورق ورق پران کی خدمات کی داستان رقم ہے، انہوں نے ثانویہ تک کی تعلیم یہیں حاصل کی جہاں ان کوخطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری جیسا معلم ومربی ملا، جنہوں نے ان کے والد مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ کی خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے خصوصی مراعات سے بھی نوازا اورطلب علم کی راہ میں ان کی دلچسپی ومحنت اوران کی خفتہ صلاحیتوں کوبھی پہچانا اور بلفظ دیگراس نایاب ہیرا کوتراش خراش کے بعد جوہر قابل بنایا، پھرمختلف ادوار سے گذرتے ہوئے وہ دومرحلوں میں جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں تدریسی خدمات کی انجام دہی پر مامور ہوئے، تدریسی ذمہ داریوں کا یہ کل دورانیہ تقریباً ۵۰ سال پرمحیط ہے، پہلا مرحلہ ان کے دور جوانی کا ہے جو ۱۱ سالوں پرمحیط ہے، جس میں کئی سال وہ صدرالمدرسین کے منصب پر فائز رہے، پھر جب خطیب الاسلام رحمہ اللہ رابطہ عالم الاسلامی کی رکنیت کے باوقار منصب پر فائز کئے گئے تو ان کی کوششوں سے جامعہ کی تعلیم عالمیت تک ہونے لگی، عالمیت تک کی تعلیم کے لئے اچھے، لائق اور کہنہ مشق اساتذہ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ ان کو بہت اصرار سے جامعہ سلفیہ سے دوبارہ جھنڈانگر لے کرآئے تاکہ جامعہ کا تعلیمی معیار بلند کیا جاسکے اوراس کواس لائق بنایا جاسکے کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ سے اس کا معادلہ منظور ہوجائے، الحمد اللہ ان کی کوششیں بارآور ہوئیں اور جامعہ کا معادلہ جامعہ اسلامیہ اورسعودی وزارت تعلیم عالی سے منظور ہوا۔

مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کو دوسرے مرحلہ میں ۱۹۷۸ء میں مسند درس کو رونق بخشنے کی پیش کش ہوئی جسے انہوں نے برضاورغبت قبول کیا، پھرتو درس وتدریس اورافتاء وتحقیق کا یہ سلسلہ جسم وجان کا رشتہ باقی رہنے تک کسی نہ کسی شکل میں قائم رہا، درمیان میں تمام اساتذہ میں سے بیشتر کا شماران کے تلامذہ میں ہوتا تھا اورسب کی نظروں میں ان کا حددرجہ احترام تھا، پھر اپنی تدریسی لیاقتوں کی وجہ سے بھی اس منصب وذمہ داری کا ان سے بڑھ کرکوئی اہل نہ تھا، کیونکہ سراج العلوم کے نصاب میں داخل کتابوں میں سے مشکل وادق اوراونچی جماعتوں میں پڑھائی جانے والی کلیدی کتابوں کا درس انہیں کے ذمہ تھا، جن میں صحیحین کے علاوہ سنن کی بعض کتابیں ابوداؤد، ترمذی وغیرہ اورتفسیر جلالین، تفسیر بیضاوی، تفسیر ابن کثیر کے علاوہ عربی ادب وبلاغت کی کتابیں بھی وقفہ وقفہ سے ان کے زیردرس رہیں، اورحقیقت یہ ہے کہ سارے مضامین کی تدریس کا حق وہ ادا کردیتے تھے اورطلباء کی علمی تشنگی بجھا کرانہیں شادکام کیا کرتے تھے۔

اپنے استاذ محترم خطیب الاسلام جھنڈانگری رحمہ اللہ کے حسب ایماء اورکلیہ عائشہ صدیقہ کے ناظم بھائی عبدالرشید خاں صاحب کی خواہش واصرار پرکلیہ میں بھی کئی سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، پھرجب قلب کا عارضہ لاحق ہوا اورنقل

وحرکت سے بھی بڑی حد تک معذور ہو گئے تو اس اضافی خدمت سے معذرت کر لی، بہر حال ایک عرصہ تک وہ جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر کے شعبۂ عربی اور کلیہ عائشہ صدیقہ دونوں اداروں میں بیک وقت پڑھاتے رہے اور دونوں جگہ اپنی تدریسی ذمہ داریوں کا حق ادا کرتے رہے۔

اسی طرح جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر کی جامع مسجد میں ایک عرصہ تک امامت وخطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، مولانا صبغۃ اللہ ندوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کو یہ اضافی ذمہ داری سونپی گئی، ان کی شہرت گرچہ بہت بڑے خطیب اور شعلہ بار مقرر کی حیثیت سے کبھی نہیں رہی لیکن ان کے مواعظ حسنہ اور ان کا دل نشین انداز بیان اور قرآنی آیات اور صحیح احادیث سے مزین ان کے وعظ وارشاد کی مجلسیں عوام وخواص میں یکساں مقبول تھیں، اسی طرح انہوں نے دسیوں برس جامعہ کی جامع مسجد میں بعد نماز فجر اور پھر بعد نماز عشاء ''ریاض الصالحین'' کا پابندی کے ساتھ درس بھی دیا جس میں حضرت خطیب الاسلام پابندی سے شریک ہوتے تھے، درس حدیث کی اس مبارک مجلس میں آپ نے متعدد بار ریاض الصالحین ختم کرنے کی سعادت حاصل کی، ان کا مطالعہ اتنا گہرا اور علم اس قدر وسیع تھا کہ لچھے دار باتوں، مقفع مسجع عبارتوں اور بے سروپا حکایتوں کے ذریعہ کم علمی پر پردہ ڈالنے کی ضرورت ان کو نہیں تھی، ان کی ذات سے مساجد کے منبر ومحراب کو رونق ملی، لیکن وہ جلسوں واسٹیج کے آدمی نہیں تھے، جہاں لوگ علم کی گہرائی ناپنے کے بجائے مقرر کی اداؤں اور لفاظیوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

ان کی سب سے بڑی پہچان مفتی جامعہ کی حیثیت سے تھی، قرب وجوار اور دور ونزدیک کے لوگ ان سے سب سے زیادہ مفتی جامعہ کی حیثیت سے واقفیت رکھتے تھے اور ان کو اکثر لوگ صرف مفتی صاحب کے لقب سے ہی پکارتے تھے۔ عوام وخواص میں ان کو بہت مقبولیت ملی ہوئی تھی اور سب کے دلوں میں ان کا احترام تھا، یعنی وہ ایک بالکل ہی غیر متنازعہ شخصیت کی حیثیت سے متعارف تھے، میں نے ہوش سنبھالنے اور ان سے واقفیت کے بعد کبھی کسی کو ان کے پیٹھ پیچھے ان کو برا کہتے نہیں سنا، یہ خصوصیت ومقبولیت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔

غرض کہ ان کی ذات میں بے شمار خوبیاں تھیں لیکن ان سطور میں میں نے صرف ان خصائص وامتیازات کا ذکر کرنا مناسب سمجھا جن کا تعلق صرف جامعہ سراج العلوم سے ہے، ان کی زندگی کے دیگر علمی، دعوتی، اخلاقی اور انسانی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے تاکہ اپنے نونہالوں اور آئندہ نسلوں کیلئے ہم ان کو بطور نمونہ پیش کر سکیں۔

اسی لئے ماہنامہ ''السراج'' کی مجلس ادارت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان کی حیات وخدمات پر مشتمل ماہنامہ ''السراج'' کا خصوصی شمارہ شائع کر کے ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے، کیونکہ جہاں اس ناچیز راقم سطور کو اس ادارہ کے ناظم ہونے کا شرف حاصل ہے، جہاں مفتی صاحب کی زندگی کے قیمتی ماہ وسال گذرے وہیں راقم اس پرچہ کا مدیر مسئول بھی ہے، اسی طرح مولانا عبدالمنان سلفی ان کے فرزند اور نسبی وعلمی وارث ہونے کے ساتھ مجلہ کے مدیر بھی ہیں۔

ان کی وفات حسرت آیات سے جامعہ میں ویرانی کا منظر ہے، ان کی ذات جامعہ کے لئے باعث خیر وبرکت تھی اور ان کی

وفات سے جامعہ کی مسند درس وافتاء جو خالی ہوئی ہے اس جگہ کو پر کرنے کے لئے کوئی متبادل موجود نہیں ہے، یہ سانحہ ان کے اہل خانہ اور پسماندگان کے علاوہ ذاتی طور پر جامعہ کے لئے ایک بڑے خسارہ اور محرومی کی حیثیت رکھتا ہے، اسی لئے ملک وبیرون ملک سے تعزیت کرنے والوں میں سے بعض نے مجھ ناچیز کے ساتھ بھی اظہار تعزیت کیا اور ان کی وفات کو جامعہ کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان قرار دیا، اور حقیقت یہ ہے کہ ایسے اصحاب علم وفضل اور زہد وورع اور سادگی وقناعت سے مزین افراد کا ہم سے جدا ہو جانا پوری ملت وجماعت کے لئے ایک ایسا خسارہ ہے جس کی تلافی مستقبل قریب میں نظر نہیں آتی۔

جو بادکش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

وفات کے اگلے دن ۴ رفروری ۲۰۱۷ء کو بعد نماز ظہر ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں عقیدت مندوں وسوگواروں کا ایک ہجوم اور جم غفیر تھا، جن میں بڑی تعداد علماء ودعاۃ، طلبائے مدارس اور دینی وملی تنظیموں کے ذمہ داران کی تھی، اس کے علاوہ ایک بڑی تعداد ان کے تلامذہ وشاگردوں اور ان سے علمی فیض پانے والوں کی تھی جو ہند ونیپال کے علاوہ خلیجی ملکوں میں بکھرے پڑے ہیں، نماز جنازہ میں جھنڈا نگر کے مضافات اور نیپال وہند کے اضلاع کپل وستو وسدھارتھ نگر کے علاوہ دونوں ملکوں کے دور دراز اضلاع، شہروں اور خطوں سے بڑی تعداد میں اہل علم نے شرکت کی، بالخصوص مئو، کانپور، لکھنؤ، سنت کبیر نگر، مہراج گنج، بستی، بلرام پور، روپندیہی، دانگ اور کاٹھمنڈ وغیرہ سے لوگ گاڑیاں بک کرا کے شریک جنازہ ہوئے، نماز جنازہ کی امامت بزرگ عالم دین، نمونۂ سلف مولانا ڈاکٹر عبدالرحمن رحمانی مبارکپوری رحفظہ اللہ خلف الرشید شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے فرمائی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مفتی صاحب کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو نور سے بھر دے، ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی خطاؤں ولغزشوں سے درگذر فرماتے ہوئے جامعہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے آمین یا رب العالمین!

اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

(ماہنامہ السراج جھنڈا نگر، فروری ۲۰۱۷ء)

□□□

اور مسند افتاء سونی ہوگئی

(مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ، جھنڈانگر چند یادیں چند باتیں)

وفات فروری ۲۰۱۷ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

سدھارتھ نگر، گونڈہ بستی کا سرحدی علاقہ جنگ آزادی سے ماقبل اور تحریک مجاہدین کے زمانے سے ہی توحید وسنت کا مرکز رہا ہے، اس سرزمین کو شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگردان باوفا اور تحریک مجاہدین کے بعض جیالوں کی قدم رنجہ فرمائی کا شرف بھی حاصل ہے۔ اور برصغیر کے مایہ ناز علماء اہل حدیث کے مسکن وموطن ہونے کا اعزاز بھی۔ منشی محمد جعفر مجھوامیر، مولانا عباداللہ بستوی، مولانا عبدالشکور بسکوہری، مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب تحفہ اور مولانا عبدالرحمن بجوادی سے لے کر مولانا عبدالمبین منظر، مولانا عبدالقیوم رحمانی، مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہم اللہ ودیگر اعیان واشراف اور اسی سلسلہ ذھبیہ کی کڑی درکڑی اور ان کے شاگردان کو کون نہیں جانتا۔ علماء اہل حدیث کی اس عظیم الشان سلسلہ کی ایک حسین کڑی انتری بازار، سدھارتھ نگر، (بستی) کے مشہور عالم دین مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۷۸ء) اور آپ کے علمی خانوادہ کی ہے۔ مولانا محمد زماں رحمانی کے سنہرے نقوش اور علمی واصلاحی خدمات کے حسین آثار آج بھی گاؤں گاؤں، قریہ قریہ موجود ہیں۔ پورا علاقہ آپ کی تبلیغی مساعی اور اس سلسلے کی دعوتی خدمات سے سرشار ہے۔ آپ کے فیوض وبرکات میں جہاں آپ کی مساعی جمیلہ اور خدمات جلیلہ کے سنہرے نقوش ہیں وہیں پر اس سلسلے کی ایک عظیم علمی وراثت آپ کے اکلوتے فرزند بھی ہیں جنہیں دنیائے علم وادب حضرت العلام مفتی مولانا عبدالحنان فیضی یا شیخ الجامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کے نام سے جانتی ہے۔ ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' کے مصداق آپ نے اپنے والد بزرگوار مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ کی نہ صرف علمی وتدریسی وراثت کو سنبھالے رکھا بلکہ اس میدان کار میں ۶۰ سالہ تدریسی خدمات کا ایک سنہری ریکارڈ بھی تاریخ کے پنوں میں ثبت فرمادیا۔ **اللھم تقبل جھودہ واجعلھا فی میزان حسناتہ۔**

برصغیر میں افتاء نویسی کے باب میں آپ کی علمی شہرت اور پورے خطہ سدھارتھ نگر، ترائی اور انڈیا ونیپال کے سرحدی علاقوں میں سکونت پذیر اہل علم اور عوام وخواص کا اس بابت آپ پر استناد کو اعتماد یہ آپ کی شخصیت کو چار چاند لگانے کے لئے کافی ہیں۔

دعوت وتبلیغ کی محفل ہو یا اصلاح معاشرہ کا اہم ترین معاملہ، مجلسِ نکاح ہو یا عائلی مسائل پر مشتمل علاقائی پنچایت تقریباً ہر جگہ آپ میر مجلس بن کر حاضر ہوتے۔ اور بڑی دردمندی، دوراندیشی سے کتاب وسنت کی روشنی میں بے باکی وجرأتمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوگوں کی رہنمائی کرتے۔ آپ کی علمی شخصیت سے نہ صرف جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال کے اساتذہ، طلباء اور وابستگان علم وفن نے

بھرپور فائدہ اٹھایا بلکہ ہندو نیپال کے سرحدی علاقوں پر بسنے والے ہزاروں باشندگان نے فیضیابی حاصل کی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی آپ بڑھنی بازار کی گلیوں اور جھنڈانگر کے پر ہجوم شاہراہوں میں اور جامعہ کے صحن وچمن میں ایک مسکراتی ہوئی کلی کی طرح چلتے پھرتے نظر آرہے ہیں۔ اللہ غریق رحمت فرمائے اور آپ کی علمی وراثت سے تاقیامت امت مسلمہ کو فائدہ اٹھانے کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین اللھم اغفرلہ وارحمہ واعف عنہ واسکنہ جنات الفردوس۔

تاریخ ولادت: آپ کی ولادت ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ مطابق دسمبر ۱۹۳۴ء کو ہوئی۔ جیسا کہ آپ کے فرزند شیخ عبدالمنان سلفی حفظہ اللہ کے حوالے سے بھٹی صاحب وغیرہم نے ثبت فرمایا ہے۔ تراجم علمائے حدیث مؤلفہ خالد حنیف صدیقی میں ذکر کردہ تاریخ ولادت بہت زیادہ مستند نہیں ہے۔

مراحل تعلیم: (۱) ابتدائی و پرائمری تعلیم اپنے آبائی گاؤں بحر العلوم انتری بازار میں منشی علمدار سے حاصل کی۔

(۲) فارسی اور عربی کی تعلیم ۱۹۴۷ء کے آس پاس مفکر جماعت مولانا عبدالجلیل رحمانی کے قائم کردہ ادارہ دارالعلوم ششہنیاں میں حاصل کی یہاں آپ نے اپنے والد مولانا محمد زماں رحمانی، مولانا عبدالقدوس ٹکریاوی اور مولانا عبدالجلیل رحمانی جیسے اساتذہ علم وفن سے فیض حاصل کیا۔

(۳) ۱۹۴۹ء میں مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی، امام الفرائض مولانا عبدالرحمن بجواوی اور اپنے والد مولانا محمد زماں رحمانی سے عربی علوم اور فن تفسیر وحدیث کی بعض کتابیں پڑھیں۔ (اس دوران آپ کے والد ششہنیاں سے سراج العلوم منتقل ہوگئے تھے۔)

(۴) ۱۹۵۰ء میں اپنے گاؤں انتری بازار مدرسہ بحر العلوم چلے گئے جہاں مولانا عبدالغفور بسکوہری تدریس کے لئے مقرر کئے گئے تھے وہاں آپ نے مولانا عبدالغفور بسکوہری سے بھرپور استفادہ کیا۔

(۵) ۱۹۵۱ء میں واپس سراج العلوم جھنڈانگر پہنچے جہاں دوسال ۱۹۵۱ء۔ ۱۹۵۲ء میں رہ کر مختلف فنون کی تکمیل کی۔ اور وہاں کے اساطین علم وفن سے بھرپور استفادہ حاصل کیا۔

(۶) ۱۹۵۲ء کے آپ پاس جامعہ فیض عام مئو کے لئے رخت سفر باندھا اور وہاں داخلہ لے لیا اور مسلسل چھ سال تک رہ کر وہیں سے فراغت حاصل کی۔ اور مولانا محمد احمد، مولانا مصلح الدین اعظمی، مولانا عبدالمعید بنارسی جیسے اعاظم رجال سے علمی وادبی فیض حاصل کیا۔

(۷) ۱۹۵۸ء میں جامعہ فیض عام مئو سے فراغت حاصل کی اور اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے فیضی کہلائے اور اس طرح آپ کا یہ تعلیمی سفر مکمل ہوا۔

اساتذہ: آپ کے اساتذہ کی فہرست میں اس زمانے کے نامور ومشاہیر علم وفن کے نام شامل ہیں۔ ذیل میں تفصیل درج ہے:

(۱) منشی علمدار مرحوم (مدرسہ بحر العلوم، انتری بازار، آبائی گاؤں)، (۲) مفکر جماعت مولانا عبدالجلیل رحمانیؒ، (۳) مولانا عبدالقدوس ٹکریاویؒ، (۴) آپ کے والد مولانا محمد زماں رحمانیؒ، (۵) خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانیؒ، (۶) امام الفرائض مولانا عبدالرحمن بجواویؒ، (۷) شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفیؒ، (۸) مولانا مصلح الدین اعظمیؒ، (۹) مولانا عبدالمعید بنارسیؒ، (۱۰) مولانا عبدالرحمن نحویؒ، (۱۱) مفتی حبیب الرحمن فیضیؒ، مئو، (۱۲) مولانا عظیم اللہ مئویؒ، (۱۳) ناظم مولانا محمد احمد صاحبؒ، (۱۴) مولانا

عبداللہ شائق مئویؒ، (۱۵) مولانا عبدالغفور بسکوہریؒ،

رفقائے درس اور معاصرین طلباء: آپ کے رفقاء درس میں: (۱) مولانا امان اللہ فیضی، بہار جو ریاض العلوم دہلی میں برسوں شیخ الحدیث رہ چکے ہیں اور اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اور (۲) مولانا مظہر احسن ازہری (مئو) (۳) مولانا حقیق اللہ فیضی نیپال۔ (آپ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں) ان کے علاوہ معاصرین طلباء جو فیض عام میں زیر تعلیم تھے، (۱) ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ (۲) مولانا صفی الرحمن مبارکپوریؒ (۳) ڈاکٹر عبدالعلی ازہری (لندن) وغیرہم جیسی نابغہ روزگار ہستیاں ہیں جو کہ ایک دو سال آگے پیچھے فیض عام مئو میں اس عرصہ میں زیر تعلیم تھے۔

تلامذہ وشاگردان: ۶۰ سال کی ایک طویل مدت تک مختلف مدارس وجامعات میں جسے تدریس کا شرف عظیم حاصل ہوا اس کے طلباء وشاگردان کی تعداد تو ہزاروں سے متجاوز ہوگی۔ اللہ تعالیٰ شرف وقبول عطا فرمائے۔ ذیل میں بعض مشاہیر تلامذہ اور شاگردان کے نام درج کئے جارہے ہیں تاکہ سند رہے۔

(۱) ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس مبارک پوری (مرحوم) (۲) مولانا محمد مستقیم سلفی (بنارس) (۳) ڈاکٹر عبدالباری فتح اللہ مدنی (ریاض) (۴) شیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی (کویت) (۵) شیخ عزیر شمس (مکہ) (۶) ڈاکٹر اقبال احمد بسکوہری مدنی (مالیگاؤں) (۷) شیخ عبدالمعید مدنی (علی گڑھ) (۸) ڈاکٹر عبدالقیوم مدنی (قطر) (۹) مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگر (مرحوم) (۱۰) ڈاکٹر الطاف الرحمن مدنی) اونرہوا حال مدرس جامعہ اسلامیہ مدینہ) (۱۱) مولانا عبدالواحد مدنی، ڈومریا گنج (۱۲) حافظ محمد الیاس سلفی (ریاض) (۱۳) مولانا احسن جمیل سلفی (بنارس) (۱۴) مولانا عبداللہ سعود سلفی (بنارس) (۱۵) مولانا محمد یونس مدنی (بنارس) (۱۶) مولانا عبدالرشید مدنی (جھنڈانگر) (۱۷) مولانا خورشید احمد سلفی، جھنڈانگر (۱۸) مولانا محمد نسیم مدنی (نیپال) (۱۹) مولانا وصی اللہ مدنی (جھنڈانگر) (۲۰) مولانا شمیم احمد خلیل سلفی (قطر) (۲۱) شیخ رضاء اللہ عبدالکریم مدنی (دہلی) (۲۲) آپ کے اکلوتے فرزند شیخ عبدالمنان سلفی، جھنڈانگر۔ وغیرہم کثیر وکثیر۔

علمی مشاغل اور خدمات جلیلہ: (۱) آپ کی زندگی کا ایک طویل عرصہ قریباً ساٹھ سال پر مشتمل جامعہ سلفیہ بنارس اور دیگر مکاتب ومدارس سے لیکر جامعہ سراج العلوم، جھنڈانگر میں تدریس وتعلیم میں گذرا جہاں آپ کے زیر تربیت سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں طالبان علوم نبوت نے علمی فیض حاصل کیا اور فی الوقت پوری دنیا میں آپ کے شاگردان خدمات انجام دے رہے ہیں۔ البتہ یہ یاد رہے کہ تدریس کا چالیس سالہ دور آپ نے جھنڈانگر میں ہی لگایا ہے۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔

(۲) تدریسی عمل کے ساتھ آپ ہمیشہ جماعتی پلیٹ فارم سے منسلک رہے اور دعوت الی اللہ کا فریضہ اصلاح عقائد واعمال، اور خطابات ودروس سے بالخصوص خطبۂ جمعہ سے عوام وخواص کی رہنمائی اور ان کی دینی تربیت واصلاح کرتے رہے۔ جو بظاہر آنکھوں سے نظر نہ آئے لیکن اس کے دوررس اثرات ومفید نتائج برسوں محسوس کئے جائیں گے۔ اور اس عمل پر علاقے کے باشعور افراد بالخصوص عمر رسیدہ لوگ گواہ ہیں۔ میرے والد محترم جو ابھی شوال ۱۴۳۷ھ ۲۰۱۶ء میں اللہ کو پیارے ہوگئے آپ کی علمی ودعوتی خدمات کا ذکر جمیل کیا کرتے تھے۔

(۳) عملی ودعوتی، تدریسی وتعلیمی مشاغل کے ساتھ آپ کی زندگی کا ایک اہم باب فتویٰ نویسی اور پیش آمدہ مسائل ومعاملات میں شرعی فیصلے اور دینی رہنمائی ورہبری کا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ نہ صرف علاقائی سطح پر بلکہ ملکی پیمانہ پر ایک مستند مفتی اور قابل اعتماد شرعی قاضی تسلیم کئے جاتے تھے۔ دور دراز سے بھٹکے ہوئے لوگ اور عائلی مسائل میں الجھے ہوئے بے شمار افراد تھے جو آپ سے فتویٰ لے کر اپنے مسائل کا شرعی حل پالیتے تھے اور اپنی روحانی پیاس بجھالیا کرتے تھے۔ آپ کے فتاویٰ کا ایک ضخیم دفتر آپ کے فرزند باوقار ہمارے استاد محترم شیخ عبدالمنان حفظہ اللہ کے پاس موجود ہے اور اس کی تدوین واشاعت کا کام جاری ہے۔ اللہ کرے کہ فتاویٰ کا یہ علمی ذخیرہ جلد از جلد منظر عام پر آجائے اور ملت اسلامیہ اس سے بھرپور فیض حاصل کرے۔ آمین

وفات حسرت آیات: عمر کی ۸۵ بہاریں گزار کر بتاریخ ۳ر فروری، ۲۰۱۷ء بروز جمعرات سوا دس بجے کے قریب آپ اللہ کو پیارے ہوگئے اور اپنے پیچھے ایک علمی خانوادہ شیخ عبدالمنان سلفی، وکیل الجامعہ سراج العلوم جھنڈانگر اور دیگر اہل خانہ کو روتا بلکتا چھوڑ کر دار فانی سے رخصت پذیر ہوئے۔ جھنڈانگر کے قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

اللھم اغفر لہ وارحمہ واسکنہ فی الفردوس الاعلیٰ۔

مراجع: (۱) تراجم علماء اہل حدیث: خالد صدیقی، ص ۱
(۲) چمنستان حدیث، بھٹی صاحب ص، ۵۵۶
(۳) ماہنامہ السراج، فروری ۲۰۱۷ء ص ۳۶

□□□

میرے ''کافیہ ابن حاجب'' کے استاذ

مولانا مجیب اللہ فیضی رحمہ اللہ، سدھارتھ نگر

۱۹۳۶ء.....۲۰۱۷ء

عبدالرحیم امینی
جامعہ دارالہدی یوسف پور

سندوقت، شیخ الکل فی الکل، سید نذیر حسین محدث دہلوی کے زمرہ اولین کے تلامذہ میں مولانا عباداللہ یوسف پوری رحمہ اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ آپ نے حضرت مولانا جعفر علی نقویؒ میر منشی قافلہ جہاد کے حسب ارشاد وایماء اپنے مولد ومسکن گاؤں یوسف پور میں مدرسہ دارالہدیٰ کی بنیاد رکھی، یہ بات ۱۸۵۴ء یا اس کے پس وپیش کی ہے، آج سے تقریباً ڈیڑھ صدی پہلے کتاب وسنت کی ترویج واشاعت کے لئے جو پودا نصب کیا گیا تھا وہ نہ صرف تناور درخت بنا بلکہ اس کی چھاؤں سے لاکھوں کی تعداد میں طالبان علوم نبوت، عوام اور خواص مستفید ومستریح ہوئے، سلسلہ فیض بحمد اللہ آج بھی جاری وساری ہے، علماء مستفیدین میں مفکر ملت مولانا عبدالجلیل صاحب رحمانی رحمہ اللہ، ڈاکٹر وصی اللہ عباس، شیخ عبدالقدوس مدنی وغیرھم حفظہم اللہ کے اسماء جامعہ کے مفاخر میں شمار کئے جاسکتے ہیں، جامعہ کے فیض یافتگان ملک وبیرون ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ضلع بستی، گونڈہ وبلرامپور، سدھارتھ نگر، بہرائچ اور نیپال کے متصل سرحدی علاقے تو جامعہ کے جرعہ نوشوں سے بھرے پڑے ہیں۔ جامعہ کے اکثر وبیشتر اساتذہ کے علم وفضل کا خمیر یہیں کی خاک سے اٹھا، بعد میں یہیں مسند نشین بھی ہوئے، مرحلۂ تقاعد بھی آیا اور پھر سفر آخرت۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب اثری، حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب فیضی، حضرت مولانا اسداللہ صاحب فیضی، حضرت مولانا محمد یونس صاحب اثری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سلفی، حضرت مولانا عبدالرشید صاحب اثری، حضرت مولانا محمد مجتبیٰ صاحب سلفی رحمہم اللہ نے یہاں سے کسب فیض فرمایا، فریضۂ تدریس پر مامور ہوئے، اور مولانا عبدالرشید اثری جن کی وفات دوران ملازمت ہوئی کے علاوہ سب عمر تقاعد کو پہنچے بالآخر ہم سب کو داغ مفارقت دے کر مکین عالم برزخ ہوگئے، اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

گزشتہ سطور میں جن اساتذہ وعلم وفن اور اقانیم جامعہ کا نام لیا گیا ہے ان میں سے بعض کے تذکرے جماعتی مجلات میں شائع

ہو چکے ہیں، ہنوز اکثر پر لکھا جانا باقی ہے۔

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کی پنہاں ہوگئیں

بعض احباب کے تقاضا واصرار پر اساتذہ راحلین کے ذکر کا یہ سلسلہ شروع کیا جارہا ہے اللہ کرے، یکے بعد دیگرے پورا ہو جائے۔

سردست استاذی مولانا مجیب اللہ فیضی رحمہ اللہ کے حوالے سے چند یادیں لکھی جارہی ہیں:

چھریرا بدن، سانولا رنگ، تیز رو، آتش مزاج، راسخ العزم، منطقیانہ گفتگو، فلسفیانہ موشگافی یہ ایک طرح سے مولانا کا قلمی حلیہ ہے۔

نام ونسب: مجیب اللہ بن عبداللہ خان بن احسان اللہ خان بن بھنڈاری خان بن جبین خاں۔

جبین خان کی وجہ تسمیہ بھی عجیب ہے ان کے کئی برادران یکے بعد دیگرے وفات پاتے گئے، والد محترم نے بطور تفاؤل جبین نام رکھ دیا، حالانکہ ناموں سے زندگیوں میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

سمیتہ یحییٰ لیحی فلم یکن
الی رد امر اللہ فیہ سبیل

یہ اور بات ہے کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل وکرم سے لمبی زندگی بخشی۔

۱۸۵۷ء کی غدر میں انگریزوں کے ظلم واستبداد سے تنگ آکر موضع مدو، ضلع بستی سے شیخا جوت کے لئے ہجرت فرمائی، اور یہیں ایک زمین دار خانوادے میں ۶ فروری ۱۹۳۶ء میں مولانا کی ولادت ہوئی۔

اس خاندان کی سینکڑوں بیگھے کی زرعی آراضی ''موہن کولہ'' میں بھی ہے، اور اسی اسرۂ علمی کے ایک روشن چراغ مولانا محمد حنیف فیضی رحمہ اللہ تھے۔

ابتدائی تعلیم دارالہدی یوسف پور میں مولانا عبدالاحد پرینہ سے حاصل کی، ۱۹۵۱ء کے پس وپیش میں فیض عام مئو تشریف لے گئے، پھر ادیب وقت استاذ العلماء مولانا عبداللہ شائق مرحوم نے فیض عام کو خیر آباد کہا اور جامعہ اثریہ دارالحدیث کی داغ بیل ڈالی، مولانا بھی اپنے استاذ کے ساتھ دارالحدیث چلے گئے، حالات وظروف نے کروٹ لی، دوبارہ اساتذہ فیض عام کے سامنے زانوے تلمذ تہ فرمایا اور یہیں سے ۱۳ رشعبان المعظم ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں فارغ التحصیل ہوئے، اساتذہ میں شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمن مئوی، شیخ الحدیث مولانا مصلح الدین، مولانا محمد جمیل، مولانا عبدالرحمن اور مولانا محمد احمد ناظم جامعہ، رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد راہ علم کا یہ سالک خاموش نہیں بیٹھا، بلکہ اور زیادہ علوم کے لئے دہلی، دیوبند یہاں تک کہ مدرسہ اشرفیہ

مبارکپور تک کی خاک چھانی، مولانا کے ان علمی رحلات کا تو مجھے علم ہے پر ان دانشکدوں میں آپ کے اساتذہ کا تتبع بسیار کے بعد بھی مجھے علم نہیں ہوسکا۔

جامعہ دارالہدیٰ میں آپ کی تدریس کا عہد دو حصوں میں منقسم ہے، عہد اول مختصر اور عہد ثانی ۵ رجنوری ۱۹۶۴ء سے شروع ہوکر ۳۰ رجون ۱۹۹۶ء میں سبکدوش ہوگئے۔

کئی سال خوشحالی کے ساتھ ملازمت سے دور رہے، جامعہ کے بغل میں واقع کلیۃ الصالحات میں منتظمین کی شدید اصرار پر بچیوں کو صحیحین کا درس بھی دیا۔

مولانا رحمہ اللہ منتظمین مدارس کے رویوں سے ہمیشہ نالاں رہے، تملق و چاپلوسی کا ہنر نہیں جانتے تھے، اراکین مدرسہ سے کنارہ کش، پر کیسہ وکشادہ دست، اپنی دنیا میں خوش رہنا آپ کا امتیاز تھا۔

اخیر دنوں میں پروسٹیٹ کی شکایت ہوئی، پی، جی، آئی لکھنؤ میں علاج شروع ہوا، انفیکشن ہوتا رہا، تاحیات ڈاکٹر نے دوا لینے کی صلاح دی، بظاہر روبصحت تھے، کہ اچانک ۱۷ رمارچ ۲۰۱۷ء بعد نماز جمعہ تقریباً ۲ ربجے قضا وقدر پر عالمانہ اور مومنانہ گفتگو کرتے ہوئے مالک حقیقی سے جاملے، دوسرے دن جم غفیر کی موجودگی میں بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب رحمانی کی امامت میں صلاۃ جنازہ ادا کی گئی، اللہم اغفرلہ وارحمہ۔

مولانا منطق، فلسفہ اور علم نحو میں ید طولی رکھتے تھے، اور فن کی زیادہ تر کتابیں آپ سے متعلق رہتی تھیں، اخیر عمر میں تفسیر وحدیث کی طرف میلان خاطر ہوا، بڑے انہماک کے ساتھ صحیحین کا درس دیتے تھے، فنی کتابوں کی ضروری عبارتیں از بر تھیں، گفتگو میں بھی منطق وفلسفہ کے اصول سے استدلال فرماتے، واکابر سے ملنے کا شوق رکھتے، دہلی کے اردو کانفرنس میں مولانا آزاد کو دیکھا اور سنا، اساتذہ کی مجلسوں میں مولانا آزاد کے جملے نقل فرماتے، مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ سے ان کی آفس میں ملے، سیوہارویؒ کی باتیں بھی بڑے ذوق وشوق کے ساتھ سناتے، اقبال کی شاعری سے بیحد متاثر تھے، پوری پوری نظمیں نوک زبان پہ تھیں۔

کہتے ہیں لوگ ذوق جہاں سے گذر گیا
کیا خوب آدمی تھا، خدا مغفرت کرے

(صوت الاسلام ممبئی، ستمبر ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

مولانا خلیل الرحمن صاحب اعظمی عمری رحمہ اللہ، عمر آباد۔ تامل ناڈو

۱۹۳۵ء.....۲۰۱۷ء

مولانا عبدالوہاب جامعی

نام ونسب:

مولانا خلیل الرحمن اعظمی بن مولانا عبدالسبحان اعظمی بن شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان بن حاجی عبدالرحمن شہید، ڈومن پورہ، مئوناتھ بھنجن۔

ولادت وتعلیم:

آپ کی ولادت غالباً ۱۹۳۵ء میں مولانا عبدالسبحان اعظمی کے گھر عمر آباد میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ نو برس کے رہے ہوں گے کہ قرآن مجید ناظرہ مکمل، اور اردو اتنا پڑھا لکھا کہ ۱۹۴۴ء میں جامعہ دارالسلام میں داخلہ کے قابل ہو گئے۔

آپ کے دور طالب علمی سے متعلق آپ کے استاذ گرامی مولانا ابوالبیان حماد عمریؒ تحریر فرماتے ہیں ''میں نے دور طالب علمی سے اعظمی خانوادے کو فرض شناسی، احساس ذمہ داری، اصول پسندی اور وقت کی پابندی میں ممتاز پایا۔ یہ خاندانی خوبی مولانا خلیل الرحمن میں بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ طالب علمی کے زمانے میں بھی وہ ان صفات کے حامل تھے اور فراغت کے بعد جب استاذ جامعہ مقرر ہوئے اس وقت سے لے کر اخیر تک یہ خصوصیات نمایاں دیکھی گئیں'' آپ نے جامعہ دارالسلام میں تقریباً نو سال تک تعلیم حاصل کی اور ۵۳۔۱۹۵۲ء میں فارغ ہوئے۔

آپ کے اساتذہ:

آپ کے دادا شیخ الحدیث مولانا نعمان اعظمی، آپ کے والد مولانا عبدالسبحان اعظمی، مولانا غضنفر حسین شاکر نائطی، مولانا عبدالواجد عمری رحمانی، مولانا حافظ عبیداللہ صاحبؒ اور مولانا ابوالبیان حماد عمری حفظہ اللہ کے آگے آپ نے زانوے تلمذ تہہ کیا تھا۔

جامعہ دارالسلام میں تدریسی خدمات:

فراغت کے بعد آپ کو اپنی مادر علمی جامعہ دارالسلام ہی میں تدریسی خدمات پر مامور کیا گیا۔ اس ذمہ داری کو آپ نے امانت سمجھ کر اس کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ مبتدی سے لے کے منتہی طلباء کو آپ نے پڑھایا۔ ۳۵ برس تک مشکوۃ المصابیح کا اور اپنے والد محترم کے بعد ان کی جگہ ابوداؤد اور صحیح مسلم کا بھی درس دیا۔

آپ نے مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء کیا تھا۔ جامعہ دارالسلام میں یونیورسٹی کے اسٹاف میں شامل تھے۔ اس قبیل کے

امتحانوں کے ممتحن تھے، کچھ عرصہ بعد بورڈ کے چیرمین بھی ہو گئے تھے، اس ذمہ داری کو بھی آپ نے بحسن وخوبی نبھایا۔

جامعہ دارالسلام میں بحیثیت ناظم:

مولانا ابوالبیان حمادؔ حفظہ اللہ رقم طراز ہیں: جب مولانا ظہیر الدین اثری رحمانی عہدہ نظامت سے سبکدوش ہوئے تو ذمہ داران جامعہ نے اس عظیم منصب پر آپ کو فائز کیا۔ مولانا نے اپنی حسن خدمت سے اس منصب کا حق ادا کر دیا بلکہ اس کے وقار میں اضافہ کر دیا' اپنے دور نظامت میں جامعہ کے نظم ونسق کو مثالی بنانے اور قانون کی بالادستی قائم کرنے میں بڑی محنت کی۔ خود بھی جامعہ کے قوانین کی حد درجہ پابندی کرتے اور اساتذہ، طلبہ رفقائے کار سے بھی اس کی امید رکھتے اس معاملے میں بسا اوقات سختی سے بھی کام لیتے تھے۔ جو وقتی طور پر ناگوار گزرتی تھی لیکن جامعہ کے مفاد کے لئے وہ کسی کی خوشی ناخوشی کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اس حوالے سے ان کے دور نظامت کو جامعہ کی تاریخ میں ایک روشن باب کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔

آپ کے چچا مولانا حافظ حفیظ الرحمن صاحب اعظمی عمری مدنی ناظم جامعہ دارالسلام آپ کے دور نظامت سے متعلق تحریر فرماتے ہیں'' جامعہ دارالسلام میں اساتذہ طلبہ ملک کے ہر گوشے سے تعلق رکھتے ہیں۔ سب کے مزاج، عادات واطوار اور اخلاق وکردار کو جاننا اوران کے ساتھ ایسا سلوک اور معاملہ کرنا کہ ہر ایک مطمئن ہو یہ کوئی آسان کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شخصیت کو کچھ ایسا رعب دار بنایا تھا کہ اشاروں ہی اشاروں میں بہت سارے کام انجام پذیر ہو جاتے۔ آپ کا وجود دلوں پر حکمران ہوتا''۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:'' لکھنے بیٹھیں گے تو یہی شہادت ہر ایک کی زبان پر ہوگی جیسے آپ کی ساری خوبیاں حسن انتظام وانصرام ہی کے دائرے میں سمٹ کر رہ گئی ہوں، سالوں کا مشاہدہ وتجربہ ہے کہ جو خوبی حد سے زیادہ نمایاں ہو جاتی تو وہی سب پر چھائی رہتی ہے اور بقیہ ہزاروں اوصاف وکمالات اس کے نیچے دبے رہ جاتے ہیں۔ یا اس میں سمو دیے جاتے ہیں''۔

نظامت کی جو ذمہ داری آپ پر ۱۹۸۲ء میں ڈالی گئی تھی ۲۰۱۳ء تک نبھاتے رہے۔ ازیں قبل ۱۹۷۶ء تا ۱۹۸۲ء نائب ناظم کی حیثیت سے جو خدمات انجام دیں وہ الگ سے تھیں۔ یوں آپ کی حیات کے ساٹھ سال جامعہ دارالسلام کی تدریسی وتنظیمی خدمات میں لگ گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ان تمام خدمات کو آپ کے لئے صدقہ جاریہ فرمائے۔ آمین

جماعتی خدمات:

آپ کی دینی خدمات صرف جامعہ دارالسلام عمرآباد تک محدود نہیں تھیں، بلکہ اپنے استاذ مولانا عبدالواجد رحمانی کے بعد پیارم پیٹ کی روڈ مسجد میں ۱۹۸۹ء تا ۲۰۰۶ء تقریباً سولہ سترہ سال خطبہ جمعہ دیتے ہوئے منبر ومحراب کو زینت بخشی۔

مولانا ثناء اللہ عمری ایم اے عثمانیہ حفظہ اللہ نے ۱۹۸۶ء میں صوبائی جمعیت اہلحدیث آندھرا پردیش کے اجلاس ''ایلور'' میں شرکت وخطاب کی دعوت دی تو حاضر ہوئے اور خطاب فرمایا۔

راقم الحروف نے دو روزہ آل کرناٹک یوتھ سلفی کانفرنس چترادرگہ (کرناٹک) جنوبی ہند اہل حدیث کانفرنس ہسور (تامل

ناڈو) دوروزہ اجلاس عام صوبائی جمعیت اہل حدیث ہاسپیٹ (کرناٹک) دوروزہ اجلاس عام 'سری نواس پور' (کرناٹک) میں شرکت وخطاب کی دعوت دی تو شریک ہوئے اور سامعین کو اتباع سنت 'حجیت حدیث' محاسن اسلام' تربیت اولاد جیسے عناوین پر بصیرت افروز خطاب فرماتے۔ بوقت رخصتی مصارف سفر پیش کرنے پر شکریہ کے ساتھ قبول کرنے سے انکار فرمایا اور گویا ہوئے ''دین کی راہ میں ناچیز اتنے اخراجات تو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ یہ سب پیش کر کے ہمیں شرمندہ نہ کیجئے، کہیں اس پر عنداللہ ہمارا مواخذہ نہ ہو جائے''۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی جانب سے ''آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ'' (جھارکھنڈ) میں شرکت وخطاب کی دعوت ملی تو جماعتی محبت میں دور دراز کا یہ سفر بھی طے کیا اور اجلاس کے تینوں دن شرکت فرمائی اور خطاب بھی کیا۔

راقم کی مولانا سے مراسلت:

راقم نے مولانا ممدوح کے نام مولانا عبدالشکور صاحب رحمانی سری، مولانا حافظ عبدالوہاب صاحب کرنولی، مولانا عبدالحمید کنچوری، ہسکوٹہ وغیرہ کی متعلق خطوط روانہ کیے تاکہ جامعہ دارالسلام کے ریکارڈ سے معلومات حاصل کی جائیں۔ ادھر سے میرا خط آپ کے نام پہنچا فوراً جواب روانہ فرمادیا۔ جس میں تمام تفصیلات درج ہوتیں۔ اور آپ نے میرے کام کی تحسین بھی فرمائی تھی۔ گویا خطوط کے جواب دینے کو آپ اپنے اوپر فرض سمجھتے تھے۔

مولانا موصوف نے راقم کو اپنے دو صاحبزادوں محمد اسحاق صاحب اعظمی اور دکتور محمد الیاس اعظمی کی خانہ آبادی میں یاد فرمایا تو یہ راقم نکاح میں شریک رہا۔ اور مبارکبادی پیش کی تو بااصرار کہا کہ ولیمہ میں بھی شریک رہوں' آپ کی محبت وعنایت کو دیکھتے ہوئے ولیمہ میں بھی حاضر رہا۔

اوصاف واخلاق:

عبادت گزاری، اطاعت شعاری اور مستقل مزاجی آپ کو وراثت میں ملی تھی نماز دعا اور وظائف کے وہ بہت پابند تھے۔ عام طور پر مسجد میں پہلے آنے والوں میں اور اخیر میں مسجد سے جانے والوں میں ہوتے۔ اپنے والد محترم کی طرح امام کے بالکل پیچھے تکبیر تحریمہ سے شریک جماعت ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ۱۹۹۰ء میں فریضہ حج کی ادائیگی کا موقع بھی نصیب فرمایا تھا۔

آپ کے لائق وفائق فرزند ڈاکٹر محمد الیاس صاحب مدنی تحریر فرماتے ہیں ''مولانا خانہ نشین ہو جانے کے بعد جامعہ کے طلبہ ملاقاتیوں سے ملتے بولتے تھے ''پوتا'' پوتی کو کچھ پڑھاتے سکھاتے تھے۔ اوقات نماز سے بہت پہلے وضو فرماتے اور دیر تک اذکار اور دعاؤں میں مشغول رہتے ان معمولات میں حتی الوسع خلل نہیں ہوتا تھا''۔

مولانا حافظ حفیظ الرحمن صاحب عمری مدنی رقم طراز ہیں ''آپ کے اوصاف حمیدہ میں سب سے نمایاں آپ کا جذبہ خدمت تھا جس سے سارا زمانہ واقف تھا ایک اور وصف جس کی گواہی سارے اہل خانہ وخاندان دیں گے وہ آپ کی صلہ رحمی

تھی۔رشتوں کو جوڑ کر رکھنا ہر ایک کے ساتھ اس کے شایان شان معاملہ کرنا، بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت کریں۔

مزاج قانونی تھا۔ دماغ قوانین وفرامین وضع کرنے میں سرگرداں رہتا تھا۔ دل بہر حال دل تھا۔ سنگ وخشت نہیں۔ المناک واقعات اور رنج وغم کے حادثات میں پسیج جاتا۔

نکاح واولاد:

۱۹۵۷ء میں آپ نے شہر آمبور میں ''جلال'' خاندان میں نکاح فرمایا۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین لڑکے اور دو لڑکیاں عنایت فرمائیں۔

لڑکے: (۱) محمد ابراہیم صاحب اعظمی تاجر ہیں۔ (۲) محمد اسحاق صاحب ایم ایس سی مملکت سعودیہ عربیہ میں ملازمت کرتے ہیں۔ (۳) دکتور محمد الیاس اعظمی جامعہ دارالسلام عمرآباد میں تدریسی خدمت پر مامور ہیں۔ رہی لڑکیاں ایک مدراس میں اور دوسری وانمباڑی میں رہتی ہیں۔

مصائب پر صبر اور وفات:

۲۰۱۴ء کو جمعہ کے دن غسل کیا، جانے سے کیسے بیٹھے کہ کرسی الٹ گئی مولانا گر پڑے اور کولھے کی ہڈی ٹوٹ گئی اس طرح مدتوں صاحب فراش ہو کر رہ گئے۔

۳۰ ستمبر ۲۰۱۶ء کو آپ کے بھائی مولانا عبیدالرحمن اعظمی سفر آخرت پر روانہ ہو گئے، اس سانحے کے صرف ساڑھے تین ماہ بعد ۱۴ر جنوری ۲۰۱۷ء کو رفیقہ حیات ساٹھ سالہ رفاقت کے بعد دائمی مفارقت کا داغ دے گئیں، ان تمام مصائب پر آپ نے صبر سے کام لیا۔ آخر بروز اتوار ۲۹ر رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ موافق ۲۵ر جون ۲۰۱۷ء کی صبح قوم وملت کے اس بے لوث خادم نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ بعد نماز مغرب جامعہ دارالسلام کی مسجد میں ادا کی گئی، مولانا کے فرزند دکتور محمد الیاس صاحب اعظمی نے امامت فرمائی۔ تدفین عمرآباد وگڑھ آمبور کے درمیان واقع قبرستان میں ہوئی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ۔ (آمین)

ماخوذ از: (تاریخ اہل حدیث جنوبی ہند کے درخشاں پہلو ص ۴۱۷)

❑❑❑

قدیم وشہیر ادارہ جامعہ دارالسلام کے سابق مہتمم مولانا خلیل الرحمن صاحب کا سانحۂ ارتحال

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی

دہلی ۲۵ رجون ۲۰۱۷ء: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم عمومی مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی کے جاری کردہ پریس ریلیز کے مطابق علم وعمل کا ماہتاب تعلیم وتربیت کا آفتاب خانوادہ فیض یافتگان مدرسہ میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلویؒ اور مرکز علم وفن مئو کے سپوت اور چشم وچراغ معروف اور عالمی شہرت یافتہ سلفی ادارہ جامعہ عمر آباد دارالسلام کے سابق مہتمم وناظم اور جماعت اہل حدیث کی مخلص اور عظیم شخصیت محترم مولانا خلیل الرحمن ابن مولانا عبدالسبحان بن مولانا محمد نعمان اعظمی کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا عبدالعلیم عمری ناظم اعلیٰ صوبائی جمعیت اہل حدیث تمل ناڈو اور پانڈیچیری کی سرسری اطلاع کے مطابق آج مورخہ ۲۵ رجون ۲۰۱۷ء کو دس بجے دن میں بنگلور میں سانحہ ارتحال پیش آگیا جہاں ان کو علاج کے لئے لے جایا گیا تھا۔ آج شام بعد نماز مغرب ان کی تدفین عمر آباد میں عمل میں آئی۔ ان کی عمر تقریباً نوے سال تھی۔

آپ کا آبائی وطن مئو ناتھ بھنجن کا وہ مردم خیز شہر ہے جس میں قوم وملت اور جماعت اہل حدیث کی عظیم شخصیات پیدا ہوئی ہیں اور اپنے علوم وفنون خصوصاً علوم کتاب وسنت سے ایک عالم کو فیض یاب کیا۔ آپ کے والد محترم پچھلی نسل کے عظیم معلم ومربی تھے تو آپ کے دادا مولانا محمد نعمان اعظمی دبستان ولی اللہی کے حقیقی جانشین میاں سید نذیر حسین دہلوی کے ارشد واعظم تلامذہ میں سے تھے۔ آپ کے پانچوں برادران ذی علم وذی وقار رہے ہیں خصوصاً محترم جناب مولانا شیخ انیس الرحمن اعظمی ادیب اریب اور معلم شہیر اور مربی عظیم استاد الاساتذہ حفظہم اللہ یگانہ روزگار ہستیوں میں سے ایک ہیں اور یوں آپ کا خانوادہ ایں خانہ ہمہ چراغ است کے مصداق ہے۔ آج اسی خانوادہ کا ایک عظیم ترین چراغ بجھ گیا۔ ایک عظیم خلا چھوڑ گیا اور کتنوں کو سوگوار واشکبار کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، **اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وانزل علیہ شآبیب رحمتک۔**

ناظم عمومی مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے کہا کہ حضرۃ العلام اعظمی صاحب کی جائے پیدائش عمر آباد تاملناڈو ہے۔ تعلیم وتربیت دارالسلام عمر آباد میں ہوئی اور وہیں کے ہوکر رہ گئے وہاں زمانہ دراز تک درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا۔ مدتوں اس کے ناظم ومہتمم رہے آپ کے بے شمار تلامذہ ہیں جو عرب وعجم میں اپنے علمی ودعوتی فیوض سے عالم کو مستفید فرمارہے ہیں جو آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔ عصر حاضر کے عظیم مربی وادیب ومعلم شیخ انیس الرحمن اعظمی حفظہ اللہ استاذ الاساتذہ کے استاذ اور بڑے بھائی ہیں۔ جمعیت اہل حدیث سے بے حد محبت وعقیدت تھی اور مسلک اہل حدیث کے مناد تھے۔ مدتوں وانم باڑی اور پرنام بٹ کی جمعیت اہل حدیث کے امیر رہے۔ ہر ملاقات میں جمعیت سے ایسی وابستگی اور جماعت سے ہمدردی کا اظہار فرماتے کہ دامن دل آپ کی طرف کھینچتا چلا جاتا اور اس کی لذت واپنائیت تادیر محسوس ہوتی رہتی خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

مولانا مرحوم نے لاکھوں سوگوار چھوڑے ہیں ان میں ان کی دو صاحبزادیاں اور تین صاحب زادے خصوصاً مولانا ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی آپ کے حقیقی جانشین ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل اور جماعت وجمعیت کو نعم البدل عطا کرے۔ جو مشکل ہے مگر۔ ولیس علی اللہ بعزیز۔ (جریدہ ترجمان جون ۲۰۱۷ء) ❑❑❑

مولانا اسداللہ فیضی سدھارتھ نگر

حیات وخدمات کے نمایاں اوراق

وفات اگست ۲۰۱۷ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

شمالی ہندوستان کا ایک مشہور علاقہ ضلع بستی حال سدھارتھ نگر ہے جو جماعت اہل حدیث کا مرکز مانا جاتا ہے۔ کسی زمانہ میں یہاں جماعت مجاہدین اوران کے قافلے بھی اترا کرتے تھے۔ علماء اجلاء کی آمدورفت سے یہ خطہ ہمیشہ سرشار رہا ہے۔ اس پر مزید یہ کہ بڑے بڑے رحمانی وغیر رحمانی علماء کے مسکن ہونے کا بھی اسے شرف حاصل ہے۔ مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا عبدالغفور بسکوہری، مولانا محمد زماں رحمانی، مولانا عبدالقیوم رحمانی اوران کے علاوہ سیکڑوں نام ہیں جو اس فہرست میں شامل ہیں۔ علماء اہل حدیث اور تاریخ اہل حدیث کے رمز شناس ایک عظیم مورخ حضرت مولانا عبدالحمید رحمانیؒ کا تعلق بھی اسی منطقہ اور خطے سے تھا۔ حسن اتفاق زیر قلم ہمارے مرحوم مولانا اسداللہ فیضی کو آپ کی علمی صحبت اور کلاس ساتھی اور اس مردم خیز خطہ سے ہونے کا شرف حاصل ہے اور ہمیشہ سے تادم آخر آپ نے رحمانی صاحب کا ہر محاذ پر ساتھ نبھایا ہے۔

مولانا اسداللہ فیضی ایک باکمال مدرس، کہنہ مشق عالم دین، اور جماعت اہل حدیث کے انتہائی سنجیدہ اور باوقار حوصلہ مند سپوت تھے۔ ۳۶ سالہ طویل عرصے پر آپ کی تدریسی خدمات محیط ہیں جماعت کے دعوتی مشن اور جمعیت اہل حدیث کے منہجی کاز سے آپ ہمیشہ مضبوطی سے وابستہ رہے۔ چھوٹا بڑا کوئی بھی اجلاس ہو آپ کی اس میں بے لوث شرکت رہا کرتی تھی۔ جماعتی اداروں کو تعاون اور آفت زدگان کی ریلیف اور مدد کا معاملہ ہو آپ نے ہمیشہ اپنے بل پر ترائی کے دیہات علاقوں سے بھاری رقمیں وصول کر ادا کیا ہے۔ مگر موت سے کس کو رستگاری ہے۔ ایک دن قضا آئی اور لے چلی ۱۴/اگست ۲۰۱۷ کو رب العالمین کی طرف سے بلاوا آ گیا اور یہ علمی ہستی بالآخر ہم سے رخصت پذیر ہوگئی۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون، اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وادخلہ الفردوس الاعلی۔**

ذیل میں آپ کی حیات وخدمات کے تعلق سے چند مفید اور علمی باتیں درج کی جارہی ہیں تاکہ تاریخ اہل حدیث میں آپ کی قربانیاں وخدمات ثبت رہیں۔ اور ہماری نسل تابناک ماضی کی روشنی میں اپنے سنہری مستقبل کو تلاش کر سکے۔

ملاحظہ: مورخہ ۱۰ ستمبر ۲۰۱۷ء بروز اتوار آپ کے آبائی گاؤں گھیراؤ جوت میں ایک تعزیتی نشست کا انعقاد آپ کے داماد عزیز القدر عبدالرحیم مونس فیضی نے کیا تھا جس میں علاقہ کے اجلاء علماء کی شرکت تھی اور مولانا کی خدمات کو سراہتے ہوئے تمام اہل علم نے خراج عقیدت پیش فرمایا تھا۔ اس مجلس میں شیخ الحدیث مولانا محمد ابراہیم رحمانی، مولانا عبدالمنان سلفی، مولانا عبدالرحیم امینی، مولانا

مطیع اللہ مدنی، مولانا غیاث الدین سلفی اور خاکسار عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی اور اس کے علاوہ بے شمار شعراء سالک بستوی وغیرہم شریک محفل تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین۔

نام ونسب: مولانا اسد اللہ فیضی بن احسان اللہ۔ آپ کا خاندان زراعت پیشہ ہے۔ والد صاحب کی تمناؤں سے آپ نے علم دین حاصل کیا اور عالم بنے، خاندان کے لوگ دینی جذبے کے حامل تھے اور جماعت اہل حدیث کے عقیدہ ومنہج پر گامزن تھے۔ موہانہ چوراہا نزد یوسف پور جہاں جماعت کا قدیم ادارہ دارالہدیٰ یوسف پور واقع ہے اس کے قریب ایک گاؤں گھیراؤ جوت ہے وہیں آباد تھے اور آج بھی یہی گاؤں اس خاندان کا مسکن وماویٰ ہے۔

تاریخ ولادت ومقام پیدائش: آپ ستمبر ۱۹۴۴ء کو مقام گھیراؤ جوت، پوسٹ شیوپتی نگر (نزد موہانہ چوراہا ودارالہدیٰ یوسف پور) سدھارتھ نگر پیدا ہوئے۔ اور یہیں آپ کی پرورش وپرداخت ہوئی۔

ابتدائی واعلیٰ تعلیم: (۱) ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی جو مکتبی نصاب تعلیم کے اعتبار سے بچوں کی درسگاہ تھی۔

(۲) عربی تعلیم کے حصول کے لئے علاقہ کے مشہور جماعتی ادارہ دارالہدیٰ یوسف پور گئے وہاں عربی کی ابتدائی درجات تک تعلیم مکمل کی۔

(۳) اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو گئے۔ اور وہیں سے ۱۹۶۱ء میں سند فراغت حاصل کی اس وقت آپ کی عمر ۱۷ سال کی تھی جیسا کہ تاریخ پیدائش سے واضح ہے۔

(۴) بعد میں فاضل ادب اور دینیات نیز ڈاکٹری وطبی کورس کی ڈگریاں بھی اچھے نمبرات سے حاصل کی تھیں۔

آپ کے مشہور اساتذہ: مولانا عبدالرحمن نحوی، شیخ الحدیث شمس الحق سلفی، مولانا عظیم اللہ مئوی، مفتی حبیب الرحمن مئوی، مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا محمد اسحاق مئوی رحمہم اللہ اجمعین۔

آپ کے مشہور تلامذہ: چونکہ آپ نے ۲۶ سال کی ایک طویل مدت تک جامعہ دارالہدی یوسف پور میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں اس لئے یہ بات متحقق ہے کہ آپ کے شاگردوں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہوگی۔ افادہ کے لئے چند مشاہیر کے نام درج ذیل ہیں۔

مولانا محمد ہاشم سلفی، مولانا اقبال فیضی، مولانا حمید اللہ یوسفی، مولانا عبدالصمد سلفی، مولانا عبدالرحمن یوسفی، مولانا شمس الدین فیضی، مولانا محمد فاروق نیپالی فیضی وغیرہم کثیر۔

خدمات اور کارنامے: (۱) فراغت کے بعد کانپور فیصل گنج مشہور مسجد اہل حدیث فتح پل میں امامت وخطابت کرتے رہے۔

(۲) ۱۹۸۰ء یا ۱۹۸۱ء کے آس پاس جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور میں تدریسی خدمات سے وابستہ ہوئے اور ۲۶ سالوں تک جامعہ سے منسلک رہے۔ ۲۰۰۷ء میں وہاں سے ریٹائرڈ ہوئے۔ اس دوران عربی اعلیٰ درجات کی کتابیں آپ کے زیر تدریس رہا کرتی تھی اور سیکڑوں طالبان علوم نبوت آپ سے فیض پاکر راہِ دعوت وتعلیم کے مسافر بنے اور ملت وجماعت کی خدمت کرنے کا انہیں شرف عظیم ملا۔ اللہ قبول فرمائے۔ آمین۔

(۳) آپ تدریس کے ساتھ ہمیشہ جماعت اہل حدیث کی علاقائی، ضلعی اور صوبائی مرکزی یونٹوں سے جڑے رہے۔ ہمیشہ جماعت ومنہج کی خدمت کرنا آپ کا شیوہ تھا۔ علاقے میں کوئی چھوٹا بڑا جلسہ ہو، جماعت کی میٹنگ ہو یا صوبائی ومرکزی کانفرنسیں ہوں آپ نے وہاں اپنی حاضری سے جماعت ومنہج کو استحکام بخشا، ہمیشہ میدان دعوت سے وابستہ رہے۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ، مئو، رام لیلا میدان دہلی اور اسی طرح رحمانی صاحب کی حیات پر منعقدہ عالمی سیمینار اوکھلا دہلی میں حاضر وشریک رہے۔

(۴) علاقے میں مستقل کہیں نہ کہیں خطبات جمعہ کے لئے ضرور سفر کیا کرتے تھے اور اپنے علم وعمل سے گاؤں گاؤں حاضر ہوکر قال اللہ وقال الرسول کی صدائے دلنواز سے بندگانِ خدا کو جگایا کرتے تھے۔ خطبات جمعہ کی بڑی اہمیت ہے اور وہ بھی دیہات اور قریہ قریہ جاکر علاقوں میں جہاں آمدورفت کے وسائل نہ ہوں، بجلی وپنکھوں کا انتظام نہ ہو ایسے میں سفر کی کلفتوں کو جھیلنا اور خطبہ جمعہ کے لئے کسی دور دراز کے دیہاتی علاقے میں جانا بڑی قربانی کا کام ہے۔ یہ قربانی مولانا اسد اللہ فیضی کے حصے میں بھی بہت ہی تسلسل کے ساتھ دیکھنے میں آتی ہے۔ اللہ شرف قبولیت عطا فرمائے۔

(۵) جامعہ دار الہدیٰ یوسف پور سے تدریسی ذمہ داریوں سے ۲۰۰۷ء میں سبکدوش ہونے کے بعد آپ اپنے علاقے کے ایک مشہور گاؤں سپاٹو پور میں واقع ایک تعلیمی نسواں ادارہ جامعۃ الطیبات سے وابستہ ہوگئے اور وہاں صحیحین کا درس دیتے رہے جب تک صحت بحال تھی اس عظیم کام میں لگے رہے۔ بعد میں خرابی صحت کی وجہ سے اس سے علیحدہ ہونا پڑا اور ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق آرام کے لئے مجبور ہونا پڑا۔

(۶) خرابی صحت اور بڑھاپے کی کمزوری واضمحلال طبیعت کے باوجود بھی آپ تاحیات رواں دواں رہے۔ خدمت خلق کا جذبہ تھا وہ جاری رہا لوگوں کا علاج معالجہ کرتے رہے اور جماعتی مشن سے وابستہ رہے۔ ۲۰۱۵ء میں صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی کی طرف سے منعقد صوبائی کانفرنس لکھنؤ میں آپ بنفس نفیس شریک رہے۔ خاکسار سے وہیں ملاقات ہوئی۔ عزم جواں، حوصلے بلند اور لوگوں سے ملاقات کا جذبہ اس کی قدردانی ہونی چاہیے۔ قربانیاں اس کے بغیر نہیں دی جاسکتی ہیں۔ اور یہ ساری صفات مولانا میں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔

اہم ذمہ داریاں اور مناصب: (۱) جمعیت اہل حدیث حلقہ نوگڑھ کے برسوں امیر رہے۔

(۲) ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کے نائب امیر رہے۔

(۳) ٹیچر ایسوسی ایشن اتر پردیش کے رکن خاص تھے۔

(۴) مولانا عبدالحمید رحمانی صاحب کے عالمی ادارہ مرکز ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سینٹر دہلی کے رکن تھے اور ہمیشہ دامے درمے قدمے سخنے اس سے وابستہ رہے۔ رحمانی صاحب آپ کی بڑی قدردانی فرماتے تھے اور آپ بھی ہمیشہ ان کے مشن کے ساتھ کھڑے رہے۔

اہم رفقاء وزملاء درس: آپ کو جماعت کے اجلہ علماء کی رفاقت وہم سبق ساتھی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جن میں چند مشاہیر کے نام ذکر ہیں جو اس وقت فیض عام میں آپ کے ساتھ ہم عصر تھے۔

(مولانا عبدالحمید رحمانیؒ ،دہلی (۲) ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہریؒ ، بنارس (۳) مولانا صفی الرحمن مبارکپوریؒ ،صاحب الرحیق المختوم۔(۴) ڈاکٹر عبدالعلی ازہری،لندن وغیرہم۔

بیماری ووفات: برسوں سے شوگر اور بلڈ پریشر کا عارضہ لاحق تھا دواعلاج لیتے رہے اور زندگی رواں دواں رہی آخری وقت میں فالج کا اٹیک ہوا اور پھر اس سے جانبر نہ ہوسکے بالآخر ۱۴/اگست ۲۰۱۷ء بروز سوموار دوپہر ایک بجکر ۱۵منٹ پر روح قفص عنصری سے پرواز کرگئی۔ایک پرہجوم مجمع کے ساتھ نماز جنازہ شیخ الحدیث مولانا محمد ابراہیم رحمانی صاحب نے پڑھائی اور پرنم آنکھوں سے ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں سپرد خاک ہوئے۔اللھم اغفرلہ واسکنہ الفردوس۔آمین

پسماندگان: آپ کے پسماندگان میں ایک بیوہ (زوجہ باحیات) جو مولانا عبدالرحیم رحمہ اللہ، پرینا کی صاحبزادی ہیں۔ایک اکلوتا لڑکا شمیم احسن فیضی ہے جو کہ عالم دین ہیں اور برسرروزگار ہیں۔اور چھ لڑکیاں ہیں جو کہ جامعۃ الطیبات سے فارغ التحصیل اور شادی شدہ ہیں۔

آپ کے ایک داماد مولانا عبدالرحیم فیضی مونس ہیں جو آپ کی وفات کے بعد آپ کی خدمات وحیات کو اجاگر کرنے کے لئے کمربستہ ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کی محنتوں کو قبول فرمائے اور اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

(ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی ۲۰۱۷ء)

□□□

مولانا اسداللہ فیضی کی سوانح وخدمات کے لئے مطالعہ کریں

حیات فیضی

ترتیب:

عبدالرحیم مونس

آپ کے بعد کمی آپ کی ستاتی ہے

(بیاد فضیلۃ الشیخ مولانا اسد اللہ فیضی رحمہ اللہ)

تحریر: عبدالرحیم مونس فیضی

''جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں'' کے مصداق ایک چراغ سحر اور گل ہوگیا۔ سدھارتھ نگر کے ترائی علاقہ اور جماعت کی قدیم ترین درس گاہ جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور کے ایک عظیم المرتبت مربی و مدرس مولانا اسد اللہ فیضی ۱۴/اگست ۲۰۱۷ء بروز سوموار اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ یوسف پور مہانا کے قریب موضع گھیراؤ جوت کے رہنے والے تھے ۱۹۴۴ء آپ کا سن ولادت ہے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب سے شروع کی اس کے بعد عربی تعلیم جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور اور فیض عام مئو سے مکمل کی۔ جامعہ اسلامیہ فیض عام سے ۱۹۶۱ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اور کچھ برسوں تک کانپور فیصل گنج کی جامع مسجد اہل حدیث میں امام وخطیب رہے۔

غالباً ۱۹۸۱ء میں بغرض ملازمت وتدریس جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور سے منسلک ہوگئے اور کم وبیش ۲۶ سالوں تک تدریس وتعلیم کا دینی فریضہ انجام دیتے رہے۔ اور تشنگان علوم نبوت کو فیض پہنچاتے رہے۔ ۲۰۰۷ء میں ریٹائرڈ ہوئے اور اس کے بعد کچھ سالوں تک سپاٹو پور سدھارتھ نگر کے نسواں ادارہ جامعۃ الطیبات میں صحیحین پڑھاتے رہے۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے بالآخر وہاں سے مستعفی ہوگئے اور تاحیات جماعت وجمعیت اور دعوتی مشن سے جڑے رہے۔ آپ مولانا عبدالحمید رحمانی کے بے لوث ساتھیوں میں سے تھے۔ اسی تعلق کی بنیاد پر آپ رحمانی صاحب کے ادارہ مرکز ابوالکلام آزاد دہلی کے ممبر بھی رہے۔ علم وعمل اور تدریسی وتعلیمی خدمات نیز دعوتی وجماعتی نشاطات سے بھرپور ایک زندگی گزار کر رخصت ہوگئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ واسکنہ الفردوس۔** زیر نظر مضمون آپ کے داماد مولانا عبدالرحیم مونس سدھارتھ نگر کے قلمی احساسات ہیں جو بغرض افادہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ادارہ صوت الاسلام اور جامعہ رحمانیہ آپ کے غم میں برابر شریک ہے۔ (عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی)

صحت مند جسم، متوسط قد، گورا رنگ، کلی دار کرتا، علی گڑھی پائجامہ، صدری اور اونچی مدراسی ٹوپی، گفتار رفتار میں متانت وتحمل اور بردباری یہ ہے مولانا اسد اللہ فیضی رحمہ اللہ کا مختصر سا قلمی خاکہ۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی، یہاں سے سیدھے جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور میں وارد ہوئے۔ ان دنوں جامعہ میں حضرت مولانا عبدالاحد پرینا کی مسند درس بچھی ہوئی تھی۔ یہ سن ۱۹۵۸ء کی بات ہے دارالہدیٰ یوسف پور سے فیض عام مئو تشریف لے گئے، وہاں حضرت مولانا عبدالرحمن نحوی، شیخ الحدیث شمس الحق سلفی، شیخ الحدیث مولانا عظیم اللہ مئوی، مفتی حبیب الرحمن مئوی، مولانا

عبدالرحمن مبارکپوری، مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا محمد اسحاق مئوی رحمہم اللہ جیسے اساطین علم وفن سے کسب فیض کرتے ہوئے یہیں سے سن ۱۹۶۱ء میں فارغ التحصیل ہوئے اور نام کے آگے فیضی لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ آپ کے مقتدر ساتھیوں میں ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، مولانا صفی الرحمن مبارکپوریؒ، مولانا عبدالحمید رحمانیؒ اور ڈاکٹر عبدالعلی ازہری حفظہ اللہ جیسے نوابغ ہستیاں شامل ہیں۔

مولانا رحمہ اللہ کے تعلقات اپنے اساتذہ اور رفقائے درس کے ساتھ ہمیشہ خوشگوار اور استوار رہے اور علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ سے تو اس حد تک تعلق خاطر تھا کہ آپ مرکز ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر کے ممبر بھی رہے۔

مولانا فیضی رحمہ اللہ کم سخن، خوش گفتار، خوش پوش، راست گو اور عالمانہ وضع قطع کے حامل انسان تھے۔ مسلکی غیرت اور جماعت وجمعیت سے والہانہ تعلق آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ جمعیت اہل حدیث حلقہ نوگڑھ کی امارت مولانا رحمت اللہ اثریؒ کی وفات کے بعد آپ کے نام مختص رہی۔ ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کی مجالس ونشاطات میں ہمیشہ آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مرکزی جمعیت کے حسب ارشاد جب بھی ضلع کے پیمانہ پر ریلیف فنڈ کی فراہمی کی بات آئی تو آپ ہمیشہ پیش پیش رہے۔

جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور میں ایک عرصہ دراز تک منصب درس وتدریس پر پوری ایمانداری کے ساتھ فائز رہے اور یہیں سے باوقار طریقے سے ۲۰۰۷ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ حالیہ پرنسپل مولانا عبدالعزیز اثری نے فرمایا کہ مولانا مرحوم جامعہ ہمیشہ وقت سے آتے بلکہ اکثر قبل از وقت تشریف لاتے اور پوری تندہی کے ساتھ کلاسوں میں پہنچتے، اساتذہ کیلئے نمونہ تھے۔

غالباً کانپور کے فیصل گنج جامع مسجد اہل حدیث سے ملازمت کا آغاز ہوا، خطبات جمعہ اور دعوتی سرگرمیاں شروع ہوئیں، جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور سے ریٹائرڈمنٹ کے بعد جامعۃ الطیبات سپاٹو پور میں بچیوں کو صحیحین پڑھاتے رہے۔ بعد میں خرابی صحت کی وجہ سے مستعفی ہوگئے اور مستقل طور پر گھر ہی رہنے لگے۔

جامعہ سے بغرض حصول تعاون مدراس، حیدرآباد اور بنگلور کے اسفار کا سلسلہ دورانِ ملازمت جاری رہا نیز ان تینوں شہروں میں آپ کے قدردانوں اور خیر خواہوں کی ایک لمبی تعداد آج بھی موجود ہے۔ مولانا کے سفر کے ساتھیوں میں بطور خاص مولانا عبدالرحیم امینیؔ اور مولانا ذبیح اللہ ندوی، مولانا حمیدالدین یوسفیؔ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ امینی صاحب کا نام آپ بڑے احترام کے ساتھ لیتے تھے۔ مولانا امینیؔ صاحب نے بتایا کہ فیضیؔ صاحب جیسا وضع دار انسان اور خوش خلق میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔

مولانا فیضی رحمہ اللہ کا خطاب انتہائی مربوط، دلکش اور کتاب وسنت سے آراستہ ہوا کرتا تھا۔ خطبات جمعہ علاقے کی بڑی مساجد میں تاحیات دیتے رہے۔ موہانہ چوراہا کی قدیم مسجد حفیظیہ کا منبر ومحراب آپ کی توجہات کا خاص مرکز تھا۔ یکے بعد دیگرے کئی بیماریوں نے آپ کی صحت پر برا اثر ڈالا اور پھر آہستہ آہستہ آپ کمزور ہوتے چلے گئے پھر بھی مردانہ وار اور مومنانہ صبر وتحمل سے آپ ان سے لڑتے رہے۔ جماعتی پروگراموں میں آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہا۔ دور دراز کے سفر سے بھی ان حالات کے باوجود آپ نہیں گھبراتے، لیکن کب تک بالآخر وہ شمع جو ۱۹۴۴ء میں موضع گھیراؤ جوت، موہانا، سدھارتھ نگر میں روشن ہوئی تھی ۷۲ سالوں تک جلنے کے بعد ۱۴؍اگست ۲۰۱۷ء بروز سوموار بوقت ۱؍بج کر ۱۵ منٹ پر بجھ گئی۔ انا للہ وان الیہ راجعون۔

مولانا کے اکلوتے لڑکے مولوی شمیم احسن فیضی کی قطر سے واپسی کو دیکھتے ہوئے دوسرے دن ۱۵؍اگست کو ۱ بج کر ۵۰ منٹ پر ایک جم غفیر عوام وخواص، علماء اور طلباء کی موجودگی میں شیخ الحدیث مولانا محمد ابراہیم مدنی رحمانی صاحب کی امامت میں نماز جنازہ

ادا کی گئی۔نم آنکھوں اورلرزتے ہاتھوں سے تجہیز وتکفین کا عمل پورا کیا گیا۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ۔۔۔۔۔۔۔

آپ کے بعد کمی آپ کی ستاتی ہے
آپ کی یاد ہمیں بار بار آتی ہے

آپ کے پسماندگان میں اہلیہ، ایک لڑکا شمیم احسن فیضی، چھ بچیاں، جمیلہ طیباتی، رئیسہ، انیسہ طیباتی، شاہدہ طیباتی، یاسمین طیباتی، شاہین طیباتی نیز پورے پوتیاں اورنواسے شامل ہیں۔مولانا محمد حسن فیضی استاذ دارالہدیٰ یوسف پور نے مولانا رحمہ اللہ کے حرم مکی کی اس دعا کا ذکر کیا جو فیضی رحمہ اللہ نے بطور خاص مانگی تھی کہ مولائے کریم جب تک میں بچیوں کی شادی سے فارغ نہ ہوجاؤں مجھے زندہ رکھنا اوراس عظیم ذمہ داری کی راہیں آسان فرمانا، حرم مکی کی دعا مقبول ہوئی اور الحمدللہ بچے اور بچیوں کی شادیوں سے آپ بہت پہلے بحسن وخوبی فارغ ہوچکے تھے۔آپ کا اہل خانہ زیور تعلیم سے آراستہ ہے۔ بچیاں جامعات الطیبات سے فارغ التحصیل ہیں نیز نسواں درسگاہوں میں درس وتدریس اور کتاب وسنت کا پیغام کئی برسوں تک دیتی رہی ہیں جو مولانا رحمہ اللہ کے خوابوں کی تعبیر اور توشہ ہائے آخرت ہیں۔ جاتے جاتے مولانا کے زبان سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دیتی رہی اور دیکھتے دیکھتے ہمیشہ کے لئے آنکھ بند کرلئے اور اہل نظر سے یہ کہہ گئے کہ ؎

تم بلاؤ گے ہم نہ بولیں گے
آج کے بعد لب نہ کھولیں گے

دعاء ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی بشری لغزشوں کو معاف فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں شادکام فرمائے، آمین ؎

آہٹ بھی نہ محسوس ہوئی ختم سفر تک
یہ عمرِ رواں کتنے دبے پاؤں چلی ہے

راقم آثم کو دامادی کا شرف حاصل ہے۔مولانا کے حوالے سے یادوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔مجلات کی پالیسیاں اور صفحات کی تنگ دامانیاں مطمح نظر ہیں، کیا لکھوں اور کیا نظر انداز کروں سمجھ میں نہیں آتا، دعا ہی بہتر خراج عقیدت ہے اس لئے میرے مولیٰ ؎

ہے دعائے غم زدہ بندے کی نگرانی رہے
حشر کے جملہ مراحل میں بھی آسانی رہے
حکم سے حاضر ہے بندہ اب ترا تیرے حضور
جنت الفردوس میں تیری نگہبانی رہے۔

آمین ثم آمین

غمزدہ

عبدالرحیم مونس فیضی، سدھارتھ نگر

❑❑❑

رحمانی علماء کی آخری کڑی حضرت مولانا ظہیر الدین رحمانی اثریؒ

وفات اگست ۲۰۱۷ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

بڑے ہی رنج وغم کے ساتھ یہ اطلاع دی جارہی ہے کہ عالم عرب وعجم کی ایک معروف علمی شخصیت اور رحمانی علماء کے سلسلے کی آخری کڑی حضرت مولانا ظہیر الدین رحمانی اثری سابق شیخ الحدیث جامعہ دارالسلام عمرآباد، عمر کی ۹۷ بہاریں مکمل کر کے ۱۴/اگست ۲۰۱۷ء بروز سوموار اللہ کو پیارے ہوگئے۔(اللھم اغفر لہ وارحمہ واسکنہ فسیح جناتہ، آمین)۔

آپ کا آبائی وطن ''حسین آباد'' مبارکپور ہے مگر عمر عزیز کا ایک طویل عرصہ ۱۹۴۹ء سے لیکر تا حال ۲۰۱۷ء جنوبی ہندوستان میں علم حدیث کی خدمت اور منہج سلف کی نشر واشاعت میں لگادی۔ ابتدائی تعلیم والدہ ماجدہ سے شروع کی اور دارالتعلیم مبارکپور میں ثانویہ کے بعد مدرسہ فیض عام مئو میں چھٹی تک کی تعلیم حاصل کی۔ کچھ دنوں تک دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر تعلیم حاصل کرتے رہے مگر والد محترم نے وہاں سے واپس بلا کر دارالحدیث رحمانیہ دہلی حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی مبارک پوری کے پاس روانہ کردیا۔ چھٹی جماعت میں داخلہ ہوا، تین سال تک رحمانیہ دہلی کی پرکیف علمی فضاؤں میں اساطین علم وادب کی شاگردی میں رہے ۱۹۴۰ء میں وہاں سے فراغت حاصل کی اور سند فضیلت سے نوازے گئے بعد میں دوران تدریس ای وی یونیورسٹی ترویتی میں منشی فاضل کے امتحانات بھی امتیازی نمبرات سے پاس کئے۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب تحفہ شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری، استاذ الاساتذہ مولانا احمد اللہ محدث پرتاپ گڈھی، مولانا عبدالصمد حسین آبادی۔ مولانا نذیر احمد املوی اور مولانا شکر اللہ بانی مدرسہ احیا العلوم، مولانا احمد صاحب مئو، مولانا عبداللہ شائق مئو، مولانا عبدالرحمٰن نحوی، مولانا عبدالجلیل رحمانی بستوی، مولانا اصحاب الدین وغیرہم جیسے مشاہیر علماء وفضلاء تھے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے فراغت کے بعد چند سالوں تک دارالتعلیم مبارکپور اور مدرسہ قاسم العلوم آگرہ وغیرہ میں تدریسی فریضہ انجام دینے کے بعد ۱۹۴۹ء میں ہندوستان کی عظیم سلفی درسگاہ جامعہ محمدیہ رائیدرگ چلے گئے وہاں کئی سالوں تک خدمات انجام دی اور وہیں شادی کی اور پھر ۱۹۵۸ء میں احباب کے مشورے اور جامعہ دارالسلام کے ذمہ داران کی فرمائش پر جنوبی ہند کی اس عظیم درسگاہ سے منسلک ہوگئے۔ اور پوری عمر علم حدیث اور تدریس حدیث میں گزار دی وہاں کے برسوں شیخ الحدیث رہے۔ آپ کی تدریسی زندگی کا اگر حساب لگایا جائے تو کم وبیش ۷۷ سال پر مشتمل ایک طویل تدریسی ودعوتی زندگی طے کرتے ہوئے ہزاروں طلباء کو فیض پہنچا کر دار فانی سے رخصت ہوگئے۔ چونکہ شیخ محترم بیک واسطہ

علامہ سید نذیر محدث دہلوی سے کتب احادیث بالخصوص صحیح مسلم کی روایت کے لئے مجاز تھے اور آپ کو اس کی عالی سند کے حصول کا شرف حاصل تھا اس لئے پوری دنیا سے اہل علم اور متلاشیانِ علم حدیث نے آپ سے اس سند عالی اور اجازۂ حدیث کو لینے کے لئے آپ کی شاگردی اختیار کی۔ بالخصوص مسجد نبوی کے امام شیخ عبدالمحسن قاسم اور ان کے دیگر عرب ساتھیوں نے آپ کو مدینہ منورہ بلا کر دس دنوں تک مسلسل صحیح مسلم پڑھ کر سند اجازہ حاصل کیا۔ اور آپ کو امام موصوف نے علم کا بادشاہ جیسے عظیم لقب سے یاد کیا۔ آپ سے سند اجازہ لینے والے اساتذہ میں شیخ محمد اعظمی پروفیسر مدینہ یونیورسٹی، شیخ صالح العصیمی ممبر کبار علماء کمیٹی سعودیہ عربیہ، شیخ السدیس امام حرم مکی اور دیگر مشاہیر علم وفن ہیں جنوبی ہندوستان میں مسلک سلف اور منہج اہل حدیث کی بے باک ترجمانی اور دعوت اہل حدیث کے فروغ میں آپ کا بڑا سنہرا کردار ہے۔ اللہ شرف قبولیت عطا فرمائے۔

مراجع: (۱) مولانا ظہیر الدین رحمانی کی کہانی خود مولانی کی زبانی۔ مرتب: عبداللہ نادر.....
(۲) تراجم علمائے اہل حدیث، خالد حنیف صدیقی ص ۳۴۹

❑❑❑

مجموعۂ مقالات حیات وخدمات
مولانا ظہیر الدین اثری رحمہ اللہ
ترتیب:
محمد رفیع کلوری عمری
صفحات: ۱۴۴
ناشر: ادارہ تحقیقات اسلامی عمر آباد تامل ناڈو
ضرور پڑھیں

شیخ الحدیث مولانا ظہیر الدین اثری رحمانی رحمہ اللہ سے ایک اہم انٹرویو

مولانا یار محمد سلفی دہلی

آزادی ہند سے تقریباً نصف صدی قبل مبارک پور کی مردم خیز سرزمین پر علم کا ایک چراغ روشن ہوا تھا۔ جو آزادی کے ۷۱ برس کے بعد یوم آزادی کے ایک روز پہلے ۱۴/اگست ۲۰۱۷ء بعد صلاۃ مغرب گل ہو گیا۔ مولانا ظہیر الدین رحمہ اللہ، علامہ عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری، شیخ احمد اللہ قریشی دہلوی، شیخ حسام الدین مئوی، علامہ نذیر احمد رحمانی املوی، شیخ الحدیث عبیداللہ مبارکپوری رحمہم اللہ اور دیگر بہت سے اہل علم حضرات سے بالخصوص علم حدیث حاصل کرنے کے بعد برصغیر ہندو پاک میں اجازۂ حدیث کی سند عالی کے ذریعہ دنیا کے بہت سے خطوں میں علم حدیث کی روشنی بکھیرنے کے بعد آخر وفات پا گئے۔ اجازۂ حدیث کے لئے عرب دنیا کے لئے بے شمار مشائخ وطلاب ان کے پاس تشریف لاتے رہے اور ان سے شرف تلمذ حاصل کرتے رہے، ان کے لئے مختلف عرب ممالک میں مسند حدیث کا اہتمام کرتے بھی بہت سے افراد نے ان سے علم سیکھا۔ بعض ائمہ حرمین نے بھی ان سے اجازۂ حدیث حاصل کی۔

مولانا ظہیر الدین بن عبدالسبحان مبارکپوری رحمہ اللہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے فارغ التحصیل فضلاء کی آخری نشانیوں میں سے تھے۔ دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے انہوں سے آزادی ہند سے سات سال قبل ہی فراغت حاصل کر لی تھی۔ وہ بڑے نیک طبیعت انسان اور متواضع ومنکسر المزاج عالم دین تھے۔ اپنی عمر کا بیشتر حصہ انہوں نے جامعہ دارالسلام عمر آباد حملناڈو میں گزار دیا اور دارالسلام کو چھوڑنے کے بعد بھی اسی علاقہ میں سکونت پذیر رہے۔

مولانا ظہیر الدین رحمہ اللہ کا تعلق میرے والد گرامی مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی رحمہ اللہ اور ان کے خاص استاذ مولانا نذیر احمد رحمانی سے بہت گہرا رہا، املو کے مدرسہ دارالتعلیم میں وہ مدرس بھی رہے اور آزادی سے قبل دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں بھی انہوں نے مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ سے بھرپور استفادہ کیا۔ ماضی میں ابوالکلام آزاد اسلامک اویکنگ سینٹر، نئی دہلی، اس کے تعلیمی اداروں اور بالخصوص اس کے ترجمان ماہانہ ''التوعیہ'' سے وہ بڑی گہرائی کی حد تک وابستہ تھے۔

جامعہ دارالسلام عمرآباد میں ایک طویل عرصہ تک تدریس کا کام انجام دینے کے باوجود وہاں کی چند چیزوں سے مطمئن نہیں تھے اور خاص کر والد گرامی رحمہ اللہ علیہ کی دارالسلام سے متعلق خصوصی کاوشوں اور اس کے اصل خاکہ اور نشاۃ ثانیہ کی پوری ترتیب، اس کی پلاننگ اور اس کی عرب دنیا کے اسفار اور تعاون جمع کرنے کے بعد ان کے ساتھ دارالسلام کے ذمہ داران کے ناروا سلوک سے ان کو سخت تکلیف تھی، اور والد محترم رحمہ اللہ کی قدردانی کے اسباب میں ان کی تاریخ اہل الحدیث پر نظر اور گہرائی کی حد تک اس کا علم رکھنے کے علاوہ ایک سبب دارالسلام کی جانب سے ان کے ساتھ ناروا سلوک بھی تھا۔

اگست ۲۰۱۳ء میں والد گرامی کے وفات کے بعد ''بعنوان مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ-حیات و خدمات اور برصغیر میں اسلامی دعوت کی تاریخ'' جو عالمی سیمینار منعقد ہوا تھا اسی کی مناسبت سے مولانا ظہیر الدین صاحب رحمہ اللہ کے لئے بھی اس وقت ایک سوالنامہ تیار کیا گیا تھا تاکہ والد رحمہ اللہ کے متعلق ان کے تاثرات اور ان کی یادداشتیں قلم بند کی جاسکیں۔ لہٰذا حسب پروگرام سینٹر کے دعوت وتبلیغ کے ذمہ دار مولانا یار محمد سلفی حفظہ اللہ، مولانا ظہیر الدین مبارکپوری رحمہ اللہ کے پاس عمرآباد تشریف لے گئے اور مولانا رحمہ اللہ کا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ اس انٹرویو میں انہوں نے بذات خود اپنی زندگی کا ایک خاکہ پیش کیا تھا نیز جامعہ دارالسلام عمرآباد سے متعلق بھی چند یادداشتیں درج کرائیں تھیں اور والد رحمہ اللہ کے متعلق بھی چند حقائق کا تذکرہ کیا تھا۔ نیز عمرآباد سے ان کے تعلق کی حقیقت بھی بیان کی تھی۔ اس میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے متعلق بھی ان کے لگاؤ اور ہمدردی کا تذکرہ ہے۔ اور مولانا ابوالکلام رحمہ اللہ اور دیگر بہت سے علماء اہل حدیث کا ذکر خیر بھی۔

مولانا رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کے اس انٹرویو کو مضمون کی شکل میں ''التبیان'' میں ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ ابوالکلام اسلامک اویکنگ سینٹر کے تمام ذمہ داران، اساتذہ، طلباء اور تمام متعلقین مولانا ظہیر رحمہ اللہ کی وفات پر پسماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ رب العالمین ان کا حشر انبیاء، شہداء اور صلحاء کے ساتھ فرمائے اور ان شاگردوں اور ان کے ذریعہ حدیث کے مشن کو آگے بڑھانے والے افراد کو ان کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے، آمین۔ (محمد رحمانی)

.....

میں اتر پردیش کے معروف شہر مبارکپور سے متصل واضع موضوع حسین آباد میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ دارالتعلیم مبارکپور میں ہوئی، مولانا محمد احمد صاحب املوی و منشی ظہیر صاحبان حساب وجغرافیہ وغیرہ پڑھاتے تھے اور منشی اخلاق صاحب بھی کچھ کتابیں پڑھاتے تھے، یہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ڈرامائی طریقے سے مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن میں داخلہ ہوا جس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔

مدرسہ دار التعلیم کے پیچھے علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری کا مکان ہے، اس کی دوسری طرف روڈ تھا اس جانب سے ایک دوا خانہ تھا جس کا نام مفید عام تھا اور اندر سے پورا خالی رہتا تھا، اس میں مکان کا ایک حصہ مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری دار التصنیف کے طور پر استعمال کرتے تھے یعنی وہیں بیٹھ کر کتابیں تصنیف کرتے تھے، لکڑی کا ایک بڑا تخت ہوتا تھا اس پر چاروں طرف کتابیں رکھی ہوتی تھیں اور جب ہم نے انہیں دیکھا تو اس وقت وہ مکفوف البصر ہو چکے تھے۔ ان کے تعاون کے لئے مستقل دو آدمی تھے اور غیر مستقل طور پر کچھ مدت کے لئے مولانا محمد صاحب گوندلوی رحمہ اللہ علیہ پنجابی آیا کرتے تھے۔ مستقل طور پر مولانا عبید اللہ رحمانی تھے جن کو ان کی مدد و تعاون کے لئے شیخ عطاالرحمٰن صاحب نے بھیجا تھا، ان کی تنخواہ وہی دے رہے تھے اور دوسرے مولانا عبدالصمد صاحب تھے۔ (مولانا موصوف حسین آباد میں رہنے والے تھے جو مولانا صفی الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کے تایا اور میرے استاذ ہیں اور دور کے چچا بھی تھے) اور صورت یہ ہوتی تھی کہ ''تحفۃ الاحوذی'' تو انہوں نے مکمل لکھ لی تھی مگر اس کی اصل تصویب، کچھ گھٹانا بڑھانا، حک وناحک یعنی اس پر نظر ثانی باقی تھی تو یہ دونوں آپس میں طے کر کے کچھ صفحات لے لیتے تھے۔ مولانا عبدالصمد صاحب پڑھتے اس وقت اس پر مناقشہ ہوتا کہ اس میں یہ جملہ نکال دو وہ جملہ نکال دو یا فلاں کتاب کا حوالہ دیتے کہ وہ کتاب نکال کر دیکھو، اچھا وہ عبارت کاٹ دو، یہ عبارت یہاں سے لے لو اس طرح تحقیق و مراجعہ کے بعد وہ لکھتے تھے، اس کے بعد مولانا عبید اللہ صاحب ان کا جو حصہ ہوتا وہ پڑھتے تھے، اس وقت غور ہوتا اس میں حوالہ کیا ہے پھر فیصلہ ہوتا کہ نہیں یہ چھوڑ دو، اس کا حوالہ فلاں فلاں کتاب سے دو، مکمل چھان بین اور تحقیق کے بعد وہ لکھتے، اس طرح پوری تحفۃ الاحوذی تحقیق و مراجعہ کے بعد لکھی گئی، اس زمانہ میں ہم لوگ وہاں کھیلنے کے لئے آتے تھے، اس دور سے کئی تاریخی واقعات وابستہ ہیں، اسی زمانہ میں مراکش کے ایک بہت بڑے عالم دین جنہوں نے ہندوستان آکر پڑھائی کی اور بڑے مشہور ہوئے ''علامہ تقی الدین ہلالی'' وہ سنن ترمذی کے کچھ اسباق میں رہتے تھے، ان سے ملاقات ہوئی، دوسرے نجد سے ایک عالم آئے تھے، جن کا نام عبداللہ تھا، ان کی نسبت بھی ہے جو میں بھول رہا ہوں وہ مسجد میں رہتے تھے ان سے ملاقات ہوئی، وہ بھی مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ سے پڑھتے تھے۔

اس وقت ہم لوگ مدرسہ دار التعلیم میں پڑھتے تھے، ہم تین ساتھی تھے، کچھ ایسا ہوا کہ مولانا اصغر صاحب نے مدرسہ سے استعفیٰ دے دیا تو ہماری کتاب مولانا محمد صاحب کے پاس منتقل ہوگئی، ان کتابوں میں سے جو مولانا اصغر صاحب کے مستعفی ہونے کے بعد ان کے پاس منتقل کی گئی، ہدایۃ النحو بھی تھی، مولانا کی زبان میں لکنت تھی، ایک اچھے عالم تھے مگر سمجھا نہیں پاتے تھے یا ہم سمجھ نہیں پاتے تھے اس کی وجہ سے ہم لوگوں کی طبیعت ان کے پاس پڑھنے سے اچاٹ ہوگئی، سامنے مسجد ہے آتے ہی اس کی دیوار پر کھیلتے، گھنٹی بجتی تو گھر چلے جاتے اور ماں باپ سمجھتے کہ بیٹے پڑھ کر آئے ہیں، اسی طرح کئی دن ہو گئے تو ہماری شکایت مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے کی گئی، اس پر مولانا صاحب نے ہمیں بلایا، ساتھیوں میں میں ہی ذرا بیباک تھا حالانکہ عمر تو اس وقت بالکل کم تھی، زیادہ سے زیادہ آٹھ، نو سال کا رہا ہوں گا، میں نے اصل قصہ کہہ دیا کہ مولانا (اصغر صاحب) کی کتابیں یہاں آئیں اور مولوی صاحب بولتے ہیں تو ایسا بولتے ہیں، ہم نے ان کی نقل بھی اتار دی، اس لئے ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا، اس پر مولانا عبدالرحمٰن صاحب بولے اچھا وہ کتاب ہمارے پاس لاکر پڑھو تو میں اور ان کے ایک رشتہ دار تھے عبداللہ بستوی

جن کا انتقال ہو گیا ہے وہ رحمانیہ سے فارغ ہوئے تھے ہم دونوں وہاں پڑھنے جاتے۔

اس زمانے میں وہاں مولانا ابوالکلام آزاد آئے اور وہیں ٹھہرے، وہ کبھی کبھی آتے تھے، ہم لوگ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے پاس سبق پڑھنے جاتے تھے، مولانا ادھر کرسی پر بیٹھے ہوتے اور دوسری جانب ادھر ایک کرسی رکھ دی گئی تھی، اس پر مولانا آزاد آ کر بیٹھے، مولانا ہم کو سبق پڑھاتے اور سمجھاتے، مولانا آزاد کی آمد پر ہم جاتے اور ان سے سلام کرتے، ہم چھوٹے تھے یعنی ہم اس وقت اس عمر تک نہیں پہنچے تھے کہ ہم مولانا ابوالکلام سے کچھ استفادہ کر لیتے، اسی زمانہ میں پہلی مرتبہ مولانا آزاد علیہ الرحمہ سے ملاقات ہوئی بعد میں مولانا موصوف کئی مرتبہ آئے اور ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں، وہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کو اپنا استاد مانتے تھے اور ان سے بہت متاثر تھے، چونکہ میں اہل حدیث ہوں اس لئے صاف طریقے سے کہہ دوں کہ مولانا ابوالکلام آزاد بھی بڑے پختہ اور بڑے سخت قسم کے اہل حدیث تھے۔ جو مولانا عبدالرحمٰن صاحب کا اثر تھا اور دوسرے کن علماء اہل حدیث کا اثر تھا وہ بھی میں جانتا ہوں کہ کن کن سے ان کو عقیدت تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد جب واپسی کے لئے تیار ہوئے تو انہوں نے اپنے ملازم جس کا نام عبداللہ تھا سے کہا: عبداللہ! ذرا سوٹ کیس میں سے وہ کتاب نکال لاؤ، نئی نئی ان کی ''تذکرہ'' کتاب چھپی تھی وہ کتاب لائے، اس کے ٹائیٹل پیج پر انہوں نے لکھا جسے جھانک کر ہم نے دیکھا ''**هديه الاخاء والاخلاص من احمد المكنى بابى الكلام**'' یہ پہلا عربی لفظ ہمارے ذہن میں آیا ہم نے یہ لفظ پڑھ لیا، لکھنے کے بعد انہوں نے دستخط کیا، احمد مولانا کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا یہ حقیر کا تحفہ ہے، مولانا عبدالرحمٰن نے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا کیونکہ مکفوف البصر ہونے کی وجہ سے وہ دیکھتے نہیں تھے، مگر فوراً ہی مولانا نے ہاتھ کھینچ لیا اور کتاب نہیں لی اور پیچھے ہٹ گئے، یہ دیکھ کر ہم کو تعجب ہوا، مولانا ابوالکلام نے کتاب کھولی اس کے پہلے صفحے پر ان کا فوٹو چھپا تھا جو ان کی مرضی کے خلاف بھی تھا اس کا اظہار بھی انہوں نے مقدمہ میں کیا ہے، اجمل صاحب ان کے سکریٹری تھے، یہ ان کا کارنامہ تھا، جسے انہوں نے بیکار میں چھپوا دیا تھا، مولانا عبدالرحمٰن فوٹو کھنچوانے کے قائل نہیں تھے اور خود مولانا آزاد بھی اس کے قائل نہیں تھے، انہوں نے کہا کہ اس میں میرا فوٹو ہے، تو یہ بے ادبی ہوگی، اور پیچھے ہٹ کر اپنا فوٹو پھاڑ لیا اور پھر کہا یہ میرا حقیر تحفہ ہے، مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے اسے لے کر اپنے پاس رکھ لیا، یہ واقعہ ہے مولانا ابوالکلام آزاد کا۔

مئو میں ہماری جماعت اہل حدیث بہت بڑی ہے جو اس وقت دو حصوں میں منقسم تھی، پہلے مئو دو حصوں میں بٹا ہوا تھا، پورب کا حصہ اور پچھم کا حصہ اور یہ آج بھی ہے۔ ان کے درمیان بڑا اختلاف تھا، رسالہ بازی، نعرہ حق، تشنہ حق، خنجر حق، ایک دوسرے کے خلاف اس قسم کے رسالے لکھے جاتے تھے، بہت بری صورت حال تھی، مئو کا ایک محلہ کیاری ٹولہ ہے، اس میں ایک فرشتہ صفت حافظ صاحب رہتے تھے، بڑے مالدار آدمی تھے، ان کا نام حافظ عظیم اللہ تھا، وہ ایک مرتبہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے پاس مبارک پور آئے اور انہوں نے مئو کی کیفیت کو بیان کیا کہ ایسے اختلافات ہیں، اگر آپ وہاں آئیں تو یہ اختلافات دور ہو سکتے ہیں اور ہماری جماعت میں اتفاق پیدا ہو جائے گا اور علماء میں جو یہ بری صورت حال پیدا ہو گئی ہے اور ایک دوسرے کے خلاف جو بوچھار ہو رہی ہے یہ بند ہو جائے گی۔ اس صورت حال کو سوچ کر مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے اپنے مکفوف البصر ہونے کے باوجود بھی ان کی درخواست

کو منظور کرلیا اور جانے کی تاریخ متعین ہوگئی اور یہ طے پایا کہ حافظ عظیم اللہ صاحب اس تاریخ کو کار لے کر آئیں گے اور مولانا عبد الرحمٰن صاحب کو کار میں بلالے جائیں گے۔

حسین آباد میں لوگ جب بھی مبارک پور جاتے تو مولانا عبدالرحمٰن سے ملنے جاتے، ہمارے والد صاحب بھی جاتے تو مولانا سے سلام ومصافحہ کے لئے جاتے، دوسرے دن جب میرے والد صاحب مولانا سے ملنے گئے تو انہوں نے کہا کہ تمہارا بیٹا پڑھنے میں ذرا ہوشیار ہے، ہم مئو جارہے ہیں تم ہمارے ساتھ اسے مئو بھیج دو، ہم مدرسہ فیض عام میں اسے داخل کروادیں گے، وہاں وہ اچھی طرح پڑھ لے گا، ہمارے والد صاحب نے کہا ٹھیک ہے، دوسرے دن آکر ہماری والدہ سے کہہ دیا کہ ظہیر صاحب فلاں تاریخ کو وہاں (مئو) جائیں گے ان کے لئے کپڑے وغیرہ درست کردو، کپڑے نہ ہوں تو دو تین جوڑے سلا دو، والدہ صاحبہ نے کہا ٹھیک ہے، چنانچہ اس تاریخ کو ہم حسین آباد سے مبارکپور آئے اور مولانا عبدالرحمٰن کے ساتھ کار میں بیٹھ کر مئو گئے، وہاں پہنچ کر ہم حافظ عظیم اللہ کے یہاں کیاری ٹولہ میں ٹھہرے، وہاں مولانا سے ملنے کے لئے علماء آئے، ان ملنے والے علماء میں سے مولانا عبدالرحمٰن شائق صاحب مئوی، بھی تھے جو اس وقت مدرسہ فیض عام کے ذمہ دار مدرس تھے، داخلہ اور کتب خانہ کے ذمہ دار تھے، ادب کے استاذ تھے، سنن ترمذی ہم لوگوں نے انہیں سے پڑھی، مولانا عبد الرحمٰن نے میرے بارے میں معلوم نہیں ان سے کیا کہا۔ شاید یہی کہا ہوگا کہ بچہ میرے ساتھ آیا ہے اسے مدرسہ فیض عام میں داخل کرلو، مولانا عبداللہ صاحب نے کسی کے ذریعہ مدرسے سے ایک بچہ کو بلوایا جو فیض عام میں پڑھتا تھا، وہ بچہ آیا، اس سے شائق صاحب نے کہا: ان کا بکس لے لو اور ان کے ساتھ چلے جاؤ اور مسجد کے نیچے فلاں کمرے میں فلاں کے ساتھ ان کو ٹھہراؤ، صبح ان کا فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ صبح ہوئی، نہ جانے کون سی کارروائی ہوئی، بس اتنا معلوم ہوا کہ ان کا داخلہ ہوگیا ہے اور آپ وہاں سے جاکر کتابیں لے لیجئے اور ہم سے کہہ دیا گیا کہ آپ کی رہائش یہاں نہیں ہے، اس (فیض عام) کے بڑے استاذ مولانا احمد بن حسام الدین تھے مئو میں اہلحدیث کو اہلحدیث بنانے والے یہ دو علماء ہیں، ایک مولانا حسام الدین اور مولانا فیض اللہ مئوی، یہ دونوں میاں نذیر حسین صاحب کے شاگرد ہیں، مئو میں مولانا احمد صاحب بڑے مولوی صاحب کے نام سے مشہور تھے، ان کا گھر قاضی داموں پورہ میں ہے، ان کا ایک حجرہ باہر ہے، اس میں وہ کچھ مبارکپوری طلبہ کو رکھتے تھے، ہم کو بھی اس میں جگہ دے دی گئی، ہم رہتے وہاں تھے اور پڑھتے فیض عام میں۔

فیض عام میں ہمارے اساتذہ میں مولانا احمد بن حسام الدین صاحب، مولانا عبداللہ صاحب شائق، مولانا عبدالرحمٰن صاحب نحوی، مولانا عبدالعلی طرفدار صاحب، مولانا قاری عبدالسبحان صاحب تھے، یہ اس زمانے کے مئو کے مشہور اور قابل اساتذہ میں ہیں مولانا عبدالرحمٰن صاحب نحوی نحو کے ماہر تھے وہ نحو کی کتابیں پڑھاتے تھے اور نحوی کے نام سے مشہور تھے۔

کچھ دنوں کے بعد ایسا ہوا کہ ہم وہاں سے بھاگ کر چھ مہینے کے لئے دارالعلوم دیوبند پہنچ گئے، مگر وہ ہمارے والد صاحب کو پسند نہیں آیا..... اس میں کچھ واقعات ہیں جن کی وجہ سے انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے دارالعلوم دیوبند نہیں جانا ہے، اس سلسلے میں ساری تفصیلات انہوں نے مولانا عبیداللہ صاحب کے سامنے رکھیں کہ ایسا قصہ ہے اس لئے ظہیر صاحب کو آپ اپنے ساتھ جامعہ رحمانیہ دہلی لے جائیں، انہوں نے اس پر آمادگی کا اظہار فرمادیا اور کہا ٹھیک ہے دہلی جانے کی تاریخ متعین ہوگئی اور والد صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ کو فلاں تاریخ کو مولانا عبیداللہ صاحب کے ساتھ دہلی جانا ہے، چنانچہ ہم مولانا کے ساتھ دہلی چلے گئے، وہاں رحمانیہ میں مولانا

نذیر احمد صاحب املوی رحمہ اللہ نے ہمارا امتحان داخلہ لیا اور ساتویں جماعت میں میرا داخلہ ہوگیا، اس موقع پر مولانا عبید اللہ صاحب نے میرے بارے میں تعریفی کلمات پر مشتمل خط لکھا کہ ماشاء اللہ آپ کے بچہ کا داخلہ ساتویں جماعت میں ہوگیا ہے لیکن میری رائے یہ ہے کہ ان کو ایک جماعت نیچے اتار دیا جائے، چھٹی جماعت میں ان کو داخل کیا جائے، کم از کم وہ تین سال جامعہ رحمانیہ میں رہیں گے تو ان کے اندر پختگی پیدا ہوگی۔ یعنی پختہ اہل حدیث بنیں گے، نہیں تو ان کے اندر کچھ حنفیت آگئی ہے، یہ مطلب تھا ان کا، لہٰذا ہم چھٹی جماعت میں اتارے گئے، تین سال ہم رحمانیہ میں رہے اور ۱۹۴۰ء میں وہاں سے فارغ ہوئے یہ ہمارا مختصر تعارف ہے۔

مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ اور جامعہ دارالسلام عمرآباد سے متعلق مولانا ظہیر رحمہ اللہ کے تاثرات

مولانا عبدالحمید صاحب سے غائبانہ تعارف پہلے ہی سے تھا، ان کے مضامین پڑھتا تھا، ان کو تاریخ اہلحدیث سے بڑی دلچسپی تھی، کم از کم ہندوستان میں تاریخ اہلحدیث کے اتنے بڑے حافظ کے طور پر میں نے کسی دوسرے کو نہیں دیکھا، مجھے بھی دلچسپی ہے، تاریخ اہلحدیث میں بھی جانتا ہوں۔

۱۹۵۸ء میں یہاں دارالسلام عمرآباد میں آگیا اور اس وقت سے اب تک یہیں ہوں، ۱۹۶۲ء کے بعد عمر بابو سے کبھی کبھی بات ہوتی تو (اس وقت مدرسہ پرانی عمارت میں تھا، سوڈیڑھ سو طلبہ رہتے تھے، درسگاہوں میں دو، دو کمرے تھے، ان میں طلبہ رہتے اور سامنے مدرسین بیٹھ کر پڑھاتے، بس وہی دارالسلام تھا) مدرسہ کی تعمیر و ترقی اور اس کے آئندہ کے عزائم اور منصوبوں کی بابت غور کیا جاتا کہ آگے یہ اسکیم ہے وہ اسکیم ہے وغیرہ وغیرہ۔ جس سال میں یہاں آیا اسی سال یہ دارالسلام جماعت کا مدرسہ بنا ورنہ اس سے پہلے یہ شخصی مدرسہ تھا۔

اس وقت بابو عمر صاحب کو میں نے ایک رائے دی کہ یہ مدرسہ اگر آپ ہندوستان کے مالداروں کے چندے پر انحصار کریں تو جتنا ہے اتنا ہی رہے گا نہیں تو اس سے بھی کم ہوجائے گا، آگے نہیں بڑھے گا، اگر اسے آگے بڑھانا ہے تو عربوں سے خاص طور پر سعودیہ عربیہ سے تعلق پیدا کرنا ہے۔ موجودہ حالات کیا ہیں اور آئندہ کیا کیا پروگرام ہیں ان سب کا ایک خاکہ اور نقشہ بنایا جائے اور پورا اسٹرکچر عربی میں بنایا جائے اور اس کے ساتھ جو عرب کے شیوخ سے واقفیت رکھتا ہو اس کے ہمراہ سفر کیا جائے۔ انہوں نے میری باتوں پر توجہ دی، ممکن ہے دوسروں سے بھی مشورہ کیا ہو، اس معاملہ میں ہم نے بھی ذرا سی غلطی کی اور اس کام کے لئے مولانا عبدالحمید رحمانی کا نام لے لیا۔ اس وقت یہ بات سب کو معلوم تھی کہ سعودیہ عربیہ کے علماء و مشائخ سے خاص طور پر اور باقی عرب کے شیوخ سے عام طور پر جتنے اچھے اور مضبوط اور عام تعلقات مولانا عبدالحمید صاحب کے ہیں دوسروں کے نہیں ہیں اور تکلم اور عربی لب و لہجہ سے جتنا وہ واقف ہیں کوئی دوسرا ہندوستان میں واقف نہیں ہے، خیر مولانا عبدالحمید صاحب بلائے گئے وہ آئے، مدراس میں ان لوگوں کا مکان کرایہ پر پہلے ہی سے تھا اب جامعہ کا آفس وہی ہے اس میں ٹھہرائے گئے اور اس وقت مدرسہ کا تعارف، اغراض و مقاصد، قواعد و ضوابط، کچھ اشتہارات، موجودہ وسائل و ذرائع، ضروریات اور آئندہ کے تعلیمی و تعمیری عزائم اور اس کے پروجیکٹ کا پلان، نقشہ اور لائحہ عمل بتایا گیا اور سب کچھ پہلے اردو میں لکھا گیا اس کے بعد تمام چیزوں کو عربی میں لکھا گیا، وہ سب کچھ لکھنے اور تیار کرنے والے عبدالحمید تھے اور ان کے قلم کا لکھا ہوا ریکارڈ ابھی موجود ہوگا مگر آپ (راقم) کو کوئی نہیں بتائے گا۔ سارا خاکہ اور پلان عبدالحمید صاحب کا لکھا ہوا ہے۔

خیر مولانا عبدالحمید صاحب کے ساتھ یہ لوگ سفر پر گئے، مولانا عبدالحمید صاحب کے یوں تو تمام ہی شیوخ سے تعلقات تھے مگر ان کا خصوصی تعلق علامہ ابن باز رحمہ اللہ سے تھا اور شیخ ابن باز رحمہ اللہ ان کو اتنا مانتے تھے کہ ان کو اپنے بیٹے کے برابر سمجھتے تھے اور عبدالحمید جو کہہ دے ابن باز اس سے انکار نہیں کرتے تھے، ان کے پاس عبدالحمید صاحب کے ساتھ پہلی مرتبہ عمر بابو جو اس وقت دارالسلام کے سکریٹری تھے اور ان کے چھوٹے بھائی صاحب مولانا کا کا سعید صاحب یہ دونوں گئے، وہاں اس وقت جیسا ماحول تھا ایک ہوٹل میں ٹھہرے اور اس سفر میں سب سے پہلے شیخ ابن باز سے ملاقات ہوئی۔ عبدالحمید رحمانی صاحب ان کو لے کر کے گئے اور انہوں نے شیخ ابن باز سے اس حیثیت سے ۔۔۔، میں اس وقت وہ الفاظ بیان کرنا نہیں چاہتا، مولانا عبدالحمید صاحب نے تعارف کرایا اور ان کو یقین دلایا کہ یہ بانی لوگ اہلحدیث اور سلفی ہیں اور آئندہ جو پروجیکٹ ہے وہ بھی وہی ہے، عبدالحمید صاحب کے تعارف کرنے کے بعد شیخ ابن باز کو کچھ اعتماد ہو گیا اور انہوں نے بہت سارے شیوخ کے نام لکھا کر سفارش کر دی۔ یہ لوگ ان سے ملے اور جو کچھ ملنا تھا ملا بھی، مجھے سب کچھ معلوم ہے مگر تفصیل کی ضرورت نہیں ہے اور اس موقع پر یہ اسکیم بن گئی کہ آپ عالمی پیمانہ پر ایک بہت بڑا اجلسہ کریں، اس میں عرب کے فلاں اور فلاں جگہ کے جو سفارتخانے ہیں ان کے سفراء کو اور سعودیہ عربیہ کے فلاں اور فلاں شیوخ اور علماء کو اس میں شرکت کی دعوت دیں، مولانا عبدالحمید صاحب نے ایک فہرست بنائی اور مزید کہا کہ آپ لوگ اپنے طور پر ہر جگہ جن علماء اور شخصیتوں کو دعوت دینا چاہتے ہیں انہیں بھی دے دیں چنانچہ اس تجویز کے مطابق طے ہوا کہ ۱۹۷۷ء میں یہ جلسہ منعقد کیا جائے اور اس کی تاریخ ۱۶، ۱۷، ۱۸/ اپریل ۱۹۷۷ء متعین ہو گئی۔

ایک ہفتہ سعودیہ عربیہ میں رہ کر عبدالحمید صاحب اس وفد کے ساتھ واپس آئے، وہیں راستے میں انہوں نے کچھ بھانپ لیا اور وہ تفصیلات بھی مجھے معلوم ہیں (جن کے تذکرہ کی ضرورت نہیں) اور وہ سیدھے سعودی عرب سے دلی چلے گئے اور کہا کہ میں عمر آباد نہیں آسکتا اور یہ لوگ عمر آباد واپس آ گئے جب سے ان لوگوں کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ یہ چیز اپنے طور پر رکھئے کہ اس کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد عبدالحمید رحمانی صاحب نے ڈالی، یہ حقیقت ہے۔

اس سفر میں جب وہ مدراس میں تھے میری ان سے بار بار ملاقات ہوئی، ہم دونوں میں خیالات کے اعتبار سے چونکہ بہت زیادہ یکسانیت تھی اس لئے وہ مجھے اور میں ان کو بہت زیادہ علم والا اور بہت زیادہ متحمس سمجھتے تھے۔

میں کچھ زمانے تک صوبائی جمعیت اہل حدیث تاملناڈ کا امیر تھا اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے شوریٰ اور عاملہ کا ممبر بھی تھا تو جب بھی اس کے جلسے ہوتے میں دہلی جاتا۔ پہلی مرتبہ میں جب شوریٰ کے اجلاس میں شریک ہوا تو اس وقت میرے ساتھ مولانا رؤف احمد عمری، مولانا عبدالحافظ صاحب عمری جن کا انتقال ہو گیا ہے، مدراس میں رہتے تھے اور اب جو باؤ ٹا بیڑی کے ذمہ دار احسان صاحب ہیں اس وقت عبداللہ صاحب، اس کے ذمہ دار تھے مگر میرے ساتھ یہی احسان اللہ صاحب آئے تھے جو مدراس میں ایک پختہ اہل حدیث تھے، عبداللہ خاں صاحب جو بینک میں ملازم تھے اب ان کا بھی انتقال ہو گیا ہے وہ بھی ہمارے ساتھ آئے تھے۔ یہ وہ سال ہے جس سال مولانا عبدالحمید صاحب نے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی نظامت سے استعفیٰ دیا اور ان کی جگہ مولانا مختار احمد صاحب ندوی منتخب ہوئے۔

میں یہ بھی بتا دوں جب ہم اس اجلاس میں شریک ہوئے تو ہماری گاڑی ذرا دیر پہنچی، ہم اسٹیشن سے بذریعہ تانگا میٹنگ میں شرکت کے لئے وہاں پہنچے تو یہ معلوم ہوا شوریٰ کا اجلاس مسجد فتح پور کے اوپری حصہ کے بڑے حال میں ہو رہا ہے، وہیں سامان رکھ کر

اور ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر کے ہم اجلاس میں شرکت کے لئے آ گئے اور پہنچ کر دیکھا تو وہاں ایک مجمع کثیر ہے، اندر جانے کی جگہ نہیں، کسی طرح اندر گئے تو دیکھا کہ جنگ کے بعد جو کیفیت ہوتی ہے وہ کیفیت ہے، یہ اس کا منہ دیکھ رہا ہے وہ اس کا، یہ اس کو برا بھلا کہہ رہا ہے، وہ اس کو، ہوا یہ کہ مولانا عبدالحمید صاحب کے خلاف ایک محاذ بنایا گیا تھا، لوگ ان کے خلاف جو بولنا ہے بول رہے ہیں، مولانا عبدالحمید صاحب وہاں موجود ہیں، البتہ مولانا مختار احمد صاحب کے حامی ان کی تائید میں بول رہے تھے، بڑی مشکل سے ہم اندر داخل ہوئے، ہمارے دوسرے ساتھی لوگ فکر میں پڑ گئے میں نے صرف اتنا کہا کہ یہ کیا ہنگامہ بازی ہے، یہ اہل حدیث اسٹیج ہے، یہ سب ٹھیک نہیں ہے، اس موقع پر کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ، بہر حال فوراً یہ ہوا کہ اوٹنگ شروع ہو گئی، اوٹنگ میں مولانا مختار احمد صاحب کا نام آیا مولانا عبدالحمید صاحب نے پہلے ہی سے استعفیٰ نامہ لکھ کر کے تیار رکھا تھا اسے بڑھا کر دے دیا، خلاصہ یہ ہے کہ مولانا عبدالحمید صاحب نے استعفیٰ نہیں دیا بلکہ ان کے خلاف محاذ بنا کر کے ان کو نشانہ گاہ بنا لیا کہ یہ لکھئے وہ لکھئے، انہیں استعفیٰ دینے پر مجبور کیا گیا۔

یہ تاریخ ہے جسے میں جانتا ہوں ان کے بعد بھی میں کئی مرتبہ دہلی گیا، ہر مرتبہ میں ان کے ادارہ میں جاتا، ان سے ملاقات ہوتی اور باتیں ہوتیں۔ ایک زمانہ تک جو ان کا رسالہ ''التوعیہ'' نکلتا تھا میں اسے بہت پسند کرتا تھا، ان کے مضامین بڑے محقق، بڑے جامع اور بڑے اچھے ہوتے تھے اور لکھنے والے بھی اچھے ہوتے تھے۔ میں اسے بڑے شوق سے پڑھتا تھا، اس میں میرے بھی ایک دو مضامین چھپے ہیں، وہ رسالہ کسی وجہ سے بند ہو گیا تو انہوں نے ''التبیان'' نکالنا شروع کیا مگر میں اس کا خریدار نہیں بن سکا۔ اس سلسلہ میں بھی مولانا عبدالحمید صاحب سے بہت سی باتیں ہوتیں۔

میرے اور مولانا عبدالحمید صاحب میں آپس میں جو بہت زیادہ یکسانیت اور دوستی ہوتی تو اسی لئے بھی مولانا ابوالکلام آزاد کے عقیدت مندوں میں وہ بھی تھے اور میں بھی۔ ان کا بھی خیال یہ تھا کہ مولانا ابوالکلام متحمس اہل حدیث ہیں اور اگر وہ سیاست میں نہ جاتے تو اس زمانے کے ابن تیمیہ تو نہیں مگر ان کے جیسے علم والے ہوتے یعنی مذہبی ازم میں ان کو وہ ابن تیمیہ جیسا مانتے تھے اور میں بھی مانتا ہوں، مولانا عبدالحمید صاحب ان کو بہت پسند کرتے تھے۔

میں نے ان کی لائبریری بھی دیکھی اس میں مولانا ابوالکلام آزاد کی جتنی کتابیں اور جتنی تحریریں ان کو مل سکیں سب جمع کر رکھی تھیں، مگر بہت سی چیزیں نہیں تھیں تو میں نے بعض چیزوں کی رہنمائی کی تو وہ بڑے خوش ہوئے، اس میں ایک کتاب ''میرا عقیدہ'' مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک چھوٹی سی کتاب ہے، وہ نہیں تھی، اس کو بھی تلاش کر کے انہوں نے منگایا۔

''میرا عقیدہ'' نامی کتاب اصل میں مولانا ابوالکلام آزاد نے جب ترجمان القرآن لکھی تو سب سے پہلے انہوں نے ترجمان القرآن کا سورۃ فاتحہ کی تفسیر والا حصہ چھپوایا، اس میں کچھ ایسی عبارتیں ہیں جن سے لوگوں نے یہ مطلب سمجھا کہ مولانا کے اندر وحدت ادیان یعنی تمام مذاہب ایک ہیں کا تصور پایا جاتا ہے اور مولانا ابوالکلام آزاد پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ اسی کے قائل ہیں۔ اس سے پہلے ایڈیشن میں اس طرح کی کچھ مبہم عبارتیں ہیں۔

اس سلسلہ میں ہمارے مولانا ثناء اللہ صاحب اور مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی نے مولانا ابوالکلام آزاد کو خط لکھا اور

رہنمائی فرمائی اور انہوں نے اس سے رجوع کرلیا کہ ہاں میرا یہ خیال تھا مگر وہ صحیح نہیں ہے، اب صحیح یہ ہے، انہوں نے اعتراف کرلیا اور ان کو اعتراف کا خط لکھا تو یہ چیز انہوں نے ''میرا عقیدہ'' نامی کتاب میں ذکر کی ہے۔ اور یہ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی کی جو خط وکتابت ہے اس میں بھی ہے۔ مگر یہ دنیا کو معلوم نہیں جب کہ معلوم ہونا چاہیے، خاص طور پر اہل حدیث لوگوں کو یہ معلومات رکھنی چاہیے، دنیا کچھ بھی کہہ دے مگر ابوالکلام آزاد پکے اہل حدیث تھے اور اہل حدیث جماعت کو یہ ماننا چاہیے کہ وہ ہمارے سب سے بڑے عالم تھے، یہ مولانا عبدالحمید صاحب کا بھی خیال تھا اور میرا بھی خیال ہے۔ جس وقت ان کا انتقال ہوا اس وقت میں ہندوستان میں نہیں تھا میں اپنی معذوری کے باوجود بھی کئی سالوں سے متحدہ امارات کا سفر کرتا ہوں، وہاں کے لوگ حدیث کے دورے کی مجلس قائم کرتے ہیں، اس کے لئے مجھے دعوت دیتے ہیں، پچھلی مرتبہ سعودیہ عربیہ کے مشہور شہر دمام کے جڑواں شہر ''الخبر'' میں وہ مجلس قائم کی گئی تھی، پندرہ روز کا پروگرام تھا اس میں شرکت کے لئے میں وہاں گیا ہوا تھا کہ وہاں مجھے ایک عرب عقیدت مند کے ذریعہ اطلاع ملی کہ انڈیا میں مولانا عبدالحمید رحمانی کا انتقال ہوگیا ہے یہ سن کر مجھے بڑا صدمہ ہوا، بہت افسوس ہوا۔۔۔ بعد میں وہاں کی ایک بڑی مسجد ہے، اس میں ہمارے کچھ عمری برادران جو جالیات میں ملازم ہیں وہاں صلاۃ ادا کرتے ہیں، انہوں نے اس مسجد میں میرا پروگرام رکھا تھا میں وہاں گیا اور تقریر کے بعد مولانا عبدالحمید صاحب کی وفات کا اعلان کیا، اور لوگوں سے دعاء مغفرت کی درخواست کی، چنانچہ میری تقریر کے بعد اس مسجد میں مولانا کے لئے دعاء مغفرت کی گئی۔

اس کے بعد ہی میں ہندوستان واپس آگیا اور ان کی وفات پر کافی افسوس رہا، میں ان کے بارے میں کچھ لکھنا ہی چاہتا تھا کہ اسی اثناء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا ترجمان آیا اس میں میرے ایک شناسا عزیز، اس لئے کہ میں ۱۹۵۰ء سے لے کر کے ۵۵۔۱۹۵۴ء تک ہر سال برابر دہلی جاتا تھا وہاں میں جب بھی جاتا مولانا سید تقریظ احمد صاحب کے پاس ٹھہرتا، مولانا تو خود زبیدیہ مسجد میں رہتے تھے مگر ان کے ایک لڑکے عبدالقدوس جواب ابن احمد نقوی کے نام سے مشہور ہیں، وہ اور ان کے ایک بھتیجے محمد صبیح یہ دونوں مولانا محمد کوٹھی کے سامنے باڑہ ہندوراؤ میں کونے میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے اسے کونے کی مسجد ہی بولتے تھے اس کے حجرہ میں رہتے تھے، میں دہلی جاتا تو وہیں رہتا، یہ دونوں مجھ سے چھوٹے تھے اور اس وقت پڑھتے تھے، مجھے مولوی سمجھ کر میری بڑی عزت وتکریم کرتے تھے، اس لئے وہ دونوں میرے عزیز ہیں۔

انہوں نے مولانا عبدالحمید صاحب کے بارے میں اداریہ لکھا ہے، میں آپ (راقم) سے یہ کہتا ہوں کہ وہ اداریہ پڑھ کر، میں نے سمجھا کہ یہ میرے دل اور زبان کی آواز ہے۔، میرے دل کی بات ہے، میں اس کے مختصر ہونے کے باوجود بھی اس کی ہر بات کی تصدیق کرتا ہوں ،اور میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ اگر آپ اعلان کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ میرے دل کا مضمون ہے، بس اس سے زیادہ میں مولانا عبدالحمید صاحب کے بارے میں کچھ اور کہنا نہیں چاہتا، اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات کو بلند کرے، آمین۔

(ماہنامہ التبیان، ستمبر ۲۰۱۷ء)

❑❑❑

مولانا ظہیر الدین رحمانی رحمہ اللہ عمر آباد، تامل ناڈو

وفات اگست ۲۰۱۷ء

مولانا عبدالوہاب جامعی

ولادت وابتدائی تعلیم:

مولانا محمد ظہیر الدین رحمانی بن محمد بہادر عرف عبدالسبحان کی ولادت صوبہ اتر پردیش کے معروف شہر مبارکپور سے متصل واقع موضع ''حسین آباد'' میں ۱۹۲۰ء کو ہوئی۔ آپ نے ابتداء میں اپنی والدہ محترمہ خدیجہ بیگم بن پیر حافظ نظام الدین سے قرآن کے چند پارے پڑھے اس کے بعد اپنے نانا کے شاگرد حافظ عبدالعزیز سے ناظرہ قرآن کی باقی تعلیم مکمل کی۔ پھر آپ کو مدرسہ دارالتعلیم مبارکپور میں داخلہ دیا گیا۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد احمد مئوی، مولانا عبدالصمد (مولانا صفی الرحمن مبارکپوری کے تایا) اور منشی اخلاق احمد و منشی ظہیر صاحبان کے نام قابل ذکر ہیں۔

صاحب تحفۃ الاحوذی سے اکتساب علم:

مولانا ظہیر الدین رحمانی رحمہ اللہ نے ابوالکلام آزاد اویکننگ سنٹر دہلی کو دیے گئے انٹرویو میں فرمایا ہے:

''مدرسہ دارالتعلیم کے پیچھے علامہ عبدالرحمن محدث مبارکپوریؒ کا مکان ہے اس کی دوسری طرف روڈ تھا۔ اسی جانب ایک دواخانہ تھا جس کا نام ''دواخانہ مفید عام'' تھا اور اندر سے پورا خالی رہتا تھا، اس میں مکان کا ایک حصہ مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری درالتصنیف کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ یعنی وہیں بیٹھ کر کتاب ''تحفۃ الاحوذی'' تصنیف کرتے تھے، لکڑی کا ایک بڑا تخت ہوتا تھا اس پر چاروں طرف کتابیں رکھی ہوتی تھیں اور جب ہم نے انہیں دیکھا تو اس وقت وہ مکفوف البصر ہو چکے تھے۔ ان کے تعاون کے لئے مستقل طور پر دو آدمی تھے اور غیر مستقل طور پر کچھ مدت کے لئے مولانا محمد صاحب گوندلویؒ پنجابی آیا کرتے تھے۔ مستقل طور پر مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی تھے، جن کو ان کی مدد وتعاون کے لئے شیخ عطاء الرحمن نے بھیجا تھا۔ ان کی تنخواہ وہی دے رہے تھے۔ اور دوسرے مولانا عبدالصمد صاحب تھے۔ (مولانا موصوف حسین آباد کے رہنے والے تھے، جو مولانا صفی الرحمن صاحبؒ کے تایا اور میرے استاذ ہیں۔ اور دور کے چچا بھی تھے) اور صورت یہ ہوئی کہ ''تحفۃ الاحوذی'' تو انہوں نے مکمل لکھ لی تھی مگر اس کی اصل تصویب، کچھ گھٹانا بڑھانا' حک وناحک یعنی اس پر نظر ثانی باقی تھی تو یہ دونوں آپس میں طے کر کے کچھ صفحات لے لیتے تھے۔ مولانا عبدالصمد صاحبؒ پڑھتے اس وقت اس پر مناقشہ ہوتا کہ اس میں یہ جملہ نکال دو، وہ جملہ نکال دو، یا فلاں کتاب کا حوالہ دیتے کہ وہ کتاب نکال کر دیکھو، اچھا وہ عبارت کاٹ دو۔ یہ عبارت یہاں سے لے لو اس طرح تحقیق ومراجعہ کے بعد وہ لکھتے تھے، اس کے

بعد مولانا عبیداللہ صاحب ان کا جو حصہ ہوتا اسے وہ پڑھتے تھے۔ اس وقت غور ہوتا کہ اس میں حوالہ کیا ہے پھر فیصلہ ہوتا کہ نہیں یہ چھوڑ دو اس کا حوالہ فلاں فلاں کتاب سے دو۔ مکمل چھان بین اور تحقیق کے بعد وہ لکھتے، اس طرح سے پوری ''تحفۃ الاحوذی'' تحقیق ومراجعہ کے بعد لکھی گئی۔ اس زمانہ میں ہم لوگ وہاں کھیلنے کے لئے آتے تھے۔ اس دور سے کئی تاریخی واقعات وابستہ ہیں۔ اسی زمانہ میں مراکش کے ایک بہت بڑے عالم دین جنہوں نے ہندوستان آکر پڑھائی کی اور پھر بڑے مشہور ہوئے ''علامہ تقی الدین ہلالی'' وہ سنن ترمذی کے کچھ اسباق میں رہتے تھے ان سے ملاقات ہوئی، دوسرے نجد سے ایک عالم آئے تھے جن کا نام عبداللہ تھا۔ ان کی نسبت بھی ہے جو میں بھول رہا ہوں وہ مسجد میں رہتے تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی وہ بھی مولانا عبدالرحمن صاحبؒ سے پڑھتے تھے۔

اس وقت ہم لوگ مدرسہ دارالتعلیم میں پڑھتے تھے۔ ہم تین ساتھی تھے کچھ ایسا ہوا کہ مولانا اصغر صاحب نے کسی وجہ سے مدرسہ سے استعفیٰ دے دیا، تو ہماری کتاب مولانا محمد صاحب کے پاس منتقل ہوگئی ان کتابوں میں سے جو مولانا اصغر صاحب کے مستعفی ہونے کے بعد ان کے پاس منتقل کی گئی۔ ہدایۃ النحو بھی تھی، مولانا کی زبان میں لکنت تھی، اچھے عالم تھے مگر سمجھا نہیں پاتے تھے۔ یا ہم سمجھ نہیں پاتے تھے۔ اس کی وجہ سے ہم لوگوں کی طبیعت ان کے پاس پڑھنے سے اچاٹ ہوگئی، سامنے مسجد ہے، آتے اس کی دیواروں پر جا کر کھیلتے، گھنٹی بجتی تو گھر چلے جاتے اور ماں باپ سمجھتے کہ بیٹے پڑھ کر کے آئے ہیں۔ اس طرح کئی دن ہوگئے تو ہماری شکایت مولانا عبدالرحمن صاحب سے کی گئی، اس پر مولانا صاحب نے ہمیں بلایا، ساتھیوں میں میں ہی ذرا بیباک تھا حالانکہ عمر تو اس وقت بالکل کم تھی، زیادہ سے زیادہ آٹھ نو سال کا رہا ہوں گا۔ میں نے اصل قصہ کہہ دیا کہ (اصغر صاحب) کی کتابیں یہاں آئیں اور مولوی صاحب بولتے ہیں تو ایسا بولتے ہیں ہم نے ان کی نقل بھی اتار دی۔ اس لئے ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ اس پر مولانا عبدالرحمن صاحب بولے اچھا وہ کتاب لاکر ہمارے پاس پڑھو تو میں اور ان کے ایک رشتہ دار تھے عبداللہ بستوی جن کا انتقال ہوگیا ہے وہ رحمانیہ سے فارغ ہوئے تھے ہم دونوں وہاں پڑھنے جاتے۔ اسی زمانہ میں وہاں مولانا ابوالکلام آزاد آئے اور وہیں ٹھہرے وہ کبھی کبھی آتے تھے۔ ہم لوگ مولانا عبدالرحمن صاحب کے پاس سبق پڑھنے جاتے تھے، مولانا ادھر کرسی پر بیٹھے ہوتے اور دوسری جانب ادھر ایک کرسی رکھ دی گئی تھی۔ اس پر مولانا آزاد آکر بیٹھے۔ مولانا ہم کو سبق پڑھاتے اور سمجھاتے مولانا آزاد کی آمد پر ہم جاتے اور ان سے سلام کرتے۔ ہم چھوٹے تھے یعنی اس وقت اس عمر کو نہیں پہنچے تھے کہ ہم مولانا ابوالکلام آزاد سے کچھ استفادہ کر لیتے۔ اسی زمانہ میں پہلی مرتبہ مولانا آزادؒ سے ملاقات ہوئی۔ بعد میں مولانا موصوف کئی مرتبہ آئے اور ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ وہ مولانا عبدالرحمن صاحب کو اپنا استاد مانتے تھے۔ اور ان سے بہت متاثر تھے چونکہ میں اہل حدیث ہوں اس لئے صاف طریقہ سے کہہ دوں کہ مولانا ابوالکلام آزاد بھی بڑے پختہ اور بڑے سخت قسم کے اہلحدیث تھے۔ جو مولانا عبدالرحمن صاحب کا اثر تھا، اور دوسرے کئی علماء اہل حدیث کا اثر تھا وہ بھی میں جانتا ہوں کہ کن کن سے ان کو عقیدت تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد جب واپسی کے لئے تیار ہوئے تو انہوں نے اپنے ملازم جس کا نام عبداللہ تھا۔ اسے کہا: عبداللہ! ذرا سوٹ کیس میں سے وہ کتاب نکال لاؤ۔ نئی نئی ان کی ''تذکرہ'' کتاب چھپی تھی وہ کتاب لائے۔ اس کے ٹائٹل پیج پر انہوں نے لکھا جسے

جھانک کر ہم نے دیکھا ''**ھدیۃ الایخاء و الاخلاص من احمد المکنی بابی الکلام**'' یہ پہلا عربی جملہ ہمارے ذہن میں آیا ہم نے یہ جملہ پڑھ لیا، لکھنے کے بعد انہوں نے دستخط کیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد مولانا کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا یہ حقیر کا تحفہ ہے۔ مولانا عبدالرحمن صاحب نے لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا کیوں کہ مکفوف البصر ہونے کی وجہ سے وہ دیکھتے نہیں تھے۔ مگر مولانا آزاد نے ہاتھ کھینچ لیا اور کتاب نہیں دی۔ یہ دیکھ کر ہم کو تعجب ہوا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے کتاب کھولی اس میں پہلے صفحہ پر ان کا فوٹو چھپا تھا جو ان کی مرضی کے خلاف بھی تھا اس کا اظہار بھی انہوں نے مقدمہ میں کیا ہے۔ اجمل صاحب ان کے سکریٹری تھے یہ ان کا کارنامہ تھا۔ مولانا عبدالرحمن صاحب فوٹو کھینچوانے کے قائل نہیں تھے۔ اپنا فوٹو پھاڑ لیا اور مولانا عبدالرحمن کو دیا۔ مولانا نے اسے لے کر اپنے پاس رکھ لیا یہ واقعہ ہے مولانا ابوالکلام آزاد کا''

مدرسہ فیض عام میں داخلہ: مولانا ظہیر الدین فرماتے ہیں:

''حسین آباد کے لوگ جب بھی مبارکپور جاتے تو شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن صاحب مبارک پوریؒ سے ملنے جاتے۔ ہمارے والد صاحب بھی جاتے تو مولانا سے سلام و مصافحہ کے لئے جاتے جب میرے والد صاحب مولانا سے ملنے گئے تو انہوں نے ان سے کہا کہ تمہارا بیٹا پڑھنے میں ذرا ہوشیار ہے۔ ہم مئو جا رہے ہیں تم ہمارے ساتھ اسے مئو بھیج دو، ہم مدرسہ فیض عام میں اسے داخل کرادیں گے۔ وہاں وہ اچھی طرح پڑھ لے گا۔ ہمارے والد صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ دوسرے دن آکر کے ہماری والدہ سے کہہ دیا کہ محمد ظہیر الدین فلاں تاریخ کو (مئو) جائیں گے۔ ان کے لئے کپڑے وغیرہ درست کردو۔ کپڑے نہ ہوں تو دو تین جوڑے سلا دو۔ والدہ صاحبہ نے کہا کہ ٹھیک ہے، چنانچہ اس تاریخ کو ہم حسین آباد سے مبارکپور آئے اور مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوریؒ کے ساتھ کار میں بیٹھ کر مئو گئے۔ وہاں پہنچ کر ہم حافظ عظیم اللہ صاحب کے یہاں کیاری ٹولہ میں ٹھہرے، وہاں مولانا سے ملنے کے لئے علماء آئے ان ملنے والے علماء میں سے مولانا عبداللہ شائق صاحب مئوی بھی تھے۔ جو اس وقت مدرسہ فیض عام کے ذمہ دار مدرس تھے۔ طلبا کے داخلہ کے ذمہ دار تھے، ادب کے استاد تھے، سنن ترمذی ہم لوگوں نے انہیں سے پڑھی، مولانا عبدالرحمن نے میرے بارے میں معلوم نہیں ان سے کیا کہا۔ شاید یہی کہا ہوگا کہ بچہ میرے ساتھ آیا ہے، اسے مدرسہ فیض عام میں داخل کرلو۔ مولانا عبداللہ شائق نے کسی کے ذریعہ مدرسہ سے ایک بچہ کو بلوایا جو فیض عام میں پڑھتا تھا وہ بچہ آیا اس سے شائق صاحب نے کہا: اس کا بکس لے لو اور ان کو ساتھ بلا لے جاؤ۔ اور مسجد کے نیچے فلاں کمرے میں فلاں کے ساتھ ان کو ٹھہراؤ۔ صبح ان کا فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ صبح ہوئی، معلوم نہیں کیا کارروائی ہوئی۔ بس اتنا معلوم ہوا کہ میرا داخلہ ہوگیا ہے۔ اور آپ وہاں سے جا کر کتابیں لے لیجئے۔ اور ہم سے کہہ دیا گیا کہ اب آپ کی رہائش یہاں نہیں ہے۔ اس (فیض عام) کے بڑے استاذ مولانا احمد بن حسام الدین تھے۔ مئو میں اہل حدیث جماعت کو اہلحدیث بنانے والے یہ دو علماء ہیں۔ ایک مولانا حسام الدین اور مولانا فیض اللہ مئوی یہ دونوں میاں نذیر حسین صاحب کے شاگرد ہیں۔ مئو میں مولانا احمد صاحب بڑے مولوی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا گھر قاضی داموں پورہ میں ہے۔ ان کا ایک حجرہ باہر ہے۔ اس میں وہ کچھ مبارکپوری طلبہ کو رکھتے تھے، ہم کو بھی اسی میں جگہ دی گئی۔ ہم رہتے وہاں تھے اور پڑھتے تھے فیض عام میں۔

فیض عام میں ہمارے اساتذہ مولانا احمد بن حسام الدین صاحب، مولانا عبداللہ صاحب شائق، مولانا عبدالرحمن نحوی، مولانا عبدالعلی طرفدار صاحب، مولانا قاری عبدالسبحان صاحب تھے۔ یہ اس زمانہ کے مئو کے مشہور اور قابل اساتذہ میں تھے۔ مولانا عبدالرحمن صاحب نحوی نحو کے ماہر تھے۔ وہ نحو کی کتابیں پڑھاتے تھے اور نحوی کے نام سے مشہور تھے۔''

کچھ عرصہ دارالعلوم دیوبند میں۔ مولانا مزید فرماتے ہیں:

''کچھ دنوں کے بعد ایسا ہوا کہ ہم وہاں سے بھاگ کر چھ مہینے کے لئے دارالعلوم دیوبند پہنچ گئے، مگر وہ ہمارے والد کو پسند نہیں آیا۔ اس میں کچھ واقعات ہیں جن کی وجہ سے انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے دارالعلوم دیوبند نہیں جانا ہے۔ اس سلسلہ میں ساری تفصیلات انہوں نے مولانا عبیداللہ صاحب مبارکپوری کے سامنے رکھیں کہ ایسا قصہ ہے اس لیے محمد ظہیر الدین کو آپ اپنے ساتھ رحمانیہ دہلی لے جائیں انہوں نے اس پر آمادگی کا اظہار فرمادیا اور کہا کہ ٹھیک ہے اور دہلی جانے کی تاریخ متعین ہوگئی اور والد صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ کو فلاں تاریخ کو مولانا عبیداللہ صاحب کے ساتھ دہلی جانا ہے۔ چنانچہ ہم مولانا کے ساتھ دہلی چلے گئے۔''

دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں:

''مولانا نذیر احمد صاحب املویؒ نے ہمارا امتحان داخلہ لیا اور ساتویں جماعت میں میرا داخلہ ہوگیا۔ اس موقع پر مولانا عبیداللہ صاحب نے میرے بارے میں والد صاحب کو تعریفی کلمات پر مشتمل خط لکھا کہ ماشاءاللہ آپ کے بچہ کا داخلہ ساتویں جماعت میں ہوگیا ہے۔ ہمارے والد صاحب خود تو نہیں لکھ سکتے تھے انہوں نے کسی دوسرے سے جواب لکھوایا کہ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ آپ نے میرے بچہ کو داخل کرلیا اور اسے ساتویں جماعت میں داخلہ مل گیا۔ لیکن میری رائے ہے کہ ان کو ایک جماعت نیچے اتار دیا جائے، چھٹی جماعت میں ان کو داخل کیا جائے۔ کم از کم وہ تین سال رحمانیہ میں رہیں گے تو ان کے اندر پختگی پیدا ہوگی۔ یعنی پختہ اہلحدیث بنیں گے۔ نہیں تو وہ ان کے اندر کچھ حنفیت آگئی ہے۔ یہ مطلب تھا ان کا۔ لہٰذا ہم چھٹی جماعت میں اتارے گئے تین سال ہم رحمانیہ میں رہے اور ۱۹۴۰ء میں وہاں سے فارغ ہوئے'' (مولانا سے لیا گیا انٹرویو ختم ہوگیا)

مدرسہ رحمانیہ دہلی میں آپ نے شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ مبارکپوری، مولانا نذیر احمد املوی، مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی سے خصوصی طور پر استفادہ کیا۔

ملازمت:

فراغت کے بعد آپ نے اپنے مادر علمی ''دارالتعلیم'' مبارکپور میں بلاتنخواہ تدریسی خدمات انجام دینی شروع کردیں انہی دنوں دلی میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقد تھی، آپ اس میں شریک ہوئے یہاں آپ کی ملاقات الحاج محمد یوسف صاحب ناظم مدرسہ قاسم العلوم ککوگلی آگرہ سے ہوئی انہوں نے شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی کے توسط سے آپ کو بہ اصرار مدرسہ قاسم العلوم آگرہ جانے پر راضی کرلیا۔ آپ آگرہ میں ایک ہفتہ سے زیادہ نہ رہ سکے مستعفی ہوکر گھر چلے آئے۔ کچھ دنوں کے بعد ڈاکٹر سید فرید احمد

صاحب بانی وناظم مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ (بہار) کا خط آپ کے نام آیا جس میں انہوں نے اپنے مدرسہ میں ملازمت کی پیش کش کی تھی۔ چنانچہ آپ دربھنگہ تشریف لے گئے اور تدریسی خدمات شروع کردی۔ لیکن یہاں کی آب وہوا، قیام وطعام آپ کی طبیعت کو راس نہ آیا۔ وہ ہفتوں بعد وہاں سے مستعفی ہوکر گھر چلے آئے۔ ۱۹۴۲ء میں آپ کے والدین کا اچانک ایک ہی دن میں انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد آپ نے فیصلہ کرلیا کہ کسی اچھے ادارہ میں جم کر کام کرنا چاہیے۔

جامعہ محمدیہ رائیدرگ میں آمد:

جامعہ محمدیہ رائیدرگ کی سالانہ تعطیلات میں جامعہ کے اساتذہ مولانا فضل الرحمن اعظمی عمری اور مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب اعظمی عمری اپنے وطن مئوناتھ بھنجن پہنچے تھے، یہ دونوں حضرات شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ صاحب مبارکپوری سے شرف ملاقات کے لئے جب مبارکپور پہنچے تو حسن اتفاق میرے ممدوح بھی شیخ الحدیث کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ یہاں مولانا فضل الرحمن صاحب اعظمی عمری ناظم جامعہ نے آپ کو تدریسی خدمت کی پیش کش فرمائی، ان سے پہلے مولانا سید اسماعیل صاحب بانی جامعہ کا خط آپ کو موصول ہوچکا تھا۔ یہاں مولانا فضل الرحمن صاحب نے رائیدرگ اور جامعہ محمدیہ رائیدرگ کا کچھ ایسا دل پذیر نقشہ کھینچا کہ آپ رائیدرگ میں ملازمت کے لئے تیار ہوگئے۔ تعلیمی سال کے آغاز میں آپ رائیدرگ پہنچ گئے اور تدریسی خدمات انجام دینی شروع کردیں۔ چھ ماہ کے بعد گھر پہنچے اور استعفیٰ نامہ بھیج دیا۔ لیکن مولانا سید اسماعیل صاحب اور ساتھ میں اساتذہ کے اصرار پر آپ نے دوبارہ تدریسی خدمات انجام دینا شروع کردیں۔ آپ رائیدرگ ہی میں تھے کہ آپ کی اہلیہ محترمہ کا حسین آباد میں اچانک انتقال ہوگیا، طویل سفر کی وجہ سے آپ تجہیز وتکفین میں شریک نہ ہوسکے۔ ۱۹۵۰ء میں مولانا سید اسماعیل صاحب رائیدرگی نے اپنے نسبتی برادر فتح احمد صاحب کی لڑکی سے آپ کا نکاح کرادیا۔ مولانا سید عباس حامی عمری آپ کے ہم زلف تھے۔ شادی کے چند سالوں بعد بعض گھریلو مسائل میں مولانا سید اسماعیل صاحب سے آپ کا اختلاف ہوگیا تو آپ نے جامعہ محمدیہ میں برسر خدمت رہنا مناسب نہیں سمجھا اور وہاں کی ملازمت سے مستعفی ہوگئے۔

آپ ۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۸ء تقریباً دس سال جامعہ محمدیہ رائیدرگ میں مدرس رہے۔

جامعہ دارالسلام عمرآباد میں:

جامعہ محمدیہ رائیدرگ کی ملازمت کے دوران آپ کو جامعہ دارالسلام عمرآباد جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ یہاں آپ کی ملاقات الحاج کاکا محمد اسماعیل صاحب سرپرست جامعہ دارالسلام سے ہوئی تھی۔ وہ ان دنوں مریض اور چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ دوران گفتگو آپ سے کہا تھا ''مولانا آپ عمرآباد آجایئے۔ آپ کی جگہ عمرآباد ہی ہے''

ذمہ داران جامعہ دارالسلام کو جب جامعہ محمدیہ رائیدرگ سے آپ کے مستعفی ہونے کی اطلاع ملی تو جامعہ دارالسلام میں ملازمت کی پیش کش کی۔ جس کو آپ نے بڑی مسرت کے ساتھ قبول کرلیا۔ چنانچہ ۱۶ نومبر ۱۹۵۸ء کو عمرآباد پہنچ گئے اور تدریسی خدمات انجام دینی شروع کردیں۔ اس وقت سے زندگی کے آخری لمحے تک آپ یکسوئی واستقامت کے ساتھ عمرآباد ہی کو اپنا مستقل مسکن بنالیا۔

طریقۂ تدریس:

ڈاکٹر کلیم اللہ صمدانی عمری اپنے مضمون مولانا ظہیر الدین اثری رحمانیؒ میں تحریر فرماتے ہیں ''جامعہ دارالسلام میں مولانا کی تدریسی خدمات تقریباً ۵۵ سال پر محیط ہیں۔اس دوران مولانا سے ہزاروں طلبہ مستفید ہوئے۔مولانا کا حافظہ بڑا تیز، مشاہدہ گہرا اور معلومات بڑے وسیع تھے۔جس کی وجہ سے ان کا درس بڑا دل چسپ اور پر کشش ہوا کرتا تھا۔کوئی بھی سبق موقع ومناسبت کے لحاظ سے کسی واقعے کے ذکر سے خالی نہ ہوتا۔جس سے طلبہ بہت محظوظ ہوتے۔درس پوری دل چسپی، لگن اور مطالعہ کے ساتھ دیا کرتے تھے۔کوئی باریک سے باریک مسئلہ ہو، مقدمہ ابن خلدون یا مقدمہ ابن صلاح وغیرہ کی کوئی بھی پیچیدہ عبارت، بڑے سلیقے اور پر لطف انداز سے تشریح فرمایا کرتے تھے''

مولانا جامعہ کے ناظم بھی رہے۔آپ کی مدت نظامت بالکل مختصر رہی، تاہم اس دوران آپ نے بہت سے اصلاحی کام انجام دیئے۔اس کے علاوہ آپ جامعہ کے شعبہ افتاء کے برسوں رکن رہے۔

جمعیت اہلحدیث سے وابستگی:

چونکہ آپ کی تعلیم ابتداء سے لے کر انتہا تک اہل حدیث مدارس میں وقت کے مشہور ومعروف علماء اہل حدیث کے پاس ہوئی تھی اس کا اثر تھا کہ آپ پختہ اہل حدیث تھے۔اور اپنے مسلک میں انتہائی سخت بھی تھے۔دوران درس طلباء کو تمسک بالکتاب والسنۃ پر زور دیتے، فقہی مذاہب کے موشگافیوں کا پول کھولتے اور اس پر علمی جرح بھی فرماتے۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالودود رحمانی کی وفات کے بعد آپ کئی میقات تک جمعیت اہل حدیث تامل ناڈو کے امیر بھی رہے۔ تاریخ اہل حدیث پر آپ اٹھارتی تھے۔

راقم الحروف نے جب بھی ریاست کرناٹک کے مختلف مقامات پر منعقد ہونے والے اجلاس میں شرکت وخطاب کی دعوت دی تو فوراً قبول فرمالیا۔شریک ہوئے اور خطاب بھی فرمایا کئی بار میرے گھر تشریف لائے، خدمت کا موقع بھی عنایت فرمایا۔

اخلاق وعادات:

آپ عزم وہمت، استقلال واستقامت کی مضبوط چٹان، بلاخوف لومۃ لائم اپنی بات کہہ جاتے تھے۔روشن ضمیر وروشن دماغ، قوت حافظہ بلا کا، ملنسار، مجلسی آدمی، زندہ دل وخوش مزاج، کامیاب معلم، طلباء کے مشفق مربی، نفاست پسند، علم اور اہل علم کے قدردان بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔

علمی اسفار:

مولانا کو صحیح مسلم کی سند عالی حاصل تھی اس وجہ سے اجازہ حدیث کے لئے عرب دنیا کے بے شمار مشائخ وطلاب آپ کے پاس عمرآباد تشریف لاتے اور شرف تلمذ حاصل کرتے، اس کے علاوہ مختلف ممالک میں سند حدیث کا اہتمام کر کے بھی بہت سے علماء نے

آپ سے علم حدیث سیکھا۔بعض ائمہ حرمین نے بھی آپ سے اجازۂ حدیث حاصل کی۔جن ممالک کا آپ سفر نہیں کر سکے یا جو علماء آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے انہوں نے فون اور انٹرنیٹ کے توسط سے روزانہ اپ سے درس حدیث لیا اور سند اجازہ حاصل کی۔

اولاد: اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین لڑکے اور چار لڑکیاں عطا کیں سب کو پڑھایا لکھایا اور ان کی شادی خانہ آبادی بھی کی۔ چند ماہ پہلے جوان بیٹے کی وفات کا صدمہ اٹھانا پڑا۔

وفات: مولانا کی صحت اچھی تھی، ادھر چند سالوں سے پیرانہ سالی کی وجہ سے پاؤں میں کچھ تکلیف پیدا ہوگئی تھی۔ چلنے پھرنے میں دشواری محسوس کر رہے تھے۔اس کے باوجود آپ نے دنیا کے مختلف ممالک کا سفر کیا اور علم حدیث سے ایک دنیا کو فیض پہنچایا۔وفات سے چار دن پہلے صحت کچھ متاثر ہوئی۔آخر ۱۴/اگست ۲۰۱۷ء بروز پیر بعد نماز مغرب آپ کی وفات ہوئی، علم حدیث کا ایک روشن چراغ گل ہوگیا۔مولانا دارالحدیث رحمانیہ کی آخری یادگار تھے ان کی وفات سے ایک دور کا خاتمہ ہوگیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

داغ فراق، صحبت شب کی جلی ہوئی
ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

(تاریخ اہلحدیث جنوبی ہند کے درخشاں پہلو۔عبدالوہاب جامعی ص:۴۱۷)

□□□

مولانا عبدالرشید اثری رحمہ اللہ ''لدوا'' سدھارتھ نگر

وفات ستمبر ۲۰۱۷ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

ضلع سدھارتھ نگر کا مٹکا علاقہ اپنی زرخیزی وشادابی کی وجہ سے انتہائی مشہور ومعروف ہے۔اسے میاں سید نذیر حسین دہلوی کے کئی تلامذہ کے مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔مولانا عباداللہ یوسف پوری بستویؒ (تلمیذ میاں سید نذیر حسین دہلوی) کا قائم کردہ ادارہ (جامعہ دارالھدیٰ یوسف پور) آج بھی اس علاقہ میں ایک تاریخی اہمیت کی حامل درسگاہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔مفکر ملت حضرت العلام مولانا عبدالجلیل رحمانیؒ ودیگر اساطین علم وفن نے اپنی علمی وفکری عطر بیزیوں سے علاقہ کو معطر فرمایا تھا۔آج بھی اس کی خوشبوئیں کہیں نہ کہیں محسوس ہوجایا کرتی ہیں۔اسی قافلہ حق وصداقت کی ایک کڑی مولانا عبدالرشید اثریؒ تھے جنہوں نے برسوں تدریس ودعوت میں اپنی زندگی لگائی تھی اوران بزرگوں کے لگائے ہوئے نخلستان علم ودعوت کی آبیاری میں لگے رہے۔ذیل کا مضمون ایک مختصر سوانحی خاکہ ہے جو مولانا کی تعلیمی وتدریسی اور دعوتی زندگی کا عکاس ہے دراصل یہ خاکہ آپ کے فرزند اور ہمارے عزیز محترم عزیز رشید ہندی باحث لغوی جامعہ الامام ریاض کے اس طویل مضمون کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے جسے آپ نے اپنے والد محترم کی زندگی پر ۱۵ صفحات سے زیادہ اوراق میں سمیٹا ہے۔اس کے علاوہ آپ کے بعض ساتھیوں اور دیگر رسائل وجرائد میں آپ کی وفات پر چھپی خبروں اور فیس بک اور وہاٹس ایپ پر لکھی گئی یادداشتوں کا بھی اس میں بہت اہم رول ہے۔اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور آپ کے فرزند کو آپ کا جانشین بنائے۔محترم کے شکریہ کے ساتھ یہ خاکہ حوالۂ قرطاس ہے۔جزاک اللہ خیرا واحسن الجزاء۔

نام ونسب: عبدالرشید اثری بن عبدالغفار بن حسن رضا۔

تاریخ ومقام پیدائش: ۱۸/مارچ ۱۹۶۳ء کو ضلع سدھارتھ نگر کے مٹکا علاقہ کے ایک مشہور گاؤں ''لدوا'' میں پیدا ہوئے۔

خاندانی پس منظر: آپ کے خانوادہ میں علم وحکمت کی بنیاد مولانا عبدالجلیل رحمانی کے رفقاء میں سے ایک بزرگ عالم مولانا صدیق حسین بستوی نے ڈالی تھی اوراسی وقت سے یہ سلسلہ علم وعمل چلا آرہا ہے۔

خاندان کے کئی افراد تدریس ودعوت کے میدان سے آج بھی جڑے ہیں۔اللہ تعالیٰ تمام کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔آمین۔

تعلیم وتربیت اوراساتذہ: ۱۔ابتدائی تعلیم دوم تک گاؤں کے مکتب مدرسہ اسلامیہ سبل الاسلام میں حاصل کی۔جہاں آپ منشی عبدالغفار اور حافظ صاحب پٹرری والے سے فیضیاب ہوئے۔

۲۔درجہ سوم سے پنجم تک کی تعلیم دار العلوم ششہنیاں میں منشیؒ صاحب بنکٹوا والے اور ماسٹر عبد المجید پچڈھوا والے کے پاس مکمل کی۔

۳۔عربی ادنیٰ سے ثانیہ تک علاقہ کی مشہور درسگاہ جامعہ دار الہدیٰ یوسف پور میں حاصل کی یہاں آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد ابراہیم رحمانی، مولانا عبد الکریم ندوی آپ کے چچا مولانا محمد ادریس قاسمی اور مولانا مجیب اللہ فیضی وغیرھم تھے۔

۴۔ثانویہ کی تعلیم (عربی ثالثہ اور اس کے بعد) جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال مولانا عبد الحنان فیضی، مولانا رحمت اللہ اثری، مولانا صبغت اللہ ندوی، مولانا عبد الحفیظ فیضی، مولانا خورشید احمد سلفی وغیرھم سے حاصل کی۔

۵۔عالمیت جامعہ سراج العلوم کنڈؤبونڈیہار میں مکمل کی وہاں مولانا محمد عمر سلفی، مولانا خلیل رحمانی، مولانا ابو العاص وحیدی ،مولانا کمال الدین اثری وغیرھم آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔

۶۔فضیلت کی تعلیم چند ماہ جامعہ اسلامہ فیض عام مئو، اور اس کے بعد دار الحدیث اثریہ میں مکمل کی اور یہیں سے ۱۹۸۳ء میں اپنے رفقاء مولانا مطیع اللہ حقیق اللہ مدنی، مولانا عبد الرحیم اثری، مولانا محمد صالح میواتی کے ساتھ فارغ ہوئے یہاں آپ کے اساتذہ میں مفتی عبد العزیز صاحب عمری، مولانا محمد احمد اثری، مولانا مختار اختر فیضی اور مولانا فیض الرحمن فیضی وغیرہم تھے۔

خدمات وذمہ داریاں: ۱۔فراغت کے بعد ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۵ء دوسال تک الجامعۃ الاسلامیہ تلکہنا میں تدریس کا فریضہ انجام دیا۔

۲۔۱۹۸۶ء سے ۱۹۸۷ء تک دوسال مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم گلہریا نیپال میں تدریس سے وابستہ رہے۔

۳۔۱۹۸۸ء سے جامعہ دار الہدیٰ یوسف پور سے وابستہ ہوگئے اور تاحیات اس ادارہ سے وابستہ رہے اور کم وبیش ۲۹ سالوں تک انتہائی محنت اور دل جمعی سے اس کی آبیاری کرتے رہے اور ابتدائی درجات سے لے کر دورۂ حدیث تک مختلف مضامین پڑھاتے رہے۔طلباء آپ کے افہام وتفہیم سے بے حد مطمئن رہا کرتے تھے۔

۴۔اس دوران آپ دار الاقامہ کی نگرانی بھی کرتے تھے اور طلباء کی تعلیم وتربیت کے لئے اس ذمہ داری کو بیماری کے آخری چند سالوں کو چھوڑ کر آپ نے باحسن طریق انجام دیا۔

۵۔آپ طلبہ کی انجمن ''ندوہ الخطابہ'' کے بھی مشرف رہے اور بڑے منظم طریقے سے اسے چلاتے رہے۔

۶۔جامعہ کی لائبریری سید نذیر حسین کے مسئول بھی رہے۔

۷۔خطبات جمعہ کے لئے گاؤں کی مسجد سے لے کر علاقہ ومضافات کی چھوٹی بڑی مسجدوں میں جایا کرتے تھے۔اور انتہائی پر مغز خطاب کرتے تھے۔خطابت کی دنیا میں آپ کی علاقہ میں بڑی مقبولیت تھی۔تعلیم وتربیت اولاد، حجاب نسواں وغیرہ پر آپ کے دلنشین خطابات سے لوگ جھوم جایا کرتے۔

۸۔کئی سالوں تک مقامی جمعیت اہل حدیث حلقہ برڈپور کے ناظم بھی رہے اور علاقہ میں بہترین دعوتی کام انجام دیئے۔

۹۔اپنے گاؤں لدوا مدرسہ سبل السلام کے ناظم تھے۔

۱۰۔مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم گلہریا اور معہد الامام ابن تیمیہ جگنا، نیپال وغیرہ کے برسوں سکریٹری رہے۔

۱۱۔جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کی مجلس شوریٰ وعاملہ کے رکن اور جمعیت اہل حدیث حلقہ نوگڑھ کے نائب ناظم بھی کئی برسوں تک رہے۔

تصنیفات ومضامین: آپ نے ایک رسالہ ''نقوش صحابہ'' اور دوسرا ''اسلام کی دو بنیادی باتیں'' تحریر کیں اور یہ دونوں رسالے مطبوع ہیں اس کے علاوہ مختلف دینی رسائل وجرائد میں کئی مضامین آپ نے لکھیں جو کہ شائع ہوکر نذر قارئین ہوچکی ہیں۔

بیماری اور وفات: فروری ۲۰۱۶ء میں دانت کا عارضہ لاحق ہوا اور رفتہ رفتہ یہ کینسر بن گیا علاج معالجہ ہوا۔آپریشن کرایا گیا لیکن رب العزت کو کچھ اور ہی منظور تھا افاقہ نہ ہوا بالآخر ۲۳ ستمبر ۲۰۱۷ء کو بروز سنیچر شام ڈھلے عمر کی ۵۳ بہاریں گزار کر راہی ملک بقا ہو چلے۔انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔اور ۲۴ ستمبر بروز اتوار ۲۰۱۷ء جماعت کی بزرگ شخصیت مولانا ابراہیم رحمانی کی امامت میں نماز جنازہ پڑھائی گئی اور ہزاروں پرنم آنکھوں کی موجودگی میں سپرد خاک کئے گئے۔اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین

(ماہنامہ صوت الاسلام جدید ممبئی مارچ ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

معروف عالم دین مولانا مفتی محمود عالم عمری کے انتقال پر

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا تعزیتی پیغام

وفات ستمبر ۲۰۱۷ء

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان میں شمالی بہار کے معروف عالم دین مولانا مفتی محمود عالم عمری واصلاحی کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔ اوران کی موت کو ملک وملت اور علمی دنیا کا بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ استاذ الاساتذہ مولانا محمود عالم عمری صاحب ایک متشرع اور باعمل انسان تھے اوران کا مولدومسکن مغربی چمپارن کی مشہور تاریخی بستی جھمکا تھی، جہاں اعاظم رجال پیدا ہوئے جنہوں نے تحریک شہیدین اور جدوجہد آزادی وطن میں عظیم قربانیاں دیں۔ ان کا انتقال بتاریخ ۲۴ر ستمبر ۲۰۱۷ء یک شنبہ کی صبح ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مفتی محمود عالم صاحب بہار خصوصاً چمپارن کی نئی نسل کے استاذ ومربی تھے۔ جن سے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی صاحب حفظہ اللہ نے بھی اکتساب فیض کیا تھا اوران کے علمی تفوق اور تحقیقی مزاج سے بہت متاثر تھے۔ وہ تقویٰ وطہارت خصوصاً تمسک بالکتاب والسنۃ اوراس پر عمل پیرا ہونے میں سلف کا نمونہ تھے۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم مدرسہ منظر العلوم بلی رام پور میں حاصل کی۔ پھر مدرسہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن میں داخلہ لیا اوراس کے بعد جامعہ فیض عام مئوناتھ بھنجن میں داخل ہوئے اور چند سال وہاں اساطین علم وفن سے علوم متداولہ حاصل کئے، تحصیل علم کے شوق نے ان کو کشاں کشاں جامعہ اصلاحیہ پٹنہ میں شیخ الحدیث مولانا صداقت حسین دوستیاوی رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچادیا۔ وہاں کئی سال تک کسب فیض کرتے رہے۔ فراغت کے بعد وقت کی عظیم ادیب اور راسخ فی العلم علامہ سید تقریظ سہسوانی رحمہ اللہ کی خدمت میں دہلی آئے اور جامعہ ریاض العلوم میں رہ کر شیخ الحدیث علامہ عبدالسلام بستوی اور سید صاحب سے خوب خوب استفادہ کیا۔ یہاں سے فراغت کے بعد جامعہ دارالسلام عمرآباد کا رخ کیا اوراس میں موجود اساطین علم وعمل سے بھرپور استفادہ کے بعد وطن واپسی ہوئی اور دعوت وتبلیغ اور افتاء وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ آپ نے مدرسہ دارالتکمیل مظفر پور سے سلسلہ تدریس کا آغاز کیا۔ پھر مادر علمی مدرسہ منظر العلوم بلی رام پور میں صدرالمدرسین کی حیثیت سے تقرری عمل میں آئی جہاں ایک لمبی مدت تک تدریس کے ساتھ ساتھ افتاء کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔ اوراپنے پیچھے دعاۃ وعلماء کی ایک بڑی تعداد چھوڑ گئے۔ جو بلاشبہ ان کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔ مولانا محمود عالم صاحب مفتی چمپارن کے لقب سے معروف تھے۔ آپ ضلعی جمعیت اہل حدیث مغربی چمپارن کی ہمیشہ سرپرستی فرماتے رہے۔

مولانا کے پسماندگان میں چار بیٹے اور ایک بیٹی اور بیوہ ہیں۔ پریس ریلیز کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث کے امیر مولانا

اصغر علی امام مہدی سلفی، ناظم عمومی مولانا محمد ہارون سنابلی ودیگر ذمہ داران واراکین وکارکنان نے مولانا کے انتقال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اور دعا گو ہیں کہ بارالہا ان کی مغفرت فرما، ان کو جنت الفردوس کا مکین بنا، ان کی خدمات کو قبولِ شرف بخش اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی فرما۔

(جریدہ ترجمان دہلی، اکتوبر ۱۵۔۱/۲۰۱۷ء)

❑❑❑

بقیہ صفحہ ۱۶۵ کا:

مولانا عبدالمبین صاحب منظرؔ ناظم مدرسہ شمس العلوم سمرا، بستی کی وفات حسرت آیات پر استاذ گرامی مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ: یہ خبر جماعتی حلقوں میں انتہائی رنج وغم کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ مورخہ ۲۷/اکتوبر ۱۹۸۹ء بروز جمعہ مولانا عبدالمبین صاحب منظرؔ رحمہ اللہ اپنے گردے کے آپریشن کے دوران وفات پا گئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

استاد محترم مولانا عبدالمبین صاحب منظرؔ جماعت اہل حدیث کے ممتاز عالم، حاضر جواب مناظر، شیریں بیان واعظ، اچھے مصنف اور قادر الکلام شاعر تھے۔

تقسیم ملک کے بعد اپنے وطن سمرا، بستی میں مولانا نے مدرسہ شمس العلوم کی بنیاد ڈالی اور اپنی شب وروز کی جدوجہد سے انہوں نے اس مدرسہ کو بستی، گونڈہ، گورکھپور اور ان اضلاع سے متصل نیپال کے علاقہ کے لئے ایک مثالی درسگاہ بنا دیا۔ اپنی ٹھوس ابتدائی، اردو، فارسی اور عربی تعلیم، بچوں کی تربیت اور مسلکی غیرعت وحمیت کے اعتبار سے یہ مدرسہ مولانا کی جوانی کے دور میں ممتاز حیثیت کا حامل رہا ہے۔ مولانا نے تاسیس سے لے کر اپنی زندگی کے آخری سانس تک اس ادارہ کو اپنے خون سے سینچا اور اسے بعض نیم سیاسی تنظیموں کے طالع آزماؤں کی سازشوں سے اللہ کی نصرت وتوفیق سے بچایا۔

مجھے فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کا شرف اسی درسگاہ میں اور خود استاذ محترم مولانا عبدالمبین صاحب منظرؔ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے حاصل ہوا۔

مولانا منظرؔ رحمہ اللہ کو قبوری شریعت کے دلدادگان سے مناظرہ میں بڑی مہارت تھی اور آپ کی اس مہارت سے ملک کے مختلف علاقوں نے فیض اٹھایا۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے اور اچھے نظم گو بھی، کئی موضوعات پر آپ کی مختصر اور طویل دینی نظمیں آج تک بچوں اور دوسرے لوگوں کی نوکِ زبان ہیں۔

جمعیت اہل حدیث بستی وگونڈہ کی تشکیل وتنظیم سے لے کر نوگڈھ کی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے انعقاد تک آپ کے بہت سے جماعتی وتنظیمی کارنامے ہیں۔

(مجموعہ مقالات ۲/۳۴۲)

❑❑❑

جامعہ احمدیہ سلفیہ، دربھنگہ بہار کے مایہ ناز سپوت

مولانا ڈاکٹر محمد طاہر ندوی سلفی مدنی رحمہ اللہ

وفات ۸/اکتوبر ۲۰۱۷ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

قافلۂ حق وصداقت کی ابتدائی کڑیاں ہمارے برصغیر میں خاندان ولی اللہی اوران کی جدوجہد، تحریک شہیدین اوران کے جیالوں نیز صادقان صادقپور کی قربانیوں سے عبارت ہیں اوراس قافلے کی منزلوں میں ایک بڑی منزل ارض بہار اوراس کا وہ خطہ ہے جہاں کبھی یہ پڑاؤ ڈالا کرتے تھے۔ یوں تو بہار کا پورا خطہ ان سرفروشوں کی قربانیوں اوران کے حسین تذکروں سے روشن ہے مگر بعض علاقوں کو اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ وہ اجلاء علماء بالخصوص سرخیل جماعت سید الطائفہ حضرت میاں صاحب اوران کے شاگردان باصفا کی آمدورفت اور قیام وورود کے مرکز رہے ہیں، میاں صاحب کے شاگردوں میں ایک نام مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ کا ہے جو خطہ بہار اوراس کے بعض علاقوں میں سلفی دعوت اوراس کے استحکام وانتشار میں ایک سنہرا نام مانا جاتا ہے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ کی دعوت وتبلیغ کے علاقوں میں ضلع سیتامڑھی بہار کے وہ خطے ہیں جنہیں ''برھروا، مرول، مولانگر، شاہ پور، بچھار پور وغیرہ کے مواضعات سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ انہیں بستیوں میں ایک مردم خیز بستی ہمارے صاحب تذکرہ مولانا محمد طاہر ندوی مدنی رحمہ اللہ کا آبائی گاؤں ''آواپور'' بھی ہے جہاں کے لوگ اسی قافلۂ حق وصداقت کے خوشہ چیں ہیں اوراسی گلستاں علم وعمل کے وارث وامین ہیں۔

مولانا رحمہ اللہ کا خانوادہ علم وعمل کے میدان میں مولانا ابراہیم آروی اور مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی جیسے سالار قافلہ کا فیض یافتہ تھا اور یہی خوبو وراثت میں مولانا طاہر مدنی کو ملی تھی، کم وبیش ۳۰ سال سے زائد عمر طویل کا قیمتی حصہ راہ دعوت اور تعلیم وتدریس میں لگادیا اور چلتے پھرتے اس راہ دعوت اور عمل میں اچانک اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ذیل میں آپ کی سوانح وخدمات کے بعض پہلو درج ہیں اور افادہ عام کے لئے ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے۔

مختصر سوانحی خاکہ:

نام ونسب: مولانا محمد طاہر بن محمد یعقوب بن محمد قمرالدین سلفی ندوی مدنی۔

تاریخ ولادت: آپ کی پیدائش ۳/مارچ ۱۹۴۴ء کو ایک زمیندار اور علم وعمل کے معروف گھرانے میں ہوئی۔

آبائی وطن: موضع ''آواپور''، ضلع سیتامڑھی، بہار انڈیا، آپ کا آبائی وطن ہے ویسے کافی عرصہ سے آپ دربھنگہ میں قیام پذیر تھے۔

خاندانی پس منظر: آپ کا گاؤں آواپور ضلع سیتامڑھی کے ان خطوں میں سے ہے جہاں کبھی میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ کی دیگر مواضعات کے ساتھ بکثرت دعوت وتبلیغ کے لئے آمد ہوا کرتی تھی۔ آپ کا خاندان زمیندارانہ گھرانے کے ساتھ علم وعمل اور تدین پسندی میں کافی مشہور ومعروف تھا۔ آپ کے والد محترم مولانا محمد یعقوب صاحب مولانا ابومحمد ابراہیم آرویؒ کے قائم کردہ سلفی جامعہ مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ سے فارغ التحصیل تھے۔ اور دادا مولانا قمرالدین صاحب آزادی سے پہلے یہاں درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے تھے اور ۱۹۱۸ء میں جب اس شمع کو پھر سے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی نے دربھنگہ میں روشن کیا اور بعد کے ادوار میں ڈاکٹر فرید، ڈاکٹر عبدالحفیظ وغیرہم نے اسے خون جگر سے سینچا اور اوج کمال تک پہنچایا تو آپ نے اپنے والد اور دادا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہاں علمی تشنگی بھی بجھائی اور پھر بحیثیت مدرس اپنی خدمات بھی پیش کیں، علماء واکابرین کی علمی وجماعتی ماحول میں آپ نے اس طرح نشوونما پائی اور آگے چل کر بلندیوں کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔

ابتدائی واعلیٰ تعلیم: آپ کی ابتدائی واعلیٰ تعلیم اور دیگر علمی اسانید وڈگریوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ ابتدائی تعلیم آپ نے چھچھوا گاؤں ضلع مدھوبنی میں حاصل کی۔

۲۔ ۱۹۶۳ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے عالمیت کی سند حاصل کی۔

۳۔ ۱۹۶۴ء میں علی گڑھ سے میٹرک پاس کیا۔

۴۔ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۰ء، ۱۹۶۲ء، ۱۹۶۴ء، ۱۹۶۵ء، میں بالترتیب فوقانیہ، مولوی، عالم، فاضل اردو فارسی اور فاضل حدیث کی سند بہار مدرسہ بورڈ سے حاصل کیں۔

۵۔ ۱۹۷۰ء میں آپ نے ہومیوپیتھک میں سنہا کالج، (سنہا ہومیو میڈیکل اینڈ ہاسپٹل) دربھنگہ سے ''ڈپلوما ان میڈیسن اینڈ سرجری'' کی سند حاصل کی۔

۶۔ ۱۹۷۲ء میں کنور سنگھ کالج دربھنگہ سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔

۷۔ ۱۹۷۵ء میں ٹیچر ٹریننگ کالج، سیتامڑھی سے ٹیچرس ٹریننگ کا کورس مکمل کیا۔

۸۔ ۱۹۷۷ء میں دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ سے فراغت حاصل کی۔

۹۔ ۱۹۷۹ میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ ہوا اور چار سالوں تک تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا، ۱۹۸۲ء میں مدینہ یونیورسٹی سے اجازہ عالیہ (بی اے) کی سند سے سرفراز ہوئے۔

مشہور اساتذہ: یہ بات متحقق ہے کہ ندوۃ العلماء لکھنؤ اور احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کے اساطین علماء سے آپ نے فیضیابی حاصل کی ہے۔ بعض مآخذ سے معلوم پڑتا ہے کہ آپ کے اساتذہ میں مولانا علی میاں ندویؒ اور مولانا ظہور رحمانیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جن اساتذہ کے ناموں کا ہمیں علم ہوسکا ہے وہ درج ذیل ہیں۔ (۱) مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ (۲) مولانا محمد رابع حسنی ندویؒ (۳) مولانا محمد اویس نگرامی ندوی (۴) مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی (۵) مولانا سعید الرحمن اعظمی (۶) مولانا عبدالماجد ندوی

(۷) مولانا ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی (۸) مولانا حبیب الرحمن سلطان پوری (۹) شیخ محمد المجذوب (مدینہ) (۱۰) شیخ علی بن عبدالرحمن الحذیفی (مدینہ) (۱۱) شیخ عبداللہ بن محمد الغنیمان (مدینہ) (۱۲) شیخ عبدالکریم مراد (مدینہ) (۱۳) شیخ احمد محمد الحمد (۱۴) شیخ محمد شریف الربیک۔

خدمات: ۱۔ مدینہ منورہ جانے سے قبل دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں چند سال تک تدریس۔

۲۔ سیتامڑھی، مہسول چوک کی مسجد اہل حدیث میں دو سال امامت وخطابت۔

۳۔ ۱۹۸۳ء سے مسلسل تیس سالوں تک واپس جامعہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں تدریس، آپ یہاں تفسیر وحدیث کے ساتھ دیگر فنون کی تدریس پر مامور تھے اور انتہائی کامیاب مدرس مانے جاتے تھے۔

۴۔ محلہ چک زھرہ، دربھنگہ میں واقع عیدگاہ میں امامت عیدین جسے آپ ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفیؒ کے بیمار اور کمزور پڑ جانے پر آپ کے حکم سے انجام دیتے تھے۔ اس اہم ترین ذمہ داری کے لئے ڈاکٹر صاحب نے آپ کو خود منتخب کیا تھا جسے بحسن وخوبی آپ نے برسوں انجام دیا۔

عہدے اور مناصب: ۱۔ کچھ برسوں تک آپ ضلع جمعیت اہلحدیث سیتامڑھی کے ناظم رہے۔

۲۔ مدرسۃ العلوم الاسلامیہ مُرول، اور ہدایت المسلمین، بچھارپور کے قیام وتاسیس میں آپ کی قائدانہ شرکت تھی۔

۳۔ گاؤں اور آواپور کے مدرسے کے لئے بڑی کوششیں کیا کرتے تھے۔

۴۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ کے مدرسے سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔

۵۔ تاحیات جامعہ ابن تیمیہؒ چندن باڑہ بہار کی مجلس تنفیذی کے رکن تھے۔

وفات: ۷۳ سال کی عمر میں ۱۸ اکتوبر ۲۰۱۷ء بروز اتوار دوران تدریس اچانک سیڑھی سے پھسل گئے، فوراً منہ سے خون آگیا، اور اسپتال لے جاتے ہوئے راستے میں ہی روح پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دوسرے دن صبح نو بجے محلہ چک زھرہ قبرستان دربھنگہ میں تدفین ہوئی۔ نماز جنازہ آپ کے داماد شیخ بدر عالم سلفی نے پڑھائی۔ پسماندگان میں ۳ بیٹے، اور ۵ بیٹیاں ہیں، اللہ تعالی صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ماخوذ:

۱۔ مجلہ طوبیٰ، چندن باڑہ، اکتوبر ونومبر ۲۰۱۷۔

۲۔ جریدہ ترجمان، دہلی ۱۶۔۳۱ اکتوبر ۲۰۱۷ء

۳۔ آپ کے فرزند آدم سلفی کا تحریر کردہ مضمون ''خاکہ'' اور دیگر معلومات۔

(صوت الاسلام جدید ممبئی۔ اپریل ۲۰۱۸ء)

□□□

جامعہ اسلامیہ سنابل کے مایۂ ناز استاذ

مولانا محمد الیاس سلفی بن محمد ادریس رحمہ اللہ لچھمی نگر، ضلع بلرام پور

وفات نومبر ۲۰۱۷ء

مولانا محمد رحمانی رمولانا نثار احمد سنابلی نئی دہلی

ادھر ماضی قریب سے مسلسل جماعت اہل حدیث بلکہ دوسری جماعتوں کے بھی اہم علماء کی وفیات کا سلسلہ جاری ہے۔ دنیا سے علم، علماء کی وفات کے ساتھ اٹھتا چلا جاتا ہے اور آنے والی نسلوں میں اپنے اسلاف اور بزرگوں کی طرح پختگی اور علمی گہرائی کی کمی نمایاں طور سے نظر آتی ہے، جو سادگی، تواضع، پختگی، گہرائی قناعت وانکساری ہمارے بزرگوں میں پائی جاتی تھی وہ بھی علمی گہرائی کا مظہر تھی۔ یہ خوبیاں بھی اب ختم ہوتی جارہی ہیں۔ نئی نسل کے علماء کے یہاں جہاں علمی کوتاہیوں کا انبار ہے، وہیں علمی سطح بھی ان کی بہت قابل ذکر نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ آج کے پرفتن دور میں وقت کے گزرنے کے ساتھ اہل کلام وبدعت اور غلط نظریات ومنہج کے حاملین اپنے اندر شرعی بنیادوں اور اصولوں کے فقدان کے باوجود محض چرب زبانی، زبان درازی اور منطق وفلسفہ کی موشگافیوں کی بنیاد پر اہل حق پر بھی چڑھ دوڑنے کی سعی نامسعود کرتے ہیں۔ علمی پختگی رکھنے والے علماء کی وفیات کے اس سلسلہ سے امت اسلامیہ میں سب سے بڑا جو خلا پیدا ہوا ہے وہ پڑھے لکھے جاہلوں نے پیدا کیا ہے اور بلا کسی مضبوط لائحہ عمل کے اس خلا کے پر ہونے کی امید بھی بظاہر نظر نہیں آتی۔

ماضی کی تابناک داستان اور حال کے مایوس کن حالات ہمیں علمی گہرائی کی اہمیت سے اگر واقف نہ کرا سکیں اور ہم پیچھے لوٹ کر اپنی تاریخ کے سروں کو نہ جوڑ سکیں تو یقینا ہمارا اس دنیا میں رہنے کا اہم مقصد فوت ہے۔ شخصیات دنیا میں اس دار فانی سے رخصت ہونے ہی کے لئے آتی ہیں، لیکن اگر ہم قرآن وسنت اور اسوۂ صحابہ کی روشنی میں ان سے کچھ سیکھ لیں تو یہی ہماری کامیابی کا زینہ ہوگا۔ اللہ رب العالمین ہمیں اس کی توفیق سے نوازے آمین۔

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی کے اعلیٰ تعلیمی ادارہ ''جامعہ اسلامیہ سنابل'' کے سینئر مدرس مولانا محمد الیاس صاحب سلفی رحمہ اللہ کی وفات کا حادثہ بھی ادارہ کے ذمہ داران اور مدارس اسلامیہ کے نونہالوں کے لئے ایک بڑا حادثہ ہے۔ پانچ نومبر کی صبح میں بنارس سے دہلی کے لئے سفر میں تھا، صلاۃ فجر سے فراغت کے تھوڑی ہی دیر کے بعد مولانا رحمہ اللہ کے شاگرد اور میرے ہم سبق ساتھی مولانا نثار احمد سنابلی مدنی حفظہ اللہ عمید جامعہ اسلامیہ سنابل نے فون پر یہ اندوہناک خبر سنائی کہ مولانا کی وفات ہوگئی۔ میں سفر کے لئے نکلنے سے پہلے اسپتال ان کی

عیادت کے لئے گیا تھا، لیکن وہ ذیابیطس کی بے انتہا زیادتی اور دماغ اور سر پر فالج کے شدید حملے کی وجہ سے مسلسل بے ہوش تھے، میں نے بات کرنے کی پوری کوشش کی لیکن ناکام رہا، ارادہ تھا کہ سفر سے واپسی کے فوراً بعد پھر عیادت کے لئے جاؤں گا، لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ تقریباً صلاۃ ظہر کے قریب گھر پہنچ کر بچوں سے ملاقات کی اور حسب اعلان صلاۃ جنازہ اور تدفین میں شرکت کے لئے سنابل کے عیدگاہ گراؤنڈ کے لئے نکل پڑا۔

قدر اللہ و ماشاء اللہ فعل، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مولانا محمد الیاس سلفی رحمہ اللہ میرے والد گرامی مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ سے ایک طویل مدت تک بہت قریب رہے۔ میں نے ان سے ترجمہ معانی القرآن الکریم اور ابتدائی کلاسوں میں صرف ونحو کے قواعد پر مشتمل کتابیں پڑھی تھیں۔ تفسیر قرآن کریم کی بھی چند کتابیں انھوں نے مجھے پڑھائی تھیں۔ تدریس کا نرالا انداز تھا، کتاب کو اچھی طرح ازبر کراتے، ذہن میں اتار دینے کا انوکھا اسلوب تھا، نحو وصرف کے قواعد کی کتابیں خوب رٹا دیا کرتے تھے۔ ادارہ کے ابتدائی ایام ہی سے پہلے دہلی میں معہد التعلیم الاسلامی، پھر جامعہ اسلامیہ سنابل سے منسلک رہے۔ ادارہ کے تعلیمی شعبہ معہد علی بن ابی طالب لکھنؤ سے بھی وابستہ رہے اور وہاں دروس، خطابت اور تدریس نیز انتظام وانصرام کی ذمہ داریاں بخوبی نبھاتے رہے، پھر وہاں سے تدریس چھوڑ کر نیپال منتقل ہوگئے۔ والد رحمہ اللہ سخت علیل تھے، بلکہ مرض الموت میں مبتلا تھے، اسی درمیان مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کا دہلی آنا ہوا اور عیادت کے لئے وہ گھر تشریف لائے۔ والد رحمہ اللہ ان کو دیکھتے ہی رو پڑے اور ان سے بار بار کہتے رہے کہ آپ پھر سے ادارہ سے منسلک ہو جائیں اس کے بعد مولانا رحمہ اللہ سنٹر میں دوبارہ تشریف لائے اور ان کو سنٹر کے نسواں اقامتی ادارہ عائشہ صدیقہ شریعت کالج سے منسلک کر دیا گیا۔ وہ معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم جوگابائی کا اشراف بھی کرتے تھے اور جامع مسجد ابوبکر صدیق جوگابائی میں درس قران کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ بعض اسباب کی وجہ سے مولانا کو ادارہ نے پھر سے جامعہ اسلامیہ سنابل منتقل کر دیا اور وہاں تدریس کا فریضہ انجام دیتے دیتے ان کا وقت موعود آپہنچا۔ اس طرح سے ان کا علمی سفر مستقل طور سے جہاں سے شروع ہوا تھا وہیں اختتام پذیر بھی ہوگیا۔

مولانا رحمہ اللہ کے تواضع کا یہ عالم تھا کہ مجھے یاد ہے کہ سنابل کے ہاسٹل میں صلاۃ فجر میں طلبہ کو جگانے سے پہلے ہی اکثر بیت الخلاء اور وضوخانہ کا راؤنڈ لگایا کرتے تھے اور بسا اوقات ضرورت پڑنے پر صفائی بھی کر دیا کرتے تھے۔ اللہ رب العالمین مولانا کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔

مولانا رحمہ اللہ کی وفات پر جماعت کے بزرگ عالم دین اور دسیوں اہم اور قیمتی کتابوں کے مؤلف مولانا عبدالرؤف ندوی حفظہ اللہ کا تعزیتی مکتوب میرے نام ان کے بیٹے محمد ظفر محمدی سلمہ اللہ کی جانب سے موصول ہوا تھا، وہ تعزیت نامہ بھی قارئین کے افادہ کے لئے اس شمارہ میں شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ اللہ رب العالمین مولانا ندوی حفظہ اللہ کو صحت وتندرستی سے نوازے اور جہد مسلسل کی توفیق عطا فرمائے، آمین

(محمد رحمانی)

اس مادیت زدہ دور میں مدارس اسلامیہ حقیقی معنوں میں علم وعرفان اور دین وایمان کے مضبوط و مستحکم قلعے اور گہوارے ہیں جہاں سے دین حنیف کی حفاظت اور نشر واشاعت کا کام ہوتا ہے۔ توحید وسنت کا فروغ اور شرک وبدعت کی قباحت وشناعت کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ اسلامی تشخص اور تہذیب وتمدن کو رواج ملتا اور رجوع الی الکتاب والسنہ کا حقیقی ذوق وشوق اور جذبہ پیدا ہوتا۔ عظمت اسلام کا احساس اور نعمت ایمان کی قدردانی کا راز معلوم ہوتا ہے، کیونکہ صدیوں سے ان مدارس کی یہ شان رہی ہے کہ وہ تمام بے توجہی وانگشت نمائی اور اپنی بے بضاعتی وتہی دامنی کے باوجود کوہ استقامت بن کر اپنے مقصد کی جانب رواں دواں رہے ہیں۔ ان کے کوکھ سے دین کے علم بردار، کتاب وسنت کے حقیقی نقیب وترجمان جنم لیتے ہیں۔ منبر ومحراب کی زینت اور اعداء اسلام کے لئے آہنی دیوار بن کر صف آرا ہونے والے سخنور، غازی اور قلمکار یہیں سے منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ ہر طرح کے داخلی وخارجی فتنوں کی سر کوبی، خزاں رسیدہ ماحول کی اصلاح وتربیت کا راز یہیں کے فیض یافتگان کی شبانہ روز کاوشوں میں مضمر ہے، اس لئے کہ ان کے دامن میں دین کے بے لوث خادم، مردم گری کے رموز سے آشنا اور انسان سازی کے جذبہ سے سرشار حقیقی عالم ومربی پناہ گزیں ہوتے ہیں۔ ان کے مکینوں میں میراث نبوت کے سچے نگہبان نونہالان ملت کے لئے علم وعمل کے پیکر بن کر اخلاص ووفا کی سچی تصویر پیش کرتے ہیں، جن کی منزل آخرت، جن کا شیوہ خدمت دین ووطن اور جن کا مقصد رب کی رضا ہے۔ ان ہی فقید المثال ہستیوں میں فطری شرافت، دینی حمیت، مسلکی غیرت، صبر واستقامت، سادگی وقناعت، جفاکشی وسخت محنت، خلوص وللّٰہیت اور احساس ذمہ داری واصول پسندی نیز دردمندی وہوش مندی جیسی ان گنت خوبیوں وکمالات کا حسین مجموعہ ہمارے استاد الاساتذہ مولانا الیاس سلفی رحمہ اللہ تھے۔

وہ مایہ ناز ہستیاں جنھوں نے گلستان سنابل کے مالی اور ابوالکلام آزاد اسلامک اویکنگ سنٹر نئی دہلی کے بانی علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کے ہم رکاب اور ہم دوش رہ کر خوش حالی وپریشانی، موجودگی وعدم موجودگی میں اپنے خون جگر سے سنٹر اور اس کے دیگر شعبہ جات کی آبیاری کی، اس کے لئے اپنی حیات مستعار کے شام وسحر کو وقف کیا۔ ہمہ وقت اور ہر محاذ پر تعلیمی وتربیتی، دعوتی وسفارتی اعتبار سے ہی نہیں بلکہ گردوپیش کے دشمنان وحاسدین ادارہ ومسلک کا ڈٹ کر مقابلہ کر کے اپنی قربانیوں کے انمٹ نقوش ثبت کئے، جن کے استقامت وعزیمت اور جانفشانیوں کا اعتراف ذمہ داران، علاقہ کے باشندگان، آپ کے حلقۂ احباب اساتذہ ہی کو نہیں ہے بلکہ ہندونیپال کے آپ کے خوشہ چیں طلبہ کے دل ودماغ میں نقش اور زبان زد خاص وعام ہے۔

آیئے سینٹر کے سلسلۃ الذھب علامہ عبدالحمید رحمانی، ماسٹر محمد مسعود عالم حفید علامہ عبدالوہاب آروی، مولانا محمد سعود سلفی، ماسٹر ابوذر خاں رحمہم اللہ جیسے اہم ستون ومعمار (جن کی محنت شاقہ اور اخلاص ووفا سے بتوفیق الٰہی ادارہ کے معیار تعلیم کو بلندی اور نظم و انصرام میں پختگی اور حسن پیدا ہوا) کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ان ہی کی راہ کے راہی اور انتہائی اہم وغیر معمولی ستون مولانا محمد الیاس سلفی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے چند اوراق الٹتے ہیں، تاکہ احساس ذمہ داری سے مفقود اور مادہ پرست ماحول میں ہم ارباب مدارس ومعاہد، اصحاب جماعت وجمعیات، تعلیم وتربیت پر مامور اساتذہ ومربیان کے لئے سامان عبرت فراہم ہو سکے اور نئی نسل کے لئے مشعل راہ اور دینی عمل پر قائم ودائم رہنے میں ان کے لیے آسانی پیدا ہو۔ علاوہ ازیں ہماری بکھری ہوئی زریں تاریخ کے

منتشر اوراق قصہ پارینہ بننے کے بجائے ترتیب کی لڑی میں منسلک ہوسکیں۔

نام ونسب:

محمد الیاس بن محمد ادریس بن عبدالجلیل سلفی (عرف بابا)

تاریخ ومقام ولادت:

مولاناؒ اپنے آبائی وطن جیابھاری، بڑھنی، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی میں ۱۹۴۶ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیمی لیاقت:

۱۔منشی۔عربی وفارسی بورڈ، الہ آباد، یوپی

۲۔مولوی۔عربی وفارسی بورڈ، الہ آباد، یوپی

۳۔عالم۔عربی وفارسی بورڈ، الہ آباد، یوپی

۴۔عالمیت۔جامعہ سلفیہ، بنارس، یوپی

۵۔فضیلت۔جامعہ سلفیہ، بنارس، یوپی ۱۹۷۰ء

خاندانی پس منظر:

مولانا نے جیابھاری کے ایک سلفی دیندار، زمیندار اور متمول گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔آپ کے دادا محترم جناب عبدالجلیل صاحب کے دو صاحب زادے تھے، ایک آپ کے والد گرامی اور دوسرے آپ کے عم محترم جناب زکریا (عرف ذکری حاجی) تھے۔آپ کے دادا محترم کی زمینداری کا نصف حصہ جیابھاری میں جب کہ نصف حصہ پچھمی نگر ضلع بلرام پور میں تھا، اور آپ کے خاندان کے افراد دونوں جگہوں پر آباد تھے، اس لئے ابھی جب کہ آپ بہت ہی کمسن تھے، آپ کے والد اپنے اہل خانہ کے ہمراہ مستقل طور پر پچھمی نگر سکونت پذیر ہوگئے اور عم محترم آبائی وطن جیابھاری ہی میں مقیم رہے۔مولانا جب کہ عین عنفوان شباب میں تھے اور اپنی عمر عزیز کی اٹھارہویں بہاریں دیکھ رہے تھے کہ والدہ محترمہ کا سایہ عاطفت آپ کے سر سے اٹھ گیا اور انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا، اور والد گرامی نے دوسرا عقد نکاح کیا اور اس طرح آپ کے سگے اور سوتیلے بھائی بہنوں کی کثرت سے آپ کے والد کثیر العیال ہوگئے۔علاوہ ازیں وہ بہت سخی وفیاض اور خاندان کی مصیبت، شادی بیاہ میں بھرپور تعاون کرتے تھے۔آپ اپنی اسی سخاوت وفیاضی، شاہی خرچ اور کثیر العیالی کے سبب اقتصادی طور پر کمزور ہوگئے اور جائیداد ورثہ میں تقسیم در تقسیم ہونے کی وجہ سے مولاناؒ ایک خوش حال گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود انتہائی کسمپرسی کے عالم میں مفلوک الحال زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگئے، بالآخر اُسکا سارا ذریعہ معاش وہ معمولی تنخواہ رہی جو آپ کو حاصل ہوتی تھی۔پھر جب آپ کے بچے برسر روزگار ہوئے تو خوشحالی کے ایام بحمد اللہ رفتہ رفتہ عود کر آنے لگے۔

تعلیم و تعلم:

آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے ننھیال بجواں کلاں ضلع بلرام پور، یوپی میں امام الفرائض علامہ عبدالرحمن بجوادیؒ کے قائم کردہ مدرسہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد عربی تعلیم کے حصول کے لئے مشہور محدث اور شارح سنن ترمذی علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ کے قائم کردہ ادارہ کنڈوَ، بونڈیہار گئے، جہاں اس وقت مولانا اقبال رحمانیؒ (بڑے مولانا) کا طوطی بولتا تھا اور وہ درسگاہ معیار تعلیم اور حسن تربیت کی بنیاد پر علاقہ کا انتہائی اہم ادارہ شمار کیا جاتا تھا۔ مولانا اقبال رحمانیؒ آپ کے لئے انتہائی شفیق باپ ثابت ہوئے اور وہاں پر آخری درجہ جماعت رابعہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے استاذ گرامی کی سفارش و کوشش نیز اپنی صلاحیت کے بل بوتے ۱۹۶۵ء میں مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ جو ابھی اپنے قیام کے ابتدائی مرحلہ میں تھا، عالم ثالث میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۰ء میں وہاں سے فضیلت کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد میدان عمل میں اترے۔

ممتاز اساتذہ وشیوخ:

مولانا کے اساتذہ کی فہرست خواہ باحیات ہوں یا وفات پا گئے ہوں، بہت طویل ہے، ان میں عرب وعجم کے چند مشہور اساتذہ کے اسمائے گرامی کچھ اس طرح ہیں: مولانا محمد اقبال رحمانی، مولانا عبدالوحید رحمانی، ابوعبیدہ عبدالمعید بنارسی، مولانا شمس الحق صاحب سلفی (والد گرامی شیخ عزیز شمس)، مولانا ادریس آزاد رحمانی، مولانا عابد حسن رحمانی، ابوالعرفان محمد عمر سلفی، مولانا عبدالحمید رحمانی، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، مولانا رئیس الاحرار ندوی اور جامعہ سلفیہ میں عرب مشائخ ڈاکٹر ربیع بن ہادی المدخلی، شیخ صالح عراقی، شیخ عبداللہ الغنیمان، فضیلۃ الشیخ ہادی المدخلی، فضیلۃ الشیخ علی مشرف العمری وغیرہم (**حفظ اللہ الاحیاء منھم ورحم علی موتاھم**)۔

ممتاز اقران ورفقاء درس:

یوں تو آپ کے رفقاء وہم سبق ساتھیوں کو شمار کرنا ایک مشکل امر ہے، البتہ ان میں سے چند مشہور کا تذکرہ زیب قرطاس کیا جاتا ہے: مولانا عزیز الرحمن سلفی (سابق مدرس جامعہ سلفیہ)، مولانا عبدالوہاب حجازی (سابق مدرس جامعہ سلفیہ وایڈیٹر ماہنامہ محدث بنارس)، ڈاکٹر صغیر احمد (شنکر نگر)، حکیم شکر اللہ صاحب (ہمدرد طبیہ کالج)، ڈاکٹر ناصر صاحب (بونڈیہار)، مولانا محمد عیسیٰ صاحب (مدرس مدرسہ رحمانیہ بنارس)، مولانا محمد مسلم صاحب (اونرہوا) **حفظھم اللہ وتولاھم**۔

ممتاز تلامذہ وشاگردان:

آپؒ کا میدان عمل فراغت تا وفات درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ ہی تھا، جو تقریباً ۴۸ سال تک جاری رہا، اگر تعلیمی سال کے اعتبار سے دیکھا جائے تو نصف صدی سے بھی متجاوز ہوسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک انتہائی محتاط اندازہ کے مطابق آپ کے فیض یافتگان کی چھٹی نسل تدریس کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔ اس میں آپ نے ہند و نیپال کے شہر و دیہات میں طلبہ و

طالبات کی غیر معمولی تعداد علماء، دعاۃ اور مختلف میدان ہائے عمل میں کام کرنے والے افراد و ذمہ داران جمعیت و جماعت کی شکل میں چھوڑا ہے۔ ان میں چند مشہور ارشد تلامذہ کے اسماء حوالہ قرطاس کر رہا ہوں۔ سنٹر کے صدر عمومی مولانا محمد رحمانی سنابلی مدنی، جامعہ کے مدیر مولانا وسیم احمد سنابلی ریاضی، وکیل مولانا شکیل احمد سنابلی، عمید راقم الحروف، اس کے مساعدین مولانا شہاب الدین سنابلی و مولانا زبیر احمد سنابلی، عائشہ شریعت کالج کے مینیجر قاری محمد مصطفی عثمانی، اس کے عمید مولانا عبداللہ محمد سعید سنابلی، جامعہ کے سابق عمداء مولانا وسیم احمد سنابلی مدنی، مولانا عبدالبر سنابلی مدنی، سنٹر کے آفس سکریٹری مولانا نصر اللہ سنابلی کے علاوہ ادارہ کی مختلف شاخوں کے اساتذہ و کارکنان سب کے سب آپ کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد اور خوشہ چیں ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے کچھ مشہور طلبہ کے نام درج ذیل ہیں:

مولانا عبدالمنان سلفی (وکیل الجامعہ، جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر، نیپال و مدیر مجلہ السراج)، مولانا سعید اختر مدنی (اکرہرا)، جناب محمد محسن صاحب (رکن جماعت اسلامی ہند، دہلی) (ان حضرات نے اکرہرا میں مولانا کی شاگردی اختیار کی) مولانا کے صاحب زادہ عبدالسلام عمری (امین مکتبہ علامہ ابن بازؒ المرکزیہ، سنابل) مولانا عبداللہ سراجی اور مولانا جمیل اثری (ان تینوں نے بھیکم پور میں آپ سے علم حاصل کیا اور اس وقت ثانی الذکر وہاں کے ناظم ہیں)، مولانا سعید معراج ربانی، مدنی (مشہور داعی، شعبہ جالیات، سعودی عرب)، مولانا عطاالرحمن سعیدی، مدنی (داعی شعبہ جالیات، سعودی عرب)، مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی (ممبئی)، مولانا محمد ہارون سنابلی (ناظم عمومی، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)، مولانا نورالہدیٰ سنابلی، مدنی (سعودی سفارت خانہ، نئی دہلی)، ڈاکٹر سعید حیات المشرقی (دبئی، متحدہ عرب امارات)، مولانا کے دوسرے صاحب زادہ عبدالصبور سنابلی، مدنی (داعی شعبہ جالیات، سعودی عرب)، مولانا اشتیاق احمد رئیس سنابلی، مدنی (داعی شعبہ جالیات، سعودی عرب)، مولانا مطیع الرحمن بن عبدالمتین مدنی (چیئرمین، توحید ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ، کشن گنج، بہار)، ڈاکٹر قطب الدین سنابلی (سعودی سفارت خانہ، نئی دہلی)، ڈاکٹر عبدالتواب سنابلی، مدنی (کویت سفارت خانہ، نئی دہلی)، مولانا عنایت اللہ سنابلی، مدنی (داعی، صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی)، مولانا عبدالشکور سنابلی، مدنی (ایڈیٹر ماہنامہ ''اہل السنہ''، ممبئی)، مولانا عبدالقیوم سنابلی (سعودی سفارت خانہ، نئی دہلی)، مولانا کفایت اللہ سنابلی (داعی و محقق، اسلامک انفارمیشن سینٹر، ممبئی)، مولانا محمد مبارک عبدالستار سنابلی، مدنی (ویلفیئر آفیسر، وقف بورڈ، ہریانہ گورنمنٹ)، ڈاکٹر عزیر اسرائیل سنابلی (لکچرر، دہلی یونیورسٹی)، ڈاکٹر عطاء اللہ سنابلی وغیرہم۔

تدریسی و دعوتی خدمات:

(الف) تدریسی خدمات: مولانا کی تدریسی تگ و تاز جیسا کہ ذکر کیا گیا نصف قرن پر محیط ہے، لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جن جن مدارس میں تدریسی فرائض انجام دیئے ہیں، ان مدارس کا نام مدت تدریس کے ساتھ ترتیب وار ذکر کر دیں، تاکہ قاری کے سامنے ایک خاکہ آجائے:

۱۔ المعہد الاسلامی، اکرہرا، سدھارتھ نگر، یوپی۔ ۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۲ء (دو سال)

۲۔مدرسہ محمدیہ نصرت الاسلام، شنکر نگر، بلرام پور، یوپی۔ ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۵ء (تین سال)

۳۔مدرسہ ریاض الاسلام، بھیکم پور، بلرام پور، یوپی۔ ۱۹۷۶ء تا ۱۹۷۸ء (تین سال)

(ان تینوں ادارں میں اس وقت جماعت رابعہ تک تعلیم ہوتی تھی اور اس وقت ان کا معیار تعلیم کافی بلند اور علاقہ کے مشہور اداروں میں شمار ہوتا تھا)۔

۴۔مدرسہ نور الہدی، اونرہوا، بلرام پور، یوپی۔ ۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۰ء (دو سال)

۵۔ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سینٹر، نئی دہلی:

(الف) معہد التعلیم الاسلامی (جامعہ اسلامیہ سنابل) ۲۶/اگست ۱۹۸۱ء تا ۲۲/فروری ۲۰۰۳ء

(ب) معہد ابوبکر الصدیق، بستی، سدھارتھ نگر، یوپی ۲۰۰۳ء تا ۲۰۰۵ء

(ج) معہد علی بن ابی طالب، لکھنؤ، یوپی ۲۰۰۵ء تا ۲۵/دسمبر ۲۰۰۹ء

(کل مدت: ۲۹ سال)

۶۔کلیہ ضیاء للبنات التابعہ لکلیہ الصفا للشریعہ واللغۃ العربیۃ، ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر، یوپی۔ ۲۰۱۰ء (ایک سال)

۷۔دار الحسنات للبنات التابعۃ لجامعۃ التوحید، بجوا، نیپال۔ ۲۰۱۱ء تا ۲۰۱۴ء (۴ سال)

۸۔ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سینٹر، نئی دہلی (دوبارہ آمد)

(الف) کلیۃ عائشۃ الصدیقۃ للشریعۃ التابعۃ للجامعۃ الاسلامیۃ سنابل۔ یکم ستمبر ۲۰۱۴ء تا ۲۰۱۶ء (دو سال)

(ب) جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی التابعۃ لمرکز ابوالکلام آزاد للتوعیۃ الاسلامیۃ۔ ۱۸/جولائی ۲۰۱۶ء تا ۲۰۱۷ء (تقریباً ڈیڑھ سال)

مذکورہ تفصیلی خاکہ سے معلوم ہوا کہ فراغت تا وفات تقریباً ۴۸ سال آپ نے تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ پوری زندگی آپ نے لڑکوں کی تعلیم پر وقف کی لیکن اخیر کے سالوں میں نسواں اداروں میں اپنے فیض کو عام کیا۔

مولانا اپنے ابتدائی تدریسی ایام مثلاً اکرہرا، شنکر نگر و بھیکم پور اور معہد کے ابتدائی ایام میں جماعت رابعہ تک کی حسب گنجائش نحو، صرف، عربی ادب، ترجمہ قرآن وحدیث، سبھی مضامین پڑھاتے تھے، لیکن بعد میں آپ کا خاص موضوع ترجمہ وتفسیر قرآن اور صرف تھا۔ گاہے بگاہے حسب حاجت نئے مضامین بھی پڑھاتے تھے، چنانچہ آپ نے ایک سال ہم طلبہ کو نحو کی کتاب ''قطر الندی'' پڑھائی اور امسال آپ کے ذمہ قرآن کے علاوہ تاریخ اسلام بھی زیر تدریس تھی۔

(ب) دعوتی خدمات: بھیکم پور میں قیام کے دوران مولانا کے ذمہ تدریس کے علاوہ امامت وخطابت بھی تھی، جو آپ نے بحسن وخوبی بلا ناغہ پوری مدت قیام میں انجام دی۔ اسی طرح بقول مولانا عزیز الدین سنابلی اونرہوا میں بھی قیام کے دوران مولانا کے ذمہ تدریس کے علاوہ گاؤں کے دوسری طرف سے دور واقع مسجد میں پنج وقتہ صلوات کی امامت وخطابت بھی تھی

اور آپ نے انتہائی احساس ذمہ داری کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا۔

اس کے علاوہ دہلی کے قیام کے دوران آپ ۱۹۹۴ء سے پہلے مستقل طور پر آزاد مارکیٹ میں واقع اہل حدیث مسجد میں خطبۂ جمعہ دیتے تھے۔ اسی طرح لکھنؤ میں قیام کے دوران معہد علی بن ابی طالب کی جامع مسجد میں آپ مستقل خطبہ جمعہ اور درس قرآن دیتے تھے۔ اسی طرح آپ خصوصی طور پر کلیہ عائشہ میں تدریس کے دوران اور رمضان میں سینٹر کی جامع مسجد ابوبکر صدیق جوگابائی میں درس قرآن دیتے تھے۔ اسی طرح امسال آپ نے رمضان میں بلا ناغہ پورے قرآن کا خلاصہ تراویح کے بعد اپنے مخصوص لب ولہجہ میں پیش فرمایا۔

مولانا بحیثیت مدرس:

مولاناؒ ایک باکمال اور فرض شناس مدرس تھے۔ آپ کے حلقۂ درس میں ثقاہت، زبان میں لطافت تھی۔ انداز بیان انتہائی موثر اور نرالا تھا۔ گویا ایک طرف لفظوں کا آبشار بہہ رہا ہو اور دوسری طرف آواز کی گھن گرج پوری فضا کو اپنا اسیر بنائے ہو۔ اس خود اعتمادی اور اچھوتے انداز میں درس دیتے کہ طلبہ کو کلاس ہی میں درس ازبر ہو جاتا تھا، خصوصاً ''صرف'' کو آپ غبی سے غبی طالب علم کے ذہن میں راسخ کرنا جانتے تھے، کیونکہ آپ بغیر مطالعہ کے تدریس کو حرام سمجھتے اور خوب مطالعہ کے بعد ہی کلاس میں حاضر ہوتے تھے۔ درس کی تیاری میں اپنے جونیئر وسینیئر مدرسین خواہ وہ آپ کے شاگرد ہی ہوں، ان کی طرف رجوع کرنے میں کسی قسم کا تردد اور شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہی حال شروع سے آخری ایام تک تھا۔ درس قرآن میں حل لغات کے ضمن میں مزید توضیح کے لئے دیہاتی الفاظ کو ڈھونڈ کر اس قدر لاتے کہ جہاں ایک طرف اس سے وہ چیز طلبہ کے ذہن میں راسخ ہو جاتی، وہیں مجلس کے قہقہہ زار ہونے سے غافل طلبہ متنبہ ہو جایا کرتے تھے۔ آپ ایک طبیب حاذق کی طرح دوران درس مخالف آراء پر نشتر بھی چلاتے اور کسی بھی قسم کے تعصب چاہے علاقائی ہوں یا مسلکی یا خاندانی، اس کی سخت مخالفت کرتے اور اپنے موقف پر پورے طور پر قائم رہتے تھے۔ آپ کا پورا تدریسی دور جہاں کمال احساس ذمہ داری کے اعتبار سے ممتاز ہے وہیں حاضری کے ناحیہ سے اور ہی زیادہ قابل قدر ہے، چنانچہ امسال عید الاضحیٰ کے معا بعد بیماری کے سبب جب تین دن رخصت علالت پر مجبور ہوئے تو آپ نے برملا احباب کی محفل میں فرمایا: میری تدریسی زندگی پر داغ لگ گیا۔ اور آپ کی اس پیاری سنت پر ہر جگہ کی تاریخ شاہد بھی ہے۔ گویا کہ شاعر کی زبان میں آپ ہماری آواز تھے:

تنہا تھا جو صحرا میں مسافر کا سہارا
چڑیوں کو بہت آس تھی اس بوڑھے شجر سے

آپ رحمہ اللہ کو اپنے شاگردوں پر بہت ناز تھا۔ آپ ان کی تعریف وثنا خوانی میں اکثر رطب اللسان رہتے تھے اور طلبہ کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کرتے۔ یہ آپ کے صدق ووفا، اخلاص اور طلبہ سے بے پناہ محبت کی واضح دلیل تھی۔ گویا کہ آپ ہم طلبہ کو یہ کہہ کر رخصت ہوئے:

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

مولانا بحیثیت داعی ومبلغ:

مولانا رحمہ اللہ قرآنیات کے ماہر ایک شعلہ بار خطیب تھے۔ خلاق عالم سے کامیاب داعی وخطیب کے لئے مطلوبہ خصائص میں سے جہاں آپ کو صلاحیت وصالحیت اور طویل قامت نصیب ہوئی تھی، وہیں آپ کی بلند آواز نے بھی آپ کے اسلوب خطابت کو اور ہی زیادہ موثر بنا دیا تھا۔ مولانا مطالعہ کے بہت شوقین تھے، خصوصاً فقہی مسائل سے متعلق مضامین پر خصوصی دلچسپی رکھتے۔ مجھ جیسے بے علم وعمل طالب علم سے اکثر میرے مضامین پر استفسار، حوصلہ افزائی اور مزید مسائل کا ذکر کے ان پر خامہ فرسائی کا حکم صادر فرماتے۔ اللہ آپ کو غریق رحمت فرمائے۔

مولانا ایک سادہ لوح انسان تھے۔ آپ کے اندر مسلکی حمیت وغیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، جس کے اظہار میں وہ کسی قسم کے خوف وملامت کی پرواہ نہیں کرتے، اگرچہ اس سے بسا اوقات کچھ لوگ ناراض بھی ہوجاتے لیکن آپ اسے خاطر میں کبھی نہیں لاتے تھے اور جس طرح آپ کا حلقہ درس ہوتا تھا بعینہ وہی چھاپ آپ کے خطبات جمعہ اور دروس پر بھی نظر آتی تھی، چنانچہ تمام موضوع کا احاطہ قرآنی آیات کی کثرت اور پوری مجلس کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے تمام طریقے آپ بروئے کار لاتے تھے۔

واضح رہے کہ مولانا کا تصنیف وتالیف سے تعلق وشغف نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ نے دعوتی میدان میں قلم کو وسیلہ بنانے کے بجائے زبان پر اکتفاء کیا، اپنے پر مغز خطابات اور شیریں بیاں مواعظ کے ذریعہ قوم وملت تک پیغام حق کو پہنچانے کی بھرپور کوشش کی۔

مولانا بحیثیت مثالی مربی ومنتظم:

مولانا ایک انتہائی جفاکش، مضبوط قوائے جسمانی کے مالک، عالم باعمل انسان تھے۔ آپ کی شخصیت میں مولانا اقبال رحمانی رحمہ اللہ کا عکس نظر آتا تھا، وہی آپ کے تعلیمی وتربیتی میدان کے آئیڈیل تھے، طلبہ کے تئیں قربانی، انتظام وانصرام کی بابت فکرمندی آپ نے انہیں سے سیکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ طلبہ کے مابین آپ اپنے اس مربی ومحسن کا خوب ذکر کرتے تھے۔

زمانۂ طالب علمی سے لے کر مرض الموت کے سبب اسپتال جانے سے پہلے تک فجر سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے ہر موسم میں بیدار ہونے والے انسان تھے۔ آپ جو بھی ذمہ داری قبول فرماتے، اسے پورے دل وجان سے انجام دینے کی بھرپور کوشش کرتے تھے۔ طلبہ کی تعلیم وتربیت کے تئیں بہت ہی زیادہ حساس وفکرمند تھے، چنانچہ آپ کے صاحب زادہ گرامی مولانا عبدالصبور صاحب سنابلی، مدنی فرماتے ہیں کہ ”آپ پریشان حال بچوں کو دلاسہ دے دے کر ہر ممکن کوشش کرکے تعلیم کی طرف راغب کرتے، جیسے میں

خوداور میرے علاوہ بہت سارے طلبہ ہیں، اس کے برعکس خوشحال و مالدار طلبہ جو دینی تعلیم سے بھاگتے، انہیں دین کی رغبت دلا دلا کر تعلیم کی طرف آمادہ کرتے، جیسے کہ مولانا محمد ہارون سنابلی عرف صوفی صاحب (ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)'' آپ کے اخلاص اور غریب و نادار طلبہ کی تعلیمی فکر مندی کا ذکر کرتے ہوئے استاذ الاساتذہ ماسٹر محمد ثروت صاحب حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''مولانا جس زمانے میں آزاد مارکیٹ کی جامع مسجد میں مستقل خطبہ جمعہ دیتے تھے تو ہر جمعہ کو طلبہ اپنی ضرورت کے سامان جا کر مولانا کے پاس نوٹ کراتے اور وہاں سے سستے داموں میں مولانا ان کے سامان لے آیا کرتے تھے''۔ مولانا کس قدر مخلص تھے اور دل وجان سے طلبہ و ادارہ کی خدمت میں ہمہ وقت وقف تھے، بقول ماسٹر صاحب حفظہ اللہ،'' آپ ادارہ کے مدرس ونگراں ہی نہیں بلکہ آپ کی احساس ذمہ داری وفکر مندی ایک بانی وناظم مدرسہ بلکہ چوکیدار سے کہیں زیادہ بڑھ کر تھی، چنانچہ آپ فجر سے ایک گھنٹہ پہلے اپنے معمول کے مطابق بیدار ہوتے تھے اور تمام وضو خانوں اور باتھ روموں کا جائزہ لیتے اگر کہیں صفائی نہ ہوتی تو مولانا اپنے ہاتھ سے خود صاف کرتے اور ہر جگہ پانی کی موجودگی کو یقینی بناتے تاکہ طلبہ کو صلوۃ فجر کی ادائیگی میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔''

ماسٹر صاحب آپ کی جرأت وہمت اور کمال صفائی وستھرائی کے احساس نیز طلبہ کی فلاح وبہبود کے تئیں فکر مندی کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں: کہ ایک دفعہ معہد التعلیم الاسلامی، جوگابائی کے پاس گلی نمبر ے میں علاقہ کے مدرسہ کے مخالفین نے سیور لائن بند کر کے باہر سڑک پر ٹاٹ ٹھونک دیا، جس سے ٹینک بھر کر ابلنے لگا اور اس کی وجہ سے بدبو اور گندے پانی سے برا حال تھا، طلبہ واساتذہ پریشان ہوگئے، چنانچہ اس کے لئے مولانا رحمہ اللہ، ماسٹر محمد ثروت صاحب اور چند بچوں کو ساتھ لے کر آگے آئے اور اپنے ہاتھ سے پانی بھر بھر کر نکالا اور صاف کرایا، پھر بعد میں وہ معاملہ رفع دفع ہوا اور اس مصیبت سے نجات ملی۔

مولانا رحمہ اللہ تربیت کے معاملہ میں بہت سخت گیر واقع ہوئے تھے۔ طلبہ پر سخت نظر رکھتے تھے، اس کی وجہ سے طلبہ آپ سے بہت گھبراتے اور بہت ناعاقبت اندیش تو اچھا بھی نہیں سمجھتے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کا یہ رویہ ان کے حق میں بے حد مفید تھا، چنانچہ دوپہر کے کھانے کے بعد جب کہ تمام طلبہ واساتذہ قیلولہ کرتے، اسی طرح بعد صلاۃ عشاء جب لوگ اپنے اپنے کمروں میں ہوتے جو سرکش طلبہ کے لئے انتہائی مفید وقت ہوتا ہے، تو مولانا رحمہ اللہ دوپہر کا قیلولہ چھوڑ کر لال بلڈنگ کے نیچے سردی وگرمی میں، لائٹ ہو یا نہ ہو بیٹھے رہتے تاکہ طلبہ لامقصدیت کا شکار ہو کر اپنے مستقبل کو تاریک نہ کریں۔ اس کے برعکس سخت گیری کے ساتھ ساتھ آپ حلیم الطبع بھی واقع ہوئے تھے۔ شیخ معراج ربانی حفظہ اللہ معہد التعلیم الاسلامی کے ابتدائی زمانہ میں اپنے دور جاہلیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (جب کہ آپ کی اصلاح کی خاطر رحمانی رحمہ اللہ کی جانب سے سارے اساتذہ پر ایمرجنسی عائد تھی)'' مولانا بہت سادگی پسند، تصنع اور تکلف سے کوسوں دور تھے اور میں چونکہ خالص قبر پرست ٹولہ سے آیا تھا، جہاں کی جبہ ودستار اور تصنع وتکلف کے سوا کچھ نہیں تھا، ایسے میں مولانا مجھے کسی اعتبار سے استاذ نہیں لگتے تھے۔ میں انہیں بہت چھیڑتا اور پریشان کرتا تھا لیکن آپ تمام تر گستاخیوں کو نظر انداز کر دیتے تھے اور ایک دفعہ تو حالت صلاۃ میں پیر ملانے سے متعلق آپ کو خوب تنگ کیا۔ صلاۃ سے فراغت کے بعد زجر وتوبیخ کے بجائے انتہائی پیار بھرے لہجہ میں ہمیں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں سمجھانے کی کوشش کی۔''

مولانا اپنے دو صاحبزادوں عبدالسلام اور عبدالصبور کے باپ ہونے کے ساتھ ساتھ استاذ ومربی بھی تھے۔ اول الذکر کو

جماعت رابعہ تک تعلیم دینے کے بعد عمر آباد اعلیٰ تعلیم کے لئے روانہ کیا۔لیکن معہد التعلیم الاسلامی میں اپنے قیام کے دوران جبکہ آپ کی تنخواہ بہت معمولی تھی اور اس میں دیگر اہل خانہ کے اخراجات کا مسئلہ بھی تھا،نصف تنخواہ سے زیادہ انکی تعلیم کے لئے ہر ماہ منی آڈر کرتے تھے اور دوسرے صاحب زادے کو اپنے پاس رکھ کر کمرے میں بند کر کے بہت ہی محنت اور سمجھا بجھا کر اور دوسرے تمام مشاغل سے کنارہ کش رکھ کر تعلیم پر آمادہ کیا اور انکی نیک دعاؤں اور انتھک کوششوں کے سبب دونوں عالم دین ہوئے۔اس سے مولانا کے یہاں تعلیم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے،یہی وجہ ہے کہ آپ کی تمام ذریت تعلیم سے وابستہ ہے،جو بحمد اللہ ایک خوش آئند شے ہے۔

اخلاق وعادات:

مولانا رحمہ اللہ ایک سادہ لوح،صابر،قناعت پسند اور بااصول،راسخ العقیدہ انسان تھے۔اصول پسندی آپ کا نمایاں وصف تھا۔ہر کام منظم اور اسے صحیح وقت میں انجام دینے والے تھے۔دینی شعائر کی پابندی میں عملی نمونہ پیش کرتے۔صبح وشام کے اذکار ووظائف باآواز بلند پڑھتے۔سنت کے مطابق رات جلدی سونا اور صلاۃ فجر سے تقریبا ایک گھنٹہ پہلے بیدار ہونا ان کی زندگی کا معمول تھا۔جامعہ سلفیہ کے زمانہ طالب علمی کے آخری تین سالوں میں آپ سے حد درجہ قریب کہ دوسرے لوگ ایک دوسرے کو سگا بھائی سمجھنے لگے تھے،مولانا عبدالمنان سلفی بھیکم پوری حفظہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مولانا بہت سخت جان،بااصول،محنتی اور فجر سے تقریبا ایک گھنٹہ پہلے بیدار ہو کر صف اول میں پابندی کے ساتھ حاضر ہونے والے طالب علم تھے اور آپ کا یہ وصف خاص وفات تک بحمد اللہ باقی رہا۔مولانا رحمہ اللہ کی دینداری اور صالحیت کا اعتراف آپ کے ہر اس مصاحب کو تھا جس نے آپ کو قریب سے دیکھا،چنانچہ شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ کے قائم کردہ ادارہ ''المعہد الاسلامی'' اکرہرا جہاں سے آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا تھا۔وہاں میں قیام کے دوران کا ایک واقعہ جسے آپ نے اساتذہ جامعہ کے سامنے پیش کیا،جس کو راقم سے مولانا فضل الرحمن ندوی صاحب نے بیان کیا۔کہتے ہیں کہ ایک دفعہ علاقہ میں شدید قسم کی قحط سالی پڑی اور اہل قریہ نے کئی دفعہ صلاۃ استسقاء کا اہتمام کیا لیکن خشک زمین پر آسمان نے اشک نہیں بہائے،بالآخر گاؤں کے نامور وبااثر زمیندار (جو رشتہ میں راقم کے نانا ہوتے ہیں) جناب چراغی صاحب نے کہا:اس بار جیسے فرشتہ صفت صالح نوجوان عالم دین کی امامت میں لوگ صلاۃ استسقاء ادا کریں۔ان شاء اللہ ضرور بارش ہوگی،چنانچہ جب مولانا جیسے متدین عالم دین کی امامت میں لوگوں نے صلاۃ ادا کی اور پرسوز انداز میں دعا وفریاد کی خاطر ہاتھ رب کی جانب بلند ہوئے تو اللہ کی قدرت کو رحم آگیا اور موسلا دھار بارش سے خشک زمین تربتر ہوگئی اور لوگوں نے اطمینان کی سانس لی۔سنت فجر کے بعد مسجد میں اضطجاع (لیٹنے) کی سنت پر کاربند رہتے تھے۔آپ کی زندگی کا ایک نمایاں وصف ''تغییر منکر'' بھی تھا۔جسے حق اور سچ سمجھتے اس پر سختی سے عامل اور لوگوں سے اس پر عمل کی تاکید کرتے، چاہے سامنے والا ناراض ہی کیوں نہ ہو جائے۔مولانا جب سے دہلی آئے اس وقت سے وفات تک آپ کے قلب وجگر ہی نہیں بلکہ جسم وجان میں سنابل اور اپنے طلبہ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری تھی،جہاں بھی گئے یہیں کا ذکر جمیل رہا،اور اللہ کا کرنا بھی ایسا ہوا کہ ادارہ کے تمام شعبہ جات میں آپ کو کام کرنے کا موقع ملا۔دہلی سے منتقلی کے بعد ۲۰۰۵ء میں عائشہ صدیقہ شریعت کالج کا قیام ہوا اور اسی طرح سینٹر کے قرآنی ادارہ ''معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم'' سے بھی آپ کا ماضی میں رشتہ نہیں تھا،

لیکن دوبارہ آنے کے بعد دونوں اداروں میں آپ نے خدمت کی اور اخیر میں زندگی کے ڈیڑھ سالہ ایام سنابل میں گزار کر راہی ملک عدم ہوئے۔ ع

پہنچی وہیں پہ خاک ، جہاں کا خمیر تھا

مولانا کو ''والی بال'' کھیلنے کا بھی بہت شوق تھا، چنانچہ 'سینٹر' کے آپ بہت ماہر کھلاڑی تھے۔ اس میں رہ کر اپنی ٹیم کو کنٹرول کرتے اور سستی وغفلت پر سختی سے ڈانٹ کر اپنی ٹیم کو کامیاب بنانے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ آپ ایک عہد، ایک شخصیت، ادارہ کے دینی روایتوں کے امین، وفادار وحساس ذمہ دار تھے۔ آپ ہی جیسے لوگوں سے ادارہ میں حسن تعلیم وتربیت کی طرح پڑی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے فیض یافتگان جو بہت سارے اداروں کے بانی، بہت سارے مدارس، جمعیات وتبلیغی مراکز میں بحیثیت ذمہ دار و کارکن برسرعمل ہیں۔ آپ ہی جیسے مربیان کے رہنما عملی اصولوں کو بروئے کار لاکر وہاں کے ماحول پر اثر انداز ہو رہے ہیں، اس کے علاوہ بہت ساری خوبیاں آپ میں تھیں، کمیاں بھی بلاشبہ رہی ہوں گی۔ اللہ آپ کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور آپ کو درگزر فرمائے، آپ کے تلامذہ کو آپ کے حق میں صدقہ جاریہ اور کروٹ کروٹ آپ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

مولانا کا سفر حج:

مولانا رحمہ اللہ کو بجوا، نیپال میں قیام کے آخری سال ۲۰۱۴ء میں اپنی رفیقہ حیات کے ساتھ سفر حج کی سعادت نصیب ہوئی، خوش نصیبی سے آپ کے صاحب زادہ گرامی مولانا عبدالصبور مدنی نے حج کے پورے ایام میں آپ کی خوب خدمت کی۔ علاوہ ازیں جامعہ اسلامیہ مدینہ، جامعہ ام القری مکہ، جامعۃ الامام محمد بن سعود اور جامعۃ الملک سعود ریاض میں زیر تعلیم آپ کے طلبہ اس طرح شعبہ جالیات میں دعوتی فرائض انجام دینے والے آپ کے شاگردان نے جو آپ کی قدردانی وعزت افزائی کی، وہ مولانا رحمہ اللہ کے بغیر ناقابل بیان ہے۔

پسماندگان:

مولانا رحمہ اللہ نے اپنے پیچھے اپنی بیوہ کے علاوہ تین بیٹے، ایک بیٹی اور ۱۷ پوتے پوتیاں اور نواسے ونواسیاں چھوڑے ہیں۔ آپ کے بڑے صاحب زادہ مولانا عبدالسلام عمری صاحب ۱۹۸۹ء سے تاحال سینٹر کی علامہ ابن باز لائبریری میں امین المکتبہ کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور دوسرے صاحب زادہ مولانا عبدالصبور سنابلی مدنی نے سنابل سے فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے ''کلیہ الدعوہ واصول الدین'' سے بی اے کرنے کے بعد ایک سال آسام میں تدریسی فریضہ انجام دیا اور ۲۰۰۱ سے ۲۰۱۰ء تک جامعہ اسلامیہ دریاباد ضلع بستی میں مدرس وعمید کی حیثیت سے تقریباً نو سال دینی خدمات انجام دینے کے بعد ۲۰۱۰ء سے تاحال سعودی عرب کے شعبہ جالیات منطقہ شرقیہ کے قریہ ''علیا'' میں داعی ومبلغ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں، اللہ اسے قبول فرمائے۔ تیسرے بیٹے عبدالصمد صاحب پچھمی نگر چوراہے پر ایک میڈکل اسٹور چلا رہے ہیں، جبکہ بچی اپنے شوہر ڈاکٹر عبدالحفیظ کے ہمراہ جے پور میں خوش حال زندگی بسر کر رہی ہے، بقیہ ساری ذریت تعلیم سے وابستہ ہے۔

بیماری اور وفات حسرت آیات:

مولانا رحمہ اللہ شوگر، بلڈ پریشر اور الرجی کے دسیوں سال سے مریض تھے، علاوہ ازیں کچھ سالوں سے آپ کو تھائرائیڈ کی بھی شکایت ہوگئی تھی۔ ابھی گزشتہ عیدالاضحیٰ کی تعطیل میں وطن جانے سے پہلے آپ پر خارش کا شدید حملہ ہوا اور گاؤں پہنچتے ہی اس نے مزید شدت اختیار کر لی۔ علاقائی ڈاکٹروں سے علاج و معالجہ کرنے سے کوئی افاقہ ہونے کے بجائے پھوڑے پھنسی سے آپ کی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی اور چلنے پھرنے میں تکلیف محسوس کرنے لگے۔ تعطیل گزار کر جب دہلی تشریف لائے تو تین دن کی رخصت پر مجبور ہوئے اور جب کچھ افاقہ محسوس ہوا تو بمشکل تمام کسی طرح برابر حاضر ہوتے رہے۔ رفتہ رفتہ پھوڑے پھنسی سے نجات مل گئی لیکن خارش نے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا، بالآخر ایک دن ہم ساتھ رہنے والے اساتذہ کو اپنی رہائش گاہ پر طلب کر کے مشورہ لیا اور دوسرے دن ایک خارش کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر کے پاس جا کر دوا لی لیکن اس کے تین چار دن بعد ہی ایک رات آپ کے سر میں تکلیف ہوئی اور اس کی صبح کلاس میں گئے تو آپ کے چہرے پر لقوہ کا اثر واضح طور پر سب کو ظاہر ہوا، چنانچہ وہیں اسٹاف روم ہی سے آپ کو خارش کے ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا، اس نے تسلی دی اور چند دن کی دوا دے کر رخصت کیا، لیکن اس سے افاقہ نہ ہوا، اس کے دوسرے دن میں اپنے ایک استاد مولانا فضل الرحمن ندوی صاحب کے ہمراہ بغرض عیادت مولانا کے پاس گیا، آپ نے ہمیں پہچانا اور اپنے زیر تدریس مضامین کا تذکرہ کرتے ہوئے ششماہی کورس کا ذکر کیا، مزید کہا ''جلالین'' کا صرف مکمل نہیں ہے۔ اور یہ آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ صبح اپنے پیر سے چل کر آٹو رکشا پر سوار ہو کر ''الشفاء ہاسپٹل'' آئے اور وہاں کے آئی سی یو وارڈ میں ایڈمٹ کئے گئے۔ ڈاکٹروں کے مطابق آپ کے شوگر کا لیول ۶۰۰ سے متجاوز تھا اور آپ پر برین ہیمرج نیز فالج کا بھی اثر ہوگیا تھا۔ بالآخر بے ہوشی کے عالم میں وہیں تیرہ روز تک موت و زیست کی حالت میں گزارے، مگر حالت روز افزوں بگڑتی گئی، پھر وہاں سے ایک بڑے سرکاری اسپتال ''لوک نائک ہاسپٹل'' میں لے جائے گئے اور وہاں تین دن گزار کر ۵ رنومبر ۲۰۱۷ء کی صبح تقریباً ۷:۰۴ بجے آپ کی بچی کے بقول ''والد محترم نے وفات سے قبل تین دفعہ زور کی سانس لی اور کہا، یا اللہ اور پھر دنیا سے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے وفات کی خبر فوراً جنگل میں آگ کی مانند آپ کے طلبہ، علماء اور ہند و بیرون ہند کے کونے کونے میں مختلف وسائل کے ذریعے عام ہوگئی۔ اعلان کے مطابق بعد صلاۃ العصر ۴ ربجے سینٹر کے صدر عمومی مولانا محمد رحمانی، سنابلی، مدنی کی امامت میں جامعہ کے طلبہ، اساتذہ، سینٹر کے ذمہ داران، دہلی و مضافات دہلی، آپ کے شاگردان یونیورسٹیوں، مختلف جمعیات کے افراد، سیاسی، سماجی شخصیات و عمائدین شہر، سینکڑوں کی تعداد میں جامعہ اسلامیہ سنابل کی عیدگاہ میں آپ کی صلاۃ جنازہ ادا کی اور ایک دوسرے نے آپ کی نعش کو کاندھا دیتے ہوئے نئی قبرستان واقع ابوالفضل انکلیو میں لے گئے اور وہیں پرنم آنکھوں سے آپ کو سپرد خاک کیا۔ اللہ مولانا کی قبر کو بقعۂ نور بنائے اور آپ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے نیز ہم تمام لوگوں کا خاتمہ بالخیر فرمائے، آمین۔

(ماہنامہ التبیان، دسمبر ۲۰۱۷ء)

□□□

مولانا حبیب الرحمن زاہد اعظمی عمریؒ (تامل ناڈو)

وفات نومبر ۲۰۱۷ء

مولانا عبدالوہاب جامعی

نام ونسب: مولانا حبیب الرحمن بن مولانا محمد نعمان اعظمی بن حاجی عبدالرحمن شہید، مئو۔

ولادت: زہے نصیب کہ آپ نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولیں جو دین دار، علم پرور اور اخلاق واقدار میں مثالی اور مشہور تھا۔ میری مراد ہے شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمی تلمیذ میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے اعظمی خانوادہ میں، آپ کی ولادت ۱۹۳۵ء میں ''عمر آباد'' ضلع ویلور تامل ناڈو میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم:

آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والد محترم ہندوستان کے مایہ ناز عالم دین ابوالعلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد نعمان اعظمی کی خاص نگرانی میں ہوئی۔

جامعہ دارالسلام میں داخلہ:

آپ کی عمر کوئی دس برس کی ہوگی جامعہ دارالسلام عمر آباد میں داخل کیے گئے۔ چھٹی جماعت میں تھے ۱۹۵۱ء میں تقریباً سولہ سال کی عمر رہی ہوگی۔ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ کے برادر عزیز مولانا حافظ حفیظ الرحمن اعظمی عمری مدنی ناظم جامعہ دارالسلام عمر آباد، ماہنامہ ''راہ اعتدال'' دسمبر ۱۹۱۷ء کے اداریہ میں اپنے بھائی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ''چھٹی جماعت کے طالب علم تھے، گھر کے چھ افراد کی کفالت کا بوجھ اس کم سنی میں آپ کے کندھوں پر پڑا۔ گھر والوں کے پاس دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ بڑے بھائی کا بڑا مرتبہ تو سب کو معلوم ہے، لیکن بڑے ہونے کے ناطے ذمہ داریاں کتنی بڑی ہوتی ہیں اس کا اندازہ وقت آنے پر معلوم ہوتا ہے۔۔۔۔''

آپ آگے تحریر فرماتے ہیں: ''۱۹۵۱ء کا پرآشوب دور تھا، ملک نیا نیا آزاد ہوا تھا، مسائل کی کثرت اور وسائل معاش کی کمی کو اچھے اچھے جھیل رہے تھے، ایسے میں ایک کم عمر ناتجربہ کار طالب علم کا اس اپنا ہی نہیں پورے کنبہ کا بوجھ سہارنا کمر توڑ کر رکھ دیا، صحت متاثر ہوگئی تعلیم کا ناغہ ہوگیا۔۔۔ بہرحال جوں توں کر کے دو سال کے ناغہ کے بعد فراغت ۵۵۔ ۱۹۵۴ء میں ہوئی''۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ حالات نے میرے ممدوح کو علمی طور پر کمزور کر دیا تھا۔ یہ تو شاہین صفت تھے ہی، ذہانت وفطانت آپ کو ورثہ میں ملی تھی، حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور اپنے تمام ساتھیوں میں ممتاز نکلے۔

آپ کے دور طالب علمی کے متعلق مولانا ڈاکٹر کلیم اللہ صمدانی تحریر فرماتے ہیں: ''دور طالب علمی ہی سے آپ کے مضامین ملک کے موقر رسائل وجرائد میں شائع ہونے لگے۔ یہی وجہ تھی کہ معاصر ساتھیوں میں آپ ممتاز اور اساتذہ کرام کے منظور نظر تھے۔ اس وقت کے معتمد جامعہ جناب کاکا محمد اسماعیل صاحبؒ حد درجہ آپ کے قدرداں اور آپ کی فنی صلاحیتوں کے معترف ومداح تھے۔

علمی زندگی:

جامعہ دارالسلام سے فراغت کے بعد آپ تین سال تک ''عمر لائبریری'' عمر آباد کے ناظر اور گڑھ آمبور مسجد میں امام وخطیب کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد مسجد یعقوبیہ مدراس (چنئی) میں امام وخطیب اور مدرسہ چار مینار میں دینیات کے کامیاب مدرس رہے۔

مئی ۱۹۶۳ء سے وانمباڑی کی مسجد اہلحدیث اور مدرسہ البنات اور مدرسہ فیض عام سے وابستہ ہوئے تو بیس سال تک اپنی یادگار خدمات کے ایسے روشن نقوش چھوڑے کہ طلبا وطالبات ان کے سرپرست اور ذمہ داران کے دلوں پر چھائے رہے۔

۱۹۷۶ء کی بات ہے کہ راقم نے وانمباڑی کا سفر کیا تو یہاں ایم یل نثار احمد صاحب حفظہ اللہ کے گھر مہمان رہا۔ اس دوران میں نے مولانا سے مطالعہ کے لئے کوئی ایک کتاب طلب کی تو آپ نے مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی ''تفسیر ماجدی'' عنایت فرمائی تھی۔

''ادارہ تحقیقات اسلامی'' عمر آباد میں آمد:

ذمہ داران جامعہ کی دعوت پر ۱۹۸۴ء میں آپ نے عمر آباد کا رخ کیا اور اس ادارہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ جی جان سے جٹ کر خدمت کی، کام کرنے کی ایک اچھی مثال پیش کی۔ چھوٹے بڑے، ماتحت اور سرپرست سب آپ کے حسن معاملہ، حسن اخلاق اور فرض شناسی کے مداح رہے۔

آپ استاذ الشعراء تھے:

مولانا ڈاکٹر کلیم اللہ صمدانی عمری رقم طراز ہیں ''بچپن سے مطالعہ کے رسیا تھے، تقریر وتحریر اور ادب وشاعری سے فطری لگاؤ تھا۔ یہ وہ دور تھا جب جامعہ علم وہنر کے مخزن کے ساتھ شعر وادب کا معدن بھی تھا۔ علامہ شاکر نائطی اور ان کے رفقاء کی وجہ سے عمر آباد شعر وادب کا مرکز تھا۔ جامعہ کے اکثر طلبہ خواہ وہ ملیبار ہی کے کیوں نہ ہوں شعر وادب سے دل چسپی رکھتے تھے۔ خود مولانا مرحوم کے والد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمیؒ شاعر تھے اور ناصح تخلص فرمایا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا کم سنی ہی میں شعر کہنے لگے۔ طبیعت بھی اس فن کے لئے موزوں پائی تھی۔ اس لئے بہت جلد اپنا ایک منفرد مقام بنانے میں کامیاب ہو گئے''۔

آپ مزید تحریر فرماتے ہیں: ''مولانا زاہد اعظمی عمریؒ بے باک صحافی اور استاذ فن شاعری تھے''۔ (مولانا زاہد اعظمی عمری کچھ یادیں کچھ باتیں'' ماہنامہ راہ اعتدال دسمبر ۲۰۱۷ء) فن شاعری میں آپ کے شاگرد مولانا نور محمد فیاض عمری لکھتے ہیں ''آپ کی وفات دنیاء علم وفن اور شعر وادب کا ایک ایسا عظیم خسارہ ہے جس کی تلافی مشکل ہے۔ (ذکر حبیب اصل میں وصل حبیب ہے۔ حوالہ مذکورہ)

شاعری میں آپ نے ''زاہد'' تخلص اختیار کیا، اس سلسلہ میں مولانا احسن شاکر پیارم پٹی کے مضمون کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں، کہتے ہیں: ناموں میں بھی بڑا اثر ہوتا ہے۔ اس سے پہلے بھی مشاہدے میں یہ بات آئی ہے۔

ایک مثال بھی کہ کچھ سوچ کر ہی تخلص کے لئے لفظ ''زاہد'' کو چنا ہوگا۔ اس تخلص کی معنوی پرچھائیاں ظاہراً و باطناً مولانا پر بڑی گہری تھیں۔ جیسے گھنے بادل کو اوڑھ لیے، یا کسی ابر کا دودھیا ٹکڑا اپنی آغوش میں اس طرح چھپائے رکھے کہ۔۔۔ دیکھنے والا ''صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں'' والی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے۔ (آہ ایک نفس خامہ سروش حوالہ مذکورہ)

مولانا شاکر احسن پیارم پٹی کا ایک مکمل تعزیتی کلام ہدیہ قارئین ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اور ان اشعار سے اندازہ لگائیں کہ فن شعر وادب میں آپ کا مقام کتنا اونچا اور اعلیٰ تھا۔

آہ! مولانا زاہد اعظمی عمریؒ

یک بیک یہ کیا ہوا جو راستہ خاموش ہے — کون بچھڑا جس کے غم میں قافلہ خاموش ہے
ہر طرف سناٹا چھایا ہے فضا خاموش ہے — مہر برلب ہر کلی، بادِ صبا خاموش ہے
دل بدست آور ہوئے ہیں تشنگانِ شعر وفن — شہ نشیں محفلِ فکر رسا خاموش ہے
گلستاں میں گونجتی تھی ہر طرف جس کی نوا — بلبل یک خوش نوائے جامعہ خاموش ہے
جامعہ کا کیوں نہ ہو مغموم ہر خردوکلاں — مادر علمی کا عاشق جاں فدا خاموش ہے
بٹ رہے تھے ہر طرف لعل وگہر جس کے طفیل — اس کا کیا کیجیے وہ گنج بے بہا خاموش ہے
نقش پا تو منزلوں کا بالیقین دیں گے پتا — کیا قیامت ہے کہ اپنا رہ نما خاموش ہے
آدمی مرتا ہے لیکن اس کا فن جاوید ہے — کشتیاں دریا میں تو ہیں، ناخدا خاموش ہے
ہر طرف اک دھند ہے احسن یہاں چھائی ہوئی — جو چراغ زین بزم جامعہ خاموش ہے

آپ کتنے بلند پایہ شاعر تھے؟ آپ کے فکر وفن میں کیا کیا خوبیاں تھیں؟ ان سب پر خامہ فرسائی کرنا مجھ کوتاہ علم کے بس کی بات نہیں۔ اس لیے مذکورہ باتوں پر ہی اکتفا مناسب سمجھتا ہوں۔

آپ صاحب دیوان ہیں۔ مولانا حافظ حفیظ الرحمن عمری مدنی رقم طراز ہیں ''گوشہ نشینی عزلت اور گم نامی کے ایسے عادی بن گئے تھے کہ ان کا معیاری دیوان عرصہ سے اشاعت کے لئے ان کی اجازت کا منتظر تھا۔ معتمد جامعہ حفظہ اللہ کے اصرار پر بھی ہاں کہنے میں اتنی دیر کردی کہ دوسری دنیا ہی میں اسے زیور طبع سے آراستہ دیکھ سکیں گے۔ (حوالہ مذکورہ)

تصنیف وتالیف:

صاحب سوانح کی قلمی کاوشوں پر بہت زیادہ لکھنے کے بجائے مولانا حافظ حفیظ الرحمن صاحب عمری مدنی حفظہ اللہ کے اداریہ کا ایک اقتباس نقل کردینا ہی بہتر سمجھتا ہوں کہ آپ نے سمندر کو کوزہ میں سمودیا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''مشفق بھائی مولانا حبیب الرحمن زاہد اعظمی کی وفات کا غم ہی کیا کم تھا کہ مجھ ناتواں انسان کو ان کے فرائض کا بھاری بھر کم بوجھ اٹھانے کا حکم ہو رہا ہے۔(۱)(ماہنامہ ''راہ اعتدال'' کی ادارت اور ادارہ تحقیقات اسلامی عمر آباد کے ڈائریکٹر کی ذمہ داری) ان کا مشاہدہ ان کا منجھا ہوا قلم، دنیا کو دیکھنے کا ایک نقطہ نظر، حساس شاعر کے دھڑکتے دل کا حالات حاضرہ پر تجزیہ، زمانہ کی رفتار کی نبض شناسی اور مکمل پچاس سالوں کا عملی تجربہ کہاں سے لاؤں؟

وہ ادیب تھے، خطیب تھے، شاعر تھے، ساٹھ پینسٹھ سال سے ان کا اشہب قلم، ظلم وستم کے ہر قدم، زمانے کے تیور، بدلتے حالات کے جور وجفا کی شکایات، صدق وصفا کی حکایت، خلوص ومحبت کی برسات، محسنین کی خدمات کے اعتراف تعلق سے ان کے جذبات، یہ سارے عنوان ان کے مضمون تھے۔ نثر میں بہت لکھا، شعر بھی خوب کہے، کافی ترجمے کیے، حلقہ احباب وتلامذہ کو ادیب وشاعر بنانے کے کام بھی کیے۔(حوالہ مذکورہ)

اخلاق واوصاف:

آپ کے اخلاق وعادات، اوصاف وکمالات پر آپ کے یارغار مولانا محمد رفیع کلوری عمری حفظہ اللہ نائب مدیر ماہنامہ راہ اعتدال کی شہادت کو پڑھیے۔''مولانا ایک بلند پایہ عالم باعمل، کامیاب معلم، مشفق مربی، ممتاز مقرر نہ جانے کیا کیا تھے۔ یہ سچ ہے کہ ان کی شخصیت مجموعہ خوبی تھی، لیکن میرے نزدیک ان کی دل آویز شخصیت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ وہ حیات افروز اخلاق اور انسانیت نواز اقدار کی اس بلندی پر فائز تھے جہاں تک پہنچنا کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مقبولیت، محبوبیت اور ہر دل عزیزی کا وہ مقام بخشا تھا، جو کم ہی لوگوں کے نصیب میں آتا ہے۔ مگر اس کے باوجود کسی کا احسان اٹھانا گوارا نہیں کیا۔ ہمیشہ دنیا کو دیتے رہے اور ہر کسی کو نوازتے رہے۔ جگر مرادآبادی کا یہ شعر ان کی پوری زندگی کا آئینہ دار تھا۔

تمام عمر اسی احتیاط میں گزری
یہ آشیاں کسی شاخ چمن پہ بار نہ ہو

مولانا کی شخصیت بڑی دل نواز تھی، وہ بڑے خلیق ملنسار، متواضع، خوش وضع شگفتہ مزاج وشفیق بزرگ تھے۔۔۔۔(صدمہ جان کاہ۔ ماہنامہ راہ اعتدال دسمبر ۲۰۱۷ء)

راقم الحروف کی مولانا سے خط وکتابت:

راقم الحروف عمر آباد کے اعظمی خاندان سے قلبی محبت وعقیدت رکھتا ہے بالخصوص مولانا حافظ حفیظ الرحمن اعظمی عمری مدنی حفظہ اللہ اور میرے ممدوح سے جو عقیدت ہے اس کو الفاظ کا جامہ پہنانا میرے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ بہر حال کہنا یہ ہے کہ راقم کے مولانا زاہد اعظمی عمریؒ سے دیرینہ مراسم وتعلقات رہے۔ آپ سے برابر مراسلت رہی، ہر خط کا جواب دینا آپ فرض سمجھتے تھے۔ ادھر خط روانہ کیا، ادھر جواب فوری حاضر، اگر کبھی تاخیر ہوتی تو معذرت بھی فرماتے۔ اللہ اللہ کیا خوب صفات تھے آپ کے کہاں وہ پربت، کہاں راقم ذرہ۔ بغیر کسی تبصرے کے صرف دو خطوط من وعن نقل کر رہا ہوں۔ تاکہ ناظرین مولانا محترم کے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ از خود ملاحظہ کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بتاریخ: ۲۵/۰۳/۲۰۱۰ء

برادر عزیز القدر مولانا عبدالوہاب جامعی زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض خدمت ہے کہ ''اسلامیہ مینارٹی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ ''ہرپن ہلی'' کے دسویں سالانہ اجلاس کے تعلق سے دعوت نامہ نظر نواز ہوا۔ یادفرمائی اور ذرہ نوازی کا دل سے شکریہ۔

اس دینی اور علمی تقریب میں شرکت میرے لئے یقینا باعث مسرت وسعادت ہوتی، مگر صحت کی نامساعدت کی وجہ سے بندہ سفر سے مجبور ہے اس اہم اجلاس میں ناچیز کی اگرچہ شرکت نہیں ہوسکے گی۔ مگر اجلاس کی کامیابی کے لئے بندے کی مخلصانہ دعائیں اور نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ضرور ہوں گی۔ ان شاء اللہ۔

یہ جان کر انتہائی مسرت ہوتی ہے کہ آپ نے دینی وملی خدمات کا بہت بڑا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے اور اس راہ میں آپ کی مسلسل مساعی لائق تحسین ہیں۔ پوری ایک جماعت کے کرنے کا کام آپ تنہا انجام دیکر ملت کے نوجوانوں کے لئے اولوالعزمی کا ایک مثالی نمونہ پیش کررہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی ہمت کو مزید بلندی اور خدمت دین کے راستے میں زیادہ سے زیادہ عزیمت واستقامت عطا کرے۔ آمین۔

اللہ کرے آپ ہر طرح بخیر وخوبی رہیں اور اجلاس کی تمام کارروائیاں بحسن وخوبی انجام پائیں۔

والسلام علیکم

طالب دعا

حبیب الرحمن اعظمی

۲۵ مارچ ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بتاریخ: ۱۰/۸/۲۰۱۵ء

برادر عزیز القدر جناب مولانا عبدالوہاب جامعی صاحب دام لطفہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض خدمت ہے کہ ۵/اگست کا مکتوب گرامی ۷/اگست کو نظر نواز ہوا۔ یادفرمائی اور ذرہ نوازی کا دل سے ممنون ہوں۔ ناچیز کے مقالے سے متعلق آپ کے مخلصانہ تاثرات قابل قدر بھی ہیں (راقم نے شیخ عبدالعزیز صاحب باؤٹا بیڑی پر آپ کے مقالہ پر تاثرات روانہ کیا تھا) اور حوصلہ افزا بھی۔ دین وملت اور جماعتی خدمات کا جذبہ رکھنے والوں کے متعلق بندے کے جذبات

واحساسات بھی تقریباً وہی ہیں جو آپ کے ہیں۔ مولانا نذیر حسین قصوری مرحوم اور حاجی عبید اللہ مرحوم (سابق صدور جامعہ) کے تعلق سے مضامین تحریر کیے جا چکے ہیں۔ جو دیگر ''محسنین جامعہ'' پر لکھے جانے والے مضامین کے ساتھ کتابی شکل میں جامعہ سے شائع ہونے والے ہیں۔'' ان شاء اللہ

راقم نے بہت سے جماعتی بزرگوں کے تعلق سے تفصیلی مقالے لکھے ہیں۔ جو کسی نہ کسی رسالے میں شائع ہو چکے ہیں۔ بندے کی نظر میں آپ کی علمی و دینی خدمات اور جماعتی امور سے گہری وابستگی بھی انتہائی قابل قدر ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید عزم و حوصلہ عطا کرے اور آپ کی بہترین خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین

آپ کا دعا خواہ و دعا گو بھائی
حبیب الرحمن اعظمی
۱۰/اگست ۲۰۱۵ء

وفات:

زندگی کے تلخ و ترش اور سرد و گرم حالات ۸۳ رسال اپنے کمزور کندھوں پر اٹھائے رہے، خوشی و مسرت کے لمحات کم دیکھے، رنج و محن کے خوگر تھے، دکھ درد اکیلے سہتے رہے، کسی کو شریک کر کے ان کے عیش و آرام میں خلل انداز نہیں ہوئے۔ آپ کی خدمت کو ہر حلقہ اپنی سعادت سمجھتا تھا۔ سب کے شکر گزار رہے۔ مگر مرہون منت نہیں ہوئے، مشکل سے ہسپتال جانے پر راضی ہوئے اور صرف آٹھ گھنٹوں کے اندر خدمت گزاروں اور تیمارداروں کو الوداع کہتے ہوئے، داعی اجل کو لبیک کہہ کر سفر آخرت پر گامزن ہو گئے۔ ۱۰ نومبر ۲۰۱۷ء جمعہ المبارک کا دن تہجد کا وقت رب العالمین سے بخشش طلب کرنے کی گھڑی تھی، عمر بھر کی بے قراری سے نجات پا کر جنت کی نعمتوں پر یقین رکھتے ہوئے واحد سرمایہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔

؎ گر قبول افتد زہے عز و شرف

ارحم الراحمین ان کے ساتھ رحم و کرم اور عفو و مغفرت کا معاملہ فرمائے اور اعلیٰ علیین میں ان کا حشر فرمائے۔ آمین۔

جمعہ سے پہلے خواتین کی جماعت کی امامت گھر ہی میں خاندان کے بزرگ عالم مولانا انیس الرحمن اعظمی عمری مدنی حفظہ اللہ نے کی۔ اور جمعہ بعد دکتور محمد الیاس اعظمی عمری مدنی حفظہ اللہ جامعہ کی بڑی مسجد کے بھرے مجمع میں صلاۃ جنازہ پڑھائی۔

پس ماندگان میں ایک لڑکا۔ ایک لڑکی۔ دو بھائی۔ ایک بہن کو سوگوار چھوڑ گئے۔ بہت دن ہو گئے اہلیہ کے انتقال کو۔ اللہ مرحوموں کی مغفرت فرمائے۔ عزیز و اقارب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

ملاحظہ: مندرجہ بالا مضمون کا اکثر حصہ مولانا حافظ حفیظ الرحمن اعظمی عمری مدنی حفظہ اللہ کے اقتباسات پر مشتمل ہے۔ (عبدالوہاب جامعی)

(تاریخ اہل حدیث جنوبی ہندوستان کے درخشاں پہلو/عبدالوہاب جامعی: ص ۵۳۳)

❑❑❑

خانوادۂ علم وعمل کا روشن چراغ

مولانا محمد احمد اثریؒ، ٹکریا، ضلع سدھارتھ نگر

وفات ۱۲/نومبر ۲۰۱۷ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

نام ونسب: (مولانا) محمد احمد اثری بن مولانا محمد شکر اللہ فیضی بن حاجی حشمت اللہ بن محمد فاضل بن سعدی (رحمہم اللہ اجمعین)۔

تاریخ ومقام پیدائش: آپ یکم رجنوری ۱۹۴۳ء کو اپنے آبائی گاؤں موضع ٹکریا (نزد ڈومریا گنج) ضلع سدھارتھ نگر (قدیم ضلع بستی) میں ایک مشہور ومعروف علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اس گاؤں کو جماعت کے نامور علماء مولانا شکر اللہ فیضی، مولانا خلیل رحمانی، مولانا عبدالقدوس سلفی، مولانا عبدالسلام مدنی، مولانا عزیز الرحمٰن سلفی، مولانا امر اللہ رحمانی، مولانا عبدالواحد مدنی ودیگر اہل علم و عرفان کے مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اور قدیم زمانے سے یہاں تحریک شہیدین کے فیض یافتگاں اور ان کے رفقاء اور مستفیدین کے علمی وروحانی سلسلے جاری ہیں۔

خاندانی پس منظر: آپ کا خاندان ضلع بستی (حال سدھارتھ نگر) کے تحصیل ڈومریا گنج سے پورب آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مشہور ومعروف گاؤں، ٹکریا میں آباد تھا اور وہیں آباد چلا آرہا ہے اور علمی وروحانی اعتبار سے آپ کا سلسلہ نسب ایک شجرہ طیبہ کی مانند ہے جس میں ایک طرف تحریک شہیدین کی دعوت اور اصلاحی مشن کے حسین اثرات بھرپور دکھائی دیتے ہیں۔ تو دوسری طرف ولی کامل، سید الطائفہ اور مشرقی ہندوستان میں تحریک دعوت کے دوسرے قائد مولانا ممتاز علی ندویؒ کرتھی ڈیہہ کے تربیتی وروحانی فیوض اور اس کی حسین کرنیں بھی نظر آتی ہیں۔ آپ کے والد ماجد سے لے کر دادا تک سب اسی سلسلہ دعوت واصلاح کے وہ حسین برگ وبار ہیں جن کے فیوض علمی وروحانی کی عطر بیز لہریں ابھی تک علاقے کو معطر کئے ہوئے ہیں تفصیل درج ذیل ہے:

پردادا محمد فاضل: آپ کے پردادا محمد فاضل تحریک شہیدین کے فیض یافتہ اور ان کے فوج کے میر منشی مولانا سید جعفر علی نقوی (۱۲۱۸ھ-۱۲۸۸ھ، مجھوا میر بستی) کے سرحد سے لوٹ کر اپنے وطن ضلع بستی واپس آنے کے بعد آپ کی تحریک دعوت و جہاد سے وابستہ ہوگئے اور مکمل طور پر علمی وروحانی فیض پانے کے بعد آپ کی دعوتی وتبلیغی دوروں میں شامل ہونے لگے۔ مولانا جعفر علی نقوی رحمہ اللہ اور ان کے قافلہ دعوت میں آپ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ آپ لوگوں کے جوش وحماس کو تقویت دینے کے لئے اسلام کی ترجمانی کرنے والی فارسی زبان کی مشہور ومعروف کتاب مولانا روم کی ''مثنوی رومی'' سنایا کرتے تھے۔ اور ہمیشہ اسی قافلے سے جڑے رہا کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا محمد جعفر علی نقوی کی تربیت اور اصلاحی ودعوتی فیوض اور اس کے اثرات آپ کی شخصیت میں بے حد نمایاں

اور جلوہ فگن تھے۔جس کے اثرات بعد کے سلسلۂ نسب پر ایسے پڑے کہ ہر ذرہ آفتاب بن گیا،اور علم وعمل کی راہ میں اسی قافلے کے نقوش جاوداں پر اپنی زندگی کے سفر کو طے کرتا رہا۔

دادا حاجی حشمت اللہ: اس سلسلۂ نسب کی دوسری کڑی آپ کے دادا حاجی حشمت اللہؒ ہیں جو مولانا جعفر علی نقوی میر منشی، مجھوا میر کے تربیت گاہ کے فیض یافتہ اپنے والد محمد فاضل کے نہایت ہی نیک اخلاق مند چشم و چراغ تھے۔(یعنی دادا حاجی حشمت اللہؒ) کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ اضلاع گونڈہ وبستی میں توحید وسنت کے قافلے کی دوسری اہم کڑی اور اس علاقے کی سب سے پر اثر تحریک کے قائد اور سالار قافلہ، ولی صفت بزرگ مولانا ممتاز علی کرتھی ڈیہہ (۱۸۸۸ئ ۱۹۷۲ء) کے قریبی احباب ورفقاء میں سے تھے۔اور انہیں کی تربیت میں رہ کر ایک ولی صفت انسان بن گئے تھے۔آپ کی دینداری،عبادت و ریاضت اور تہجد گزاری وتقویٰ شعاری کے چرچے زبان خاص وعام پر جاری تھے۔اور پورے علاقے میں آپ کے تقویٰ وطہارت کی مثال دی جاتی تھی۔انتہائی خدا ترس، بے پاک،موحد اور متبع سنت تھے۔مولانا ممتاز علیؒ کی رفاقت اور صحبت کے نمایاں اثرات آپکی ذات گرامی پر بھرپور نظر آتے تھے۔رحمہم اللہ رحمۃ واسعہ

والد ماجد شکر اللہ فیضی: اس سلسلہ نسب کی تیسری اہم کڑی آپ کے والد محترم مولانا شکر اللہ فیضیؒ ہیں جن کی ولادت ۱۹۲۱ء میں ہوئی اور ۳۰/اگست ۲۰۰۵ء میں آپ اللہ کو پیارے ہوگئے۔مختلف اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ جامعہ فیض عام مئو گئے اور وہیں سے ۱۹۳۸ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔اور ایک عظیم الشان اجلاس میں مولانا امرتسریؒ اور مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی کے ہاتھوں آپ کی دستار بندی عمل میں آئی۔آپ کے اساتذہ میں اضلاع گونڈہ وبستی میں تحریک اہل حدیث کے دوسرے بڑے سپہ سالار سید الطائفہ مولانا سید ممتاز علی کرتھی ڈیہہ اور آپ کے بھائی حکیم حاذق سید اقبال حسین، ریواں (والد مولانا عبد الاول فیضی ریواں) اور مشہور ادیب مولانا عبد اللہ شائق مئوی جیسے اساطین علم وعمل تھے۔اور انھیں کے فیض تربیت سے آپ ایک بلند وبالا علمی مقام تک پہنچے تھے۔فراغت کے بعد ۱۹۳۸ء سے تاحین حیات تدریس وتعلیم سے وابستہ رہے اور کم وبیش ۶۵ سالوں سے زائد طویل عرصے تک یہ خدمات انجام دیں۔ملک کی آزادی کے بعد تدریس وتعلیم کے ساتھ مولانا عبد الوہاب آرویؒ ودیگر اعیان جماعت کے ساتھ جماعت کی نشاۃ ثانیہ سے لے کر نوگڈھ کانفرنس کو منعقدہ ۱۹۶۱ء تک جماعت کو کامیاب بنانے میں ہر جگہ شریک رہے۔نوگڈھ کانفرنس کی کامیابی کے لئے کئی ماہ گھر نہ گئے بلکہ کانفرنس کی تیاری میں لگے رہے۔مقامی، ضلعی اور صوبائی مرکزی جماعت کے اجلاس وپروگراموں اور اسکی دعوتی وتبلیغی وفود میں ہمیشہ آپ کی بے لوث حاضری رہی۔اپنے آبائی گاؤں ٹکریا کے متفقہ طور پر پچاس سالوں تک امام تھے۔اس پر مزید یہ کہ گاؤں کی سیاسی قیادت بھی آپ کے ہاتھوں میں رہا کرتی تھی۔۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۷ء تک قاضی عدیل عباس کے ساتھ تحریک آزادی میں شریک رہے اور گاؤں گاؤں گھوم کر جہاد آزادی وطن کے لئے تقریر کرتے رہے۔آپ ایک بے باک خطیب، کہنہ مشق مدرس اور ایک عمدہ مخلص ومربی تھے۔کئی نسلوں نے کئی دہوں تک آپ سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے اور آپ کے چشمۂ علم وعمل سے سیراب ہوکر میدان عمل میں بلندیوں تک پہنچے ہیں۔

انہیں صلحاء،علماء اور اساطین علم وفن کے فیض تربیت دادا، پردادا اور والد بزرگوار کی پر کیف علمی فضاؤں میں آپ (مولانا محمد احمد

اثری) نے آنکھیں کھولیں اور پروان چڑھے اور رفتہ رفتہ علم وعمل کے ایک رخشندہ ستارے کے مانند آسمان علم وعرفان میں چمکنے لگے۔ خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی۔ ایک عصری اسکول سے انگریزی تعلیم مکمل کی۔ فارسی وعربی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا (آبائی گاؤں کے مدرسہ) میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ دارالحدیث اثریہ مئو گئے۔ اس وقت جامعہ کے قیام کو تین سال پورے ہو چکے تھے اور مدرسہ سونیا باڑہ کی مسجد میں چل رہا تھا۔ اور بے پناہ صلاحیتوں کے مالک علامہ شائق مئویؒ کا علمی فیضان جاری تھا۔ جماعت ثانیہ میں داخلہ ہوا اور یہیں مسلسل فراغت تک تعلیم حاصل کی اور شائق مئویؒ ودیگر اساتذہ واساطین علم کے چشمہ عرفان سے علمی آسودگی مکمل کی۔

۱۹۶۳ء میں جامعہ دار الحدیث اثریہ مئو سے فارغ التحصیل ہوئے۔ الٰہ آباد بورڈ منشی، مولوی، عالم اور اسی طرح فاضل دینیات، فاضل ادب کا امتحان بھی پاس کیا تھا اور انٹر اور بی اے کی ڈگریاں بھی امتیازی نمبرات سے حاصل کی تھیں۔

اساتذہ: آپ کے اساتذہ میں اساطین علماء ومدرسین شامل ہیں جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ جماعت کے مشہور عالم ومربی آپ کے والد بزرگوار مولانا شکر اللہ فیضیؒ۔ آپ سے آپ کے فرزند (مولانا احمدؒ) نے فارسی کی تعلیم اور عربی پہلی جماعت کی کتابیں پڑھیں، اور یہیں والد کی تربیت میں رہنے اور پڑھنے کی وجہ سے دینی تعلیم کا جذبہ فراواں بیدار ہوا اور رفتہ رفتہ آگے بڑھتے گئے۔

۲۔ علامہ شائق مئویؒ (متوفی ۱۹۷۴ء) آپ نے جامعہ دارالحدیث اثریہ میں عربی ادب کی ساری کتابیں پڑھیں، اور آپ کے ادبی ذوق اور صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کیا۔

۳۔ مولانا مفتی عبدالعزیز عمریؒ (متوفی ۲۰۰۵ء)، ۴۔ مولانا فیض الرحمٰن فیض (متوفی ۲۰۰۴ء)، ۵۔ مولانا عظیم اللہ مئوی (متوفی ۱۹۹۳ء)، ۶۔ مولانا قاری عبدالسبحان صاحب۔ ۷۔ مولانا محمد جمیل صاحب، ۸۔ مولانا مشتاق احمد شوق صاحب ودیگر۔

تلامذہ: تلامذہ کا حلقہ بے حد کشادہ ہے چند مشاہیر کے نام درج ذیل ہیں: ۱۔ مولانا عاشق علی اثری، سیکریٹری مولانا ابوالکلام آزاد اسلامک اویکنگ سینٹر، اوکھلائی دہلی، ۲۔ مولانا عبدالرشید جھنڈانگر، ۳۔ مولانا عتیق الرحمٰن مدنی، امریکہ، ۴۔ مولانا محمد نعیم اثری سدھارتھ نگر، ۵۔ شیخ مطیع اللہ مدنی، جھنڈانگر، ۶۔ شیخ عبداللہ عبدالحمید مدنی، بحرین، ۷ عزیز عمر سلفی، نوائے اسلام، ۸۔ مولانا عبدالحمید فیضی (فیض عام)، ۹۔ شیخ معراج ربانی اثری۔ سعودی عرب، ۱۰۔ مولانا عبداللطیف اثری، جامعہ عالیہ عربیہ مئو، ۱۱۔ مولانا شکیل احمد مدنی، (فیض عام، مئو)، ۱۲۔ شیخ نظام الدین مدنی (بہار)، ۱۳۔ مولانا عزیز شاہین اثری (ششہنیاں)، ۱۴۔ مولانا شمس کمال مدنی (پروفیسر، لوہرسن بازار) اور ان کے علاوہ دیگر علماء وطلباء ہیں جو میدان علم وعمل میں اپنے گوہر لٹا رہے ہیں۔ رب العزت تمام کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین

میدانِ تدریس میں: ۱: ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۷ء مدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا، سدھارتھ نگر۔

فراغت کے بعد ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۷ء تک اپنے آبائی گاؤں ٹکریا سدھارتھ نگر کے مدرسہ مفتاح العلوم میں تدریس سے وابستہ رہے۔ یہ

ادارہ آپ کے والد ماجد نے قائم کیا تھا اور تا حال جاری ہے۔ البتہ اب اس میں وہ علمی وروحانی رونق نہیں رہی جو پہلے کبھی ان اداروں میں نظر آتی تھی، اللہ بزرگوں کی روایات اور ان کے اخلاص وقربانیوں کو ہمیں زندہ کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

۲: ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۳ء جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو، (دور اول)

۱۹۶۸ء میں آپ کی صلاحیتوں اور علمی لیاقتوں کی وجہ سے ذمہ داران جامعہ اثریہ مئو نے آپ کو اپنے مادر علمی میں تدریسی فریضہ انجام دینے کے لئے مدعو کیا چنانچہ ان کے اصرار اور طلب پر آپ نے جامعہ اثریہ سے وابستگی کو ترجیح دی اور یہاں تدریس کے لئے پہنچ گئے۔ ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۳ء مسلسل پانچ سالوں تک تعلیم وتدریس اور ادارہ کی خدمت سے وابستہ رہے اور اپنے علمی جوہر دکھائے۔

۳: ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۵ء مدرسہ انوار العلوم پرساعماد، ڈومریا گنج سدھارتھ نگر۔

۱۹۷۳ء میں بعض خانگی پریشانیوں کی وجہ سے آپ نے دارالحدیث اثریہ کو چھوڑ دیا اور اپنے آبائی گاؤں سے قریب ہی جماعت کے ایک مشہور ادارہ مدرسہ انوار العلوم پرساعماد سے وابستہ ہو گئے۔ یہاں پر صحیحین اور دیگر فنون کی کتابیں آپ کے زیر تدریس رہیں، تین سالوں تک صدر المدرسین بھی رہے، مگر تین سالوں سے زیادہ یہاں قدرت کو منظور نہ تھا بالآخر ۱۹۷۵ء میں یہاں سے رخصت ہو چلے۔

۴: ۱۹۷۵ء تا ۲۰۰۳ء جامعہ دارالحدیث اثریہ مئو۔ (دور ثانی)

۱۹۷۵ء میں اچانک تمام اساتذہ کے چھوڑنے کی وجہ سے جامعہ دارالحدیث اثریہ میں تعلیمی بحران پیدا ہو گیا۔ ذمہ داران جامعہ نے ایسے موقع پر ادارہ کو سنبھالنے اور اسے بحرانی کیفیت سے نکالنے کیلئے سنجیدہ اور دور اندیش نیز انتظامی اور تدریسی صلاحیتوں سے لیس ایک عالم کی ضرورت محسوس کی ان کی نگاہیں آپ پر پڑی، اور پھر آپ کو لینے ناظم جامعہ مولانا مختار احمد انصاری آپ کے گھر سدھارتھ نگر، بکریا پہنچ گئے۔ جامعہ کی بحرانی کیفیت اور ذمہ داران کے اصرار کو دیکھ کر آپ نے واپس مئو آنے کا فیصلہ کیا اور بالآخر ۱۹۷۵ء میں آپ دوبارہ مادر علمی جامعہ اثریہ چلے آئے۔ الحمد للہ آپ کی علمی صلاحیتوں اور تدریسی تجربات اور انتظامی لیاقتوں کی وجہ سے یہ بحران جلد ہی دور ہو گیا اور ارباب جامعہ نے راحت وسکون کی سانس لی۔ آپ یہاں شیخ الجامعہ کے منصب جلیلہ پر بھی فائز کئے گئے، بڑی خیر وخوبی سے آپ نے ۲۸ سالوں تک جامعہ اور طلباء کو سنبھالا اور اپنی بے پناہ صلاحیتوں سے اسے لالہ زار اور گل گلزار بنا دیا۔ تعمیر، تعلیم اور مختلف میدانوں میں جامعہ بام عروج تک پہنچا۔ اور مولانا کی تدریسی صلاحیتوں سے ہزاروں طلباء وتشنگان علم نے اپنے دامن کو علم کی موتیوں سے بھرا۔ جون ۲۰۰۳ء میں الہ آباد بورڈ کے قانونی اصولوں کی بنیاد پر آپ ریٹائرڈ ہوئے۔ یہ فترہ آپ کی زندگی کا علم وعمل اور مختلف میدانوں میں آپ کی خدمت اور سنہرے نقوش سے بھرا ہوا ہے۔ اگر اسے حیطہ تحریر میں لایا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔

۵: ۲۰۰۴ء تا ۲۰۰۹ء جامعہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈیہار: جامعہ اثریہ مئو سے ریٹائرڈ منٹ کے بعد آپ جماعت کے تاریخی ادارہ جامعہ سراج العلوم، بونڈیہار آ گئے اور یہاں پانچ سالوں تک آپ نے تدریس کا فریضہ انجام دیا اور شیخ الجامعہ بھی رہے۔

۶: ۲۰۰۹ء تا وفات ۲۰۱۷ء: کلیہ محمدیہ للبنات، احمد نگر، بھارت بھاری، موتی گنج چوراہا، ڈومریا گنج سے وابستہ رہے جسے آپ کے فرزند اور ہمارے سینئر ساتھی شیخ جمال احمد مدنی نے قائم کیا تھا۔ اور یہیں وفات بھی ہوئی۔

دیگر خدمات وذمہ داریاں: تدریس وتعلیم کے ساتھ ساتھ مولانا نے کئی انتظامی، اداری اور دینی واصلاحی خدمات بھی انجام دی ہیں اور اس دوران اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے کئی اہم عہدے اور منصب بھی آپ کو تفویض کئے گئے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ دوران تدریس مئو آپ کم وبیش ۲۷ سالوں تک اپنے استاد علامہ شائق مئوی کی مسجد جامع مسجد سونیا باڑہ میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ ایک بہترین خطیب تھے اور آپ کے علمی خطبات سے سامعین بڑے متاثر ہوا کرتے تھے۔

۲۔ ۱۹۷۵ء تا ۲۰۰۳ء تک مسلسل آپ جامعہ عربیہ اثریہ مئو میں شیخ الجامعہ کے منصب پر فائز رہے اور ریٹائرڈ ہونے کے بعد جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں بھی آپ نے اس منصب پر رہ کر بحسن وخوبی اپنی ذمہ داریاں انجام دیں۔

۳۔ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۵ء تک مدرسہ انوار العلوم پرساعماد کے صدر المدرسین رہے۔

۴۔ جامعہ دار الحدیث اثریہ مئو سے شائع ہونے والے علمی میگزین مجلہ الآثار کے آپ کم وبیش بارہ سالوں تک مدیر اعلیٰ ومدیر مسئول رہے اور اداریئے اور دیگر مضامین لکھتے رہے۔ آپ کی تحریریں انتہائی قابل قدر اور لائق مطالعہ سمجھی جاتی تھیں۔ بالخصوص آپ کے اداریئے انتہائی وقیع اور ادبی شہ پارے کے عمدہ نمونہ ہوا کرتے تھے۔

۵۔ ملک بھر میں ہونے والی علمی اور جماعتی کانفرنسوں میں آپ کو مدعو کیا جاتا تھا اور اپنے رشحات قلم وتحریروں کو پیش کر کے اہل علم سے داد تحسین پایا کرتے تھے، مجلہ الآثار میں آپ کی تحریریں اور مضامین دیکھے جاسکتے ہیں۔

۶۔ ۱۴۰۸ھ میں منعقد عالمی سیمینار جامعہ سلفیہ بنارس میں آپ نے ایک مفصل علمی مقالہ بعنوان ''تصوف شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی نظر میں'' پیش کیا تھا اور علماء اور طلباء نے اسے بے حد پسند فرمایا تھا اس کا عربی ترجمہ بحوث الندوہ العالمیہ عن شیخ الاسلام ابن تیمیہ واعمالہ الخالدہ میں چھپ چکا ہے۔

۷۔ کئی اہم علمی کتابوں اور رسالوں پر آپ نے تمہیدی اور افتتاحی کلمات تحریر کئے ہیں۔

۱۔ جن میں مولانا محمد مقتدیٰ حسن اثری کی کتاب ''تذکرہ المناظرین'' اور ۲۔ مولانا شوق مئوی کی کتاب تحفۃ الاطفال پر وقیع مقدمہ اور ۳۔ مولانا عبد الوارث کی کتاب غایۃ المرام کے اردو ترجمہ پر تقریظ وغیرہ ہیں۔

آپ نے دوران تدریس سبع المعلقات کی عربی زبان میں شرح بھی لکھی تھی مگر افسوس کہ اس کا مسودہ غائب ہوگیا اور آج تک اس کا سراغ نہ لگ سکا اور اسی طرح سید سابق کی مشہور کتاب فقہ السنۃ پر بھی کام کیا تھا۔ (یہ بات آپ کے فرزند مولانا جمال احمد مدنی سے ایک ٹیلیفونک گفتگو سے معلوم ہوئی آپ ہمارے سینئر ساتھی اور انتہائی باصلاحیت دوست ہیں۔)

اہل الحدیث ایوارڈ: آپ کی ہمہ جہت تعلیمی، تدریسی، صحافتی، اور دعوتی جہود کو دیکھتے ہوئے ۲۰۱۲ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی طرف سے ان خدمات کے اعتراف میں آل انڈیا اہل حدیث ایوارڈ سے نوازا گیا تھا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ایک ہمہ جہت صفت انسان تھے۔

جامعہ دار الحدیث اثریہ کی تعمیر وترقی میں مولانا کا کردار: اپنے استاد اور بانی جامعہ مولانا عبد اللہ شائق مئوی کی دیرینہ آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے آپ کے شاگرد مولانا احمد اثری نے اپنی پوری زندگی جامعہ اور مادر علمی کی تعمیر وترقی میں لگادی، بحرانی

وقت میں اسے سنبھالنے سے لیکر اور بامِ عروج پر پہنچانے کی اپنی زندگی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، اور ہر میدان میں کامیابی قدم بوسی کرتی رہی جامعہ کے تئیں آپ بے حد مخلص ومجاہد تھے۔ اور اسی کی صلاح وفلاح میں اپنی پوری صلاحیت قربان کردینے کو سعادت سمجھتے تھے اپنی خودنوشت سوانح میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اللہ کے فضل وکرم سے تدریس وتعلیم کے سلسلہ میں میں نے جس مدرسہ میں بھی قدم رکھا کامیابیوں نے قدم بوسی کیا اور بالغ نظر ذمہ داران اور باذوق ہمدردان مدارس بالخصوص ذہین اور شوقین طلبہ کی نگاہ میں ایک معقول استاذ کی طرح رہا، میں نے جس مدرسہ سے وابستگی رکھی ظاہری اور سطحی وابستگی نہیں رکھی بلکہ اس مدرسہ کے صلاح وفلاح میں اپنی پوری صلاحیت لگا دینے کو اپنی سعادت سمجھی۔ ملازمت برائے ملازمت میرے نزدیک قابل نفرت ومذمت ہے۔ خاص طور پر مادر علمی جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو کی تعمیر وترقی اور اس کے فروغ واستحکام کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں اور توانائیوں کو بروئے کار لانے کے باوصف دل ہی دل میں یہ کہتا رہا کہ ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا''

جامعہ اثریہ میں مجھے کبھی کبھی تلخ کلامیوں اور دشنام طرازیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا لیکن گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا کا لطف بھی وہیں محسوس ہوا۔ چونکہ جامعہ اثریہ میں از ابتداء تا انتہا میں نے تعلیم حاصل کیا تھا اور ایک لمبا زمانہ میرا اس وقت کے ذمہ داروں کے سامنے گزرا تھا اس لئے میرے حسن وقبح کا کوئی گوشہ ان پر مخفی نہیں تھا اور میری ذاتی صلاحیتوں سے وہ بخوبی واقف تھے۔ شاید اسی لئے بعض ایسے نازک حالات میں جب کہ جامعہ چومکھی ہواؤں کے تھپیڑے کھا رہا تھا کہ جامعہ کا چراغ اب بجھا کہ تب بجھا مجھے وہ حضرات دوبارہ دوسری درسگاہوں سے اٹھا کر لے گئے۔

میں نے بھی فرض شناسی کے ساتھ جامعہ کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ پوری محنت اور لگن کے ساتھ اپنی توانائیوں کو لگا کر اسے بین الاقوامی شہرت کا حامل بنا دینے کی بھرپور کوشش کی چنانچہ تدریس ہو یا دعوت وارشاد، خطبات جمعہ ہو یا افتاء، ملکی وغیر ملکی خطوط ہوں یا مجلہ آثار کے اداریئے۔ یہ ساری ذمہ داریاں دوش ناتواں پر اٹھائے ہوئے تھا۔ اپنی تمام تر ذمہ داریوں میں مصروفیت کے باوجود کانفرنسوں میں بھی جاتا اور ان کے لئے مقالے تیار کرتا۔ کبھی کبھی استحکام جامعہ کے لئے بیرون ملک کویت، سعودیہ عربیہ، متحدہ عرب امارات اور ملیشیا وغیرہ کا بھی سفر کیا اور کامیابی کے ساتھ واپس ہوا۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ جامعہ اثریہ کی چمک دمک میں ان سفروں کا بڑا دخل ہے۔ دعا ہے کی اللہ تعالیٰ جامعہ اثریہ کے حق میں میری قربانیوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

حالیہ مشغلہ کلیہ محمدیہ للبنات میں تدریس کا ہے۔ اللہ جزائے خیر دے نور چشم جمال احمد مدنی سلمہ کو جو اس مدرسہ کے بانی ہیں اور شبانہ روز اس کی تعمیر وترقی میں لگے رہتے ہیں۔ انہیں کی بے پناہ محبتوں اور کاوشوں سے یہ مدرسہ درجات فضیلت تک پہنچنے میں کامیاب ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ مستقبل میں بھی یہ کلیہ اس علاقہ کے لئے علوم اسلامیہ کا روشن ترین معیار ہوگا''۔ (جریدہ ترجمان ۱۵/مارچ ۲۰۱۲ء)

شادی اور اولاد: دورانِ تعلیم ۱۹۶۱ء میں ہی آپ کی شادی آپ کے دادا حاجی حشمت اللہ صاحبؒ کی خواہش پر کردی گئی، ابھی آپ جماعت خامسہ ہی کے طالب علم تھے مگر یہ چیز آپ کی زندگی میں کبھی حائل نہ ہوئی۔ اللہ نے آپ کو چار لڑکے اور چار لڑکیاں عطا کیں لیکن تدریس کے زمانہ میں ہی دو بچیاں فوت ہوگئیں۔ لڑکوں میں آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا جمال احمد مدنی ہیں جو جامعہ

اثریہ اور ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فارغ التحصیل ہونے کے ساتھ مدینہ یونیورسٹی سے بی۔اے اور لکھنؤ یونیورسٹی سے ایم۔اے کی ڈگری بھی حاصل کر چکے ہیں اور فی الحال الکلیۃ المحمدیۃ للبنات، موتی گنج چوراہا، سدھارتھ نگر کے بانی و مدرس ہیں۔ اللہ آپ کو اخلاص اور ادارے کو ترقی کے اعلیٰ منازل تک پہنچانے کے لئے نیک عمل اور قربانیوں کی توفیق دے اور اسے قبول فرمائے۔ آمین۔

وفات: علم و عمل کا یہ پیکر اپنے عظیم خاندان، ہزاروں طلباء و مستفیدین کو روتا بلکتا چھوڑ کر بتاریخ ۱۲ر نومبر ۲۰۱۷ بروز اتوار رات ۱۱ر بجے ہم سے رخصت ہو چلا اور دوسرے دن ۱۳ر نومبر ۲۰۱۷ء بروز سوموار بعد نماز عصر ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں آپ کو ستواں گاؤں میں سپرد خاک کیا گیا۔ نماز جنازہ میں آپ کے گھر خاندان کے نامور عالم مولانا عبدالوہاب حجازی حفظہ اللہ نے پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت عطا فرمائے۔ **اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واسکنہ الفردوس الاعلیٰ۔** آمین

مراجع و مصادر:

۱۔ خودنوشت سوانح، شائع شدہ جریدہ ترجمان ۱-۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۲۔ مولانا کا انٹرویو، شائع شدہ مجلہ معیار ۲۰۰۳ مئو اور مجلہ الضیاء ۲۰۰۷ء بونڈیہار۔

۳۔ تراجم علمائے اہل حدیث از خالد حنیف صدیقی بابت مولانا محمد احمد اثریؒ

۴۔ کاروان سلف از مولانا عبدالرؤف ندوی، ۲ر بابت مولانا شکر اللہ فیضی

۵۔ مقالہ استاذ محترم شیخ عبدالوہاب حجازی

۶۔ ذاتی معلومات اور استفسارات آپ کے فرزند مولانا جمال احمد مدنی سے ماخوذ۔

(صوت الاسلام جدید ممبئی، فروری ۲۰۱۸)

☆☆☆

’’جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں‘‘

شیخ الحدیث مولانا محمد یونس اثریؒ کی رحلت

وفات دسمبر ۲۰۱۷ء

مولانا عبدالمنان سلفی جھنڈانگر

عیسوی تقویم ۲۰۱۷ء کے اختتام سے چند روز قبل یہ اندوہناک خبر سنی گئی کہ معمر اور بزرگ عالم دین، کہنہ مشق مدرس اور مخلص داعی مولانا ڈاکٹر محمد یونس اثری رحمہ اللہ اپنی حیات مستعار کی تقریباً ۸۰ ربہاریں دیکھنے کے بعد ۲۷ ردسمبر ۲۰۱۷ء بروز بدھ بوقت سحر دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا محمد یونس رحمہ اللہ خاکساری، سادگی، تواضع، ورع وتقویٰ، مہمان نوازی، رقت قلب، علمی تبحر اور احساس ذمہ داری کے اعتبار سے اسلاف کا جیتا جاگتا نمونہ تھے، ان کی یہ خوش بختی رہی کہ انہوں نے طویل زندگی کا ایک لمبا زمانہ تدریس ودعوت میں صرف کیا اور اپنے اخلاق کریمانہ، بے پناہ شفقت اور مخلصانہ محبت کے ساتھ کئی نسلوں کی تربیت کی، ان کی وفات سے تدریس ودعوت کے میدان میں بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کی حسنات وخدمات کو رفع درجات کا ذریعہ بنائے اور بشری لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کرے۔ (آمین)

مولانا ڈاکٹر محمد یونس اثری رحمہ اللہ کا آبائی وطن ضلع سدھارتھ نگر یوپی (بھارت) کا مشہور ومعروف گاؤں یوسف پور ہے، جہاں حضرت میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے تلمیذ مولانا عباداللہ بستوی کا قائم کیا گیا مدرسہ دارالہدیٰ واقع ہے، مگر موصوف ایک زمانہ سے موہانہ بازار سے متصل ’’مدھوبنی‘‘ نام کی بستی میں آباد تھے، مولانا کے والد مولانا عبدالمجید رحمہ اللہ بھی علاقہ کے بڑے عالم اور میاں محدث دہلوی کے تلامذہ مولانا عباداللہ، مولانا محمد حسین (ترکلہا، نیپال) اور مولانا نوراللہ (پیرا بھوج) کے فیض یافتگان میں سے تھے، نیز بوقت فراغت موصوف معروف سلفی عالم اور محدث علامہ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کے رفیق درس بھی تھے، اسی وجہ سے گھر کا ماحول دینی اور علمی تھا، اسی دینی وعلمی گھرانہ میں مولانا محمد یونس کی ولادت جولائی ۱۹۳۷ء میں یوسف پور میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور میں پائی، اور مکتب کیساتھ فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم وہیں مکمل کی، تقریباً ۱۹۵۱ء میں مزید تعلیم کے لئے مدرسہ فیض عام مئو تشریف لے گئے، اور وہاں ڈیڑھ سال پڑھنے کے بعد اپنے استاد مولانا عبداللہ شائق مئوی رحمہ اللہ کے ساتھ ان کے قائم کئے گئے ادارہ جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو منتقل ہوگئے، اور وہیں سے

۱۹۵۸ء میں درس نظامی کی تکمیل کے بعد ۲۱ ربرس کی عمر میں سند فراغت حاصل کرلی، مدرسہ فیض عام کے اساتذہ میں مولانا محمد سلیمان مئوی اور ناظم محمد احمد مئوی اور دارالحدیث کے اساتذہ میں مولانا عبداللہ شائق، مولانا عبدالرحمن نحوی، قاری عبدالسبحان اور مولانا جمیل احمد رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد یونس اثری کی یہ خوش نصیبی رہی کہ انہیں اپنی عملی اور تدریسی زندگی کے آغاز کا موقعہ ان کے اپنے مادر علمی دارالحدیث ہی سے مل گیا اور ان کی صلاحیت، صالحیت اور سنجیدگی کے سبب ان کے مایہ ناز استاذ مولانا شائق مئوی نے ان کی کم عمری کے باوجود انہیں دارالحدیث میں مدرس رکھ لیا اور اپنے اساتذہ کے ساتھ انہیں مادر علمی میں تدریس کی سعادت حاصل ہوئی جو بہر حال ان کے لئے بڑے شرف اور اعزاز کی بات تھی، مولانا کئی برسوں تک یہاں رہ کر طلبہ کو مستفید فرماتے رہے، پھر موصوف کو شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ کے ادارہ مدرسہ ریاض العلوم دہلی میں یاد کیا گیا اور وہ دہلی تشریف لے گئے اور معروف عالم و کہنہ مشق مدرس مولانا امان اللہ فیضی رحمہ اللہ اور مولانا عبدالتواب مدنی وغیرہما کے ساتھ کم وبیش ۱۷ برسوں تک وہاں تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے رہے، ۱۹۸۵ء میں جب راقم معہد التعلیم الاسلامی دہلی میں مدرس تھا تو اس وقت مولانا ریاض العلوم ہی میں تھے اور گاہے گاہے مجھ گنہگار کو مولانا سے ملنے، دعاء لینے اور ان کی خسروانہ ضیافت سے محظوظ ہونے کا موقعہ ملتا رہتا تھا، مولانا ہمارے بزرگ تھے، لیکن اپنی شفقت ومحبت کا مظاہرہ خدمت کے طور فرما کر مجھے شرمسار کردیتے تھے، کبھی بھی بغیر کچھ کھلائے پلائے نہ چھوڑتے اور مدرسہ کے روکھے سوکھے کھانا کے بجائے بازار کے سالن اور بریانی سے ضیافت فرماتے، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ (آمین)

یہاں مولانا کے ذوق طلب علم کو سلام کرنے کو جی چاہتا ہے کہ دارالحدیث مئو سے فراغت اور کئی سال تک وہاں تدریس کے بعد جو موصوف دہلی تشریف لائے تو دہلی میں قیام کے دوران انہوں نے جامعہ ہمدرد میں داخلہ لے کر بی، یو، ایم، ایس (B.U.M.S.) کا کورس بھی مکمل کرلیا اور آپ مستند طبیب اور معالج بھی ہوگئے، مگر علم دین سے خصوصی شغف اور تعلق کا نتیجہ تھا، موصوف نے چند ماہ کو چھوڑ کر علم طب کو کبھی کسب معاش کا ذریعہ نہیں بنایا اور پوری زندگی مدارس کی معمولی تنخواہ پر قناعت کرتے رہے، جب کہ آپ ایک اچھے معالج اور نباض تھے۔

اپنی کچھ ذاتی مجبوریوں اور صحت کی ناہمواری کے سبب مولانا مدرسہ ریاض العلوم دہلی سے اپنے قدیم مادر علمی دارالہدیٰ یوسف پور (سدھارتھ نگر) تشریف لے آئے اور کم وبیش ۲۲ ربرسوں تک یہاں تشنگان علوم نبویہ کو اپنے علم سے سیراب کرتے رہے، مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور میں موصوف برسوں تک شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہ کر صحیحین کا درس دیتے رہے، مولانا محمد یونس اثری کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ہند ونیپال میں پھیلے ہوئے ہیں جو ان کے لئے یقیناً صدقہ جاریہ ہیں، ان تلامذہ میں مولانا امان اللہ فیضی رحمہ کے صاحب زادگان مولانا علی اختر مکی اور ڈاکٹر ولی اختر پروفیسر دہلی یونیورسٹی قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد یونس اثری چار بھائیوں میں سب سے بڑے تھے جو علم دین اور علم طب سے بہرہ ور ہوئے، عصری مضامین خصوصاً

انگلش سے بھی انہیں اچھی واقفیت تھی، ان کے دوسرے برادران عزیز بھی ماشاء اللہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تعلیم وتعلم سے جڑے رہے، چنانچہ ان کے بھائی پروفیسر محمد ہارون انصاری نے مسلم یونیورٹی علی گڑھ سے گریجویشن اور آگرہ یونیورسٹی سے انگلش میں ایم اے کیا اور اس کے بعد کاٹھمانڈو وتربھون یونیورسٹی میں انگلش کے لکچرر مقرر ہوکر ریٹائر ہوئے، اور اس وقت کاٹھمنڈو میں مقیم ہیں، ماسٹر محمد ہارون انصاری صاحب کا ایک کارنامہ نیپالی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ ہے، موصوف نے شیخ رضاء اللہ مدنی نیپالی کی درخواست پر سب سے پہلے قرآن مجید کے نیپالی ترجمہ کی سعادت حاصل کی ہے، بعد میں جناب طاہر علی انصاری (سابق چیف جسٹس نیپال) اور کچھ دیگر علماء اور اہل زبان کے مراجعہ کے بعد مرکزی جمعیت اہل حدیث نیپال، جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر اور مکتبہ دارالسلام ریاض اور متعدد کئی اداروں سے یہ ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ گویا بنیادی نیپالی ترجمۂ قرآن مولانا اثری کے برادر خورد کی علمی کاوش کا نتیجہ ہے، اللہ قبول فرمائے۔ مولانا کے تیسرے بھائی ماسٹر محمد الیاس صاحب نیپال کے متعدد کالجز میں اکنامکس کے لکچرر رہے ہیں اور اس وقت بٹول میں مقیم ہیں، چھوٹے بھائی ماسٹر ابوالحسن بھی مکاتب ومدارس میں تدریسی فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں، مولانا کی خود اپنی دینی تعلیم میں ان کی والد ماجد مولانا عبدالمجید رحمہ اللہ کی کاوشوں کا دخل ہے جب کہ باقی تینوں بھائیوں کی تعلیم وتربیت میں مولانا اثری کی خصوصی توجہ اور ان کا گراں قدر اخلاقی ومالی تعاون شامل رہا ہے۔

مولانا محمد یونس اثری رحمہ اللہ نے تدریس کے ساتھ دعوت کا کام بھی خاموشی کے ساتھ موثر انداز میں انجام دیا ہے، ویسے وہ ظاہری کروفر سے دور گمنامی کی زندگی ہی پسند کرتے تھے، خطبات جمعہ کے علاوہ علاقہ کے جلسوں کی کبھی کبھار صدارت بھی کرتے تھے، آواز دھیمی تھی اور لب ولہجہ بھی فطری طور پر خطیبانہ نہ تھا مگر ان کے درس اور خطبات میں علمی نقاط بہت قیمتی ہوتے تھے جس کے سبب لوگ مولانا کی باتیں توجہ اور انہماک سے سنتے تھے، مولانا کے نواسے ڈاکٹر فیضان شاہد کے مطابق مولانا نے ''مسائل عید قرباں'' اور مسائل عید الفطر'' نام سے دو رسالے بھی تحریر کئے ہیں جو غیر مطبوع ہیں۔

والد محترم مفتی عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ سے بڑی محبت رکھتے تھے اور ان سے ملاقات کے لئے جھنڈانگر آتے رہتے تھے، والد صاحب کی وفات کی اطلاع ان کے اہل خانہ نے انہیں مصلحتاً نہ دی تھی اور بتائے بغیر گھر کے دوسرے حضرات جنازہ میں شرکت کے لئے جھنڈانگر آگئے، بعد میں انہیں کہیں سے خبر ہوگئی، تو بے قرار ہوگئے اور بیماری اور کمزوری کے باوجود تنہا بھاگم بھاگ جھنڈانگر پہنچے۔ جنازہ میں تو ان کی شرکت نہ ہوسکی مگر وہ اشکبار آنکھوں سے قبر پر گئے اور دعاء مغفرت کی، اس طرح موصوف اپنے اخلاص اور محبت کا نقش ہمارے دل پر ثبت کر گئے، اللہ رحم فرمائے، خود مجھے اور میرے بیٹوں اور پوتوں پوتیوں سب کو نہایت عزیز رکھتے تھے اور سب کے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے تھے، چند سال پیشتر اپنی اہلیہ کی نماز جنازہ جبراً اصرار کر کے مجھی سے پڑھوائی۔

مولانا محمد یونس اثری بہت دنوں سے اختلاج قلب کے عارضہ میں مبتلا تھے، بعد میں گیس اور کچھ دوسرے عوارض بھی لاحق ہوگئے، وفات سے کم وبیش چھ ماہ قبل فالج کا شکار ہوکر صاحب فراش ہوگئے، اس سے پہلے تک موصوف دارالہدیٰ یوسف پور جاتے رہتے تھے اور جس طرح ممکن ہوتا اپنی ذمہ داری ادا کرتے، اس دوران مولانا نے مجھ سے کئی بار کہا کہ مدرسہ کے ناظم اور دیگر اساتذہ

مجھے مدرسہ نہ آنے کو کہتے ہیں مگر مجھے اطمینان نہیں ہوتا ہے اس لئے کسی نہ کسی طرح چلا جاتا ہوں، اس دوران مجھ سے متعدد بار ملاقات پر استفسار کرتے رہے کہ اب جب کہ میں اپنی تدریسی ذمہ داری کما حقہ ادا نہیں کر پا رہا ہوں کیا میرے لئے مشاہرہ قبول کرنا جائز ہے؟ میں نے انہیں اطمینان دلایا کہ اگر ذمہ دار حضرات اس بات کو جانتے ہوئے آپ کا مشاہرہ جاری کئے ہوئے ہیں تو ان شاء اللہ اس میں حرج نہیں، پھر بھی دوسری ملاقات پر اس کا تذکرہ کرتے، یہ ان کے ورع اور تقویٰ کی دلیل ہے، بہر حال مولانا کا علاج ومعالجہ اور اولاد واحفاد کی جانب سے ان کی خدمت جاری رہی، مگر وقت موعود آپہنچا اور مذکورہ تاریخ میں انہوں نے اپنی جان جان آفریں کے حوالہ کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ ۲۷ر دسمبر ۲۰۱۷ء کو بعد نماز عصر ان کے گاؤں مدھوبنی میں بزرگ عالم دین استاد محترم مولانا محمد ابراہیم رحمانی حفظہ اللہ کی اقتداء میں ادا کی گئی، نماز سے قبل راقم نے اختصار کے ساتھ مولانا کی خدمات کا تذکرہ اور ان کے لئے دعاء مغفرت کی، نماز جنازہ میں ہندو نیپال کے علماء کرام، مدارس کے طلبہ اور عوام وخواص نے ہزاروں کی تعداد میں شرکت کی، مولانا کی جنازہ میں جماعت کے ہر دلعزیز، علم دوست، علماء نواز اور معروف صاحب خیر جناب الحاج آفاق احمد عرف چرچل رحمہ اللہ بھی شریک تھے اور ناچیز سے میری بڑی بے تکلف گفتگو ہوئی تھی، مگر ہمیں کیا خبر تھی کہ ان سے یہ آخری ملاقات ہے اور یہ اوقات ان کی زندگی کی آخری ساعات ہیں، صبح بوقت فجر ان کی اچانک انتقال کی خبر سن کر ہر شخص دم بخود تھا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے، اسی شمارہ میں موصوف کے تعلق سے ایک تعزیتی مضمون محترم مدیر اعلیٰ ناظم جامعہ حفظہ اللہ کے قلم سے ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا کی مغفرت فرمائے، ان کی خدمات کو قبول کرے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین

(ماہنامہ السراج جھنڈانگر رجنوری فروری ۲۰۱۸)

□□□

باب ششم

مرحومین اعیان جماعت

و

وفیات علمائے کرام

۲۰۱۷ء

جماعت اہل حدیث کے تین نامور علماء کی رحلت

مولانا عمران اعظمی عمری رمولانا خلیل الرحمن عمری رمولانا ظہیر الدین رحمانی

حکیم اجمل خاں

انا للہ وانا الیہ راجعون

افسوس ہے کہ جماعت اہل حدیث ہند کے تین عظیم نامور عالم دین ہم سے یکے بعد دیگرے جدا ہو گئے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ تینوں کا تعلق مشہور مردم خیز بستی مئو ضلع اعظم گڑھ سے تھا۔ اور تینوں کسی نہ کسی طرح جامعہ دار السلام عمر آباد سے وابستہ رہے۔ ان عظیم شخصیات کی دینی علمی تدریسی خدمات کو سمیٹ کر جب منظر عام پر لایا جائے گا۔ تو وہ جماعت اہل حدیث اور علمی دنیا کے لئے ایک بیش قیمت تحفہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور نیکیاں قبول کرے۔

جناب مولانا عمران اعظمی عمری

جناب مولانا عمران عمری اعظمی ۱۳ رجون ۲۰۱۷ء مطابق ۱۰ رمضان المبارک حیدر آباد تلنگانہ میں رحلت فرما گئے۔ وہ ۷۱ سال کے تھے، مولانا عمران اعظمی مئو کے مشہور عالم دین مولانا مفتی عبد العزیز مئوی کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے عمر آباد سے فراغت حاصل کی۔ مولانا ثناء اللہ عمری حفظہ اللہ کے مشورے پر دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد سے منسلک ہوئے وہ دائرہ کے اہم شعبہ مخطوطات سے وابستہ تھے۔ مولانا غیر معمولی سنجیدہ، ذہین وفطین، محقق، ادیب، شاعر، شخصیت کے مالک تھے، عربی فارسی اردو ہندی انگریزی پر عبور حاصل تھا۔ وہ درجنوں کتابوں کے مصنف تھے۔ جو دائرۃ المعارف عثمانیہ سے شائع ہو چکی ہیں۔ وہ بے شمار مضامین، اور اردو عربی نظموں وغزلوں کے مرتب تھے۔

اگر چہ افراد جماعت ان کی خاموش عملی کاوشوں سے ناواقف تھے۔ مگر وہ علمی تحقیقی دنیا کی ممتاز شخصیت تھے۔ راقم الحروف کی مولانا سے ممبئی میں ملاقات ہوئی۔ میں نے بعض اہل علم احباب جماعت کو توجہ دلائی کہ مولانا عمران کی صلاحیت اور خدمات کسی جماعتی ادارہ سے وابستہ ہونی چاہیے۔ مگر کسی نے توجہ نہیں کی۔ اور آج تک بھی آنکھیں نہیں کھلی ہیں نا ہی کوئی کھول کر رکھنا چاہتا ہے۔ میرا ہی نہیں بہت سے اہل حدیث علمائے کرام کا یہ تاثر ہے کہ ہمارے بہت سے صاحب صلاحیت علماء ناقدری کا شکار ہوئے ہیں اور جماعت ان کی صلاحیتوں سے استفادہ نہیں کر سکی ہے بلکہ ان کی قدر و قیمت دوسرے علمی تحقیقی اداروں نے کی اور ان سے استفادہ کیا اسطرح کی اہم شخصیتوں میں سب سے پہلا نام حضرت العلام سید امیر علی محدث ملیح آبادی لکھنوی کا ہے۔ جنہوں نے منشی نول کشور

آنجہانی کی فرمائش پر فتح الباری کا پہلا اردو ترجمہ کیا مولانا سید امیر علی رحمہ اللہ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ وہ ندوۃ العلماء میں استاد اور صدر مدرس رہے۔ اپریل ۱۹۱۹ء میں رحلت ہوئی۔ ان کے علاوہ درجنوں اہم شخصیتیں ایسی رہی ہیں جو وسائل کی نایابی کی وجہ سے غیر جماعتی اداروں سے وابستہ رہ کر اس دنیا سے جا چکی ہیں۔ مولانا حنیف ندوی رحمہ اللہ بھی ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستہ ہو گئے تھے۔

مولانا عمران عمری اعظمی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی زندگی دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد میں گذاری۔ اس طرح کے درجنوں علماء وفاضلین کے نام گنا سکتا ہوں۔ جن کی صلاحیتیں یا تو ضائع ہو رہی ہیں یا دوسرے اداروں میں استعمال ہو رہی ہیں۔ علماء کی جدید نسل جو نئی درس گاہوں سے فراغت حاصل کر کے میدان عمل میں کود رہی ہیں جن کی صلاحیتیں بھی کاروباری اداروں میں استعمال ہو رہی ہیں ویسے تو سارے ہی مسلمان اجتماعی فکر سے عاری ہوتے ہیں۔ مگر ہماری جماعت کا حال سب سے زیادہ خراب ہے اللہ تعالیٰ ہماری اجتماعی سوچ اور اجتماعی عمل کو بہتر بنائے۔ دنیا میں افراد کی تربیت، صلاحیت اور کوالٹی پیدا کرنا پھر اس کا صحیح استعمال ہی کامیابی کی ضمانت ہے جو دین و دنیا دونوں کے لئے مفید ہے۔

جماعت کے بزرگ ممتاز سوانح نگار جناب مولانا ثناء اللہ عمری حفظہ اللہ نے توقع دلائی ہے کہ وہ ان کے قریب رہنے والے مولانا عمران عمری اعظمی کا سوانحی خاکہ مرتب فرمائیں گے اللہ تعالیٰ مولانا عمران صاحب کی مغفرت فرمائے ان کی نیکیاں قبول کرے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مولانا خلیل الرحمن عمری

حضرت مولانا خلیل الرحمن عمری اعظمی سابق ناظم جامعہ دار السلام عمر آباد ۲۵ رجون ۲۰۱۷ء کو رحلت فرمائے گئے انا للہ وانا الیہ راجعون وہ ۹۰ سال کے تھے۔ ان کی رحلت علاج کے دوران بنگلور میں اور تدفین عمر آباد میں ہوئی۔

مولانا مرحوم مئو ناتھ بھنجن کے مشہور علمی خانوادہ (مولانا نعمان اعظمی رحمہ اللہ) کے فرد تھے۔ ان کے والد عبد السبحان صاحب رحمہ اللہ جامعہ دار السلام عمر آباد کے تاحیات استاد رہے۔ مولانا خلیل الرحمن صاحب کی پیدائش عمر آباد میں ہی ہوئی۔ فراغت کے بعد وہ بھی جامعہ سے وابستہ ہو گئے۔ انہوں نے ۶۰ سال جامعہ کی خدمت کی۔ ۳۰ سال تک ناظم رہے۔ یعنی تاحیات تدریس اور انتظامی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کے بھائی مولانا شیخ انیس الرحمن صاحب بھی الحمد للہ طویل عرصے تک مختلف اداروں میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے ہیں اسی طرح مولانا حفیظ الرحمن عمری بھی اپنی دینی علمی فکری تالیفی تدریسی صحافتی خدمات کا طویل ریکارڈ رکھتے ہیں ایسا سمجھا جاتا ہے کہ برصغیر میں کسی دوسرے علمی خانوادہ کی اس قدر وسیع وعریض خدمات نہیں ہیں؟ جتنی مولانا نعمان اعظمیؒ شاگرد رشید حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کے خاندان کی ہیں۔ اس لئے اس موضوع پر ایک مثالی جائزہ شائع ہونا چاہیے۔ تاکہ وہ دوسروں کے لئے مثال بن سکے۔ پوری جماعت اہل حدیث اور علمی دنیا اس خاندان کی دینی علمی خدمات کے لئے شکر گزار ہے مولانا

خلیل الرحمن صاحب تدریس کے علاوہ تبلیغی جماعتی خدمات میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے ان کی نیکیاں قبول کرے اوران کے صاحبزادے ڈاکٹر محمد الیاس صاحب کوان کا جانشین بنائے ان کے پسماندگان کوصبر جمیل عطا کرے۔

حضرت مولانا ظہیر الدین اثری رحمانی

افسوس ہے کہ حضرت مولانا ظہیر الدین اثری رحمہ اللہ بھی مورخہ ۱۴/اگست ۲۰۱۷ء کوشام ساڑھے ۸ بجے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، ان کی رحلت کی اطلاع راقم الحروف کومولانا ثناء اللہ عمری کے ذریعہ موصول ہوئی۔ مولانا ۲۱۔۱۹۲۰ میں حسین آباد مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے اپنے وطن میں حاصل کی۔ فراغت مدرسہ رحمانیہ دہلی سے کی بعد میں وہ مولانا فضل الرحمن اعظمی کے مشورے پر جامعہ محمدیہ رائیدرگ میں مدرس مقرر ہوئے۔ وہاں ۱۹۵۶ء تک رہے اس کے بعد ۱۹۵۶ء میں جامعہ دارالسلام عمرآباد میں پہنچ کر تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ پھر وہیں کے ہورہے۔ وہیں ان کی رحلت ہوئی ۱۵/اگست بعد نماز ظہر تدفین ہوئی مولانا جولم صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اللہم اغفرلہ وارحمہ۔

مولانا اثری مرحوم جماعتی دینی، دعوتی پروگراموں میں برابر دلچسپی لیتے تھے۔ جمعیت اہل حدیث تامل ناڈ کے صدر نشین رہے۔ راقم الحروف کی ملاقات ان سے جماعتی اجتماعات میں برابر ہوتی رہتی تھی۔ مولانا مرحوم اپنی رحلت سے قبل اپنے منجھلے صاحبزادے کی اچانک رحلت کے صدمے سے دوچار تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے ان کی نیکیاں قبول فرمائے اور پسماندگان کوصبر جمیل عطا کرے۔

(مجلہ اہل حدیث ستمبر ۲۰۱۷ء)

□□□

میرے والد ماجد
محمد زبیر احمد رحمہ اللہ، پٹنہ بہار

وفات جولائی ۲۰۱۷ء

محمد سکندر اصلاحی، محمد پور، پٹنہ

میرے والد ماجد محمد زبیر احمد مختصر علالت کے بعد بتاریخ ۸ رشوال المکرم ۱۴۳۸ھ مطابق ۳ رجولائی ۲۰۱۷ء بروز سوموار تقریبا ۱۲:۱۵ بجے دن صلوۃ ظہر کے وقت اپنے رب حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انہوں نے عمر کی ۸۸ بہاریں دیکھیں۔ ان کے جنازہ کی نماز میں نے ہی بالجہر پڑھائی اور مغرب کی نماز کے بعد گھر کے قریبی قبرستان محمد پور شاہ گنج میں مدفون ہوئے۔

موصوف صوم وصلوۃ کے سخت پابند تھے اور دینی کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔ دین پسند مزاج کے حامل تھے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ مدارس اسلامیہ نیز غرباء مساکین اور ان کے دکھ درد میں شریک رہتے تھے اور حتی المقدور ان کی اعانت سے پیچھے نہیں رہتے، بالخصوص اپنے رشتہ داروں کا خاص خیال رکھتے۔ تلاش معاش میں رزق حلال کی طلب ہمیشہ دامنگیر رہتی چنانچہ انہوں نے حلال روزی سے اپنے اور اپنے بچوں کی پرورش کی، زندگی بھر غلط طریقہ سے کسب معاش سے گریزاں رہے اور اپنے اعزہ واقارب کے علاوہ اپنے دوستوں کو بھی رزق حلال کی تحصیل کی ترغیب اور تلقین کرتے رہتے۔ لوگوں کو دین کی باتیں بتلانے اور امور شرعیہ سے عوام الناس کو آگاہ کرنے، ان میں دینی بیداری لانے کے لئے اکثر تبلیغی کمیٹی محمد پور شاہ گنج پٹنہ کی طرف سے دینی موضوعات پر جلسے منعقد کراتے جس کی آخری کڑی وہ دوروزہ تبلیغی جلسہ تھا جو حضرت مولانا عبدالسمیع جعفری رحمہ اللہ امیر جماعت اہل حدیث صادقپور کی صدارت میں بروز سنیچر واتوار تاریخ ۱۳ر ۱۴ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ مطابق یکم و ۲ جون ۱۹۹۶ سلطان گنج اور مڈل اسکول واقع محمد پور منعقد ہوا۔

والد بزرگوار کچھ زیادہ پڑھے لکھے آدمی تو نہیں تھے، لیکن دینی جذبہ ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اہم دینی شخصیات اور علماء حق کی صحبتوں میں رہ کر دین سیکھنے اور ان سے استفادہ کا زبردست شوق تھا۔ چنانچہ مولانا محمد داؤد راز دہلوی، مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری نیپال، مولانا عبدالقیوم بستوی، مولانا ذکر اللہ ذاکر ندوی ضلع بستی یوپی، مولانا عبدالسلام اسلم کانپوری، مولانا عبدالحمید رحمانی دہلی رحمہم اللہ اجمعین اور دیگر علماء حق مثلاً مولانا محمد مہدی رضا خاں، مولانا امان اللہ خاں فیضی استاذ مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ، ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی، مولانا صداقت حسین شیخ الجامعہ مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ، مولانا شفیع احمد اصلاحی استاد مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ، مولانا واعظ الحق اصلاحی ندوی استاد مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ، رحمہم اللہ اجمعین سے بڑے ہی خوشگوار تعلقات رہے۔ اور ان سب سے مراسلات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث کی عظیم الشان پاکوڑ کانفرنس کے علاوہ پے در پے دہلی میں منعقدہ انتیسویں، تیسویں، اکتیسویں،

بتیسویں، اور تینتیسویں، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنسوں کے تعاون کے لئے قبل از مرض اور بعد میں بستر مرگ پر بے چین ودعا گو رہتے۔ مرکزی جمعیت کے ناظم عمومی مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی سے بھی والہانہ عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ مولانا بھی متعدد بار پٹنہ میں ان سے ملنے آتے رہے اور والد ماجد سے قلبی تعلق رکھتے ہیں۔ والد ماجد رحمہ اللہ مرکزی جمعیت اہلحدیث کی تقویم کلینڈر پٹنہ میں تقسیم اور فروخت کرتے تھے۔

عالم گنج پٹنہ میں وسیلہ معاش کے لئے ایک چھوٹی سی دکان تھی خاص خاص مواقع پر چندہ کے لئے آنے والے مدارس کے سفراء کی اچھی تعداد چاہے، وہ پٹنہ کے ہوں یا باہر کے، گھر سے لے کر دوکان تک ان کے پاس آتی اور ان کے ذاتی چندہ کی رقم کے علاوہ ان کے توسط سے دوسرے لوگوں سے چندہ کی فراہمی کا کام کراتی اور یہ جذبہ دین سے سرشار محلہ اور آس پاس کے لوگوں کے ذریعہ چندہ کی فراہمی میں جی جان سے کوشاں رہتے۔ امسال بھی پہلی مرتبہ رمضان میں جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دہلی سے مولانا عاشق علی اثری حفظہ اللہ محمد پور تشریف لائے، لیکن علالت ضعف ونقاہت، ساتھی ہی گھر میں مردوزن کی غیر معمولی بھیڑ کے نتیجہ میں مولانا موصوف سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکا۔

اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود تبلیغ دین کے لئے ایسے علماء سے جن سے ان کے اچھے تعلقات ہوتے تھے اصلاح معاشرہ اور سماج سے شرک وبدعات کو ختم کرنے کے لئے کتابچے لکھنے کی درخواست کرتے۔ چنانچہ آپ کی تحریک پر مولانا ابوالعرفان صاحب نے ''قرآن اور شرک'' کے عنوان سے ایک کتابچہ لکھا جو آج بھی ان کی فائل میں موجود ہے۔ اکثر لوگوں کی نگاہوں سے بچ کر پٹنہ سٹی کے علاقے کی مساجد میں شرک وبدعت کی ہلاکت اور برے انجام سے واقفیت ہو اور دوسری طرف ان ناسمجھ لوگوں سے مزاحمت بھی نہ ہو جو اپنی ناسمجھی کے سبب ان واہیات وخرافات کو جزو دین سمجھ کر ان میں مبتلا ہیں۔

آپ اپنی معلومات میں اضافے اور علماء کرام کی روح پرور تقاریر سے استفادے اور ان کی صحبتوں سے کسب فیض کے لئے جہاں کہیں دینی اور علمی جلسوں کا انعقاد ہوتا دور دور تک سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے اخراجات سفر کی پرواہ کئے بغیر حتی المقدور شرکت کی کوشش کرتے۔ چنانچہ انہوں نے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے کل ہند چار روزہ جلسے میں نوگڑھ (ضلع بستی) میں ۷ تا ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۶ تا ۱۹ نومبر ۱۹۶۱ء کو مولانا عبدالوہاب آروی کی صدارت میں منعقد ہوا تھا پہلی بار شرکت کی۔ اس طرح مئوناتھ بھنجن کے کل ہند سہ روزہ جلسے میں شرکت کی جو مولانا مختار احمد ندوی کی صدارت میں ۱۳ تا ۱۵ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۴ تا ۱۶ اپریل ۱۹۹۵ء کو انعقاد پذیر ہوا۔ اسی طرح مرکزی دارالعلوم بنارس کے جشن افتتاح کے موقع پر جو ۲۱ مارچ ۱۹۶۶ء کو منعقد ہوا اپنے دوست واحباب کے ساتھ شرکت کی، مولانا عبدالوحید رحمہ اللہ، ناظم مرکزی دارالعلوم بنارس سے بھی خوشگوار تعلقات تھے اور خط وکتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی لغزشوں کو معاف کرے ان کو جنت الفردوس کا مکیں بنائے، جملہ متعلقین واعزا کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(جریدہ ترجمان ۱۶۔۳۱ اگست ۲۰۱۷ء)

□□□

آہ! معہد کا سرپرست نہ رہا

ڈاکٹر اسلم حسین رحمہ اللہ دھونرہ ٹانڈہ

وفات یکم نومبر ۲۰۱۷ء

محمد مستقیم سلفی رچھا بریلی

یہ خبر جماعتی حلقوں میں یقینا رنج والم کے ساتھ سنی جائے گی کہ تعلیمی مرکز المعہد الاسلامی السلفی رچھا ضلع بریلی کے سرپرست جناب ڈاکٹر اسلم حسین صاحب رحمہ اللہ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

ڈاکٹر اسلم حسین ضلع بریلی کے مشہور قصبہ ٹانڈہ دھونرہ میں ۱ رمئی ۱۹۳۶ء کو پیدا ہوئے۔ ٹانڈہ چاول کی تجارت کے ساتھ اس حیثیت سے بھی مشہور ہے کہ وہاں کی کل آبادی جماعت حقہ جماعت اہل حدیث سے تعلق رکھتی ہے۔ الحمد للہ والمنۃ۔

آپ کی ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں ہوئی اور آپ نے انٹر بھی مقامی انٹر کالج سے پاس کیا، بعد ازاں ملک کے مشہور دانش گاہ ''علی گڑھ مسلم یونیورسٹی'' میں آپ کو تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا اور وہاں سے آپ نے بی یو ایم ایس کی ڈگری حاصل کی۔ جس کی وجہ سے آپ کو ڈاکٹر کا لقب ملا۔ ڈاکٹر صاحب نے ادیب، ماہر، کامل ومعلم اور منشی، مولوی، فاضل وغیرہ کی اسناد بھی امتیازی نمبرات سے حاصل کیں۔ حصول علم کا بے حد شوق تھا، اسی لئے ڈاکٹر ہوجانے کے بعد بھی آپ نے علوم عربیہ کے حصول کی لگن میں بعض عربی اساتذہ سے ابتدائی نحو وصرف وغیرہ کی کتابیں پڑھیں۔

علی گڑھ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے اپنے قصبہ ہی میں اپنا ایک مطب شروع کیا۔ اللہ نے ہاتھ میں شفا رکھی تھی، مطب خوب چلا۔ امیروں کے ساتھ غرباء بھی آپ کے یہاں معالجہ کے لئے آتے آپ ان کو مفت دوا دیا کرتے اور ان کی دعائیں لیا کرتے تھے۔ کچھ ہی سالوں بعد سرکاری ڈاکٹر کے طور پر منتخب ہوئے اور نواب گنج کے آس پاس کے علاقوں میں آپ نے طبی خدمات انجام دیں۔

ایک وقت تھا جب مغربی یوپی میں دینی تعلیم کا رجحان بالکل نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ایسا قابل ذکر ادارہ تھا، جس میں علوم دینیہ کی تدریس وتعلیم کا باقاعدہ نظم ہو۔ اراکین جمعیت اہل حدیث مغربی یوپی کو اس کی فکر لاحق ہوئی اور ایک مرکزی دینی ادارہ کے قیام کا منصوبہ بنا، یہ ۱۹۸۰ء کی بات ہے۔ اس وقت جمعیت کے امیر الحاج محمد یوسف آگرہ والے تھے۔ انہوں نے دیگر اراکین جمعیت کے ساتھ مل کر مناسب جگہ کی تلاش کی تو رچھا میں مرکزی ادارہ کی بنیاد رکھنے کا فیصلہ ہوا اور ۱۹۸۲ء میں حضرت مولانا عبدالوحید رحمہ اللہ

ناظم اعلیٰ دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس وسابق امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ہاتھوں المعہد الاسلامی السّلفی کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ ڈاکٹر اسلم صاحب ضلع بریلی کے فعال کارکنان میں سے تھے اور تعلیم وتعلم کے شوقین اور تجربہ کار بھی۔ لہذا المعہد الاسلامی السّلفی کے قیام ہی سے ڈاکٹر صاحب کو ناظم اعلیٰ کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ آنجناب نے قیام معہد سے لے کر ۲۰۰۳ء تک نظامت کی ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ ۲۰۰۳ء میں جب آپ نے اپنی کبرسنی کی بنیاد پر نظامت کے عہدہ سے استعفیٰ دیا، تو جماعت نے آپ کی کبرسنی کو دیکھتے ہوئے استعفیٰ منظور کرلیا مگر اس شرط کے ساتھ کہ آپ تاحیات المعہد الاسلامی السّلفی کے سرپرست رہیں گے۔ ۱۵ر سال کے لمبے عرصے تک ڈاکٹر صاحب ضلعی جمعیت اہل حدیث بریلی کے بھی ناظم رہے۔ صوبائی جمعیت اہل حدیث مغربی یوپی نے آپ کو ناظم تعلیم نامزد کیا تھا، ساتھ ہی آپ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے بھی تاحیات رکن رہے۔

معہد کی نظامت کے دوران ڈاکٹر صاحب نے مقامی مدارس ومکاتب کو معہد سے ملحق کرانے کا سلسلہ شروع کیا۔ ملحقہ مدارس میں تعلیمی نظام اور امتحانات وغیرہ کی کارروائیاں تعلیمی مرکز المعہد الاسلامی السّلفی کے زیر نگرانی ہی انجام پانے لگیں، ازیں قبل یہ کام ضلعی جمعیت کیا کرتی تھی، تب سے اب تک ملحقہ مدارس کے امتحانات وغیرہ کی ذمہ داری معہد ہی ادا کررہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب گاہے گاہے ملحقہ مدارس کے اچانک دورے کیا کرتے تھے اور تعلیمی کارگزاریوں کا جائزہ لیتے۔ بچوں سے ملتے اُن کی تعلیمی استعداد چیک کرتے اور ہلکے پھلکے لہجے میں، ہنستے مسکراتے دلچسپ معلومات دے جاتے تھے۔ قرآنی معلومات خوب پختہ تھیں، اکثر اس کے سوالات پوچھتے اور یاد کراتے۔ معہد کے عربی کلاسز میں تشریف لے جاتے طلبہ سے جنرل نالج، قرآنی معلومات، انگریزی گرامر وغیرہ کے سوالات کرتے اور نہ معلوم ہونے پر ان کے جوابات بتاتے۔ ان کے دور میں پڑھنے والے طلبہ کے ذہن میں آج بھی اونٹ کے منہ میں زیرہ، جس کی لاٹھی اس کی بھینس جیسے انگلش محاورے گردش کرتے ہوں گے۔ میں اس زمانے میں معہد کے عربی کلاسز میں تدریس کا فریضہ انجام دے رہا تھا، ڈاکٹر صاحب کو یاد کرتا ہوں تو یہ ساری باتیں نظروں کے سامنے آجاتی ہیں۔ تعلیمی امور پر اساتذہ سے گھنٹوں تبادلۂ خیال، رائے دینا اور سننا، ساتھ بیٹھ کر کام کرنا یہ سب کچھ مانو جیسے کل کی بات ہے۔ اکثر اوقات رات میں قیام کرتے آخری پہر بیدار ہوجاتے، نماز تہجد کے لئے طلبہ کو جگاتے، طلبہ اپنی سرشت کے مطابق کچھ سوجاتے اور کچھ یاد الٰہی میں مشغول۔ جو لوگ دینی تعلیم سے جڑے ہیں وہ حصول علوم دینیہ کے لئے شب بیداری کی اہمیت سے خوب آگاہ ہیں۔ غالباً امام احمد رحمہ کا واقعہ ہے کہ وہ شب بیداری میں کوتاہ افراد کو طالب علم نہ سمجھا کرتے تھے۔ حاشا وکلا!

طلبہ کو اکثر کھانے کے آداب سکھاتے، بسیار خوری کے نقصانات بتاتے، کم کھانے کے طبی وشرعی فائدے سمجھاتے۔ کھانا ضائع کرنے سے ڈراتے اور دیگر آداب اسلامیہ کے لئے ذہن سازی کرتے تھے۔ فجر کی نماز کے بعد طلبہ سے ورزش کراتے، ہلکی پھلکی مگر مفید ورزشیں بتاتے اور کرکے دکھاتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی حد تک طلبہ کی دینی، تعلیمی، جسمانی تربیت کی کوشش کی۔ اللہ انہیں اس کا صلہ عطا کرے۔ ڈاکٹر صاحب، ڈاکٹر ہونے کے باوجود عالمانہ وضع قطع رکھتے تھے، دینی مزاج تھا۔

اسی وجہ سے آپ نے اپنے دونوں بیٹوں کو دینی تعلیم ضرور دلوائی ساتھ میں عصری تعلیم کا بھی خیال رکھا۔ آپ کے بیٹے ڈاکٹر محمد شاہد اسلم سلفی مرحوم جامعہ سلفیہ سے فارغ اور اے ایم یو سے پی ایچ ڈی ہولڈر تھے۔ انہوں نے ''نواب صدیق حسن خاں۔ حیات وکارنامے'' کے نام سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا، عربی اردو کی کچھ اور کتابوں کے بھی آپ مولف تھے۔ دوسرے بیٹے حافظ محمد زاہد عثمانی حافظ ہونے کے ساتھ بی ایڈ پاس ہیں اور فی الحال سرکاری ٹیچر کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا حصول ڈاکٹر صاحب کی تربیت کا نتیجہ ہے۔

آج ڈاکٹر صاحب ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ وہ ۱ر نومبر ۲۰۱۷ء بروز بدھ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تاہم ان کی یادیں ہمارے ساتھ ہیں۔ تعلیمی مرکز کے منتظمین، اراکین، اساتذہ وطلبہ ڈاکٹر صاحب کی موت پر سوگوار ہیں اور پس ماندگان کے غم میں برابر کے شریک۔ ہم اپنے مولائے کریم سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ ڈاکٹر صاحب کی قبر کو نور سے بھر دے، روز محشر کی سختیوں سے نجات دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین یارب العالمین!

(ترجمان السنہ/ رچھا بریلی/ جنوری فروری ۲۰۱۸)

❑❑❑

سراپا فیض ومجسم اخلاق

الحاج آفاق احمد خاں عرف چرچل رحمہ اللہ

جوار رحمت میں

وفات دسمبر ۲۰۱۷ء

شمیم احمد ندوی رجھنڈا نگر نیپال

ضلع سدھارتھ نگر علاقہ نوگڑھ کے ایک نیک طینت، شریف النفس، دین پسند، سراپا فیض، صاحب جود وسخا، خوش اخلاق، خوش اطوار، خوش مزاج، جذبہ خیر کے حامل اور باغ وبہار طبیعت کے مالک جناب الحاج آفاق احمد صاحب عرف چرچل ۲۷ ردسمبر کو شب دس بجے اس دار فانی سے بالکل ناگہانی طور پر کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

ان کے حادثہ وفات کو ناگہانی اس لئے کہا جائے گا کہ پہلے سے کسی موذی وجان لیوا مرض کا علم نہ ہوسکا، وفات کے روز تک انہوں نے معمول کے مطابق خوش وخرم وہشاش بشاش انداز میں وقت گذارا، ان کو اور ان کے اعزہ وورثاء کو کسی سنگین تو کیا کسی معمولی بیماری کا بھی احساس نہ تھا اور ان کی ایک خاصیت یہ بھی تھی کہ اپنی تکالیف کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے تھے، اللہ نے ان کو غیر معمولی قوت برداشت اور صبر وتحمل کے جذبہ سے مالا مال کیا تھا، اس لئے اگر کوئی اندرونی تکلیف رہی بھی ہو تو انہوں نے کسی پر حتیٰ کہ اپنے گھر کے لوگوں اور بچوں تک پر اس کو ظاہر نہیں کیا۔

گرچہ بیماری سے تقریباً ایک ہفتہ قبل ان کو سینہ میں تکلیف کا احساس اور تنفس کی شکایت ہوئی، لیکن انہوں نے اس کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی تاہم تتری کے مقامی ڈاکٹر کے مشورہ پر گورکھپور چیک اپ کی غرض سے گئے جہاں کے ڈاکٹر نے اس تکلیف کو گیش کا نتیجہ بتا کر ان کو مطمئن کر دیا، اس طرح امراض قلب کا کوئی علاج نہ ہوسکا۔

وفات سے صرف ایک روز قبل ۲۶ ردسمبر کو ڈاکٹر منظور احمد خاں کے گھر عقیقہ کی تقریب میں شرکت کے لئے کدر بٹوا حاضر ہوئے جس کے پیچھے ان کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہاں ایک ساتھ زیادہ لوگوں سے ملاقات ہوسکے گی۔ وہ چونکہ انتہائی ملنسار اور خوش اخلاق تھے اس لئے چھوٹی بڑی تقریبات میں جہاں بھی ان کو شرکت کی دعوت دی جاتی حتیٰ الامکان حاضر ہونے کی کوشش کرتے، اس معمول میں انہوں نے کبھی امیر وغریب اور چھوٹے بڑے کی تفریق نہ کی، ان کو تعلقات بنانے اور ان کو نبھانے کا ہنر آتا تھا۔

ان کی وفات سے علاقہ کے مسلم حلقوں کی سماجی زندگی کی رونقیں ماند پڑ گئیں جہاں وہ حاضر ہو کر مختلف طرح کی انفرادی واجتماعی تقاریب میں شرکت کر کے اپنی خوش طبعی وبذلہ سنجی کا ثبوت دیا کرتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کے یہاں تقریب عقیقہ میں شرکت کے موقع پر انہوں نے اپنی بیماری کا سرسری طور پر انتہائی غیر اہم انداز میں

ذکر کیا تو ڈاکٹر صاحب نے نبض کی رفتار چیک کرنے کے بعد عارضۂ قلب کا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے اس کے چیک اپ اور علاج میں غفلت نہ کرنے کا مشورہ دیا، لیکن انہوں نے اس مشورہ کو بھی کچھ زیادہ اہمیت نہ دی تاہم جب مجھ سے ملاقات ہوئی تو میں نے بھی چیک اپ اور علاج کے لئے لکھنؤ چلنے پر اصرار کیا جہاں دو روز بعد میرا بھی جانے کا پروگرام تھا، ۲۷ رکی صبح میں نے اور ڈاکٹر صاحب نے ۲۹ رکو انہیں لکھنؤ لے جانے کا پروگرام اپنے طور پر مرتب کرلیا تھا جسے ان سے گفتگو کے بعد حتمی شکل دینی تھی اس موقع پر میرے بہنوئی اشفاق احمد خاں بھی موجود تھے جنہوں نے اس پروگرام کی تائید کرنے کے ساتھ خود ساتھ چلنا منظور کیا، لیکن اللہ کو تو کچھ اور ہی منظور تھا، اس کے فیصلوں کے آگے ہمارے فیصلوں کی کیا حیثیت نقش بر آب سے زیادہ نہیں ہوتی، قضا وقدر کا فیصلہ ہمارے پروگرام اور فیصلہ سے پہلے سامنے آگیا چنانچہ اسی تاریخ کو رات دس بجے قبل اس کے کہ کوئی بیماری کی سنگینی کو سمجھ پاتا وہ اپنے عزیزوں وورثاء اور اپنے ارادت مندوں کو سوگوار اور روتا بلکتا چھوڑ کر اس دار فانی سے دار البقا کی طرف کوچ کر گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

میرا ان کے ساتھ تعارف تقریباً ۴۲ سال پرانا تھا جب انہیں کے خاندان میں میری بہن کا رشتہ ہوا، چونکہ وہ انتہائی ملنسار وخوش گفتار اور باغ وبہار شخصیت کے مالک تھے اور جلد لوگوں سے بے تکلف ہوجاتے تھے اس لئے اپنے بہنوئی کے بعد اس خاندان میں میری سب سے زیادہ قربت وبے تکلفی انہیں سے تھی، ان کے ساتھ میری یہ رفاقت ۴۲ رسالہ تجربات پر مبنی ہے اور یہ طویل عرصہ کسی کی ذات کی خوبیوں وخامیوں کو جاننے وپرکھنے کے لئے بہت کافی ہوتا ہے، میں نے ذاتی طور پر ان کے اندر خیر کے جذبہ کو غالب پایا ہے۔

ان کا نام والدین نے آفاق احمد لکھا تھا لیکن پتہ نہیں کیونکر انہوں نے چرچل کے نام سے پورے علاقہ میں شہرت پائی اور قریبی لوگ ہی ان کے اصل نام سے واقف ہوں گے، اور اس نام کی ایک تاریخی حیثیت بھی ہے وہ اس طرح کہ جب ۱۹۶۱ء میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے زیر اہتمام نوگڑھ کانفرنس کے نام سے وہ عظیم الشان وتاریخ ساز کانفرنس منعقد ہوئی جس کی کامیابی جمعیت کا ایک قابل فخر سرمایہ ہے تو جس مکان کو اس کانفرنس کے لئے عارضی دفتر اور قابل قدر مہمانوں کے قیام گاہ ومہمان خانہ کی حیثیت دی گئی تھی اس کا نام آفاق منزل تھا، یادش بخیر ان مہمانوں میں سعودی عرب کے سفیر محترم یوسف الفوزان صاحب بھی شامل تھے، اس آفاق منزل کا نام آج بھی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی پرانی فائلوں میں موجود اور نوگڑھ کانفرنس کی تاریخ میں محفوظ ہے، یہ ''آفاق منزل'' انہیں کے نام پر تعمیر کیا گیا کیونکہ دو بھائیوں کے تمام اولاد میں ہمارے یہی ممدوح سب سے بڑے تھے۔

شاید اسی نسبت کا اثر اور ان کے بزرگوں کی جمعیت وجماعت سے گہری وابستگی کا نتیجہ تھا کہ ان کا بھی جمعیت وجماعت سے گہرا تعلق اور جماعت کے علماء کے ساتھ ان کی گہری عقیدت تادم حیات باقی رہی۔

اس موقع پر یہ عرض کرنا مناسب ہے کہ ان کے والد الحاج عزیز الدین خاں مرحوم اور ان کے چچا الحاج جلال الدین خاں مرحوم کا نوگڑھ کانفرنس کو کامیابی سے ہمکنار کرنے اور اس کے انتظامات کو معیاری بنانے میں بڑا اہم کردار تھا، راقم السطور کو الحاج عزیز الدین خاں کی وفات پر ایک مختصر تعزیتی مضمون گذشتہ سال کے مئی یا جون کے ماہنامہ ''السراج'' میں قلم بند کرنے کی توفیق ملی تھی جس میں ان کے اور ان کے خانوادہ کے جمعیت سے تعلق کو اور دونوں بھائیوں کی نوگڑھ کانفرنس کی کامیابی میں کردار کو اجاگر کرنے کی کوشش

کی تھی، کسی کو نہیں پتہ تھا کہ اتنی جلد صرف چند ماہ کے عرصہ میں اور ایک ہی کلنڈر سال میں ان کے ہر دل عزیز بیٹے کا بھی انتقال ہو جائے گا، جنہوں نے اپنے مرحوم والد کی حیات وخدمات پر تحریر کردہ میرا یہ مضمون بہت پسند کیا تھا اور اپنے قریبی لوگوں میں اسے تقسیم کیا تھا، ناچیز کو نہیں پتہ تھا کہ اس قدر جلد میرے یہ دیرینہ رفیق بھی ہم سے جدا ہو جائیں گے اور ان کی زندگی پر تعزیتی مضمون لکھنے کا یہ انتہائی ناخوشگوار اور دل آزار فریضہ بھی مجھے ہی ادا کرنا پڑے گا، واضح ہو کہ اپریل ۲۰۱۷ء میں ان کے والد کا انتقال ہوا تھا اور دسمبر ۲۰۱۷ء میں وہ بھی آخرت کے لئے رخت سفر باندھ گئے، **اللھم اغفر لہ وارحمہ، وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ، ووسع مدخلہ۔**

الحاج آفاق احمد خاں جہاں اپنے اخلاق وعادات اور کریمانہ اوصاف کے لئے علاقہ میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے وہیں اپنی فیاضی ودریادلی، غرباء ومساکین کی خبر گیری، ضرورت مندوں کی امداد اور تعاون علی البر والتقویٰ کے لئے بھی معروف تھے، کسی ضرورت مند کو خالی ہاتھ لوٹانا پسند نہیں کرتے تھے اور حسب توفیق سب کی مدد کے لئے تعاون دراز کیا کرتے تھے، کسی کی بچی کی شادی ہو، کسی کو اپنے مریض کا علاج کرنا ہو، کسی طالب علم کو دینی علم حاصل کرنا ہو اور کسی کو گھر مکان بنانے میں تعاون کی ضرورت ہو ان سب کی نجی اور انفرادی ضروریات اور مسجد ومدرسوں کی تعمیر وترقی سے لے کر ان کو درپیش ضروریات کی تکمیل میں بھی گراں قدر تعاون کیا کرتے تھے اور بسا اوقات ذمہ داران مدارس کو از خود مدرسوں میں موجود کمیوں کی طرف توجہ دلاتے اور وسائل کی کمی کی شکایت ہونے پر اپنے طور پر اس کا ازالہ کرتے اور درکار ضروری سامان مثلاً: بجلی پنکھا، کولر، جنریٹر اور انورٹر وغیرہ اپنی طرف سے مہیا کرا دیتے، چونکہ وہ دو بڑے بھٹوں کے مالک تھے اس لئے اپنے بھٹوں میں تیار کردہ اینٹ کے ذریعہ وقتاً فوقتاً بلکہ مسلسل لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے، کم وسائل کے مالک غریبوں کے مکانوں کی تعمیر میں بھی اینٹوں کی فراہمی کے ذریعہ گاہے بگاہے مدد کیا کرتے تھے اور مدارس کی امداد تو ترجیحی بنیادوں پر کیا کرتے تھے، علاقہ میں چھوٹے بڑے مدارس ومکاتب کی بہتات ہے، ان میں سے بیشتر مدارس کی دامے درمے قدمے سخنے مدد کیا کرتے تھے اور تعمیری کاموں کی صورت میں نقد کے علاوہ اینٹ کی فراہمی کو بھی ترجیح دیا کرتے تھے۔

ان کی ایک نمایاں خوبی علماء کی قدردانی ہے جس کے معترف تمام خاص وعام اور چھوٹے بڑے مولوی حضرات اور جماعت کے معروف علمائے دین بھی ہیں۔

سب کی حسب مراتب عزت افزائی وقدردانی کرتے اور باہر سے تشریف لائے ہوئے جماعت کے علماء کو باصرار اپنے گھر مدعو کرتے اور ان کی میزبانی ومہمانی کا فریضہ انجام دے کر بہت خوشی محسوس کرتے، خاص طور سے جمعیت وجماعت کے ذمہ داران کا ان کے علاقہ سے گذر ہوتا تو کوشش کرتے کہ کم از کم ایک وقت ان کی ضیافت کر سکیں اگر وقت نہ ہوتا تو خواہ صرف چائے پر ان کو مدعو کرتے اور ان کی صحبت میں کچھ وقت گذار کر بہت فرحت محسوس کرتے، ایسے عالی مرتبت بزرگوں میں ڈاکٹر وصی اللہ عباس صاحب (جن کی نئی قیام گاہ بھی اسی محلہ کھجوریا روڈ میں ہے)، مولانا اصغر علی امام مہدی، مولانا عبدالسلام سلفی اور مولانا عبدالقدوس مدنی صاحبان کے علاوہ صوبائی جمعیتوں کے دیگر ذمہ داران اور مدارس کے نظماء وچوٹی کے اساتذہ شامل ہیں۔

مدارس کے نظم وانصرام کو درست وچاق وچوبند بنانے اور صفائی وروشنی کا خاطر خواہ انتظام کرنے کے سلسلہ میں مدارس کے منتظمین کو مناسب مشورے دیا کرتے اور کوئی کمی دیکھنے پر پیٹھ پیچھے تبصرہ کرنے کی بجائے سامنے آکر توجہ دلاتے، یہ ان کی خیر خواہی کا

تقاضا تھا جس کی وجہ سے ان کی روک ٹوک پر کوئی برا بھی نہیں مانتا۔

ان کے اندر عاجزی وانکساری اور فروتنی کا جذبہ بھی کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، آج کل کے زمینداروں یا خوشحال لوگوں کی طرح غرور وتکبر کا ان کے اندر ذرا بھی شائبہ نہ تھا اپنے سے چھوٹے بڑے اور امیر غریب سب سے جھک کر ملتے اور حال چال وخیریت دریافت کرتے، ان کے جنازہ کے موقع پر کچھ لوگوں نے بتایا کہ ابھی کل ہی مدھوبنی سے واپسی پر (جہاں علاقہ کے ایک بزرگ عالم دین مولانا محمد یونس صاحب کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے گئے تھے) مہدیا گاؤں میں رکے اور گاؤں کے غریب لوگوں میں سے کئی کے گھر گئے اور انہیں سلام کرکے خیریت دریافت کی، یہ خوبی بھی کم ہی لوگوں میں پائی جاتی ہے ورنہ آج کا منظر نامہ یہ ہے کہ ہر کوئی اپنے حال اور اپنے عیش وآرام میں مست ومگن ہے اور کتنوں کو اپنے پڑوسیوں کی خبر نہیں۔

عموماً جب گھر پر ہوتے تو پنج وقتہ نماز بدر کی جامع مسجد میں ادا کرتے وہاں بھی طلباء واساتذہ سے ملاقات کرتے، کمیوں کی طرف توجہ دلاتے اور حصولیابیوں پر حوصلہ افزائی کرتے بسا اوقات طلباء کو انعام سے نوازتے۔

ان کی ایک اہم اور نادر ونایاب خوبی کی طرف بھی اس مختصر سے تعزیتی مضمون میں توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ عمر کے اس آخری حصہ میں حرم پاک اور بیت اللہ شریف سے انہیں ایسی گہری عقیدت ہوگئی کہ اس کی زیارت سے ان کی آنکھیں سیر نہیں ہوتی تھیں اور عمرہ وطواف اور حرم کی نفلی نماز سے ان کا دل آسودہ نہیں ہوتا تھا۔

جیسا کہ صحیح حدیث میں سات ایسے خوش نصیب لوگوں کا ذکر ہوا ہے کہ جو میدان حشر میں اس وقت عرش کے سایہ میں ہوں گے جب گرمی کی تمازت اور سورج کی تپش سے دماغ ہانڈی کی طرح کھول رہا ہوگا، ان میں ایک وہ شخص ہوگا جس کا دل مسجد میں اٹکا ہو، حدیث کے الفاظ ہیں: (سبعة يظلم الله في ظله يوم لا ظل الا ظله ـــــــ) جس میں آگے چل کر ایسے خوش بخت کے بارے میں فرمایا گیا: (رجل قلبه معلق بالمساجد) عام مساجد کی محبت کا دل میں جاگزیں ہونا یا فرض نمازوں کے انتظار میں بے قرار ہونا ایک بڑی سعادت کی بات ہے لیکن جس کا دل حرمین شریفین کی محبت سے سرشار ہو اور جو وہاں نمازوں کی ادائیگی کے لے مضطرب وبے قرار ہو، اس کی خوش بختی کے کیا کہنے جسے اس کی بے پایاں توفیق اللہ نے عطا فرمائی ہو چنانچہ میں ان کے علاوہ کسی ایک بھی ایسے شخص سے واقف نہیں ہوں جو سال کا بیشتر حصہ مکہ ومدینہ اور حرمین شریفین میں صرف طواف وزیارت اور بے پایاں اجر وطاعت کے حصول کے لئے شرائط کے مطابق خطیر مصارف اور قیام وطعام اور سفر کے اخراجات کے مد میں برداشت کرے اور گذشتہ ۵۔۶ برسوں میں تقریباً مستقل طور پر اور اس سے قبل دس سال سے عارضی طور پر وہاں مقیم تھے جس کے پیچھے کوئی تجارتی یا کاروباری مقصد یا مدرسہ وغیرہ جیسی کوئی ضرورت نہ تھی، کیونکہ ہمارے علم میں تو اسی طرح کے لوگ چند متعین مقاصد سے وہاں مستقل طور پر قیام کرتے ہیں مثلاً تعلیم کے لئے، تدریس کے لئے، ملازمت کے سلسلہ میں، کاروبار کے سلسلہ میں یا پھر مدارس ودینی مراکز چلانے والے لوگ ان کے لئے چندہ جمع کرنے اور فراہمی فنڈ کے پیچھے عبادت، طواف، عمرہ اور نماز کے ایک لاکھ گنا ثواب کے علاوہ کوئی اور مقصد نہ تھا، اللہ تعالیٰ اگر شرف قبولیت سے نوازے تو یہ بے پایاں اجر وثواب ہے جس کی توفیق اللہ خوش نصیبوں کو ہی عطا کرتے ہیں۔

میرا پہلا سفر حج اسی سال ۲۰۰۷ء میں ہوا جب ان کو بھی اپنے پہلے سفر حج کی سعادت حاصل ہوئی تھی، الگ الگ ملکوں کے پاسپورٹ پر سفر کرنے کی وجہ سے منیٰ وعرفات اور مکہ میں ساتھ رہنے کا اتفاق تو نہیں ہوا تاہم حرم شریف میں اور اس سے باہر مکہ میں دوران قیام ساتھ ہو جایا کرتا تھا، پھر دو عمرہ بھی ہم نے ساتھ کیا جب کہ وہ مکہ میں پہلے سے مقیم تھے، اپنے رفقاء سفر کے لئے بھی میں نے ان کو مہمان نواز اور خدمات گذار پایا اور ایسے ہی تاثرات ان تمام لوگوں کے ہیں جن کو سفر حج یا عمرہ میں ان کے ساتھ کچھ وقت گذارنے کا موقع ملا۔

وہ اس قدر خوش خلق اور ہر دل عزیز تھے کہ علاقہ کے مسلمانوں کے دلوں میں ان کے لئے بڑی عزت اور چاہت تھی اس کا اندازہ محض ان کے جنازہ اور تدفین کے منظر کو دیکھ کر لگایا جا سکتا تھا، اس سال ہمارے علاقے سدھارتھ نگر اور ملحقہ خطہ نیپال میں انتہائی شدید سردی پڑی، وہ دن ان سرد ترین ایام میں سے ایک تھا، سورج کا دیدار بالکل نہیں ہو رہا تھا، شب وروز کہرا اور بدلی کا زور تھا، انتقال کے اعلان کا بھی کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا، کسی اخبار میں خبر بھی نہیں آسکی تھی، پھر بھی اتنی بڑی تعداد میں لوگ جنازہ میں شرکت کے لئے حاضر ہوئے کہ مہدیا انٹر کالج کا وسیع گراؤنڈ تنگ نظر آنے لگا، حد نگاہ تک نماز جنازہ کے لئے صفیں نظر آتی تھیں۔

وہ کوئی اس معنیٰ میں مشہور ومعروف شخص نہیں تھے جن معنوں میں شہرت کے معیار کو جانا پرکھا جاتا ہے، چنانچہ نہ تو بہت ہی امیر وکبیر شخص تھے، نہ کوئی عالم دین تھے نہ کسی مدرسہ وجامعہ اور کسی بڑے ادارہ کے ناظم تھے اور نہ ہی کوئی سیاسی شخصیت ان کی تھی بلکہ علاقائی وملکی وصوبائی سیاست سے کوسوں دور تھے، غرض کہ شہرت کا جو معیار ہے اس پر وہ مطلق پورے نہیں اترتے تھے پھر جنازہ وتدفین میں اس قدر بڑی تعداد میں لوگوں کی شرکت ان کی ہر دل عزیزی اور مقبولیت عام وخاص کی دلیل ہے، قابل ذکر ہے کہ نماز جنازہ میں علماء وطلبہ اور مدارس ومکاتب کے ذمہ داران ونظماء اور نیک لوگوں کی اکثریت تھی جو کہ علاقہ کے بزرگ عالم دین مولانا محمد ابراہیم رحمانی حفظہ اللہ کی امامت میں ادا کی گئی، نماز جنازہ سے قبل ڈاکٹر عبدالرحمن لیثی حفظہ اللہ نے نماز جنازہ سے متعلق بعض ضروری مسائل کی طرف توجہ دلائی اور مرحوم کے لئے دعائے رحمت ومغفرت فرمائی جب کہ راقم السطور نے چند منٹ کے خطاب میں، ان کی حیات وخدمات، اخلاق وعادات اور زندگی کے بعض معمولات پر روشنی ڈالی۔

پسماندگان میں غم نصیب اہلیہ (بیوہ) کے علاوہ دو لڑکے اور ایک لڑکی اور لڑکوں کی ذکور واناث اولاد یعنی پوتے پوتیوں کی ایک مختصر تعداد ہے۔

دونوں لڑکوں کو اپنی زندگی میں ہی اپنے پیروں پر کھڑا کر دیا تھا اور انہوں نے بھٹہ کا پرانا کاروبار خوش اسلوبی کے ساتھ سنبھال لیا تھا اور ان کو فکر معاش سے پوری طرح آزاد کر دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ ہر طرف سے مطمئن ہو کر مکہ ومدینہ اور حرمین شریفین میں سال کا بیشتر حصہ گذارتے تھے۔

دونوں لڑکے بھی نیک بخت اور سعادت مند ہیں اور باپ کی خوبیوں سے کسی نہ کسی حد تک بہرہ مند ہیں، نماز روزہ کے پابند اور لوگوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھنے اور علماء کی قدردانی میں باپ کے نقش قدم پر ہیں۔

بھٹوں کے کاروبار کے علاوہ چھوٹے لڑکے کا ٹائلس کا ایک بڑا شوروم ہے اور بڑے لڑکے آرا مشین بھی چلاتے ہیں، اس طرح گھر میں خوشحالی اور آسودگی ہے، لیکن ہر طرح دینداری کا غلبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کے حسنات کو شرف قبولیت سے نوازے، حرم میں ادا کی گئی ان کی عبادات اور ان کی دعاؤں اور اذکار مسنونہ اور نوافل واعتکاف کو قبول فرمائے اور ان کے نامۂ اعمال میں وہی ثواب عطا فرمائے جس کا اس نے اپنے حبیب کے ذریعہ وعدہ فرمایا ہے، اسی طرح ہر انسان غلطیوں اور خطا ونسیان کا پتلہ ہے اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں ولغزشوں کو درگذر فرماتے ہوئے جنت الفردوس کو ان کا ٹھکانہ بنائے، آمین۔ ساتھ ہی اللہ رب العزت ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرماتے ہوئے ان کی ہر آزمائش سے حفاظت فرمائے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(ماہنامہ السراج جھنڈانگر رجنوری فروری ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

جمعیت الشبان المسلمین بنارس کے سرپرست اعلیٰ

الحاج محمد قاسم صاحب کی رحلت

وفات ستمبر ۲۰۱۷ء

محمد جنید عبدالمجید مکی

۲۳ ستمبر ۲۰۱۷ء بروز سنیچر قبیل مغرب الحاج محمد قاسم صاحب کا تقریباً سو سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ آپ تاحیات جمعیت الشبان المسلمین بنارس کے سرپرست اعلیٰ تھے۔ آپ انتہائی دیندار، صوم وصلاۃ کے پابند اور تہجد گزار تھے۔ اکثر علماء کرام کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ مولانا عبدالوحید سلفی، مولانا عبدالقدوس نسیم بنارسی، مولانا عبدالوحید رحمانی، مولانا عبدالحمید رحمانی، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا رئیس الاحرار ندوی، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی وغیرہم سے آپ کے گہرے تعلقات تھے۔ آپ توحید وسنت کے علمبردار تھے۔ سلفی وجماعتی غیرت وحمیت آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ دینی وسماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ کلیہ اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لئے آپ نے اپنی ذاتی زمین تیرہ ہزار چھ سو اسکوائر فٹ وقف کردیا۔ جس پر کلیہ کی عالیشان چار منزلہ عمارت قائم ہے۔ مناظرہ بجرڈیہہ کے انعقاد اور مدرسہ احیاء السنہ بجرڈیہہ، مدرسہ تحفیظ القرآن الکریم بنارس کی تعمیر وترقی میں آپ کا اہم رول رہا ہے۔ مرحوم کے وارثین میں چار لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ ان کی بشری کوتاہیوں کو درگزر فرمائے اور ان کے وارثین کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(جریدہ ترجمان۔ ۳۰۔۱۶ نومبر ۲۰۱۷ء)

□□□

محترم جناب مختار احمد صاحب لوہا بھون ممبئی کی وفات

بڑے ہی رنج وغم کی بات ہے کہ جماعت کے معروف تاجر مختار احمد بن ممتاز علی صاحب لوہا بھون ممبئی کا طویل علالت کے بعد صبح گیارہ بجے دن بتاریخ ۲۱ رستمبر ۲۰۱۷ء بروز جمعرات انتقال ہوگیا۔ آپ برسوں جمعیت وجماعت کے کاز سے وابستہ رہے اور ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی کی مجلس عاملہ وشوریٰ کے ۲۳ راپریل ۱۹۸۵ء ہی سے رکن رہے اور ان دنوں شوریٰ کے رکن تھے، اس کے علاوہ بھی دیگر خیراتی اداروں کو آپ اپنے تعاون سے نوازتے رہتے تھے، جماعت وملت کے بہی خواہوں میں سے تھے۔

(ماہنامہ التبیان اکتوبر ۲۰۱۷ء)

❑❑❑

محترم جناب مولانا نسیم احمد صاحب ریاضی وشاکھاپٹنم نہ رہے

۲۴ رستمبر ۲۰۱۷ء بروز اتوار صبح ۸ بجے مولانا نسیم احمد صاحب ریاضی طویل علالت کے بعد اس دار فانی سے کوچ کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کئی سالوں سے کومہ میں تھے، آپ کی پیدائش بسکوہر بازار سدھارتھنگر یوپی میں ہوئی لیکن والدین نے موضع تھرولی ضلع بلرام پور میں سکونت اختیار کی۔ جامعہ ریاض العلوم دہلی سے آپ نے سند فراغت حاصل کی اور وشاکھاپٹنم، آندھرا پردیش کو اپنا میدان عمل بنایا۔ واضح رہے کہ آپ مولانا عبدالحق رحمانی رحمہ اللہ موضع تھرولی کے چھوٹے صاحبزادہ اور وشاکھاپٹنم کے معروف داعی مولانا صدیق احمد خاں صاحب رحمانی کے داماد ہیں۔

(ماہنامہ التبیان اکتوبر ۲۰۱۷ء)

❑❑❑

الحاج ضیاء الدین گوالیار (مئوناتھ بھنجن) کی وفات

مئوناتھ بھنجن (یوپی) کے ایک صنعتی گھرانے کے چشم و چراغ الحاج ضیاء الدین گوالیار رحمہ اللہ ۲۳ راگست ۲۰۱۷ء کو انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ بڑے متدین اور صاحب خیر انسان تھے، دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ جامعہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن کی مجلس منتظمہ کے خصوصی رکن تھے۔ ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی اور اس کے تعلیمی اداروں کا خصوصی خیال رکھتے تھے۔ سنٹر کے بانی اور تاحیات صدر مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ اور اس کے سکریٹری مولانا عاشق علی اثری حفظہ اللہ سے موصوف کے تعلقات بہت گہرے تھے، اسی طرح ان کے لائق صاحبزادۂ گرامی مولانا محمد ارشد عالیاوی اور ان کے دیگر فرزندان بھی مولانا رحمانی رحمہ اللہ اور سنٹر کے سکریٹری اور خود سنٹر سے خصوصی تعلقات پہلے بھی رکھتے تھے اور اب بھی برابر رکھتے ہیں۔ سنٹر کے حالات اور کارکردگی کے بارے میں موصوف پوری جانکاری اور دلچسپی رکھتے تھے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف رحمہ اللہ کی مغفرت فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔ آمین۔

(ماہنامہ التبیان اکتوبر ۲۰۱۷ء)

□□□

طفیل اشعر ناگپور کا انتقال

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم مالیات الحاج وکیل پرویز کو صدمہ

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم مالیات الحاج وکیل پرویز کے بھتیجے طفیل اشعر کا کل صبح طویل علالت کے بعد ناگپور میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جناب طفیل اشعر الحاج وکیل پرویز صاحب کے بھائی جناب جلیل ساز کے صاحبزادے تھے۔ ان کی عمر ۵۲ سال کی تھی۔ وہ شہر ناگپور کے کئی تعلیمی اداروں سے وابستہ تھے اور علمی وسماجی وسیاسی حلقوں میں کافی معروف ومحبوب تھے۔ اسلامیہ جونیئر کالج برائے سائنس آرٹس ناگپور ان کی نگرانی میں چل رہا تھا۔ اسی طرح وہ ڈاکٹر ذاکر حسین بی ایڈ کالج ناگپور کے سکریٹری اور سیاسی طور پر مہاراشٹر اسٹیٹ کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری تھے۔ جمعیت کے ذمہ داران خصوصاً امیر جمعیت مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی سے گہری

عقیدت رکھتے تھے۔ ناگپور کے تمام اسفار میں اپنے دولت کدہ پر مولانا محترم کے اعزاز میں خصوصی نشست رکھتے تھے اور تکریم کرتے تھے جو کہ اہل علم و دین سے ان کی گہری محبت کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ پسماندگان میں ایک بیٹا، ایک بیٹی اور بیوہ ہیں۔ ان کی رحلت پر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر جناب مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی اور ناظم عمومی مولانا محمد ہارون سنابلی و دیگر ذمہ داران و کارکنان نے غم و افسوس کا اظہار کیا ہے اور پسماندگان خصوصاً الحاج پرویز صاحب کی دلی تعزیت پیش کی ہے اور دعا گو ہیں کہ بارالہا ان کی مغفرت فرما۔ ان کی خدمات کو شرف قبولیت بخش۔ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرما اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی کر۔

پریس ریلیز کے مطابق الحاج وکیل پرویز صاحب کو بھتیجے کی موت سے کافی صدمہ پہنچا ہے۔ کیونکہ الحاج وکیل پرویز صاحب کے تمام سماجی و رفاہی، دینی و جماعتی اور تعلیمی و تربیتی سرگرمیوں میں معاون و ہمنوا رہتے تھے۔ ایک سال قبل جواں سال بیٹے اور بیٹی کی موت کا ناقابل برداشت صدمہ سہہ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مصیبت کی گھڑی میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ذمہ داران و کارکنان ان کے اور اہل خانہ و خاندان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔ ۱/ اکتوبر ۲۰۱۷)

❑❑❑

حبیب اللہ باشاہ، تمل ناڈو

بڑے رنج و افسوس کے ساتھ یہ خبر دی جاتی ہے کہ معروف وکیل اور صوبائی جمعیت اہل حدیث تمل ناڈو پانڈیچری کے نائب امیر جناب عبدالجبار سہیل صاحب تمل ناڈو کے والد ماجد مشہور وکیل اور معروف سماجی کارکن جناب حبیب اللہ باشا کا مورخہ ۲۲ نومبر ۲۰۱۷ء کو طویل علالت کے بعد بعمر تقریباً ۸۰ سال انتقال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ انجمن حمایت اسلام اسلامیہ یتیم خانہ اور اسلامیہ کالج کرنول کے صدر نشیں تھے۔ آپ نے مختلف اہم حکومتی و غیر سرکاری اداروں کے سربراہ کی حیثیت سے کام کیا۔ آپ مدراس جونیئر چیمبر آف کامرس کے صدر، انڈین جونیئر چیمبر آف کامرس کے لیگل کونسل، مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن آف ساؤتھ انڈیا کے نائب صدر، اپولو ہاسپٹل انٹر پرائزز لمٹیڈ کے ۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۴ء تک آزاد ڈائریکٹر، اپولو ہاسپٹل انٹر پرائزز لمٹیڈ کے ۱۹۷۹ء سے ڈائریکٹر، مدراس ہائی کورٹ کے سینئر وکیل، مرکزی حکومت کے سینئر اسٹنڈنگ کونسل، تمل ناڈو حکومت کے پی پی، بعدہ ایڈوکیٹ جنرل وغیرہ۔ آپ نے مدراس یونیورسٹی سے قانون کی تعلیم حاصل کی تھی۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ و دیگر ذمہ داران و اراکین اور کارکنان نے ان کے انتقال پر گہرے رنج و افسوس کا اظہار کیا ہے اور ان کی موت کو ملک و ملت کا بڑا

خسارہ قرار دیا ہے۔ اور پسماندگان خصوصاً ان کے اکلوتے فرزند ارجمند جناب ایڈوکیٹ عبدالجبار سہیل صاحب ودیگر دو صاحبزادیوں وغیرہ سے قلبی تعزیت کی ہے۔ اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور جمعیت و جماعت اور ملک وملت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔ ۱/دسمبر ۲۰۱۷)

❑❑❑

عبدالخالق صاحب اندور نہ رہے

ضلعی جمعیت اندور مدھیہ پردیش کے ناظم اعلیٰ کے والد جناب عبدالخالق صاحب ضلعی جمعیت کے سابق امیر تھے بہترین داعی، زیادہ وقت مسجد میں ہی رہنے والے تہجد گذار تھے مورخہ ۲۰/نومبر ۲۰۱۷ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ ان للہ وانا الیہ راجعون۔ (عبدالصمد، ایم پی)

(جریدہ ترجمان ۱۵۔ ۱/دسمبر ۲۰۱۷ء)

❑❑❑

جناب شبیر چودھری کھمریا کی وفات حسرت آیات

۱۰/اپریل ۲۰۱۷ء بروز سوموار جناب شبیر چودھری کا طویل علالت کے بعد اپنے گاؤں کھمریا میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف بہت ہی نیک طبیعت کے مالک تھے۔ علماء وطلبا کے بڑے قدردان تھے۔ کافی دنوں تک تلشی پور میں رہے اور انجمن محمدیہ جرواروڈ کے تعمیری کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے اور بڑی دل لگی کے ساتھ مزدوروں کی نگرانی کرتے تھے۔ وہ بڑے مخلص انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے اور ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر وسلوان کی توفیق بخشے۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔ ۱/مئی ۲۰۱۷ء)

❑❑❑

مولانا مشتاق احمد اثری کونکٹی کا سانحۂ ارتحال

جماعت اہلحدیث کے معروف ومشہور عالم دین مولانا مشتاق احمد اثری رحمہ اللہ معمولی علالت کے بعد ۱۴/اپریل ۲۰۱۷ صبح تقریباً دس بجے اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا رحمہ اللہ نہایت ملنسار، نیک دل اور صوم وصلاۃ کے پابند تھے۔ ہمیشہ نرم مزاجی کا مظاہرہ ان کا شیوہ تھا۔ ہر کسی سے مسکرا کر ملتے تھے، مولانا چھوٹے بڑے سبھی کی نظروں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مولانا رحمہ اللہ کی عمر تقریباً ۶۳ سال تھی۔ واضح ہو کہ ڈومریا گنج حلقہ کے موضع کونکٹی کے رہنے والے مولانا مشتاق احمد اثری کا معمولی علالت کے بعد ۱۴/اپریل کو چاشت کے وقت انتقال ہوگیا، مولانا طویل عرصہ تک نوگڑھ قصبہ کے معروف گاؤں کڑرا گرانٹ میں برسوں تک امامت وخطابت اور تعلیمی فرائض انجام دیتے رہے۔ لواحقین میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔ اللہ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور موصوف رحمہ اللہ کے بشری لغزشوں کو معاف کرتے ہوئے جنت الفردوس میں جگہ دے۔۔ آمین۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔ ۱/مئی ۲۰۱۷ء)

❑❑❑

مولانا مستقیم احمد سلفی/جھارکھنڈ

بہت ہی رنج وغم اور افسوس کے ساتھ یہ خبر دی جارہی ہے کہ ہمارے ہم سبق وہر دلعزیز ساتھی مولانا محمد شمیم احمد سلفی متوطن کاٹم کولی، رانچی، جھارکھنڈ کا بروز سوموار ۲۴/اپریل ۲۰۱۷ء بوقت صبح پانچ بجے بعمر ۵۵ سال حرکت قلب بند ہونے سے انتقال ہوگیا۔ ان للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالی ان کی حسنات کو قبول فرمائے اور گناہوں سے درگذر فرما کر ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور ان کے لواحقین کو صبر وسلوان عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا موصوف نہایت بااخلاق، ملنسار، راست گو، شریف النفس، خوش مزاج، صوم وصلوۃ کے پابند اور تہجد گذار باعمل عالم دین تھے۔ غریبوں، مسکینوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ بچوں، بڑوں سب کو عزت واحترام سے بلاتے اور ملاقات کرتے تھے تکریم کرنا ان کی عادت تھی علما اور طلباء کے قدردان تھے۔

مرحوم نے مسجد اور بچیوں کا ایک مدرسہ قائم کیا تھا اور تاحیات اسی خدمت میں لگے رہے جامعہ سلفیہ بنارس سے فراغت کی تھی۔ علمی ذوق اور مطالعہ کا شوق رکھتے تھے۔ پسماندگان میں ان کی بیوہ، چار بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔ مرحوم کی تدفین ۲۴/اپریل ۲۰۱۷ بعد نماز مغرب عمل میں آئی۔ اللھم اغفرلہ ارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔ ۱/مئی ۲۰۱۷)

مولوی محمد نذیر صاحب/آندھرا پردیش

احباب جماعت کو انتہائی افسوس کے ساتھ یہ خبر دی جاتی ہے کہ مولوی محمد نذیر صاحب ۴/دسمبر ۲۰۱۷ء کو بوقت اذان فجر اپنے رب حقیقی کے حکم پر اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، آپ ملک و بیرون ملک سلفی حلقوں میں جانے جاتے تھے۔ آپ کے والد محترم نے بھی اپنی زندگی کا کافی حصہ توحید کی نشر و اشاعت میں صرف کیا ہے۔ اور خود مولوی نذیر صاحب بھی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ۳۵ سالوں سے زیادہ مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ کے ممبر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے صوبائی جمعیت اہل حدیث آندھرا پردیش اور شہری جمعیت اہل حدیث حیدرآباد سکندرآباد میں اپنی خدمات انجام دی ہیں۔ آپ ایک باکمال خطیب تھے۔ معہد عثمان ذوالنورین میں بائیس سال سے زیادہ خطابت و نظامت کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ آپ کے ایک خطاب عام سے متاثر ہو کر ورنگل میں قادیانیوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ آپ نہ صرف جمعیت کی فکر رکھتے تھے بلکہ بلاتفریق قوم وملت کے تئیں ایک دردمند دل رکھتے تھے۔ آپ آل انڈیا ملی کونسل اور توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ بہار کے ممبر بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔ بشری لغزشوں کو درگذر فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ احباب و متعلقین اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین۔

(جریدہ ترجمان ۱۶۔۳۱/دسمبر ۲۰۱۷)

❑❑❑

آہ! محترم الحاج مولانا داؤد انصاری جھارکھنڈ کا انتقال

مولانا الحاج محمد داؤد انصاری مقام نرائن پور پوسٹ مدھوپور، دیوگھر جھارکھنڈ ۴/دسمبر ۲۰۱۷ء بروز سوموار صبح ساڑھے پانچ بجے اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی عمر تقریباً ۹۹ سال کی تھی موصوف کی زندگی ثبات قدمی، امانت و دیانت اور غیرت اسلامی کا بہترین نمونہ تھی۔ دین کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے مدھوپور حاجی گلی کی جامع مسجد اور نرائن پور کی جامع مسجد بنوانے میں کافی تعاون کئے حج کرنے کے بعد علماء اہل حدیث کے کافی عقیدت مند رہے۔ خصوصاً مولانا زکریا فیضی سے ہر وقت اور ہر اہم موقع پر ملنے آیا کرتے تھے۔

ان کی جنازہ کی نماز میں تقریباً پانچ ہزار سے بھی زائد لوگوں نے شرکت کی اور جنازے کی نماز نرائن پور کے قبرستان میں دو بجے دن ان کے منجھلے صاحبزادے مسعود عالم فیضی نے پڑھائی پسماندگان میں چار صاحبزادے، چار بیٹیاں اور پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما کر اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر فائز کرے۔ آمین۔

(جریدہ ترجمان ۱۶۔۳۱/دسمبر ۲۰۱۷ء)

□□□

وفات حسرت آیات مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ صاحب گنج

انتہائی رنج وغم کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ ضلعی جمعیت اہلحدیث صاحب گنج جھارکھنڈ کے نائب ناظم مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ علیہ کا ۲۶ جولائی بروز بدھ بوقت صبح سات بجے ایک سڑک حادثہ میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ کسی ضروری کام سے کشن گنج بہار گئے ہوئے تھے اور بائیک چلا رہے تھے کہ اچانک پیچھے سے ایک ٹرک نے دھکا مارا جس کی وجہ سے مولانا سڑک پر گر گئے اور اسی وقت پیچھے سے آنے والے ایک بس نے مولانا کے ایک پیر اور ایک ہاتھ کو روند ڈالا اور آپ کا انتقال ہوگیا۔ دوسرے دن ۲۷/جولائی بروز جمعرات کو اپنی آبائی قبرستان کدمہ برہیٹ صاحب گنج میں بوقت دن ساڑھے دس بجے تدفین عمل میں آئی۔ ایک جم غفیر نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔

فضیلۃ الشیخ جناب اسلم کمال مدنی حفظہ اللہ نائب مدیر مرکز السلام التعلیمی شریکنڈ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ موصوف کا تعلق ضلع صاحب گنج تھا آپ ایک کرایہ کے مکان میں رہتے تھے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ قارئین سے ان کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

(جریدہ ترجمان جولائی ۲۰۱۷)

□□□

باب ہفتم

موجودین علمائے کرام
و
اعیان جماعت
۲۰۱۷ء

ناموں کی ترتیب تاریخ ولادت کے اعتبار سے رکھی گئی ہے۔

عم محترم استاذ گرامی

حضرت مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ تعالیٰ ہرہٹہ تلسی پور یوپی

تلمیذ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ

پیدائش: ۵؍جنوری ۱۹۲۰ء

از: عبدالرؤف خاں ندوی

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

مقام وتاریخ پیدائش: ضلع بلرام پور تحصیل تلسی پور کے مرکزی گاؤں ہرہٹہ میں (جو قصبہ تلسی پور سے جنوب جانب ۱۲ کلومیٹر دوراٹوا روڈ پر واقع ہے) عم محترم حضرت مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ کی تاریخ پیدائش موضع ہرہٹہ میں مورخہ ۲۵ جنوری ۱۹۲۰ء ہے۔

نام ونسب خاندانی پس منظر: عم محترم حفظہ کا پورا نام عبداللہ ہے سعیدی مدرسہ سعیدیہ دارانگر بنارس کی طرف انتساب ہے سلسلۂ نسب یہ ہے عبداللہ بن بہاؤالدین بن بدھو خان بن خرم خاں۔

موضع ہرہٹہ میں عم محترم مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ کا ایک خاندان کافی مدت سے خرم خاں کے نام سے آباد ہے جسے اللہ عزوجل نے علم کے ساتھ عمل کی بھی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی ہے (صاحب تذکرہ حضرت مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ اور راقم عبدالرؤف ندوی، قاری عبدالقوی اثری، مولانا شفیق الرحمن فیضی، مولانا عطاء الرحمن سعیدی مدنی، مولانا زبیر احمد مدنی، مولانا محمد ظفر محمدی، مولانا اسرار الحق مدنی، مولانا طفیل احمد فیضی، حفظ الرحمن، مولانا ضیاء الرحمن نذیری، مولانا عبدالقیوم سراجی، مولانا ضیاء الحق محمدی، حافظ عبدالخبیر وغیرہم خاندان خرم خان کے چشم وچراغ ہیں) خرم دادا عم محترم حفظہ اللہ کے جدامجد ہیں ان سطور میں عم محترم حفظہ اللہ کے سلسلے میں چند گزارشات پیش کرنا مقصود ہے عم محترم مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ کے والد محترم کا نام نامی بہاء الدین ہے جو میرے دادا ہوتے ہیں، دادا بہاؤالدین رحمہ اللہ زہد وتقوی اور خشیت الٰہی، امانت ودیانت اور شعائر اسلام کی پابندی میں اپنے گاؤں ہرہٹہ کے ممتاز فرد تھے، آپ کا خاندان شرف ومجد، فضل وکمال کا گھرانہ ہے اور اس گھر کے افراد یعنی عم محترم کے والدین اللہ غریق رحمت فرمائے زہد وتقوی اور خشیت الٰہی کی دولت سے مالا مال تھے، عم محترم حفظہ اللہ نے اس پاکیزہ ماحول میں تعلیم وتربیت پائی اور انہیں خوشگوار فضاؤں میں حصول علم کی راہ پر گامزن ہوئے، دادا بہاء الدین بہت ہی نیک خداترین انسان تھے اور ان کی تربیت کا پیارا انداز تھا، ایک دفعہ جماعت چھوڑنے پر دادا بہاء الدین رحمہ اللہ کی گوشمالی کی لذت اب تک محسوس کر رہا ہوں۔

آپ کے کئی واقعات ہیں، طوالت کے خوف سے میں صرف دو واقعات ذکر کرتا ہوں، بقیہ کسی اور موقع کے لئے چھوڑتا ہوں، برادر عزیز مولانا شفیق الرحمن فیضی راوی ہیں کہ (۱) ہمارے گاؤں ہرہٹہ میں دو مسجدیں ہیں ایک قدیم مسجد ہے جو ہمارے گاؤں کے پاس ہے اس میں صرف پنج وقتہ صلاۃ ادا کی جاتی ہے اور جامع مسجد بیچ گاؤں میں ہے، جامع مسجد کے سنگ بنیاد کا جب وقت آیا تو سوال پیدا ہوا کہ پہلی اینٹ کون رکھے، اس موقع پر جناب الحاج محمد رفیق خاں ایڈوکیٹ بلرامپور سے تشریف لائے تھے، گاؤں کے افراد پر عمیق نظر ڈالنے کے بعد الحاج محمد رفیق ایڈوکیٹ اور گاؤں کے دوسرے لوگوں نے بیک وقت کہا کہ جناب بہاء الدین صاحب سے بہتر کوئی نہیں ہے، دادا مرحوم کو بلایا گیا اور آپ نے ایک عظیم مجمع کی موجودگی میں ہرہٹہ کی جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا، (۲) دوسرا واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد عباس سلفی حفظہ اللہ کے والد محترم الحاج حسن محمد رحمہ اللہ راوی ہیں کہ ہم جب آپ کے دادا بہاؤ الدین کی قبر کھود رہے تھے تو قبر سے بڑی اچھی خوشبو آرہی تھی، وہ خوشبو عمدہ اور پیاری تھی وماذالک علی اللہ ببعید اللہ کے نزدیک ایسا ہونا ناممکن نہیں ہے، دادا مرحوم تہجد گذار اور شب زندہ دار تھے، ترمذی شریف کی ایک حدیث ہے کہ اللہ تعالی کو مومن کی تکالیف سے دکھ پہنچتا ہے مومن کی قبر حد نگاہ تک کشادہ ہوجاتی ہے جس سے جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی رہتی ہیں (ترمذی شریف)

دادا دادی مرحومین بہت سی خوبیوں کے حامل تھے بڑے پرہیزگار اور پابند سنت تھے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دادا دادی کو کشادہ باغ بہشت میں داخل فرمائے آمین۔

ابتدائی تعلیم:

عم محترم حفظہ اللہ نے قاعدہ بغدادی، یسرنا القرآن، ناظرہ قرآن مجید اور اردو کی ابتدائی کتابیں اپنی والدہ محترمہ سے پڑھا، ساتھ میں چچا محمد یسین بھی تھے، ہرہٹہ گاؤں میں سرکاری اسکول بہت دنوں سے چل رہا تھا، عم محترم حفظہ اللہ نے سرکاری اسکول کے ماسٹر منشی عبدالغفار سے ساتویں کلاس تک پڑھا۔ ہمارے گاؤں ہرہٹہ میں یہ پہلا دینی مدرسہ جو دادی مرحومہ بچیوں کی تعلیم کے لئے اپنے گھر میں چلا رہی تھیں، یہ خدمت صرف اللہ کی رضا کے لئے مفت انجام دیتی تھیں، عم محترم ساتویں کلاس پڑھ کر مدرسہ زینت العلوم سمرہن کلاں گئے، داخلہ لیا مگر وہاں کا رہن سہن کھانا پینا راس نہ آیا، بمشکل ۶ ماہ رہے پھر گھر آگئے۔

تحصیل علم کے لئے سفر: عم محترم مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ جب عمر کی کچھ منزلیں طے کر چکے تو آپ نے قصبہ رسولی بارہ بنکی کا رخت سفر باندھا اس وقت قصبہ رسولی کے مدرسہ مدینۃ العلوم کی بڑی شہرت تھی، دور دراز مقامات سے شائقین علم آکر اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتے تھے اس مدرسہ میں عربی فارسی اردو کے علاوہ ہندی اور انگریزی کی بھی ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی، مدرسہ مدینۃ العلوم بارہ بنکی میں عم محترم ایک سال تک مختلف علوم وفنون حاصل کرتے رہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں: مدرسہ مدینۃ العلوم بارہ بنکی میں مزید اعلیٰ تعلیم کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے عم محترم حفظہ اللہ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا رخ کیا، ٹیسٹ کے بعد جماعت ثالثہ میں داخلہ ملا، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ماہر علم وفضل اساتذہ سے ایک سال ۱۹۴۲ء حصول علم میں مصروف رہے دوسرے سال ۱۹۴۳ء کے شروع میں حصول علم میں مصروف تھے کہ اچانک بیمار پڑ گئے، دوا علاج

سے کچھ فائدہ نہیں ہوا، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، آخر کار مجبوراً ندوہ کو خیر آباد کہنا پڑا اور گھر آ گئے۔

مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں: عم محترم جب مکمل صحت یاب ہو گئے تو آپ نے مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر کا رخ کیا اس وقت مدرسہ سراج العلوم میں امام فرائض مولانا عبدالرحمن بجوائی، خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری، مولانا عبدالشکور دور صدیقی، مولانا احمد ندوی گجراتی جیسے اساطین علم و ماہر اساتذہ مامور تھے جن کی تدریسی مہارت کا بڑا شہرہ و چرچا تھا اور ان کی علمی صلاحیتوں کا دور دور تک ڈنکا بج رہا تھا، علاقہ اور دور دراز کے اکثر مواضعات علم کے پیاسے ان ماہرین درس کے دامن سے وابستہ رہنے کو اپنی زندگی کا حاصل مقصد تصور کر کے ہفتوں مدرسہ سراج العلوم میں پڑے رہتے، ان ماہرین درس اساتذہ کی موجودگی میں مدرسہ سراج العلوم اتنا مزین دلچسپ اور پر رونق ہو گیا تھا، ہر دم نگاہوں میں علمی مباحث و مجالس کے مناظر رہتے جس سے عم محترم حفظہ اللہ کا ذوقِ مطالعہ مزید بڑھتا گیا اور یہاں تقریباً تین سال (۱۹۴۴ء، ۱۹۴۵ء، ۱۹۴۶ء) ذوق و شوق، محنت و لگن سے جماعت خامسہ تک کی تکمیل فرمائی، اس وقت مدرسہ سراج العلوم میں جماعت خامسہ تک تعلیم ہو رہی تھی، سنن اربعہ، شرح وقایہ، قدوری، نورالانوار، متنبی، حماسہ جیسی کتابیں زیر درس رہیں، عم محترم حفظہ اللہ کے ساتھیوں میں مشتاق احمد نوگڑھ، جیش اللہ بیت نار، ابوبکر بہاری، عبدالکریم ششہنیاں، عبیداللہ نوگڑھ، محمد ابراہیم یوسف پور وغیرہ وغیرہ تھے۔

(بحوالہ کاروان سلف جلد دوم مؤلف عبدالرؤف ندوی خودنوشت حالات از مولانا عبدالشکور دور صدیقی)

مدرسہ سعیدیہ دارانگر بنارس میں:

عم محترم حفظہ اللہ کو چونکہ فن حدیث سے لگاؤ و عشق تھا اس لئے اس فن میں مہارت پیدا کرنے کے لئے آپ نے مدرسہ سعیدیہ بنارس کا رخ کیا، اپنے وقت کے جید عالم مشہور محدث حضرت مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی وقاری سعید احمد بنارسی کی بارگاہ فضیلت میں حاضری دی اور ان کی شاگردی کا شرف حاصل کیا، عم محترم مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ نے مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ سے ۱۹۴۸ء میں سند فراغت لی اور مدرسہ سعیدیہ بنارس سے فارغ التحصیل ہوئے، آپ کی سند عالی کا سلسلہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک پہنچتا ہے، چلتے چلتے اس عظیم مفسر محدث مناظر خطیب مقرر صحافی فقیہ کا مختصر تعارف ہو جائے۔

مولانا محمد سعید بنارسی محدث کے سب سے بڑے بیٹے مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی تھے جو یکم شوال ۱۳۰۷ھ مطابق ۲۱ مئی ۱۸۹۰ء کو بنارس میں پیدا ہوئے، سات سال کی عمر میں ناظرہ قرآن مجید ختم کیا، پھر قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی، اسی سال قاضی محمد مچھلی شہری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سند مسلسل بالاولیۃ حاصل کی پھر علی الترتیب مندرجہ ذیل حضرات سے اخذ علم کیا۔

۱۔ مولانا سید عبدالکبیر بہاری سے فارسی اور صرف اور نحو کی کتابیں پڑھیں۔ (۲) مولانا سید نذیر الدین احمد جعفری ہاشمی سے عربی ادبیات و معانی میں استفادہ کیا (۳) مولانا حکیم عبدالمجید بنارسی سے فقہ، اصول فقہ، منطق و فلسفہ وغیرہ علوم کی تکمیل کی (۴) اپنے والد گرامی مولانا محمد سعید بنارسی سے تفسیر و حدیث کے علوم سے بہرہ ور ہوئے (۵) شیخ حسین بن محسن یمنی سے بھی مستفید

ہوئے (۶) مولانا شمس الحق ڈیانوی (شارح ابوداؤد) سے بعض کتب حدیث پڑھی۔ (۷) محدث پنجاب حضرت حافظ عبدالمنان وزیرآبادی کی خدمت میں بھی حاضری دی اوران سے اکتساب فیض کیا۔

(۸) شیخ العرب والعجم میاں سید نذیر حسین دہلوی کے آستانہ فضیلت کا بھی رخ کیا اوران سے مستفید ہوئے اس طرح انہوں نے وقت کے متعدد مشاہیر رجال علم کی طرف رجوع کیا اوران سے فیضیاب ہوئے۔ ۱۶ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہوکر اپنے والد مکرم کے قائم کردہ مدرسہ سعیدیہ بنارس کی مسند درس پر متمکن ہوئے اور طلبہ کو مختلف درسی کتابیں پڑھانا شروع کیں، تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا آغاز کردیا، نہایت ذہین اور لائق ترین مدرس ومصنف کی حیثیت سے شہرت پائی، تمام علوم وفنون کی درسی کتابیں طلبہ کو خود پڑھاتے تھے، مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی کے بقول ۱۳۵۳ھ تک صحیح بخاری اور صحیح مسلم ۲۵ مرتبہ پڑھا چکے تھے، اس وقت ان کی عمر ۵۶ برس کی تھی اور سلسلہ تدریس جاری تھا، مطبع سعید المطابع جوان کے والد مکرم مولانا محمد سعید نے جاری فرمایا تھا اس کی ذمہ داری ان کے سپرد تھی، مولانا بنارسی مناظر بھی تھے، چنانچہ انہوں نے پٹنہ اور الہ آباد میں آریہ سماجیوں کے بعض پرچارکوں سے مناظرے کئے، احناف سے ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں مناظرہ کیا، جو علاج درماندہ کے نام سے کتابی شکل میں چھپا، آپ نے تقریباً چالیس کتابیں لکھیں، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی ۲۵ نومبر ۱۹۴۹ء مطابق ۳ صفر ۱۳۶۹ھ بروز جمعہ المبارک کو وفات پائی، نماز جمعہ کے لئے مسجد میں وضو کررہے تھے کہ ان پر فالج کا شدید حملہ ہوا اوران کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**۔ (بحوالہ کاروان سلف جلد اول مؤلف عبدالرؤف ندوی)

مدرسہ فیض محمدی بسکوہر بازار میں تدریس کی بسم اللہ:

مدرسہ سعیدیہ بنارس سے سند فراغت کے بعد ۵۰۔۱۹۴۹ء دوسال اپنے آبائی پیشہ کھیتی باڑی سے منسلک رہے، عم محترم حفظہ اللہ کو علمی مشاغل جاری رکھنے کا خیال دامن گیر تھا کیونکہ کھیتی باڑی میں پھنسنے سے علم ضائع ہونے کا اندیشہ تھا اس کے علاوہ۔

ذرہ ذرہ سے لگاوٹ کی ضرورت ہے یہاں
عافیت چاہے گرانسان توزمیندار نہ ہو

چنانچہ عم محترم حفظہ اللہ کی بسکوہر کے مدرسہ میں بحیثیت مدرس تقرری عمل میں آئی، آپ نے ۵۲۔۱۹۵۱ء دوسال انتھک محنت کی شب وروز ایک کردیا، آپ کی محنت وفرض کی ادائیگی سے ذمہ داران مدرسہ بہت خوش تھے۔ اسی درمیان آپ کے گاؤں ہرہٹہ کے سربرآوردہ لوگوں نے بلالیا کیونکہ اپنے گاؤں میں عم محترم حفظہ اللہ کی تحریک وترغیب پر مدرسہ کے قیام کی کافی دنوں سے بات چل رہی تھی، ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے اس لئے گاؤں والوں کے اصرار وخواہش پر بسکوہر سے گھر آگئے۔

مدرسہ ضیاء العلوم ہرہٹہ کا قیام:

اپنے گاؤں میں ایک دینی مدرسہ کی ضرورت عرصہ سے محسوس ہورہی تھی کیونکہ انسان دشمن عناصر کی طرف سے ہماری زبان،

تہذیب وثقافت، ہمارے عقائد ونظریات کو جب دیو مالائی تعلیم کے ذریعہ مسموم کیا جانے لگا اور مذہب اسلام پر چومکھی حملہ ہونے لگا تو انہی مخالف تھپیڑوں نے ہمارے بزرگوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا، ہمیں اپنا بھولا ہوا سبق بھی یاد دلایا۔ قوم نے شہر بہ شہر قریہ بہ قریہ علم دین کی شمعیں روشن کیں، ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ہمارا گاؤں ہرہٹہ اس نیک کام میں پیچھے نہیں رہا، عم محترم مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ کی تحریک وترغیب پر گاؤں کے چند روشن دماغ اور بیدار مغز لوگوں کے تعاون سے عم محترم استاذ گرامی مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ نے ضیاء العلوم کے نام سے مدرسہ کا سنگ بنیاد ۱۹۵۳ء رکھا اور اسی روز چھپر تلے گھر میں عم محترم نے مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ ومیاں عبدالحلیم رحمہ اللہ نے اللہ کا نام لے کر گاؤں کے چند بچوں کو بٹھا کر تعلیم کا آغاز کر دیا، اسی دن مجلس منتظمہ ومجلس شوری کی تشکیل ہوئی اور عم محترم حفظہ اللہ مدرسہ ضیاء العلوم ہرہٹہ کے ناظم تعلیمات وصدر مدرس منتخب کئے گئے، آپ دونوں بزرگوں کی مخلصانہ جدوجہد میں اللہ تعالی نے اتنی برکت عطا فرمائی کہ چند برسوں میں گاؤں اور مضافات میں ایک اچھی خاصی ٹیم پڑھے لکھے لوگوں کی تیار ہوگئی، انہوں نے مدرسہ ضیاء العلوم سے نکلنے کے بعد ملک کے مشہور وعظیم اداروں میں اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کی، اس وقت علاقہ ضلع صوبہ اور ملک ہی میں نہیں بلکہ بیرون ملک مدرسہ ضیاء العلوم سے پڑھے ہوئے علماء دعوت وتبلیغ، درس وتدریس، تعلیم وتربیت، امامت وخطابت، تصنیف وتالیف جیسے اہم امور کی ادائیگی میں مصروف ہیں۔ یہ سارے لوگ عم محترم حفظہ اللہ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں، چالیس سال صدر مدرس کے منصب پر اور لگ بھگ نظامت علیا کے منصب پر ۱۵ سال فائز رہے، نظامت علیا سے استعفی کے بعد آپ کے پوتے مولانا زبیر احمد عبدالمعبود مدنی سلمہ اللہ اس اہم ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں، عم محترم حفظہ اللہ کی اپنے چمن مدرسہ ضیاء العلوم کے لئے ہمہ وقت یہی دعا رہتی ہے ؎

پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

عم محترم استاذ گرامی حفظہ اللہ درس وتدریس، تعلیم وتربیت کے ساتھ مستقل طور پر امامت وخطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، آپ کا خطبہ جمعہ موقع ومحل کی مناسبت سے ہوا کرتا تھا۔ جن مسائل وموضوعات پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہوتی تھی اس کو منتخب کرتے، آپ کے وعظ وتقریر کی خاص خوبی یہ تھی کہ موضوع سے متعلق آیات واحادیث کثرت سے لاتے تھے یہی وجہ تھی کہ آپکی تقریر شوق ودلچسپی سے سنی جاتی تھی اور سامعین کرام پر اس کا اثر ہوتا تھا، آپ اپنے بہترین انداز خطابت اور پر اثر تقریر سے دور دراز علاقوں کے اجلاس عام میں بلائے جاتے تھے۔

واضح رہے کہ چالیس سال تک امامت وخطابت مع نماز جمعہ وعیدین کی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دیئے اور یہ اہم فریضہ آپ نے خالصتاً لوجہ اللہ اور خدمت دین کے جذبہ سے انجام دیا، کبھی معاوضے کے طالب نہیں ہوئے، جو بڑا ہی قابل تحسین امر ہے، آپ کی یہ پاکیزہ زندگی ہم سب کے لئے عبرت ونصیحت اور بہترین اسوہ ہے، آج حال یہ ہے کہ بعض ادارے بعض علماء کرام کو پانچ سو روپیہ یا کچھ زیادہ ایک جمعہ کا عنایت فرماتے ہیں یہ لوگ اپنی اپنی اجرت نقد وصول کر لیتے ہیں، بقایا نہیں رکھتے

کہ معلوم نہیں کہ اللہ کے یہاں یہ اجرت کب ملے۔

عم محترم استاد گرامی مولانا سعیدی حفظہ اللہ بے حد اصولی اور شریعت کے پابند انسان ہیں، معاملات دنیاوی ہو یا دینی ہر ایک میں شریعت کو مقدم رکھتے ہیں، لین دین کھرا صاف شفاف رکھتے ہیں، آپ ہمیشہ صابر اور قناعت پسند رہے، جب خوشحالی وفراوانی نے دستک دی تب بھی قدم قدم پر اعتدال اور قناعت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، کبر ونخوت سے کوسوں دور رہتے ہیں، نصف صدی زائد تک آپ کا درس وتدریس، دعوت وتبلیغ جاری رہا آج ان کے شاگردوں کے شاگردوں کی فیض رسانی کا سلسلہ بھی چل رہا ہے، آپ کی ساری عمر پڑھانے اور خدمت دین میں گذری، آپ خوش نصیب ہیں آپ کی مومنانہ زندگی پر ایک حدیث صادق آتی ہے جو اچھے مسلمان کی پہچان بتائی گئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے 'من طال عمرہ حسن عملہٗ جس کی عمر لمبی ہو اور عمل اچھا ہو، ہمارے عم محترم استاذ گرامی صبر وعزیمت کے پہاڑ، علم وعمل کا پیکر، خلوص وللّٰہیت کا مظہر اور ریا ونمود سے کوسوں دور ہیں، علم کے علاوہ عمل کی نعمت سے بھی اللہ تعالیٰ نے خوب نوازا ہے، جس شخص میں علم اور عمل کی خصوصیات جمع ہو جائیں وہ دنیا میں بھی کامیاب اور آخرت میں بھی فوز وفلاح کا مستحق قرار پائے گا۔

اولاد:

عم محترم استاذ گرامی کو اللہ تعالیٰ نے پانچ بیٹوں اور تین بیٹیوں سے نوازا ہے۔(۱) بڑے بیٹے کا نام قاری عبدالقوی اثری ہے جامعہ اثریہ مئو سے فارغ التحصیل ہیں مرکز النجاح الخیریہ بالاپور جرواسے منسلک ہیں۔(۲) دوسرے بیٹے کا نام مولانا شفیق الرحمن فیضی ہے جامعہ فیض عام مئو سے فارغ التحصیل ہیں بزنس کر رہے ہیں (۳) تیسرے بیٹے کا نام مولانا عطاء الرحمن سعیدی مدنی ہے مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہیں، اس وقت سعودیہ عربیہ میں جالیات کے شعبۂ دعوت وتبلیغ سے منسلک ہیں۔(۴) چوتھے بیٹے کا نام حفظ الرحمن ہے بزنس کر رہے ہیں۔(۵) پانچویں بیٹے کا نام ضیاء الرحمن نذیری ہے مدرسہ نذیریہ دہلی سے فارغ التحصیل ہیں مدرسہ اسلامیہ کھیری میں مہتمم ہیں۔

تین بیٹیاں ہیں جن کے نام بالترتیب یہ ہیں۔(۱) عذرا خاتون (۲) صغریٰ خاتون (۳) طاہرہ خاتون۔

تینوں بیٹیاں تعلیم یافتہ ہیں اور ان کے شوہر بھی علم کی دولت سے بہرہ ور ہیں، عم محترم حفظہ اللہ کی بہوئیں بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہیں یعنی گھر کے سبھی افراد کو اللہ تعالیٰ نے علم سے نوازا ہے سب اپنے گھروں میں خوش وخرم ہیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ عم محترم کو صحت کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے اور ان کا سایہ ہم لوگوں پر تادیر قائم رہے آمین۔ تقبل یارب العالمین۔

(ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی ستمبر ۲۰۱۸ء)

□□□

مولانا عبدالحئی اصلاحی کھنڈیلوی راجستھان

(پیدائش: ۱۹۲۵ء)

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نائب امیر مولانا عبدالحئی بن مولانا عبدالغنی راجستھان کے ایک مردم خیز قصبہ کھنڈیلہ میں ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان ابتداء ہی سے دینی و مذہبی تھا، شرک و بدعات اور دیگر خرافات سے کوسوں دور تھا، اس لئے آپ کی نشوونما بھی خالص دینی و علمی ماحول میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مدرسہ ''مصباح العلوم'' کھنڈیلہ میں داخل ہو کر شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان سے فارسی، نحو و صرف، ادب اور کتب ستہ کی تعلیم حاصل کی۔

آپ کے آباء و اجداد کی باڑا ہندوراؤ پرانی دہلی میں گوٹے کی دوکان تھی، چنانچہ آپ دہلی آکر اسی کاروبار سے وابستہ ہو گئے اور ساتھ ہی خارجی اوقات میں مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ کے اساتذہ و شیوخ سے بھی اکتساب فیض کرتے رہے۔ یہ سلسلہ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۶ء تک جاری رہا۔ اسی دوران مسجد کلاں صدر بازار کے مدرسہ میں مولانا حاکم علی سے بھی معقولات کا درس لیا۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے نتیجہ میں جب ملک میں بدامنی اور انتشار کا ماحول پیدا ہو گیا اور لوگ پاکستان ہجرت کرنے لگے، تو آپ بھی سندھ چلے گئے، لیکن وہاں کی فضا راس نہ آنے کے سبب جلد ہی واپس دہلی آکر اپنے پرانے کاروبار گوٹے سے جڑ گئے۔ اس پیشہ سے وابستہ لوگوں نے ''گوٹا مزدور یونین'' نام کی ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے آپ ایک عرصہ تک صدر رہے۔

اسی طرح ''نگر پالیکا کھنڈیلہ'' کے چالیس سال تک چیرمین رہے۔ اس عہدے پر اتنے لمبے عرصہ تک فائز رہنا اپنے آپ میں ایک ریکارڈ ہے۔ اس دوران پورے قصبہ میں زبردست رفاہی امور انجام دیئے۔ جگہ جگہ نل کوپ لگوا کر عوام کے لئے پانی کا انتظام کیا، روڈ اور نالیاں پختہ بنوائیں، اس طرح کھنڈیلا کو ایک صاف ستھرے قصبہ میں بدل دیا۔ آپ اس وقت بھی ''ضلع کانگریس کمیٹی'' سیکر کے نائب صدر اور ''کھنڈیلہ نگر'' کے صدر ہیں۔

سرکاری منصب پر رہتے ہوئے بھی دینی کاموں اور جماعتی امور میں دلچسپی لیتے رہے۔ چنانچہ نونہالان قوم کی تعلیم و تربیت کے لئے ''مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔

جمعیت اہل حدیث ہند سے شروع ہی سے وابستہ رہے اور جماعتی امور و معاملات میں برابر دلچسپی لیتے رہے۔ چنانچہ آپ لگ بھگ ۱۸ سال سے نائب امیر جمعیت کے منصب پر فائز ہیں۔ صوبائی جمعیت اہل حدیث راجستھان کے تقریباً ۲۵ سال تک ناظم اعلیٰ اور عرصہ ۲۵ سال تک امیر رہے اور تا حال اسی عہدے پر فائز ہیں۔ اپنے دور نظامت و امارت میں جماعتی اکائیوں کو منظم کر کے مردم شماری کا کام کیا۔ جودھپور، مکرانہ، کھنڈیلا، بیگود، مالی پورا، کیکڑی، سرواڑ، کوٹہ، بھیلواڑا، گنگاپور سٹی اور سوائی مادھو پر جیسے اہم مقامات کا دورہ کیا اور ہر جگہ مقامی جمعیتیں قائم کر کے سب کو اس سے منسلک کیا، صوبائی، ضلعی اور شہری پیمانے پر اجتماعات کئے۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔ ۱/مارچ ۲۰۱۲ء)

مولانا محمد ابراہیم رحمانی حفظہ اللہ سدھارتھ نگر

ولادت: ۱۷/اگست ۱۹۳۲ء

نام ونسب: مولانا محمد ابراہیم رحمانی بن محمد اسماعیل

موضع سکھیا، ڈاکخانہ: شیوپتی نگر، ضلع سدھارتھ نگر یوپی۔

تاریخ پیدائش: ۱۷/اگست ۱۹۳۲ء (تخمیناً) اور یہی سن تمام کاغذات میں مندرج ہے۔

خاندانی پس منظر: خاندان کی کوئی علمی حیثیت معلوم نہیں، جہاں تک میرے علم میں ہے خاندان ناخواندہ تھا۔ دادا کو تو دیکھا نہیں، البتہ دادی کو دیکھا اور انہیں صوم وصلاۃ کا پابند اور دیندار پایا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کا ذکر کیا کرتی تھیں۔ میرے آباء واجداد میں سے کسی نے ہندوستان ہی میں اسلام قبول کیا ہے۔

تعلیمی مراحل: ابتدائی تعلیم موضع کے قریب ایک گاؤں سیہا پار میں حاصل کی، پھر دارالہدیٰ یوسف پور میں داخلہ لیا اور یہاں چار سال رہ کر اردو، فارسی اور عربی کے ابتدائی درجات کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا عبدالاحد (متوفی ۱۹۷۸ء) تھے۔

پھر ۱۹۴۶ء میں قرطبۂ ہند دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا۔ یہ ادارہ اسوقت فضاء ہند پر کتاب وسنت کی ضیاء پاشی کر رہا تھا اور کفر وشرک کے ماحول میں کتاب وسنت کی تعلیم وتربیت میں مصروف تھا۔ یہاں جماعت ثانیہ میں داخلہ ہوا اور اس وقت کے اساتذہ میں جامع المعقول والمنقول مولانا نذیر احمد املوی مبارکپوری، مولانا عبدالصمد مبارکپوری، مولانا رستم علی بنگالی اور مولانا عبدالمجید پنجابی وغیرہم سے ترجمہ قرآن، بلوغ المرام، کافیہ، فصول اکبری، اور مرقاۃ (منطق) وغیرہ کتب پڑھیں۔ لیکن افسوس! یہ سال دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا آخری سال تھا اور میرے لئے سال اول اور آخر بھی، یہ میری بدقسمتی تھی کہ ؎

ابھی بچھائے تھے تنکے کہ گر پڑی بجلی
بنانہ تھا، کہ لگی آگ آشیانے میں

اسی سال تقسیم ملک کا نامسعود سانحہ پیش آگیا اور دارالحدیث رحمانیہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔ اس سانحہ خونچکاں کے بعد ۱۹۴۹ء میں دارالعلوم احمدیہ سلفیہ میں داخلہ لیا اور وہاں سے اساتذہ مولانا نذیر احمد املوی رحمانی، مولانا عبیداللہ عاقل رحمانی، مولانا ظہیر احمد رحمانی اور مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی وغیرھم سے خوب خوب اکتساب علم کیا۔

جب مولانا نذیر احمد رحمانی ۱۹۵۰ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس تشریف لے گئے تو میں نے بھی وہیں داخلہ لیا اور سند فراغت حاصل کی۔ جامع مسجد اہل حدیث مدن پورہ بنارس میں خاتم المحدثین، بقیۃ السلف، زبدۃ الخلف شیخ المشائخ، شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری (صاحب مرعاۃ المفاتیح) کے دست نے ماہ شعبان ۱۳۷۳ھ کو دستار فضیلت باندھی۔ یہیں سے الہ

آباد بورڈ سے فاضل ادب ودینیات کا امتحان پاس کیا۔

تدریس: تعلیم سے فراغت کے بعد جامعہ رحمانیہ بنارس ہی میں چھ سال تک اپنے اساتذہ کرام کے زیر سایۂ تربیت عربی درجات میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، لیکن وہاں کی آب وہوا راس نہ آنے کی وجہ سے صحت برابر بگڑتی رہی اس لئے بادل ناخواستہ ۱۹۶۲ء میں جامعہ رحمانیہ کو خیر باد کہہ کر اپنے وطن کے مشہور ادارہ دارالہدیٰ یوسف پور آگیا اور ۱۹۹۳ء تک حیات مستعار کا قیمتی حصہ تدریس ودعوت وتبلیغ میں گزارا۔ اس لمبی مدت میں میں نے کیا کھویا کیا پایا یہ تو اللہ کو معلوم ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ ایک گنہگار اور بے علم وعمل ہونے کے باوجود اللہ کے دین کی خدمت میں، درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ میں برابر لگا رہا۔ ؎

حاصل عمر نثارے سرِ یارے کردم
نازم از زندگی خویش کہ کارے کردم

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔

دارالہدیٰ یوسف پور یوپی گورنمنٹ سے گرانٹ یافتہ اور منظور شدہ ادارہ ہے، لہٰذا ساٹھ سال کی عمر میں تدریسی خدمات سے سبک دوش کردیا گیا۔ چنانچہ موضع سپاٹو پور اشیو پتی نگر میں قائم مدرسہ البنات جامعۃ الطیبات میں چند سال بچیوں کی تعلیم وتربیت میں مصروف رہا۔

دریں اثناء نوشتہ تقدیر دوبارہ غالب آیا اور قسمت نے پلٹی کھائی، دوبارہ پھر یوسف پور آکر تعلیم وتدریس میں مصروف ہوں اور سن فراغت (۱۹۷۳ء) کے بعد سے جو سبق شروع کیا تھا وہی آج بھی (۱۴۲۸ھ) میں پڑھ اور پڑھا رہا ہوں۔ اللہ پاک سے دعا گو ہوں کہ ۵۵ سالوں سے جس اشرف المشاغل میں لگا ہوں تادم واپسیں اس میں مشغول رکھے۔ آمین۔

تلامذہ: میرے تلامذہ میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کے ۳ پشت کو میں نے پڑھایا ہے اور زمرۂ تلامذہ میں ایسے آفتاب وماہتاب ہیں جو میری توصیف وتعریف سے ماوراء ہیں۔ بلکہ ان کا ذکر کرکے میں ہی اپنا قد اونچا کرلیتا ہوں۔ جیسے دکتور وصی اللہ عباس، دکتور عبدالوہاب خلیل الرحمن (متوفی ۲۰۰۶ء) دکتور عبدالقدوس محمد نذیر، دکتور عبدالعلی ازہری مئوناتھ بھنجن، شیخ نعیم الدین مدنی الہندی وغیرہم کثر اللہ سوادھم۔

موجودہ مجال کار: اس وقت بھی سابق کی طرح جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور میں تدریسی خدات انجام دے رہا ہوں۔ حسن خاتمہ کی تمنا ہے اور اس کے لئے تیاری اور کوششیں جاری ہیں۔ **فاذا فرغت فانصب والیٰ ربک فارغب** اور **فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا** پر حتی الامکان عمل کررہا ہوں۔ **وفقنا اللہ لما یحب ویرضاہ**۔ (خودنوشت)

(تراجم علمائے اہل حدیث۔ ۱/۳۸۶)

فارم اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا

□□□

جامعہ خیر العلوم اور خیر ٹیکنیکل سوسائٹی ڈومریا گنج کے روح رواں

عزت مآب جناب ڈاکٹر عبدالباری خان صاحب سے ایک اہم انٹرویو

ولادت: ۱۹۳۵ء

شاہین ریاض

س: آپ کی تاریخ پیدائش، تعلیم اور خاندانی پس منظر کے بارے میں آپ کے خیالات جاننا چاہوں گی:

ج: میری تاریخ پیدائش اگست ۱۹۳۵ء موضع کنڈو ضلع بلرام پور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ سراج العلوم کنڈو بونڈیہار ضلع بلرام پور میں ہوئی۔ ۱۹۴۷ء میں مولانا عابد علی رحمانی رحمہ اللہ اور مولانا عبدالسلام صاحب رحمانیؒ کے ساتھ ملک کے مشہور درسگاہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا، لیکن تقسیم ہند کے نتیجہ میں ملک کے اندر جو غیر یقینی حالات پیدا ہوئے، اس نے سب کو متاثر کیا۔ تین ماہ اور ۱۳ دن دارالحدیث رحمانیہ میں گزارنے کے بعد نومبر ۱۹۴۷ء میں اپنے گھر واپس آ گئے۔ اس کے بعد مولانا محمد اقبال صاحب رحمانیؒ کی ایما پر جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخل ہوا۔

عالمیت مکمل کرنے کے بعد تکمیل الطب طبیہ کالج لکھنو میں ایڈمیشن لیا، طب کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۲۷ر دسمبر ۱۹۶۰ء میں ڈومریا گنج ضلع سدھارتھ نگر، میں اپنا ذاتی مطب قائم کیا، علاقہ وجوار میں مریضوں کے علاج کے لئے بذریعہ سائیکل جایا کرتا تھا، بعد میں ایک موٹر سائیکل بھی خرید لی، جس سے آنے جانے میں سہولت پیدا ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس پیشہ میں زبردست کامیابی سے ہمکنار فرمایا۔

س: تعلیم وتربیت کے لئے شروع میں آپ نے کیا قدم اٹھایا؟

ج: ۱۹۶۸ء میں اپنے مکان کے پچھم روڈ ویز بس اسٹاپ سے متصل ایک زمین مسجد کے لئے خریدی، اس میں اینٹوں کی دیوار تیار کر کے چھپر رکھ دیا گیا۔ نماز پنج وقتہ کی ادائیگی نیز خطبہ جمعہ کا اہتمام کیا جانے لگا۔ علاقہ کے مشہور ومعروف عالم دین حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب رحمانی ٹکریا رحمہ اللہ کا زبردست تعاون حاصل ہوتا رہا، آپ برابر خطبہ جمعہ دیا کرتے تھے، آپ کی خطابت کتاب وسنت کی روشنی میں بڑی موثر اور مدلل ہوا کرتی تھی، اس کے بعد کھپریل کی مسجد تعمیر ہوئی، اور اسی کے متصل بچوں کی تعلیم کیلئے ایک مکتب کا قیام عمل میں آیا جس کا نام مدرسہ ابوبکر الصدیق الاسلامیہ'' رکھا گیا۔ آج تک اللہ کے فضل سے یہاں ڈومریا گنج کے بچے اور بچیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں اس وقت تقریباً ۱۰ر اساتذہ وملازمین درس وتدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں، مسجد عالیشان پختہ بنی ہوئی ہے، ڈومریا گنج کے علاوہ قرب وجوار کے مصلیان خطبہ جمعہ سے مستفید ہوتے ہیں اور نماز جمعہ کی ادائیگی کرتے ہیں، جامعہ اسلامیہ خیر العلوم کے مختلف شعبوں کے باصلاحیت اساتذہ کرام اس فریضہ کو اپنی اپنی باری کے مطابق انجام دیتے ہیں۔

س: ڈومریا گنج کی اکثر آبادی بریلیوں پر مشتمل ہے کچھ مقلد حضرات حنفی المسلک ہیں جب کہ اہل حدیثوں کی تعداد صفر کے برابر تھی۔ کیا مسلک ومنہج سلف کی اشاعت میں آپ کو کوئی دشواری پیش آئی؟

ج: دیکھئے جب آدمی کا عزم بلند ہوتا ہے تو اس کی نگاہ اقلیت واکثریت پر نہیں ہوتی، میں گاہے بگاہے عوام الناس کو کتاب وسنت، توحید خالص اور عقیدہ صحیحہ سے وابستہ کرنے اور بدعات وخرافات سے لوگوں کو دور رکھنے کے لئے دینی واصلاحی اجلاس عام کا انعقاد کرتا تھا، جس میں جماعت کے مقتدر علماء کرام کے علاوہ ملک کی مشہور یونیورسٹیوں کے ذمہ داروں کو مدعو کرتا تھا اور وہ اپنی تقریروں اور مفید آراء سے عوام الناس کو مستفید کرتے تھے۔ ان میں خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی (رکن رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ) نیپال، مولانا محمد اقبال رحمانی بونڈیہار، مولانا اقبال حسین صاحب ریوواں اور مولانا حفیظ اللہ صاحب مہوا وغیرہ کی شرکت ہوتی تھی۔

علاقہ کی ایک متدین اور بزرگ عالم دین حضرت مولانا ممتاز علی کرتھی ڈیہہ سے میرے تعلقات بہت اچھے تھے۔ وہ ہمیں اپنے قیمتی نصیحتوں سے نوازا کرتے تھے، ان کا رعب ودبدبہ برابر غالب رہتا تھا، مولانا سے ملاقات کے لئے جب ان کے گھر جاتا تو اسلامی وضع قطع کے ساتھ حاضر ہوتا، بغیر کالر والا کرتا زیب تن کر کے جاتا تھا، غیر مسلموں اور مختلف مکاتب فکر کے لوگوں سے میرے تعلقات بہتر تھے، اور یہ اس لئے کہ تعلیم وتربیت اور دعوت واصلاح کے سلسلہ میں میں لوگوں کے درمیان اچھوت نہ بن کر رہ جاؤں، الحمدللہ اس کا اچھا نتیجہ برآمد ہوا۔

س: جامعہ اسلامیہ خیر العلوم کا قیام کب عمل میں آیا اور کیسے؟

ج: ۱۹۷۹ء میں جامعہ اسلامیہ خیر العلوم کا قیام عمل میں آیا، حاجی شہادت حسین (پرساعماد) اور ان کے صاحبزادوں نے اپنی زمین جولب روڈ واقع تھی، اس پر جامعہ اسلامیہ خیر العلوم کی عمارت بنوانے میں بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا، اللہ رب العالمین ان حضرات کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔

س: اس سوسائٹی کے تحت اور مزید کتنے ادارے قائم ہوئے، ان تمام اداروں میں اساتذہ وملازمین، بچوں اور بچیوں کی تعداد کیا ہے؟

ج: معہد دارالایتام (۱۹۸۸ء) مدرسہ ابی بن کعب لتحفیظ القرآن (۱۹۹۲ء) کلیۃ الطیبات نسواں کالج (۱۹۸۱ء) مرکز الدعوۃ الاسلامیہ (۱۹۹۴ء)، خیر ٹیکنیکل پرائمری اسکول ڈومریا گنج، خیر پبلک جونیر ہائی اسکول ہاشم پارہ بلرام پور (۲۰۰۳ء)، خیر ٹیکنیکل سنٹر کا قیام (۱۹۹۵ء) میں عمل میں آیا۔ خیر ٹیکنیکل سنٹر کا سنگ بنیاد سید حامدؒ صاحب وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے رکھا جس میں کمپیوٹر، الیکٹریشین، ویلڈر، جوتا سازی، آٹو موبائل، ٹائپنگ، سلائی، کٹائی کا کام سکھایا جاتا ہے۔ سنٹر کے کئی شعبہ جات آئی ٹی آئی سے منظور شدہ ہیں۔ اور اس سنٹر کے تحت جامعہ ہمدرد دہلی سے بی بی اے، بی سی اے وغیرہ کا کورس تین سالہ ڈگری بطور فاصلاتی تعلیمی سنٹر کے طور پر کرایا جاتا ہے۔

ان اداروں کے قیام میں شیخ محفوظ الرحمن رحمہ اللہ کا زبردست تعاون رہا ہے، بلکہ اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ آج تک تعلیم

وتربیت کے میدان میں اس سوسائٹی کے تحت جو پیش رفت ہوئی ہے وہ موصوف کی رہین منت ہے۔ اللہ رب العالمین آپ کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور آپ کی خدمات کو قبولیت کا شرف عطا فرمائے۔

جامعہ اسلامیہ خیر العلوم کی شرعیہ کالج میں ۱۷۵ رطلبہ، کلیۃ الطیبات نسواں کالج میں ۱۴۴۲ طالبات، شعبہ تحفیظ القرآن میں ۸۲، یتیم خانہ میں ۱۴۰۲، مکتب ابوبکر صدیق میں ۴۲۵، خیر ٹیکنیکل پرائمری اسکول میں ۵۵۲، خیر پبلک ہاشم پارہ ۷۳۴، خیر ٹیکنیکل ہائی اسکول ۲۷۷، اس طرح کل مجموعی تعداد طلبہ وطالبات ۵۰۵۰۔ تعداد اساتذہ ۱۸۶، تعداد غیر تدریسی عملہ ۹۰۔ ہاسٹل میں مقیم طلبہ وطالبات کی تعداد ۲۰۰۰ ہے جن کے کھانے پینے اور رہائش کا انتظام یہ سوسائٹی کر رہی ہے۔

اس کے علاوہ رفاہی کاموں میں یہ سوسائٹی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے، عید کے موقع پر کپڑوں، افطاری، عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کا گوشت، غریب ونادار اور یتیم بچیوں کی شادی اور ان کی دوا وعلاج کے لئے مالی امداد کے ذریعہ ان کی بھرپور مدد کرنے کا عمل بھی جاری ہے۔

س: اب جب کہ آپ عمر طبعی کو پہنچ گئے ہیں لیکن آپ کا عزم وحوصلہ جوان ہے اس کا راز کیا ہے؟

ج: اللہ تعالیٰ کا محض یہ فضل ہے کہ مجھ جیسے حقیر گنہ گار سے دین کا کام لے رہا ہے، یہ اس کی مشیت پر منحصر ہے، وہ جس سے چاہے جو کام لے سکتا ہے چوں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ حالات روز بروز نئی کروٹ لے رہے ہیں اگر نئی نسل کو دینی تعلیمات سے آراستہ نہ کیا گیا تو یہ پودا اکھڑ کر برباد ہو جائے گی اور معاشرہ میں اس کے نتیجہ میں دین بیزاری، بے راہ روی پیدا ہو جائے گی، اس لئے بڑی جدوجہد کے ساتھ وقت کا استعمال کر رہا ہوں، پتہ نہیں کب پروانہ اجل آجائے۔

س: آپ نے لکھنو طبیہ کالج سے بی یو ایم ایس کیا اور اس پیشہ سے آپ کو زبردست کامیابی ملی کیا آپ کا اپنے ضلع میں اس طرح کا کوئی طبیہ کالج قائم کرنے کا منصوبہ ہے، جب کہ اللہ نے آپ کو وسائل واسباب فراہم کر رکھا ہے؟

ج: چوں کہ میں اپنی عمر کے آخری پڑاؤ پر ہوں، اس سلسلے میں کافی محنت اور دوڑ دھوپ کی سخت ضرورت پڑے گی، یہ تو وقت کی اور علاقہ وضلع کی ایک اہم ضرورت ہے، اللہ سے دعا کیجئے کہ ہمارے معاونین کو اس سلسلہ میں پیش قدمی کی توفیق بخشے، اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ راستہ ضرور پیدا کرے گا۔

س: اس وقت آپ کی تعلیمی ورفاہی کاروان میں کون کون آپ کے معاون ہیں؟

ج: ہمارے معاونین کی فہرست تو طویل ہے، لیکن چند ناموں کے ذریعہ اشارہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جو ہماری کاز کی بھرپور حمایت کرتے ہیں بلکہ اپنے مفید مشوروں اور بہترین کارکردگی کے ذریعہ ہماری معاونت کرتے ہیں۔ شیخ محفوظ الرحمنؒ کے دونوں صاحبزادے، شیخ عبید صدر جامعہ اور شیخ محمد نائب صدر اور جامعہ کے نائب ناظم مولانا فخر الدین ندوی صاحب اور مشیر خاص جناب ڈاکٹر فیضان احمد، انجینئر ارشاد احمد اور افضال احمد وغیرہم، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اخلاص عطا فرمائے اور دین وملت کے راستہ میں ان کی دوڑ دھوپ کو قبولیت عطا فرمائے۔

س: آپ کی ان خدمات کی بدولت کس نے مِنی سرسید کا لقب دیا تھا اور کس مناسبت سے؟

ج: جامعہ اسلامیہ خیر العلوم ڈومریا گنج کی جانب سے یکم نومبر ۲۰۰۳ء کو ایک تعلیمی کنونشن منعقد ہوا تھا، جس میں سید حامد علیؒ سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے تعلیم کے موضوع پر ایک موثر خطاب فرمایا تھا، اور آپ نے اس میں اس بات کا تذکرہ کیا تھا کہ اس پسماندہ علاقہ میں ڈاکٹر عبدالباری صاحب نے جو مختلف انداز کی دینی وعصری درسگاہیں قائم کی ہیں اس کا سہرا انہیں کے سر ہے، اور انہوں نے کہا کہ اگر ڈاکٹر عبدالباری صاحب کو ''منی سرسید'' کا لقب دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ آپ کی میری متعلق محض خوش گمانی تھی جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔

س: آپ کے تمام شعبوں میں ویسے تمام شعبے اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں، لیکن شعبہ ''مرکز الدعوۃ الاسلامیہ'' کے بارے میں کچھ جاننا چاہتی ہوں؟

ج: اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں جو وجود بخشا اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ صرف اللہ رب العالمین کی ہی عبادت کرے، اور صحیح عقیدہ پر ہمیشہ قائم ودائم رہے، اس کے تمام اعمال کا حساب بروز جزا ہوگا۔

اس مرکز کے قیام کا مقصد دعوت وارشاد، تبلیغ واصلاح ہے ایک اچھی تعداد میں دعاۃ دعوت وتبلیغ کا کام انجام دیتے ہیں اور مختلف مساجد میں خطبہ جمعہ، اور دروس کا انتظام ہوتا ہے، الحمدللہ اس کا ثمرہ اچھا برآمد ہو رہا ہے، اس سنٹر کے تحت دوماہی مجلہ ''الفرقان'' شائع ہوتا رہا ہے، جس کے ۷۴ شمارے اب تک نکل چکے ہیں جس کو علمی، تحقیقی اور ادبی دنیا میں ایک مقام اور اعتبار حاصل ہے، اب ادھر اس کا نام تبدیل کر کے ''مجلہ الخیر'' رکھا گیا ہے، جس کے دو شمارے اب تک منظر عام پر آچکے ہیں۔ (اور اب یہ پھر الفرقان کے نام سے نکل رہا ہے)

س: ڈاکٹر صاحب! انسانی زندگی میں حالات یکساں نہیں رہتے، اس طرح دیگر تنظیموں اور اداروں کے ساتھ اس طرح حالات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے کیا آپ نے اس سوسائٹی کو خود کفیل بنانے کے لئے کوئی عملی کام کیا ہے؟

ج: میری کوشش یہی ہے کہ اس سوسائٹی کو خود کفیل بنا سکوں۔ کیوں کہ سرد وگرم دھوپ چھاؤں سے ہر ادارہ کو گزرنا پڑتا ہے، مختلف جگہوں جیسے موضع ڈوکم، نوگڑھ میں زراعتی اراضی خریدی گئی ہے، جس میں کاشت ہوتی ہے اور طلبہ وطالبات کے کھانے کے لئے گیہوں، چاول اور دیگر اجناس حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ لکھنؤ، دہلی، اور ممبئی وغیرہ میں سوسائٹی کے لئے زمین خرید کر اس پر دوکان اور گودام اور رہائشی مکانات کی تعمیر کی گئی ہے جس سے کرایہ حاصل ہوتا ہے تاکہ مستقبل میں بھی یہ سوسائٹی خود کفیل ہو کر بہتر انداز میں اپنے مشن کو جاری رکھ سکے۔

س: میں نے آنجناب کا بہت قیمتی وقت لیا پھر بھی معذرت چاہتے ہوئے آپ سے آخری گزارش ہے کہ نئی نسل کو آپ اپنے پیغام سے ضرور نوازیں گے؟

ج: میرا پیغام یہ ہے کہ قوم وملت کے بچے دینی وعصری علوم سے روز بروز پیچھے ہوتے جا رہے ہیں، ان کو سخت محنت کرنے کی ضرورت ہے تبھی کامیابی ملنی ممکن ہے، یہ دور مسابقہ اور مقابلہ کا ہے، تھوڑی سی غفلت کا نتیجہ نہایت ہی بھیانک ہوگا۔ وقت کا صحیح استعمال

ضروری ہے، کیوں کہ قدرت کا یہ انمول تحفہ ہے، اس کی جتنی قدر کی جائے کم ہے، کیوں کہ ماضی کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ مسلمانوں کے عروج وارتقاء کا ایک خاص سبب وقت کو منظم انداز میں صحیح استعمال کرنے کا تھا، کیوں کہ حصول کامیابی میں ٹائم مینجمنٹ تکنیک کا بھی کمال ہوتا ہے جن لوگوں نے علمی، تحقیقی، رفاہی دنیا میں اپنی ایک الگ شناخت بنائی اس کی صرف ایک وجہ تھی کہ انہوں نے یقیں محکم، عمل پیہم اور ایک دوسرے سے لگاؤ ومحبت کے رشتوں کے ذریعہ میدان کو سر کیا۔ بقول علامہ اقبال:

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

ایک بات نوٹ کر لیجئے کہ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا وہ تو پگھلتے برف کی طرح آسمانوں میں اڑتے بادلوں کی طرح رواں دواں رہتا ہے۔ اس کو انگریزی میں یوں کہا گیا ہے:

"Control your Time otherwise it will be contrd."

"اپنے وقت کو اپنے بس میں رکھو، ورنہ وہ تم کو اپنے بس میں کرے گا"

(مجلہ الطیبات: ۲۰۱۴۔۲۰۱۵ء ڈومریا گنج)

❑❑❑

مولانا عزیز الحق بن محمد یونس عمری (مئو)

ولادت ۲۳ ستمبر ۱۹۳۹ء

نام ونسب: مولانا عزیز الحق بن محمد یونس بن مولوی محمد ابراہیم بن الحاج عبدالرحمن شہید بن حکیم شیخ جمال الدین رحمہم اللہ۔

پیدائش: ۲۳ ستمبر ۱۹۳۹ء

میرے دادا الحاج عبدالرحمن شہید کے چار فرزندوں مولانا محمد حامد، مولانا محمد نعمان، مولانا محمد علی ابوالقاسم قدسی میں سب سے چھوٹے تھے وہ رنگ کی تجارت کرتے تھے اور مدرسہ عالیہ جمال پورہ کی مسجد کے متولی وامام تھے اور ابھی جواں سال تھے کہ اپنے پانچوں یتیم فرزندوں کو ایک بیوہ کے ساتھ چھوڑ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے والد اور ان کے بھائیوں میں کوئی عالم نہیں ہوسکا۔ لیکن میرے والد کو ہمیشہ اپنے فرزندوں کو عالم دین بنانے کا شوق رہا، میرے اور میرے بھائی مولوی شمس الحق کے سوا کوئی فراغت تک تعلیم نہیں حاصل کرسکا۔ کیونکہ ستمبر ۱۹۶۶ء میں ہمارے والد بھی وفات پاگئے۔ ہاں ماسٹر اسرار الحق ضرور منشی اور انٹر تک تعلیم حاصل کرسکے اور مدرسہ دارالتعلیم مبارک پور میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

میرے والد غریب لیکن کثیر الاولاد تھے، ان کے کل چھ بیٹے چار بیٹیوں میں میں دوسرا تھا۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو پیدا ہوئے جب کچھ شعور ہوا تو اپنی ماں فاطمہ خاتون سے قاعدہ اور پھر قرآن پاک پڑھا، بعدہ مدرسہ عالیہ میں داخل ہوا اور قاری خلیل الرحمن صاحب کو قرآن پاک ناظرہ سنایا، اس کے بعد اردو اور پھر فارسی گلستاں، بوستاں، یوسف زلیخا، اخلاق محسنی وسکندر نامہ مولوی سعید احمد صاحبؒ سے پڑھا، اس زمانے میں پرائمری کا وجود نہیں تھا اور ان کے جانے کے بعد دوران سال ہی میزان اور نحو میر پڑھنے لگا، ڈیڑھ سال پڑھ کر جامعہ رحمانیہ بنارس میں جماعت ثالثہ میں داخل ہوا، اور محدث عصر مولانا فضل الرحمن صاحب رحمانی، مولانا مفتی عبدالعزیز عمری بن مولانا محمد علی ابوالقاسم قدسی، مولانا فضل الرحمن عمری بن مولانا محمد لقمان اور مولانا عبدالوحید صاحب رحمہم اللہ سے مختلف علوم وفنون میں چار سال تک خوشہ چینی کرتا رہا، یہیں سے میں نے عالم الہ آباد کا امتحان دیا، پھر ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۳ء تک جامعہ دارالسلام عمرآباد میں حدیث وتفسیر اور ادب وغیرہ فنون میں اپنے پیارے اور شفیق اساتذہ جناب حافظ عبدالواجد صاحب رحمانی پیارمپیٹ، مولانا عبدالسبحان بن مولانا محمد نعمان، استاذ ادب وتفسیر مولانا غضنفر حسین صاحب شاکر نائطی، مولانا سید محمد امین وسید عبدالکبیر صاحب سے فیض پاکر سند فراغت حاصل کیا اور مئو آیا اور جامعہ فیض عام سے فاضل ادب الہٰ آباد بورڈ کا امتحان دیا اور سنسکرت مہاودیالیہ مئو میں پنڈت وشوناتھ ترپاٹھی سے رات میں سنسکرت پڑھنے لگا اور ڈیڑھ سال کے بعد جب شبینہ اسکول بند ہوگیا تو میری سنسکرت کی تعلیم کا سلسلہ بھی کٹ گیا۔

مدرسہ عالیہ مئو میں ۱۹۶۴ء میں مولوی عبدالاحد صاحبؒ کے اصرار اور اپنے والد کے ایماء پر مدرسہ عالیہ میں درجہ منشی معیار کو بلند

کرنے کے لئے مجھے رکھا گیا، میں نے اسکے کورس کو تین سال میں تقسیم کر کے منشی وکامل میں سو فیصد بچوں کو الہ آباد بورڈ کے امتحان میں پاس کرایا، میں نے درخواست کی کہ مجھے کوئی عربی کتاب بھی دی جائے لیکن اس کی شنوائی نہیں ہوئی، اس لیے ۱۹۶۸ء میں مدرسہ فیض العلوم سیونی چلا گیا چونکہ وہاں صرف تین ہی جماعت تک تعلیم تھی اور کتابوں کا ذخیرہ بھی نہ تھا اس لیے آٹھ ہی مہینے کے بعد مئو واپس آ گیا اور ۱۹۶۹ء میں مجھے یکا یک مدرسہ عالیہ کے صدر مولوی منظور الحسن صاحب والد فضا ابن فیضی کا ایک رقعہ ملا کہ آپ فی الفور مدرسے میں جا کر کار مفوضہ انجام دیں، میں مدرسہ پہنچا تو چار طلبہ درسگاہ میں سنن ابوداؤد لے کر بیٹھے ہوئے تھے اور میں نے انہیں درس دیا، درس پورا ہونے تک مجاز اعظمی صاحب اور مدرسے کے ایک رکن وہاں بیٹھے ہوئے تھے پھر یہ فرمائش کی کہ اب جو طلبہ آئیں گے پڑھایئے گا اور دونوں اٹھ کر چلے گئے، اس کے بعد میں مستقل مدرس ہو گیا اور پانچویں جماعت سے آٹھویں تک کے طلبہ کو ۱۹۸۵ء تک پڑھاتا رہا اور الہ آباد بورڈ کے امتحانات مولوی، عالم، فاضل کی تیاریاں کراتا اور امتحان دلاتا رہا، اس زمانے میں میں نے بھی کچھ امتحانات، منشی، کامل، فاضل دینیات وفاضل اور ادیب کامل پرائیوٹ طور پر دیئے۔ اس دوران میں نے دو کتابیں پوری شرح العقائد کا نوٹ درر الفرائد کے نام سے اور اصحاب المعلقات لکھی۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم اے عربی کیا۔

جامعہ دار الحدیث میں چونکہ میں خطیب تھا، فراغت کے بعد عمر آباد سے مئو آیا تو یہاں دیکھا کہ اہل حدیث کی شناخت کمیونسٹ سے ہوتی ہے، اس لیے میں نے ابتداء ہی میں کمیونزم اور اسلام پر ایک خطبہ دیا جس کی وجہ سے مجھے سخت لعن طعن کا سامنا کرنا پڑا اور ناظم وصدر مدرس نے مجھے اس عنوان پر کچھ بولنے سے روک دیا، جب ۱۹۶۶ء میں ڈاکٹر فریدی نے مجلس مشاورت اور ۱۹۶۸ء میں مسلم مجلس بنائی تو میں اس کا ممبر بن گیا۔ ۱۹۸۵ء میں مجھے مدرسے سے سبکدوش کر دیا گیا اور اب جامعہ دار الحدیث میں آثار جدید کی صحافت اور تعلیم وتدریس کا کم کرنے لگا اور بفضلہ تعالی اب تک یہاں کام کر رہا ہوں اور مولانا احمد صاحب کے ریٹائر ہونے کے بعد سے بخاری جلد ثانی اور بیضاوی میرے ہی ذمہ ہے۔ اور کبھی کبھی مضامین ''اصلاح سماج'' دہلی میں بھی دعوتی مضامین لکھتا ہوں۔

مجھے ابتداء سے لکھنے سے دلچسپی تھی اور عمر آباد میں رہتے ہوئے ''الشفاء فی رد نکاح یوسف وزلیخا'' کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا جس کی ایک ہی قسط اخبار ''مسلمان بنگلور'' سے چھپ سکی اور اس پر احتجاجات ہونے لگے اس لیے اس کے ایڈیٹر نے عمر آباد آ کر میرے مقالے کی اشاعت سے معذرت کر دی جسے ''ترجمان'' میں مکمل کیا گیا، اس کے بعد برابر ''ترجمان'' میں اور ''محدث'' بنارس نکلنے کے بعد سے اس میں مضامین لکھنے لگا۔ اور جب دلی سے ''نوائے اسلام'' شائع ہوا تو اس میں برابر مضامین لکھتا رہا اس کے سوا ''آثار جدید'' جامعہ اثریہ دار الحدیث کا بار تو میرے ہی ناتواں کندھوں پر ہے۔ میں نے انگنت مضامین اور مقالے لکھے اور کئی جمعہ وعیدین کے خطبے دیئے۔

کتاب ورسائل: میں نے جامعہ دار السلام عمر آباد ہی سے فیصلہ کیا تھا کہ غیر مسلموں میں اسلام کی دعوت کا کام کروں گا، اس لئے سنسکرت پڑھی اور کئی سال تک شرحوں کی مدد سے رگ وید اور گیتا اور دوسری ہندی کتب کی مدد سے ہندو عقائد وتہذیب اور تاریخوں کا مطالعہ کیا، اور کچھ رسائل اور پمفلٹ بھی لکھے جن کا غیر مسلموں پر اچھا اثر ہوا، جیسے ستیہ دھرم ایک یا انیک، ستیہ دھرم کی کھوج، مانو دھرم

اور جاتیواد، تیسویں پارے کا ہندی ترجمہ، پوتر جیون، اتم مہا ایشدوت مارگ درشن، مسنون دعائیں۔

اردو دعوتی کتابیں تقریباً ۲۱ رہیں جو عربی قصوں کے ترجمے ہیں، ان کے علاوہ تقریروں اور درسی کتب کے ترجموں وغیرہ کی تعداد اسی (۸۰) سے زیادہ ہیں جن میں اکثر کی اشاعت دوسرے ناموں سے ہوئی ہے۔

تفسیر احسن البیان کے ہندی ترجمہ میں میری شرکت رہی ہے بلکہ اس کے دس پاروں کا ترجمہ اور پورے ترجمے پر نظر ثانی میرے مقدر میں رہی ہے اور ایک پورا ترجمہ برادر مکرم محمد ضیاء الرحمن العمری صاحب کے اشراف میں ہوا ہے، اور اس وقت ان کے قرآن کے ہندی انسائیکلو پیڈیا کا اردو ترجمہ، پروف ریڈنگ کے دور سے گذر رہا ہے۔ چونکہ اس وقت ران کے شدید پھوڑے اور اس کے آپریشن کی وجہ سے تقریباً ڈیڑھ ماہ سے بستر علالت پر ہوں ورنہ یہ مکمل ہو گیا ہوتا، القول المحقق اور الدین الخالص حصہ اول کا اردو ترجمہ بھی نظر ثانی اور پروف ریڈنگ کا انتظار کر رہا ہے، فی الحال اپنی علالت کی وجہ سے اپنی ستائش میں کچھ اور کہنے سے قاصر ہوں، جو کچھ میں نے کیا ہے اپنے علم کا فرض ادا کرنے اور اپنے والدین اور اساتذہ اور اپنے لیے ذخیرہ آخرت بنانے کے لئے لکھا ہے۔ وللہ الحمد!

(جریدہ ترجمان ۱۵۔ ۱ر مارچ ۲۰۱۲ء)

☆☆☆☆

ڈاکٹر سید عبدالعزیز سلفی، دربھنگہ

۱۰ر جنوری ۱۹۴۰ء

نام: سید عبدالعزیز سلفی ابن ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی ابن ڈاکٹر سید فریدؒ

جائے پیدائش: داناپور، پٹنہ

سکونت: فرید ہاؤس لہیریا سارائے، دربھنگہ، بہار

پیدائش: ۱۰ جنوری ۱۹۴۰ء

تعلیم: ۱۹۴۶ء میں دارالعلوم احمدیہ سلفیہ فارسی کی دوسری جماعت میں داخل ہوا اور ۱۹۵۵ء میں فراغت ہوئی۔ اسی سال شفیع مسلم اسکول، دربھنگہ کی دسویں کلاس میں داخل ہوا اور وہاں سے سائنس کے ساتھ ۱۹۵۷ء میں میٹرک پاس کیا پھر C.M.College Darbhanga میں I.Sc. میں داخلہ لیا لیکن چند ناگزیر حالات کی وجہ سے ۱۹۶۱ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جانا پڑا اور وہیں سے B.Sc. تک تعلیم حاصل کی اور پھر میڈیکل کی تعلیم کے حصول کے لئے سرگرداں رہا اور بالآخر ۱۹۷۰ء میں نالندہ میڈیکل کالج پٹنہ میں اللہ کے فضل وکرم سے داخلہ ہوگیا اور ۱۹۷۶ء میں وہیں سے M.B.B.S. کی تکمیل ہوئی۔ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۰ء تک تجارت بھی کی۔

شادی ۱۹۷۵ء میں شیرگھاٹی، گیا میں ہوئی، رفیقہ حیات کا نام رخسانہ تبسم (B.A. Hons) بنت قاضی سید حسن ہے جو واقعی رفیقۂ حیات ہیں۔

بچے: (۱) بیٹی عائشہ فرحین جس نے سلفیہ یونانی میڈیکل کالج، دربھنگہ سے B.U.M.S کیا اور ماشاء اللہ اب وہ کئی بچیوں کی ماں ہے۔ بیٹے بھی الحمدللہ دو ہیں۔

(۲) سید اسماعیل خرم جنہوں نے Mechanical Engineering میں گریجویشن کیا اور الحمدللہ نوکری میں ہیں۔

(۳) سید یوسف فیصل جن کا M.B.B.S کا آخری سال ہے۔

تعلیم کے دوران اور تعلیم کے بعد دوسری سرگرمیاں:

☆ **مادر علمی دارالعلوم احمدیہ سلفیہ، دربھنگہ کے دوران قیام:** اس کی تمام سرگرمیوں میں پورے ذوق وشوق سے حصہ لیتا رہا۔ مثلاً بیت بازی، انعامی مقابلوں کے انعقاد، مشاعرہ (جو ہمارے زمانے میں شروع اور ختم بھی ہوگیا) وغیرہ۔ جب جماعت رابعہ کا طالب علم تھا تو ایک قلمی رسالہ 'شگوفہ' کے نام سے نکالا۔ پھر ساتویں جماعت میں جب تھا تو 'منادی' کے نام سے ایک قلمی ماہنامہ بطور خاص ہمارے ہم سبق ساتھیوں نے نکالا جو ہر ماہ پابندی سے نکلتا رہا جس کا میں ایڈیٹر تھا اور ۱۹۵۵ء میں اس کے آخری شمارے کی طباعت بھی ہوئی۔ اور آج کل طلبہ کا یہ رسالہ ''النادی'' کے نام سے سالانہ شائع ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ فراغت کے بعد استاذ محترم

مولانا ادریس آزاد رحمانی رحمہ اللہ جو الہدیٰ کے ایڈیٹر بھی تھے جب طویل فرصت میں گھر تشریف لے جاتے تو ''الہدیٰ'' کی ترتیب، ایڈیٹوریل وغیرہ کی ساری ذمہ داری اس ناچیز کو سونپ جایا کرتے تھے۔

☆مادر علمی (دارالعلوم) کے طلبہ کی انجمن نادی الاصلاح کے تحت ایک لائبریری بھی ہے جس کا میں پہلے سال اسسٹنٹ لائبریرین اور دوسرے سال لائبریرین رہا۔

☆صوبائی جمعیت اہل حدیث بہار کا اجلاس ۱۹۷۳ء میں مظفر پور میں ہوا تھا جس میں نوجوانوں کو جمعیت سے جوڑنے کے لئے ایک الگ تنظیم ''جمعیت شبان اہل حدیث'' کے نام سے قائم کرنے کی تجویز آئی تھی۔ اس کا دستور بنانے کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی اس میں عم محترم سید جعفر فرید سلفیؒ، بدر عظیم آبادی اور یہ ناچیز تھا۔ اس ناچیز کو اس کا کنوینر مقرر کیا گیا تھا اور ہم نے دستور بنا کر صوبائی جمعیت کے حوالہ کر دیا تھا۔ اس وقت میں میڈیکل کا طالب علم تھا جو پورا وقت اور پوری محنت چاہتا ہے، اس لئے میں بہت سرگرمیوں کے ساتھ حصہ نہیں لے سکا۔

☆مجھے جمعیت اہل حدیث بہار کا خازن بنایا گیا جسے میں نے حتی المقدور نبھایا اور پھر مشغولیت کی وجہ سے معذرت کر لی جسے جمعیت نے قبول کر لیا۔

☆۱۹۸۹ء اگست رمضان کے دن تھے، والد محترم کے حکم پر مولانا شمس الحق سلفی (جو والد محترم کے ہم سبق تھے) کی معیت میں جمعیت کی مستقل آفس کے لیے بلڈنگ یا زمین کی تلاش میں دہلی کی خاک چھانتا رہا اور آج اوکھلا میں جس جگہ جمعیت کی آفس ہے وہ ہم ہی دونوں کی پسند کی ہوئی ہے۔ جس کے لئے ایک صاحب خیر نے رقم دی تھی جو شاید سازش کی وجہ بھی بنی، جس کی وجہ سے والد محترم نے جمعیت کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ والد محترم کے استعفیٰ کے بعد شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانیؒ نے ایک خط میں لکھا تھا۔ ''ڈاکٹر صاحب لوگوں نے آپ کا ساتھ نہیں دیا ورنہ جمعیت کا نقشہ دوسرا ہوتا''۔

☆مولانا مختار احمد ندویؒ جب امیر جمعیت بنائے گئے اس وقت ایک ملاقات کے دوران کہنے لگے، ڈاکٹر صاحب! ڈاکٹر سید محمد فرید صاحبؒ سے آپ کے والد تک آپ کے خانوادے کی جمعیت کے لئے عظیم خدمات ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو مجلس عاملہ کا رکن نامزد کر دوں، میں نہ کہا ''مولانا! جمعیت کی خدمت کے لئے اب بھی حاضر ہوں لیکن کسی عہدہ اور ممبر شپ کے بغیر''۔

☆۱۹۸۰ء میں چونکہ والد محترم کی صحت ایسی نہیں رہی کہ اسفار پر جا سکیں تو دارالعلوم کی مجلس عاملہ نے اسسٹنٹ سکریٹری کی ذمہ داری اس ناچیز پر ڈال دی۔ اس وقت جوائنٹ سکریٹری جناب سید محمد جعفر فرید سلفی تھے۔

☆جب ۱۹۸۴ء میں دارالعلوم کی مجلس عاملہ نے طبیہ کالج کے قیام کی تجویز پاس کی تو اس ناچیز کو طبیہ کالج کا جوائنٹ سکریٹری بنا کر طبیہ کالج کی ذمہ داری اس ناچیز کے ناتواں کندھے پر ڈال دی۔

☆۱۹۷۸ء سے ملت شفاخانہ دربھنگہ کا جوائنٹ سکریٹری اور آج کل اس کا جنرل سکریٹری ہوں۔

☆۱۹۸۶ء سے شفیع مسلم اسکول کی مجلس منتظمہ کا تا حال ممبر ہوں۔

☆۱۹۹۰ء سے ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس عاملہ کا رکن ہوں۔

☆۱۹۷۲ء میں مسلم انجمن تعلیم کا ممبر بنایا گیا جس کے تحت والد محترم نے ملت کالج، دربھنگہ قائم کیا۔ آج کل اس ٹرسٹ کا ٹریزرار ہوں۔

☆۱۹۹۸ء سے تعمیر ملت ٹرسٹ دربھنگہ کا ممبر ہوں۔

☆۱۹۹۸ء میں والد محترم کی رحلت کے بعد دارالعلوم احمدیہ سلفیہ کی مجلس شوری نے ناچیز کے ناتواں کندھے پر دارالعلوم کی نظامت کا عظیم بوجھ ڈال دیا۔ تاحال اس خدمت کو انجام دے رہا ہوں۔

اساتذہ جن سے میں نے کسب فیض کیا:

یوں تو میرے اساتذہ کرام کی فہرست خاصی طویل ہے۔ لیکن صرف انہی کا ذکر کروں گا جن کی شفقت اور جلالت علمی نے میرے کردار علمی کے نشوونما پر اپنا اثر ڈالا۔

(۱) والد محترم ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی: ۱۹۴۵ء میں دادا جانؒ کے مشورے پر انہوں نے خود مجھے کلام پاک حفظ کرانا شروع کیا۔ ایک پارہ بھی مکمل نہیں ہو پایا تھا کہ بیمار ہو گیا اور بیماری کا سلسلہ تقریباً دو ماہ رہا۔ نتیجتاً حفظ قرآن کی سعادت حاصل نہیں ہو سکی۔ دادا جانؒ کے ایما پر دارالعلوم میں داخلہ کے لئے فارسی کی ابتدائی کتابیں بھی انہیں سے پڑھی۔ دوران تعلیم ۱۹۵۵ء میں Typhoid کا شکار ہو گیا۔ عالم مدرسہ بورڈ کے پرچے چھوٹ گئے۔ میں مسلم اسکول کی دسویں جماعت میں داخلہ لے چکا تھا۔ بورڈ کے امتحان کا وقت آیا تو فرمایا عالم امتحان دے دو۔ ایک ڈگری کیوں چھوڑتے ہو۔ عرض کیا اسکول کے ساتھ یہ بہت مشکل ہے۔ حکم ہوا کہ اسکول سے دو ماہ کی چھٹی لے لو، میں تیاری کراؤں گا اور پھر ایسی تیاری کرائی کہ اس سال کے امتحان میں ناچیز نے فرسٹ پوزیشن لی۔

اسکول میں الجبرا میری سمجھ سے باہر کی چیز تھی۔ الجبرا انہوں نے ایسا پڑھایا کہ میں اپنے بچوں کو بھی الجبرا کا مشکل سوال حل کرنے میں اکثر مدد کر دیا کرتا ہوں۔

میڈیکل میں ہم تینوں بھائیوں کا داخلہ ایک ساتھ ہوا تھا۔ چھٹیوں میں حکم تھا کہ کتابیں لے کر آؤ۔ Chapter متعین کرتے، عشاء کے کھانے کے بعد خود مطالعہ کرتے اور دوسرے دن فجر کے بعد سے تقریباً نو اور کبھی ساڑھے نو بجے تک Discussion کا سلسلہ چلتا اور اگلے دن کے لیے دوسرا Chapter متعین ہوتا اور یہ سلسلہ MBBS فائنل تک چلتا رہا۔

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہاں ہر دور میں اچھے سے اچھے اساتذہ کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی اور الحمدللہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

(۲) میرے فارسی دوئم اور عربی اول تک میرے استاد گرامی جن کی شخصیت نے سب سے پہلے میرے اندر ادبی ذوق پیدا کیا ان کا نام عبدالرحمن پرواز اصلاحیؒ ہے۔ ان کے حلقہ اثر میں جو طلبہ تھے کوئی ایسا نہ تھا جس کو دو تین سو اشعار یاد نہ ہوں۔ بیت بازی گھنٹوں چلتی، میرے ناقص علم کے مطابق دارالعلوم میں پہلا مشاعرہ انہی کی کاوشوں سے ہوا۔ چھوٹے بچوں میں ادبی سرگرمی کی لہر

دوڑائی تھی جوان کے بعد بھی جاری رہا۔ مجھے آج تک وہ قطعہ یاد ہے جوانہوں نے میری کاپی پر لکھا تھا۔

بستان محمد کا چہکتا ہوا بلبل
اسلام کی افواج کا معصوم سپاہی
ہے طفل مگر دل ہے جوانوں سے بھی اعلیٰ
ٹھکرائے گا یہ پاؤں سے تاج سرشاہی

• اس کے بعد عربی جماعتوں میں جن اساتذہ سے فیض حاصل ہوا ان میں مولانا نذیر احمد املویؒ اور مولانا فضل الرحمن اعظمی دونوں حضرات کے دربھنگہ میں قیام کی مدت شاید دو سال تھی اس لیے میرے حصے میں ان بزرگوں کے فیض کم آئے۔ ان حضرات کے علاوہ جن گرامی قدر شخصیتوں سے فیض کا موقع میسر آیا وہ ہیں مولانا عبدالرحمن سلفیؒ، مولانا ظہور رحمانیؒ، مولانا ادریس آزاد رحمانیؒ، (جنہوں نے ایک بار پھر دارالعلوم کے ادبی ماحول کو گرما دیا۔ تحریر، مکالمے اور مناظرے کی مشاقی انہیں کی زیر نگرانی ہوا کرتی تھی)۔

• مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی جن کی حدیث کی صلاحیت سے ساری جماعت واقف ہے۔ سادگی کا یہ عالم تھا کہ لڑکے امتحان ہال میں سوال سمجھنے کے بہانے دوسرے گارڈوں سے نظر بچا کر پورا جواب معلوم کرلیا کرتے تھے۔ جب تک دوسرے استاد آکر انہیں روکیں معاملہ ختم۔ دوسرے اساتذہ شکوہ کرتے مولانا آپ نے تو جواب بتلادیا تو کہتے اچھا اب تم بتادو میں نہیں بتاؤں گا۔ لیکن دوسرے تیز طرار طلبہ وہی کرتے اور کامیاب رہتے۔ ان سے مجھے مسلم شریف پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

• والد محترم کے بعد جس شخصیت نے میری علمی زندگی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا وہ مولانا عبیدالرحمن عاقل رحمانی سابق صدر المدرسین دارالعلوم کی ذات ہے۔ ان کی علمی حیثیت متعین کرنے کے لئے اگر کوئی لفظ کہا جاسکتا ہے تو وہ ہے بحرالعلوم۔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ ایک عربی داں ہونے کی وجہ سے ان کا اپنا میدان تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ، ہندوستان کی تاریخ، جغرافیہ، انگریزی اور ہندی پر یکساں درک تھا۔ کسی موضوع پر حوالہ پوچھتے ہی فرماتے فلاں کتاب دیکھ لو۔ مطالعہ کا جنون تھا۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ پڑھتے رہتے، خواہ اس کا تعلق کسی بھی موضوع سے ہو۔ اگر کچھ نہ ملا تو تشنگی کا احساس رہتا۔ سادگی اور انکساری کا یہ عالم کہ اگر کوئی غیر شناسا دیکھے تو یہ نہ کہہ سکے کہ یہ شخص اس قدر صاحب علم ہوسکتا ہے۔

• اسکول کے اساتذہ جن سے میں نے بطور خاص کچھ حاصل کیا ان میں سب سے پہلے ہمارے ہیڈ ماسٹر جناب محمد محسن صاحبؒ (بی، اے) انگریزی کے استاد تھے۔ جن کی انگریزی کی تحریر پر کالج کے انگریزی کے پروفیسر عش عش کر اٹھتے تھے۔ اردو کے بہترین شاعر، اس کے علاوہ انہیں میں نے مقامات بدیع الزماں مزہ لے لے کر پڑھتے دیکھا ہے۔ استاذ گرامی عاقل رحمانی کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ دوسرے اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر مطیع الرحمن صاحب انگریزی اور جغرافیہ کے استاذ تھے لیکن Math پر پورا عبور حاصل تھا۔ جمیل احمد صاحب جن سے ہم نے سائنس پڑھی۔ جناب بشیر شاداں فاروقی ہمارے Social Studies کے استاذ تھے۔ دربھنگہ کی تمام ادبی سرگرمیوں کے روح رواں، اردو کے بہترین شاعر۔ مطالعہ کا ذوق اس قدر کہ کوئی بھی مخطوطہ یا نئی کتاب

یا رسالہ نظر آیا خرید لیا۔ اگر اس وقت پیسے پورے نہیں ہوئے تو کچھ پیسے دے کر اپنے لئے وہ کتاب محفوظ کرا لیتے۔ ایک عظیم لائبریری کے مالک ہو گئے۔ اردو ادب یا تاریخ کا کوئی حوالہ ان سے پوچھا جاتا فوراً جواب مل جاتا۔

علی گڑھ کے قیام کے دوران جس عظیم شخصیت اور مشفق استاد سے سب سے زیادہ میرا تعلق رہا اور آج بھی ان کی شفقت اس ناچیز کو حاصل ہے ان کا نام نامی ہے پدم بھوشن ڈاکٹر اخلاق الرحمن قدوائی، سابق گورنر بہار اور ہریانہ۔ سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ ان کی بے لوث ملی اور ملکی خدمات سے واقف ہیں ان کی نظر میں پدم بھوشن کا یہ اعزاز ان کی خدمات کے مقابلہ چھوٹا ہے۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔ ا مارچ ۲۰۱۲ء)

☆☆☆

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ، بہار

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ ہندوستان میں صوبہ بہار کے ضلع دربھنگہ کا ایک مشہور سلفی تعلیمی ادارہ ہے جس کا قیام ۱۹۱۸ء میں حضرت مولانا عبدالعزیز محدث رحیم آبادیؒ کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس کا قیام ایک مکتب کی شکل میں ہوا تھا لیکن جلد ہی بانی اور منتظمین کی کاوشوں سے یہ ایک دارالعلوم کی شکل اختیار کر گیا۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی بانی اور پہلے ناظم تھے اس کے بعد یکے بعد دیگرے بابو عبداللہ، ڈاکٹر سید محمد فرید، ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی ناظم ہوئے۔ فی الوقت ڈاکٹر سید عبدالعزیز سلفی کی نظامت میں یہ ادارہ پوری شان وشوکت سے جاری وساری ہے۔ فللہ الحمد و المنۃ۔

معروف علمی شخصیت استاد الاساتذہ

شیخ انیس الرحمن اعظمی عمری مدنی تامل ناڈو

پیدائش ۸/اگست ۱۹۴۱ء

نام ونسب: انیس الرحمن اعظمی عمری مدنی بن مولانا عبدالسبحان اعظمی عمری بن مولانا محمد نعمان بن حاجی عبدالرحمن شہید مئوی۔

● اعظمی ضلع اعظم گڑھ کی طرف نسبت ہے جو آپ کے آبائی وطن مئو کا ضلع تھا اور اسی ضلع میں مئو واقع تھا اب مئو مستقل ضلع بن چکا ہے۔ عمری اور مدنی تعلیمی نسبت ہے جامعہ دارالسلام عمرآباد اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی طرف، ویسے آپ طلباء واہل علم کے مابین شیخ انیس کے نام سے مشہور ومعروف ہیں۔

تاریخ ومقام پیدائش: آپ کی پیدائش ۸ اگست ۱۹۴۱ء کو جنوبی ہند کے مشہور مقام عمرآباد میں ہوئی۔

خاندانی پس منظر: پردادا حاجی عبدالرحمن شہید مئو کے محلہ ڈومن پورہ کے ایک معزز شخص اور کپڑوں کے تاجر تھے۔ آپ کے کل چار بیٹے تھے اور سب کے سب عالم دین تھے بالترتیب سب کے نام درج ذیل ہیں۔ (۱) مولانا محمد حامد (۲) مولانا محمد نعمان (۳) مولانا محمد ابراہیم (۴) مولانا محمد ابوالقاسم۔ ان میں سے دوسرے نمبر پر مولانا محمد نعمان ہیں جو صاحب ترجمہ کے دادا ہیں۔

● شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمی (۱۸۷۶ء۔۱۹۵۱ء) میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے آخری دور کے تلامذہ اور حافظ عبداللہ غازی پوری، شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد مرحوم دہلی اور ملا حسام الدین مئوی جیسے اساطین علم وفضل سے فیض یافتہ تھے، تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں تک احمدیہ سلفیہ دربھنگہ سے وابستہ رہے اور پھر جامعہ دارالسلام عمرآباد کے ذمہ داران کی طلب پر ۱۰ دسمبر ۱۹۲۹ء کو عمرآباد تشریف لے گئے اور پھر وہیں کی بود وباش اختیار کرلی، کم وبیش ۲۰ سال جامعہ کی مسند تدریس پر فائز رہے، اور عربی زبان وادب کی مختلف کتابوں کے ساتھ آپ وہاں شیخ الحدیث بھی رہے اور برسوں صحیحین وغیرہ پڑھاتے رہے اور یہیں ۲۶ دسمبر ۱۹۵۱ء کو آپ اللہ کو پیارے ہوگئے۔

● شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمی عمری کی پہلی شادی مئو میں ہوئی تھی، ان سے پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں لیکن عمرآباد جانے سے پہلے ہی اہلیہ اللہ کو پیاری ہوگئیں بعد میں دوسری شادی پرنامبٹ تامل ناڈو میں ہوئی جس سے چار لڑکے اور ایک لڑکی ہوئیں۔

پہلی بیوی سے پانچ لڑکوں کے نام یہ ہیں (۱) جناب عبدالمنان اعظمی (۲) مولانا عبدالسبحان اعظمی (۳) محمد عرفان (۴) مولانا فضل الرحمن اعظمی (۵) عبدالحنان اور لڑکیوں میں قابل ذکر بیٹی بلقیس تھی جو ڈاکٹر مقتدی حسن ازھری رحمہ اللہ کی والدہ تھیں اور اس طرح گویا ڈاکٹر صاحب شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمی کے نواسے تھے۔

دوسری بیوی سے چار لڑکوں میں (۱) مولانا حبیب الرحمن اعظمی عمری (۲) ڈاکٹر عزیز الرحمن (۳) مولانا حافظ حفیظ الرحمن اعظمی عمری مدنی (۴) عتیق الرحمن بی ایس سی۔

● شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمی کے مذکورہ لڑکوں میں پہلی بیوی سے مولانا عبدالسبحان اعظمی ہیں جو ہمارے صاحب ترجمہ شیخ انیس الرحمن حفظہ اللہ کے والد ماجد ہیں۔

● والد ماجد مولانا عبدالسبحان اعظمی: آپ کے والد ماجد مولانا عبدالسبحان اعظمی ۱۹۱۰ء میں مئو میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اور عربی تعلیم مدرسہ عالیہ مئو مدرسہ محمدیہ کھیدو پورہ اور ڈیڑھ دو ماہ جامعہ رحمانیہ دہلی میں بلوغ المرام تک ہوئی، اس کے بعد ۱۹۲۹ء میں عمر آباد چلے گئے جہاں آپ کے والد مولانا محمد نعمان اعظمی شیخ الحدیث تھے اور وہاں پانچویں جماعت میں داخلہ لے لیا۔ اور چار برس تک تعلیم حاصل کی ۱۹۳۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ عربی کے ساتھ انگریزی زبان پر بھی آپ کو مکمل عبور تھا۔ طب یونانی میں بھی اچھی خاصی مہارت رکھتے تھے۔ تدریس کے ساتھ کئی سالوں تک جامعہ کے مطب میں علاج و معالجہ کرتے رہے۔ جب مولانا عبدالواجد رحمانی رحمہ اللہ کو جامعہ کا ناظم بنایا گیا تو اس وقت جامعہ میں نائب ناظم کا عہدہ نہیں تھا چنانچہ مولانا عبدالسبحان صاحب کو آپ کا نائب یعنی نائب ناظم مقرر کر دیا گیا۔ ان تمام ذمہ داریوں کو آپ بحسن وخوبی انجام دیتے رہے اور اس طرح کم وبیش ۵۵ سالوں تک آپ جامعہ میں دیگر ذمہ داریوں کے ساتھ تدریس کے منصب پر بھی فائز رہے۔ جامعہ کو بام عروج تک پہنچانے میں آپ کا بڑا کلیدی رول ہے۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۹۰ء کو اجل کا پیغام آ پہنچا اور آپ راہی ملک بقا ہو چلے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا عبدالسبحان اعظمی کی شادی مئو ہی میں ہوئی تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے چھ بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا تھا۔ بیٹوں میں (۱) مولانا خلیل الرحمن اعظمی عمری (۲) مولانا ضیاء الرحمن اعظمی عمری (۳) مولانا حافظ عبدالرحمن اعظمی عمری (۴) صاحب ترجمہ مولانا انیس الرحمن اعظمی عمری (۵) مولانا حافظ عبید الرحمن اعظمی عمری (۶) مولانا محمد نعمان اعظمی عمری مدنی تھے۔

شیخ انیس الرحمن اعظمی عمری انہیں لائق وفائق فرزندوں میں ایک ہونہار اور قابل ذکر شخصیت ہیں۔

مراحل تعلیم: ابتدائی تعلیم گھر پر شروع ہوئی دس سال کی عمر ہوئی تو ۱۹۵۲ء میں جامعہ دارالسلام عمر آباد میں داخل ہوئے۔ اس وقت کل بیس طلباء آپ کے ساتھ زیر تعلیم تھے۔

اور آپ کی جماعت سب سے بڑی جماعت مانی جاتی تھی پورے جامعہ میں طلباء کی تعداد ۱۱۰ تھی۔ آپ نے ابتدائیہ ایک سال مکمل کیا۔

ابتدائیہ کے بعد عربی کی تعلیم فضیلت تک آپ نے جامعہ ہی میں مکمل کی۔ آٹھ سال تک زیر تعلیم رہے اور ۱۹۶۱ء میں فضیلت کی سند لے کر فارغ التحصیل ہوئے۔

ابتدائیہ سے لے کر فضیلت تک تمام امتحانات میں اول پوزیشن کے ساتھ کامیاب ہوتے رہے۔

دوران تعلیم آپ نے مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء کا کورس بھی امتیازی نمبرات سے مکمل کر لیا اور پہلے انعام کے مستحق ٹھہرے۔

فراغت کے بعد ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۲ء ایک سال جمالیہ عربک کالج میں عربی زبان وادب کی تعلیم کے لئے داخل ہوئے۔ وہاں عربی کے مشہور مصری عالم احمد حسین شرقاوی استاذ تھے آپ نے ان سے بھرپور استفادہ کیا۔ شرقاوی صاحب آپ کو جامعہ ازھر لے جانا چاہتے تھے مگر تقدیر نے وفانہ کی اور آپ ازھر نہ جاسکے۔ بعد میں رب العالمین کی توفیق سے آپ کو مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ ملا۔

۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۶ء تک آپ بحیثیت عربی معلم کئی جگہوں سے وابستہ رہے مگر اس دوران قسمت نے وفا کی اور مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا اور ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۱ء تک کلیۃ الدعوۃ کے ساتھ کلیۃ الشریعۃ بھی بحیثیت انتساب پاس کیا۔

۱۹۶۷ء میں جب آپ کو مدینہ میں داخلے کی منظوری ملی اس وقت سعودی عرب کے حالات بے حد خراب تھے، یہ عرب اسرائیل کی جنگ کا آخری زمانہ تھا، آپ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ جامعہ اسلامیہ میں تعلیم شروع ہوگئی۔ آپ کلیۃ الدعوۃ واصول الدین میں زیر تعلیم تھے۔ تین ماہ کے بعد تعطیل کا اعلان ہوگیا طلباء کے اسکالرشپ بند کردیا گیا۔ وطن جانے کی اجازت دی گئی مگر ٹکٹ نہ دینے کا اعلان ہوا۔ طلباء وطن جانے لگے، آپ بے پریشان تھے کہ وطن جاؤں یا رک جاؤں بہرصورت آپ نے نہ جانے کا فیصلہ لیا چھٹیاں چل رہی تھیں آپ مسجد نبوی میں نماز کے لئے جایا کرتے تھے ایک دن اتفاق سے جامعہ کے مدیر تعلیم شیخ عبدالمحسن العباد کے بغل میں نماز میں پڑ گئے، بڑے خوف زدہ ہوئے، نماز کے بعد شیخ عبدالمحسن نے پوری یادداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نام اور جنسیہ کے ساتھ پوچھ لیا کہ ابھی تک گھر نہیں گئے، آپ نے حالات اور مجبوریاں بتائیں شیخ عبدالمحسن نے کلیۃ الشریعۃ میں انتساب کی حیثیت سے داخلہ کے لئے درخواست پیش کرنے کا مشورہ دیا۔ موقع کو غنیمت جانتے ہوئے آپ نے شیخ کے مشورے کے مطابق درخواست دے دی اور تیاری کرنے لگے۔ امتحان داخلہ دیا اور بحمد للہ پاس ہوگئے، کلیۃ الشریعۃ میں شام کو تعلیم حاصل کرنے لگے۔ دوسرے سال طلباء آئے تعلیم شروع ہوئی آدھے اسکالرشپ یا اس کے بدلے ٹکٹ کا اعلان ہوا۔ مگر پھر وطن جانے کے لئے ٹکٹ نہ مل سکا چنانچہ آپ پانی کے جہاز سے دوسرے سال ۱۹۶۹ء کو وطن آئے۔ چھٹیاں گزار کر واپس مدینہ لوٹے اور اس طرح کلیۃ الدعوۃ کے ساتھ کلیۃ الشریعہ کا بھی امتحان دیتے رہے اور امتیازی نمبرات سے پاس ہوتے رہے، کلیۃ الدعوۃ سے فراغت پہلے ہوگئی اور اعلان ہوگیا کہ سب طلباء وطن چلے جائیں مگر آپ کا کلیۃ الشریعۃ میں دور ثانی اور اخیر کا امتحان باقی تھا۔ چنانچہ آپ نے اس کے لئے شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے اجازت طلب کی، شیخ نے اجازت دے دی، اس طرح دور ثانی کا امتحان دے کر ۱۹۷۱ء کے اواخر میں آپ مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوئے اور آپ کو ڈبل بی، اے کی ڈگری دو دو کلیات سے حاصل ہوئی جو ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں۔ قدرت نے آپ کو یکسو دماغ اور بلا کی قوت حافظہ عطا کیا تھا۔ بڑی محنت اور جدوجہد آپ نے کی اور دونوں کلیات سے امتیازی نمبرات سے پاس ہوئے، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

مشاہیر اساتذہ: جامعہ دارالسلام عمرآباد میں آپ نے (۱) اپنے والد ماجد مولانا عبدالسبحان اعظمی (۲) مولانا حافظ عبدالواجد رحمانی سابق ناظم جامعہ دارالسلام (۳) مولانا شاکر نائطی (۴) مولانا سید امین عمری (۵) مولانا سید عبدالکبیر عمری (۶) مولانا ابوالبیان حماد عمری وغیرھم جیسے قابل ذکر اساتذہ سے تعلیم حاصل کی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں (۷) شیخ محمد امین شنقیطی (۸) مولانا عبدالغفار

حسن رحمانی (۹) شیخ ممدوح فخری شامی (۱۰) شیخ صادق العرجون (۱۱) شیخ عبدالرؤف اللبدی (۱۲) شیخ عبداللطیف وغیرہم سے کسب فیض کیا (۱۳) شیخ عبدالمحسن العباد کو آپ کے مستقل استاد نہیں بلکہ آپ سے ایک دو درس میں آپ کو استفادہ کا موقع ملا ہے۔ (۱۴) احمد حسین شرقاوی مصری۔

تدریسی ودعوتی خدمات:

(۱) جامعہ دارالسلام عمرآباد سے فراغت کے بعد ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۵ء دو سال تک لال پیٹ قصبہ کے ایک سرکاری اسکول میں بحیثیت عربی معلم واستاد خدمات انجام دیں۔

(۲) ۱۹۶۵ء تا ۱۹۶۷ء اسلامیہ ہائی اسکول وانم باڑی میں عربی زبان وادب پڑھاتے رہے۔

(۳) ۱۹۷۱ء کے اواخر میں مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد قلت تنخواہ کی وجہ سے چمڑے کا ایک بڑے تاجر جناب عبدالواحد صاحب کی کمپنی سے اس شرط پر وابستہ ہوگئے کہ وہ جلد ہی تحقیقات اسلامی کا ایک ادارہ کھولیں گے۔ آپ وہاں ۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۵ء کام کرتے رہے، مگر ادارہ نہ کھل سکا اور آپ کمپنی سے نکل گئے۔

(۴) اسی اثناء میں ۲۵ مارچ ۱۹۷۵ء کو سعودی فرمانروا شاہ فیصل کا انتقال ہوگیا۔ پورا عالم اسلام سوگوار تھا تعزیت جاری تھی شیخ نے بھی اسی مناسبت سے شاہ خالد، رابطہ کے جنرل سکریٹری محمد علی الحرکان اور جامعہ اسلامیہ کے مدیر التعلیم شیخ عبدالمحسن العباد وغیرہم کو تعزیتی خطوط روانہ کئے، جواب میں سب کی طرف سے شکریہ کا خط بھی آیا۔ اور شیخ عبدالمحسن کی طرف سے خوشخبری کا لیٹر بھی، شیخ عبدالمحسن العباد کے خط میں یہ الفاظ تحریر تھے۔

"**ترغب الجامعة الاسلامیه فی تعیینکم للتدریس فی جامعة سلفیه بنارس علی حسابها**" کہ جامعہ اسلامیہ اپنے خرچ پر آپ کو جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریسی خدمات انجام دینے کی خواہشمند ہے۔ یہ خط پڑھ کر آپ حیران بھی تھے اور خوش بھی بہر صورت یہ مژدہ جانفزا ملنے کے بعد آپ جامعہ سلفیہ بنارس چلے گئے۔

(۵) جون ۱۹۷۵ء میں اسی مناسبت سے آپ بنارس روانہ ہوگئے۔ دل میں یہ خیالات بار بار جنم لے رہے تھے کہ میں کئی ماہ سے تعلیم وتدریس سے کٹا ہوا ہوں۔ اور میری اردو پر بھی جنوبی ہند کا لہجہ غالب ہے سفر شروع ہوا جامعہ سلفیہ بنارس پہنچے ناظم جامعہ مولانا عبدالوحید سلفی سے ملاقات ہوئی۔ بڑے خوش ہوئے اور فرمایا کہ آپ کی تقرری عرب اساتذہ کی جگہ پر ہوئی ہے۔ اس لئے آپ عربی زبان میں ہی پڑھائیں، ناظم صاحب کے ان جملوں سے کچھ حوصلہ ملا اور پھر آپ باضابطہ جامعہ سلفیہ میں تدریس سے منسلک ہوگئے، چونکہ آپ عربی میں پڑھاتے تھے اس لئے طلباء آپ کو مولانا انیس صاحب کے بجائے شیخ انیس کے نام سے پکارنے لگے اور رفتہ رفتہ آپ اسی نام سے مشہور ہوگئے۔

پہلی بیچ میں شیخ عبدالباری فتح اللہ، عبدالرقیب بہار، عبدالتواب اور اس کے بعد کی جماعت میں شیخ صلاح، شیخ عزیر شمس، شیخ عبدالمعید، شیخ ظفر الحسن وغیرہم تھے آپ نے انہیں بدایۃ المجتہد پڑھایا۔ جون ۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۳ء تک آپ جامعہ سلفیہ سے منسلک

رہے، کل مدت ۹ سال ہے۔

جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں کے ۱۹۷۸ء میں قیام کے بعد بانی جامعہ مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کو ایک بہترین منتظم اور کہنہ مشق مدرس کی ضرورت تھی، اس کے لئے آپ کی نگاہ شیخ انیس پر پڑی اور اس طرح آپ نے جامعہ سلفیہ کے ذمہ داران سے آپ کو چند ماہ کے لئے جامعہ محمدیہ مالیگاؤں بھیجنے کی درخواست کی۔ ناظم جامعہ نے صدر جامعہ شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ سے مشورہ اور منظوری کے بعد آپ کو ۱۹۸۳ء میں مالیگاؤں بھیج دیا۔ وہاں پہونچنے کے بعد آپ نے جامعہ کے مسائل ومشکلات کا جائزہ لیا اور چند ہی ماہ میں بحمد للہ اپنے حسن تدبیر سے ان پر قابو پانے اور انہیں سلجھانے میں کامیاب رہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ ذمہ داران جامعہ اور بانی جامعہ مولانا مختار احمد ندوی رحمہ کی نگاہ میں بھا گئے اور اس طرح رفتہ رفتہ ۱۹۹۲ء تک نو سال کا ایک طویل عرصہ آپ نے جامعہ کے انتظام وانصرام اور تدریس وتعلیم میں گزار دیا اس دوران آپ جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی کے سکریٹری اور الجمعیۃ الخیریہ کے نائب صدر کے عہدے پر بھی کام کرتے رہے۔ آپ کے زیر تدریس کتابوں میں صحیح مسلم، دیوان الحماسہ، ہدایۃ النحو، بدایۃ المجتہد وغیرہ جیسی اہم کتابیں تھی۔

۱۹۹۴ء میں آپ اپنے وطن عمرآباد لوٹ آئے اور جامعہ دارالسلام کی جانب سے کوئمبٹور میں واقع نسواں ادارہ جامعۃ الحسنات سے وابستہ ہوگئے یہاں آپ نے دو سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

۱۹۹۶ء میں آپ واپس جامعہ دارالسلام عمرآباد سے منسلک ہوگئے اور ۲۰۰۴ء تک تدریس سے وابستہ رہے اور ساتھ ہی تعمیر مساجد کے شعبہ کی بھی نگرانی کرتے رہے۔

۲۰۰۴ء میں جامعہ دارالسلام عمرآباد سے سبکدوش ہوکر مدراس آگئے اور یہاں مرکز ابن القیم الاسلامی جس کے آپ بانی تھے وابستہ ہوگئے، یہاں آپ نائب صدر کے ساتھ مدیر اور دینی امور کی شعبہ کے رئیس کی حیثیت سے کام کرتے رہے کچھ حاسدوں کی نظر بد لگ گئی اور ۲۰۱۳ء میں آپ ادارہ سے الگ ہوگئے۔

فی الوقت موڈ بدری میں سرکاری نصاب کے مطابق چلنے والے معہد الفرقان الاسلامی نامی ایک اسکول سے وابستہ ہیں اور دینی شعبہ کے مدیر ہیں۔ دو تین بار اشراف ونگرانی کے لئے جایا کرتے ہیں۔

مدراس میں لڑکیوں کا ایک ادارہ ہے وہاں آپ مقامی زبان میں تدریس کا فریضہ بھی انجام دے رہے ہیں۔

چار مینار مدراس میں مستقل طور پر آپ جمعہ کے خطیب ہیں اور برسوں سے خطبہ جمعہ کی ذمہ داری انجام دے رہے ہیں۔

رب العالمین شیخ محترم کو صحت یابی کے ساتھ اپنے علم وفضل سے ملت کو فائدہ پہنچانے کی سعادت عطا کرے اور عمر دراز نصیب فرمائے۔ آمین

تدریس ودعوت کی کل مدت پچاس سال سے زائد ہے اور جاری وساری ہے۔

تلامذہ: یوں تو ملک کے تین بڑے جامعات جامعہ سلفیہ، جامعہ محمدیہ، جامعہ دارالسلام اور اس کے علاوہ کئی اسکول ومدارس میں

آپ کو تدریس کا شرف حاصل ہے جس کی وجہ سے ظاہر ہے کہ تلامذہ کی ایک بڑی تعداد ہوگی مگر یہاں چند قابل ذکر نام درج کئے جارہے ہیں۔

(۱) شیخ عبدالمعید مدنی علیگڑھ (۲) شیخ ظفر الحسن مدنی (۳) شیخ عبدالباری فتح اللہ (۴) شیخ عزیر شمس مکہ (۵) ڈاکٹر بدرالزماں نیپالی (۶) شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی (۷) شیخ عبدالرقیب سلفی بہار (۸) مولانا عبدالسلام سلفی ممبئی (۹) مولانا ارشد فہیم سلفی مدنی بہار (۱۰) مولانا عبدالنور نملی (ممبرا) (۱۱) مولانا خورشید احمد سلفی جھنڈانگر (۱۲) مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی مئو (۱۳) شیخ عبدالمنان سلفی جھنڈانگر (۱۴) مولانا عزیز احمد مدنی (دہلی) (۱۵) مولانا رفیق احمد رئیس سلفی علی گڑھ (۱۶) مولانا عبدالحسیب مدنی (بنگلور) (۱۷) مولانا عبدالعظیم مدنی (بنگلور)۔

رب العالمین سے دعا ہے کہ شیخ موصوف کو صحت وعافیت عطا فرمائے اور آپ کے علم وعمل سے ملک وجماعت کو فائدہ اٹھانے کی توفیق مرحمت کرے۔ آمین۔

مراجع ومصادر:
۱۔ سوانحی معلومات پر مشتمل شیخ کی آڈیو ریکارڈنگ
۲۔ جریدہ ترجمان وسوینیر تاریخ اہل حدیث شائع شدہ بموقع پاکوڑ کانفرنس
۳۔ ذاتی معلومات ولقائات

□□□

استاد الاساتذہ قاری نثار احمد فیضی مئو

ولادت ۲۰ جون ۱۹۴۲ء

نام: نثار احمد

والد کا نام: حافظ محمد ابراہیم ہے جو پیشہ کے اعتبار سے پارچہ باف تھے۔

نسب نامہ: نسب یوں ہے نثار احمد، بن حافظ محمد ابراہیم بن حافظ محمد سعید بن بدھو۔

تاریخ پیدائش: ۲۰ رجون ۱۹۴۲ء مئوناتھ بھنجن کے مغربی خطہ کے محلہ مرزا ہادی پورہ میں پیدائش ہوئی۔

تعلیم: عہد طفولیت ہی میں والد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا تھا، والدہ محترمہ نے جواب وفات کر چکی ہیں (نور اللہ مرقدہا) بہت زیادہ غربت کے باوجود میری تعلیم پر بہت ہی دھیان دیا اور ابتدائی تعلیم کے لئے محلہ ہی کے ایک انتہائی بزرگ، تہجد گزار ممتاز عالم دین حکیم مولانا سلیمان رحمہ اللہ (جو جامع مسجد اہل حدیث مرزا ہادی پورہ میں بچوں کو بطور اعزازی پڑھاتے تھے) کے پاس بیٹھایا۔ موصوف شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی (میاں صاحب) رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید تھے، انہی کے پاس اور انہی کی نگرانی میں رہ کر قرآن مجید، پھر کچھ ابتدائی فارسی اور گلستاں و بوستاں وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ اسی اثناء میں استاذ گرامی نے قرآن کی کچھ سورتیں ساتھیوں سے زبانی یاد کرائی، ساتھیوں کی بنسبت میں کچھ جلدی حفظ کر لیتا تھا۔ اس زمانہ میں مرحوم مولانا مختار احمد ندوی کلکتہ میں خطیب تھے، جب گھر تشریف لائے تو استاذ محترم رحمہ اللہ نے ان سے کہا کہ نثار کی اماں سے کہئے کہ نثار کو حافظ بنادے، مولانا ندوی مرحوم میرے پھوپھی زاد بھائی تھے، والدہ تیار ہوگئیں اور میں حفظ قرآن کے لئے مدرسہ عالیہ میں بزرگ حافظ، حافظ احمد اللہ رحمہ اللہ کے پاس حفظ کرنے لگا اور اللہ کی توفیق سے تین سال میں حفظ قرآن کی تکمیل سے سرفراز ہوگیا۔ تکمیل حفظ کے بعد مدرسہ عالیہ (مئو) ہی میں پرائمری پڑھا اور پھر درجات عربیہ کے لئے جماعت اولیٰ میں داخلہ لیا، اور جماعت رابعہ تک اسی مدرسہ عالیہ میں پڑھا۔ اس کے بعد جامعہ اسلامیہ فیض عام میں داخلہ لیا اور وہیں سے ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء میں تکمیل وفراغت ہوئی۔

اساتذہ: حکیم مولانا سلیمان رحمہ اللہ مئو (تلمیذ سید نذیر حسین محدث دہلوی) حافظ احمد اللہ رحمہ اللہ قدیم مدرسہ عالیہ جمال پورہ مئو، مولانا عبدالعلی رحمہ اللہ، مولانا عبدالحکیم فیضی رحمہ اللہ بن مولانا عبدالعلی رحمہ اللہ، مولانا فضل الرحمن رحمہ اللہ، مولانا محمد الیاس فیضی رحمہ اللہ، مولانا اسحاق فیضی رحمہ اللہ، مولانا قاری عبدالسبحان فیضی رحمہ اللہ، مولانا مفتی حبیب الرحمن فیضی (ناظم جامعہ فیض عام) رحمہ اللہ، مولانا محمد عظیم اللہ فیضی رحمہ اللہ، مولانا جمیل احمد فیضی رحمہ اللہ، مولانا عبدالمعید بنارسی رحمہ اللہ، مولانا شمس الحق سلفی رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ فیض عام مئو، مولانا صفی الرحمن فیضی رحمہ صاحب الرحیق المختوم ودیگر تصانیف۔

تجوید: جب تک مدرسہ عالیہ میں (موجودہ جامعہ عالیہ) درجات عربیہ کی تعلیم حاصل کی، قاری ظہیر الدین رحمہ اللہ سے

تجوید کی مشق کی اور جب جامعہ فیض عام میں حصول تعلیم کے لئے آیا تو استاذ القراء قاری خلیل الرحمنؒ کے پاس پڑھ کر بروایت حفص تجوید کی تکمیل کی۔

تلامذہ: تلامذہ کی تعداد تو بہت ہے چند کے نام یہ ہیں: شیخ عبدالباری فتح اللہ مدنی، شیخ ظفر الحسن مدنی، شیخ مقصود الحسن فیضی، مولانا مقیم فیضی، مولانا عبیدالرحمن مدنی، مولانا مظہر علی مدنی، مولانا شمیم عمری، مولانا شفیع احمد فیضی ناظم جامعہ فیض عام، مولانا محمد ابراہیم مدنی، مولانا حافظ شمیم املوی، مولانا محمد منظور کشمیری، مولانا عبدالحمید فیضی، مولانا حماد الرحمن سلفی، مولانا لیث محمد مدنی، مولانا مشتاق احمد ندوی، مولانا حفیظ اللہ فیضی، مولانا اسلام الدین سلفی، مولانا عبدالغنی فیضی، مولانا نسیم الحق فیضی۔

درس وتدریس: ۱۹۶۷ء میں فراغت کے بعد ایک سال ۱۹۶۸ء میں مسجد اہل حدیث مومن پورہ ممبئی میں رہا۔ ممبئی کی آب وہوا میرے لیے راس نہیں آئی، مئو چلا آیا اور صدیق حمیم مولانا محفوظ الرحمن فیضی کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے برس دن بعد ۱۹۶۹ء میں ناظم صاحب رحمہ اللہ (مولانا محمد احمد) سے کہہ کر جامعہ اسلامیہ فیض عام میں درجات عربیہ میں بطور مدرس میری تقرری کرادی، اس وقت سے ۲۰۰۳ء میں ریٹائر ہونے تک اور اس کے بعد تا حال ۱۷۔۲۰۱۸ء جامعہ اسلامیہ فیض عام کا بحیثیت مدرس خادم ہوں۔

امامت وخطابت: یوں تو مدرسہ (جامعہ عالیہ) میں طالب علمی کے دور میں ہی کبھی کبھی کوئی نماز جامع مسجد اہلحدیث مرزا ہادی پورہ میں پڑھاتا تھا، اس وقت اس میں جمعہ قائم نہیں ہوا تھا، فراغت کے ایک سال بعد ممبئی سے واپس آنے پر اور جامعہ فیض عام کا مدرس ہونے ہی کے سال میں ۱۹۶۹ء میں اس مسجد میں جمعہ قائم کر دیا گیا، ابتدا میں جمعہ کا خطبہ کبھی میں دیتا کبھی کوئی دوسرا خطیب ہوتا لیکن کچھ ہی دن تک یہ غیر مستقل صورت حال رہی پھر میں ہی مستقل خطبہ جمعہ دینے لگا اور پنج وقتہ نماز پڑھانے لگا اور اب امامت وخطابت کی پوری ذمہ نبھانی پڑتی ہے۔ اور یہ تا حال ۲۰۱۷ء/۲۰۱۸ء جاری وساری ہے۔

اہم تعلیمی ودعوتی کام: دعوت وارشاد کے لئے سفر بھی ہوتا رہتا ہے جس میں اکثر بہار اور آندھرا پردیش کے مختلف مقامات کا سفر ہوتا رہتا ہے نیز یوپی کے بعض مقامات اور مئو کے قرب وجوار میں دعوت وتبلیغ کے لئے سفر کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ جامع مسجد اہلحدیث اسلام آباد مئو اور مسجد اہل حدیث مدنپورہ مئو کے قیام وتعمیر میں بھی آپ کی کاوشیں قابل قدر ہیں۔ **الحمدللہ وبنعمتہ تتم الصالحات۔**

اولاد: آپ کے کل سات بچے ہیں جن میں پانچ بیٹیاں اور ۲ لڑکے ہیں سب ماشاء اللہ دیندار وخوشحال ہیں۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔۱/مارچ ۲۰۱۲ء)

اور فارم اہل حدیث انسائیکلو پیڈیا

□□□

مشہور سوانح نگار اور معروف قلمکار

مولانا عبدالرؤف ندوی: تلسی پور یوپی

ولادت اپریل ۱۹۴۹ء

نام مع پتہ: عبدالرؤف ندوی محلہ پوروہ، مقام و پوسٹ: تلسی پور، ضلع: بلرام پور، یوپی پن کوڈ ۲۷۱۲۰۸۔

تاریخ پیدائش: ضلع بلرام پور قصبہ تلسی پور کے مرکزی موضع ہرہٹہ میں (جو تلسی پور سے دکھن جانب ۱۲ کلومیٹر دور اٹوا روڈ پر واقع ہے) میری تاریخ پیدائش بروایت والد محترم ۲۷/اپریل ۱۹۴۹ء ہے۔

خاندانی پس منظر: میرا پورا نام عبدالرؤف ہے ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کی طرف انتساب ہے۔

سلسلہ نسب یہ ہے کہ عبدالرؤف بن محمد نامدار بن ولی محمد بن نبی بخش بن خرم خاں ہمارے اجداد کو علم و عمل تقویٰ و دینداری میں ممتاز مقام حاصل تھا۔ الحمدللہ یہ سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے اور ہمارے خاندان کا تعلیم و تعلم سے ہمیشہ تعلق رہا ہے۔

(عم محترم مولانا عبداللہ سعیدی حفظہ اللہ، عبدالقوی اثری، شفیق الرحمن فیضی، مولانا اسرار الحق مدنی فیجی، مولانا عطاء الرحمن مدنی سعودیہ عربیہ، مولوی مشتاق احمد فیضی، مولانا زبیر احمد مدنی، مولانا عبدالقیوم سراجی، طفیل احمد فیضی، ضیاء الرحمن سلفی، محمد ظفر محمدی، ضیاء الحق محمدی، حافظ عبدالخبیر فیضی اور راقم الحروف عبدالرؤف خاں ندوی اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔)

ہمارے دادا تحصیل اترولہ ضلع بلرام پور یوپی کے موضع کھرہنہ کے مستقل باشندے تھے وہاں پر دادا رحمہ اللہ کی زمینداری تھی خاندان میں کسی بات پر اختلاف کی وجہ سے وہاں کا اپنا حصہ چھوڑ کر تحصیل تلسی پور کے مشہور و معروف مرکزی گاؤں ہرہٹہ آکر مستقلاً آباد ہو گئے۔

تعلیمی لیاقت:

ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں ہرہٹہ کے مدرسہ ضیاء العلوم میں درجہ ہفتم تک حاصل کی، ابتدائی کتابیں میاں عبدالحلیم صاحب رحمہ اللہ سے پڑھیں۔ دینیات، ادب، اردو، تاریخ اور ابتدائی عربی اور فارسی کتابیں عم محترم مولانا عبداللہ صاحب سعیدی حفظہ اللہ سے پڑھیں، ہندی، حساب، سائنس، جغرافیہ، انگریزی وغیرہ ماسٹر محمد سلیم خاں (اترولہ) سے پڑھیں۔

والد محترم کی خواہش پر ۱۹۶۱ء میں دارالعلوم ندوہ العلماء میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے مقصد سے داخلہ لیا گرامی قدر استاذ محترم ڈاکٹر سعید الرحمن ندوی اعظمی موجودہ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ مدیر البعث الاسلامی لکھنؤ و پروفیسر محمد اجتباء الحسینی ندوی نے ٹسٹ لیا اور جماعت ثانیہ میں داخلہ کی منظوری مرحمت فرمائی۔ بڑے خوش قسمت ہیں وہ طلبہ جن کا حسب خواہش مطلوبہ درجات میں داخلہ مل

جائے۔ مسلسل چھ سال تک محنت ولگن سے تعلیمی سفر جاری رہا اور ۱۹۶۶ء میں سند فراغت حاصل کی اور آخری سال میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ضابطہ کے مطابق شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ صاحب مرعاۃ المفاتیح کے مشورہ پر علامہ خطیب بغدادی پر عربی میں مقالہ لکھا، ندوۃ العلماء کی جمعیۃ الاصلاح سے دو دفعہ انعام حاصل کیا۔

ناچیز کو شروع ہی سے احادیث نبویہ ﷺ سے محبت تھی بدقسمتی سے اس وقت ملک میں اپنی جماعت کا کوئی مرکزی ادارہ نہیں تھا اس لئے ندوہ العلماء لکھنؤ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد جامعہ ریاض العلوم دہلی کا رخ کیا اور وہاں تین سال رہ کر شیخ الحدیث علامہ مفتی عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ اور خطیب الہند مفسر قرآن مولانا محمد صاحب جوناگڑھی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید علامہ مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی رحمہ اللہ مدیر اخبار اہل حدیث دہلی سے صحاح ستہ وغیرہ پڑھ کر حدیث کی تکمیل کی۔

قابل ذکر اساتذہ کرام:

شیخ الحدیث مفتی مولانا عبدالسلام بستوی، مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی، مولانا محمد اویس ندوی نگرامی شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا عبدالحفیظ صاحب بلیاوی (صاحب مصباح اللغات)، مولانا محمد اسباط صاحب قاسمی، مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی ندوی، مولانا ابوالعرفان صاحب ندوی، مولانا محمد رابع الحسنی ندوی موجودہ ناظم دارالعلوم ندوہ العلماء لکھنؤ، ڈاکٹر سعید الرحمن صاحب اعظمی ندوی موجودہ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا عبدالماجد ندوی مولانا اجتباء الحسنی الندوی، مولانا تقی الدین ندوی مظاہری، مولانا حبیب الرحمن صاحب قاسمی، مولانا وجیہ الدین صاحب ندوی، مولانا محمد ظہور ندوی مفتی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا محمد ناصر ندوی، قاری محمد اسلام صاحب، ماسٹر شاہد علی صاحب اور گاؤں کے اساتذہ میں مولانا عبداللہ سعیدی اور میاں عبدالحلیم و ماسٹر محمد سلیم وغیرھم قابل ذکر ہیں۔

دعوتی و تنظیمی خدمات:

ارباب جمعیت کی خواہش پر الحمدللہ ۱۹۷۰ء۔ ۱۹۸۵ء پندرہ سال تک نامساعد حالات کے باوجود ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور کے جملہ شعبہ کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیتا رہا۔ جمعیۃ کی ذمہ داری سنبھالنے سے پہلے جمعیۃ جمود وتعطل کا شکار تھی، صرف کاغذ پر جمعیۃ کا وجود تھا جمعیت کا اپنا کوئی نجی گھر نہیں تھا، ان حالات میں جو شخص کسی بنیادی وتنظیمی جدوجہد سے وابستہ ہو، وہی راستہ کی دشواریوں اور منزل کی کٹھنائیوں سے واقف ہوتا ہے، کسی بھی منظم کام کے لئے ایک مرکز اتصال کا ہونا انتہائی ضروری ہے، جہاں سے ہر حرکت وعمل کی نگرانی کی جاسکے۔ جہاں ہر جدوجہد کے خاکے تیار ہوں، منزلیں متعین کی جائیں اور جہاں بیٹھ کر کاموں کا جائزہ لیا جائے اور اس کے راستے اور طریق کار کی کھوج کی جائیں، مارچ ۱۹۶۸ء زیر صدارت مولانا عبدالجلیل رحمانیؒ ضلعی جمعیت گونڈہ کے زیر اہتمام ایک ریاستی کانفرنس تلسی پور میں منعقد ہوئی، جو نظم ونسق شرکت علماء وفضلاء نیز سامعین کے اجتماع کثیر کے اعتبار سے نوگڑھ کی آل انڈیا اہل حدیث نوگڑھ کی تاریخی ومثالی کانفرنس کے بعد دوسرے نمبر پر تھی اور اس کانفرنس کے ملک گیر پیمانے پر جماعت کی کوئی دوسری کانفرنس آج تک دیکھنے میں نہیں آئی، ریاستی

کانفرنس نے ایک قرارداد میں یہ تجویز منظور کی کہ ضلعی جمعیت گونڈہ (بلرام پور) کا ایک آفس تلسی پور میں قائم کیا جائے تو ارباب جماعت بلرام پور نے یہ بار عظیم اپنے کندھوں پر لے لیا اور ریاستی کانفرنس کے کثیر اخراجات سے زیر بار ہونے کے باوجود عین برسات میں دفتر کا کام تھانہ روڈ پر مکمل کر لیا اور دفتر عمارت کی تعمیر اور اس سے ملحقہ عمارت میں مکتبہ وشایان شان لائبریری کا قیام اور ضلعی جمعیۃ کی نگرانی میں مدرسہ ریاض الاسلام کا قیام اور پرائمری درجات سے لے کر جماعت رابعہ تک کی تعلیم کا انتظام، بیرونی ونادار طلبہ کے لئے قیام وطعام کا بندوبست، ضلع کے گاؤں گاؤں میں مقامی جمعیتوں کی تشکیل اور اجرائے مکاتب ومدارس الحاق وتنظیم جمعیۃ کی زیر نگرانی ضلع کے ملحقہ مکاتب کا سنٹروں پر امتحانات معائنہ جات، ضلع میں دعوت وتبلیغ اور ماہانہ تبلیغی اجلاس کا انعقاد، شرک وبدعت، رسم ورواج کی بیخ کنی اور اس کے ساتھ دینی مذہبی اصلاحی لٹریچر، پمفلٹ اور کتابوں کی اشاعت کا کام بھی بحسن خوبی انجام پاتا رہا۔ الحمد للہ ان سرگرمیوں سے پورے ضلع کی جماعت ایک مربوط نظام کے تحت آ گئی ضلعی جمعیت کو ناچیز آگے بڑھانے میں کوشاں رہا اور ریاستی وضلعی کانفرنس سے جمود کو توڑنے کی انتھک جدوجہد کی، ملک کی جماعت کو حرکت وعمل کا پیغام ملا، ضلعی جمعیت کا یہ دور مثالی ثابت ہوا اور اس نے پورے ملک میں حرکت وعمل وبیداری کا صور پھونکا اور ملک کی جماعت کو خواب غفلت سے بیدار کرنے اور جمود وتعطل کو ختم کرنے میں اہم رول ادا کیا، جریدہ ترجمان دہلی ودیگر جماعتی رسائل واخبارات وعلماء کرام کے خطوط شاہد ہیں، اس پندرہ سالہ دور میں اہم تاریخی کارنامے انجام پائے جو تاریخ کی محفوظ امانت ہیں جو آج بھی بطور تحدیث نعمت اکثر لوگ ذکر کرتے ہیں، واضح رہے کہ یہ سارے کام اس وقت انجام پائے جب کہ آج کی بہ نسبت اس وقت مالی وسائل کی فراوانی نہیں تھی آج بھی بحیثیت نائب امیر ضلعی جمعیۃ اہل حدیث بلرام پور جمعیۃ کے عروج وارتقاء کے لئے کوشاں ہوں اللہ تعالیٰ میری کوشش کو قبول فرمائے۔ آمین

تدریسی خدمات:

● ۸۷۔۱۹۸۶ء دوسال درس گاہ معہد الاسلامی اکرہرا سدھارتھ نگر ● ۸۹۔۱۹۸۸ء یعنی دوسال انجمن محمدیہ جرواروڈ تلسی پور ومدرسہ ریاض الاسلام تھانہ روڈ زیر نگرانی ضلعی جمعیۃ میں کئی برسوں تک عربی درجات کی تدریسی فرائض انجام دیتا رہا ●۱۹۹۰ء۔۲۰۱۷ء معہد خدیجۃ الکبریٰ للبنات گینسڑی بازار ضلع بلرامپور میں تدریسی خدمات انجام دے رہا ہوں اس اکتیس سالہ تدریسی خدمات کے دوران تلامذہ وتلمیذات کی تعداد سینکڑوں ہوں گی جو لاتحصی ولاتعد ہے۔

صحافتی خدمات:

اردو زبان میں لکھنے پڑھنے کا شوق عہد طالب علمی ہی سے ہے، عمر کے بڑھنے کے ساتھ یہ شوق بڑھتا ہی رہا کئی سال اخبار اہل حدیث دہلی کی مجلس ادارت سے منسلک تھا اس وقت تصنیف وتالیف تخریج وتحقیق، درس وتدریس، دعوت وتبلیغ کے علاوہ ملک کے مشہور اخبار، جرائد ورسائل میں دینی سماجی اصلاحی تاریخی تحقیقی سیاسی حالات حاضرہ پر مضامین لکھتا رہتا ہوں اب تک سینکڑوں مضامین لکھ چکا ہوں۔

تصنیفی خدمات:

اصحاب دین ودانش کے مشورہ پر مجلس التحقیق الاسلامی کے نام پر مجلس کا قیام ۱۹۹۱ء میں عمل میں آیا، مجلس کے مقاصد میں یہ عظیم مقصد بھی ہے کہ عام مسلمانوں کے سامنے عصر حاضر کے اہم مسائل پر نئی نئی جامع مفید لٹریچر اور کتابوں کے علاوہ اسلاف کرام کی نادر ونایاب کتابوں کی بھی اشاعت کر کے مفت تقسیم کی جائے، اللہ کا شکر ہے کہ اس مختصر مدت میں ضخیم وغیر ضخیم کتابیں اردو، ہندی زبان میں شائع کرا کے پچاسی ہزار نسخے مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں اور یہ مفید سلسلہ تاہنوز جاری ہے، اللہ تعالیٰ کی توفیق اور معاونین کرام کی توجہ سے ناچیز کی درج ذیل کتب کے کئی کئی ایڈیشن منظر عام پر آ چکے ہیں۔

(۱) اسلامی آداب معاشرت: اول، دوم، سوم، از عبدالرؤف خاں ندوی، طبع اول دو ہزار، طبع دوم دو ہزار، طبع سوم دو ہزار، طبع چہارم دو ہزار، تینوں حصے کے کل صفحات ۵۴۴ ہیں۔

(۲) خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب وسنت: از عبدالرؤف خاں ندوی۔ طبع اول دو ہزار، طبع دوم دو ہزار، طبع سوم گیارہ سو عدد کل صفحات ۴۶۲ ہیں۔

(۳) عورت اسلام کے سائے میں: از عبدالرؤف خاں ندوی: طبع اول دو ہزار، طبع دوم دو ہزار، طبع سوم گیارہ سو، طبع چہارم گیارہ سو عدد کل صفحات ۲۲۰ ہیں۔

(۴) نقوش وتاثرات: از عبدالرؤف خاں ندوی، مرتب محمد ظفر عبدالرؤف محمدی۔ طبع اول گیارہ سو، طبع دوم ایک ہزار کل صفحات ۲۴۵ ہیں۔

(۵) کتاب الدعاء: از عبدالرؤف خاں ندوی۔ طبع اول دو ہزار، طبع دوم گیارہ سو، طبع سوم ایک ہزار، طبع چہارم ایک ہزار صفحات ۱۸۴ ہیں۔

(۶) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز: از عبدالرؤف خان ندوی: طبع اول دو ہزار، طبع ثانی گیارہ سو۔ کل صفحات ۳۷۶ ہیں۔

(۷) کاروانِ سلف حصہ اول: از عبدالرؤف خاں ندوی طبع اول گیارہ سو، صفحات ۴۰۰ ہیں۔

(۸) کاروانِ سلف حصہ دوم: از عبدالرؤف خان ندوی۔ زیر طبع

اس کے علاوہ مجلس نے دوسرے مشہور نامور اہل علم واہل قلم کی کتابوں کی اشاعت اردو ہندی زبان میں ہزاروں کی تعداد میں ملک وبیرون ملک مفت تقسیم کر چکی ہے جو درج ذیل ہیں۔

(۹) ہندوستان میں اشاعت اسلام: از قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ۔ طبع اول اردو ہندی ایڈیشن دو ہزار۔

(۱۰) خصوصیات اسلام: از قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ۔ طبع اول اردو ہندی ایڈیشن دو ہزار۔

(۱۱) اسلام کا نظام زکوٰۃ: از امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ۔ طبع اول دو ہزار۔

(۱۲) اسلام اور چھوت چھات: از قاضی عابد علی بلہوری رحمہ اللہ۔ طبع اول اردو ہندی ایڈیشن دو ہزار۔

(۱۳) ضعیف اور موضوع روایات: از مولانا عبدالسلام رحمانی حفظہ اللہ۔ طبع اول ایک ہزار، طبع دوم ایک ہزار۔

(۱۴) آئینہ حج: از مولانا شمیم احمد سلفی قطر حفظہ اللہ۔ طبع اول دو ہزار، طبع دوم دو ہزار، طبع سوم ایک ہزار، طبع چہارم ایک ہزار، طبع پنجم ایک ہزار۔

(۱۵) نماز کے موضوع پر تین اہم مسائل: از مفتی اعظم علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ: مترجم مولانا زبیر احمد صاحب مدنی، حفظہ اللہ۔ طبع اول دو ہزار، طبع دوم دو ہزار، طبع سوم ایک ہزار۔

(۱۶) ہم نماز کیوں پڑھیں؟ از مولانا شمیم احمد سلفی قطر حفظہ اللہ۔ طبع اول اردو ہندی دو ہزار، طبع دوم دو ہزار، طبع سوم دو ہزار، طبع چہارم ایک ہزار۔

(۱۷) حقوق الزوجین: از مولانا شکر اللہ فیضی سلمہ اللہ۔ طبع اول دو ہزار۔

(۱۸) تقویٰ: از مولانا زبیر احمد مدنی حفظہ اللہ۔ طبع اول گیارہ سو۔

(۱۹) آہنگ قدسی: ماسٹر عبدالستار قدسی کواپوری رحمہ اللہ۔ طبع اول ایک ہزار۔

(۲۰) معاشرہ کی تباہ کاریاں: از مولانا منصور احمد مدنی۔ طبع اول دو ہزار۔

یہ اللہ کی توفیق ہے کہ تن تنہا ناسازی طبع کے باوجود مجلس کی طرف سے تقریباً پچاسی ہزار نسخے ملک کے گوشہ گوشہ میں مفت تقسیم کیا گیا ہے اور الحمدللہ یہ مفید سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ حالات نے رفاقت کی اور صحت نے ساتھ دیا تو ہمارا قلم اسلام کی اشاعت اور شرک وبدعت، خرافات ومنکرات کے رد میں چلتا رہے گا۔ انشاء اللہ۔

قارئین کرام سے صحت کے لئے خصوصی دعا کی درخواست ہے عوارض بڑھتے چلے جارہے ہیں اللہ کرے ذہن وقلم کی شادابیاں قائم رہیں۔ تاکہ اللہ کے پاس جائیں تو کچھ آثار قلم کی متاع حقیر تو لیتے چلیں۔

اپنی تحریر میں منہج سلف سامنے رکھتا ہوں، میری کوشش ہوتی ہے کہ قرآن وسنت سے ثابت ہو، شرکت وبدعت سے اجتناب، توحید اور اتباع سنت کا اہتمام ہو، معاملات کی درستگی ہو، اسلامی معاشرہ کے مطابق سماج پاک وصاف ہو، رسم ورواج خرافات ومنکرات کی بیخ کنی ہو، اسلام کی بنیاد جن چیزوں پر قائم ہے اس پر پوری طرح عمل ہو، یہی راہ نجات ہے۔ اب عمر کے آخری مرحلہ میں ہوں، بیماری نے کمر توڑ دی ہے صبر وقناعت کا پیکر ہوں اور سادہ زندگی گزارنے کے خوگر بھی۔ کلمۂ حق کہنے کی عادت ہے جس میں حق میرا حلیف ہوتا ہے، جس بات کو حق سمجھتا ہوں اس کا برملا اعلان بھی کر دیتا ہوں کوئی خوش ہو یا ناخوش فقیر کا کام صدا لگانا ہے کبھی مخالف کی قوت دار وگیر سے ذرا بھی خائف نہیں ہوتا ہوں اور نہ کبھی کسی سرمایہ دار کے جیب پر بوجھ بننا پسند کرتا ہوں۔ بقول مجاز اعظمی رحمہ اللہ۔

سوداگری ضمیر کی ہم کو نہیں قبول
ہم سر جھکا کے کیوں اہل کرم سے ملا کریں

اولاد: اللہ تعالیٰ نے ناچیز کو تین لڑکے اور پانچ لڑکیوں سے نوازا ہے ماشاء اللہ سب تعلیم یافتہ اور اسلامیات کے پابند ہیں۔

(۱) محمد ظفر محمدی جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں سے عالمیت وفضیلت کی تکمیل کے بعد صوبہ مہاراشٹر ممبئی سے ہائی اسکول اور انٹر

میڈیٹ کے ساتھ ساتھ علی گڑھ سے ادیب، ادیب ماہر، کامل، اور معلم کا امتحان بھی ممتاز نمبرات سے پاس کر چکے ہیں عزیزی محمد ظفر محمدی کی شادی خانہ آبادی ہمراہ عزیزہ شبنم بنت حاجی انیس احمد سمرا سے ہوئی ہے، ماشاء اللہ فی الحال دو بچے ہیں جن کا نام بالترتیب احسن ظفر اور ارقم ظفر ہے عزیزی محمد ظفر محمدی کی اہلیہ شبنم خانم ماشاء اللہ عالمہ فاضلہ ہیں۔

(۲) محمد اقبال دوسرے صاحبزادہ ہیں ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ اتر پردیش بورڈ سے پاس کر چکے ہیں اسکے علاوہ علی گڑھ سے ادیب، ادیب ماہر، کامل اور ہندی ساہتیہ الہ آباد سے سند فراغت حاصل کر چکے ہیں عزیزی کی شادی ہمراہ آمنہ خاتون بنت عبدالحق خاں ساکن کمہریا (اٹوابازار) سے ہوئی ہے محمد اقبال کی اہلیہ بھی ماشاء اللہ عالمہ فاضلہ ہیں۔

(۳) محمد سلمان تیسرے صاحبزادہ ہیں ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کر چکے ہیں فی الحال جامعہ اسلامیہ لیبیا کی یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں۔

بڑی لڑکی سلمٰی خانم کی شادی ہمراہ مولانا شفاعت اللہ ندوی سے ہوئی ہے، دوسری لڑکی کوثر جہاں تسنیم کی شادی ہمراہ مولانا زبیر احمد مدنی سے ہوئی ہے۔ تیسری لڑکی بشریٰ خانم کی شادی ہمراہ مولانا عبدالمبین اثری سے ہوئی ہے۔ چوتھی لڑکی صدیقہ خانم کی شادی ہمراہ مولانا خالد سنابلی سے ہوئی ہے۔ پانچویں لڑکی فاطمہ خانم کی شادی مولانا جلال الدین محمدی ایڈیٹر ''عالمی خبریں'' ممبئی سے ہوئی ہے۔ ماشاء اللہ پانچوں داماد عالم دین ہیں، جہاں بھی ہیں اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف عمل ہیں اللہ تعالیٰ ان سبھوں کو ہمیشہ شاد آباد رکھے۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ میری دینی خدمات کو قبول فرمائے، عفو درگذر کا معاملہ فرمائے اور خاتمہ بالخیر ہو۔

یا خدا جسم میں جب تک کہ میری جان رہے
تجھ پہ صدقے تیرے محبوب پہ قربان رہے
کچھ رہے یا نہ رہے پر یہ دعا ہے کہ امیر
نزع کے وقت سلامت مرا ایمان رہے

والسلام

عبدالرؤف خان ندوی

تلسی پوری۔ بلرامپور، یوپی۔ ۳؍مارچ ۲۰۱۳ء

(کاروان سلف جلد اول از مولانا عبدالرؤف ندوی: ص ۴۰۳۔ ۴۱۲)

❑❑❑

مشہور قلمکار اور ادیب

مولانا ابوالعاص وحیدی حفظہ اللہ

استاذ صفا شریعت کالج ڈومریا گنج سدھارتھ نگر، یوپی

مختصر حالات زندگی

پیدائش: ۱۰؍جنوری ۱۹۹۵ء

قوموں اور ملتوں کے لئے رجال وشخصیات کے تراجم وسوانح کی بڑی اہمیت ہے اس لئے کہ ان کے حالات وواقعات میں عبرت ونصیحت کا سامان ہوتا ہے، سوانح نگاری کے دو طریقے ہیں: اول یہ کہ مختلف شخصیات پر دوسرے لوگ مختصر ومطول کتابیں لکھیں جیسا کہ محدثین عظام اور علماء کرام نے رواۃ ورجال کے حالات وسوانح پر بے شمار کتابوں کا ذخیرہ چھوڑا ہے: دوم یہ کہ اصحاب سوانح خود اپنے حالات زندگی کا تذکرہ کریں، عربی واردو اور دوسری زبانوں میں خودنوشت سوانح نگاری کا سلسلہ بھی جاری وساری ہے، جماعت کے بعض اکابر واصاغر کے اصرار پر راقم الحروف کی یہ تحریر بھی اسی زریں سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں بہت اختصار کے ساتھ زندگی کے حالات اور اس کے نشیب وفراز پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے، اللہ تعالی اس تحریر کو علماء وطلبہ کیلئے باعث عبرت ونصیحت بنائے (آمین)

خاندانی پس منظر:

میرا گاؤں اھراڈیہہ تحصیل ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر، یوپی میں مشہور تاریخی قصبہ قاضی بیارا کے شمال میں تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے، گاؤں کے بعض بزرگوں سے مجھے معلوم ہوا کہ گاؤں میں جو خان یا چودھری برادری کے لوگ ہیں جیسے میرا خاندان اور مولانا حمید اللہ فیضی (مقیم حال ممبئی) وغیرہ کا خاندان، ان کے آباء واجداد عہد مغلیہ میں انیسوی صدی کے اواخر میں فیض آباد کے علاقہ سے ھجرت کرکے ادھراڈیہہ میں آباد ہوگئے جو کنوانوں ندی کے قریب واقع ہے۔

میرے دادا جان محمد زیادہ تعلیم یافتہ نہیں تھے اردو حساب، ابتدائی دینیات اور قرآن ناظرہ تک تعلیم محدود تھی، صلاۃ وصوم کے پابند تھے اور دینی وسیاسی شعور رکھتے تھے، اس وقت علاقہ میں بیارا قاضی کانگریسی ومسلم لیگی سیاست کا مرکز تھا، میرے دادا کانگریسی تھے، اور قاضی عدیل عباسی وغیرہ کے پرجوش حامیوں میں سے تھے۔

میرے والد محترم مولانا نازین اللہ ضیغم (متوفی ۱۹۷۸ء) نے پرائمری سے میڈل تک کی تعلیم سرکاری اسکول میں حاصل کی، گھر پر دینیات، اردو اور قرآن ناظرہ کی تحصیل کی، اس کے بعد جامعہ سراج العلوم کنڈو بونڈہار، بلرام پور، یوپی میں درجہ ادنی سے عربی سوم تک تعلیم حاصل کی، گھریلو حالات کی وجہ سے تعلیم کی تکمیل نہ ہوسکی، مگر فارسی واردو ادب کا اچھا ذوق تھا، اسلامی وملکی تاریخ پر گہری نظر

تھی، قرآن مجید سمجھ کر پڑھتے تھے، قرآن ہی کی روشنی میں خطبہء جمعہ دیتے تھے، شعروسخن سے دل چسپی کے ساتھ شاعری کا ذوق بھی تھا، مجھے کبھی کبھی منظوم خط بھی لکھتے، ان کی بعض نظمیں میرے پاس محفوظ ہیں، اسی طرح والد صاحب کی کتابوں میں پیامؔ مشرق ،کلیاتؔ اقبال، کلیاتؔ اکبر، اور کلیاتؔ فانی، وغیرہ میری لائبریری میں موجود ہیں۔ والد صاحب بڑے جری اور بیباک تھے۔ داعیانہ ومصلحانہ جذبہ رکھتے تھے، اور صلوات خمسہ کے پابند ہونے کے ساتھ زاہد شب زندہ دار بھی تھے، مجھے صلاۃ تہجد کی ترغیب دیتے ہوئے اکثر علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

میرا ننہیال کسمھی تحصیل ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر، یوپی میں ہے، جو ٹکریا کے پورب واقع ہے میری والدہ فاطمہ رحمہا اللہ (متوفی ۱۹۹۲ء) نے مدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا میں درجہ ششم تک تعلیم حاصل کی ہے۔ ناظرہ قرآن، دینیات اور اردو وغیرہ کے ساتھ فارسی زبان سے بھی ابتدائی واقفیت رکھتی تھیں، قرآن کی تلاوت مع ترجمہ کرتی تھیں، دینی کتابوں کا مطالعہ کرتی رہتی تھیں، مسائل پوچھتی رہتی تھیں، خاندان کی عورتوں کو وہ نماز کی تلقین وتاکید کرتی رہتی تھیں، اسی طرح ازدواجی زندگی کے ابتدائی مرحلہ میں وہ والد صاحب کی اجازت سے گاوں کے بعض بچوں وبچیوں کو قرآن ناظرہ وغیرہ کی تعلیم مفت میں دیتی تھیں۔

میرے والدین کی ایک مشترکہ خصوصیت یہ تھی کہ وہ عقیدۂ توحید میں بہت پختہ تھے، ان کی زندگی کے ایسے متعدد واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسے تمام امور سے مکمل اجتناب کرتے تھے جو مزاج توحید کے منافی ہوتے، اسی طرح دینی تربیت کے معاملہ میں بھی وہ بڑے سخت تھے۔ نماز اور صحیح اخلاق ومعاملات کے بارے میں اپنی اولاد کو بھی تاکید کرتے رہتے اور گاؤں کے مردوں وعورتوں کو بھی بڑی دردمندی سے سمجھاتے رہتے تھے، کافی حد تک جس کے اچھے اثرات ظاہر ہوئے، جس کا احساس ابتک لوگوں کو ہے سقی اللہ ثراھما وجعل الجنۃ مثواھما (آمین)

اس مختصر خاندانی پس منظر اور گھر کے علمی ودینی احوال کے تذکرہ کے بعد اب پیدائش سے تادم تحریر راقم الحروف کی زندگی کے حالات ملاحظہ ہوں!

نام: ابوالعاص **شعری تخلص:** شائق بستوی **انشائی نام:** ابن ضیغم اور استاذ گرامی مولانا وحید الزماں کیرانوی مؤلف القاموس الجدید کی طرف اکتسابی نسبت کرتے ہوئے وحیدی لکھتا ہوں

سلسلۂ نسب اس طرح ہے: ابوالعاص بن زین اللہ بن جان محمد بن مولی خاں

تاریخ پیدائش: علمی اسناد کے اعتبار سے ۱۰/ جنوری ۱۹۵۱ء، مگر صحیح سال پیدائش ۱۹۵۲ء ہے۔

پیدائش ونشوونما: اھراڈیہہ، پوسٹ پریلانرھریا، سدھارتھ نگر، یوپی میں ہوئی، جہاں مکان اور کھیتی باڑی ہے مگر ۲۰۱۶ء میں ڈومریا گنج میں سکونت اختیار کرلی ہے، اس لئے اب مستقل پتہ یہ ہے صفاروڈ بیدولہ گڈھ، ڈومریا گنج، ضلع سدھارتھ نگر یوپی ۲۷۲۱۸۹

رابطہ نمبر: (۹۵۵۴۴۲۷۰۸۳)(۹۴۵۱۸۵۲۱۱۰)وہاٹس ایپ (۷۹۰۵۸۱۳۰۳۷)

فیملی کے افراد: ہمارے والدین فوت ہو چکے ہیں، ہم دس بھائی بہن تھے، آٹھ بچپن ہی میں وفات پا چکے ہیں، اب صرف ہم دو بھائی بقید حیات ہیں، راقم الحروف (ابوالعاص وحیدی) اور برادر عزیز حافظ ابوالقاسم سراجی ندوی، میری اہلیہ صوفیہ خاتون کے علاوہ میری فیملی میں چار لڑکے اور ایک لڑکی ہے، جن کے نام عمر کے اعتبار سے بالترتیب یہ ہیں منظور الحق جلال (۳۵) ظفر الاسلام نجیب (۳۰) عبدالغافر جاوید (۲۵) صبیحہ تبسم (۲۲) مظفر نفیس (۱۸) اول الذکر تینوں لڑکے دین وعصری تعلیم سے آراستہ ہیں اور دلی میں برسر روزگار ہیں، صبیحہ عالمہ وفاضلہ ہے جو کلیۃ الطیبات ڈومریا گنج میں تدریس کے فرائض انجام دے رہی ہے، اور مظفر انٹر کر چکا ہے، دلی میں اپنے بھائیوں کے ساتھ رہ کر انجینئرنگ کی تیاری کر رہا ہے۔ بحمد اللہ فیملی کے سارے افراد دین دار اور پابند صلاۃ وصوم ہیں۔

حافظ ابوالقاسم نے بھی ڈومریا گنج کو اپنا مسکن بنالیا ہے۔ اس وقت وہ کئی سال سے کویت محفظ قرآن کی حیثیت سے تعلیمی ودعوتی کام انجام دے رہا ہے، اس کے اہل خانہ میں اہلیہ شمیمہ خاتون کے علاوہ تین لڑکے ہیں، محمد عاصم (عمر ۱۸) محمد سالم (عمر ۱۵) اور احمد عصام (عمر ۱۱) یہ تینوں عصری تعلیم سے وابستہ ہیں اور ماشاء اللہ دین دار ہیں۔

حصول تعلیم کے مراحل: میری تعلیمی زندگی کے متعدد مراحل ہیں جیسے ابتدائیہ، اعدادیہ، ثانویہ، عالمیت، فضیلت اور تخصص فی الادب العربی، ان تعلیمی مراحل کا تعلق کن اداروں سے ہے، کس ادارہ میں کب سے کب تک رہا ہوں؟ سن وار اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ **ابتدائیہ:** اس کا آغاز درجہ طفلاں سے ہوتا ہے، میرا یہ مرحلہء اطفال والدہ کے زیر سایہ گھر پر گزرا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں جب میری عمر چار سال کی ہوئی تو والدہ نے مجھے حروف شناسی اردو وعربی قاعدہ اور گنتی کی تعلیم دی، اس کے بعد ۱۹۵۷ء میں والد صاحب نے سرکاری پرائمری اسکول مجھاری میں میرا داخلہ کرادیا جہاں نصف درجہ پنجم تک میری تعلیم ۱۹۶۱ء تک تقریبا پانچ سال ہوئی، اس اسکول میں ہم چار مسلم طلبہ سارے مضامین ادب، کرشی اور حساب وغیرہ اردو زبان میں پڑھتے تھے اس مرحلہ کے اساتذہ میں ماسٹر سیف اللہ صاحب ماسٹر چندر بھان صاحب اور ماسٹر کنج بہاری صاحب تھے۔

اعدادیہ اول: جسے درجۂ فارسی کہا جاتا ہے، اس وقت درجہ فارسی دو سال کا ہوتا تھا، میں درجہ پنجم میں تھا کہ والد صاحب نے سرکاری اسکول کے نصاب تعلیم کے بعض غیر اسلامی یعنی ہندوانہ مضامین کو دیکھا تو اس اسکول سے نکال لیا اور فارسی پڑھنے کے لئے کہا، چنانچہ ۱۹۶۱ء کے نصف آخر میں میں نے گاؤں کے مدرسہ میں مولانا ہدایت اللہ ریاضی سے فارسی کی پہلی اور تیسیر المبتدی کے بعض حصے پڑھے پھر ۱۹۶۲ء میں مجھے اپنے ساتھ کدر بٹوا نیپال لے گئے جہاں ان دنوں وہ پڑھاتے تھے۔ ایک سال تک والد صاحب سے فارسی پڑھی، انہیں ایام میں مولانا شمیم احمد ندوی ناظم جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر اور ڈاکٹر منظور احمد علیگ میرے ساتھی تھے اس دور کے تعلق سے بچپن کے بعض دلچسپ واقعات ہیں جن کا تذکرہ مولانا شمیم احمد ندوی نے کدر بٹوا کے نظام تعلیم کے ضمن میں ''سرگزشت جامعہ ج ۲'' (تاریخ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر) میں از ص ۴۹۳ تا ۴۹۵ میں کیا ہے، جنہیں پڑھ کر بچپن کی شوخیاں سامنے آجاتی ہیں والد صاحب سے مبادیات فارسی (آمدنامہ و فارسی کی دوسری وغیرہ) کی تکمیل کے بعد مجھے جامعہ سراج العلوم

کنڈو بونڈ ہار میں داخلہ لینا تھا اس لئے ماہ رمضان میں گاؤں پر مولانا حمید اللہ فیضی سے گلستاں کا تھوڑا حصہ پڑھا تا کہ داخلہ میں کوئی پریشانی نہ ہو۔

تکمیل اعدادیہ وثانویہ: جامعہ سراج العلوم بونڈ ہار میں از ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۸ء تقریباً چھ سال، دو سال اعدادیہ اور چار سال ثانویہ عربی چہارم تک، جامعہ کے مختلف درجات میں درج ذیل کتابیں پڑھیں، گلستاں، بوستاں، یوسف وزلیخا، میزان ومنشعب، پنج گنج، علم الصیغہ، فصول اکبری (مذکورہ کتابیں فارسی میں) ترجمہ قرآن، ہدایت النحو، معلم الانشاء اول ودوم، النحوالواضح اول ودوم، القراءۃ الرشیدہ اول ودوم، دروس التاریخ الاسلامی اول ودوم، اردو منطق، مرقات، شرح تہذیب، شرح الوقایہ، بلوغ المرام، مشکاۃ المصابیح ج ا، اور المجتبیٰ۔ جامعہ میں میرے اساتذہ یہ تھے مولانا محمد اقبال رحمانی، مولانا ابوالعرفان محمد عمر سلفی، مولانا عزیز احمد ندوی، مولانا عابد حسن رحمانی، مولانا صغیر احمد اصلاحی، مولانا محمد شفیق فیضی، اور ماسٹر ابوالکلام صاحب تمام اساتذہ میرے ساتھ بے انتہا شفقت ومحبت کرتے تھے، میں بھی اساتذہ کا بڑا احترام کرتا تھا اور ان کی خدمت کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

اللہ تعالی کے فضل وکرم سے میں عام طور پر اپنے درجہ میں اول آتا، جامعہ میں ممتاز رہتا تھا، عربی چہارم میں مجھے انجمن اصلاح الکلام کا ناظم بنادیا گیا تھا، اس وقت ناظم انجمن کی ذمہ داری یہ رہتی تھی کہ تمام طلبہ کیلئے حسب صلاحیت مختلف مجلات وجرائد سے موضوعات منتخب کرے پھر صدر انجمن کو دکھا کر طلبا کے حوالہ کرے، یہ کام بڑا مشکل لگتا تھا، مگر اس سے مجھے بڑا علمی اور ادبی فائدہ حاصل ہوتا تھا۔

عالمیت اول مظاہر علوم سہارنپور میں ایک سال ۱۹۶۹ء میں، جب میں جامعہ سراج العلوم بونڈ ہار میں عربی چہارم میں تھا اس وقت جامعہ سلفیہ بنارس کافی مشہور ہو چکا تھا میرے اساتذہ چاہ رہے تھے کہ میں عربی چہارم کے بعد جامعہ سلفیہ میں داخلہ لوں مگر میں نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لینے کا موڈ بنالیا تھا، لیکن وہاں عالمیت اول میں داخلہ کیلئے شرح جامی، (شرح کافیہ) کا امتحان دینا ضروری تھا، اس لئے مدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا سے میں نے شرح جامی حاصل کی، جس کا کچھ ابتدائی حصہ میں نے ماہ رمضان میں گاؤں میں مولانا عباد اللہ قاسمی سے پڑھا، اور ماہ شوال میں دارالعلوم کیلئے عازم سفر ہوا، بعض ساتھیوں کے مشورہ سے طے ہوا کہ پہلے احتیاطی طور پر جامعہ مظاہر علوم میں داخلہ لیا جائے اس کے بعد دارالعلوم دیوبند چلا جائے، چنانچہ مظاہر علوم میں شرح جامی وغیرہ کا امتحان ہوا مطلوبہ جماعت (عالمیت اول) میں داخلہ ہوگیا پھر ہم لوگ دارالعلوم دیوبند گئے، دفتر اہتمام کے سامنے اعلان دیکھا کہ داخلہ بند ہوگیا ہے، امیدوار طلبہ واپس جائیں، آخر کار ہم لوگ مظاہر العلوم سہارنپور واپس آگئے، اس طرح ۱۹۶۹ء ایک سال وہاں تحصیل علم کا موقع مل گیا، اللہ تعالی جو کرتا ہے اچھا کرتا ہے، دراصل اس وقت مظاہر علوم میں عالمیت تک کی تعلیم دارالعلوم دیوبند سے اچھی ہوتی تھی۔ جس کا اندازہ بعد میں مجھے خود ہوا واللہ من وراء ہ القصد وبیدہ التوفیق مظاہر العلوم سہارنپور میں بڑے منجھے ہوئے پختہ کار اور باکمال اساتذہ تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے، میں نے ایک سال کی مدت میں یہ کتابیں پڑھی تھیں: تفسیر قرآن (از سورۃ فاتحہ تا ختم آل عمران) الھدایہ اول ودوم، مختصر المعانی، نورالانوار اور سلم العلوم، وہاں مجھے جن اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا ہے وہ یہ

ہیں مولانا محمد اللہ مظاہری، مولانا عبدالقیوم رائے پوری اور مولانا محمد یسٰین مظاہری۔

یہاں یہ بات انتہائی قابل ذکر ہے کہ جب میں نے جامعہ سلفیہ بنارس سے صرف نظر کرتے ہوئے حنفی ادارہ میں داخلہ لیا تو میرے اساتذہ جامعہ سراج العلوم بونڈہار کو بڑی فکر تھی کی ایسا نہ ہو کہ میرا سلفی مزاج فقہ حنفی کے سانچہ میں ڈھل جائے، چنانچہ مولانا اقبال احمد رحمانی اور مولانا محمد عمر سلفی خطوط کے ذریعہ اس سلسلہ میں مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہتے تھے، میں خود اپنے ساتھ مسلک اھل حدیث کے موضوع پر علماء اھل حدیث کی بعض کتابیں رکھتا تھا، خاص طور پر مولانا عبدالمبین منظر کی ایک اہم تصنیف ''سبیل الرشاد'' میرے پاس رہتی تھی۔ مختلف فیہ فقہی مسائل کے تعلق سے میں اس کا مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ احادیث کے بارے میں علمائے احناف کی بے جا تاویلات کی یلغار سے میرا ذھن بالکل محفوظ رہا، مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند کی زندگی میں میرے سلفی مزاج میں بڑی پختگی آگئی، سچ ہے **الاشیاء تتبین باضدادھا**، اس طرح ''سبیل الرشاد'' میری محسن کتابوں میں ایک اہم کتاب ہے، میرے یہ تاثرات بعنوان ''ایک محسن کتاب'' اس کے جدید ایڈیشن میں شامل ہیں جسے منظر اکیڈمی سمرا نے شائع کیا ہے۔

مظاہر علوم سہارنپور کے دور طالب علمی میں میرے ایک ہم سبق ساتھی عبدالحق پرنوی تھے انہوں نے مجھے ''کتاب الرد علی ابی حنیفہ'' دی جو عظیم محدث امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ (۱۵۹ھ ۲۳۵ھ) کی تصنیف ہے اس کتاب کے مطالعہ نے بھی میری سلفیت میں جلا بخشی اور منہج اھل حدیث کی صحت واعتبار کو مستحکم کر دیا۔

تکمیل عالمیت وفضیلت: دارالعلوم دیوبند میں از ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۲ء۔ اس تین سالہ مدت میں عالمیت دوم اور فضیلت اول و دوم کا کورس مکمل کیا۔ اس مدت میں جو مضامین اور کتابیں زیر درس تھیں بالترتیب ان کا ذکر کیا جارہا ہے۔ تفسیر جلالین (مکمل) مشکوۃ (مکمل) شرح عقائد نسفی، میبذی شرح ھدایۃ الحکمۃ، مسلم الثبوت، ملاحسن، علوم جدید، ضیاء القراءۃ، الھدایۃ جلد سوم و چہارم، تفسیر بیضاوی (الفاتحۃ والبقرۃ مکمل) حجۃ اللہ البالغہ ج ۲، کتب ستہ (بخاری، مسلم ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) موطا امام مالک، موطا امام احمد، معانی الآثار للطحاوی وغیرہ، کتب ستہ میں اول الذکر چار کتابیں مکمل پڑھائی گئی تھیں، ان کے علاوہ کتب حدیث کے منتخب ابواب پڑھائے گئے دارالعلوم دیوبند کی زندگی میں ابن تیمیہ، ابن قیم، نواب صدیق حسن خاں کی بعض کتابیں بھی زیر مطالعہ رہتی تھیں، اسی طرح مرعاۃ المفاتیح، تحفۃ الاحوذی اور عون المعبود بھی پڑھتا رہتا تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں عام طور پر اساتذہ کے ذمہ کم از کم دو کتابیں یا زیادہ سے زیادہ چار کتابیں رہتی تھیں اور جو اساتذہ جن فنون میں ماہر ہوتے تھے وہی فنون دوام وتسلسل کے ساتھ پڑھاتے تھے، بنابریں جو اساتذہ ہمیں درس دیتے تھے ان میں اکثر اپنے فن میں بڑے ماہر ومتبحر تھے، بلکہ بعض اساتذہ زیر تدریس کتابوں کے شارح بھی تھے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں، مولانا فخر الدین مرادآبادی (شیخ الحدیث) صاحب ایضاح البخاری، مولانا قاری محمد طیب قاسمی (ماہر اسرار الشریعۃ) مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی، مولانا فخر الحسن دیوبندی (شیخ التفسیر) صاحب التقریر الحاوی شرح البیضاوی، مولانا محمد نعیم دیوبندی (صاحب کمالین) مولانا محمد حسین بہاری (شیخ الفقہ) مولانا محمد شریف دیوبندی، مولانا محمد سالم صاحب قاسمی، مولانا انظر کشمیری، قاری حامد میاں دیوبندی، اور پروفیسر عزیز الدین ریٹائرڈ جامعہ ملیہ اسلامیہ دھلی۔

تکمیل ادب (تخصص فی الادب العربی) دارالعلوم دیوبند میں ایک سال ۱۹۷۳ء: دارالعلوم دیوبند میں فضیلت کے بعد بنام تکمیل (تخصص) مختلف کلیات تھے، جیسے تکمیل تفسیر، تکمیل ادب، تکمیل معقولات، تکمیل تجوید، تکمیل خوشخطی، اور تکمیل صنائع وغیرہ۔

راقم الحروف نے اپنے ادبی ذوق کے مطابق تکمیل ادب میں داخلہ لیا جو یک سالہ کورس تھا، اس شعبہ میں ہم ۴۵ طلبہ ہم سبق ساتھی تھے، اس وقت وہ شعبہ مکمل طور پر مولانا وحید الزماں کیرانوی کے ذمہ تھا، وہ اکیلے اس شعبہ کے معلم ومربی تھے، میں نے تکمیل ادب میں مندرجہ ذیل مضامین اور کتابیں پڑھیں، نثر قدیم میں مقامات حریری (بیس مقالے) نثر جدید میں عربی اخبارات کے تراشے اور ''المجتمع'' ''البلاغ'' اور ''الوعی الاسلامی'' وغیرہ مجلات کے منتخبات، شعر، قدیم میں ''المعلقات السبع'' (سات معلقات) اور ''دیوان الحماسہ'' (باب الحماسہ وباب الادب) شعر جدید میں احمد شوقی، وغیرہ مصری شعراء کے منتخب قصائد، انشاء، ومضمون نگاری میں ''اسالیب الانشاء'' (مصری کتاب) آداب خط واملا میں ''نتیجۃ الاملاء والترقیم'' اور ''تاریخ الادب العربی'' احمد حسن زیات۔ تکمیل ادب کے سارے دروس عربی میں ہوتے تھے، مولانا کیرانوی نثر وشعر کے حل لغات اور ان کی تشریح عربی میں کرتے، پھر طلبہ سے اردو میں ترجمہ کرواتے، دوران درس ہم لوگ عربی میں سوال کرتے، مولانا عربی میں جواب دیتے، اسی طرح مولانا کے حکم وتاکید بموجب ہم لوگ کتابوں کا مراجعہ وتکرار عربی میں کرتے اور ان کی ہدایت کے مطابق طلبہ تکمیل ادب درسگاہ سے باہر ہاسٹل وغیرہ میں عربی میں بات چیت کرتے، دلچسپ بات یہ ہے کہ طلبہ تکمیل ادب کی والی بال کی ٹیم تھی مولانا نے ہم لوگوں کو پابند کیا تھا کہ عربی میں کھیلیں چنانچہ ان کی رہنمائی میں میں نے والی بال کی تمام اصطلاحات کو ایک مصری کتاب ''الالعاب الریاضیۃ'' کی مدد سے عربی میں لکھا پھر ہم لوگ عربی ہی میں کھیلتے تھے دوسرے طلبہ خوش گوار حیرت میں ڈوبے ہوئے تماشائی کی حیثیت سے فیلڈ کے اردگرد جمع ہوجاتے اس تکمیل ادب کا وہ سال دارالعلوم دیوبند میں ایسا گزرا ہے کہ ۷۵ فیصد ہم لوگ عربی میں ہی بولتے تھے۔

جریدۂ الکفاح کی مجلس ادارت میں: ۱۹۷۴ء میں ایک سال: میں جب تخصص فی الادب میں تھا تو مولانا وحید الزماں نے جمعیۃ العلماء کے ذریعہ حکومتی سطح پر الجامع الازہر مصر میں میرا داخلہ منظور کرادیا، میں پاسپورٹ کی تیاری میں لگ گیا کہ انہیں دنوں عرب واسرائیل کی جنگ ہوگئی، شیخ الازہر کا خط آگیا کہ صورت حال کے پیش نظر اب آئندہ سال داخلہ ہوگا، اسی موقع کی بات ہے کہ جمعیۃ العلماء کے زیر اہتمام مولانا کیرانوی کی ادارت میں عربی پندرہ روزہ جریدہ ''الکفاح'' نکلنا شروع ہوا جس کی سب آفس مسلم فنڈ دیوبند میں تھی، مولانا نے مجھ سے کہا کہ گھر کیا جاؤ گے جامعہ ازہر جانے تک ''جریدۃ الکفاح'' کی مجلس ادارت سے وابستہ ہوجاؤ الامر فوق الادب کے تحت میں راضی ہوگیا، جریدۃ الکفاح میں معمولی مشاہرہ پر کام کرنے لگا، میرے ذمہ عربی واردو اخبارات کی روشنی میں اہم ملکی وعالمی خبروں کی ترتیب بعض مضامین اور ''مصطلحات ہذا العدد'' کی تحریر اور پروف ریڈنگ تھی اختتام سال پر میں گھر آیا تو دیکھا کہ والد صاحب دوسری بار اختلاج قلب کا شکار ہوگئے ہیں، ملازمت چھوڑ کر گھر ہی پر رہنے لگے ہیں، جامعہ ازہر میں اتنا اسکالر شپ نہیں ملتا ہے کہ کوئی طالب علم اپنے گھر روپے بھیج سکے، ایسی صورت حال میں والدہ کی کمزور کندھوں پر گھر کہ ذمہ داری ڈال کر مصر جانا مناسب نہیں تھا، والدہ نے بھی روکا اور دوسرے لوگوں نے بھی نہ جانے کا ہی مشورہ دیا بنابریں میں نے جامعہ ازہر جانے کا ارادہ

ترک کردیا، جس کا مجھے اب تک شدید قلق ہے، اس کے بعد ہندوستان ہی میں رہ کر اپنی صلاحیت کے مطابق خدمت دین کا موڈ بنالیا اور اللہ تعالی کے فیصلے پر راضی برضا ہو کر تعلیم وتدریس سے وابستہ ہوگیا۔

دیگر امتحانات وتعلیمی اسناد: دور طالب علمی میں دارالعلوم دیوبند کے فاضل ومتخصص فی الادب کے علاوہ میں نے دوسرا کوئی امتحان نہیں دیا، نہ کوئی تعلیمی سند حاصل کی، تدریسی زندگی میں بعض دوسرے امتحانات دئے ہیں اور تعلیمی اسناد حاصل کی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱۔امتحان عالم عربی وفارسی بورڈ یوپی ۱۹۷۸ء

۲۔امتحان فاضل دینیات ۱۹۸۰ء

۳۔امتحان ادیب کامل جامعہ اردو علیگڈھ ۱۹۸۸ء

۴۔امتحان فاضل ادب ۱۹۸۹ء

۵۔سند سائنسی ٹریننگ کورس مسلم یونیورسٹی علی گڈھ از ۱۷/۳/۱۹۸۹ء تا ۲۴/۳/۱۹۸۹ء جس وقت یہ تربیتی پروگرام ہوا تھا، اس وقت شعبہء سائنس کے صدر اور اس پروگرام کے ذمہ دار پروفیسر اسرار احمد خان تھے، اس میں ہندوستان کے مختلف مدارس و جامعات سے بائیس علماء کرام مدعو تھے، جنہیں یونیورسٹی کے جدید مہمان خانہ (گیسٹ ہاؤس) میں ٹھرایا گیا ہے، روزانہ دو محاضرے (لیکچر) ہوتے تھے، محاضرین کے موضوعات میں مسلم یونیورسٹی کے علاوہ بعض دوسری یونیورسٹیوں کے پروفیسر شامل تھے، محاضرہ کے موضوعات بڑے اہم تھے، جیسے ''قرآن اور سائنس'' ''اسلام اور علوم جدید'' ''یورپ پر اسلام کے احسانات'' ''مسلم سائنس داں'' ''عہد اسلامی میں ٹکنالوجی'' ''علم طبقات الارض'' ''اور اسلام کا تصور نظافت اور دینی مدارس'' وغیرہ آخری دن ایک تاثراتی پروگرام ہوا جس میں لوگوں نے اظہار خیال کیا۔

تدریس کے میدان میں: میری تدریسی زندگی تقریبا ۴۵ سال پر محیط ہے متعدد مدارس وجامعات میں میں نے یہ مدت گذاری ہے، جن میں تدریس کے ساتھ دوسری علمی وتربیتی ذمہ داریاں بتوفیق الہی اچھے انداز سے انجام دیتا رہا ہوں جن کا اختصار یہ درج ذیل ہے!

(۱) جامعہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں، سدھارتھ نگر، یوپی میں ۱۹۷۵ء میں ایک سال، اس کے مدیر وناظم مولانا عبدالقدوس صاحب تھے، وہاں اس وقت عربی چہارم تک تعلیم ہوتی تھی میرے ذمہ تدریس کے علاوہ جمعیۃ الطلبہ کی نگرانی بھی تھی۔

(۲) جامعہ سراج العلوم کنڈ وبونڈہار، بلرام پور یوپی میں ۱۹۷۶ء سے ۱۹۹۸ء تک تقریبا ۲۲ سال، اس وقت جامعہ کے مدیر و ناظم مولانا محمد اقبال رحمانی اور صدر مدرس مولانا ابوالعرفان محمد عمر سلفی تھے، میرے ذمہ زیادہ تر عالمیت وفضیلت کی کتابیں تھیں انجمن اصلاح الکلام کی مکمل ذمہ داری بھی میرے حوالہ تھی، میں نے جامعہ کی زندگی میں بتوفیق الہی تدریس کے علاوہ کچھ ایسے امور انجام دئے جن کی حیثیت تاریخ جامعہ میں اولیات کی ہے وہ درج ذیل ہیں!

(۱) عربی انجمن ''النادی العربی'' کی تشکیل، اس وقت تک جامعہ میں انجمن اصلاح الکلام کے زیر اہتمام صرف اردو میں طلبہ پروگرام کرتے تھے، اس کے بعد عربی میں بھی پروگرام ہونے لگے، اس کو دیکھ کر دوسرے مدارس وجامعات میں بھی عربی پروگرام کا رواج ہوا۔

(۲) ترانۂ جامعہ: جامعہ کا کوئی ترانہ نہیں تھا، میں نے ایک ترانہ لکھا جو ترانہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی بحر میں ہے، یہ باقاعدہ میری پہلی نظم تھی، جس کی اصلاح مشہور ومستند شاعر فضا ابن فیضی نے کی ہے، اس کے بعد میں نے متعدد مدارس کے ترانے لکھے۔

(۳) تالیف تاریخ جامعہ: جامعہ کی عمر تقریبا ۷۰ سال ہو رہی تھی مگر اس کی کوئی مرتب تاریخ نہیں تھی، میں نے رجسٹر کاروائی مجلس عاملہ اور مولانا محمد اقبال احمد رحمانی وغیرہ سے حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں اس کی مکمل تاریخ مرتب کی اور ۱۹۷۶ء میں منعقد کانفرنس میں بطور خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ کانفرنس کے بعد اس کی اشاعت کتابچہ کی شکل میں ہوئی، یہ پہلی تحریر ہے جو جامعہ کی زندگی میں شائع ہوئی، پھر دس سال کے بعد ۱۹۸۶ء میں ایک عظیم کانفرنس منعقد ہوئی، میں نے تاریخ جامعہ کی روشنی ایک مختصر خطبہ استقبالیہ جامعہ کی تعلیمی ودعوتی خدمات پر مشتمل لکھا اور ناظم مجلس استقبالیہ مولانا احسان اللہ سلفی کی جانب سے پیش کیا جسے انہیں کے نام سے مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی نے سالنامہ تاریخ اہل حدیث شمارہ نمبر ۱/۲۰۱۶ء میں شامل کیا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

تاریخ جامعہ کے سلسلہ میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ جب میں اسے مرتب کر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ رجسٹر کاروائی مجلس عاملہ میں اس کا سال تاسیس ۱۹۰۹ء لکھا ہوا ہے، مگر میں نے اسے خلاف واقعہ پایا، میری تحقیق کے مطابق اس کا سن قیام ۱۹۰۷ء ثابت ہوا، اس لئے کہ علامہ عبدالرحمن مبارکپوری ۱۹۰۵ء میں اللہ نگر مشمولہ چھتر پارہ آئے اور ۱۹۰۶ء تک وہاں رہے، جیسا کہ وہاں کے دستاویزی کاغذات سے معلوم ہوتا ہے، اس کے بعد اعیان کنڈو بونڈہار کی دعوت پر وہ تشریف لائے، ان کے ساتھ منتہی درجات کے طلبہ بھی آئے، کچھ دنوں تک علامہ مبارکپوری نے جناب منصب دار خان کنڈو، کے مکان پر تعلیم دی، پھر اسی سال کنڈو اور بونڈہار کے درمیان راپتی ندی کے کنارے جامعہ کی بنیاد ڈالی، کھپڑیل کی عمارت بنائی گئی، جہاں باقاعدہ تعلیمی سلسلہ جاری ہوا، اس طرح جامعہ سراج العلوم کا سال تاسیس ۱۹۰۷ء ثابت ہوا میری اس تحقیق کو مولانا محمد اقبال احمد رحمانی اور دوسرے ذمہ داران نے تسلیم کیا اور اب وہی سال تاسیس تاریخ جامعہ کا معتبر حصہ ہو گیا۔

(۴) ترتیب یادگار مجلہ جامعہ سراج العلوم کنڈو بونڈہار: ۱۹۸۶ء میں جامعہ کے زیر اہتمام ایک عظیم کانفرنس بعنوان ''مدارس اسلامیہ میں سلفی منہج کا احیاء'' ہوئی، اس موقع پر راقم الحروف نے مولانا عبدالسلام رحمانی (وکیل الجامعہ) کی رہنمائی میں ایک دستاویزی یادگار مجلہ مرتب کیا جو ترانہ جامعہ اور خطبہ استقبالیہ (جس کا ذکر کیا گیا ہے) کے علاوہ تاریخ اہل حدیث بستی، گونڈہ، مدارس اسلامیہ کا نصاب تعلیم، جامعہ کی اہم شخصیات جیسے علامہ عبدالرحمن مبارکپوری، علامہ عبدالسلام مبارکپوری، اور مولانا محمد اقبال احمد رحمانی وغیرہ کے تراجم وسوانح اور بعض دوسرے اہم مضامین پر مشتمل تھا، جس کے اکثر مضامین میرے قلم سے ہیں، کانفرنس سے پہلے ہی اسے طبع کرا دیا گیا تھا اور شرکائے کانفرنس کو بطور ھدیہ دے دیا گیا تھا، اسے اصحاب علم نے بہت پسند کیا، چونکہ وہ نایاب ہے اس لئے

مولانا عبدالمنان سلفی مدیر ماہنامہ سراج جھنڈانگر نے اسے نٹ پر ڈال دیا ہے، اصحاب ذوق اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

(۵) طلبہ جامعہ کے سالانہ میگزین ''الضیاء'' کا اجراء: طلبہ میں مطالعہ وصحافت کا ذوق پیدا کرنے کے لئے ۱۹۸۹ء میں میری تجویز وتحریک پر اس مجلہ کا اجراء عمل میں آیا جو بفضل اللہ ابتک ہر سال یا ناغہ کر کے شائع ہوتا ہے، اللہ اسے دوام وتسلسل عطا فرمائے (آمین)

دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں ۱۹۹۸ء میں ایک سال: جامعہ سراج العلوم بونڈہار میں کچھ ناخوشگوار حالات پیش آگئے، جن کی بنا پر میں نے جامعہ کو خیر باد کہہ دیا، اور مولانا باقر حسین قاسمی اور کچھ رفقائے درس کی خواہش پر بعض علمی وادبی ضروریات کے پیش نظر ایک سال میں نے دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں گزارا، میری وجہ سے بعض اہل حدیث طلبہ بھی وہاں زیر تعلیم رہے، وہ اگرچہ حنفی ادارہ ہے مگر ذمہ داران ادارہ نے بڑی عزت افزائی کی، کبھی کبھی وہاں بعض فقہی موضوعات پر بحث ومناقشہ بھی ہوتا، جس کے بڑے اچھے اثرات پڑے اور جماعت اہل حدیث کے بارے میں بعض غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا۔

مرکز أبی الکلام آزاد للتوعیة الاسلامیة دھلی کے علمی شعبہ مجمع البحوث الاسلامیة میں ۲۰۰۰ء میں ایک سال: جب میں دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں تھا تو مولانا عبدالحمید رحمانی سے میرا رابطہ رہا، آخر کار انہوں نے اپنے ادارہ کے علمی شعبہ کے لئے مجھے دلی بلالیا، اصل مقصد میری ادارت میں ماہنامہ ''التوعیة'' کا اجراء تھا جو کسی قانونی دشواری کی وجہ سے بند ہو چکا تھا۔

اس ماہنامہ کا اجرا نہ ہوسکا تو رحمانی صاحب نے بعض دوسرے علمی وغیر علمی کاموں پر مجھے مامور کر دیا، جیسے فتوی نویسی اور کچھ ادارتی امور، میرا دل وہاں نہیں لگا اس لئے ایک سال کے بعد میں گھر واپس آگیا، خوشی کی بات یہ رہی کہ ایک سال دلی رہ کر بہت کچھ مطالعہ کا موقع ملا اور اسی سال علیگڈھ میں منعقد سیمنار بعنوان ''علوم الحدیث۔ مطالعہ وتعارف'' میں شرکت سعادت ملی، جس میں میں نے ایک مقالہ پیش کیا جس کا عنوان تھا، جامع الترمذی کی تین شروح تحفۃ الاحوذی، معارف السنن، اور العرف الشذی، کا تقابلی جائزہ۔

جامعہ ضیاء العلوم گڑرہیا، سدھارتھ نگر میں ۲۰۰۱ء میں تقریباً ایک سال: گڑرہیا میرے گاؤں سے تقریباً ۶ کلومیٹر پچھم خالص بریلوی علاقہ میں واقع ہے، اس کے پرجوش سلفی ناظم الحاج سحر اللہ خاں (مقیم حال ممبئی) کی دعوت پر بحیثیت پرنسپل میں ان کے ادارہ میں آگیا۔ میں نے وہاں کے نصاب تعلیم کی اصلاح کی اور تعلیمی معیار بلند کیا، اس وقت وہ ادارہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج سے ملحق تھا، جس کا نصاب تعلیم غیر متوازن ہونے کے ساتھ غیر سلفی تھا، بنابریں میں نے بڑی حکمت عملی سے جامعۃ الفلاح سے اس کا الحاق ختم کر کے اسے جامعہ سلفیہ بنارس سے ملحق کر دیا، ماشاء اللہ اب تک وہ جامعہ سلفیہ کی شاخ کی حیثیت سے میدان تعلیم وتربیت میں رواں دواں ہے، اب تو اس کے تحت شعبہ نسواں بھی قائم ہے جو بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔

جامعہ عربیہ قاسم العلوم گلرہا، بلرامپور میں ستمبر ۲۰۰۱ء سے جون ۲۰۱۳ء تک: یہ ادارہ تلسی پور اور کوا پور کے درمیان واقع ہے، قابلِ ذکر بات ہے کہ وہ علاقہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں علامہ اظہر بہاری اور علامہ بشیر سہسوانی وغیرہ رجال اہل حدیث کی دعوتی واصلاحی سرگرمیوں کا میدان رہا ہے، اس علاقہ میں جن کے اثرات نمایاں ہیں، جامعہ عربیہ قاسم العلوم گلرہا عربی و

فارسی بورڈ اتر پردیش سے ملحق اور امداد یافتہ ہے، وہاں میری تقرری بحیثیت پرنسپل ۱۵ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو ہوئی، پھر وہاں سے جون ۲۰۱۳ء میں سبکدوش ہوا، اس طرح وہاں میری مدت ملازمت گیارہ سال ڈھائی ماہ ہے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میری مساعی کے نتیجہ میں جامعہ کا معیار تعلیم عالمیت تک پہونچ گیا، میں نے دعوتی پروگراموں کے ذریعہ علاقہ کو جامعہ سے جوڑا، علاقہ وبیرون علاقہ کے تعاون سے بعض ادھوری عمارتوں کی تکمیل کی اور علاقائی تعلیم نسواں کی ضرورت کے پیش نظر ۲۰۰۸ء میں غیر اقامتی شعبۂ بنات قائم کیا جس میں عالمیت تک لڑکیوں کی تعلیم ہونے لگی۔ گلرہا کی زندگی میں ۲۷ر ستمبر ۲۰۱۲ء کو مجھے زبردست فالج کا حادثہ پیش آ گیا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دوا وعلاج اور احباب کی دعاؤں کے نتیجہ میں جلد ہی صحتیاب ہو گیا، مگر فالج کے کچھ اثرات اب تک باقی ہیں، اس لئے کھانے پینے میں محتاط رہتا ہوں اور تعلیم وتدریس، خطابت وصحافت اور دعوت واصلاح وغیرہ کے کام بڑی سست رفتاری سے انجام پاتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو چھوٹی بڑی بیماریوں اور دوسری آفتوں سے محفوظ رکھے (آمین)

جامعہ اسلامیہ دریاباد میں اگست ۲۰۱۳ء سے ۲۰۱۵ء تک تین سال: میں ابھی جامعہ عربیہ قاسم العلوم گلرہا سے سبکدوش ہونے ہی والا تھا کہ برادرم مولانا عتیق اثر ندوی کا ایک بار فون آیا کہ جامعہ اسلامیہ دریاباد آپ کو خوش آمدید کہہ رہا ہے، بنابریں میں ان کے ادارہ سے وابستہ ہو گیا، میں نے وہاں تین سال گزارے، ماشاء اللہ ادارہ کے نگران اعلیٰ شیخ عبدالباری اور ناظم اعلیٰ مولانا عتیق اثر ندوی علم اور اصحاب علم کے بڑے قدرداں ہیں، میں نے جو بھی علمی تجویز پیش کی انھوں نے بڑی خندہ پیشانی سے اس کو قبول کیا چنانچہ میری ہی تجویز وتحریک پر الجامعہ کلینڈر اور طلبہ کے سالانہ مجلہ ''احتساب'' کا اجراء ہوا جو تا حال جاری ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ذمہ داران جامعہ کو صحت وعافیت سے رکھے اور جامعہ کو شرور وفتن سے بچائے (آمین)

کلیۃ الصفا للشریعہ ڈومریا گنج میں ۲۰۱۶ء سے تا حال:

میں نے ڈومریا گنج میں مکان بنا کر اسی میں سکونت اختیار کر لی ہے، آنے جانے میں دشواری کی وجہ سے میں جامعہ اسلامیہ دریاباد سے مستعفی ہو گیا، مگر دریاباد سے ربط وتعلق قائم ہے، وہاں کی تعلیمی میٹنگوں میں حسب ضرورت شریک ہوتا رہتا ہوں۔

صفا شریعت کالج ڈومریا گنج سے میرا گھر بالکل قریب ہے، اس لئے مدیر کلیہ برادرم مولانا عبدالواحد مدنی کی خواہش پر اسی سے وابستہ ہو گیا ہوں، ماشاء اللہ برادر موصوف تعلیمی امور اور ملی مسائل کے بارے میں بڑے حساس اور دردمند ہیں، مجھے انکا یہ ذوق ومزاج بہت پسند ہے، انکے اشارہ وایماء کے مطابق میں یہاں تین ذمہ داریاں حتی الامکان بحسن وخوبی انجام دینے کی کوشش کر رہا ہوں، اول: مرحلہ عالمیت وفضیلت کے بعض مضامین حدیث واصول حدیث وغیرہ کی تدریس، دوم: حسب ضرورت تعلیمی ملی اور صحافتی موضوعات پر طلبہ کے درمیان سال میں متعدد محاضرات پیش کرنا، سوم: کتاب وسنت اور فقہ اہل حدیث کی روشنی میں تحریری وزبانی استفتاءات وسوالات کے جوابات دینا، ان کے علاوہ ہر ماہ میں ایک بار جامع مسجد صفا کمپلیکس میں خطبۂ جمعہ بھی دیتا ہوں، دوسری مساجد میں بھی خطبہ جمعہ کے مواقع ملتے ہیں...

تلامذہ ومستفیدین: مختلف مدارس وجامعات میں عربی چہارم سے فضیلت تک میں نے تقریباً تمام مضامین کا درس یکے بعد

دیگرے ایک خاص ترتیب کے ساتھ دیا ہے اور میری مدت تدریس تقریباً ۴۵ سال پر محیط ہے، اس لئے میرے تلامذہ ومستفیدین بے شمار ہیں جو عرب وعجم میں پھیلے ہوئے ہیں، جن کا احصائیہ میرے پاس نہیں ہے، ان میں سے بعض کے اسماء اکتساب وتلمذ کی ترتیب زمانی کے اعتبار سے جو فوری طور پر ذھن میں آئے درج ذیل ہیں.:

(۱) مولانا کفایت اللہ مدنی، (۲) مولانا شبیر احمد سلفی، (۳) مولانا عبدالواحد مدنی، (۴) مولانا عبدالمبین سلفی، (۵) مولانا عبیداللہ سلفی، (۶) مولانا حمیداللہ سلفی، (۷) ڈاکٹر لیث محمد مکی، (۸) مولانا جلال الدین سراجی، (۹) مولانا جلال انور قاسمی، (۱۰) مولانا سرور عالم مدنی، (۱۱) مولانا جمال الدین کشمیری، (۱۲) مولانا احمد گجراتی، (۱۳) مولانا عبدالحکیم سلفی، (۱۴) حافظ ابوالقاسم سراجی، (۱۵) مولانا ابوالقاسم سراجی، (۱۶) مولانا محمد سراجی بہاری، (۱۷) مولانا صفی اللہ سراجی، (۱۸) مولانا فضل الرحمن ازھری، (۱۹) ڈاکٹر عبیدالرحمن مدنی، (۲۰) مولانا محمد ابراہیم مدنی، (۲۱) مولانا صغیر احمد سراجی، (۲۲) مولانا زبیر احمد مدنی (۲۳) مولانا عطاء الرحمن مدنی، (۲۴) مولانا اسرار الحق مدنی، (۲۵) مولانا محمد یونس سلفی، (۲۶) مولانا عبد الستار سراجی، (۲۷) مولانا محمد معروف سراجی، (۲۸) مولانا محمد شمیم مدنی، (۲۹) مولانا عبد العلیم سلفی، (۳۰) مولانا نیاز احمد طیبی مدنی، (۳۱) مولانا محمد اسرائیل سلفی، (۳۲) مولانا محمد داؤد سلفی، (۳۳) مولانا عبدالعزیز سلفی، (۳۴) مولانا محمد انیس سلفی، (۳۵) مولانا نسیم اختر فیضی، (۳۶) مولانا عطاء اللہ سلفی، (۳۷) مولانا عبد الحق سراجی، (۳۸) مولانا شہاب الدین مدنی، (۳۹) مولانا نورالدین مدنی، (۴۰) مولانا فضل الرحمن مدنی، (۴۱) مولانا مصطفی اجمل مدنی، (۴۲) مولانا مختار احمد سالک بستوی، (۴۳) مولانا عبدالخبیر مدنی، (۴۴) ڈاکٹر محمد حبیب سلفی، (۴۵) حافظ صہیب سلفی، (۴۶) مولانا انوار الحق سراجی، (۴۷) مولانا حمیداللہ مدنی، (۴۸) حافظ عبدالسمیع مدنی، (۴۹) مولانا رفیع الدین ریاضی (۵۰) مولانا عبدالمعبود سلفی، (۵۱) مولانا محمد اسلام عمری، (۵۲) مولانا سعید الرحمن الجامعی، (۵۳) مولانا محمد نسیم الجامعی، (۵۴) مولانا عبدالجبار انعام اللہ سلفی، وغیرہ.....

دعوتی وجماعتی دلچسپیاں

درس وتدریس کے ساتھ دعوت وتبلیغ سے بھی دلچسپی رہی ہے . میں نے ہندوستان کے چھوٹے بڑے شہروں میں جمعیت وجماعت کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی سو (۱۰۰) سے زائد سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کی ہے- مختلف موضوعات پر مقالات پیش کئے ہیں اور تقریریں کی ہیں، اسی طرح ہزار (۱۰۰۰) سے زائد خطبات جمعہ دیئے ہیں...

بحمداللہ جماعتی تنظیم سے بھی دلچسپی رہی ہے چنانچہ علاقائی، ضلعی، اور صوبائی سطح پر تنظیمی ذمہ داریاں انجام دی ہیں، جس کی تفصیل بالترتیب یہ ہے: ناظم جمعیت اھل حدیث حلقہ ڈومریا گنج، نائب امیر ضلعی جمعیت اھل حدیث سدھارتھ نگر، ناظم ضلعی جمعیت، نائب امیر جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی، امیر جمعیت مشرقی یوپی، اور رکن مجلس شوری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، بعض مذکورہ ذمہ داریاں پانچ سال اور بعض دس سال انجام دی ہیں۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ صوبائی مجلس شوریٰ منعقد گورکھپور میں جب مجھے باتفاق آراء مشرقی یوپی کا امیر بنایا گیا تو اس موقع

پر ایک اہم فیصلہ یہ بھی کیا گیا تھا کہ ریاستی جمعیت کی آفس بنارس سے لکھنؤ منتقل کردی جائے بحمد للہ اس پر عمل کیا گیا، ایک یا دو سال تک آفس کرایہ کی عمارت میں رہی، پھر راقم الحروف اور مولانا عبدالقادر انور بستویؒ نے بڑی محنت سے چندہ کیا، لکھنؤ دوبگہ چوراہا سے آگے زمین خریدی اور آفس کی تعمیر شروع کردی جس کی تکمیل بعد میں ہوئی۔

صحافت، مضمون نگاری، افتاء اور شاعری:

مختلف اوقات میں چار مجلات کی صحافت وادارات سے وابستہ رہا ہوں، جن کی ترتیب اس طرح ہے، مدیر مسئول سہ ماہی مجلہ الھلال تلسی پور (ایک سال) مدیر ماہنامہ مجلہ الفلاح بھیکم پور (تقریبا تین سال) مدیر دوماہی مجلہ ''اعتدال''، ضلعی جمعیت سدھارتھ نگر (ایک سال) مدیر ماہنامہ مجلہ "الصفا" کلیۃ الصفا ڈومریا گنج (تقریبا ایک سال) متعدد موضوعات پر میرے مضامین جماعتی وغیر جماعتی مجلات وجرائد میں شائع ہوئے ہیں، بعض کتابی شکل میں مطبوع ہیں، اکثر غیر مطبوع ہیں، بعض تصنیفات کے نام یہ ہیں (۱) مکانۃ التضحیۃ فی الاسلام، عربی) (۲) سیرت نبوی اور غیر اسلامی افکار، (۳) تحریک اھل حدیث علمی وتاریخی جائزہ (۴) اسلام کی صحیح تعبیر (۵) علماء ہند اور عرب (۶) مقالات سیمینار (۷) مقالات اسلامک فقہ اکیڈمی (۸) مجموعہ تقاریر پیس ٹی وی، اب تک جو فتاوی میں نے لکھے ہیں اسے مولانا رفیق احمد سلفی علی گڑھ مرتب کررہے ہیں بعض مکالمے لکھے ہیں وہ بھی زیر ترتیب ہیں، شعر وسخن سے بھی دلچسپی رہی ہے، چنانچہ حمد ونعت اور نظمیں بنام ''جام طھور'' کمپوزنگ کے مرحلے میں اور غزلیات وغیرہ کا مجموعہ بنام ''ارمغان سخن'' زیر ترتیب ہے۔

آخر میں بطور تحدیث نعمت ذکر کررہا ہوں کہ میں نے بتوفیق الہی ۱۹۹۶ء میں عمرہ کیا ہے اور ۲۰۰۷ء میں رابطہ عالم اسلامی کی دعوت پر سفر حج کیا ہے، اس سلسلے میں ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی کے حسن التفات کا بڑا دخل ہے، اب تو سفر آخرت سامنے ہے، بمشورہ مولانا عبدالرحیم امینی بکھرے ہوئے علمی کاموں کو سمیٹنے میں لگا ہوں، اللہ تعالی مجھے صحت عقیدہ وعمل کے ساتھ ساتھ اسلام پر قائم رکھے اور ایمان پر خاتمہ کرے (آمین)

تحریر کردہ: ۱۰/۱۰/۲۰۱۸ء

مطابق: ۲۹/۱/۱۴۴۰ھ

□□□

ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی مالیگاؤں

رئیس مجلس علمی واستاذ ومفتی جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں

پیدائش ۱۳ مارچ ۱۹۵۱ء

نام ونسب: فضل الرحمن بن دین محمد بن لعل محمد سالار بن جہانگیر عرف جنگے بن عیدو بن گھیج۔

تاریخ پیدائش: ۱۳/۰۳/۱۹۵۱ء (پاسپورٹ میں درج تاریخ کے اعتبار سے)۔

مقام پیدائش: موضع بھیکم پور، پوسٹ شنکر نگر، ضلع بلرام پور، یوپی انڈیا۔

بھیکم پور اور شنکر نگر سرکاری کاغذات میں دو الگ الگ موضع ہیں، لیکن دونوں کی آبادی متصل اور عموماً ساکنین کے خاندان بھی مشترک ہیں۔

والدہ کا نام: میمونہ خاتون بنت سلیمان انصاری ہے، آپ کا میکہ سیکھر پور نامی گاؤں میں تھا جو بلرام پور سے پچھم جانب واقع ہے، وہ ایک صالح ودیندار، بااخلاق اور مہمان نواز خاتون تھیں۔

خاندان کی مزید تفصیل: گھیج کے چھ لڑکے تھے: (۱) عیدو (۲) رحیم بخش (۳) ولد (۴) رُسی (۵) چلبی (۶) پانچو۔

عیدو کے دو لڑکے تھے: جنگے اور محمد۔

جنگے کے تین لڑکے تھے: (۱) لعل محمد سالار (۲) اسماعیل عرف چھیدی (۳) عبداللہ عرف صدرو۔

لعل محمد سالار کے چار لڑکے تھے: (۱) دین محمد (۲) عبدالمنان (۳) محمد یاسین (۴) مصطفی اور ایک لڑکی مسماۃ روزہ تھی۔

دین محمد کے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں: (۱) فضل الرحمن المدنی (۲) عتیق الرحمن (۳) محفوظ الرحمن (۴) عزیز الرحمن (۵) ڈاکٹر حفظ الرحمن (۶) فہمیدہ (۷) حمیدہ (۸) کریمہ۔

اس طرح ہمارے چار بھائی اور تین بہنیں ہیں، ماشاء اللہ سبھی شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں، حفظ الرحمن جامعہ سلفیہ بنارس سے فارغ اور عالم وفاضل ہیں، پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی یو ایم ایس (B.U.M.S.) کی ڈگری حاصل کر کے مطب کر رہے ہیں اور اچھے طبیب ہیں، عزیز الرحمن ہائی اسکول پاس ہیں، اور طویل عرصہ تک جدہ سعودی عرب میں رہ چکے ہیں، محفوظ الرحمن بھی عرصہ دراز سے طائف سعودی عرب میں رہ رہے ہیں، اور عتیق الرحمن نے تجارت کو اپنا پیشہ بنایا۔

والد صاحب (دین محمد) پڑھے لکھے پکے نمازی اور دیندار تھے، اور اپنے ساتھیوں کی نماز میں عموماً امامت کیا کرتے تھے، ممبئی اور احمد آباد میں کپڑے کے ملوں میں طویل عرصہ تک کام کیا، کئی سال بارہ بنکی اور گھر پر کرگھے پر کپڑے کی بنائی کا کام کیا اور عرصہ تک

سوت اور کپڑے کی تجارت بھی کرتے رہے، انہیں اور والدہ کو اللہ نے حج بیت اللہ کا بھی شرف عطا فرمایا تھا، جس سال جہیمان اور اس کی جماعت نے حرم مکی پر قبضہ اور مہدی ہونے کا دعوی کیا تھا، اسی سال دونوں حج کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

اولاد: ہمارے تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں: (۱) ہشام (۲) احمد (۳) محمد (۴) اسماء (۵) نائلہ (۶) بشریٰ۔

ہشام جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں سے فارغ عالم وفاضل ہیں، اور (S.S.C.) کے بعد کمپیوٹر کا کورس کر کے ایک اخبار میں کمپیوٹر آپریٹر ہیں۔

احمد نے جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں سے عالمیت اور فضیلت کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ کو سہ ممبرا سے بھی سند فضیلت حاصل کی، نیز پونا بورڈ، سے (S.S.C.) اور پھر کمپیوٹر کا کورس کیا، اس کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور کلیۃ الدعوۃ سے لیسانس کا کورس مکمل کر کے جالیات شرق بریدہ میں دعوت وتبلیغ اور ترجمہ کا کام کیا، ابھی جامعۃ القصیم، بریدہ میں مرحلہ ماجستر میں زیر تعلیم ہیں، اللہ مزید علم وعمل اور ترقی سے نوازے۔

محمد نے H.S.، S.S.C. اور B.S.C. کر کے پیتھالوجی کا کورس کیا اور ایک لیب میں کام کر رہے ہیں۔

اسماء نے کلیۃ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں سے عالمیت، فضیلت اور پونا بورڈ سے S.S.C. کیا، اور کئی سالوں تک کلیہ عائشہ صدیقہ مالیگاؤں میں معلمہ رہی، پھر مولانا عبدالصبور ندوی جھنڈانگری سے شادی ہوئی، فی الحال اپنے شوہر کے ساتھ کاٹھمنڈو میں رہ رہی ہیں۔ اور دعوت وارشاد کا کام کر رہی ہیں۔

نائلہ نے کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں سے عالمیت، فضیلت اور تخصص اور پونہ بورڈ سے S.S.C. اور مولانا ابوالکلام آزاد اوپن یونیورسٹی حیدرآباد سے ''غذا اور تغذیہ'' اور بی اے (B.A.) کا کورس کیا، کئی سال کلیہ عائشہ صدیقہ مالیگاؤں میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، شادی کے بعد اپنے رفیق حیات مولانا خالد بشیر محمدی کے ساتھ مالیگاؤں میں رہ رہی ہیں۔

بشریٰ نے بھی کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں سے عالمیت فضیلت تخصص اور مولانا ابوالکلام آزاد یونیورسٹی سے (B.A.) کا کورس کیا، اور کلیہ عائشہ صدیقہ مالیگاؤں میں کئی سال تدریس کے فرائض انجام دئے، اس کی شادی مولانا صفی الرحمن محمدی ومدنی بن مولانا محمد ہارون سے ہوئی اور فی الحال اپنے خاوند کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہ رہی ہیں۔

وہ مدارس جہاں سے تعلیم حاصل کی:

۱۔ مدرسہ محمدیہ نصرۃ الاسلام شنکرنگر (پرائمری کی پانچویں جماعت تک اور پھر عربی کی جماعت ثانیہ)

۲۔ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال (ادنیٰ واولیٰ، کل دوسال)

۳۔ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار (جماعت ثالثہ سے خامسہ تک، کل تین سال)

۴۔ جامعہ سلفیہ بنارس (عالمیت سنہ ثانیہ سے فضیلت سال آخر تک، کل پانچ سال) ۱۹۷۲ء میں فارغ ہوئے۔

۵۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، (کلیۃ الشریعۃ، چار سال، الدراسات العلیا، (ماجستر ودکتوراہ) نو سال، کل ۱۳ رسال۔

۶۔ ۱۹۷۳ء کے اواخر میں مدینہ میں داخلہ ہوا اور جون ۱۹۸۸ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔

اساتذہ کرام:

۱۔میاں عبدالرحیم صاحب، ساکن پوروہ، بھیکم پور۔ ۲۔میاں عین اللہ صاحب، ساکن پورہ، بھیکم پور، ۳۔میاں عبدالوہاب صاحب، ساکن پورہ بھیکم پور۔ ۴۔ ماسٹر عظمت اللہ صاحب، پوروہ، بھیکم پور۔ ۵۔ ماسٹر ثناء اللہ صاحب، ساکن شنکر نگر۔ ۶۔ مولانا زین اللہ صاحب طیب پوری، تلمیذ شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری۔ ۷۔ مولانا عبدالمالک صاحب بن مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی۔ ۸۔ حافظ حبیب اللہ صاحب، پوروہ، بھیکم پور

یہ اساتذہ مدرسہ محمدیہ نصرۃ الاسلام، شنکر نگر کے ہیں۔اور میاں عبدالرحیم نے بھیکم پور کی مسجد میں بھی پڑھایا، اور انہیں سے میری تعلیم کی ابتداء اور بسم اللہ ہوئی۔

۹۔مولانا ابوالبرکات صاحب، جھنڈانگر۔ ۱۰۔مولانا عبدالسلام صاحب رحمانی، کنڈؤ بونڈیہار (فیجی والے) ۱۱۔مولانا محمد حنیف صاحب مہرکولہ، (ان سے جھنڈانگر اور شنکر نگر دونوں جگہ تعلیم حاصل کی ہے)۔ ۱۲۔مولانا رئیس احمد ندوی، (ان سے جھنڈانگر اور جامعہ سلفیہ بنارس دونوں جگہ تعلیم حاصل کی ہے)۔ ۱۳۔مولانا حقیق اللہ صاحب ۱۴۔مولانا سلیم الدین صاحب (کنڈؤ)۔ ۱۵۔ماسٹر فضل الرحمن صاحب

ان حضرات سے جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں تعلیم حاصل کی، اس وقت خطیب الہند مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری جامعہ سراج العلوم کے ناظم اعلیٰ اور مولانا دور صدیقی صدر مدرس تھے، ان دونوں حضرات کے خطبات اور پندونصائح سے استفادہ کیا، مگر کوئی کتاب ان سے پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔

۱۶۔مولانا یحییٰ صاحب جلیلی، ان سے شنکر نگر جماعت ثانیہ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۷۔مولانا اقبال احمد رحمانی، تلمیذ شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارک پوری۔ ۱۸۔ مولانا محمد عمر صاحب سعیدی گونڈوی۔ ۱۹۔ مولانا عزیز احمد (بیت اللہ) صاحب ندوی، بونڈیہار۔ ۲۰۔ماسٹر ابوالکلام صاحب کونڈؤ۔

ان حضرات سے جامعہ سراج العلو بونڈیہار میں تعلیم حاصل کی۔

۲۱۔مولانا آزاد صاحب رحمانی۔ ۲۲۔مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی۔ ۲۳۔ماسٹر شمس الدین صاحب بنارسی۔ ۲۴۔مولانا عابد حسن رحمانی، کنڈؤ والے۔ ۲۵۔مولانا عبدالمعید صاحب بنارسی۔ ۲۶۔ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری۔ ۲۷۔مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی مدنی۔ ۲۸۔ ماسٹر عبدالحمید صاحب جون پوری۔ ۲۹۔ مولانا شمس الحق صاحب بہاری۔ ۳۰۔فضیلۃ الشیخ صالح العراقی۔ ۳۱۔فضیلۃ الشیخ عبداللہ الغنیمان۔ ۳۲۔فضیلۃ الشیخ الدکتور ربیع ہادی المدخلی۔ ۳۳۔فضیلۃ الشیخ ہادی المدخلی۔ ۳۴۔فضیلۃ الشیخ علی مشرف العمری۔

ان سب سے جامعہ سلفیہ بنارس میں تعلیم حاصل کی۔اور شیخ عبداللہ غنیمان اور دکتور ربیع سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں بھی استفادہ کیا۔

۳۵۔فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن العباد(سابق وائس چانسلر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ)۔۳۶۔فضیلۃ الشیخ جابر الجزائری۔۳۷۔ فضیلۃ الدکتور عبدالحمید الغفاری۔۳۸۔فضیلۃ الشیخ شال المصری۔۳۹۔فضیلۃ الدکتور عبداللہ القادری۔۴۰۔فضیلۃ الدکتور احمد میرہ الشامی۔۴۱۔فضیلۃ الدکتور اکرم ضیاء العمری۔۴۲۔فضیلۃ الدکتور محمود الطحان الشامی۔۴۳۔فضیلۃ الدکتور احمد الفراج السودانی۔۴۴۔فضیلۃ الشیخ عبدالغفار حسن رحمانی۔۴۵۔فضیلۃ الشیخ محمود الوائلی،عمید کلیۃ الشریعۃ آنذاک۔۴۶۔فضیلۃ الشیخ سعد نداء المصری،انہوں نے انگلش پڑھایا۔ان سب سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تعلیم حاصل کی۔

ان کے علاوہ سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز مفتی سعودی عرب،محدث العصر سماحۃ الشیخ محمد ناصر الدین الالبانی،فضیلۃ الدکتور تقی الدین الہلالی المراکشی،فضیلۃ الشیخ حماد الانصاری،فضیلۃ الشیخ عمر فلاتہ،وغیرہ علماء کرام کے دروس وخطبات اور علمی مجلسوں سے بھی مختلف مواقع پر استفادہ کیا،اگر چہ کلاس میں باقاعدہ ان سے تعلیم حاصل نہیں کی،تفسیر کے ایک درس میں ملک خالد بن عبدالعزیز آل سعود بھی تشریف لائے،اور فضیلۃ الشیخ جابر الجزائری کے مختصر درس کے بعد انہوں نے طلبہ سے خطاب کیا اور اپنے والد محترم ملک عبدالعزیز آل سعود کے اپنے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں واقعات سنائے اور بتایا کہ وہ اپنے بچوں کا فجر کی نماز کے بعد حاضری لیتے تھے،اور نماز باجماعت کے سلسلہ میں بہت سخت تھے،ملک عبداللہ بن عبدالعزیز آل سعود سے بھی ان کے شاہی محل میں مجمع الفقہ الاسلامی،رابطہ العالم الاسلامی کے وفد کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور ان کا خطاب بھی سنا۔

علمی شہادات واسناد:

۱۔ادیب،جامعہ اردو علی گڑھ،یوپی۔

۲۔عالمیت،جامعہ سلفیہ بنارس،یوپی۔

۳۔فضیلت،جامعہ سلفیہ بنارس،یوپی۔۱۹۷۲ء میں فراغت ہوئی۔

۴۔لیسانس،(B.A.)کلیۃ الشریعۃ،جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ،سعودی عرب۔۱۹۷۳ء کے اواخر میں مدینہ میں داخلہ ہوا۔

۵۔ماجستر(ایم اے)فی الفقہ الاسلامی،جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ،سعودی عرب۔

۶۔دکتوراہ(پی ایچ ڈی)فی الفقہ الاسلامی،جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ،سعودی عرب۔جون ۱۹۸۸ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔

۷۔سند اجازہ از فضیلۃ الشیخ ابومحمد عبدالواحد بن علامہ عبدالوہاب ملتانی محدث دہلوی۔

۸۔سند اجازہ از فضیلۃ الشیخ علامہ محمد اسرائیل سلفی ندوی۔

شہادات تقدیر وشکر:

۱۔شہادۃ شکر وتقدیر از رئیس الدورۃ لمعلمی اللغۃ العربیہ والثقافہ الاسلامیہ منعقدہ منجانب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ در جامعہ منصورہ مالیگاؤں۔

۲۔شہادۃ تقدیر از مستشار ثقافی در سفارت خانہ سعودی عرب نئی دلی، جو وزارۃ الشئون الاسلامیہ والاوقاف کی جانب سے، حفظ قرآن کریم وحدیث شریف کے پہلے مسابقہ میں فعال کارکردگی کی بنا پر دی گئی۔

۳۔شہادۃ شکر وتقدیر: ''جو سنت نبویہ اور امن عالم'' کے موضوع پر جامعہ سلفیہ بنارس میں عالمی کانفرنس میں فعال مشارکت کی بنا پر دی گئی۔

چند علمی وتربیتی دورات جن میں شرکت کی:

۱۔دورہ تدریبیہ برائے معلمین عربی زبان وثقافت اسلامیہ منجانب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، بمقام جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں ۱۹۹۶ء۔

۲۔دورۃ العلوم الشرعیہ والعربیہ منعقدہ بمقام جامعۃ الہدایۃ جے پور راجستھان، منجانب وزارت شئون الاسلامیہ سعودی عرب ۱۹۹۷ء۔

۳۔الدورہ التدریبیۃ للدعاۃ فی الھند، من جانب وزارت شئون اسلامیہ ۱۹۹۸ء۔

۴۔ملتقی العلماء والدعاۃ منعقدہ بمقام مجمع اہل حدیث نئی دہلی ۲۰۱۱ء۔

۵۔الدورۃ التاھیلیۃ لتنمیۃ مھارات العاملین فی حقل الدعوۃ والتربیۃ منعقدہ منجانب وزارۃ الشئون الاسلامیہ بمقام مجمع اہل حدیث نئی دہلی۔ ۲۰۱۲ء۔

۶۔ملتقی العلماء والدعاۃ المصلحین، منعقدہ بمقام مجمع اہل الحدیث نئی دہلی ۲۰۱۳ء۔

تدریسی خدمات:

درج ذیل مدارس وجامعات میں تعلیم وتربیت اور تدریس کے فرائض انجام دیئے۔

۱۔جامعہ محمدیہ شکر نگر: طالب علمی کے دور میں جب فضیلت اول میں تھا تو جامعہ محمدیہ نصرۃ الاسلام شکر نگر، میں ماہ رمضان میں تدریسی خدمات انجام دیئے۔

۲۔دارالعلوم یوسفیہ ناگپور: فراغت کے بعد تقریباً چار ماہ مرکزی جمعیت اہل حدیث دہلی کے دفتر میں کام کیا، اس کے بعد ماہ صفر سے لے کر شعبان تک دارالعلوم یوسفیہ ناگپور میں تدریسی ودعوتی فرائض انجام دیئے، اور طلبہ کو سنن الترمذی، مشکاۃ المصابیح، الفوز الکبیر، ترجمہ معانی القرآن اور منطق وغیرہ پڑھایا۔

۳۔جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں: جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے پی ایچ ڈی مکمل کرنے کے بعد دسمبر ۱۹۸۸ء میں جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں آیا، اور اس وقت سے لے کر ابھی تک وہیں تدریس اور تعلیم وتربیت کے فرائض انجام دے رہا ہوں، اور صحیح بخاری جلد اول ودوم، احکام القرآن لابن العربی، روائع البیان للصابونی، التفسیر والمفسرون، الحدیث والمحدثون، اصول

الافتاء وآدابہ، اعلام الموقعین لابن القیم، المغنی لابن قدامہ، المجموع للنووی، المحلی لابن حزم، بدایۃ المجتہد جلد اول ودوم، الروضۃ الندیۃ للنواب صدیق حسن خان، الوجیز فی فقہ السنہ والکتاب العزیز للدکتور عبدالعظیم البدوی، فقہ السنہ للسید سابق، اصول الفقہ للخلاف، تسہیل الوصول الی علم الاصول للشیخ عبدالمحسن العباد والشیخ عطیہ سالم، تاریخ التشریع الاسلامی للخضری بک، القواعد والضوابط الفقہیۃ، ترجمہ معانی القرآن وغیرہ کتابیں زیر تدریس رہیں۔

دعوتی خدمات:

خطبات جمعہ، دروس اور ندوات ومؤتمرات میں محاضرات اور اجلاس عام میں خطابات کے ذریعہ برابر دعوت وتبلیغ کا کام کرتا رہا ہوں، سالہا سال سے رمضان المبارک میں عصر بعد جامعہ محمدیہ منصورہ کی مسجد میں درس ہوتا ہے، اور جب جامعہ محمدیہ میں رمضان المبارک میں سالانہ تعطیل ہوتی تھی تو شنکر نگر کی جامع مسجد میں فجر بعد عموماً درس ہوتا تھا، دعوت وتبلیغ کے لئے شنکر نگر اور مالیگاؤں کے علاوہ جلگاؤں، دھولیہ، ناسک، اورنگ آباد، شولاپور، جیتانہ، احمد نگر، ممبئی اور بنگلور وغیرہ بہت سے شہروں اور بستیوں میں جاتے رہا، جہاں خطابات کے علاوہ سوال وجواب کا پروگرام ہوتا تھا، مدارس وجامعات کے سالانہ اجتماعات میں بطور صدر اجلاس جامعہ محمدیہ نصرۃ الاسلام شنکر نگر، مدرسہ ریاض الاسلام بھیکم پور، جامعہ محمدیہ رائیدرگ، جامعہ محمدیہ بنگلور، دارالعلوم یوسفیہ تلسی باغ، اور دارالعلوم محمدیہ احباب کالونی ناگپور، جامعہ التوحید رحیم آباد، آندھرا پردیش وغیرہ میں شرکت فرمائی، پاکوڑ، مئو، بنارس، ممبئی، پونا، بلرام پور، بہرائچ، تلشی پور، بونڈیہار وغیرہ شہروں اور بستیوں کے اجلاس عام میں خطاب کیا اور مقالات پیش کئے۔

صحافتی خدمات:

ایک عرصہ تک مجلہ صوت الحق کی مجلس ادارت کے ممبر رہے، اور خود مقالات لکھنے کے علاوہ دوسروں کے مقالات پر نظر ثانی اور تصحیح کرتے رہے، اخبار اسلاف میں بھی بہت سارے مقالات اور فتاوے طبع ہوئے، عہد طالب علمی میں مجلہ اہل حدیث، ترجمان، الاسلام اور شعور وغیرہ مجلات میں مقالات چھپتے رہے، اور آج بھی تحریری خدمات کا سلسلہ جاری ہے۔

تالیفات وتحقیقات:

۱۔ مسائل الامام احمد بن حنبل بروایۃ ابنہ صالح (تحقیق ودراسہ وتعلیق)

یہ حدیث، رجال، علل، تاریخ، تفسیر، عقیدہ، اور فقہ کے ۱۷۵۰ سوالات اور امت اسلامیہ کے جلیل القدر محدث ومجتہد اور فتنۂ خلق قرآن کے بطل جلیل امام احمد بن حنبل کے انتہائی قیمتی اور علمی جوابات کا مجموعہ، اور گنجینۂ علوم ومعارف ہے، اس پر ناچیز کا مقدمہ، ہر ہر مسئلہ کی تحقیق وتخریج، علمی تعلیقات اور رجال کے تراجم وغیرہ ہیں، ۱۵۰۰ رسو صفحات پر مشتمل تین جلدوں میں عربی میں مطبوع ہے، اور ادارۃ البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد ریاض، سعودی عرب کی طرف سے اس کی توزیع وتقسیم ہو چکی ہے، دراصل یہ دکتوراہ کا رسالہ ہے، جس پر پی ایچ ڈی کی اعلیٰ سند تفویض کی گئی۔

۲۔احکام التذکیۃ فی الشریعۃ الاسلامیہ:

یہ ذبح اور ذبیحہ کے موضوع پر ایک تحقیقی و تفصیلی بحث ہے، جس میں ذبح کے مسائل کے ساتھ اعداء اسلام کے اعتراضات کے علمی جوابات، یورپ میں ذبح کے جدید طریقوں کا جائزہ اور ان کے بارے میں اسلام کے نطقۂ نظر کا بیان، مختلف تجاویز اور اقتراحات ہیں، تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل دو جلدوں میں عربی میں ہے، اصلاً ماجستر (M.A.) کا رسالہ ہے، جس پر مناقشہ کے بعد امتیاز کے ساتھ ماجستر کی سند دی گئی۔

۳۔کتاب العلل ومعرفۃ الرجال للامام احمد بروایۃ المروزی وصالح والمیمونی (تحقیق ودراسہ): یہ کتاب علل ورجال سے متعلق امام احمد بن حنبلؒ کے گرانقدر علمی اقوال پر مشتمل ہے، اور اسے بڑی محنت سے ایڈٹ کیا گیا ہے۔

۴۔مختصر تاریخ التشریع الاسلامی: یہ تاریخ فقہ اسلامی پر ایک مختصر مگر جامع رسالہ ہے، اور عربی مدارس میں نصاب میں داخل کرنے کے لائق عربی زبان میں ہے۔

۵۔سود کے احکام ومسائل: یہ سود کے موضوع پر ایک اہم کتاب ہے، جس میں ہندوستان میں سود کی شرعی حیثیت، سود کی حرمت اور اس کے نقصانات کے تفصیلی بیان کے ساتھ سود کے متعلق اکثر وبیشتر مسائل کے جوابات فتاوٰں اور سوالات وجوابات کی شکل میں مدلل اور دل نشین انداز میں دئے گئے ہیں، اردو میں مطبوع ہے، اور اب تک ہزاروں کی تعداد میں نکل چکا ہے۔

۶۔سود اور اس کی مضرتیں: یہ دراصل ایک خطاب ہے جس میں سود کی تعریف اور اقسام کے ساتھ اس کے دینی اقتصادی، اخلاقی اور اخروی نقصانات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، اور رسالہ کے اخیر میں سود کے موضوع پر کچھ جدید فتاوے جمع کر دئے گئے ہیں، جس سے اپنے موضوع پر ایک قیمتی رسالہ بن گیا ہے۔

۷۔صف بندی کے لئے کھڑے ہونے اور نماز شروع کرنے کا وقت: اس کتاب میں دونوں موضوع کا مفصل تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے، اور آخر میں صف بندی سے متعلق فتاوٰں کو جمع کر دیا گیا ہے، اس طرح صف بندی کے متعلق یہ منفرد کتاب بن گئی ہے۔

۸۔فتاوی رمضان: یہ رمضان المبارک، روزوں، شب قدر، اعتکاف اور صدقۃ الفطر وغیرہ کے اکثر وبیشتر مسائل کے متعلق علمی فتاوٰں اور مقالات کا مجموعہ ہے، اور ایک مسلمان کے لئے رمضان المبارک اور اس کی جملہ عبادات کے متعلق ایک قیمتی تحفہ ہے۔

۹۔عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت: یہ عید میلاد النبی کے بارے میں ایک تحقیقی اور علمی رسالہ ہے، جس میں اس کی شرعی حیثیت اور نقصانات پر مفصل ومدلل روشنی ڈالی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ یہ ایک مبتدعانہ عمل ہے جس کا وجود عہد نبوی اور خیر القرون میں نہیں تھا، اور اس میں عید کرسمس کی مشابہت اور نقالی ہے۔

۱۰۔عیدین کے احکام ومسائل: اس میں عید الفطر وعید الاضحیٰ کے احکام ومسائل کا مدلل بیان ہے، خاص طور سے خواتین کے عیدگاہ جانے کے مسئلہ پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے، اور عیدین کے موضوع پر مصنف کے فتاوٰں کو جمع کر دیا گیا ہے۔

۱۱۔اسلام کا صحیح نظام طلاق: یہ طلاق کے موضوع پر ایک خطاب ہے، جس میں بیوی کے ساتھ حسن سلوک کے حکم کے ساتھ بحالت اضطرار طلاق وخلع کی گنجائش وجواز کی حکمت اور پھر طلاق کے صحیح اسلامی طریقہ پر مفصل ومدلل روشنی ڈالی گئی ہے، اور اخیر میں طلاق کے متعلق کچھ فتاووں کو جمع کر دیا گیا ہے۔

۱۲۔آداب تعلیم وتربیت: یہ تعلیم وتربیت کے موضوع پر ایک بیش قیمت کتاب ہے، جس میں تعلیم وتربیت کے فضائل، کامیاب معلم کے اوصاف، تدریس کا طریقہ، جامعہ محمدیہ کے نصاب تعلیم کے اعتبار سے ہر ہر کتاب کے الگ الگ اور مفصل طریقہ تدریس پر روشنی ڈالی گئی ہے، یہ مطبوع اور بہت سے مدارس وجامعات میں زیر تدریس ہے۔

۱۳۔قربانی کے احکام ومسائل: یہ قربانی کے موضوع پر بیش قیمت فتاووں اور علمی مقالات کا مجموعہ ہے، جس میں قربانی کے اکثر وبیشتر مسائل کے علاوہ قربانی کی تاریخ، اس کے فوائد اور اس پر اعداء اسلام کے اعتراضات کا مدلل جواب ہے۔

۱۴۔عقیقہ کے احکام ومسائل: اس میں عقیقہ سے متعلق فتاووں کے علاوہ بچے کی ولادت کے ساتویں دن کے دیگر بہت سے مسائل جیسے بال مونڈنے، نام رکھنے، نہلانے وغیرہ کا بیان ہے، اور بہت سی بدعات وغیر شرعی رسوم کی تردید ہے۔

۱۵۔حقوق الاولاد: یہ اولاد کے حقوق سے متعلق ایک مختصر رسالہ ہے۔

۱۶۔ترجمہ تسہیل الوصول الی فہم الاصول: یہ ترجمہ اردو میں ہے۔

۱۷۔دعوت کے اصول کتاب وسنت اور فہم سلف صالح کی روشنی میں: یہ معالی الشیخ صالح بن عبدالعزیز آل شیخ، وزیر الشئون الاسلامیہ والاوقاف بالمملکہ العربیہ السعودیہ حفظہ اللہ کے رسالہ "تأصیل المنهج الدعوی فی ضوء الکتاب والسنة وفهم السلف الصالح" کا اردو میں ترجمہ ہے۔

۱۸۔کتاب الفضائل: مختلف اعمال وعبادات کے فضائل کے موضوع پر ایک مختصر رسالہ ہے۔

۱۹۔عالم برزخ: یہ برزخ کے موضوع پر ایک مختصر رسالہ ہے۔

۲۰۔عربی مدارس کا سلفی نصاب اور اس کے احیاء کی ضرورت: یہ عربی مدارس کے نصاب تعلیم کے موضوع پر ایک کتابچہ ہے، جسے جامعہ محمدیہ نے فروری ۱۹۹۰ء میں اپنے گیارہوں تعلیمی وتبلیغی کانفرنس کے موقع پر طبع کر کے تقسیم کیا تھا۔

۲۱۔نعمۃ المنان مجموع فتاوی فضیلۃ الدکتور فضل الرحمن: یہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جس کی یہ پہلی جلد ہے۔

۲۲۔مقالات مدنی: یہ مقالات کا مجموعہ ہے۔

۲۳۔خطبات: یہ کچھ خطبات جمعہ کا مجموعہ ہے۔

عہدے ومناصب:

۱۔جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں میں کلیۃ الشریعہ للبنین اور کلیۃ عائشہ الصدیقہ میں تدریس۔ ۲۔رئیس قسم الافتاء بالجامعہ المحمدیہ منصورہ مالیگاؤں۔ ۳۔سابق شیخ الجامعہ جامعہ محمدیہ، منصورہ مالیگاؤں۔ ۴۔عضو مجلس شوری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔ ۵۔عضو

مجلس شوری جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر۔ ۶۔ ممبر اسلامک فقہ اکیڈمی، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ۔ ۷۔ ممبر مسلم پرسنل لاء بورڈ، انڈیا۔ ۸۔ سابق رئیس قسم الفقہ، جمعیۃ خریجی الجامعات السعودیہ بالہند والنیپال۔ ۹۔ سابق مشرف علی الدعاۃ، صوبہ مہاراشٹر وگجرات۔ ۱۰۔ رئیس جمعیۃ خریجی الجامعات السعودیہ بالہند۔ ۱۱۔ سابق عضو مجلس ادارت مجلہ صوت الحق، جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں۔ ۱۲۔ عضو مجلس شوری مجلہ پیام توحید، نئی دہلی۔ ۱۳۔ عضو مجلس شوری مجلہ ترجمان السنۃ، رچھا بریلی۔ حالیہ مشغولیات: رئیس مجلس علمی واستاذ ومفتی جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں۔

چند مشہور زملاء:

مشہور ساتھیوں میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا شاہد جنید سلفی، رئیس جامعہ سلفیہ بنارس۔ ۲۔ ڈاکٹر جاوید اعظم، سابق رئیس جامعہ سلفیہ بنارس۔ ۳۔ ڈاکٹر اختر جمال بنارسی، استاذ دارالحدیث مکیہ۔ ۴۔ ڈاکٹر عبدالعزیز بن شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ الرحمانی مبارک پوری۔ ۵۔ مولانا عبدالمنان سلفی، بھیکم پور۔ ۶۔ مولانا عظمت اللہ جلیلی، بھیکم پور۔ ۷۔ مولانا رفیق احمد سلفی، دارالدعوۃ، دہلی۔ ۸۔ ڈاکٹر ایاز احمد، بونڈیہار۔ ۹۔ جناب وجہ القمر صاحب، بونڈیہار۔ ۱۰۔ مولانا شیر محمد اثری، کوہلوا۔

کلیۃ الشریعۃ، جامعہ اسلامیہ میں اپنے کلاس میں مختلف ممالک کے تقریباً ۱۸۰ طلبہ تھے، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

۱۱۔ میجر اسلم صاحب، پاکستان۔ ۱۲۔ اسماعیل علی، انڈونیشیا۔ ۱۳۔ شیخ طلال احمد، سعودی عرب۔ ۱۴۔ ڈاکٹر فیحان، سعودی عرب۔ ۱۵۔ ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالعزیز، سعودی عرب۔

چند مشہور تلامذہ:

جامعہ محمدیہ مالیگاؤں میں آنے کے بعد دوسرے سال سے ہی فضیلت اولیٰ وثانیہ اور عالمیت سال آخر کی کتابیں زیر تدریس رہی ہیں، چنانچہ ۱۹۸۹ء کے بعد تقریباً تمام فارغین جامعہ ہمارے تلامذہ ہیں، اسی طرح کلیہ عائشہ صدیقہ میں بھی طویل عرصہ سے فضیلت ثانی اور تخصص کی طالبات کو پڑھاتا رہا ہوں، اس واسطے وہاں سے فارغات کی بھی ایک بڑی تعداد اپنی تلمیذات ہیں، بہت سی معلمات کو بھی کچھ کتابیں ان کے تدریسی ایام میں پڑھائی ہیں، تاکہ وہ طالبات کو آسانی سے اور صحیح صحیح پڑھا سکیں، ہمارے تلامذہ وتلمیذات اور مستفیدین ومستفیدات کی صحیح تعداد صرف اللہ کے علم میں ہے۔ البتہ چند کے نام یہاں ذکر کئے جارہے ہیں۔

۱۔ مولانا ابورضوان محمدی، استاذ جامعہ محمدیہ مالیگاؤں، وناظم اعلیٰ جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر۔ ۲۔ ڈاکٹر الیاس محمدی، ممبئی۔ ۳۔ شیخ ظفر عدیل محمدی، اعظم گڑھ، داعی جالیات تبوک، سعودی عرب۔ ۴۔ شیخ انصار زبیری محمدی، اعظم گڑھ، صدر اسلامک فقہ کونسل، ممبئی۔ ۵۔ شیخ مختار احمد محمدی مدنی، داعی جالیات جبیل، سعودی عرب۔ ۶۔ شیخ جنید احمد المدنی، شیخ الجامعہ، جامعہ اسلامیہ کوسہ ممبرا۔ ۷۔ شیخ کے عبدالرحمن المدنی، استاذ ومدیر الامتحانات، جامعہ محمدیہ مالیگاؤں۔ ۸۔ شیخ اظہار الحق المدنی، استاذ ومدیر مجلہ صوت

الحق جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں۔۹۔ڈرمحمد وسیم المدنی، جامعہ اسلامیہ مدینہ۔۱۰۔طاہر بیگ محمدی، ناظم جمعیت اہل حدیث شولا پور۔۱۱۔شیخ اسماعیل رافعی المحمدی، مدیر مجلہ البلاغ ممبئی۔۱۲۔شیخ عبدالرقیب مظاہر الحق، جامعہ اسلامیہ مدینہ۔۱۳۔شیخ محمد ہارون محمدی المدنی، داعی جالیات قریات، سعودی عرب۔۱۴۔ابوہریرہ محمد بشیر محمدی المدنی، داعی جالیات، سعودی عرب۔۱۵۔علی محمد محمدی المدنی، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ۔۱۶۔محمد مصطفی محمد بشیر محمدی المدنی، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ۔۱۷۔قاضی سفیان محمدی المدنی، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ۔

دائمی پتہ: مقام و پوسٹ شنکر نگر، ضلع بلرام پور، یوپی، انڈیا، پن کوڈ: ۲۷۱۲۰۱۔
موجودہ پتہ: جامعہ محمدیہ منصورہ پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴، مالیگاؤں، ضلع ناسک، مہاراسٹر، انڈیا پن کوڈ: ۴۲۳۲۰۳
موبائل نمبر: ۹۹۶۰۵۷۲۶۶۰، فیکس نمبر: ۰۲۵۵۴۲۳۵۶۷۹

□□□

استاد گرامی

مولانا عاشق علی اثری سنابل نئی دہلی

جنرل سکریٹری مرکز ابوالکلام آزاد للتوعیۃ اسلامیہ نئی دہلی

پیدائش: ۱۲/اپریل ۱۹۵۱ء

نام ونسب: ابوصادق عاشق علی اثری بن گل حسن بن مولیٰ بخش۔

خاندانی پس منظر: میرے دادا جناب مولیٰ بخش رحمہ اللہ ضلع بستی (موجودہ ضلع سدھارتھ نگر) کے ایک غالی قبر پرست گاؤں کھری ڈیہہ کے باشندہ تھے، دادا رحمہ اللہ چھ بھائی تھے اور دادا کے چار بیٹے تھے: (۱) جناب گولی صاحب (۲) جناب نصر اللہ صاحب (۳) جناب فتح اللہ صاحب (۴) سب سے چھوٹے والد محترم جناب گل حسن صاحب۔ رحمھم اللہ رحمۃً واسعۃً وغفر لھم۔

دادا رحمہ اللہ کی شادی میرے گاؤں تلسڑی میں ہوئی تھی۔ شادی کے کچھ دنوں کے بعد دادا کھری ڈیہہ کو ترک کر کے تلسڑی میں آباد ہو گئے۔ میرے والد رحمہ اللہ کے چار بھائیوں میں سے بڑے جناب گولی صاحب اپنے آبائی گاؤں ہی میں رہ گئے اور باقی تین انتقال مکانی کر کے تلسڑی میں رہائش پذیر ہو گئے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے کہ کھری ڈیہہ کے لوگ غالی قسم کے قبر پرست اور پیر پرست تھے اور یہی ان کا دین وایمان تھا۔ تلسڑی آنے کے بعد والد صاحب اور میرے چچاؤں میں قبر پرستی تو نہ تھی مگر بریلویت بلکہ شیعیت کے اثرات باقی تھے۔ پورا گاؤں اسلام سے دور، بدعملی، جہالت وضلالت اور پیری ومریدی کے دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ اسلام کے تعلق سے ماہ رمضان میں چند بوڑھے مرد وعورتیں صرف صوم (روزہ) رکھ لیتے تھے، گاؤں میں مسجد تھی نہ مدرسہ، صلوات اور دیگر احکام شرع سے کسی کو کوئی مطلب نہیں تھا، حتی کہ صلاۃ جمعہ اور صلاۃ جنازہ بھی کوئی پڑھنے اور پڑھانے والا نہیں تھا۔ غیر مسلم اپنے مردوں کو جلاتے تھے اور مسلمان بغیر صلاۃ جنازہ کے قبرستان میں دفن کر دیتے تھے۔ ماہ محرم کی آمد پر ہندو مسلم سبھی ڈھول وتاشہ میں مشغول ہو جاتے تھے۔ چھوٹی ذات کے ہندو تعزیہ بناتے تھے اور مسلمان بچے انہیں لے جا کر موضع دولہا میں ٹھنڈا کرتے تھے، خود میرے والد رحمہ اللہ وغفرلہ عاشورا کے دن کافی مقدار میں شربت بنا کر ''سبیل'' لگاتے تھے۔ موضع دولہا سے ایک میاں صاحب (ذات کے فقیر) گاؤں میں فصلوں کے موسم میں کھلیانی (صدقہ) وصول کرنے اور عید وبقرعید اور محرم میں ان چیزوں کی آمد کی خبر دینے کے لئے آیا کرتے تھے۔ البتہ بفضل الٰہی میرے ماموں جناب عبدالغفور صاحب۔ رحمہ اللہ کا پورا گاؤں اہل حدیث تھا۔ اور ماموں جان رحمہ اللہ خود قرآن مجید ناظرہ پڑھے ہوئے تھے اور قرآن کو بڑی روانی کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اس لئے میری والدہ رحمہا اللہ شروع ہی سے قبر پرستی اور پیر پرستی وغیرہ کی لعنت سے محفوظ تھیں مگر جہالت اور دینی تعلیم سے دوری اور احکام شرع سے لاعلمی کی وجہ سے گھر سے محرم کی سبیل نہ دور کر سکیں۔

میں جب کچھ شعور کو پہنچا تو والد محترم جناب گل حسن صاحب رحمہ اللہ نے مجھے اردو قاعدہ خود پڑھایا، والد صاحب کی اردو میڈیم سے درجہ پنجم تک کی تعلیم بڑی ٹھوس تھی۔ حساب وکتاب میں بڑے ماہر تھے، زمین کی پیائش کا معاملہ ہو، روپے پیسے، غلہ، کپڑا اور زیورات وغیرہ کی خریداری کی بات ہو ان تمام امور میں والد محترم رحمہ اللہ پورے گاؤں اور قرب وجوار کے لوگوں کے لئے مرجع خلائق تھے اور ''منیب بابو'' کے نام سے مشہور تھے لیکن دینی تعلیم اور قرآن ناظرہ وغیرہ سے محروم تھے۔

میں نے قاعدہ بغدادی اور عم پارہ کی تعلیم گاؤں کے ایک بزرگ جناب محمد ابراہیم صاحب رحمہ اللہ سے حاصل کی، وہ قرآن مجید ناظرہ اور اردو وغیرہ سے واقف تھے۔ ان کے علاوہ پورے گاؤں میں صرف ایک صاحب قرآن ناظرہ پڑھے ہوئے تھے مگر وہ ناظرہ بھی نہیں پڑھ پاتے تھے۔ اس کے بعد کی تعلیم کے لئے والد صاحب نے ایک میاں صاحب کو بلایا، جو میرے غریب خانہ پر رہتے تھے اور باری پر گاؤں کے مسلمانوں کے یہاں کھانا کھاتے تھے اور ''چٹکی'' کی وصولی سے جو رقم ملتی تھی وہ میاں صاحب کو بطور تنخواہ دی جاتی تھی۔ کچھ دنوں تک میاں صاحب نے محنت اور لگن سے پڑھایا اور میں نے اور گاؤں کے کچھ دیگر ہم جولیوں نے قرآن کریم ناظرہ، اردو اور کچھ حساب وغیرہ کی جانکاری حاصل کرلی۔ اس کے بعد میاں صاحب ناغہ کرنے لگے اور تعلیمی نقصان ہونے لگا تو والد صاحب نے اپنے ایک غیر مسلم دوست کے لڑکے کے ساتھ مجھے موضع بکھریا کے سرکاری پرائمری اسکول میں تعلیم کے لئے بھیجنا شروع کیا اور بڑے والد جناب نصر اللہ صاحب رحمہ اللہ نے میرے چچازاد بھائی عزیزم عبدالحمید سلمہ اللہ تعالیٰ کو ''مدرسہ شمس الہدیٰ'' مہدیوا ضلع سدھارتھ نگر میں اسلامی اور دینی تعلیم کے لئے بھیجا۔ کچھ دنوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا تو استاذ گرامی مولانا امان اللہ خان آزاد صدر مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ، مہدیوا۔ رحمہ اللہ حسب عادت دین کی دعوت اور تبلیغ کے لئے بڑے والد کے گھر تشریف لائے۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد وعظ ونصیحت فرمائی۔ صبح کو بڑے والد رحمہ اللہ نے والد گرامی رحمہ اللہ سے کہا کہ عاشق علی کو بھی مہدیوا مکتب پر بھیجو تاکہ دونوں بھائی ایک ساتھ آئیں اور جائیں اور مہدیوا میں ہندی اور حساب وغیرہ کے ساتھ کچھ دینی تعلیم بھی حاصل کرلیں۔ بحمد للہ بڑے والد کے دل سے نکلی ہوئی بات والد رحمہ اللہ کے دل میں بیٹھ گئی اور دوسرے دن سے انہوں نے مجھے مدرسہ شمس الہدیٰ، مہدیوا میں بھیجنا شروع کردیا اور میں محنت ولگن سے تحصیل علم میں لگ گیا۔ جب میرا داخلہ یہاں ہوگیا اور میں مستقل طور پر پڑھنے لگا تو والد صاحب کے اس غیر مسلم دوست نے والد صاحب سے مجھے دینی تعلیم سے نکال کر پھر عصری تعلیم کے حصول پر ابھارا اور کہا کہ منیب بھائی! آپ نے عاشق علی کو کہاں لے جاکر ڈال دیا ہے؟ یہ لائن ٹھیک نہیں ہے، یہاں سے پڑھنے کے بعد چندمکوں پر کام کرنا ہوگا اور اس کے ساتھ رات دن چندہ کرنا ہوگا۔ مگر اللہ نے مقدر کر رکھا تھا اس لئے والد صاحب مجھے یہ دینی تعلیم دلانے پر مطمئن رہے اور ان کی بات کا کوئی اثر نہیں لیا۔ بتوفیق الٰہی میں تحصیل علم میں لگا رہا اور مختلف مراحل اور اداروں سے گزرتا ہوا ۱۹۷۲ء میں جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئوناتھ بھنجن سے سند فراغت حاصل کرلی۔ فللہ الحمد۔

آبائی وطن: موضع کھریڈیہہ، ضلع سدھارتھ نگر (سابق ضلع بستی) یوپی۔

تاریخ ومقام پیدائش: ۱۲/اپریل ۱۹۵۱ء، مقام تلسڑی، پوسٹ ککرہوا بازار، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی۔ ۲۷۲۲۰۶

حالیہ رہائش اور پتہ: اثری منزل، سی۔ ۱۰۷، ابوالفضل انکلیو۔ ۲ (شاہین باغ) جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵۔

ابتدائی واعلیٰ تعلیم:

☆ پرائمری: مدرسہ شمس الہدیٰ، مہدیوا، ضلع سدھارتھ نگر یوپی۔

☆ متوسطہ واولیٰ ثانویہ: جامعہ شمس العلوم سمرا، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی۔ جماعت اولی تا رابعہ (اولیٰ، ثانیہ، ثالثہ متوسطہ اور اولیٰ ثانویہ) چار سال ۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۹ء (چاروں سالوں میں سالانہ امتحان "امتحانی بورڈ ضلعی جمعیت اہل حدیث بستی" کے تحت ہوتے رہے جس میں متعدد مدارس اہل حدیث شریک تھے، یہ امتحانی بورڈ استاذ گرامی مولانا عبدالمبین منظرؒ ناظم جامعہ شمس العلوم سمرا، ضلع سدھارتھ نگر کی کوششوں سے تشکیل پایا تھا جو اس وقت ضلع جمعیۃ اہلحدیث بستی (موجودہ سدھارتھ نگر) کے ناظم تھے۔

☆ ثانویہ کے آخری دو سال: مدرسہ انوار العلوم پرساعماد، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی سے ثانیہ اور ثالثہ ثانویہ (جماعت خامسہ اور سادسہ) دو سال ۱۹۶۹ء۔۱۹۷۰، و ۱۹۷۰ء۔۱۹۷۱ء

☆ فضیلت: جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئوناتھ بھنجن، یوپی ایک سال ۱۹۷۱ء۔ ۱۹۷۲ء۔

جامعہ جہاں سے سند فراغت حاصل کی: جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئوناتھ بھنجن، یوپی۔

سن فراغت: ۱۰ر شعبان ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹ر ستمبر ۱۹۷۲ء فضیلت علوم شرعیہ۔

تعلیمی لیاقت:

نمبر شمار	پاس کردہ امتحانات	ڈویژن	سن	تعلیمی ادارہ/بورڈ
۱	فاضل علوم شرعیہ	ممتاز، درجہ اور جامعہ میں پہلی پوزیشن	ستمبر ۱۹۷۲ء شعبان ۱۳۹۲ھ	جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئوناتھ بھنجن، یوپی
۲	فاضل علوم اسلامیہ	فرسٹ ڈویژن	۱۹۷۸ء	عربی فارسی بورڈ، الہ آباد، یوپی
۳	فاضل ادب	سکنڈ ڈویژن	۱۹۷۶ء	" " "
۴	عالم علوم اسلامیہ	تھرڈ ڈویژن	۱۹۷۲ء	" " "
۵	منشی (فارسی کامل)	سکنڈ ڈویژن	۱۹۷۳ء	" " "
۶	کامل (فارسی کامل)	سکنڈ ڈویژن	۱۹۷۹ء	" " "
۷	ادیب (اردو)	سکنڈ ڈویژن	۱۹۷۱ء	جامعہ اردو علی گڑھ، یوپی
۸	ماہر دینیات	سکنڈ ڈویژن	۱۹۶۶ء	دیوبند، یوپی

دورۂ تدریبیہ میں شرکت: ماہ اگست ۱۹۹۳ء میں جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، ریاض، سعودی عرب کے تعاون سے ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی میں منعقدہ پہلے ۲۲ روزہ دورۂ تدریبیہ (ریفریشر کورس) میں شریک ہوکر استفادہ کیا۔

مشہور اساتذہ:

(۱)مولانا عبدالعزیز اعظمی عمری(م ۷/جولائی ۲۰۰۵ء۔۲۹/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ) (۲)مولانا فیض الرحمن فیض مئوی(م ۱۷/دسمبر ۲۰۰۴ء۔۴ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ)(۳)مولانا عظیم اللہ مئوی(م ۶/اکتوبر ۱۹۹۳ء۔۱۹ ربیع الآخر ۱۴۱۴ھ)(۴) مولانا مشتاق احمد شوق مئوی(م ۲۲/اپریل ۲۰۰۵ء)(۵)مولانا محمد مصطفی اسد مئوی(م ۷/نومبر ۲۰۰۲ء۔یکم رمضان ۱۴۲۳ھ)(۶) مولانا عبدالمبین منظر(م ۲۷/اکتوبر ۱۹۸۹ء۔۱۴۱۰ھ) (۷)مولانا عبدالعلیم ماہر بستوی(م ۲۹/جنوری ۲۰۱۶ء۔۱۸ربیع الآخر ۱۴۳۷ھ)(۸)مولانا امان اللہ خان آزاد(م ۲۳/اکتوبر ۲۰۱۴ء۔۲۷/ذی الحجہ ۱۴۵۳ھ)رحمہم اللہ وغفرلہم۔(۹)مولانا محمد احمد اثری بستوی(۱۰)مولانا ابوالکلام احمد(۱۱)مولانا عبدالرحیم فیضی(۱۲)مولانا شفیق احمد۔حفظہم اللہ ورعاہم۔

نوٹ: مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ سے سنن ترمذی، صحیح بخاری جلد اول اور موطا امام مالک اور مولانا فیض الرحمن فیض۔رحمہ اللہ سے صحیح مسلم کامل اور مولانا عظیم اللہ۔رحمہ اللہ سے صحیح بخاری جلد ثانی، مولانا مشتاق احمد شوق مئوی اور مولانا محمد مصطفی اسد مئوی سے منشی اور کامل کی تیاری میں فارسی ادب وغیرہ کی کتابیں پڑھیں اور بقیہ اساتذہ گرامی قدر سے عربی، شرعی اور دیگر علوم وفنون۔

عرب وعجم کے وہ مشاہیر علماء جن سے باقاعدہ پڑھنے کے بجائے استفادہ کیا ہے:

علمائے عجم:

۱۔مولانا عبداللہ شائق مئوی: بانی جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو(م دسمبر ۱۹۷۴ء)

۲۔مولانا عبدالوہاب آروی: سابق صدر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند(م مارچ ۱۹۸۳ء)

۳۔صوفی نذیر احمد کشمیری(م ۱۹۸۵ء)

۴۔مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی پاکستان: صاحب التعلیقات السّلفیہ علی سنن النسائی(م اکتوبر ۱۹۸۷ء)

۵۔شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری: صاحب مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح(م ۱۹۹۴ء)

۶۔خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری: سابق ناظم جامعہ سلفیہ سراج العلوم، جھنڈانگر(م نومبر ۱۹۹۹ء)

۷۔مولانا سید عبدالسمیع جعفری مدنی: سابق امیر امارت اہل حدیث صادق پور، پٹنہ(م اکتوبر ۲۰۱۵)

علماء عرب:

(الف) مرکز میں جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، ریاض کے تعاون سے مدرسین اور دعاۃ کے لئے منعقدہ پہلے ۲۲ روزہ ریفریشر کورس (دورۂ تدریبیہ) ماہ اگست ۱۹۹۳ء میں درج ذیل علماء ومشائخ سے مستفید ہوا:

(۱) شیخ عبداللہ بن محمد العمرو (۲) شیخ صالح بن عبدالعزیز الغلیقہ

(۳) شیخ عبداللہ بن صالح الغصن (۴) شیخ ناصر بن محمد العنزی

(۵) شیخ خالد بن ابراہیم النملہ (۶) شیخ صالح بن محمد الشائع

(ب) دیگر علماء:

(۱) امام عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز: سابق مفتی اعظم سعودی عرب (م مئی ۱۹۹۹ء)

(۲) محدث شہیر علامہ محمد ناصر الدین البانی: (م اکتوبر ۱۹۹۹)

(۳) علامہ محمد بن صالح العثیمین: بریدہ، قصیم (م جنوری ۲۰۰۱ء)

(۴) علامہ محمد بن عبداللہ بن سبیل: سابق امام وخطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ (م دسمبر ۲۰۱۲ء)

مشہور تلامذہ:

(الف) جامعہ اثریہ دارالحدیث مئوناتھ بھنجن کے زمانۂ تدریس میں:

(۱) مولانا اصغر علی امام مہدی (دہلی) (۲) مولانا عبدالحق اثری (چمپارن) (۳) مولانا عبدالشکور اثری (مئو) (۴) مولانا شفیق احمد ندوی (مئو) (۵) مولانا شکیل احمد مدنی۔ رحمہ اللہ (مئو) (۶) مولانا ابوسفیان مدنی (مئو) (۷) مولانا محمد افضل اثری (مئو) (۸) مولانا محمد مقتدیٰ اثری عمری (مئو) (۹) مولانا فیاض احمد اثری (مئو) (۱۰) مولانا سعید احمد شائقی (ممبئی) (۱۱) مولانا جلال الدین قاسمی (مالیگاؤں) (۱۲) مولانا معین الدین سلفی (بنارس) (۱۳) مولانا حبیب اللہ اثری (جھارکھنڈ) (۱۴) مولانا عبدالستار اثری (جھارکھنڈ) (۱۵) مولانا لعل محمد اثری (جھارکھنڈ) (۱۶) مولانا محمد سلیم اثری (سدھارتھ نگر) (۱۷) مولانا فرید احمد اثری (بہار) (۱۸) مولانا حفیظ اللہ اثری (سدھارتھ نگر) (۱۹) مولانا محمد حسین اثری (سدھارتھ نگر) (۲۰) مولانا عبدالرحیم امینی (سدھارتھ نگر) (۲۱) مولانا جمال الدین اثری کشمیری) (۲۲) مولانا شمیم الرحمن اثری (نیپال) (۲۳) مولانا محمد ادریس اثری (نیپال) (۲۴) مولانا عزیز عمر سلفی (دہلی) (۲۵) مولانا عبدالواجد فیضی (مہراج گنج) (۲۶) مولانا عبدالرؤف اثری (مہراج گنج) (۲۷) مولانا شفیق الرحمن تلشی پور (بلرام پور) (۲۸) مولانا عبد المبین فیضی (مئو) (۲۹) مولانا اشتیاق احمد اثری (مئو) (۳۰) مولانا نیاز احمد سلفی (مہراج گنج) (۳۱) مولانا محمد ایوب اثری (مہراج گنج) (۳۲) مولانا محمد ایوب اثری (ممبئی) (۳۳) مولانا سعید احمد سلفی (واپی) (۳۴) مولانا محمد ہارون اثری (نیپال) (۳۵) مولانا کلیم اللہ اثری مدنی (نیپال) (۳۶) مولانا محمد صابر اثری (راجستھان) (۳۷) ڈاکٹر نور اللہ اثری (بلرام پور) (۳۸) ڈاکٹر سعید احمد اثری (جھنڈا نگر، نیپال) (۳۹) مولانا رفیق احمد اثری۔ رحمہ اللہ (بلرام پور) (۴۰) مولانا جمال احمد اثری (بلرامپور) (۴۱) مولانا مطیع اللہ اثری (بلرام پور)۔

(ب) معہد التعلیم الاسلامی اور جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی کے زمانۂ تدریس میں:

(۱) قاری محمد مصطفی عثمانی (دہلی) (۲) مولانا عبداللہ صدیق (دہلی) (۳) مولانا زبیر احمد ہدایت اللہ (ممبئی) (۴) مولانا وسیم

احمد سنابلی مدنی (دہلی) (۵) مولانا نصر اللہ سنابلی (دہلی) (۶) مولانا امر اللہ بن حبیب اللہ سنابلی (قطر) (۷) مولانا محمد قاسم سنابلی ریاضی (ریاض) (۸) مولانا شفیق اللہ سنابلی ریاضی (سعودی عرب) (۹) مولانا محمد شفیع سنابلی (بلرام پور) (۱۰) مولانا وسیم احمد سنابلی ریاضی (دہلی) (۱۱) مولانا معراج ربانی مدنی (سعودی عرب) (۱۲) مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی (ممبئی) (۱۳) مولانا شفیق الرحمن سنابلی ریاضی (سعودی عرب) (۱۴) مولانا نورالہدیٰ سنابلی مدنی (سعودی ایمبسی دہلی) (۱۵) حافظ شوکت علی سنابلی مدنی (قطر) (۱۶) مولانا عبدالمعبود سنابلی مدنی (بحرین) (۱۷) مولانا اعجاز احمد سنابلی ریاضی (نیپال) (۱۸) مولانا شکیل احمد سنابلی (دہلی) (۱۹) مولانا عبدالبر سنابلی مدنی (دہلی) (۲۰) مولانا شمیم احمد محمد رفیع سنابلی مدنی (۲۱) مولانا عبدالتواب سنابلی (بنگال) (۲۲) مولانا عزیز الدین سنابلی (بلرام پور) (۲۳) مولانا عزیز الرحمن سنابلی مدنی (نیپال) (۲۴) مولانا عبدالماجد سنابلی (۲۵) مولانا ریاض احمد سنابلی (۲۶) مولانا عمیر احمد سنابلی (۲۷) ڈاکٹر سعید احمد حیات مشرفی سنابلی مدنی (دبی) (۲۸) مولانا عبدالصبور سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۲۹) مولانا اشتیاق احمد سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۳۰) مولانا ابرار احمد سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۳۱) مولانا محمد اسرائیل سنابلی مدنی (۳۲) مولانا زبیر عالم سنابلی مدنی (۳۳) مولانا مقصود الرحمن سنابلی مدنی (آسام) (۳۴) مولانا احمد حسین سنابلی (ممبئی) (۳۵) مولانا انور علی سنابلی (مدینہ طیبہ) (۳۶) حافظ تمیم احمد سنابلی مدنی (جبیل) (۳۷) مولانا عبدالحفیظ سنابلی (دہلی) (۳۸) مولانا جمیل احمد سنابلی (دہلی) (۳۹) مولانا احسان اللہ سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۴۰) مولانا شاہد جنید سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۴۱) حافظ عبدالاول سنابلی (سعودی عرب) ۴۲) مولانا نسیم الدین سنابلی (سعودی عرب) (۴۳) مولانا عبدالمتین سنابلی (ہریانہ) (۴۴) ڈاکٹر قطب الدین سنابلی (سعودی ایمبسی، دہلی) (۴۵) ڈاکٹر عبدالتواب سنابلی مدنی (کویت ایمبسی، دہلی) (۴۶) ڈاکٹر عبدالرحمن سنابلی مدنی (قطر) (۴۷) مولانا عبدالشکور سنابلی مدنی (ممبئی) (۴۸) مولانا عنایت اللہ سنابلی مدنی (ممبئی) (۴۹) ڈاکٹر محمد اجمل سنابلی مدنی (مالیگاؤں) (۵۰) ڈاکٹر عبدالملک سنابلی (سدھارتھ نگر) (۵۱) مولانا شاہد اقبال سنابلی (بہار) (۵۲) مولانا عبدالباسط سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۵۳) مولانا شمیم احمد فوزی سنابلی مدنی (ممبئی) (۵۴) ڈاکٹر امان اللہ سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۵۵) مولانا عبدالباسط سنابلی مدنی (ممبئی) (۵۶) مولانا محمد عمران سنابلی (ہریانہ) (۵۷) مولانا عبدالحفیظ سنابلی مدنی (کشمیر) (۵۸) مولانا ریاض الحق سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۵۹) ڈاکٹر خلیل الرحمن سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۶۰) مولانا ندیم احمد سنابلی (دہلی) (۶۱) مولانا پرویز عالم سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۶۲) ڈاکٹر ثمامہ فیصل سنابلی (لکھنؤ) (۶۳) ڈاکٹر عبدالواحد سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۶۴) مولانا محمد فاروق سنابلی مدنی (سعودی ایمبسی، دہلی) (۶۵) مولانا محمد ذاکر حسین سنابلی مدنی (بنگلہ دیش) (۶۶) ڈاکٹر محمود احمد سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۶۷) ڈاکٹر سعید الرحمن سنابلی مدنی (کولکاتا) (۶۸) مولانا خورشید احمد سنابلی مدنی (کشمیر) (۶۹) مولانا شکیل احمد سنابلی مدنی (قطر) (۷۰) مولانا محمد سنابلی ریاضی (دہلی) (۷۱) مولانا اظہار احمد سنابلی (آگرہ) (۷۲) مولانا محی الدین سنابلی (بہار) (۷۳) مولانا زین العابدین سنابلی (بہار) (۷۴) مولانا محمد رحمانی سنابلی مدنی (دہلی) (۷۵) مولانا نثار احمد سنابلی مدنی (دہلی) (۷۶) مولانا شمس الدین نیپالی سنابلی (قطر) (۷۷) ڈاکٹر نذیر احمد وانی سنابلی مدنی (کشمیر) (۷۸ مولانا شہاب الدین سنابلی (دہلی) (۷۹) مولانا محمد

مبارک سنابلی مدنی (ہریانہ) (۸۰) مولانا حکیم الدین سنابلی (ہریانہ) (۸۱) ڈاکٹر محمد خالد سنابلی (بنگلور) (۸۲) ڈاکٹر ارشد عالم سنابلی (دہلی) (۸۳) مولانا سلمان فیصل سنابلی (دہلی) (۸۴) مولانا جاوید ندیم سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۸۵) مولانا حبیب اللہ اثری مدنی (مدینہ طیبہ) (۸۶) ڈاکٹر محمد قاسم سنابلی (ممبئی) (۸۷) مولانا محمد شفیع الحق سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۸۸) مولانا عاصم خان سنابلی مدنی (سعودی عرب) (۸۹) ڈاکٹر سرفراز احمد سنابلی (ممبئی) (۹۰) ڈاکٹر عطاء اللہ سنابلی (دہلی) (۹۱) ڈاکٹر ضیاء الحق سنابلی (دہلی) (۹۲) ڈاکٹر شمس الضحیٰ سنابلی (قطر) (۹۳) مولانا عبدالحمید سنابلی مکی (مکہ) (۹۴) ڈاکٹر ظہیر الدین سنابلی (سدھارتھ نگر) (۹۵) ڈاکٹر محمد حارث سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۹۶) ڈاکٹر فیصل سبحانی سابلی (دہلی) (۹۷) مولانا عبدالوحید سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۹۸) مولانا محمد عاطف سنابلی (ممبئی) (۹۹) ڈاکٹر عنایت اللہ سنابلی (بہار) (۱۰۰) مولانا احسان اللہ سنابلی (ممبئی) (۱۰۱) مولانا نور عالم سلفی (مدینہ طیبہ) (۱۰۲) ڈاکٹر عبدالرحمن شہاب سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۱۰۳) مولانا محمد صادق سنابلی (قطر) (۱۰۴) مولانا رضی الدین سنابلی (دہلی) (۱۰۵) مولانا فضل الرحمن سنابلی (نیپال) (۱۰۶) مولانا محمد شعیب سنابلی مدنی (راجستھان) (۱۰۷) ڈاکٹر محمد مجتبیٰ جمال سنابلی (بہار) (۱۰۸) مولانا نورالہدیٰ سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۱۰۹) مولانا نسیم احمد سنابلی (سعودی عرب) (۱۱۰) مولانا وسیم اختر سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۱۱۱) مولانا ابوالکلام سنابلی (ممبئی) (۱۱۲) قاری محمد محسن سنابلی (دہلی) (۱۱۳) مولانا مفید احمد سنابلی (دہلی) (۱۱۴) مولانا ابوالکلام سنابلی (ممبئی) (۱۱۵) مولانا اشفاق احمد سنابلی (نیپال) (۱۱۶) مولانا شہید الاسلام سنابلی (آسام) (۱۱۷) مولانا احمد مبشر سنابلی ریاضی (ریاض) (۱۱۸) مولانا محمد ہارون سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۱۱۹) مولانا احسان الحق سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۱۲۰) مولانا اسحاق سنابلی (قطر) (۱۲۱) مولانا اکبر علی سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۱۲۲) مولانا خلیل الرحمن سنابلی مدنی (ممبئی) (۱۲۳) مولانا طارق ابوبکر سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۱۲۴) مولانا انعام الرحمن سنابلی مدنی (ممبئی) (۱۲۵) مولانا عبدالقادر سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۱۲۶) مولانا فرید احمد سنابلی (ممبئی) (۱۲۷) مولانا محمد احمد قدرت اللہ سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۱۲۸) مولانا محمد ہاشم سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۱۲۹) مولانا مرزا محمد وسیم سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۱۳۰) قاری آفتاب عالم سنابلی (دہلی) (۱۳۱) مولانا اشفاق احمد سنابلی (ممبئی) (۱۳۲) مولانا ظہیر الدین سنابلی (ممبئی) (۱۳۳) مولانا تہذیب الاخلاق سنابلی مدنی (مدینہ طیبہ) (۱۳۴) مولانا محمد نصیب العین سنابلی (دہلی) (۱۳۵) مولانا عبدالرحمن سنابلی (قصیم) (۱۳۶) مولانا عطاء الرحمن سنابلی (قصیم) (۱۳۷) مولانا محمد جنید سنابلی (دہلی) (۱۳۸) قاری عبدالباسط سنابلی (دہلی) (۱۳۹) مولانا فضل الرحمن سنابلی (مہسلہ) (۱۴۰) مولانا فضل الرحمن سحر محمود سنابلی (نیپال) (۱۴۱) ڈاکٹر محمد ارشد سنابلی (دہلی) (۱۴۲) مولانا مرزا ارشد ندیم سنابلی (مکہ) (۱۴۳) مولانا شمس الدین امجد سنابلی (کرناٹک) (۱۴۴) مولانا سمیع الرحمن سنابلی (دہلی) (۱۴۵) مولانا طیب ہلال سنابلی (گجرات) (۱۴۶) قاری صفوان احمد سنابلی (لکھنؤ) (۱۴۷) مولانا عبیدالرحمن سنابلی (دہلی) (۱۴۸) مولانا محمد اسلم اکرم سنابلی (دہلی) (۱۴۹) مولانا اجمل ذکی سنابلی (حیدرآباد) (۱۵۰) مولانا محمد سفیان سنابلی (دہلی) (۱۵۱) مولانا نیاز احمد سنابلی (ممبئی) (۱۵۲) مولانا مرزا اطہر عاصم بیگ سنابلی مکی (مکہ) (۱۵۳) مولانا محمد اظہر مدنی (دہلی) (۱۵۴) مولانا زاہد آزاد جھنڈانگری (نیپال) (۱۵۵) مولانا محمد اجمل سنابلی۔

اہم دعوتی/تدریسی/تصنیفی/صحافتی ودیگر خدمات:

دعوتی خدمات:

جیسا کہ خاندانی پس منظر میں ذکر ہوا کہ میرا گھرانہ سمیت پورا گاؤں اسلام اور شرائع اسلام سے دور، بدعملی، جہالت وضلالت کے دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔لیکن جب میں گاؤں پر والد صاحب کے لائے ہوئے میاں صاحب سے پڑھنے لگا اور قرآن پاک ناظرہ اور چمن اسلام کا دوسرا حصہ پڑھ لیا تو اسی وقت سے صلاۃ کی محبت دل میں جاگزیں ہوگئی اور اس کا اہتمام کرنے لگا اور جب میاں صاحب تدریس کا کام چھوڑ کر چلے گئے اور میں مادر علمی مدرسہ شمس الہدیٰ مہدیوا، سدھارتھ نگر سے کسب فیض کرنے لگا تو احکام اسلام سے وابستگی اور بڑھ گئی تو دعوت اسلامی کی فکر دامن گیر ہوگئی۔اس لئے استاذ گرامی مولانا امان اللہ خاں آزاد۔رحمہ اللہ کو وقتاً فوقتاً گھر پر بلا کر وعظ ونصیحت اور دعوت وتبلیغ کا کام کرنے لگا اور استاذ گرامی جب مدرسہ میں دن بھر درس وتدریس کا کام کر کے رات میں قرب وجوار کے کسی گاؤں میں دعوت کے لئے تشریف لے جاتے تو اپنے اس ناچیز کو بھی اکثر اپنے ہمراہ لے جاتے اور مجھ بے علم کو کچھ تقریریں یاد کرا رکھی تھیں انہیں اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں بیان کرنے کا حکم دیتے،جس کا فائدہ بفضل الٰہی یہ پہنچا کہ آج کتاب وسنت کی باتیں اپنی کج مج زبان میں بیان کرنے کی جرأت پیدا ہوگئی ہے۔

پھر ستمبر ۱۹۷۲ء میں مادر علمی جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئوناتھ بھنجن سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد جب جنوری ۱۹۷۳ء سے مادر علمی میں بحیثیت ایک ادنیٰ مدرس کے اپنے مشفق اساتذہ کرام کی نگرانی میں تدریسی فریضہ انجام دینے لگا تو مسجد اہلحدیث، محلہ حسن مکھا ثانی، مئو میں مستقل خطیب کی حیثیت سے خطبۂ جمعہ دینے لگا۔جس میں بدعات وخرافات، شادی بیاہ کے غیر شرعی رسوم ورواج پر بھرپور روشنی ڈالتا اور مسلمانوں کی اصلاح اور کتاب وسنت سے ان کی وابستگی کے لئے کوشاں رہتا۔

میری طرح مئو کے یا مئو میں مقیم چند دیگر حساس اور غیر علمائے کرام مسلمانوں میں صلوات خمسہ باجماعت کے عدم اہتمام، ان میں پھیلی ہوئی اسلام بیزاری، بے راہ روی، بدعات وخرافات اور شعائر اسلام سے دوری سے سخت نالاں اور اصلاح معاشرہ کے لئے سخت مضطرب رہا کرتے تھے۔ ۱۹۷۵ء میں مولانا عبدالحمید رحمانی۔رحمہ اللہ کی مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند سے علاحدگی کے بعد ارباب جماعت میں پھر جمود پیدا ہوگیا تھا اور جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے دعوت وتبلیغ اور اصلاح معاشرہ کا کوئی خاطر خواہ کام نہیں ہو رہا تھا۔اس لئے ہم لوگوں نے ان حساس علماء کرام کے ساتھ مل کر اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں مئو میں تحریک کا آغاز کیا۔اور بغیر نام اور عہدہ کے کتاب وسنت کی روشنی کو عام کرنے اور لوگوں کو بدعات، خرافات اور تقلید جامد اور کمیونزم کے دلدل سے نکالنے کی کوشش شروع کی گئی اور مئو اور اطراف مئو واعظم گڑھ کے دورے کئے جانے لگے۔چنانچہ اس مقصد کے لئے ۲؍دسمبر ۱۹۷۷ء بروز جمعہ موضع بندی کلاں، ضلع اعظم گڑھ (موجودہ ضلع مئو) یوپی میں ایک اہم اور بنیادی اجتماع منعقد ہوا جس میں درج ذیل علمائے کرام شریک ہوئے:

(۱) مولانا قرۃ العین صاحب مبارکپوری۔ رحمہ اللہ سکریٹری جمعیۃ اہل حدیث، اعظم گڑھ (۲) مولانا حافظ نثار احمد صاحب فیضی مدرس جامعہ اسلامیہ فیض عام، مئو (۳) مولانا عبدالقدوس صاحب اثری۔ رحمہ اللہ مدرس جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو (۴) راقم سطور عاشق علی اثری مدرس جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو۔

بعد صلاۃ جمعہ یہ طے پایا کہ دعوتی وفد جہاں جہاں جائے وہاں دعوتی واصلاحی پروگرام کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو مقامی طور پر ہفتہ واری دعوت واصلاح کا کام کرتی رہے۔

دعوت واصلاح کے اس پروگرام کو مزید متحرک، فعال اور وسیع کرنے کے لئے ۸ ردسمبر ۱۹۷۷ کو مقامی طور پر جامع مسجد اہل حدیث مرزا ہادی پورہ، مئو ناتھ بھنجن میں ایک شورائی مجلس منعقد ہوئی اور اس میں کچھ بزرگوں اور مزید نوجوانوں کو بھی شامل کیا گیا تا کہ دعوت واصلاح کا یہ قافلہ تسلسل کے ساتھ حرکت میں رہے اور حسب ضرورت اس میں مزید علماء اور متحرک اور دیندار لوگوں کو شامل کیا جائے۔ اس مجلس کے اہم شرکاء درج ذیل افراد پر مشتمل تھے۔

(۱) استاذ گرامی مولانا عبدالعزیز صاحب اعظمی عمری رحمہ اللہ۔ مدرس جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئو (۲) استاذ محترم مولانا محمد احمد صاحب اثری مدرس جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئو (۳) محترم مولانا حافظ نثار احمد صاحب، فیضی مدرس جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو (۴) محترم جناب مولانا محفوظ الرحمن صاحب فیضی مدرس جامعہ اسلامیہ فیض عام، مئو (۵) محترم مولانا عبدالقدوس صاحب اثری۔ رحمہ اللہ مدرس جامعہ اثریہ، مئو (۶) محترم مولانا محمد اسماعیل صاحب اثری (کشمیری) مدرس جامعہ اثریہ، مئو (۷) محترم مولانا صغیر احمد صاحب مئوی (۸) راقم سطور عاشق علی اثری مدرس جامعہ اثریہ، مئو وغیرہم۔

بحمد اللہ دعوت واصلاح کا یہ قافلہ حکم الٰہی (وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ) (آل عمران ۶: ۱۰۴) کی تعمیل اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی میں برابر لگا رہا اور ۲ ردسمبر ۱۹۷۷ء سے جولائی ۱۹۷۸ء تک اس مقصد کے لئے خاص مئو ناتھ بھنجن کے مختلف مقامات پر تیس سے زائد پروگرام منعقد کئے اور مئو کے باہر درج ذیل مقامات پر بھی اہم پروگرام ہوئے۔

(بندی کلاں، اعظم گڑھ (۲) شاہ پور، اعظم گڑھ (۳) بابو سالار، اعظم گڑھ (۴) املو متصل مبارک پور، اعظم گڑھ (۵) حسین آباد، مبارکپور، اعظم گڑھ (۶) چاند پور، متصل جین پور، اعظم گڑھ (۷) بھاواپور بنکٹ بازار، اعظم گڑھ (۸) کوپا گنج، اعظم گڑھ (۹) لوہیا، مبارک پور، اعظم گڑھ (۱۰) بندی گھاٹ، اعظم گڑھ۔

مذکورہ بالا علماء اور مشائخ کے علاوہ بہت سے دیگر علماء، مشائخ، اعیان جماعت اور دین پسند احبابان پروگراموں میں شرکت کرتے رہے جن کا نام ذکر کرنے سے طوالت کی وجہ سے ہم قاصر ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں شرکت کرنے والے تمام احباب ومخلصین کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور جو لوگ اس دار فانی کو چھوڑ کر دار بقاء کو سدھار گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ وادخلہم فی فردوس جناتہ۔ آمین۔

اسی مادر علمی جامعہ اثریہ دارالحدیث کے زمانۂ تدریس میں دعوتی واصلاحی جذبہ کے تحت اپنے گاؤں تلسڑی، سدھارتھ نگر میں تعمیر مسجد کرائی اور جمعہ اور صلوات خمسہ کے اہتمام کے ساتھ اسی مسجد میں مقامی بچوں اور بچیوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا۔ اللہ تعالیٰ ان خدمات کو قبول فرما کر انہیں میرے، میرے والدین اور دیگر معاونین کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے گاؤں کی تعمیر مسجد کا تذکرہ ذیل میں کر دیا جائے اور دلچسپ اور نسل نو کو اس قسم کے دینی کاموں میں رغبت دلانے کا باعث ہے۔

اپنے گاؤں اور خاندان کے دینی ماحول اور پس منظر پر تھوڑی سی روشنی اوپر ڈال چکا ہوں، وہاں میں نے ذکر کیا ہے کہ میرے گاؤں میں نہ کوئی صلاۃ پڑھنے والا تھا اور نہ ہی کوئی مسجد تھی۔ جب میں استاذ گرامی مولانا امان اللہ خان آزاد۔ رحمہ اللہ کی شاگردی میں گیا تو بہ توفیق الٰہی اسی وقت سے صلوات کی پابندی کرنے لگا۔ مدرسہ میں استاد گرامی کے ساتھ اور گھر پر تنہا صلوات پڑھتا، دھیرے دھیرے والدین اور دوسرے اقرباء کو صلاۃ کی پابندی کی دعوت دینے لگا۔ بحمد للہ والدین اور کچھ دنوں کے بعد بڑے بھائی اور کچھ دوسرے لوگ صلاۃ ادا کرنے لگے مگر مسجد نہ ہونے کی وجہ سے سب لوگ اپنے گھر ہی پر انفرادی طور پر پڑھ لیتے تھے۔

مہدیوا سے درجہ پنجم امتیازی نمبرات سے پاس کرنے کے بعد ۶۶۔۱۹۶۵ میں استاذ گرامی مولانا عبدالمبین صاحب منظر (م ۲۷/اکتوبر ۱۹۸۹ء)۔ رحمہ اللہ کے جامعہ شمس العلوم سمرا (سدھارتھ نگر) گیا اور پہلی اور دوسری جماعت کی تعلیم مکمل کر کے تیسری جماعت میں پڑھنا شروع کیا تو عیدالاضحیٰ کی تعطیل میں گھر گیا، فصل ربیع کی سینچائی کا وقت تھا، میرے گاؤں کے پچھم ایک چھوٹا سا نالہ اور جنگل ہے۔ اتفاق سے جمعہ کے دن گاؤں کے اکثر مسلمان اس نالہ سے جنگل کے دونوں طرف اپنے اپنے کھیتوں کی سینچائی کر رہے تھے، میں بھی اپنے والد محترم رحمہ اللہ اور بڑے بھائیوں کے ساتھ سینچائی میں مشغول تھا۔ اچانک میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آج گاؤں کے تقریباً سبھی مسلمان اکٹھا ہیں انہیں صلاۃ جمعہ پڑھائی جائے۔ میں نے اپنے گھر والوں کو اس پر آمادہ کیا، پھر دوسرے لوگوں کو تیار کیا کہ آج جمعہ کا دن ہے، یہاں پانی موجود ہے آپ لوگ غسل کریں اور یہیں میدان میں صلاۃ جمعہ ادا کریں۔ بحمد للہ لوگوں نے میری گزارش سنی، غسل کیا اور جنگل کے پاس ایک کونہ میں ایک بنجر (غیر مزروعہ سرکاری زمین) گھاس پھوس والی زمین تھی، وہاں لوگوں کو اکٹھا کیا، اذان دلائی اور اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں خطبہ دیا اور صلاۃ پڑھائی۔ چونکہ میرے گاؤں میں جمعہ کا یہ پہلا اجتماع تھا اور مجھ نحیف ونزار اور کم علم وعمل والے طالب علم نے یہ اہتمام کرایا تھا اس لئے کئی ایک بڑے بوڑھے صلاۃ کے اندر ہنسنے لگے، بعد میں میں نے انہیں سمجھایا۔ بہر حال صلاۃ جمعہ کی ادائیگی کے بعد لوگ اپنے اپنے کھیتوں کی طرف روانہ ہو گئے اور اپنی فصلوں کی سینچائی میں مشغول ہو گئے اور میں چھٹی گزار کر اپنی دوسری مادر علمی جامعہ شمس العلوم، سمرا چلا گیا اور تحصیل علم میں مصروف ہو گیا۔ مگر گاؤں کے لوگوں کی احکام شرع خصوصاً صلوات خمسہ کے سلسلہ میں بے توجہی اور گاؤں میں مسجد نہ ہونے کی وجہ سے سخت اضطرابی کیفیت سے دوچار رہتا تھا۔ بتدریج میں نے اپنے والد محترم جناب گل حسن صاحب، بڑے والد جناب نصر اللہ صاحب (رحمہا اللہ وغفر لہما) اور بڑے بھائی وغیرہ کو مسجد کی تعمیر کے لئے ابھارا مگر سب سے بڑی رکاوٹ مسجد کے لئے زمین اور تعمیر کے لئے مالیات کی عدم فراہمی تھی۔ جب زمین کا مسئلہ حل نہیں ہوا تو بڑے والد۔ رحمہ اللہ نے کہا کہ میرے گھر کے باہر کچھ زمین خالی ہے اس میں ایک چھوٹی سی

مسجد بنوالی جائے۔ پھر رقم کا مسئلہ سد باب بنا تو ایک رمضان میں والد صاحب رحمہ اللہ نے کہا کہ اس سال عید میں تم اپنے ماموں کے پاس جاؤ، وہیں صلاۃ عید پڑھو اور ان سے کہو عیدگاہ میں اعلان کرا کے مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ کرادیں۔ ماشاء اللہ میرے ماموں جناب عبدالغفور صاحب رحمہ اللہ خود اور ان کے گاؤں کاشت خیرا ضلع مہراج گنج (سابق ضلع گورکھپور) کے لوگ بڑے بڑے کاشتکار رہے ہیں۔ میں عیدالفطر کے ایک روز پہلے ماموں کے یہاں گیا اور ماموں صاحب سے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ حسب پروگرام عیدگاہ میں میں نے تعمیر مسجد کے تعاون کے لئے اعلان کیا، اس عیدگاہ میں کل صرف نو (۹) روپے۔ نوسو (۹۰۰) روپے نہیں۔ چندہ ہوا۔ میں کافی شکستہ دل ہو کر گھر واپس ہوا۔ والد محترم بڑے والد اور بڑے بھائیوں کو اس کی رپورٹ دی تو وہ لوگ بھی کف افسوس مل کر رہ گئے۔ اور میں نو روپے تعمیر مسجد کے لئے لے کر پھنس گیا اور بار بار سوچتا رہا کہ یہ روپے میں کیا کروں؟ اپنی ذات پر، اپنی کتاب وکاپی اور قلم وروشنائی پر خرچ کرلوں تو خائن بنوں گا اور ماموں کے لئے میں کبھی منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں ان نو روپیوں کی جوابدہی کیسے کروں گا؟ نو روپے تعمیر مسجد کے لئے نہ ملتے اور مسجد نہ بنتی تو کوئی باز پرس نہیں کرتا مگر یہ روپے لینے کے بعد مسجد کی تعمیر نہ ہونے پر ہر وہ شخص سوال کرسکتا ہے جس کو میرے مسجد کے لئے تعاون لینے کا علم ہے۔ میرے لئے ''نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن'' کی صورت پیدا ہوگئی۔ بالآخر میں نے یہ نو روپے الگ کر کے مسجد کے نام پر رکھ دیئے اور علم دین کے حصول میں لگا رہا۔ چار سال (جماعت اولیٰ سے رابعہ) تک جامعہ شمس العلوم سمرا میں، اس کے بعد دو سال (خامسہ اور سادسہ (مدرسہ انوار العلوم، پرساعماد ضلع بستی میں مکمل کر کے فضیلت کی تکمیل کے لئے تعلیمی سال ۷۲۔۱۹۷۱ء میں جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو میں داخل ہوا تو مسجد کی تعمیر کے لئے رکھے ہوئے نو روپے نے قلب وجگر میں زوردار کچوکا لگانا شروع کردیا، بالآخر اہل قریہ کو مسجد کی تعمیر پر یہ کہہ کر راضی کرلے گیا کہ آپ لوگ خود محنت کر کے اور مزدوری کی رقم دے کر مٹی کی دیوار اور پھونس کی چھت بنوائیں، باہر کے چندہ کی امید نہ کریں تھوڑا بہت تعاون فصل کے موقع پر میں علاقہ کی مسلم بستیوں کے مسلمانوں سے حاصل کرنے کی کوشش کروں گا تاکہ آپ لوگوں کے لئے مسجد کی تعمیر میں آسانی ہو۔

جب لوگ تعمیر مسجد کے لئے تیار ہوئے تو ایک دوسری مشکل یہ سامنے آئی کہ جو جگہ مسجد کے لئے پیش کی گئی ہے وہ بہت چھوٹی ہے۔ اتنی چھوٹی جگہ میں مسجد کی تعمیر مناسب نہیں ہے کیونکہ بعد میں اگر توسیع کی ضرورت ہوگی تو اس کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ بالآخر کوشش کرتے کرتے ''من جد وجد'' (جو کوشش کرتا ہے وہ پالیتا ہے) کے تحت تعمیر مسجد کے لئے زمین حاصل ہوگئی۔

میرے گاؤں تلسڑی میں میرے والد۔ رحمہ اللہ۔ کا ننھیال تھا۔ میرے والد کے ماموں کے پانچ بیٹے تھے، ان میں سے کچھ وفات پاچکے تھے اور کچھ باحیات تھے، مگر بحمد للہ نسل سب کی چل رہی تھی، گاؤں ہی میں لب دریا ان لوگوں کھلیان تھا۔ میں نے ان لوگوں سے گفتگو کی، تعمیر مسجد کے فضائل بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ درج ذیل خوشخبری انہیں سنائی:

"من بنى مسجداً يبتغي به وجه الله، بنى الله له مثله في الجنة" (صحيح بخاري: الصلاة ۸، باب من بنى مسجداً ۶۵، رقم ۴۵۰، صحيح مسلم: المساجد ۵، باب فضل بناء المساجد والحث عليها ۴، رقم ۵۳۳)

''جو شخص اللہ کی رضا کے لئے مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں اس جیسا گھر بنائے گا''۔

بحمد للہ محنت رنگ لائی اوران پانچ پٹی داروں میں سے دو کھلیان میں سے اپنا اپنا حصہ تعمیر مسجد کے لئے دینے پر تیار ہو گئے۔ میں نے اللہ کا نام لے کر مسجد کی بنیاد رکھی اور اقرباء اور دیگر مسلمانان قریہ سے مشورہ کے بعد طے پایا کہ گاؤں کے سارے مسلمان مل کر مٹی کی دیوار بنائیں اور دیوار تیار ہونے کے بعد پھونس کے چھپر سے سایہ کرلیا جائے تا کہ صلوات کی ادائیگی ہوتی رہے۔ میں دیوار بنانے میں جلدی کرنے کی تاکید کر کے اور لوگوں کی باریاں مقرر کر کے اپنی مادر علمی جامعہ اثریہ مئو میں اپنی تعلیم کی تکمیل کیلئے چلا گیا، ادھر لوگوں کی بے توجہی اور کام کی سست رفتاری کی وجہ سے کئی مہینہ کے بعد بنیاد زمین سے تقریباً تین فٹ اونچی ہوسکی اور اسی پر کام رک گیا۔ ادھر شیطان لعین کو مسجد کے لئے زمین دینے والوں کو گمراہ کرنے کا موقع مل گیا اور وہ دو میں سے ایک صاحب کو کھلیان کے کم ہونے اور اپنے کئی بیٹوں میں ان کے لئے کھلیان کی پریشانی کا خوف دلا کر گمراہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ میرے کئی بیٹے ہیں وہ کھلیان کہاں بنائیں گے اور فصل کاٹ کر لائیں گے تو کہاں رکھیں گے؟ آپ لوگ مسجد کہیں اور بنالیں، میں یہ زمین نہیں دے سکوں گا۔ دوسرے صاحب نے فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا کہ میں اپنا حصہ مسجد کے لئے دے چکا ہوں اب بھی دے رہا ہوں اگر میرے حصہ میں مسجد بن سکے تو آپ لوگ بنالیں۔ مگر تنہا ان کے حصہ سے مسجد کا کام نہیں ہوسکتا تھا اس لئے وہ زمین اسی طرح خالی پڑی رہی اور وہ جانوروں کی بیٹھک بن گئی اور لوگ اس پر گھاس بھس رکھنے لگے۔

مسجد کی بنیاد رکھنے کے بعد میں نے لوگوں کو جمعہ کی پابندی کی تاکید کی اور لوگ برابر جمعہ پڑھنے پر راضی ہو گئے۔ چنانچہ کچھ دن گاؤں کے ایک بزرگ نے اپنا ایک چھوٹا سے کمرہ جمعہ کے لئے دے رکھا تھا اس میں جمعہ کی صلاۃ ہوتی تھی۔ کوئی جمعہ پڑھانے والا نہیں تھا تو میں نے بازار سے ''خطبۂ علمیہ'' کے نام سے ایک کتاب خرید کر دے دی وہی کتاب دیکھ کر بزرگ خطبہ پڑھ دیا کرتے تھے اور صلاۃ بھی پڑھا دیتے تھے۔ گاؤں میں وہی تنہا تھے جو قرآن کریم ناظرہ کے ساتھ کچھ اردو وغیرہ پڑھے ہوئے تھے اور اس کے بعد میرے مکان کے ایک حصہ میں صلاۃ جمعہ ادا ہونے لگی۔

میرے ستمبر ۱۹۷۲ء میں مادر علمی جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو سے فراغت اور وہاں تدریسی خدمات انجام دینے کے دوران بھی کئی سال تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ مگر تعمیر مسجد سے کبھی بھی میں غافل نہیں رہا۔ جن صاحب نے اپنا حصہ روک کر مسجد کی تعمیر روک دی تھی ان کو میں خود اور دوسرے بزرگوں کے ذریعہ سمجھاتا رہا مگر وہ کسی قیمت پر تیار نہیں ہو رہے تھے۔

ایک موقع پر میں چھٹی میں جامعہ اثریہ سے گھر آیا ہوا تھا تو میں نے سوچا کہ استاذ گرامی مولانا امان اللہ خان آزاد (م اکتوبر ۲۰۱۴ء) کو بلا کر رات میں وعظ ونصیحت کرا کے تعمیر مسجد پر زور دلائیں، شاید کہ اس سے تعمیر مسجد کا راستہ ہموار ہو جائے۔ چنانچہ میں استاذ گرامی کی خدمت میں مادر علمی شمس الہدیٰ، مہدیوا پہنچا اور رات کا کھانا غریب خانہ پر کھانے اور اہل قریہ کو پند ونصائح سے نوازنے اور کسی صورت سے مسجد کے رکے ہوئے کام کو چالو کرانے پر زور ڈالنے کی گزارش کی۔ استاذ گرامی فوراً اس کار خیر کے لئے آمادہ ہو گئے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

حسب وعدہ استاذ محترم میرے یہاں تشریف لائے، رات کا کھانا کھا کر لوگوں کو وعظ ونصیحت کی، تعمیر مسجد کی فضیلت اور دینی

کاموں میں سبقت کرنے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے جن صاحب نے تعمیر سے منع کیا تھا ان کو دل سے سمجھایا الحمدللہ استاذ گرامی کی نصیحت ان کے دل میں بیٹھ گئی اور وہ بھی اپنا حصہ دینے پر راضی ہو گئے۔

میں نے اللہ کی شکر گزاری کے ساتھ استاذ گرامی کی محنتوں اور ان کی شفقتوں کا شکریہ ادا کیا۔ مسجد والی اس زمین پر فصل وغیرہ کی بہت سی چیزیں رکھی ہوئی تھیں، پروگرام ختم ہونے کے بعد رات ہی میں میں نے اپنے نوجوان ساتھیوں کو لے کر چاندانی رات کی روشنی میں سارا سامان وہاں سے ہٹا کر اسے صاف کروایا اور صبح کو فجر کے وقت میں نے خود اذان کہی اور اسی میں استاذ گرامی کی اقتداء میں صلاۃ فجر ادا کی گئی۔ بحمدللہ اس کے بعد سے صلوات خمسہ اور صلاۃ جمعہ وغیرہ کی ادائیگی اسی بغیر دیوار اور چھت والی مسجد میں ہونے لگی۔

ادھر مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں حصول تعاون کے لئے کوشش کرنے لگا، کوشش بارآور ہوئی اور ۱۹۷۷ء میں مسجد کی تعمیر ہو گئی۔ کچھ دنوں کے بعد مسجد سے متصل اتر جانب مسجد کی بچی ہوئی زمین پر ایک برآمدہ تعمیر کرا کے اس میں مدرسہ مصباح العلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم کر دیا گیا اور ایک مدرس رکھ کر بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا گیا جو بحمدللہ اب تک جاری ہے۔

۱۹۸۰ء میں ملک کی راجدھانی دہلی میں ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر اور اس کے تعلیمی اداروں سے منسلک ہو گیا اور میری تگ و دو سنٹر تک محدود ہو کر رہ گئی اور مدرسہ ''مصباح العلوم'' کو چلانے میں کافی دشواری پیش آنے لگی تو میں نے سنٹر کے بانی اور صدر مشفق محترم علامہ عبدالحمید صاحب رحمانی (م ۲۰ راگست ۲۰۱۳ء) رحمہ اللہ کے سامنے مدرسہ کی پریشانی رکھی اور بتایا کہ اہل قریہ کی غربت اور ان کی بے توجہی اور سنٹر کے کاموں میں میری مصروفیت کی وجہ سے خطرہ ہے کہ میرے گاؤں کا مدرسہ بند ہو جائے اور نسل نو کی تعلیم و تربیت متاثر ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے مولانا رحمانی صاحب۔ رحمہ اللہ کو کہ انہوں نے اس نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے مارچ ۱۹۸۹ء میں ایک قرارداد کے ذریعہ اسے مرکز کی شاخ کے طور پر منظور کرایا اور ایک مدرس کی تنخواہ سنٹر سے جاری کرادی جس کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے اور ایک مدرس بچوں کی تعلیم و تربیت، امامت و خطابت اور درس قرآن و حدیث کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، پھر مسجد کی دیواریں پھٹ گئیں اور چھت کا پلاسٹر جھڑنے لگا اور سریا نظر آنے لگی اور کہیں کہیں چھت سے پانی بھی رسنے لگا تو میں نے اس کا بھی ذکر مشفق گرامی مولانا رحمانی صاحب سے کیا تو آپ نے مسجد کی جدید تعمیر کے ساتھ مدرسہ ''مصباح العلوم'' کی بھی تعمیر کرادی۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین

فالشکر للہ الأحد شکرا عظیما دائما

اسی دعوتی جذبہ کے تحت جب ۱۹۸۰ء میں مجھے سنٹر میں طلب کر لیا گیا اور میں تعلیم و تربیت سے منسلک ہو گیا تو سنٹر میں باقاعدہ مسجد کی تعمیر سے پہلے برابر خطبہ دیا کرتا تھا اور جب باقاعدہ سنٹر کی جامع مسجد ابوبکر صدیق، جوگابائی، نئی دہلی تعمیر ہو گئی تو بحمدللہ اس کے پہلے خطیب ہونے کا شرف حاصل ہوا اور باستثناء چند مہینے یہ سلسلہ ۲۰۰۹ء تک برابر چلتا رہا۔ درمیان میں چند مہینے بانی مرکز اور بعض دوسرے احباب نے یہ ذمہ داری سنبھالی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ دعوتی خدمات قبول فرمائے۔ آمین

تدریسی خدمات:

۶۵ سالہ عمر میں دو معروف تعلیمی وتربیتی اداروں میں درس وتدریس کا اتفاق ہوا ہے۔ دونوں اداروں کی تفصیلات الگ الگ درج ذیل ہیں:

(۱) مادر علمی جامعہ اثریہ دار الحدیث، مئوناتھ بھنجن:

۱۹ ستمبر ۱۹۷۲ء میں مادر علمی سے فراغت کے بعد ۱۸ جنوری ۱۹۷۳ء مطابق ۱۳۹۲ھ سے ستمبر ۱۹۸۰ء مطابق ۱۴۰۰ھ تک تقریباً آٹھ سال درج ذیل مضامین کی تدریس کا فریضہ انجام دیا ہے:

(۱) تفسیر (۲) ترجمہ معانی قرآن کریم (۳) حدیث (۴) مصطلح الحدیث (۵) فقہ (۶) اصول فقہ (۷) نحو (۸) صرف (۹) منطق (۱۰) فلسفہ (۱۱) انشاء (۱۲) بلاغت (۱۳) فرائض۔

(۲) معہد التعلیم الاسلامی وجامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی۔

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کے پہلے تعلیمی وتربیتی ادارہ معہد التعلیم الاسلامی جو ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا جامعہ اسلامیہ سنابل کے نام سے موسوم ہو کر علمی شہرت کا حامل ہوا اور اس کے نسواں تعلیمی وتربیتی ادارہ عائشہ صدیقہ شریعت کالج جوگابائی میں درج ذیل مواد اور مضامین کی تدریس کی ذمہ داری ذی القعدہ ۱۴۰۰ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۰ سے تادم تحریر (تقریباً ۳۷ سال) نبھا رہا ہوں:

(۱) تفسیر (۲) ترجمہ معانی قرانی مجید (۳) اصول تفسیر (۴) حدیث (۵) مصطلح الحدیث (۶) فقہ (۷) اصول فقہ (۸) تاریخ فقہ اسلامی (۹) سیرت نبوی (۱۰) فرائض (۱۱) نحو (۱۲) صرف (۱۳) بلاغت (۱۴) منطق وغیرہ۔

مقالات/ترجمے/تصنیفی وتالیفی خدمات:

الحمد اللہ ۴۴ سالہ تدریسی خدمات میں درس وتدریس، امامت وخطابت، دعوت وتبلیغ اور ادارتی ذمہ داریوں کے ساتھ توفیق ربانی سے کچھ مقالات، عربی سے اردو ترجمے اور بعض تالیفات بھی کی ہیں جن میں سے کچھ مطبوع، کچھ غیر مطبوع اور بعض ناقص پڑے ہیں۔ اللہ تعالی ناقص کی تکمیل اور غیر مطبوع کی طباعت اور ان سب کی نشر واشاعت کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

مطبوع: (۱) حقوق والدین قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں (۲) خادم حرم نبوی شیخ احمد کی وصیت کی حقیقت (امام ابن باز رحمہ اللہ کے مقالہ کا عربی سے اردو میں ترجمہ) (۳) سنت فجر۔ فضائل واحکام (۴) صلاۃ التراویح امام البانی۔ رحمہ اللہ (عربی سے ترجمہ) (۵) فتاوی الصیام۔ جمع شیخ محمد المسند (عربی سے ترجمہ) (۶) علامہ عبدالحمید رحمانی۔ رحمہ اللہ۔ حیات وخدمات (۷) استاذ

گرامی مولانا امان اللہ خان آزاد۔ رحمہ اللہ۔

غیر مطبوع: (۱) فتاوی الزکاۃ جمع شیخ محمد المسند (عربی سے ترجمہ) ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی جلد ۵، شمارہ ۵، ماہ ستمبر ۲۰۰۸ء میں کچھ خاص فتاوے شائع ہوئے تھے۔ (۲) فتاوی صلاۃ الجماعۃ۔ جمع شیخ محمد المسند (عربی سے ترجمہ) ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی جلد ۷، ماہ نومبر ۲۰۱۰ء سے قسطوں میں شائع ہوا۔ (۳) اسلام کا دوسرا رکن صلاۃ۔ ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی جلد ۱۱، شمارہ ۷ ماہ نومبر ۲۰۱۴ء سے پندرہ قسطوں میں شائع ہوا۔ (۴) ابو محمد بن عمر فاروق۔ رضی اللہ عنہما۔ پر ایک بہتان اور اس کا جائزہ۔ ماہنامہ ''التوعیہ'' نئی دہلی جلد نمبر ۶، شمارہ ۳، اگست ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔ (۵) مسلمانوں کے باہمی حقوق (حدیث: حق المسلم علی المسلم ست کی شرح) ماہنامہ ''التوعیہ'' نئی دہلی جلد ۱، شمارہ ۴، ۵ راگست وستمبر ۱۹۸۶ء سے قسط وار شائع ہوا۔ (۶) ''بلوغ المرام، آثار السنن اور اعلاء السنن'' ایک تقابلی جائزہ۔ شائع شدہ علوم الحدیث مطالعہ وتعارف، مقامی جمعیت اہل حدیث علیگڑھ، یوپی۔ (۷) مولانا عبدالسلام رحمانی کا سوانحی خاکہ بعنوان: زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے۔ شائع شدہ ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی، جنوری ۲۰۱۴ء۔ (۸) علامہ عبدالحمید رحمانی کے ساتھ چونتیس سالہ رفاقت۔ عالمی سیمینار زیر اہتمام ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی منعقدہ بمقام جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی منعقدہ ۲۸ رفروری ویکم مارچ ۲۰۱۴ء بعنوان: ''مولانا عبدالحمید رحمانی۔ رحمہ اللہ حیات وخدمات اور برصغیر میں اسلامی دعوت کی تاریخ'' میں پیش کیا گیا مقالہ۔ (۹) مولانا عبدالقدوس اثری مئوی کا سوانحی خاکہ بعنوان: ایک مخلص دوست نہ رہا۔ شائع شدہ ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی، اکتوبر ۲۰۱۴ء۔ (۱۰) استاذ گرامی جناب مولانا عبدالعلیم ماہر بستوی کی خودنوشت سوانح پر اپنی کچھ یادداشتیں۔ شائع شدہ ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی، فروری ۲۰۱۶ء (۱۱) خاندان صادق پور کے گل سرسبد مولانا سید عبدالسمیع جعفری مدنی۔ حیات وخدمات۔ شائع شدہ ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی، مئی ۲۰۱۶ء۔ (۱۲) حقوق اولاد زیر تحقیق ونظر ثانی (۱۳) جرائم کی روک تھام میں اسلام کا کردار۔ ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی جلد ۹، شمارہ ۱۰، ماہ فروری ۲۰۱۳ء سے چھ قسطوں میں شائع ہوا۔ (۱۴) حقوق والدین سے متعلق ضعیف اور موضوع روایات۔ ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی جلد ۱، شمارہ ۱، مئی ۲۰۰۴ء سے جلد نمبر ۲، شمارہ ۱۱، مارچ ۲۰۰۶ء تک سولہ قسطوں میں شائع ہوا۔ (۱۵) گھاٹے کا سودا۔ ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی جلد ۱، شمارہ ۳، ماہ جولائی ۲۰۰۴ء سے جلد ۲، شمارہ ۲ ماہ جون ۲۰۰۵ء تک آٹھ قسطوں میں شائع ہوا۔ (۱۶) آداب طالب علم۔ دورۂ تدریبیہ (ریفریشر کورس) منعقدہ ماہ نومبر ۲۰۱۲ء بمقام جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی میں پڑھا گیا مقالہ۔ شائع شدہ ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی، جلد ۹، شمارہ نمبر ۹، ماہ جنوری ۲۰۱۳ء۔ (۱۷) حرمین شریفین کا تقدس ایمان کا تقاضا ہے۔ کانفرنس بہ عنوان: دفاع حرمین شریفین اور اعداء اسلام کی ریشہ دوانیاں منعقدہ بتاریخ ۱۳ رجنوری ۲۰۱۶ء بمقام جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دہلی میں پیش کردہ مقالہ۔ شائع شدہ ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی مارچ ۲۰۱۶ء۔ (۱۸) ہم جنس پرستی فطرت کے خلاف بغاوت ہے۔ ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی جلد ۱۰، شمارہ ۱۰، ماہ فروری ۲۰۱۴ء میں شائع ہوا۔ (۱۹) مولانا عبدالخلاق ندوی۔ رحمہ اللہ۔ کی وفات۔ ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی جلد نمبر ۷، شمارہ ۹، ماہ جنوری ۲۰۱۱ء میں شائع شدہ مولانا ندوی کی مختصر حالات زندگی۔

صحافتی خدمات:

۱۹۸۶ء میں علامہ عبدالحمید رحمانی۔ رحمہ اللہ نے ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کی طرف سے ماہنامہ ''التوعیہ'' کا اجراء فرمایا تو میری ناتجربہ کاری اور علمی بے بضاعتی کے باوجود احقر کو اس کا پہلا مدیر بنایا اور بتوفیق الٰہی جنوری ۱۹۸۶ء میں اس کا پہلا شمارہ منظر عام پر آ گیا۔ بعد میں کچھ قانونی دشواریوں کے پیش نظر یہ مجلہ ایک دوسری سوسائٹی مجمع البحوث الاسلامیہ (اسلامک ریسرچ اکیڈمی) نئی دہلی کی طرف سے شائع ہونے لگا اور احقر ۱۹۸۶ء سے نومبر ۱۹۸۷ء تک اس کا مدیر رہا۔

اس کے بعد سے ماہنامہ ''التوعیۃ'' اور اس کے بند ہو جانے کے بعد ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی میں ان دونوں مجلوں کے مقالہ نگاروں میں شامل رہا جس کا سلسلہ بحمد للہ تا ہنوز جاری ہے۔

علمی اور دینی اداروں اور تنظیموں کی رکنیت اور عہدے:

(۱) عمید معہد التعلیم الاسلامی، جوگابائی، نئی دہلی تقریباً چار سال (۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۴ء)

(۲) جنرل سکریٹری ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی۔ جنوری ۱۹۸۷ء تا دم تحریر (دسمبر ۲۰۱۶ء)

(۳) خازن ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی۔ سابق خازن کی ان کے عہدہ سے معطلی کے بعد ۱۶/مئی ۱۹۹۸ء سے انتخاب جدید ۲۱/جون ۱۹۹۸ء تک۔

(۴) نائب مہتمم (عملاً مہتمم کیونکہ مہتمم صاحب چند ہی مہینے کے بعد مرکز چھوڑ کر چلے گئے تھے) ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی تقریباً ڈھائی سال (۳۰/مئی ۱۹۸۴ء تا ۲۵/جنوری ۱۹۸۷ء)

(۵) صدر مدرسہ مصباح العلوم موضع تلسڑی، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی۔ از قیام مدرسہ ۱۹۷۷ء تا ہنوز (دسمبر ۲۰۱۶ء)

(۶) خازن مدرسہ سلفیہ، تندوا ضلع سدھارتھ نگر، یوپی۔

(۷) رکن اسلامک سائنٹفک ریسرچ اکیڈمی (مجمع البحوث العلمیۃ الاسلامیۃ) جوگابائی، نئی دہلی۔

(۸) رکن اسلامک ریسرچ اکیڈمی (مجمع البحوث الاسلامیہ) جوگابائی، نئی دہلی از قیام اکیڈمی ۱۹۸۶ء تا ۱۹۹۷ء۔

(۹) رکن صوبائی جمعیت اہل حدیث، دہلی۔

(۱۰) رکن مینیجنگ کمیٹی خدیجۃ الکبریٰ گرلز پبلک اسکول، نئی دہلی۔

(۱۱) رکن مینیجنگ کمیٹی ابوالکلام آزاد بوائز پبلک اسکول، نئی دہلی

(۱۲) رکن مجلس تحقیق علمی مرکزی جمعیۃ اہل حدیث، ہند۔

موجودہ عہدے اور مناصب:

(۱) جنرل سکریٹری ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی۔

(۲) صدر مدرسہ مصباح العلوم موضع تلسڑی، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی۔

(۳) رکن مینیجنگ کمیٹی خدیجۃ الکبریٰ گرلز پبلک اسکول، نئی دہلی۔

اہم تعلیمی ودعوتی ادارے/مراکز/مساجد جو قائم کئے:

اپنے گاؤں موضع تلسڑی، سدھارتھ نگر (یوپی) میں مقامی بچوں/بچیوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے مدرسہ مصباح العلوم کے نام سے دینی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا اور گاؤں میں کوئی مسجد نہیں تھی ۱۹۷۷ء میں ایک مسجد اہل خیر حضرات کے تعاون سے تعمیر کرائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے۔ آمین۔

اولاد واحفاد: میں اپنے والد رحمہ اللہ کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ میرے علاوہ دو اخیافی بھائی ہیں اور دو اخیافی بہنیں تھیں جو راہی ملک بقا ہو چکی ہیں۔ **غفر اللہ لھما وادخلھما فی فردوس جناتہ**۔ دونوں بھائی بحمد للہ باحیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور والدین کی دعاؤں کی برکت سے میرے بیٹے اور بیٹیوں کی تعداد گیارہ تھی۔ چھ بیٹے اور پانچ بیٹیاں۔ جن میں سے پہلی بیٹی پیدائش ہی کے دن ۲۴ گھنٹے کے اندر داغ مفارقت دے گئی اور اس کے بعد پہلا بیٹا پیدا ہوا تو وہ بھی ایک ہفتہ کے اندر دنیا کے جنجالوں سے دامن بچا کر راہی ملک بقا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو میرے اور میری اہلیہ۔ **سلھما اللہ تعالیٰ وشفاھا**۔ کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔

الحمد للہ ان دونوں بچوں کے بعد پانچ بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئے جو باحیات ہیں، ان میں سے دو بیٹوں اور تین بیٹیوں کی شادی ہو چکی ہے اور وہ سب صاحب اولاد ہیں۔ بڑا بیٹا عالم، گریجویٹ اور سافٹ ویئر انجینئر ہے۔ دوسرا بیٹا پندرہ پارے کا حافظ، پولمبر، الکٹریشین اور ڈرائیور ہے۔ اس کے بعد تین بیٹیاں عالمہ وفاضلہ ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی بیٹی گریجویٹ اور بی ایڈ ہے دوسری انٹرمیڈیٹ اور تیسری گریجویٹ، NTT، PTT کے ساتھ ایم اے فائنل میں ہے۔ اس کے بعد کے ایک بیٹے نے اسی سال بی ٹیک کیا ہے۔ اس کے بعد ایک بیٹا حفظ قرآن کریم کر کے جامعہ اسلامیہ سنابل میں فضیلت سال اول میں زیر تعلیم ہے جب کہ اس کے بعد ایک بیٹی بھی جامعہ اسلامیہ سنابل کی نسواں شاخ عائشہ صدیقہ شریعت کالج، جوگابائی، نئی دہلی میں فضیلت سال اول میں پڑھ رہی ہے اور سب سے چھوٹا بیٹا انٹرمیڈیٹ میں زیر تعلیم ہے۔ اس وقت تمام اولاد واحفاد کی تعداد اکیس ہے۔

بیٹے پانچ، بیٹیاں چار، پوتے دو، پوتیاں تین، نواسے چھ اور نواسی ایک۔ **فللہ الحمد: بارک اللہ لھم وبارک علیھم**۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان سب کو صراط مستقیم پر چلائے اور کتاب وسنت اور منہج اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوگر بنائے۔ آمین۔

علمی ودعوتی اسفار:

سنٹر اور اس کے تعلیمی اداروں میں تدریسی اور انتظامی ذمہ داریوں کی بناء پر ذاتی طور پر اجلاس اور کانفرنسوں میں میری شرکت

بہت کم ہوئی ہے۔ بعض علمی اور دعوتی اجلاس میں بانی مرکز علامہ عبدالحمید رحمانی۔ رحمہ اللہ کی معیت اور رفاقت میں شرکت کی ہے اور بعض میں موصوف نے اپنی علالت یا ایمرجنسی ضرورت اور مشغولیت کی بناء پر مجھے اپنی نیابت کے لئے بھیجا اور مجھے چاروناچار تعمیل حکم میں شرکت کرنی پڑی اور اپنی کج مج زبان میں خطاب کرنا پڑا۔

(الف) جن اجلاس میں مولانا رحمہ اللہ کے ساتھ شرکت کی وہ درج ذیل ہیں:

(۱) اجلاس عام مدرسہ دارالتعلیم، کھیدوپورہ، مئوناتھ بھنجن، یوپی، ۱۹۸۲ء۔

(۲) کانفرنس بہ عنوان: وطن عزیز کی آزادی میں علماء صادق پور، پٹنہ، بہار کی قربانیاں۔ ۲۸۔۲۹/اپریل ۱۹۹۸ء بمقام عیدگاہ باغ عبدالخبیر، صندل پور، پٹنہ، بہار۔

(۳) دوروزہ سیمینار بہ عنوان: علوم الحدیث: مطالعہ وتعارف۔ زیر اہتمام مقامی جمعیۃ اہل حدیث، سول لائنس، علی گڑھ بتاریخ ۱۸/۱۹ اکتوبر ۱۹۹۸ء۔ اس میں راقم سطور نے درج ذیل مقالہ پیش کیا تھا: بلوغ المرام، آثار السنن اور اعلاء السنن: تقابلی جائزہ۔

(۴) اجلاس عام منشی پورہ، مئوناتھ بھنجن، یوپی: ۹/۱۰ جون ۲۰۰۱ء۔

(۵) اجلاس تقسیم انعامات بسلسلۂ مسابقہ حفظ قرآن کریم واحادیث نبویہ۔ جامعۃ الحسنات، قول بازار، بلاری: اپریل ۲۰۰۴ء

(۶) سالانہ اجلاس معہد علوم الحدیث، وادی حدیث، حیدرآباد، آندھراپردیش منعقدہ ۲/ستمبر ۲۰۰۷ء۔ اس اجلاس میں ''علم دین۔ اہمیت، فضیلت اور حصول علم کے شرائط'' پر خطاب کیا۔ اسی موقع پر مسجد محمدیہ، فتح دروازہ میں خطبۂ جمعہ اور مسجد رحمانیہ اے سی گارڈ میں درس حدیث دیا۔

(ب) وہ اجلاس اور کانفرنسیں جن میں میں نے مولانا رحمانی۔ رحمہ اللہ۔ کی نیابت میں شرکت کی اور ان کی نیابت میں صدارت کے ساتھ خطاب بھی کیا:

(۱) اصلاح معاشرہ اجلاس مالپورہ، راجستھان: ۶/۷ اپریل ۱۹۸۵ء۔

(۲) سالانہ اجلاس مدرسہ دارالتوحید، مینا عیدگاہ، سدھارتھ نگر، یوپی: ۱۰/مارچ ۱۹۸۸ء۔

(۳) اصلاح معاشرہ کانفرنس، رسول پور، بنارس: اکتوبر ۲۰۰۲ء۔

(۴) خیر امت کانفرنس، دیون مئو، پرتاب گڑھ، یوپی: ۶ مئی ۲۰۰۶ء۔

(۵) دوروزہ اصلاحی ودعوتی اجلاس، واپی گجرات: ۱۸/۱۹/دسمبر ۲۰۰۶ء۔

(۶) توحید وسنت کانفرنس، جھولا میدان، مومن پورہ، ممبئی: ۱۳/اپریل ۲۰۰۸ء۔

(۷) توحید وسنت کانفرنس، کوٹہ، راجستھان: ۱۴/جون ۲۰۰۸ء۔

(۸) اجلاس برائے اصلاح معاشرہ، ککرالہ، بدایوں، یوپی۔

(ج) وہ اجلاس جہاں میں نے تنہا شرکت کی:

(۱) اجلاس عام نیمکا، میوات، ہریانہ: ۲۹/اپریل ۲۰۰۶ء۔

(۲) اجلاس عام کھنڈیلہ، راجستھان: ۶/مارچ ۲۰۱۰ء۔

(۳) دینی، دعوتی واصلاحی اجلاس، اپرکوٹ، بلند شہر: ۱۰/اپریل ۲۰۱۲ء۔

(۴) عالمی سیمینار زیر اہتمام ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی بہ عنوان ''مولانا عبدالحمید رحمانی۔ رحمہ اللہ۔ حیات وخدمات اور برصغیر میں اسلامی دعوت کی تاریخ'' بتاریخ ۲۸/فروری ویکم مارچ ۲۰۱۴ء۔

(۵) سالانہ اجلاس جامعہ محمدیہ، کھیدوپورہ، مئوناتھ بھنجن، یوپی: ۱۲/جون ۲۰۱۴ء۔

(۶) کانفرنس بہ عنوان: حرمین شریفین اور اعداء اسلام کی ریشہ دوانیاں۔ منعقدہ زیر اہتمام ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی بمقام جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی بتاریخ ۱۳/جنوری ۲۰۱۶ء۔

۳۱/دسمبر ۲۰۱۶ء۔ ۱/ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ۔ بروز سنیچر

□□□

شیخ الحدیث

مولانا عبدالعزیز حقانی برہیٹ، جھارکھنڈ

ولادت: ۱۹۵۲ء

نام ونسب: عبدالعزیز بن قربان بن سوداگر بن محمد شریف بن محمد لقمان

خاندانی تعارف: آخرالذکر (محمد لقمان) ضلع دھنباد سے آکر یہاں مقیم ہوئے، مسلکی اعتبار سے بریلوی تھے آپ کے جدامجد (سوداگر) علماء کے قدرداں تھے اور علم پسندی ان کی محنت وکاوش کا نتیجہ ہے کہ آج تقریباپون صدی سے یہاں امامت وخطابت کی ذمہ داری آپ کے خاندان میں رہی ہے چنانچہ دادا صاحب نے اپنے چچیرا بھائی جناب منشی سکندر علی صاحب کو تعلیم کی ترغیب دی اورانہوں نے بقدرضرورت تعلیم حاصل کی اورامامت کی ذمہ داری سنبھالی پھران کے بعد مولانا گل محمد صاحب شمسی نے امامت وخطابت کا فریضہ ادا کیا اس کے بعد ۱۹۷۶ء سے جمعہ وعیدین کی امامت وخطابت کی ذمہ داری آپ کو دی گئی آپ نے بحسن وخوبی ۲۰۰۹ء تک امامت وخطابت کا فریضہ ادا کیا۔

آپ کے اہل خاندان ابھی بھی علم اور تعلیم وتعلم سے وابستہ ہیں چنانچہ ضلع گڈا کے ''کھوٹہری'' گاؤں، ضلع صاحب گنج کے ''پھول بھنگہ'' اور دھنباد میں آپ کے خاندان کے لوگ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ تعلیم وتعلم میں مشغول ہیں۔

ولادت: آپ صوبہ جھارکھنڈ، ضلع صاحب گنج، تھانہ کوٹال پوکھر کے ایک مشہور گاؤں، بڑا سونا کوڑ'' میں ۱۷رشوال ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے مشفق چچا جناب مولوی گل محمد صاحب رحمہ اللہ سے گاؤں کے مکتب اور منجھلاڈیہ کے مکتب اور مدرسہ احیاء السنہ کدمہ میں حاصل کی۔

علمی اسفار: اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے آپ نے ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹۶۴ء میں جامعہ شمس الہدیٰ دلال پور صاحب گنج، جھارکھنڈ میں داخلہ لیا اور وہاں چھ سال کا عرصہ گزارا اور درجہ خامسہ (الصف الخامس) پاس کیا۔ ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں ''دارالعلوم مئو'' میں داخلہ لیا وہاں آپ نے تین سالہ تعلیمی زندگی گزاری اور سند فضیلت حاصل کی۔ وہاں اول پوزیشن اور ممتاز نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے۔

اساتذہ کرام: آپ کے مشہور اساتذہ کرام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) فضیلۃ الشیخ عبدالحنان صاحب دلالپوری رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ شمس الہدی دلال پور۔ (۲) فضیلۃ الشیخ عین الحق صاحب سلفی رحمہ اللہ سابق شیخ الحدیث جامعہ شمس الہدی دلال پور (۳) فضیلۃ الشیخ اسماعیل صاحب قاسمی رحمہ اللہ سابق شیخ الحدیث

ضیاء العلوم بھوگل دیکھی ، بیربھوم، مغربی بنگال (۴) فضیلۃ الشیخ احمد اللہ صاحب رحمانی رحمہ اللہ سابق شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ بنارس (۵) فضیلۃ الشیخ عبدالحق صاحب قاسمی حفظہ اللہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند (۶) فضیلۃ الشیخ نیاز احمد صاحب قاسمی رحمہ اللہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم مئو (۷) فضیلۃ الشیخ افتخار احمد صاحب قاسمی رحمہ اللہ استاد حدیث دارالعلوم مئو (۸) فضیلۃ الشیخ امین صاحب قاسمی رحمہ اللہ۔

درس وتدریس: فراغت کے بعد آپ نے مغربی بنگال کے دو مشہور اداروں (مدرسہ ریاض العلوم اور مدرسہ دارالہدیٰ ماٹھ پلسہ) میں یکے بعد دیگرے مسلسل پانچ سالوں تک تدریسی فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے، اس کے بعد ۱۹۷۷ء میں مناظر وقت فضیلۃ الشیخ مولانا مصلح الدین صاحب اعظمی رحمہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں ''جامعہ سلفیہ عبداللہ پور صاحب گنج، جھارکھنڈ'' میں بحیثیت سینئر مدرس تشریف لائے، وہاں شیخ اعظمی رحمہ اللہ کی رفاقت ومعیت میں تدریسی فرائض کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے کام میں ان کے معاون وسہیم رہے پھر ۱۹۸۱ء میں جامعہ شمس الہدیٰ تشریف لے گئے اور وہاں آٹھ سالوں تک مسند درس وتدریس کو زینت بخشا نیز افتاء کا فریضہ انجام دیا۔ ۱۹۸۹ء میں جامعہ اصلاح المومنین برہٹ کے ذمہ داراوں کی پرخلوص دعوت ومخلصانہ اصرار کے سبب بحیثیت شیخ الحدیث ومفتی اور پرنسپل جامعہ اصلاح المومنین تشریف لائے، اور تادم تحریر مذکورہ عہدوں پر فائز ہیں۔

تلامذہ: (۱) مولانا عبدالرحمن صاحب فیضی پاکوڑی (۲) مولانا عباس صاحب سلفی پاکوڑی (۳) مولانا نور عالم صاحب سلفی مرشدآبادی (۴) مولانا لطف الحق صاحب شمسی مرشدآبادی (۵) مولانا اسلم حقانی صاحب گنجی (۶) مولانا اجمل صاحب سلفی صاحب گنج (۷) مولانا علی مرتضی فیضی پاکوڑی (۸) مولانا نعمان سلفی صاحب گنجی (۹) مولانا قطب الدین سلفی صاحب گنجی (۱۰) مولانا جمشید صاحب اصلاحی فیضی صاحب گنجی (۱۱) مولانا شوکت علی اصلاحی پاکوڑی (۱۲) مولانا محب الحق اصلاحی پاکوڑی (۱۳) مولانا اکرام الحق سلفی بیربھومی (۱۴) مولانا عبدالخبیر صاحب سلفی مرشدآبادی (۱۵) مولانا اشرف الحق سلفی، اصلاحی ندیاوی (۱۶) مولانا لقمان اصلاحی صاحب گنجی (۱۷) مولانا محبوب الرحمن صاحب سلفی بیربھومی پروفیسر شعبہ دینیات علی گڑھ وغیرہم حفظہم اللہ۔

دعوتی واصلاحی کارنامے: آپ نے زبانی اور قلمی طور پر علاقائی سطح پر دعوتی واصلاحی بہت سے کام کئے ہیں جس کے نتیجے میں عقائد واعمال کی خاطر خواہ اصلاح ہوئی ہے مثلاً۔ ☆ علاقہ میں شب برات ☆ ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی ☆ صدقۂ فطر کے تعلق سے، بہت سارے موضوعات پر کام کئے۔

بحث ومباحثے اور مناظرے: جھارکھنڈ کے ضلع پاکوڑ میں بانس کھندری گاؤں اور مغربی بنگال کے ضلع بیربھوم کے کتک پور گاؤں میں حنفیوں سے مناظرہ ہوا، مناظرہ میں اہل حدیثوں کو کامیابی ملی۔ مناظرہ کے بعد اول الذکر گاؤں کے آدھے لوگ اور ثانی الذکر گاؤں کے پورا ایک محلہ کے لوگ اہل حدیث ہو گئے (فالحمد للہ علی ذالک)

مذکورہ دونوں مناظروں میں آپ کا اہم رول اور بنیادی کردار رہا ہے۔ مزید معلومات کے لئے ''تذکرۃ المناظرین'' ملاحظہ فرمائیں۔

ضلع صاحب گنج کے راکسی گاؤں میں قادیانیوں کی تحریک وتبلیغ سے بتیس (۳۲) گھر قادیانی ہو گئے تھے جیسے ہی اس کی اطلاع آپ کو ملی، آپ نے فوراً علاقائی سطح پر لوگوں کو دعوت دیا اور مذکورہ گاؤں میں جلسہ عام منعقد کیا اور قادیانیوں کے خلاف ورد میں خطاب عام کیا نیز قادیانی، مبلغ سے بحث ومباحثہ کیا اور اس کے بعد اس گاؤں کے جو لوگ قادیانی ہو گئے تھے آپ نے ان سب کو توبہ کرایا اور قادیانی مسجد ومدرسہ کی زمین، زمین والوں کو واپس دیدی گئی، اسی طرح مغربی بنگال کے مرشد آباد اور فرخ علاقے کی کئی بستیوں میں قادیانی تحریک چل رہی تھی، قادیانی مکاتب بھی چل رہے تھے، قادیانی مبلغین کی آمد ورفت جاری تھی چند احباب نے آپ کو اس کی اطلاع دی، آپ کئی علماء کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے اور اس علاقے سے قادیانیوں کا سلسلہ ختم کیا۔

تصنیف وتالیف: (۱) جہیز سماج کا کینسر اور اس کا شرعی آپریشن (مطبوع) (۲) رفع الشکوک عمن احل ربا البنوک (غیر مطبوع) (۳) حکم تارک الصلوۃ فی ضوء الکتاب والسنہ (غیر مطبوع) (۴) زکوۃ الفطر کتاب وسنت کی روشنی میں (غیر مطبوع) مذکورہ کتابوں کے علاوہ مقالات بھی ہیں۔ جو جرائد ومجلات میں شائع ہوئے۔

افتاء وقضاء: ۱۹۸۱ء سے جامعہ شمس الہدی دلالپور پھر جامعہ اصلاح المومنین برہیٹ میں آپ عقائد واحکام، نکاح وطلاق، خلع ووصیت نیز وراثت ومناسخہ وغیرہ مسائل سے متعلق ہزاروں مسائل کے جوابات کتاب وسنت کی روشنی میں دیتے آرہے ہیں، بارہا ثالثی مجلس میں بحیثیت صدر فریقین کے درمیان مصالحت وسمجھوتہ کئے ہیں جس کو فریقین نے برضاء ورغبت قبول کیا ہے، فالحمدللہ علی ذالک۔

سماجی ورفاہی خدمات: دفع منکرات وتعمیر مساجد وغیرہ میں بھی آپ نے کافی کام کئے ہیں، علاقہ میں کئی مسجدوں کی تعمیر قرب وجوار کے اہل ثروت کے تعاون سے کرائی ہے۔

مناصب وعہدے: جامعہ شمس الہدی دلال پور کے شعبہ افتاء کے صدر آٹھ سال۔ ☆ جامعہ اصلاح المومنین برہیٹ کے مفتی، شیخ الحدیث وپرنسپل ۲۱ سال سے جاری۔ ☆ سابق امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ۔ ☆ موجودہ امیر ضلعی جمعیت اہل حدیث صاحب گنج (جھارکھنڈ) ☆ موجودہ رکن صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ۔ ☆ موجودہ رکن مجلس شوری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔

(جریدہ ترجمان ۱۵۔ ۱/مارچ ۲۰۱۲ء)

☆☆☆☆

استاذ گرامی شیخ نعیم الدین مدنی رحفظہ اللہ

استاذ وسابق شیخ الجامعہ السّلفیہ بنارس

پیدائش: ۱۵ر نومبر ۱۹۵۴ء

نام ونسب: نعیم الدین بن محمد ابراہیم بن حوصل سلفی مدنی

آبائی وطن: کولپور، گرانٹ ٹولہ مہوا، بھٹ پرا، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی

تاریخ پیدائش: ۱۵ر نومبر ۱۹۵۴ء کو آبائی گاؤں کولپور گرانٹ ٹولہ مہوا میں ہوئی۔

ابتدائی واعلیٰ تعلیم:

☆ آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ مفتاح العلوم بھٹ پرا میں حاصل کی۔

☆ فارسی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ بحر العلوم انتری بازار میں پائی۔

☆ پہلی جماعت سے تیسری جماعت تک عربی کی تعلیم اپنے علاقے کے مشہور تعلیمی ادارہ جامعہ دار الہدیٰ یوسف پور میں حاصل کی۔

☆ اس کے بعد ایک سال تک جامعہ رحمانیہ بنارس میں رہے۔

☆ اور پھر عالمیت یعنی خامسہ سادسہ کی تعلیم کے لئے جامعہ سلفیہ میں داخل ہوئے اور ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء میں سند عالمیت سے سرفراز کئے گئے۔

☆ فضیلت کی تعلیم بھی جامعہ مذکورہ میں پائی اور ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء میں سند فضیلت پاکر فارغ التحصیل ہوئے۔

☆ فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں بفضل الٰہی داخلہ ملا چنانچہ وہاں چار سالوں تک رہ کر ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں اجازہ عالیہ یعنی بی اے لیسانس کی ڈگری سے سرفراز کئے گئے۔

☆ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ مدینہ منورہ میں اس وقت دعوت وتبلیغ میں مہارت حاصل کرنے اور فارغین جامعات کو ٹریننگ دینے کے لئے ڈپلوم عالی کا کورس چلتا تھا۔ آپ کو حسن حظ اس میں داخلہ مل گیا چنانچہ یہ کورس مکمل کرکے آپ مکہ مکرمہ سے وطن واپس لوٹے۔

مشاہیر اساتذہ:

آپ کے اساتذہ میں (۱) مولانا محمد ابراہیم رحمانی یوسف پوری (۲) مولانا عبدالاحد (یوسف پور) (۳) مولانا شمس الحق سلفی بنارس (۴) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی بنارس (۵) مولانا عبدالوحید رحمانی شیخ الجامعہ بنارس (۶) مولانا محمد عابد رحمانی بنارس (۷) ڈاکٹر

مقتدی حسن ازہری بنارس (۸) مولانا محمد رئیس ندوی بنارس (۹) مولانا عبدالسلام مدنی بنارس (۱۰) شیخ عبدالمحسن العباد مدینہ منورہ (۱۱) شیخ عبداللہ غنیمان مدینہ (۱۲) شیخ علی عبدالرحمن حذیفی مدینہ (۱۳) شیخ ابراہیم السقا (۱۴) شیخ عبدالمقصود جاراللہ وغیرہم ہیں۔

تدریسی خدمات وذمہ داریاں:

(۱) فراغت کے بعد ۱۸ر نومبر ۱۹۸۲ء سے آپ جامعہ سلفیہ سے منسلک ہوگئے اور کم وبیش اب تک ۳۶ سالوں کے طویل عرصے سے وابستہ ہیں۔ تفسیر حدیث اور دیگر فنون کی کتابیں آپ کے زیر تدریس رہا کرتی ہیں۔ خاص طور سے سنن ابی داؤد برسوں سے آپ پڑھاتے آرہے ہیں۔

(۲) بنارس کی مساجد میں گاہے بگاہے خطبہ جمعہ کا بھی اہتمام ہوتا رہتا ہے۔

(۳) ۷/۹/۱۹۸۹ء سے ۱۱/۱۲/۱۹۹۱ء تک آپ جامعہ کے شعبۂ افتاء سے بھی وابستہ رہے اور فتاوی نویسی کا کام انجام دیتے رہے۔

(۴) دسمبر ۲۰۰۶ء سے اکتوبر ۲۰۰۹ء تک نائب شیخ الجامعہ رہے۔

(۵) اور اکتوبر ۲۰۰۹ء میں شیخ الجامعہ کی عظیم منصب کے لئے منتخب کئے گئے اور احسن طریقے سے یہ ذمہ داری انجام دیتے ہوئے ۲۵ مئی ۲۰۱۶ء میں اس سے سبکدوش ہوگئے۔

(۶) فی الوقت تدریسی ذمہ داریاں انجام دینے میں لگے ہیں، رب العالمین مزید توفیق عطا فرمائے۔

(۷) صوت الامۃ میں آپ کے مضامین گاہے بگاہے شائع ہوتے رہے ہیں، الاسراء والمعراج پر آپ کا ایک طویل مقالہ ہے جو نظر قارئین ہو چکا ہے۔

(۸) ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء میں رابطہ عالم اسلامی کے طلب پر مکہ مکرمہ میں منعقدہ دورہ تدریبیہ میں آپ نے شرکت کی اور ایک سال تک مسلسل دعوت وتدریس کی ٹریننگ لے کر ۱۴۲۴ھ میں الدبلومہ العام فی الدعوۃ والخطابۃ کی سند سے سرفراز کئے گئے اور واپس علم وعمل کے موتی لٹانے، مادر علمی ومقر عمل جامعہ سلفیہ پہنچ کر تدریس سے منسلک ہوگئے۔

تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کی تعداد یوں تو بے حد زیادہ ہے، ظاہری بات ہے ایک طویل عرصے سے جماعت کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریس وتعلیم کی وجہ سے حلقہ تلامذہ کا وسیع ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں، ایک بڑی تعداد نے آپ سے استفادہ کیا ہے جس میں شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی جیسے عظیم اور جماعت کے امیر وصدر سے لے ہم جیسے ہیچمنداں بھی شامل ہیں۔

اولاد:

مولانا کے کل ۸ بچے ہیں، ۴ لڑکے اور ۴ لڑکیاں ہیں، لڑکوں کے نام (۱) عبدالحق (۲) ضیاء الحق (۳) عبدالرحمن (۴) عبدالسلام اور بچیوں کے نام (۱) مومنہ (۲) آمنہ (۳) فاطمہ (۴) ناظمہ ہیں اللہ تعالی سب کو صحت وعافیت اور ترقی عطا فرمائے۔

(ماخوذ از بیاض فارم تاریخ اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا مرسلہ مولانا نعیم الدین مدنی ۲۰۱۶ء)

□□□

استاذ گرامی

مولانا محمد یونس بنارسی مدنی رحفظہ اللہ

شیخ الجامعۃ جامعہ سلفیہ بنارس

پیدائش: ۲۹/مارچ ۱۹۵۷ء

نام ونسب نامہ: محمد یونس بن عبدالمتین بن عبدالحکیم بن محمد امیر بن حیات محمد بن پیر محمد عرف فرنگی۔

کنیت: ابوعبدالرحمن

تاریخ پیدائش: ۲۹/مارچ ۱۹۵۷ء

جائے پیدائش: مالتی باغ مدن پورہ بنارس

مختصر خاندانی تعارف: میرے والد عبدالمتین رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے دادا محمد امیر صاحب جس مسجد میں نماز پڑھتے تھے وہاں کوئی مولوی صاحب امام وخطیب تھے، نماز بعد درس بھی دیا کرتے تھے، ان کا درس قصے، کہانیاں اور خرافات پر مشتمل ہوا کرتا تھا، میرے پردادا محمد امیرؒ نے ایک دن مولانا سے دریافت کیا کہ مولانا آپ درس میں آخرت، جنت وجہنم، قیامت اور ثواب وعقاب والے امور کو بیان نہیں کرتے جب کہ لوگوں کو ان چیزوں کی ضرورت ہے تاکہ ان کے دلوں میں خوف آخرت پیدا ہو اور لوگ عمل صالح کے عادی بن جائیں، مولانا نے کہا ''میاں تم نہیں جانتے ہو اگر میں آخرت اور ان کے متعلق امور کو بیان کروں گا تو دوروٹی چلی جائے گی اور نذرانہ بند ہو جائے گا''۔

میرے پردادا محمد امیر صاحب نے کہا اچھا! تو آپ کے نزدیک دوروٹی بڑی ہے؟ اور آخرت وغیرہ کی کوئی اہمیت نہیں۔ مولانا سن لیجئے آج سے نہ تو میں آپ کے پیچھے نماز پڑھوں گا اور نہ آپ کا درس سنوں گا یہ کہہ کر مسجد سے نکل گئے اور پھر جامع مسجد اہل حدیث (طیب شاہ) میں نماز پڑھنے لگے اور اہل حدیث ہو گئے اور اس طرح وہ اور ان کے بعد والی نسل مسلک کتاب وسنت پر گامزن ہے، والحمدللہ علی ذالک۔

آغاز تعلیم: ابتدا سے درجہ پنجم تک میری تعلیم جامعہ رحمانیہ مدن پورہ بنارس میں ہوئی بعدہٗ انگریزی اسکول جے نرائن کالج میں پڑھنے کا ارادہ تھا گھر والے بھی راضی تھے، لیکن مولوی حفیظ اللہؒ اور مولانا خالد شفاء اللہ رحمانی حفظہ اللہ نے یہ کہہ کر میری تعلیم کا رخ موڑ دیا کہ ہندی، انگریزی کی تعلیم تو جامعہ رحمانیہ میں بھی ہوتی ہے لہٰذا داخلہ جامعہ رحمانیہ کے شعبۂ عربی میں کرایا جائے، گھر والے اس

پر راضی ہو گئے اور اس طرح میرا داخلہ جامعہ رحمانیہ کے عربی اول (متوسطہ اولیٰ) میں ہو گیا اور چار سال مسلسل کدوکاوش اور محنت کے بعد ۱۹۷۳ء میں مولوی کی ڈگری حاصل کر لی۔

جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس میں داخلہ:

چار سالہ عالمیت کی تعلیم جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس کے بزرگ اساتذہ کرام کی نگرانی میں ہوئی اور اچھے نمبرات سے کامیاب ہوا، اس کے بعد فضیلت کا دوسالہ کورس بھی جامعہ سلفیہ میں کیا اور اچھے نمبرات سے کامیاب ہو کر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ جانے والے طلبہ کی فہرست میں شامل ہو گیا فضیلت کی ڈگری ۱۹۷۹ء میں حاصل کی اس کے ایک سال بعد ۱۹۸۰ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے منظوری آ گئی اور وہاں جانے کا مستحق ہو گیا۔ چار سال تک کلیۃ الدعوۃ واصول الدین میں زیر تعلیم رہ کر ۱۹۸۳ء میں مدینہ سے فارغ ہوا۔

بنارس میں تعلیم کے دوران علی گڑھ سے ادیب ماہر اور عربی فارسی بورڈ یوپی کے امتحانات مولوی، عالم، فاضل ادب اور فاضل دینیات پاس کیا۔

اساتذہ کرام جامعہ رحمانیہ بنارس:

(۱) مولانا حافظ قاری عبدالوہاب بنارسیؒ (۲) ماسٹر عبدالحمید جونپوری (۳) حافظ نصر اللہ جونپوری (۴) مولانا عزیز احمد ندوی (۵) مولانا عبدالسلام گونڈوی (۶) مولانا عبدالسلام طیبی رحمانی (۷) ڈاکٹر صغیر احمد شکر نگری (۸) ماسٹر فیروز الدین بلیاوی (۹) مولانا خالد شفاء اللہ رحمانی۔

اساتذہ کرام جامعہ سلفیہ بنارس:

جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم میں جن اساتذہ کرام سے استفادہ کا موقع ملا وہ درج ذیل ہیں: (۱) مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی شیخ الجامعہ (۲) مولانا شمس الحق صاحب سلفیؒ (۳) مولانا عبدالمعید صاحب بنارسیؒ (۴) مولانا محمد رئیس صاحب ندویؒ (۵) مولانا عابد حسین رحمانی (۶) مولانا صفی الرحمن صاحب مبارکپوری (۷) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانیؒ (۸) ڈاکٹر مقتدی حسن صاحب ازھریؒ (۹) مولانا انیس الرحمن صاحب اعظمی حفظہ اللہ (۱۰) مولانا عبدالسلام صاحب مدنیؒ (۱۱) ماسٹر اکبر خان وغیرہ۔

۱۹۸۰ء میں طلبہ کا ایک گروپ جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی کے لئے منتخب کیا گیا جس میں ناچیز بھی شامل تھا، میں اپنے رفقاء درس کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا اور کلیۃ الدعوۃ واصول الدین میں داخلہ لیا اور پوری لگن اور محنت کے ساتھ تعلیمی سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ۱۹۸۳ء میں لیسانس کی ڈگری بتقدیر جید جدا حاصل کی۔

عرب اساتذہ کرام:

(۱) شیخ صالح الحسین عمید کلیۃ الدعوۃ (۲) شیخ عبداللہ الغنیمان (۳) شیخ ھادی المدخلی (۴) شیخ محمود عبدالوہاب فائد

مصری (۵) شیخ محمد محمد ابوفرحہ (۶) شیخ یوسف النجار استاد النحو (۷) شیخ عبدالعزیز البہنسی (۸) شیخ محمد المجذوب اردنی (۹) شیخ ابراہیم السقا اردنی (۱۰) شیخ عبدالعظیم خطاب مصری وغیرھم۔

فراغت کے بعد مشغلہ:

۱۹۸۳ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ یونیورسٹی سے میری فراغت ہوئی، حسن اتفاق کہ اسی سال دعاۃ کو مختلف ملکوں میں بھیجنے کے لئے انٹرویو ہو رہا تھا، میں بھی انٹرویو میں شریک ہوا اور الحمدللہ کامیاب رہا اور مجھے میرے مادر علمی جامعہ سلفیہ میں داعی ومدرس کی حیثیت سے متعین کردیا گیا، حج سے فراغت اور جملہ کارروائی مکمل کرنے کے بعد اپنے ملک عزیز ہندوستان واپس آگیا اور یکم صفر ۱۴۰۴ھ مطابق نومبر ۱۹۸۳ء میں جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریس میری سپرد ہوئی، اس وقت سے آج تک درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری ہے۔

تدریسی خدمات:

۱۹۷۹ء میں فراغت کے بعد ایک سال جامعہ رحمانیہ بنارس میں ہدایۃ النحو اور قصص النبین وغیرہ پڑھانے کا موقع ملا اور جب ۱۹۸۳ء میں جامعہ سلفیہ آیا تو اس وقت سے اب تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھانے کا موقع ملا۔(۱) صحیح مسلم ج ۱ (مشکوۃ المصابیح ج ۲ (۳) مشکوۃ المصابیح ج ۱ (۴) تیسیر العزیز الحمید (۵) مادۃ العقیدہ (۶) تقویۃ الایمان (۷) بدایۃ المجتہد ج ۱ (۸) بدایۃ المجتہد ج ۲ (۹) تفسیر جلالین (۱۰) الادیان والفرق والمذاہب (۱۱) امتاع العقول۔

دعوت وتبلیغ:

دعوت وتبلیغ کا جذبہ شروع سے ہی تھا ۱۹۷۴ء سے خطبہ جمعہ دینا شروع کردیا تھا، اب تو نہ صرف خطبۂ جمعہ دیتا ہوں بلکہ دس مسجدوں میں خطباء کرام کو بھیجنا بھی میری ذمہ داری میں شامل ہے۔

مدینہ منورہ سے آنے کے بعد مولانا احسن جمیل صاحب مدنی حفظہ اللہ اور میں (راقم الحروف) چند بزرگوں کے ساتھ ہر ہفتہ دعوت وتبلیغ کے لئے مختلف علاقہ میں چلے جاتے تھے، شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید رحمانیؒ نے جب ہم لوگوں کا جذبۂ تبلیغ دیکھا تو کہا کہ جمعیۃ الشبان المسلمین جو قدیم جمعیت ہے، جس کو مولانا عبدالمجید الحریری رحمہ اللہ وغیرہ نے ۱۹۳۹ء میں قائم کیا تھا اسی کو متحرک وفعال بناؤ اور انتخاب کرا کے دوبارہ منظم طور پر دعوت وتبلیغ کا کام شروع کردو چنانچہ ایسی ہی ہوا۔ انتخاب ہوا جس میں جناب مولانا احسن جمیل صاحب مدنی کو سکریٹری اور راقم الحروف کو صدر بنایا گیا اور دعوت وتبلیغ کا منظم طور پر کام شروع ہوگیا، مساجد میں درس قرآن وحدیث جگہ جگہ دعوت وتبلیغ کا پروگرام، مفید پمفلٹ اور کتابیں شائع ہوئی، کچھ سال پہلے ضلعی جمعیت اہل حدیث بنارس کا انتخاب ہوا تھا جس میں راقم الحروف کو صدر اور مولانا عبدالمتین مدنی کو سکریٹری بنایا گیا تھا اس جمعیت نے بنارس اور مضافات بنارس میں دعوت وتبلیغ کے

کام کے ساتھ ساتھ رفاہی کام بھی کئے اور لوگوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اب جدید انتخاب میں مولانا احسن جمیل صاحب مدنی کو ضلعی جمعیت اہل حدیث بنارس کا امیر اور مولا محمد اسامہ سلفی کو سکریٹری بنایا گیا ہے۔

تصانیف:

درس وتدریس کے ساتھ مضمون نگاری وغیرہ کا سلسلہ بھی جاری رہا ترجمان دہلی اور محدث بنارس میں علمائے اہل حدیث بنارس پر سلسلہ وار مضمون نکلتا رہا۔ احباب جماعت کے اصرار پر اس کو کتابی شکل دی گئی اور نام تراجم علمائے اہل حدیث بنارس رکھا گیا۔ (۲) لاٹری اور جوا اسلام کی نظر میں (۳) عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ (مقالہ عربی غیر مطبوع) ابھی تاریخ اہل حدیث بنارس ،تاریخ وتعارف جامعہ رحمانیہ بنارس پر دھیرے دھیرے کام ہو رہا ہے، مستقل بیماری کی وجہ سے کام کی رفتار سست ہے اس لئے قارئین سے دعاء صحت کی درخواست ہے۔

اہل خانہ:

والدین (رحمہا اللہ)۔ نیک بیوی فریدہ بانو بنت ابوالکلام مدن پورہ سے شادی ۱۸/مارچ ۱۹۷۹ء کو ہوئی، بحمد للہ ۴ بچیاں اور ۲ لڑکے ہیں۔

(۱) حافظ عبدالرحمن مولوی، عالم فاضل (جامعہ سلفیہ بنارس) حافظ عبدالرحیم مولوی، عالم، فاضل (جامعہ سلفیہ بنارس) بی، اے (ابوالکلام آزاد سے) اور ایم اے (بنارس ہندو یونیورسٹی سے)۔ (۱) فرحت یاسمین (۲) حبیبہ (۳) میمونہ (۴) نبیلہ، بحمد للہ سبھوں کی شادی ہو چکی ہے اور سب ماشاء اللہ صاحب اولاد خوش وخرم ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو نیک اور صالح بنائے۔

ربنا هب لنا من ازواجنا وذرياتنا قرة اعين واجعلنا للمتقين اماما۔ آمين يارب العالمين وصلى الله على النبى الكريم محمد وعلى آله واصحابه اجمعين۔

محمد یونس مدنی

مدن پورہ بنارس، ۲۸/اکتوبر ۲۰۱۸ء

□□□

بنارسی علمائے اہل حدیث کی تاریخ وخدمات پر
مولانا محمد یونس مدنی رحفظہ اللہ کی معرکۃ الآراء کتاب
تراجم علمائے اہل حدیث بنارس
ضرور پڑھیں

جماعت اہلحدیث پونہ کے رکن رکین

مولانا سعید احمد سلفی پونہ مہاراشٹر

ولادت ۱۹۶۳ء

نام ونسب: سعید احمد بن عبدالستار بن حیات اللہ بن محمد شریف

والدہ کا نام: مجلین بنت سعد اللہ رحمہا اللہ جو حافظہ قرآن تھیں۔

پیدائش: کاغذات کے مطابق ۲ فروری ۱۹۶۳ء ہے اور جائے پیدائش موضع ٹکریا پوسٹ کسمہی، ڈومریا گنج سدھارتھ نگر (یوپی)

تعلیم: ٹکریا میں مکتب سے لے کر جماعت ثانیہ عربی تک مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم میں پڑھا۔ جسے ہمارے والد صاحب کے ماموں اور مشہور عالم دین حضرت مولانا شکر اللہ صاحب فیضیؒ نے قائم کیا ہے یہاں کے اساتذہ کرام میں مولانا محمد عباس ریاضی حفظہ اللہ، ماسٹر نصیر اللہ صاحب، مولانا عبداللہ سعیدیؒ، مولانا شکر اللہ صاحب فیضیؒ، مولانا سلامت اللہ صاحب اثریؒ، مولانا عبدالخالق حفظہ اللہ، ماسٹر عبدالمنان حفظہ اللہ ہیں۔ ناظرہ قرآن والدہ محترمہ رحمہا اللہ نے پڑھایا، اس وقت میرا گھر ٹکریا کا چھوٹا مدرسہ معلوم ہوتا تھا اور صبح سے لے کر عشاء تک کم عمر بچوں اور بچیوں سے لیکر جوان اور ادھیڑ عمر کی عورتیں والدہ محترمہ سے قرآن پڑھتی تھیں۔

۱۹۷۴ء میں مدرسہ انوار العلوم پرساعماد ضلع سدھارتھ نگر میں داخلہ لیا اور جماعت ثالثہ ورابعہ پڑھا وہاں کے اساتذہ کرام میں مولانا عزیز الرحمن سلفی حفظہ اللہ، مولانا شفیق احمد اثری حفظہ اللہ، مولانا محمد صدیق حفظہ اللہ، مولانا عبدالرشید حفظہ اللہ اور مولانا کتاب اللہ مظاہری ہیں۔ ۱۹۷۶ء میں مرکزی درسگاہ اور ہمارے بزرگوں کے خوابوں کی تعبیر جامعہ سلفیہ بنارس میں عالمیت سال اول میں داخلہ لیا اور وہیں عالمیت وفضیلت کی سند جید جدا سے حاصل کی۔

اس وقت جامعہ میں اپنے وقت کے ماہرین فن، علوم نقلیہ وعقلیہ کے صف اول کے اساتذہ کرام کے سامنے زانوتلمذ تہہ کیا اور جامعہ کے علمی وتربیتی ماحول سے بھرپور استفادہ کا موقع ملا جو میری زندگی کا زریں ترین دور ہے، افسوس صد افسوس کہ جو کچھ وہاں سے حاصل کیا تھا اس سے نہ خود کما حقہ مستفید ہوسکا اور نہ ہی اوروں کو پہنچا سکا۔ ۱۹۸۲ء میں جامعہ سلفیہ سے فراغت کے بعد یہ قوی امید تھی کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ ہوگا اور سرزمین مدینۃ النبی میں علمی وروحانی برکات سے مستفید ہوں گا لیکن قدر اللہ ماقدر کے تحت بعض وجوہات کی بنا پر پورے منتخب ہم سبق ساتھیوں کے کاغذات وقت مقررہ پر جامعہ اسلامیہ نہ پہنچ سکے اور کوئی بھی رفیق نہ جاسکا۔

اساتذۂ کرام: جامعہ میں جن اساطین علم وفضل کے سامنے زانوتلمذ تہہ کرنے کا موقع ملا وہ حسب ذیل ہیں: (۱) شیخ الحدیث

مولانا شمس الحق صاحب سلفی رحمہ اللہ (۲) شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید الرحمانی رحمہ اللہ، (۳) مولانا عبدالمعید بنارسی رحمہ اللہ (۴) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی رحمہ اللہ، (۵) شیخ الحدیث مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ (۶) مولانا عابد حسن رحمانی رحمہ اللہ، (۷) مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ، (۸) مولانا رئیس الاحرار ندوی رحمہ اللہ (۹) دکتور مقتدی حسن ازھری رحمہ اللہ (۱۰) مولانا مصلح الدین جیراجپوری رحمہ اللہ (۱۱) شیخ انیس الرحمن مدنی اعظمی حفظہ اللہ (۱۲) مولانا عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ (۱۳) مولانا عزیز الرحمن سلفی حفظہ اللہ (۱۴) ماسٹر اکبر خان لودھی رحمہ اللہ (۱۵ ماسٹر نہال احمد رحمہ اللہ۔

ہم سبق رفقاء کرام: فضیلت سال آخر میں ۴۸ طلباء تھے جن میں چند جوار رحمت میں چلے گئے اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے منور کرے اور جنت الفردوس میں داخل کرے۔ آمین) (۱) مولانا عبدالکریم سلفی رحمہ اللہ (۲) مولانا محمد یحییٰ رحمہ اللہ۔

باحیات: مولانا عبدالمنان صاحب سلفی، حافظ محمد طاہر صاحب سلفی، حافظ سعود احمد سلفی، مولانا جمیل احمد سلفی، مولانا محمد شفیق صاحب سلفی، مولانا حمید اللہ سلفی، مولانا محمد موسیٰ سلفی، مولانا عزیز الرحمن صاحب سلفی، مولانا حماد سلفی، مولانا شہاب الدین سلفی، مولانا عبداللہ سلفی گورکھپوری، مولانا عبداللہ سلفی بستوی، مولانا عبدالرزاق سلفی، مولانا عبدالستار، محمد اسلام سلفی، مولانا عبدالستار محمد ارشد سلفی، مولانا سعید اختر مدنی، مولانا امتیاز احمد سلفی، مولانا عبدالودود سلفی، مولانا عبدالرحمن سلفی، مولانا امر اللہ سلفی، مولانا سرور عالم سلفی، مولانا محمد یونس سلفی، مولانا عبدالعزیز سلفی، مولانا سراج الحق سلفی، حافظ یسین سلفی، مولانا محمد غفران سلفی، حافظ عبدالمالک سلفی، مولانا عبدالغنی سلفی، مولانا عبدالقدیر سلفی، مولانا عبدالرشید نیپالی سلفی، مولانا محمد اسلم سلفی۔

دعوتی خدمات: ۱۹۸۲ء میں جامعہ سے فراغت کے بعد قدر اللہ ما قدر کے تحت ذریعہ معاش تجارت اپنایا، اسی کے ساتھ ساتھ خطبہ جمعہ کا اہتمام کرتا رہا۔ پونہ میں اپنے منہج کی کوئی مسجد نہیں تھی لیکن میرے رشتہ دار عبدالصمد رحمہ اللہ نے جمعہ و جماعت کا انتظام اپنی دوکان کے اوپری حصہ میں کیا تھا، اسی لئے وہیں خطبہ جمعہ دیتا تھا۔ جب افراد بڑھنے لگے تو مستقل مسجد کا قیام عمل میں آیا جس کی تاسیس امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کے ہاتھوں عمل میں آئی، آپ نے تاسیس کے موقع پر خطاب فرماتے ہوئے کہا تھا کہ آج آپ لوگوں کو یہ بات تعجب خیز لگے گی لیکن مجھے امید ہے کہ یہ ایک دعوتی مرکز ہوگا اور یہاں بڑے بڑے علماء کرام تشریف لائیں گے۔ الحمد للہ ان کی یہ امید صحیح ثابت ہوئی اور حقیقت یہی ہے کہ شہر پونہ کا دعوتی مرکز یہی مسجد ہے۔ جو مسجد عمر بن خطاب کے نام سے موسوم ہے یقیناً مولانا رحمہ اللہ کی نگاہیں بڑی دوررس تھیں۔

تعلیمی خدمات: ۲۰۰۰ء میں دو ہائی اسکول مولانا آزاد ہائی اسکول اور نیشنل اینگلو ہائی اسکول میں دینیات پڑھانا شروع کیا جو پانچ سالوں پر محیط ہے اور یہ کام اعزازی طور پر کیا۔ ۲۰۰۲ء میں المنار ایجوکیشنل سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا جس میں مجھے سکریٹری بنایا گیا جس کے ماتحت المنار پرائمری وہائی اسکول قائم کیا گیا جو الحمد للہ بڑے ہی منظم انداز میں چل رہا ہے۔ جس میں تقریباً دو ہزار طلباء وطالبات زیر تعلیم ہیں جس کے قیام میں عبدالشکور اور خاکسار کا بنیادی کردار ہے۔

جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ: ۱۹۹۳ء میں جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ کا قیام عمل میں آیا جس میں شروع میں بطور خازن

بعد میں سکریٹری منتخب کرلیا گیا۔اس ٹرسٹ کے تحت مسجد عمر بن خطاب موڑواڑی، مسجد اہل حدیث پوار بستی، مدرسہ دارالفرقان لتحفیظ القرآن اور اہل حدیث قبرستان ہے جو پونے دوایکڑ پر محیط ہے۔

اہل حدیث ویلفیئر سوسائٹی: ۲۰۱۵ء میں اہل حدیث ویلفیئر سوسائٹی کدل واڑی کا قیام عمل میں آیا جس میں مجھے چیئرمین بنایا گیا۔اس سوسائٹی کے تحت مسجد ابوھریرہ ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ دوران تعلیم جو میرا اور میرے اساتذہ کرام اور والدین کا خواب تھا وہ شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا اور تجارتی مشاغل میں پڑکر علم دین کی جس طرح خدمت کرنی چاہیے تھی وہ نہ کرسکا پھر بھی اللہ کی توفیق سے کچھ نہ کچھ دعوتی وادارتی خدمات انجام دے رہا ہوں، امید ہے کہ اللہ جل شانہٗ میری اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور میرے لئے نجات کا ذریعہ بنائے اور میں نے جو کچھ علمی وعملی کوتاہی اور غلطی کی ہے وہ معاف فرمائے (آمین)

جامعہ سلفیہ بنارس: مادر علمی جامعہ سلفیہ بنارس سے مستقل طور پر تعلقات قائم ہیں، ۲۰۰۹ء سے جامعہ کی مجلس عاملہ کی سالانہ میٹنگ میں بلایا جاتا ہوں مجھے نہیں معلوم کہ میں مجلس عاملہ کا مستقل ممبر ہوں یا خصوصی مدعوین میں سے ہوں واللہ اعلم بالصواب پھر بھی میری خوش قسمتی ہے کہ مادر علمی میں جانے اور وہاں کے نشاطات میں حصہ لینے کا موقع ملتا ہے۔فللہ الحمد۔

☆☆☆

نازش سلفیت مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کے خلف الرشید

فاضل گرامی مولانا محمد رحمانی

رئیس جامعہ اسلامیہ سنابل دہلی

پیدائش ۲۰ مارچ ۱۹۷۸ء

نام: محمد رحمانی، سنابلی، مدنی

والد کا نام: مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ

جائے ولادت: اوکھلا، جامعہ نگر، نئی دہلی، انڈیا۔

تاریخ پیدائش: ۲۰/مارچ ۱۹۷۸ء مطابق ۱۱/ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ بروز سوموار

قومیت: ہندوستانی

تعلیمی صلاحیت:

۱۔ حفظ قرآن کریم مع تجوید، معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم، جوگابائی، نئی دہلی۔

۲۔ عالمیت: جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی۔ ۲۰۰۱ء مطابق ۱۴۲۱ھ

۳۔ فضیلت: جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی۔ ۲۰۰۳ء مطابق ۱۴۲۳ھ

۴۔ بی اے (لیسانس): کلیہ الدعوۃ واصول الدین جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، سعودی عرب، ۲۰۰۹ء مطابق ۳۰۔۱۴۲۹ھ۔

زبانیں: عربی اور اردو پڑھنے لکھنے اور بولنے کی لیاقت، انگریزی اور ہندی پڑھنے اور سمجھنے کی لیاقت۔

تدریسی تجربات:

۱۔ تدریس عربی وشرعی علوم، جامعہ اسلامیہ سنابل از ۲۰۰۹ء تا حال (جاری)

۲۔ تدریس عربی وشرعی علوم، عائشہ صدیقہ شریعت کالج، جوگابائی، از ۲۰۱۱ء تا حال (جاری)

۳۔ تدریس حفظ قرآن کریم وکتب تجوید بروایت حفص، معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم، جوگابائی۔ (مدت ایک سال)

۴۔ تدریس دورۂ تدریبیہ برائے ائمہ ودعاۃ منجانب وزارۃ الشئون الاسلامیہ سعودی عرب، جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی۔ نومبر ۲۰۱۲ء

۵۔ مختلف لکچرز علوم شرعیہ کے موضوع پر مختلف یونیورسٹیز اور عصری جامعات میں زیر تعلیم طلبہ وطالبات کے لئے۔

ریسرچ اور بحث وتحقیق کے تجربات:

۱۔ رافضہ کی شازشوں اور ناپاک عزائم اور شیعیت کے انکشاف پر مختلف مفصل مضامین۔

۲۔ تالیف کتاب ''والد محترم علامہ عبدالحمید رحمانی، کچھ یادیں کچھ باتیں''۔

۳۔ دسیوں مقالات، اداریئے، ادارتی نوٹ، وفیات پر تاثرات اور نوٹ جو ماہنامہ ''التبیان'' نئی دہلی میں ۲۰۰۴ء تا حال شائع ہوئے۔

۴۔ احادیث مبارکہ کی شرح کے کالم کی تیاری ماہنامہ مجلہ ''التبیان'' ۲۰۰۴ء تا حال (جاری)

۵۔ اردو ماہنامہ مجلہ ''التبیان'' نئی دہلی کا اشراف از ۲۰۱۳ء تا حال (جاری)

۶۔ سند فضیلت کے بعض مقالات کا اشراف جامعہ اسلامیہ سنابل اور عائشہ صدیقہ شریعت کالج، نئی دہلی۔

۷۔ نادی الطلبہ جامعہ اسلامیہ سنابل کے سالانہ چار لسانی مجلہ ''سنابل'' ۰۳۔ ۲۰۰۲ء کی ادارت۔

خطابات اور محاضرات کے تجربات:

۱۔ جامع مسجد ابوبکر صدیق، جوگابائی، نئی دہلی میں ۲۰۰۹ء سے مستقل خطابت، یومیہ دروس اور محاضرات۔

۲۔ علمی اور تحقیقی وتربیتی موضوعات پر مختلف کانفرنسوں اور پروگرام بالخصوص ہندوستان، سعودی عرب اور قطر میں خطابات۔

۳۔ اناؤ لکھنؤ میں امام حرم شیخ خالد غامدی حفظہ اللہ کے اعزاز میں رکھی گئی ''عالمی امن کانفرنس'' میں جماعت اور بالخصوص لکھنؤ کی تحریک اہل حدیث کے تعارف پر مبنی استقبالیہ تقریر بزبان عربی واردو۔

۴۔ عالمی سیمینار ''مولانا عبدالحمید رحمانی۔ حیات وخدمات اور برصغیر میں اسلامی دعوت کی تاریخ'' میں ''تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں'' کے موضوع پر جامع اور مفصل خطاب۔

۵۔ حرمین شریفین کے تحفظ اور اہل تشیع کی شرارتوں پر مختلف کانفرنسوں میں خطاب ومحاضرات۔

۶۔ مختلف پروگراموں اور کانفرنسوں میں مسلک اہل حدیث کی بنیاد، جنگ آزادی ہند میں علماء اہل حدیث کے کردار اور مختلف منہجی مسائل پر مفصل مقالات اور خطابات۔

۷۔ سعودی حکومت کے ذریعہ شیعہ عالم کو دی گئی پھانسی کے خلاف ایران کے واویلا کی حقیقت پر مختلف پروگراموں میں تقاریر اور جامعہ اسلامیہ سنابل میں منعقد کانفرنس بعنوان ''دفاع حرمین شریفین اور اسلام کی ریشہ دوانیاں'' میں کلیدی خطاب۔

۸۔ مختلف موضوعات پر مشتمل سیمیناروں، کانفرنسوں اور پروگراموں کی صدارت اور صدارتی خطاب۔

انٹرویوز:

۱۔سعودی چینل ''قناۃ المجد'' پر ہندوستان میں اسلامی دعوت اور ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کے تعارف پر مشتمل انٹرویو بزبان عربی دسمبر ۲۰۱۵ء۔

۲۔ضیوف خادم الحرمین الشریفین للحج والعمرۃ ۱۴۳۶ھ کے ضمن میں ''قناۃ الحج'' پر ہندوستانی حجاج کی جانب سے حج کے احوال اور سعودی حکومت کی خدمات نیز سنٹر کے تعارف پر مشتمل مفصل انٹرویو بزبان عربی۔

۳۔مکہ مکرمہ کے ریڈیو چینل ''نداء الاسلام'' پر ہندوستانی مسلمانوں کے حالات پر عربی زبان میں انٹرویو۔دسمبر ۲۰۱۵ء۔

۴۔جدہ ریڈیو کی اردو نشریات پر ہندوستان میں تعلیمی سرگرمیوں پر مشتمل اردو زبان میں انٹرویو۔ستمبر ۲۰۱۵ء۔

۵۔سعودی عرب کی راجدھانی ریاض کے ایک ریڈیو چینل پر سعودی حکومت کے زیر اہتمام حجاج کی خدمات سے متعلق انٹرویو۔۲۰۱۵ء۔

۶۔طلاق ثلاثہ، حلالہ اور نکاح کے اسلامی تصور سے متعلق کناڈا سے بننے والی ڈاکومنٹری فلم کے لئے اس موضوع پر تفصیلی انٹرویو۔۲۰۱۵ء۔

۷۔بعض ہندوستانی ٹی وی چینلز پر جنگ آزادی میں علماء اہل حدیث کے کردار اور مسلمانوں کے آپسی انتشار کے علاج کے موضوعات پر انٹرویوز۔

۸۔ہندی زبان کے ایک ہفتہ واری اخبار میں حالات حاضرہ اور بالخصوص بابری مسجد اور دوسرے اہم مسلم مسائل پر تفصیلی انٹرویو۔فروری ۲۰۱۶ء۔

۹۔برطانیہ کے معروف چینل BBC کی جانب سے ہندوستانی مسلم مکاتب فکر پر بنائی جانے والی ڈاکومنٹری فلم کے لئے سلفیت اور اس کی فکر اور وسائل پر مشتمل انٹرویو۔فروری ۲۰۱۷ء۔

سابقہ عہدے اور مناصب:

۱۔وکیل (ریکٹر) جامعہ اسلامیہ سنابل ۲۰۱۰ء تا ۲۰۱۳ء۔

۲۔مساعد خطیب جامع مسجد ابوبکر صدیق، جوگابائی، نئی دہلی۔(قبل از ۲۰۰۹ء)

۳۔رکن تعلیمی وتربیتی کمیٹی جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی۔

موجودہ عہدے اور مناصب:

۱۔صدر عمومی ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی اگست ۲۰۱۳ء تا حال (جاری)

۲۔رئیس جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی۔

۳۔صدر مولانا عبدالحمید رحمانی اسلامک سائنٹفک ریسرچ اکیڈمی، نئی دہلی۔
۴۔صدر مولانا عبدالحمید رحمانی ایوارڈ، برائے خدمات علوم اسلامیہ، نئی دہلی۔
۵۔خطیب جامع مسجد ابوبکر صدیق، جوگابائی، نئی دہلی۔
۶۔مشرف ماہنامہ مجلہ ''التبیان'' (اردو) ۷۔رکن (IICC) انڈیا اسلامک کلچرل سینٹر لودھی روڈ نئی دہلی۔

اساتذہ:

والد گرامی مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ، شیخ عبدالمحسن حمد العباد البدر، شیخ علی بن عبدالرحمن الحذیفی، شیخ عبدالرزاق البدر، شیخ محمد المدخلی، شیخ عبدالکریم باکریم، شیخ عبدالقادر صوفی۔

مولانا عاشق علی اثری صاحب، ڈاکٹر محمد مفضل مدنی صاحب، مولانا عزیز احمد مدنی صاحب، مولانا محمد الیاس سلفی رحمہ اللہ، مولانا مستقیم سلفی صاحب، مولانا عبدالکریم سلفی رحمہ اللہ، مولانا نورالحسن مدنی صاحب، مولانا وسیم احمد سنابلی ریاضی صاحب، مولانا محمد سعود سلفی رحمہ اللہ، مولانا وسیم احمد سنابلی مدنی صاحب، مولانا عبدالبر سنابلی مدنی صاحب، مولانا شکیل احمد سنابلی صاحب، مولانا عبدالمجید مدنی صاحب، مولانا فضل الرحمن ندوی صاحب، قاری رحمت اللہ مفتاحی صاحب، قاری محمد اشفاق قاسمی صاحب، ماسٹر ابوذر رحمہ اللہ، ماسٹر محمد ثروت صاحب، ماسٹر رخسار عالم صاحب۔

ان کے علاوہ مسجد نبوی، جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ، جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دہلی، معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم، نئی دہلی اور ابوالکلام آزاد بوائز اسکول، نئی دہلی کے دیگر اساتذہ کرام۔

تلامذہ:

شاگردوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جنہوں نے معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم، نئی دہلی، جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی اور عائشہ صدیقہ شریعت کالج میں تعلیم حاصل کی۔ ان میں سے بہت سے ہندو بیرون ہند مختلف یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم ہیں، اور بعض ملک کے مختلف علاقوں اور بعض دوسرے ممالک میں بھی اہم ذمہ داریوں اور دعوت وتبلیغ کے میدان میں سرگرم عمل ہیں۔

ان شاگردوں میں سے مختلف علاقوں کے چند نام درج ذیل ہیں:

عبدالقادر نثار احمد (مغربی یوپی) خلیل الرحمن عبدالستار (مشرقی یوپی) اشفاق احمد وصی اللہ (نیپال) سی سیف اللہ (رائیدرگ، جنوبی ہند) شمس الدین امجد (نیپال) ظہیر الدین نصیر الدین (بنگال) احسان الحق (کشمیر) سفیان عبدالمجید (ہریانہ) شہید الاسلام (آسام) حیدر علی برکت اللہ (یوپی) عبدالرحمن شاہد یعقوبی (یوپی) عاقب جاوید عبدالتواب (دہلی) سعد بدرالزماں (بہار) شاہ فہد (مہاراشٹر) وغیرہ۔

□□□

باب ہشتم

مناظرات و متفرقات

مناظرہ نڈیاڈ گجرات ۱۸۸۲ء
اور حضرت مولانا محمد صاحب سورتی گجراتیؒ

مولانا محمد مقتدی اثری (مئو)

مناظرہ نڈیاڈ کے سلسلے میں مولانا مقتدیٰ اثری نے مولانا محمد یوسف سورتی صاحب کا نام بطور مناظر تحریر کیا ہے یہ بڑی تاریخی چوک ہے۔ دراصل یہ مولانا محمد یوسف سورتی نہیں بلکہ مولانا محمد بن ہاشم سورتی سامرودی ہیں۔ اول الذکر ایک ادیب اور دوسرے ایک بہترین عالم اور مناظر گزرے ہیں۔ (عبدالحکیم المدنی)

مولانا محمد سورتی بھی صوبہ سوراشٹر کے رہنے والے تھے۔ حصول علم کے لئے مرکز علوم وفنون دہلی میں تشریف لائے۔ مدرسہ دارالکتاب والسنۃ صدر بازار دہلی میں داخلہ لیا اور تمام اعلیٰ منزلیں مولانا عبدالوہاب کی سرپرستی میں گذاریں۔ مولانا محمد سورتی کو مولانا عبدالوہابؒ کی شفقتیں اور اعتماد ہمیشہ حاصل رہا۔ مولانا عبدالوہاب صاحب کی تعلیم وتربیت اور حجیت نے ان پر خوب دینی رنگ چڑھایا بلکہ دینی ذوق کو دوآتشہ کرنے میں مولانا عبدالوہاب کی تربیت کو بہت بڑا دخل ہے۔ جامعہ ملیہ جب دہلی منتقل ہوا تو ڈاکٹر ذاکر حسین اس کے سربراہ (سابق صدر جمہوریہ ہند) تھے ڈاکٹر ذاکر حسین نے جامعہ ملیہ میں بڑی باکمال علمی شخصیتیں جمع کرلی تھیں۔ چنانچہ قرآن اور اس کے متعلقات کی تعلیم کے لئے خواجہ عبدالحیٔ فاروقی مرحوم کو جامعہ ملیہ میں بلالیا گیا۔ دینیات کی تعلیم وتدریس کے لئے مولانا محمد سورتی کی خدمات حاصل کی گئیں، مولانا محمد سورتی دینی معاملات، دینی مسائل اور دینی شعار میں مقبول اور پروفیسر محمد سرور جامعی بہت متشدد تھے اور ان پر ان کے استاد مولانا عبدالوہاب کا رنگ غالب تھا۔ پروفیسر محمد سرور جامعی نے شخصیات میں مولانا محمد سورتی کے حالات لکھے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مولانا سورتی کسی استاد اور طالب علم کو ٹخنوں سے نیچے شلوار یا پائجامہ نہیں کرنے دیتے تھے۔ جامعہ کے دفتر میں کوئی غیر شرعی چیز آویزاں نہ ہونے دیتے بلکہ ایک مرتبہ مختلف علمی اور تحقیقی اشخاص کی آویزاں تصویر کو انہوں نے تہس نہس کردیا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین دفتر دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ لیکن مولانا سورتی کے علمی تبحر، نیکی اور تقویٰ کی وجہ سے کوئی باز پرس نہ کی۔ یہ مجسمہ دعوت وارشاد، پیکر کتاب وسنت اگست ۱۹۴۲ء کو وفات پاگئے۔ مولانا عبدالرحمن سورتی جو کہ کئی کتابوں کے مصنف اور مترجم تھے وہ مولانا سورتی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ (تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں، ص: ۴۷۸ بحوالہ شخصیات مصنفہ پروفیسر سرور جامعی)

قصبہ نڈیاد گجرات:

احمد آباد علاقہ گجرات کا جو ایک شہرہ آفاق شہر ہے جہاں تقریباً ایک سو اسی کپڑے کی میل ہے جہاں کے ہندو دولت میں قارون سے کسی

طرح کم نہیں۔اس کے جنوب میں ۲۰،۲۵ کوس کے فاصلہ پر ایک بہت بڑا قصبہ ہے جس کو نیڑیاد کہتے ہیں۔یہ قصبہ کھیڑا میں واقع ہے۔سمندر یہاں سے ۲۵ کوس کے فاصلے پر ہے۔ہوا مرطوب ہے چائے یہاں والوں کے لئے اتنی ہی ضروری ہے جتنی چین والوں کے لئے افیون۔

اس کی آبادی ۳۵ ہزار بتلائی جاتی ہے۔مسلمان بمشکل ۸ ہزار ہوں گے۔یہاں کے مسلمان تعلیم میں بہت پیچھے ہیں بلکہ صفر کے درجہ رکھتے ہیں۔زبان یہاں کی گجراتی ہے۔مسلمان اردو خوب سمجھتے ہیں۔ہندو قوم میں علم بھی ہے اور دولت بھی۔مسلمان اکثر ملازم پیشہ ہیں البتہ بوہرہ قوم جو مسلمان میں یہاں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے تاجر پیشہ ہے۔ان کی مالی حالت ماشاء اللہ بہتر ہے لیکن مسلمانوں کی دوسری قومیں جس طرح سے علم سے بے بہرہ ہیں۔یہ قوم بھی باوجود تمول اور فارغ البالی کے علم سے محض نابلد اور کوری ہے اور تہذیب وشائستگی سے قطعی ناآشنا۔

مناظرہ نڈیاد ۱۸۸۲ء اور تحریک اہل حدیث:

واقعہ ۱۸۵۷ء کے چند سال کے بعد اتباع سنت کی بنیاد پڑ گئی۔اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب مرحوم ساکن کانوڑ متصل تارنول (ریاست پٹیالہ) کے متعلقین حادثہ ۱۸۵۷ء کے تین چار سال بعد حج کے لئے بیت اللہ تشریف لے گئے۔ اتفاق سے چند افراد نڈیاد کے بھی اس سال حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے۔مولوی صاحب موصوف اور نڈیاد کے مسلمان ایک ہی جگہ مکہ معظمہ میں ٹھہرے۔آپس میں محبت ہوگئی۔نڈیاد والوں نے مولوی صاحب کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔ خصوصاً ایک عورت مسماۃ حلیمہ بی نے مولوی صاحب کی عورتوں پر بہت زور ڈالا کہ یہ لوگ نڈیاد چلیں۔مولوی صاحب جب اپنے وطن کانوڑ واپس آئے تو کچھ دنوں کے بعد نڈیاد تشریف لائے۔

مولوی صاحب کی دینداری کو دیکھ کر ان لوگوں نے زور دیا کہ آپ نڈیاد ہی میں رہیں۔آپ نے ان لوگوں کی درخواست کو قبول کیا اور نڈیاد میں مستقل قیام کرلیا۔آپ کے بھائی حافظ عبدالکریم بہت ہی دیندار اور صالح تھے۔آپ نے ان کو بھی یہاں بلالیا اور اب دونوں بھائیوں نے نڈیاد میں رہ کر تبلیغ کا کام شروع کردیا۔شہر میں بڑی مخالفت کی گئی۔ایک انگریز مصطفی نامی اور رحیم نورجی قوم کا بوہرہ ان ہر دو شخصوں نے شدید مخالفتیں کیں۔متعدد مقامات سے کلکٹر ضلع کے یہاں خطوط بھیجے کہ یہ مولوی غدر ۱۸۵۷ء میں باغیوں کے ساتھ دہلی سے بھاگ کر یہاں آیا ہے۔ان شکایتی چٹھیوں کی بنا پر حکومت نے ان پر مقدمہ چلایا۔بمقام روڈ مہرج جو شہر کھیڑا کے قریب ایک پرفضا مقام ہے حاکم ضلع نے مولوی صاحب کو اسی مقام میں بلایا۔نڈیاد کے چند افراد جو اہل حدیث ہوگئے وہ بھی مولوی صاحب کے ہمراہ مقام روڈ مہرج پہنچے۔مقدمہ کھلا، پر وہ الزام جو مولوی صاحب پر لگایا گیا تھا ثابت نہیں ہوا۔مقدمہ فوراً خارج کردیا گیا مگر مزید اطمینان کی خاطر حاکم نے ۲۵ ہزار کی ضمانت ایک سال کے لئے طلب کی۔نڈیاد کے دو اہلحدیث جو مولوی صاحب کے ہمراہ گئے تھے ضمانت کے لئے تیار ہوگئے۔لیکن چوں کہ وہ بظاہر بہت غریب معلوم ہوئے اس لئے حاکم نے کہا کہ تم لوگ شناخت کے لئے کسی مقامی آدمی کو پیش کرو۔ایک بنیاد جو روڈ مہرج کا رہنے والا تھا اور ان نڈیاد والوں سے اس کا تجارتی لین دین تھا، اس نے حاکم کے یہاں جاکر ان لوگوں کی شناخت کی اور کہا کہ یہ لوگ صاحب حیثیت ہیں۔حاکم نے ضمانت منظور کرلی۔مولوی صاحب اپنے ساتھیوں سمیت نڈیاد آگئے اور تبلیغ میں بہ نسبت پہلے کے زیادہ سرگرم ہوگئے۔ان کی سرگرمی سے حنفی زیادہ چراغ پا ہوئے۔حکومت کے یہاں شکایت کرکے یہ

لوگ ناکامیاب ہو چکے تھے اس لئے اب مناظرہ کی طرح ڈالی اور سمجھے کہ شاید اسی میں ہم لوگوں کو کامیابی حاصل ہو جائے۔

نڈیاد کے احناف نے مولوی شرف الدین صاحب احمد آبادی اور مولوی محمد عیسیٰ صاحب ساکن گودھرہ (پنچ محل علاقہ گجرات) کو مناظرہ کے لئے اکسایا۔ جب فریقین اہل حدیث اور احناف مناظرہ کرنے پر متفق ہو گئے تب اہل حدیث جماعت کی طرف سے مولانا محمد صاحب سورتی رحمہ اللہ (یہ مولانا محمد ھاشم سورتی سامرودی ہیں) مناظر مقرر ہوئے۔

احناف کی طرف سے مولوی محمد عیسیٰ صاحب مناظر مقرر کئے گئے۔ اس مجلس مناظرہ کا صدر ضلع کا کلکٹر ہوا۔ حکومت نے امن قائم کرنے کے لئے پولیس کا کافی بندوبست کیا، شہر کی جامع مسجد میں یہ مناظرہ ہونا قرار پایا۔ جب مناظرہ کا وقت آیا مولوی محمد عیسیٰ صاحب نے جو حنفیوں کے مناظر تھے یہ کہا کہ میں نڈیاد کے مولوی یعنی مولوی محمد حسین صاحب سے مناظرہ کروں گا، مولوی محمد صاحب سے نہیں۔ کلکٹر نے مولانا کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ یہ تم سے مناظرہ نہیں کرنا چاہتے تو مولوی محمد حسین صاحب سے مناظرہ کر لیں گے۔ مولانا نے جواب میں فرمایا کہ جو میں مولوی حسین کی طرف سے وکیل ہو کر مناظرہ کرنا چاہتا ہوں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ مجھ سے مناظرہ نہ کیا جائے۔

لفظ وکیل کہتے ہی کلکٹر نے فیصلہ کیا کہ وکیل کی حیثیت سے مولوی محمد صاحب، مولوی محمد حسین صاحب کی طرف سے مناظرہ کرنے کا قانوناً حق رکھتے ہیں۔ اگر مولوی محمد عیسیٰ صاحب بھی اپنا کوئی وکیل مقرر کریں تو ایسا کر سکتے ہیں ورنہ یہ خود مناظرہ کریں۔

اس فیصلے کے بعد مولوی محمد عیسیٰ صاحب مجبوراً مولانا محمد صاحب کے مقابلہ میں مناظرہ کے لئے کھڑے ہوئے۔ صبح سے شام تک مناظرہ ہوتا رہا۔ معلوم ہوتا ہے کلکٹر کوئی علم دوست اور مذہبی آدمی تھا۔ اس نے اس مناظرہ میں بہت دلچسپی لی۔ بار بار مولانا محمد صاحب کو شاباشی دیتا تھا، یہاں تک کہ اس نے اثنائے مناظرہ بطور انعام پانچ روپے جیب سے نکال کر مولانا کو دیئے۔ کلکٹر نے اختتام مناظرہ کے بعد جماعت اہل حدیث کی فتح کا اعلان کر دیا۔

مناظرہ قرأت خلف الامام، آمین، رفع الیدین پر ہوا۔ مناظرہ کی کل روداد مجھ کو نہ مل سکی کیوں کہ پچیس سال ان مناظرے کو ہو گئے۔

علی جی جن کی عمر اس وقت ۸۵ رسال ہے اس مناظرہ میں شریک تھے میں نے مناظرے کا حال ان ہی سے معلوم کیا۔

وہ کہتے ہیں کہ مناظرہ میں عجیب کیفیت رہی۔ مولوی محمد عیسیٰ صاحب نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی دلیل (واذا قری القرآن ـــــــــــ الخ) پیش کی۔ مولانا محمد صاحب نے دریافت کیا کہ یہ آیت مکی ہے یا مدنی؟ مولوی محمد عیسیٰ صاحب خاموش رہے۔ مولانا نے کہا یہ آیت مکی ہے، انگریزی ترجمہ کا قرآن مجید نکال کر کلکٹر نے دیکھا تو وہی بات نکلی جو مولانا صاحب نے فرمائی تھی۔ اس مناظرہ کا اثر یہ ہوا کہ دھڑا دھڑ لوگ اہلحدیث ہو گئے اور الحمد للہ آج یہاں اہل حدیث کافی تعداد میں موجود ہیں۔

از مولانا ابوالفضل عبدالحنان صاحب

ایڈیٹر مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی، فروری ۱۹۳۷ء۔ (بحوالہ تذکرۃ المناظرین ۱/۱۴۶۔۱۵۰)

❑❑❑

ضروری وضاحت وگذارش

- سالنامہ تاریخ اہل حدیث کی اشاعت کا مقصد جماعتی تاریخ کی تدوین وترتیب ہے۔
- علمائے مرحومین کے ساتھ خصوصی طور پر علمائے موجودین کا تذکرہ بھی اس سالنامے کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔
- ان شاء اللہ جن علمائے موجودین کے سوانحی خاکے ہمارے پاس موجود ہیں یا انہوں نے فارم اہل حدیث انسائیکلو پیڈیا کے واسطے ہمیں ارسال کئے ہیں جلد ہی آئندہ جلدوں میں اس کی اشاعت ہوگی۔ خاص طور پر مئو، بنارس، سدھارتھ نگر، بہار وبنگال اور دوسرے صوبوں کے بعض علماء کی سوانح موصول ہوئے ہیں۔
- مرحومین علماء کی ایک بڑی تعداد ہے ظاہر سی بات ہے کہ ایک یا دو جلدوں میں اسے سمیٹنا یا مکمل کرنا ممکن نہیں اس لئے بقیہ لوگوں کے تذکرے آئندہ شماروں میں حسب امکان وگنجائش شائع ہوتے رہے گے۔
- تذکرہ نگاری اور علمی سوانح کی تدوین وترتیب میں ہماری جماعت بہت پیچھے ہیں اس لئے موجودین کو چاہیے کہ جلد از جلد ہمیں اپنی سوانحی وخدمات کا خاکہ ضرور ارسال کریں تاکہ دھیرے دھیرے یہ شائع کئے جاتے رہیں۔

تاریخ اہلِ حدیث کی حقّانیت اور عُلمائے اہلِ حدیث کی گرانقدر خدمات پر مشتمل
ایک اہم علمی و تاریخی دستاویز

سالنامہ

شُمارہ-1

تاریخِ اہلِ حدیث

2016

اعداد و ترتیب

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

باهتمام و تعاون

محسن جماعت عبدالشکور چودھری حفظہ اللہ

چیرمین المنار ھائی اسکول، پوار بستی، پُونہ

ناشر

مرکز تاریخ اہلِ حدیث، ممبئی

برانچ آفس: بس اسٹاپ برطھنی بازار، سدھارتھ نگر، یوپی

سلسلۂ اشاعت ۱

اضلاعِ بستی وگونڈہ میں

میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ

کے تلامذہ کے دعوتی، اصلاحی وتعلیمی اثرات

الناشر

مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی

برانچ آفس : بس اسٹاپ، بڑھنی بازار، سدھارتھ نگر، یوپی

مسلک اہل حدیث کی تاریخ اور اس کے علماء کی خدمات کی منظم ترتیب واشاعت کے لئے
ہندوستان کا اولین علمی مرکز

مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی

برصغیر میں جماعت اہل حدیث کی ایک سنہری تاریخ ہے، جو ماضی میں قافلۂ حق وصداقت کے سرفروشانہ جدو جہد، اس کی بے مثال قربانیوں، علماء کی ہمہ جہت دعوتی، تدریسی، اصلاحی اور رفاہی خدمات اور ان کی مثالی زندگیوں کے سنہرے اور تابندہ نقوش سے عبارت ہے، اسی سنہری تاریخ کی منظّم ترتیب واشاعت کے لئے مرکز تاریخ اہل حدیث کا قیام عمل میں آیا، تاکہ جماعت کا یہ عظیم الشان علمی وتاریخی سرمایہ محفوظ کیا جاسکے اور ماضی کے سنہرے اوراق کی روشنی میں نسل نو اپنے حسین وتابناک مستقبل کی تعمیر کرسکے۔

بنابریں تمام علماء، دعاۃ، ائمہ، خطباء، اعیان جماعت اور ہمدردان تاریخ سے مخلصانہ اپیل ہے کہ اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا و جماعتی تاریخ کی تدوین واشاعت میں مرکز کا ہر ممکن تعاون فرمائیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

دعاؤں کا طالب

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی

MARKAZ TAREEKH AHLEHADEES, Mumbai

Branch Office: Bus Stop Barhani Bazar, Siddharth Nagar, U.P.
E-mail: tareekh.ahlehadees@gmail.com, abdulhakimmumbai@gmail.com